دارالشعور www.darulshaour.com

پاکستان کی سیاسی تاریخ

پاکستانی سیاست کے پس پردہ حالات و واقعات کا انسائیکلوپیڈیا

احمد سلیم

جلد دوم

پاکستان کی سیاسی تاریخ

(دوسری جلد)

پاکستانی سیاست کے پس پردہ حالات و واقعات کا انسائیکلوپیڈیا

احمد سلیم

★A Gift from★
Rozina Junejo - Zaffar Junejo
Elsa, Maghana & Sudharath

دار الشعور

37-مزنگ روڈ، لاہور، پاکستان

Email:Info@darulshaour.com
www.darulshaour.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

☆ نام کتاب: پاکستان کی سیاسی تاریخ (دوسری جلد)

☆ مصنف : احمد سلیم

☆ اشاعت : 2018ء

☆ مطبع : طیب شمشاد پرنٹرز، لاہور

☆ قیمت : -/1500 روپے

☆ برائے :

دارالشعور 37 مزنگ روڈ، بک سٹریٹ، لاہور

اہتمام

محمد عباس شاد

042 37239138, 03009426395

Email:info@darulshaour.com

www.darulshaour.com

Facebook.com\darulshaour

اکتوبر 1958ء

27/ اکتوبر---- صدارتی کابینہ

سرکاری اعلان کے مطابق، وزیراعظم کا عہدہ ختم کرکے صدارتی طرز حکومت نافذ کر دیا گیا۔ ایوب کابینہ کے ارکان اور ان کے محکمے:

1	لیفٹیننٹ جنرل محمد اعظم خان (سینئر وزیر)	بحالیات و آباد کاری
2	لیفٹیننٹ جنرل واجد علی برکی	صحت و سماجی بہبود
3	لیفٹیننٹ جنرل کے ایم شیخ	داخلہ امور
4	مسٹر منظور قادر	خارجہ امور
5	ایف۔ ایم۔ خان	مواصلات
6	مسٹر حبیب الرحمان	تعلیم و اطلاعات
7	مسٹر ابو القاسم خان	صنعت
8	مسٹر حفیظ الرحمان	خوراک و زراعت
9	مسٹر ذوالفقار علی بھٹو	تجارت
10	مسٹر محمد شعیب	خزانہ
11	مولوی محمد ابراہیم	قانون

یہ وزارت 17/ فروری 1960ء تک کام کرتی رہی۔ اس کے ساتھ ہی بری، بحری اور ہوائی افواج کے سربراہوں کو مارشل لاء کے نائب ناظمین اعلیٰ مقرر کر دیا گیا۔

29 اکتوبر۔ مارشل لاء کے تحت مزید تقرریاں اور تبادلے

لیفٹیننٹ جنرل اعظم خان کے سینئر وزیر مقرر ہو جانے کے بعد لیفٹیننٹ جنرل بختیار رانا نے مغربی پاکستان کے ناظم مارشل لاء کا عہدہ سنبھال لیا۔ انہوں نے کنٹرول کے سابقہ احکام کو منسوخ کرکے مغربی پاکستان کے مختلف اضلاع (کراچی اور ملیر کے استثنیٰ کے ساتھ) میں گیہوں، آٹے، چاول اور بعض دوسری اشیاء کی قیمتیں از سر نو مقرر کر دیں۔ مسٹر منظور قادر اور مسٹر حبیب الرحمان نے بھی وزیروں کے عہدے کا حلف اٹھایا۔ بریگیڈیئر فضل مقیم پشاور کے نئے مارشل لاء سب ایڈمنسٹریٹر مقرر کر دیئے گئے۔

29/ اکتوبر---- ایوب خان کی مس فاطمہ جناح سے ملاقات

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدر پاکستان جنرل ایوب نے مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح سے، ان کی رہائش گاہ پر جا کر ملاقات کی۔

30 اکتوبر---- اسکندر مرزا کے خلاف ایوب خان کی الزام تراشی

جنرل ایوب خان نے ایک بیان میں سابق صدر مملکت اسکندر مرزا کے خلاف الزام عائد کیا کہ ان کا سیاستدانوں سے گہرا ربط و ضبط تھا اور عام تاثر یہ ہے کہ وہ بھی سیاسی ابتری کے ذمہ دار تھے۔

30 اکتوبر---- سماج دشمن سرگرمیوں کے خلاف اقدامات

کراچی میں اعلیٰ سطح کی ایک کانفرنس صدر ایوب کی صدارت میں منعقد ہوئی جس میں فیصلہ کیا گیا کہ سماج دشمن سرگرمیوں کے قلع قمع کے اقدامات کو موثر بنایا جائے۔

31 اکتوبر---- غلط الاٹمنٹوں کے خلاف اقدام

وزیر بحالیات لیفٹیننٹ جنرل اعظم خان نے اعلان کیا کہ جن لوگوں کے غلط الاٹمنٹس کرا رکھی ہیں وہ تیس دن کے اندر اندر اس بارے میں صحیح بیانات داخل کرا دیں۔ انہوں نے عزم ظاہر کیا کہ مہاجرین کو جلد از جلد آباد کر دیا جائے گا۔

نومبر 1958ء

یکم نومبر---- قیمتوں پر کنٹرول کی نئی سکیم کا اعلان

صدر ایوب نے اعلان کیا کہ حکومت درآمدی سامان، ملکی سامان اور اہم غذائی اشیاء پر کنٹرول کرے گی۔ نئی قیمتوں کا اطلاق 17 نومبر سے ہو گا۔

یکم نومبر---- پاکستانی علاقوں پر بھارتی فائرنگ

مشرقی پاکستان کے سرحدی علاقے پر ہندوستانی فوجوں نے فائرنگ کی۔

2 نومبر---- اسکندر مرزا لندن جلاوطن

پاکستان کے سابق صدر اسکندر مرزا کو جلاوطن کر کے جبری طور پر لندن روانہ کر دیا گیا۔

3 نومبر---- مارشل لاء کا نیا ضابطہ

صدر ایوب نے ایک نیا ضابطہ نافذ کیا جس کی رو سے ان لوگوں کو اپنی آمدنیوں کے بارے میں مزید 15 دسمبر تک مہلت دے دی گئی جنہوں نے ٹیکسوں سے بچنے کے لئے غلط حسابات پیش کئے تھے۔ انہیں یقین دلایا گیا کہ صحیح حسابات پیش کرنے پر ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی

جائے گی۔

3 نومبر—معاہدہ بغداد کے رکن ملکوں کی مشقیں

معاہدہ بغداد کے رکن ملکوں کے زیر انتظام بحری مشقیں شروع کر دی گئیں۔

3 نومبر—عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ نہیں کیا جائے گا

ایک سرکاری اعلان کے مطابق عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کرنے کا منصوبہ منسوخ کر دیا گیا۔

3 نومبر—رحیماں بی بی' اغوا اور آبرو ریزی

مغربی پاکستان ہائی کورٹ نے رحیماں بی بی کے اغوا اور آبرو ریزی کے ایک ملزم کی اپیل مسترد کر دی اور دو کو رہا کر دیا۔

4 نومبر—سمگلروں کی جائیداد ضبط

لاہور کے 19 سمگلروں کی ساری جائیداد ضبط کر لی گئی۔ اسی روز ستلج کاٹن ملز کے جنرل مینجر گجانند ڈالمیا کو گرفتار کر لیا گیا۔

5 نومبر—اصغر خان' ایئر مارشل ہو گئے

پاکستان کی فضائی فوج کے کمانڈر انچیف ایئر وائس مارشل اصغر خان کو ترقی دے کر ایئر مارشل بنا دیا گیا

7 نومبر—واپڈا کا نیا چیئرمین

مسٹر جی احمد کی جگہ غلام فاروق واپڈا کے نئے چیرمین مقرر کر دیئے گئے۔

8 نومبر—لازمی فوجی خدمات

مغربی پاکستان کے میڈیکل افسروں کے لئے فوج میں خدمات سر انجام دینا لازمی قرار دے دیا گیا۔

8 نومبر—جمیل رضوی کی صوبہ سرحد میں تقرری

مسٹر جمیل حسین رضوی' صوبہ سرحد کے ایڈووکیٹ جنرل مقرر کر دیئے گئے۔

9 نومبر—ناجائز سونا برآمد

کراچی کے قریب سمندر سے مزید گیارہ من سونا برآمد کر لیا گیا۔ اس سے چند روز قبل پچاس لاکھ روپے سے زائد کا ناجائز سونا پکڑا گیا تھا۔ اس سلسلے میں مشہور سمگلر قاسم بھٹی کی ایک کار بھی قبضے میں کر لی گئی۔

10 نومبر—فوجی عدالتیں ختم

کراچی اور ملیر کے سوا' مغربی پاکستان میں مارشل لاء کے فرائض سے فوجیوں کی سبکدوشی کا اعلان کر دیا گیا صوبے میں فوجی عدالتیں بھی ختم کر دی گئیں۔ ایوب خان نے ایک بیان میں کہا کہ حکومت کا اصل کام صورت حال کو بہتر بنانا ہے۔

11 نومبر—مشرقی پاکستان اور کراچی سے بھی فوج ہٹالی گئی

مشرقی پاکستان میں فوج کو مارشل لاء کے فرائض سے ہٹا لیا گیا۔ کراچی میں بھی فوج مارشل لاء کے فرائض سے الگ ہو گئی اور فوجی عدالتیں ختم کر دی گئیں۔

12 نومبر—کشمیر کی آزادی

صدر ایوب نے راولپنڈی میں آزاد جموں و کشمیر حکومت کے صدر اور وزراء سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کشمیر کی آزادی کی جدوجہد کو کبھی ترک نہیں کرے گا۔

14 نومبر—چوہدری غلام عباس سے صدر ایوب کی ملاقات

صدر پاکستان نے کشمیری رہنما چوہدری غلام عباس سے مسئلہ کشمیر پر بات چیت کی۔ کشمیری رہنما نے کشمیر کے سلسلے میں صدر ایوب کی کوششوں پر اطمینان کا اظہار کیا۔ کینیڈا کے وزیر اعظم نے' جو پاکستان کے چھ روزہ دورے پر پاکستان آئے ہوئے تھے نے مسئلہ کشمیر کے طویل عرصے تک معلق رہنے پر تشویش کا اظہار کیا۔

14-16 نومبر—سکریننگ کمیٹیوں کا قیام

سرکاری ملازمین کے کردار' املاک' دیانت اور اہلیت کا جائزہ لینے کے لئے مرکزی حکومت نے سکریننگ کمیٹیاں قائم کر دیں۔ 16 نومبر کو صدر ایوب نے سول حکام کو تنبیہ کی کہ ناکام لوگوں کو نظم و نسق سے الگ کر دیا جائے گا۔

15 نومبر—شعیب وزیر خزانہ مقرر ہو گئے

مسٹر محمد شعیب پاکستان کے مرکزی وزیر خزانہ مقرر کر دیے گئے۔ انہوں نے اپنے عہدے کا حلف اٹھالیا۔

17 نومبر [illegible]

ڈاکٹر خان صاحب کے مقدمہ قتل کے فیصلہ میں سیشن جج شیخ انوارالحق نے عطا محمد کو سزائے موت کا حکم دیا اور علامہ عنایت اللہ المشرقی کو بری کر دیا۔

22 نومبر۔۔۔ بنگالی ہفت روزہ ضبط

حکومت پاکستان نے ہفت روزہ بنگالی جریدے دیش کو بحق سرکار ضبط کر لیا۔

22 نومبر۔۔۔ فائر بندی کا سمجھوتہ

پاک و ہند پر دونوں حکومتوں کے درمیان فائر بندی کا سمجھوتہ ہو گیا۔

23 نومبر۔۔۔ قانونی کمیشن کا قیام

مرکزی حکومت نے قانونی اصلاحات کا کمیشن قائم کر دیا۔ جسٹس ایس اے رحمان کو کمیشن کا چیرمین مقرر کیا گیا۔

24 نومبر۔۔۔ جسٹس اخلاق حسین معطل

مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے جسٹس اخلاق حسین معطل کر دیئے گئے۔ صدر نے یہ حکم چیف جسٹس کے مشورے کے بعد جاری کیا۔

25-26 نومبر۔۔۔ فوجی عدالتیں بحال

مشرقی پاکستان میں سرسری سماعت کی فوجی عدالتیں دوبارہ قائم کر دی گئیں۔ اگلے روز مغربی پاکستان میں بھی خصوصی فوجی عدالتیں بحال کر دی گئیں۔ مشرقی پاکستان میں پبلک سیفٹی آرڈیننس بھی نافذ کر دیا گیا۔

28 نومبر۔۔۔ مارشل لاء کا نیا ضابطہ

مارشل لاء کا ایک نیا ضابطہ جاری کیا گیا جس کی رو سے 31 دسمبر تک متروکہ جائیداد کے غلط یا مبالغہ آمیز دعوے واپس نہ لینے والوں کو سات سال قید با مشقت کی سزا دی جا سکے گی اور ان کی جائیداد بھی مکمل یا جزوی طور پر ضبط کی جا سکے گی۔

30 نومبر۔۔۔ نئے دفاعی معاہدے کے لئے امریکہ سے مذاکرات

ایک اطلاع میں بتایا گیا کہ پاکستان اور امریکہ کے درمیان ایک نئے دو طرفہ دفاعی معاہدے کی بات چیت ہو رہی ہے۔

30 نومبر۔۔۔ مشرقی پاکستان اناج میں خود کفیل ہو جائے گا

مرکزی وزیر خوراک نے کہا کہ مشرقی پاکستان میں اس سال اتنا اناج پیدا ہو گا کہ اس سے صوبے کی ضروریات پوری ہو جائیں گی۔

30 نومبر۔۔۔ زرعی اصلاحات کے کمیشن نے اپنا کام مکمل کر لیا

زرعی اصلاحات کے کمیشن نے اپنا کام مکمل کر لیا جس کے مطابق زرعی اصلاحات کے ذریعے حد ملکیت مقرر کرنے کا اصول بھی وضع کر لیا گیا۔

دسمبر 1958ء

2 دسمبر۔۔۔ پاکستان میں جمہوری اور نمائندہ حکومت قائم ہو گی

کوئٹہ میں صدر ایوب نے اعلان کیا کہ پاکستان میں آئندہ جمہوری اور نمائندہ حکومت قائم ہو گی۔

3 دسمبر۔۔۔ بھارتی فوج کا دو پاکستانی جزیروں پر قبضہ

ہندوستانی فوج نے مشرقی پاکستان کے ایک جزیرے پر قبضہ کر لیا۔ ایک روز قبل بھی ایک جزیرے پر قبضہ کیا گیا تھا۔

4 دسمبر۔۔۔ سیاسی جلسے جلوسوں پر پابندی

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدر جنرل ایوب نے مارشل لاء کے نئے ضابطوں کا اعلان کیا۔ ان کی رو سے سیاسی جلسے جلوسوں میں شرکت پر پابندی لگا دی گئی۔ جمعرات اور جمعہ کو گوشت کا ناغہ کر دیا گیا۔ رجسٹرڈ ڈاکٹر کے نسخے کے بغیر انسانی زندگی کے لئے ضروری ادویات کی فروخت ممنوع قرار دے دی گئی۔ عورتوں کو چھیڑنے کی انتہائی سزا پانچ سال قید با مشقت مقرر کر دی گئی اس کے ساتھ ہی لاہور، ملتان اور بہاولپور ڈویژنوں کے لئے خصوصی سماعت کی تین فوجی عدالتیں قائم کر دی گئیں۔

5 دسمبر۔۔۔ پطرس بخاری انتقال کر گئے

اقوام متحدہ کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل پروفیسر احمد شاہ پطرس بخاری نیو یارک میں حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال کر گئے۔

5 دسمبر۔۔۔ ملزموں کو ہتھکڑی نہ لگائی جائے

ڈپٹی انسپکٹر جنرلوں نے اپنے اجلاس میں حکومت سے سفارش کی کہ جرم ثابت ہونے سے پہلے بے ضرر ملزموں کو ہتھکڑی نہ لگائی جائے۔

6 دسمبر — نہری پانی کے سلسلے میں پاک - بھارت مذاکرات

نہری پانی کے سوال پر بات چیت کے لئے پاکستان اور بھارت کے وفود واشنگٹن پہنچ گئے۔

7 دسمبر — سابق فوجیوں کے لئے کارخانوں کا قیام

کمانڈر انچیف نے ملتان میں اعلان کیا کہ سابق فوجیوں کو روزگار مہیا کرنے کے لئے چار کارخانے قائم کئے جائیں گے۔ ان میں ایک کارخانہ شکر سازی کا بھی ہو گا۔

8 دسمبر — اچکزئی کو 14 سال قید کی سزا

بلوچستان میں شمالی پشتون علاقے کے رہنما عبدالصمد خان اچکزئی کو 14 سال قید بامشقت کی سزا سنادی گئی۔

9 دسمبر — مارشل لاء قائم رہے گا

مشرقی پاکستان میں مارشل لاء کے ناظم نے اعلان کیا کہ حالات کی مکمل اصلاح تک مارشل لاء قائم رہے گا۔ اسی روز پاکستان کے محکمہ ڈاک نے عالمی انسانی حقوق کے دن کے موقع پر خصوصی ڈاک ٹکٹ جاری کئے۔

10 دسمبر — مارشل لاء کے متعدد ضابطے منسوخ

مغربی پاکستان (زون بی) میں آٹھ کے سوا مارشل لاء کے باقی تمام احکام منسوخ کر دیئے گئے۔ مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے فل بنچ نے فیصلہ دیا کہ بنیادی حقوق سے متعلق قوانین اب نافذ العمل نہیں ہیں۔

12 دسمبر — تعلیمی کمیشن کا قیام

نظام تعلیم کی اصلاح کے لئے حکومت نے دس ارکان پر مشتمل تعلیمی کمیشن قائم کر دیا۔

12 دسمبر — متروکہ جائیدادوں سے متعلق ادارے کا قیام

متروکہ جائیدادوں سے متعلق خفیہ معلومات کے ادارے نے کام شروع کر دیا۔

14 دسمبر — ملک کو نہایت عمدہ آئین دینے کا اعلان

صدر ایوب نے راولپنڈی میں کہا کہ وقت آنے پر ملک کو نہایت عمدہ آئین دیا جائے گا۔

15 دسمبر — دوسرے پنجسالہ منصوبے کی تیاریاں

منصوبہ بندی کمیشن کے چیرمین نے اعلان کیا کہ دوسرا پنجسالہ ترقیاتی منصوبہ اگلے سال اکتوبر تک پیش کر دیا جائے گا۔

15 دسمبر — فیض احمد فیض گرفتار

اردو زبان کے معروف شاعر اور ترقی پسند تحریک سے وابستہ ایک نمایاں شخصیت جناب فیض احمد فیض کو مغربی پاکستان سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ وہ 6 اکتوبر کو تاشقند میں ایشیائی ادیبوں کی کانفرنس میں شرکت کے لئے روس گئے تھے۔

17 دسمبر — رنگون والا اور دوسرے تاجر گرفتار

کراچی پولیس نے مسٹر رنگون والا اور دو ممتاز تاجروں کو گرفتار کر لیا۔

20 دسمبر — کشمیر اور بھارت کی خلاف ورزیاں

سلامتی کونسل کے نام پاکستانی مندوب نے ایک خط میں ہندوستان پر الزام لگایا کہ وہ کشمیر سے فوجیں نکالنے کی ہدایت کی مسلسل خلاف ورزی کر رہا ہے۔

22 دسمبر — غنڈہ ایکٹ

مغربی پاکستان ہائی کورٹ نے ایک مقدمے کا فیصلہ سناتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی کہ کسی شخص کو غنڈہ ایکٹ کے تحت علاقہ بدر نہیں کیا جا سکتا۔

22 دسمبر — چوہدری ظہور الٰہی کی ضمانت منسوخ

گجرات کے صنعت کار چوہدری ظہور الٰہی کی مشروط ضمانت منسوخ کر دی گئی۔

22-24 دسمبر — کابینہ کے اجلاس میں خارجہ پالیسی پر بحث

وزیر خارجہ جناب منظور قادر نے کابینہ کے سامنے بعض رہنما اصولوں پر مشتمل ایک خلاصہ پیش کیا۔ وزیر تجارت جناب ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ "اس خلاصہ سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ ہماری خارجہ پالیسی ہمارے امریکہ امداد کو منظور کرنے کی روشنی میں طے پاتی ہے اور

راستہ کا تعین کیا جا چکا ہے ..... ہمارے لئے کشمیر اور نہری پانی کے مسائل سب سے اہم مسائل ہیں۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہماری خارجہ پالیسی نے ان مسائل کو حل کرنے میں کتنی مدد دی ہے۔ یہ بات تو یقینی ہے کہ ہندوستان کے ساتھ جنگ کی صورت میں امریکہ ہماری مدد کو نہیں پہنچے گا "۔ انہوں نے مزید کہا کہ "امریکہ کے ساتھ منسلک ہونے کے اصول کو ہمیں غیر ضروری طور پر طول نہیں دینا چاہیے۔" وزیر خارجہ نے جواباً کہا کہ "یہ خلاصہ ان حالات کے حقیقت پسندانہ تجزیہ کی روشنی میں تیار کیا گیا ہے جن کے باعث امور خارجہ کے میدان میں ہماری نقل و حرکت محدود ہو جاتی ہے"۔ صدر ایوب نے ملک کی صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ ہماری خارجہ پالیسی میں لچک پیدا کرنے کی زیادہ گنجائش نہیں ہے" انہوں نے مزید کہا کہ "واقعہ یہ ہے کہ ہمیں امداد کی ضرورت ہے لہٰذا ہمیں کوئی ایسا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے جس سے وہ لوگ ناراض ہو جائیں جو ہماری ملکی ترقی اور سلامتی کے لئے ہمیں امداد دیتے ہیں۔ امریکہ ہمیں جو امداد دے رہا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں ایک ایسے علاقے میں اپنی آزادی برقرار رکھنے میں مدد ملے جس سے کیمونزم کو خطرہ ہے"۔

جب یہ نکتہ اٹھایا گیا کہ "ہمیں چین کے متعلق اپنے رویہ میں کچھ لچک ظاہر کرنا چاہیے اور اسے اقوام متحدہ کے رکن کی حیثیت دے منظور کئے جانے کے لئے کام کرنا چاہیے" تو اس کا یہ جواب دیا گیا کہ "فی الحال ہماری جانب سے ایسی کوئی بھی کوشش بلا شبہ حکومت ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی پریشانی کا باعث ہو گی" تیسری دنیا کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی گئی کہ یہ "درحقیقت کوئی بلاک نہیں ہے ایسے ملکوں کا جتھہ ہے جو دونوں بلاکوں کے درمیان پینگیں لے رہے ہیں"

اجلاس میں یہ نکتہ بھی اٹھایا گیا کہ ہمیں ہندوستان کے ساتھ اچھے تعلقات پیدا کرنے چاہئیں کیونکہ اس طرح امریکہ کے ساتھ تعلقات اور بھی بہتر ہو جائیں گے"

کابینہ کے 24 دسمبر کے اجلاس میں مسئلہ کشمیر پر غور کیا گیا۔ وزیر تجارت ذوالفقار علی بھٹو نے اس بات پر کہا کہ "ہمیں مسئلہ کشمیر پر زور دیتے رہنا ہو گا" انہوں نے متبادل راستہ تجویز کیا کہ سلامتی کونسل میں روسی ویٹو کی وجہ سے اقوام متحدہ کے منشور کی دفعہ 10 کے تحت جنرل اسمبلی سے رجوع کیا جائے"۔ سیکرٹری جنرل نے یہ دلیل پیش کی کہ جنرل اسمبلی سے رجوع کرنے کا یہ نتیجہ ہو گا کہ ہم اقوام متحدہ کے سامنے اپنا معاملہ پیش کرنے کے تمام راستے ختم کر دیں گے" لہٰذا یہ بہتر سمجھا گیا کہ اسی پالیسی پر عمل کیا جائے جس پر ماضی میں عمل کیا گیا تھا۔

صدر ایوب نے کہا کہ "یہ درست ہے کہ معاہدہ بغداد سے مسئلہ کشمیر کا حل اور دشوار ہو گیا ہے لیکن اس میں پاکستان کی سالمیت اور سلامتی کی ضمانت دی گئی ہے۔ جمود کی صورت میں انتہائی صبر و تحمل سے کام لینا ہی اہم ترین بات ہے"

اجلاس میں دیگر شرکاء (بلا تخصیص) نے حسب ذیل نکتے بھی اٹھائے۔

(ا) ہمیں چین کی طرف جھکاؤ کا تجربہ نہیں کرنا چاہیے۔

(ب) ہمیں روس سے فنی امداد لینے یا اس سے ثقافتی تعاون کرنے سے احتراز کرنا اور کیمونسٹ ممالک کے ساتھ تجارتی تعلقات بڑھانے میں محتاط رہنا چاہیے کیونکہ ممکن ہے امریکی حکومت اس خیال کو پسند نہ کرے۔

(ج) جب یہ دلیل پیش کی گئی (غالباً وزارت تجارت کی جانب سے) کہ سوشلسٹ ممالک کے ساتھ تعلقات ہماری کپاس کے لئے اہم ہیں تو صدر مملکت نے کہا کہ "ہمیں اپنی فاضل کپاس کو فروخت کے لئے امریکہ کو پیش کرنا چاہیے اور اسے اپنی مشکلات سے آگاہ کرنا چاہیے۔ اگر وہ اسے نہ خرید سکے تو پھر ہمیں کیمونسٹ ممالک سے گفت و شنید کرنا چاہیے"

تاہم فیصلہ یہ ہوا کہ وزارت تجارت کپاس اور دیگر اشیاء کی تجارت میں حتی الامکان اضافے کے لئے کیمونسٹ ممالک کے ساتھ موجودہ تجارتی انتظامات کا دوبارہ جائزہ لے۔

28 دسمبر—احمد ریاض انتقال کر گئے

ایک طویل مدت سے تپ دق میں مبتلا ترقی پسند شاعر احمد ریاض اپنے آبائی قصبے چک جھمرہ میں انتقال کر گئے۔

29 دسمبر—ہندوستان پانی بند کر دے گا

ہندوستان کے آبپاشی کے وزیر نے دھمکی دی کہ بھارت 1960ء میں پاکستان کو نہری پانی کی فراہمی روک دے گا۔

30 دسمبر—تعلیمی کمیشن کا قیام

مارشل لاء حکومت نے ایک تعلیمی کمیشن قائم کرکے اسے فوراً کام شروع کرنے کی تاکید کر دی۔

یکم جنوری 1959ء

یکم جنوری—ایک ارب روپے کی پوشیدہ دولت ظاہر

حکومت نے پوشیدہ دولت ظاہر کرنے کے لئے پندرہ دن کی مہلت مزید بڑھا دی۔ اب تک ایک ارب روپے کی پوشیدہ دولت اور ساڑھے

چار کروڑ کا زر مبادلہ ظاہر کیا جا چکا تھا۔

3 جنوری--- پاکستان اور امریکہ کے درمیان براہ راست فون سروس

ایک نئے سمجھوتے کے تحت پاکستان اور امریکہ کے درمیان براہ راست ٹیلی فون سروس شروع ہو گئی۔

4 جنوری--- کامنی کمار دتہ کا انتقال

پاکستان میں حزب اختلاف اور پاکستان کانگریس پارٹی کے ایک ممتاز رکن اور سابق وزیر قانون کا 83 برس کی عمر میں ڈھاکہ میں انتقال ہو گیا۔

4 جنوری--- اب کوئی مہاجر نہیں ہے: وزیر بحالیات

ایوب کابینہ کے وزیر بحالیات نے حکومت کی طرف مہاجرین کے لئے معاوضہ سکیم کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں کوئی مہاجر نہیں ہے۔

6 جنوری--- فقیرا خان جدون انتقال کر گئے

سابق رکن اسمبلی خان فقیرا خان جدون کا ایبٹ آباد میں انتقال ہو گیا۔

6 جنوری--- خان محمد واگہ کا انتقال

خان محمد خان واگہ سابق رکن پنجاب اسمبلی شیخوپورہ میں انتقال کر گئے۔

8 جنوری--- سرکاری افسر اپنی مالی حیثیت ظاہر کریں

حکومت نے سرکاری افسروں کو اپنی مالی حیثیت ظاہر کرنے کا نیا حکم جاری کیا۔ ایک روز قبل ان کی املاک کی تحقیقات کا آرڈیننس جاری کیا گیا تھا

10 جنوری--- بونس سکیم

حکومت نے برآمدات کے فروغ اور اضافے کے لئے بونس سکیم کا اعلان کر دیا۔

12 جنوری--- روسی احتجاج مسترد

امریکہ اور پاکستان کے درمیان ہونے والے دفاعی معاہدہ کے خلاف روسی احتجاج کو پاکستان نے مسترد کر دیا۔

16 جنوری--- کیڈٹ کالج پٹارو کا سنگ بنیاد

مارشل لاء کابینہ کے مرکزی وزیر تعلیم جناب حبیب الرحمان نے پٹارو (سندھ) میں پری کیڈٹ کالج کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔

19 جنوری--- فضائی فوج کا طیارہ تباہ

پاکستان کی ہوائی فوج کا ایک طیارہ سرگودھا کے قریب گر کر تباہ ہو گیا۔ پائلٹ فلائنگ آفیسر طاہر بھی ہلاک ہو گئے

24 جنوری--- زرعی اصلاحات کا اعلان

حکومت نے ملک میں زرعی اصلاحات کا اعلان کر دیا۔ ان اصلاحات کے نتیجے میں کسی شخص کو پانچ سو ایکڑ نہری یا ایک ہزار بارانی سے زائد زمین رکھنے کی اجازت نہیں ہو گی۔

26-27 جنوری--- معاہدہ بغداد کا وزارتی اجلاس

کراچی میں معاہدہ بغداد کی وزارتی کونسل کا اجلاس شروع ہوا جس کا افتتاح صدر ایوب نے کیا۔ اجلاس میں معاہدہ بغداد کی فوجی تنظیم کو مضبوط بنانے کا فیصلہ کیا گیا۔

27 جنوری--- بحری فوج کے نئے کمانڈر انچیف

کموڈور اے آر خان پاک بحریہ کے نئے کمانڈر انچیف مقرر ہوئے۔ انہوں نے وائس ایڈمرل ایچ۔ ایم۔ ایس چودھری کی جگہ لی۔

29 جنوری--- پاک فضائیہ کا طیارہ تباہ

راولپنڈی کے قریب پاک فضائیہ کا ایک طیارہ گر کر تباہ ہو گیا جس میں پاک ایئرفوس کے پانچ افسر اور دو امریکہ ہوا باز ہلاک ہو گئے۔

29-31 جنوری--- ادیبوں کے سرکاری ادارے کا قیام

29 جنوری کو صدر ایوب کے سیکرٹری قدرت اللہ شہاب اور قرۃ العین حیدر سمیت چند ادیبوں کی کوششوں سے پاکستانی ادیبوں کے ایک کل پاکستان کونشن کا افتتاح ہوا جس میں پاکستان بھر سے 212 ادیبوں نے شرکت کی۔ 31 جنوری کو مرکزی عہدیداروں کا انتخاب ہوا جس میں قدرت اللہ شہاب سیکرٹری جنرل چنے گئے۔ آخری اجلاس کی صدارت بابائے اردو مولوی عبدالحق نے کی۔ انہوں نے کہا:

"ادب ایک شریف پیشہ ہے۔ اس کی شرافت پر آنچ نہ آنے

دیجئے۔ راستی اور خلوص آپ کا شعار ہونا چاہیے۔ آپ ادب کے ذریعے قوم کے اخلاق اور کردار بنانے، روشن خیالی پھیلانے اور باطل خیالات اور ادہام کی تاریکی مٹانے میں بہت بڑی خدمت انجام دے سکتے ہیں۔ اپنے پیچھے ایسی یادگار چھوڑ جائیے کہ آئندہ نسلیں اس سے فیض حاصل کرتی رہیں"۔ قدرت اللہ شہاب نے پاکستانی ادیب کو درپیش مختلف خطرات کا ذکر کرنے کے بعد کہا: "کوئی ہمارا ذہنی مکہ واشنگٹن بنانے کے در پے ہے، کوئی ماسکو اور کوئی کلکتہ ماسکو اور کلکتہ والے ہمارے نظریات کی بیخ کنی کرنا چاہتے ہیں۔ واشنگٹن والے ہمیں اپنی راہ لگانا چاہتے ہیں لیکن یاد رکھئے ہمارا ذہنی مکہ صرف پاکستان میں ہے اور کہیں نہیں۔ آج جب کہ مارشل لاء کے 69 ضابطے میرا احاطہ کئے ہوئے ہیں اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنفس نفیس میرے سامنے بیٹھے ہیں۔ میں نہایت آزادی سے وہ سب کچھ کہہ سکا ہوں جو ابھی کہہ چکا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اگر ادیب کے طور پر میری اتنی آزادی برقرار رہے تو یہ میرے لئے قابل قبول ہے"۔

صدر ایوب خان نے اپنی فی البدیہہ تقریر میں کہا:

"کسی نے یہ مسئلہ اٹھایا ہے کہ سنسر کے قانون کا وجود تخلیقی قوتوں کو دبا دیتا ہے۔ ہاں یہ ناخوشگوار بات ہے لیکن اگر کوئی حکومت واقعی حکومت کہلانے کی اہل ہے تو اسے آٹھ کروڑ انسانوں کے تحفظ کی ذمہ داری پوری کرنی پڑے گی۔ اگر کوئی شخص اپنے وطن میں غیر ملکی مفادات اور غیر ملکی نصب العین کی پرورش کرتا ہے تو وہ یقیناً اپنے ملک کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ یہ ایک افسوسناک صورت حال ہو گی جس کا مقابلہ بغیر جھجکے اور مضبوط دل سے کرنا ہو گا۔ خواہ کوئی ادیب اتنا بڑا ہو کہ وہ مریخ سے باتیں کرے، اگر اس نے مادر وطن کی سلامتی کے خلاف کام کیا تو میں اپنے فرض میں کوتاہی کروں گا اگر اس سے باز پرس نہ کروں...."

یہ بات قابل ذکر ہے کہ فیض احمد فیض اور احمد ندیم قاسمی سمیت، اس وقت ملک کے کئی ممتاز اہل قلم ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت جیلوں میں بند تھے۔

فروری 1959ء

یکم فروری۔۔۔ پاک امریکہ سمجھوتہ

کراچی میں امریکہ اور پاکستان کی حکومتوں نے اقتصادی تعاون کے ایک سمجھوتے پر دستخط کئے جس کے تحت امریکہ نے پاکستان کو 10 کروڑ روپے کی امداد دینا منظور کیا۔

2 فروری۔۔۔ احمد ندیم قاسمی کی رہائی

ترقی پسند شاعر اور ادیب احمد ندیم قاسمی جنہیں مارشل لاء حکومت نے اکتوبر 1958ء میں پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کیا تھا، رہا کر دیا گیا۔

2 فروری۔۔۔ مارشل لاء کے تحت مقدمے

صوبہ مغربی پاکستان کی حکومت نے سرکاری محکموں میں رشوت ستانی کے خاتمے کے لئے مارشل لاء کی عدالتوں میں مقدمہ چلانے کا فیصلہ کیا۔

4-19 فروری۔۔۔ ڈیوک آف ایڈنبرا کا دورہ پاکستان

برطانیہ کی ملکہ الزبتھ کے شوہر ڈیوک آف ایڈنبرا پندرہ روزہ دورے پر ڈھاکہ پہنچے۔ انہوں نے کراچی، لاہور اور لائلپور (فیصل آباد) وغیرہ کا بھی دورہ کیا۔

14 فروری۔۔۔ زرعی اصلاحات کی رپورٹ کی اشاعت

حکومت نے زرعی اصلاحات کی رپورٹ شائع کر دی جس میں انکشاف کیا گیا کہ اعشاریہ ایک فی صد (0.1%) زمیندار 75 لاکھ ایکڑ زمین کے مالک ہیں۔

18 فروری۔۔۔ امریکی قرضوں کے نئے سمجھوتے

واشنگٹن میں پاکستان کے لئے پانچ نئے امریکی قرضوں کے سمجھوتوں پر دستخط ہو گئے۔ پاکستانی سکے میں ادا کئے جانے والے ان قرضوں کی شرح سود 50-3 فی صد مقرر کی گئی۔

19 فروری۔۔۔ روسی دھمکی

روس نے پاکستان کو خبردار کیا کہ اگر اس نے اپنی سرزمین پر کوئی غیر ملکی اڈہ قائم کیا تو یہ اس کے لئے سخت نقصان کا باعث ہو گا۔

19 فروری۔۔۔ اراضی کمیشن کے نئے اعلانات

مغربی پاکستان اراضی کمیشن نے اپنے نئے اعلانات کے تحت اس انتقال اراضی کو جائز قرار دے دیا جس پر بڑے زمینداروں نے مارشل لاء کے نفاذ سے پہلے قبضہ کر لیا تھا۔

21 فروری۔۔۔ مشرقی پاکستان کے نئے ناظم مارشل لاء

میجر جنرل امراؤ خان، بریگیڈیر اسلم کی جگہ مشرقی پاکستان کے عارضی ناظم اعلیٰ مقرر کر دیئے گئے۔

23 فروری۔۔۔ سرحدی تنازعات کانفرنس

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان سرحدی تنازعات کو طے کرنے کے لئے ایک کانفرنس کراچی میں شروع ہو گئی۔

26 فروری--- مشتاق احمد سیٹھی کا انتقال

سابق اسسٹنٹ پولیٹکل ایجنٹ ژوب کا لاہور میں انتقال ہو گیا۔

26 فروری--- کشمیری مہاجرین کے لئے اراضی

بحالیات کے مرکزی وزیر لیفٹیننٹ جنرل اعظم خان نے پنجاب کے چھ اضلاع--- سیالکوٹ' گوجرانوالہ' گجرات' جہلم' راولپنڈی اور کیمبلپور--- کے ڈپٹی کمشنروں کو ہدایت کی کہ ساڑھے چار ہزار کشمیری مہاجر کنبوں کو اراضی دینے کا انتظام کیا جائے۔

27 فروری--- کھوڑو' قید اور جرمانے کی سزا

سندھ کے سابق وزیراعلیٰ محمد ایوب کھوڑو کو مارشل لاء حکومت کی طرف سے پانچ سال سخت قید اور ڈیڑھ لاکھ روپے جرمانہ کی سزا ہوئی۔

28 فروری--- نئی لیبر پالیسی کا اعلان

محنت کے مرکزی وزیر نے نئی لیبر پالیسی کا اعلان کیا جس میں اجر اور اجیر کے تعلق اور صنعتی امن کے سلسلے میں گیارہ اصول وضع کئے گئے۔

مارچ 1959ء

یکم مارچ--- پاک امریکی دفاعی معاہدے پر روسی تنقید

سوویت یونین کے سرکاری اخبار ازوستیا نے اپنی تازہ اشاعت میں پاک اور امریکہ کے درمیان نئے دفاعی معاہدے پر شدید تنقید کی۔

2 مارچ--- مارشل لاء کا نیا ضابطہ

مسلح افواج کے سپریم کمانڈر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ایوب خان نے مارشل لاء کا ضابطہ نمبر 65 جاری کیا جس کے مطابق رشوت' سمگلنگ اور چور بازاری کے واقعات کی اطلاع دینا قانوناً لازمی قرار دیا گیا۔

3 مارچ--- تونسہ بیراج کا افتتاح

صدر ایوب نے آبپاشی کے ایک اور بڑے منصوبے تونسہ بیراج کا افتتاح کیا۔

4 مارچ--- جسٹس منیر سکریننگ کمیٹی صدارت سے مستعفی

مرکزی سکریننگ کمیٹی کے صدر جسٹس محمد منیر اپنے عہدے سے مستعفی ہو گئے۔

5 مارچ--- پاک- امریکہ دفاعی معاہدہ

ترکی کے دارالحکومت انقرہ میں پاکستان اور امریکہ کے درمیان ایک نئے دفاعی معاہدے پر دستخط ہو گئے جس کے مطابق پاکستان کے خلاف ہر جارحانہ اقدام کی صورت میں (خواہ یہ کسی طرف سے بھی ہو) امریکہ پاکستان کی مدد کرے گا اور مدد میں امریکہ کی مسلح افواج بھی حصہ لیں گی۔ ایوب خان کے ان دنوں کے سیکرٹری قدرت اللہ شہاب کے بقول جب پنڈت نہرو کو اس معاہدے کی خبر ہوئی تو انہوں نے امریکہ سے یہ یقین دہانی حاصل کی کہ اس معاہدے کا اطلاق ہندوستان پر نہیں ہو گا۔

8 مارچ--- آغا ہلالی روس کے سفیر ہو گئے

ممتاز سفارت کار آغا ہلالی کو روس میں پاکستان کا سفیر مقرر کر دیا گیا۔

10 مارچ--- بدعنوان ملازمین کے خلاف نیا ضابطہ

بدعنوان اور نا اہل سرکاری ملازموں کے خلاف کارروائی کے لئے مارشل لاء کے تحت ایک نیا ضابطہ جاری کر دیا گیا جس کے تحت دی جانے والی سزاؤں کے خلاف کوئی اپیل نہ کی جا سکتی تھی۔

12 مارچ--- فیض احمد فیض کی رہائی

ممتاز شاعر اور صحافی فیض احمد فیض کو شاہی قلعے سے رہا کر دیا گیا۔ انہیں چند ماہ قبل مارشل لاء حکومت نے ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت گرفتار کیا تھا۔

14 مارچ--- پاک- امریکی دفاعی معاہدہ

1959ء میں پاکستان نے امریکہ کے ساتھ "دو طرفہ تعاون" کے معاہدے پر دستخط کئے۔ اس معاہدے کے تحت' بقول ایوب خان' امریکہ کے لئے بعض حالات میں یہ لازمی ہو گیا تھا کہ اگر پاکستان کسی حملے کا شکار ہو تو امریکہ اس کی مدد کرے۔ ہندوستان نے امریکہ سے اس کی وضاحت طلب کی اور بقول مسٹر نہرو' واشنگٹن نے خاص طور پر یقین دلایا کہ یہ معاہدہ ہندوستان کے خلاف بروئے کار نہیں آئے گا"

18 مارچ--- دوسرے پنجسالہ منصوبے کی تجویز

چودہ ارب روپے کے اخراجات پر مشتمل پاکستان کے دوسرے پنجسالہ منصوبے کی تجویز مرتب کر لی گئی۔ منصوبے میں ترقیات کے لئے ایک ارب 14 کروڑ روپے وقف کئے گئے تھے۔

19 مارچ۔۔۔ خان غفار اور اچکزئی کی اپیلیں خارج

مغربی پاکستان ہائی کورٹ سے خان عبدالغفار خان اور عبدالصمد خان اچکزئی کی اپیلیں خارج کر دی گئیں۔

22 مارچ۔۔۔ فوجی عدالتوں کا قیام

لاہور' ملتان اور بہاولپور ڈویژنوں میں نئی فوجی عدالتیں قائم کر دی گئیں۔

25 مارچ۔۔۔ پریس کمیشن کی رپورٹ تیار ہو گئی

حکومت کے قائم کردہ پریس کمیشن کی رپورٹ مکمل کر لی گئی جس پر کمیشن کے چیرمین اور دوسرے ارکان نے دستخط کر دیئے۔

27 مارچ۔۔۔ ریٹائرڈ ڈپٹی کمانڈر انچیف پبلک سروس کمیشن کے چیئرمین ہو گئے

بری فوج کے ریٹائرڈ ڈپٹی کمانڈر انچیف جنرل ناصر علی خان صوبہ مغربی پاکستان کے پبلک سروس کمیشن کے چیرمین مقرر کر دیئے گئے۔

30 مارچ۔۔۔ تین ماہ کا بجٹ

مغربی پاکستان کے گورنر جناب اختر حسین نے اپریل۔ جون 1959ء کے دورانیئے کا تین ماہ کا بجٹ منظور کر لیا جس میں کوئی نیا ٹیکس نہیں لگایا گیا تھا۔

31 مارچ۔۔۔ مرکزی بجٹ میں رعائتوں کا اعلان

مرکزی وزیر خزانہ جناب محمد شعیب کی طرف سے نئے صنعت کاروں کو متوسط طبقے کے لئے کئی رعائتیں دینے کا اعلان کیا گیا۔

اپریل 1959ء

2 اپریل۔۔۔ تعلیمی کمیشن کا اجلاس

گیارہ ارکان پر مشتمل تعلیمی کمیشن کے ایک اجلاس میں تعلیمی حالت بہتر بنانے کے سلسلے میں کئی تجاویز پر غور کیا گیا۔

4 اپریل۔۔۔ غفار خان رہا

پشتون رہنما خان عبدالغفار خان رہا کر دیئے گئے۔

8 اپریل۔۔۔ سیٹو کا اجلاس

نیوزی لینڈ میں منعقدہ سیٹو کونسل کے اجلاس میں کشمیر کا مسئلہ پیش کر دیا گیا۔

11 اپریل۔۔۔ بھارت کا جاسوس طیارہ گرا لیا گیا

پاکستان اہم مقامات کی تصاویر لینے کی غرض سے پاکستانی علاقے میں پرواز کرتے ہوئے ایک بھارتی کینبرا جیٹ طیارے کو راولپنڈی سے چالیس میل دور گرا لیا گیا۔ بھارتی طیارے کے پائلٹ کو گجرات اترنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ طیارے کے پائلٹ نے اعتراف کر لیا کہ اسے بعض اہم مقامات کی تصاویر لینے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ دوسرے روز گرفتار بھارتی افسروں کو بھارت روانہ کر دیا گیا۔ بھارتی حکومت نے پائلٹ کے بیان کو جعلی قرار دیا۔

17 اپریل۔۔۔ اصلاحات کے بعد آئین نافذ ہو گا: ایوب خان

صدر ایوب نے ایک اعلان میں کہا کہ بڑی بڑی اصلاحات کے مکمل ہونے اور صوبائی نظم و نسق کی بہتری کے بعد ملک میں آئین نافذ کر دیا جائے گا۔ آئین کے نفاذ کے بعد سیاسی جماعتوں پر سے پابندی بھی ختم کر دی جائے گی۔

18 اپریل۔۔۔ پاکستان ٹائمز اور امروز پر حکومتی قبضہ

پروگریسو پیپرز لمیٹڈ (پی پی ایل) کی طرف سے نکلنے والے روزناموں' پاکستان ٹائمز' امروز' اور ہفت روزہ 'لیل و نہار' کو حکومت نے اپنے قبضے میں لے لیا۔ یہ کارروائی سیکیورٹی ایکٹ آف پاکستان میں ترمیم کر کے کی گئی۔ پی پی ایل کا بورڈ آف ڈائریکٹرز توڑ دیا گیا اور اخبارات کو چلانے کے لئے حکومت کی طرف سے ایک ناظم مقرر کر دیا گیا۔ اخبارات پر قبضے کی کارروائی بریگیڈیر ایف آر خان کی نگرانی میں مکمل کی گئی۔ اس ٹیم میں ایوب خان کے سیکرٹری قدرت اللہ شہاب کو بھی شامل کر لیا گیا تھا

قبضے کے بعد پاکستان ٹائمز کا پہلا اداریہ' جو 19 اپریل کی صبح چھپا' بھی انہوں نے ہی لکھا۔ روزنامہ 'امروز' کے مدیر احمد ندیم قاسمی' 'پاکستان ٹائمز' کے مدیر مظہر علی خان اور ہفت روزہ 'لیل و

نہار' کے مدیر سبط حسن نے ان جرائد کی ادارت پر فائز رہنے سے معزوری ظاہر کی دی۔

حکومت نے الزام لگایا کہ کمپنی کے اخبارات چلانے کے لئے بیرونی وسائل سے خفیہ امداد حاصل کی جاتی تھی۔ ثبوت کے طور پر لندن کے ایک بنک میں ان کا چار لاکھ سٹرلنگ پونڈ کے لگ بھگ بنک بیلنس کا حوالہ دیا گیا۔ جو ضبطی کے وقت موجود تھا۔ بعد ازاں اس ادارے کو مختلف صنعت کاروں کے ہاتھ بیچنے کے بعد نیشنل پریس ٹرسٹ میں تبدیل کر دیا گیا۔

20 اپریل--- جے اے رحیم سپین میں سفیر مقرر ہو گئے

جرمنی میں پاکستان کے سفیر جلال الدین عبدالرحیم (جے اے رحیم) کو سپین میں پاکستان کا سفیر مقرر کر دیا گیا۔

24 اپریل--- بھارت کو مشترکہ دفاع کی پیشکش

صدر ایوب نے بھارت کو' دونوں ملکوں کے مشترکہ دفاع کی تجویز پیش کی۔ اس پیشکش کو پنڈت نہرو نے رد کر دیا لیکن پاکستان میں اس تجویز کی شدید مخالفت ہوئی۔ بعد ازاں ایوب خان نے اس کی تردید کر دی۔ اپنی خود نوشت سوانح حیات میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے انہوں نے لکھا:

" میں نے 24 اپریل 1959ء کو کہا تھا کہ بیرونی حملے کی صورت میں ہندوستان اور پاکستان دونوں کو آپس میں قریب آ جانا چاہیے اور مل جل کر اس برصغیر کا دفاع کرنا چاہیے ہندوستانی لیڈروں نے خیال کیا کہ میں کسی قسم کے دفاعی معاہدے کی بات سمجھا رہا ہوں اور اس سے ان کے دلوں میں خوف اور بدگمانی پیدا ہوئی۔ اس کے چند روز بعد میں نے کوئٹہ میں اپنی اس تجویز کی وضاحت کی۔ میں نے کہا' اس کا مطلب کوئی خاص معاہدہ نہیں ہے جو ہندوستان کی پریشانی کا موجب ہو۔ میں تو بس یہ چاہتا تھا کہ دونوں ملکوں میں امن و امان کی خاطر عمومی سمجھوتہ ہو جائے۔ میں نے اس بات پر زور دیا کہ اس قسم کی مفاہمت کی اولین شرط یہ ہے کہ کشمیر اور نہروں کے پانی جیسے بڑے بڑے مسئلے حل ہو جائیں۔ ایک دفعہ ان معاملوں کا تصفیہ ہو جائے تو پھر دونوں ملک اپنی اپنی فوجوں کو فارغ کر کے ایسی سرحدوں پر بھیج سکتے ہیں جہاں حملے کا خطرہ ہو۔ بس یہی مشترک دفاع کی غرض و غایت ہے یعنی ہم ایک دوسرے کے خوف سے آزاد ہو کر اطمینان کے ساتھ اپنی اپنی سرحدوں کی حفاظت کر سکیں۔

27 اپریل--- کے ایچ خورشید آزاد کشمیر کے نئے صدر

سردار ابراہیم کی جگہ کے ایچ خورشید کو آزاد کشمیر کا نیا صدر مقرر کر دیا گیا۔

29 اپریل--- زرعی اصلاحات کا ریاستی حکمرانوں پر بھی اطلاق ہو گا

گورنر مغربی پاکستان نے اعلان کیا کہ سابق ریاستی حکمرانوں پر بھی زرعی اصلاحات کا اطلاق ہو گا۔

مئی 1959ء

یکم مئی--- بنیادی جمہوری ادارے قائم کرنے کا فیصلہ

ملک میں بنیادی جمہوری اداروں کے قیام کا فیصلہ کر لیا گیا تاکہ ان کے ذریعے یونین کونسلوں کے انتخابات کرائے جا سکیں۔

4 مئی--- پریس کمیشن نے اپنی رپورٹ پیش کر دی

پریس کمیشن کے چیرمین جسٹس طیب جی نے کمیشن کی رپورٹ وزیر تعلیم کو پیش کر دی۔

4 مئی--- مشترکہ دفاع کی تجویز پر نہرو کا رد عمل

صدر ایوب کی جانب سے مشترکہ دفاع کی تجویز کے جواب میں پنڈت نہرو نے زور دے کر کہا کہ چاہے کچھ بھی ہو۔ وہ کسی ملک کے ساتھ فوجی اشتراک کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ وہ پاکستان کے ساتھ اپنے جھگڑے مٹانے اور امن' دوستی اور ہمسایہ داری کے جذبے کے تحت زندگی گزارنے کے دل سے خواہاں ہیں لیکن وہ کوئی مشترکہ دفاعی پالیسی اختیار کرنا نہیں چاہتے جو گویا ایک قسم کے فوجی معاہدے کے مترادف ہے "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب لوگ مشترک دفاعی پالیسیوں کی بات کرتے ہیں تو ان کا حریف کون ہوتا ہے؟ کیا ہم کو بغداد پیکٹ' سیٹو' یا ایسے ہی کسی اور معاہدے کا ممبر بننا ہے؟"

10 مئی--- مزدوروں پر فائرنگ کی تحقیقاتی رپورٹ

ہفت روزہ ' لیل و نہار' نے اپنی 10 مئی کی اشاعت میں جسٹس یعقوب علی خان کی وہ رپورٹ شائع کی جو اسی ہفتے مکمل ہو کر سامنے آئی۔ یہ رپورٹ گذشتہ سال جون 58ء میں لائلپور (فیصل آباد) میں کریسنٹ ٹیکسٹائل ملز کے باہر مزدوروں کے ایک ہجوم پر پولیس فائرنگ کے بارے میں ہے جس کے نتیجے میں سات مزدور ہلاک اور تیس زخمی

ہوئے تھے۔ گیارہ ماہ کی تفتیش کے بعد مرتب کی جانے والی اس رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماضی میں حکومتوں کا رویہ اور ان کے ماتحت اکثر حکام کا طرز عمل عوام کے حق میں غیر ہمدردانہ بلکہ سنگدلانہ ہوتا تھا ورنہ چند سو مزدوروں کے ہجوم کو خوش اسلوبی سے منتشر کرنا کوئی ایسی مشکل بات نہ تھی۔

رپورٹ سے دوسری المناک حقیقت یہ سامنے آئی کہ پولیس نے فائرنگ کرتے وقت ان بنیادی آداب اور ضابطوں کو فراموش کر دیا جو ایسے اقدامات کے موقع پر برتنے ضروری ہوتے ہیں۔ فائرنگ کا مقصد ہجوم کو منتشر کرنا یا زیادہ سے زیادہ ایک آدھ فرد کو زخمی کرکے ہجوم کو خوفزدہ کرنا ہوتا ہے۔ نشانہ باندھ کر لوگوں کو ہلاک کرنا اس کا مقصد نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ مقابلے پر دشمن فوج نہیں بلکہ اپنے ہی بھائی بند ہوتے ہیں۔ رپورٹ میں تیسری قابل توجہ بات مزدوروں کے بنیادی حقوق سے متعلق تھی۔ گذشتہ دنوں مزدوروں کا یہ حق کہ وہ اپنے مطالبات منوانے کے لئے ہڑتال کر سکتے تھے معطل کر دیا گیا تھا لیکن پھر جلد ہی اسے بحال کر دیا گیا۔

رپورٹ میں مزدوروں کو اعتدال سے چلنے اور صنعت کاروں سے منصفانہ طرز عمل اختیار کرنے کی تلقین کی گئی۔ تاکہ ایسی نوبت ہی نہ آئے کہ مزدور ہڑتال پر مجبور ہو جائیں۔

15 مئی ۔۔۔ ایٹمی توانائی کے سلسلے میں پاک ۔ کینیڈا معاہدہ

پاکستان اور کینیڈا کی حکومت نے ایک معاہدے پر دستخط کئے جس کے تحت، ایٹمی توانائی کے پر امن استعمال کے سلسلے میں، دونوں ملکوں نے ایک دوسرے سے تعاون کرنے کا فیصلہ کیا۔

18 مئی ۔۔۔ پبلک عہدوں سے نا اہلی کے قوانین

حکومت نے پبلک عہدوں سے نا اہلی کے قوانین (پوڈو) کے حکم مجریہ 1959ء کے تحت ضروری قواعد کا اعلان کر دیا۔ پوڈو کا نفاذ 21 مارچ 1959ء کو کر دیا گیا تھا جس کا اطلاق صرف سیاسی عہدیداروں پر ہوتا تھا۔

19 مئی ۔۔۔ میر نوروز خان اور ساتھیوں کی گرفتاری

خان قلات کی رہائی اور ون یونٹ کے خاتمے کے لئے، میر نوروز خان کی قیادت میں بلوچوں نے جس جدوجہد کا آغاز کیا تھا، وہ پہلے مرحلے میں کم و بیش ایک سال تک جاری رہی۔ سلیگ ہیریسن کے لفظوں میں پاکستانی فوج نے اپنی کارروائیوں کے دوران ہوائی جہازوں سے بمباری بھی کی۔ فوج اور بلوچ گوریلوں کے درمیان متعدد جھڑپوں کے بعد بالآخر بات چیت کے ذریعے نوے سالہ میر نوروز خان اور اس کے ساتھی 19 مئی کو پہاڑوں سے اتر آئے۔ روایت کے مطابق حکومت نے حلف دیا تھا کہ انہیں عام معافی دے دی جائے گی۔ اور ون یونٹ توڑ دیا جائے گا لیکن حلف پر عمل کرنے کی بجائے میر نوروز اور اس کے متعدد ساتھیوں کو گرفتار کرکے ان پر غداری کے الزام میں مقدمہ چلانے کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔

20 مئی ۔۔۔ صدر کی جانشین کونسل

صدر ایوب نے ایک حکم کے ذریعے صدارتی جانشین کے تقرر اور اس کے انتخاب کا طریقہ مقرر کر دیا۔ نئی صورت کے مطابق صدر کے بیرونی دورے، علالت یا کسی اور سبب سے صدارت کے فرائض انجام نہ دے پانے کی صورت میں صدارتی کابینہ کا سینئر وزیر یہ عہدہ سنبھال سکتا تھا۔ حکم کے مطابق صدر کا عہدہ خالی ہونے کی صورت میں جانشین کونسل کو 24 گھنٹے کے اندر نیا صدر منتخب کرنا ہوتا تھا۔ کونسل کے ارکان میں صدارتی کابینہ کے وزرا، دونوں صوبوں کے گورنر اور بری، بحری اور فضائی افواج کے کمانڈر انچیف شامل تھے۔ یہ صدارتی حکم نئے آئین کے نفاذ تک عبوری مدت کے لئے تھا۔

22 مئی ۔۔۔ مشہور سمگلر قاسم بھٹی کے انکشافات

مشہور سمگلر قاسم بھٹی نے فوجی عدالت میں اپنے بیان میں ان عہدیداروں کی ایک طویل فہرست پیش کی جو مبینہ طور پر سمگلنگ میں اس کی پشت پناہی کرتے تھے۔ بیان کے مطابق ملزم نے ایک معمولی ماہی گیر کے بیٹے کی حیثیت سے "ترقی" کرتے کرتے کراچی کے بااثر میونسپل کمشنر اور ایک لکھ پتی تاجر کی شہرت حاصل کر لی تھی۔

ملزم کے بیان کے مطابق ماضی میں ہمارا قومی کردار، سیاسی نظم و نسق اور اخلاقی معیار اس قدر گر چکا تھا کہ مملکت کے سربراہ، مقتدر سیاسی لیڈر، احتسابی مشینری کے بڑے بڑے کل پرزے، ہزاروں روپے ماہانہ تنخواہ پانے والے عہدیدار، براہ راست اور بالواسطہ منظم سمگلنگ کی پشت پناہی کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ سمگلنگ کو مملکت کے لئے سود مند جتا کر سمگلروں کو منظم اور ان کی آمدنی سے اپنے لئے سامان راحت فراہم کرتے تھے۔

قاسم بھٹی نے اپنی طویل فہرست میں مملکت کے سابق سربراہوں سے لے کر کسٹم اور پولیس کے غیر معمولی عہدیداروں تک کے نام اور انہیں ادا کی جانے والی رقوم کی تفصیل بیان کی۔ صدر ایوب نے ان عہدیداروں کے خلاف تحقیقات کرنے کا اعلان کر دیا جو قاسم بھٹی کے بیان کی رو سے سمگلنگ کے سرپرست تھے۔ صدر نے کہا کہ "سمگلنگ کی

سازش میں شریک کسی شخص کو معاف نہیں کیا جائے گا"۔

24 مئی۔۔۔ جان فاسٹر ڈلس انتقال کر گئے۔

سابق امریکی وزیر خارجہ جان فاسٹر ڈلس کا انتقال ہو گیا۔ وہ 1953ء میں امریکہ کے وزیر خارجہ بنے تھے۔ سیٹو اور معاہدہ بغداد انہی کی کوششوں کے نتیجے میں تشکیل پا سکے تھے۔ انتقال کے وقت وہ خارجہ امور میں مشیر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ انہوں نے پاکستان کا بھی دورہ کیا تھا۔ صدر ایوب نے ان کے انتقال پر اظہار افسوس کرتے ہوئے انہیں "آزاد دنیا کا معمار" قرار دیا۔

جون 1959ء

3 جون۔۔۔ بدعنوانیوں کی تحقیقاتی کمیٹی

مغربی پاکستان کے گورنر نے سابق وزرا اور سیاستدانوں کے کردار اور ان کی بدعنوانیوں کا جائزہ لینے کے لئے ایک تحقیقاتی کمیٹی قائم کر دی۔

10 جون۔۔۔ پی پی ایل پر حکومتی قبضہ ناجائز ہے

سیکیورٹی ایکٹ میں ترمیم کر کے حکومت نے پروگریسو پیپرز لمیٹڈ کے بنیادی حصہ داروں میاں افتخار الدین اور عارف افتخار کے حصص کو ضبط کر کے ان پر جو قبضہ کر لیا تھا اسے مشاورتی بورڈ نے ناجائز قرار دے دیا۔

14 جون۔۔۔ حکومت فولاد کا کارخانہ قائم کرے گی

حکومت پاکستان نے ملک میں فولاد کا کارخانہ قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

20 جون۔۔۔ انجمن تعمیر پسند مصنفین پر پابندی

مغربی پاکستان کی حکومت نے تعمیر پسند مصنفین کی انجمن کو غیر قانونی قرار دے دیا۔

23 جون۔۔۔ جی ایم سید کی رٹ درخواست مسترد

جی ایم سید کی نظر بندی کے خلاف کی جانے والی رٹ درخواست مسترد کر دی گئی

25 جون۔۔۔ ایوب کھوڑو رہا

سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ محمد ایوب کھوڑو کو رہا کر دیا گیا۔

26 جون۔۔۔ قاسم بھٹی کو تین سال قید سخت کی سزا

خصوصی فوجی عدالت نے بدنام زمانہ سمگلر قاسم بھٹی کو تین سال قید سخت کی سزا دینے کا فیصلہ سنا دیا۔

جولائی 1959ء

2 جولائی۔۔۔ افسروں کی برطرفی

مارشل لاء حکومت نے درجہ دوم اور سوم کے 739 افسروں کی برطرفی یا جبری ریٹائرمنٹ کے احکامات جاری کر دیئے۔

11 جولائی۔۔۔ تجارتی تعلقات میں اضافہ

تجارت کے مرکزی وزیر ذوالفقار علی بھٹو نے دنیا بھر کے ملکوں سے تجارتی تعلقات بڑھانے پر زور دیتے ہوئے بتایا کہ امریکہ اور پاکستان کے درمیان نئے تجارتی معاہدے کو حتمی شکل دی جا چکی ہے۔ دو طرفہ تجارتی تعلقات کی تفصیلات کے مطابق صرف مئی 1959ء میں حکومت نے 10 کروڑ 65 لاکھ روپے کا سامان درآمد کیا اور 14 کروڑ 30 لاکھ روپے کا سامان بیرون ملک بھیجا۔ مئی 1958ء کے مقابلے میں مئی 1959ء کی درآمدات 4 فی صد کم تھیں جبکہ اپریل 59ء کے مقابلے میں مئی 1959ء میں برآمدات میں 59 فی صد اضافہ ہوا۔ مئی 1958ء کے مقابلے میں مئی 1959ء میں روئی' خام اون' سوتی کپڑا' خام پٹ سن' اور پٹ سن کی مصنوعات کھالیں' چمڑا اور مچھلیاں پہلے سے کہیں زیادہ مقدار میں بیرون ملک بھیجی گئیں۔

15 جولائی۔۔۔ نئے دارالحکومت کی تلاش

فوج کے چیف آف جنرل سٹاف میجر جنرل یحییٰ خان کی سرکردگی میں نئے دارالحکومت کے قیام کے لئے مناسب جگہ کی تلاش کے سلسلے میں جو کمیشن قائم کیا گیا تھا۔ اس کی رپورٹ میں راولپنڈی کے قریب پوٹھوہار کی سطح مرتفع کو موزوں جگہ قرار دیا گیا۔ مرگلہ کی پہاڑیوں کے دامن میں ساڑھے تین سو مربع میل میں پھیلا ہوا یہ علاقہ سطح سمندر سے تقریباً دو ہزار فٹ بلند ہے۔ کمیشن نے محل وقوع' آب و ہوا کی موزونی ترقی کے امکانات' رسل و رسائل اور دفاع کو مد نظر رکھتے ہوئے اس علاقے کو نئے دارالحکومت کے طور پر آباد کرنے کی سفارش کی۔

ایوب خان کے سیاسی مخالفین نے کراچی سے دارالحکومت کی منتقلی پر تنقید کرتے ہوئے خیال ظاہر کیا کہ ایوب خان نے اپنے اقتدار کو محفوظ رکھنے کے لئے فوجی' ہیڈکوارٹر کے دامن میں پناہ لی ہے۔ بعض سیاسی

حلقوں نے خدشہ ظاہر کیا کہ پاکستان جیسے بنیادی ضرورتوں سے محروم ملک میں کروڑوں روپے کے مصارف سے ایک نئے دارالحکومت کی تعمیر قومی خزانے پر بہت بڑا اور غیر ضروری بار ثابت ہو گی۔

19 جولائی۔۔۔ خوراک و زراعت کمیشن کی تشکیل

19 جولائی 1959ء کے ہفت روزہ "لیل و نہار" نے نواب امیر محمد خان آف کالا باغ کی سربراہی میں آٹھ ارکان پر مشتمل خوراک و زراعت کمیشن کے قیام کی اطلاع شائع کی۔ وزیر خوراک مسٹر حفیظ الرحمان نے کمیشن کے قیام کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ کمیشن ان اسباب کی چھان بین کرے گا جن کی وجہ سے اب تک زرعی ترقی کی رفتار سست رہی تھی۔ کمیشن سفارش کرے گا کہ اب یہ رفتار کیسے تیز ہو۔ کمیشن کے دائرہ کار میں ماضی کے تجربات اور حال کے اقدامات کا جائزہ شامل کیا گیا۔ اس کے ساتھ کمیشن کے ارکان کے انتخاب میں یہ احتیاط برتی گئی کہ وہ زرعی مسائل کا تجربہ رکھتے ہوں یا براہ راست زراعت سے متعلق ہوں۔

23 جولائی۔۔۔ مارشل لاء کا نیا ضابطہ

راولپنڈی میں سرکاری طور پر جائیداد کے حصول کے لئے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ایوب خان نے مارشل لاء کا ضابطہ نمبر 71 جاری کیا۔

29 جولائی۔۔۔ بدعنوان وزرا گرفتار

مشرقی پاکستان کے تین سابق صوبائی وزرا کو گرفتار کر لیا گیا۔ مغربی پاکستان کے سابق نائب وزیر فتح شیر لنگڑیال کے خلاف بدعنوانیوں کے سلسلے میں تفتیش مکمل ہو گئی۔

اگست 1959ء

3 اگست۔۔۔ متروکہ جائیدادوں کے تحقیقاتی ٹربونل کا قیام

مرکزی حکومت کی طرف سے جسٹس ظہیر الدین کی سربراہی میں متروکہ جائیدادوں کا تحقیقاتی ٹربونل قائم کر دیا گیا۔

6 اگست۔۔۔ سیاسی نااہلی کے قانون ایبڈو کا اجراء

بدعنوانیوں کے خلاف نا اہلی کے پہلے قانون پوڈو کے ناکام اور غیر موثر ثابت ہو جانے کے بعد ایوب خان نے ایک نیا قانون الیکٹو باڈیز ڈس کوالیفکیشن آرڈر (ایبڈو) مجریہ اگست 1959ء جاری کیا۔ جس کا اطلاق ان تمام افراد پر ہوتا تھا جو کسی سیاسی عہدے پر رہے ہوں یا کسی منتخب اسمبلی یا ادارے کے رکن بنے ہوں۔ اسے 14 اگست 47ء سے 31 دسمبر 1966ء تک نافذ العمل قرار دیا گیا۔

تفصیل اسی جلد کے علیحدہ حصے۔۔۔ جبری نا اہلی کے ایوبی قوانین۔۔۔ میں دیکھیں

9 اگست۔۔۔ کورنگی کالونی کی تکمیل

ہفت روزہ لیل و نہار (9 اگست 1959ء) کے مطابق، کورنگی کالونی میں پندرہ ہزار کوارٹر بن کر تیار ہو گئے اور ان میں پندرہ ہزار مہاجر کنبوں کو آباد کر دیا گیا۔ یہ کالونی وزیر بحالیات لیفٹیننٹ جنرل اعظم خان کی ذاتی دلچسپی کے باعث غیر معمولی سرعت کے ساتھ یعنی صرف چھ ماہ میں تکمیل کو پہنچی۔

9 اگست۔۔۔ مغربی پاکستان کا دارالحکومت لاہور رہے گا

گورنر مغربی پاکستان مسٹر اختر حسین نے واضح کیا کہ صوبے کا مستقل دارالحکومت لاہور ہی رہے گا اور اسے کسی دوسرے مقام پر منتقل کرنے کی کوئی تجویز زیر غور نہیں ہے۔

12 اگست سابق وزرا کے خلاف تحقیقات کا آغاز

محکمہ انسداد بدعنوانی کے تشکیل کردہ ایک بورڈ کے تحت علی حسین شاہ گردیزی نون وزارت کے سابق وزیر سید علمدار حسین شاہ گیلانی کے خلاف بدعنوانیوں کی تحقیقات کا آغاز کر دیا گیا۔

19 اگست۔۔۔ پریس کمیشن کی سفارشات

پریس کمیشن نے اپنی سفارشات حکومت کے سامنے پیش کر دیں۔ کمیشن نے اپنی رپورٹ میں اخبارات کی اشاعت کے بارے میں قوانین اور اخبار نویسوں کی مشکلات پر بحث کی اور اس ضمن میں اپنی واضح رائے کا اظہار کیا۔ حکومت نے کمیشن کی سفارشات کو منظور کر لیا۔

جہاں تک پریس قوانین کا تعلق ہے۔ کمیشن نے سٹیفنس ایکٹ کی بعض دفعات کو موجودہ صورت ہی میں برقرار رکھنے کی سفارش کی۔ اور اس کی وجہ ملک کے وسیع تر مفاد کی حفاظت قرار دی۔ کمیشن نے آفیشل سیکرٹ ایکٹ کو بھی برقرار رکھنے کی سفارش کی۔ کمیشن میں نئے اخبارات کے اجرا پر سرمائے کی پابندیاں عائد کرنے کی سفارش کی گئی۔ کمیشن نے کارکن صحافیوں کی کم از کم تنخواہوں کی بھی سفارش کی۔

صحافتی اور سیاسی حلقوں میں پریس کمیشن کی سفارشات پر مایوسی کا اظہار کیا گیا خصوصاً" پریس (ہنگامی اختیارات) ایکٹ اور بعض دوسرے

پرانے قوانین کو برقرار رکھنے اور نئے اخبارات کے اجرا کے لئے سرمائے کی پابندی عائد کرنے کو آزادی اظہار کے منافی سمجھا گیا اور یہ خدشہ ظاہر کیا گیا کہ ملک کے وسیع تر مفاد کی حفاظت کے نام پر بعض دفعات کا بیجا استعمال ہو گا اور صحافت پر حکومت کا کنٹرول بڑھ جائے گا۔

22 اگست۔۔۔ روزنامہ "ہلال پاکستان" کی ضمانت ضبط

لاہور سے نکلنے والے اردو روزنامہ "ہلال پاکستان" کی ضمانت ضبط کر لی گئی۔

24 اگست۔۔۔ جہاز رانی کمیشن کی سفارشات منظور

حکومت نے جہاز رانی کمیشن کی سفارشات بھی منظور کر لیں۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان سفری مقاصد کے پیش نظر کچھ عرصہ قبل ایک کمیشن تشکیل دیا تھا۔ ایک تجویز کی رو سے حکومت نے کراچی میں جہاز سازی کے منصوبے کی منظوری دے دی جبکہ دونوں صوبوں کے درمیان ساحلی تجارت کی غرض سے ایک تجارتی کارپوریشن کے قیام کا اصولی فیصلہ بھی کر لیا گیا

25 اگست۔۔۔ سیلاب کمیشن کی تجاویز

مغربی پاکستان کے سیلاب کمیشن نے حکومت کو اپنی تجاویز پیش کر دیں۔ کمیشن کی سفارشات کے دو حصے تھے۔ پہلا حصہ حفاظتی تدابیر کا تھا اور دوسرا ان مستقل اداروں کے قیام سے متعلق تھا جو سیلاب کے پیش نظر لازمی تھے۔ کمیشن نے انسداد سیلاب کے شعبے قائم کرنے کی سفارش کی کمیشن نے دریائے راوی کے ساتھ نشیبی علاقوں کی حفاظت کے لئے بند باندھنے' بلوکی ہیڈ ورکس کی از سر نو تعمیر' پلوں اور سڑکوں کو پہلے سے زیادہ مضبوط بنانے اور نئے بند تعمیر کرنے کی سفارشات بھی پیش کیں۔

ستمبر 1959ء

یکم ستمبر۔۔۔ ایوب۔ نہرو ملاقات

جنرل ایوب خان نے ڈھاکہ جاتے ہوئے پالم کے ہوائی اڈے پر ہندوستان کے وزیراعظم پنڈت جواہر لال نہرو سے ملاقات کی۔ انہوں نے دونوں ملکوں کے درمیان اچھی ہمسائیگی اور پرامن تعلقات کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ دونوں ملکوں کی موجودہ لیڈر شپ میں ایک ایسا اتفاق ہے جو روز روز معرض وجود میں نہیں آئے گا۔ انہوں نے کہا: "جہاں تک میں دیکھ سکتا ہوں مجھے ہندوستان میں ایک دوسرا جواہر لال نہرو خطہ شہود پر آتے دکھائی نہیں دے رہا۔ اس لئے یہ موقع غنیمت ہے۔ ہمیں اس سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیے اور بہتر ہمسائیگی کے طور طریقے اختیار کرنے چاہئیں"۔

9 ستمبر۔۔۔ دو سابق وزرا گرفتار

ری پبلیکن پارٹی سے تعلق رکھنے والے دو سابق وزرا خواجہ مظفر الحق اور اسماعیل برہانی۔ گرفتار کر لئے گئے۔

10 ستمبر۔۔۔ قانونی کمیشن کی رپورٹ

جسٹس ایس اے رحمان نے صدر ایوب کو قانون کمیشن کی رپورٹ پیش کر دی۔

21 ستمبر۔۔۔ مارشل لاء حکام کی تنبیہہ

ملک کے اندرونی حالات اور سماج دشمن عناصر کی کھلی اور پوشیدہ کارروائیوں کا قریب سے جائزہ لینے کے بعد مارشل لاء کے حکام اعلیٰ نے کراچی' لاہور اور ڈھاکہ سے بیک وقت اعلان کیا کہ ملک میں وہ برائیاں اور خرابیاں دوبارہ جنم لینے کی کوشش کر رہی ہیں جن کے لئے مارشل لاء نافذ کیا گیا تھا۔ مغربی پاکستان کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر لیفٹیننٹ جنرل بختیار رانا نے ایک پریس کانفرنس میں سماج دشمن عناصر کو خبردار کیا کہ اگر اس نے بہت جلد اپنے رویے میں تبدیلی نہ کی تو مارشل لاء انتظامیہ کڑی سے کڑی سزا دینے سے بھی گریز نہ کرے گی اور حالات کو سدھارنے کے لئے فوج کو طلب کرنے میں بھی تامل نہ کیا جائے گا۔ ڈھاکہ میں میجر جنرل امراؤ خان نے اپنی نشری تقریر میں ملک دشمنوں کو متنبہ کیا کہ جب مارشل لاء نے اپنے ضابطوں کے تحت سماج دشمن عنصر کے خلاف کارروائی شروع کی تو کسی طرح کی رو رعایت سے کام نہ لیا جائے گا اور ہر ضابطے پر سختی سے عمل درآمد ہو گا۔ اسی طرح کراچی کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بریگیڈیر محمد اسلم نے سماج کے بگڑے ہوئے کرداروں کو زیادہ سے زیادہ دو ہفتے کی مہلت دی۔ تاکہ وہ اس مدت میں اپنی کارروائیوں کا محاسبہ کرکے اپنے آپ کو راہ راست پر ڈال لیں ورنہ ان کے خلاف سخت اقدامات کئے جائیں گے اور ان میں سے ایک بھی مارشل لاء کی گرفت سے محفوظ نہ ہو گا۔

30 ستمبر۔۔۔ قانونی اصلاحات کے کمیشن کی سفارشات

قانونی اصلاحات کے کمیشن نے سفارش کی کہ پاکستان بھر میں یکساں قانون اور فرنٹیر کرائمز ریگولیشنز جیسے خصوصی قوانین کی تنسیخ ایک مثبت قدم ہو گا۔

اکتوبر1959ء

6-7 اکتوبر --- جنرل نی ون کا دورہ پاکستان

برما کے فوجی وزیر اعظم جنرل نی وی اپنے دو روزہ سرکاری دورے پر پاکستان پہنچے۔ ان کا پاکستانی کابینہ کے ارکان اور صدر ایوب سے اپنی ملاقاتوں میں ساحل اراکان پر آباد باشندوں کا ترک وطن کر کے مشرقی پاکستان میں آباد ہونا بھی زیر بحث آیا' اور پاک۔ برما سرحدی صورت حال کی تحقیقات کے لئے کمیشن کے تقرر کا فیصلہ کر لیا گیا۔

8 اکتوبر --- بنیادی جمہوریتوں کا قانون

پاکستان میں بنیادی جمہوریتوں کے قانون کو آخری شکل دے دی گئی۔

10 اکتوبر --- میجر جنرل عبدالرحمان کا انتقال

ہندوستان میں پاکستان کے ڈپٹی ہائی کمشنر اور سابق فوجی افسر سرائے عالمگیر میں انتقال کر گئے۔

11 اکتوبر --- قاضی عبدالولی خان کا انتقال

مشہور پشتون رہنما قاضی عبدالولی خان کا پشاور میں انتقال ہو گیا۔

12 اکتوبر --- حبس بیجا کی درخواست مسترد

تحریک ختم نبوت کے ایک معروف رہنما مولانا عبدالستار خان نیازی کی حبس بیجا کی درخواست کو مغربی پاکستان ہائی کورٹ نے رد کر دیا۔

18 اکتوبر --- سیاستدانوں کے خلاف تحقیقات مکمل

مغربی پاکستان کے پچیس سیاستدانوں کے خلاف سپیشل پولیس نے اپنی تحقیقاتی رپورٹ مکمل کر لی۔

19 اکتوبر --- دعاوی کا نقد معاوضہ

وزیر بحالیات لیفٹیننٹ جنرل اعظم خان نے ایک بیان میں کہا کہ جن دعویداروں کے کلیموں کا تصفیہ متروکہ املاک سے نہ ہو سکا۔ انہیں نقد معاوضہ ادا کیا جائے گا۔

21 اکتوبر --- صنعتی تنازعات کا آرڈیننس

حکومت نے صنعتی تنازعات کے آرڈیننس کی منظوری دے دی۔ آرڈیننس کے نفاذ کے فوراً بعد حکومت نے صنعتی ملازمتوں کے قانون میں توسیع کا منصوبہ تیار کر لیا۔ توقع ظاہر کی گئی کہ یہ آرڈیننس ایک حقیقت پسندانہ صنعتی پالیسی کی بنیاد ثابت ہو گا۔ اول اس کے تحت مزدوروں کے حقوق کی نگہداشت ہو گی۔ دوئم صنعتی تنازعوں کے منصفانہ تصفیے کے لئے واضح طرز عمل کا تعین آرڈیننس میں کر دیا گیا ہے۔

22 اکتوبر --- سرکاری ملازمین کی نئے دارالحکومت منتقلی

سرکاری ملازمین کی پہلی کھیپ ایک خصوصی ٹرین کے ذریعے کراچی سے راولپنڈی پہنچ گئی۔

23 اکتوبر --- کھوڑو کے خلاف مقدمہ

پاکستان کے سابق مرکزی وزیر اور صوبہ سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ محمد ایوب کھوڑو کے خلاف سیاسی نااہلیوں کے قانون ایبڈو کے تحت مقدمہ درج کر لیا گیا۔

25 اکتوبر --- صدر ایوب بھی نئے دارالحکومت منتقل ہو گئے

صدر ایوب خان' کراچی سے اپنے نئے دفتر راولپنڈی میں منتقل ہو گئے۔

26 اکتوبر --- صدر ایوب کے لئے فیلڈ مارشل لاء اعزاز

7 اکتوبر کو وزیر بحالیات لیفٹیننٹ جنرل اعظم خان کی صدارت میں صدارتی کابینہ کے وزرا کا ایک اجلاس کراچی میں منعقد ہوا تھا۔ وزرا کی متفقہ طور پر منظور کردہ قرارداد میں صدر ایوب سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ فیلڈ مارشل کا منصب قبول فرمائیں۔ یہ قرارداد صدر ایوب کی خدمت میں 26 اکتوبر کو پیش کی گئی جسے صدر نے قبول کر لیا۔

27 اکتوبر --- انقلاب کی پہلی سالگرہ

ایوب حکومت نے 27 اکتوبر کو اپنے انقلاب کی پہلی سالگرہ دھوم دھام سے منائی۔ فیلڈ مارشل ایوب خان نے قوم کے نام ایک نشریے میں قوم سے اپیل کی کہ وہ ملک کی اجتماعی ترقی کے لئے پہلے سے بھی زیادہ محنت اور تندہی سے کام کرے۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کے گورنروں نے بھی اس موقع پر قوم سے خطاب کیا۔

ملک میں سیاسی پابندیوں کے باعث 7 اور 27 اکتوبر کو جمہوریت کے خاتمے کی پہلی سالگرہ نہ منائی جا سکی۔

نومبر1959ء

3 نومبر --- سیاستدانوں کے خلاف وائٹ پیپر

حکومت نے سابق پبلک عہدیداروں اور سیاستدانوں کی بدعنوانیوں کے خلاف جلد ہی وائٹ پیپر شائع کرنے کا اعلان کیا۔

7 نومبر۔۔۔ نواب جوناگڑھ انتقال کر گئے۔

سر محبت خان جی رسول خان جی، نواب آف جوناگڑھ کراچی میں انتقال کر گئے۔ ان کی عمر انسٹھ سال تھی۔

11 نومبر۔۔۔ بنیادی جمہوریتوں کے پروگرام کا اعلان

بنیادی جمہوریتوں کے تحت ہونے والے انتخابات کے پروگرام کا اعلان کر دیا گیا۔

13 نومبر۔۔۔ پاک۔ امریکہ معاہدہ دوستی

پاکستان اور امریکہ کے درمیان دوستی اور تجارت کے ایک نئے معاہدے پر دستخط ہو گئے۔

19 نومبر۔۔۔ ایوب۔ بایار ملاقات

انقرہ میں پاکستان کے صدر ایوب خان اور ترکی کے صدر جلال بایار کے درمیان دوستانہ ماحول میں گفتگو ہوئی۔ ترکی کے صدر کو "نشان پاکستان" کا سول اعزاز دیا گیا۔

20 نومبر۔۔۔ ایران اور ترکی کے دورے سے صدر ایوب کی واپسی

ایران اور ترکی کا سرکاری دورہ ختم کرنے کے بعد صدر ایوب نے ماری پور کے ہوائی اڈے پر ایک ہزار الفاظ پر مشتمل اپنے ایک بیان میں کہا کہ ترکی، ایران اور پاکستان اپنے دفاع کے لئے متحد ہونے کی کوشش کر کے مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیا اور براعظم افریقہ کی حفاظتی ڈھال بن گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ شہنشاہ ایران اور صدر ترکی کے ساتھ مذاکرات کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ اگر برادر اور ہمسایہ ملک افغانستان بھی اس اتحاد میں شامل ہو جائے تو دنیا کی بالعموم اور اسلامی ممالک کی بالخصوص حفاظتی پٹی بہت ہی زیادہ مضبوط اور وسیع ہو جائے گی۔

صدر ایران کے 9 روزہ دورے کی تکمیل کے بعد 18 نومبر کو ترکی کے دارالحکومت انقرہ پہنچے تھے۔ جہاں سے وہ دو روز بعد وطن واپس آ گئے۔

23 نومبر۔۔۔ لداخ کشمیر کا حصہ ہے: ایوب خان

صدر ایوب خان نے ایک بیان میں کہا ہے کہ لداخ کشمیر کا حصہ ہے اس لئے لداخ کے مسئلے پر بھارت اور چین کے درمیان اگر کوئی معاہدہ ہوا تو پاکستان اسے تسلیم نہیں کرے گا۔

24 نومبر۔۔۔ سہ فریقی لیبر کانفرنس شروع

کراچی میں سینٹو کے تحت چار روزہ سہ فریقی لیبر کانفرنس کا آغاز ہوا۔

27 نومبر۔۔۔ مشترکہ دفاع کی تجویز پھر مسترد

ہندوستان کے وزیراعظم پنڈت نہرو نے ایوب خان کی پیش کردہ پاک۔ بھارت مشترکہ دفاع کی تجویز ایک بار پھر رد کر دی۔

29 نومبر۔۔۔ امریکی امداد

وزیر تجارت مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے چھ ہفتوں کے عالمی دورے سے واپسی پر ایک بیان میں کہا کہ امریکی سامان کی خریداری کی نئی پالیسی کا امداد حاصل کرنے والے پاکستان جیسے پسماندہ ملک کی ترقی پر وہی اثر پڑے گا جیسا کہ اس پالیسی کے نتیجے میں پڑنا چاہیے۔

(پاکستان کے تیس سال ماہ نومبر کے آئینے میں۔ زاہد حسین انجم صفحہ 52)

30 نومبر۔۔۔ امریکہ پاک بھارت کشیدگی کم کرانے میں مدد دے گا

امریکی سینٹ کی خارجہ کمیٹی کے چیرمین سینیٹر ولیم فلبرائٹ نے کہا کہ امریکہ پاکستان اور بھارت کے درمیان موجود تنازعات کو ختم کرانے میں مدد کرے گا۔

دسمبر 1959ء

یکم دسمبر۔۔۔ عام جلسوں کی اجازت

بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات کے سلسلے میں امیدواروں کو عام جلسے کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

7 دسمبر۔۔۔ امریکی صدر آئزن ہاور کا دورہ پاکستان

امریکی صدر آئزن ہاور 7 دسمبر کو ساڑھے تین بجے سہ پہر اپنے خاص طیارے میں ماری پور کے ہوائی اڈے پر اترے۔ کراچی میں انہوں نے اپنے دو روزہ قیام کے دوران متعدد تقریبات میں شرکت کی۔ 7 دسمبر کی رات ایوان صدر کے دربار ہال میں مہمان صدر کو پاکستان کا اعلی ترین اعزاز نشان پاکستان پیش کیا گیا۔ اعزاز پیش کرتے ہوئے صدر ایوب نے کہا: "آپ نے آزاد دنیا اور امن کی خاطر جو گرانقدر خدمات انجام دی ہیں ان پر ہم پر خلوص

عیقدت کا اظہار کرتے ہوئے آپ کو پاکستان کا سب سے بڑا اعزاز نشان پاکستان پیش کرتے ہیں"۔ اس کے بعد دونوں جانب سے تحائف کا تبادلہ ہوا۔ اگلے روز وہ قائداعظم کے مزار پر پھول چڑھانے گئے۔ نیشنل سٹیڈیم میں آسٹریلیا اور پاکستان کے درمیان ٹیسٹ میچ دیکھا۔ شام کو انہوں نے ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر کراچی اور کورنگی کے علاقے پر پرواز کی۔ شام کو مہمان صدر کو کراچی کے شہریوں کی طرف سے استقبالیہ دیا گیا۔ اس موقع پر صدر آئزن ہاور نے کہا: "یہاں آنے کے بعد میرا یہ عقیدہ اور پختہ ہو گیا ہے کہ پاکستان اور امریکہ کی دوستی بڑی پائیدار اور مضبوط بنیادوں پر قائم ہے۔ اور اس دوستی کی بدولت ہمارا مستقبل پہلے سے زیادہ محفوظ، روشن اور مسرت بخش ہو جائے گا"۔

دونوں صدور کے درمیان ہونے والی گفتگو کا متن بعد میں ایک اعلامیہ کی صورت میں سامنے آیا اس ملاقات میں دیگر امور کے علاوہ مسئلہ کشمیر پر بھی غور کیا گیا۔ صدر ایوب نے امریکی صدر کو مسئلہ کشمیر کے علاوہ افغانستان میں ہونے والے تغیرات اور سرحد پر چینی حملے کے بارے میں پاکستان کی رائے سے بھی آگاہ کیا۔

12 دسمبر — قائداعظم کے مزار کے نقشے کی منظوری

بمبئی کے ممتاز ماہر تعمیرات یحییٰ مرچنٹ کے تیار کردہ مزار قائد کے نقشے کو قائداعظم محمد علی جناح میموریل فنڈ کی مرکزی کمیٹی نے منظور کر لیا۔

14-21 دسمبر — پاک جمہوریت ٹرین

صدر ایوب مغربی پاکستان کے سات روزہ دورے پر پاک جمہوریت ٹرین میں کراچی سے روانہ ہوئے۔ حیدر آباد سٹیشن پر خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ پاکستان جمہوریت کے بغیر ترقی نہیں کر سکتا لیکن یہ جمہوریت عوام کے مزاج اور ملکی تقاضوں کے مطابق ہونی چاہیے۔ 16 دسمبر کو جیکب آباد اور سکھر سٹیشن پر انہوں نے اگلے سال مارچ میں آئین کمیشن مقرر کرنے کی نوید سنائی۔ اپنی تقریر میں انہوں نے فوج کے اقتدار سنبھالنے کا جواز بھی پیش کیا۔ 17 دسمبر کو بہاولپور کے مقام پر انہوں نے بتایا کہ پاکستان کے دوسرے پنجسالہ ترقیاتی منصوبے پر انیس ارب روپے خرچ ہوں گے۔ انہوں نے پاکستان کے تعلیمی نظام کے بارے میں بھی اظہار خیال کیا۔ 18 دسمبر کو جب ان کی ٹرین میانوالی پہنچی تو انہوں نے اپنے خطاب میں آبادی میں اضافے کی رفتار پر تشویش ظاہر کی انہوں نے کہا کہ بنیادی جمہوریتیں نیک نہاد، محنتی اور دیانتدار افراد کو آگے بڑھنے کا موقع دینے کے لئے نافذ کی جا رہی ہیں۔ 19 دسمبر کو سرگودھا کے مقام پر انہوں نے انکشاف کیا کہ قائد ملت کے قتل کے بعد انہیں یہ یقین ہو گیا تھا کہ کسی نہ کسی مرحلے پر انہیں ملک کا نظم و نسق چلانے کی ذمہ داری ادا کرنے کے لئے کہا جائے گا۔

گوجرانوالہ کے ریلوے سٹیشن پر انہوں نے روسی خطرے سے خبردار کرتے ہوئے کہا کہ صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ بحر ہند تک پھیلا ہوا سارا علاقہ خطرے میں ہے۔

صدر ایوب کی پاک جمہوریہ سپیشل میں، ان کے ہمراہ رفقاء ملکی اور غیر ملکی اخبار نویس، شاعر اور ادیب سبھی سوار تھے۔ ٹرین 14 دسمبر کو کراچی سے روانہ ہوئی اور یہ سفر 21 دسمبر کو پشاور پہنچنے پر ختم ہوا۔ پندرہ بڑے شہروں میں صدر نے اٹھائیس بڑے جلسوں اور راستے کے سٹیشنوں پر ایک درجن اجتماعات سے خطاب کیا۔ مجموعی طور پر انہوں نے بیس گھنٹے اظہار خیال کیا۔ تیرہ گھنٹے دیہاتیوں کے حصے میں آئے اور سات گھنٹے شہریوں کے۔ پاک جمہوریت سپیشل سے دو لاکھ سے زائد الفاظ پر مشتمل برقی پیغامات ارسال کئے گئے اور تین سو ٹرنک کالیں کی گئیں۔

27 دسمبر — مشرقی پاکستان میں ذیلی دارالحکومت کا تعمیراتی کام

مشرقی پاکستان کے گورنر ذاکر حسین نے لاہور کے ہوائی اڈے پر بتایا کہ ڈھاکہ سے قریب تیج گاؤں کے مقام پر پاکستان کے ذیلی دارالحکومت کی تعمیر کا کام ترجیحی بنیادوں پر کیا جا رہا ہے۔ جس پر پانچ کروڑ روپے خرچ ہوں گے۔

31 دسمبر — مہاجر اور مقامی کا فرق ختم ہو گیا ہے: جنرل اعظم خان

وزیر بحالیات جنرل اعظم خان نے کراچی میں مہاجرین کے لئے نو تعمیر شدہ بستی کے مقام پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ بستی کی تعمیر سے مہاجر اور مقامی کا فرق ختم ہو گیا ہے۔ چھ ماہ کی مختصر مدت میں 40 ہزار کوارٹروں پر مشتمل اس رہائشی بستی کی تعمیر ایک عالمی ریکارڈ ہے۔

جنوری 1960ء

یکم جنوری — مشرقی پاکستان کے لئے ترقیاتی رقوم

مشرقی پاکستان کے گورنر کے مطابق دوسرے پنجسالہ منصوبے میں ملک کے مشرقی بازو کی ترقی کے لئے آٹھ ارب روپے مختص کئے گئے۔

4-5 جنوری — پاک بھارت مذاکرات

مغربی پاکستان کے سرحدی تنازعات کے تصفیہ کے لئے پاک۔ بھارت مذاکرات کا آغاز ہو گیا۔ مذاکرات کا پہلا دور 5 جنوری کو اختتام پذیر ہوا۔ پاکستان کے مرکزی وزیر داخلہ جنرل کے ایم شیخ نے پاکستانی وفد کی قیادت کی، مغربی پاکستان اور مشرقی پنجاب کے درمیان ہونے والے سرحدی سمجھوتے میں طے پایا کہ حد بندی کا کام اسی سال اپریل اور متنازعہ علاقوں کی واپسی کا

پروگرام وسط اکتوبر تک ختم ہو جائے گا۔ یہ بھی طے پایا کہ رن کچھ اور سندھ کی سرحدوں کے تعین کے سلسلے میں دونوں حکومتیں اعداد و شمار اور حقائق جمع کرتی رہیں گی۔ تاکہ سال رواں کے آخر میں دونوں ملکوں کے وفود کی کانفرنس میں اس کا منصفانہ حل بھی تلاش کر لیا جائے۔ جنرل شیخ کے مذکورہ سمجھوتے کو منصفانہ قرار دیتے ہوئے امید ظاہر کی کہ یہ ہر شخص کے لئے قابل قبول ہو گا۔

9جنوری — نئی تعلیمی رپورٹ

حکومت پاکستان کے تشکیل کردہ تعلیمی کمیشن نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ آئندہ تعلیمی مواقع دولت کی بجائے قابلیت کی بنیاد پر ہوں گے۔ حکومت نے اس ضمن میں ایک ارب تیس کروڑ کی رقم مختص کرنے کا اعلان کیا۔

10جنوری — افغان وزیر خارجہ کا دورہ پاکستان

افغان وزیر خارجہ سردار نعیم خان اپنے دو روزہ خیر سگالی دورے پر راولپنڈی پہنچے۔ انہوں نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ وہ کسی باضابطہ بات چیت کے لئے پاکستان نہیں آئے بلکہ ان کے دورے کا مقصد محض تبادلہ خیالات ہے۔ پشاور میں اخبار نویسوں سے باتیں کرتے ہوئے سردار نعیم نے اس یقین کا اظہار کیا کہ پاکستان اور افغانستان آپس میں اچھے تعلقات کے خواہش مند ہیں تاہم مسائل کے جلد حل ہونے کی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔ انہوں نے مزید کہا کہ صدر ایوب سے ان کی بات چیت دوستانہ ماحول میں ہوئی ہے۔

10جنوری — پہلا جشن افواج

10 جنوری کو پاکستان کی تاریخ کا پہلا جشن افواج منایا گیا۔ ملک کے مختلف شہروں میں بری، بحری اور ہوائی فوج کے جوانوں نے رنگا رنگ پروگرام پیش کئے۔

10جنوری — وارسک منصوبہ کا افتتاح

لیفٹیننٹ جنرل اعظم خان نے وارسک منصوبہ کی ساڑھے تین میل لمبی سرنگ کا افتتاح کیا۔

12جنوری — پاک فضائیہ کے طیارے کو حادثہ

تریموں ہیڈ ورکس کے مقام پر، پاک فضائیہ کے طیارے کو حادثہ پیش آیا۔

18جنوری — پہلے ایٹمی طاقت کے کمیشن کا قیام

ایٹمی قوت کے کمیشن کے صدر ڈاکٹر نذیر احمد نے کہا کہ ملک میں پہلا ایٹمی ری ایکٹر کا منصوبہ چند روز میں مکمل ہو جائے گا۔

19جنوری — کامنی کمار دت کے لئے نشان پاکستان

دستور ساز اسمبلی کے سابق رکن کامنی کمار دت کو بعد از مرگ نشان پاکستان عطا کیا گیا۔ وہ 1878ء میں پیدا ہوئے تھے۔

21جنوری — پاکستان ایئر فورس کا طیارہ تباہ

پاکستان ایئر فورس کا ہاورڈ طیارہ حادثے کا شکار ہو گیا۔ طیارے کا پائلٹ اور بریگیڈیر شاہد حسین ہلاک ہو گئے۔

24جنوری — ممدوٹ پر بدعنوانیوں کا الزام

مغربی پنجاب کے پہلے وزیر اعلیٰ نواب افتخار حسین ممدوٹ جو مغربی پاکستان حکومت میں وزیر مال بھی تھے، پر بدعنوانیوں کے سلسلے میں چارج شیٹ لگا دی گئی۔ تفصیل دیکھیں، اسی جلد کے حصہ "جبری نا اہلی کے ایوبی قوانین" میں۔

29جنوری — پیر مانکی شریف کا انتقال

سید امین الحسنات پیر مانکی شریف انتقال کر گئے۔ انہوں نے قیام پاکستان کے وقت ریفرنڈم میں فیصلہ کن اور اہم کردار ادا کیا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد وزیر اعلیٰ عبدالقیوم خان کی آمرانہ پالیسیوں کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے حزب اختلاف میں چلے گئے اور عوامی مسلم لیگ کی تشکیل میں حصہ لیا۔ سید روح الامین ان کے جانشین مقرر کئے گئے۔

30جنوری — ممدوٹ اور قزلباش نااہل قرار دے دیئے گئے

ایوب خان کے نا اہلی کے قوانین۔ ایبڈو کے تحت نواب افتخار حسین خان ممدوٹ اور ممتاز حسن قزلباش کو چھ سال کے لئے منتخب اداروں کی رکنیت کے لئے نا اہل قرار دے دیا گیا۔ تفصیل کے لئے اسی جلد کا حصہ 'جبری نااہلی کے ایوبی قوانین' دیکھیں۔

31جنوری — اقلیتوں سے سلوک

31 جنوری کے شمارہ "لیل و نہار" کے مطابق' وزیر اطلاعات و نشریات جناب ذوالفقار علی بھٹو نے چند روز قبل اعلان کیا کہ اقلیتی فرقوں کے نمائندوں کو اپنی شکایات کے ازالے کے لئے وہ انہیں وزرا سے براہ راست ملاقات کا موقع دلائیں گے۔

فروری 1960ء

یکم فروری — تاریخ کانفرنس کا انعقاد

یکم فروری کو راجشاہی (مشرقی پاکستان) میں دسویں تاریخ کانفرنس کا آغاز ہوا۔ اس میں ایک ہزار ملکی اور غیر ملکی مندوبین شریک ہوئے۔ وزیر تعلیم مسٹر حبیب الرحمان نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ آج کے مورخوں کو ملک کی تاریخ اس طرح لکھنی چاہیے کہ ہمارے آباؤ اجداد کے کارنامے اور کوتاہیاں پوری وضاحت کے ساتھ سامنے آجائیں اور عوام کو اپنے اسلاف کے تجربوں کی روشنی میں ایک بہتر معاشرے کی تشکیل میں مدد ملے۔ انہوں نے کہا کہ ماضی کا صحیح جائزہ مستقبل کی تعمیر نو کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کانفرنس کے صدر جناب جسٹس ایم بی احمد نے کہا کہ اسلاف کے کارناموں اور اسلامی تہذیب و ثقافت سے موجودہ نسل اچھی طرح باخبر نہیں ہے۔ اب مورخین کو چاہیے کہ وہ حکومتوں اور ان کی افواج کے حالات لکھنے کی بجائے برصغیر کے مسلمانوں اور ان کے معاشرتی اور تہذیبی حالات پر توجہ دیں۔

3 فروری — ٹوانہ۔ رشوت خوری کے الزام میں سزا

کراچی کے سابق ڈی آئی جی پولیس ملک حق نواز خان ٹوانہ کو رشوت خوری کے مقدمہ میں پانچ سال قید بامشقت اور 25 ہزار روپے جرمانہ کی سزا دے دی گئی۔

5 فروری — سیاسی پارٹیاں ختم کردی جائیں: ایوب خان

ایبڈو کے تحت سیاستدانوں پر عملی سیاست میں حصہ لینے کے راستے بند کرنے کے بعد صدر ایوب خان نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ سیاسی پارٹیاں ختم ہو جانی چاہیں یا پھر بہتر پارٹی سسٹم بنایا جائے۔ انہوں نے اس اطلاع کی بھی توثیق کی کہ کراچی کا نظم و نسق صوبائی گورنر کے سپرد کردیا جائے۔

6 فروری — پولیس کمیشن کا سوالنامہ

اپنے قیام کے جلد ہی بعد پولیس کمیشن نے عوام کو اپنے کام میں شریک کرنے کی غرض سے ایک سوالنامہ جاری کیا جس میں پولیس کی کارکردگی، طریقہ کار، شرائط ملازمت، عوام سے سلوک اور دوسرے متعلقہ امور شامل ہیں۔ کمیشن نے لوگوں سے کہا کہ وہ ایک ماہ کے اندر اندر ان سوالات کا جواب دیں اور اپنی تجاویز کمیشن کو بھیج دیں تاکہ ان کی روشنی میں کام کو آگے بڑھایا جاسکے۔

8 فروری — گھمن کے خلاف مقدمہ کی سماعت

سابق صوبائی وزیر چوہدری عبدالغنی گھمن کے خلاف سیالکوٹ کی عدالت میں دھوکہ دہی کے مقدمے کا آغاز ہو گیا۔

11 فروری — کمیونزم کے خلاف سیٹو کا جہاد

معاہدہ جنوب مشرقی ایشیا (سیٹو) کے سیکرٹری جنرل مسٹر سارا سین نے صدر ایوب اور وزیر خارجہ سے ملاقات کی۔ اس دوران سیٹو کے تحت ایک مجلس مذاکرہ اشتراکی سرگرمیوں کے سدباب پر غور کرنے کے لئے لاہور میں منعقد ہوئی۔ سیٹو کے رکن ممالک کے نمائندوں نے اس موقع پر نہایت وضاحت سے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ مجلس مذاکرہ کا افتتاح پاکستان کے وزیر داخلہ لیفٹیننٹ جنرل شیخ نے کیا۔ انہوں نے کہا کہ کمیونزم کا نشوونما صرف ایسے ماحول میں ہوتا ہے جہاں روحانی خلا اور تشنگی موجود ہو۔ ہمارا فرض ہے کہ روحانی خلا کبھی پیدا نہ ہونے دیں۔ ہمارا مذہب اور ہمارے رفقا کا شاندار مذہب اس قابل ہیں کہ وہ اس بے روح اور خدا کے منکر نظریے — اشتراکیت — کا مقابلہ کر سکیں۔ وزیر داخلہ نے کہا کہ "ہمیں اپنے پیغمبروں اور روحانی پیشواؤں کے پیغام پر فخر ہے اور ہم ان کے عطا کردہ ورثے پر نازاں ہیں۔ ہمیں صرف اس امر کی ضرورت ہے کہ ہم اپنے ورثے سے پوری طرح آگاہ ہوں اور جس خطرے کا مقابلہ ہے اس سے پوری طرح واقف۔

14 فروری — ثقافتی ورثے کا فروغ

ہفت روزہ لیل و نہار (14 فروری 1960) کی اطلاع کے مطابق محکمہ قومی تعمیر نو (Bnr) نے دیہی زندگی کے ثقافتی ورثے کی ترویج و تحفظ کے ایک جامع منصوبے کا اعلان کیا۔ جس کے مطابق تمام اضلاع کے ڈپٹی کمشنر اپنے اپنے علاقوں کی تہذیبی زندگی کا جائزہ لیں گے۔ شاعروں، رقاصوں، گویوں اور دوسرے فنکاروں کے علاوہ کھلاڑیوں کی فہرستیں تیار کرنے کا بھی اعلان کیا گیا۔ تمام تفصیلات جمع ہو جانے پر اس امر کا جائزہ لیا جائے گا کہ علاقائی تہذیبوں کی نشوونما اور ترقی کے لئے کیا اقدامات کئے جائیں۔ یہ بات قابل غور ہے کہ بعد میں محکمہ قومی تعمیر نو پبلسٹی کے سرکاری مراکز (پاکستان نیشنل سنٹرز) کی شکل اختیار کر گیا۔

بنیادی جمہوریت کے اسی ہزار نمائندوں نے ایک ریفرنڈم کے ذریعے ایوب خان کی صدارت پر مہر تصدیق ثبت کردی۔ ان کے حق میں 75283 یا 95.66 فی صد ووٹ پڑے۔ اگلے روز الیکشن کمیشن نے ایوب خان کی انتخابی کامیابی کا باقاعدہ اعلان کردیا۔

15 فروری — پیرزادہ عبدالستار بھی ایبڈو زدہ ہو گئے

ایبڈو قوانین کے تحت نا اہلی کے مقدمات سے بچنے کے لئے پیرزادہ عبدالستار، 31 دسمبر 1966ء تک سیاست سے ریٹائر ہو گئے۔ تفصیل

کے لئے دیکھیں، اسی جلد کا حصہ -- جبری نا اہلی کے ایوبی قوانین

17 فروری ---- صدر ایوب کا حلف

17 فروری کو صدر ایوب نے پاکستان کے پہلے "منتخب" صدر کی حیثیت سے اپنے منصب کا حلف اٹھایا۔ انہوں نے کہا: "میں بحیثیت صدر پاکستان، قانون اور آئین کے مطابق اپنے صدارتی فرائض کو انتہائی وفاداری کے ساتھ انجام دوں گا اور ہمیشہ پاکستان کا سچا جانثار اور وفادار رہوں گا۔ چونکہ پاکستانی عوام نے مجھے آئین بنانے کا اختیار دے دیا ہے لہٰذا میں آئین کی تشکیل کروں گا۔ اس کے تحفظ اور دفاع کا فرض انجام دوں گا۔ میں باشندگان پاکستان کے ہر طبقے کے ساتھ بلا خوف و بلا پاسداری اور بلا نفرت و الفت انصاف کروں گا" _ اسی روز ملک بھر میں جشن صدارت منایا گیا۔ چراغاں ہوا۔ حلف برداری کے چند گھنٹوں بعد صدر ایوب نے جسٹس شہاب الدین کی زیر صدارت گیارہ ارکان پر مشتمل آئین کمیشن کے قیام کا اعلان کیا۔ اس روز عام تعطیل رہی۔

18 فروری ---- دولتانہ بھی سیاست سے دستبردار

پنجاب کے مسلم لیگی سیاستدان میاں ممتاز محمد خان دولتانہ کو ایبڈو کے تحت نوٹس جاری کر دیا گیا۔ لیکن انہوں نے مقدمے کا سامنا کرنے کی بجائے سیاست سے دستبرداری کے ڈرافٹ پر دستخط کر دیئے اور رضاکارانہ طور پر چھ سال کے لئے سیاست سے ریٹائر ہو گئے۔ تفصیل دیکھیں۔ 'جبری نا اہلی کے ایوبی قوانین'

19 فروری ---- شہاب الدین سپریم کورٹ کے چیف جسٹس مقرر ہو گئے

صدر ایوب خان نے جسٹس شہاب الدین کو سپریم کورٹ کا چیف جسٹس مقرر کر دیا۔

20 فروری ---- ترکی اور ایران کے سربراہوں کا دورہ

20 فروری کو شہنشاہ ایران، ان کی ملکہ اور ترکی کے صدر جلال بایار گھوڑوں کی نمائش دیکھنے کے لئے کراچی پہنچے۔ کراچی کے بعد انہوں نے لاہور کا دورہ بھی کیا۔

21 فروری ---- پیر الٰہی بخش بھی سیاست سے ریٹائر

ایبڈو کے مقدمے کا سامنا کرنے کی بجائے سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ پیر الٰہی بخش نے 31 دسمبر 1966ء تک "رضاکارانہ" طور پر عملی سیاست سے ریٹائر ہونے کا اعلان کر دیا۔ تفصیل کے لئے دیکھیں، اسی کتاب کا حصہ -- 'جبری نا اہلی کے ایوبی قوانین'

22 فروری ---- نئے دارالحکومت کا نام اسلام آباد ہو گا

دو برادر اسلامی ملکوں ترکی اور ایران کے سربراہوں کی پاکستان میں موجودگی کے دوران راولپنڈی کے نزدیک پاکستان کے نئے دارالحکومت کا نام اسلام آباد رکھ دیا گیا۔

25 فروری ---- گبن کا الزامات کو درست تسلیم کرنے سے انکار

دستور ساز اسمبلی کے سابق رکن اور سابق نائب صدر اسمبلی میں ری گبن نے ایبڈو کے تحت بدعنوانی کے الزامات کو درست تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ تفصیل کے لئے دیکھیں اسی جلد کا حصہ -- 'جبری نا اہلی کے ایوبی قوانین'

26 فروری ---- سہروردی کے نام بھی ایبڈو کا نوٹس

مرکزی ایبڈو ٹریبونل نے پاکستان کے سابق وزیر اعظم حسین شہید سہروردی کے نام عملی سیاست سے دستبرداری کا نوٹس جاری کر دیا لیکن سہروردی مرحوم نے سیاست سے دستبردار یا ریٹائر ہونے کی بجائے حکومت کے الزامات کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ 62-1959ء کے اس سنگین دور میں انہوں نے ایوب آمریت کے خلاف تن تنہا یہ جنگ لڑی اور آخری لمحے تک ڈٹے رہے۔ تفصیل کے لئے دیکھیں اسی جلد کا حصہ -- 'جبری نا اہلی کے ایوبی قوانین'

26 فروری ---- سیم اور تھور کے انسداد کے لئے غلام اسحاق کا تقرر

حکومت نے رچنا دوآب میں سیم اور تھور کے انسداد کے لئے ایک کمیٹی قائم کی جس کا سربراہ مسٹر غلام اسحاق خان کو بنایا گیا

27 فروری ---- سابق وزیر چھ سال کے لئے ریٹائر

سابق مرکزی وزیر خوراک و زراعت دلدار احمد چھ سال کے لئے سیاست سے کنارہ کش ہو گئے۔ انہوں نے بھی ایبڈو کے تحت مقدمات کا مقابلہ نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

اسی کتاب کا حصہ -- 'جبری نا اہلی کے ایوبی قوانین' دیکھیں

مارچ 1960ء

یکم مارچ ---- قاضی فضل اللہ عوامی زندگی سے ریٹائر

سندھ کے ممتاز رہنما قاضی فضل اللہ چھ سال کے لئے عوامی زندگی سے علیحدہ کر دیئے گئے۔

3مارچ ـــ کتاب کی ضبطی

حکومت نے سید منظور حسین بخاری کی تحریر کردہ تصنیف ـــ تاریخ اسلام کا تاریک دور ـــ ضبط کرلی۔

6مارچ ـــ پختونستان اور روسی حمایت

روسی رہنما نکتا خروشچیف نے پختونستان کے مسئلہ پر افغان موقف کی حمایت میں بیان دیا۔ صدر ایوب نے ایک غیر ملکی خبررساں ایجنسی کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ افغان دعوے کی کوئی قانونی بنیاد نہیں البتہ روسی' اپنے دوستوں کی جائز معاملوں میں بھی حمایت کرتے ہیں۔ وزیر خارجہ منظور قادر نے افغان اور روسی حکمرانوں کے مشترکہ اعلان کا جواب دیتے ہوئے کہا: "یہ بات معقول معلوم ہوتی ہے کہ پاکستان یا افغانستان میں رہنے والے پختون ایک ہی جھنڈے تلے رہنا چاہتے ہیں۔ پاکستان کے پختون تو ریفرنڈم کے ذریعے کثرت رائے سے پاکستان میں رہنے کا فیصلہ کر چکے ہیں اس لئے اب مناسب یہی ہے کہ ہم افغانستان میں رہنے والے پختونوں سے پوچھیں کہ ان کی رائے کیا ہے؟"

14مارچ ـــ قزلباش اور حسن محمود بھی نااہل

ایبڈو ٹریبونل کے فیصلے کے مطابق نواب مظفر علی قزلباش اور مخدوم زادہ حسن محمود کو چھ سال کے لئے سیاست میں حصہ لینے سے روک دیا گیا۔

15مارچ ـــ عائلی کمیشن کی رپورٹ منظور

صدارتی کابینہ نے خواتین کے حقوق سے متعلق عائلی کمیشن کی رپورٹ منظور کرلی۔ یہ کمیشن محمد علی بوگرہ کے زمانہ وزارت میں 1955ء میں قائم کیا گیا تھا۔ اس کے دائرہ کار میں یہ اہم سوالات شامل تھے کہ موجودہ قوانین' جن کے تحت مسلمانوں میں شادی' طلاق' عورتوں کے نان نفقے اور دوسرے معاملات پر عمل ہوتا ہے' کیا مناسب ہیں یا ان میں ردوبدل ضروری ہے تاکہ خواتین کو معاشرے میں اسلامی اصولوں کے مطابق درجہ ملے۔ ایک دوسرے نقطہ خاص عدالتوں کے قیام سے متعلق تھا جو شادی اور (خاوند یا بیوی کی طرف سے) طلاق کے بارے میں یا عورتوں کے نان نفقے یا دوسرے معاملات پر جلد فیصلے کرنے کے لئے قائم ہوں۔
کمیشن کی سفارشات میں تعداد ازدواج' نکاح' طلاق اور بچوں کی نگہداشت کے بارے میں نہایت اہم فیصلے شامل تھے۔

17مارچ ـــ ابو حسین سرکار بھی نااہل

مشرقی پاکستان کے سابق وزیر اعلیٰ ابو حسین سرکار کو منتخب اداروں کی رکنیت کے نااہل قرار دے دیا گیا۔

23مارچ ـــ پاکستان کے دوسرے پنجسالہ منصوبے کی اساس

وفاقی وزیر ذوالفقار علی بھٹو نے روزنامہ 'ڈان' میں پاکستان کے دوسرے پانچ سالہ منصوبے کی اساس پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ جس میں انہوں نے حکومت کی اس خواہش کا اظہار کیا کہ لوگوں پر کوئی سخت اقتصادی یا سماجی نظام عائد کرنے کی بجائے عوام کی اکثریت کو اپنی مرضی سے کام کرنے کا موقع دیا جائے۔ انہوں نے نجی اور سرکاری شعبوں کی ضرورتوں کو یکجا کرنے پر زور دیا۔ انہوں نے زراعت کی ترقی کو بھی پانچ سالہ منصوبے کی ایک اہم اساس قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ دوسرے منصوبے میں زر مبادلہ کو قلوپطرہ کی حیثیت حاصل ہے۔
انہوں نے دعویٰ کیا کہ ایشیا امنگوں اور آرزوؤں کی موجودہ اقتصادی بیداری کے انقلاب کی زد میں ہے۔ انہوں نے کہا کہ منصوبے کا بنیادی مقصد قومی آمدنی میں اضافہ ہے۔ انہوں نے اسے حقیقت پسندانہ اور مقامی حالات سے ہم آہنگ قرار دیا۔
مقالے کا مکمل متن اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں۔

27مارچ ـــ کابل پاکستان کا حصہ ہے: اولف کیرو

صوبہ سرحد کے ایک سابق گورنر سر اولف کیرو نے ٹائمز آف لندن میں دعویٰ کیا کہ تاریخی اعتبار سے کابل پاکستان کا حصہ ہے۔

31مارچ ـــ ڈیورنڈ لائن مستقل سرحد ہے: برطانیہ

برطانیہ کے نائب وزیر خارجہ برائے تعلقات دولت مشترکہ نے اپنے دعوے میں کہا کہ ڈیورنڈ لائن پاکستان اور افغانستان کے درمیان مستقل سرحد کی حیثیت رکھتی ہے۔

اپریل 1960ء

4اپریل ـــ پیرز کوڑی گرفتار

پیر آف زکوڑی شریف' مارشل لاء کے تحت گرفتار کر لئے گئے۔

4اپریل ـــ کرنل الٰہی بخش کا انتقال

قائداعظم محمد علی جناح کے آخری دنوں کے معالج' کرنل الٰہی بخش' دل کی حرکت بند ہو جانے سے انتقال کر گئے۔ وہ 12 ستمبر 1904ء کو پیدا ہوئے۔

1947-59ء کے دوران کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کے پرنسپل رہے۔ انہوں نے ایک یادگار تصنیف "قائداعظم کے آخری ایام" چھوڑی جس میں انہوں نے قائد کی رحلت سے متعلق بعض اہم انکشافات کئے تھے۔

5اپریل ــــ مارشل لاء کے تحت سزائیں

کراچی کی خصوصی فوجی عدالت نے خواجہ مظہرالحق کو دس سال اور سید ہاشم گزدر کو پانچ سال قید سخت کی سزائیں سنائیں۔

10-16اپریل ــــ صدر ناصر کا دورہ پاکستان

متحدہ عرب جمہوریہ کے صدر جمال عبدالناصر' بھارت کا دورہ مکمل کرنے کے بعد پاکستان کے دورے پر کراچی پہنچے۔ دونوں ملکوں کی ایک مشترکہ تقریب میں انہیں نشان پاکستان اور صدر ایوب کو قلادۃ النیل کے اعزازات سے نوازا گیا۔ دو روز بعد صدر ناصر پہنچے۔ انہوں نے مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے اپنی خدمات پیش کیں البتہ مسلم بلاک کے قیام کی تجویز کو ناقابل عمل قرار دیا۔ 15 اپریل کو دونوں ملکوں کے درمیان ایک تجارتی سمجھوتے پر دستخط ہو گئے۔ دونوں رہنماؤں کے مشترکہ اعلامیہ میں الجزائر کی آزادی کا مطالبہ کیا گیا۔

11اپریل ــــ نئے صوبائی گورنر

جنرل اعظم خان کو مشرقی اور امیر محمد نواب آف کالاباغ کو مغربی پاکستان کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔

11اپریل ــــ مرزا شمس الحق بھی نااہل

صوبہ سرحد کے سابق وزیر صحت اور خان عبدالقیوم کے مصاحب خاص مرزا شمس الحسن بھی ایبڈو کے تحت نااہل قرار دیئے گئے۔

12اپریل ــــ ہاشم گزدر سیاست سے ریٹائر

ایبڈو ٹریبونل نے سندھ کے ممتاز قومی سیاستدان ہاشم گزدر کو بھی عوامی نمائندگی کے نااہل قرار دے دیا۔

13اپریل ــــ بسنت کمار داس کی نااہلی

پاکستان کے ممتاز غیر مسلم سیاسی پارلیمینٹرین بسنت کمار داس بھی ایبڈو قوانین کے تحت نااہل قرار دیئے گئے۔

16اپریل ــــ مشرقی پاکستان کے نئے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر

بریگیڈیئر رحیم کو میجر جنرل کے عہدے پر ترقی دے کر میجر جنرل امراؤ خان کی جگہ مشرقی پاکستان کا مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کر دیا گیا۔

6اپریل ــــ فقیر ایپی انتقال کر گئے

ایک دہائی تک برطانوی سامراج کو دہشت زدہ رکھنے والے پشتون مجاہد حاجی مرزا علی خان المعروف فقیر آف ایپی 16یا17اپریل کی درمیانی رات دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے۔ قیام پاکستان کے ابتدائی دو تین برسوں میں وہ حکومت پاکستان سے بھی نبرد آزما رہے۔ ان کا انتقال 16 اپریل کی رات دس بج کر 45 منٹ پر گورویخت میں ہوا اور دتہ خیل میں دفن ہوئے ان کے انتقال پر ٹائمز لندن نے لکھا: "آپ روحانی بزرگ اور بااصول انسان تھے۔ انہوں نے انگریزوں کے خلاف قبائل کی بغاوت کھڑی کی۔ وہ اس بغاوت کی روح اور اس کے جرنیل تھے۔ ان کی وفات کی خبر سن کر بہت سے فوجی اور پولیٹیکل افسر دلی افسوس محسوس کریں گے جو ایک غیور اور ارادے کے پختہ دشمن کی یاد میں دی گئی ہے۔"

تفصیل کے لئے دیکھیں اسی جلد کا سوانحی حصہ ـــ فقیر ایپی ـــ

23اپریل ــــ سہروردی ایبڈو ٹریبونل کے سامنے

سابق وزیراعظم حسین شہید سہروردی نے ایبڈو ٹریبونل کے سامنے اپنے خلاف لگائے گئے الزامات کو رد کرتے ہوئے کہا کہ وہ 1921ء سے برصغیر کے مسلمانوں کی خدمت کرتے چلے آ رہے ہیں۔

26اپریل ــــ پریس اینڈ پبلیکیشن آرڈیننس کا اجرا

صدر ایوب نے ملک میں پریس اینڈ پبلیکشن آرڈیننس مجریہ 1960ء کے نفاذ کا اعلان کر دیا۔ اس میں چھاپہ خانوں' اخباروں' رسالوں اور دوسری مطبوعات سے متعلق ضابطوں کی صراحت کی گئی اور ڈیکلریشن منظور کرنے کے قواعد اور دوسرے امور واضح کئے گئے تھے۔

آرڈیننس کے تحت حکومت کو یہ اختیار دیا گیا کہ اخبار یا کتابیں چھاپنے والے پریسوں سے قابل اعتراض مواد شائع کرنے کی بناء پر' جن کی صراحت موجود ہے' ضمانت طلب کر لے چھاپے خانوں سے پانچ سو روپے سے لے کر دس ہزار روپے تک کی ضمانت صرف سیشن جج کی منظوری کے بعد طلب کی جا سکتی ہے۔ اسے اقدام کے خلاف اپیل ہائی کورٹ کے خاص بنچ سے کی جا سکے گی۔ حکومت کو یہ اختیار بھی دیا گیا کہ ضمانت کی رقم ضبط کر لے اور بعض معاملات میں چھاپہ خانوں کو کتابیں یا اخبار شائع کرنے کی ممانعت کر دے۔ نئے قواعد کی رو سے پبلشر کو ڈکلریشن حاصل کرنے سے پہلے یہ ثابت کرنا ہو گا کہ اس کے پاس اتنے مالی وسائل موجود ہیں جو ایک اخبار کو پابندی سے شائع کرنے کے لئے درکار ہیں۔ اسی طرح ایڈیٹر کے لئے معقول تعلیمی لیاقت یا مناسب تربیت یا صحافت کا تجربہ ضروری ہو گا۔

آرڈیننس میں اخبار کی تعریف یوں کی گئی "ایسا وقتی تحریری کام جس میں عام خبریں یا خبروں پر تبصرہ شامل ہو یا کوئی اور وقتی تحریری کام جسے حکومت ایسا قرار دے' اخبار کہلائے گی"۔ اسی طرح "ایڈیٹر وہ شخص ہے جو اخبار میں شائع ہونے والے مواد کا انتخاب کرتا ہے"۔

اگر کوئی پبلشر تین ماہ سے زیادہ مدت کے لئے ملک سے باہر جائے تو اسے کسی شخص کو نامزد کرنا ہو گا جو اس کی ذمہ داری سنبھالے گا۔ اس کے نامزد کردہ شخص کو بھی اس قسم کی تحریری یقین دہانی دینی ہو گی۔ مرکزی حکومت کی اجازت کے بغیر غیر ملکیوں کو پاکستان کے کسی اخبار میں مالکانہ حقوق حاصل کرنے کی اجازت نہیں ہو گی۔ کسی صورت میں بھی انہیں کسی اخبار میں پچیس فیصد سے زیادہ مالکانہ حقوق حاصل نہ ہوں گے۔

پریس اور مطبوعات کے آرڈیننس میں یہ صراحت کر دی گئی کہ حکومت کسی چھاپے خانے سے ضمانت طلب کرنے کے بعد اسے ضبط کر سکتی ہے۔ اسی طرح حکومت چھاپے خانے سے کسی قابل اعتراض کتاب یا اخبار کو شائع نہ کرنے کے لئے بھی کہہ سکتی ہے۔ قابل اعتراض مواد کی تفصیلات یہ تھیں۔

ا ایسا مواد جس سے ارتکاب قتل پر ابھارا جائے یا جرائم کی اعانت اور حوصلہ افزائی ہو۔

ب جس سے جنسی جرائم اور غیر صحت مندانہ جنسی تجسّس کی تحریک ہو۔ یا جو قانون پر عمل درامد یا امن و امان میں خلل اندازی پر ابھارے' سرکاری ٹیکسوں کی عدم ادا ئگی پر آمادہ کرے۔

ج ایسا مواد جس میں بلاواسطہ یا بلواسطہ طور پر قیام پاکستان کی مذمت کی جائے یا پاکستان کے تمام یا کسی علاقے میں اس کی حاکمیت کی تنسیخ یا کم کرنے کی وکالت کی گئی ہو۔

د ایسا مواد جس سے قانونی طور پر قائم شدہ حکومت یا کسی طبقے یا پاکستانی شہریوں کے کسی طبقے کے خلاف نفرت پھیلے۔

ہ ایسا مواد جس سے پاکستان کے دونوں حصوں کے عوام کے درمیان عناد کے جذبات پیدا ہوں۔

یہ آرڈیننس بعد ازاں کالے قانون کے طور پر مشہور ہوا اور صحافیوں کے ساتھ ساتھ سیاستدانوں نے بھی اس کی مذمت کی۔

29 اپریل--- سہروردی اور اٹارنی جنرل کے درمیان جھڑپیں

ایبڈو ٹریبونل نے جناب سہروردی کے خلاف پولیس کے سامنے نور علی کے دیئے ہوئے بیان کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اس سلسلے میں سہروردی اور اٹارنی جنرل حکومت پاکستان کے درمیان جھڑپیں بھی ہوئیں۔

مئی 1960ء

یکم مئی--- یو۔ٹو گرا لیا گیا

بڈ بیر پشاور کے امریکی اڈے سے' امریکہ کے جاسوس طیارے یو۔ٹو کو سوویت یونین میں گرا لیا گیا۔ اس واقعہ کے چند روز بعد سوویت رہنما خروشچیف' ماسکو کی ایک تقریب میں پاکستانی سفیر کے پاس آئے اور مخصوص کھردرے دیہاتی لہجے میں تنبیہ کی کہ انہوں نے نقشے پر' پشاور کے گرد سرخ دائرہ لگا دیا ہے۔

تفصیل کے لئے دیکھیں۔ اسی جلد کا مقالہ--- یو۔ٹو اور ایوب خان---

3 مئی--- جسٹس منیر سبکدوش

ہائی کورٹ کے جج' چیف جج اور سپریم کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر محمد منیر اپنے عہدے سے سبکدوش ہو گئے۔ جسٹس شہاب الدین نے سپریم کورٹ کے نئے چیف جسٹس کا حلف اٹھایا۔ قائم مقام صدر لیفٹیننٹ جنرل واجد علی برکی نے ان سے حلف لیا۔

4 مئی--- ایوب۔نہرو ملاقات

لندن میں صدر ایوب اور پنڈت نہرو کے درمیان ایک غیر رسمی ملاقات ہوئی جس میں بین الاقوامی امور کے ساتھ ساتھ پاک۔ہند تعلقات بھی زیر بحث آئے۔ دونوں سربراہ دولت مشترکہ کے وزرائے اعظم کی کانفرنس کے سلسلے میں لندن گئے ہوئے تھے

7-12 مئی--- یو۔ٹو کی پرواز کے بارے میں تردید

حکومت پاکستان نے روس کے اس اعلان کو بے بنیاد قرار دیا کہ امریکہ کا جو طیارہ یکم مئی کو سوویت سرزمین پر گرا لیا گیا تھا۔ وہ پشاور سے اڑا تھا۔ طیارے کی پرواز اور حادثے کے سلسلے میں امریکی حکومت نے روسی الزام کو درست تسلیم کر لیا۔ دوسری جانب روس نے دھمکی دی کہ اگر آئندہ ایسی کوئی کارروائی ہوئی تو روس پاکستان کے خلاف جوابی کارروائی کرے گا۔ اس دھمکی کا جواب دیتے ہوئے لندن میں صدر ایوب نے کہا کہ پاکستان روسی دھمکیوں سے مرعوب نہیں ہو گا۔ قومی تعمیر نو اور اطلاعات کے مرکزی وزیر ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ روس کے اس الزام کے متعلق کہ امریکی طیارہ' پشاور سے اڑا تھا' تحقیق ہو رہی ہے جس کا نتیجہ جلد ہی کر دیا جائے گا۔

13 مئی--- پرنس علی خان انتقال کر گئے۔

اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب پرنس علی خان پیرس کے نواح میں انتقال کر گئے۔ موت کی خبر سنتے ہی شہزادہ علی خان کے صاحبزادے اور اسماعیلیوں کے مذہبی رہنما شہزادہ کریم آغا خان' مرحوم آغا خان کی بیگم

اور خاندان کے دیگر افراد پیرس پہنچ گئے۔ صدر ایوب نے اس موقع پر کہا کہ پرنس علی خان کی اچانک اور المناک موت سے انہیں بہت دکھ ہوا اور اس کے نتیجے میں اس سے پاکستان ایک عظیم سفارت کار سے محروم ہو گیا ہے۔

پرنس علی خان نے چند ہی روز قبل پیرس میں ریٹائرڈ سیاستدانوں کی انٹرنیشنل ڈپلومیٹک اکیڈمی سے خطاب کرتے ہوئے بچے تلے انداز میں پاکستان کی خارجہ پالیسی اور بعض بین الاقوامی مسائل پر پاکستان کے موقف کی وضاحت کی تھی۔

سب سے پہلے انہوں نے مسئلہ الجزائر کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان الجزائریوں کے حق خود ارادیت کا زبردست حامی ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو فرانس کا اتحادی بھی تصور کرتا ہے اور مسئلہ الجزائر پر پاکستان کا رویہ کسی صورت میں فرانس کے خلاف جارحانہ نوعیت کا نہیں۔ انہوں نے کہا کہ الجزائر کی خود مختاری سے متعلق 16 ستمبر کو صدر چالس ڈیگال کا اعلان فرانس کی پالیسی کا ایک اہم موڑ ہے۔ اس کے بعد اگرچہ کئی نشیب و فراز آئے لیکن انہیں ابھی تک توقع ہے کہ یہ اعلان الجزائر کے مستقبل کے لئے ایک مشعل کا کام دے گا۔

پاکستان کی عام خارجہ پالیسی کا ذکر کرتے ہوئے پاکستانی نمائندے نے کہا کہ میرے ملک کی پالیسی یہ ہے کہ مغرب اور روسی بلاک میں رابطہ قائم کیا جائے اور اس کے ساتھ ہی آزاد دنیا کے دفاعی معاہدوں میں ربط و تعلق قائم رکھا جائے جب کہ پاکستان سیٹو اور سینٹو کا رکن ہے۔ شہزادہ علی خان نے جو فرانسیسی زبان میں تقریر کر رہے تھے' پاک و ہند کے تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اگرچہ دونوں ملکوں کے باہمی تعلقات کسی حد تک بہتر ہوئے ہیں لیکن ابھی تک حقیقی اعتماد پیدا نہیں ہو سکا۔ کشمیری عوام اور پاکستانیوں کے مذہبی' ثقافتی اور اقتصادی رشتوں کا ذکر کرتے ہوئے پاکستانی مندوب نے کہا کہ اس کے باوجود پاکستان جو چاہتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ کشمیریوں کو اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا اختیار دیا جائے۔ وہ اس سے زیادہ اور کسی امر کا مطالبہ نہیں کرتا۔ اس کے برعکس ہندوستان نے سلامتی کونسل کی قراردادوں کی خاص ورزی کرتے ہوئے کشمیر کا دو تہائی حصہ اپنے قبضہ میں لے رکھا ہے اور کشمیریوں کو حق خودارادی دینے سے منکر ہے۔ انہوں نے کشمیر کو عالمی امن کے لئے بہت بڑا خطرہ قرار دیا اور کہا کہ اگر اس کا حل دریافت نہ کیا گیا تو ہو سکتا ہے یہ مسئلہ کئی نادیدہ خطروں کا پیش خیمہ بن جائے' اس مسئلہ پر تبصرہ کرتے ہوئے آخر میں انہوں نے ایسی افواہوں کی پر زور تردید کی کہ پاکستان سلامتی کونسل کے مجوزہ حل کے علاوہ کسی اور حل پر راضی ہو جائے گا۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی کے مختلف پہلوؤں پر تبصرہ کرتے ہوئے شہزادہ علی خاں نے افغانستان کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ افغانی حکام کبھی تو پاکستان کے کسی علاقے کو افغانستان میں شامل کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں اور کبھی اس کا داخلی معاملات میں مداخلت کا حق طلب کرتے ہیں پاکستان ان کے ان مطالبوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اور یہ اس کے لئے نا قابل قبول ہیں لیکن اس کے باوجود روس افغان مطالبے کی حمایت کرتا ہے اور اس طرح وہ عالمی امن اور دو پڑوسیوں کے تعلقات کو نقصان پہنچانے کے علاوہ کچھ نہیں کر رہا ہے۔

جنوبی افریقہ کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ میرے خیال میں نسلی امتیاز کی یہ پالیسی صاف طور پر عالمی امن کے لئے خطرہ کا موجب ہے۔ جب کوئی ملک تاریخی حقائق اور صداقتوں کے خلاف پالیسی بنا لیتا ہے تو اسے کہیں پناہ نہیں ملتی۔ انہوں نے توقع ظاہر کی کہ نسلی امتیاز کی پالیسی عالمی نفرت کا نشانہ بنے گی۔

سینٹو اور سیٹو کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے ان معاہدوں کو خالص دفاعی قرار دیا اور کہا کہ یہ بحرالکاہل سے بحرہ روم تک ایک دفاعی دیوار بنے ہوئے ہیں۔ جو نیٹو سے ملی ہوئی ہے۔

اقوام متحدہ کے بارے میں شہزادہ علی خان نے کہا کہ اس کا مقصد خطرہ کے مقامات کی طرف دنیا کی توجہ دلانا ہے۔ اقوام متحدہ کسی مسئلہ پر خطرناک کشیدگی کو روکنے اور اس کو عالمی حیثیت اختیار کر جانے سے روکنے کا کام بھی کرتی ہے۔

جوہری تجربوں کے بارے میں انہوں نے کہا کہ پاکستان کو اس سے خاص دلچسپی یوں ہے کہ یہ ملک جغرافیائی لحاظ سے ایسی جگہ پر واقع ہے جہاں ریڈیائی لہریں پہنچتی ہیں اور پاکستان کی اہم فصل چاول میں یہ خاصہ ہے کہ وہ ان مہلک لہروں کے اثرات کو جلد قبول کر لیتی ہے۔

اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب نے ان کے علاوہ بھی قریباً" تمام عالمی مسائل پر اپنے ملک کی پالیسی کی وضاحت کی۔

اس تقریب کے چند ہی روز بعد پرنس علی خان پیرس میں انتقال کر گئے۔

14 مئی --- پشاور سے طیارے نے پرواز نہیں کی: اکرام اللہ

پاکستان کے سیکرٹری وزارت خارجہ جناب اکرام اللہ نے لندن میں ایک بیان میں اصرار کیا کہ پاکستانی تحقیق کے مطابق پشاور کے ہوائی اڈے سے روس کی جانب کسی طیارے نے پرواز نہیں کی تھی۔

18 مئی --- امریکی حکومت کے نام پاکستان کا احتجاجی مراسلہ

یو۔ٹو طیارے کی پرواز کے سلسلے میں حکومت پاکستان نے امریکہ کے نام پر اپنے احتجاجی مراسلے میں کہا کہ یہ ایک نامناسب اقدام تھا اور آئندہ اس کا اعادہ نہیں ہونا چاہیے۔ روسی دھمکی کے ضمن میں کہا گیا کہ انتقامی کارروائی میں تیسری جنگ چھڑ سکتی ہے۔ اگر پشاور پر بم برسائے گئے تو روس

کے شہروں پر بھی ایٹم بم پھینکے جائیں گے۔

19 مئی۔۔۔ خان عبدالغفار خان ایبڈو کے تحت نااہل

ایبڈو ٹریبونل نے پشتون رہنما خان عبدالغفار خان کو نااہل قرار دے دیا۔

29 مئی۔۔۔ سیٹو کی سالانہ رپورٹ

مئی کے آخری ہفتے میں واشنگٹن میں جنوب مشرقی ایشیا کی تنظیم (سیٹو) کے وزرائے خارجہ کے اجلاس سے قبل سیٹو کی سالانہ رپورٹ شائع کر دی گئی۔ یہ رپورٹ جسے تنظیم کے سیکرٹری جنرل پوٹ سارا سین نے مرتب کیا تھا' خیال ظاہر کیا کہ جنوب مشرقی ایشیا کو سب سے بڑا خطرہ اشتراکی چین سے ہے اور چین کا مسلسل جارحانہ رویہ ایسا نہیں' جسے نظر انداز کیا جا سکے۔

رپورٹ میں کہا گیا کہ اشتراکی چین کی جارحیت اپنی حد کو اس وقت پہنچی جب اس نے تبت پر فوجی یلغار کی تھی۔ اور چین کی ہوس ملک گیری کے خلاف وہاں کی بغاوت کو کچل دیا گیا۔ اب حالت یہاں تک جا پہنچی ہے کہ اشتراکی چین سے معاملہ کرنے والے ممالک بہت ہوشیار رہتے ہیں اور انہیں اس کے داؤ پیچ سے بچنے کے لئے پوری چابکدستی اور ہوشیاری سے کام لینا پڑتا ہے۔ سولہ صفحات پر مشتمل اس رپورٹ میں آگے چل کر کہا گیا کہ زیر تبصرہ سال (1959) میں اشتراکی چین کے ہاتھوں اس علاقے کے آزاد عوام کو خاصا پریشان ہونا پڑا اور کئی ممالک اس کے معاندانہ رویہ کے شکار ہوئے۔ تبت میں اس کی انتہا ہو گئی اور اس کے بعد ہندوستان کے سرحدی علاقے اور لداخ میں چین کی جارحانہ مداخلت شروع ہوئی۔ خود اس تنظیم کے علاقے میں اشتراکیوں نے لاؤس کے باغیوں کی حمائت کی اور وہاں ایک خطرناک صورت حال پیدا ہو گئی لیکن اقوام متحدہ کی بروقت مداخلت اور سیٹو کے مستحکم رویہ نے حالات کو اور زیادہ بگڑنے سے بچا لیا۔ اگرچہ لاؤس میں صورت حال اب بہتر ہے لیکن خطرہ بدستور باقی ہے۔

جنوب مشرقی ایشیا کے لئے اس اشتراکی خطرے کا مقابلہ کرنے کی غرض سے سیٹو کے ممالک نے جو کچھ کیا اس کا ذکر کرتے ہوئے رپورٹ میں کہا گیا کہ تنظیم کے ارکان ممالک نے اشتراکی حربوں اور ریشہ دوانیوں کے بارے میں ایک دوسرے کو مکمل معلومات بہم پہنچائیں۔ جن سے ان ریشہ دوانیوں سے بچنے میں بڑی مدد ملی۔ اور اس وقت بھی پاکستان' فلپائن اور تھائی لینڈ میں اشتراکی سرگرمیوں کو ختم کرنے کے سلسلے میں پوری کوششیں جاری ہیں۔ ان ممالک میں کیمونسٹ پارٹیاں خلاف قانون قرار دی جا چکی ہیں۔

جہاں تک فوجی اقدامات کا تعلق ہے سیٹو کے ممالک نے انفرادی اور اجتماعی طور پر دفاعی تکنیک میں خاصی مہارت پیدا کر لی ہے اور ان ارکان ممالک کے باہمی تعاون سے ایک مستحکم فوجی طاقت عمل میں آ رہی ہے چنانچہ اس سلسلے میں کئی ایک مشترکہ فوجی مشقیں کی جا چکی ہیں۔

اقتصادی امداد کا ذکر کرتے ہوئے رپورٹ نے بتایا کہ پاکستان' فلپائن' تھائی لینڈ اور سیٹو کے تین زیر انتداب ممالک ویٹ نام' لاؤس اور کمبوڈیا کو مختلف پروگراموں کے تحت 77 کروڑ 70 لاکھ ڈالر کی امداد مل چکی ہے۔

آخر میں بتایا گیا کہ یہ تنظیم ایک اجتماعی دفاع اور بین الاقوامی تعاون کے ادارے کی حیثیت سے اپنے فرائض بخوبی ادا کر رہی ہے اور بیرونی ریشہ دوانیوں اور تخریبی کاروائیوں کی موثر روک تھام میں کامیابی سے آگے بڑھ رہی ہے اور اس کے ارکان معاشرتی اور اقتصادی بہبود کی شاہراہ پر بڑھ رہے ہیں۔

سیٹو کے آٹھ رکن ممالک میں امریکہ' برطانیہ' فرانس' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ' فلپائن' تھائی لینڈ اور پاکستان شامل تھے۔

جون 1960ء

4 جون۔۔۔ ملا بخش سومرو اور جلال الدین خان نااہل

ایبڈو ٹریبونل نے مولا بخش سومرو اور خان جلال الدین خان کو چھ سال کے لئے پبلک عہدوں کے نااہل قرار دے دیا۔

11 جون۔۔۔ فضل الرحمان بھی نااہل

ایبڈو نے فضل الرحمان خان کو سیاسی زندگی کے لئے نااہل قرار دے دیا۔

13 جون۔۔۔ سہروردی کے خلاف رپورٹ صدر کو بھیج دی گئی

سہروردی کے خلاف ایبڈو ٹریبونل کی تحقیقاتی رپورٹ' صدر ایوب کو روانہ کر دی گئی۔

16 جون۔۔۔ حمود الرحمان سپریم کورٹ کے جج

مسٹر جسٹس حمود الرحمان کو سپریم کورٹ کا جج مقرر کر دیا گیا۔

17 جون۔۔۔ ابو المنصور کو مارشل لاء کے تحت سزا

سابق وفاقی وزیر تجارت و صنعت جناب ابو المنصور احمد کو مارشل لاء کے تحت ایک سال قید کی سزا سنائی گئی۔

18 جون۔۔۔ وحید الدین اور جاموٹ سات سال کے لئے نااہل

کرنل ایف ایس وحید الدین اور ولی محمد جاموٹ سات سال کے لئے نااہل قرار دیئے گئے۔ ایبڈو ٹریبونل نے اکبر بگٹی' قاضی محمد اکبر اور احمد

حسن فاروقی کے نام بھی نااہلیت کے نوٹس جاری کر دیئے۔

21-22 جون --- یحییٰ خان' چیرمین سی ڈی اے مقرر ہو گئے

میجر جنرل اے ایم یحییٰ خان کیپٹل ڈیولپمنٹ اتھارٹی (سی ڈی اے) اسلام آباد کے چیرمین مقرر کئے گئے۔ صدر ایوب نے ترقیاتی ادارے کا آرڈیننس جاری کر دیا۔

25 جون --- نون بھی نااہل

پاکستان کے سابق اور پہلی پارلیمانی حکومتوں کے آخری وزیراعظم سر فیروز خان نون کو نااہل قرار دے دیا گیا۔

30 جون --- نئے مرکزی بجٹ کا اعلان

مرکزی وزیر خزانہ مسٹر محمد شعیب نے 61-1960ء کے لئے بجٹ کا اعلان کر دیا۔ ایک کروڑ' 51 لاکھ روپے کی بچت کے اس بجٹ کو پیش کرتے ہوئے وزیر خزانہ نے کہا۔

جولائی 1960ء

9 جولائی --- لوند خوڑ اور سردار امیر اعظم نااہل

ایبڈو ٹریبونل نے سردار امیر اعظم خان اور خان غلام محمد خان لوند خوڑ کو 31 دسمبر 1966ء تک سیاسی زندگی کے لئے نااہل قرار دے دیا۔

12 جولائی --- ارباب نیاز' آغا پٹھان اور قاضی اکبر بھی نااہل

ایبڈو ٹریبونل کے فیصلے کے مطابق سابق لیفٹیننٹ کرنل ارباب نیاز محمد' قاضی محمد اکبر اور آغا غلام نبی پٹھان بھی چھ سال تک سیاسی سرگرمیوں کے لئے نااہل قرار دے دیئے گئے۔

13 جولائی --- کھوڑو اور بگٹی بھی نااہل

خان بہادر محمد ایوب کھوڑو اور نواب اکبر خان بگٹی کو سیاسی زندگی کے لئے نااہل قرار دے دیا گیا۔ اگلے روز سندھ کے سابق وزیر حامد حسین فاروقی اور کالعدم ڈسٹرکٹ بورڈ سرگودھا کے چیرمین نوابزادہ محمد سعید قریشی بھی سیاسی عمل کے لئے نااہل قرار پا گئے۔

15 جولائی --- ایبڈو ٹریبونل نے سہروردی کو نااہل قرار دے دیا

ایبڈو ٹریبونل نے کئی ہفتوں کی سماعت اور بحث کے بعد سابق وزیراعظم پاکستان حسین شہید سہروردی کو نااہل قرار دینے کا اعلان کر دیا۔ ٹریبونل نے سابق وزیراعظم کے بعض فیصلوں پر کڑی نکتہ چینی بھی کی۔

15 جولائی --- بلوچی رہنماؤں کو پھانسیاں دی گئیں

تشدد اور زیادتی کے خلاف 10 اکتوبر 1958ء کو میر نوروز خان کی قیادت میں جو تحریک شروع ہوئی تھی اور مئی 1959ء میں جب بات چیت کے نتیجے میں نوروز خان اور اس کے ساتھی پہاڑوں سے اتر کر گرفتار ہو گئے تھے۔ اس وقت ان سے ون یونٹ ختم کرنے' تحفظ دینے اور عام معافی کے وعدے کئے گئے تھے اور یہ وعدے فوج کے نمائندوں نے قرآن پر حلف اٹھا کر کئے تھے تاہم باغیوں کی گرفتاری کے بعد فوج اپنے وعدوں سے پھر گئی اور ایک خاص عدالت میں مقدمہ چلا کر میر نوروز خان کے ایک بیٹے اور چھ دیگر رشتہ داروں کو پھانسی کی سزا دی گئی جبکہ مزید سات افراد کو حبس دوام کی سزا ہوئی۔ بوڑھا میر نوروز خان 1964ء میں جیل میں ہی فوت ہوا۔ روایات کے مطابق باغی پھانسی گھاٹ کی طرف بلوچستان زندہ باد کے نعرے لگاتے ہوئے گئے۔ ان میں سے ایک کے گلے میں قرآن شریف لٹکا ہوا تھا۔ وہ چلا رہا تھا کہ اگر انہیں پھانسی دی گئی تو یہ پھانسی قرآن کو بھی دی جانی چاہیے کیونکہ حکومت نے اسی قرآن شریف پر حلف اٹھا کر توڑا ہے--

یہ تحریک ایک وسیع اور بڑی چھاپہ مار جنگ کی صورت میں پھیلتی چلی گئی۔

22 جولائی --- پاک' ایران سرحدی معاہدے کی توثیق

حکومت نے 21 مئی 1960ء کو طے پانے والے پاک' ایران سرحدی معاہدے کی توثیق کر دی۔

31 جولائی --- مزار قائد کا سنگ بنیاد رکھا گیا

صدر ایوب نے کراچی میں مزار قائد کا سنگ بنیاد رکھا۔

اگست 1960ء

یکم اگست --- عبدالحلیم اثر نااہل

ایبڈو ٹریبونل نے عبدالحلیم اثر کو نااہل قرار دے دیا۔

2 اگست --- انعامی بانڈ اسکیم کا اعلان

وزارت خزانہ نے انعامی بانڈ اسکیم کا اعلان کر دیا۔ جس پر دس دس روپے پر سو روپے سے بیس ہزار روپے تک کے انعامات مل سکیں گے۔

4 اگست --- چٹھہ نااہل

میاں ممتاز دولتانہ کی کابینہ کے وزیر مال چوہدری محمد حسین چٹھہ کو چھ سال کے لئے نااہل قرار دے دیا گیا۔

8 اگست --- نئے اعشاری سکوں کا اجرا

سرکاری اعلان کے مطابق یکم جنوری 1961ء سے دس پیسے' پانچ پیسے اور ایک پیسے کے لئے سکے جاری کر دیئے جائیں گے۔

8 اگست --- ہوتی بھی نااہل

ایبڈو کے تحت کرنل امیر خان آف ہوتی سیاست کے لئے نااہل قرار دے دیئے گئے۔

9 اگست --- روسی مدد کی پیشکش

روسی حکومت نے پاکستان میں تیل اور دیگر معدنی وسائل کی تلاش میں مدد دینے کی پیشکش کی۔

19 اگست --- پہلے ری ایکٹر کے لئے امریکی امداد کی پیشکش

امریکہ نے پاکستان کے پہلے ایٹمی ری ایکٹر کے قیام کے سلسلے میں ساڑھے تین کروڑ ڈالر کی امداد دینے کا اعلان کیا۔

20 اگست --- خارجہ پبلسٹی کا مقصد پاکستان کے لئے خیر سگالی کی فضا پیدا کرنا ہے: بھٹو

انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل افیئرز کراچی میں تقریر کرتے ہوئے وفاقی وزیر مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ پبلسٹی کسی طور بھی کارکردگی کا بدل نہیں ہو سکتی۔ ہماری خارجہ پبلسٹی کا مقصد ایسی بین الاقوامی فضا پیدا کرنے میں مدد دینا ہے جس میں پاکستان اپنے وقار کو برقرار رکھ سکے۔ خارجہ پبلسٹی کا عمومی مقصد پاکستان کے لئے خیر سگالی کی فضا پیدا کرنا اور ان تصورات کی ترویج و اشاعت ہے جن کا پاکستان علمبردار ہے انہوں نے کہا کہ نصب العین کے حصول کے لئے ہمارا اخلاص ہی ملک کے اندر اور بیرونی ملکوں میں' ہمارے وقار میں اضافہ کرے گا۔

تقریر کا مکمل متن --- پاکستان بیرونی دنیا کی نظر میں --- اسی جلد کے حصہ ستاویزات میں دیکھیں۔

23 اگست --- مزید سیاستدانوں کی نااہلی

سردار عبدالحمید دستی' ہادی علی شاہ اور مزید تین سیاستدانوں کو نااہل قرار دے دیا گیا۔

28 اگست --- مردم شماری کی تیاریاں

پاکستان میں دوسری مردم شماری کے لئے ملک کو دو بلاکوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ڈھائی لاکھ رضاکار مردم شماری کا کام مکمل کریں گے جس پر اندازاً پانچ کروڑ روپے خرچ ہوں گے۔

ستمبر 1960ء

9 ستمبر --- مسیح الرحمان سیاست سے کنارہ

مشرقی پاکستان کے رہنما اور سابق وزیر مسیح الرحمان رضاکارانہ طور پر سیاست سے الگ ہو گئے۔

12 ستمبر --- چین کا گلگت پر دعویٰ

عوامی جمہوریہ چین نے گلگت ایجنسی کی دو ریاستوں ہنزہ اور نگر پر' اس بنیاد پر اپنی ملکیت کا دعویٰ کر دیا کہ دونوں ریاستوں نے کبھی چین کو خراج ادا کیا تھا۔

12 ستمبر --- مجیب الرحمان کو قید اور جرمانے کی سزا

مشرقی پاکستان کے رہنما اور سابق صوبائی وزیر شیخ مجیب الرحمان کو دو الزامات کے تحت چار سال قید اور پانچ ہزار روپے جرمانہ کی سزا سنادی گئی۔

19 ستمبر --- نہری پانی کا سمجھوتہ

کراچی میں پاکستانی صدر ایوب خان' بھارتی وزیراعظم پنڈت نہرو اور عالمی بنک کے نائب صدر نے نہری پانی کے تاریخی سمجھوتے پر دستخط کر دیئے۔ معاہدے کے مطابق راوی' بیاس اور ستلج کے پانی پر بھارت اور چناب' جہلم اور سندھ دریاؤں پر پاکستان کو اجارہ داری حاصل ہو گی اور وہ الحاقی نہریں اور بند تعمیر کرنے کا بھی مجاز ہو گا۔

تفصیل دیکھیں' اسی جلد کا ایک مقالہ - نہری پانی سمجھوتہ --

20-23 ستمبر --- ایوب' نہرو مذاکرات

صدر ایوب اور وزیراعظم نہرو کے درمیان دوستانہ ماحول میں بات چیت کا آغاز ہو گیا۔ اگلے روز انہوں نے مسئلہ کشمیر پر بھی بات کی۔ 22 ستمبر کو لاہور میں ایک سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے نہرو نے کہا کہ دونوں ملکوں کے درمیان متعدد مسائل میں سے کئی ایک حل کر لیا گیا ہے۔ 23 ستمبر کو مشترکہ اعلامیہ میں کہا گیا کہ دونوں ملک مسئلہ کشمیر پر مزید بات چیت کریں گے۔

21 ستمبر۔۔۔بسواس کے خلاف تحقیقات مکمل

سابق وفاقی وزیر عبدالطیف بسواس کے خلاف مرکزی ایبڈو ٹریبونل نے اپنی تحقیقات مکمل کر لیں۔

26 ستمبر۔۔۔چندریگر انتقال کر گئے

سابق وزیراعظم پاکستان مسٹر اسمٰعیل ابراہیم چندریگر انتقال کر گئے۔ وہ 15 ستمبر1897ء کو پیدا ہوئے تھے۔ انہیں کراچی میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

28 ستمبر۔۔۔پاکستانی علاقے پر افغانی لشکر کا حملہ

پاکستان کے قبائلی علاقے پر افغان لشکر کے ایک حملے کو پسپا کر دیا گیا۔ سرحدوں پر افغان فوج کی بڑی تعداد میں موجودگی کے سبب ستر ہزار کے قریب ریزرو فوج کو طلب کر لیا گیا۔

29 ستمبر۔۔۔گوادر کی قیمت

حکومت پاکستان نے گوادر کی قیمت کے طور پر چالیس لاکھ پونڈ اسٹرلنگ کی ادائیگی کی۔

اکتوبر1960ء

یکم اکتوبر۔۔۔وزیر خزانہ عالمی بنک کے ڈائریکٹر منتخب ہو گئے

پاکستان کے مرکزی وزیر خزانہ محمد شعیب عالمی بنک کے ڈائریکٹر منتخب کر لئے گئے۔

8 اکتوبر۔۔۔نواب دیر کی گرفتاری

نواب دیر اور اس کے بیٹے جندول خان کو گرفتار کر لیا گیا۔ نواب کو معزول کر دیا گیا۔

11 اکتوبر۔۔۔دیر کا نیا نواب

حکومت نے شہزادہ حرکو ریاست دیر کا نیا نواب مقرر کر دیا۔

12 اکتوبر۔۔۔پراچہ کے خلاف ایبڈو کا مقدمہ

شیخ فضل الٰہی پراچہ کے خلاف ایبڈو کے تحت مقدمہ کی سماعت شروع ہو گئی۔

13 اکتوبر۔۔۔خان قیوم کو مارشل لاء کے تحت سزا

صوبہ سرحد کے مرد آہن اور سابق وزیر اعلیٰ خان عبدالقیوم خان کو' مارشل لاء کے بعض ضوابط کی خلاف ورزی کی پاداش میں تین سال قید با مشقت کی سزا سنادی گئی۔

14 اکتوبر۔۔۔ ملی' گھمن اور میاں عزیز نااہل

ایبڈو ٹریبونل نے چودھری گھمن' نصیر ملی اور میاں عبدالعزیز کو 31 دسمبر1966ء تک سیاست کے لئے نااہل قرار دے دیا۔

17 اکتوبر۔۔۔افغانستان کے خلاف قبائل کی بغاوت

افغانستان کے سرحدی علاقے کے جنگجو قبائل نے افغان حکومت کے خلاف بغاوت کر دی۔

19-21 اکتوبر۔۔۔ تخفیف اسلحہ کے بارے میں مذاکرات کا مطالبہ

پاکستان کے وفاقی وزیر ذوالفقار علی بھٹو نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے تخفیف اسلحہ کے بارے میں جلد مذاکرات کرنے کا مطالبہ کیا اپنے 21 اکتوبر کے خطاب میں انہوں نے زور دے کر کہا کہ مسئلہ کشمیر کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔

24 اکتوبر۔۔۔لیاقت علی کے قاتل کا قاتل ہلاک

پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خان کے قاتل سید اکبر کو موقع پر ہی مار دینے والا پولیس سب انسپکٹر گجرات میں مار دیا گیا۔

نومبر1960ء

1-5 نومبر۔۔۔صدر ایوب کا دورہ سعودی عرب

صدر ایوب سعودی عرب کے پانچ روزہ دورے پر ریاض پہنچ گئے۔ وہاں انہوں نے شاہ سعود کو نشان پاکستان اور شہزادہ امیر فیصل کو امتیاز پاکستان کے اعزازات دیئے۔ 5 نومبر کو اپنا دورہ مکمل کر کے صدر ایوب متحدہ عرب جمہوریہ کے سات روزہ دورے پر قاہرہ پہنچ گئے۔ صدر پاکستان اور شاہ سعود کے مشترکہ اعلامیہ میں بین الاقوامی صورت حال' دونوں ممالک اور عالم اسلام پر اس کے اثرات پر مکمل اتفاق رائے پایا گیا۔ بتایا گیا کہ دونوں رہنماؤں نے دونوں ممالک کے مابین تجارتی اور اقتصادی تعلقات کی بہتری اور ترقی پر غور کیا۔ صدر نے سعودی باشندوں کو پاکستان کے دوسرے پنجسالہ منصوبے میں سرمایہ کاری کی دعوت دی۔ طے پایا کہ اس ضمن میں دونوں ممالک کی وزارتیں امکانات کا جائزہ لیں اور تعاون کی کوئی عملی صورت نکالیں۔

5-12 نومبر۔۔۔صدر ایوب کا دورہ مصر

صدر ایوب 5 نومبر کی شام قاہرہ پہنچے جہاں صدر ناصر ان کے استقبال کے لئے موجود تھے۔ قاہرہ میں کھانے کی ایک سرکاری ضیافت میں صدر ناصر نے اعلان کیا کہ پاکستان نے اسرائیل کی کوششوں پر پانی پھیر دیا ہے اور وہ اپنے طرز عمل پر نہایت مضبوطی سے قائم ہے حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کی کوششوں سے اب اسرائیل کے لئے شرارت کا کوئی موقع باقی نہیں رہا ہے انہوں نے کہا کہ متحدہ عرب جمہوریہ کی ساری آبادی صدر پاکستان کو خوش آمدید کہتی ہے اور پاکستان کی طرف سے عربوں کو جو اخلاقی امداد ملی ہے ہم اس کے لئے پاکستان کے شکر گزار ہیں۔ انہوں نے اپنی دھیمی پر شکوہ آواز میں کہا کہ میں نے اس سال کے شروع میں اس لئے پاکستان کا دورہ کیا تھا کہ دونوں ملکوں میں اچھے تعلقات کے قیام کی بنیاد رکھ سکوں۔ اب صدر ایوب کے دورے نے ان تعلقات کو اور زیادہ مستحکم بنا دیا ہے۔ آپ نے یاد دلایا کہ سامراجیوں نے ان دونوں ملکوں کے مابین گہری خلیج حائل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن صدر ایوب نے سامراجیوں کا پیدا کردہ اثر ختم کر دیا ہے۔ ان دونوں ملکوں کے عوام کے نظریات ایک ہیں وہ ہر روز مکہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں لہٰذا ان میں اختلافات پیدا کرنے کی کوشش بہت ہی بری ہے۔

صدر جمال عبدالناصر کی تقریر کا جواب دیتے ہوئے صدر ایوب نے کہا کہ دو ملکوں کی حقیقی دوستی کے لئے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ ان کی خارجہ پالیسی بالکل یکساں ہو کیونکہ دو ملکوں کے مضبوط مذہبی رشتے ان کے سارے اختلافات کو ختم کر دیتے ہیں۔ جن ملکوں کے رشتے بالخصوص اسلام کی بنا پر منسلک ہوں ان میں اختلافات پیدا ہونے کا امکان نہیں کیونکہ اسلام خود جھگڑے مٹانے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ آپ نے کہا جہاں تک اہم مسائل کا تعلق ہے دونوں کو ان پر پوری طرح اتفاق رائے ہے پاکستان بار بار اس امر کا اعلان کر چکا ہے کہ فلسطین کے بارے میں اس کی پالیسی اور عرب ملکوں کی پالیسی میں ذرہ بھر اختلاف نہیں۔ پاکستان ہمیشہ اس امر پر زور دیتا رہا ہے اور آئندہ بھی دیتا رہے گا کہ مسئلہ فلسطین کو اقوام متحدہ اور بندونگ کانفرنس کی قراردادوں کے مطابق حل کیا جائے صدر ایوب نے کہا پاکستان اقوام متحدہ سے بھی مسئلہ فلسطین کے بارے میں عرب ملکوں کی حمایت کرتا رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ اس طرح پاکستان نے ہمیشہ الجزائری وطن پرستوں کی مدد کی ہے۔ اور ہر میدان میں ان کے لئے حق خود ارادیت کا مطالبہ کر چکا ہے آپ نے کہا پاکستان نے اسرائیل کے بارے میں ہمیشہ وہی پالیسی اختیار کی جو ہمیشہ عرب ملکوں کی پالیسی رہی ہے۔ پاکستان نے اسرائیل کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور اب بھی وہ غیر مبہم الفاظ میں اعلان کر دینا چاہتا ہے کہ وہ کبھی اسرائیل کو تسلیم نہیں کرے گا۔ آپ نے کہا پاکستان ہر ایسے اجتماع میں بھی شامل ہونے سے انکار کرتا رہا ہے جس میں اسرائیل شریک ہوا ہو۔ پاکستان نے انٹرپول (بین الاقوامی پولیس کی تنظیم) کے لئے میزبانی کے فرائض ادا کرنے سے محض اس لئے انکار کر دیا تھا' کہ اس میں اسرائیل کا نمائندہ شریک ہونے والا تھا۔ اس طرح پاکستان' ایشیا اور مشرق بعید کے اقتصادی کمیشن کو مدعو کرنے کے اعزاز سے محض اس لئے محروم ہو گیا تھا کہ اس میں اسرائیل کا نمائندہ شریک ہونے والا تھا۔ صدر پاکستان نے کہا اب خود عرب ملک بھی پاکستان کی ان خدمات کا اعتراف کر رہے ہیں۔

صدر پاکستان نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا پاکستان کی طرف سے صدر ناصر کے ان ارشادات کا جواب یہی دیا جا سکتا ہے۔ پاکستان ہمیشہ عرب مفادات کی حمایت کرتا رہے گا۔ پاکستان اس لئے ایسا طرز عمل اختیار نہیں کر رہا کہ عرب ملکوں پر احسان کرے۔ یہ طرز عمل قومی اور بین الاقوامی پالیسی کا سوال بھی پیدا نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ پاکستان کا مذہبی فرض ہے اور اسے مذہب اور عقیدے کی بنا پر ہمیشہ عرب ملکوں کا ساتھ دینا چاہیے۔ پاکستان اس کے لئے عرب ملکوں سے کوئی صلہ نہیں چاہتا وہ صرف عربوں کی دوستی کا متمنی ہے۔

صدر پاکستان کی عرب متحدہ جمہوریہ کے سات روز دورے کی ایک اہم تقریر وہ تھی جو انہوں نے قومی یونین پارٹی کی ایک دعوت میں کی۔ اس تقریر میں انہوں نے اپنی روایتی صاف گوئی سے کام لے کر عربوں کی ایک پرانی شکایت کا جواب دیا اور کہا کہ 1956ء میں سویز بحران کے وقت پاکستان نے جو پوزیشن اختیار کی تھی اگر وہ عربوں کے لئے مایوسی کا باعث بنی تھی تو پاکستانی عوام کو بھی دنیائے اسلام سے ایک سخت شکایت ہے اور وہ یہ کہ پاکستان اور بھارت کے جھگڑے میں اس نے سخت سرد مہری کا ثبوت دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں اس وقت پاکستانی فوج کا چیف آف سٹاف تھا اور میں نے پاکستان کی پالیسی کی مخالفت کی تھی۔ انہوں نے ایک اور شکایت بھی کی کہ آج مختلف اسلامی ممالک اسلام کے رشتہ کو اہمیت نہیں دے رہے ہیں۔ آج صرف نیشنلزم کو اہمیت دی جا رہی ہے۔ آج یہ اصول بن گیا ہے کہ ہر قوم کو اپنے مسائل خود حل کرنے چاہیں لیکن اسلام کا یہ اصول نہیں ہے۔ اسلام ایک ترقی پسند مذہب ہے وہ لوگوں کو یہ تلقین کرتا ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور دوسروں کی امداد کریں اور ان کی حالت سدھاریں

صدر کے عرب جمہوریہ کے دورے میں دونوں ملکوں کے مابین سائنسی اور ثقافتی تعاون کا ایک معاہدہ بھی طے پایا۔

13 نومبر --- لاہور قلعے میں حسن ناصر کو ہلاک کر دیا گیا

13 نومبر کو لاہور کے عقوبت خانے میں کمیونسٹ اور مزدور رہنما حسن ناصر کو اذیتیں دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ ہلاکت کے وقت وہ اکتیس برس کے تھے۔ ان کی والدہ ہندوستان سے ان کی ہلاکت کی خبر سن کر پاکستان پہنچیں تو انہوں نے قبر میں لاش کو حسن ناصر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ پولیس نے تشدد کے ذریعے ہلاکت کے اس اقدام کو خودکشی قرار دیا۔

واقعات کے مطابق حسن ناصر کو 6 اگست 1960ء کو قانون تحفظ پاکستان

کے تحت کراچی سے ایک سال کے لئے نظر بند کیا گیا تھا مہینہ بھر کے بعد انہیں لاہور قلعے منتقل کر دیا گیا جہاں سی آئی ڈی کے دعوے کے مطابق حسن ناصر نے اپنی کوٹھڑی میں موجود ایک میخ کے ساتھ ازار بند باندھ کر خودکشی کر لی- بعد ازاں یہ دعویٰ غلط ثابت ہو گیا اور پاکستان کے محنت کشوں نے حسن ناصر کو ایک شہید کا درجہ دے دیا-

14 نومبر--- گردیزی چھ سال کے لئے نااہل

ایبڈو ٹربیونل نے سید علی حسین گردیزی کو چھ سال کے لئے نااہل قرار دے دیا-

16 نومبر--- نہری پانی کے سمجھوتے کی توثیق

صدارتی کابینہ نے نہری پانی کے سمجھوتے کی توثیق کر دی- اس سے دو روز قبل حکومت ہند بھی اس سمجھوتے کی توثیق کر چکی تھی-

20 نومبر--- صدر کا دورہ مشرقی پاکستان

صدر ایوب نے مشرقی پاکستان کے طوفان زدہ علاقوں کا دورہ کیا- انہوں نے کہا کہ مشرقی پاکستان میں طوفان سے خبردار کرنے کے لئے موثر نظام قائم کیا جائے گا-

دسمبر 1960ء

1-4 دسمبر--- صدر کا دورہ برما

صدر ایوب برما کے دورے پر رنگون پہنچے- ہوائی اڈے پر برما کے صدر' وزیراعظم اور کابینہ کے ارکان نے ان کا استقبال کیا- رنگون میں شہریوں کی طرف سے دی گئی ایک دعوت میں صدر نے کہا کہ "اگر ہمارے درمیان باہمی تعاون اور خیر سگالی پیدا ہو جائے تو جنوب مشرقی ایشیا کے ملکوں کو اقتصادی تعاون ترقی کی مشترکہ کوشش سے کوئی چیز روک نہیں سکتی" انہوں نے مزید کہا "رنگون میں آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر ابدی نیند سو رہے ہیں انہوں نے 1857ء میں اس جدوجہد کا آغاز کیا جو بالآخر پاکستان کی آزادی پر منتج ہوئی- یہی وہ جذبہ تھا جس کے باعث ایک سال بعد برما آزاد ہو گیا"-

دوسرے روز انہوں نے وزیراعظم سے ملاقات کے بعد جامع مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی اور برما کے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ وہ اسلامی اصولوں پر سختی سے کاربند رہنے کے ساتھ ساتھ سائنسی اور فنی تعلیم بھی حاصل کریں- 3 دسمبر کو صدر نے رنگون یونیورسٹی میں ایک ڈنر میں شرکت کی اور کہا کہ پاکستان کے لئے امن کی حفاظت اور استحکام نہ صرف ایک سیاسی ضرورت ہے بلکہ یہ اس کے جزو ایمان کی حیثیت رکھتا ہے اسی دن سہ پہر کو صدر نے برما میں پاکستانی باشندوں کے ایک اجتماع سے بھی خطاب کیا- صدر نے اعلان کیا کہ دونوں ملکوں میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی تھیں' وہ دور ہو گئی ہیں- اسی روز انہوں نے ایک پریس کانفرنس سے بھی خطاب کیا اور کہا کہ اگر اقوام متحدہ اپنا فرض ٹھیک طور پر سرانجام دیتی تو مسئلہ کشمیر کب کا حل ہو چکا ہوتا- انہوں نے فرانس کے صدر کو مشورہ دیا کہ الجزائر کو حق خود ارادیت دے دیا جائے-

دورے کے آخری روز ایک مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا جس میں دونوں رہنماؤں کی جانب سے ہر قسم کے نو آبادیاتی نظام کی مذمت کی گئی اور اسے امن اور آزادی کے لئے خطرہ قرار دیا- 4 دسمبر کو صدر انڈونیشیا کے دارالحکومت جکارتہ پہنچ گئے-

4-5 دسمبر--- قیوم خان اور قاضی عیسیٰ سیاست سے دست کش

خان عبدالقیوم خان نے سیاست سے کنارہ کش ہونے کا اعلان کر دیا- قاضی عیسیٰ نے بھی چھ سال کے لئے سیاست سے علیحدگی اختیار کر لی-

11 دسمبر--- صدر کا دورہ انڈونیشیا مکمل

اپنا دورہ انڈونیشیا مکمل ہونے پر صدر ایوب نے اپنے الوداعی پیغام میں کہا کہ وہ انڈونیشیا اور پاکستان کے درمیان تعلقات کو مزید مستحکم بنانا چاہتے ہیں

12 دسمبر--- خان قیوم کی رہائی

خان عبدالقیوم خان کو معافی نامہ داخل کرنے پر خرابی صحت کے باعث رہا کر دیا گیا-

12-19 دسمبر--- صدر ایوب کا دورہ جاپان

صدر اپنے دورہ جاپان پر ٹوکیو پہنچے تو شہنشاہ ہیرو ہیٹو اور ان کے دو صاحبزادے صدر کے استقبال کے لئے ہوائی اڈے پر موجود تھے- دوسرے دن وزیراعظم جاپان نے صدر ایوب سے ملاقات کی اور شہنشاہ نے انہیں اپنے محل میں دعوت دی- صدر کے ہمراہ وزیر صنعت ابو القاسم خان' وزارت خارجہ کا قائم مقام سیکرٹری ایس ایم خان اور قومی تعمیر نو کے سیکرٹری افضل اقبال بھی شامل تھے- 13 دسمبر کو پاکستانی حکام نے' جاپانی حکام کے ساتھ اقتصادی تعاون اور تجارت جہاز رانی کے معاہدے پر دستخط کئے- صدر 19 دسمبر کو جنوب مشرقی ممالک کا انیس روزہ دورہ مکمل کر کے وطن واپس پہنچ گئے-

16-20 دسمبر--- بھٹو کا دورہ ماسکو

ایندھن، قدرتی وسائل اور برقی طاقت کے وزیر ذوالفقار علی بھٹو، پاکستان کا ایک وفد لے کر پہنچ گئے۔ وفد میں وزارت کے سیکرٹری جی معین الدین بھی شامل تھے۔ وفد کے دیگر ارکان میں جناب ایس ایم یوسف، آغا ہلالی اور مسٹر ایم کیو زمان بھی شامل تھے۔

19 دسمبر کو وفد ماسکو پہنچا جہاں 20 دسمبر کو کریملن میں مذاکرات ہوئے، جنہوں نے آگے چل کر پاکستان اور روس کے مابین تیل کے معاہدے کی راہ ہموار کی۔

تفصیل کے لئے دیکھیں، اسی جلد میں۔ ذوالفقار علی بھٹو کا مقالہ -- پاکستان اور روس کے مابین تیل کا معاہدہ -- مطبوعہ پاکستان ٹائمز لاہور، 23 مارچ 1961ء

29 دسمبر -- صدر ایوب دوسرے قائداعظم ہیں: رش بروک ولیمز

برطانوی مصنف رش بروک ولیمز نے صدر ایوب کو دوسرا قائداعظم قرار دیا۔

جنوری 1961ء

یکم جنوری -- اعشاری سکوں کا نظام

پاکستان میں اعشاری سکوں کا نظام رائج کر دیا گیا۔ ایک روپے کو سو پیسوں میں تقسیم کرکے ایک پیسہ، دو پیسے، پانچ پیسے، دس پیسے، پچیس پیسے اور پچاس پیسے کے سکے جاری کر دیئے گئے۔

2 جنوری -- غلام اسحاق خان، واپڈا کے نئے چیرمین

جناب غلام فاروق کے استعفے کے بعد غلام اسحاق خان واپڈا کے نئے چیرمین بنا دیئے گئے۔

7 جنوری -- عصمت فروشی کے انسداد کا آرڈیننس جاری کر دیا گیا

مغربی پاکستان کی حکومت نے عصمت فروشی کے انسداد کے لئے ایک آرڈیننس جاری کیا جس کے تحت سابقہ ضابطے، جو اس ضمن میں نافذ تھے، کالعدم قرار دے دیئے گئے۔ اور اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ عصمت فروشی کے قانونی احکامات "کلیتاً" ختم کئے جائیں یا کم سے کم باقی رہیں۔

11 جنوری -- روسی امداد کی پیشکش

معدنیات اور قدرتی وسائل کے وزیر ذوالفقار علی بھٹو نے بتایا کہ سوویت یونین نے پاکستان کو اقتصادی ترقی کے منصوبوں کے لئے غیر مشروط امداد کی پیشکش کی ہے۔

12 جنوری -- پاکستان میں مردم شماری کے کام کا آغاز

پاکستان میں مردم شماری کے کام کا باقاعدہ آغاز ہو گیا۔ اس موقع پر صدر نے اپنے پیغام میں تمام کارکنوں کی کامیابی کی دعا کی۔ گورنر مغربی پاکستان نے اپنے پیغام میں کہا کہ اس سے جو اعداد و شمار حاصل ہوں گے ان سے قوم کی افرادی قوت کا اندازہ ہو گا۔ یہ کام دو لاکھ افراد نے رضاکارانہ بنیادوں پر شروع کیا۔

12 جنوری -- آٹھویں فلسفہ کانگریس کا انعقاد

جنوری کے پہلے ہفتے میں پاکستان فلسفہ کانگریس کا آٹھواں اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے صدر ایوب نے کہا کہ مذہب، فلسفہ اور سائنس کی قوتوں کے درمیان قابل عمل اور موثر توازن اور ہم آہنگی پیدا کرنے سے ہی زندگی کا اصل مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ انہوں نے خبردار کیا کہ مذہب اور فلسفہ کی طاقتیں اگر اپنا پورا اثر ڈالنے میں ناکام رہیں تو سائنس کا بھیانک وجود انسانیت کو مادیت تلے دبا دے گا اور اخلاقی اور روحانی افراتفری پھیل جائے گی۔ صرف مذہب ہی، جس کو استدلالی اور عملی فلسفہ کی پشت پناہی حاصل ہو، دنیا کو اس ہولناک انجام سے بچا سکتا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ مذہب کے عظیم اور غیر متغیر اصول زندگی پر اپنا پورا اثر ڈالنے میں ناکام ہو رہے ہیں کیونکہ بدلے ہوئے زمانے کے ساتھ ان کے اطلاق کا طریقہ پرانا ہو چکا ہے۔ نتیجہ یہ کہ زندگی اور مذہب کے درمیان خلیج بڑھتی جا رہی ہے اور اس سے دونوں کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ زندگی کا صحیح مقصد، مذہب، فلسفہ اور سائنس کی قوتوں کے درمیان ایک موثر اور قابل عمل توازن اور ہم آہنگی پیدا کرنے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

13-16 صدر ایوب کا دورہ یوگوسلاویہ

صدر ایوب یوگوسلاویہ کے چار روزہ دورے پر بلغراد 13 جنوری کی سہ پہر کو پہنچے۔

صدر یوگوسلاویہ میں

صدر پاکستان نے اس دن مختلف مواقع پر اپنی تقریروں میں اعلان کیا کہ پاکستان مظلوم اور محکوم قوموں کو مادی اور اخلاقی امداد دینے میں کبھی پس و پیش نہیں کرے گا۔ پاکستان قطعاً" اور مطلقاً" نو آبادیاتی نظام کی مخالفت کرتا ہے۔ ہم اس وقت کے منتظر ہیں جب دنیا کی آخری محکوم قوم غلامی کی زنجیریں توڑ چکیں گی۔ صدر پاکستان نے یوگوسلاوی عوام سے کہا کہ میں آپ

کے لئے پاکستانی عوام کی طرف سے خیر سگالی کا پیغام لایا ہوں۔

پہلے دن رات کو صدر ایوب اور میزبان کے درمیان بات چیت شروع ہوئی جس میں مہمان اور میزبان کے علاوہ دونوں ممالک کے بعض افسروں نے بھی حصہ لیا۔ صدر ایوب نے میزبان کو بتایا کہ کانگو اور لاؤس کی طرح کشمیر کا مسئلہ بھی خطرناک حالات پیدا کر سکتا ہے اور اس سے بھی عالمی کشیدگی بڑھ سکتی ہے۔

دورے کے آخری اور چوتھے دن صدر نے صدر یوگوسلاویہ سے دوسری بار ملاقات کی اس ملاقات میں ایک مشترکہ اعلامیہ تیار کیا گیا جسے بلغراد اور کراچی سے بیک وقت شائع کیا گیا اس اعلامیہ میں تمام بین الاقوامی جھگڑے پر امن طور پر حل کرنے' اسلحہ میں عام اور منظم کمی اور نو آبادیاتی نظام ہر شکل میں ختم کرنے کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ اعلامیہ میں کہا گیا کہ پاکستان کو قرضے کی بنیاد پر یوگوسلاویہ کی طرف سے ایک کروڑ ڈالر کی مالیت کی مشینری سپلائی کرنے پر سمجھوتہ ہو گیا اور اب پاکستان کے دوسرے پنجسالہ منصوبے کے لئے مزید پچاس لاکھ ڈالر کا قرضہ دینے کے سوال پر بات چیت ہو رہی ہے پاکستان اور یوگوسلاویہ زرعی آلات تیار کرنے' سامان ڈبوں میں بند کرنے' پن بجلی اور جہاز سازی کے کارخانے تعمیر کرنے سے متعلق مشترکہ منصوبے شروع کریں گے۔

بین الاقوامی مسائل کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا کہ مغرب کے حلیف پاکستان اور غیر جانبدار کمیونسٹ ملک یوگوسلاویہ کے درمیان تعلقات سے اس امکان کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ مختلف سماجی نظاموں اور بین الاقوامی تعلقات کے بارے میں مختلف خیالات رکھنے والے ملکوں کے درمیان تعمیری تعاون ممکن ہے۔ ایشیا اور افریقہ کے ابھی تک غلام ملکوں کی جلد آزادی کی توقع کرتے ہوئے کہا گیا کہ یہ ممالک آزاد ہو کر اپنی تمام تر قوتیں اپنی ترقی اور عالمی برادری کی تشکیل پر صرف کریں گے۔ اعلامیہ میں کانگو' الجزائر اور لاؤس کی صورت حال پر تشویش کا اظہار کیا گیا۔ اعلامیہ میں پسماندہ ملکوں کی ترقی کی واحد صورت یہ ہے کہ اعصابی جنگ کو رفتہ رفتہ ختم کر دیا جائے۔ دونوں ملکوں کے رہنماؤں نے زور دیا کہ دنیا میں امن قائم کرنے کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ نو آبادیاتی نظام کو خواہ وہ کسی صورت میں ہو اسے ختم کیا جائے۔

14جنوری--- قاضی عیسیٰ نااہل

بلوچستان سے مسلم لیگ کے ممتاز رہنما اور قائداعظم کے وفادار ساتھی قاضی عیسیٰ کو ایبڈو ٹریبونل نے چھ سال کے لئے نااہل قرار دے دیا۔

16-22جنوری--- صدر ایوب کا دورہ مغربی جرمنی

یوگوسلاویہ کا دورہ مکمل کرنے کے بعد صدر ایوب 16 جنوری کو مغربی جرمنی کے دارالحکومت بون پہنچے۔ صدر نے مغربی جرمنی کے وزیر خارجہ کی دعوت پر وہاں کا دورہ کیا۔ وزیر خارجہ گذشتہ برس پاکستان آئے تھے۔ ہوائی اڈے پر مغربی جرمنی کے صدر ہنرچ لیوبک نے صدر کا استقبال کیا۔

اپنے دورے کے پہلے دن مغربی جرمنی کے چانسلر ڈاکٹر ایڈنائیر کی طرف سے دیئے گئے دوپہر کے کھانے کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے صدر پاکستان نے کہا کہ پاکستان کو ایک لمبی مدت کے صنعتی پروگرام پر عملدر آمد کرنے کے لئے نہ صرف اپنے ملک بلکہ ساری دنیا کے لئے طویل عرصے تک امن اور استحکام کی ضرورت ہے اور پاکستان کی داخلہ اور خارجہ پالیسیاں اسی مقصد کو سامنے رکھ کر بنائی گئی ہیں۔ پاکستان اس مقصد کے حصول کے لئے آزاد دنیا کے ساتھ دفاعی معاہدوں میں شریک ہوا ہے۔ پاکستانی دوستی کرکے اسے نبھانے کے قائل ہیں۔ وہ سیدھے سادے لوگ ہیں اور جب وہ کسی کو دوست بناتے ہیں تو وہ خلوص اور عقیدت کے ساتھ ایسا کرتے ہیں۔

صدر کی تقریر سے پہلے ان کے میزبان ڈاکٹر ایڈنائر نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان اور مغربی جرمنی ان ملکوں میں سے نہیں ہیں جو عالمی سیاست کو الگ الگ نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں دونوں حکومتوں نے اس خطرے کا احساس کر لیا ہے جو ایک بالکل جابر رویے کے تحت کار فرما ہے اور دونوں نے اپنی قسمت آزاد دنیا سے وابستہ کر لی ہے۔ اسی وجہ سے پاکستان اور مغربی جرمنی کی دوستی مضبوط ہو گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان نے آزاد دنیا میں ایک اہم رول ادا کیا ہے۔ مغربی جرمنی کو خوشی ہے کہ وہ عالمی کمیونزم کی کوششوں کی مسلسل مخالفت کر رہا ہے۔ آخر میں انہوں نے توقع ظاہر کی اس دورے سے دونوں ملکوں کے تعلقات بہتر اور مضبوط ہو جائیں گے۔

دورے کے دوسرے دن بون سے ایک مشترکہ علان جاری کیا گیا جس میں بتایا گیا کہ مغربی جرمنی پاکستان کو پندرہ کروڑ مارک کا قرض دے گا۔ یہ لمبی مدت کا قرضہ ہو گا اور اسے پاکستان کے دوسرے پنجسالہ منصوبے کے دوران میں ترقیاتی منصوبوں پر صرف کیا جائے گا۔ یہ رقم مغربی جرمنی کے دوسرے عام برآمدی قرضوں کے علاوہ ہو گی۔ ڈاکٹر ایڈنائر اور صدر پاکستان کے درمیان پہلے دن جو بات چیت ہوئی تھی اس کا حوالہ دیتے ہوئے مشترکہ اعلان میں کہا گیا کہ دونوں رہنماؤں نے دفاعی معاہدوں (جن کی دونوں حکومتیں پابند ہیں) کے بنیادی اصولوں پر مکمل اتفاق رائے کا اظہار کیا۔ اور یہ توقع ظاہر کی کہ سب قومیں موجودہ بین الاقوامی کشیدگی کم کرانے اور تخفیف اسلحہ کے ذریعے امن کی مضبوط بنیادیں استوار کرنے کی انتہائی کوشش کریں گی۔ دونوں رہنماؤں نے ثقافتی تعلقات بڑھانے کا بھی فیصلہ کیا اور اس سلسلے میں ایک ثقافتی معاہدہ ہونے والا ہے۔

صدر نے جرمنی کے ایک قدیم صنعتی شہر کولون میں جرمن صنعت کاروں کی وفاقی انجمن کے نمائندوں سے بات چیت کی۔ اور انہیں پاکستان میں سرمایہ لگانے کے بارے میں حکومت کی پالیسیاں سمجھائیں اور کہا کہ

حکومت غیر ملکی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے۔ صدر جرمن صنعت کاروں سے ڈیڑھ گھنٹہ تک باتیں کرتے رہے۔ اس موقع پر وزیر خزانہ جناب محمد شعیب بھی موجود تھے۔ اس سے اگلے روز صدر ایک اور صنعتی شہر ادہر تشریف لے گئے۔ یہاں فولاد کے کارخانوں کے ڈائرکٹر جنرل نے صدر کو پاکستان میں فولاد کا کارخانہ قائم کرنے کی اور پاکستان کے چار انجینئروں کو اپنے کارخانوں میں ایک سال کی تربیت دینے کی پیش کش کی۔ صدر نے ان دونوں پیش کشوں کو قبول کر لیا۔ اسی دن صدر نے ڈسل ڈور کا بھی دورہ کیا۔

اگلے روز آزاد شہر ہمبرگ میں صدر پاکستان نے ایک بڑی اہم تقریر کی وہاں کے ایوان تجارت سے خطاب کرتے ہوئے صدر نے کہا کہ اگر پاکستان اپنی معیشت کو ترقی دینے میں ناکام ہو گیا تو سارا ایشیا آزاد دنیا کے ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ پاکستان یہ تہیہ کر چکا ہے کہ وہ ناکام نہیں ہو گا لیکن اگر اس کے دوستوں نے اسے مدد دی تو وہ اپنی ترقی کی رفتار بڑھا سکے گا۔ صدر نے کہا کہ دو سو سال تک غیر ملکی حکومت کے تحت رہنے سے پاکستان کے عوام وہ معیار زندگی اور دوسری سہولتیں حاصل نہیں کر سکے جو جدید سائنس اور ٹیکنالوجی نے یورپی اقوام کے لئے مہیا کر دی ہیں۔ انہیں پندرہ بیس برس کے عرصہ میں جدید دنیا کے معیار تک پہنچنے کے لئے ابھی سخت تگ و دو کرنی پڑے گی۔

صدر پاکستان نے پاکستان کی ترقی میں دوست ملکوں کی امداد کا جو ذکر کیا جرمن صنعتکاروں کی طرف سے اس کا بڑا حوصلہ افزا جواب ملا۔ اور کہا گیا کہ پاکستان کی امیدوں کو پورا کیا جائے گا۔

ایک اور تقریب میں تقریر کرتے ہوئے صدر پاکستان نے کہا کہ پاکستان تین طاقتوں کے درمیان گھرا ہوا ہے ان میں دو کمیونسٹ ہیں اور تیسری طاقت کو یہ معلوم ہے کہ وہ کس طرف ہے اسی دن صدر پاکستان نے ایک سرکاری ضیافت میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ جمہوریت اسلامی تخیل کا جزو لاینفک ہے اور یہ اسلامی دستور حیات کی حیثیت رکھتی ہے۔ صدر نے کہا کہ اسلام آمریت اور ڈکٹیٹر شپ سے قطعاً" نا آشنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم پاکستان میں اسلامی معاشرے کو فروغ دینا چاہتے ہیں ہمیں ایسے دوستوں کی ضرورت ہے جو ہمیں اقتصادی نجات اور سماجی انصاف کے حصول میں مدد دے سکیں۔

صدر کے دورے کا آخری مرحلہ میونخ تھا۔ جہاں وہ 22 جنوری کو پہنچے۔

اس سے دوسرے دن 23 جنوری یوگوسلاویہ اور جرمنی کا بارہ روزہ دورہ ختم کرنے کے بعد صدر واپس وطن روانہ ہو گئے۔

17 جنوری۔۔۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان متنازعہ علاقوں کا فیصلہ

پاکستان اور بھارت کے درمیان پنجاب کی سرحد کے دونوں طرف بعض متنازعہ علاقوں پر تصفیہ طے پا گیا۔ اس موقع پر مشرقی پنجاب کے گورنر گیڈ گل اور وزیر اعلیٰ سردار پرتاپ سنگھ کیروں ساٹھ افسروں اور معززین کے ہمراہ خیر سگالی کا پیغام لے کر لاہور پہنچے جبکہ گورنر مغربی پاکستان کے زیر قیادت معززین کا ایک وفد دوسرے دن امرتسر روانہ ہوا۔ متنازعہ علاقوں کے تبادلہ کی رو سے پاکستان کو بھارت سے 7136 ایکڑ رقبہ پر مشتمل چودہ دیہات ملے جنہیں پاکستان کی تحصیل دیپالپور میں شامل کر لیا گیا جبکہ تحصیل قصور کے چک لدھکے کا 148 ایکڑ رقبہ بھارت کے حوالے کر دیا گیا۔ بھارت نے جسٹر کے پل اور سلیمانکی ہیڈ ورکس پر بھی پاکستان کے قبضے کو جائز تسلیم کر لیا۔

20 جنوری۔۔۔ مولانا محمد باقر انتقال کر گئے

سابق رکن مرکزی مجلس شوریٰ جماعت اسلامی اور سابق امیر جماعت اسلامی حلقہ ملتان' مولانا محمد باقر انتقال کر گئے۔

22 جنوری۔۔۔ شادیوال بجلی گھر کا افتتاح

قدرتی وسائل بجلی اور ایندھن کے وفاقی وزیر ذوالفقار علی بھٹو نے گجرات کے قریب شادیوال بجلی گھر کا افتتاح کیا۔

25 جنوری۔۔۔ کراچی رن وے کا افتتاح

پاکستان کے مرکزی وزیر خزانہ محمد شعیب نے تین کروڑ روپے کی امریکی امداد سے مکمل ہونے والے جیٹ طیاروں کے عظیم رن وے کا افتتاح کیا۔

27 جنوری۔۔۔ وارسک ڈیم کا افتتاح

صدر ایوب خان نے سابق صوبہ سرحد میں وارسک ڈیم کا افتتاح کیا۔

30 جنوری۔۔۔ چوہدری ظہور الٰہی بری

گورنر مغربی پاکستان نواب کالا باغ نے چوہدری ظہور الٰہی کو ایبڈو ٹربیونل کی رپورٹ پر' ان کے خلاف تمام الزامات سے بری کر دیا۔

فروری 1961ء

1-15 فروری۔۔۔ برطانوی ملکہ کا دورہ پاکستان

برطانوی ملکہ ایلزبتھ اور ڈیوک آف ایڈنبرا پاکستان کے سرکاری دورے پر کراچی سے پہنچے۔ اگلے روز ملکہ نے ایک تقریب میں کہا کہ پاکستان نے مشکل حالات میں بھی آباد کاری کا کام جاری رکھ کر ایک عظیم کارنامہ سر انجام دیا ہے۔ بعد ازاں شاہی خاندان نے کوئٹہ' پشاور' سوات اور لاہور وغیرہ کا دورہ بھی کیا۔ 11 فروری کو ملکہ نے ایک بیان میں کہا کہ برطانیہ اور پاکستان

کی دوستی کو فروغ دینے میں ہم سب کا فائدہ ہے۔

10 فروری--- ڈاکٹر خان صاحب کے قاتل کو پھانسی دے دی گئی

مغربی پاکستان کے سابق وزیر اعلیٰ ڈاکٹر خان صاحب کے قاتل عطا محمد کو بہاولپور جیل میں پھانسی دے دی گئی۔

19 فروری--- آزاد کشمیر میں بھی بنیادی جمہوریتیں

ایک اعلان میں بتایا گیا کہ یکم مارچ سے آزاد کشمیر میں بھی بنیادی جمہوریتوں کا نظام نافذ کر دیا جائے گا۔

26 فروری--- سولہ ہزار مشرقی پاکستانی ہلاک

چٹا گانگ ڈویژن کے کمشنر نے بتایا کہ گذشتہ سال اکتوبر میں مشرقی پاکستان میں جو طوفان آیا تھا اس میں صوبے کے سولہ ہزار افراد ہلاک ہو گئے تھے۔

مارچ 1961ء

یکم مارچ--- میاں افتخار الدین نااہل قرار دے دیئے گئے

پروگریسو پیپرز لمیٹڈ (پی پی ایل) کے سابق چیرمین، میاں افتخار الدین کو ایبڈو ٹربونل نے چھ سال کے لئے منتخب اداروں کی رکنیت یا امیدواری کے نااہل قرار دے دیا گیا۔ یاد رہے کہ اپریل 1959ء میں حکومت نے پی پی ایل پر بھی جبری قبضہ کرکے وہاں سے نکلنے والے اخبارات امروز، پاکستان ٹائمز اور ہفت روزہ لیل و نہار کو براہ راست اپنے کنٹرول میں کر لیا تھا۔

2 مارچ--- عائلی قوانین کا نفاذ

صدر ایوب نے ایک آرڈیننس کے ذریعے مسلم عائلی قوانین نافذ کر دیئے جن کے مطابق طلاق یا ایک سے زائد شادی کے لئے بنیادی جمہوری اداروں کی اجازت کو لازمی قرار دے دیا گیا۔ ان قوانین کو علماء نے غیر اسلامی قرار دے کر شدید مخالفت کی۔

3 مارچ--- بلحاظ آبادی دنیا کا چھٹا بڑا ملک

مردم شماری کے اعداد و شمار کے مطابق پاکستان دنیا کا چھٹا بڑا ملک قرار پایا۔ اس وقت پاکستان کی آبادی نو کروڑ 38 لاکھ افراد تک پہنچ گئی۔

3 مارچ--- سات اخباروں کے ڈکلریشن منسوخ

حکومت نے کراچی کے سات اخبارات--- وحدت پاکستان، مسلمان، اعلان، نوروز پاکستان، بلوچستان جدید اور عوام کے ڈکلریشن منسوخ کر دیئے۔

4 مارچ--- پاکستان اور روس کے درمیان تیل کے معاہدے پر دستخط ہو گئے

پاکستان اور روس کے درمیان تیل کے معاہدے پر دستخط ہو گئے۔ اس معاہدے کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس کے ساتھ کسی قسم کے سیاسی مفادات وابستہ نہ کئے گئے۔ روس نے تیل کی تلاش اور کنوؤں کی کھدائی کے لئے تین کروڑ ڈالر قرض کا اعلان کیا۔ پاکستان قرضے کی ادائیگی زرمبادلہ کی بجائے روئی اور پٹ سن کی برآمدات کی صورت میں کرے گا۔ معاہدے پر ایندھن، بجلی اور قدرتی وسائل کے پاکستانی وزیر ذوالفقار علی بھٹو نے دستخط کئے۔

مزید دیکھیں، اسی جلد میں ذوالفقار علی بھٹو کا مقالہ--- پاکستان اور روس کے مابین تیل کا معاہدہ--- مطبوعہ پاکستان ٹائمز لاہور 23 مارچ 1961ء

5 مارچ--- مقبوضہ کشمیر میں مظالم

آزاد کشمیر کے صدر کے ایچ خورشید نے راولپنڈی میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اس سال جنوری اور فروری کے مہینوں میں ایک ہزار سے زائد اشخاص کو جبری طور پر میرپور کے چھ دیہات سے نکال دیا گیا۔ ان کے مکانات لوٹ لئے گئے اور املاک کو آگ لگا دی گئی۔ سینئر ہندوستانی افسر اور ڈوگرہ عہدیدار راجوڑی کے علاقے میں ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف اعلانیہ اکسا رہے ہیں۔ مسلمانوں کو ہندو بنانے اور ہندوؤں کو مسلمان عورتوں سے شادی کرنے کی وکالت کی جا رہی ہے وہ تمام مسلمان جنہوں نے اس طرز عمل کے خلاف احتجاج کیا مارے گئے۔

آزاد کشمیر کے صدر نے اقوام متحدہ پر سخت نکتہ چینی کی اور یاد دلایا کہ اس عالمی ادارے نے جب بھی کسی ملک میں مداخلت کی۔ وہاں کے اصل مسائل حل کرنے کی بجائے کچھ نئی مشکلات پیدا کر دیں۔ فلسطین، کوریا، کانگو اور کشمیر اس کی چند مثالیں ہیں۔

5 مارچ--- صدر ایوب لندن میں

لندن میں صدر ایوب نے نسلی امتیاز کو خودکشی کے مترادف قرار دیا۔ انہوں نے برطانوی وزیر اعظم سے بھی ملاقات کی۔

7 مارچ--- بھنڈارہ انتقال کر گئے

سابق دستور ساز اسمبلی کے رکن، مری بروری راولپنڈی کے چیرمین اور پاکستانی اقلیتوں کے ترجمان پی۔ ڈی۔ بھنڈارہ اکسٹھ سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔

11مارچ — ڈھاکہ میں "جنگ" اور "انجام" کا داخلہ بند

حکومت مشرقی پاکستان نے ڈھاکہ میں مغربی پاکستان کے دو اردو روزناموں — "جنگ" اور "انجام" کا داخلہ بند کر دیا۔

15مارچ — ایبڈو پر گورمانی کی تنقید

سابق گورنر مغربی پاکستان ' میاں مشتاق احمد گورمانی نے صوبائی ایبڈو ٹربیونل کے روبرو اپنے بیان میں کہا کہ انتخابی اداروں سے سیاستدانوں کی نا اہلی کا حکم نہ صرف دنیا بھر کے مہذب ملکوں میں عدل و انصاف کے مسلمہ اور بنیادی اصولوں کے خلاف ہے بلکہ پاکستان کا آئینی ڈھانچہ بھی اس سے متصادم ہے۔

16-19مارچ — لندن میں ایوب نہرو ملاقات

لندن میں صدر ایوب اور ہندوستان کے وزیراعظم پنڈت نہرو کے درمیان ملاقات ہوئی۔ اس سے قبل صدر ایوب نے ایک بیان میں کہا کہ پاکستان جمہوریت کی شاہراہ پر گامزن ہے اور امیروں اور غریبوں کی حالت کے فرق کو دور نہ کرنا اشتراکیت کو دعوت دینے کے مترادف ہو گا۔ وہ دولت مشترکہ کے وزرائے اعظم کی کانفرنس میں شرکت کی غرض سے لندن گئے ہوئے تھے۔ 19مارچ کو کراچی واپس پہنچنے پر صدر نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ پنڈت نہرو نے کشمیر سے متعلق ان کی باتیں بڑے غور سے سنیں لیکن خود خاموش رہے۔

20مارچ — نئی امریکی حکومت کی پالیسی پر پاکستان کا اطمینان

صدر ایوب نے کینیڈی انتظامیہ کی پاکستان کے بارے میں پالیسی پر اطمینان کا اظہار کیا۔

21 مارچ — امریکہ کشمیر کے مسئلہ پر مداخلت سے قاصر ہے: گشتی سفیر

امریکہ کے گشتی سفیر مسٹر ایورل ہیری مین نے اعلان کیا کہ کینیڈی انتظامیہ پاکستان اور بھارت کے درمیان مسئلہ کشمیر پر کسی قسم کی مداخلت کرنے سے قاصر ہے۔

30مارچ — تاریخ کانفرنس کا افتتاح

مرکزی وزیر تعلیم مسٹر حبیب الرحمان نے کراچی میں گیارہویں پاکستان تاریخ کانفرنس کا افتتاح کیا۔ انہوں نے پاکستانی مورخوں کو مشورہ دیتے ہوئے ان سے اپیل کی کہ وہ پاکستان اور دوسری مسلم مملکتوں اور تہذیبوں کو دیانتداری سے ان کی صحیح صورت میں پیش کریں۔

اپریل 1961ء

7اپریل — بھارتی جاسوس گرفتار

حکومت پاکستان نے بھارتی جاسوس بھٹ اچارجی کی گرفتاری پر ہندوستانی احتجاج رد کر دیا کیونکہ اس کے قبضے سے قومی سلامتی سے متعلق بعض حساس دستاویزات بر آمد ہوئی تھیں۔

14اپریل — پاک ۔ افغان تنازعہ

سرحدی علاقوں کے وزیر کے ایم شیخ نے اعلان کیا کہ پاکستان افغان حکمرانوں کی سازشیں کبھی برداشت نہیں کرے گا۔

18اپریل — پاک امریکی دوستی

صدر ایوب نے کراچی میں نئے امریکی سفارت خانے کا افتتاح کرتے ہوئے اعلان کیا کہ انسانیت کی فلاح کے لئے امریکہ اور پاکستان کی دوستی میں اضافہ ہو تا جائے گا۔

21اپریل — نواب جوناگڑھ کی دستار بندی

کراچی میں جوناگڑھ کے نئے نواب ہزہائی نس کرنل نواب سر مہابت خان رسول خاں کی دستار بندی کی رسم صدر ایوب کے ہاتھوں انجام پائی۔

24 اپریل — بین الاقوامی قانون میں دریا کے ساحلی باشندوں کے حقوق

پاکستان کے مرکزی وزیر ذوالفقار علی بھٹو نے سکھر لاء کالج سے خطاب کرتے ہوئے بین الاقوامی قانون میں دریا کے ساحلی باشندوں کے حقوق کا تفصیلی جائزہ پیش کیا۔ مسئلے کا تاریخی جائزہ لیتے ہوئے وفاقی وزیر نے کہا کہ ساحلی باشندوں کے حقوق کے بارے میں قانون بڑی حد تک واضح ہے۔
تفصیل کے لئے دیکھیں۔ وزیر موصوف کے خطاب کا اسی عنوان سے مکمل متن۔

29اپریل — آئین کمیشن کی رپورٹ مکمل

اخباری اطلاعات کے مطابق آئین کمیشن کی 280 صفحات پر مشتمل رپورٹ کو آخری شکل دے دی گئی۔

مئی 1961ء

7 مئی — افغانستان کی اشتعال انگیزی

صدر ایوب خان نے افغانستان کی اشتعال انگیزی پر تنبیہ کرتے ہوئے خبردار کیا کہ اگر افغان فوجوں نے پاکستان کے خلاف کوئی اقدام کیا تو پاکستان اس کا سختی سے جواب دے گا۔

10 مئی — فوج طوفان زدگان کی مدد کے لئے تیار رہے

مشرقی پاکستان میں فوج سیلاب زدگان کی مدد کے لئے سول اداروں کا ہاتھ بٹانے کے لئے ہروقت تیار رہے۔

12 مئی — ایس کے دہلوی سیکرٹری خارجہ مقرر ہو گئے

حکومت نے ایس کے دہلوی کو وزارت خارجہ کا سیکرٹری مقرر کر دیا۔

19 مئی — نہر ٹوٹنے کے ذمہ دار یوگو سلاوی انجینئر ہیں: غلام اسحاق خان

واپڈا کے چیرمین غلام اسحاق خان نے کہا کہ گوجرانوالہ ہائیڈل پراجیکٹ کی نکاسی نہر ٹوٹنے کی تمام تر ذمہ داری یوگوسلاویہ کے انجینئروں پر عائد ہوتی ہے۔

20 مئی — جانسن کراچی میں

نائب امریکی صدر جانسن نے کراچی میں صدر ایوب سے ملاقات کی اور کہا کہ امریکہ پاکستان کے تحفظ کی پوری ثابت قدمی سے حمایت کرے گا۔

21 مئی — گورمانی اور قیوم خان نااہل

ایبڈو ٹریبونل نے میاں مشتاق احمد گورمانی اور خان عبدالقیوم خان کو 31 دسمبر 1966ء تک کے لئے نااہل قرار دے دیا۔

22 مئی — افغانستان کو جواب

پاک فضائیہ نے باجوڑ کے علاقے میں افغان ایجنٹوں اور لشکریوں کے خلاف کامیاب کارروائی کی۔

22 مئی — سید مراتب علی انتقال کر گئے۔

پنجاب سے تعلق رکھنے والے ممتاز تاجر اور صنعت کار سید مراتب علی کا انتقال ہو گیا۔

22 مئی — کشمیر اور اقوام متحدہ

پاکستان یونائیٹڈ نیشنز ایسوسی ایشن کراچی سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان کے مرکزی وزیر ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ امن قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ کشمیر کا مسئلہ حل کر لیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ اس تنازعہ کے حل کے بعد ہی برصغیر کے نادیدہ مستقبل کی خوشحالی کا خواب پورا ہو سکے گا۔

تفصیل کے لئے دیکھیں۔ خطاب کا متن — بعنوان "اقوام متحدہ کے تاثرات"

24 مئی — رعنا لیاقت علی کی بطور سفیر تقرری

پاکستان کے پہلے وزیراعظم کی بیوہ بیگم رعنا لیاقت علی کو اٹلی میں پاکستان کی سفیر مقرر کر دیا گیا۔

25 مئی — باجوڑ میں افغان ٹھکانے تباہ

پاک فضائیہ نے اپنی کارروائیوں سے باجوڑ میں افغان فوج کے مشین گنوں کے کئی ٹھکانوں کو تباہ کر دیا۔

30 مئی — تیرہ سرخ پوش گرفتار

حکومت نے پشاور اور مردان سے سرخپوش تحریک کے تیرہ کارکنوں کو گرفتار کر لیا۔

جون 1961ء

8 جون — سردار محمد خان لغاری نااہل

ایبڈو ٹریبونل نے سردار محمد خان لغاری کو انتخابی اداروں کی رکنیت کے لئے نااہل قرار دے دیا۔

9 جون — چودھری غلام عباس بھی نااہل

آزاد کشمیر ایبڈو ٹریبونل نے ممتاز کشمیری رہنما چودھری غلام عباس کو نااہل قرار دے دیا۔

19 جون — پنجسالہ منصوبے کے نظرثانی شدہ مصارف کی منظوری

حکومت نے دوسرے پنجسالہ منصوبے کی نظرثانی شدہ مصارف کی منظوری دے دی۔

20 جون — عائلی قوانین کی اشاعت

مسلم عائلی قوانین کا ترمیمی آرڈیننس شائع کر دیا گیا۔

25 جون۔۔۔افغان حملے ناکام

باجوڑ میں پاکستانی قبائلیوں نے۔ افغان لشکریوں کے دو مزید مسلح حملوں کو ناکام بنا دیا۔

29 جون۔۔۔تنازعہ کشمیر بین الاقوامی مسئلہ ہے: شیخ عبداللہ

شیخ عبداللہ نے ایک بیان میں تنازعہ کشمیر کو ایک عالمی مسئلہ قرار دیا۔

جولائی 1961ء

یکم جولائی۔۔۔نئے مرکزی بجٹ کا اعلان

نئے مرکزی بجٹ کا اعلان کر دیا گیا۔

5 جولائی۔۔۔اکبر بگٹی معزول

بلوچ رہنما اور بگٹی قبیلے کے سردار اکبر بگٹی کو ان کے منصب، سے معزول کر دیا گیا۔

6 جولائی۔۔۔بھٹو قائم مقام وزیر خارجہ

ذوالفقار علی بھٹو' قائم مقام وزیر خارجہ بنا دیئے گئے۔

7-14 جولائی۔۔۔صدر ایوب کا دورہ امریکہ

صدر ایوب 7 جولائی کو امریکہ کے دورے پر روانہ ہو گئے۔ 11 جولائی کو واشنگٹن پہنچتے ہی صدر ایوب' امریکی وزیر خارجہ ڈین رسک کے ہمراہ وائٹ ہاؤس گئے جہاں انہوں نے دو گھنٹے تک صدر کینیڈی سے بات چیت کی۔ دوسرے دن کی ملاقات میں اقتصادی مسائل اور پاکستان کی ترقیاتی ضرورتوں پر غور کیا گیا۔ اسی روز انہوں نے امریکی کانگریس سے بھی خطاب کیا۔ تیسرے روز دونوں صدور کی گفت و شنید مکمل ہوئی۔ مشترکہ اعلامیہ میں پاکستان کی سالمیت اور آزادی کو عالمی امن کے لئے لازمی تسلیم کیا گیا تھا۔ صدر کینیڈی کی طرف سے مسئلہ کشمیر کے تسلی بخش تصفیے کی خواہش ظاہر کی گئی تھی اور امریکی امداد میں اضافے کا یقین دلایا گیا تھا۔

15 جولائی۔۔۔عائلی قوانین کا نفاذ

ملک میں نئے عائلی اسلامی قوانین نافذ کر دیئے گئے ان قوانین کی علماء کی طرف سے شدید مخالفت ہوئی اور ایوب خان پر قرآن شریف کے بعض حصوں میں تحریف کا الزام لگایا گیا۔ البتہ خواتین نے ان قوانین کی بھرپور تائید و حمایت کی۔

18 جولائی۔۔۔امریکہ ڈیورنڈ لائن کو بین الاقوامی سرحد تسلیم کرتا ہے

امریکی نے افغانستان کو بتایا کہ وہ پاکستان اور افغانستان کے درمیان برطانیہ کی قائم کردہ ڈیورنڈ لائن کو بین الاقوامی سرحد کا درجہ دیتا ہے۔

20 جولائی۔۔۔ارباب سکندر خان کو سزا

پشتون رہنما ارباب سکندر خان خلیل کو دس سال قید بامشقت کی سزا کے ساتھ ساتھ ان کی منقولہ اور غیر منقولہ جائداد کی ضبطی کا حکم بھی سنایا گیا۔

21 جولائی۔۔۔ارباب غفور کو چودہ سال کی سزا

ارباب عبدالغفور کو چودہ سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی۔

24 جولائی۔۔۔تیونس کی حمایت

صدر ایوب نے تیونس کے صدر حبیب بورقیبہ کو ایک ذاتی پیغام میں یقین دلایا کہ پاکستان فرانس کے مقابلے میں تیونس کی جدوجہد آزادی کی حمایت کرتا ہے۔ اپنے علاقے کی مکمل آزادی کے لئے پاکستان تیونس کے ہر اقدام کی مکمل حمایت کرے گا۔

اگست 1961ء

7 اگست۔۔۔پاکستان نے الجزائر کو تسلیم کر لیا

حکومت پاکستان نے الجزائر کی آزاد حکومت کو تسلیم کر لیا۔

8 اگست۔۔۔امریکہ پاکستان کو فوجی امداد نہیں دے گا

نائب امریکی وزیر خارجہ نے پنڈت نہرو کو بتایا کہ امریکہ پاکستان کو فوجی مدد نہیں دے گا۔

16 اگست۔۔۔بابائے اردو گزر گئے

بابائے اردو مولوی عبدالحق کراچی میں انتقال کر گئے

17 اگست۔۔۔ چودھری ظفر اللہ اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب مقرر ہو گئے۔

پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ اور عالمی عدالت انصاف کے سابق جج سر ظفر اللہ خان کو اقوام متحدہ میں پاکستان کا مستقل مندوب مقرر کر دیا گیا۔ اس سے قبل پرنس علی آغا خان' پاکستان کی نمائندگی کے فرائض سرانجام دے

رہے تھے۔

20 اگست--- اہل پاکستان کے نام ایک امریکی اٹارنی کا خط

20 اگست 1961ء کو پاکستان ٹائمز میں ایک امریکی اٹارنی کا خط چھپا' جس میں اس نے لکھا تھا:

"آپ کے صدر ہمارے خزانے سے مزید خیرات حاصل کرنے کے لئے یہاں آئے تھے۔ اس کا لازمی نتیجہ ہمارے عوام پر مزید ٹیکسوں کی صورت میں نمودار ہو گا۔ جو پہلے ہی بھاری بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں۔ آپ کے ملک کو پہلے ہی پچاس کروڑ ڈالر دیئے جا چکے ہیں۔ اب ہمارے ہاں بہت سے لوگ بیروزگار ہیں اور وہ بھوک اور فلاکت کا شکار ہیں اور بہت سے لوگ اپنے گھروں سے اس لئے محروم ہو رہے ہیں کہ وہ ان کی قیمت کی ادائیگی جاری نہیں رکھ سکتے۔

خیال ہے کہ یہ ابتر حالات مزید خراب ہوں گے۔ یہاں کے متعدد بیروزگار لوگوں کی ضرورت کے پیش نظر میں آپ کے عوام سے التجا کرتا ہوں کہ وہ اس بات کا احساس کریں کہ یہاں کے زیادہ تر شہری اتنے امیر نہیں ہیں جتنے کہ ہمارے ٹیکسوں پر پلنے والے نمائندے نظر آتے ہیں اور میں آپ کے عوام سے درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ہمارے عوام کی خاطر اس ملک سے خیرات کی درخواست کرتے وقت احتیاط سے کام لیں"۔

اس خط کے رد عمل میں مرکزی وزیر ذوالفقار علی بھٹو نے ایک مقالہ-- کیا غیر ملکی امداد خیرات ہے؟-- تحریر کیا جس میں انہوں نے کہا کہ غیر ملکی امداد بڑی حد تک تلافی مافات ہے۔ یہ گویا ایشیا کے عوام کو اس دولت کے ایک حصہ کی واپسی ہے جو بے لگام سامراجیت کے دور میں ان سے چھین لی گئی تھی۔

تفصیل کے لئے ذوالفقار علی بھٹو کے مقالے-- کیا غیر ملکی امداد خیرات ہے؟-- دستاویزات کے حصے میں دیکھیں۔

21 اگست--- سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا انتقال

مجلس احرار کے ممتاز رہنما' اپنے وقت کے بہترین مقرر' مجلس تحفظ ختم نبوت کے روح رواں' سید عطاء اللہ بخاری' انتقال کر گئے۔ وہ 1891ء میں پٹنہ میں پیدا ہوئے تھے۔

23 اگست--- افغانستان میں پاکستانی قونصل خانے بند: پریس نوٹ

پاکستان نے جلال آباد اور قندھار میں قونصل خانے بند کر دیئے کیونکہ افغان حکومت پاکستانی عملے کو مسلسل تنگ کر رہی تھی اور ان کے لئے کام کو ناممکن بنا دیا گیا۔ یہ باتیں حکومت پاکستان کے ایک پریس نوٹ میں بتائی گئیں۔

28 اگست--- ڈاکٹر عبدالسلام صدر کے سائنسی مشیر مقرر ہو گئے

ممتاز سائنسدان پروفیسر عبدالسلام کو صدر پاکستان کا مشیر اعلیٰ برائے سائنسی امور مقرر کر دیا گیا۔

30 اگست--- پشاور میں افغان قونصل خانہ بند

افغانستان نے جوابی کارروائی کے طور پر پشاور میں اپنا قونصل خانہ اور تجارتی دفاتر بند کر دیئے پاکستان کو سفارتی تعلقات ختم کرنے کی دھمکی بھی دی گئی۔

ستمبر 1961ء

5-6 ستمبر--- افغانستان نے سفارتی تعلقات توڑ لئے

افغانستان نے پاکستان سے اپنے سفارتی تعلقات توڑ لئے اور افغان سفارتی عملہ واپس کابل چلا گیا۔ پاکستان نے افغانستان کے اس فیصلے پر افسوس کا اظہار کیا۔

5 ستمبر--- سندھ میں مالیہ کی شرح میں 25 فی صد تخفیف

مرکزی وزیر ذوالفقار علی بھٹو نے ریڈیو پاکستان حیدر آباد سے اپنی نشری تقریر میں بتایا کہ کاشتکاروں میں مالیہ میں پچیس فی صد تخفیف کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس سے قبل 1959ء میں ایک آرڈیننس کے ذریعے آبیانہ اور مالیہ کو علیحدہ کیا گیا تھا۔

8-15 ستمبر--- شاہ مہندرا کا دورہ پاکستان

نیپال کے شاہ مہندرا' ملکہ رتنا اور شہزادی شانتی کراچی پہنچے تو صدر ایوب معزز مہمانوں کے خیر مقدم کے لئے ہوائی اڈے پر موجود تھے۔ بعد ازاں شاہ نے ایوان صدر میں صدر ایوب سے ملاقات کی۔ صدر نے مہمان کو نشان پاکستان کا اعزاز دیا۔ کراچی کے بعد نیپالی مہمان لاہور اور دورے کے آخری مرحلے میں راولپنڈی پہنچے۔ مشترکہ اعلامیہ میں کہا گیا کہ سب سے زیادہ ضرورت عالمی امن کو برقرار رکھنے کی ہے اور کوئی ملک' دوسروں کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کرے۔

18 ستمبر--- متحدہ عرب جمہوریہ افغانستان میں پاکستان کے مفادات کی نگرانی کرے گا

متحدہ عرب جمہوریہ نے افغانستان میں پاکستان کے مفادات کی نگرانی

کرنے کی ذمہ داری قبول کرلی۔ اس سے قبل پاکستان اور افغانستان اس امر پر متفق ہو گئے تھے کہ ایک دوسرے کے ہاں ان کے مفادات کی نگہداشت دوسرے ملک کریں۔

19 ستمبر۔۔ڈاگ ہیمر شولڈ کی ہلاکت پر صدر ایوب کی تعزیت

اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل ڈاگ ہیمر شولڈ کی فضائی حادثہ میں ہلاکت پر صدر ایوب نے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا اور پاکستان کا قومی پرچم سرنگوں کر دیا گیا۔

اکتوبر 1961ء

یکم اکتوبر۔۔نور محمد خان گاڑھا کا انتقال

سیاستدان، قبائلی رہنما اور علاقہ خلیل کے خان نور محمد خان گاڑھا انتقال کر گئے۔

3 اکتوبر۔۔ آئندہ انتخابات جماعتی بنیادوں پر نہیں ہوں گے: صدر ایوب

صدر ایوب نے اعلان کیا کہ آئندہ انتخابات جماعتی نہیں بلکہ انفرادی بنیادوں پر ہوں گے۔

7 اکتوبر۔۔کے ایچ خورشید آزاد کشمیر کے صدر منتخب ہو گئے

کے ایچ خورشید آزاد کشمیر کے صدر منتخب ہو گئے انہوں نے سردار قیوم کو سخت مقابلے کے بعد شکست دے دی۔

14 اکتوبر۔۔بشیر ساربان امریکہ میں

کراچی کا بشیر ساربان امریکی نائب صدر لنڈن بی جانسن کے مہمان کے طور پر امریکہ پہنچ گیا۔ جانسن سے اس کی ملاقات کچھ عرصہ قبل کراچی میں ہوئی تھی

19 اکتوبر۔۔خورشید نے صدر کے عہدے کا حلف اٹھالیا

آزاد کشمیر کے نو منتخب صدر کے ایچ خورشید نے آزاد کشمیر کے صدر کے عہدے کا حلف اٹھالیا۔

22 اکتوبر۔۔بشیر ساربان مکہ معظمہ پہنچ گیا

کراچی کا بشیر ساربان اپنا امریکی دورہ مکمل کر کے مکہ معظمہ پہنچ گیا۔

24 اکتوبر۔۔نیا آئین مارچ میں نافذ ہو گا

گورنرز کانفرنس میں فیصلہ کیا گیا کہ نیا آئین مارچ 1962ء میں نافذ کر دیا جائے گا۔

28 اکتوبر۔۔پاکستان اخبارات آزاد ہیں: صدر ایوب

صدر ایوب نے دولت مشترکہ پریس یونین کے سالانہ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مارشل لاء کے باوجود پاکستانی اخبارات مکمل طور پر آزاد ہیں۔ یاد رہے کہ اپریل 1959ء میں حکومت نے پی پی ایل کے اخبارات پر قبضہ اور اپریل 1960ء کو پریس اینڈ پبلیکشن آرڈیننس جیسے قوانین نافذ کئے تھے۔

نومبر 1961ء

4 نومبر۔۔سٹیٹ بنک کی عمارت کا افتتاح

صدر ایوب نے سٹیٹ بنک کی گیارہ منزلہ عمارت کا افتتاح کیا۔

13 نومبر۔۔جاپان سے قرضے کا معاہدہ

پاکستان نے جاپان سے دو کروڑ ڈالر کا قرضہ حاصل کرنے کے معاہدے پر دستخط کئے۔

14 نومبر۔۔غفار خان کی نظربندی میں توسیع

سرخپوش رہنما خان عبدالغفار خان کی نظربندی کی مدت میں چھ ماہ کا اضافہ کر دیا گیا۔

17 نومبر۔۔ٹڈیاں مارنے کا کام فوج کے سپرد کر دیا گیا

حکومت نے ٹڈیاں مارنے کا کام بری اور فضائی فوج کے سپرد کر دیا۔

21 نومبر۔۔پی پی ایل کے حصص کی نیلامی

پروگریسو پیپرز لمیٹڈ میں میاں افتخار الدین اور ان کے فرزند میاں عارف افتخار کے حصص نیلام کر دیئے گئے۔

22 نومبر۔۔پارلیمینٹ کا اجلاس راولپنڈی میں ہو گا: بھٹو

وزیر صنعت ذوالفقار علی بھٹو نے اعلان کیا کہ نئی پارلیمینٹ کا اجلاس راولپنڈی میں ہو گا۔

25 نومبر۔۔ آئین کا مسودہ جلد پیش کر دیا جائے گا: منظور قادر

پاکستان کے وزیر خارجہ منظور قادر نے بتایا کہ آئین کمیٹی، آئین کا

مسودہ جلد پیش کر دے گی۔

30 نومبر۔۔۔ پولیس کے صد سالہ جشن کی تقریبات

لاہور میں پولیس کے صد سالہ جشن کی تقریبات کا افتتاح گورنر مغربی پاکستان نواب امیر محمد خان نے کیا۔

دسمبر 1961ء

5 دسمبر۔۔۔ گھمن گرفتار

چودھری عبدالغنی گھمن کو گرفتار کر لیا گیا۔

5 دسمبر۔۔۔ غیر ملکی امداد کے امکانات

ایک خبر میں بتایا گیا کہ پاکستان کو دوست ملکوں سے 95 کروڑ ڈالر کی مطلوبہ امداد ملنے کے روشن امکانات موجود ہیں۔

6 دسمبر۔۔۔ طفیل علی عبدالرحمان نئے اٹارنی جنرل مقرر ہو گئے

ڈپٹی اٹارنی جنرل طفیل علی عبدالرحمان پاکستان کے اٹارنی جنرل بنا دیئے گئے۔

14 نومبر۔۔۔ نئی پارلیمنٹ کا انتخاب

صدر ایوب نے اعلان کیا کہ نئے آئین کے تحت بنیادی جمہوریتوں کے اسی ہزار ارکان نئی پارلیمنٹ کا انتخاب کریں گے۔

17 دسمبر۔۔۔ نئے آئین کے نفاذ تک سیاسی جماعتیں بحال نہیں ہوں گی

صدر ایوب نے کہا کہ نئے آئین کے نفاذ تک سیاسی جماعتوں کو بحال نہیں کیا جائے گا۔ نہ ہی نااہل سیاستدانوں سے کوئی رعایت برتی جائے گی۔

27 دسمبر۔۔۔ مسئلہ کشمیر سلامتی کونسل میں پیش ہو گا: سر ظفر اللہ

اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب سر ظفر اللہ خان نے اعلان کیا کہ پاکستان آئندہ ماہ مسئلہ کشمیر کو سلامتی کونسل میں پیش کرے گا۔

جنوری 1962ء

1-11 جنوری۔۔۔ فرمانروائے ملایا کا دورہ پاکستان

پاکستان میں ملایا کے حکمران اعلیٰ تنکو سید جمال اللیل' ان کی ملکہ اور شہزادی' جو دسمبر کے آخری ہفتے میں پاکستان پہنچے تھے۔ یکم جنوری کو لاہور آئے۔ تنکو سید جمال اللیل نے لاہور میں کہا کہ پاکستان کی روز افزوں ترقی اور اس کا استحکام پورے ایشیا کے استحکام اور مستقبل کی بہبود کے لئے بیش بہا خزانہ ہے۔ اپنے دو ہفتوں کے دورے میں انہوں نے پاکستان میں کئی جگہ خطاب کیا انہوں نے کہا کہ سب سے پہلے تو دونوں ممالک کی اکثریت اسلام کی نام لیوا ہے۔ دوسرے دونوں ملک کا سرکاری مذہب اسلام ہے۔ انہوں نے کہا کہ ملایا کے باشندے پاکستان کے ممنون ہیں جس نے اپنی عظیم جنگ آزادی کی مثال سے ملایا کو آزادی کی راہ دکھائی اور عظیم تر ملایا کا خواب شرمندہ تعبیر ہوا۔ دونوں ملکوں کے درمیان تجارتی رشتے صدیوں سے استوار ہیں اور ایشیا میں دونوں ملکوں کے جذبہ آزادی اور سعی تعمیر نے ایک دوسرے کو بہت قریب کر دیا ہے۔ 11 جنوری کو ملایا کے حکمران اپنا دورہ پاکستان مکمل کر کے واپس چلے گئے۔

10 جنوری۔۔۔ چین کا گلگت پر دعویٰ

ایجنسی فرانس پریس کے مطابق عوامی جمہوریہ چین نے گلگت کے ایک ہزار مربع رقبے پر اپنا دعویٰ کیا۔

19 جنوری۔۔۔ چیف الیکشن کمشنر کا تقرر

ایوب کابینہ کے وزیر تعلیم سید اختر حسین کو چیف الیکشن کمشنر مقرر کر دیا گیا۔

20 جنوری۔۔۔ واپڈا کا امریکی فرم کو ٹھیکہ

مغربی پاکستان واپڈا نے منگلا ڈیم منصوبے کی تعمیر کا ٹھیکہ' امریکی فرم گائی ایس اٹکنسن کو دے دیا۔

23 جنوری۔۔۔ جاپان کے ولی عہد اور شہزادی کا دورہ پاکستان

جاپان کے ولی عہد شہزادہ اکی ہیٹو اور شہزادی مچیکو' پاکستان کے ساتھ روزہ دورے پر کراچی پہنچے۔ شاہی روایات کے مطابق جاپان کے شاہ چونکہ بیرون ملک نہیں جاتے اس لئے خیر سگالی کی غرض سے ولی عہد اور شہزادی کو پاکستان کے دورے پر بھیجا گیا۔ یاد رہے کہ جاپان سے پاکستان کے ہمیشہ دوستانہ تعلقات رہے۔ 1960ء میں صدر ایوب نے جاپان کا دورہ کیا اور 1961ء میں دونوں ملکوں نے ایک تجارتی معاہدہ کیا تھا۔

29 جنوری۔۔۔ پاک۔ افغان سرحد کھول دی گئی

پاک۔ افغان سرحد کو دوبارہ آمدورفت اور تجارت کے لئے کھول دیا گیا

30 جنوری --- سہروردی گرفتار کر لئے گئے

پاکستان کے سابق وزیراعظم حسین شہید سہروردی کو سیکورٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ دسمبر 1961ء میں ایوب خان نے لاہور میں سہروردی سے نجی طور پر رابطہ کرکے مجوزہ آئین پر ان کی رائے مانگی تھی۔ سہروردی نے ایوب خان کو بتایا کہ جمہوریت کی بحالی کا وقت آ چکا ہے چنانچہ 1956ء کے آئین کو بحال کر دینا چاہیے کیونکہ اب وہ وجوہات ختم ہو چکی ہیں جن کی بنا پر اسے منسوخ کیا گیا تھا۔ سہروردی کی طرف سے مجوزہ آئین کی مخالفت کے اندیشے کے پیش نظر انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ مشرقی پاکستان کے طلباء نے متفقہ طور پر اس گرفتاری کے خلاف احتجاج کیا۔

31 جنوری --- رائٹرز گلڈ کی تیسری سالگرہ پر صدر کا پیغام

پاکستان رائٹرز گلڈ کی تیسری سالگرہ کی تقریبات 31 جنوری کو ڈھاکہ میں شروع ہوئیں۔ صدر ایوب نے اپنے تہنیتی پیغام میں ادیبوں کو یقین دلایا کہ انہیں آزادی فکر اور اظہار خیال کی پوری آزادی ہو گی۔ انہوں نے ادیبوں سے دو مطالبے کئے۔ اول یہ کہ وہ نہ صرف اپنی برادری کی فلاح کے لئے بلکہ ہموطنوں کی بہبودی کے لئے بھی مستقل اور جامع پروگرام بنائیں۔ دوم یہ کہ عام قاری بالخصوص بچوں کی رہنمائی کے لئے سستی کتابیں چھاپیں۔

فروری 1962ء

1-2 فروری --- سلامتی کونسل میں مسئلہ کشمیر

یکم فروری کو سلامتی کونسل میں مسئلہ کشمیر پر بحث کا آغاز ہوا لیکن اگلے ہی روز اسے مارچ تک ملتوی کر دیا گیا۔

5 فروری --- کشمیر پر سودے بازی نہیں ہو گی: بھٹو

ایندھن بجلی اور قدرتی وسیلوں کے مرکزی وزیر ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ کشمیر کے حق خودارادیت کے سوال پر کسی قسم کی سودے بازی نہیں کی جائے گی۔

5 فروری --- سہروردی: فرد جرم اور اس کا جواب

حسین شہید سہروردی' جنہیں 30 جنوری کو گرفتار کیا گیا تھا۔ 5 فروری کو انہیں الزامات کی ایک فہرست دی گئی جن کے باعث ان کی گرفتاری عمل میں لائی گئی تھی۔ ان الزامات اور ان کی حقیقت کا انکشاف اس طویل مکتوب کے ذریعے ہوا جو سہروردی نے جیل سے صدر ایوب کو لکھا تھا۔ اپنے تندوتیز خط میں سہروردی نے لکھا:

"جناب صدر! معاف کیجئے گا لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ مجھے اس قدر قریب سے جاننے کے باوجود آپ نے میری حب الوطنی کو مشکوک قرار دینے والے ان بیانات کینہ آمیز اشاروں اور جھوٹ پر مبنی الزامات کو کیسے قابل اعتنا سمجھ لیا۔ جو یقیناً" آپ تک پہنچائے گئے ہوں گے۔ میرا اشارہ نظربندی کی سرکاری وجوہات کی طرف نہیں ہے کیونکہ ان وجوہات میں دیئے گئے الزامات تو اس قدر لغو اور بچگانہ ہیں کہ وہ میری نظربندی کی اصل بنیاد نہیں ہو سکتے یقیناً" آپ کے ذہن کو کچھ اور تہمتوں کی مدد سے زہر آلودہ کیا گیا ہے..... جناب صدر! امید ہے کہ آپ برا نہیں منائیں گے اگر میں یہ کہوں کہ میرے متعلق آپ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ میری نظربندی کی اصل بنیاد یہ خدشہ ہے کہ اگر میں جیل سے باہر رہا تو مستقبل قریب میں نافذ ہونے والے آئین میں عمل درآمد میں کھنڈت ڈالوں گا"۔

قیام پاکستان کی جدوجہد میں اپنے کردار کا ذکر کرتے ہوئے سہروردی نے صدر کو مطلع کیا۔ "... شاید آپ کو علم نہ ہو اس لئے میں آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ پاکستان میری زندگی ہے مجھے یقین ہے کہ میں نے اس ملک کی تخلیق میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ مسلم اکثریتی صوبوں میں بنگال وہ واحد صوبہ تھا جس نے قائداعظم کو مسلم لیگ کی وزارت دی تھی۔ بنگال قائداعظم کے ہاتھ میں ترپ کا وہ پتہ تھا جس کے باعث کانگریس کو تقسیم ہند قبول کرنا پڑی۔ مسلم لیگ کو بنگال میں قابل قبول بنانے کے لئے اور مطالبہ پاکستان کی پذیرائی کی خاطر مجھے اپنے معاش' صحت اور سلامتی کو خطرے میں ڈال کر دن رات کام کرنا پڑا..."۔

تفصیل کے لئے خط کا مکمل متن --- سہروردی بنام ایوب خان --- اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں۔

7 فروری --- شیخ مجیب اور دوسرے رہنماؤں کی گرفتاری

مشرقی پاکستان کی حکومت نے شیخ مجیب الرحمان ابوالمنصور احمد' مفضل حسین اور کئی دوسرے رہنماؤں کو گرفتار کر لیا۔

14 فروری --- مشرقی پاکستان علیحدگی پسند رجحانات نہیں ہیں: جنرل اعظم خان

مشرقی پاکستان کے گورنر جنرل اعظم خان نے اعلان کیا کہ مشرقی پاکستان میں علیحدگی پسند رجحانات نہیں ہیں۔

19 فروری --- شیخ فیض محمد کا انتقال

سابق ایڈووکیٹ جنرل مغربی پاکستان' سابق چیف جسٹس ریاست بہاولپور اور سابق سپیکر پنجاب اسمبلی انتقال کر گئے۔

20 فروری --- چوہدری ظفراللہ ارجنٹائن میں سفیر بن گئے

اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقبل مندوب سر چوہدری ظفر اللہ خان ارجنٹائن میں پاکستان کے سفیر مقرر کردیئے گئے۔

23 فروری۔۔۔ مولانا احمد علی انتقال کر گئے

انجمن خدام الدین کے امیر مولانا احمد علی لاہوری انتقال کر گئے

25 فروری۔۔۔ محمد شعیب قریشی کا انتقال

پاکستان کے سابق وزیر ممتاز سفارت کار' صحافی اور مولانا محمد علی جوہر کے داماد محمد شعیب کا کراچی میں انتقال ہو گیا۔ ایک روایت کے مطابق وہ 30 جون 1889ء اور دوسری روایت کے مطابق 1891ء میں علی گڑھ میں پیدا ہوئے تھے۔ ہندوستان میں انہوں نے جنگ بلقان کے موقع پر کل ہند طبی مشن میں ہندوستان کی نمائندگی کی۔ پھر جب غیر منقسم ہندوستان کے آئینی مسائل کے تصفیہ کے لئے نہرو کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی تو شعیب قریشی مرحوم بھی اس کے رکن منتخب ہوئے وہ "نیوز ایرا لکھنؤ"' "دی مسلم آوٹ لک لندن" اور "دی ینگ انڈیا" جیسے اخبارات کے ذریعے صحافت کے کام سے بھی وابستہ رہے۔

25 فروری۔۔۔ حمید نظامی بھی گزر گئے

روزنامہ نوائے وقت کے مدیر و بانی جناب حمید نظامی کا بھی انتقال ہو گیا۔ انہوں نے صحافتی ذمہ داریوں کا بار اس وقت اٹھایا تھا جب وسائل ناکافی اور ذرائع بہت محدود تھے۔ نظامی مرحوم کے افکار و خیالات سے متعدد حلقوں میں شدید اختلاف کیا گیا البتہ مرحوم کی جن خوبیوں کو بالعموم سراہا گیا وہ ان کا منطقی طرز استدلال' فکر اور تجزیہ کی صلاحیت' اسلوب بیان کی متانت اور اظہار کی بیباکی اور بیساختگی ہے۔ جذباتیت اور غیر ضروری جوش و خروش کا ان تحریروں میں شائبہ نہ تھا۔ موقع و محل کی مناسبت سے اپنے صحافتی اصولوں میں تبدیلی' آزمائش کے موقع پر مصلحت کوشی اور تجارتی اغراض کے تحت اپنی روشن سے انحراف انہیں قبول نہ تھا۔ ان کے اخبار پر حکومتوں نے متعدد بار حملے کیے اور اسے بندش کے مرحلوں سے بھی گزرنا پڑا۔

مارچ 1962ء

یکم مارچ۔۔۔ نیا آئین جمہوریت اور نظم و ضبط کی آمیزش ہے: ایوب خان

ریڈیو پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے صدر نے 1962ء کے آئین کا اعلان کیا۔ انہوں نے کہا: "نیا آئین جمہوریت اور نظم و ضبط کی آمیزش ہے اور یہ دونوں ایک آزاد معاشرے کو چلانے کے لئے جو مستحکم اور ٹھوس نظم و ضبط رکھتا ہو' دو قابل عمل شرطیں ہیں"۔

6 مارچ۔۔۔ امریکہ اور پاکستان کے درمیان ایٹمی سمجھوتہ

امریکہ اور پاکستان نے ایٹمی سامان اور ری ایکٹر مہیا کرنے کے ایک سمجھوتہ پر دستخط کئے۔ سمجھوتے میں کہا گیا کہ امریکہ بین الاقوامی ایٹمی ایجنسی کے ہاتھ یورانیم فروخت کرے گا اور وہ ایجنسی اسے پاکستان کو مہیا کرے گی۔

9 مارچ۔۔۔ نیا آئین متوازن ہو گا

پاکستان کے وزیر خارجہ مسٹر منظور قادر نے بتایا کہ پاکستان کا نیا آئین صدر' مقننہ اور عدلیہ میں سے کسی ایک کو بھی تمام اختیار و اقتدار کا مالک نہیں بنائے گا۔

11 مارچ۔۔۔ تھائی لینڈ کے بادشاہ اور ملکہ کا دورہ پاکستان

تھائی لینڈ کے بادشاہ اور ملکہ پاکستان کے بارہ روزہ دورے پر کراچی پہنچے۔ صدر نے ان کا استقبال کیا۔ تھائی لینڈ کے بادشاہ نے ایک تقریب میں کہا کہ پاکستان اور تھائی لینڈ کے درمیان باہمی احترام اور قریبی تعاون' بین الاقوامی تعاون کے لئے مفید ہو گا۔ پشاور یونیورسٹی نے تھائی بادشاہ کو ڈاکٹر آف لاء کی اعزازی ڈگری دی۔ بادشاہ نے جموں و کشمیر کے حق خود ارادیت کی حمایت کی۔ لاہور میں شاہ اور ملکہ نے مویشیوں کی سالانہ نمائش دیکھی۔ شاہ نے نمائش میں اول آنے والوں میں انعامات بھی تقسیم کئے۔ 20 مارچ کو ڈھاکہ پہنچے جہاں سے اپنا دورہ مکمل کرنے کے بعد وطن واپس روانہ ہو گئے۔

17 مارچ۔۔۔ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کا انتخابی شیڈول

حکومت پاکستان نے ایک اعلان میں کہا کہ قومی اسمبلی کے انتخابات 28 اپریل کو اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات 6 مئی کو ہوں گے۔

17 مارچ۔۔۔ ملکہ وکٹوریہ کا مجسمہ ہٹالیا گیا

غلامی کی یادگاریں ہٹانے کے پروگرام کے تحت کراچی سے ملکہ وکٹوریہ کا مجسمہ ہٹالیا گیا۔

22 مارچ۔۔۔ صدر ایوب کا انتخابی منشور

صدر ایوب نے اپنے انتخابی منشور کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے اسلامی نظریہ سے وابستگی کو اولین اصول قرار دیا۔

26 مارچ۔۔۔ پاکستانی شاعرانہ مزاج اور شائستگی کے حامل ہیں: جیکولین کینیڈی

امریکی صدر کی اہلیہ جیکولین کینیڈی نے کراچی کی ایک تقریب میں کہا کہ پاکستانی شاعرانہ مزاج اور شائستگی کی حامل قوم ہے وہ 21 مارچ کو لاہور پہنچی تھیں۔

30 مارچ --- اسلامی دنیا کا اتحاد اور کشمیر

سندھ یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم اسناد سے خطاب کرتے ہوئے ذوالفقار علی بھٹو نے بتایا کہ اسلامی دنیا کا اتحاد روحانی بھی ہے اور جذباتی بھی۔ کہ ہم مسلم عوام کے درمیان سالمیت کے شعور کو مضبوط بنائیں اور ان کی قومی خود مختاری' آزادی اور تحفظ کو محفوظ کرنے کے لئے ان میں گہرا بین الاقوامی تعاون پیدا کریں۔ انہوں نے اسرائیل پر شدید تنقید کی۔ انہوں نے کہا کہ مسئلہ کشمیر امن کے لئے سنگین خطرے کی حیثیت رکھتا ہے۔ انہوں نے کہا یہ سچ ہے کہ ہم امن کے بغیر نہ زندہ رہ سکتے ہیں اور نہ ترقی کر سکتے ہیں لیکن کشمیر کا مسئلہ حل کئے بغیر کبھی امن قائم نہیں ہو سکتا۔

اپریل 1962ء

4 اپریل --- انتخابات کے لئے کاغذات نامزدگی داخل کر دیئے گئے

قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے لئے کاغذات نامزدگی داخل کر دیئے گئے۔

9 اپریل --- غلام فاروق گورنر مشرقی پاکستان ہو گئے

ممتاز صنعت کار غلام فاروق کو' جنرل اعظم خان کی جگہ مشرقی پاکستان کا گورنر بنا دیا گیا۔

27 اپریل --- مولوی فضل الحق کا انتقال

رکن قانون ساز اسمبلی ہند (1924) وزیر تعلیم بنگال (924) سیکرٹری بنگال مسلم لیگ (19-1913) صدر آل انڈیا مسلم لیگ (21-1916)' وزیر اعلیٰ بنگال (43-1937) قرار داد لاہور 1940ء کے محرک وزیر اعلیٰ مشرقی پاکستان (1954)' گورنر مشرقی پاکستان (1955) مولوی ابو القاسم فضل الحق 27 اپریل کو ڈھاکہ میں انتقال کر گئے۔ وہ 26 اکتوبر 1873ء کو باریسال میں پیدا ہوئے تھے۔

28 اپریل --- قومی اسمبلی کے انتخابات کا انعقاد

بنیادی جمہوریتوں کے 80 ہزار ارکان نے قومی اسمبلی کے ارکان کو منتخب کیا۔

30 اپریل --- فیض احمد فیض کو لینن امن انعام سے نوازا گیا

معروف اردو شاعر فیض احمد فیض کو 1961ء کا لینن امن انعام دیا۔ فیض نے اپنا رد عمل ظاہر کرتے ہوئے کہا: "میں نے کوئی ایسا غیر معمولی کام نہیں کیا جس کی بنا پر خود کو انعام کا مستحق سمجھوں۔ مجھے خوشی ہے کہ ایک پاکستانی کی صلاحیتوں کا بیرون ملک اعتراف کیا گیا۔۔۔"

مئی 1962ء

6 مئی --- علامہ مشرقی نظر بند

علامہ مشرقی اور گیارہ دیگر خاکساروں کو مملکت کے مفاد کے منافی سازش کرنے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ بعد ازاں علامہ کی گرفتاری کے حکم میں ترمیم کر کے شدید علالت کے پیش نظر انہیں اپنے مکان میں نظر بند کر دیا گیا۔

12 مئی --- قومی اسمبلی کا اجلاس 8 جون سے شروع ہو گا

ایک سرکاری اعلان کے مطابق قومی اسمبلی کا بجٹ اجلاس 8 جون سے شروع کرنے کا اعلان کیا گیا۔

14 مئی --- مشرقی پاکستان کے رہنماؤں کی رہائی

مشرقی پاکستان کے سات رہنماؤں کو رہا کر دیا گیا۔

21 مئی --- خان غفار خان کی نظر بندی میں مزید توسیع

سرخپوش رہنما خاں عبدالغفار کی نظر بندی میں مزید توسیع کر دی گئی۔ وہ اپریل 1961ء میں ڈیرہ اسماعیل خان سے گرفتار کئے گئے تھے۔

جون 1962ء

3 جون --- میں پارلیمانی طرز حکومت کا حامی ہوں: مولوی تمیز الدین

مجوزہ قومی اسمبلی کے ہونے والے سپیکر مولوی تمیز الدین نے اعلان کیا کہ وہ پارلیمانی طرز حکومت اور سیاسی جماعتوں کی بحالی کے حامی ہیں۔

6 جون --- سپیکر شپ کے لئے مولوی تمیز الدین کی حمایت کا اعلان

مشرقی پاکستان کے 72 ارکان اسمبلی سپیکر کے عہدے کے لئے مولوی

تمیز الدین کی حمایت کا اعلان کر دیا۔

6 جون ــ میاں افتخار الدین انتقال کر گئے

پنجاب سے تعلق رکھنے والے بائیں بازو کے ممتاز سیاستدانوں اور پی پی ایل کے بانی میاں افتخار الدین دل کا دورہ پڑنے سے انتقال کر گئے۔ مارشل لاء کے چند ماہ بعد حکومت نے پی پی ایل کے اخبارات پر جبری قبضہ کر لیا تھا۔ میاں افتخار الدین کو ایبڈو کے تحت نا اہل قرار بھی دیا گیا۔ پی پی ایل کے مقدمے میں بھی ان کی شنوائی نہ ہو سکی اور ایوبی مارشل لاء کے خاتمے سے دو روز قبل ہی ان کا انتقال ہو گیا۔

8 جون ــ مارشل لاء اٹھا لیا گیا

نئے آئین کے نفاذ کے ساتھ ہی ملک سے مارشل لاء اٹھا لیا گیا۔ نئی کابینہ کی تشکیل ہوئی۔ صدارتی کابینہ کے ارکان میں ذوالفقار علی بھٹو، محمد شعیب، فضل القادر چوہدری، رانا عبدالحمید، عبدالصبور خان، عبدالمنعم خان، وحید الزماں، محمد علی بوگرہ، حبیب اللہ خان، محمد منیر اور عبدالقادر شامل تھے۔

وزرا کے عہدوں اور وزارت کی تاریخوں کے لئے اسی جلد میں دیکھیں ــ صدارتی کابینہ (69-1958)

8 جون ــ قومی اسمبلی کا افتتاحی اجلاس

قومی اسمبلی کے افتتاحی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے صدر ایوب نے ماضی کی ناکامیوں کا حوالہ دیا اور ارکان ایوان کے ساتھ ہی قوم کو بھی خبردار کیا کہ گذشتہ غلط اندیشیوں کا اعادہ اگر اب کے ہوا تو ہمارا ملک ایسی افراتفری اور انتشار سے دو چار ہو جائے گا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اب نہ صرف نمائندوں کا فرض ہے کہ پوری دیانت، اخلاص اور یکسوئی سے اپنے فرائض انجام دیں بلکہ عوام کو بھی لازم ہے کہ اپنے نمائندوں کے افکار و اعمال کا سختی سے محاسبہ کریں۔ انہوں نے آئین کو کامیاب بنانے کی اپیل کی۔

9 جون ــ مولوی تمیز الدین بلا مقابلہ منتخب

مولوی تمیز الدین بلا مقابلہ قومی اسمبلی کے سپیکر منتخب ہو گئے۔ اپنے انتخاب کے بعد ارکان سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے ملکی اور غیر ملکی حالات کے بارے میں اظہار خیال کیا۔ ملکی امور میں مقننہ اور انتظامیہ کے درمیان تعاون پر بھی زور دیا۔

10 جون ــ ڈپٹی سپیکرز کا انتخاب

چودھری محمد افضل چیمہ قومی اسمبلی کے سینئر ڈپٹی سپیکر اور ابوالقاسم جونیئر ڈپٹی سپیکر منتخب ہو گئے۔ سینئر ڈپٹی سپیکر کے عہدے کے مشرقی پاکستان نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

10 جون ــ مغربی پاکستان اسمبلی کے سپیکر کا انتخاب

معین الحق صدیقی مغربی پاکستان اسمبلی کے بلا مقابلہ سپیکر منتخب ہو گئے۔ اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں انہوں نے کہا کہ ایوان کی زبان اردو ہونی چاہیے۔

12 جون ــ مرکزی بجٹ پیش کر دیا گیا

مرکزی وزیر خزانہ مسٹر عبدالقادر نے قومی اسمبلی میں 63-1962ء کا سالانہ بجٹ پیش کر دیا جس میں 18 کروڑ 45 لاکھ روپے کی بچت دکھائی گئی۔ اس بچت کو ترقیاتی مصارف میں شامل کرنے کا اعلان کیا گیا۔ بجٹ کی رو سے قومی آمدنی میں چھ فی صد کا اضافہ ظاہر ہوا۔

13 جون ــ صدارتی کابینہ نے حلف اٹھا لیا

صدارتی کابینہ نے حلف اٹھا لیا۔ محمد علی بوگرہ قائد ایوان اور وزیر خارجہ مقرر کئے گئے۔

16 جون ــ مغربی پاکستان کا بجٹ

مغربی پاکستان کا بجٹ پیش کر دیا گیا جس میں 7 کروڑ 24 لاکھ روپے کی بچت دکھائی گئی۔ آمد و خرچ کا تناسب اور توازن اطمینان بخش قرار دیا گیا۔ ریلوے، صنعتی ترقیاتی کارپوریشن اور بعض دوسرے اداروں کو صوبوں کی جانب منتقل کرنے اور مالی تقسیم نو کو رواج دینے سے صوبوں کی آمدنی میں نمایاں اضافے کے باعث ترقیاتی منصوبوں کے لئے زیادہ رقم منظور کی جا سکی۔ صرف واپڈا کے لئے 47 کروڑ روپے منظور کئے گئے۔

18 جون ــ شیخ مجیب الرحمان کی رہائی

شیخ مجیب الرحمان کو رہا کر دیا گیا۔ وزیر خارجہ محمد علی بوگرہ نے بتایا کہ معمولی الزامات کے تحت نظربند تمام سیاسی کارکن رہا کر دیئے جائیں گے۔

19 جون ــ بلوچستان پر مظالم کی کہانی، مینگل کی زبانی

قومی اسمبلی کے بجٹ اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے بلوچستان سے کل دو ارکان میں سے ایک رکن سردار عطا اللہ خان مینگل نے گذشتہ تین برسوں میں بلوچستان پر ہونے والے مظالم کی تفصیل سنائی۔ ان پر کس طرح چھ ماہ تک بمباری کی جاتی رہی۔ انہیں ٹارچر کیمپوں میں رکھا گیا، کس طرح پھانسیاں دی گئیں۔ سردار عطا اللہ مینگل نے مطالبہ کیا کہ قید کئے جانے

والوں کو رہا کیا جائے۔ جن کو پھانسیاں دی گئی ہیں ان کے لواحقین کو معاوضہ دیا جائے۔ جن پر جرمانے کئے گئے ہیں' ان کے جرمانے واپس کئے جائیں اور جن کی جائیدادیں ضبط کی گئی ہیں' ان کی جائیدادیں واگزار کی جائیں تاکہ گذشتہ ساڑھے تین سالوں کی تلخی دور ہو اور وہ بھی اپنے آپ کو پاکستان کا باشندہ تصور کریں۔

21 جون--- اتوار کی بجائے جمعے کو چھٹی دی جائے

مشرقی پاکستان سے قومی اسمبلی کے رکن مولوی فرید احمد نے مطالبہ کیا کہ ہفتہ وار سرکاری چھٹی اتوار کی بجائے جمعہ کو دی جائے۔

21 جون--- بجٹ اجلاس میں خیر بخش مری کی تقریر

بلوچستان سے قومی اسمبلی کے دوسرے سردار خیر بخش مری نے بھی بجٹ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے بلوچستان پر ہونے والے مظالم اور اس کی محرومیوں کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ انقلاب (1958ء) کے لیڈروں کو امریکی اقتصادی آمروں کے علاوہ کچھ نہیں سمجھتے۔ انہوں نے کہا بلوچوں کی فوج میں نمائندگی نہیں ہے' اتنے بڑے علاقے میں صرف ایک کالج ہے اور صوبے میں لوگ اپنی نو آبادیاں بڑھانا چاہتے ہیں۔

خیر بخش مری کی تقریر جاری تھی کہ ڈپٹی سپیکر نے انہیں مزید وقت دینے سے انکار کر دیا۔

تقریر کا مکمل متن' اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں۔

23 جون--- مولانا طفیل محمد رہا کر دیئے گئے

جماعت اسلامی کے رہنما مولانا طفیل محمد کو رہا کر دیا گیا۔

23 جون--- مغربی پاکستان اسمبلی میں بھی بلوچوں پر مظالم کی بازگزشت

مغربی پاکستان اسمبلی میں اس وقت بلوچوں پر مظالم کی بازگزشت سنائی دی جب اسمبلی کے بلوچ رکن احمد نواز بگٹی نے بجٹ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے وہ حقائق دہرائے جو قومی اسمبلی میں گذشتہ دنوں مینگل اور مری کی تقریروں کے ذریعے سامنے آئے تھے۔ احمد نواز بگٹی نے سوال کیا کہ کیا بلوچستان اس لئے بنا تھا کہ جو بھی برسراقتدار آئے' اس کا استحصال کرے' اس پر ڈاکے ڈالے اور اسے لوٹے؟ یا پھر حکومت کے خیال میں بلوچی عوام حیوان ہیں؟ انہوں نے کہا کہ سماج زنا کاری کے فعل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے لیکن حکومت جب بلوچستان کی عصمت دری کرتی ہے تو کسی پیشانی پر شکن نہیں پڑتی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستانی فوج کے پندرہ ہزار جوانوں کی مدد سے خون کی ہولی کھیلنے کے بعد بھی جب حکومت مطمئن نہ ہوئی تو سات نوجوان بلوچوں کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ مارشل لاء کے تمام عرصے میں صرف یہی سات بلوچ تھے جنہیں مارشل لاء قوانین کے تحت سزائے موت دی گئی۔ رکن نے جذباتی لہجے میں کہا کہ مادر بلوچستان اب تک اپنا زخم چاٹ رہی ہے اور اپنے کھوئے ہوئے بیٹوں کی موت پر ماتم کر رہی ہے اس کے باوجود حکام نے دیدہ دلیری سے یہ کہنے کی جرات کی کہ یہ انقلاب خونی نہ تھا' حالانکہ ان چھ ماہ میں ارزاں ترین جنس خون ہوا تھا"۔

رکن کی تقریر جاری تھی کہ سپیکر نے مائیک کا سوئچ آف کر کے بند کر دیا اور مقرر اپنی تقریر مکمل نہ کر سکا۔

تقریر کا مکمل متن' اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں۔

24 جون--- حق بالغ رائے دہی کے ذریعے منتخب نمائندے نیا آئین تشکیل دیں: مشرقی پاکستان کے نو رہنماؤں کا مطالبہ

مشرقی پاکستان کے نو ممتاز رہنماؤں نور الامین' عطا الرحمان خان' حمید الحق چودھری' ابو حسین سرکار' شیخ مجیب الرحمان' یوسف علی چودھری' محمود علی' سید عزیز الحق اور مولانا پیر محسن الدین احمد نے مشترکہ طور پر مطالبہ کیا کہ نئے آئین کو منسوخ کر دیا جائے۔ اور حق بالغ رائے دہی کے ذریعے منتخب ہونے والے نمائندوں کو نئے آئین کی تشکیل کی ذمہ داری سونپی جائے۔

بیان کا مکمل متن' اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں۔

27 جون--- پاکستان کی خارجہ پالیسی کے سات اصول

وزیر خارجہ پاکستان' محمد علی بوگرہ نے دفاع' سیاسی آزادی کے تحفظ' ملکی سالمیت' قومی خوشحالی' بین الاقوامی وقار' امن کو تقویت دینے اور دوسرے ممالک سے دوستانہ تعلقات قائم کرنے جیسے اصول پر مشتمل خارجہ پالیسی کے سات اصول گنوائے۔

جولائی 1962ء

یکم جولائی--- ایوب' ظاہر شاہ ملاقات

توقع ظاہر کی گئی کہ پاکستان اور ایران کی پالیسیوں میں دوررس تبدیلیاں ہوں گی۔ مری میں صدر ایوب اور شاہ ایران کے درمیان مذاکرات ہوئے۔

3 جولائی--- پاک' افغان مصالحت کے لئے شاہ ایران کی پیشکش

شاہ ایران رضا شاہ پہلوی نے پاکستان اور افغانستان کے مابین اختلافات دور کے تعلقات کو معمول پر لانے کی جو پیشکش کی' اسے صدر ایوب نے فوراً منظور کر لیا۔ بعد ازاں افغانستان کے شاہ ظاہر شاہ نے بھی شاہ ایران کی اس

پیشکش کو سراہتے ہوئے منظور کر لیا۔

6جولائی --- خان قیوم گرفتار

خان عبدالقیوم خان کو تخریبی سرگرمیوں کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔

9جولائی --- فیض کو ماسکو جانے کی اجازت دی جائے

قومی اسمبلی میں ایک تحریک التوا پیش کی گئی جس میں کہا گیا تھا کہ ممتاز شاعر فیض احمد فیض کو لینن امن انعام کی وصولی کے لئے ماسکو جانے کی اجازت دی جائے۔

9-10جولائی --- سیاستدانوں پر بھٹو کی تنقید

قومی اسمبلی میں سیاسی جماعتوں کی تشکیل کے بل پر بحث شروع ہو گئی۔ بحث کے دوران اپنے خطاب میں ذوالفقار علی بھٹو نے سیاسی جماعتوں کے کردار پر تفصیلی بحث کرتے ہوئے سیاستدانوں پر کڑی نکتہ چینی کی۔ انہوں نے سیاسی نا اہلیوں کے قوانین کی حمایت کی۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ جو افراد کلی طور پر جمہوریت کی تباہی کے ذمہ دار ہیں' پاکستان میں انہیں سیاست سے خارج کر دیا جائے تاکہ وہ اس نئی جمہوریت کی بنیادوں کے لئے خطرہ نہ بن سکیں۔ انہوں نے نا اہل قرار دیئے جانے والے افراد کو سیاسی جماعتوں کا رکن بنانے کی مخالفت کی۔

تفصیل کے لئے جناب بھٹو کے خطاب کا مکمل متن بعنوان --- سیاسی جماعتوں کا کردار --- حصہ دستاویزات میں دیکھیں۔

14جولائی --- سیاسی جماعتوں کی تشکیل کا بل منظور

قومی اسمبلی میں کئی دن کی بحث کے بعد سیاسی جماعتوں کی تشکیل کا بل منظور کر لیا گیا۔ یہ پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ- 1962ء کے نام سے مشہور ہوا۔

پولٹیکل پارٹیز ایکٹ 1962ء کے تحت سیاسی پارٹیوں کے قیام کی اجازت تو دیدی گئی مگر ان پر چند پابندیاں بھی عائد کر دی گئیں۔ ایسی سیاسی پارٹیوں کا وجود ممنوع قرار دے دیا گیا جو ایسی رائے' خیالات یا عمل کا اظہار کریں جو اسلامی نظریہ' ملک کی سالمیت یا تحفظ کے منافی ہیں۔ مزید بر آں ایسی سیاسی جماعتوں پر بھی پابندی عائد کر دی گئی جنہیں بیرونی ممالک سے کسی بھی قسم کی امداد حاصل ہوتی ہو اس بات کا قطعی فیصلہ کرنے کا حق کہ آیا کوئی سیاسی جماعت اس زمرے میں آتی بھی ہے یا نہیں' سپریم کورٹ آف پاکستان کو سونپ دیا گیا۔ اگر سپریم کورٹ کی رائے میں کوئی سیاسی جماعت اوپر بیان کردہ ممنوعات میں سے کسی ایک کی بھی مرتکب پائی جائے تو وہ جماعت از خود کالعدم تصور کی جائے گی اور اس کے کل عہدیداران پانچ سال کے عرصہ کے لئے قومی یا صوبائی اسمبلیوں کی رکنیت کے لئے نا اہل قرار دے دیئے جائیں گے۔

سیاسی جماعتوں پر یہ پابندی بھی عائد کر دی گئی کہ وہ کسی ایسے شخص کو اپنا رکن یا عہدے دار نہیں بنائیں گی تو:۔

نمبر1_ کسی جرم کی بنا پر دو سال کی سزائے قید بھگت چکا ہو۔

نمبر2_ جو گورنر یا وزیر کے عہدے سے 1962ء کے آئین کی دفعات 122-122 کے تحت علیحدہ کر دیا گیا ہو اور اس کی نا اہلیت کی معینہ مدت پوری نہ ہو چکی ہو۔

نمبر3_ جو سرکاری ملازمت سے برطرف کر دیئے گئے ہیں اور ان کی برطرفی کو پانچ سال سے گزر چکے ہوں۔

نمبر4_ جو 1959ء کے ایبڈو کے قانون (Elective Bodion Order) کے تحت 3 دسمبر 1956ء تک سیاست سے جبری طور پر ریٹائرڈ کر دیے گئے تھے۔

ایبڈو کے تحت تقریباً" ایک صد سیاستدان جو 1958ء کے مارشل لاء کے نفاذ سے قبل اعلیٰ حکومتی عہدوں پر فائز رہ چکے تھے' سیاست سے کنارہ کر چکے تھے مارشل لاء کی حکومت نے ان پر الزامات عائد کر کے انہیں اس بات کا اختیار دیا تھا۔ کہ یا تو وہ ایک ٹربیونل کے سامنے اپنی صفائی پیش کریں' یا پھر خاموشی سے سیاست سے علیحدگی اختیار کر لیں۔ بیشتر سیاستدان رضا کارانہ طور پر سیاست سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ کیونکہ ٹربیونل کے روبرو پیش ہونے کے واسطے کسی وکیل کی خدمات مستعار لینے کی اجازت نہ تھی۔ علاوہ ازیں سیاست دانوں کو مارشل لاء حکومت کی قائم کردہ خصوصی عدالتوں سے انصاف کی توقع نہ تھی۔

پولٹیکل پارٹیز ایکٹ پر بحث کے دوران کچھ اراکین اسمبلی نے اس بات کی سفارش کی تھی کہ ایبڈو سیاستدانوں پر سے (Forget and Forgive) کے مقولے پر عمل کرتے ہوئے پابندی نہیں لگانا چاہیے۔ لیکن اکثریت نے اس موقف کی حمایت نہیں کی۔ اسمبلی کے ممبران' جن میں سے بیشتر دوسرے درجے کے سیاستدان تھے' کا خیال تھا کہ پرانے اور کہنہ مشق سیاستدانوں پر پابندی عائد رہنے کی صورت میں انہیں سیاست کے میدان میں نبرد آزمائی کے زیادہ مواقع میسر ہوں گے۔ حزب اختلاف کے ایک رکن سید قمرالحسن نے صدر سے سفارش کی تھی کہ سیاسی جماعتوں کے قانون میں ایک ایسی شق کو بھی شامل کر لیا جائے جس کے تحت ایبڈو سیاستدانوں کو ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں اپیل کرنے کا اختیار ہو۔

پولٹیکل پارٹی ایکٹ کے تحت ایم' این' اے اور ایم' پی' اے صاحبان کو اپنے انتخابات کے بعد اس سیاسی جماعت کو چھوڑنے کی ممانعت تھی۔ جس کے ٹکٹ پر وہ منتخب ہوئے تھے اگر کسی اسمبلی کا رکن اپنی سیاسی جماعت کو چھوڑ کر دوسری پارٹی میں شریک ہو جائے تو اس کی نشست خالی قرار دے دی جاتی تھی۔ اور اس کو پر کرنے کے لئے ضمنی انتخاب کروایا جاتا تھا۔

ضمنی انتخاب میں وہ سابق ایم این اے یا ایم پی اے بھی حصہ لے سکتا تھا جس کی وجہ سے نشست خالی قرار دی گئی تھی۔
پولٹیکل پارٹیز ایکٹ کے تحت کسی شخص کے خلاف عدالتی چارہ جوئی کرنے کا حق صرف مرکزی حکومت کو حاصل تھا۔

15 جولائی ـــ آغا عبدالحمید سیکرٹری دفاع مقرر ہو گئے

سابق ناظم کراچی' آغا عبدالحمید کو سیکرٹری دفاع مقرر کر دیا گیا۔

16 جولائی ـــ جماعت اسلامی کا احیاء

پولٹیکل پارٹیز ایکٹ ـــ 1962ء کے نفاذ کے بعد 16 جولائی کو جماعت اسلامی کی بحالی کا اعلان کر دیا گیا۔ 1958ء کے بعد بحال ہونے والی یہ پہلی سیاسی جماعت تھی۔

23 جولائی ـــ مجلس احرار کا احیاء

مجلس احرار اسلام کے سابق کنوینر شیخ حسام الدین نے مجلس احرار کو بحال کرنے کا اعلان کیا۔

25 جولائی ـــ واپڈا ہاؤس کا نقشہ غلام اسحاق کو پیش کیا گیا

امریکی ماہر تعمیرات ایڈورڈ یورل سٹون نے لاہور میں واپڈا ہاؤس کی مجوزہ عمارت کا نقشہ واپڈا کے چیرمین غلام اسحاق خان کو پیش کر دیا۔

30 جولائی ـــ اسلامی مشاورتی کونسل کا قیام

صدر نے اسلامی مشاورتی کونسل کے قیام کے اعلان کر دیا۔ اس کونسل کا قیام آئین میں لازمی قرار دیا گیا تھا۔ سپریم کورٹ کے مسٹر جسٹس محمد اکرام اس کونسل کے چیرمین مقرر کئے گئے۔ وزیر قانون کے اعلان کے مطابق اسلامی نظریہ حیات کے رواج اور فروخت کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ اول یہ کہ تعلیم و تبلیغ کے ذریعے لوگوں کو رضاکارانہ طور پر اسلامی زندگی گزارنے پر مائل کیا جائے۔ دوم' ایسے قوانین وضع اور نافذ کئے جائیں جو عوام کو اسلام کے ارکان کا پابند بنائیں۔ اسلامی مشاورتی کونسل نے دونوں طریقے اختیار کرنے کا اعلان کیا۔

31 جولائی ـــ اے ٹی نقوی کا انتقال

ابو طالب (اے ٹی) نقوی' سابق کمشنر کراچی' انتقال کر گئے۔ ان کا نام کراچی میں طلبا تحریک (1953) کو کچلنے کے ضمن میں لیا جاتا ہے۔

اگست 1962ء

4 اگست ـــ جمیعت العلمائے اسلام کا احیاء

جمیعت العلمائے اسلام کے احیاء کا اعلان کر دیا گیا۔ جمیعت کے دو رہنماؤں نے اپریل مئی 1962ء کے انتخابات میں شرکت کی تھی اور مولانا مفتی محمود قومی اسمبلی اور مولانا غلام غوث ہزاروری' مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے تھے۔ چونکہ امیر جمیعت العلمائے اسلام مولانا احمد علی کا 1960ء میں انتقال ہو چکا تھا اس لئے مولانا مفتی محمود نے قائم مقام امیر کی حیثیت میں 4 اگست کو لاہور میں کم و بیش دو سو علماء کا اجلاس طلب کر کے جمیعت کے احیا کا اعلان کیا۔

5 اگست ـــ نیشنل ڈیموکریٹس کا قیام

مشرقی پاکستان اسمبلی میں حزب اختلاف کے ارکان پر مبنی ایک گروپ "نیشنل ڈیموکریٹس" کے نام سے وجود میں آیا۔

6-7 اگست ـــ نظام اسلام پارٹی کا احیاء

نظام اسلام پارٹی' مشرقی پاکستان کے سابق صدر مولانا اطہر علی نے 6 اگست کو اعلان کیا کہ پولٹیکل پارٹیز ایکٹ کے نفاذ کے بعد نظام اسلام پارٹی "خود بخود بحال" ہو گئی ہے۔ 7 اگست کو پارٹی کارکنوں کے ایک کنونشن میں اس کے احیاء کا باقاعدہ اعلان کیا گیا۔ قرار داد احیاء میں کہا گیا کہ پارٹی اسلامی نظام کے قیام اور 1962ء کے آئین کو زیادہ سے زیادہ جمہوری بنانے کی جدوجہد کرے گی۔
پارٹی کے مرکزی صدر چوہدری محمد علی چونکہ ایک بنک سے وابستہ تھے اس لئے وہ اس میں فوری طور پر شامل نہ ہو سکے۔

6 اگست ـــ پاکستان' ایران اور افغانستان کے درمیان اتحاد کی تجویز

صدر ایوب نے پاکستان' ایران اور افغانستان کے مابین وسیع تر سیاسی اتحاد پر زور دیا۔ صدر ایوب نے تجویز پیش کی کہ تینوں ملکوں کو ایک عظیم سیاسی وفاق کے تحت متحد ہو جانا چاہیے۔ یاد رہے کہ یہ وہی تجویز ہے جو مارشل لاء سے قبل صدر اسکندر مرزا نے پیش کی تھی اور اس کے لئے افغانستان اور ایران کو رضامند بھی کر لیا تھا لیکن امریکی اشارے پر ایوب خان نے اس وقت اس تجویز کو سبوتاژ کر دیا تھا۔

9 اگست ـــ منظور قادر ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مقرر کر دیئے گئے

پاکستان کے سابق وزیر خارجہ جناب منظور قادر کو مغربی پاکستان ہائی

کورٹ کا چیف جسٹس مقرر کر دیا گیا۔ اعلان میں بتایا گیا کہ وہ 18 اکتوبر کو ریٹائر ہونے والے چیف جسٹس ایم آر کیانی کی جگہ لیں گے۔

10 اگست — چودھری محمد علی پک اک سے مستعفی ہو گئے

پاکستان کے سابق وزیراعظم چودھری محمد علی نے نظام اسلام پارٹی کی سرگرمیوں میں دوبارہ حصہ لینے کے لئے صنعتی قرضہ کی سرمایہ کاری کارپوریشن (پک اک) سے مستعفی ہو گئے۔ انہوں نے کارپوریشن کو بتایا کہ وہ تین ماہ کے اندر اندر الگ ہو جائیں گے۔

10 اگست — آل پاکستان مہاجر کنونشن کا اجراء

آل پاکستان مہاجر کنونشن کے اجراء کا اعلان کر دیا گیا۔

15-17 اگست — کوئٹہ میں بلوچ رہنماؤں کا استقبال اور ایوب خان کا ردعمل

قومی اور مغربی پاکستان اسمبلی میں بلوچ رہنماؤں نے بلوچی عوام کی جس طرح نمائندگی کی تھی، اس پر ان رہنماؤں کا کوئٹہ میں پرتپاک خیر مقدم کیا گیا۔ غوث بخش بزنجو کے مطابق، صدر ایوب، جو ان رہنماؤں کی اسمبلی تقریروں سے پہلے ہی بھرے بیٹھے تھے، اس استقبال پر مزید بھڑک اٹھے۔ گورنر مغربی پاکستان نے جو ان دنوں کوئٹہ میں ہی تھے، 17 اگست کو ایوب خان کی کوئٹہ آمد پر مزید بھڑکایا۔ چنانچہ صدر نے اپنے منصب کا خیال کئے بغیر سیاستدانوں کو دل کھول کر گالیاں اور علانیہ دھمکیاں دیں۔

18 اگست — تنخواہ اور سروسز کمیشن کی رپورٹ کا اجراء

تنخواہ اور سروسز کمیشن نے اپنی رپورٹ جاری کر دی۔ چیف جسٹس اے آر کار نیلیس کی سرکردگی میں گیارہ افراد پر مشتمل، یہ کمیشن اگست 1959ء میں قائم کیا گیا تھا۔ تین سال بعد کمیشن نے 478 صفحات پر مشتمل اپنی رپورٹ پیش کر دی۔ اس دوران کمیشن نے 153 اجلاس کئے اور اعلیٰ حکام سے بحث کے علاوہ ایک سو پچاس محکموں کے سربراہوں سے تبادلہ خیال کیا۔ کمیشن نے چھوٹے سرکاری ملازمین میں فوری اضافے کی سفارش کی، جو حکومت نے منظور کر لی۔ کمیشن نے تجویز کیا کہ سول سروس آف پاکستان کو ختم کر دیا جائے۔ رپورٹ میں کہا گیا کہ اختیارات کی یہ علامت (سی ایس پی) ایک آزاد معاشرے میں معاشرتی و اقتصادی ترقی اور حکومت کے خود مختار اداروں کے لئے قانونی اور اصولی اعتبار سے ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ کمیشن نے مواقع اور اختیارات کی مساوات کے لئے تجویز پیش کی کہ تمام پبلک سروسز کو سات صفوں میں تقسیم کیا جائے۔ سب سے اگلی صف میں ماہرین ہوں نہ کہ ہرفن مولیٰ لوگ۔ تجویز شدہ لائحہ عمل میں یہ بھی تھا کہ ان پبلک ملازمین کو باعزت اور معقول مستقبل دیا جائے جنہیں آج تک ان کے مقام سے دور رکھا گیا اور وہ حقوق نہیں دیئے گئے جن کے وہ مستحق تھے۔ ان میں ماہرین تعلیم، ڈاکٹر، انجینئر اور پی سی ایس سطح کے لوگ شامل کئے گئے۔

تفصیل کے لئے، اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں— کار نیلیس رپورٹ۔ ایک خلاصہ— اور "نوکر شاہی کی غلط روایات (کار نیلیس رپورٹ کا پس منظر)

19 اگست — سہروردی کی رہائی

حسین شہید سہروردی کو رہا کر دیا گیا۔ حکومت نے اعلان کیا کہ اسے اطمینان ہو گیا ہے کہ سہروردی اب کسی تخریبی سرگرمی میں حصہ نہیں لیں گے۔

خود سہروردی کے خاندان کے حوالے سے اس رہائی کی تفصیل انتہائی دلچسپ اور مضحکہ خیز تھی۔ ان کے مطابق 19 اگست کی سہ پہر کو وزیر خارجہ محمد علی بوگرہ نے سہروردی کے دو بچوں بیگم اختر سلیمان اور راشد سہروردی سے رابطہ کیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ ان سے فوری طور پر دفتر خارجہ میں ملیں۔ لندن میں زیر تعلیم راشد سہروردی حال ہی میں پاکستان پہنچے تھے۔ مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے محمد علی بوگرہ نے سہروردی کی گرفتاری کے بعد سے مشرقی پاکستان میں قدم رکھنے کی جرات نہیں کی تھی۔ کیونکہ انہیں اندیشہ تھا کہ مشرقی پاکستان کے عوام ان کا کالی جھنڈیوں اور مخالفانہ نعروں سے سواگت کریں گے۔ بیگم سلیمان اور راشد سہروردی کے وزیر خارجہ کی رہائش گاہ پر پہنچنے کے بعد جو کچھ ہوا وہ اس قدر مضحکہ خیز تھا کہ اس سے قطعاً" یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ ان واقعات سے قوم کی قسمت اور ایک بہت قد آور سیاسی شخصیت کی زندگی پر گہرے اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ بوگرا نے ہاٹ لائن پر راولپنڈی میں صدر ایوب سے رابطہ کیا اور ایوب نے اپنے تحکمانہ لہجے میں سہروردی کے بچوں کو مطلع کیا کہ وہ ان کے والد کو رہا کرنے پر تیار ہیں بشرطیکہ سہروردی یہ یقین دہانی کروا دیں کہ وہ آئندہ چھ ماہ تک مشرقی پاکستان کا دورہ نہیں کریں گے۔ وزیر خارجہ کی سرکاری گاڑی میں بیگم سلیمان اور راشد سہروردی کراچی جیل پہنچے اور اپنے والد کو صدر کا پیغام پہنچایا۔ سہروردی کا ردعمل قطعاً" غیر متوقع نہیں تھا۔ وہ کسی قسم کی شرط تسلیم کرنے پر رضامند نہیں تھے۔ ان لوگوں نے واپس وزیر خارجہ کی رہائش گاہ پر پہنچ کر ایوب خان سے رابطہ کیا اور انہیں اپنے والد کے ردعمل سے آگاہ کیا۔ ایوب خان نے کچھ نرم پڑتے ہوئے اس معیاد کو تین ماہ کر دیا۔ راشد اور بیگم سلیمان دوبارہ جیل پہنچے۔ وزیر خارجہ کا حفاظتی دستہ آگے آگے کراچی کی پر ہجوم سڑکوں پر راستہ صاف کرتا جا رہا تھا۔ جیل میں سہروردی کو ایوب کے رویے میں لچک کی اطلاع دی گئی "نہیں، بالکل نہیں۔ اسے بتا دو کہ میں

یہاں بالکل خوش و خرم ہوں اپنی بیس اور نظموں کی تدوین کر رہا ہوں اور کتابیں پڑھتا ہوں مجھے کوئی عجلت نہیں ہے"۔ بوگرہ کی رہائش گاہ پر پھر سے ٹیلی فون کیا گیا۔ صدر ایوب نے کہا "صرف ایک مہینہ۔ مجھے یقین ہے اسے ایک مہینے کی معیاد پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا"۔ کسی کو صدر کے لہجے پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ ایک بار پھر سے ٹریفک کے جنگل میں سے گزرتے ہوئے بیگم سلیمان اور راشد سہروردی جیل پہنچے اور نفی میں جواب لے کر واپس چلے آئے۔ ایوان صدر میں فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس بار صدر ایوب اس زور سے دھاڑے کی ٹیلی فون کے بغیر ہی ان کی آواز سنائی دے سکتی تھی۔ "دو ہفتے۔ دو ہفتے کی مدت پر تو اسے آمادہ ہو جانا چاہیے"۔ پولیس والے بھی اس بار بار کی آمدورفت سے گڑبڑا چکے تھے۔ بیگم سلیمان اور راشد نے سہروردی سے درخواست کی کہ وہ اس معیاد کو تسلیم کر لیں۔ راشد نے شرارت سے کہا "ابا" کم از کم آپ کو پٹرول کے زیاہ کا ہی خیال کرنا چاہیے"۔ ایوب کی نئی تجویز پر سہروردی نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔ صورت حال کے مہمل پن پر ہنستے ہنستے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آخر انہوں نے جواب دیا "اسے بتا دو کہ مجھے شرط منظور ہے۔ کیونکہ مجھے رہائی کے بعد طبی معائے کے لیے مہینہ بھر ہسپتال میں رہنا ہو گا۔ چنانچہ فیدیو کے طربیے کو شرمانے والے اس تماشے کے نتیجے میں ان کی سات ماہ پر محیط قید تنہائی اپنے اختتام کو پہنچی۔

21 اگست۔۔۔ اخبارات میرے بارے میں غلط بیانی نہ کریں: سہروردی

سابق وزیراعظم حسین شہید سہروردی نے اخبارات سے کہا کہ وہ ان کے بارے میں غلط اطلاعات نہ شائع کریں

22 اگست۔۔۔ ایوب خان کو بلوچ رہنماؤں کا جواب

17 اگست کو کوئٹہ میں ایوب خان کی تقریب کے جواب میں بلوچ رہنماؤں کو 18 اگست کو کراچی میں جلسہ کرنے کی کوشش کی لیکن جلسے کی اجازت نہ مل سکی۔ بلوچ رہنماؤں کا خیال تھا کہ اگر اسی لہجے میں ایوب خان کو جواب نہ دیا گیا تو ممکن ہے لوگوں پر ایوب خان کا دبدبہ بیٹھ جائے اور عوام کی بیداری کی اب تک کی کوششوں پر پانی پھر جائے۔ چنانچہ کوئٹہ میں دوسرے روز انہوں نے ایک جلسے میں ایوب خان کی باتوں اور گالیوں کا جواب اپنی قافیوں اور ردیفوں میں دیا جو ایوب خان نے بلوچ رہنماؤں کے لئے استعمال کئے تھے انہوں نے واضح کر دیا کہ قوم کو ایک شخص کا بنایا ہوا آئین منظور نہیں ہے۔ 22 اگست کو نیپ کے زیر اہتمام ایک جلسے میں سردار عطاءاللہ خان مینگل ایوب خان اور نئے آئین پر شدید تنقید کی۔

22 اگست۔۔۔ اکبر بگٹی گرفتار

نواب اکبر خان بگٹی گرفتار کرائے گئے

23 اگست۔۔۔ علامہ مشرقی کی نظربندی ختم

علامہ مشرقی، جنہیں مملکت کے خلاف سازش کے الزام میں 6 مئی 1962ء کو نظربند کر دیا تھا، ثبوت فراہم نہ ہونے پر 23 اگست کی شام 4 بجے سے، ان پر سے تمام پابندیاں اٹھالی گئیں۔

24-26 اگست۔۔۔ خاکسار تحریک خلاف قانون

سابق پاکستان مسلم لیگ کے صدر چوہدری خورشید خالد نے علامہ مشرقی کی علالت کے باعث خاکسار تحریک کے احیاء کی کوشش کی اور 24-26 اگست کو راولپنڈی میں ملک گیر کنونشن کے انعقاد کا اعلان کیا۔ ملک کے دونوں بازوؤں سے ہزاروں کی تعداد میں خاکسار راولپنڈی پہنچے لیکن اس کنونشن کو بند کر دیا گیا اور خاکسار تحریک خلاف قانون قرار دے دی گئی۔ حکومت مغربی پاکستان نے خاکساروں کو اپنی سرگرمیاں فوری طور پر بند کرنے کا حکم دیا۔ اس کنونشن کے لئے علامہ مشرقی نے اپنے تحریری بیان میں دہلی پر قبضہ کر کے تمام ہندوستان کو اپنی دسترس میں لینے کے عزم کا اعادہ کیا۔

پیغام کا مکمل متن۔ بعنوان "پہلی خاکسار کنونشن اور علامہ مشرقی کا پیغام" اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں۔

24 اگست۔۔۔ سردار بہادر خان سیاست سے کنارہ کش

ایوب خان کے بھائی اور حزب اختلاف کے ایک ممتاز رہنما سردار بہادر خان نے سیاست سے کنارہ کش ہونے کا اعلان کر دیا۔

26 اگست۔۔۔ فضل سبحان خند کر انتقال کر گئے۔

ممتاز سفارت کار فضل سبحان خند کر انتقال کر گئے۔

30 اگست۔۔۔ ایئرفورس کا طیارہ تباہ

پاکستان ایئرفورس کا ایک تربیتی طیارہ کراچی کے قریب گر کر تباہ اور عملے پر مشتمل دو افراد ہلاک ہو گئے۔

ستمبر 1962ء

3 ستمبر۔۔۔ مسجد کی تعمیر غیر قانونی قرار دے دی گئی

ٹوبہ ٹیک سنگھ میں احمدیوں کی مسجد کی تعمیر کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا

4 ستمبر۔۔۔ کراچی میں مسلم لیگرز کنونشن

صدر ایوب نے مسلم لیگ میں شمولیت کا فیصلہ کر لیا۔ اس غرض کے

لئے 4 ستمبر کو کراچی میں مسلم لیگ کا کنونشن منعقد ہوا جس میں اس کا نیا منشور منظور کیا گیا جو تقریباً لفظ بلفظ پہلے منشور کو دہراتا تھا۔ مسلم لیگ (جسے بعد میں کنونشن یا حکمران مسلم لیگ کا نام دیا گیا) کی قیادت میں وزراء' افسران' سندھ کے نئے وڈیرے اور کراچی کے پنجابی' مہاجر خاندانوں کے نمائندے شریک ہوئے۔

کنونشن کی تیاریوں میں حبیب اللہ خان اور ذوالفقار علی بھٹو پیش پیش تھے۔ اسے انہوں نے لیگ کنونشن کی بجائے لیگرز کنونشن کا نام دیا۔ کنونشن کی صدارت کے لئے راجہ صاحب محمود آباد' مولانا اکرم خان اور مولانا احتشام الحق تھانوی جیسی شخصیتوں سے رجوع کیا گیا لیکن ان سب نے انکار کر دیا۔ بالآخر چودھری خلیق الزمان کی صدارت کا فیصلہ کر لیا گیا۔ کنونشن کو غیر سرکاری دینے کے لئے وزراء کو اس سے دور رکھنے کا فیصلہ ہوا۔

4-5 ستمبر کو چودھری خلیق الزمان کی صدارت میں کنونشن کا انعقاد ہوا جس میں تقریباً آٹھ سو مندوبین نے شرکت کی۔ تاہم مسلم لیگ کے کونسلروں کی اکثریت اس کنونشن سے باہر رہی۔

7 ستمبر۔۔ عطااللہ مینگل گرفتار

22 اگست کو حکومت پر کڑی نکتہ چینی کی پاداش میں قومی اسمبلی کے رکن اور مینگل قبیلے کے سردار عطا اللہ مینگل کو گرفتار کر لیا گیا۔ غوث بخش بزنجو اور خیر بخش مری مشرقی پاکستان کے دورے پر ہونے کے باعث گرفتار نہ کئے جا سکے۔ تاہم مغربی پاکستان واپسی پر انہیں بھی کراچی کے ہوائی اڈے سے گرفتار کر لیا گیا۔

8 ستمبر۔۔ صدر ایوب لندن میں

صدر ایوب نے لندن میں برطانوی وزیراعظم میکملن سے اپنی ملاقات میں' یورپی مشترکہ منڈی میں پاکستان کی شمولیت کے بارے میں تبادلہ خیال کیا۔

11 ستمبر۔۔ فاطمہ جناح کا پیغام

قائداعظم کے یوم وفات کے موقع پر مس فاطمہ جناح نے اپنے پیغام میں عوام کو مشورہ دیا کہ وہ قومی مسائل و معاملات میں گہری دلچسپی لیں کیونکہ جمہوری نظام کے معنی ہی رائے عامہ کی بالادستی ہے

15 ستمبر۔۔ سندھ جمہوری کنونشن

سندھ جمہوری کنونشن' جس کا مقصد ایک جمہوری آئین کی تشکیل اور ون یونٹ کے خاتمے کے لئے جدوجہد کا لائحہ عمل طے کرنا تھا' نواب شاہ میں 15 ستمبر کو منعقد ہوا۔

16 ستمبر۔۔ چوہدری ظہور الٰہی پی پی ایل کے مینجنگ ڈائریکٹر مقرر ہو گئے

پی پی ایل کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کے اجلاس میں چوہدری ظہور الٰہی کو ادارے کا مینجنگ ڈائریکٹر بنا دیا گیا

16 ستمبر۔۔ سہروردی ڈھاکہ پہنچ گئے

جیل سے رہائی کے کچھ روز بعد سہروردی 16 ستمبر کو پہنچے۔ خیر مقدم کے لئے آنے والوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ ان کے طیارے کو ہوائی اڈے سے پون میل کے فاصلے پر رکنا پڑا۔ سہروردی نے عوام سے خطاب کرتے ہوئے انہیں تلقین کی کہ وہ متحد رہیں اور پاکستان میں بحالی جمہوریت کی تحریک میں ہراول دستے کا کردار ادا کریں۔

17-19 ستمبر۔۔ طلباء کے مظاہرے

ڈھاکہ شہر میں طلباء کی حمایت میں مکمل ہڑتال رہی۔ طلبا نے تعلیمی کمیشن کی رپورٹ کے خلاف زبردست مظاہرے کئے۔ حکومت کو فوج طلب کرنا پڑی۔ تعلیمی کمیشن کی رپورٹ میں بعض ایسی اصلاحات تجویز کی گئی تھیں جنہیں قبل از وقت اور ناقابل عمل ہونے کے باعث شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا' حکومت کی جانب سے رپورٹ میں کسی قسم کی ترمیم سے انکار کے نتیجے میں حکومت اور طلباء کے درمیان افسوسناک تصادم کی صورت پیدا ہو گئی۔ طلباء کی ہڑتال' مظاہرے اور ڈھاکہ میں فائرنگ کے المناک واقعات اسی صورت حال کا نتیجہ تھے۔ تین سالہ ڈگری کورس کے التواء کا مطالبہ طلباء کی شکایات میں سرفہرست تھا جسے اس وقت تسلیم کیا گیا جب طلباء کے ہنگامے قابو سے باہر ہو چکے تھے۔

یہی شکایات مغربی پاکستان خصوصاً کراچی کے طلباء کو بھی تھیں بارہ طلباء (جن میں معراج محمد خان' نواز بٹ' فتحیاب علی خان وغیرہ شامل تھے) کو کراچی بدر کر دیا گیا جس سے کراچی کے تعلیمی اداروں میں ہڑتالیں ہوئیں اور کئی طلباء نے بھوک ہڑتال کر دی۔

حکومت نے تین سالہ ڈگری کورس کے سلسلے میں طلباء کے مطالبے کو بالآخر مان لیا۔ مشرقی پاکستان کی حکومت نے اعلان کیا کہ طلبا پر فائرنگ کی تحقیقات کے لئے کمیشن قائم کیا جائے گا۔ طلباء نے 17 ستمبر کی فائرنگ کے خلاف 7 اکتوبر کو یوم احتجاج کے طور پر منانے کا اعلان کیا۔

18 ستمبر۔۔ میاں امین الدین کا انتقال ہو گیا

سابق گورنر سندھ و پنجاب میاں امین الدین' پینسٹھ برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ انہیں میانی صاحب (لاہور) میں دفن کیا گیا۔ وہ 1897ء میں

لاہور میں ہی پیدا ہوئے تھے۔

21 ستمبر۔۔۔پاکستان اور یورپی مشترکہ منڈی

لاہور چیمبر آف کامرس سے خطاب کرتے ہوئے مرکزی وزیر ذوالفقار علی بھٹو نے یورپی مشترکہ منڈی میں پاکستان کی شمولیت کے حوالے سے اظہار خیال کیا۔ انہوں نے کہا کہ حکومت یورپ کے ترقی یافتہ ممالک سے پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک کے لئے برتاؤ کی ضمانت حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔

خطاب کا مکمل متن اسی عنوان سے 'اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں

21 ستمبر۔۔۔سہروردی کا جلسہ ملتوی

حسین شہید سہروردی موسم کی خرابی کے باعث جلسہ عام سے خطاب نہ کر سکے۔ اسی روز مغربی پاکستان روانگی سے قبل انہوں نے ایک طویل بیان جاری کیا جس میں انہوں نے جمہوری آئین کے مطالبے کو پورے ملک کا مطالبہ قرار دیا۔ انہوں نے مشرقی پاکستان کے سیلاب زدگان کی بربادی پر افسوس اور حکومت کی غلط پالیسیوں پر نکتہ چینی کی مشرقی پاکستان کی محرومیوں کا تفصیلی ذکر کرنے کے بعد 17 ستمبر کو طلباء پر ہونے والی فائرنگ پر سخت تنقید کی۔ انہوں نے کہا کہ کسی قسم کی بدامنی شروع ہونے سے پہلے ہی فوج اور ایسٹ پاکستان رائفلز کو سڑکوں پر لانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ سابق وزیر اعظم نے سیاسی نظربندوں کی رہائی کا مطالبہ بھی کیا۔

بیان کا مکمل متن۔۔۔ جمہوری دستور۔۔۔ اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں۔

24 ستمبر۔۔۔مشرقی پاکستان میں طلباء کی ہڑتال ختم

مشرقی پاکستان کے طلبا نے سیلابوں کی صورت حال کے باعث 24 ستمبر سے اپنی ہڑتال ختم کر کے پر امن طور پر اپنے مطالبات منوانے کا فیصلہ کیا۔

24 ستمبر۔۔۔بزنجو گرفتار

بلوچ رہنما غوث بخش بزنجو حکومت کے خلاف 22 اگست کے جلسے کی پاداش میں گرفتار کر لئے گئے

24 ستمبر۔۔۔سی۔ای۔ گبن انتقال کر گئے

پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے سابق ڈپٹی صدر سی۔ ای۔ گبن لندن میں انتقال کر گئے۔

25 ستمبر۔۔۔لاہور میں سہروردی کے جلسے میں گڑبڑ

نیشنل ڈیموکریٹک فرنٹ (این ڈی ایف) کی تشکیل سے قبل مغربی پاکستان کے عوام کے سامنے اپنا نقطہ نظر واضح کرنے کی غرض سے سہروردی نے عوامی جلسوں کا پروگرام بنایا۔ 25 ستمبر کو موچی باغ لاہور میں جلسہ رکھا گیا جہاں کنونشن لیگ اور حکومت نے گڑبڑ کروا کے جلسہ درہم برہم کر دیا۔ تاہم سہروردی نے اپنی تقریر میں بنیادی حقوق کی بحالی اور سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔

28 ستمبر۔۔۔گوجرانوالہ میں بھی گڑبڑ

لاہور کے ناکام جلسے کے بعد' 28 ستمبر کو سہروردی کو گوجرانوالہ میں خطاب کرنا تھا لیکن حکومت نے عین وقت پر دفعہ 144 نافذ کر دی۔ اس کے باوجود گوجرانوالہ کے شہریوں نے ان کے اعزاز میں اسی روز ایک استقبالیہ کا اہتمام کر لیا جہاں ہونے والے ہنگامے اور فائرنگ میں ایک کارکن چراغ خان زخمی ہو گیا۔ سہروردی کے حامیوں خصوصاً" مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے سیاسی کارکنوں نے الزام لگایا کہ ان کے رہنما کو قتل کرنے کی سازش کی گئی تھی۔

28 ستمبر۔۔۔این ڈی ایف کے جلسوں کا پروگرام

گوجرانوالہ کے حادثے کے بعد قومی جمہوری محاذ (این ڈی ایف) کے جلسوں کا پروگرام' مغربی پاکستان کی حد تک منسوخ کر دیا گیا۔

29 ستمبر۔۔۔ قومی جمہوری محاذ ملکی سالمیت کے خلاف ہے: ایوب خان

صدر ایوب خان نے اپنے ایک بیان میں الزام لگایا کہ قومی محاذ کا مقصد ملکی سالمیت اور قومی مفاد کو نقصان پہنچانا ہے۔

اکتوبر 1962ء

4 اکتوبر۔۔۔قومی جمہوری محاذ کی تشکیل

قومی جمہوری محاذ (این ڈی ایف) کی تشکیل کا اعلان کر دیا گیا۔ یہ اعلان حسین شہید سہروردی نے کیا۔ انہوں نے پچپن تائید کنندگان کے ناموں کا بھی اعلان کیا جن میں جماعت اسلامی کے مولانا مودودی' مولانا طفیل محمد اور چوہدری علام محمد' عوامی لیگ کے نوابزادہ نصر اللہ' عطا الرحمان خان اور شیخ مجیب الرحمان' نیشنل عوامی پارٹی (نیپ) کے محمود علی' محمود الحق عثمانی' حیدر بخش جتوئی اور خیر بخش مری' کونسل مسلم لیگ کے میاں ممتاز دولتانہ' سردار بہادر خان' محمد یوسف خٹک' زیڈ ایچ لاری اور ابو القاسم' کرشک سرامک پارٹی کے محمد سلیمان' سید عزیز الحق اور یوسف علی چوہدری اور ریپبلیکن پارٹی

کے کرنل عابد حسین جیسے ممتاز سیاستدانوں کے نام شامل تھے- ایبڈو زدہ سیاستدانوں کو ساتھ رکھنے کی غرض سے اسے تحریک جماعت کی بجائے ایک تحریک کا نام دیا گیا- تاہم اس کی قیادت اور تنظیمی ڈھانچے کا فیصلہ 1962ء کے اواخر میں منعقد ہونے والے ایک کنونشن میں کیا جانا تھا جس کا اعلان مولانا مودودی نے کیا-

7 اکتوبر--- عوام سے متحد ہونے کی اپیل

حسین شہید سہروردی نے عوام سے اپیل کی کہ وہ جمہوری آئین اور جمہوری حکومت کے قیام کے لئے متحد ہو جائیں-

8 اکتوبر--- طلباء کا یوم احتجاج

کراچی کے تمام کالجوں میں یوم احتجاج منایا گیا

9 اکتوبر--- الجزائر کی اقوام متحدہ میں شمولیت پر پاکستان کا خیر مقدم

وزیر خارجہ پاکستان جناب محمد علی بوگرہ نے الجزائر کو اقوام متحدہ کی رکنیت ملنے کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا کہ اپنی آزادی کی جدوجہد کرنے والوں کے لئے الجزائر کا نام انسان کی ناقابل تسخیر جرات اور بے مثال جذبے کی علامت کے طور پر ہمیشہ زندہ رہے گا-

10 اکتوبر--- پنجاب یونیورسٹی نے سہ سالہ کورس ختم کرنے کا اعلان کر دیا

طلباء کے مطالبے پر پنجاب یونیورسٹی نے بھی تین سالہ ڈگری کورس ختم کرنے کا اعلان کر دیا-

15-21 اکتوبر--- تنکو عبدالرحمان کا دورہ پاکستان

ملایا کے وزیراعظم تنکو عبدالرحمان اپنے سرکاری دورے پر لاہور پہنچ گئے- انہوں نے کہا کہ پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جو اسلام کے روحانی فیضان سے وجود میں آیا- انہوں نے کہا کہ عالمی امن کے فروغ کے لئے مسلمان ملکوں کے درمیان قریبی تعاون کی ضرورت ہے- تنکو عبدالرحمان 21 اکتوبر کو اپنا دورہ مکمل کر کے کلکتہ روانہ ہو گئے-

22 اکتوبر--- فوجی عدالتوں سے سزاؤں کا آرڈیننس •

صدر ایوب نے ایک آرڈیننس جاری کر کے بری فوج کے کمانڈر انچیف کو یہ اختیار دیا کہ مارشل لاء دور کی فوجی عدالتوں کی سزاؤں کو وہ معاف یا کم کر سکتے ہیں-

25-28 اکتوبر--- غلام فاروق گورنر مشرق پاکستان کے عہدے سے مستعفی ہو گئے

مشرقی پاکستان کے گورنر غلام فاروق نے اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا- 28 اکتوبر کو ان کا استعفیٰ منظور کر لیا گیا- اعلان کیا گیا کہ نئے گورنر عبدالمنعم خان ہوں گے- نئے گورنر کا نام کس طرح سامنے آیا اس کی دلچسپ تفصیل قدرت اللہ شہاب یوں بیان کرتے ہیں:

ایک روز راولپنڈی کے ایوان صدر میں کابینہ کی میٹنگ تھی- میٹنگ ختم ہوتے ہی صدر ایوب نے مجھے حکم دیا کہ میں تین بنگالی وزیروں خان عبدالصبور خان، فضل قادر چوہدری اور عبدالمنعم خاں کے ساتھ شیخ منظور قادر اور ذوالفقار علی بھٹو کو ساتھ لے کر ان کے کمرے میں آؤں- ہم لوگ ان کے کمرے میں پہنچے تو صدر نے کہا- "میں نے آپ لوگوں کے ساتھ ایک ضروری مشورہ کرنا ہے- غلام فاروق کی جگہ اب مجھے مشرقی پاکستان کے لئے ایک نئے گورنر کی تلاش ہے- میرا خیال ہے کہ یہ موقع اب کسی مشرقی پاکستانی کو ملنا چاہیے- اب بتائیے کہ وہاں کا گورنر کون ہو؟

یہ سنتے ہی بنگالی وزیروں کے چہروں پر حسرت والتجا، خوشامد در آمد الحاح و زاری، ارمان و امنگ کی رنگ برنگ تختیاں کھٹاک سے ثبت ہو گئیں- جن پر جلی حروف میں لکھا ہوا تھا- "جناب صدر، اس خاکسار میں کیا کمی ہے؟"-

چند لمحے سناٹا رہا- پھر کمرے میں صدر ایوب کی آواز گونجی- "میں بتاتا ہوں مشرقی پاکستان کا نیا گورنر کون ہو گا"-

گورنری کا طوق اپنی اپنی گردن میں ڈلوانے کے لئے تینوں بنگالی وزیر عقیدت واحترام سے سر جھکا کر بیٹھ گئے-

"عبدالمنعم خاں" صدر ایوب نے نئے گورنر کے نام کا اعلان کیا-

اچانک عبدالمنعم خاں کی کرسی سے کراہنے کی سی آواز آئی- دراصل یہ شادی مرگ کے آثار نہ تھے، بلکہ دوسرے بنگالی وزیروں کی آنکھوں سے دونالی بندوق کی آتش حسد کے شعلے چھروں کی طرح نکل نکل کر ان کے تن بدن کو چھلنی کر رہے تھے- ہم نے سہارا دے کر عبدالمنعم خاں کو کرسی سے اٹھایا- باہر آ کر وہ کمر پر ہاتھ رکھے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے اپنی کار کی طرف روانہ ہو گئے- ایک بنگالی وزیر نے ہمیں مخاطب کر کے کہا- "دیکھو یہ سالا ابھی پوری طرح گورنر تو بنا نہیں، لیکن حرامی کی چال میں ابھی سے گورنری کا رنگ ڈھنگ آ گیا ہے"-

27 اکتوبر--- مسلم لیگ کونسل کا خصوصی اجلاس

ڈھاکہ میں کونسل مسلم لیگ کے خصوصی اجلاس (منعقدہ 27-28 اکتوبر 1962) میں خواجہ ناظم الدین کو پارٹی کا صدر اور سردار بہادر خان کو جنرل سیکرٹری چن لیا گیا-

20 اگست کو سردار بہادر خان کی صدارت میں ایک پانچ رکنی سب کمیٹی تشکیل دی گئی تھی تاکہ پاکستان مسلم لیگ کونسل کا اجلاس بلایا جاسکے۔ سب کمیٹی کے ارکان اور ممتاز مسلم لیگیوں کی ایک ماہ کی بحثوں کے بعد پچھتر کونسلوں کے دستخطوں سے سابق سینئر جوائنٹ سیکرٹری ابو القاسم کے نام نوٹس جاری کیا گیا کہ اگر انہوں نے لیگ کونسل کا اجلاس نہ بلایا تو وہ 27 اکتوبر کو ڈھاکہ میں یہ اجلاس خود طلب کرلیں گے۔ اس ضمن میں 360 کونسلروں (دونوں صوبوں سے 180' 180) کو اجلاس میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ کونسلروں کی اکثریت کو خان عبدالقیوم خان کی نظربندی پر سخت تشویش تھی۔ کیونکہ 1958ء میں وہی پاکستان مسلم لیگ کے صدر تھے لیکن اجلاس سے چند روز قبل وہ معافی مانگ کر رہا ہو گئے۔ وہ اجلاس میں شرکت کے قابل بھی نہ تھے کیونکہ ڈاکٹروں نے انہیں "مکمل آرام" کا مشورہ دیا تھا۔ اب نئے صدر کے لئے نظر انتخاب خواجہ ناظم الدین پر پڑی جو 1953ء میں غلام محمد کے ہاتھوں اپنی برطرفی کے بعد سے سیاسی زندگی سے تقریباً" کٹ چکے تھے۔ ان کے ساتھ سردار بہادر خان کو پارٹی کا جنرل سیکرٹری چن لیا گیا۔

28 اکتوبر --- کیوبا کی ناکہ بندی کے خلاف کراچی میں مظاہرہ

کیوبا کی ناکہ بندی کے خلاف کراچی میں زبردست مظاہرہ ہوا۔

28 اکتوبر --- سکندر علی بھٹو کا انتقال

ذوالفقار علی بھٹو کے بھائی سکندر علی بھٹو انتقال کر گئے۔

28 اکتوبر

صدر کینیڈی نے صدر ایوب کے نام ایک خط میں اس صورت حال پر تشویش ظاہر کی جو چین اور بھارت کی لڑائی سے پیدا ہو گئی تھی۔ انہوں نے مطلع کیا کہ امریکہ ہندوستان کی فوری ضرورتوں کے لئے اپنی مقدور بھر مدد دینا چاہتا ہے اور اس بات کا ضرور اطمینان کرلے گا کہ وہ ہندوستان کو جو کچھ بھی مدد دے گا' اسے صرف چینیوں کے خلاف استعمال کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا پاکستان اس وقت ایسی پوزیشن میں ہے کہ ایوب خان مسٹر نہرو کو ایک نجی پیغام کے ذریعے یہ اطمینان دلا دیں کہ پاکستان اپنی سرحدوں پر کوئی ایسی کارروائی نہیں کرے گا جس سے ہندوستان کو تشویش لاحق ہو۔ کینیڈی نے یقین دلایا کہ اس سے آگے چل کر پاکستان اور ہندوستان کے باہمی جھگڑوں کے مناسب تصفیے میں جو مدد ملے گی وہ کسی اور بات سے نہیں مل سکتی۔

31 اکتوبر

نیویارک ٹائمز نے انکشاف کیا کہ صدر کینیڈی نے ایوب خان کے ساتھ ساتھ نہرو کو بھی ایک خط لکھا تھا۔ جس کے مطابق واشنگٹن میں امید ظاہر کی جا رہی تھی کہ مارشل ایوب کی حکومت ہندوستان کو اعلیٰ فوجی امداد کی غرض وغایت کو سمجھ جائے گی۔

نومبر 1962ء

2 نومبر --- بھارت کو امریکی امداد

صدر کینیڈی نے ایک بیان میں کہا کہ "ہندوستان کو فوجی امداد دیتے وقت ہمیں پاکستان کے ساتھ اپنے اتحاد کا پورا پورا خیال ہے۔ ہماری اس امداد کا مقصد محض چینی کیمونسٹوں کی تخریبی کارروائی کو شکست دینا ہے ہماری اس امداد سے جو ہندوستان کو دی جارہی ہے' نہ تو پاکستان کے ساتھ ہمارے معاہدوں کی اہمیت کم ہوتی ہے اور نہ اس میں کسی قسم کا فرق آتا ہے۔ ہم نے یہ امر دونوں حکومتوں پر واضح کر دیا ہے"۔

6 نومبر --- خان قلات کی اپنے عہدے پر بحالی

حکومت نے معزول خان قلات میر احمد یار خان کو ان کے عہدے پر بحال کر دیا۔ وہ 6 اکتوبر 1958ء سے جیل میں تھے۔ اسی روز انہیں رہا کر کے خان اعظم کے منصب پر بحال کر دیا گیا۔ کوئٹہ اور بلوچستان کے دیگر علاقوں میں ان کا زبردست استقبال کیا گیا۔

10 نومبر --- پاک چین حد بندی

پاکستان کے وزیر خارجہ نے ایک بیان میں کہا کہ پاک چین حد بندی کے مسئلے پر دونوں ملکوں میں کوئی اختلاف رائے نہیں ہے۔

15-16 نومبر --- ایم آر کیانی

مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے سابق چیف جسٹس عدلیہ کے ذریعے جمہوریت کے علمبردار اور عظیم سماجی طنز نگار ایم آر کیانی کا چٹا گانگ میں انتقال ہو گیا۔ ان کے جسد خاکی کو مغربی پاکستان لایا گیا۔ جہاں 16 نومبر کو ان کے آبائی گاؤں میں انہیں دفن کر دیا گیا۔

20 نومبر --- پاکستان سے خوشگوار تعلقات کی خواہش

بھارتی وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو نے پاکستان سے خوشگوار اور دوستانہ تعلقات کی خواہش کا اظہار کیا۔

21 نومبر --- پہلے مسئلہ کشمیر حل کریں: ایوب

پنڈت نہرو کے بیان کے جواب میں صدر ایوب نے کہا کہ مسئلہ کشمیر کے حل کے بغیر' ہندوستان سے خوشگوار اور دوستانہ تعلقات کا سوال ہی پیدا

نہیں ہوتا۔

23 نومبر ۔۔ پاکستان فوجی معاہدوں سے الگ ہو جائے

قومی اسمبلی کے ہنگامی اجلاس میں ہندوستان اور چین کے تنازعہ کی روشنی میں اراکین نے اس رائے کا اظہار کیا کہ پاکستان کو مغرب کے ساتھ اپنے فوجی معاہدوں سے نکل جانا چاہیے۔

25 نومبر ۔۔ پاک پیپلز پارٹی

قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کے گروپوں کی ایک مخلوط جماعت تشکیل دی گئی جس کا نام پاک پیپلز پارٹی رکھا گیا۔

26-28 نومبر ۔۔ قومی اسمبلی میں بوگرہ پر تنقید

قومی اسمبلی کے اجلاس میں وزیر خارجہ محمد علی بوگرہ کی پالیسیوں پر سخت نکتہ چینی کی گئی۔ بعض اراکین نے یہاں تک کہا کہ مسئلہ کشمیر حل نہ ہونے اور پاکستان کو سیاسی طور پر مغربی ممالک کا غلام بنانے میں ان کا زیادہ ہاتھ ہے۔ حزب اختلاف کے ارکان نے حکومت پر زور دیا کہ وہ آزاد خارجہ پالیسی اپنائے۔

29 نومبر

ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں نے ایک مشترکہ بیان جاری کیا جس میں صدر ایوب اور وزیراعظم نہرو نے اس امر پر اتفاق کیا کہ دونوں ملکوں کے درمیان کشمیر اور دوسرے متعلقہ معاملات میں جو بڑے بڑے اختلافات موجود ہیں ان کے تصفیے کی ازسرنو کوشش کی جائے۔ تاکہ دونوں ملک ایک دوسرے کے ساتھ امن اور دوستی سے رہ سکیں۔ دونوں سربراہوں نے وزارتی سطح پر فوری مذاکرات شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔

دسمبر 1962ء

4 دسمبر ۔۔ پاک چین تعلقات

قدرتی وسائل کے وزیر ذوالفقار علی بھٹو نے اعلان کیا کہ پاکستان چین کے ساتھ جنگ نہ کرنے کے موقف پر سختی سے قائم رہے گا انہوں نے کہا کہ مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں تکلیف دہ تعطل ٹوٹ گیا ہے۔

9 دسمبر ۔۔ خان قیوم کی زبان بندی

اعلان کیا گیا کہ خان قیوم کی زبان بندی ختم کرنے کے لئے قرارداد پیش کی جائے۔ یہ زبان بندی ان کی رہائی کے بعد لاگو کی گئی تھی۔ اسے کئی سیاسی حلقوں میں غیر ضروری قرار دیا گیا کیونکہ خان قیوم نے رہائی سے پہلے یقین دہانی کرادی تھی کہ وہ نہ قانون شکنی کے مرتکب ہوں گے اور نہ اس کی حدود سے تجاوز کریں گے۔ نظر بندی بورڈ کے رکن سجاد احمد جان نے مشورہ دیا کہ جہاں تک قابل اعتراض تقریروں یا سیاسی سرگرمیوں کا تعلق ہے، قوانین موجود ہیں اور خان قیوم کے خلاف اگر مذکورہ نوعیت کے الزامات سامنے آئے تو قانونی چارہ جوئی کی جاسکتی ہے۔ اس لئے زبان بندی بے سبب اور غیر مناسب معلوم ہوتی ہے۔

12 دسمبر ۔۔ فرنٹیئر کرائمز ریگولیشنز کی تنسیخ کا بل مسترد

فرنٹیئر کرائمز ریگولیشنز کی تنسیخ کا غیر سرکاری بل مسترد کر دیا گیا۔

15 دسمبر ۔۔ موجودہ آئین غیر آئینی ہے: ناظم الدین

کونسل مسلم لیگ کے صدر خواجہ ناظم الدین نے ایک بیان میں کہا کہ 1962ء کا آئین غیر آئینی ہے۔

16 دسمبر ۔۔ کل جماعتی کشمیر کانفرنس

چودھری غلام عباس نے 17 دسمبر 1962ء کو لاہور میں ایک کل جماعتی کشمیر کانفرنس طلب کی جس میں پاکستان کی تمام سیاسی اور مذہبی جماعتوں نے شرکت کی۔ مشرقی پاکستان کے شرکاء میں خواجہ ناظم الدین، حسین شہید سہروردی، حمید الحق چودھری، نور الامین، عطاالرحمان، ظہیر الدین لال میاں، مولانا بھاشانی، شیخ مجیب الرحمان، محمود علی، فضل الرحمان، ظفر احمد انصاری، شاہ عزیز الرحمان، مولانا راغب احسن، پروفیسر غلام اعظم اور ابو الہاشم خان، جبکہ مغربی پاکستان کے شرکاء میں خان عبدالقیوم خان، سید ابو الاعلیٰ مودودی، چودھری محمد علی، چوہدری خلیق الزمان، زیڈ ایچ لاری، نواب افتخار حسین ممدوٹ، میاں ممتاز دولتانہ، ایوب کھوڑو، قاضی فضل اللہ، چوہدری نذیر احمد، مولانا مفتی محمود، مفتی محمد شفیع، مولانا داؤد غزنوی، پیر صاحب زکوڑی، مولانا عبدالحامد خان بدایوانی، راجہ غضنفر علی خان، سردار شوکت حیات، میاں مشتاق احمد گورمانی، بیگم شاہنواز، میاں امیر الدین، محمود علی قصوری، قاضی عیسیٰ، سردار رشید، کرنل عابد حسین، محمد حسین چٹھہ، راجہ حسن اختر، نوابزادہ نصر اللہ، چودھری ظہور الٰہی، عبدالستار خان نیازی، مولانا طفیل محمد، یوسف ہارون، محمود الحق عثمانی، چوہدری فضل الٰہی، خواجہ عبدالرحیم، چوہدری افضل چیمہ خواجہ محمد صفدر اور دیگر متعدد زعماء جبکہ خود کشمیری رہنماؤں میں سردار قیوم، سردار ابراہیم اے آر ساغر اور کرنل شیر احمد جیسے زعماء کے نام شامل تھے۔

قرارداد کا متن اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں۔

21 دسمبر ۔۔ پنڈت نہرو اکھنڈ بھارت بنانا چاہتے ہیں

کونسل مسلم لیگ کے صدر خواجہ ناظم الدین نے کہا کہ بھارتی وزیراعظم پنڈت نہرو' پاکستان کے وجود کو مٹا کر اکھنڈ بھارت بنانا چاہتے ہیں۔

22 دسمبر ۔۔۔ قصوری کی امریکہ پر تنقید

میاں محمود علی قصوری نے ایک بیان میں کہا کہ امریکہ چاہتا ہے کہ پاکستان کا شیرازہ بکھر جائے۔

26-27 دسمبر ۔۔۔ کشمیر پر پاک بھارت مذاکرات

راولپنڈی میں پاکستان اور بھارت کے درمیان مسئلہ کشمیر پر غیر رسمی مذاکرات کا آغاز ہو گیا۔ اس ضمن میں صدر ایوب کو امریکی صدر کینیڈی کا ایک مراسلہ موصول ہوا تھا۔ لیکن بات چیت میں دوسرے ہی روز تعطل پیدا ہو گیا۔ پاکستانی وفد کا خیال تھا کہ اگر بھارت کشمیر کو اپنا حصہ قرار دیتا رہا تو بات چیت آگے نہیں بڑھ سکے گی۔ طے پایا کہ بات چیت کا اگلا دور 16 اور 17 جنوری کو نئی دہلی میں ہو گا۔ بھٹو نے دہلی مذاکرات کی دعوت منظور کر لی۔

جنوری 1963ء

یکم جنوری ۔۔۔ خان قلات سیاست سے دستبردار

خان قلات میر احمد یار خان نے عملی سیاست سے دستبردار ہونے کا اعلان کر دیا۔

2 جنوری ۔۔۔ امریکہ کا تربیلا کی مدد سے انکار

امریکہ نے تربیلا کی تعمیر کے سلسلے میں مدد دینے سے انکار کر دیا۔

2 جنوری ۔۔۔ صدر ایوب بنام صدر کینیڈی

صدر ایوب نے صدر کینیڈی کے نام ایک مکتوب میں کہا کہ کشمیر کا فوری اور منصفانہ تصفیہ ہی اس بات کی ضمانت دے سکتا ہے کہ ہندوستان کو دی جانے والی بڑھتی ہوئی فوجی امداد آئندہ پاکستان کے خلاف استعمال نہیں کی جائے گی۔

4 جنوری ۔۔۔ صنوبر حسین مہمند کا انتقال

جنگ آزادی کے مجاہد' ممتاز سیاسی رہنما' ادیب اور صحافی صنوبر حسین کاکا اپنے گاؤں گگہ ولہ میں وفات پا گئے۔ وہ 1897ء میں پیدا ہوئے تھے۔ میٹرک کے بعد تدریس کا پیشہ اختیار کیا۔ 1926ء میں زمیندار انجمن اور پھر بھارت نوجوان سبھا کو منظم کیا۔ 1930ء میں پہلی بار گرفتار ہوئے۔ 1931ء میں رہائی کے بعد پشاور سے ہفت روزہ "سیلاب" کے ذریعے پورے صوبے میں آگ لگا دی۔ سیلاب کا ڈکلریشن منسوخ کر دیا گیا۔ اور ان کے وارنٹ جاری ہو گئے۔ ساتھیوں کے مشورے سے صنوبر کاکا آزاد قبائل کے علاقے میں چلے گئے جہاں انہوں نے حاجی صاحب ترنگزئی کی قیادت میں برسوں تک انگریز سامراج کے خلاف برسر پیکار رہے۔ قیام پاکستان کے بعد ادبی جریدے "مسلم" کا اجراء کیا۔ پشتون ادیبوں کی عوامی ادبی تنظیم قائم کی۔ 1952ء میں سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لئے گئے۔ ڈیڑھ سال بعد رہا ہوئے تو "مسلم" کا ڈکلریشن منسوخ ہو چکا تھا۔ انہیں بعد میں بھی دو مرتبہ نظربند کیا گیا۔ زندگی کے آخری ایام میں ایک روزنامہ سے وابستہ رہے۔

5 جنوری ۔۔۔ پاک' چین تجارتی معاہدہ

پاکستان اور چین کے درمیان پہلے تجارتی سمجھوتے پر دستخط ہو گئے۔ دونوں ملکوں نے اپنی اپنی ضرورتوں کا اور ترقی پذیر معیشت کے مطالبات کا پورا پورا خیال رکھا۔ چین جو پہلے پاکستان سے صرف خام مال خرید تا تھا اب اس نے پٹ سن کی مصنوعات' کھیل کا سامان' جراحی کا سامان' اخباری کاغذ اور سوتی کپڑا خریدنے کا اعلان بھی کیا۔ معاہدے کے تحت مال کے بدلے مال کی بنیاد پر پاکستان چین سے فولاد اور مشینیں خریدے گا

6 جنوری ۔۔۔ ایبڈو کے سلسلے میں دو نئے آرڈیننس

صدر ایوب نے 6 جنوری کو دو نئے آرڈیننس جاری کئے جن کی رو سے ایبڈو زدہ سیاستدانوں پر پابندی عائد کی گئی کہ وہ کسی بھی شکل میں سیاسی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لے سکتے۔ خلاف ورزی کی صورت میں انہیں دو سال قید یا جرمانہ یا پھر بیک وقت دونوں سزائیں دی جا سکتی ہیں۔ علاوہ ازیں صدر نے کسی سیاستدان پر پابندی کی میعاد کم کرنے' مکمل طور پر ختم کرنے یا اس میں چھ ماہ تک توسیع کرنے کے اختیارات بھی حاصل کر لئے۔

اس پر سہروردی صاحب نے ہسپتال سے ایک بیان دیا جس میں انہوں نے کہا کہ صدر ایوب کو معلوم ہونا چاہیے کہ ابھی اس ملک میں ایسے باہمت افراد ہیں جو اپنے ضمیر کی آواز بلند کرنے کے لئے ایسی پابندیوں کو کبھی خاطر میں نہیں لائیں گے۔ اس بیان کی اشاعت کے بعد کرنل عابد حسین' ایوب کھوڑو اور نوابزادہ نصراللہ ہسپتال میں گئے۔ کھوڑو نے سہروردی صاحب سے کہا: "ہمیں آپ کی صحت بے حد عزیز ہے آپ کم از کم اس حالت میں تو ایسے بیانات نہ دیں۔ ہو سکتا ہے یہیں سے اسٹریچر پر ڈال کر آپ کو جیل پہنچا دیا جائے"۔ تو سہروردی صاحب بولے "اس آمرانہ ماحول میں باہر رہنے کی بجائے جیل میں مرنا پسند کروں گا۔ میرے لئے ایسے آمرانہ اقدامات ناقابل برداشت ہیں...."۔

7 جنوری --- منگلا میں دھماکہ سے آٹھ مزدور ہلاک

قلعہ منگلا میں دھماکہ سے آٹھ مزدور موقع پر ہی ہلاک ہو گئے۔ واپڈا نے اس بارے میں وضاحت کی کہ متذکرہ قلعہ سکھوں کے زمانے سے اب تک ویران پڑا تھا اور اس کی مٹی میں بارود ملا ہوا ہے۔ کچھ عرصہ قبل' اس پہاڑی کو جس پر قلعہ واقع ہے۔ مشینوں سے کھود کر ہموار کر دیا گیا لیکن بارود مٹی میں موجود تھا اور محض اتفاق سے مزدور بلا اجازت قلعہ تک پہنچ گئے قیاس غالب ہے کہ ان میں سے کسی نے سلگتا ہوا سگریٹ پھینک دیا جس سے بارود بھڑک اٹھا۔ اس وضاحت پر بعض تبصرہ نگاروں کا سوال تھا کہ قلعہ منگلا کے گرد و نواح کی مٹی میں بارود اگر اتنی بڑی مقدار میں موجود تھا کہ معمولی تحریک سے بھڑک اٹھتا تو علاقے کو بارود سے پاک کرنے کی کوشش کیوں نہ کی گئی٥ اگر صفائی ممکن نہ تھی تو لوگوں کو متذکرہ علاقے میں خطرے سے باخبر رکھنے کے لئے کیا کیا گیا٥ کیا یہاں کانٹے دار تار لگائے گئے یا چوکیدار مقرر کئے گئے تاکہ آنے جانے والوں پر نگاہ رکھ سکیں٥

11 جنوری --- پاکستان' آزاد دنیا کا بہترین محافظ

امریکی سینٹ کی مسلح افواج کی کمیٹی کے چیرمین نے کہا کہ اگر صدر کینیڈی اپنی غیر موزوں خارجہ پالیسی پر اور کچھ عرصہ عمل کرتے رہے تو ایشیا میں امریکہ کا کوئی دوست نہیں رہے گا۔ انہوں نے کمیٹی کے اجلاس میں بتایا کہ پاکستان لنکا اور اردن میں امریکہ کے خلاف جذبات نے شدت اختیار کر لی ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان جو سیٹو اور سینٹو میں امریکہ کا قابل اعتماد حلیف تھا' اب امریکہ سے مایوس ہو کر چین کی جانب راغب ہوتا جا رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ کی رائے عامہ کی اکثریت اب بھی اس بات پر اعتماد رکھتی ہے کہ ایشیا میں صرف پاکستان ہی ایک ایسا ملک ہے جو آزاد دنیا کے دفاع میں کچھ مدد دے سکتا ہے۔ کیونکہ تاریخی اور جغرافیائی لحاظ سے یہ قوم ایشیا کی تمام قوموں سے آگے بڑھی ہوئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ گذشتہ سولہ سال سے پاکستان نامساعد حالات کے باوجود اپنا وجود قائم رکھنے میں کامیاب رہا ہے اور اب وہ تن تنہا اپنی سالمیت کی بخوبی حفاظت کر سکتا ہے۔

11 جنوری --- برطانوی فوجی مبصر کی حق گوئی

راولپنڈی میں ڈیلی ٹیلیگراف کے فوجی نامہ نگار بریگیڈیر ایف کے تھامپسن نے خدشہ ظاہر کیا کہ برطانیہ اور امریکہ ہندوستان کو جو فوجی مدد دے رہے ہیں' وہ پاکستان کے خلاف استعمال ہو سکتی ہے۔ بریگیڈیر تھامپسن نے کہا کہ برطانیہ اور امریکہ اگرچہ پاکستان کو یقین دلاتے ہیں کہ ہندوستان کو دی جانے والی فوجی امداد صرف چینی حملے کے خلاف استعمال کی جائے گی لیکن ہندوستان اپنی فوج کی تعداد اور سامان کی فوقیت کے نشے میں سرشار یہ فوجی امداد پاکستان کے خلاف استعمال کر گزرے گا اور اس وقت برطانیہ اور امریکہ کوئی موثر کارروائی نہیں کر سکیں گے۔ بریگیڈیر تھامپسن نے کہا کہ برطانیہ یا امریکہ کی بڑی سے بڑی یقین دہانی مسئلہ کشمیر کے تصفیہ کا نعم البدل نہیں ہو سکتی۔ ڈیلی ٹیلیگراف کے نامہ نگار کو یقین تھا کہ ہندوستانی فوج اپنی بے عزتی کا بدلہ چین کی بجائے پاکستان سے لے گی۔

12 جنوری --- سہروردی پر دل کا دورہ پڑا

حسین شہید سہروردی پر کراچی میں دل کا دورہ پڑا۔ اس سے قبل 3 جنوری کو بھی ان پر دل کا دورہ پڑ چکا تھا۔

16-19 جنوری --- پاک بھارت مذاکرات

کشمیر کے مسئلہ پر پاک' بھارت مذاکرات شروع ہو گئے۔ پاکستان کے وفد کی ترجمانی ذوالفقار علی بھٹو اور بھارت کے وفد کی ترجمانی سردار سورن سنگھ نے کی۔ یہ مذاکرات 19 جنوری کو ناکام ہو گئے۔

18 جنوری --- مجھ پر سے ایبڈو کی پابندیاں ختم کی جائیں: قیوم خان

خان عبدالقیوم خان نے صدر ایوب سے درخواست کی کہ ان پر ایبڈو کے تحت پابندیاں ختم کر دی جائیں۔

21 جنوری --- سیاسی جماعتوں کا سرمایہ ضبط

مارشل لاء کے وقت حکومت سیاسی جماعتوں کا جو سرمایہ سرکاری تحویل میں لیا تھا اسے بحق سرکار ضبط کر لیا۔

21 جنوری --- پاکستان کے خلاف رابرٹ کینیڈی کی بدکلامی

صدر کینیڈی کے بھائی اور امریکہ کے اٹارنی جنرل رابرٹ کینیڈی نے ایک انٹرویو میں کہا کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اس پر اگرچہ ہر شخص مشتعل ہے لیکن امریکہ کو معافی مانگنے یا اپنی غلطی تسلیم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ رابرٹ کینیڈی نے "نیوز اینڈ ورلڈ رپورٹ" کے نامہ نگار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ چین نے بھارت پر حملہ کیا ہے اسی لئے ہم بھارت کی مدد کے لئے گئے اور پاکستانی اس بات پر پاگل ہو رہے ہیں اسی طرح ہم نے اسکائی بولٹ میزائیل بنانے کا منصوبہ تیار کیا اور جب ہم نے دیکھا کہ یہ منصوبہ کامیاب نہیں ہو گا تو ہم نے اس کو ختم کر دیا اس پر دوسرے لوگ پاگل ہو رہے ہیں اس پر ہر شخص کو غصہ آتا ہے لیکن گذشتہ 20 سال سے ہم نے ساری دنیا کے ممالک کی مدد کے سلسلہ میں جو کچھ کیا ہے' اس پر میں فخر ہے۔ رابرٹ کینیڈی نے مزید کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ دوسرے ممالک ہم پر جو

نکتہ چینی کر رہے ہیں اس کو ہم مان لیں صرف اس لئے کہ ہم وہ کچھ نہیں کرتے جو وہ چاہتے ہیں۔ وہ اپنے مسائل میں دلچسپی لیتے ہیں اور اکثریہ ان کے خالص ذاتی مفادات ہوتے ہیں۔ ہمارے کچھ اور مفادات ہیں کچھ اور ذمہ داریاں ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ ہم نے جو کچھ کیا ہے اس پر ہمیں کوئی عذر یا تاویل پیش کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ہم نے بڑی بڑی قربانیاں کی ہیں۔

23 جنوری --- محمد علی بوگرہ انتقال کر گئے

پاکستان کے وزیر خارجہ اور سابق وزیراعظم پاکستان محمد علی بوگرہ چون سال کی عمر میں حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال کر گئے۔ اگلے روز انہیں ڈھاکہ میں سپرد خاک کر دیا گیا اور ان کی جگہ ذوالفقار علی بھٹو کو قائم مقام وزیر خارجہ مقرر کر دیا گیا۔

26-28 جنوری --- کراچی ریزولوشن کی منظوری

ملک کی سیاسی جماعتوں اور آزاد رہنماؤں کے مشترکہ اجلاس منعقدہ 26-28 جنوری 1963ء کو ایک قرار داد منظور کی گئی جو بعد میں کراچی ریزولوشن کے نام سے مشہور ہوئی۔ قرارداد میں کامل جمہوریت کی جلد از جلد بحالی کے لئے اشتراک عمل پر زور دیا گیا۔ پاکستان مسلم لیگ' جماعت اسلامی' سابق عوامی لیگ' سابق نیشنل عوامی پارٹی اور سابق ریپبلیکن پارٹی نے اس اجلاس میں شرکت کی۔

قرارداد کے مکمل متن کے لئے دیکھیں' اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں --- کراچی ریزولوشن ---

27 جنوری --- افغان سرداروں کی پاکستان کو ہجرت

ہفت روزہ لیل و نہار کی 27 جنوری 1963ء کی اشاعت میں "افغانستان میں اقتدار کی جنگ" کے زیر عنوان ایک شذرہ شائع ہوا جس میں دو افغان سرداروں کی پاکستان کی جانب ہجرت پر روشنی ڈالی گئی۔ شذرے کے مطابق پچھلے دنوں افغانستان کے بارکزئی قبیلے کے دو مقتدر سردار حاجی محمد خاں اور حاجی دولت خاں سرحد پار کر کے چمن آ گئے انہوں نے پاکستان میں مستقل طور پر رہنے کی استدعا کی یہ دونوں سردار افغانستان کے سرحدی شہر سپین بلاک میں پیدا ہوئے۔ ان کے آباؤ اجداد انگریزی دور سے پہلے پاکستانی علاقوں میں رہتے تھے مگر برطانوی عہد کی غلامی اور مظالم سے تنگ آکر وہ اپنی جاگیر اور جائیداد چھوڑ کر افغانستان چلے گئے۔ حاجی محمد خان اور حاجی دولت خاں افغانستان میں مالداری کرتے تھے۔ وہ غزنی' کابل' قندھار اور جلال آباد بھی دیکھ چکے ہیں۔ انہوں نے پاکستان آکر بتایا کہ جس ظلم و ستم سے بیزار ہو کر ہمارے آباؤ اجداد اپنی جاگیر اور جائیداد چھوڑنے پر مجبور ہوئے تھے۔ وہی ظلم و ستم اب افغانستان میں کار فرما ہے چنانچہ جس روز پاکستان قائم ہوا ہم نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور خواہش کی کہ افغان حکمرانوں کے ظلم و ستم سے نجات حاصل کر کے واپس پاکستان چلے جائیں۔ ان دونوں بھائیوں نے کہا کہ افغانستان میں تقریر' تحریر اور ضمیر کی کوئی آزادی نہیں۔ ایک شہری کسی وقت بھی اپنی کمائی اور اثاثے سے محروم ہو سکتا ہے۔ اس ملک میں عوام کو کسی بھی شعبے میں کچھ کہنے اور کرنے کی آزادی نہیں۔ افغانستان میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ شاہی خاندان کی منشا سے ہو رہا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ افغانستان میں جو اخبار اور روزنامے نکلتے ہیں' ان پر حکومت کا قبضہ ہے یا اس کی ملکیت ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ افغان حکمران کی جمہوریت کش اور اسلام دشمن کارروائیوں سے افغانستان کے عوام میں عام بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ چنانچہ وہ کہیں پل توڑ کر کہیں بم گرا کر اور کہیں لاریوں اور گاڑیوں پر حملے کر کے احتجاج کا اظہار کر رہے ہیں۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ افغانستان میں صرف عوام اور شاہی خاندان کے درمیان کش مکش نہیں بلکہ خود شاہی خاندان کے اندر اقتدار کے لئے زبردست کش مکش ہو رہی ہے۔ سردار داؤد جب سے وزیراعظم بنے ہیں وہ "اعلیٰ حضرت شاہ ظاہر شاہ" پر کڑی نظر رکھتے ہیں اور انہیں اقتدار سے محروم کرنے کے درپے ہیں۔ سردار داؤد کے اس رویے سے نہ تو مارشل شاہ ولی خان خوش ہیں نہ سردار شاہ محمود خان کے بیٹے خوش ہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ جب پاکستان بنا تو ضرورت اس بات کی تھی کہ پاکستان اور افغانستان دو مسلمان بھائیوں کی طرح رہتے اور ایک دوسرے کی مدد کرتے۔ مگر بدقسمتی سے افغانستان نے سب سے پہلے اپنے مسلمان بھائی کی مخالفت شروع کر دی' جس سے افغان عوام کو بہت سخت صدمہ پہنچا۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں معلوم ہے کہ پاکستان میں جمہوری نظام ہے' جس کی بدولت لوگ اپنی قسمتوں کے خود مالک ہیں انہیں ہر طرح کی آزادی حاصل ہے ہم بھی افغانستان میں اسی قسم کا نظام چاہتے ہیں اور اسی قسم کی جمہوریت کے لئے کوشش کر رہے ہیں۔ ان افغان مہاجرین نے افغانستان کے بارے میں جو کچھ بھی کہا ہے۔ وہ اس ملک میں عوام کی زبوں حالی اور شاہی خاندان کی زیادتیوں کی ایک ہلکی جھلک ہے' مکمل تصویر اس سے زیادہ بھیانک ہے۔ افغان حکمرانوں کی غلط روی نے افغان عوام' تاجروں اور باغبانوں کو بدترین قسم کی اقتصادی اور مجلسی بدحالی میں مبتلا کر رکھا ہے۔

31 جنوری --- بھارت کو فوجی امداد پر کے ایچ خورشید کا رد عمل

آزاد کشمیر کے صدر کے ایچ خورشید نے کہا کہ پاکستان کو سلامتی کونسل کے علم میں یہ بات لانی چاہیے کہ وسیع پیمانے پر بھارت کی فوجی امداد سے کشمیر میں ایک نئی صورت حال پیدا ہو گئی ہے۔

فروری 1963ء

یکم فروری — پاکستان کو امریکی دھمکی

امریکہ نے پاکستان کو مزید اسلحہ دینے سے انکار کرتے ہوئے یہ دھمکی بھی دی کہ جس ملک کا جی چاہے۔ دفاعی معاہدوں سے الگ ہو سکتا ہے۔

3 فروری — بھٹو' وزیر خارجہ بنادیئے گئے

محمد علی بوگرہ کے انتقال کے بعد قائم مقام وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو کو پاکستان کا مستقل وزیر خارجہ بنادیا گیا۔

7 فروری — سورن سنگھ کی کراچی آمد

مسئلہ کشمیر پر بات چیت کی غرض سے سورن سنگھ کی سربراہی میں ایک بھارتی وفد کراچی پہنچ گیا۔ ان مذاکرات میں بھارتی وفد نے تقسیم کشمیر کا فارمولا پیش کیا۔ جسے پاکستان نے مسترد کردیا۔ مشترکہ اعلامیہ میں مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر مزید تبادلہ خیال کے لئے زور دیا گیا۔

11 فروری — پاکستان نے عراق کی نئی حکومت کو تسلیم کرلیا

حکومت پاکستان نے عراق کی نئی حکومت کو تسلیم کرلیا۔ یاد رہے کہ 8 فروری کو کرنل عبدالسلام عارف نے عبدالکریم قاسم کا تختہ الٹ کر انقلاب برپا کردیا تھا۔ عارف' قاسم کے چار سال سے قریبی رفیق تھے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ عبدالکریم قاسم نے 1958ء میں شاہ فیصل کا تختہ الٹ کر ایک خونی انقلاب برپا کیا تھا۔

13 فروری — مسیح الرحمان رہا

قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کے ڈپٹی لیڈر مسیح الرحمان تیس روزہ نظربندی کے بعد رہا کردیئے گئے۔

17 فروری — امریکی سفیر کے بیان پر ردعمل

مشرقی پاکستان کے گورنر عبدالمنعم خان نے کہا کہ امریکی سفیر مسٹر میکناگھی نے مشرقی پاکستان کو براہ راست امداد کے سلسلے میں جو بیان دیا ہے' پاکستان اس پر امریکی حکومت سے شدید احتجاج کرے گا۔ امریکی سفیر نے کہا تھا کہ ان کا ملک "مشرقی پاکستان کے مفادات کا ہمیشہ خیال رکھے گا"۔ ڈھاکہ پریس کلب میں سفیر موصوف نے صاف صاف لفظوں میں کہا کہ "امریکہ' مغربی اور مشرقی پاکستان کے اقتصادی تفاوت کو ختم کرنے کے لئے مشرقی پاکستان کو زیادہ امداد دینا چاہتا ہے"۔ نیز "امریکہ چاہتا ہے کہ مشرقی پاکستان اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے درمیان قریبی تعلقات پیدا ہوں"۔ اور "مشرقی پاکستان کے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو امریکہ کا دورہ کرنا چاہیے"۔

بعد ازاں پاکستان احتجاج کو بے سبب قرار دیتے ہوئے امریکی سفیر نے اپنے وضاحتی بیان میں کہا کہ ان کے لفظوں کو توڑ مروڑ کر غلط مطلب اخذ کیا گیا ہے۔ وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے بھی امریکی سفیر کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ امریکی سفیر کے الفاظ کو مبالغے کی آمیزش کے ساتھ مسخ کرکے پیش کیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ قومی سالمیت کی خاطر اس بحث کو طول نہ دیا جائے۔ بھٹو نے اس کے بعد امریکی سفیر سے ملاقات بھی کی۔

19 فروری — جسٹس شبیر ریٹائر

جسٹس شبیر احمد تیرہ برس تک منصفی کا فریضہ انجام دینے کے بعد ریٹائر ہو گئے۔

27-28 فروری — محمود علی قصوری گرفتار

کالعدم نیشنل عوامی پارٹی کے رہنما محمود علی قصوری پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کرلئے گئے۔ اگلے روز انہیں ضمانت پر رہا کردیا گیا۔

27 فروری — بھٹو پیکنگ پہنچ گئے

وزیر خارجہ بھٹو پاک' چین سرحدی معاہدے پر دستخط کرنے کے لئے پیکنگ پہنچ گئے۔

27 فروری — لیڈی سر ٹوانہ گزر گئیں

سابق وزیراعظم پنجاب سر خضر حیات ٹوانہ کی والدہ لیڈی سر عمر حیات ٹوانہ نواسی سال کی عمر میں انتقال کر گئیں۔

مارچ 1963ء

یکم مارچ — گدو بیراج کا افتتاح

صدر ایوب نے گدو بیراج کا افتتاح کیا۔

یکم مارچ — پولیس فائرنگ سے 7 مزدور ہلاک

کراچی میں پولیس فائرنگ سے سات ہڑتالی مزدور ہلاک اور متعدد زخمی ہوئے۔

2 مارچ — پاک' چین سرحدی معاہدے پر دستخط ہو گئے

پیکنگ میں پاکستان اور چین کے درمیان سرحدی معاہدے پر دستخط ہو گئے۔ معاہدے کی رو سے چین نے کے۔ ٹو پر پاکستان کا قبضہ تسلیم کرلیا۔ اس کے علاوہ چین ساڑھے سات سو مربع میل علاقے سے دستبردار ہو گیا۔

بھارت نے پاک' چین سرحدی معاہدے پر احتجاج کیا جسے مسترد کرتے ہوئے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے ایک طویل بیان جاری کیا۔ جس میں کہا گیا کہ بھارتی الزام تراشی ایک منظم اور مسلسل پروپیگنڈا کی مہم معلوم ہوتی ہے۔

بیان کا پورا متن -- پاک' چین سرحدی معاہد -- اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں ملاحظہ کریں۔

7مارچ --- ایبڈو زدہ سیاستدانوں کی کڑی نگرانی

وزیر داخلہ حبیب اللہ خان نے ایک بیان میں کہا کہ ایبڈو زدہ سیاستدانوں کی کڑی نگرانی کی جارہی ہے۔

8مارچ --- قومی اسمبلی کا اجلاس شروع

قومی اسمبلی کا دوسرا اجلاس ڈھاکہ میں شروع ہو گیا۔

9مارچ --- سلطان علی ٹگیانہ کا انتقال

سابق رکن صوبائی اسمبلی' یونینسٹ پارٹی کے رکن اور ملک خضر حیات ٹوانہ کے زبردست حامی سلطان علی ٹگیانہ 9 مارچ کو سرگودھا میں انتقال کر گئے۔

11مارچ --- مغربی پاکستان اسمبلی میں شدید ہنگامہ

مغربی پاکستان اسمبلی میں شدید ہنگامہ آرائی کے بعد حزب اختلاف ایوان سے واک آؤٹ کر گئی۔

16مارچ --- میاں غیاث الدین انتقال کر گئے

برطانوی دور میں مرکزی دستور ساز اسمبلی کے رکن اور جی معین الدین کے بڑے بھائی' ساٹھ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

16مارچ --- اسکندر مرزا پر مقدمہ چلایا جائے

قومی اسمبلی کے بعض ارکان نے پاکستان کے سابق صدر میجر جنرل اسکندر مرزا پر مقدمہ چلایا جائے۔

19مارچ --- سہروردی بیروت روانہ ہوئے

حسین شہید سہروردی علاج کی غرض سے بیروت روانہ ہو گئے۔

25مارچ --- بیگم بوگرہ قومی اسمبلی کی رکن بن گئیں

سابق وزیراعظم محمد علی بوگرہ کی اہلیہ حمیدہ محمد علی بوگرہ سے بلا مقابلہ قومی اسمبلی کی رکن چن لی گئیں۔

اپریل1963ء

یکم اپریل --- گندھارا انڈسٹریز میں توسیع

جنرل موٹرز کا کاروبار اور حقوق ملکیت گندھارا انڈسٹریز کی تحویل میں آ گئے۔

4اپریل --- امداد بند کردیں گے: امریکہ

امریکی حکومت نے ایک اعلان میں کہا کہ اگر مسئلہ کشمیر کا تصفیہ نہ ہوا تو پاکستان اور ہندوستان دونوں کی اقتصادی و فوجی امداد بند کر دی جائے گی کیونکہ اقتصادی و فوجی امداد' چینی جارحیت کے خلاف دفاع اور مسئلہ کشمیر تینوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔

5اپریل --- کوئی وزیر اسمبلی کا رکن نہیں بن سکتا

مغربی پاکستان ہائی کورٹ نے فیصلہ دیا کہ کوئی وزیر اسمبلی کا رکن نہیں بن سکتا۔ اس فیصلے کے تحت تین وزیروں کو اسمبلی کی رکنیت سے استعفیٰ دینا پڑا۔

8اپریل --- کشمیر سیٹو کے علاقے کا خطرناک ترین مسئلہ ہے

سیٹو کی وزارتی کونسل کے اجلاس میں پاکستان نے کشمیر کو سیٹو کے علاقے کا خطرناک ترین مسئلہ قرار دیا۔

9اپریل --- تقسیم کشمیر کا امریکی منصوبہ مسترد

پاکستان نے کشمیر کی تقسیم کا امریکی فارمولا مسترد کر دیا جس کے مطابق کشمیر کا بڑا حصہ ہندوستان کے قبضے میں رہتا تھا۔

15اپریل --- مغربی پاکستان اسمبلی کا اجلاس ختم ہو گیا

مغربی پاکستان اسمبلی کا بہاریہ سیشن' جو 8 مارچ کو شروع ہوا تھا۔ 15 اپریل کو ختم ہو گیا۔ ہفت روزہ لیل و نہار (28 اپریل 1963ء) کے نامہ نگار سید اکمل علیمی نے اس کا تفصیلی نقشہ کھینچا۔ ان کی رپورٹ کے مطابق برسر اقتدار مسلم لیگ (کنونشن) اسمبلی پارٹی کے لئے کچھ شیریں اور کچھ تلخ یادیں چھوڑ گیا۔ اس سیشن کے دوران میں سرکاری پارٹی کو جہاں پارلیمانی فوائد حاصل ہوئے وہاں بعض نقصانات کا بھی سامنا کرنا پڑا' لیکن اس نفع و نقصان کو اگر رائے عامہ کے ترازو میں رکھا جائے تو نقصان کا پلڑا جھکا ہوا دکھائی دے گا۔

سب سے پہلے تو بہاریہ اجلاس کے بلائے جانے ہی کی داستان کو لیجئے۔

جنوری کے شروع ہی میں اسمبلی کے کوئی 64 ارکان نے اپنے دستخطوں کے ساتھ سپیکر کو اس مفہوم کی ایک درخواست پیش کی تھی کہ اسمبلی کا اجلاس جلد سے جلد طلب کیا جائے۔ سپیکر نے تو اجلاس طلب نہ کیا البتہ گورنر نے اجلاس کی تاریخ مقرر کر دی۔ گویا ایک ایسا مطالبہ جو ارکان اسمبلی کی اکثریت نے سپیکر سے کیا تھا وہ گورنر نے پورا کر دیا۔ پھر اس پر احتجاج و اعتراض کی کیا وجہ تھی؟ اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لئے ہمیں سب سے پہلے جمہوریہ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل 73 کو دیکھنا ہو گا' یہ آرٹیکل تین شقوں پر مشتمل ہے۔ پہلی شق میں بتایا گیا ہے کہ صوبے کا گورنر وقتاً" فوقتاً" اسمبلی کا اجلاس بلائے گا اور اگر اجلاس سپیکر نے نہ بلایا ہو تو اسے برخاست کرے گا۔ دوسری شق کہتی ہے کہ سپیکر ایوان کے کل ارکان کے ایک تہائی حصے کی درخواست پر اجلاس بلائے گا اور جب اجلاس بلائے گا تو اسے برخاست بھی کرے گا۔ ان دونوں شقوں میں اضافی فعل کے طور پر "مے" (MAY) کا لفظ استعمال ہوا جس سے یہی مطلب لیا جائے گا کہ گورنر یا سپیکر پر اجلاس کا بلانا لازم نہیں ہے بلکہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق عمل کرنے میں آزادی ہیں۔

اجلاس شروع ہوا تو حزب مخالف نے اجلاس کے قانونی جواز کو چیلنج کر دیا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ جب سپیکر سے ارکان کی مطلوبہ تعداد اجلاس بلانے کا مطالبہ کر چکی تھی تو گورنر کو اجلاس نہیں بلانا چاہیے تھا کیونکہ اس طرح اسمبلی آئینی حق سے استفادہ کرنے سے محروم رہی ہے۔ حزب مخالف کے کسی رکن نے گو کھل کر ایسا کہا نہیں لیکن حقیقت یہی ہے کہ وہ کسی آئینی حق سے محروم نہیں ہوئے تھے بلکہ ان شقوں سے پیدا ہونے والی ایک مفید مطلب آئینی صورت حال سے فائدہ اٹھانے سے قاصر رہ گئے تھے۔ ان شقوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر گورنر اجلاس بلائے گا تو وہی اسے برخاست کرے گا اور اگر سپیکر کے توسط سے اسمبلی اجلاس بلائے گی تو اسے سپیکر ہی برخاست کرے گا۔ ایک رکن نے ایک ضمنی اعتراض بھی کیا کہ حکومت نے صوبائی اسمبلی کا اجلاس ایک ایسے دن رکھ کر جب قومی اسمبلی کا اجلاس بھی شروع ہو رہا ہے' اس صوبے کے عوام کی توجہ بنیادی حقوق کے مطالبے سے جو مرکز میں پیش ہونے والا تھا ہٹانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر اعتراضات وزنی تھے تو جواب بھی مسکت محسوس ہوئے۔ سپیکر کا کہنا تھا کہ میرے پاس اجلاس بلانے کی درخواست تو آ گئی تھی مگر کام کوئی نہ تھا' میں بغیر کام کے اجلاس کیونکر بلا لیتا۔ میں اس بات کا منتظر تھا کہ مجھے قانون سازی کے کام کا خاطر خواہ نوٹس ملے تو میں درخواست کی تعمیل کروں' مگر اتنے میں گورنر نے اجلاس کی تاریخ مقرر کر دی۔ قائم مقام وزیر قانون ملک قادر بخش حزب مخالف کے ارادوں کو بھانپ گئے تھے چنانچہ انہوں نے اسے آڑے ہاتھوں لیا اور بتا دیا کہ صوبائی اسمبلی ذہنی عیاشی اور ہاؤ ہو کے لئے نہیں' اس پر قوم کا روپیہ صرف ہوتا ہے اس لئے جب تک کوئی کام نہ ہو اجلاس قیامت تک جاری رہے"۔ حزب مخالف نے اپنے موقف پر اصرار کرتے ہوئے کہا کہ آئین میں ایسی کوئی بات نہیں ہے جس کے تحت سپیکر کے لئے کام کا اطمینان کرنا ضرور ہو۔ انہیں اجلاس بہرحال بلانا چاہیے تھا اور اگر ایوان میں کوئی ضروری مصروفیت نظر نہ آتی تو بیشک اجلاس برخاست کر دیتے۔ سرکاری پارٹی ہی کے ایک بہترین دماغ نے اس بات سے اختلاف کیا کہ اجلاس بلانا سپیکر کی صوابدید ہے۔ انہوں نے کہا کہ خواہ شق میں "مے" (MAY) کا لفظ استعمال ہوا ہے لیکن یہی شق چونکہ ارکان اسمبلی کو ایک حق بھی دیتی ہے اس لئے "مے" اپنے اندر "شیل" (SHALL) کا مفہوم بھی رکھتی ہے اور جب ارکان اسمبلی کی ایک تہائی اکثریت اجلاس بلانے کا مطالبہ کرے تو سپیکر تعمیل کا پابند ہو گا' آخری فیصلہ بہرحال سپیکر کے ہاتھ میں تھا انہوں نے اپنی تصریحات کو دہراتے ہوئے اجلاس پر آئینی اعتراض رد کر دیا اور اس سلسلے میں جو تحریک پیش کی گئی تھی کالعدم ہو گئی۔

اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا تو چالیس سرکاری بل اس کے ایجنڈے پر تھے اور بلوں سے نپٹنے سے قبل سرکاری پارٹی کو اخراجات کا ضمنی گوشوارہ بھی منظور کرانا تھا۔ حزب مخالف نے تجاہل عارفانہ برتا اور گوشوارے کو باقاعدہ ضمنی بجٹ تصور کرتے ہوئے اس پر نکتہ چینی شروع کر دی اور اس کے ارکان نے مختلف علاقوں کو "نظرانداز" کیے جانے کی شکائتیں کیں۔ اخراجات میں وزیروں کے لئے نئی کاریں خریدنے کا ایک مطالبہ زر بھی شامل تھا جس پر خود سرکاری پارٹی کے کئی رکن برہم ہوئے اور عوامی نمائندوں کو جنہوں نے وزیر ہوتے ہی درجن درجن شیروانیاں سلوالی تھیں طعنے مہنے دیئے۔ مطالبات زد میں کٹوتی کی درجنوں تحریکیں دھڑا دھڑ مسترد ہوئیں اور گوشوارہ منظور کر لیا گیا۔ اب قانون سازی کا آغاز ہوا تو حزب مخالف نے تاخیری حربے استعمال کرنے شروع کر دیے۔ وقفہ سوالات کے بعد ہر روز کارروائی' کے التواء کی اوسطاً" چھ تحریکیں پیش کی جانے لگیں۔ قومی اسمبلی کے ضابطہ کار (جسے صوبائی اسمبلی نے بھی اختیار کر رکھا ہے) کے قاعدہ نمبر47 کی رو سے ہر رکن "ہنگامی عوامی اہمیت کے کسی حالیہ اور حتمی مسئلے" کو زیر بحث لانے کے لئے کارروائی کے التواء کی تحریک کر سکتا ہے۔ یہ حق شدید طور پر مشروط ہے اور تحریک التواء کی شرائط سے شاید ہی کوئی رکن بے بہرہ ہو لیکن اس کے باوجود حزب مخالف کے ارکان نے 39 دنوں میں کارروائی کے التواء کی 130 تحریکیں پیش کیں اور وہ سب رائیگاں گئیں ان میں ایک سو کے قریب تحریکیں ایسی تھیں جنہیں سپیکر نے بے ضابطہ قرار دیا کیونکہ وہ ایسے مسائل یا واقعات سے متعلق تھیں جو یا تو صوبائی اسمبلی میں زیر بحث نہیں لائے جا سکتے تھے یا تحریک التواء کا موضوع بننے کے قابل نہ تھے۔ باقی ماندہ تحریکیں جو باضابطہ قرار دی گئیں ان کو زیر بحث لانے کے لئے ارکان کی کم سے کم مطلوبہ تعداد (25) کی تائید حاصل نہ ہو سکی۔

اگر حزب مخالف کی طاقت تحریک التواء زیر بحث لانے کے لئے کافی

ہوتی اور اس میں فکر و نظر کی زیادہ ہم آہنگی ہوتی تو شاید حکومت کے لئے کام کرنا دوبھر ہو جاتا۔ حزب مخالف کے ارکان یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کے پاس تحریک التواء کو پیش کرنے کے لئے کافی قوت موجود نہیں پے در پے ایسی تحاریک پیش کرتے رہے اور وہ اپنے مقصد میں اس حد تک کامیاب ہوئے کہ سرکاری پارٹی صبح و شام دو اجلاس کرنے پر مجبور ہو گئی۔ اسمبلی کے 75 فیصد وقت ان تحاریک التواء قانونی اعتراضات اور تحاریک استحقاق کے جواز اور عدم جواز کی بحث میں صرف ہو جاتا تھا جنہیں حزب مخالف کے ارکان پیش کرتے تھے اس طرح یہ چھوٹی سی حزب مخالف گرانڈیل حزب اقتدار کو زچ کرنے اور بعض 'ناپسندیدہ' قوانین کو معرض التواء میں ڈالنے میں کامیاب رہی۔

سرکاری پارٹی' اپنی عددی برتری اور زبردست طاقت کے باوجود قیادت کی کمزوری محسوس کرتی رہی۔ شیخ خورشید احمد سیشن شروع ہونے سے پہلے ہی مرکز میں چلے گئے۔ وزارت قانون کا قلم دان عارضی طور پر وزیر خوراک و زراعت و آبپاشی ملک قادر بخش کے حوالے کر دیا گیا یوں بھی وزیروں کو اپنی پارٹی کے حقیقی لیڈر ہونے کا دعویٰ نہیں تھا۔ قائد ایوان (وزیر خزانہ) شیخ مسعود صادق سیشن کے دوران میں بیمار پڑ گئے اور غیر سرکاری طور پر قیادت کا سارا بوجھ ریلوے وزیر مسٹر عبدالوحید خاں کے کندھوں پر آ پڑا۔ وہ نہ صرف قائد ایوان بلکہ وزیر قانون کے فرائض بھی انجام دیتے رہے اور ملک قادر بخش کا طویل پارلیمانی تجربہ سرکاری پارٹی کے کام نہ آیا۔ مسٹر عبدالوحید خاں پاکستان کی پہلی دستوریہ کے رکن ضرور تھے مگر انہیں قانون سازی کا کوئی عملی تجربہ نہیں اور پارلیمانی داؤ پیچ میں تو قادر بخش جیسے بزرگ سمیت تمام وزراء پھسڈی تھے۔ اس کمزور اور غبی قیادت کے باعث سرکاری پارٹی کو کئی بار ناکامیوں اور ندامتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ایسے تین واقعات تو براہ راست وزراء کی کوتاہ فہمی' بے تدبیری اور غلط محتاط گفتگو کا نتیجہ تھے۔

حزب حکومت میں گو پارلیمانی تجربے کے حامل ارکان کی تعداد نہایت معمولی تھی لیکن وہاں چند ایسے ارکان ضرور موجود تھے جو مختلف موضوعات پر کافی عبور رکھتے تھے۔ کراچی کے مسٹر ایس ایم سہیل کی قانونی اور آئینی بصیرت پورے ایوان کے لئے مفید ثابت ہوتی رہی۔ دونوں ڈپٹی لیڈر مسٹر گل محمد اور میر نبی بخش زھری صنعتکار تھے اور صنعتی مسائل کا وافر شعور رکھتے تھے' زرعی مسائل سے گہری دلچسپی رکھنے والے بھی کئی ارکان سرکاری پارٹی میں تھے اور خود ملک قادر بخش انتظامیہ کے ناقد اور زرعی مسائل کے ماہر مشہور تھے لیکن بہ حیثیت مجموعی برسراقتدار پارٹی کا طرز عمل اطمینان بخش ثابت نہ ہوا۔ سیشن کے دوران میں سرکاری پارٹی کو ان کی غیر محتاط گفتگو بہت مہنگی پڑی اور دو نہایت قیمتی ارکان۔۔ مسٹر نجم الدین ولیکا اور میر مراد خاں جمالی یکے بعد دیگرے ہاتھ سے جاتے رہے۔ دونوں ارکان کو شکایت تھی کہ وزیر قانون کا طرز گفتگو سوقیانہ اور توہین آمیز ہے۔ پارٹی کے دہپ اس خوش فہمی مبتلا رہے کہ شکر رنجی عارضی ہے اور دونوں ارکان جلد ہی واپس لوٹ آئیں گے مگر یہ توقع پوری نہیں ہوئی۔

آئین کی رو سے صوبائی کابینہ 'گورنر کی وزراء کی کونسل ہے۔ گورنر' کونسل کے ارکان مقرر کرتا ہے اور جب تک گورنر کی مرضی ہو وہ اس عہدے پر فائز رہتے ہیں۔ آئین کی ایک دفعہ سے متعلق مشرقی پاکستان ہائی کورٹ کے ایک حالیہ فیصلے کی رو سے وزراء' ایوان میں اپنی نشستیں برقرار نہیں رکھ سکتے اور جب کوئی رکن کسی فائدہ بخش عہدے پر فائز ہوتا ہے تو وہ اپنی نشست سے محروم ہو جاتا ہے۔ ان حالات میں وزراء کی کونسل اسمبلی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے اور نہ اسمبلی اسے برطرف کر سکتی ہے لیکن جب سرکاری پارٹی کو ایوان میں شکست ہوتی ہے تو اسے شکست کھنا ہی پڑتا ہے۔ حکومت کو اس سیشن میں ایک بار کھلی شکست اور دوسری بار "داخلی بغاوت" کا منہ دیکھنا پڑا اور دونوں بار صورت حال کی ذمہ داری صرف وزیروں پر تھی۔ غیر سرکاری روز ایک آزاد رکن امیر حبیب اللہ سعدی نے 1850ء کے ایک قانون میں ترمیم کا بل پیش کیا جس کا مقصد مذہب تبدیل کرنے والے مسلمانوں کو حق وراثت سے محروم کرنا تھا۔ فقہ محمدیہ کی رو سے مرتد خود بخود اس حق سے از خود محروم ہو جاتا ہے۔ یہ قانون دراصل عیسائی مبلغوں کے ایما پر بنایا گیا تھا اور جب وہ کسی مسلمان کو عیسائیت کی دعوت دیتے تھے تو اسی قانون کے بل بوتے پر اسے یقین دلاتے تھے کہ مذہب تبدیل کرنے پر تم اپنی موروثی جائیداد سے بے دخل نہیں ہو گے۔ یہ قانون فی الواقعی عیسائیت کے فروغ میں بڑا ممد ثابت ہوا۔ ان دنوں جب کہ ایسے غیر اسلامی قوانین کی تنسیخ کا مطالبہ عروج پر تھا اور خود حکومتیں آئین کی رو سے ایسے قوانین کو منسوخ کرنے کی پابند تھیں ترمیمی بل کا اسمبلی میں پیش ہونا کوئی معمولی واقعہ نہ تھا مگر ریلوے وزیر مسٹر عبدالوحید خاں اس کی اہمیت اور ایوان کے عام جذبات کا بروقت اندازہ نہ کر سکے۔ انہوں نے بل کے مقاصد سے تو اتفاق کیا مگر جیسا کہ غیر سرکاری بلوں سے سرکاری پارٹی کا رویہ رہتا ہے تکنیکی بنیادوں پر اسے معرض التواء میں ڈالنے کی کوشش کی۔ اس میں شک نہیں کہ وزیر موصوف کی نیت نیک تھی اور درحقیقت وہ سرکاری پارٹی کی جانب سے یہی مسودہ قانون پیش کر کے حکومت کے لئے نیک نامی سمیٹنا چاہتے تھے لیکن بل کے پیش ہو جانے کے بعد حکومت کی طرف سے کوئی واضح اور تسلی بخش یقین دہانی کرائے بغیر اس کی مخالفت کرنا ایک سنگین غلطی تھی۔ حزب مخالف نے صورت حال کو نئے معنی پہنائے اور اسے اپنے مقاصد کی خاطر استعمال کرنے کے لئے اسلام کے نام پر سرکاری پارٹی کے ارکان سے اپیلیں کیں۔ سرکاری پارٹی کے لیڈروں نے اگر بل کی مخالفت کی تھی تو اب انہیں چوکنا رہنا چاہیے تھا اور ایوان میں اپنی عددی قوت کو برقرار رکھنے کی جانب بھی دھیان دینا چاہیے تھا مگر ہوا یہ کہ جب بل کو غور کے لئے منظور کرنے کی نوبت آ گئی تو سرکاری پارٹی کے نصف ارکان اپنی روایتی کسل

مندی کے باعث غیر حاضر پائے گئے۔ مذہبی اپیل کام کر چکی تھی۔ رائے شماری ہوئی تو کوئی نصف درجن سرکاری ارکان نے حزب مخالف کے ساتھ ووٹ دیا۔

ڈپٹی سپیکر محمد اسحاق کنڈی نے جو اس وقت صدارت کر رہے تھے اپنا ووٹ حزب مخالف کو دے کر فیصلہ کر دیا۔ سرکاری پارٹی کو شکست ہو گئی اور بل غور کے لئے منظور کر لیا گیا۔ مسٹر عبدالوحید خاں کو بل پر اگر کوئی اعتراض تھا تو وہ اتنا ہی تھا کہ اس مسئلے پر مزید غور و خوض ہو جانا چاہیے۔ اگر وہ بل کی مخالفت نہ کرتے تب بھی یہ بل سٹینڈنگ کمیٹی ہی کے پاس پہنچتا۔ لیکن انہوں نے بے تدبیری کی راہ اختیار کرکے ہزیمت مول لی۔

حزب مخالف کو معلوم تھا کہ وہ اپنی عددی قوت کے بل پر مقتدر پارٹی کا بال بیکا بھی نہیں کر سکتی چنانچہ اس نے ایک اور چال چلی اور فیصلہ کر لیا کہ سرکاری پارٹی ہی کے دل برداشتہ ارکان کے کندھوں پر توپیں چڑھائیں گے اور وزیروں پر گولہ باری کریں گے۔ شاید وزرا اس چال کو سمجھ نہ سکے یا وہ ہشیاری سے اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔ دونوں بازوؤں کے ارکان کو شکایت تھی کہ وزرائے کرام ارکان کے سوالوں کے جواب میں صحیح معلومات مہیا نہیں کرتے' چنانچہ جب سرکاری پارٹی ہی کے ایک رکن میجر عبدالمجید نے اینٹی ملیریا سٹاف کے بارے میں وزیر صحت مسٹر عبدالقادر سنجرانی کے ایک بیان کی صحت کو چیلنج کرتے ہوئے تحریک استحقاق پیش کر دی تو حزب مخالف نے بڑے جوش و خروش سے اس کی تائید کی۔ وزیر صحت نے یہ جاننے کے باوجود کہ ان کا بیان یقینی نہیں تھا اور اپنی ہی پارٹی کی جانب سے تحریک استحقاق پیش ہونے سے ایک نازک صورت حال پیدا ہو گئی تھی' تحریک کی مخالفت شروع کر دی اور اپنے بیان کی صحت پر اصرار کیا۔ اس تحریک کے پیش ہونے یا نہ ہونے کے سوال پر زبردست لے دے ہوئی اور سرکاری پارٹی کے کئی ارکان نے حزب مخالف کی ہمنوائی کرتے ہوئے وزیروں پر تابڑ توڑ حملے کیے اور ایسے الزامات لگائے کہ وہ سرکاری افسروں کی بدعنوانیوں کی پردہ پوشی کرتے ہیں اور ارکان اسمبلی کے سوالوں کے جواب میں غلط معلومات مہیا کرکے ایوان کے حقوق کو مجروح کرتے ہیں۔ تحریک استحقاق سرکاری پارٹی ہی کے ایک رکن کی تھی لہٰذا اسے اپنے ساتھیوں سے کچھ نہ کچھ حمایت حاصل ہونی ہی تھی۔ رائے شماری کی نوبت آئی تو سرکاری پارٹی کی پچھلی صفوں میں "بغاوت" ہو گئی۔ سرکاری پارٹی کے درجن بھر ارکان نے تحریک کی حمایت کی اور حزب مخالف کی تائید شامل ہونے کی بدولت وہ بحث کے لئے منظور ہو گئی۔ یہ وزیروں کی ایک اور شکست تھی۔ وزیر قانون ملک قادر بخش کو اب ہوش آیا' اور انہوں نے پہلی بار کمال ہشیاری کا ثبوت دیتے ہوئے مسئلہ متعلقہ سٹینڈنگ کمیٹی کے سپرد کرنے کی تحریک پیش کر دی اور اس طرح سرکاری پارٹی کو مزید شرمندگی سے بچا لیا۔

ایوان میں تحاریک استحقاق کی ہوا چل چکی تھی اور خود سرکاری پارٹی کے ارکان یہ کہہ چکے تھے کہ وزیر ایوان میں جھوٹ بولتے ہیں۔ اب قائد حزب مخالف خواجہ محمد صفدر نے ایک تحریک استحاق داغ دی اور کہا کہ بلوچستان سے کوئلے کی نقل و حمل کے بارے میں ریلوے وزیر مسٹر عبدالوحید خاں نے بابو محمد رفیق اور میر نبی بخش زہری کے سوالات کے جواب میں غلط معلومات فراہم کی ہیں۔ بابو اور زہری صاحب سرکاری پارٹی کے مقتدر ارکان ہیں اور وہ خود یہ گلہ کر چکے تھے کہ وزیر موصوف نے کوئلے کے مسئلے کی اہمیت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اب وہ اور ان کے قریبی رفقا تحریک استحقاق کی تائید کرنے پر مجبور تھے۔ ریلوے وزیر نے اپنے موقف پر اصراف کیا تو زہری صاحب ان سے متصادم ہو گئے اور دونوں کے مابین شدید جھڑپیں ہوئیں۔ حزب مخالف نے کوئلے کے ڈھیر میں تحریک استحقاق کی جو چنگاری پھینکی تھی وہ سرکاری پارٹی کی کے نظم و نسق کو بھسم کرتی ہوئی دکھائی دی اور حزب مخالف کے یار لوگ ایک طرف کھڑے سر پھٹوں کا یہ تماشہ دیکھتے رہے اور آخر میں جب وزیر موصوف کے موقف کے تمام چھلکے اتر گئے تو انہیں دبی زبان سے اپنی کوتاہی تسلیم کرلی۔ وزیر صحت مسٹر نجرانی کو ایک تحریک التوا کے معاملے میں سجدہ سہو کرنا پڑا۔ امیر حبیب اللہ سعدی نے لیڈی ایچسن ہسپتال میں ایک مریضہ سے بدسلوکی کے واقعہ کو زیر بحث لانے کے لئے یہ تحریک پیش کی تو وزیر صحت نے رکن کے بیان کی تردید کر دی تھی اور کہہ دیا تھا کہ خاتون سے کوئی زیادتی نہیں ہوئی۔ چند دن بعد جب وہی رکن ایک تحریک استحقاق لے آئے اور واقعہ کی صحت کو ثابت کرنے پر تل گئے تو وزیر صحت نے فوراً گھٹنے ٹیک دیئے اور اعلان کیا کہ واقعہ کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کرائی جائے گی۔ اس اعلان کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ وزیر موصوف نے پہلا بیان خاطر خواہ چھان بین کے بغیر دے دیا تھا۔

سرکاری پارٹی چالیس میں سے صرف چار بل منظور کرانے میں کامیاب ہوئی جو یہ تھے: اگرور ویلی ریگولیشن کی تنسیخ کا بل' جس کی بدولت اگرور کے نواب سے "بے انصافی" کا ازالہ ہو جائے گا۔ جانوروں کے ذبیحہ پر کنٹرول کا بل' خالص خوراک کا ترمیمی بل اور سب سے زیادہ متنازعہ فیہ' قانون فوجداری میں ترمیم کا بل جس کے ساتھ 72 سالہ بدنام قانون فرنٹیئر کرائمز ریگولیشنز منسوخ ہوا اور اس کی جگہ سنگین جرائم سے نپٹنے کے لئے ایک نیا قانون نافذ ہوا۔ یہ بل ایوان کے اندر اور باہر زبردست مخالفت اور شدید نکتہ چینی کے جلو میں منظور ہوا اس لئے سرکاری پارٹی اسے اپنی ٹوپی میں سرخاب کا پر سمجھ رہی تھی۔ بل کی تیسری خواندگی مکمل ہونے کے بعد جب سپیکر نے ایوان کی رائے طلب کی تو حزب مخالف احتجاجاً واک آؤٹ کر چکی تھی اور وہاں "نہ" کہنے والا کوئی نہیں تھا۔ ایوان نے دو غیر سرکاری بل بھی منظور کیئے جن سے ایک حزب مخالف کے رکن کا تھا۔ سرکاری پارٹی کے رائے منصب علی کے بل کی رو سے بے احتیاطی سے کسی کی جان لینے کی سزا دو سال

سے بڑھا کر چار سال کر دی گئی اور حزب مخالف کے علامہ رحمت اللہ ارشد کے بل کی رو سے مالک مکان کو ایسے کرائے دار کی بے دخلی کا قانونی حق مل گیا جس کا شہر میں اپنا مکان ہو۔ سرکاری پارٹی کے پچھلے سیشن کے بعد جاری کئے تھے۔ اس میں بھی پارٹی کو شدید دشواریاں پیش آئیں کیونکہ وزراء خود اپنی پارٹی کے ارکان کو آرڈیننسوں کے ذریعے قانون نافذ کرنے کی ضرورت کا قائل نہیں کر سکتے تھے۔

16 اپریل --- ایبڈو زدہ سیاستدانوں کو سپریم کورٹ میں صفائی کا موقع دیا جائے۔

حزب اختلاف کے رہنماؤں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ ایبڈو سیاستدانوں کو سپریم کورٹ میں صفائی کا موقع دیا جائے۔

17 اپریل --- راجہ غضنفر علی خان انتقال کر گئے

تحریک پاکستان کے رہنما، قائداعظم کے ساتھی سابق سفارت کار اور وزیر راجہ غضنفر علی خان انتقال کر گئے۔ انہیں ان کے آبائی قصبہ پنڈ دادنخان میں دفن کیا گیا۔ وہ 15 جولائی 1895ء کو پیدا ہوئے تھے۔ ان کی بیان کردہ یادداشتوں پر سید نور احمد کی تالیف کردہ کتاب مارشل لاء سے مارشل لاء تک (1919-1958) ایک اہم کتاب شمار کی جاتی ہے۔

20 اپریل --- بھٹو نے ایٹمی ری ایکٹر کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا

وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے اسلام آباد میں ایٹمی ری ایکٹر کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔

22-25 اپریل --- مسئلہ کشمیر پر مذاکرات کا پانچواں دور

کراچی میں ہندوستان اور پاکستان کے وزرائے خارجہ کے درمیان مسئلہ کشمیر کے بارے میں مذاکرات کا پانچواں دور شروع ہوا۔ ابتداء میں مذاکرات تعطل کا شکار ہو گئے۔ لیکن پھر تھوڑی سی پیش رفت ہوئی۔ ان مذاکرات کا چھٹا دور نئی دہلی میں ہو گا۔

29 اپریل --- عطاءاللہ مینگل گرفتار

قومی اسمبلی کے رکن اور مینگل قبیلہ کے سردار عطاءاللہ مینگل کو، میر کرم خان مینگل کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔

مئی 1963ء

7 مئی --- قومی جمہوری محاذ کے رہنماؤں کی گرفتاری

قومی جمہوری محاذ کے آٹھ رہنماؤں نوابزادہ نصراللہ، میاں طفیل محمد، مولانا عبدالستار نیازی، میاں محمود علی قصوری، شیخ عبدالمجید سندھی، مسٹر محمود الحق عثمانی مسٹر ظہیر الحسنین لاری اور خواجہ رفیق کو بغاوت کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔

9 مئی --- بغاوت کیس کے ملزموں کا ضمانت پر رہائی سے انکار

بغاوت کیس کے پانچ ملزموں نے ضمانت پر رہائی سے انکار کر دیا۔

11 مئی --- بغاوت کیس کے تین رہنما ملتان منتقل

بغاوت کیس کے تین رہنماؤں-- میاں محمود الحق قصوری، میاں طفیل محمد اور خواجہ رفیق کو ملتان جیل منتقل کر دیا گیا۔

15-16 مئی --- کشمیر مذاکرات کا چھٹا دور بھی ناکام

نئی دہلی میں مسئلہ کشمیر پر ہونے والے پاک۔ بھارت مذاکرات کا چھٹا دور بھی ناکام ہو گیا۔

17 مئی --- خاکسار کنونشن ملتوی

17، 18 اور 19 مئی کو راولپنڈی میں خاکساروں کا دوسرا کنونشن منعقد ہونا قرار پایا تھا لیکن دفعہ 144 کے باعث خاکساروں نے اسے ملتوی کر دیا اور راولپنڈی کے ایک ہوٹل میں چوہدری خورشید خالد کی پریس کانفرنس کے ساتھ ہی یہ کنونشن ختم ہو گیا۔

17 مئی --- خواجہ صفدر ضمانت پر رہا

بغاوت کیس کے ایک رہنما خواجہ محمد صفدر عبوری ضمانت پر رہا ہو گئے۔

22 مئی --- صدر ایوب کنونشن لیگ میں شامل ہو گئے

صدر ایوب نے کنونشن مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔

23 مئی --- تربیلا ڈیم کی تعمیر پاکستان کی بقاء کے لئے ضروری ہے: غلام اسحاق

مغربی پاکستان واپڈا کے چیرمین غلام اسحاق خان نے کہا کہ پاکستان کی بقاء کے لئے تربیلا ڈیم کی تعمیر ضروری ہے۔

24 مئی --- تیسرے پنجسالہ منصوبے کی منظوری

قومی اقتصادی کونسل نے پاکستان کے تیسرے پنجسالہ منصوبے پر 43

ارب 50 کروڑ روپے صرف کرنے کی منظوری دے دی۔

28 مئی۔۔۔پاک افغان تعلقات کی بحالی

شاہ ایران کی کوششوں سے پاکستان اور افغانستان کے درمیان سفارتی اور تجارتی تعلقات بحال ہو گئے۔

31 مئی۔۔۔قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی

قومی اسمبلی کا اجلاس 8 جون تک ملتوی کر دیا گیا۔

جون 1963ء

یکم جون۔۔۔مشرقی پاکستان میں طوفان سے 50 ہزار افراد ہلاک

مشرقی پاکستان کے ساحلی علاقوں میں قیامت خیز طوفان نے 50 ہزار افراد کی جان لے لی۔

8 جون۔۔۔بجٹ۔ 30 کروڑ کے نئے ٹیکس

وزیر خزانہ محمد شعیب نے قومی اسمبلی میں آئندہ مالی سال کا بجٹ پیش کر دیا جس میں 16 کروڑ 29 لاکھ روپے کی بچت دکھائی گئی۔ وزیر خزانہ نے 30 کروڑ روپے کے نئے ٹیکسوں کا بھی اعلان کیا اور کہا کہ ٹیکسوں کا یہ اضافہ ملک کی اقتصادی ترقی اور دفاعی ضرورتوں کے پیش نظر ناگزیر تھا۔ بجٹ میں مقررہ آمدنی والے لوگوں کو کچھ مراعات دینے اور نچلے درجے کے ملازمین اور صنعتی مزدوروں کی تنخواہوں اور اجرتوں میں اضافے کا اعلان بھی کیا گیا۔

10 جون۔۔۔مغربی پاکستان کا بجٹ پیش کر دیا گیا

صوبائی اسمبلی میں مغربی پاکستان کا بجٹ پیش کر دیا گیا۔ صوبائی وزیر خزانہ عبدالوحید خان نے اسے پسماندہ علاقوں کا بجٹ کہا۔ کیونکہ اس میں کم ترقی یافتہ اور غیر ترقی یافتہ علاقوں کی ترقی کے لئے نسبتاً زیادہ رقوم مختص کی گئیں۔

نئے مالی سال کے اندر سابق پنجاب اور کراچی کی ترقیاتی سکیموں کے لئے سال رواں کے مقابلے میں (علی الترتیب) 10 اعشاریہ 89 فی صد اور ایک اعشاریہ 56 فی صد رقوم کا اضافہ کیا گیا جب کہ کم ترقی یافتہ علاقوں کے لیے 34 فی صد سرمایہ مختص کر دیا گیا سابق ریاست بہاول پور کے لیے مصارف میں 71 اعشاریہ 24 فی صد، سرحدی علاقوں کے لئے 37 اعشاریہ 3 فی صد اور سابق سندھ کے لئے 25 اعشاریہ 62 فی صد کا اضافہ ہوا بلوچستان کے لئے معینہ رقوم میں اضافہ ہرچند کہ برائے نام تھا لیکن اس علاقے میں تعمیری سرگرمیوں کے موجودہ محدود امکانات کے پیش نظر یہ اضافہ حقیقت پسندانہ تھا بلوچستان میں زراعت اور تعلیم کی مدوں میں جس قدر سرمائے کا اضافہ ہوا، ممکن ہے اسے کسی قدر ناکافی سمجھا جائے۔ تاہم بجٹ مجموعی طور پر متوازن اور پورے صوبے کی ہموار اور ہمہ جہتی ترقی کے حق میں مفید ہے۔

بجٹ میں صوبے کی ترقیاتی سرگرمیوں کے فروغ پر بطور خاص توجہ دی گئی پیداواری ذرائع کی ترقی کے ساتھ پانی اور بجلی کی پیداوار میں اضافے کے واضح امکانات اس کے تحت موجود تھے۔ توقع بھی ہے کہ نئے مالی سال کی رقوم سے دوسرے پنج سالہ منصوبے کے مقاصد پورے ہونے میں کوئی دشواری باقی نہ رہے گی۔ البتہ نمونے کے زرعی فارموں میں توسیع اور اجتماعی کھیتی باڑی کی سکیم کی کامیابی کے لئے وہ توجہ نہیں دی جن کے یہ مفید مقاصد اب تک محتاج ہیں۔

وزیر خزانہ نے عوام کی بنیادی ضرورتوں کا احترام کرتے ہوئے اپنے بجٹ میں چودہ کروڑ 51 لاکھ روپے تعمیر مکانات کے لیے مخصوص کیے۔ یہ رقم سال رواں کی مقرر کردہ رقم کے مقابلے میں تقریباً" 45 فیصد زیادہ تھی۔ اس سے قطع نظر شہری اور دیہی علاقوں میں صاف پانی کی فراہمی کے لئے حکومت نے دو کروڑ 71 لاکھ روپے منظور کیے ہیں۔ یونہی تعلیم کی مد میں سال رواں کی مقررہ رقم (گیارہ کروڑ چار لاکھ) ڈھائی کروڑ کے اضافے کے ساتھ 13 کروڑ 54 لاکھ کر دی گئی۔ یہ اضافہ دوسرے پنج سالہ منصوبے کی ضرورتوں کو دیکھتے ہوئے اگرچہ مناسب معلوم ہوتا تھا، لیکن بڑھتی ہوئی آبادی اور تعلیم عامہ کے خزوں تر تقاضے، اس سے کہیں زیادہ اضافے کا مطالبہ کرتے تھے حکومت نے علمی ادبی اور تہذیبی اداروں اور سپورٹس کی انجمنوں کے لئے امداد حسب سابق بحال رکھی۔

بجٹ میں فوری عوامی دلچسپی کا ایک نمایاں پہلو یہ تھا کہ صوبے کی تعمیری ترقی کی خاطر حکومت نے عام لوگوں پر زائد ٹیکسوں کا بوجھ ڈالنا قبول نہ کیا۔ دو پرانے ٹیکسوں کی شرح میں اضافے اور نئے ٹیکسوں کے اجرا سے صرف متمول طبقہ متاثر ہوا۔

14 جون۔۔۔بجٹ پر نکتہ چینی

قومی اسمبلی کے اجلاس میں بجٹ پر شدید نکتہ چینی کی گئی۔ بعض ارکان نے لیاقت علی خان مرحوم کے قتل کی دوبارہ تحقیقات کا مطالبہ بھی کیا۔

23 جون۔۔۔ہندوستان سے مسلمانوں کا جبری انخلا

ہفت روزہ لیل و نہار (23 جون 1963ء) کے مطابق وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے قومی اسمبلی میں اعلان کیا کہ آسام اور تریپورہ سے مسلمانوں کے جبری انخلاء کا معاملہ جنرل اسمبلی میں پیش کیا جائے۔ ایوان میں ایک اور رکن نے انکشاف کیا کہ صرف ایک سال میں 20 ہزار مسلمان ہندوستان سے نکالے جا چکے ہیں۔ اس سلسلے میں وزیر خارجہ کا خیال تھا کہ

ہندوستان ہمیں مہاجرین کی آباد کاری کے ایک مستقل مسئلے سے الجھائے رکھنا چاہتا ہے وہ ہماری ترقیاتی سکیموں کو معطل اور قومی معیشت کو تباہ کرنے کا خواہش مند ہے۔

24-26 جون--- صدر سوئیکارنو کا دورہ پاکستان

انڈونیشیا کے صدر سوئیکارنو پاکستان کے تین روزہ دورے پر 24 جون کو کراچی پہنچے۔ مری کی استقبالی دعوت عشائیہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان اور انڈونیشیا دونوں انقلابی دور سے گزر رہے ہیں اور دونوں اپنی فلاح و بہبود اور ترقی کے لئے کوشاں ہیں۔ ہمیں عوام کی ترقی' خوشحالی اور عظمت انسانی کے لئے باہم مل کر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ راولپنڈی میں انہوں نے کہا کہ ہم محنت سے اپنی تقدیر بدل سکتے ہیں۔ 26 جون کو انہوں نے پاکستان کی قومی اسمبلی سے خطاب کیا۔

27 جون--- بجٹ کے بعد قیمتوں میں اضافہ

چینی' مشروبات' بلب' کپڑوں اور سامان آرائش پر مزید ٹیکسوں کے بعد ان اشیاء کی قیمتیں بڑھ گئیں۔ اس کے ساتھ ساتھ کراچی میں بسوں کے کرایوں میں 14 فی صد اضافہ ہو گیا۔ "سامان آرائش" کے نام پر بوٹ پالش اور ٹوتھ پیسٹ کی قیمتوں میں بھی اضافہ کر دیا گیا۔

30 جون--- مشرقی پاکستان میں سیلابوں سے بھی تباہی

30 جون کی ایک اطلاع کے مطابق مشرقی پاکستان میں ابھی طوفان کے اثرات دور نہ ہوئے تھے کہ چٹاگانگ میں سیلاب آ گیا جو میمن سنگھ اور سلہٹ تک خراب و خستہ بستیوں کو تاراج کرتا چلا گیا۔

جولائی 1963ء

3 جولائی--- عائلی قوانین منسوخ کرنے کی سفارش

مغربی پاکستان اسمبلی نے عائلی قوانین منسوخ کرنے کی سفارش کر دی جس کے خلاف خواتین نے زبردست احتجاج کیا۔

4 جولائی--- سپیکر مغربی پاکستان اسمبلی کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک منظور

مغربی پاکستان اسمبلی کے سپیکر مبین الحق صدیقی کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک منظور کر لی گئی۔

7 جولائی--- بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات کرانے کا مطالبہ

مغربی پاکستان کونشن لیگ نے مطالبہ کیا کہ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات کرائے جائیں

8 جولائی--- داخلی محاذوں پر غداروں کے خلاف جنگ کریں: ایوب خان

صدر ایوب نے ایوب نیشنل پارک راولپنڈی میں کونشن لیگ کے استقبالیہ جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے عوام' بالخصوص کونشن لیگ کے ارکان سے غداروں کے خلاف جنگ کی اپیل کی صدر نے کہا کہ فوج بیرونی حملہ کا مقابلہ کر سکتی ہے لیکن قوم کو جو بڑا خطرہ در پیش ہے۔ وہ داخلی محاذ پر ان غداروں سے ہے جو نظریہ پاکستان کے مخالف رہے ہیں اور پاکستان کے خلاف دن رات کام کر رہے ہیں ان داخلی دشمنوں کو جو اسلام کا نام بھی لیتے ہیں کچل دینا آپ کا فرض ہے یہ دشمن ہر جگہ موجود ہیں اور اس طرح کے کچھ عناصر اخبارات میں بھی ہیں۔

صدر نے کہا کہ دشمن کے مقابلہ کے لئے اصل ضرورت اتحاد کی ہے میں اس بات کا قائل نہیں کہ سارے ملک کو فوجی کیمپ میں تبدیل کر دیا جائے البتہ جنگی اعتبار سے اہم سرحدی علاقوں میں عوام کو فوجی تربیت پہلے ہی دے دی گئی ہے۔ آئندہ بھی ایسا ہی ہو گا۔ صدر نے کہا کہ دشمن کا مقابلہ تعویز گنڈوں سے نہیں ہو سکتا اس لئے ہمیں اپنے دشمنوں سے جو بیرونی اور داخلی دونوں محاذوں پر ہیں ہوشیار رہنا ہو گا۔

صدر نے پاکستانی فوج کو دنیا کی بہترین فوج قرار دیا اور کہا کہ قیام پاکستان کے ساتھ ہی ہماری فوج چوکس ہو گئی تھی۔ فوج نے ہر وقت بھارتی خطرہ پر نظر رکھی۔ خدا پاکستانی عوام کا امتحان لے رہا ہے اور انشاء اللہ اس آزمائش میں ہم کامیاب ثابت ہوں گے۔ کیونکہ جو قوم جدوجہد اور قربانیوں کا جذبہ رکھتی ہے۔ وہ شکست نہیں کھا سکتی۔

صدر نے کونشن مسلم لیگ کے دروازے ملک کے ہر شہری پر کھلے رکھنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ خواہ کوئی بھی شخص ماضی میں کسی بھی سیاسی جماعت سے وابستہ رہا ہو مگر اب کونشن مسلم لیگ کا رکن بن سکتا ہے۔

اپنی تقریر میں صدر ایوب نے مغربی بلاک کو بھی خبردار کیا کہ بھارت کو مسلح کرنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ چھوٹے ایشیائی ممالک اپنی سلامتی کے لئے چین کی پناہ حاصل کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ صدر ایوب نے کہا کہ بھارت کی فوجی امداد کے ذریعہ مغربی ملک چین کی امداد کر رہے ہیں اور کیمونزم کے فروغ و اشاعت کا ذریعہ بن گئے ہیں۔ ان کے اس اقدام کے نتیجہ میں بھارت کے ہمسایہ ملک اپنی سلامتی کا انتظام کرنے کے لئے چین کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ آخر کیوں مغربی ممالک یہ محسوس نہیں کرتے کہ بھارت کی فوجی طاقت میں اضافہ کے معانی یہ ہیں کہ بھارت کے ہمسایہ ملکوں کی آزادی کے لئے خطرہ پیدا ہو جائے۔ بھارت نے کسی بھی موقع پر

تدبر اور وسیع القلبی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس کا رویہ اپنے ہمسایوں سے ہمیشہ جارحانہ رہا۔ اور مغربی ملکوں کی فوجی امداد نے اس جارحانہ رویہ میں اور اضافہ کر دیا ہے۔ مغربی ممالک اور روس کا بھی یہ خیال ہے کہ چھوٹے ایشیائی ممالک اپنی حفاظت کے لئے بھارت کی پناہ لیں گے۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ چھوٹے ایشیائی ممالک بھارت سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں اور اس غرض کے لئے وہ چین کی طرف دیکھیں گے۔

چھوٹے ایشیائی ملک بھارت پر اعتماد نہیں کر سکتے۔ کیونکہ انہیں بھارتی عزائم کے متعلق بڑے تلخ تجربات حاصل ہوئے ہیں اور اب ان کی کوشش یہ ہوگی کہ وہ بھارت سے جس کو بے پناہ مسلح کر دیا گیا ہے۔ اپنی آزادی کی حفاظت کا انتظام کریں۔ صدر نے کہا کہ بھارت کی قیادت میں تدبر اور وسیع القلبی کی صفت ہوتی تو پاکستان معرض وجود میں نہ آ سکتا تھا۔

8جولائی۔۔۔ عبدالصبور خان کی حزب اختلاف پر تنقید

قومی اسمبلی میں قائد ایوان اور مرکزی وزیر مواصلات خان عبدالصبور خاں نے کہا کہ اپوزیشن نے اپنے منفی طرز عمل سے سرکاری پارٹی کو مایوس کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ قومی اسمبلی میں اپوزیشن نے کوئی ٹھوس اور قطعی تجویز پیش نہیں کی۔ آپ نے کہا کہ حزب اختلاف نے جس بے رحمی کے ساتھ دفاعی افواج پر سیاسی کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی ہے اس سے ہمیں انتہائی صدمہ پہنچا ہے۔ دنیا کے کسی بھی ملک میں فوجوں کو اس قدر تند و تیز حملے کا نشانہ نہیں بنایا جاتا اور اس طرح اپوزیشن نے ملک کی کوئی خدمت نہیں بلکہ الٹا ملک کے دشمنوں کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

جناب عبدالصبور خاں نے مزید کہا کہ اپوزیشن نے ایوان میں حکومت سے ایسی معلومات فراہم کرنے کا مطالبہ کیا جنہیں حاصل کرنے کے لئے ہمارے دشمن اپنے ایجنٹوں پر کروڑوں روپیہ صرف کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حزب اختلاف کی بیشتر نکتہ چینی بے موقع اور غیر متعلق تھی۔

قائد ایوان نے کہا کہ میں آزادی سے پہلے بھی قانون ساز اسمبلیوں کا ممبر رہ چکا ہوں جبکہ ملک کے گنے چنے دماغ حزب اختلاف کی نشستوں پر بیٹھا کرتے تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ آج ان میں سے کتنے لوگ زندہ ہیں لیکن مجھے اتنا یقین ضرور ہے کہ اگر وہ زندہ ہیں تو قومی اسمبلی میں ہماری اپوزیشن کی کارگزاری پر ان کی گردنیں شرم سے جھک گئی ہوں گی۔

بنیادی حقوق کے بل کا ذکر کرتے ہوئے جناب عبدالصبور خاں نے کہا کہ اس کی منظوری اپوزیشن کے رحم و کرم پر ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ اگرچہ میری پارٹی کو ایوان میں خاصی اکثریت حاصل ہے لیکن چونکہ یہ ایک آئینی ترمیم ہے اس لئے اسے دو تہائی اکثریت کی تائید حاصل ہونا ضروری ہے۔ میری پارٹی اس بات کی پوری کوشش کرے گی کہ اپوزیشن کے ساتھ اس مسئلے پر سمجھوتہ ہو جائے۔

رائے دہی کے مسودہ قانون کے بارے میں جناب عبدالصبور نے کہا کہ اس بل کو اسمبلی کے موجودہ اجلاس میں پیش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی لیکن اس بات کا بھی پورا امکان ہے کہ بل کو ایوان میں پیش کرنے سے پہلے اس پر غور کرنے والی سلیکٹ کمیٹی کی سفارشات اور دوسرے متعلقہ امور پر گیارہ ارکان کی ایک کمیٹی غور کرے تاہم اس میں زیادہ وقت نہیں لگے گا اور بل اسی اجلاس میں قانون کی شکل اختیار کر لے گا۔

8جولائی۔۔۔ سردار مینگل کے خلاف مقدمہ بغاوت

سردار عطا اللہ مینگل کے خلاف مقدمہ بغاوت کی سماعت 22جولائی سے ہوگی

8جولائی۔۔۔ خیر بخش مری کی گرفتاری کے خلاف تحریک التواء

لاہور 8 جولائی (سٹاف رپورٹر) مغربی پاکستان اسمبلی میں کونشن لیگ پارٹی نے قومی اسمبلی کے رکن سردار خیر بخش مری کی گرفتاری کے خلاف تحریک التواء پیش نہیں ہونے دی اس سلسلے میں حزب اختلاف کے میر عبدالباقی بلوچ کی تحریک التواء کو قائم مقام سپیکر جناب اسحاق کندی نے ضابطہ کے مطابق قرار دے دیا تھا۔ لیکن جب ایوان سے اس تحریک پر بحث کے لئے رائے طلب کی گئی تو صرف حزب اختلاف کے 18 ارکان حمایت میں کھڑے ہوئے اور یہ تحریک بحث کے لئے قبول نہیں کی جا سکی میری عبدالباقی بلوچ نے اس تحریک التواء پر تقریر کرتے ہوئے حکومت پر الزام لگایا کہ اس نے سردار خیر بخش کو گرفتار کر کے پورے قلات ڈویژن کو قومی اسمبلی میں نمائندگی سے محروم کر دیا اور پولیس ایجنٹ کوئٹہ نے فرنٹیر کرائمز ریگولیشن 1901ء کے تحت اپنے اختیار کا غلط استعمال کیا ہے۔ آپ نے کہا کہ پولیس ایجنٹ نے ایف۔ سی۔ آر کی دفعہ 40 کے تحت سردار خیر بخش خاں رکن قومی اسمبلی کو 6 جولائی کو کوئٹہ میں گرفتار کیا ہے اور اس کے نتیجے میں اس وقت بلوچستان کا ایک بھی نمائندہ قومی اسمبلی میں نہیں رہا ہے۔ اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر اس پر بحث کی جائے۔ پیر محمد خان یہ گرفتاری عمل میں آئی ہے کچھ زمینداروں نے قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی تھی۔ ان میں سے جن کے خلاف الزامات تھے۔ انہیں تعزیرات پاکستان کی دفعات 420 اور 109 کے تحت گرفتار کیا گیا۔ دفعہ 153 اور 40 ایف۔ سی۔ آر کے تحت بھی اقدامات کئے گئے ہیں۔ اس معاملہ کی تفتیش ہو رہی ہے اس لئے اس مرحلہ میں اس پر بحث نہیں ہونی چاہیے۔

عبدالباقی بلوچ:۔ وزیر صاحب نے قانون کو اپنے ہاتھوں میں لینے کا جو ذکر کیا ہے وہ آبپاشی کے سلسلے میں ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ کوئی نمائندہ اپنے ہی علاقہ کے لوگوں کو مار سکتا ہے۔ آپ نے اس سلسلے میں چیف جسٹس پاکستان کے ایک فیصلہ کا متن مرکزی اسمبلی 1942ء کی ایک رولنگ اور

اسمبلی کے طریق کار کے ضوابط کے بعض حصے بھی پڑھ کر سنائے۔

سپیکر:۔ اس حد تک نہ جایئے یہ بتایئے کہ اس معاملہ کو عام قانون طریق کار پر کیوں نہ چھوڑ دیا جائے۔

عبدالباقی بلوچ:۔ جناب! یہ بتایئے کہ قومی اسمبلی میں ہماری نمائندگی کون کرے گا؟

پیر محمد خان:۔ میں نے جو دفعات پڑھ کر سنائی تھیں وہ انہوں نے نظر انداز کر دی ہیں۔ اگر ایک ممبر کسی کو قتل کر دے تو کیا ہم اسے چھوڑ دیں گے۔

سپیکر:۔ ایوان کے ارکان کے حقوق موجود ہیں۔ یہ تحریک بحث کے لئے منظور کی جاتی ہے۔ جب ایوان سے بحث کی منظوری کے سلسلے میں رائے طلب کی گئی تو حزب اختلاف کے 17 موجود ارکان نے بحث کی حمایت کی۔ حزب اقتدار کے تمام ارکان نے مخالفت کی۔ چنانچہ اکثریت کی طرف سے بحث کی اجازت نہ ملنے پر اس تحریک پر بحث نہ ہو سکی۔

8 جولائی۔۔۔ مغربی پاکستان اسمبلی میں التواء کی دیگر تحریکیں

میجر عبدالجید نے تحریک پیش کرتے ہوئے کہا کہ لاہور کارپوریشن نے گلی رانا پرتاپ کرشن نگر میں 6 جولائی کو ایسی تمام جھگیاں مسمار کرا دی تھیں۔ جو رہائشی مکانوں کے طور پر استعمال ہوتی تھیں۔ اس وقت وہاں رہائش پذیر کنبوں کے سربراہ اپنے گھروں سے باہر ڈیوٹی پر گئے ہوئے تھے۔ ان کو متبادل جگہ بھی فراہم نہیں کی گئی۔ اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر اس تحریک پر بحث کی اجازت دی جائے۔ سپیکر نے اس کی منظوری کے سلسلے میں بحث 12 جولائی تک ملتوی کر دی۔

گجرات کے میاں محمد اکبر نے گجرات ڈسٹرکٹ کونسل کی طرف سے زمیندار کالج گجرات کو ملنے والی گرانٹ بند کرنے کے سلسلے میں تحریک التوا پیش کی۔ وزیر مال پیر محمد خاں نے اس سلسلے میں اعتراف کیا کہ یہ گرانٹ سیاست اور پارٹی بازی کی وجہ سے بند کی گئی ہے۔ آپ نے اس مسئلہ کو عوامی اہمیت کے پیش نظر گرانٹ کے مسئلہ پر دوبارہ غور کا یقین دلایا۔ اس پر میاں محمد اکبر نے تحریک واپس لے لی۔ مجموعی طور پر صوبائی اسمبلی میں التواء کی چھ تحریکیں پیش کی گئیں جن میں سے دو مسترد ہو گئیں۔ دو پر بحث 12 جولائی پر ملتوی ہو گئی۔ ایک تحریک واپس لے لی گئی اور ایک پر ارکان کی اکثریت نے بحث کی اجازت نہ دی گجرات سے صوبائی اسمبلی کے رکن میاں محمد اکبر نے تحریک التواء پیش کرتے ہوئے کہا کہ ڈسٹرکٹ کونسل گجرات کی طرف سے زمیندار کالج گجرات کو 27 ہزار روپے کی جو گرانٹ ملتی تھی وہ بند کر دی گئی ہے۔ اس سے کالج اور نیتجتاً گجرات کی تعلیمی حالت پر برا اثر پڑے گا۔ آپ نے کہا کہ گرانٹ بند ہونے کا سبب پارٹی بازی اور گروہی سیاست ہے۔ میاں صاحب نے مزید کہا کہ گرانٹ کا یہ سلسلہ 1922ء میں شروع ہوا تھا اور اس مقصد کے لئے اس وقت مالیہ پر ایک پائی فی روپیہ ٹیکس لگایا گیا تھا اس لئے کالج کو ملنے والی گرانٹ کسی اور جگہ پر خرچ نہیں ہو سکتی چونکہ یہ صورت حال عوامی اہمیت کی حامل ہے اس لئے اس پر بحث ہونی چاہیے۔

وزیر مال خان پیر محمد خان نے یہ اعتراف کیا کہ گرانٹ کی بندش سیاست اور پارٹی بازی کا نتیجہ ہے۔ آپ نے کہا کہ یہ امر قابل افسوس ہے کہ ڈسٹرکٹ کونسل گجرات میں بھی سیاست گھس آئی ہے۔ بہرحال کونسل نے غلط یا صحیح یہ فیصلہ کیا ہے کہ گرانٹ بند کر دی جائے۔ لیکن اب یہ معاملہ دوبارہ کمشنر کے پاس بھیجا جا رہا ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہ عوامی مفاد کا مسئلہ ہے۔ اس لئے حکومت کوشش کر رہی ہے کہ اس پر دوبارہ غور کیا جائے۔

میاں محمد اکبر:۔ میں وزیر صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ گرانٹ پارٹی بازی اور سیاست کی وجہ سے بند ہوئی ہے اور انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ یہ مسئلہ کمشنر کے پاس بھیجا جائے گا۔ اس لئے میں اپنی تحریک التواء واپس لیتا ہوں۔

بہاولپور کے علامہ ارشد (حزب اختلاف) نے تحریک التواء پیش کرتے ہوئے کہا کہ صوبائی حکومت نے نوابزادہ نصراللہ خاں ممبر قومی اسمبلی کے آبپاشی کے تمام ذرائع بند کر دیئے ہیں اور یہ اقدام حزب اختلاف سے انتقام لینے کی خاطر کیا گیا ہے۔ آپ نے کہا کہ اس قسم کی باتوں سے صوبے کی سیاسی زندگی میں اضطراب پیدا ہو گیا ہے۔ اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر اس پر بحث کی اجازت دی جائے۔

وزیر مال پیر محمد خاں نے اس کے جواب میں کہا کہ بہتر ہوتا اگر فاضل رکن تحریک پیش کرنے سے پہلے متعلقہ قواعد کا ضابطہ 41 ملاحظہ کر لیتے۔ آپ نے تحریک التواء کے الفاظ دوبارہ پڑھ کر سنائے اور کہا کہ یہ تحریک خلاف ضابطہ ہے۔ آپ نے مزید کہا کہ علامہ صاحب نے یہ نہیں بتایا کہ نوابزادہ صاحب کی اراضی کس جگہ ہے اور کس موگے کے پانی سے سیراب ہوتی ہے۔ نیز یہ ذکر بھی نہیں کیا کہ موگے کس نے کب بند کئے ہیں۔ پھر یہ مسئلہ عوامی اہمیت کا حامل بھی نہیں ہے۔ آپ نے محکمہ مال اور آبپاشی کے زمینوں اور موگوں سے متعلق ضابطے پڑھ کر سنائے۔

ملک قادر بخش:۔ میں ان کی نقل پیش کرتا ہوں۔

پیر محمد خاں:۔ آپ صبر کیجئے۔

خواجہ محمد صفدر:۔ آپ ایک دوسرے کو مشورے دیتے رہیں

پیر محمد خان:۔ آپ ہمارے معاملات میں دخل نہ دیں۔ البتہ کرمانی صاحب دخل دے سکتے ہیں۔

احمد سعید کرمانی:۔ میں آج دخل دینے والا ہوں۔

پیر محمد خان:۔ اس سلسلے میں کوئی شکایت ہے بھی تو متعلقہ حکام سے

رجوع کیا جائے۔

علامہ ارشد:۔ میری اطلاع خود نوابزادہ صاحب کی اطلاع ہے۔ وہ جھوٹ نہیں کہہ سکتے۔

پیر محمد خان: اچھا یہ بتادیں کہ کون سا موگہ بند کیا گیا ہے۔

علامہ ارشد:۔ ایک جگہ درد ہو تو بیان کردوں۔ تمام جسم درد سے چور چور ہے۔ سارے موگے بند کردیئے گئے ہیں۔

ملک قادر بخش:۔ موگے کا نمبر بتائیں۔

علامہ ارشد:۔ مجھے یقین ہے کہ نوابزادہ صاحب جھوٹ نہیں بول سکتے۔ وزیر صاحب بھی میرے دوست ہیں۔

ملک قادر بخش:۔ ہم دوست ہی نہیں بھائی ہیں۔ کسی شخص کا پانی اس لئے بند کر دینا کہ وہ حزب اختلاف میں ہے۔ نہایت ذلیل انسان کا کام ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ نوابزادہ صاحب کی کچھ زمین سیلاب کی نذر ہو گئی تھی۔ باقی ماندہ زمین کے لئے موگے نئے سرے سے لگانے پڑے۔ ظاہر ہے کہ 300 ایکڑ زمین کے لئے وہی موگہ نہیں ہو سکتا تھا جو پہلے 700 ایکڑ زمین کے لئے تھا۔ ان کی زمینوں کو 15 اپریل 1963ء سے پانی مل رہا ہے۔ عوام کو یہ تاثر دینا کہ حکومت حزب اختلاف کو تنگ کرتی ہے برا فعل ہے اگر انتقامی کارروائی کے طور پر پانی بند کیا جائے تو ایسا کرنے والے تباہ ہو جائیں۔ ورنہ ایسے الزامات لگانے والی اپوزیشن تباہ ہو جائے۔

سپیکر نے یہ تحریک خلاف ضابطہ قرار دے دی۔

ریڈیو سٹیشن سے فحش مذاق

مسٹر محمد قاسم میلہ نے تحریک التواء پیش کرتے ہوئے کہا کہ 6 جولائی کے کوہستان میں ایک شخص مسٹر حسن محمد بھٹی کا مراسلہ شائع ہوا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ریڈیو پاکستان کی دوسری محفل ختم ہونے کے بیس منٹ بعد ریڈیو پر چند خواتین کی آوازیں سنی گئیں جو فحش مذاق کر رہی تھیں اس کے بعد اسی قسم کے فحش گراموفون ریکارڈ سنے گئے یہ ایک بہت اہم مسئلہ ہے۔ اس پر ایوان میں بحث کے لئے کارروائی ملتوی کی جائے۔

سپیکر:۔ اس تحریک کا اس ایوان سے کیا تعلق ہے۔

محمد قاسم میلہ:۔ جناب یہ واقعہ لاہور ریڈیو سٹیشن میں رونما ہوا۔ مگر اس وقت ریڈیو سے کوئی یہ کہہ دیتا' کہ میں گورنر مغربی پاکستان بول رہا ہوں' اور اسمبلی کو توڑنے کا اعلان کرتا ہوں' تو

پیر محمد خان:۔ اس مسئلہ کا تعلق مرکز سے ہے۔ نیز محرک نے یہ نہیں بتایا' کہ فحش سے کیا مراد ہے مرکزی حکومت سردست اس سلسلہ میں اقدام کر رہی ہے۔ سپیکر نے یہ تحریک بھی مسترد کردی

ایڈووکیٹ کی گرفتاری

گوجرہ سے اسمبلی کے رکن جناب حمزہ ایم' اے نے تحریک التواء پیش کرتے ہوئے کہا' کہ پیپلز کالونی لائل پور کے پولیس اسٹیشن کے ایک اے' ایس' آئی' چوہدری محمد اسماعیل نے 5 جولائی کو ایک کانسٹیبل کے ذریعے ایک ایڈووکیٹ کو اس کے گھر سے گرفتار کرا دیا۔ اور اس سے مسٹر غلام نبی خاں سیکرٹری لائل پور جرنلسٹس یونین کی حرکات و سکنات کے متعلق استفسار کرنے کی کوشش کی۔ اور اس سلسلے میں کسی بااختیار افسر کا حکم اسے نہیں دکھایا۔ یہ مسئلہ عوامی اہمیت کا ہے اس لئے اس پر بحث کے لئے کارروائی ملتوی کی جائے۔ سپیکر نے اس تحریک کی منظوری سے متعلق بحث 12 جولائی پر ملتوی کر دی۔

8 جولائی۔۔۔ کراچی کے ناپسندیدہ عناصر پر کنٹرول کے قانون کی میعاد میں توسیع

مغربی پاکستان اسمبلی نے ناپسندیدہ عناصر پر کنٹرول کا ترمیمی آرڈیننس 1963ء منظور کر لیا جس کی رو سے ناپسندیدہ عناصر پر کنٹرول کے آرڈیننس مجریہ 1952ء کراچی کی میعاد میں ایک سال کی توسیع کر دی گئی۔ یہ بل حکومت نے کل پیش کیا تھا۔ کل اس پر بحث جاری تھی کہ کارروائی آج پر ملتوی ہو گئی تھی۔ امروزہ اجلاس میں اس بل پر سات ارکان نے اظہار خیال کیا جن میں سے ایک چار نے اس کی مخالفت کی اور تین نے حمایت کی۔ اس کے بعد حاضر ارکان کی اکثریت کی تائید سے یہ بل منظور ہو گیا۔

بہاول پور سے صوبائی اسمبلی کے رکن علامہ رحمت اللہ ارشد (اپوزیشن) نے ناپسندیدہ عناصر پر کنٹرول کے قانون مجریہ 1952ء کراچی' میں ایک سال کی مزید توسیع کے بل پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ اب تک غنڈہ کنٹرول ایکٹ کا غلط استعمال ہوا ہے اور صرف ان غنڈوں کا محاسبہ کیا گیا ہے جنہیں پولیس کی طرف سے غنڈہ گردی کے لائسنس حاصل نہیں ہیں۔ آپ نے مزید کہا کہ غنڈہ گردی کی روک تھام کے سلسلے میں صوبے میں ایسے قوانین نافذ ہیں جو یکساں نہیں ہیں اور جو اپنا مقصد پورا کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ ریس کورس میں بازی لگانے پر کوئی پابندی نہیں لیکن اسی قسم کا کھیل باہر کھیلا جائے تو قمار بازی کہلاتا ہے۔ علامہ صاحب نے کہا کہ جب تک قوانین کو ہمہ گیر نہ بنایا جائے۔ اس وقت تک صورت حال بہتر نہیں ہو سکتی۔ آپ نے اس امر پر کڑی تنقید کی کہ قانون کی زد عموماً غریب لوگوں پر پڑتی ہے اور اثر و رسوخ کے مالک اس سے بچ جاتے ہیں۔ آپ نے مزید کہا کہ جرائم کا ایک اہم سبب اقتصادی حالات ہیں۔ بہت سے لوگ فاقہ کشی سے مجبور ہو کر جرم کرتے ہیں۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ جرائم کے اصل اسباب کا قلع قمع کیا جائے۔ آپ نے مزید کہا کہ حکومت خود بعض غنڈہ عناصر کی سرپرستی کرتی ہے تاکہ وہ انتظامیہ کے کام آسکیں۔ یہ سیاسی حریفوں کے جلسوں کو خراب کر سکیں اور ضرورت کے وقت تشددانہ کارروائی کر سکیں۔

غلام نبی میمن کنونشنسٹ (حیدر آباد) نے کہا کہ میں اس بات کے حق میں ہوں کہ زیر بحث قانون میں ایک سال کی توسیع کر دی جائے۔ آپ نے کہا کہ جب یہ ایکٹ پاس ہوا تھا۔ اس وقت خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم' نواب مشتاق احمد گرمانی وزیر داخلہ' سردار بہادر خاں وزیر مواصلات چوہدری محمد علی وزیر مالیات اور سر محمد ظفر اللہ وزیر خارجہ تھے۔ بیگم جہاں آرا شاہنواز اس وقت بھی اسمبلی کی رکن تھیں۔ اس وقت بھی یہاں ایسے لوگ موجود ہیں جو نواب مشتاق احمد گرمانی سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ اس موقع پر مسٹر عبدالباقی بلوچ نے پوچھا کہ "یہ گرمانی صاحب کی حمایت کر رہے ہیں یا مخالف"۔ میمن صاحب نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ میں اس ایکٹ کو دوامی صورت دینے کے مخالف ہوں۔ لیکن کراچی کے حالات اس امر کا تقاضا کرتے ہیں کہ اس میں ایک سال کی توسیع کر دی جائے۔

مکران کے آزاد رکن جناب عبدالباقی بلوچ نے اپنی تقریر میں کہا مجھے فخر ہے کہ میں گرمانی جیسے لوگوں سے رہنمائی حاصل کرتا ہوں ان کی طرح (سرکاری بنچوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) جاہلوں سے رہنمائی حاصل نہیں کرتا۔ آپ نے صوبے کے مختلف حصوں کے لئے مختلف قوانین وضع کرنے کی مخالفت کی اور کہا کہ مذکورہ آرڈیننس میں اپیل کا حق نہیں دیا گیا۔ اس سے اس قانون کے غیر منصفانہ ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ آپ نے کہا کہ جب کراچی کے سوا پورے مغربی پاکستان میں ایک قانون نافذ ہے تو کراچی کے لئے علیحدہ قانون بنانے کی وجہ سمجھ سے باہر ہے۔

میاں محمد اکبر نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہفتہ 6 جولائی کو ملک قادر بخش نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ وہ 19 جولائی تک تمام آرڈیننس منظور کروانا چاہتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ کالے قوانین نافذ کروانے پر تلے ہوئے ہیں۔ آپ نے کہا کہ جب ایف۔ سی۔ آر پورے صوبے میں رائج کر دیا گیا ہے۔ تو کراچی ایکٹ کو صرف کراچی میں نافذ کرنے کی وجہ ناقابل فہم ہے۔ اگر یہ ایکٹ اچھا ہے تو صوبے کے باقی حصوں کو اس سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ اگر برا ہے تو اسے صرف کراچی میں نافذ کرنے پر کیوں اصرار ہے۔ آپ نے کہا کہ یہ کالا قانون ہے اور اس کے ذریعے یہ سازش کی جا رہی ہے کہ عدلیہ کو بالکل بے بس کر دیا جائے اور انتظامیہ کو من مانی کرنے کا اختیار دے دیا جائے آپ نے اس آرڈیننس کی مختلف دفعات پڑھ کر سنائیں اور کہا کہ اس کے نفاذ سے پولیس افسر ہائی کورٹ کی مداخلت سے بھی محفوظ ہو جائیں گی۔

محسن صدیقی کراچی (کنونشن لیگ) نے اپنی تقریر میں کہا کہ اب کراچی کی آبادی بہت بڑھ گئی ہے۔ حالات کا تقاضا ہے کہ وہاں خاص قسم کا قانون نافذ کیا جائے۔ 1952ء کی حکومت جس کو سب سے زیادہ "جمہوری" کہا جاتا ہے۔ کراچی میں یہ آرڈیننس نافذ کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ آپ نے کہا کہ ہم اس قانون میں صرف ایک سال کی توسیع چاہتے ہیں۔ اس کے بعد اس قسم کے قوانین بنائے گئے تو ہم ان کی مخالفت کریں گے اس میں توسیع بھی اس مقصد کے لئے کی جائے کہ جو مقدمات ابھی تک فیصلہ طلب پڑے ہیں۔ ان کا جلد فیصلہ ہو جائے۔

حبیب اللہ سعدی کمالیہ (لائل پور) نے اپنی تقریر میں کہا کہ اصولاً غنڈہ عناصر پر گرفت ہونی چاہیے۔ لیکن یہ مقصد اس قسم کے قوانین سے پورا نہیں ہوتا۔ ناسور کا علاج نشتر ہے۔ جب تک جرائم کے اصل اسباب کا قلع قمع نہ کیا جائے۔ اس وقت تک صورت حال بہتر نہیں ہو سکتی ہے۔ جرائم ہر جگہ رونما ہوتے ہیں۔ لیکن کسی خاص علاقے کے لئے الگ قانون بنانے کی وجہ سمجھ سے باہر ہے۔ آپ نے کہا کہ اس قسم کے اقدامات مزدور تحریکوں کو دبانے کے لئے کئے جاتے ہیں۔ مجھے خدشہ ہے کہ یہ قانون بھی مزدوروں کو دبانے کے لئے منظور کروایا جا رہا ہے۔

میاں محمد شریف پارلیمانی سیکرٹری نے اپنی تقریر میں کہا کہ کراچی ایک بین الاقوامی شہر ہے۔ اس کی آبادی کو لائلپور کی کسی بستی سے تشبیہ دینا درست نہیں۔ آپ نے کہا کہ کراچی کی نیپئر روڈ 50-2 میل لمبی ہے اور آبادی بہت زیادہ ہے۔ وہاں واشنگٹن تک سے غنڈے آتے ہیں۔ آبادی بڑھنے کے ساتھ نیکی بھی بڑھتی ہے اور برائی بھی۔ اس لئے وہاں یہ قانون نافذ ہونا بہت ضروری ہے۔

8 جولائی۔۔۔ ہائی کورٹ میں نبی بخش زہری کے خلاف سپیکر کا ریفرنس مسترد

مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس جناب منظور قادر اور جناب جسٹس جے' آر چیسن پر مشتمل ڈویژن بنچ نے آج صوبائی اسمبلی کے رکن میری بخش زہری کے مبینہ غلط رویہ کے بارے میں تحقیقات کے لئے صوبائی اسمبلی کے سپیکر کا ریفرنس مسترد کر دیا۔ یہ ریفرنس جناب مبین الحق صدیقی نے 2 جولائی کو جب کہ وہ صوبائی اسمبلی کے سپیکر تھے۔ چیف جسٹس کو بھیجا تھا چیف جسٹس جناب منظور قادر نے اپنے حکم میں کہا کہ یہ ریفرنس آئین کے آرٹیکل 113 کے تحت بھیجا گیا۔ لیکن اسمبلی نے ابھی تک آرٹیکل 113 کی دفعہ (1) کے تحت وہ قواعد و ضوابط ہی تیار نہیں کئے۔ جن کے تحت کسی رکن پر غلط رویہ اختیار کرنے کا الزام عائد کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے یہ ریفرنس سماعت کے لئے قبول نہیں کیا جا سکتا۔

ریفرنس کی سماعت آج صبح گیارہ بجے شروع ہوئی۔ ہائی کورٹ کے ممتاز وکلاء کے علاوہ عوام بھی کثیر تعداد میں کمرہ عدالت میں موجود تھے۔ جناب مبین الحق صدیقی کی جانب سے منظور حسین بخاری ایڈووکیٹ پیش ہوئے عدالت کے نوٹس کے مطابق ایڈووکیٹ جنرل جناب خالد اسحاق بھی موجود تھے۔

انہوں نے ریفرنس کو سماعت کے لئے قبول کرنے کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ یہ ریفرنس آئین کی جس دفعہ کے تحت داخل کیا گیا ہے اس کے

تحت ایوان نے ابھی تک ارکان کے رویہ کے بارے میں ضوابط تیار ہی نہیں کئے علاوہ ازیں یہ معاملہ بھی اہم ہے کہ اب مبین الحق صدیقی اسمبلی کے سپیکر نہیں رہے اور جناب اسحاق کندی قائم مقام سپیکر کی حیثیت سے فرائض انجام دے رہے ہیں اور ممکن ہے کہ وہ اس ریفرنس کی پیروی نہ کرنا چاہیں ایسی صورت میں اس ریفرنس کو سماعت کے لئے قبول کرنے سے بعض پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی۔

جناب مبین الحق صدیقی کی جانب سے منظور حسین بخاری ایڈووکیٹ نے دلائل پیش کرتے ہوئے کہا کہ اگرچہ آرٹیکل 113 کے تحت قواعد و ضوابط تیار نہیں کئے گئے لیکن آئین کے آرٹیکل 110 کے تحت قواعد و ضوابط موجود ہیں اور آئین کے آرٹیکل 171 کے تحت جو باتیں رولز میں نہیں ہیں ان کے بارے میں سپیکر کو فیصلے کرنے کا اختیار ہے۔

جہاں تک سپیکر کے عہدے سے جناب مبین الحق صدیقی کی برطرفی کا تعلق ہے منظور حسین بخاری ایڈووکیٹ نے کہا کہ مبین الحق صدیقی اس فیصلے کو تسلیم نہیں کرتے اور ان کا دعویٰ ہے کہ وہ ابھی تک سپیکر ہیں۔ فاضل چیف جسٹس نے کہا کہ وہ جو بھی دعویٰ کرتے ہوں۔ اس کا اس ریفرنس سے کوئی تعلق نہیں سوال یہ ہے کہ عدالت سے ایک رکن کے رویہ کے بارے میں تحقیقات کے لئے کہا جا رہا ہے۔ حالانکہ ابھی تک وہ قواعد و ضوابط موجود نہیں جن کے ذریعہ کسی رکن کے لئے غلط اور صحیح رویہ کا تعین کیا جا سکے۔ فاضل ججوں نے فریقین کے دلائل سننے کے بعد ریفرنس سماعت کے لئے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ فاضل چیف جسٹس نے اپنے فیصلے میں لکھا کہ آئین کے آرٹیکل 113 (1) کے تحت جب تک قواعد و ضوابط تیار نہ ہوں۔ دفعہ 2 کے تحت ریفرنس کی سماعت کی گنجائش نہیں۔ ایڈووکیٹ جنرل نے یہ موقف پیش کیا ہے کہ اس ریفرنس کے بعد جو واقعات رونما ہوئے ہیں ان کے پیش نظر اس ریفرنس کو سماعت کے لئے قبول کرنے سے بعض الجھنیں اور دشواریاں پیدا ہو جائیں گی لیکن ہم سب سے پہلے اس موقف کو سامنے رکھتے ہیں کہ جب تک آرٹیکل 113 (1) کے تحت قواعد و ضوابط موجود نہ ہوں ریفرنس سماعت کے لئے قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ایڈووکیٹ جنرل کی بیان کردہ الجھنوں اور مشکلات پر غور کرنے کی ضرورت نہیں لہٰذا یہ ریفرنس مسترد کیا جاتا ہے۔

12 جولائی--- مغربی پاکستان اسمبلی کے نئے سپیکر کی نامزدگی

مغربی پاکستان کی سپیکر شپ کے لئے کونشن لیگ نے محمد انور بھنڈر کو نامزد کر دیا۔

14 جولائی--- بھٹو کا نہرو اور مینن کو جواب

وزیر خارجہ بھٹو نے ایک بیان میں کہا کہ کشمیر پاکستان کے لئے ایسا ہی ہے جیسے مغرب کے لئے برلن۔ اس بارے میں بھی دو آراء نہیں ہو سکتیں کہ کشمیر عالمی امن کے لئے ایک خطرہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ برصغیر کے عوام کی بہتری اور بھارت و پاکستان کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ مسئلہ کشمیر کو منصفانہ طور پر حل کیا جائے۔ ہم ایسی راہ اختیار نہیں کر سکتے جو دونوں کے لئے تباہ کن ہو۔

بیان کا پورا متن--- نہرو اور مینن کو جواب--- اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں۔

15 جولائی--- ایران کو تین ہزار مربع میل کا علاقہ دے دیا گیا

زیارت میں پاکستان اور ایران نے سرحدی علاقوں کی منتقلی کے معاہدے پر باضابطہ طور پر دستخط کر دیئے جس کے مطابق پاکستان نے 3 ہزار مربع میل علاقہ ایران کے حوالے کر دیا۔ واضح رہے کہ 12 جولائی کو مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن میر عبدالباقی بلوچ نے لاہور ہائی کورٹ میں ایک رٹ دائر کر دی جس میں انہوں نے پاکستان کا 3 ہزار مربع میل علاقہ ایران کو منتقل کرنے کے فیصلے کو چیلنج کیا۔

16 جولائی--- انور بھنڈر مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن منتخب ہو گئے

چوہدری محمد انور بھنڈر 23 کے مقابلے میں 86 ووٹوں سے مغربی پاکستان اسمبلی کے سپیکر منتخب ہو گئے۔ انہوں نے حزب مخالف کے نوابزادہ افتخار احمد انصاری کو شکست دی۔

17 جولائی--- مغربی پاکستان اسمبلی میں حکمران پارٹی اپنی کارکردگی بہتر بنائے: گورنر

مغربی پاکستان کے گورنر ملک امیر محمد خان نے راولپنڈی میں اخباری نمائندوں سے بات چیت کے دوران کہا کہ اسمبلی میں حکمران پارٹی کو اپنا معیار کارکردگی بہتر بنانا چاہیے۔ حزب مخالف اسمبلی کی کارروائی میں رکاوٹیں ڈالنے کے لئے جو چالیں چلتی رہتی ہے' سرکاری پارٹی کے ارکان خاطر خواہ طور پر ان سے نپٹنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ شاید وہ اس خیال سے معاملات پر سنجیدہ توجہ نہیں دیتے کہ وہ بھاری اکثریت میں ہیں۔ یہی وقت ہے کہ انہیں سنجیدگی سے اپنے فرائض انجام دینے چاہئیں۔

20 جولائی--- مغربی پاکستان اسمبلی کا اجلاس ملتوی

مغربی پاکستان اسمبلی کا اجلاس غیر معینہ مدت تک کے لئے ملتوی ہو گیا۔

23 جولائی--- پاکستان سیٹو اور سینٹو سے نکل جائے: حزب مخالف

قومی اسمبلی کے اجلاس میں حکومت کی خارجہ پالیسی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے حزب مخالف کے ارکان نے مطالبہ کیا کہ پاکستان سیٹو اور سینٹو جیسے فوجی معاہدوں سے الگ ہو جائے۔

24 جولائی --- پاکستان صرف 310 مربع میل کا علاقہ ایران کو دے رہا ہے: بھٹو

وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے قومی اسمبلی میں حزب مخالف کے بعض اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے وضاحت کی کہ ایران کو جو علاقہ دیا جا رہا ہے وہ 6 فروری 1958ء کے معاہدے کے تحت دیا جا رہا ہے۔ نیز یہ رقبہ 3 ہزار مربع میل نہیں بلکہ صرف 310 مربع میل ہے جبکہ ایران سے پاکستان کو بھی 95 مربع میل کا علاقہ واپس مل رہا ہے۔

وزیر خارجہ نے افغانستان کے ساتھ سفارتی تعلقات کی تجدید کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ ہم افغانستان اور پاکستان کے درمیان موجود مسائل حل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ انہوں نے بھارت کو دنیا کا بگڑا ہوا بچہ قرار دیتے ہوئے بتایا کہ پاکستان نے مسئلہ کشمیر پر بھارت کے ساتھ مذاکرات کر کے غلطی کی تھی۔ بھارت کے ساتھ تعلقات اور مسئلہ کشمیر کے بارے تفصیلی ذکر کرتے ہوئے وزیر خارجہ نے اعلان کیا کہ بھارت نے کشمیریوں کی سرزمین کو میدان جنگ میں تبدیل کر دیا ہے۔

انہوں نے مغربی طاقتوں پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان مغرب سے تعلقات کی بحالی کا خواہاں ہے لیکن مغرب کو بھی سمجھنا چاہیے کہ پاکستان ایک مظلوم فریق ہے۔

قومی اسمبلی میں وزیر خارجہ کی تقریر کا مکمل متن --- ایران کے ساتھ سرحدی معاہدہ --- اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں۔

26 جولائی --- مشرقی پاکستان میں سیلاب سے 10 ہزار افراد ہلاک

مشرقی پاکستان کے ساحلی علاقوں میں سیلاب سے 10 ہزار افراد ہلاک ہو گئے۔

اگست 1963ء

9 اگست --- ایوب خان خاکسار تحریک کے صدر بن جائیں: علامہ مشرقی

علامہ عنایت اللہ خان مشرقی نے حکومت اور عوام کے نام اپنے طویل پیغام میں ایوب خان کو مشورہ دیا کہ وہ خاکسار تحریک کی صدارت سنبھال لیں۔ پیغام میں بھارت کو غیر مشروط طور پر دنیا کی دونوں بڑی طاقتوں روس اور امریکہ کی طرف سے اسلحہ کی زبردست سپلائی کو پاکستان کے لئے خطرناک قرار دیا گیا۔ انہوں نے کہا کہ بھارت ہمارا دوست نہیں ہو سکتا۔

پیغام کا مکمل متن --- بستر مرگ سے علامہ مشرقی کا پیغام --- اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں۔

16 اگست --- انتخابات بالغ رائے دہی کی بنیاد پر کرائے جائیں: رائے دہی کمیشن

رائے دہی کمیشن کی رپورٹ میں انتخابات براہ راست اور بالغ رائے دہی کی بنیاد پر کرانے کی سفارش کی گئی۔

19 اگست --- مولوی تمیز الدین کا انتقال

قائداعظم کے با اعتماد ساتھی اور قومی اسمبلی کے سپیکر مولوی تمیز الدین خان ڈھاکہ میں انتقال کر گئے۔ 10 اگست 63ء کو جب نمونیہ اور 106 ڈگری بخار میں مبتلا مولوی تمیز الدین خان کو ڈھاکہ لے جانے کے لئے ہوائی جہاز میں سوار کیا گیا تو قومی اسمبلی اور صدارتی کابینہ کے ارکان پھوٹ پھوٹ کر رونے اور ان کی صحت یابی کے لئے دعائیں مانگنے لگے۔ تاہم 19 اگست کو مولوی صاحب کا ڈھاکہ میں انتقال ہو گیا۔

مولوی تمیز الدین ان دنوں اپنی خود نوشت سوانح حیات بھی قلم بند کر رہے تھے۔ جو نامکمل رہ گئی۔ قیام پاکستان کے بعد وہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کے پہلے نائب صدر اور قائداعظم کے انتقال کے بعد صدر منتخب ہوئے۔ 1954ء میں جب غلام محمد نے اسمبلی توڑی تو مولوی تمیز الدین نے اعلیٰ عدالتوں میں اس فیصلے کو چیلنج کیا۔ لیکن ناکام رہے۔ انہوں نے دوسری دستور ساز اسمبلی کے انتخابات میں حصہ نہ لیا۔ بعد ازاں مشرقی پاکستان مسلم لیگ کے صدر کے طور پر 1958ء میں کام کیا۔ 1962ء میں انہیں نئی قومی اسمبلی کا سپیکر چنا گیا تھا۔

مولوی تمیز الدین کے بارے میں مزید تفصیل کے لئے اسی جلد میں ان کا سوانحی خاکہ بھی دیکھیں۔

27 اگست --- علامہ مشرقی انتقال کر گئے

علامہ عنایت اللہ خان مشرقی اچھرہ' لاہور میں انتقال کر گئے اور وہیں دفن ہوئے۔ وہ 25 اگست 1988ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے تھے۔ 1924ء میں انہوں نے اپنی شہرہ آفاق کتاب کے ذریعے دنیا بھر کے علمی اور مذہبی حلقوں میں تہلکہ مچا دیا۔ 1932ء میں خاکسار تحریک شروع کی جسے 28 فروری 1940ء کو خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔ 19 مارچ کو تحریک کے جلوس پر پولیس اور فوج کی فائرنگ سے کئی خاکسار شہید اور زخمی ہو گئے۔ قیام پاکستان کے بعد انہوں نے تحریک کو معطل کر کے "اسلام لیگ" کی بنیاد رکھی تھی۔

علامہ مشرقی کے بارے میں مزید تفصیل کے لئے اسی جلد میں ان کا سوانحی خاکہ بھی دیکھیں۔

27 اگست --- قدرت اللہ شہاب کا استعفیٰ

وزارت اطلاعات و نشریات کے سیکرٹری قدرت اللہ شہاب کے استعفے کے بارے میں اخبارات میں دعویٰ کیا گیا کہ یہ استعفےٰ امریکی دباؤ کا نتیجہ تھا جو امریکی نائب وزیر خارجہ کے دورہ پاکستان کے موقع پر لیا گیا۔ اخبارات میں یہ بھی کہا گیا کہ یہ سلسلہ ایس کے دہلوی سے شروع ہوا تھا اور قدرت اللہ شہاب تک پہنچ گیا ہے۔ "ڈان" کراچی نے مارچ میں اطلاع دی تھی کہ ایک اعلیٰ امریکی افسر نے تمام سفارتی آداب کو بالائے طاق رکھ کر وزارت خارجہ کے سیکرٹری ایس کے دہلوی اور سیکرٹری اطلاعات قدرت اللہ شہاب کا نام لے کر بھی سے پوچھا کہ آخر شہاب صاحب کو پیکنگ جانے کی کیا ضرورت تھی۔ امریکی سفیر نے اس خبر کی تردید کردی تھی۔ یہ مسئلہ شہاب کے استعفے کے ساتھ دوبارہ زندہ ہو گیا۔ حکومت نے ایک وضاحتی پریس نوٹ میں اس امر کی وضاحت کی کہ یہ تبادلے کسی بیرونی طاقت کے دباؤ کا نتیجہ نہیں۔ صدر کے پرنسپل سیکرٹری نے بھی تردید کرتے ہوئے کہا کہ حکومت کسی بیرونی مداخلت کو برداشت نہیں کرے گی۔

30 اگست --- پاک' روس تجارتی معاہدہ

پاکستان اور روس کے درمیان ایک تجارتی معاہدے پر دستخط ہو گئے

ستمبر 1963ء

یکم ستمبر --- پاک بھارت تجارتی سمجھوتہ

پاکستان اور بھارت نے ایک تجارتی سمجھوتے پر دستخط کئے جس کی رو سے پاکستان بھارت سے ہر ماہ ایک لاکھ 30 ہزار ٹن کوئلہ اور ہر سال 50 ہزار ٹن پتھر خریدے گا۔ اس کے عوض بھارت پاکستان سے پٹ سن' پٹ سن کی کترن اور روئی حاصل کرے گا۔

2 ستمبر --- اخبارات پر پابندی سے متعلق نیا آرڈیننس

گورنر مغربی پاکستان نے ایک نیا آرڈیننس نافذ کیا اس آرڈیننس کی رو سے اخبارات میں:۔

صوبائی اور قومی اسمبلیوں کے علاوہ عدالتوں کی صرف وہی کارروائی شائع کی جاسکے گی جس کی اجازت اسمبلی کا سپیکر یا جج دے۔

صوبائی اور مرکزی حکومت کے اعلانات کو ہو بہو چھاپنا اخبارات کا فرض ہو گا۔ (خواہ اس میں زبان کی غلطیاں بھی ہوں)

خبروں کی سرخیوں اور متن میں توازن رکھنا پڑے گا۔

حکومت کو یہ اختیار حاصل ہو گا کہ وہ جس اخبار کے حسابات اور انتظامی امور کی چاہے جانچ پڑتال کر سکتی ہے۔

ان احکامات کی خلاف ورزی پر سزا قید یا جرمانہ یا دونوں ہوں گی۔ سزائے قید ایک سال تک ہو گی اور جرمانہ دس ہزار روپیہ تک۔

3 ستمبر --- سول اینڈ ملٹری گزٹ بند ہو گیا

لاہور کا قدیم ترین انگریزی روز نامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ' 94 سال جاری رہنے کے بعد بند ہو گیا۔

3 امریکی صدر کا ایلچی پاکستان

امریکی صدر کے خاص ایلچی جارج بال نے صدر ایوب سے مذاکرات کئے۔

9 ستمبر --- صحافیوں کی ہڑتال

اخبارات پر نئی پابندیوں کے خلاف ملک بھر کے اخبارات نے ہڑتال کر دی۔ جس کے نتیجے میں 10 ستمبر کو کوئی اخبار شائع نہ ہوا۔ 9 ستمبر کو جلسے ہوئے' جلوس نکالے گئے اور احتجاجی قراردادیں منظور کی گئیں۔

محترمہ فاطمہ جناح نے وفاق قائد کے موقع پر اپنے پیغام میں کہا کہ جمہوری نظام کے فروغ اور ارتقاء کے لئے اخبارات اور افراد کی آزادی نا گزیر ہے۔ اس آزادی کو ختم کرنے کی کوئی بھی کوشش پاکستانی معاشرے کی نشوونما کو روک دے گی۔ انہوں نے کہا کہ بانی پاکستان ہمیشہ فرد اور اخبار کی آزادی کے لئے سینہ سپر رہے۔ انہوں نے افسوس ظاہر کیا کہ جن پاکستانی عوام کو فرنگی حکمرانوں کے استبداد سے نجات مل گئی تھی۔ وہ آج بنیادی حقوق اور حق رائے دہی کے لئے ترس رہے ہیں۔

روزنامہ سٹیٹس مین دہلی نے ان پابندیوں کو "مردے کا قتل" قرار دیا۔

کامن ویلتھ پریس ایسوسی ایشن نے بھی ان پابندیوں کے خلاف احتجاج کیا۔

اکیاون ملکوں کے صحافیوں کی طرف سے پاکستانی پریس پر پابندیوں کی مذمت کی گئی۔ وزیر داخلہ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ وطن پرست اور دیانتدار اخباروں کو نہیں ڈرنا چاہیے۔ یہ صرف صحافت کی "کالی بھیڑوں" کے خلاف استعمال کیا جائے گا۔

خواجہ ناظم الدین' سردار بہادر اور دوسرے قومی رہنماؤں نے بھی ان پابندیوں کی مذمت کی۔ جبکہ کنونشن لیگ کے چیف آرگنائزر چودھری خلیق الزماں نے ان پابندیوں کو ناکافی قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ پریس مطبوعات' آرڈیننس کی حالیہ ترامیم سے مسائل کا محض برائے نام حل ہوا ہے۔ انہوں' نے کہا یہ آرڈیننس پریس کی غلط کاریوں کا ایک مثبت ثبوت ہے۔ انہوں نے

کہا کہ تین چار سرمایہ داروں نے پریس پر جو اجارہ داری قائم کر رکھی ہے' اسے ختم ہونا چاہیے۔

12 ستمبر۔۔۔اکرام اللہ انتقال کر گئے

سابق سیکرٹری خارجہ' دولت مشترکہ کی اقتصادی کونسل کے سابق صدر اور بیگم شائستہ سہروردی کے شوہر اکرام اللہ انتقال کر گئے۔ پاکستان کے ابتدائی ایام میں امریکہ سے قریبی تعلقات اور امریکی امداد کے حصول میں انہوں نے کلیدی کردار ادا کیا تھا۔

15 ستمبر۔۔۔امریکہ اور کشمیر

صدر کینیڈی نے اپنے ایک بیان میں اس امر کی وضاحت کی کہ برصغیر کے لوگوں کے نزدیک مسئلہ کشمیر کیونزم سے زیادہ اہم ہے اور جب ان سے پوچھا گیا کہ ایشیا کے جن علاقوں میں امریکہ اپنا سرمایہ لگا رہا ہے اور وہاں اس کے اثرات بھی مضبوطی کے ساتھ قائم ہیں' تو وہ بھارت اور پاکستان کے مابین کشمیر کی نزاع کے لئے کیوں کوشش نہیں کرتا تو اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ یہ درست ہے کہ ہم ان ممالک میں اپنی امداد بدستور پہنچا رہے ہیں لیکن ہم ان علاقوں کے لوگوں سے یہ توقع نہیں رکھ سکتے کہ وہ ہر معاملے میں ہماری بات ماننے کے لئے تیار ہوں کیوں کہ ہر ملک کی اپنی شخصیت ہے اور اپنی روایات ہیں۔ ان ملکوں کے مفاد الگ الگ ہیں۔ ہم ہر ایک کو اپنے سانچے میں ڈھال بھی نہیں سکتے اور وہ سب لوگ ہمارے سانچے میں ڈھلنے کے لئے آمادہ بھی نہیں ہیں اور پھر پاکستان اور ہند کا جھگڑا تو پرانا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ جھگڑا نبٹ جائے لیکن ان ملکوں کے بہت سے لوگ کیونزم سے زیادہ اس نزاع کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

15 ستمبر۔۔۔غلام محی الدین قصوری بھی گزر گئے

ممتاز سیاستدان اور قانون دان' مولانا غلام محی الدین قصوری کا انتقال ہو گیا۔

18 ستمبر۔۔۔چیف جسٹس ہائی کورٹ کا استعفیٰ

مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر منظور قادر اپنے منصب سے مستعفی ہو گئے

صدر کے سیکرٹریٹ کے ایک پریس نوٹ میں کہا گیا کہ "مسٹر منظور قادر بار ایٹ لانے مغربی پاکستان کے چیف جسٹس کے عہدے سے استعفا دے دیا ہے۔ 1962ء میں جب انہیں اس عہدہ کی پیش کش کی گئی تھی تو اس وقت بھی انہوں نے ذاتی وجوہ کی بنا پر اس پیش کش کو قبول کرنے میں تامل کا اظہار کیا تھا۔ اب انہوں نے خرابی صحت کی بنا پر یہ درخواست کی ہے کہ انہیں سبکدوش کر دیا جائے۔ صدر نے بڑے تامل کے بعد 30 ستمبر 1963ء سے ان کا استعفا قبول کر لیا ہے۔ مسٹر منظور قادر نے جس جذبے کے تحت یہ عہدہ قبول کیا اور جس پسندیدہ طریقے سے انہوں نے اپنے فرائض سرانجام دیے صدر ایوب نے اسے انتہائی قابل تعریف قرار دیا ہے۔ صدر کی یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسٹر منظور قادر کو مکمل صحت عطا کرے اور وہ دیر تک عوام کی خدمت کر سکیں۔"

اس پریس نوٹ سے چند دن پہلے جب یہ خبر روز نامہ "امروز" لاہور میں شائع ہوئی تھی کہ چیف جسٹس مغربی پاکستان مستعفی ہو گئے ہیں تو اردو اخبارات کے اکثر قارئین نے اس کی صحت پر شک کا اظہار کیا تھا۔ اس لئے کہ یہ خبر کسی دوسرے اردو اخبار میں موجود نہیں تھی۔۔۔ مگر دوسرے ہی دن نتھیا گلی سے خود جناب منظور قادر نے اس کی تصدیق کر دی۔

جناب منظور قادر صرف سولہ ماہ اس عہدہ جلیلہ پر فائز رہے اور یہ کہنا غالباً" غلط نہیں ہو گا کہ ان کی نامزدگی ایک بہت متنازعہ فیہ مسئلہ بن گئی تھی۔ بے شمار اخبارات نے ان کے تقرر کے خلاف اداریتی کالموں میں آواز بلند کی۔ اتہام تراشی کا ایک لامتناہی سلسلہ صرف اس وقت بند ہو سکا۔ جب بالآخر انہوں نے استعفیٰ دے دیا۔ ان کا استعفیٰ منظور کر لیا گیا۔

21 ستمبر۔۔۔ایک ٹیلیفون کال

جماعت اسلامی پاکستان کے ناظم نشرو اشاعت کی طرف سے ایک پریس نوٹ میں بتایا گیا ہے کہ آج ٹھیک ایک بجے دوپہر فون پر ایک صاحب نے اپنے آپ کو بڑا سرکاری افسر ظاہر کرتے ہوئے مولانا مودودی سے ان کے حالیہ بیان کے اس فقرے کی وضاحت طلب کی کہ اگر کنونشن لیگ کسی فرشتہ کو بھی کھڑا کرے تو ہم اس کا ساتھ نہیں دیں گے۔ مولانا نے بتایا کہ میں نے اس کی وضاحت میں کہا کہ ایک شخص ذاتی طور پر کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو لیکن جب وہ ایک استبدادی نظام کی پشت پناہی کے لئے جا رہا ہے تو اس کی ذاتی نیکی کا کوئی وزن نہیں رہتا۔ اس پر ان صاحب نے مجھ سے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے اس بیان کے متعلق ایک معذرت نامہ لکھ دیں ورنہ حکومت آپ کے خلاف کارروائی کرنے پر مجبور ہو گی۔ مولانا مودودی نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ میں اس طرح کا آدمی نہیں ہوں جو معذرت نامے لکھ لکھ کر دیا کرتا ہو۔ میں نے کبھی معذرت نامہ نہیں لکھا۔ میرے خلاف کسی کو جو کارروائی کرنا ہو کر تا رہے۔

(نوائے وقت مورخہ 22 ستمبر 63ء

28 ستمبر۔۔۔ روس اور پولینڈ سے تجارتی معاہدے

حکومت نے روس اور پولینڈ سے تجارتی معاہدوں پر دستخط کئے۔

28 ستمبر۔۔۔ جماعت اسلامی کے اجتماع کے لئے جگہ کی منظوری

کالمباچکر

میاں طفیل محمد نے اخبارات کے نام ایک بیان میں کہا کہ جماعت اسلامی کانفرنس کے انعقاد کے سلسلہ میں اپنی تمام تر قانونی کوششوں کے باوجود ابھی تک صوبائی حکومت سے اجازت نامہ حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ انہوں نے بتایا کہ جماعت اسلامی کی مرکزی کونسل نے اپنے گذشتہ جولائی کے اجلاس میں مجوزہ کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کی تاریخ کا تعین بھی اسی اجلاس میں کیا گیا تھا۔ اس فیصلہ کی روشنی میں جماعت کی طرف سے تیس جولائی کو ایک رسمی درخواست ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور کو دے دی گئی جس میں منٹو پارک میں مجوزہ کانفرنس منعقد کرنے کی اجازت طلب کی گئی تھی۔ جب اس سلسلہ میں سپرنٹنڈنٹ باغات سے رابطہ پیدا کیا گیا تو انہوں نے کوئی امداد کرنے سے اظہار معذوری کیا اور بتایا کہ صوبائی حکومت کے ہوم سیکرٹری سے اجازت نامہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ جماعت کا ایک وفد ہوم سیکرٹری سے ملا اور انہیں اپنی عرضداشت پیش کی۔ ہوم سیکرٹری نے نئی درخواست پیش کرنے کی ہدایت کی جس پر ایک تازہ درخواست 25 اگست کو پیش کر دی گئی۔ ہوم سیکرٹری نے وعدہ کیا کہ وہ تقریباً" ایک ہفتہ میں درخواست کا فیصلہ کر دیں گے۔

میاں طفیل محمد نے بتایا کہ وفد نے ہوم سیکرٹری کے وعدہ کے مطابق جب 6 ستمبر کو پھر ان سے ملاقات کی تو انہوں نے کہا کہ درخواست کا فیصلہ ہونے میں مزید ایک ہفتہ لگ جائے گا لہٰذا ایک ہفتہ بعد جب 9 ستمبر کو ان سے دوبارہ استفسار کیا گیا تو انہوں نے حکم دیا کہ ہم ڈپٹی سیکرٹری ہوم سے ملیں۔ ڈپٹی سیکرٹری صاحب سے ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ فیصلہ میں ایک ہفتہ لگ جائے گا۔ انیس ستمبر کو انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ تین چار روز میں درخواست پر اپنا فیصلہ صادر کر دیں گے۔ 23 ستمبر کو انہوں نے کہا کہ کل آیئے۔ اگلے روز پھر فرمانے لگے کہ کل آیئے۔ لہٰذا ہم پچیس ستمبر کو جب انہیں ملے تو انہوں نے ایک بار پھر وعدہ فردا پر ٹالا۔ چھبیس ستمبر کو جب جماعت اسلامی کے نمائندے درخواست کا جواب حاصل کرنے کی غرض سے ڈپٹی سیکرٹری کو ملے تو انہوں نے بتایا کہ درخواست انہوں نے اپنے ریمارکس کے ساتھ سیکرٹری زراعت کو بھیج دی ہے اور اب وہ ایک ہفتہ کے اندر حکومت کے فیصلہ سے جماعت کو آگاہ کر دیں گے۔ میاں صاحب نے کہا ہے کہ مقام حیرت ہے کہ سیکرٹری زراعت کا ایک سیاسی نوعیت کی کانفرنس کے انعقاد سے کیا تعلق ہے؟

جماعت اسلامی کے رہنما نے الزام لگایا ہے کہ اس مہینے کی 22 تاریخ کو کراچی میں جماعت اسلامی نے جب ایک جلسہ عام منعقد کرنے کی غرض سے حکومت سے اجازت مانگی تھی تو اس وقت بھی اسی قسم کا رویہ اختیار کیا گیا تھا۔ آپ نے بتایا کہ اس جلسہ میں مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے تقریر کرنا تھی اس جلسہ کی اجازت کے سلسلہ میں حکومت نے ہمیں بائیس روز تک گوگو کی کیفیت میں رکھا اور بالاخر بیس ستمبر کو یعنی جلسہ منعقد ہونے سے دو روز پہلے درخواست مسترد کر دی گئی اور اس طرح سارا پروگرام تہ و بالا کر دیا۔ اپنے بیان کے آخر میں میاں طفیل محمد نے حکومت سے استدعا کی کہ وہ اپنے رویہ میں تبدیلی کرے اور کسی مزید تاخیر کے بغیر جماعت اسلامی کو کل پاکستان کانفرنس کے انعقاد کی اجازت دے دے۔

30 ستمبر۔۔۔ مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے نئے جسٹس

30 ستمبر کی شام، مغربی پاکستان ہاؤس راولپنڈی میں، جسٹس عبدالعزیز نے، گورنر ملک امیر محمد خان کے سامنے مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے نئے چیف جسٹس کا حلف اٹھایا۔ وہ 1953ء میں ہائی کورٹ کے جج مقرر ہوئے تھے۔ اس لحاظ سے وہ مغربی پاکستان کے سب سے زیادہ سینئر جج تھے۔

اکتوبر 1963ء

2 اکتوبر۔۔۔ یونیورسٹی آرڈیننس منسوخ نہیں ہوگا: وزیر تعلیم

مغربی پاکستان کی وزیر تعلیم بیگم محمودہ سلیم نے ایک بیان میں اعلان کیا کہ یونیورسٹی آرڈیننس کو منسوخ نہیں کیا جائے گا۔

3 اکتوبر۔۔۔ سرکاری ٹھیکیدار رکن اسمبلی نہیں بن سکتا

سپریم کورٹ نے ایک فیصلہ میں کہا کہ سرکاری ٹھیکیدار یا سرکاری ٹھیکے سے مفاد وابستہ رکھنے والا شخص قومی یا صوبائی اسمبلیوں کا رکن نہیں بن سکتا۔

7 اکتوبر۔۔۔ پاک، روس فضائی معاہدہ

حکومت پاکستان اور حکومت روس نے ایک فضائی معاہدے پر دستخط کئے جس کی رو سے دونوں ملکوں کے ہوائی جہاز ایک دوسرے کے علاقے میں پرواز کر سکیں گے۔

8 اکتوبر۔۔۔ بخشی غلام محمد مستعفی

مقبوضہ کشمیر کے وزیر اعلیٰ بخشی غلام محمد نے استعفیٰ دے دیا۔ شمس الدین نئے وزیر اعلیٰ مقرر ہوئے۔

9 اکتوبر۔۔۔ اسمبلیوں اور عدالتوں کی کارروائی کی اشاعت پر پابندی ختم

حکومت نے صحافیوں کے زبردست احتجاج کے پیش نظر اخبارات میں

اسمبلیوں اور عدالتوں کی کارروائی کی اشاعت پر پابندی ختم کر دی۔

19 اکتوبر۔۔ کچلو انتقال کر گئے۔

1919ء کے جلیانوالہ باغ کے ہیرو اور جنگ آزادی کے عظیم مجاہد ڈاکٹر سیف الدین کچلو نئی دہلی میں انتقال کر گئے۔

16 اکتوبر۔۔ جماعت اسلامی کے اجتماع کے لئے لاؤڈ اسپیکر کی اجازت دینے سے انکار

جماعت اسلامی پاکستان کے مرکزی دفتر سے جاری کردہ ایک اعلامیہ میں بتایا گیا کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور نے جماعت کے کل پاکستان اجتماع عام کے لئے، جس میں ہزارہا عام حاضرین کے علاوہ سات ہزار سے زائد صرف مندوبین شریک ہوں گے۔ لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی اجازت دینے سے انکار کر دیا ہے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور کے اس حکم کے بارے میں میاں طفیل محمد قیم جماعت اسلامی پاکستان نے حسب ذیل بیان اخبارات کو اشاعت کے لئے دیا۔

"مسلسل دو ماہ سے زائد عرصہ تک جدوجہد کے بعد آخر کار 4 اکتوبر کو ہوم سیکرٹری صاحب حکومت مغربی پاکستان نے ہمیں یہ اجازت مرحمت فرما دی تھی کہ ہم اقبال پارک کی بجائے بھاٹی و ٹکسالی دروازے کے درمیان میونسپل باغ میں اپنا چار روزہ کل پاکستان اجتماع عام 25، 26، 27، 28 اکتوبر کو منعقد کر سکتے ہیں۔ اگرچہ یہ جگہ اس کل پاکستان اجتماع عام کی ضریات کے لئے بہت کم تھی، لیکن اس قدر عظیم اجتماع کی تیاری کے لئے وقت بہت کم رہ جانے کی وجہ سے ہم مجبوراً" اسی باغ میں انتظامات شروع کر دیئے جن پر ہزاروں روپے اب تک صرف ہو چکے ہیں اور ہزاروں روزانہ خرچ ہو رہے ہیں۔ لیکن ہر شخص یہ سن کر دنگ رہ جائے گا کہ بارہ روز کے غور و خوض کے بعد اور ہوم سیکرٹری صاحب کی طرف سے اجتماع کے انعقاد کی اجازت مل جانے کے باوجود مجسٹریٹ صاحب نے اس اجتماع کے لئے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

سوال یہ ہے کہ جس کانفرنس میں شہر کے ہزارہا عام حاضرین کے علاوہ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے ہر حصے سے آنے والے سات ہزار سے زائد صرف ارکان اور متفقین جماعت شریک ہو رہے ہیں، اس کے لئے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی اجازت سے انکار عملاً" کانفرنس کے انعقاد کو روکنے کی کوشش کے سوا اور کیا معنی رکھتا ہے۔ ان حالات میں میں حکومت سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے ان حکام کو صدر پاکستان کے آئے دن دہرائے جانے والے آزادی و جمہوریت کے وعدوں اور حکومت کے خود اپنے جاری کردہ احکام کی اس طرح مٹی پلید کرنے سے روکیں اور جب چالیس روز تک خوب سوچ بچار اور تحقیق و تفتیش کے بعد اس کانفرنس کے انعقاد کی اجازت دی جا چکی ہے تو اب اس کے لئے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی اجازت بھی دے دی جائے۔ شرکاء اجتماع اور عوام کی اطلاع کے لئے میں یہ اعلان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ کانفرنس اب انشاء اللہ ضرور ہو گی خواہ اس کے لئے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی اجازت حاصل ہو یا نہ ہو۔ لہٰذا کوئی شخص بھی، جس نے اجتماع کے لئے آنے کا عزم کیا ہو، اس رکاوٹ کی بنا پر اپنا ارادہ منسوخ نہ کرے"۔

اسی روز جماعت اسلامی کے شعبہ نشر و اشاعت کی طرف سے اسمبلیو کے ارکان سے بھی اپیل کی گئی کہ وہ لاؤڈ اسپیکر کی اجازت کے لئے حکومت اپنا دباؤ ڈالیں۔ اپیل میں کہا گیا تھا کہ:

"ملک کی مقننہ کے اہم رکن اور نمائندہ عوام ہونے کی حیثیت سے آپ پر جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے، امید ہے کہ اس موقع پر اسے پورا کرنے کی طرف توجہ فرمائیں گے۔ اور اس سلسلہ میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی اجازت دینے کے لئے ارباب حکومت پر دباؤ ڈالنے سے گریز نہیں فرمائیں گے"۔

17 اکتوبر۔۔ لاؤڈ اسپیکر کا معاملہ عدالت میں

لاؤڈ اسپیکر کی اجازت کے سلسلے میں جماعت اسلامی کی دائر کردہ درخواست، جسٹس نذیر احمد محمود نے سماعت کے لئے منظور کر لی۔ اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے نام 21 اکتوبر کے لئے نوٹس جاری کر دیا۔ درخواست کا مکمل متن درج ذیل ہے:

(1) جماعت اسلامی پاکستان کے کل پاکستان اجتماع عام برائے 25 تا 28 اکتوبر 1963ء کے انعقاد کے لئے 30 جولائی کو ایک درخواست ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور کی خدمت میں پیش کی گئی تھی جس پر انہوں نے حکومت کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا۔ اس پر ایک درخواست 25 اگست کو ہوم سیکرٹری صاحب کی خدمت میں پیش کی گئی جس پر انہوں نے 4 اکتوبر کو باغ بیرون بھاٹی و ٹکسالی دروازہ میں اس اجتماع عام کو منعقد کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس کے بعد ناظم اجتماع اخلاق حسین کی طرف سے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور کی خدمت میں اس کانفرنس کے لئے لاؤڈ سپیکر استعمال کرنے کی اجازت کے لئے درخواست پیش کی گئی۔ لیکن فاضل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب نے یہ اجازت دینے سے 15 اکتوبر کو زبانی انکار کر دیا۔ اگلے روز ان کی خدمت میں ایک اور درخواست پیش کی گئی کہ وہ اپنے اس حکم پر نظر ثانی فرمائیں اور لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی اجازت عنایت فرما دیں۔ اس درخواست پر بھی انہوں نے کوئی کارروائی نہیں کی۔

(2) یہ درخواست ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب کے اس حکم کے خلاف بطور نگرانی دائر کی جا رہی ہے۔ کیونکہ دفعہ 144 ضابطہ فوجداری جس کے تحت لاؤڈ اسپیکر کے استعمال پر پابندی عائد کی گئی ہے اس کے تحت ڈسٹرکٹ

مجسٹریٹ صاحب کو انہی معاملات میں اور اسی صورت میں پابندی عائد کرنے کا اختیار ہے جبکہ اس کا مقصد کسی ایسے اقدام کو روکنا ہو کہ اگر اسے نہ روکا جائے تو کسی شخص کی جان' صحت یا تحفظ وغیرہ کو کوئی نقصان پہنچے کا اندیشہ ہو۔ یا کوئی بدامنی یا فساد برپا ہو سکتا ہو۔ زیر بحث معاملہ جماعت اسلامی کانفرنس منعقد کرنے کی اجازت دی جا چکی ہے۔ اس اجازت کے بعد محض لاؤڈ سپیکر کے استعمال سے کوئی ایسا خطرہ پیدا نہیں ہو سکتا جس کا تذکرہ دفعہ 144 میں کیا گیا ہے۔ بلکہ صورت حال اس کے برعکس ہو گی کہ لاؤڈ سپیکر کے بغیر کانفرنس میں آنے والے مندوبین اور دوسرے لوگوں میں ناراضی اور کانفرنس کے کام میں رکاوٹ پیدا ہو گی۔ اور اگر بدامنی اور ہڑبونگ کا اندیشہ ہو سکتا ہے تو وہ لاؤڈ اسپیکر کے استعمال پر پابندی کی صورت میں ہو سکتا ہے۔

(3) حکومت کی طرف سے اجتماع عام کے انعقاد کی اجازت دراصل خود اس بات کو مستلزم ہے کہ کانفرنس میں لاؤڈ سپیکر استعمال کیا جا سکتا ہے اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب کا یہ حکم گورنمنٹ کی اس اجازت سے متصادم ہوتا ہے۔ اگر فاضل عدالت کی رائے یہ ہو کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو دفعہ 144 ضابطہ فوجداری کے تحت ایسا حکم دینے کا اختیار ہے اور وہ اسے واپس لینے کا پابند نہیں ہے' تو ہمارا موقف یہ ہے کہ ضابطہ فوجداری کے باب نمبر2 کے تحت ایک مجسٹریٹ کے انتظامی اختیارات مناسب طریقہ سے استعمال کرنے کے لئے ہیں' من مانے طریقے سے استعمال کرنے کے لئے نہیں ہیں۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب نے اجازت نہ دینے کے لئے کوئی وجہ بیان نہیں فرمائی کہ وہ اس کانفرنس کے لئے لاؤڈ سپیکر کی اجازت کیوں نہیں دے رہے ہیں۔ ایک ایسا انتظامی حکم جو احتیاط اور موزونیت سے خالی ہو' وہ قانون کی نظر میں جائز نہیں ہے اور اس پر عدالت فیصلہ دے سکتی ہے۔ اس لئے درخواست گزار ہائی کورٹ سے ملتجی ہیں کہ وہ اپنے خصوصی اختیارات کے تحت' اختیارات کے اس غلط استعمال میں مداخلت کرے اور اس معاملہ میں انصاف فرمائے۔

درخواست گزار استدعا کرتے ہیں کہ ہائی کورٹ ضابطہ فوجداری کی دفعہ 501 الف کے تحت ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے اس حکم کو ہماری کانفرنس میں لاؤڈ سپیکر کے استعمال کی حد تک منسوخ فرما دے۔ یہ بات کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب کا یہ حکم جس کے ذریعہ انہوں نے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی ہمیں اجازت دینے سے انکار فرمایا ہے' من مانے طریقہ سے دیا گیا ہے' حسب ذیل واقعات سے ظاہر ہے۔

(1) انہی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب نے 14 ستمبر کو مزنگ میں' 21 ستمبر کو پرانی انار کلی میں' 28 ستمبر کو لنڈے بازار میں' 5 اکتوبر کو گڑھی شاہو میں' 12 اکتوبر کو دھرم پورہ میں اور 13 اکتوبر کو اسی بھاٹی دروازہ میں مختلف جلسوں وغیرہ کے لئے لاؤڈ سپیکر کے استعمال کی اجازت دی ہے۔

(2) جماعت اسلامی کی اس کانفرنس میں سارے پاکستان سے لوگ شریک ہو رہے ہیں۔ جماعت کے دفتر میں آمدہ اطلاعات کی رو سے صرف باہر سے آنے والے شرکاء کی تعداد سات ہزار سے زائد ہو گی۔ جو لوگ شہر لاہور اور نواحی علاقوں سے اس کانفرنس میں شریک ہوں گے ان کی تعداد اس سات ہزار کے علاوہ ہو گی۔ اتنی بڑی کانفرنس کا لاؤڈ اسپیکر کے بغیر منعقد کرنا ناممکن ہے۔ اس لئے ہم درخواست کرتے ہیں کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب کے اس حکم کو جہاں تک اس کا جماعت اسلامی کے کل پاکستان اجتماع برائے 25 تا 28 اکتوبر پر اطلاق کا تعلق ہے' منسوخ کیا جائے۔

درخواست کو سماعت کے لئے منظور کرتے ہوئے فاضل جج نے حسب ذیل حکم دیا ہے۔

"درخواست گزار کو 25' 26' 27' 28 اکتوبر کو کانفرنس منعقد کرنے کی اجازت دی جا چکی ہے' اس کے فاضل وکیل نے کہنا یہ ہے کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب کی طرف سے اس کانفرنس میں لاؤڈ سپیکر کی اجازت نہ دینا کانفرنس کرنے کی اجازت کو بے اثر بنا دینے کے مترادف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ صاحب کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ تحریری حکم دیں اور ان کا تحریری حکم نہ دینا اختیارات کا غلط استعمال ہے۔ انہوں نے اپنے موقف کی تائید میں اے آئی آر 1942ء لاہور ص 171 پیش کیا ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ ہائی کورٹ کو نگرانی میں یہ دیکھنے کا اختیار حاصل ہے کہ آیا دفعہ 144 کے تحت ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا حکم مناسب اور قانونی ہے یا نہیں۔ لہٰذا رسپانڈنٹ کے نام 21 اکتوبر کے لئے نوٹس جاری کیا جائے"۔

18 اکتوبر۔۔۔ پاک بھارت تعلقات اور امریکہ

امریکہ کے نائب وزیر خارجہ مسٹر ٹالبوٹ نے ایک بیان میں کہا کہ اگر بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا تو امریکہ اس سے تعلقات توڑ لے گا۔

19 اکتوبر۔۔۔ میر غلام علی تالپور کا انتقال ہو گیا

میر غلام علی تالپور 55 برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ وہ 1937ء کی سندھ اسمبلی کے رکن بنے تھے۔

20 اکتوبر۔۔۔ پاکستان آزاد کشمیر پر حملے کا جواب دے گا' وزیر داخلہ

وزیر داخلہ حبیب اللہ خان نے اعلان کیا کہ آزاد کشمیر پر بھارتی حملے کی صورت میں طاقت کا جواب طاقت سے دیا جائے گا۔

22 اکتوبر۔۔۔ چودھری ظفر عالمی عدالت انصاف کے جج منتخب ہو گئے

پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ سر ظفر اللہ بین الاقوامی عدالت انصاف کے

جج چن لئے گئے۔

22 اکتوبر۔۔ لاؤڈ اسپیکر پر مستقل پابندی کے آرڈیننس کے خلاف مولانا مودودی کا بیان

گورنر امیر محمد خان کی طرف سے لاؤڈ اسپیکر پر مستقل پابندی کے آرڈیننس کے خلاف' امیر جماعت اسلامی مولانا مودودی نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اس فیصلے پر کڑی نکتہ چینی کی۔

23 اکتوبر۔۔۔لاؤڈ اسپیکر کا مسئلہ' صدر کے نام تار

لاؤڈ اسپیکر کی اجازت کے سلسلے میں جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے جو قرارداد منظور کی' اسے بذریعہ تار صدر ایوب کو بھیج دیا گیا۔ قرارداد میں کہا گیا تھا کہ:

"جماعت اسلامی کی کل پاکستان کانفرنس کے انعقاد کے راستے میں حکومت کی طرف سے پے درپے جو رکاوٹیں ڈالی گئی ہیں اور بالآخر عین وقت پر ایک آرڈیننس لاکر جس طرح اس کو ناکام بنانے کی کوشش کی گئی ہے' اس پر مجلس شوریٰ جماعت اسلامی پاکستان سخت احتجاج کرتی ہے۔ اس طرز عمل نے اس جمہوریت کی حقیقت کو بالکل بے نقاب کر دیا ہے جس کے نعرے ہمارے اربابِ اقتدار وقتاً فوقتاً لگاتے رہتے ہیں اور یہ بات ساری دنیا کے سامنے واضح کر دی ہے کہ انہوں نے ملک کے باشندوں کو آزادی اظہار رائے اور آزادیٔ اجتماع کے بنیادی حقوق سے کس طرح محروم کر کے رکھ دیا ہے۔ اس ساری صورت حال کی اصل وجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ لوگ خود رائے عام کی تائید حاصل کرنے کی کوئی امید نہیں رکھتے اور دوسرے کسی کو اس قابل ہونے نہیں دینا چاہتے کہ وہ رائے عام کو اپنے کسی پروگرام کے حق میں ہموار کر سکے۔ اسی وجہ سے یہ ملک کے مفاد کے لئے نہیں بلکہ اپنے مفاد کے لئے یہ جابرانہ کارروائیاں کر رہے ہیں اور انہیں اس کی کوئی پروا نہیں ہے کہ ان کارروائیوں سے دنیا بھر میں پاکستان کے وقار کو کتنا نقصان پہنچتا ہے۔

23 اکتوبر۔۔۔وزیر داخلہ بنام مولانا مودودی

وزیر داخلہ حبیب اللہ خان مولانا مودودی پر الزام لگاتے ہوئے کہا کہ مولانا مودودی قیام پاکستان کے خلاف تھے' انہوں نے جہاد کشمیر کے خلاف فتویٰ دیا تھا' ان کے پس پشت کسی بیرونی طاقت کا ہاتھ ہے اور وہ ملک میں انتشار پھیلانا چاہتے ہیں۔

24 اکتوبر۔۔ مودودی بنام وزیر داخلہ

جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے مولانا مودودی کے متعلق وزیر داخلہ کے بیان کا سختی سے نوٹس لیتے ہوئے کہا کہ جماعت پر پاکستان کی مخالفت اور جہاد کشمیر کی مخالفت کے الزامات اپنے نزدیک انہوں نے یہ سمجھ کر لگائے گویا پاکستان کے باشندے اب تک ان الزامات سے بے خبر تھے اور آج ان کی زبان سے یہ باتیں سنتے ہی وہ جماعت اسلامی پر ٹوٹ پڑیں گے۔ حالانکہ یہ الزامات سالہا سال سے جماعت کے مخالفین دہرا رہے ہیں اور پاکستان کے لوگوں پر ان کا خالص جھوٹ ہونا اس حد تک کھل چکا ہے کہ اب وہ انہیں سن کر بس الزام دینے والے کی سادہ لوحی پر ہنس دیتے ہیں۔ نیز باشندگان پاکستان کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ آج جو لوگ بڑے حامی پاکستان بنے پھرتے ہیں' پاکستان کی تشکیل کے وقت ان کی پوزیشن کیا تھی اور تشکیل کے بعد انہوں نے اس ملک کے ساتھ کیا کیا اور اب کیا کر رہے ہیں۔ اسی طرح باشندگان پاکستان کو یہ بھی معلوم ہے کہ جو لوگ جہاد کشمیر کی باتیں اسقدر بڑھ چڑھ کر کر رہے ہیں انہوں نے خود کشمیر کے لئے کیا اور کیسا جہاد کیا ہے اور اب ان مجاہدین کا کیا حال ہے۔ اس طرح کے سستے چٹکلوں سے وزیر داخلہ صاحب اس ملک کے کسی ایسے شخص کو فریب نہیں دے سکتے جو کھلی آنکھوں سے سب کچھ دیکھتا رہا ہے۔

وزیر داخلہ نے امیر جماعت پر بیرونی طاقتوں سے تعلق کا الزام لگایا اور مالی امداد کا چھینٹا بھی اڑایا ان کو جاننا چاہیے کہ وہ کسی جماعت کے موچی دروازے میں تقریر کرنے والے معمولی کارکن نہیں بلکہ اس وقت ملک کے وزیر داخلہ ہیں اور ملک میں سیاسی جماعتوں کا قانون (پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ) موجود ہے۔ ہم ان کو چیلنج کرتے ہیں کہ اگر ان کے پاس ان الزامات کا کوئی ثبوت ہے تو کسی کھلی عدالت میں اسے پیش کریں۔ لیکن اگر وہ اس کا ثبوت نہیں رکھتے تو اس طرح کی گھٹیا الزام بازی سے پرہیز کریں۔ کیونکہ یہ اس ملک کی توہین ہے جس کا وزیر داخلہ ایسی غیر ذمہ دارانہ باتیں کرے۔

جماعت اسلامی وزیر داخلہ کا شکریہ ادا کرتی ہے کہ انہوں نے تمام ملک کے سامنے علی الاعلان یہ اقرار کر لیا ہے کہ یہ جماعت قانون کی پابند ہے اور اس نے کوئی کام قانون کے خلاف نہیں کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ قانون ہی ہمارے اور تمہارے درمیان حد فاصل ہے۔ جب ہم حدود قانون کے اندر کام کر رہے ہیں تو تمہیں ہمارے جائز کاموں میں مداخلت کرنے اور رکاوٹیں ڈالنے کا حق نہیں ہے۔ یہ حرکت کرو گے تو خود قانون کی خلاف ورزی کرو گے۔

وزیر داخلہ نے ملک کی خارجہ پالیسی پر جماعت اسلامی کی تنقید کا بہت برا مانا ہے اور اسے بھی ان جرائم میں شمار کیا ہے جن کی بنا پر حکومت کی تیوریاں جماعت کے خلاف چڑھی ہوئی ہیں۔ مگر انہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ خارجہ پالیسی کے متعلق جماعت جو کچھ کہہ رہی ہے آج ملک کا بچہ بچہ وہی کچھ محسوس کر رہا ہے اور کوچہ و بازار میں زبانیں وہی کچھ کہہ رہی ہیں۔ آپ اپنے عمل کو درست کریں۔ ناراض ہو کر آپ کس کس کی زبانیں گنگ اور

کس کس دماغ کو سوچنے سے منع کر سکتے ہیں۔

وزیر داخلہ نے جماعت پر یہ بھی طنز فرمایا ہے کہ وہ مذہب کا لبادہ اوڑھ کر سیاست کے میدان میں آئی ہے۔ غالباً" انہوں نے پاکستان کے باشندوں کو اتنا سادہ لوح سمجھ لیا ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بجائے ان کے ارشادات کی روشنی میں رائے قائم کریں گے۔ پاکستان کا بچہ بچہ دیکھ رہا ہے کہ شب و روز اسلام کے نعرے لگا کر اسلام کے کھلے کھلے احکام کی خلاف ورزی کرنے والے کون ہیں اور کون لوگ فی الواقع دین کی خدمت بھی کر رہے ہیں اور عملاً" اس کی پیروی کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔

وزیر داخلہ نے جماعت اسلامی کے اجتماع میں رکاوٹیں ڈالنے کی پالیسی کو اس بنا پر حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اس وقت پاکستان کی سرحدوں پر خطرات منڈلا رہے ہیں اور جماعت اپنی تنقیدوں سے انتشار پھیلا رہی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ملک کے لئے جو بیرونی خطرہ بھی سامنے آئے اس کے مقابلے میں مدافعت کے لئے ہم حکومت کا پورا ساتھ دینے کے لئے ہمیشہ تیار رہے ہیں اور آج بھی تیار ہیں۔ مگر بیرونی خطرات کو پیش کر کے ملک کی اندرونی خرابیوں اور خامیوں کی طرف سے آنکھیں بند نہیں کی جا سکتیں' کیونکہ وہی تو بیرونی خطرات کو ہمارے لئے اور زیادہ خطرناک بناتی ہیں۔ بالعموم ایک آمرانہ نظام کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ بار بار کے خطرے دکھا کر لوگوں کو اندر کی خرابیوں کی طرف سے غافل کر دے۔ لیکن یہ روش آج تک نہ کسی ملک کے لئے مفید ثابت ہوئی ہے اور نہ خود ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اس تدبیر سے کام نکالنا چاہا ہے۔

وزیر داخلہ صاحب نے اپنی ان باتوں سے اس اصل وجہ کو چھپانے کی کوشش فرمائی ہے جو در حقیقت جماعت اسلامی کے کل پاکستان اجتماع میں رکاوٹ ڈالنے کی محرک ہے۔ دراصل ان کے لئے یہ بات ناقابل برداشت ثابت ہوئی ہے کہ ان کی کنونشن لیگ اس طرح کا کوئی کل پاکستان اجتماع کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہے' اور اسے اپنے جلسوں میں بھی سرکاری ملازمین کی مدد سے حاضرین لانے پڑتے ہیں' مگر یہاں ایک دوسری جماعت ایسی موجود ہے جو اتنے بڑے پیمانے پر اپنا کل پاکستان اجتماع کر رہی ہے اور اس میں ملک کے ہر گوشے سے ہزاروں آدمی شرکت کے لئے خود اپنے خرچ پر آ رہے ہیں اور اس اجتماع کے اخراجات بھی اپنی ہی جیبوں سے ادا کر رہے ہیں۔

25 اکتوبر۔۔۔ جماعت اسلامی کے اجتماع میں ہنگامہ

جماعت اسلامی کے چار روزہ اجتماع کا افتتاح 25 اکتوبر کو لاہور میں ہوا۔ ابھی مولانا مودودی کے افتتاحی خطاب کو دس منٹ ہی ہوئے تھے کہ اچانک ریوالور سے گولیاں چلنے لگیں۔ کرائے کے غنڈوں نے کنونشن کی کارروائی میں رخنہ ڈال دیا۔ گولیاں چلانے کے ساتھ ساتھ تمبو قناتوں کو آگ لگا دی گئی۔ جماعت کے کارکنوں اور حملہ آوروں میں تصادم شروع ہو گیا اور گوجرہ سے تعلق رکھنے والا جماعت اسلامی کا ایک رکن موقع پر ہی ہلاک ہو گیا۔ ان رکاوٹوں کے باوجود اجتماع جاری رہا اور حملہ آور کوئی مزید نقصان پہنچائے بغیر جلسہ گاہ سے فرار ہونے پر مجبور ہو گئے۔

اسی شام مولانا مودودی نے پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ اس غنڈہ گردی کے باوجود جماعت اپنا اجتماع ملتوی نہیں کرے گی۔ عوام پر یہ بات عیاں ہو گئی ہے کہ جماعت اسلامی کے اجتماع کو ناکام بنانے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا گیا۔ لیکن لوگوں نے دیکھا کہ ہم صبر اور سکون سے بیٹھے ہیں۔ اشتعال دلانے کی ہر کوشش کی جا رہی ہے۔ حکومت یہ جواز پیدا کرنا چاہتی تھی کہ اس اجتماع کو روکا جائے لیکن یہ نہ رکا تو اس حد تک غنڈہ گردی کی گئی کہ ایک آدمی کی جان لے لی گئی۔ پولیس خاموشی سے کھڑی دیکھتی رہی۔ اس نے پر امن اہل جلسہ کی حفاظت کرنے کی بجائے غنڈوں سے چشم پوشی کی۔

مولانا مودودی سے پوچھا گیا کہ ان کے خیال میں اس ہلڑ بازی میں کس کا ہاتھ ہے تو مولانا نے اس سوال کا جواب ان الفاظ میں دیا۔ "میں کیا کہہ سکتا ہوں کہ وہ لوگ کون تھے اور یہاں کیسے بھجوائے گئے تھے۔ تاہم وہ چند گنے چنے آدمی تھے اور انہوں نے جماعت اسلامی کے ارکان اور متفقین کو اشتعال دلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ آپ نے کہا یہ امر انتہائی رنجیدہ ہے کہ جماعت اسلامی کے اجتماع سے پہلے جماعت کے خلاف مرکزی اور صوبائی وزیروں نے اشتعال انگیز بیانات دیئے۔ جماعت اسلامی کے اجلاس کے لئے لاؤڈ سپیکر کی درخواست بھی شاید اسی لئے نامنظور کر دی گئی تھی تاکہ ہمارے ارکان وسیع پنڈال پر کنٹرول نہ کر سکیں۔ امیر جماعت اسلامی سے پوچھا گیا کہ کیا یہ درست ہے کہ حملہ آور آپ کو قتل کر دینے کی نیت سے گولیاں چلا رہے تھے' مولانا مودودی نے جواب دیا میرے خیال میں مجھ پر حملہ کرنے کی کوئی سکیم نہ تھی۔ مولانا مودودی نے نہایت افسردہ لہجے میں کہا کہ اس اجتماع میں پاکستان کے گوشے گوشے سے ارکان اور متفقین آئے ہوئے تھے اس سانحہ کی پوری روداد ان ارکان کے ذریعہ ہر جگہ پہنچے گی۔ ایک اور سوال کے جواب میں مولانا مودودی نے کہا کہ میں احتجاج کروں تو کس سے کروں"۔

مولانا مودودی کے افتتاحی خطاب کا مکمل متن۔۔ اجتماع سے مولانا مودودی کا افتتاحی خطاب۔۔ اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں۔

26 اکتوبر۔۔۔ بھٹو کا دورہ امریکہ

وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے امریکہ کا دورہ مکمل کرنے کے بعد وطن واپسی پر کہا کہ انہوں نے صدر کینیڈی اور دیگر امریکی حکام کو ان خطرات سے آگاہ کر دیا ہے جو بھارت کو مغربی ممالک کی امداد ملنے سے پاکستان

کولاحق ہیں۔

27 اکتوبر۔۔۔ جماعت اسلامی کا افتتاحی اجتماع

امیر جماعت اسلامی مولانا مودودی نے اپنے افتتاحی خطاب میں 25 اکتوبر کو ہونے والے حملے اور حملہ آوروں کا تفصیل سے ذکر کیا۔ انہی شاں انہوں نے ایک پریس کانفرس سے بھی خطاب کیا جس میں انہوں نے جماعت اسلامی کے اجتماع پر حملے اور حکومت کی طرف سے مخالفت پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔

افتتاحی خطاب اور امیر جماعت کی پریس کانفرس کا مکمل متن۔۔۔ " مولانا مودودی کا افتتاحی خطاب" اور "امیر جماعت کی پریس کانفرنس"۔۔۔ اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں۔

28 اکتوبر۔۔۔ فضل القادر چوہدری مستعفی

وزیر صحت فضل القادر چوہدری نے وزارت سے استعفیٰ دے دیا۔

29 اکتوبر۔۔۔ اقوام متحدہ میں پاکستان کے نئے مستقل مندوب

چودھری ظفراللہ کے عالمی عدالت انصاف کے جج مقرر ہو جانے پر سید امجد علی کو ان کی جگہ پر اقوام متحدہ میں پاکستان کا مستقل مندوب مقرر کر دیا گیا۔

31 اکتوبر۔۔۔ عبدالباقی بلوچ گرفتار

مکران سے مغربی پاکستان اسمبلی کے آزاد رکن میر عبدالباقی بلوچ کو گرفتار کر لیا گیا۔

نومبر 1963ء

یکم نومبر۔۔۔ جماعت کی تازہ مہم

جماعت اسلامی کے امیر مولانا مودودی نے ایک بیان میں کہا کہ جماعت اسلامی اپنے اجتماع عام کی قرارداد کے مطابق بنیادی حقوق اور رائے دہندگان بالغان کے لئے اپنی مہم کا آغاز کر رہی ہے۔ اس مہم کے ذریعہ سے ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حسب ذیل دو مطالبات پاکستانی عوام کے متفقہ مطالبات ہیں:

- اول یہ کہ بنیادی حقوق کو بلا شرط و استثناء عدالتوں کے ذریعہ سے قابل حصول بنایا جائے۔
- دوم یہ کہ باشندگان پاکستان کو بالغ رائے دہندگی کے اصول پر براہ راست (نہ کہ بنیادی جمہوریتوں کے ذریعہ سے) اپنے نمائندے منتخب کرنے کا حق دیا جائے۔

ان دونوں مطالبات کے حق میں ہم ملک کے زیادہ سے زیادہ باشندوں سے ایک محضرنامے پر دستخط لیں گے اور اسے قومی اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں پیش کریں گے۔ ہم ملک کے تمام آزاد جمہوریت پسند عناصر سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس کام میں ہمارے ساتھ تعاون کریں"۔

2 نومبر۔۔۔ مولانا طفیل محمد کا وزیر مواصلات کے بیان پر تبصرہ

میاں طفیل محمد قیم جماعت اسلامی پاکستان نے خان عبدالصبور خان وزیر مواصلات پاکستان کے اس بیان پر کہ حکومت کو جماعت اسلامی کی ناپسندیدہ سرگرمیوں کے بارے میں ثبوت مل گیا تو حکومت جماعت اسلامی کے امیر اور دیگر سربراہوں کو گرفتار کرنے سے گریز نہیں کرے گی، حسب ذیل بیان پریس کے نام جاری کیا ہے:۔

"ہمیں خان عبدالصبور خان سے یہ معلوم کرکے اطمینان ہوا کہ حکومت مولانا مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے سربراہوں پر ہاتھ ڈالنے کے لئے مواد تیار کر رہی ہے۔ میں خان صبور صاحب اور ان کے ساتھی حکمرانوں کو صرف یہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ مولانا مودودی صاحب کی گرفتاری پر آپ کو صرف پاکستان ہی میں نہیں، پوری دنیائے اسلام کے سامنے جواب دہی کرنی ہو گی۔ اس لئے براہ کرم ایسا مقدمہ تیار کیجئے گا جس سے آپ دنیا کے مسلمانوں کو یہ یقین دلا سکیں کہ جو شخص حج کے زمانے میں دنیا بھر سے آئے ہوئے وفود کے سامنے اور مسلمانوں کی بین الاقوامی کانفرنسوں میں کشمیر کا مقدمہ لوگوں کو سمجھاتا رہا ہے۔ پاکستان کے حق میں دنیا بھر کے مسلمانوں کی رائے ہموار کرنے کی کوشش کرتا رہا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ ہندوستان کے سلوک سے لوگوں کو آگاہ کرتا رہا ہے وہ دراصل پاکستان کا غدار ہے۔ ہماری حکومت کو شاید یہ معلوم نہیں ہے کہ دنیائے اسلام میں اور خصوصاً عرب ممالک میں پاکستان کا سب سے زیادہ معروف شخص یہی مولانا مودودی ہے۔ اب خان عبدالصبور خاں کے ذریعے سے دنیا بھر کے مسلمانوں کو یہ معلوم کرکے بڑا اطمینان نصیب ہو گا کہ پاکستان کے جس آدمی کو وہ سب سے زیادہ جانتے ہیں وہی ان کے غدار نکلا ہے۔ اس کے بعد پھر باقی پاکستانیوں کا باہر جو اعتماد باقی رہ جائے اس کی خان عبدالصبور خان اور ان کے ساتھی حفاظت کرتے رہیں۔

خان عبدالصبور خان کے بیان کا سب سے دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ان کے بیان کے مطابق ابھی تک حکومت کے پاس کوئی ایسی چیز موجود نہیں جس کی بنا پر وہ جماعت اسلامی اور مولانا مودودی صاحب پر ہاتھ ڈال سکے اور اس بات کی شاندہی اس سے پہلے خود وزیر داخلہ بھی کر چکے ہیں کہ جماعت اسلامی نے اب تک کسی قانون کی کوئی خلاف ورزی نہیں کی ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ فرماتے ہیں کہ جماعت کے خلاف مواد تیار کیا جا رہا ہے اور اس کے فراہم

ہوتے ہی ہاتھ ڈال دیا جائے گا۔ جماعت کی کل پاکستان کانفرنس کے بارے میں حکومت کی روش اور اس کے بعد کے اقدامات سے اندرون اور بیرون ملک جماعت کے خلاف حکمرانوں کے اس غیظ و غضب کی اصل وجہ بڑی حد تک واضح ہو چکی ہے۔ اگر کوئی کسر باقی رہ گئی ہے تو وہ انشاء اللہ حکومت کی طرف سے خان صبور صاحب کے بیان اور اس میں تجویز کردہ اقدامات سے واضح ہو جائے گی۔

3-9 نومبر۔۔۔ طلباء کی ہڑتالیں اور ہنگامے

یونیورسٹی آرڈیننس کے خلاف یونیورسٹی کے طلباء نے ہڑتال کا فیصلہ کیا۔ ہڑتال کے دوران طلباء اور پولیس میں جھڑپیں ہوئیں۔ اگلے دو دنوں میں پولیس اور طلباء کے درمیان بار بار جھڑپوں کے باعث پنجاب یونیورسٹی اور ملحقہ تدریسی ادارے چار روز کے لئے بند کر دیئے گئے۔ لائلپور میں بھی طلباء نے ہڑتال کی اور جلوس نکالا۔ راولپنڈی کے کالج بھی ہنگاموں کی لپیٹ میں آ کر تین روز کے لئے بند ہو گئے۔ لاہور میں پولیس تمام ہوسٹلوں اور کالجوں کو اپنی تحویل میں لے لیا۔ طلباء کے مظاہروں کے سلسلے میں غلط خبر شائع کرنے کے الزام میں' روزنامہ "کوہستان" کی اشاعت پر دو ماہ کے لئے پابندی لگا دی گئی۔ مغربی پاکستان کے گورنر نے الزام لگایا کہ سیاسی طالع آزما ذاتی مقاصد کے لئے طلبا سے ہنگامے کروا رہے ہیں جبکہ صدر ایوب نے اس سلسلے میں براہ راست جماعت اسلامی کا نام لیا۔

طلبا کے ہنگاموں کے باعث کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج بھی بند کر دیا گیا۔ جبکہ پنجاب یونیورسٹی اور اس کے ملحقہ کالجوں مزید دس روز کے لئے بند کر دیا گیا۔

13 نومبر۔۔۔ ترجمان القرآن کو اظہار وجوہ کا نوٹس

مغربی پاکستان کی حکومت نے جماعت اسلامی کے ترجمان ماہنامہ "ترجمان القرآن" کے پرنٹر اور پبلشر کو پریس آرڈیننس کے تحت نوٹس دیا کہ وجہ بتائی جائے کہ ایران میں دین اور لادینی کی کشمکش کے موضوع پر رسالے میں جو مضمون شائع ہوا ہے اس کی بنا پر کیوں نہ دس ہزار روپے ضمانت طلب کی جائے۔ شاہ ایران کے خلاف اس مضمون کے مصنف خلیل حامدی تھے اور یہ اکتوبر 63 کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔

16 نومبر۔۔۔ میراں محمد شاہ انتقال کر گئے

سندھ کے نامور سیاستدان' سفارت کار اور سندھ اسمبلی کے سابق اسپیکر' میراں محمد شاہ 65 سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔

21 نومبر۔۔۔ اقوام متحدہ اور عالمی امن

وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے 21 نومبر 1963ء کو لائنز کلب کراچی سے خطاب کرتے ہوئے اقوام متحدہ اور عالمی امن کے موضوع پر اظہار خیال کیا۔ وزیر خارجہ نے کہا کہ پاکستان کی خارجہ پالیسی کا یہ بنیادی اصول ہے کہ اپنے تمام ہمسایہ ممالک سے' کسی استثنیٰ کے بغیر پر امن اور دوستانہ ماحول میں رہا جائے۔ ان میں سے بعض کے ساتھ ہمارے اختلافات ہیں۔ بیشتر کے ساتھ ہم اپنے تعلقات بہتر بنانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ پاکستان نے برما' ایران اور چین کے ساتھ اپنے سرحدی تنازعات کو دوستانہ ماحول میں طے کر کے ان سے سرحدی معاہدات کر لئے ہیں صرف بھارت واحدہ استثنیٰ کے طور پر باقی رہ گیا ہے۔

وزیر خارجہ کے بیان کا مکمل متن۔۔۔ اقوام متحدہ اور عالمی امن۔۔۔ اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں۔

22-24 نومبر۔۔۔ صدر کینیڈی کے قتل پر پاکستان میں سوگ

امریکی صدر کینیڈی کے قتل پر پاکستان بھر میں سوگ منایا گیا۔ حکومت پاکستان نے اسے امریکہ کا عظیم نقصان قرار دیا۔

25 نومبر۔۔۔ ڈھاکہ میں قومی اسمبلی کے سرمائی اجلاس کا افتتاح

قومی اسمبلی کے سرمائی اجلاس میں' مولوی تمیز الدین اور صدر کینیڈی کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے متفقہ قراردادیں منظور کی گئیں۔

26 نومبر۔۔۔ عائلی قوانین کی تنسیخ کا بل مسترد

قومی اسمبلی نے 28 کے مقابلے میں 56 ووٹوں کی اکثریت سے عائلی قوانین کی تنسیخ کا بل مسترد کر دیا۔ یہ بل جماعت اسلامی کے رکن مولانا عباس علی نے پیش کیا تھا۔

رائے شماری سے قبل پانچ گھنٹے بحث و تمحیص میں گزرے۔ حزب اختلاف کی طرف سے بڑی تیز و تند تقریریں ہوئیں۔ حکومت کو یہ دھمکی دی گئی کہ اگر عائلی قوانین منسوخ نہ کیے گئے تو اس کے خلاف ملک گیر مہم شروع کی جائے گی۔ قائد ایوان عبدالصبور خان کی یہ پیشکش بھی مسترد کر دی گئی کہ اگر مولانا عباس اپنا بل واپس لے لیں تو حکومت خود مناسب وقت پر ایک ایسا ترمیمی بل پیش کرے گی جس میں حزب اختلاف کی خواہشات کا خیال رکھا جائے گا۔ یاد رہے اس سے پیشتر مغربی پاکستان اسمبلی اپنے گذشتہ اجلاس میں یہ سفارش کر چکی ہے کہ عائلی قوانین منسوخ کر دیئے جائیں۔

27 نومبر۔۔۔ مغربی پاکستان اسمبلی کا سرمائی اجلاس بھی شروع

مغربی پاکستان اسمبلی کے افتتاحی اجلاس میں مولوی تمیز الدین خان' علامہ عنایت اللہ مشرقی' میر غلام علی تالپور' مولوی غلام محی الدین قصوری

کے انتقال پر تعزیتی قراردادیں منظور کی گئیں۔ امریکی صدر جان ایف کینیڈی کے انتقال پر بھی اسمبلی میں دو منٹ کی خاموشی اختیار کی گئی۔ اس کے بعد اسمبلی کا اجلاس دوسرے دن تک کے لئے ملتوی ہو گیا۔

28 نومبر۔۔۔ ارکان اسمبلی اور استحقاق کا سوال

قائد حزب مخالف خواجہ محمد صفدر نے استحقاق کا ایک سوال اٹھایا۔ تحریک استحقاق کی بنیاد چیف سیکرٹری کا ایک گشتی مراسلہ تھا جو انہوں نے سرکاری محکموں کے سربراہوں کے نام لکھا تھا اور جس میں کہا گیا تھا کہ حکومت کی اطلاع کے مطابق قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے بعض ارکان اپنے کام نکلوانے کے لئے سرکاری افسروں کے پاس جاتے ہیں اور ان کو دھمکی دیتے ہیں کہ اگر سرکاری افسرانہیں خوش نہیں کریں گے تو وہ اسمبلی میں ان کی کارگزاری کے بارے میں سوالات پوچھیں گے۔ مراسلے میں سرکاری ملازمین سے کہا گیا تھا کہ وہ ایسی دھمکیوں کی پرواہ نہ کریں اور حکومت کو ان کی رپورٹ کریں۔

قائد حزب مخالف خواجہ محمد صفدر نے اس تحریک استحقاق میں احتجاج کیا تھا کہ چیف سیکرٹری کا مراسلہ حزب مخالف کو رسوا کرنے کی ایک مذموم کوشش ہے۔ وزیر قانون مسٹر غلام نبی میمن نے جب اس تحریک کی مخالفت کرتے ہوئے چیف سیکرٹری کا اصلی مراسلہ پڑھا تو پتہ چلا کہ خواجہ محمد صفدر کو جس اخباری اطلاع سے چیف سیکرٹری کے مراسلے کا علم ہوا تھا وہ اصل مراسلے کے عین مطابق نہیں تھی مثال کے طور پر خواجہ صاحب کا یہ الزام درست نہیں تھا کہ چیف سیکرٹری نے مراسلے میں صرف حزب مخالف پر الزام دھرا تھا اور مراسلے میں سوالات سے پہلے "پریشان کن" کا سابقہ استعمال نہیں کیا گیا تھا۔ وزیر قانون نے مراسلے کا اصل متن تحریک استحقاق کی تردید کے جوش میں پڑھا لیکن وہ الٹا ان کے گلے پڑ گیا۔ مراسلے سے ظاہر ہوا کہ چیف سیکرٹری نے حزب مخالف کو نہیں ارکان اسمبلی کو مطعون کیا ہے اور بین السطور وہ محض "سوال" کو دھمکی سے تعبیر کرتے ہیں۔

تحریک استحقاق ایوان میں آنے تک تو سرکاری بنچوں کے ارکان کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کیونکہ وہ بادی النظر میں حزب مخالف کا دکھڑا تھا لیکن جب چیف سیکرٹری کے مراسلے کے مندرجات منظر عام پر آئے تو سرکاری پارٹی میں بھی ہلچل پیدا ہو گئی ہے کیونکہ اب سوال ایوان کے کسی ایک گروہ کے حقوق کا نہیں رہا تھا۔ وزیروں نے مراسلے کو معصوم اور بے ضرر ثابت کرنے کے لئے بہتیرا زور مارا اور ملک قادر بخش نے یہاں تک کہہ دیا کہ اگر آپ اس مراسلے کی مخالفت کرتے ہیں تو ارکان اسمبلی کو سرکاری افسروں پر ناجائز دباؤ ڈالنے کا حق دیتے ہیں لیکن ہوا کا رخ موافق نہ ہوا۔ حزب مخالف کے علاوہ سرکاری پارٹی کے کوئی ایک درجن ارکان نے تحریک استحقاق پر تقریریں کیں۔ وہ سب تحریک کے حق میں تھیں اور ارکان ان خدشات کا اظہار کر رہے تھے کہ اس مراسلے کا مقصد ارکان اسمبلی کے مقابلے میں سرکاری افسروں کو شہ دینا اور ان کے غرور و نخوت کی حوصلہ افزائی کرنا ہے۔ بیشتر مقررین کا خیال تھا کہ مراسلہ محض مفروضے کی پیداوار ہے اور فی الحقیقت ارکان اسمبلی کی ایسی کوئی حرکت حکومت کے علم میں نہیں آئی۔ ارکان اسمبلی نے استفسار کیا کہ سرکاری محکموں کی پالیسیوں اور کارگزاریوں کے بارے میں تنقیدی سوالات پوچھنا تو ہمارا آئینی حق ہے۔ اگر ہم کسی افسر کو کہہ بھی دیں کہ ہم اس کی کارگزاری سے متعلق اسمبلی میں سوالات کریں گے تو اس میں دھمکی والی کون سی بات ہو گی۔ باد مخالف کے اس طوفان میں وزیر قانون نے تحریک استحاق پر ایک نازک مگر مضبوط قانونی اعتراض کیا۔ انہوں نے کہا کہ مقررین سوال پوچھنے کے حق کی نفی کا واویلا کر رہے ہیں لیکن تحریک استحقاق میں تو اس حق کی نفی کا کوئی ذکر ہی نہیں پھر تحریک استحاق بحث کے لئے کیوں منظور کی جائے گو یہ اعتراض کسی عدالت میں کیا جاتا تو شاید کارگر ہوتا لیکن عوامی نمائندوں کا یہ اجتماع جو مراسلے کے الفاظ پر غور کرنے کے بجائے اس کی روح پر نظر گاڑے ہوا تھا اور اپنا ایک مسلمہ حق خطرے میں دیکھ کر جذباتی ہو رہا تھا وزیر قانون کے اعتراض سے متاثر نہ ہوا۔ سپیکر محمد انور نے بھی اس قانونی نکتے کو تو نظرانداز کیا۔ لیکن خود مراسلے میں ایک ایسا قابل اعتراض نکتہ ڈھونڈ لیا جو تحریک استحقاق کو باقاعدہ قرار دینے میں ممد ثابت ہو سکتا تھا۔ سپیکر نے اپنی رولنگ میں لکھا کہ چیف سیکرٹری نے سوال کرنے کی دھمکی کی رپورٹ کرنے کو کہا ہے "پریشان کن" سوال کرنے کی دھمکی کی رپورٹ کرنے کو نہیں کہا اور سوال کرنا واقعی ارکان اسمبلی کا موروثی حق ہے۔ تحریک استحقاق کے باقاعدہ قرار دیے جانے کے بعد پارلیمانی سیکرٹریوں کے سوا ایوان نے تقریباً" متفقہ طور پر اس کو پیش کرنے کی اجازت دے دی اور بالاخر وہ ایوان کی ایک مجلس قائمہ کے سپرد ہوئی۔ یہ وزیروں کی کھلی شکست اور حزب مخالف کی پہلی کامیابی تھی جیسا کہ سرکاری بنچوں کے بعض ارکان نے مشورہ دیا تھا اگر وزیر قانون چیف سیکرٹری کے مراسلے کو واپس لینے کے لئے تیار ہو جاتے اور ہوا کے رخ کا لحاظ کرتے تو شکست کا منہ نہ دیکھنا پڑتا۔

29 نومبر۔۔۔ فضل القادر چوہدری قومی اسمبلی کے اسپیکر منتخب ہو گئے

فضل القادر چوہدری' جو مولوی تمیز الدین کے انتقال کے بعد قومی اسمبلی کے نئے اسپیکر چنے گئے' نے اپنے عہدے کا حلف اٹھالیا۔

30 نومبر۔۔۔ اسمگلروں کو کوڑے لگانے کا آرڈیننس منظور

قومی اسمبلی نے اسمگلروں کو کوڑے لگانے کا آرڈیننس منظور کر لیا۔

دسمبر 1963ء

5دسمبر۔۔۔ حسین شہید سہروردی انتقال کر گئے

پاکستان کے سابق وزیراعظم حسین شہید سہروردی بیروت میں انتقال کر گئے۔ بعض اطلاعات کے مطابق بیروت کے ہوٹل میں ان کی موت پراسرار حالات میں ہوئی۔

7-8دسمبر۔۔۔ حسین شہید کی میت کراچی پہنچ گئی

حسین شہید سہروردی کی میت' ان کے داماد احمد سلیمان' کراچی لے کر پہنچ گئے۔ 8دسمبر کو انہیں ڈھاکہ میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

9دسمبر۔۔۔ قومی اسمبلی میں سہروردی کے لئے سوگ

قومی اسمبلی میں سہروردی مرحوم کے لئے جو تعزیتی قرار داد منظور ہوئی اس میں انہیں زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا۔ اس کے بعد اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا گیا۔

14دسمبر۔۔۔ میاں طفیل کی گرفتاری اور رہائی

میاں طفیل محمد کو گرفتار کر لیا گیا۔ بعد ازاں انہیں ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔

15دسمبر۔۔۔ صدر ایوب کا دورہ لنکا مکمل

صدر ایوب کے دورہ لنکا کے مکمل ہونے پر جو مشترکہ اعلامیہ جاری ہوا اس میں صدر ایوب اور وزیراعظم مسز بندرانائیکے نے کشمیر کے مسئلے کو حل کرنے پر زور دیا۔

16دسمبر۔۔۔ مولانا داؤد غزنوی کا انتقال

ممتاز سیاستدان اور تحریک آزادی کے مجاہد مولانا داؤد غزنوی انتقال کر گئے۔ انہیں میانی صاحب لاہور میں دفن کیا گیا۔ وہ 1896ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے تھے۔

17دسمبر۔۔۔ ایوب' چو این لائی ملاقات سے علاقے کی کشیدگی کم ہو گی: بھٹو

وزیر خارجہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ صدر ایوب اور چو این لائی کی ملاقات سے علاقے کی کشیدگی میں کمی ہو گی۔

20دسمبر۔۔۔ سردار بہادر خان مخلوط حسب اختلاف کی قیادت سے مستعفی ہو گئے

قومی اسمبلی میں سردار بہادر خان نے مخلوط حزب اختلاف کی قیادت سے استعفیٰ دے دیا۔

20دسمبر۔۔۔ باچا خان ہری پور جیل منتقل

سرخپوش رہنما باچا خان ہری پور جیل منتقل کر دیئے گئے۔

24دسمبر۔۔۔ صدر ایوب کونشن لیگ کے صدر منتخب ہو گئے

ڈھاکہ میں کونشن لیگ کے کونشن میں صدر ایوب کو لیگ کا صدر چن لیا گیا۔

25دسمبر۔۔۔ بنیادی حقوق کے بل کی منظوری کا اعلان

قائداعظم کے یوم ولادت پر صدر نے بنیادی حقوق کے بل کی منظوری کا اعلان کیا۔ 1952ء میں خواجہ ناظم الدین نے بنیادی حقوق کی آخری رپورٹ پیش کی تھی پھر ایک بل کی تبدیلیوں کے بعد اسے نئی شکل میں پیش کیا گیا۔ 1956ء میں آئین منظور ہوا اور اب مارشل لاء کے بعد بنیادی حقوق کے مسودے کو قانون کی شکل دے دی گئی۔ 1962ء کے آئین کی اس پہلی ترمیم کے حق میں 109 ووٹ آئے۔ پاک پیپلز گروپ کے ارکان' جنہوں نے بل کی مخالفت کی تھی' ایوان سے غیر حاضر رہے اس لئے مخالفت میں کوئی ووٹ نہ پڑا۔

26دسمبر۔۔۔ وزراء لیگ کے عہدے قبول کر سکتے ہیں

صدر ایوب' جو کونشن لیگ کے صدر بھی تھے' کہا کہ وزراء کونشن لیگ کے عہدے قبول کر سکتے ہیں۔ اس سے کوئی پیچیدگی پیدا نہیں ہو گی۔

26دسمبر۔۔۔ سید محی الدین لال بادشاہ کا انتقال

معروف سیاستدان' سابق رکن صوبائی اسمبلی سید محی الدین لال بادشاہ' پیر آف کھڈ شریف 53 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

28-29دسمبر۔۔۔ موئے مبارک کی چوری کا سانحہ

سری نگر میں حضرت بل کی درگاہ سے موئے مبارک کی چوری کے انکشاف پر کشمیر مسلمانوں نے زبردست مظاہرہ کیا۔ دوسرے روز صورت حال اس قدر نازک ہو گئی کہ انتظامیہ کو فوج طلب کرنا پڑی۔

28دسمبر۔۔۔ خان بہادر وجیہہ الدین کا انتقال

خان بہادر حاجی وجیہہ الدین 83 سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پا

گئے۔ وہ 35-1920 کے دوران متحدہ ہندوستان کی قانون ساز اسمبلی کے رکن رہے تھے۔

جنوری 1964ء

یکم جنوری۔۔۔ موئے مبارک کی چوری پر پورے پاکستان میں ہڑتال

موئے مبارک کی چوری پر پورے پاکستان میں منظم ہڑتال ہوئی۔

2 جنوری۔۔۔ موئے مبارک کی چوری پر مغربی پاکستان اسمبلی میں قرارداد کی منظوری

مغربی پاکستان اسمبلی کے تمام ارکان نے متحدہ ہو کر اور متفقہ طور پر موئے مبارک کی چوری پر اپنے غم و غصے کا اظہار کرتے ہوئے قرارداد منظور کی۔

2 جنوری۔۔۔ قلات میں تیل کی تلاش

قلات ڈویژن میں' روسی ماہرین نے تیل کی تلاش شروع کر دی۔

3 جنوری۔۔۔ ماہنامہ ترجمان القرآن پر پابندی

جماعت اسلامی کے ترجمان ماہنامہ "ترجمان القرآن" پر حکومت نے چھ ماہ کے لئے پابندی عائد کر دی۔ ترجمان القرآن نے اکتوبر 1963ء میں خلیل حامدی کا ایک مضمون "ایران میں دین اور لادینی کی کشمکش" شائع کیا تھا جس پر حکومت نے اظہار وجوہ کا نوٹس جاری کیا۔ اگرچہ دسمبر 1963ء کے شمارے میں ڈاکٹر محمد علی زرنگار کا جوابی مضمون شائع کر دیا گیا لیکن اسی شمارے کے اوراتی نوٹ میں خلیل حامدی کے مضمون میں پیش کردہ خیالات کی تائید کی گئی تھی۔

4 جنوری۔۔۔ عبدالوحید خان مرکزی وزیر بن گئے

مغربی پاکستان کے ریلوے کے وزیر عبدالوحید خان مرکزی کابینہ میں شامل کر لئے گئے۔ انہیں اطلاعات کی وزارت دی گئی۔

5 جنوری۔۔۔ موئے مبارک کی بازیابی

بھارتی حکومت نے گذشتہ روز دعویٰ کیا کہ موئے مبارک مل گیا ہے۔ پاکستان اور آزاد کشمیر کے عوامی اور سیاسی حلقوں نے اس شک کا اظہار کیا کہ یہ دعویٰ جھوٹا ہے اور بھارتی حکومت مسلمانوں کے جذبات سے ایک اور خطرناک مذاق کر رہی ہے۔ ادھر آزاد کشمیر حکومت نے ایک ترجمان نے اعلان کیا کہ موئے مبارک کی بازیابی کے دعویٰ محض ڈھونگ اور فریب ہے اور اس کی جگہ کوئی دوسرا بال رکھنے کی سازش کی گئی ہے۔

7-6 جنوری۔۔۔ جماعت اسلامی کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا

6 جنوری 1964ء کو لاہور میں جماعت اسلامی کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہو رہا تھا جب مولانا مودودی' میاں طفیل محمد اور مجلس شوریٰ و عاملہ کے متعدد ارکان گرفتار کر لئے گئے اور جماعت پر پابندی لگا دی گئی۔ ان گرفتاریوں سمیت ملک بھر سے 59 افراد گرفتار ہوئے۔ پولیس نے جماعت کے تمام مرکزی اور علاقائی دفاتر سربمہر کر دیئے۔ پارٹی کے جملہ فنڈ ضبط کر لئے گئے۔ مولانا مودودی کا پاسپورٹ بھی ضبط کر لیا گیا۔ 7 جنوری کو جاری ہونے والے ایک پریس نوٹ میں حکومت مغربی پاکستان نے جماعت پر الزام لگایا کہ وہ انتظامیہ میں اپنے خفیہ سیل بنا رہی تھی۔ اس کے اسلامی جمعیت طلبہ اور بعض مزدور انجمنوں سے روابط تھے اور یہ کہ اس نے "ترجمان القرآن" میں شاہ ایران کے خلاف ایک مضمون شائع کیا تھا۔ پریس نوٹ کی تفصیل حصہ دستاویزات میں۔۔۔ جماعت اسلامی پر پابندی__ کے عنوان سے دیکھیں۔

7 جنوری۔۔۔ ہاشم گزدر مستعفی

ہاشم گزدر نے کونسل مسلم لیگ سے استعفیٰ دے دیا۔

10 جنوری۔۔۔ عبدالوحید کنونشن لیگ کے جنرل سیکرٹری مقرر ہو گئے

مرکزی وزیر اطلاعات عبدالوحید خان کو کنونشن مسلم لیگ کا جنرل سیکرٹری مقرر کر دیا گیا۔

12 جنوری۔۔۔ خواجہ ناظم الدین کونسل لیگ کے دوبارہ صدر منتخب ہو گئے

پاکستان مسلم لیگ کی مرکزی کونسل کے اجلاس میں خواجہ ناظم الدین کو دوبارہ پارٹی کا صدر چن لیا گیا۔

13 جنوری۔۔۔ میر علی نواز تالپور انتقال کر گئے

سیاستدان اور میر غلام علی تالپور کے چھوٹے بھائی' میر علی نواز تالپور انتقال کر گئے۔ وہ 1958ء میں ٹنڈو شیر محمد (میرپور خاص) میں پیدا ہوئے تھے۔

14 جنوری۔۔۔ تیسرے پنجسالہ منصوبے کا خاکہ منظور

ساڑھے انچاس ارب روپے کے تخمینے پر مبنی تیسرے پنجسالہ منصوبے

(1965-70ء) کے خاکہ ہدایات کو قومی اقتصادی کونسل نے منظور کر لیا۔

20 جنوری— میجر جنرل نذیر احمد انتقال کر گئے

لاہور کارپوریشن کے سابق چیرمین میجر جنرل نذیر احمد 57 سال کی عمر میں' ربوہ میں انتقال کر گئے۔

21 جنوری— مغربی پاکستان قومی جمہوری محاذ کا اعلان

مغربی پاکستان قومی جمہوری محاذ کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔

24 جنوری— جماعت اسلامی پر پابندی کا حکم چیلنج کر دیا گیا

مغربی پاکستان ہائی کورٹ میں جماعت اسلامی پر پابندی کے حکم کو چیلنج کر دیا گیا۔

25 جنوری— عوامی لیگ کا احیاء

11 جنوری کو مغربی پاکستان عوامی لیگ کی فوری بحالی کا فیصلہ کیا۔ مشرقی پاکستان عوامی لیگ کے دو دھڑے بن گئے۔ عطاالرحمان گروپ فوری بحالی کے حق میں نہ تھا جبکہ شیخ مجیب الرحمان گروپ پارٹی کو فورا بحال کرنا چاہتا تھا۔ پارٹی کا دوسرا دھڑا اپنی بات منوانے میں کامیاب ہو گیا اور مولانا عبدالرشید ترکا باگش' پارٹی کے صدر اور شیخ مجیب اس کے جنرل سیکرٹری چن لئے گئے۔ نوابزادہ نصراللہ مغربی پاکستان عوامی لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ 25 جنوری 1964ء کو پارٹی کے ایک اجلاس میں وفاقی پارلیمانی نظام' بالغ رائے دہی کی بنیاد پر براہ راست انتخابات' مقدمہ چلائے بغیر نظربندی پر پابندی' ایبڈو کے خاتمے اور سیاسی کارکنوں اور رہنماؤں کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا۔

30 جنوری— بھٹو کا بی بی سی سے انٹرویو

سلامتی کونسل میں مسئلہ کشمیر پر بحث سے قبل پاکستانی وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے بی بی سی لندن کو ایک انٹرویو دیا جس میں کہا کہ کشمیر سے پچاس کروڑ سے زائد افراد کا مستقبل وابستہ ہے۔ یہ مسئلہ اس علاقے میں قیام امن کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

انٹرویو کا مکمل متن—— بھٹو کا بی بی سی سے انٹرویو—— حصہ دستاویزات میں دیکھیں۔

فروری 1964ء

3 فروری— مسئلہ کشمیر کے سوال پر سلامتی کونسل کا اجلاس شروع

سلامتی کونسل میں جہاں مسئلہ کشمیر پر 109 مرتبہ بحث ہو چکی تھی' ایک بار پھر بحث کے لئے پیش ہوا۔ وزیر کارجہ ذوالفقار علی بھٹو یہ حقیقت واضح کر دی کہ مسئلہ کشمیر کا تعلق دنیا کی آبادی کے چھٹے حصے سے ہے اور ان میں سے اکثر انتہائی غربت میں دن گزار رہے ہیں۔ ان کی حالت بہتر بنانا اتنا بڑا چیلنج ہے کہ دنیا تاریخ میں شاید ہی اس کی مثال ملے۔ دونوں ملکوں کے سامنے بڑے اور فوری توجہ کے لائق مسئلے ہیں۔ ہمارا ایک دوسرے سے جھگڑے میں اپنے وسائل ضائع کرنا کتنی غلط بات ہے۔ پاکستان اور ہندوستان کے عوام نے آزادی اس لئے حاصل کی کہ ہم اپنی زندگیاں خودداری اور وقار سے گزار سکیں اور اپنے مصائب کو دور کر سکیں۔ سترہ سال کے بعد ہم کہاں پہنچے ہیں۔ ہمارے سروں پر جنگ کا خطرہ منڈلا رہا ہے اور ہمیں ایک خوفناک طوفان کی آمد کا ہر وقت خدشہ رہتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی انہوں نے سلامتی کونسل کو خبردار کیا کہ دنیا میں اسی صدی کے دوران بڑی جنگیں لڑی گئی ہیں جن کا ظاہری مقصد چھوٹے ملکوں کے حقوق کی حفاظت تھا۔ اگر کشمیر میں یہ مثال قائم ہونے دی گئی کہ ایک چھوٹے ملک کے حقوق ایک بڑا ملک کچھ وقت گزرنے کے ساتھ غصب کر سکتا ہے اور بین الاقوامی معاہدوں کی خلاف ورزی کی جا سکتی ہے تو پھر اقوام متحدہ کے منشور کے اصول اور بین الاقوامی جھگڑے چکانے کے لئے طاقت کے استعمال کو ترک کرنے کے لئے روسی وزیراعظم اور امریکی صدر کی اپیلیں بے معنی ہو جاتی ہیں۔

وزیر خارجہ بھٹو کے خطاب کا مکمل متن—— سلامتی کونسل کے 1087 ویں اجلاس سے خطاب—— اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں۔

10 فروری— المنبر کی اشاعت پر پابندی

حکومت نے لائلپور (موجودہ فیصل آباد) سے نکلنے والے ہفت روزہ 'المنبر' کی اشاعت پر چھ ماہ کے لئے پابندی عائد کر دی۔

11 فروری— مسٹر چھاگلا کی انوکھی منطق

بھارتی وزیر تعلیم اور اقوام متحدہ میں بھارتی مندوب مسٹر محمد علی کریم چھاگلا نے کہا کہ کشمیر میں رائے شماری سے مزید خون خرابہ ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ عوام کی رائے معلوم کرنے کا یہ واحد طریقہ نہیں ہے۔ پچھلے بیس سال میں انگریزوں نے بے شمار ملکوں کو آزاد کیا مگر کہیں بھی رائے شماری نہیں کرائی۔ مسٹر چھاگلہ نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ صرف ہندوستان ہی چین کی توسیع پسندی کی راہ میں حائل ہو سکتا ہے۔

12 فروری— کشمیر کی نیشنل ملیشیا' بھارتی افواج کے تحت

بھارت نے مقبوضہ کشمیر کی نیشنل ملیشیا کو بھارتی فوج میں شامل کر لیا۔ نئی دہلی کے ایک اعلان کے مطابق ریاستی فوج' آئندہ بھارتی فوج کا حصہ شمار ہو گی اور براہ راست بھارت کی مغربی کمان کے ماتحت ہو گی۔ یہ کارروائی اس وقت کی گئی جب کشمیر کا مسئلہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں زیر غور تھا اور اس قسم کی قرار داد پیش ہو چکی تھی کہ کشمیر کے ضمن میں سلامتی کونسل کی سابق قرار دادوں کی توثیق کی جائے۔

16 فروری—پاک' روس تجارتی سمجھوتے کے بارے میں بات چیت

پاکستان اور روس کے درمیان تفصیلی تجارتی سمجھوتے کے بارے میں لاہور میں مذاکرات ہوئے۔

18 فروری—وزیر اعظم چین کا دورہ پاکستان

چین کے وزیر اعظم مسٹر چو این لائی پاکستان کے آٹھ روزہ سرکاری دورے پر کراچی پہنچے۔ یہ ان کا دوسرا دورہ پاکستان تھا۔ اس سے قبل انہوں نے 1956ء حسین شہید سہروردی کی وزارت کے دنوں میں پاکستان کا دورہ کیا تھا۔ چین وزیر اعظم کے دورے کے اختتام پر دونوں ملکوں کے رہنماؤں نے جو مشترکہ اعلامیہ جاری کیا اس میں چین نے واضح الفاظ میں آزادی کشمیر کی حمایت کی۔ پاکستان نے علی الاعلان چین کو ادارہ اقوام میں شامل کرنے پر زور دیا۔ دونوں ملکوں کے رہنماؤں نے متفقہ طور پر یہ پیشکش بھی کی کہ چین اور بھارت کے باہمی تنازعات مصالحانہ گفت و شنید کے ساتھ ختم کر دیئے جائیں اور ساتھ ہی چین اور امریکہ کی باہمی کشاکش کو' جو زیادہ تر غلط فہمیوں پر مبنی ہے' دور کرنے کے لئے مناسب اور موثر حل تلاش کیا جائے۔ انہوں نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ ایشیا اور افریقہ کے تمام آزاد ممالک کی اعلیٰ سطح کی کانفرنس بلائی جائے۔ یہ فیصلہ بذات خود نہایت دانشمندانہ فیصلہ تھا اور دنیا کی تمام سامراجی قوتوں کے لئے ایک چیلنج تھا۔

مسٹر چو این لائی کے راولپنڈی لاہور اور ڈھاکہ کا دورہ کیا۔

28 فروری—روسی امداد کی پیشکش پر غور

وزیر خزانہ محمد شعیب نے بتایا کہ روس کی جانب سے ہونے والی اقتصادی امداد کی پیشکش پر غور کیا جا رہا ہے۔

28-29 فروری—نیشنل عوامی پارٹی کا احیاء

ایوبی مارشل لاء کے خاتمے کے بعد' نیشنل عوامی پارٹی (حپ) نے اپنے احیا میں سب سے زیادہ دیر لگائی ایک دھڑا پارٹی کی بحالی کا حامی تھا تو دوسرا مخالف اپریل 1963ء میں پارٹی کی ورکنگ کمیٹی نے بحالی کی تجویز کو رد کر دیا۔ بحالی کے حامی دھڑے نے جنوری 1964ء میں پشاور میں اجلاس بلایا بالآخر 29-28 فروری کو حپ کی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ڈھاکہ میں منعقد ہوا اور پارٹی باضابطہ طور پر بحال ہو گئی۔ مولانا بھاشانی پارٹی کے صدر اور محمود الحق عثمانی اس کے جنرل سیکرٹری مقرر ہوئے۔

مارچ 1964ء

2 مارچ—امریکہ کو پاک چین دوستی پر تشویش ہے

امریکی نائب وزیر خارجہ جارج بال نے واشنگٹن میں کہا کہ امریکہ' پاک۔ چین دوستی کو تشویش کی نظر سے دیکھتا ہے۔

9 مارچ—نوابزادہ نصر اللہ عوامی لیگ کے صدر منتخب ہو گئے

نوابزادہ نصر اللہ کل پاکستان عوامی لیگ کے صدر چن لئے گئے۔

11 مارچ—امریکی نائب وزیر خارجہ کا دورہ پاکستان

امریکہ کے نائب وزیر خارجہ فلپس ٹالبوٹ نے اپنے دورہ پاکستان میں صدر ایوب اور وزیر خارجہ بھٹو سے ملاقات کی۔

12 مارچ—یوم کشمیر

12 مارچ کو سارے پاکستان اور آزاد کشمیر میں یوم پاکستان منایا گیا۔ چودھری غلام عباس نے لیاقت باغ راولپنڈی میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے پاک بھارت مذاکرات میں کشمیری نمائندوں کی شمولیت کا مطالبہ کیا۔ اور مسئلہ کشمیر کی ناکامی کے باعث صدر ایوب سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ پاک' بھارت کنفیڈریشن کے خواہش مند اب تقسیم کشمیر کی تجویز پیش کر رہے ہیں۔ ہم ان سازشوں کو ناکام بنا دیں گے۔

14 مارچ—مولانا مودودی کا پاسپورٹ

قومی اسمبلی کے 14 مارچ کے اجلاس میں اختر الدین احمد نے سوال اٹھایا کہ مولانا مودودی کا پاسپورٹ کیوں ضبط کیا گیا۔ ایک وفاقی وزیر نے جواب دیا کہ وہ سعودی عرب کے دورے میں پاکستان دشمن پراپیگنڈے میں ملوث رہے تھے۔ جب اس پراپیگنڈے کی مزید وضاحت کے لئے درخواست کی گئی تو ایک پارلیمانی سیکرٹری نے جواب دیا کہ انہوں نے سعودی عرب میں کچھ قابل اعتراض مواد شائع اور تقسیم کیا۔ اس ضمن میں پارلیمانی سیکرٹری نے دو کتابچوں "ڈان کا جواب" اور "جماعت اسلامی اور خارجہ پالیسی" کا خاص طور پر ذکر کیا۔

14 مارچ—سیاسی جماعتوں پر صدر ایوب کی الزام تراشی

صدر ایوب نے عوام کو ملک کی بعض سیاسی جماعتوں کے عزائم سے خبردار کرتے ہوئے کہا کہ وہ مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے علیحدہ کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔

17مارچ۔۔۔ آزاد کشمیر پر بھارتی حملے کی دھمکی

بھارتی وزیراعظم پنڈت نہرو نے آزاد کشمیر پر حملہ کرنے کی دھمکی دی۔

18مارچ۔۔۔ بھارت حملے کا منہ توڑ جواب دیا جائے گا: خورشید

آزاد کشمیر کے صدر کے ایچ خورشید نے پنڈت نہرو کے جوابی بیان میں کہا کہ بھارتی حملے کا منہ توڑ جواب دیا جائے گا۔

20مارچ۔۔۔ عراقی صدر کا دورہ پاکستان

عراق کے صدر فیلڈ مارشل عبدالسلام عارف پاکستان کے سات روزہ سرکاری دورے پر کراچی پہنچے۔ صدر ایوب نے عراقی صدر کا استقبال کیا۔ اپنے دورے کے دوران' مختلف مقامات پر عراقی صدر نے جن جن خیالات کا اظہار کیا ان کے نمایاں پہلو یہ تھے:

1۔ افریقہ اور ایشیا کو بے شمار مسائل درپیش ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ ممالک خود ان مسائل کو حل کرنے کے لئے باہمی طور پر کوئی موثر اقدام کریں اس مقصد کے لئے افریشیائی ممالک کی کانفرنس ضروری ہے۔

2۔ کشمیر فلسطین اور دوسرے علاقوں میں جو تنازعے اور مسائل درپیش ہیں وہ سامراجیوں کے پیدا کردہ ہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ سامراجیوں کی چالوں کو ناکام بنانے کے لئے یہ ممالک خود اپنے مسائل حل کریں۔

3۔ عربوں کی قومی تحریک میں نسلی جذبہ کی بجائے اسلامی اخوت کی روح کام کر رہی ہے۔ عرب پہلے مسلمان ہیں اور پھر عرب' پاکستان اور عراق میں صرف اس لئے دوستی نہیں کہ وہ دونوں مشرق کے ممالک ہیں اور مغرب کے سامراج کے ستم گزیدہ بلکہ ان میں صدیوں کا ورثہ بھی مشترکہ ہے۔ ان میں مادی سے کہیں زیادہ روحانی رشتے موجود ہیں۔

21مارچ۔۔۔ غیاث الدین پٹھان انتقال کر گئے

مرکزی وزیر خوراک و زراعت مسٹر غیاث الدین پٹھان 67 برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔

22مارچ۔۔۔ ڈھاکہ یونیورسٹی بند

ڈھاکہ یونیورسٹی کے کانووکیشن میں زبردست ہنگامہ آرائی کے نتیجے میں یونیورسٹی بند کر دی گئی۔

24مارچ۔۔۔ نکسن کا دورہ پاکستان

امریکہ کے سابق نائب صدر پاکستان کے دو روزہ دورے پر کراچی پہنچ گئے۔

27مارچ۔۔۔ نیشنل پریس ٹرسٹ کے قیام کا اعلان

پروگریسو پیپرز لمیٹڈ (پی پی ایل) کے اخبارات پاکستان ٹائمز اور 'امروز' پر سرکاری کنٹرول کے پانچ سال بعد نیشنل پریس ٹرسٹ کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔ سابق گورنر مغربی پاکستان اختر حسین اس کے چیرمین مقرر ہوئے۔ بتایا گیا کہ ٹرسٹ ایسے اخبارات اور جرائد نکالے گا جن کا نقطہ نظر حقیقت پسندانہ ہو گا۔ وہ قومی ترقی اور استحکام کو فروغ دے گا اور عوام کو معلومات و اطلاعات فراہم کرنے کے دوسرے وسائل بھی حاصل کرے گا۔ اگرچہ ٹرسٹ کے قیام کا اعلان ایک ممتاز صنعت کار غلام فاروق نے کیا لیکن اسے سیکرٹری اطلاعات الطاف گوہر کے ذہن کی پیداوار قرار دیا گیا۔ امروز' پاکستان ٹائمز اور سپورٹس ٹائمز کے علاوہ' اخبار خواتین' دیک پاکستان' مارننگ نیوز اور روزنامہ مشرق' جیسے اخبارات و جرائد ٹرسٹ کی تحویل میں دے دیئے گئے۔ ٹرسٹ کے قیام میں ملک کے 25 سب سے بڑے صنعت کاروں نے 39 ناموں سے حصہ لیا جن میں داؤد' سہگل' حبیب' دادا اور کئی دوسرے صنعت کار خاندان نمایاں تھے۔

29مارچ۔۔۔ قومی' یکجہتی کونسل کا قیام

ہفت روزہ لیل و نہار (29 مارچ 1964ء) کی اطلاع کے مطابق راولپنڈی میں پاکستان کی قومی یکجہتی کونسل پچھلے ہفتے قائم کر دی گئی۔ کونسل کے بڑے بڑے مقاصد یہ تھے:

(1) ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش اور علم کے ذریعے عوام میں اتحاد کو فروغ دینا۔

(2) ملک میں موزوں اور مناسب مقامات پر لائبریریاں' تحقیقاتی مراکز اور ریڈنگ روم قائم کرنا۔

(3) دیہی علاقوں کے لئے سفری کتب خانے منظم کرنا اور سکولوں اور کالجوں کو موزوں کتابیں فراہم کرنا۔

(4) مغربی پاکستان میں بنگلہ زبان اور مشرقی پاکستان میں اردو کی ترویج و تعلیم کا اہتمام کرنا اور ساتھ ہی ساتھ قومی تقاضوں کے مطابق علاقائی ثقافتوں اور زبانوں کے تحفظ اور فروغ کے لئے اقدامات کرنا۔

(5) ایسی تعلیمی اور ثقافتی سرگرمیوں کی تحریک و تنظیم کرنا' جو پاکستان کے ثقافتی اور معاشرتی ورثے کو نکھارنے اور ترقی دینے کا موجب ہوں۔

(6) بین الصوبائی فیلو شپ' وظائف اور سفری امداد مہیا کرنا اور دونوں

صوبوں کے طلبا اور اساتذہ اور رائے عامہ کے دوسرے نمائندوں کے تبادلے کا اہتمام کرنا۔

(7) ایسے اقدامات کا مقابلہ اور نفی کرنا جو عوام کو مشترک قومی ورثے سے منحرف کرنے کا موجب ہوں۔

(8) عوام میں قومی مقاصد وقوف اور شعور پیدا کرنے اور انہیں قومی تعمیر نو کے پروگرام میں عملی حصہ لینے پر آمادہ کرنے کی غرض سے تقریروں، مذاکروں اور مباحث کا انتظام کرنا۔

(9) دونوں حصوں کے درمیان تعلیمی، ثقافتی، پیشہ وارانہ اور لسانی میدانوں میں باہمی ربط و تعلق کو فروغ دینے کے لئے متعلقہ پیشوں یا یکساں شوق و شغف رکھنے والے افراد کو ایک دوسرے کے قریب تر لانے اور ان میں ربط باہمی قائم کرنے میں مدد دینا۔ پاکستان آنے والے غیر ملکی ماہرین تعلیم کی دیکھ بھال اور ان کے آرام و آسائش کا اہتمام کرنا اور غیر ممالک میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے متمنی پاکستانی طلبا کی صحیح رہنمائی کرنا۔

صدر نے کونسل کا افتتاح کیا۔

30 مارچ--- پاکستان میں ٹیلی ویژن کے قیام کا فیصلہ

حکومت نے پاکستان میں ٹیلی ویژن قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس غرض سے حکومت پاکستان اور جاپانی کمپنی نیپن الیکٹرک کمپنی (NEC) کے درمیان راولپنڈی میں ایک معاہدے پر دستخط ہوئے۔ معاہدے کے مطابق کمپنی نے تین تین ماہ کے لئے لاہور اور ڈھاکہ میں پائلٹ ٹیلی ویژن اپنے اخراجات پر قائم کرنے کی حامی بھر لی۔ ناکامی کی صورت میں کمپنی ان اخراجات کی خود ذمہ دار ہوتی لیکن منصوبہ کامیاب ہو جانے کی صورت میں حکومت پاکستان نے ان اخراجات کی ادائیگی کی حامی بھر لی۔

معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد اطلاعات و نشریات کے سیکرٹری الطاف گوہر نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ:

1- ٹیلی ویژن کے پروگراموں کو تعلیمی حیثیت دی جائے گی

2- ایسے سنجیدہ تفریحی پروگرام بھی پیش کئے جائیں گے جن کی اپنی تعلیمی افادیت ہوتی ہے۔

3_ ٹیلی ویژن سے ملک کے مختلف حصوں کی ثقافت اور تہذیب میں وحدت اور یگانگت پیدا کی جائے گی۔

4- ٹیلی ویژن کے ذریعے سستا پراپیگنڈہ اور واہیات پروگرام پیش نہیں کئے جائیں گے۔

5_ ٹیلیویژن کے ذریعے اشتہارات میں دیئے جائیں گے۔

31 مارچ--- بازارِ حسن ختم کرنے کی سفارش

لاہور میونسپل کارپوریشن نے بازارِ حسن بند کرنے کی سفارش کی۔

اپریل 1964ء

4 اپریل--- سیف اللہ خان کا انتقال

بنوں سے قومی اسمبلی کے رکن خان سیف اللہ خان کا انتقال ہو گیا۔

6 اپریل--- شیخ عبداللہ کو مذاکرات کی دعوت

وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے شیخ عبداللہ کو کشمیر کے مسئلہ پر صدر ایوب سے مذاکرات کی دعوت دی۔

7 اپریل--- شیخ عبداللہ رہا

شیخ عبداللہ کو رہا کر دیا گیا۔

7-14 اپریل--- انتخابی اداروں کی تشکیل کے سرکاری بل پر بحث مکمل

بارہ روزہ بحث میں پچاس سے زیادہ ارکان نے حصہ لیا۔ براہ راست اور بالواسطہ طریق انتخاب کے نقائص کے ڈھیر فوائد کے انبار، برائیوں کے پلندے اور خوبیوں کی قطاریں لگا دی گئیں۔ کسی نے کہا کہ اس بل کے پاس ہو جانے سے انتخابی ادارے براہ راست سرکاری اثر میں چلے جائیں گے اور ملک میں جمہوریت کی بنیادیں ہل جائیں گی۔ کسی نے کہا بالواسطہ طریق انتخاب سے بنیادی جمہوری اداروں کی سیاسی تربیت ہو گی، بد دیانتی کے امکانات کم ہو جائیں گے اور جمہوریت ٹھوس بنیادوں پر استوار ہو گی۔ کسی کا خیال تھا کہ بالواسطہ طریق انتخاب نظریہ پاکستان کے منافی ہے۔ کسی نے اندیشہ ظاہر کیا کہ اس سے رائے دہندگان اور مقننہ کے درمیان خلیج حائل ہو جائے گی مگر کسی کو امید تھی کہ مجوزہ طریق انتخاب سے ووٹروں اور مقننہ کے ارکان میں بہتر رابطہ قائم ہو گا۔ کسی نے دعویٰ کیا تھا کہ ملک کے حالات بلاواسطہ طریق انتخاب کے متقاضی ہیں اور کوئی اس دعوے کے جواب میں یہ دعویٰ کرتا تھا کہ موجودہ ملکی حالات کی روشنی میں بالواسطہ طریق انتخاب ہی موزوں ہے۔ کسی نے الزام لگایا کہ موجودہ حکومت عوام کی حاکیت سے گریز کرتی ہے۔ اس الزام کا یہ جواب دیا گیا کہ موجودہ حکومت عوام کی حاکیت کے نظریہ پر مکمل یقین رکھتی ہے۔ کسی نے کہا حکومت انتخاب جیتنا چاہتی ہے۔

14 اپریل کو بل منظور ہو گیا۔

9 اپریل--- مسئلہ کشمیر جمہوری طریقے سے حل ہونا چاہیے: شیخ عبداللہ

رہائی کے بعد شیخ محمد عبداللہ نے اعلان کیا کہ مسئلہ کشمیر جمہوری طریقے سے حل ہونا چاہیے- ہندوستان اور پاکستان کو باہمی مذاکرات کرکے اس مسئلے کا تصفیہ کرنا چاہیے- اس مسئلے کو حل کئے بغیر پائیدار امن قائم نہیں کیا جا سکتا-

10 اپریل--- ممتاز حسن قزلباش وفات پا گئے-

ریاست خیرپور کے سابق وزیر اعلیٰ اور ڈاکٹر خان صاحب کی وزارت کے وزیر صنعت ممتاز حسن قزلباش کا مدینہ منورہ میں انتقال ہو گیا-

11 اپریل--- شیخ عبداللہ کے بیان پر شاستری کا افسوس

بھارت کے وزیر بے محکمہ لال بہادر شاستری مسئلہ کشمیر کے حل کے سلسلے میں شیخ عبداللہ کے بیان پر افسوس کا اظہار کیا-

13 اپریل--- امریکہ کا ساتواں بحری بیڑہ

قومی اسمبلی کے رکن مسٹر عبدالحق نے اسمبلی کے اجلاس میں ایک تحریک التوا کے ذریعے کہا کہ ساتویں بحری بیڑے کی بحر ہند میں آمد سے پاکستان کو جو خطرہ پیدا ہو گیا ہے- اس پر بحث کی جائے-

18 اپریل--- سردار بہادر خان کا عملی سیاست سے ریٹائر ہونے کا اعلان

حزب اختلاف کے رہنما اور قومی اسمبلی میں حزب مخالف کے سابق لیڈر سردار بہادر خان نے سیاست سے دستبردار ہونے کا اعلان کر دیا-

19 اپریل--- شیخ عبداللہ کی رہائی ایک قومی تہوار کی حیثیت رکھتی ہے: چوہدری غلام عباس

کشمیری رہنما چودھری غلام عباس نے اپنی ایک ریڈیو تقریر میں شیخ عبداللہ کی رہائی کو ایک صحیح قومی تہوار قرار دیا- لیکن یہ بھی کہا کہ ان کی طویل ترین اسیری ہمارے عہد کی سیاسی تاریخ میں اپنی نوعیت کی مخصوص مثال ہے- جب تک شیخ عبداللہ جیل میں رہے' تحریک آزادی کشمیر کے عملی مظہر رہے- اور اب رہائی کے بعد وہ کشمیر کے مستقبل کا عظیم ستون ہیں-

تقریر کا مکمل متن--- شیر کشمیر شیخ عبداللہ کی رہائی پر قائد کشمیر چوہدری غلام عباس کی تقریر--- اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں-

25 اپریل--- حق خود ارادیت مسئلہ کشمیر کا آخری حل ہے: شیخ عبداللہ

شیخ عبداللہ نے ایک بیان میں کہا کہ بھارت یا پاکستان کی پارلیمینٹ اور نہرو یا ایوب خان کوئی بھی تنازعہ کشمیر کا حتمی فیصلہ کرنے کا حق نہیں رکھتا- کشمیر عوام کو خود ارادیت کا حق دے کر ہی اس مسئلے کو حتمی طور پر حل کیا جا سکتا ہے-

27 اپریل--- وزیر خارجہ بھٹو کا نیشنل پریس کلب واشنگٹن سے خطاب

پاکستان کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے نیشنل پریس کلب واشنگٹن سے خطاب کرتے ہوئے تنازعہ کشمیر اور پاک بھارت تعلقات کے بارے میں اظہار خیال کیا- وہ سیٹو کی وزارتی کونسل کے اجلاس میں شرکت کے لئے امریکہ گئے تھے- انہوں نے کہا کہ جب پاکستان بنا تو اسے کئی مسائل کی صورت میں انگریزوں کے دور حکمرانی کی چھوڑی ہوئی میراث کا سامنا کرنا پڑا- انہوں نے بتایا کہ کئی مسائل حل ہو گئے لیکن بدقسمتی سے ابھی تک پاک' بھارت مفاہمت کی راہ ہموار نہیں ہو سکی- انہوں نے کہا کہ ریاست جموں و کشمیر میں حالات تیزی سے بدل رہے ہیں- شیخ عبداللہ گیارہ سال بعد رہا ہوئے ہیں- ریاست کے عوام بغاوت کر رہے ہیں- ہم نے ہمیشہ اس قضیہ کو پرامن تصفیے سے حل کرنے کی کوشش کی ہیں ہم نے سلامتی کونسل سے رجوع کیا-

وزیر خارجہ نے کہا کہ بھارت کی بڑھتی ہوئی ہولناک فوجی قوت پاکستان کے لئے نہایت تشویشناک ہے-

خطاب کا مکمل متن--- امن کی تلاش--- اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں-

28 اپریل--- واشنگٹن میں سیٹو کے وزارتی اجلاس سے بھٹو کا خطاب

پاکستان کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے واشنگٹن میں سیٹو کے وزارتی اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ امن و استحکام اب ایسے عمل نہیں رہے جو از خود جاری رہ سکیں- کسی بھی خطے یا علاقے میں امن کے لئے یہ ایک پیشگی لزوم ہے کہ ایک ملک کا دوسرے ملک پر تسلط پانے کا خوف معدوم ہو جائے- اس سلسلے میں بڑی طاقتوں پر خصوصی ذمہ داری عائد ہوتی ہے- بڑی اور چھوٹی طاقتوں کا ایک دوسرے پر انحصار ہے-

وزیر خارجہ نے مزید کہا کہ سیٹو کے رکن ممالک کے رہنما محسوس کرتے ہیں کہ لوگوں کے معیار زندگی کو بہتر بنانا اور جہالت' بھوک' غربت اور بیماری کے خلاف جہاد کرنا' ان کے لئے سب سے بڑا چیلنج ہے-

تقریر کا مکمل متن--- ایک دفاعی معاہدہ--- اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں

30 اپریل--- عبدالصمد اچکزئی لائلپور (فیصل آباد) جیل منتقل کر

دیئے گئے

1958ء سے مارشل لاء کے تحت سزا یافتہ ممتاز سیاسی رہنما عبدالصمد اچکزئی کو لاہور جیل میں منتقل کرنے کے احکامات جاری کر دیئے گئے۔ اس سے قبل انہیں ڈھائی سال تک سیالکوٹ اور اس کے بعد ہری پور جیل میں رکھا گیا تھا۔

مئی 1964ء

5-19 مئی--- مسئلہ کشمیر پر سلامتی کونسل میں بحث شروع

سلامتی کونسل میں مسئلہ کشمیر پر بحث شروع ہو گئی۔ 19 مئی کو یہ اجلاس غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی ہو گیا۔

6 مئی--- شیخ عبداللہ کو پاکستان آنے کی دعوت

پاکستان کے صدر ایوب خان نے مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے شیخ عبداللہ کو پاکستان کا دورہ کرنے کی دعوت دی۔

7 مئی--- وزیر خارجہ بھٹو کا مسئلہ کشمیر پر سلامتی کونسل میں خطاب

وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے تنازعہ کشمیر پر سلامتی کونسل کے 1089 ویں اجلاس میں طویل خطاب کیا۔ انہوں نے مسئلہ کشمیر کی تاریخ اور بھارتی وعدہ خلافیوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ایک بار پھر مطالبہ کیا کہ کشمیری عوام کو رائے شماری کا حق دیا جائے۔
خطاب کا مکمل متن--- وزیر خارجہ بھٹو کا سلامتی کونسل کے 1089 ویں اجلاس سے خطاب--- حصہ دستاویزات کے متن میں دیکھیں۔

11 مئی--- سلامتی کونسل میں بھٹو کا بھارتی نمائندے کو جواب

سلامتی کونسل میں مسئلہ کشمیر پر بحث کرتے ہوئے وزیر خارجہ بھٹو نے بھارتی نمائندے کی دشنام طرازیوں کا تفصیل سے جواب دیتے ہوئے پاکستانی موقف کو ایک بار پھر واضح کیا۔
خطاب کا مکمل متن--- وزیر خارجہ بھٹو کا سلامتی کونسل کے 114ویں اجلاس سے خطاب--- اسی جلد کے حصہ کے دستاویزات میں دیکھیں۔

12 مئی--- سوڈان کے صدر کا دورہ پاکستان

سوڈان کے صدر اپنے دورہ پاکستان کے سلسلے میں کراچی پہنچ گئے۔ اپنے قیام پاکستان کے دوران انہوں نے مسئلہ کشمیر پر پاکستان کے موقف کی حمایت کی۔

17 مئی--- شیخ عبداللہ سے دونوں ملکوں کے مذاکرات، مسئلے کے حل کے لئے آخری امید ہیں: کے ایچ خورشید

آزاد کشمیر کے صدر جناب کے ایچ خورشید نے اعلان کیا کہ مسئلہ کشمیر کے حل کے سلسلے میں شیخ عبداللہ کے پاکستان اور بھارت سے مذاکرات آخری امید ہیں۔

19 مئی--- نور خان ایئر وائس مارشل بنا دیئے گئے

نور خان ایر وائس مارشل بنا دیئے گئے۔

24-26 مئی--- شیخ عبداللہ پاکستان پہنچ گئے

شیخ عبداللہ اپنے ساتھیوں سمیت راولپنڈی پہنچ گئے۔ اسی روز ایوان صدر راولپنڈی میں ان کے صدر ایوب سے مذاکرات شروع ہو گئے۔ مذاکرات 25 مئی کو بھی جاری رہے۔ اگلے روز شیخ عبداللہ نے بتایا کہ ایوب خان کشمیر کے مسئلے پر پنڈت نہرو سے مذاکرات کے لئے آمادہ ہیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ 1947ء میں بھارت کے ساتھ کشمیر کا الحاق عارضی تھا۔

25 مئی--- جلسہ عام سے کشمیری اور پاکستان رہنماؤں کا خطاب

25 مئی کو لیاقت باغ راولپنڈی میں چودھری غلام عباس کی صدارت میں جلسہ عام سے ذوالفقار علی بھٹو، وزیر امور کشمیر خان حبیب اللہ خان، وزیر تعلیم اے ٹی مصطفیٰ، اسپیکر قومی اسمبلی فضل القادر چوہدری کے علاوہ شیخ عبداللہ، میرواعظ کشمیر، مرزا افضل بیگ اور چوہدری غلام عباس نے خطاب کیا۔ چوہدری علام عباس نے کہا کہ مسئلہ کشمیر کے سلسلہ میں بات چیت کے صرف پاکستان اور بھارت ہی فریق نہیں بلکہ ہمارا ایک بڑا ہمسایہ ملک چین ہماری چھت پر بیٹھا ہوا ہے بہتر یہی ہے کہ یو این او کی قرار دادوں کے مطابق مسئلہ کشمیر کے اصلی فریق--- کشمیری عوام--- کو یہ حق دیا جائے کہ اپنی قسمت کا فیصلہ اپنی رائے کے ذریعے کریں۔

28 مئی--- پنڈت نہرو کا انتقال

بھارت کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو، 74 برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ پاکستان نے ان کے انتقال پر قومی پرچم سرنگوں کرنے کا حکم دیا۔ شیخ عبداللہ اور ان کے ساتھیوں نے پاکستان کا دورہ منسوخ کر دیا۔ صدر ایوب نے کہا کہ پنڈت نہرو کے انتقال سے بھارت ایک عظیم سیاستدان سے محروم ہو گیا ہے۔ لال بہادر شاستری ہندوستان کے نئے وزیر اعظم مقرر ہوئے۔

29 مئی--- چوہدری عزیز دین انتقال کر گئے

سابق رکن قومی اسمبلی چوہدری عزیز دین ایک حادثے میں انتقال کر گئے۔

29 مئی --- یوم بلوچستان

اپنے احیا کے کچھ ہی عرصہ بعد نیشنل عوامی پارٹی نے پورے ملک میں یوم بلوچستان" منایا اور مطالبہ کیا کہ مسائل کی تحقیقات ہائی کورٹ کے جج سے کرائی جائیں۔

30 مئی --- مغربی پاکستان اسمبلی میں پنڈت نہو کے انتقال پر ریفرنس

مغربی پاکستان اسمبلی میں وزیر اعظم ہندوستان پنڈت نہو کے انتقال پر شیخ مسعود صادق اور خواجہ محمد صفدر نے رنج و غم کا اظہار کیا۔ رکن قومی اسمبلی چودھری عزیز دین کے ایک حادثے میں انتقال پر بھی ایوان میں دعائے مغفرت کی گئی۔

جون 1964ء

3 جون --- شاستری کو تعاون کی پیشکش

وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے بھارت کے نئے وزیر اعظم لال بہادر شاستری کو' پاک و ہند کے درمیان تمام متنازعہ مسائل حل کرنے کے سلسلے میں اپنے تعاون کی پیشکش کر دی۔

9 جون --- ریلوے کرایوں میں اضافہ

مغربی پاکستان کے ریلوے کے وزیر محمد خان جونیجو صوبائی اسمبلی میں ریلوے بجٹ پیش کرتے ہوئے یکم جولائی کو ریلوے کے کرایوں میں اضافے کا اعلان کیا جو قیام پاکستان کے بعد سے تیسرا اضافہ تھا۔ پہلی بار اضافے کا اعلان وزیر خزانہ محمود حسن نے کیا تھا۔

11 جون --- مغربی پاکستان کا بجٹ کا بجٹ

مغربی پاکستان اسمبلی میں 9 کروڑ' 96 لاکھ' 34 ہزار روپے کی بچت کا بجٹ پیش کیا گیا۔

11 جون --- آئین میں دوسری ترمیم منظور

قومی اسمبلی نے 1962ء کے آئین میں دوسری ترمیم منظور کر لی۔ اس کے ذریعے آئین کی دفعہ 12 شق 1' شق 2' دفعہ 21' شق 1' دفعہ 23 شق 4' شق 5' دفعہ 72 کی شق 1' دفعہ 158 کی شق 2 اور 2 الف' 3 اور 4' دفعہ 165 کی شق 5' دفعہ 168 کی شق 3 دفعہ 169 کی شق 2 اور 3' دفعہ 173 اور دفعہ 226 کی دفعہ میں ایسی تبدیلیاں اور اضافے کر دیئے گئے جو ایوب خان کو زیادہ سے زیادہ اقتدار میں رکھنے کا آئینی جواز فراہم کر سکیں۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ آئین کے نفاذ کے وقت صدر ایوب نے آئین میں کسی قسم کی ترمیم نہ کرنے کا اعلان کیا تھا۔ ترمیمی ایکٹ 23 جون سے نافذ کر دیا گیا۔

12 جون --- عبدالصمد اچکزئی کی لائلپور جیل منتقلی کے خلاف تحریک التواء

10 جون کو مغربی پاکستان اسمبلی میں عبدالصمد اچکزئی کے فیصل آباد جیل تبادلے کے خلاف تحریک التوا پیش کی۔ 9 جون 1964ء کو بزرگ سیاسی رہنما کے صاحبزادے محمود اچکزئی نے اپنے مکتوب میں اس تبادلے کا انکشاف کیا تھا۔ 12 جون کو ایوان میں بحث کے بعد اسپیکر نے تحریک مسترد کر دی۔

12 جون --- مرکزی بجٹ کا اعلان

وزیر خارجہ قومی اسمبلی میں 18 کروڑ 88 لاکھ کی بچت کا مرکزی بجٹ پیش کر دیا۔ بجٹ میں سگریٹ' ٹائر ٹیوب اور دوسری ضروری اشیا پر نئے ٹیکس لگائے گئے۔

16 جون --- عبدالباقی بلوچ کی ضمانت منظور

سپریم کورٹ نے مکران سے مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن عبدالباقی بلوچ کی ضمانت کی درخواست منظور کر لی۔

16-18 جون --- حیدر آباد ڈویژن اور تھرپارکر آفت زدہ علاقے قرار دے دیئے گئے

سانگھڑ' حیدر آباد اور تھرپارکر میں شدید طوفان سے 600 افراد ہلاک ہو گئے جبکہ 5 کروڑ روپے کا نقصان ہوا۔ حکومت نے پوری حیدر آباد ڈویژن کو آفت زدہ علاقہ قرار دے دیا۔

21 جون --- ایر فورس کا طیارہ تباہ' پائلٹ ہلاک

حافظ آباد کے قریب پاک فضائیہ کا ایک طیارہ گر کر تباہ ہو گیا۔ پائلٹ اپنی جان بچانے کی کوشش میں ناکام رہا۔

22 جون --- لاؤڈ اسپیکر آرڈیننس چیلنج

مغربی پاکستان ہائی کورٹ میں لاؤڈ اسپیکر آرڈیننس کو چیلنج کر دیا گیا۔

25جون--- مس زہرہ عزیز قومی اسمبلی کی رکن منتخب ہو گئیں

رکن قومی اسمبلی چودھری عزیز دین کی سب سے بڑی صاحبزادی مس زہرہ عزیز قومی اسمبلی کی رکن منتخب ہو گئیں۔ وہ 1933ء میں لائلپور (موجودہ فیصل آباد) کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئی تھیں۔

جولائی 1964ء

یکم جولائی--- صدر ایوب کا دورہ ایران

صدر ایوب اپنے دورہ ایران کے سلسلے میں تہران پہنچے۔ ان کے ساتھ وزیر خارجہ بھٹو بھی تھے۔ اگلے روز ایوب اور شاہ ایران کے مابین مذاکرات ہوئے۔ صدر ایوب نے اعلان کیا کہ وہ چار اسلامی ملکوں کا مشترکہ پلیٹ فارم قائم کرنا چاہتے ہیں۔

7-16جولائی--- صدر ایوب کا دورہ برطانیہ

صدر ایوب نے لندن میں برطانوی وزیراعظم سر ڈگلس ہیوم سے ملاقات کی۔ 10 جولائی کو انہوں نے دولت مشترکہ کے سربراہوں کی کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان سب سے بڑا اختلافی مسئلہ کشمیر ہے۔ انہوں نے کہا کہ چین کی طرف سے بھارت کو حملے کا کوئی خطرہ نہیں ہے اور اگر بھارت کی فوجی امداد جاری رہی تو ایشیا کے چھوٹے ملک چین سے مدد مانگیں گے۔ 12 جولائی کو صدر نے لندن میں مقیم پاکستانیوں سے خطاب کیا اور کہا کہ اگر پاکستان پر حملہ ہوا تو اس کا منہ توڑ جواب دیا جائے گا دولت مشترکہ کے بیشتر سربراہوں نے کشمیر میں رائے شماری کی حمایت کا اعلان کیا۔ 16 جولائی کو صدر ایوب ڈبلن پہنچ گئے۔

13جولائی--- جماعت اسلامی پر پابندی کا حکم کالعدم

ڈھاکہ ہائی کورٹ نے جماعت اسلامی پر پابندی کے فیصلے کو کالعدم قرار دے دیا۔ جماعت اسلامی نے پابندی کے فیصلے کو اعلیٰ عدالتوں میں چیلنج کیا تھا۔ پہلی کوشش ناکام رہی جب 16 جون کو مغربی پاکستان ہائی کورٹ نے مولانا مودودی' ان کے بیٹے عمر فاروق اور مصباح الاسلام فاروقی کی رٹ پٹیشن مسترد کر دی۔ لیکن دوسری کوشش کامیاب رہی جب 13 جولائی کو ڈھاکہ ہائی کورٹ نے جماعت اسلامی کے ایک سابق رکن تمیز الدین احمد کی رٹ پٹیشن پر' پابندی کے فیصلے کو غیر قانونی قرار دے دیا۔ ہائی کورٹ نے ہدایت کی کہ معاملہ سپریم کورٹ میں لایا جائے کیونکہ اس میں آئین کی توضیح کا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔

16جولائی--- نیشنل عوامی پارٹی کے منشور کا اجرا

16 جولائی کو نیشنل عوامی پارٹی نے 36 نکات پر مبنی اپنا منشور جاری کیا جس میں اسمبلیوں کو مکمل اختیارات دینے' براہ راست انتخابات' بنیادی حقوق کے تحفظ' دفاع' خارجہ پالیسی اور کرنسی مرکز کو دے کر مکمل علاقائی خود مختاری' ون یونٹ کے خاتمے اور ثقافتی' لسانی اور جغرافیائی بنیادوں پر سابق صوبوں کی بحالی تمام جابرانہ قوانین کے خاتمے' سیاسی قیدیوں کی رہائی' مقننہ سے عدلیہ کی علیحدگی' کلیدی صنعتوں کو قومیانے' انقلابی زرعی اصلاحات' کسانوں میں زمین کی تقسیم اور دفاعی معاہدوں سے پاک ایک آزاد خارجہ پالیسی کا مطالبہ کیا

17جولائی--- نیشنل عوامی پارٹی کی مرکزی کمیٹی کا اجلاس

نیشنل عوامی پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے پشاور کے اجلاس میں پارٹی کے صدر مولانا بھاشانی کی سربراہی میں ایک سات رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی۔ تاکہ دوسری سیاسی جماعتوں کے ساتھ اتحاد قائم کئے جا سکیں۔

18-19جولائی--- پاکستان' ایران اور ترکی کا وزارتی اجلاس

ترکی کے دارالحکومت انقرہ میں پاکستان' ایران اور ترکی کے وزرائے خارجہ کا اجلاس ہوا تاکہ تینوں ہم خیال ملکوں کے مابین علاقائی تعاون کو عملی شکل دی جا سکے۔ تینوں وزرائے خارجہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس وقت ان کے مابین دو طرفہ کثیر طاقتی اشتراک کا جو نظام موجود تھا' اس سے باہر رہتے ہوئے بھی' اقتصادی فنی اور ثقافتی تعاون کے بہت زیادہ مواقع موجود تھے۔ چنانچہ تینوں وزرائے خارجہ نے علاقائی تعاون کے فوائد کا احساس و اعتراف کرتے ہوئے ایران' پاکستان اور ترکی کے 16 کروڑ باشندوں کی فلاح و ترقی کے لئے باہمی اتحاد کا عزم کر لیا۔

19جولائی--- صدر ایوب کا دورہ آئرلینڈ مکمل

صدر ایوب نے آئرلینڈ کا دورہ مکمل کر لیا۔ دورے کے خاتمے پر جو مشترکہ اعلامیہ جاری ہوا اس میں آئرلینڈ کے وزیراعظم نے تنازعہ کشمیر پر افسوس کا اظہار کیا اور دونوں ملکوں نے باہمی تجارت بڑھانے پر زور دیا۔

20جولائی--- صدر ایوب ترکی پہنچ گئے

پاکستان' ایران اور ترکی کی سربراہی کانفرنس میں شرکت کی غرض سے صدر ایوب ترکی پہنچ گئے۔

21جولائی--- علاقائی تعاون برائے ترقی (آر سی ڈی) کی تشکیل

پاکستان' ایران اور ترکی کے وزرائے خارجہ کے اجلاس کے بعد' 21

جولائی کو استنبول میں تینوں ملکوں کی سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں 18-19 جولائی کی وزارتی کانفرنس کی رپورٹ پیش کی گئی۔ اس رپورٹ میں ایران، پاکستان اور ترکی کے مابین اقتصادی اور ثقافتی تعاون کی سفارش کی گئی تھی۔ سربراہوں نے تینوں ملکوں کے درمیان علاقائی تعاون کی ضرورت سے اتفاق کیا۔ انہوں نے اپنے اس نظریے کی تائید کی کہ یہ علاقائی تعاون نہ صرف قومی ترقی کی رفتار تیز تر کرنے کے لئے ضروری ہے بلکہ اس تعاون کی بدولت عالمی امن و استحکام کو بھی فائدہ پہنچے گا۔ سربراہوں نے اس یقین کا اظہار بھی کیا کہ چونکہ تینوں ملکوں کے عوام میں قدیم تاریخی اور ثقافتی رشتے استوار ہیں جو باہمی اشتراک و تعاون کی مضبوط اساس کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا سارے علاقے کے لوگوں کی بہبود و منفعت کے لئے ان باہمی رشتوں اور اشتراک و تعاون کو مزید مضبوط بنایا جائے۔

"علاقائی تعاون برائے ترقی" کے قیام کے ضمن میں دس نکات پر مبنی ایک مشترکہ اعلان جاری ہوا۔ 23 جولائی کو تنظیم کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔

تفصیل کے لئے۔۔ ایران، پاکستان اور ترکی میں علاقائی تعاون برائے ترقی۔۔ اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں۔

21-24 جولائی۔۔۔ متحدہ حزب اختلاف (سی او پی) کا قیام

24 جولائی کو ڈھاکہ میں حزب اختلاف کی پارٹیوں نے کمبائنڈ اپوزیشن پارٹیز (سی او پی) کے نام سے ایک متحدہ محاذ تشکیل دیا۔ 21 جولائی کو ڈھاکہ میں خواجہ ناظم الدین کی قیام گاہ پر کونسل مسلم لیگ (خواجہ ناظم الدین) عوامی لیگ (نوابزدہ نصر اللہ خان اور شیخ مجیب الرحمان) نیشنل عوامی پارٹی (عبدالحمید بھاشانی) نظام اسلام پارٹی (چوہدری محمد علی) اور جماعت اسلامی (خرم جاہ مراد) کے نمائندوں کا اجلاس شروع ہوا جو چار روز تک جاری رہا۔ 24 جولائی کو متحدہ محاذ کی تشکیل کا اعلان کر دیا گیا۔ فیصلہ کیا گیا کہ مشترکہ پروگرام کی بنیادی پر صدارتی اور مرکزی و صوبائی اسمبلیوں کے مشترکہ امیدواروں کا تعین کیا جائے گا۔ محاذ نے ایک نو نکاتی پروگرام کا اعلان بھی کیا جس میں ایک جمہوری آئین کے نفاذ، قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے لئے براہ راست انتخابات، اسمبلیوں کے لئے بجٹ کے اختیارات، پارلیمانی نظام، پاکستان کی یکجہتی کی بنیاد پر صوبائی خود مختاری، صدر کے اختیارات میں تخفیف، عدلیہ کی آزادی، سیاسی جماعتوں پر پابندیوں کے خاتمے اور سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

26 جولائی۔۔۔ صدر ایوب وطن واپس پہنچ گئے

صدر ایوب نے اپنے طویل غیر ملکی دورے کے بعد راولپنڈی پہنچنے پر بتایا کہ پاکستان، ایران اور ترکی کے درمیان علاقائی تعاون کا معاہدہ اسلامی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ چین کی طرف سے بھی معاہدے کا خیر مقدم کیا گیا۔

اگست 1964ء

6 اگست۔۔۔ ویت نام کے مسئلہ پر مسٹر بھٹو کا اظہار تشویش

پاکستان کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے ویت نام کے واقعات پر گہری تشویش کا اظہار کیا۔ شمالی ویت نام پر امریکی حملے کے خلاف طلباء نے ڈھاکہ میں مظاہرہ کیا اور امریکی سفارت خانے پر حملہ کر دیا۔

17 اگست۔۔۔ آئین میں ترمیم کا پرائیویٹ بل مسترد

قومی اسمبلی میں آئین میں ترمیم کا ایک پرائیویٹ بل نامنظور کر دیا جس میں صوبائی گورنروں کی نامزدگی کی بجائے، ان کے انتخابات اور ان کے اختیارات استعمال کرنے کے طریق کار میں تبدیلی کی تجویز پیش کی گئی تھی۔

19 اگست۔۔۔ صدر ایوب کو کنونشن لیگ کا صدارتی امیدوار نامزد کر دیا گیا۔

کنونشن مسلم لیگ نے صدر ایوب کو اپنا صدارتی امیدوار نامزد کر دیا۔

26 اگست۔۔۔ صدر ایوب کی جانب سے اسلامی سوشلزم کی حمایت

صدر ایوب نے ڈھاکہ میں کہا کہ لوگوں کی بھلائی اسی میں ہے کہ ملک میں اسلامی سوشلزم نافذ کر دیا جائے۔

31 اگست۔۔۔ پریس ٹرسٹ نے متعدد اخبارات خرید لئے

نیشنل پریس ٹرسٹ نے پاکستان ٹائمز امروز اور مشرق لاہور کو خرید لیا۔

ستمبر 1964ء

یکم ستمبر۔۔۔ ہر شخص کو روٹی، کپڑا، مکان ملنا چاہیے: صدر ایوب خان

صدر ایوب نے اپنی ماہانہ نشری تقریر میں کہا۔ ہر شخص کو روٹی، کپڑے اور مکان کی سہولت ملنی چاہیے۔

2 ستمبر۔۔۔ تیسرے پنجسالہ منصوبے کے خاکے کا اعلان

52 ارب روپے کے تیسرے پنجسالہ منوبے کے خاکے کا اعلان کر دیا گیا

4 ستمبر۔۔۔ مولانا مودودی کی میعاد نظر بندی میں اضافہ

حکومت نے مولانا مودودی کی نظربندی کی میعاد میں چھ ماہ کا مزید اضافہ کردیا۔

12 ستمبر۔۔ متحدہ حزب اختلاف کے جلسے میں ہلڑ بازی

قائداعظم کی برسی کے موقعے پر متحدہ حزب اختلاف کے جلسے میں پولیس کی موجودگی میں تقریباً" ایک گھنٹے تک غنڈہ گردی ہوئی۔ حزب اختلاف نے الزام لگایا کہ یہ غنڈہ گردی حکومت کے ایماء پر کی گئی۔

13 ستمبر۔۔ مولوی فرید احمد گرفتار

نظام اسلام پارٹی کے رہنما مولوی فرید احمد کو تحفظ امن عام کے تحت گرفتار کرلیا گیا۔

17 ستمبر۔۔ محترمہ فاطمہ جناح نے صدارتی انتخاب لڑنے کا اعلان کردیا

محترمہ فاطمہ جناح نے کونشن لیگ کے صدارتی امیدوار صدر ایوب کے خلاف انتخاب لڑنے کا اعلان کر دیا۔ انہیں متحدہ حزب اختلاف (سی او پی) نے اپنا امیدوار نامزد کیا۔

18 ستمبر۔۔ مولانا عبدالستار نیازی پر حملہ

مولانا عبدالستار نیازی اس وقت زخمی ہو گئے۔ جب لاہور کی میکلوڈ روڈ پر' ان پر چار غنڈوں پر حملہ کر دیا۔ ان پر اس سے قبل بھی دو بار لاہور میں اور ایک بار کالاباغ میں ایسے ہی حملے کئے جاچکے ہیں۔

18 ستمبر۔۔ ڈھاکہ میں طلباء پر فائرنگ

ڈھاکہ میں پولیس نے طلباء پر گولی چلادی۔ طلباء حکومت کے خلاف ہڑتال کررہے تھے۔

19 ستمبر۔۔ سوئیکارنو کا دورہ پاکستان

صدر سوئیکارنو نے راولپنڈی میں صدر ایوب سے مذاکرات کئے۔ دونوں رہنماؤں کی جانب سے جاری ہونے والے مشترکہ اعلان میں تنازعہ کشمیر کے حل کا مطالبہ کیا گیا۔

20 ستمبر۔۔ 29 ستمبر کو یوم احتجاج منانے کا اعلان

متحدہ حزب اختلاف نے 29 ستمبر کو ملک بھر میں یوم احتجاج منانے کی اپیل کی۔

23 ستمبر۔۔ اسکول کے طلباء پر پولیس کا لاٹھی چارج

حیدر آباد میں ہائی اسکول کے طلباء کے ایک پرامن جلوس پر پولیس نے لاٹھی چارج کردیا۔ جس سے سات طلباء شدید زخمی ہو گئے۔

25 ستمبر۔۔ جماعت اسلامی پر پابندی غیر قانونی قرار دے دی گئی

سپریم کورٹ نے جماعت اسلامی پابندی کے سرکاری حکم کو غیر قانونی قرار دے دیا۔

25 ستمبر۔۔ پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈیننس کو چیلنج کردیا گیا

پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈیننس کو ہائی کورٹ میں چیلنج کردیا گیا۔

28 ستمبر۔۔ جماعت اسلامی پر پابندی کا حکم منسوخ

حکومت مغربی پاکستان نے جماعت اسلامی پر پابندی کے حکم کو منسوخ کر دیا۔

29 ستمبر۔۔ متحدہ اپوزیشن کا یوم احتجاج

متحدہ اپوزیشن نے ملک بھر میں یوم احتجاج منایا اور ہڑتال کی۔ ہڑتال کے باعث مشرقی پاکستان میں مواصلات کا نظام درہم برہم ہو گیا۔

30 ستمبر۔۔ حبیب جالب کے خلاف جھوٹا مقدمہ

ممتاز شاعر کو ایک جھوٹے مقدمے میں لاہور کے کافی ہاؤس سے گرفتار کرلیا گیا۔ تاکہ وہ مادر ملت فاطمہ جناح کے دورہ مغربی پاکستان میں ان کا ساتھ نہ دے سکیں۔

اکتوبر 1964ء

2 اکتوبر۔۔ شیخ حسام الدین پر پابندی

ڈپٹی کمشنر لاہور شیخ حسام الدین پر تین ماہ کے لئے کوئی تقریر کرنے یا بیان جاری کرنے پر پابندی لگادی۔

3 اکتوبر۔۔ عورت سربراہ مملکت نہیں ہوسکتی: مولانا ہزاروی

مولانا غلام غوث ہزاروی نے اعلان کیا کہ اسلام میں عورت سربراہ مملکت نہیں بن سکتی۔

6 اکتوبر۔۔ متحدہ محاذ کے خطرناک عزائم کو خاک میں ملادیں:

بھٹو

وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے عوام سے کہا کہ وہ متحدہ حزب اختلاف کے خطرناک عزائم کو خاک میں ملا دیں۔

7 اکتوبر۔۔۔ تیسری سوملٹری کانفرنس کا افتتاح

جنرل محمد موسیٰ نے تیسری سٹو ملٹری کانفرنس کا راولپنڈی میں افتتاح کیا۔

9 اکتوبر۔۔۔ مولانا مودودی اور مولوی فرید رہا

مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے فل بنچ نے مولانا مودودی ان کے پینتالیس ساتھیوں اور نظام اسلام پارٹی کے سیکرٹری اور رکن قومی اسمبلی مولوی فرید احمد کو رہا کر دیا۔

12 اکتوبر۔۔۔ انتخابات میں محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت

12 اکتوبر کو جماعت اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ نے 1965ء کے صدارتی انتخاب میں مس فاطمہ جناح کی حمایت کرنے کا اعلان کیا۔ اس سے قبل مولانا مودودی، عورت کے سربراہ مملکت بننے کو درست قرار نہیں دیتے تھے۔

16 اکتوبر۔۔۔ پاکستان، ایران اور ترکی کے درمیان ویزے کی پابندیاں ختم

پاکستان، ایران اور ترکی کے نمائندوں نے تہران میں ایک معاہدے پر دستخط کئے۔ معاہدے کے تحت تینوں ملکوں کے درمیان ویزے کی پابندیاں ختم کر دی گئیں۔ تینوں ملکوں نے ڈاک و تار کی شرح میں کمی کرنے کا فیصلہ بھی کیا۔

18 اکتوبر۔۔۔ مطلق العنانی کے دن ختم ہو گئے: فاطمہ جناح

صدارتی امیدوار محترمہ فاطمہ جناح نے کھلنا میں ایک انتخابی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان میں مطلق العنان حکومتوں کے دن ختم ہو گئے ہیں۔

20 اکتوبر۔۔۔ اپوزیشن نے ملک کو تباہ کرنے کی سازش کی ہے: ایوب خان

صدارتی امیدوار صدر ایوب خان نے لاہور میں ایک انتخابی جلسے میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اپوزیشن نے ملک کو تباہ کرنے کی سازش کی ہے۔

21 اکتوبر۔۔۔ عورت سربراہ مملکت بن سکتی ہے: مولانا مودودی

مولانا مودودی نے اعلان کیا کہ اگر مرد سے قوم کو فائدہ نہ پہنچتا ہو تو عورت سربراہ مملکت بن سکتی ہے۔

22 اکتوبر۔۔۔ خواجہ ناظم الدین کا انتقال ہو گیا

سابق گورنر جنرل، سابق وزیراعظم، سابق وزیر اعلیٰ بنگال اور قائداعظم کے قریبی رفیق خواجہ ناظم الدین انتقال کر گئے۔ انہیں ڈھاکہ میں دفن کیا گیا۔

24 اکتوبر۔۔۔ آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کا سالانہ اجلاس

24 اکتوبر 1964ء کو آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کا بیتیسواں سالانہ اجلاس مظفر آباد میں منعقد ہوا جس میں رسوائے زمانہ ایکٹ 1964ء کی شدید مذمت کی گئی اور اس کی منسوخی کا مطالبہ کیا گیا۔ اس قانون کے ذریعے آزاد کشمیر کے ایک سرکاری افسر کو آزاد کشمیر کا صدر بنایا گیا اور تمام اختیارات وزارت امور کشمیر کے جائنٹ سیکرٹری کو سونپ دیئے گئے۔ اجلاس میں ایکٹ کی کاپی کو سرعام جلایا گیا۔ اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے چوہدری غلام عباس نے کہا کہ جب تک اقوام متحدہ کی قرار دادوں کے مطابق باشندگان جموں و کشمیر آزادانہ و غیر جانبدارانہ رائے شماری کے ذریعے ریاست کی قسمت کا فیصلہ نہیں کرپاتے اس وقت تک ریاست جموں و کشمیر نہ ہی پاکستان کا حصہ ہے اور نہ ہی ہندوستان کا۔ موجودہ آزاد علاقہ تحریک کا بیس کیمپ ہے اور اس کی اپنی ایک جداگانہ حیثیت ہے اور ایک سرکاری ملازم کو آزاد کشمیر کا صدر مقرر کرنا کشمیر عوام کی توہین ہے۔ اس سلسلے میں چوہدری غلام عباس نے صدر پاکستان، وزیر امور کشمیر اور مشیر اعلیٰ ایک یاداشت میں بھی بھیجی جس میں ایکٹ کی منسوخی کا مطالبہ کیا گیا تھا۔

یاداشت کا متن۔۔۔ ایکٹ 64ء کی منسوخی کے لئے یاداشت۔۔۔ اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں۔

25 اکتوبر۔۔۔ صدر ایوب نے اپنا انتخابی منشور جاری کر دیا

صدر ایوب نے اپنے انتخابی منشور میں کہا کہ ان کا مقصد عوام کا اقتدار اعلیٰ قائم کرنا اور پاکستان کی ترقی اور شادمانی کے ساتھ ساتھ عوام کی خوشحالی کے لئے کام کرنا ہے۔ وہ اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ ملک کے تمام معاملات میں عوام کی مرضی کو فوقیت حاصل ہے اور وہ یہی سمجھتے ہیں کہ پاکستان کی خود مختاری اور ایک قوم کی حیثیت سے اتحاد کی ضمانت صرف مضبوط مرکز ہی دے سکتا ہے۔

منشور کا مکمل متن۔۔۔ صدر کا منشور۔۔۔ اسی جلد کے حصہ دستاویزات

میں دیکھیں۔

27 اکتوبر--- کمزور مرکز اور پارلیمانی نظام ملک کو تباہ کر دے گا: ایوب

صدر ایوب نے کہا کہ کمزور مرکز اور مغربی طرز کا پارلیمانی نظام ملک کو تباہ کر دے گا۔

29 اکتوبر--- مادر ملت کی کامیابی سے آمریت کا خاتمہ ہو گا: مودودی

مولانا مودودی نے کہا کہ انتخابات میں مادر ملت کی کامیابی سے' ملک سے آمریت کا خاتمہ ہو جائے گا۔

30 اکتوبر--- ڈکٹیٹر جمہوریت کا جامہ اوڑھ رہا ہے: فاطمہ جناح

مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح نے کراچی میں کہا کہ ایک آمر اب جمہوریت کا جامہ اوڑھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ انتخابات میں سرکاری مشینری کا استعمال کیا جا رہا ہے۔

31 اکتوبر--- بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات شروع

ملک بھر میں بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات شروع ہو گئے

نومبر 1964ء

یکم نومبر--- کراچی میں طلبا پر پولیس کا لاٹھی چارج

کراچی میں پولیس نے طلباء کے ایک پر امن جلوس پر' جو مزار قائداعظم کی طرف جا رہا تھا۔ لاٹھی چارج کیا اور آنسو گیس پھینکی مزار پر ایک طالب علم رہنما سید سعید حسن کو حراست میں لے لیا گیا۔

3 نومبر--- خواجہ رفیق کی رہائی

عوامی لیگ کے رہنما خواجہ محمد رفیق کو رہا کر دیا گیا۔

8 نومبر--- مغربی پاکستان میں بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات مکمل

مغربی پاکستان میں بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات مکمل ہو گئے۔

9 نومبر--- قائداعظم کے بعد صدر ایوب قوم کے نجات دہندہ ہیں: اے ٹی ایم۔ مصطفیٰ

مشرقی پاکستان کے ایک جلسہ عام میں اے ٹی ایم مصطفیٰ نے دعویٰ کیا کہ قائداعظم کے بعد صدر ایوب ہی قوم کے نجات دہندہ ہیں۔

15 نومبر--- عبداللطیف بسواس کا انتقال ہو گیا

چوہدری محمد علی کی کابینہ کے خوراک و زراعت کے سابق مرکزی وزیر اور کرشک سرامک پارٹی کے سیکرٹری عبدالطیف بسواس کا ڈھاکہ میں انتقال ہو گیا۔

15 نومبر--- راؤ خورشید علی پر رحیم یار خان میں داخلے پر پابندی

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ رحیم یار خان نے' مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن راؤ خورشید علی خان کے رحیم یار خان میں داخلے پر تین ماہ کے لئے پابندی لگا دی۔

19 نومبر--- مشرقی پاکستان میں بھی بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات مکمل

مشرقی پاکستان میں بھی بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات مکمل ہو گئے

21 نومبر--- نواب زاہد علی خان گرفتار

ممتاز اپوزیشن لیڈر اور متحدہ حزب اختلاف (C.O.P.) کے رہنما نواب زاہد علی خان کو ٹنڈو الہ یار پولیس نے گرفتار کر لیا۔

21 نومبر--- انتخابی اداروں کی تشکیل

حکومت نے صدر اور قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے لئے انتخابی ادارے تشکیل دے دیئے

25 نومبر--- سیکیورٹی ایکٹ میں ترمیم

صدر ایوب نے ایک آرڈیننس کے ذریعے سیکیورٹی ایکٹ مجریہ 1952ء میں ترمیم کر دی۔

26 نومبر--- پاکستان ٹیلیویژن کا افتتاح

صدر ایوب نے لاہور میں پائلٹ ٹیلی ویژن کی نشریات کا افتتاح کیا۔ انہوں نے کہا کہ عوام اور حکومت کے درمیان گہرے رابطے کی جانب یہ ایک اور قدم ہے۔

26 نومبر کی شام 4 بجے صدر ایوب نے ریڈیو پاکستان کی عمارت میں ٹیلیویژن سٹیشن کا افتتاح کیا۔ سیکرٹری اطلاعات الطاف گوہر نے جاپانی ٹیم کا

صدر سے تعارف کرایا۔ اسلم اظہر' ٹیلی ویژن سے پہلا پروگرام ٹیلی کاسٹ کرنے میں مصروف تھے۔ افتتاحی تقریب کے شرکاء میں صدر کے علاوہ' گورنر مغربی پاکستان' وزیر اطلاعات عبدالوحید خان' وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو' وزیر خزانہ محمد شعیب اور مختلف وزارتوں کے سیکرٹری اور اعلیٰ حکام شامل تھے۔

پہلے دن کی نشریات پانچ گھنٹے تک جاری رہیں جو چھوٹے سے سٹوڈیو سے چند میلوں کے فاصلے تک دیکھی اور سنی جا سکتی تھیں۔ ٹیلی ویژن کے اولین اناؤنسر طارق عزیز اور کنول حمید (کنول نصیر) تھیں۔ ٹیلیویژن سے پیش ہونے والا پہلا کھیل نجمہ فاروقی کا نذرانہ تھا' جسے فضل کمال نے پیش کیا۔ آن ایر جانے والا پہلا گیت

لائی بے قدراں نال یاری
تے ٹٹ گئی تڑک کر کے

طفیل نیازی مرحوم نے گایا اور اسے مرحوم ذکا درانی نے پروڈیوس کیا۔ بوجھو تو جانیں' ٹیلیویژن کا پہلا کوئز شو تھا جسے اشفاق احمد نے کمپیئر کیا۔ پہلے روز بچوں کا پروگرام بھی پیش کیا گیا۔ ظفر حمدانی خبروں کے کرتا دھرتا تھے۔

27-28 نومبر—صدارت کے امیدواروں کے کاغذات نامزدگی منظور

صدر ایوب اور محترمہ فاطمہ جناح کے لئے پانچ اور صدارتی امیدواروں کے کاغذات نامزدگی منظور کر لئے گئے جن میں تین مرکزی وزراء—محمد شعیب' عبدالصبور خان اور ذوالفقار علی بھٹو کے نام بھی شامل تھے۔ اگلے روز تینوں نے اپنے نام واپس لے لئے۔

دسمبر 1964ء

یکم دسمبر—پولیس نے فوٹوگرافر کا کیمرہ چھین لیا

روز نامہ 'حریت' کے چیف رپورٹر داؤد سبحانی سے کراچی پولیس کے ایک اعلیٰ افسر نے ان کا کیمرہ چھین کر' اسے گاڑی کے پہیوں تلے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ داؤد سبحانی اس کیمرے سے طلبا کے ایک جلوس پر پولیس کے لاٹھی چارج کی تصویریں بنا رہے تھے۔

3 دسمبر—اسلامیہ کالج کراچی میں پولیس کا طلبا اور اساتذہ پر حملہ

پولیس نے اسلامیہ کالج کراچی کے احاطے میں اشک آور گیس کے گولے پھینکے۔ پولیس کا ایک دستہ کالج کی عمارت میں چلا گیا اور لاٹھی چارج کیا۔ کئی طالب علم زخمی ہو گئے۔ کالج کے عملہ کے ارکان نے پولیس سے کہا کہ وہ کالج کے عملہ کے ارکان ہیں لیکن پولیس نے انہیں بھی نہیں بخشا اور ان پر بھی لاٹھیاں برسائیں۔ جن طلبا نے کالج کی مسجد میں پناہ لی انہیں گھسیٹ کر باہر نکالا گیا اور مارا پیٹا گیا۔ طلباء کی مجلس عمل نے طلباء اور اساتذہ پر پولیس کے لاٹھی چارج اور اشک آور گیس کے استعمال کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ اس واقعہ میں سینکڑوں طلباء اور کئی معزز اساتذہ بھی زخمی ہو گئے

6 دسمبر—بھارت کو امریکی امداد' حکومت کی نااہلی سے مل رہی ہے: مس جناح

حزب اختلاف کی صدارتی امیدوار محترمہ فاطمہ جناح نے کہا کہ بھارت کو امریکہ کی فوجی امداد' پاکستانی حکومت کی نااہلی کے باعث مل رہی ہے۔

9-11 دسمبر—طلباء کے مظاہرے

کراچی میں طلباء پر تشدد کے خلاف لاہور کے طلباء نے مظاہرے کئے۔ پولیس نے طلباء پر لاٹھی چارج کر کے ان کا جلوس منتشر کر دیا۔ اگلے روز کراچی میں طلباء کی اپیل پر مکمل ہڑتال ہوئی۔ پولیس کی فائرنگ سے ایک طالب علم ہلاک اور تین زخمی ہو گئے۔ پشاور میں طلباء نے مظاہرے کئے۔

10 دسمبر—فاطمہ جناح جگتو فرنٹ کی آلہ کار ہیں: ایوب خان

صدر ایوب نے محترمہ فاطمہ جناح پر الزام لگایا کہ وہ جگتو فرنٹ کی آلہ کار ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بنیادی جمہوریتوں کے تحت جیسے شاندار انتخابات پاکستان میں ہوئے ہیں ویسے انتخابات تو خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی نہیں ہوئے تھے۔

10 دسمبر—مجھے آلہ کار نہیں بنایا جا سکتا

محترمہ فاطمہ جناح نے صدر ایوب کے الزام کو رد کرتے ہوئے کہا کہ وہ قائداعظم کی بہن ہیں۔ انہیں نہ خریدا جا سکتا ہے نہ آلہ کار بنایا جا سکتا ہے۔

14-15 دسمبر—فاطمہ جناح کو حیدر آباد میں جلسہ کرنے سے روک دیا گیا

محترمہ فاطمہ جناح کو حیدر آباد میں جلسہ کرنے سے روک دیا گیا۔ جناح سٹیڈیم حیدر آباد سے لاکھوں لوگ مایوس لوٹ گئے۔ اگلے روز حزب اختلاف کے ارکان پر کلہاڑیوں' لاٹھیوں اور ہاکیوں سے منظم حملہ کیا گیا۔

15 دسمبر—یونیورسٹی آرڈیننس منسوخ کیا جائے: فاطمہ جناح

محترمہ فاطمہ جناح نے یونیورسٹی آرڈیننس فوراً منسوخ کرنے کا مطالبہ کیا۔

16 دسمبر۔۔۔ راؤ خورشید علی کے بہاولنگر میں داخلہ پر پابندی

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بہاولنگر نے رکن مغربی پاکستان اسمبلی کے ضلع بہاولنگر میں تین ماہ کے لئے داخلے پر پابندی عائد کردی۔

21 دسمبر۔۔۔ مسئلہ کشمیر ایک ماہ میں حل کرلوں گا: کے ایم کمال

صدارتی امیدوار کے ایم کمال نے ایک انتخابی جلسے میں کہا کہ اگر انہیں منتخب کیا گیا تو وہ مسئلہ کشمیر کو ایک ماہ میں حل کرلیں گے۔

22 دسمبر۔۔۔ پارلیمانی اور صدارتی نظام کے حق میں تقریریں

محترمہ فاطمہ جناح نے راجشاہی میں اپنے انتخابی جلسے میں پارلیمانی نظام کی حمایت کرتے ہوئے صدارتی نظام کو آمرانہ بتایا۔ راجشاہی میں ہی صدر ایوب نے دعویٰ کیا کہ صدارتی نظام کے تحت آمریت ممکن نہیں ہوئی۔

29 دسمبر۔۔۔ حزب اختلاف کی کامیابی کے دعوے

جنرل اعظم خان نے ایک پریس کانفرنس میں حزب اختلاف کی کامیابی کے بارے میں زبردست دعوے کئے۔

جنوری 1965ء

2 جنوری۔۔۔ صدارتی انتخابات کے نتائج

ملک بھر میں صدارتی انتخابات منعقد ہوئے۔ صبح 8 بجے ووٹ پڑنا شروع ہوئے۔ رائے دہندگان کی مجموعی تعداد میں سے 99.62 فی صد ووٹ ڈالے گئے۔ ایوب خان کو 69647 اور فاطمہ جناح کو 28345 ووٹ پڑے۔ باقی دو امیدواروں بشیر احمد اور کے ایم کمال کو علی الترتیب 65 اور 183 ووٹ پڑے۔ عوامی اور سیاسی حلقوں میں ان نتائج پر حیرت کا اظہار کیا گیا۔ یہ الزام بھی لگایا گیا کہ ایوب خان نے زبردستی دھاندلی کرکے کامیابی حاصل کی تھی۔ ڈھاکہ اور کراچی میں محترمہ فاطمہ جناح کو ایوب خان پر واضح برتری حاصل ہوئی تھی۔

اپنی نشری تقریر میں صدر نے قوم کا شکریہ ادا کیا۔ صدر نے قومی اتحاد پارٹی کی اور محترمہ فاطمہ جناح سمیت تمام سیاسی عناصر کے لئے خیرسگالی کا اظہار کیا۔ صدر نے کہا: "آیئے مل جل کر تعمیر کریں، مل جل کر تکمیل کریں تاکہ پاکستان ہمیشہ قائم رہے اور فروغ پائے"۔

3 جنوری۔۔۔ انتخابات آمریت کے خلاف تحریک کا آغاز تھے: فاطمہ جناح

مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح نے انتخابات میں زبردست دھاندلی کا الزام لگایا۔ انہوں نے کہا کہ یہ انتخابات آمریت کے خلاف تحریک کا آغاز تھے۔

3 جنوری۔۔۔ جشنِ کامیابی کا اعلان

صدر ایوب کی کامیابی پر ملک بھر میں جشن منانے کے لئے مرکزی حکومت اور صوبائی گورنروں نے 4 جنوری کو عام تعطیل کا اعلان کیا۔

4 جنوری۔۔۔ جشنِ فتح

پورے ملک میں صدر ایوب کی کامیابی کی خوشی میں جشن فتح منایا گیا۔ ڈھاکہ اور کراچی کے عوام نے ایوب کے خلاف ووٹ دیا تھا۔ پھر بھی صدر ایوب نے تمام سیاسی عناصر سے خیرسگالی کا اظہار کیا۔ خیال تھا کہ صدر کے اس جذبہ خیرسگالی کے بعد ملک واقعی تعمیر و ترقی کے عمل میں شامل ہو جائے گا۔ لیکن بدقسمتی سے حالات اس کے برعکس ثابت ہوئے۔

4 جنوری کو کیپٹن گوہر ایوب، خوشی سے ہوا میں گولیاں چلاتا ایک جیپ میں نظر آیا۔ کراچی کی سڑکوں پر اس کے پیچھے ٹرکوں کا ایک بہت بڑا جلوس تھا۔ شہر میں پہلے سے دفعہ 144 لگی ہوئی تھی۔ جب یہ جلوس لیاقت آباد کی سڑکوں سے گزرا تو فائرنگ سے کئی لوگ ہلاک ہو گئے۔ جنہیں آج بھی شہدائے لیاقت آباد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس روز پٹھان حملہ آوروں نے لیاقت آباد سمیت کئی بستیوں پر حملے کئے۔ مقامی آبادی نے رات بھر مقابلہ کیا۔ زخمیوں کو ہسپتال پہنچایا گیا۔ اگلے روز شہر میں فوج طلب کرلی گئی۔ اخبارات کے مطابق کل چھ لوگ ہلاک ہوگئے۔ بعد ازاں یہ تعداد بیس بتائی گئی لیکن عام خیال تھا کہ سرکاری تعداد کے مقابلے میں کہیں زیادہ لوگ مرے تھے۔ اس حادثے کے نتائج جانی اور مالی نقصان سے زیادہ ثابت ہوئے۔ پٹھان اور مہاجر آبادی کے درمیان مستقل دشمنی کا بیج بو دیا گیا تھا۔

بعد ازاں یہ وضاحت سامنے آئی کہ جب گوہر ایوب اپنے جلوس کو لے کر لیاقت آباد سے گزرا تو لوگوں نے اس پر پتھراؤ کیا تھا جس پر اس کے بپھرے ہوئے حامی قابو سے باہر ہو گئے اور اسی رات اپنی توہین کا بدلہ لے لیا۔ اس حملے کے اسباب کبھی شائع نہیں کئے گئے لیکن کہا جاتا ہے کہ اگر اہل ہزارہ وہ جلوس لے کر نہ نکلتے تو نسلی فسادات بھی نہ ہوتے۔

اس سانحہ پر فیض نے اپنی مشہور نظم "یتیم لہو" لکھی:

نہ مدعی نہ شہادت، حساب پاک ہوا
یہ خونِ خاک نشیناں تھا، رزقِ خاک ہوا

7 جنوری۔۔۔ پاک، افغان تجارتی سمجھوتہ

پاکستان میں افغانستان کے سفیر نے امید ظاہر کی کہ دونوں ملکوں کے درمیان جلد ہی ایک تجارتی سمجھوتہ ہو جائے گا۔

7جنوری--- فسادات کے سلسلے میں انکوائری کمیٹی کی تشکیل

مغربی پاکستان کی حکومت نے ایک تین رکن کمیٹی تشکیل دی تاکہ ہنگاموں کی حقیقت معلوم کی جا سکے لیکن اسی دوران 75 افراد کے خلاف مختلف مقدمے درج کر لئے جس سے معاملات اور الجھ کر رہ گئے

7جنوری--- مرزا مظہر حسین کا انتقال

رکن مغربی پاکستان اسمبلی مرزا مظہر حسین حرکت قلب بند ہو جانے سے لاہور میں انتقال کر گئے۔

12جنوری--- ڈھاکہ میں قومی اسمبلی کا اجلاس شروع

ڈھاکہ میں قومی اسمبلی کا اجلاس ہو گیا

12جنوری--- ماسکو میں بھٹو۔ گرومیکو ملاقات

پاکستان کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو اور روسی وزیر خارجہ گرومیکو کے درمیان ماسکو میں مسئلہ کشمیر کے موضوع پر بات چیت ہوئی۔

14جنوری--- انتخابی ایکٹ میں ترمیم کا آرڈیننس منظور

قومی اسمبلی نے انتخابی ایکٹ میں ترمیم کا آرڈیننس منظور کر لیا۔

18جنوری--- گوہر ایوب کے خلاف الزامات

18 جنوری کو شمس الدین نامی ایک شخص نے کراچی کے ہنگاموں کے سلسلے میں کیپٹن گوہر ایوب کے خلاف متعدد سنگین الزامات عائد کئے۔ عام لوگوں کے بڑھتے ہوئے احتجاج کے پیش نظر گورنر مغربی پاکستان نے عوام کو یقین دلایا کہ واقعہ کے ذمہ دار افراد کو قرار واقعی سزا دی جائے گی۔ تاہم اس دوران انکوائری کمیٹی ختم کر دی گئی۔

لیاقت آباد کے ہنگاموں میں نشانہ بننے والا نیویارک ٹائمز کا نمائندہ جیکویس نوارڈ تھا اس کے مراسلوں کی بنیاد پر 19 جنوری کو نیویارک ٹائمز نے گوہر ایوب کے خلاف ان طویل الزامات کی فہرست شائع کر دی۔ ان الزامات سے سنگین جرائم کی نشاندہی ہوتی تھی۔ چند روز بعد نیویارک ٹائمز کے نمائندے کو اپنے مراسلوں کی اشاعت پر توہین عدالت کا سامنا کرنا پڑا۔ حالانکہ اس نے بغیر کسی تبصرے واقعات کی صرف حقیقی تفصیل بیان کی تھی۔ ہائی کورٹ نے فیصلہ دیا کہ نوارڈ نے چونکہ معافی مانگ لی ہے اس لئے توہین عدالت کا مقدمہ خارج کیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے بعد کسی پاکستانی اخبار یا ان غیر ملکی اخباروں نے جن کے نمائندے پاکستان میں مقیم تھے، کراچی کے سانحہ کے حوالے سے گوہر ایوب کے خلاف کچھ بھی شائع نہ کیا۔

18جنوری--- عصمت فروشی پر پابندی کا آرڈیننس منظور

مغربی پاکستان اسمبلی نے عصمت فروشی کے خلاف پابندی کا آرڈیننس منظور کر لیا۔

22جنوری--- میر دودا خان مری اور ان کے ساتھی ہلاک

قومی اسمبلی کے رکن خیر بخش مری کے ماموں میر دودا خان مری اور ان کے تین ساتھیوں کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔

24جنوری--- چرچل کے انتقال پر پاکستانی پرچم سرنگوں

سابق برطانوی وزیر اعظم ونسٹن چرچل کے انتقال پر پاکستانی پرچم سرنگوں کر دیئے گئے۔

27جنوری--- دس کروڑ پاکستانی، کشمیریوں کے ساتھ ہیں

وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے اعلان کیا کہ پاکستان کے دس کروڑ باشندے، کشمیری عوام کے ساتھ ہیں۔

28جنوری--- باقی بلوچ پر قاتلانہ حملہ اور ضمیر قریشی کا قتل

مغربی پاکستان اسمبلی کے سرگرم رکن عبدالباقی بلوچ پر قاتلانہ حملے کے دوران باقی بلوچ شدید زخمی اور ان کے ایک صحافی ساتھی ضمیر قریشی موقع پر ہلاک ہو گئے۔ واقعات کے مطابق، ضمیر قریشی ایوب خان کے ایک مخالف سیاستدان کے ساتھ تھے۔ اس شام دونوں ایوب خان کے ایک اور مخالف سیاستدان ملک غلام جیلانی کے گھر گئے۔ گھر کے دروازے پر گہری تاریکی میں اچانک ان پر گولیاں چلائی گئیں۔ ایک گولی ضمیر قریشی کو لگی اور وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گئے۔

کہا جاتا ہے کہ اصل نشانہ ضمیر قریشی نہیں تھے۔ گولیاں یقینی طور پر باقی بلوچ کے لئے چلائی گئی تھیں یا پھر ملک غلام جیلانی کے لئے۔

میر عبدالباقی بلوچ کے اپنے بیان کے مطابق وہ ان دنوں ملک غلام جیلانی پر اسرار طریقے سے ایک شخص سے کانا پھوسی کر رہے تھے وہ شخص سی آئی ڈی کا ڈی آئی جی تھا۔ اس روز باقی بلوچ نے مغربی پاکستان اسمبلی میں یونیورسٹی آرڈیننس کے خلاف تقریر کی تو ایک وزیر نے کہا: "ہم باقی کو باغی نہیں ہونے دیں گے"۔ اسی شام ملک غلام جیلانی بولے کہ باقی انہیں ایئر پورٹ چھوڑ دیں کیونکہ وہ کراچی جا رہے ہیں۔ باقی بلوچ کو اگلے دن پریس آرڈیننس پر ایک تقریر تیار کرنا تھی۔ وہ ماہرانہ رائے کے لئے کسی اخبار نویس کی تلاش میں نکلے۔ انہیں عرفان چغتائی مل سکے نہ نثار عثمانی۔ پی پی آئی

کے دفتر کے سامنے ضمیر قریشی مل گئے۔ دونوں ملک غلام جیلانی کے گھر پہنچے۔ ابھی باقی بلوچ کا کال بیل پر ہاتھ تھا کہ اندھیرے میں گولیاں چلنا شروع ہو گئیں۔ ایک گولی ضمیر قریشی کی زندگی چاٹ گئی تھی۔ جبکہ باقی بلوچ خود بھی شدید زخمی ہوئے تھے۔ ملک غلام جیلانی کراچی میں ملکی اور غیر ملکی اخبار نویسوں سے کہتے رہے کہ باقی بیچارہ مغالطے میں مارا گیا۔ وہ لوگ تو مجھے قتل کرنے آئے تھے۔ جو لوگ ملک جیلانی سے 'آگاہ' تھے۔ وہ سن کر ہنس پڑتے تھے۔

میر عبدالباقی بلوچ کا تفصیلی بیان۔۔ کچھ اپنے بارے میں۔۔ اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں

29-31 جنوری۔۔ ضمیر قریشی دفن کر دیئے گئے

ضمیر قریشی لاہور میں دفن کر دیئے گئے وہ الہ آباد میں 1936ء میں پیدا ہوئے اور قیام پاکستان کے بعد اپنے خاندان کے ساتھ لاہور منتقل ہو گئے تھے۔ ضمیر قریشی کے قتل اور باقی بلوچ پر قاتلانہ حملے کی ملک بھر میں مذمت کی گئی اور یوم احتجاج منایا گیا۔ 31 جنوری کو اخبارات شائع نہ ہوئے۔

فروری 1965ء

یکم فروری۔۔ شیخ دین محمد انتقال کر گئے

سابق گورنر سندھ اور ہائی کورٹ کے سابق جج شیخ دین محمد انتقال کر گئے

2 فروری۔۔ چوہدری ظہور الٰہی رہا

ہائی کورٹ نے چوہدری ظہور الٰہی کو عبوری ضمانت پر رہا کر دیا۔

6 فروری۔۔ باقی بلوچ پر قاتلانہ حملے کے سلسلے میں 30 افراد گرفتار

باقی بلوچ پر قاتلانہ حملہ کے الزام میں 30 افراد کو حراست میں لے لیا گیا۔

7 فروری۔۔ پاک فرانس مشترکہ اعلامیہ

فرانسیسی وزیراعظم کا دورہ پاکستان مکمل ہونے پر ایک مشترکہ اعلان میں کہا گیا کہ مسئلہ کشمیر پورے خطے میں کشیدگی کا باعث بنا ہوا ہے۔

8-11 فروری۔۔ شاہ ایران کا دورہ پاکستان

شاہ ایران رضا شاہ پہلوی' پاکستان کے سرکاری دورے پر راولپنڈی پہنچ گئے۔ راولپنڈی سے وہ لاہور پہنچے۔ وہ 11 فروری کو اپنا دورہ مکمل کر کے وطن واپس چلے گئے۔

12 فروری۔۔ برما کے سربراہ کا دورہ پاکستان

برما کے صدر جنرل نی ون پاکستان کے دورے پر لاہور پہنچ گئے۔ وہ پشاور اور کراچی بھی گئے۔

17 فروری۔۔ بلامقابلہ منتخب

مسلم لیگ کے چھ امیدوار بلامقابلہ قومی اسمبلی کے رکن چن لئے گئے۔

18-19 فروری۔۔ چوہدری ظہور الٰہی گرفتار اور رہا۔

چوہدری ظہور الٰہی کو گرفتار کر لیا گیا۔ اگلے روز انہیں عبوری ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔

18 فروری۔۔ پاک چین معاہدہ

پاکستان اور چین کے درمیان 30 کروڑ روپے کے بلا سود قرضے کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔

23 فروری۔۔ محکمہ ڈاک و تار کے ملازمین کی ہڑتال ختم

محکمہ ڈاک و تار کے ملازمین نے ہڑتال ختم کر دی۔ ہڑتال کے دوران فوجی جوانوں نے ڈاک تقسیم کی۔

24 فروری۔۔ سوویت یونین قرضہ دینے پر آمادہ

سوویت یونین' پاکستان کو 7 کروڑ ڈالر کا قرضہ دینے پر رضامند ہو گیا۔

26 فروری۔۔ چوہدری ظہور الٰہی جیل بھیج دیئے گئے

چوہدری ظہور الٰہی جیل بھیج دیئے گئے

مارچ 1965ء

2-7 مارچ۔۔ صدر ایوب کا دورہ چین

صدر ایوب چین کے دورے پر پیکنگ پہنچے۔ وزیراعظم چو این لائی نے ان کا استقبال کیا۔ صدر ایوب نے چینی صدر لیو شاؤ چی سے مذاکرات کئے۔ دونوں سربراہوں نے اعلان کیا کہ چین اور پاکستان کے نظریات میں مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ دورے کے خاتمے پر مشترکہ اعلان میں کہا گیا کہ سامراج کے بچے کھچے نشانات بھی مٹا دیئے جائیں مشترکہ اعلان میں یہ بھی کہا گیا کہ کشمیر کا مسئلہ عوام کی مرضی سے حل کیا جائے۔ ایٹمی ہتھیاروں پر پابندی کے

سلسلے میں سربراہوں کی کانفرنس بلائی جائے اور ہند' چین اختلافات کو سیاسی مذاکرات کے ذریعے ختم کیا جائے۔

3 مارچ --- حسن شاہد سہروردی انتقال کر گئے

حسین شہید سہروردی کے بھائی' ممتاز سفارت کار اور پبلک سروس کمیشن کے چیئرمین' 75 سال کی عمر میں کراچی میں انتقال کر گئے۔

9 مارچ --- صدر ایوب چین سے ڈھاکہ پہنچ گئے

صدر ایوب دورہ چین مکمل کرنے کے بعد سیدھے مشرقی پاکستان پہنچے۔ انہوں نے بتایا کہ چین مسئلہ کشمیر کو بلا تاخیر حل کرنے کا حامی ہے۔ سرکاری مبصرین کا خیال تھا کہ صدر 21 مارچ کو قومی اسمبلی کے انتخابات میں مشرقی پاکستان کے چین نواز حلقوں کو متاثر کرنے کے لئے چین سے سیدھے ڈھاکہ پہنچے تھے۔

9 مارچ --- چوہدری ظہور الٰہی کی ضمانت منظور

چوہدری ظہور الٰہی کی ضمانت منظور کر لی گئی۔

12 مارچ --- پاکستان بھی ایٹم بم حاصل کرے گا

وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ ملکی حفاظت اور سلامتی کے لئے پاکستان کو بھی ایٹم بم حاصل کرنا ہو گا۔

16 مارچ --- کرنل عابد حسین رہا

کرنل عابد حسین کو رہا کر دیا گیا

18 مارچ --- چوہدری ظہور الٰہی کے خلاف مزید مقدمات

چوہدری ظہور الٰہی کے خلاف مزید مقدمات قائم کر دیئے گئے۔

21 مارچ --- قومی اسمبلی کے انتخابات مکمل

قومی اسمبلی کی 150 نشستوں میں سے کونشن لیگ نے 120 نشستیں جیت لیں۔ حزب اختلاف کو 15 نشستیں مشرقی پاکستان اور ایک نشست مغربی پاکستان سے ملی۔ مغربی پاکستان سے حزب اختلاف کی واحد کامیابی محترمہ فاطمہ جناح کے الیکشن ایجنٹ حسن اے شیخ نے ممتاز صنعت کار صدیقی داؤد کو شکست دے کر حاصل کی۔

اپریل 1966ء

یکم اپریل۔ مسئلہ کشمیر کو جبر سے نہیں دبایا جا سکتا

صدر ایوب نے اپنی ماہانہ نشری تقریر میں اعلان کیا کہ کشمیر کے مسئلے کو سختی اور جبر سے نہیں دبایا جا سکتا۔

6 اپریل --- عوام چھ نکات کے نزدیک نہیں آئیں گے: منعم خان

مشرقی پاکستان کے گورنر عبدالمنعم خان نے کہا کہ عوام چھ نکات کے قریب نہیں آئیں گے۔

7 اپریل --- چھ نکات کو بھاشانی نے بھی رد کر دیا۔

نیشنل عوامی پارٹی کے رہنما عبدالحمید خان بھاشانی نے مجیب کے چھ نکات کے پروگرام کو رد کر دیا۔

10 اپریل --- ملک غلام جیلانی کی نظربندی کو چیلنج کر دیا گیا۔

اپوزیشن کے ممتاز رہنما ملک غلام جیلانی نے اپنی نظربندی کو چیلنج کر دیا۔

11 اپریل --- واپڈا کے نئے چیئرمین

اے جی این قاضی غلام اسحاق خان کی جگہ واپڈا کا چیئرمین بنا دیا گیا۔ غلام اسحاق مرکزی حکومت کے سیکرٹری مقرر ہوئے۔

18 اپریل --- حبیب اللہ خان قتل کر دیئے گئے

ڈیرہ اسماعیل خان میں ٹانک سے صوبائی اسمبلی کے رکن حبیب اللہ خان قتل کر دیئے ہیں۔

18 اپریل --- شیخ مجیب کی گرفتاری اور رہائی

مشرقی پاکستان عوامی لیگ کے صدر شیخ مجیب الرحمان گرفتاری کے بعد ضمانت پر رہا کر دیئے گئے۔

19-24 اپریل --- شاہ فیصل کا دورہ پاکستان

سعودی عرب کے شاہ فیصل نے پاکستان کے سرکاری دورے کے دوران ایوان صدر راولپنڈی میں کہا کہ پاکستان کی مدد کرنا وہ اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک پاکستان کے مسائل' ان کے اپنے مسائل ہیں۔ اس لئے سعودی عوام ہمیشہ پاکستان کا ساتھ دیں گے۔ پاکستان پر حملہ سعودی عرب پر حملہ سمجھا جائے گا۔ لاہور کے بعد شاہ فیصل پشاور پہنچے۔

20 اپریل --- راجہ محمد حیدر خان کا انتقال

مسلم کانفرنس کے سابق صدر اور حکومت آزاد جموں و کشمیر کے سابق وزیر دفاع مظفر آباد میں انتقال کر گئے۔

21 اپریل --- بھٹو کو ڈاکٹر آف لاء کی اعزازی ڈگری دی گئی

سندھ یونیورسٹی نے پاکستان کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو کو قوم کے لئے ان کی اعلیٰ خدمات کے اعتراف کے طور پر ڈاکٹر آف لاء کی ڈگری دی۔

25 اپریل --- غنی اعرابی' پی پی ایل کے مینجنگ ڈائریکٹر مقرر ہو گئے

پرنسپل انفارمیشن افسر جناب غنی اعرابی کو پروگریسو پیپرز لمیٹڈ کا مینجنگ ڈائریکٹر مقرر کر دیا گیا۔

29 اپریل --- پاک' برما سرحدہ معاہدہ

پاکستان اور برما کے درمیان سرحدوں کی نشاندہی کے ایک معاہدے پر رنگون میں دستخط ہو گئے۔

مئی 1966ء

یکم مئی --- صحافیوں کا سرکاری بائیکاٹ ختم

گورنر مغربی پاکستان ملک امیر محمد خان کی یقین دہانی پر صحافیوں نے سرکاری تقریبات کا بائیکاٹ ختم کر دیا۔

4 مئی --- بھارت سے دوستی ممکن نہیں: بھٹو

پاکستان کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے اعلان کیا کہ بھارت سے دوستی اور تعاون نہیں ہو سکتا۔

9 مئی --- مجیب گرفتار

مشرقی پاکستان عوامی لیگ کے رہنما شیخ مجیب الرحمان دفاعی قوانین کے تحت گرفتار کر لئے گئے

11-15 مئی --- دفاعی قوانین پر تنقید

پاکستان کے سابق وزیراعظم چودھری محمد علی نے پاکستان کے دفاعی قوانین پر تنقید کی۔ اگلے روز انہوں نے صدارتی نظام حکومت کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ اس نظام حکومت کی حالات و واقعات سے مطابقت نہیں ہے۔

23 مئی --- مغربی پاکستان اسمبلی میں نئے ارکان نے حلف اٹھایا

مغربی پاکستان اسمبلی کا اجلاس شروع ہو گیا۔ اجلاس کے پہلے روز نئے ارکان پیر علی گوہر چشتی اور مخدوم سلطان احمد نے حلف اٹھایا۔

23 مئی --- حبیب اللہ خان کنڈی کے لئے قرارداد تعزیت

مغربی پاکستان اسمبلی میں'' اسمبلی کے رکن جناب حبیب اللہ خان کنڈی کی ناگہانی موت پر وزیر مال خان حبیب اللہ خان نے قرارداد تعزیت پیش کی۔ قرارداد اتفاق رائے سے منظور کر لی گئی اور فاتحہ کی دعا کے بعد اسمبلی کی کارروائی پندرہ منٹ کے لئے ملتوی کر دی گئی۔

23 مئی --- کارکن صحافیوں کے حالات کار کے ترمیمی آرڈیننس پر بحث

مغربی پاکستان اسمبلی میں کارکن صحافیوں کے حالات کار کے ترمیمی آرڈیننس پر بحث شروع ہوئی۔ بحث کے دوران وزیر قانون نے یہ دلچسپ اطلاع دی کہ ملک میں قائم ہونے والا پریس ٹرسٹ حکومت کا قائم کردہ نہیں ہے اس پر مسٹر حمزہ نے کہا کہ اس ایوان میں اس سے بڑی غلط بیانی نہیں ہو سکتی۔

24 مئی --- بھارتی چیلنج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے گا: بھٹو

پاکستان کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ بھارت اگر ایٹمی قوت بن گیا تو اس کے چیلنج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے گا۔

24 مئی --- پریس اینڈ پبلیکیشنز ترمیمی آرڈیننس پر بحث

صوبائی اسمبلی میں ویسٹ پاکستان پریس اینڈ پبلیکیشنز ترمیمی آرڈیننس پر بحث کرتے ہوئے ملک محمد اختر نے اپنے اس موقف کو دہرایا کہ سپریم کورٹ اور قومی اسمبلی کی کارروائی کی اشاعت پر پابندی نہیں لگائی جا سکتی۔ انہوں نے ڈپٹی کمشنر کو ڈکلریشن کی منظوری اور منسوخی کے اختیارات دینے پر شدید تنقید کی۔ مسٹر حمزہ اور محمود اعظم فاروقی نے بھی اس طریق کار کی مخالفت میں دلائل دیئے۔

25 مئی --- سر محمد خان خامس عباسی انتقال کر گئے

سابق امیر بہاولپور نواب سر محمد خان خامس عباسی کا لندن میں انتقال ہو گیا۔ وہ 1904ء میں پیدا ہوئے تھے۔ مغربی پاکستان اسمبلی میں تعزیتی قرارداد منظور کی گئی۔

26 مئی --- بزنجو قومی اسمبلی کے رکن بن گئے

بلوچ رہنما میر غوث بخش بزنجو اپنے مدمقابل مسلم لیگی امیدوار کو قومی اسمبلی میں شکست دے کر رکن اسمبلی منتخب ہو گئے۔

26 مئی۔۔۔ سینیئر ڈپٹی اسپیکر اور دوسرے ڈپٹی اسپیکر کا انتخاب

مغربی پاکستان اسمبلی میں یوسف علی خان دس کے مقابلے میں 105 ووٹ حاصل کر کے سینیئر ڈپٹی سپیکر منتخب ہو گئے۔ ان کے مدمقابل امیدوار محمود اعظم فاروقی نے سب سے پہلے مبارک باد پیش کی۔ دوسرے ڈپٹی سپیکر کے لئے احمد میاں سومرو نے کامیابی حاصل کی۔ ان کے مدمقابل امیدوار شیخ فضل حسین کو صرف چار ووٹ ملے جبکہ احمد میاں سومرو نے 107 ووٹ حاصل کئے۔

27 مئی۔۔۔ ملک غلام جیلانی شدید علیل ہو گئے

قومی اسمبلی کے رکن اور عوامی لیگ کے مقبول رہنما' جو ان دنوں ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت نظر بند تھے' شدید علیل ہو گئے۔ ان کی حالت تشویشناک بتائی گئی۔ مغربی پاکستان اسمبلی میں ملک اختر نے ملک غلام جیلانی کی بیماری پر بحث کرنے کے لئے تحریک التواء پیش کی جسے اسپیکر نے مسترد کر دیا۔

27 مئی۔۔۔ مصالحتی عدالتوں کا ترمیمی آرڈیننس منظور

مغربی پاکستان اسمبلی میں مصالحتی عدالتوں کا ترمیمی آرڈیننس منظور کر لیا گیا۔

28 مئی۔۔۔ روسی پارلیمانی وفد کی لاہور

ایک روسی پارلیمانی وفد لاہور پہنچ گیا۔ وفد نے لاہور پہنچ کر اعلان کیا کہ سوویت یونین مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے ہر ممکن کارروائی کرے گا۔

28 مئی۔۔۔ عبدالصمد اچکزئی کی بھوک ہڑتال

روز نامہ 'نوائے وقت' کی خبر (29 مئی) کے مطابق بلوچستان کے ممتاز پشتون رہنما خان عبدالصمد اچکزئی نے لاہور ڈسٹرکٹ جیل کے حکام کے توہین آمیز رویے کے خلاف بھوک ہڑتال کر دی۔ وزیر جیل خانہ جات الحاج جام میر غلام قادر خان نے اگلے روز مغربی پاکستان اسمبلی میں خبر کی تردید کرتے ہوئے بتایا کہ خان عبدالصمد اچکزئی نے بھوک ہڑتال نہیں کی اور یہ خبر غلط ہے۔

29 مئی۔۔۔ 128 افسروں کی سبکدوشی

گورنر مغربی پاکستان ملک امیر محمد خان نے صوبے کے 128 افسروں کی سبکدوشی کے احکامات جاری کر دیئے۔

30 مئی۔۔۔ قوم مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے خود کو تیار کرے: بھٹو

وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ قوم بھارت کے ساتھ ریاست جموں و کشمیر کا تنازعہ طے کرنے کے لئے' دوسرے ممالک سے رجوع کرنے کی بجائے خود کو تیار کرے۔

31 مئی۔۔۔ اپوزیشن کا واک آؤٹ

مغربی پاکستان اسمبلی میں قائد حزب اختلاف خواجہ محمد صفدر کی ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت نظربندی کے خلاف تحریک استحقاق پیش کرنے کی اجازت نہ دیئے جانے پر حزب اختلاف کے ارکان' ایوان سے واک آؤٹ کر گئے۔

جون 1966ء

2 جون۔۔۔ مشرقی پاکستان میں پولیس فائرنگ سے دس افراد ہلاک

مشرقی پاکستان کے تین اہم شہروں چٹا گانگ' تیج گاؤں اور نارائن گنج میں پولیس فائرنگ سے 10 افراد ہلاک ہو گئے۔

3 جون۔۔۔ لڑکیوں کے اسکولوں اور کالجوں میں ناچ گانے پر پابندی

مغربی پاکستان اسمبلی کے اجلاس میں صوبائی وزیر قانون غلام نبی میمن نے اعلان کیا کہ مغربی پاکستان حکومت نے لڑکیوں کے اسکولوں اور کالجوں میں ناچ گانے پر پابندی لگا دی ہے۔ انہوں نے کہا کہ کھیلوں کے دوران وہ نازیبا لباس نہیں پہن سکیں گی۔ مخلوط تعلیمی اداروں میں لڑکے لڑکیاں ڈراموں میں اکٹھا کام نہیں کر سکیں گے۔ لڑکیوں کے اسکولوں کالجوں میں ان کی تقریبات کی کوریج کے لئے پریس فوٹوگرافروں کا داخلہ بھی ممنوع ہو گا۔ مغربی پاکستان اسمبلی کے ارکان نے اس اعلان کا تالیاں بجا کر خیر مقدم کیا۔

9 جون۔۔۔ لیاقت میڈیکل کالج کے طلباء کی بھوک ہڑتال

لیاقت میڈیکل کالج جامشورو کے بعض طلباء نے کالج کے پرنسپل کے رویہ کے خلاف بھوک ہڑتال کر دی۔ بھوک ہڑتال کی گونج ساتویں روز' 9 جون کو مغربی پاکستان اسمبلی میں سنی گئی جب رکن اسمبلی ایم حمزہ نے اس سلسلے میں قرارداد التواء پیش کرنا چاہی۔

9 جون۔۔۔ ناچ گانے کی تربیت بھی ممنوع

حکومت نے لڑکیوں کے اسکولوں اور کالجوں میں ناچ گانے کی تربیت دینے پر بھی پابندی عائد کر دی۔

11جون—— مرکزی بجٹ پیش کر دیا گیا

مرکزی وزیر خزانہ مسٹر شعیب نے قومی اسمبلی میں 67-1966ء کے مالی سال کے لئے سالانہ بجٹ پیش کر دیا۔ پٹرول' تیلوں' سوت' سوڈا ایش اور ڈاک کے نرخوں میں اضافہ ہو گیا۔

12جون—— بجٹ مایوس کن ہے: مولانا مودودی

امیر جماعت اسلامی مولانا مودودی نے مرکزی بجٹ کو مایوس کن قرار دیا جبکہ وزیر خزانہ نے وضاحت کی کہ بجٹ میں لگائے گئے نئے ٹیکسوں کا بوجھ تمام طبقوں پر مساوی طور پر ڈالا جائے گا۔

13جون—— مغربی پاکستان کا بجٹ پیش کر دیا گیا

صوبائی وزیر خزانہ شیخ مسعود صادق نے مغربی پاکستان اسمبلی میں صوبے کا بجٹ پیش کر دیا۔ اپوزیشن نے اسے نو آبادیاتی نظام اور نوکر شاہی ذہنیت کی پیداوار قرار دیا۔

16جون—— ایڈیٹر 'اتفاق' ڈھاکہ گرفتار

بنگالی روزنامہ 'اتفاق' ڈھاکہ کے ایڈیٹر تفضل حسین مانک میاں کو ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ انہیں چھ نکات کی تحریک کے سلسلے میں گرفتار کیا گیا۔

16جون—— پاکستان اور بھارت کی اقتصادی امداد بحال

امریکی حکومت نے پاکستان اور بھارت کی اقتصادی امداد بحال کرنے کا اعلان کیا۔ اعلان میں واضح کیا گیا کہ سردست فوجی امداد بحال نہیں کی جا رہی۔

18جون—— وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو کی سبکدوشی

صدر ایوب نے اعلان کیا کہ وزیر خارجہ بھٹو علیل ہیں انہیں طویل رخصت پر جانے کی اجازت دے دی گئی ہے اور وزارت خارجہ کا قلمدان انہوں نے خود سنبھال لیا ہے۔ انہوں نے یہ اعلان بھی کیا کہ پاکستان کی خارجہ پالیسی میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی۔

20جون—— اتفاق پریس کی ضبطی پر عارف افتخار کا احتجاج

قومی اسمبلی میں نیشنل عوامی پارٹی کے پارلیمانی گروپ نے حکومت مشرقی پاکستان کی طرف سے اتفاق پریس کی ضبطی پر' ایک بیان میں' جسے میاں عارف افتخار نے جاری کیا۔ کہا:

" ہمارے خیال کے مطابق ملک ایک وقت میں چاہے کیسے ہی سیاسی حالات سے دوچار کیوں نہ ہو' پریس پر پابندیاں اور دباؤ ملک کے عوام کے بنیادی حقوق میں سے ایک حق کو تلف کرنے کے مترادف ہے اور ہم اس کی مذمت کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسے احکام صرف ایک عامرانہ حکومت ہی ملک کی حزب اختلاف اور تنقید کو دبانے کے لئے جاری کر سکتی ہے۔

حکومت کے اس اقدام سے تین اخبارات متاثر ہوئے ہیں اور اس فعل نے ہماری پارٹی کا یہ نصب العین سچ کر دکھایا ہے کہ پاکستان کا تحفظ عوام کی رائے یا پریس کو دبانے سے حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ اس کو ایک حقیقت بنانے کے لئے ضروری ہے کہ عوام کے بنیادی حقوق جو انہیں قانون کی رو سے حاصل ہیں قابل احترام گردانے جائیں نہ کہ ان میں سے کسی ایک کو پامال کیا جائے۔ ہمیں ملک کے دس کروڑ عوام پر "قانون تحفظ پاکستان" اور دوسرے احکامات کے ذریعے حکومت نہیں کرنی چاہیے بلکہ ہمیں چاہیے کہ ہم عوام کو جمہوری انداز میں حکومت کرنے کی اجازت دیں اور یہی بات اندرونی خلفشار اور بیرونی حملے کے خلاف ملک کا حقیقی تحفظ ہے۔

حکومت مشرقی پاکستان کا یہ اقدام ایک ایسی حکومت کے انداز فکر کو ظاہر کرتا ہے جس کی بنیاد عوام کی خواہشات پر نہ رکھی گئی ہو اور جو اپنی کمزوری کی وجہ سے بنیادی ناپائیداری کے خطرات سے خوف زدہ ہو۔ اس وجہ سے ہماری پارٹی حکومت کے اس اقدام کی مذمت کرتی ہے اور امید کرتی ہے کہ حکومت مشرقی اور مغربی پاکستان کے عوام کو ان کا آزاد جمہوری اور اپنی آواز رکھنے والے پریس کا حق بحال کر دے گی"۔

20-21جون—— بھٹو کی سبکدوشی پر عالمی رد عمل

آل انڈیا ریڈیو نے بھٹو کی سبکدوشی پر اظہار مسرت کرتے ہوئے کہا کہ مسٹر بھٹو کے چلے جانے سے پاکستان اور بھارت کے تعلقات خوشگوار ہو جائیں گے۔ بی بی سی نے سبکدوشی کے اعلان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ:

اب اس اطلاع کی تصدیق ہو گئی ہے کہ مسٹر بھٹو کی طویل عرصے کے لئے رخصت منظور کر لی گئی ہے۔ لیکن کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس رخصت کے اختتام پر بھی مسٹر بھٹو کو پاکستان کی مرکزی وزارت میں جگہ دی جائے گی۔ اس سے کوئی شخص جرات انکار نہیں کر سکتا۔ مسٹر بھٹو نے پاکستان' چین' انڈونیشیا میں نہایت گہرے تعلقات قائم کر دیئے جس کے نتیجے میں دوسری افریشیائی کانفرنس بلانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن اس میں ان ملکوں کو کامیابی حاصل نہ ہو سکی اس کے بعد انڈونیشیا میں کمیونسٹوں نے بغاوت کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چین اور انڈونیشیا میں تعلقات قائم نہ رہ سکے جن کی مسٹر بھٹو کو توقع تھی۔ ستمبر میں پاکستان اور بھارت میں جنگ شروع ہو

گئی جو اقوام متحدہ کی مداخلت کی وجہ سے ختم ہو گئی لیکن دونوں ملکوں میں تعلقات اب بے حد کشیدہ ہیں۔ مسٹر بھٹو کی تقریروں کی وجہ سے امریکہ پاکستان سے برہم ہو گیا جس کی وجہ سے پاکستان اور امریکہ کے تعلقات کی اصلاح کی کوئی صورت نظر نہ آئی تھی۔ روس معاہدہ تاشقند کے بعد پاکستان کے زیادہ قریب آنے کا خواہشمند ہے۔ لیکن مسٹر بھٹو کی چین نواز پالیسی اس کی راہ میں مزاحم تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ مسٹر بھٹو امریکہ اور روس دونوں پر چین کو ترجیح دے رہے تھے اور اس سے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ ان کی چین کی دوستی کی وجہ سے روس اور امریکہ دونوں پاکستان کے دشمن نہ بن جائیں۔ ایسے حالات میں پاکستان کے ارباب حل و عقد نے یہی مناسب سمجھا کہ مسٹر بھٹو کی طویل عرصے کی رخصت منظور کر لیں۔

اپنی 21 جون 66ء کی اشاعت میں برطانوی اخبار گارڈین نے لکھا:

پاکستان کے وزیر خارجہ نے استعفیٰ دے دیا ہے یا بقول وہ "صحت خراب ہونے کے باعث طویل رخصت پر جا چکے ہیں"۔ مسٹر بھٹو کو امریکی امداد کی بحالی کے اعلان کے صرف دو دن بعد سبکدوش کر کے صدر ایوب عوامی جذبات کا خیال رکھنے سے قاصر رہے ہیں۔ کیونکہ ان کے سیاسی دشمن غلط یا صحیح طور پر یہی سمجھیں گے کہ امریکی امداد کی بحالی اور مسٹر بھٹو کی سبکدوشی کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔

مسٹر بھٹو کی سبکدوشی سے بھارت کو خاص طور پر مسرت ہو گی۔ بھارتی سیاستدانوں میں سے اکثر یہ سمجھتے ہیں کہ مسٹر بھٹو کی سبکدوشی سے کشمیر کے متعلق پاکستان کی حکمت عملی میں تبدیلی آ جائے گی۔ لیکن یہ محض خوش فہمی ہے کیونکہ مسٹر بھٹو کسی قیمت پر بھی بھارت کی طرف جھکنا پسند نہیں کرتے۔ بھارتی لیڈروں کا یہ بھی خیال ہے کہ ستمبر کی جنگ کے بعد فائر بندی سے مسٹر بھٹو کو اتفاق نہ تھا۔ اور وہ اعلان تاشقند سے بھی ہرگز خوش نہ تھے۔ لیکن پاکستان کی حکومت عملی کے اصل ذمہ دار صدر ایوب تھے اور مسٹر بھٹو کی مخالفت یا ناپسندیدگی کے باوجود صدر ایوب کی پالیسی قبول کر لی گئی ہے۔ اب [illegible] قلمدان وزارت خود صدر ایوب نے سنبھال لیا ہے تو ہو سکتا ہے کہ وہ بھارت کے ساتھ شریفانہ طور پر قضیئے نمٹانے کی خواہش ظاہر کریں۔ اس لحاظ سے بھارت میں مسٹر بھٹو کی سبکدوشی کا خیر مقدم کیا جانا چاہیے لیکن یہ توقع رکھنا بالکل غلط ہو گا کہ صدر ایوب کی حکومت ان بنیادی اصولوں سے منحرف ہو جائے گی جن پر ان سے پہلے کی حکومتیں ڈٹی رہی ہیں۔ بھارتی حکومت کے سیاستدان اس قسم کے واقعات پر پہلے بھی پاکستانی پالیسی میں تبدیلی کی توقع کر چکے ہیں لیکن ایسی ہر توقع غلط نکلی کیونکہ پاکستان اپنی سالمیت کے لئے ہرگز کشمیر کو بھارت کا حصہ تسلیم نہیں کرتا۔ وہ اس نصب العین پر اتنا ہی ڈٹا ہوا ہے جتنا بھارت کشمیر کو اپنا اٹوٹ انگ کہنے پر مصر ہے دونوں ملکوں کی سیاست کتنے ہی پلٹے کھائے اور دونوں ملکوں کے سیاستدان کتنے ہی بدلتے رہیں کشمیر کے مسئلہ پر کوئی سودا نہیں ہو سکتا۔ یہ ممکن ہے کہ مسئلہ کشمیر کسی نہ کسی وقت حل ہو جائے لیکن یہ توقع کرنا بالکل عبث ہے کہ اس مسئلہ کو یکسر فراموش یا نظرانداز کیا جا سکتا ہے۔

نیویارک ہیرلڈ ٹریبیون نے بھی اپنی اسی روز کی اشاعت میں ذوالفقار علی بھٹو کے استعفیٰ کو اپنے ادارے کا موضوع بناتے ہوئے دعویٰ کیا کہ:

"اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ مسٹر بھٹو پاکستان کی کابینہ سے الگ ہو کر جنوبی ایشیا کی سیاست سے الگ تھلگ ہو جائیں۔ تاہم اس بات کا امکان ہے کہ شاید مسٹر بھٹو پاکستان واپس آ کر صدر ایوب کے خلاف اپوزیشن لیڈر بن جائیں۔ جنہوں (ایوب) نے گذشتہ ہفتہ کے روز صحت کے خراب ہونے کی بنیاد پر مسٹر بھٹو کے طویل رخصت پر جانے کا اعلان کیا تھا' ان کی علیحدگی کے لئے "بیماری" کی وجہ پر پاکستان کی طرف بھارت میں بھی یقین نہیں کیا جا سکتا۔ مسٹر بھٹو اور ان کے آقا کے درمیان اختلافات کئی مہینوں سے علی الاعلان بڑھ رہے تھے۔ حالانکہ 1958ء سے جب صدر ایوب نے پرامن انقلاب کے بعد اقتدار حاصل کیا۔ آج تک مسٹر بھٹو کا حکمران طبقے میں اہمیت کے اعتبار سے دوسرا درجہ تھا۔ 1963ء میں مسٹر بھٹو 36 سال کی عمر میں وزیر خارجہ مقرر ہونے کے بعد اپنے لئے داخلی حمایت حاصل کرنے کی تگ و دو کرتے رہے۔ حال ہی میں مسٹر بھٹو کے بھارت دشمن رویہ اور امریکہ سے علیحدگی کے ساتھ کیونسٹ چین سے ربط و ضبط بڑھانے پر پاکستان میں ان کی مقبولیت کی جڑیں اور بھی گہری ہو گئیں۔ وہ دیر تک ملک سے باہر رہ کر اس مقبولیت سے محروم ہونا پسند نہیں کریں گے۔ سیاسی مبصرین نے جو مدت سے پاکستان کی دھماکہ خیز سیاست کا مشاہدہ کرتے چلے آ رہے ہیں بہت پہلے ہی بھانپ لیا تھا کہ صدر ایوب اور مسٹر بھٹو میں اختلافات بڑھ جائیں اور اس کی دو وجوہ ہیں:۔

(1) مسٹر بھٹو کی طاقت بڑھتے ہوئے اب اس نکتہ پر پہنچنے والی تھی جہاں وہ صدر ایوب کو بھی چیلنج کر سکتے تھے۔ کیونکہ ستمبر کی بے فائدہ جنگ کے بعد صدر ایوب عوام کی نظروں میں آہستہ آہستہ مقبولیت کھو رہے تھے۔

(2) پاکستان کی خارجہ پالیسی میں جو حالیہ رد و بدل ہوا ہے اس کی وجہ مسٹر بھٹو تھے۔ اب مارشل ایوب انہیں اپنی کابینہ سے الگ کر کے یہ تاثر دینا چاہتے تھے۔ کہ اگر وہ امریکہ نواز نہیں تو زیادہ سے زیادہ غیر جانبدار رہیں گے۔

یہ بات حقیقت کے قرین ہے کہ انہی دو وجوہ کی بنا پر مسٹر بھٹو کو سبکدوش کیا گیا ہے۔

22 جون۔۔۔ سبکدوشی کے بعد بھٹو کی لاہور آمد

ذوالفقار علی بھٹو' اپنے استعفے کی منظوری کے بعد جب راولپنڈی ریلوے اسٹیشن سے لاہور کے لئے روانہ ہوئے تو راستے میں ہر سٹیشن پر عوام نے ان کا پرجوش استقبال کیا۔ جب وہ لاہور پہنچے تو لاہور ریلوے

اسٹیشن پر ساٹھ ستر ہزار لوگ ان کے استقبال کے لئے پہلے سے موجود تھے۔ ڈیڑھ گھنٹے تک ریلوے سٹیشن اور آس پاس کی فضا نعرہ ہائے تکبیر' پاکستان زندہ باد بھٹو کو واپس لو' مسٹر بھٹو زندہ باد' فخر پاکستان زندہ باد' پاک چین دوستی زندہ باد- سی- آئی- اے ہائے ہائے اور امریکی امداد مردہ باد سے گونجتی رہی- استقبال کرنے والوں نے وفور جوش میں ضبط و نظم کا پورا خیال نہ رکھا جن کی وجہ سے مسٹر بھٹو کو سیلون سے باہر لانے میں کم از کم نصف گھنٹہ صرف ہو گیا- ہجوم کی بے پناہ یلغار' گرمی اور حبس کے باعث سبکدوش ہونے والے وزیر خارجہ سخت مضمحل نظر آئے اور انہیں سٹیشن سے باہر لا کر کار تک پہنچانا کافی دیر تک ایک مسئلہ بنا رہا- ہر کسی کی یہی خواہش تھی کہ وہ ایسی جگہ سنبھالے جہاں سے وہ مسٹر بھٹو کو باسانی دیکھ سکے- جب آٹھ بجکر 40 منٹ پر ٹرین پلیٹ فارم میں داخل ہوئی تو ساری فضا فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی- اور ہزاروں افراد اپنے قابل فخر مدبر کے سیلون کی طرف لپکے- ٹرین رکی تو سینکڑوں لوگ مسٹر بھٹو کے سیلون میں داخل ہو گئے- چنانچہ انہیں دروازہ تک لانا مشکل ہو گیا- آٹھ دس منٹ بعد وہ سیلون کے دروازے میں نمودار ہوئے تو انہیں ہاروں سے لاد دیا گیا اور پر جوش نعروں سے انہیں خراج تحسین پیش کیا گیا- بعض لوگوں نے وفود محبت و عقیدت سے ان کے ہاتھ چوم لئے- جوش و خروش اور پر جوش اظہار محبت کا اظہار دیتے ہوئے وہ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور آنسو ان کی آنکھوں سے چھلک پڑے- ہجوم اس وقت اتنا بے قابو ہو چکا تھا کہ خاکساروں اور طالب علموں نے بصد مشکل ہجوم میں سے تنگ راستہ بنایا- ایک نوجوان نے مسٹر بھٹو کو کندھوں پر اٹھا لیا اور اس طرح عملاً" انہیں ایک جلوس کی صورت میں ایک دوست کی کار میں بٹھا کر فلیٹی ہوٹل کی طرف لے جایا گیا- ان کے پیچھے بیسیوں کاریں' ٹیکسیاں اور موٹر رکشا تھے-

23 جون--- آغا ہلالی امریکہ میں پاکستان کے نئے سفیر مقرر ہو گئے

مسٹر آغا ہلالی' مسٹر جی احمد کی جگہ ' امریکہ میں پاکستان کے نئے سفیر مقرر ہو گئے-

24 جون--- بھٹو کراچی پہنچ گئے

لاہور میں دو روز قیام کرنے کے بعد سابق وزیر خارجہ بھٹو' کراچی کے لئے روانہ ہو گئے- راستے میں کئی اسٹیشنوں پر لوگوں نے جس شاندار طریقے سے ان کا استقبال کیا اور عقیدت کے فقید المثال مظاہرے کئے اس سے ان کی آنکھوں میں آنسو چھلک پڑے کراچی میں ان کے استقبال کا یہ حال تھا کہ سکولوں' کالجوں اور یونیورسٹی کے ہزارہا طلباء کے علاوہ ہزاروں کی تعداد میں عوام کا بے پناہ ہجوم سٹیشن پر امڈ آیا اور پلیٹ فارم پل اور سٹیشن کی عمارت پر تل دھرنے کی جگہ نہ رہ گئی تھی- جب گاڑی سٹیشن پر رکی تو لوگ دیوانہ وار اپنے محبوب قائد کی طرف امڈے چلے آ رہے تھے اور ذوالفقار علی بھٹو زندہ باد' آزاد خارجہ پالیسی کے خالق بھٹو زندہ باد' بھٹو کو کابینہ میں واپس لو' پاک چین دوستی زندہ باد' پاکستان کو امریکی امداد ہرگز نہیں چاہیے- آپ ملک سے باہر ہرگز نہ جائیں- کراچی کے طلباء بھٹو کو سلام عقیدت پیش کرتے ہیں- سامراجیت کا دشمن بھٹو زندہ باد' کے فلک شگاف نعرے لگا رہے تھے- جونہی وہ سیلون سے باہر آئے تو ان پر پھولوں کی پتیوں کی بے پناہ بارش کی گئی- طلبہ نے انہیں کندھوں پر اٹھا لیا اور پولیس افسر اور دفتر خارجہ کے حکام پلیٹ فارم پر کھڑے کے کھڑے رہ گئے-

24 جون--- لیفٹیننٹ جنرل بختیار رانا کا سول عہدہ

لیفٹیننٹ جنرل بختیار رانا کو اسمال انڈسٹریز کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کا چیئرمین مقرر کر دیا گیا-

27 جون--- ابراہیم جلیس برطرف

روزنامہ "انجام" کراچی کے مدیر ابراہیم جلیس کو فوری طور پر برطرف کر دیا گیا-

28 جون--- چو این لائی کا دورہ پاکستان

عوامی جمہوریہ چین کے وزیراعظم مسٹر چو این لائی سہ روزہ سرکاری دورے پر راولپنڈی پہنچے تو صدر ایوب نے ان کا استقبال کیا- اگلے روز دونوں رہنماؤں نے مسئلہ کشمیر اور ویت نام کی صورت حال پر بات چیت کی-

28 جون--- بھٹو کو نوائے وقت کا خراج عقیدت

روزنامہ 'نوائے وقت' لاہور نے 28 جون 1966ء کی اشاعت میں " مسٹر بھٹو کی آزمائش " کے زیر عنوان اپنے اداریے میں لکھا:

"پاکستان کے جواں سال اور خوش بخت وزیر خارجہ اپنے عہدہ سے سبکدوش ہونے کے بعد راولپنڈی سے کراچی تک عقیدت مند عوام کے کندھوں پر سواری کر کے اپنے آبائی شہر لاڑکانہ پہنچ گئے ہیں- وزارت خارجہ سے ان کی علیحدگی یا سبکدوشی غیر متوقع یا اچانک نہیں تھی- اس بارے میں خبریں یا افواہیں مدت سے پھیل رہی تھیں اور خود مسٹر بھٹو بھی اپنے ہونے والے حشر سے آگاہ تھا- ہم نہیں جانتے کہ انہوں نے اپنے مستقبل کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟ راولپنڈی سے کراچی تک اپنے سفر کے دوران میں بھٹو صاحب اپنی مصلحتوں کی وجہ سے خاموش رہے ہیں اور انہیں مہر بلب رہنا بھی چاہیے تھا- وزارت خارجہ سے ان کی علیحدگی کی وجوہ سے ہر کوئی آگاہ ہے لیکن زود یا بدیر انہیں عوام کو بتانا پڑے گا کہ مستقبل کے

بارے میں ان کا کیا پروگرام ہے؟ اس ملک میں بیسیوں وزیر آئے گئے ہیں۔ گزشتہ اٹھارہ انیس برس کے سابق وزراء کی فہرست تیار کرنا بھی مشکل ہو گا۔ آخر عوام نے صرف بھٹو صاحب کو یہ پذیرائی کیوں بخشی؟ بھٹو صاحب کو یہ فیصلہ کرنے میں مشکل پیش نہیں آنی چاہیے کہ عوام نے والہانہ انداز میں انہیں "الوداع" کہا ہے یا ان کا "خیر مقدم" کیا ہے؟

مسٹر بھٹو ایک ایسی حکومت کے وزیر تھے جو اور خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو۔ عوام میں ہر دلعزیز کہلانے کی مستحق نہ تھی۔ اس کے باوجود قوم نے بھٹو صاحب کی سبکدوشی پر ایک سابق وزیر کو اپنے کندھوں پر اٹھانے کا منفرد اعزاز کیوں بخشا؟ اس لئے کہ وہ پاکستان کی آزادی' عزت اور خود داری کا نشان بن گئے تھے۔ ان کی سبکدوشی سے عوام کو اپنی آزادی' ملک کی عزت اور خود داری خطرے میں نظر آ رہی ہے' خدا کرے یہ خدشات غلط ثابت ہوں لیکن مسٹر بھٹو کو یاد رکھنا چاہیے کہ انہیں عوام کے کندھوں پر سواری کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ صرف کرسی کو سلام کرنے والی قوم نے انہیں کرسی سے علیحدگی کے بعد اپنے کندھوں پر اٹھایا ہے اس نے انہیں سابقہ خدمات کے لئے ہدیہ عقیدت پیش نہیں کیا۔ آئندہ کے لئے بھی کچھ توقعات وابستہ کی ہیں۔ مسٹر بھٹو نوجوان ہیں۔ تعلیم یافتہ ہیں۔ ذہین اور تجربہ کار ہیں۔ محب وطن ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ فکر معاش سے آزاد ہیں۔ وزارت سے علیحدگی کے بعد قوم کی طرف سے پرجوش پذیرائی نے انہیں بہت بڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ کیا وہ اس میں پورے اتریں گے؟ سونے کو کندن بننے کے لئے بھٹی میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ آزمائش اور قربانی کے بغیر کوئی انسان عظیم نہیں بن سکتا۔ اب عوام ٹھیک یا غلط طور پر انہیں اپنی "نگاہ" میں رکھ رہے ہیں۔ وہ منتظر ہیں کہ بھٹو صاحب مستقبل کے بارے میں کیا قدم اٹھاتے ہیں؟ بھٹو صاحب وزارتی کرسی میں تو بہت چمکے۔ دیکھیں وزارتی کرسی سے باہر بھی ان کا جوہر قوم کے کسی کام آتا ہے یا نہیں"۔

جولائی 1966ء

3 جولائی۔۔۔ چیکو سلواکیہ کشمیر کے پرامن تصفیہ کا خواہش مند ہے۔

چیکو سلواکیہ کے وزیر تجارت جو ان دنوں پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے تھے' کہا کہ ان کا ملک تنازعہ کشمیر کے پرامن تصفیہ کی خواہش رکھتا ہے۔

7 جولائی۔۔۔ قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی

قومی اسمبلی کا اجلاس غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی ہو گیا۔

8 جولائی۔۔۔ سوات اور دیر کے والیان کو اعزاز

صدر ایوب نے والی سوات اور نواب دیر کو 'ہزہائی نس' کے خطاب کے علاوہ پندرہ توپوں کی سلامی لینے کا اعزاز عطا کیا۔

12 جولائی۔۔۔ مغربی پاکستان اسمبلی کا اجلاس ملتوی

مغربی پاکستان اسمبلی کا اجلاس غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی ہو گیا

12 جولائی۔۔۔ صحافیوں کی علامتی ہڑتال

مغربی اور مشرقی پاکستان کے کئی شہروں میں صحافیوں نے علامتی ہڑتال کی۔

12 جولائی۔۔۔ وزیر خزانہ شعیب مستعفی

وزیر خزانہ شعیب نے استعفیٰ دیا جسے صدر ایوب نے 25 اگست سے منظور کر لیا۔ این ایم عقیلی نئے وزیر خزانہ کے طور پر نامزد کئے گئے۔

14 جولائی۔۔۔ نئی در آمد پالیسی کا اعلان

نئی در آمدی پالیسی کے مطابق کھلے عام لائسنس کی فہرست کو ختم کر دیا گیا

15 جولائی۔۔۔ مسٹر بھٹو کی عمرے کے لئے روانگی

سابق وزیر خارجہ عمرہ کی ادائیگی کے لئے جدہ روانہ ہو گئے

15 جولائی۔۔۔ حکیم محمد حسین کا انتقال

مولانا حکیم محمد حسین' جنہوں نے تحریک آزادی کشمیر کے سلسلہ میں ڈوگرہ حکومت سے ٹکر لی تھی' راولپنڈی میں انتقال کر گئے۔

15 جولائی۔۔۔ مولانا مفتی محمد شفیع وفات پا گئے

تحریک ختم نبوت کے رہنما اور جامع مسجد سرگودھا کے خطیب مولانا مفتی محمد شفیع' سرگودھا میں وفات پا گئے۔

15 جولائی۔۔۔ عبداللہ دہلوی بھی انتقال کر گئے

حاجی مرزا محمد عبداللہ دہلوی' جو مسلم نیشنل گارڈ صوبہ دہلی کے سالار اعلیٰ اور قائداعظم کے ذاتی محافظ تھے' کراچی میں انتقال کر گئے۔ وہ 24 اگست 1914ء کو پیدا ہوئے تھے۔

16 جولائی۔۔۔ قومی دفاع کو مضبوط بنایا جائے گا

مغربی پاکستان کے گورنر ملک امیر محمد خان نے اپنی نشری تقریر میں

پاکستان کے دفاع کو مزید مضبوط بنانے کا اعلان کیا۔

18جولائی ــــ پاکستان بھارت سے بات چیت کے لئے تیار ہے

امور کشمیر کے وزیر چودھری علی اکبر نے بتایا کہ تصفیہ کشمیر کے لئے پاکستان' بھارت سے بات چیت پر آمادہ ہے۔

18جولائی ــــ ملک صاحب خان نون کا انتقال

سابق ڈپٹی کمشنر ملک صاحب خان نون 82 سال کی عمر میں' فتح آباد (سرگودھا) میں انتقال کر گئے

20 جولائی ــــ شریف الدین پیرزادہ نئے وزیر خارجہ مقرر ہو گئے

شریف الدین پیرزادہ کو پاکستان کا نیا وزیر خارجہ مقرر کر دیا گیا۔

22جولائی ــــ انجمن مہاجرین کی از سر نو تنظیم

علامہ راغب احسن نے انجمن مہاجرین کی از سر نو تنظیم کر لی۔ راغب احسن صدر' طیب گیلانی نائب صدر اور مشہود الحق ایڈووکیٹ جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے۔ دیگر رہنماؤں میں جناب صابر علی' محمد سہیل اور لئیق احمد صدیقی جوائنٹ سیکرٹری منتخب کئے گئے۔

25 جولائی ــــ مشرقی پاکستان کے عوام نے چھ نکات کو ٹھکرا دیا ہے: سپیکر قومی اسمبلی

قومی اسمبلی کے اسپیکر جناب عبدالجبار نے ایک انٹرویو میں دعویٰ کیا کہ مشرقی پاکستان کے عوام نے چھ نکات کو ٹھکرا دیا ہے۔

اگست 1966ء

2اگست ــــ قربان علی خان کا انتقال ہو گیا

سابق آئی جی پولیس اور بلوچستان میں سابق ایجنٹ گورنر جنرل 68 سال کی عمر میں کوئٹہ میں انتقال کر گئے۔

4اگست ــــ کراچی یونیورسٹی کے نئے وائس چانسلر

سابق مرکزی وزیر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی دوبارہ' کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر بنا دیئے گئے۔

13اگست ــــ بھٹو لندن میں

عمرے کے بعد وطن واپس آتے ہوئے' سابق وزیر خارجہ بھٹو نے کچھ عرصہ لندن میں قیام کیا۔ جہاں انہوں نے متعدد عوامی اجتماعات میں شرکت کی لیکن وہ پاکستان کے داخلی امور کے بارے میں بالکل خاموش رہے۔ 13 اگست کو لندن کے کانوے ہال میں بھی انہوں نے پاکستان کے داخلی معاملات پر نکتہ چینی سے قصداً" گریز کرتے ہوئے صرف عالمی مسائل پر تبصرہ کیا اور بتایا کہ ایشیا اور افریقہ میں سیاسی صورت تیزی سے تبدیل ہو رہی ہے۔ ہمارا مقام ایشیا ہے' یورپ نہیں۔ حمایت' رہنمائی اور تعاون و مدد کے لئے یورپ سے توقع رکھنا غلط ہے۔ یورپ کی پالیسیاں کیا ہیں٥ جنوبی عرب میں ظلم' متحدہ عرب جمہوریہ کے معاملات میں ناجائز ظالمانہ دخل اندازی اور ملائشیا کا ڈھونگ ... یہ سب کچھ کیا ہے٥ ان سب کو سمجھ کر ہمیں اپنا اصلی مقام تلاش کرنا چاہیے اور برطانیہ کو اس سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔ کہ کس ملک کا وزیر خارجہ کون بنتا ہے٥ ایک دن آئے گا کہ میں ان مکروہ اور بھیانک سازشوں کو بے نقاب کر دوں گا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ انہیں بیمار بنا کر کہا کہ انہیں اصولاً" صحت مند نظر آنا چاہیے۔ "مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میری صحت خواہ کتنی ہی گری ہوئی کیوں نہ ہو۔ مسز اندرا گاندھی کا مقابلہ کرنے کے لئے ٹھیک ہوں۔"

14اگست ــــ انجمن مہاجرین کا اجلاس

انجمن مہاجرین کے جوائنٹ سیکرٹری صابر علی کے مکان میں انجمن کا جو اجلاس ہوا اس میں کہا گیا کہ "مہاجرین اور بنگلہ بولنے والے انصار اسلامی سوشلزم اور فلاحی ریاست کی تعمیر اور ترقی کے لئے متحدہ جدوجہد کریں"۔

15اگست ــــ عالمی رہنماؤں کے نام برٹرینڈ رسل کے خطوط

مشہور فلسفی برٹرینڈ رسل نے مختلف عالمی رہنماؤں کے نام اپنے خطوں میں لکھا کہ بھٹو کو براہ راست امریکی دباؤ کے تحت حکومت سے نکالا گیا ہے اس لئے ان کی مدد کی جانی چاہیے۔ برٹرینڈ رسل نے جنرل نی ون' بومدین' جمال ناصر' سوئیکارنو اور گرومیکو کے نام اپنے خطوں میں اپیل کی کہ بھٹو کی مدد کی جائے کیونکہ اپنے ملک میں وہ اسی قومی روایت کے لیڈر ہیں' جس کے حامل محمد علی جناح تھے۔

ان خطوط کا مکمل متن حصہ دستاویزات میں دیکھیں

22-24 اگست ــــ اخوان المسلمون کے رہنماؤں کو سزائیں ملنے پر مولانا مودودی کی تشویش

امیر جماعت اسلامی مولانا مودودی نے اخوان المسلمون کے ارکان کو سزائیں ملنے پر تشویش کا اظہار کیا۔ پاکستان کے ممتاز علماء نے مصر کے صدر ناصر سے اپیل کی کہ وہ اخوان المسلمون کے رہنماؤں کو موت کی سزائیں نہ

دیں کیونکہ اس سے عالم اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچے گا۔

27 اگست۔۔۔ مسئلہ کشمیر پر سعودی عرب کی حمایت

کشمیر کے مسئلہ پر سعودی عرب نے پاکستان کی حمایت کا اعلان کر دیا۔

29-30 اگست۔۔۔ سید قطب اور دوسرے اخوانی رہنماؤں کو پھانسی دیئے جانے پر پاکستان میں رنج و غم کا اظہار

مصر میں سید قطب' یوسف حواش اور ابو الفتح کو پھانسی دیئے جانے پر پاکستان بھر میں رنج و غم کا اظہار کیا گیا۔

31 اگست۔۔۔ مشرقی پاکستان میں سیلاب

مشرقی پاکستان کے ساتھ اضلاع میں سیلاب کے باعث سراب گنج سمیت کئی علاقوں کی صورت حال تشویشناک ہو گئی۔

31 اگست۔۔۔ یوم پختونستان سے باچا خان کا خطاب

افغانستان میں یوم پختونستان سے خطاب کرتے ہوئے خان عبدالغفار خان (باچا خان) نے پاکستان سے برادرانہ محبت کا اعلان کیا اور کہا کہ ہمیں بھائی بنا لو۔ غلام نہ بناؤ۔

انہوں نے کہا کہ ہم مذہب کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوئے ہیں۔ مذہب انسانیت سکھانے اور اسے برقرار رکھنے کے لئے آتا ہے لیکن آج آپ جو مذہب دیکھ رہے ہیں وہ خدا اور رسولؐ کا مذہب نہیں ہے۔ جو محبت' سچائی' خلوص اور خدمت خلق کے لئے ہے۔ یہ سرمایہ داروں کا مذہب ہے۔ انہوں نے کہا کہ خدا کے فضل سے پختونوں میں قوم پروری اور بھائی چارہ پیدا ہو چکا ہے۔ یہ ہمارا ملک ہے' ہم اس کی تعمیر کریں گے۔ میں عدم تشدد کے عقیدے کا آدمی ہوں اگر کوئی دنیا میں امن چاہتا ہے تو پختونوں کا مسئلہ حل کر دیا جائے۔ انہوں نے امریکہ اور روس کو خبردار کیا کہ اس مسئلے میں بدامنی کا احتمال ہے۔ میں پاکستان سے کہتا ہوں کہ میں یہ مسئلہ بھائی چارے سے حل کرنا چاہتا ہوں۔ میں پختونوں سے بھی کہتا ہوں کہ اگر آپ نے اپنا گھر بنا لیا اور قوم پرستی' پیار' بھائی چارہ اور اخوت پیدا کر لی تو ہم جنگ کے بغیر ہی اپنے پاکیزہ مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔

ستمبر 1966ء

3 ستمبر۔۔ مشرقی پاکستان میں سیلاب کی تباہ کاریاں

مشرقی پاکستان میں سیلاب بیس سے زائد اضلاع میں پھیل گیا جس سے کم از کم ڈیڑھ کروڑ آبادی متاثر ہوئی۔

6 ستمبر۔۔۔ پہلا دفاع

چھ ستمبر کا دن ملک بھر میں پہلے یوم دفاع کے طور پر منایا گیا۔

اپریل 1967ء

2 اپریل۔۔۔ دولتانہ مسلم لیگ کونسل کے صدر منتخب

میاں ممتاز محمد خان دولتانہ کو پاکستان کونسل مسلم لیگ کے اجلاس میں مسلم لیگ کونسل کا صدر چن لیا گیا۔ انہوں نے اپنے مدمقابل سردار شوکت حیات کے 27 ووٹوں کے مقابلے میں 187 ووٹ حاصل کئے۔

3 اپریل۔۔۔ یحییٰ بختیار مغربی پاکستان مسلم لیگ کے صدر چن لئے گئے

یحییٰ بختیار کو مغربی پاکستان کونسل مسلم لیگ کا صدر چن لیا گیا۔

4 اپریل۔۔۔ مولانا تاج الاسلام انتقال کر گئے

تحریک خلافت کے کارکن اور مشرقی پاکستان نظام اسلام پارٹی کے سابق نائب صدر' مولانا تاج الاسلام کا انتقال ہو گیا۔

6 اپریل۔۔۔ کوئٹہ اور قلات میں شراب پر پابندی

کوئٹہ اور قلات میں شراب نوشی پر پابندی عائد کر دی گئی۔

7 اپریل۔۔۔ ظہیر الدین لال میاں اور میر جعفر خان جمالی کا انتقال

عبداللہ ظہیر الدین لال میاں کا کسں بازار (مشرقی پاکستان) میں انتقال ہو گیا۔ بلوچستان سے تحریک پاکستان کے ممتاز کارکن میر جعفر خان جمالی بھی انتقال کر گئے۔ ان کے انتقال کی خبر سن کر محترمہ فاطمہ جناح نے بے ساختہ کہا تھا کہ میرا دوسرا بھائی بھی میرا ساتھ چھوڑ گیا۔ انہیں جیکب آباد کے نزدیک ان کے آبائی گاؤں میں دفن کر دیا گیا۔

13 اپریل۔۔۔ امریکی امداد رکنے سے برصغیر میں اسلحہ کی نئی دوڑ شروع ہو جائے گی: ایوب خان

صدر ایوب نے کہا کہ تمام تر مشکلات کے باوجود امریکہ سے کسی رعایت کی درخواست نہیں کی جائے گی۔ حکومت پاکستان نے امریکہ کو اپنی تشویش سے آگاہ کرتے ہوئے کہا کہ امریکی فوجی امداد کی بندش سے پاک و ہند میں اسلحہ کی نئی دوڑ شروع ہو جائے گی۔

14 اپریل۔۔۔ سیٹو اجلاس کا بائیکاٹ

پاکستان نے واشنگٹن میں ہونے والے سیٹو کے اجلاس کا بائیکاٹ کر دیا۔ امریکہ نے برطانیہ' فرانس اور سیٹو' سنٹو کے رکن ملکوں پر زور دیا کہ پاکستان کو اسلحہ نہ دیا جائے۔

15 اپریل--- سیٹو دفاعی معاہدہ ہے: آغا ہلالی

امریکہ میں پاکستانی سفیر جناب آغا ہلالی نے کہا کہ پاکستان کے نزدیک سیٹو ایک دفاعی معاہدہ ہے۔ انہوں نے بتایا کہ اس معاہدے کے مفہوم کے بارے میں سیٹو کے رکن ملکوں میں اختلافات پیدا ہو گئے ہیں۔

16 اپریل--- غوث بخش بزنجو نااہل قرار دے دیئے گئے

الیکشن کمیشن آف پاکستان نے بلوچستان سے قومی اسمبلی کے رکن غوث بخش بزنجو کو اسمبلی کی رکنیت سے برطرف کر کے ایک سال کے لئے نا اہل قرار دے دیا گیا۔

16 اپریل--- سنٹو کی فوجی کمیٹی کا بھی بائیکاٹ

پاکستان نے سنٹو کی فوجی کمیٹی کا بھی بائیکاٹ کر دیا۔

18-20 اپریل--- اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل کا دورہ پاکستان

اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل اوتھانٹ پاکستان کے دورے پر راولپنڈی پہنچے۔ مسئلہ کشمیر پر ان کا حکومت پاکستان سے اتفاق رائے ہو گیا۔

20-22 اپریل--- شاہ مہندرا کا دورہ پاکستان

نیپال کے شاہ مہندرا پاکستان کے سرکاری دورے پر راولپنڈی پہنچ گئے۔ صدر ایوب نے ملاقات کے بعد دونوں رہنماؤں نے دونوں ملکوں کے درمیان باہمی تعلقات کو فروغ دینے کے لئے دو طرفہ اقدامات کو سراہا۔ پاکستان نے نیپال میں صنعتیں لگانے کی پیشکش کی۔

23 اپریل--- افریشیائی اتحاد کمیٹی کے اجتماع سے بھٹو کا خطاب

سابق وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے افریشیائی اتحاد کمیٹی کے اجتماع سے' جس کا اہتمام خورشید حسن میر نے کیا تھا' خطاب کرتے ہوئے لاڑکانہ میں مناظرے کے چیلنج کو منظور کرنے کا ایک بار پھر اعلان کیا۔ ملکی حالات کی ابتری کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ملک کی سیاسی صورت حال ہی نہیں بلکہ اقتصادی حالت بھی بہت خراب ہے۔ خوراک کی قلت سب سے زیادہ پریشان کن مسئلہ ہے لیکن پریشانی اور تکالیف صرف عوام کے لئے ہیں۔ ہر بحران میں عوام نے ہی قربانیاں دی ہیں۔ بھٹو نے کہا کہ ہمارے جیسے امیر لوگ قربانیاں دینے سے ڈرتے ہیں مگر اب وقت آ گیا ہے کہ امیر لوگ قربانیاں دیں۔ اگر وہ قربانیاں نہیں دے سکتے تو انہیں عوام کی قیادت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ ہر چیز کا وقت ہوتا ہے سیاست اور حکومت کا بھی وقت ہوتا ہے۔ اگر اقتصادی بحران کو وقت پر دور کرنے کی کوشش نہ کی گئی تو بعد میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ اس وقت ملک کے مستقبل کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ بہتر مستقبل کے لئے اقتصادی و سماجی حالت کو بہتر بنانا ضروری ہے۔ پاکستان ایک غریب ملک ہے اور مغرب کے اقتصادی اصول مشرق میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ سارا ملک جس اقتصادی بحران میں مبتلا ہے اور اسے خوراک کی جس کمی کا سامنا ہے یہ سب مسٹر شعیب کی غلط پالیسی کا نتیجہ ہے۔ وہ کہتے تھے کہ امیر تو سونے کا انڈہ پیدا کرتا ہے مگر میں کہتا ہوں کہ جب مرغی کا انڈا نہیں ملتا تو شعیب صاحب سونے کا انڈہ کہاں سے پیدا کریں گے۔ ان کا خیال تھا کہ خوراک امریکہ سے ملتی ہے لہٰذا اس معاملے میں خود کفیل ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ہمارا ملک غریب ہے۔ فولاد کے کارخانے کیسے لگا سکتا ہے۔ اگر یہ کہا جاتا ہے کہ موجودہ بحران کی وجہ خارجی پالیسی ہے تو یہ غلط ہے۔ خارجہ پالیسی بالکل صحیح رہی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ پالیسی میں نے بنائی تھی۔ جنہوں نے بھی یہ پالیسی وضع کی۔ انہوں نے اسے صحیح بنایا۔ آج کے سارے خراب حالات کی جڑ غلط پالیسی ہے امریکہ جیسا ملک بھی بھارت کی تمام غذائی ضروریات پوری نہیں کر سکتا حالانکہ چین اور بھارت کے تصادم کے بعد امریکہ بھارت کی ہر حالت میں مدد کرنا چاہتا ہے۔ ان حالات میں امریکہ پاکستان کی کس حد تک مدد کر سکتا ہے۔ اس لئے جب تک ہم اپنے پیروں پر کھڑے نہیں ہوتے اور ہر معاملے میں خود کفیل نہیں بنتے' اس وقت تک ہم آزادی کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتے۔ پاکستان دوسرے ملکوں سے خیرات مانگنے کے لئے معرض وجود میں نہیں آیا تھا۔ یہ ملک اسلامی اصولوں کے مطابق آزادی اور عزت و وقار کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے لئے وجود میں لایا گیا تھا۔ یہ خارجہ پالیسی کا نہیں بلکہ اقتصادی پالیسی کا قصور ہے۔ اس کا ثبوت وزیر خزانہ مسٹر عقیلی کا حالیہ بیان ہے' جس میں انہوں نے کہا ہے کہ موجودہ پریشانیوں کو دور کرنے کے لئے اب صنعتوں کی بجائے زراعت کی طرف توجہ دی جائے۔ آج ہی نہیں میں حکومت میں رہ کر بھی یہی باتیں کہتا تھا۔ مگر اس وقت یہ کہا جاتا تھا کہ آپ اقتصادی مسائل میں ٹانگ نہ اڑائیں۔ ان سے کوئی پوچھے کہ عقل و دماغ تو ہر ایک کے پاس ہے اور یہ بنیادی بات ہے جو ہر ایک جانتا ہے۔

24 اپریل--- قاضی عیسیٰ کا ضمنی انتخاب لڑنے کا اعلان

قاضی عیسیٰ نے کراچی سے قومی اسمبلی کا ضمنی انتخاب لڑنے کا اعلان کیا۔

24 اپریل--- بھٹو کا راولپنڈی بار ایسوسی ایشن سے خطاب

ذوالفقار علی بھٹو نے راولپنڈی بار ایسوسی ایشن کے زبردست اجتماع سے تقریباً" دو گھنٹے تک خطاب کیا۔ جس میں انہوں نے پاکستان کی خارجہ پالیسی اور عالمی مسائل خصوصاً" پاک' بھارت مشترکہ منصوبوں پر کھل کر اظہار خیال کیا۔ انہوں نے کہا کہ:

"امریکہ کی طرف سے فوجی امداد بند کرنے کے فیصلہ کو ویت نام کی جنگ کے مسئلہ سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ ویت نام کی صورت حال بد سے بد تر ہوتی جا رہی ہے۔ اگر یہ مسئلہ امریکہ اور ویت نام تک محدود ہوتا تو بات مختلف تھی مگر اس میں امریکہ کے علاوہ روس' چین اور بعض دوسری بڑی طاقتیں بھی دلچسپی لے رہی ہیں جس کی وجہ سے صورت حال قابو سے باہر ہوتی جا رہی ہے اور خطرہ ہے کہ یہ جنگ وسیع ہو کر ہماری سرحدوں تک بھی پھیل جائے۔ پاکستان کو سیٹو کے اجلاس میں جو حال ہی میں واشنگٹن میں ہوا ہے اول تو بالکل شرکت نہیں کرنی چاہیے تھی لیکن اگر مجبوری یا مصلحت کے تحت ایسا کرنا ضروری تھا تو پاکستان کو ایک مضبوط وفد اجلاس میں نمائندگی کے لئے بھیجنا چاہیے تھا۔ جو اس اجلاس میں امریکی عزائم سے پردہ اٹھاتا۔ اور فرانس اور برطانیہ سے مل کر ویت نام کے امن کے لئے موثر آواز اٹھاتا۔ پاکستان کی یہ آواز ایشیا کی آواز بن جاتی اور امریکہ کی رائے عامہ جو پہلے ہی ویت نام میں امریکہ کی پالیسی کے خلاف ہے پاکستان کی ہمنوا ہو جاتی اور پاکستان کا یہ کردار تاریخی حیثیت رکھتا۔ فوجی امداد بند کرنے کے امریکی فیصلہ کے متعلق میں آپ کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگرچہ یہ فیصلہ بظاہر پاکستان اور بھارت دونوں کو متاثر کرتا ہے لیکن اس فیصلہ کا پاکستان پر زیادہ سنگین اثر پڑے گا۔ امریکہ کی یہ دلیل کوئی معنی نہیں رکھتی کہ اس فیصلے سے برصغیر میں اسلحہ کی دوڑ رک جائے گی۔

اس سے پہلے بھی پاکستان اور بھارت میں کئی مرتبہ انتہائی سنگین کشیدگی کی صورت حال پیدا ہوتی رہی ہے لیکن امریکہ نے اسلحہ کی دوڑ روکنے کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی۔ دراصل اسلحہ کی دوڑ سے نہ تو کشیدگی کم ہو سکتی ہے اور نہ اس سے کشیدگی بڑھتی ہے۔ اگر امریکی امداد سے پاکستان کے مفاد کو تقویت پہنچے تو مجھے اس کا برملا اعتراف کرنے میں فخر محسوس ہو گا۔ لیکن اگر امریکی پالیسیاں پاکستان کے قومی مفاد کے منافی ہوں تو ان کی مخالفت کرنا بھی بڑا فخر ہے۔ پاکستان سب سے دوستی چاہتا ہے لیکن بین الاقوامی میدان میں بڑی طاقتوں کی دوستی کا معیار بدلتا رہتا ہے اور ہر لمحہ ان کی مصلحتوں میں تبدیلی آتی رہی ہے۔ ایک وقت تھا کہ امریکہ اور روس ایک دوسرے کے دشمن تھے اور چین اور روس شیر و شکر تھے۔ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ روس اور امریکہ کے تعلقات مختلف ہو گئے ہیں جبکہ چین اور روس میں اختلافات پیدا ہو گئے ہیں۔ یہ صورت بھی پائیدار نہیں رہ سکتی۔ کل امریکہ اور چین کے تعلقات بہتر ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ چین مستقبل میں ایشیاء کی فیصلہ کن طاقت بننے والا ہے اور ویت نام کی جنگ ایشیا کے تمام سیاسی امور' مختلف ملکوں کی وابستگیوں اور باہمی مفادات پر دور رس اثر ڈالے گی۔ جن ملکوں پر ویت نام کی جنگ کا اثر پڑے گا۔ ان میں پاکستان اور بھارت بھی شامل ہیں۔ اس لئے ہمیں اپنی پالیسیوں کو اپنے مفادات کے مطابق رکھنا چاہیے پاکستان اور چین کی دوستی ناگزیر ہے کیونکہ اس دوستی سے ہی دونوں ملکوں کے مفادات وابستہ ہیں۔ بین الاقوامی سیاست میں ملک ایک دوسرے سے الگ نہیں رہ سکتے۔

پاکستان اور بھارت کے درمیان مشترکہ منصوبوں کی باتیں سننے میں آ رہی ہیں جبکہ دوسری طرف کشمیری عوام کے مستقبل کا فیصلہ پس منظر میں جا رہا ہے۔ جب تک کشمیر کا مسئلہ وہاں کے عوام کی مرضی کے مطابق حل نہیں ہو جاتا بھارت کے ساتھ مشترکہ منصوبوں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح فوجوں میں تخفیف کی تجویز بھی ناقابل عمل ہے۔ یہاں قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ فوجوں میں تخفیف کی نگرانی یا معائنہ کون کرے گا۔ کیا یہ معائنہ اور نگرانی بھارت کے معاملے میں صحیح ہو سکتی ہے جو ایک وسیع ملک ہے۔ بھارت اس سے پہلے بھی چھ بار پاکستان اور آزاد کشمیر پر حملہ کر چکا ہے اور وہ ساتویں بار بھی پاکستان اور آزاد کشمیر پر حملہ کر سکتا ہے"

27اپریل 1مئی۔۔۔وزیراعظم ترکی کا دورہ پاکستان

وزیراعظم ترکی سلیمان دیمرل نے راولپنڈی میں صدر ایوب کے ساتھ اہم امور پر گفتگو کے بعد اعلان کیا کہ دونوں ملکوں کے مقاصد' امنگیں اور عقائد مشترک ہیں۔ صدر ایوب نے کہا کہ ترکی' پاکستان اور ایران کی دوستی ساری دنیا کے لئے ایک مثال ہو گی۔ پاکستان نے قبرص کے سوال پر ترکی کی مکمل حمایت کا اعلان کیا۔ یکم مئی کو دونوں ملکوں کا مشترکہ اعلامیہ جاری کر دیا گیا۔

30اپریل۔۔۔پاکستان تحریک جمہوریت کا قیام

اپوزیشن کی پانچ سیاسی جماعتوں۔۔۔کونسل مسلم لیگ' نظام اسلام پارٹی' جماعت اسلامی' عوامی لیگ اور قومی جمہوری محاذ (این ڈی ایف) کے رہنما ایک نئے سیاسی اتحاد۔۔۔پاکستان تحریک جمہوریت (پی ڈی ایم) کی تشکیل پر متفق ہو گئے۔ ابتدائی مذاکرات کے بعد پانچوں پارٹیوں کے رہنما ڈھاکہ میں جمع ہوئے جہاں 30 اپریل کو 8 نکات پر مشتمل مجوزہ سیاسی اتحاد کا اعلان کر دیا گیا۔ اتحاد کی دستاویز پر کونسل مسلم لیگ کے ممتاز محمد خان دولتانہ' خواجہ خیر الدین اور سید محمد افضل' نظام اسلام پارٹی کے چوہدری محمد علی' مولوی فرید احمد اور ایم آر خان' جماعت اسلامی کے میاں طفیل محمد' مولانا عبدالرحیم اور چوہدری غلام محمد' عوامی لیگ کے نوابزادہ نصراللہ خان' عبدالسلام خان اور غلام محمد لوند خوڑ اور قومی جمہوری محاذ کے نور الامین' حمید الحق چوہدری اور عطاالرحمان نے دستخط کئے۔ دفاع' خارجہ امور' کرنسی' وفاقی مالیات' اندرون

ملک مواصلات اور تجارت کے شعبے مرکز کے پاس رکھتے ہوئے' بالغ رائے دہی اور براہ راست انتخابات کی بنیاد پر وفاقی پارلیمانی نظام حکومت کے قیام' آئندہ دس سال کے اندر اندر مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان عدم مساوات کے خاتمے' بنیادی حکومت کے ضمانت' آزاد پریس' منتقلی اور مشرقی اور مغربی پاکستان سے برابر برابر اراکین کی بنیاد پر ایک دفاعی کونسل کے قیام جیسے نکات' نئے اتحاد کے آٹھ نکاتی پروگرام کا بنیادی حصہ تھے۔

مئی 1967ء

1-22 مئی --- غلام مصطفیٰ کھر کی گرفتاری اور رہائی

قومی اسمبلی کے رکن غلام مصطفیٰ کھر کے خلاف سرکاری بقایا جات کے ایک مقدمے کی ساعت یکم مئی کو ہوئی۔ تحصیلدار کوٹ ادو کے حکم سے چار افراد نے ملک غلام مصطفیٰ کھر کو اے ڈی ایم کی عدالت کے احاطہ سے زبردستی اٹھالیا اور ایک کار میں ڈال کر کوٹ ادولے گئے۔ جہاں انہیں بتایا گیا کہ ان کے خلاف مالیہ کے چھ ہزار روپے کے بقایا جات کی وصولی کے وارنٹ جاری ہو چکے ہیں۔ غلام مصطفیٰ کے بھائی اے ڈی ایم کی عدالت سے فارغ ہونے کے بعد باہر آئے تو انہیں اس واقعہ کا پتہ چلا چنانچہ وہ مسٹر رحمت علی علوی ایڈووکیٹ کے ہمراہ کوٹ ادو گئے جہاں انہوں نے نائب تحصیلدار کو انکم ٹیکس کے بقایا جات کی رقم پیش کی پہلے تو وہ مختلف بہانوں سے رقم لینے سے انکار کرتے رہے مگر سات بجے شام رقم لے لی۔ اور کھر رہا ہو گئے۔

مغربی پاکستان اسمبلی میں 22 مئی کو اس گرفتاری کے خلاف خواجہ محمد صفدر اور جناب حمزہ نے الگ الگ تحریک التواء پیش کی اور الزام لگایا کہ 1964ء اور 1965ء کے بقایا جات کی وصولی کے لئے 1967ء میں یہ کارروائی ڈرامائی انداز میں محض اس وقت کی گئی جب انہوں نے مسٹر بھٹو کے حق میں بیان دیا۔ اس کے بعد وہ اصل مجرم بنے۔ پہلے مجرم نہیں تھے۔ خواجہ صفدر نے کھر کی گرفتاری کو غیر اخلاقی اور غیر قانونی قرار دیا۔ اسپیکر نے دونوں تحاریک خلاف ضابطہ قرار دے دیں۔

3 مئی --- کراچی کے لئے غنڈہ ایکٹ ترمیمی آرڈیننس منظور

کراچی کے لئے مستقل طور پر غنڈہ ایکٹ ترمیمی آرڈیننس منظور کر لیا گیا۔

5 مئی --- مشرقی پاکستان میں خوفناک طوفان

مشرقی پاکستان میں خوفناک طوفان سے صوبے کا دو تہائی حصہ متاثر ہو گیا۔

10 مئی --- حزب اختلاف کے پروگرام سے ملک تباہ ہو جائے گا۔ ایوب خان

صدر ایوب نے کہا کہ حزب اختلاف کے آٹھ نکاتی پروگرام پر عمل در آمد سے ملک تباہ ہو جائے گا۔

11 مئی --- عبدالطیف بٹ گرفتار

خاکسار رہنما عبدالطیف بٹ کو پولیٹکل پارٹیز ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ ان پر الزام تھا کہ انہوں نے پولیٹکل یونیفارم آرڈیننس 1958ء کے نفاذ کے باوجود' 19 مارچ کو خاکی وردی پہن کر 19 مارچ 1940ء کے شہداء کی یاد میں جلوس نکالا تھا۔

15 مئی --- کھر کی ضمانت قبل از گرفتاری منظور

مغربی پاکستان ہائی کورٹ نے غلام مصطفیٰ کھر کی ضمانت قبل از گرفتاری منظور کر لی۔

18 مئی --- ڈاکو محمد خان کو زندہ یا مردہ پیش کرنے کا حکم

گورنر مغربی پاکستان' جنرل موسیٰ نے ہدایت کی کہ ڈاکو محمد خان کو زندہ یا مردہ پیش کیا جائے۔

19 مئی --- قومی اسمبلی کے بجٹ اجلاس کا بائیکاٹ

قومی اسمبلی کے بجٹ اجلاس کے پہلے دن کا حزب اختلاف نے بائیکاٹ کر دیا۔

22 مئی --- مغربی پاکستان اسمبلی میں خان محمد یوسف خان اور ظہیر الدین لال میاں کے لئے ریفرنس

مغربی پاکستان اسمبلی میں وزیر خوراک ملک خدا بخش نے تحریک پیش کی کہ اس معزز ایوان کا اجلاس پندرہ منٹ کے لئے خان محمد یوسف خان ایم پی اے مرحوم اور الحاج ظہیر الدین لال میاں ایم این اے مرحوم کے احترام میں ملتوی کر دیا جائے۔ قائد حزب اختلاف خواجہ محمد صفدر' رکن اسمبلی ملک محمد اختر اور جناب اسپیکر نے مرحومین کے لئے دلی جذبات کا اظہار کیا اور اسمبلی کا اجلاس پندرہ منٹ کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔

22 مئی --- میر رسول بخش تالپور کی نظربندی میں توسیع

سندھ کے ممتاز سیاستدان میر رسول بخش تالپور کو جنہیں 22 جنوری کو گرفتار کیا گیا تھا' کی نظربندی میں حکومت نے مزید تین ماہ کی توسیع کر دی۔ اس کے خلاف مغربی پاکستان اسمبلی میں خواجہ محمد صفدر اور

حاجی سردار عطا محمد نے الگ الگ تحریک التواء پیش کی۔ اسپیکر نے دونوں تحاریک خلاف ضابطہ قرار دے دیں۔

23 مئی۔ فضل الٰہی قربان کی نظر بندی کے خلاف تحریک التواء

مغربی پاکستان اسمبلی میں ممتاز کیونسٹ رہنما اور بین الاقوامی سطح پر لیبر تنظیموں میں پاکستان کی نمائندگی کرنے والے لیبر لیڈر فضل الٰہی قربان' جنہیں 3 فروری 1967ء کو ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت گرفتار کیا گیا تھا' کی نظر مسلسل نظر بندی کے خلاف ملک محمد اختر نے تحریک التوا پیش کرنے کی اجازت چاہی۔ وزیر قانون اللہ بچائیو اخوند نے کہا کہ فضل الٰہی قربان ایک لیبر ورکر ہے جو جنوری فروری کی غیر قانونی ریلوے ہڑتال میں مزدوروں کو بھڑکاتا رہا ہے۔ جناب حمزہ نے پوائنٹ آف آرڈر پر کہا کہ یہ کہنا کہ فضل الٰہی قربان ایک ریلوے لیبر ورکر ہے' صریحاً غلط ہے وہ بین الاقوامی کانفرنسوں اور مزدور انجمنوں کی نمائندگی کرتے رہے ہیں۔ قائد حزب اختلاف خواجہ محمد صفدر نے کہا کہ ملک فضل الٰہی قربان کی عمر 75 سال ہے' وہ بہت بڑی شخصیت ہیں۔ وزیر قانون کا یہ کہنا کہ انہوں نے لیبر کو مشتعل کیا ہے' بالکل غلط ہے۔

24 مئی۔ پاک فضائیہ کا طیارہ گر کر تباہ

کراچی میں پاک فضائیہ کا ایک طیارہ گر کر تباہ ہو گیا۔ طیارے میں ایرکموڈر مسرور حسین اور تین دیگر افراد ہلاک ہو گئے۔

25 مئی۔ ٹمن 'ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت گرفتار

سابق وزیر ریلوے ملک محمد حیات ٹمن ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت گرفتار کر لیے گئے۔

27 مئی۔ لاہور میں طلباء پر پولیس کا لاٹھی چارج

اسرائیلی جارحیت کے خلاف عرب طلباء کے جلوس پر پولیس نے لاٹھی چارج کیا۔ 30 مئی کو ملک اختر نے مغربی پاکستان اسمبلی میں کہا کہ طلباء پرامن طریق پر مظاہرہ کر رہے تھے۔ وہ امریکی کونسلیٹ کی لائبریری میں ایک قراداد پڑھنا چاہتے تھے۔ وہ "امریکی سامراج مردہ باد" "کشمیریوں کا حق خود ارادیت زندہ باد" اور "پاکستان زندہ باد" کے نعرے لگا رہے تھے۔ حکومت امریکہ کے ساتھ اپنے تعلقات برقرار رکھنے کی خاطر "امریکی سامراج مردہ باد" کے نعرے برداشت نہ کر سکی۔ پولیس نے پرامن جلوس کو زبردستی روکنے کی کوشش کی۔ ان پر لاٹھی چارج بھی کیا گیا۔ ایک عرب طالب علم کے زخمی ہونے پر جلوس مشتعل ہو گیا۔ خواجہ صفدر اور دیگر ارکان نے بھی قراداد کی تائید کی۔

30 مئی۔۔۔ ڈاکٹر غلام مولا کا انتقال

عوامی لیگ کی مجلس عاملہ کے رکن اور سابق رکن قومی اسمبلی ڈھاکہ میں انتقال کر گئے۔

31 مئی۔۔۔ بنیادی جمہوریتوں کا ترمیمی آرڈیننس منظور

مغربی پاکستان اسمبلی نے بنیادی جمہوریتوں کا ترمیمی آرڈیننس منظور کر لیا۔

جون 1967ء

2 جون۔۔۔ عربوں کی حمایت ہر پاکستانی کا فرض ہے: بھٹو

ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ عربوں کے منصفانہ موقف کی حمایت ہر پاکستان کا فرض ہے۔

4 جون۔۔۔ عربوں کی حمایت میں مجاہدین کی بھرتی شروع

اسرائیل کے خلاف عربوں کی حمایت میں لڑنے کے لئے مجاہدین بھرتی ہونا شروع ہو گئے۔ اس دوران صدر ناصر کے خصوصی ایلچی صالح العبد صدر ایوب سے ملے۔

5 جون۔۔۔ نظام اسلام پارٹی کی حمایت

نظام اسلام پارٹی کے سربراہ اور پاکستان کے سابق وزیراعظم چوہدری محمد علی نے عربوں کے کاز کی مکمل حمایت کا اعلان کیا۔

6 جون۔۔۔ خیبر ایجنسی میں دس افراد ہلاک

خیبر ایجنسی کے آفریدی قبائل کے ایک باہمی تصادم میں دس افراد ہلاک ہو گئے۔ دونوں جانب سے مشین گنوں' رائفلوں اور دستی بموں کا آزادانہ استعمال کیا گیا۔ ٹریفک معطل ہو گئی اور تمام تعلیمی ادارے بند کر دیے گئے۔

6 جون۔۔۔ اسرائیلی حملے کے خلاف پاکستان عربوں کی ہر طرح سے مدد کرے گا: ایوب خان

صدر ایوب نے ایک اعلان میں کہا کہ پاکستان' عربوں پر اسرائیل کے حملے کے خلاف پاکستان عرب ملکوں کی اخلاقی' سیاسی اور مادی ۔۔۔۔۔ ہر قسم کی مدد کرے گا۔

10 جون۔۔۔ مرکزی بجٹ پیش کر دیا گیا

وزیر خزانہ این ایم عقیلی نے قومی اسمبلی میں سالانہ مرکزی بجٹ پیش کر

دیا۔ بجٹ میں کوئی نیا ٹیکس عائد نہ کیا گیا۔

11جون--- پیر آف مکھڈ کنونشن لیگ میں شامل

سید صفی الدین پیر آف مکھڈ کنونشن مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔

14جون--- مغربی پاکستان کا بجٹ کر دیا گیا

مغربی پاکستان کے وزیر خزانہ سید احمد سعید کرمانی نے مغربی پاکستان کی حکومت کا 68-1967ء کا سالانہ بجٹ پیش کر دیا۔ جس میں 17.70ء کروڑ کی بچت دکھائی گئی۔

15جون--- یزدانی کیس کی تحقیقات مکمل

مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس سجاد احمد جان نے یزدانی ملک کیس کی تحقیقات مکمل کر کے رپورٹ صدر ایوب کو بھیج دی۔

16جون--- لاہور میں اسرائیلی جارحیت کے خلاف مظاہرہ

لاہور میں مختلف سیاسی اور سماجی تنظیموں کی جانب سے اسرائیلی جارحیت کے خلاف مظاہرہ کیا گیا۔ صدر ایوب نے عرب ملکوں کی مدد کے لئے ایک خصوصی فنڈ بھی جاری کر دیا۔

18جون--- کشمیر کے بارے میں بھارتی حکومت کا آرڈیننس

بھارتی حکومت نے ایک آرڈیننس جاری کیا جس کی رو سے وہ محاذ رائے شماری یا کشمیر کی آزادی کی جدوجہد کرنے والی اس قسم کی دوسری۔ سیاسی پارٹیوں کو خلاف قانون قرار دے سکتی ہے۔

19-20جون--- شیخ خورشید احمد انتقال کر گئے

سابق وفاقی وزیر قانون اور تحریک پاکستان کے ممتاز طالب علم کارکن شیخ خورشید احمد کا 45 سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ انہیں لاہور کے قبرستان میانی صاحب میں دفن کر دیا گیا۔ مغربی پاکستان اسمبلی میں 20 جون کو ان کے احترام میں ریفرنس پیش کیا گیا۔

20جون--- مزدوروں کے استقبالیہ سے بھٹو کا خطاب

باغ جناح میں پاکستان مزدور فیڈریشن اور پی ڈبلیو آر یونین کے استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے بھٹو نے سابق وزیر خزانہ مسٹر شعیب پر کڑی نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ انہوں نے امریکہ کے اشارے پر پاکستان کے مالیاتی اور اقتصادی ڈھانچہ کو زبردست نقصان پہنچایا ہے جس سے ملک کو آج سنگین بحران سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ مسٹر شعیب کئی مرتبہ امریکہ میں ملازم رہے۔ کئی بار پاکستان میں آئے اور اب پھر امریکہ سدھار گئے ہیں پاکستان کے ساتھ ان کی حب الوطنی کا اندازہ لگائیں کہ انہوں نے لندن ہائیکورٹ میں برطانوی اخبار ڈیلی ٹیلیگراف کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی مقدمہ دائر کیا ہے اور اخبار کے اس الزام کو چیلنج کیا ہے کہ مسٹر شعیب سی۔ آئی۔ اے کے آلہ کار ہیں اور صدر ایوب کے خلاف سازش میں شریک تھے' جب برطانوی جج نے مسٹر شعیب سے پوچھا کہ انہوں نے یہ مقدمہ پاکستان میں کیوں نہیں دائر کیا تو مسٹر شعیب نے اپنے بیان حلفی میں کہا کہ انہیں پاکستان میں انصاف کی توقع نہ تھی۔

مسٹر شعیب کا یہ انداز بیان پاکستان کے وقار کو خاک میں ملانے کے مترادف ہے کہ انہوں نے سامراجی ملک میں جو ہمارا شروع سے ہی دشمن ہے جا کر مقدمہ دائر کیا اور وہاں ایسا بیان کرے کہ پاکستان کا مذاق اڑایا میں مسٹر شعیب سے سوال کرتا ہوں کہ آپ تو اس ملک کے وزیر خزانہ رہ چکے ہیں۔ آپ تو اپوزیشن لیڈر نہ تھے کہ پاکستان میں آپ سے انصاف نہ ہوتا۔

دراصل مسٹر شعیب نے وزیر خزانہ کی حیثیت سے امریکی سامراج کی پالیسیوں کو تقویت دی اور واشنگٹن سے جو بھی احکامات ملتے ہیں ان کو فوراً عملی شکل دیتے جس کے نتیجے میں آج ملک کو بے پناہ مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ اب پاکستان کے عوام کو ایسے عناصر کا بھرپور مقابلہ کرنا ہو گا۔ اور ملک کی بقاو سالمیت کے لئے عوام کو سامراجی طاقتوں اور ان کے ایجنسیوں کے خلاف سر دھڑ کی بازی لگا دینا پڑے گی۔"

21جون--- شیخ حسام الدین کا انتقال

مجلس احرار کے صدر اور تحریک آزادی کا ممتاز رہنما شیخ حسام الدین کا انتقال ہو گیا۔

21جون--- اسلام آباد یونیورسٹی کا سنگ بنیاد

صدر ایوب خان نے اسلام آباد یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھا۔

23جون--- گول باغ میں بھٹو کے جلسے پر حکومتی تشدد

گول باغ میں عرب کاز کی حمایت میں بھٹو نے ابھی تقریر شروع کی ہی کی تھی کہ مائیکروفون کے تاروں میں بجلی کی رو غیر معمولی بڑھ گئی اور متعدد افراد کو بجلی کے جھٹکے لگے۔ تین لاکھ کے ہجوم سے خطاب کرتے ہوئے سابق وزیر خارجہ نے کہا کہ ہمیں اپنی آزادی اور خود مختاری کے تحفظ کے لئے سامراجی طاقتوں کے خلاف بھرپور جدوجہد کرنی ہوگی اور دنیا کا کوئی طاقت عربوں کی حق و باطل کی جنگ میں شکست نہیں دے سکتی اور وہ آخر کار سامراجی طاقتوں پر کاری ضرب لگاتے ہوئے فتح و نصرت حاصل کر کے رہیں گے۔ بھارتی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی نے اپنے ایک حالیہ بیان میں پاکستان اور اسرائیل

کے وجود کو سامراجی نظریات کی پیداوار قرار دینے کی ناکام کوشش کی ہے حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ اسرائیل اور بھارت دونوں ہی سامراجی طاقتوں کے پٹھو اور آلہ کار ہیں اور برطانیہ کے سامراجی عزائم کو کھلم کھلا تقویت پہنچا رہے ہیں' میں نے ایک برس پہلے بھی لندن میں یہ اعلان کیا تھا کہ بھارت اور اسرائیل سامراجی طاقتوں کے پٹھو اور آلہ کار ہیں اور ان کی بقا سامراجی طاقتوں کے رحم و کرم پر ہے' ملک کے عوام کو یاد رکھنا چاہئے کہ سامراجی ملکوں نے نظریہ پاکستان کی نہ صرف مخالفت کی تھی بلکہ وہ قیام پاکستان کے بھی مخالف تھے اور پاکستان کے بن جانے کے بعد انہوں نے پاکستان کے وجود کو دل سے قبول نہیں کیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ عالم اسلام اور خاص طور پر مشرقی وسطیٰ میں پاکستان ایک زبردست طاقت کا ذریعہ ثابت ہو گا۔ جہاں ان طاقتوں کے مفادات کو خطرہ ہو سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ سامراجی طاقتوں نے بھارت کی خواہشات کا ساتھ دیا اور بھارت محض پاکستان کی مخالفت کی خاطر ان طاقتوں کا آلہ کار بن گیا۔ یہی نوعیت اسرائیل کی ہے جسے بڑی طاقتوں نے سرزمین عرب کے قلب میں بزور قائم کیا۔ عرب مملک کا موقف عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ صدر ناصر خلیج عقبہ بند کرنے میں حق بجانب تھے اور ان کا یہ اقدام اس لئے عالمی قانون کے تقاضوں کے عین مطابق تھا کہ یہ خلیج متحدہ عرب جمہوریہ کی بحری حدود میں واقعہ ہے۔ اس قسم کے حالات سے 1965ء میں پاکستان کو بھی دوچار ہونا پڑا تھا اور پاکستان نے بھی اپنا یہ حق استعمال کر کے ان مجاہدین کشمیر کی مدد کی تھی جو بھارت کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کر رہے تھے"۔

ذوالفقار علی بھٹو اپنی تقریر کے ان الفاظ پر پہنچے تھے کہ یکایک سٹیج پر اچانک افراتفری پھیل گئی اور بجلی کے جھٹکے لگنے سے لوگ چیخیں مارتے ہوئے سٹیج سے نیچے پانی سے بھری ہوئی گراونڈ میں گر پڑے' بجلی کا نظام معطل ہو گیا اور شامیانہ ذوالفقار علی بھٹو پر آن گرا کئی اخباری نمائندے بھی شامیانے میں دب گئے اور پانی میں جاگرے بجلی کی ننگی تاریں پانی میں جا گریں جس سے جلسہ میں بھگدڑ مچ گئی لوگ سٹیج سے نیچے گرنے لگے اس طرح سٹیج سے ملحقہ مکان کی چھت پر لوگ کودے تو مکان کی چھت گر گئی اس افرتفری میں ذوالفقار علی بھٹو کو بھی چوٹیں آئیں اور وہ بڑی مشکل سے اپنی رہائش گاہ پہنچے۔

24 جون --- لاہور میں دفعہ 144 کا نفاذ

لاہور میں دفعہ 144 نافذ کر دی گئی

24 جون --- گول باغ کے جلسہ کی مغربی پاکستان اسمبلی میں گونج

مغربی پاکستان اسمبلی میں حزب اختلاف کے رہنما خواجہ محمد صفدر نے گذشتہ روز گول باغ میں بھٹو کے جلسہ میں حکومتی گڑبڑ کی مذمت کرتے ہوئے کہا:

جناب والا۔ ابھی ابھی محترم وزیر قانون صاحب نے فرمایا ہے کہ رات کے انتہائی افسوس ناک واقعات میں گورنمنٹ یا ان کے سرکاری افسران کا کوئی ہاتھ نہیں تھا اور بعض غنڈہ عناصر نے اس جلسے کو ناکام بنانے کی کوشش کی تھی۔ میں نہایت ادب سے جناب وزیر قانون اور عمائدین مملکت سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ مسٹر بھٹو کی تقریر کا نفس مضمون عرب ممالک سے ہمدردی کا اظہار تھا۔ مسٹر بھٹو کی تقریر کا آغاز عرب ممالک کے ساتھ ہمدردی سے ہوا تھا۔ اور کوئی ایسا مسئلہ اس وقت تک زیر بحث نہیں آیا تھا کہ جس سے کہ کسی قسم کی کسی شخص کو بھی اختلاف رائے رکھنے کی گنجائش ہو۔ یہ مسئلہ اس صوبے بلکہ میں یہ کہوں گا کہ اس ملک کے بچوں' بوڑھوں' عورتوں اور مردوں کے دلوں میں اسی طرح ہے جس طرح کہ کسی ایک فرد واحد خواہ وہ گورنمنٹ سے تعلق رکھتا ہو' خواہ وہ اپوزیشن سے تعلق رکھتا ہو' خواہ وہ آزاد خیال ہو' سب کو اس بات پر انتہائی وحشیانہ اور نہایت ہی بربریت کا سلوک کیا گیا ہے' اس کی بنا پر ہمارے ملک میں ابھی تک صف ماتم بچھی ہوئی ہے اور لاہور کی آبادی کا ایک کثیر حصہ گول باغ میں اس لئے جمع ہوا تھا کہ اپنے عرب بھائیوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرے۔ تو وہاں کوئی بدبخت تھا جسے اس بات سے اختلاف تھا کہ عربوں کے ساتھ اظہاری ہمدردی نہ کیا جائے ماسوائے ان لوگوں کے جو اس عرصے کے لئے بھیجے گئے تھے کہ اپوزیشن کا ایک راہنما اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار کرنے والا ہے اور اس کو ایسا نہ کر دیا جائے اور اس میں کسی اور شخص یا کسی اور ادارے کو دلچسپی نہیں ہو سکتی ماسوائے حکومت کے۔

وزیر قانون۔ یہ غلط ہے۔

خواجہ محمد صفدر۔ جناب والا۔ وزیر قانون صاحب تو یہ کہہ سکتے ہیں۔ وہ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں۔ لیکن میں یہ کہوں گا کہ ان کے فرستادہ لوگوں نے بجلی کے تار کاٹے۔ ان کے فرستادہ لوگوں نے وہاں شامیانے کی طنابیں کاٹیں' چلئے یہ تو متنازعہ مسئلہ ہے۔ لیکن اس باغ میں ایک ایک فٹ پانی کس کے حکم سے چھوڑا گیا۔ وہاں تو پبلک کا کوئی نل نہیں ہے۔ یہ تو کارپوریشن کا باغ ہے اور کارپوریشن ہی کے نل لگے ہوئے ہیں اور وہی اس کو پانی دے سکتا ہے۔ کوئی اور شخص کارپوریشن کے باغ میں پانی نہیں دے سکتا اور صرف یہ ہی نہیں بلکہ جس جماعت سے میں تعلق رکھتا ہوں۔ اس نے موچی دروازے کے باہر ایک جلسے کا انعقاد کیا وہاں بھی باغ میں عمداً" پانی دیا گیا تھا اور وزیر قانون اس کے باوجود کہتے ہیں کہ اس میں ان کا ہاتھ نہیں ہے۔ یہ مخفی ہاتھ کس کا ہو سکتا ہے اگر یہ ہاتھ گورنمنٹ کا نہیں ہے۔

جناب والا۔ دو روز ہوئے میرے ایک دوست اور ساتھی جناب محمود اعظم فاروقی صاحب جب تقریر فرما رہے تھے تو جناب وزیر خزانہ نے اپنی

نشست پر بیٹھے بیٹھے ایک ایسی غلط بات' ایک ایسا بیہودہ الزام کہا ہے کہ ان علاقوں کا پانی بہاولپور کو دیا جا رہا ہے یہ قطعاً" غلط ہے اور غیر صحیح اس لئے میں سمجھتا ہوں------

مسٹر سپیکر- مخدوم صاحب جو بیان دیا گیا ہے اس کے مطابق مجھے چوہدری صاحب سے پوچھنا ہو گا کیونکہ وہ اس کو move کر چکے ہیں تو کیا یہ درست نہ ہو گا کہ آپ اس کو سوموار کو لیں اس لئے کہ مجھے ان سے دریافت کرنا ہو گا کہ وہ اپنی اس تحریک پر اصرار کرتے ہیں یا نہیں۔

خواجہ محمد صفدر (سیالکوٹ _ 1)- جناب والا- میں چھوٹی سی عرض کرنی چاہتا ہوں- جناب والا- اس حکومت کا تازہ ترین شاہکار یہ ہے کہ کل گول باغ میں لاہور کے 3 لاکھ شہریوں کا اجتماع تھا- وہ وہاں مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی تقریر سننے کے لئے جمع ہوئے تھے اور ابھی مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے صرف اس قدر کہا تھا کہ عرب مالک اسرائیلیوں کی سازش کا اسی طرح شکار ہوئے ہیں جس طرح کہ استعمار کی شہ پر بھارت نے ہم پر حملہ کرنے کی کوشش کر کے ہمیں مغلوب کرنے کی ناکام کوشش کی- تو جناب بجلی کے تاروں کو کاٹ دیا گیا- شامیانہ گرا دیا گیا جو مسٹر بھٹو اور دوسرے لوگوں کے سروں پر آ کر گرا یہ سب کچھ محض اس لئے کیا گیا کہ جلسے کو ناکام بنایا جائے ان حرکات میں صریحاً" حکومت کا ہاتھ ہے میں حکومت کے اس فعل کی شدید مذمت کرتا ہوں اور ان کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ انکا ہمیشہ یہ دعویٰ رہا ہے کہ عوام کو ابتدائی اور بنیادی حقوق حاصل ہیں میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس قسم کے بنیادی حقوق ہمیں حاصل ہیں کہ 3 لاکھ کا اجتماع ایک نامور رہنما کی تقریر سننے کے لئے جمع ہے- اور غنڈوں کے ذریعے اس جلسے کو درہم برہم کرا دیا جاتا ہے- حتیٰ کہ باغ میں ایک ایک فٹ پانی چھوڑ دیا گیا ہم اس واقعہ پر اپنی انتہائی ناراضگی کا اظہار کرتے ہیں اور احتجاج کر طور پر ہم اس ایوان سے کچھ عرصہ کے لئے باہر جاتے ہیں۔

(اس مرحلہ پر حزب اختلاف کے ارکان ایوان سے باہر چلے گئے)

اپوزیشن کے ارکان جب دوبارہ اسمبلی میں واپس آئے اور اسمبلی کی کارروائی دوبارہ شروع ہوئی تو وزیر قانون نے کہا کہ حزب اختلاف کے لیڈر نے حکومت اور اس کے افسروں پر انتہائی سنگین الزام عائد کیا ہے- اس گڑبڑ میں حکومت کا کوئی ہاتھ نہیں تھا جس پر جناب حمزہ نے سوال کیا کہ پھر باغ میں پانی کہاں سے آیا؟ لاہور کارپوریشن کا چیئرمین کیا سرکاری افسر نہیں ہے؟ جب وہ وزیر قانون نے ایک بار پھر الزام کی سختی سے تردید کی تو جناب حمزہ نے دوبارہ سوال کیا کہ ایسی صورت میں ایک ایک فٹ پانی باغ میں کہاں سے آیا- خواجہ صفدر نے بجٹ پر بحث کے دوران دوبارہ جلسے میں گڑبڑ کے موضوع پر تقریر شروع کر دی اور کہا:

30 جون--- قومی اسمبلی میں بھٹو پر بھارتی شہریت سنگین الزام

حکومت کی جانب سے بھٹو پر نت نئے حملوں کی شدت میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا- 30 جون کو قومی اسمبلی کے اجلاس میں بھٹو کی بھارتی شہریت کے مبینہ الزام کی گونج سنائی دی- اس کا پس منظر یہ تھا کہ 19 نومبر 1965ء کو بھارتی پارلیمنٹ میں بھارتی وزیر بحالیات مسٹر مہابیر تیاگی نے بیان دیا تھا کہ پاکستان کے وزیر خارجہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے بمبئی میں اپنی اس جائیداد کی واگذاری کی درخواست میں جسے متروکہ جائداد قرار دے کر کسٹوڈین نے اپنے قبضہ میں لے لیا تھا- یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ بھارتی باشندہ تھے- بھارتی ہیں اور ہمیشہ بھارتی رہیں گے- ہندوستان کے وزیر بحالیات نے اپنے اس بیان میں مزید یہ کہا تھا کہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے صرف اس وقت پاکستانی باشندہ ہونے کا اقرار کرنے کا فیصلہ کیا جب 1958ء میں انہیں پاکستان میں وزیر تجارت مقرر کیا گیا چنانچہ اس وقت انہوں نے بھارت کی سپریم کورٹ میں درخواست دے دی کہ وہ کسٹوڈین کے فیصلے کے خلاف اپنی اپیل واپس لیتے ہیں 1958ء میں ذوالفقار علی بھٹو نے بمبئی کے کسٹوڈین کی عدالت میں اپنے بھارتی ہونے کی یہ دلیل پیش کی تھی کہ تقسیم برصغیر کے بعد 1947ء میں وہ بھارتی پاسپورٹ پر ہی برطانیہ گئے تھے اور 1949ء تک وہاں بھارتی باشندے کی حیثیت سے قیام پذیر رہے' ہندوستان کے وزیر بحالیات کے بیان کا ایک حصہ یہ تھا کہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو ایک طرف کسٹوڈین کی طرف سے ان کی جائداد کو متروکہ قرار دینے کے فیصلہ کی استعداد کے لئے پاکستانی باشندہ ہونے کی تردید کر رہے تھے اور دوسری طرف انہوں نے بمبئی ہائی کورٹ میں جمع کرائی ہوئی رقم کی ادائیگی کا پاکستان میں کلیم دائر کر رکھا تھا"-

جب بھارتی پارلیمنٹ کی بھٹو کو بدنام کرنے کی دو سال پرانی اس کارروائی کو' حکومت پاکستان نے قومی اسمبلی میں پیش کیا تو ایوان میں زبردست ہنگامہ برپا ہوا- پارلیمنٹ کے رکن مسٹر علیم الرازی نے اعتراض کیا کہ بھارتی پارلیمنٹ کا کارروائی زیر بحث لا کر یا ایوان میں میز پر رکھ کر مسٹر بھٹو کو بدنام کیا جا رہا ہے جواب نہ ایوان کے رکن رہے ہیں اور نہ اب وزیر ہیں- اس لئے کیا یہ کارروائی جائز ہے؟ ایک شخص جو اس ایوان کا رکن ہی نہیں اور نہ یہاں موجود ہے رسوا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے تو کیا یہ بات ضابطہ کارروائی کے خلاف نہیں؟

ایک اور رکن پارلیمنٹ نے حکومت سے پوچھا کہ اب جبکہ حکومت مسٹر بھٹو کے کابینہ سے علیحدہ ہو جانے کے بعد یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے کہ مسٹر بھٹو نے بھارتی شہریت اختیار کر رکھی تھی- کیا وہ موجودہ وزراء کے سیاق و سباق اور ان کی شہریت کے متعلق بھی تحقیقات کرنے کے لئے تیار ہے؟

پارلیمانی سیکرٹری مسٹر بھوئیاں نے جواب دیا- یہ ضمنی سوال ہے جو اصل سوال کے ضمن میں نہیں آتا-

مسٹر حسن اے شیخ---- کیا یہ صحیح نہیں کہ بھارتی عدالت میں مسٹر بھٹو

ئی جمع کردہ رقم کی ادائیگی کے کلیم کے سلسلے میں جب سمجھوتہ ہوا تو پاکستان کی مارشل لاء گورنمنٹ نے ان کا کلیم ادا کرنے منظور کر لیا تھا؟

پارلیمانی سیکرٹری مسٹر بھوئیاں ---- مگر ہمارا سفارت خانہ کیا کر رہا تھا؟

مسٹر سلطان علی چوہدری ---- پارلیمانی سیکرٹری نے کہا ہے کہ مسٹر بھٹو بیک وقت بھارتی شہری ہونے کا دعویٰ بھی کر رہے تھے اور پاکستان میں بھی مہاجر کی حیثیت سے کلیم دائر کر کے رقم کی ادائیگی کا مطالبہ کر رہے تھے کیا ان کا مطلب یہ ہے کہ مسٹر بھٹو بیک وقت بھارت اور پاکستان کا باشندہ ہونے کا دعویٰ کر رہے تھے۔

پارلیمانی سیکرٹری مسٹر بھوئیاں ---- بھارتی پارلیمان کی کارروائی سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔

ڈاکٹر علیم الرازی ---- کیا حکومت ایوان میں بھارتی پارلیمان کا وہ بیان میز پر رکھنے کے لئے تیار ہے جس میں پاکستان کی موجودہ کابینہ کے ارکان ان کے ماضی' ان کی پالیسیوں اور ان کے کردار کے بارے میں وضاحت کی گئی ہو۔

سپیکر ---- یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

مسٹر حسن اے شیخ ---- مسٹر بھٹو 1957ء میں پاکستان میں کس ملک کے پاسپورٹ پر آئے تھے۔ اور 1957ء میں کس پاسپورٹ پر امریکہ گئے تھے؟

اس سوال کے جواب کے لئے نوٹس درکار ہے۔

مسٹر محمد عبدالمتین ---- کیا پارلیمانی سیکرٹری یہ بتا سکیں گے کہ جب مسٹر بھٹو وزیر تھے تو کیا ان کی قومیت پاکستانی تھی یا بھارتی؟

مسٹر بھوئیاں ---- وہ یقیناً پاکستانی قومیت رکھتے تھے۔

خواجہ شہاب الدین ---- اس کی وضاحت کر دیتا ہوں۔ میز پر یہ جو ریکارڈ رکھا گیا ہے۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ 1958ء میں مسٹر بھٹو پاکستان میں پاکستانی شہریت کا دعویٰ کر رہے تھے اور بھارت میں بھارتی شہری ہونے کا دعویٰ کر رہے تھے۔

مسٹر حسن اے شیخ ---- کیا یہ صحیح نہیں کہ کلیم داخل کرنے کی آخری مہلت نومبر 1958ء تھی۔ اس لئے وہ اس سے پہلے پاکستانی شہری ہونے کا دعویٰ کرنے کے مجاز نہ تھے۔

خواجہ شہاب الدین ---- جیسا کہ پارلیمانی سیکرٹری وضاحت کر چکے ہیں اور جیسا کہ دستاویزات سے پتہ چلتا ہے کہ مسٹر بھٹو بیک وقت بھارتی عدالت میں بھارتی باشندہ ہونے کا دعویٰ کر رہے تھے اور پاکستان میں پاکستانی باشندہ لیکن ہمیں اس وقت معلوم نہیں تھا کہ انہوں نے بھارت میں بھارتی ہونے کا کلیم دائر کر رکھا ہے۔

ڈاکٹر علیم الرازی ---- جب آپ نے مسٹر بھٹو کو وزیر لیا تھا تو کیا آپ نے ان کے متعلق اس سلسلہ میں تحقیقات کی تھی؟

خواجہ شہاب الدین ---- تحقیقات کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ مسٹر بھٹو مرحوم شاہنواز بھٹو کے صاحبزادے تھے جو سندھی تھے اور پاکستان میں ان کی کافی جائداد تھی۔ مرحوم شاہنواز بھٹو پاکستانی سیاست میں نمایاں عملی حصہ لیتے رہتے تھے۔ اس لئے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو پاکستانی ہی سمجھا جاتا رہا اور یہ شبہ ہرگز نہ ہوا کہ وہ ایک طرح سے دھوکہ دے رہے تھے۔

ڈاکٹر علیم الرازی ---- آپ یہ تمام حقائق جو پاکستان دشمن بھارت کی پارلیمانی کارروائی پر مبنی ہیں' بطور دلیل ایوان میں کیوں منکشف کر رہے ہیں؟

خواجہ شہاب الدین ---- بعض سوالات پوچھے گئے تھے جس کے جواب میں ہم نے بھارتی پارلیمان کی کارروائی کی رپورٹ اور دیگر حقائق ایوان میں پیش کر دیئے۔ ہم اپنی طرف سے کوئی بات نہیں بنا رہے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ ان حقائق سے عوام کو اور ملک کو بے خبر رکھا جائے۔

مسٹر افسر الدین فقیر ---- حکومت نے ایک سابق وزیر کے متعلق اتنی تفصیلات اور حقائق ایوان میں پیش کر دیئے ہیں۔ اگر یہ مطالبہ کیا جائے کہ موجودہ کابینہ کے ارکان کے متعلق بھی اس قسم کی تفصیلات ایوان میں پیش کی جائیں تو کیا حکومت اس کے لئے تیار ہو گی؟

سپیکر ---- یہ ایک مفروضہ سوال ہے۔

جولائی 1967ء

3 جولائی ---- غلام فاروق مستعفی

وزیر تجارت غلام فاروق نے قومی اسمبلی میں اپنے عہدے سے مستعفی ہونے کا اعلان کر دیا۔

3 جولائی ---- خرکاروں نے چودہ بچے ہلاک کر دیئے

مغربی پاکستان اسمبلی میں ایک تحریک التواء پیش کرتے ہوئے رکن اسمبلی ملک محمد اختر نے ڈی آئی جی پولیس انیس الرحمٰن کے حوالے سے بیان کیا کہ خرکاروں نے چودہ بچوں کو ہلاک کر کے خفیہ طور پر مختلف مقامات پر دفن کر دیا۔ یہ انکشاف بھی ہوا کہ ان میں بعض بچوں کی نعشیں دریافت کر لی گئیں جنہیں مجرموں نے پراسرار طریقے سے دفن کر دیا تھا۔ وزیر قانون اللہ بچائیو غلام علی اخوند نے کہا کہ یہ تازہ واقعہ نہیں ہے۔ ڈیڑھ ماہ پہلے ڈی آئی جی خیرپور نے کچھ بیگار کیمپوں کی موجودگی کا انکشاف کیا تھا اور بتایا تھا کہ خرکاروں نے ایک بچے کو قتل کر کے ضلع نواب شاہ میں دفن کر دیا ہے۔ بچے کی لاش کو کھود کر نکالا گیا اور ملزم گرفتار کر لیا گیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد ایسی ہی اطلاع ایک اور بچے کے بارے میں ملی۔ پھر ایک اور بچے کے بارے میں انکشاف ہوا کہ اسے ضلع جیکب آباد میں دفن کر دیا گیا تھا۔ یہ تمام کیس عدالت میں ہیں۔ وزیر قانون کے مطابق یہ اطلاع درست نہیں تھی کہ

خرکاروں نے چودہ بچوں کو ہلاک کر دیا ہے اس پر ملک اختر نے اصرار کے ساتھ کہا کہ ان کی اطلاع کے مطابق خرکاروں نے چودہ بچوں کو ہلاک کرتے ہوئے نامعلوم مقامات پر دفن کر دیا اور یہ ڈی آئی جی انیس الرحمان کا بیان ہے۔ اسپیکر نے قرارداد کو خلاف ضابطہ قرار دے دیا۔

4 جولائی۔۔۔ بھٹو کی جانب سے بھارتی شہریت کے الزام کی تردید

سابق وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے بھارتی شہریت کے متعلق دونوں حکومتوں کے الزامات کی تردید کی۔ انہوں نے کہا:

"یہ بالکل غلط اور لغو ہے کہ میں 1958ء تک بھارت اور پاکستان دونوں کی شہریت کا دعویدار تھا۔ دنیا جانتی ہے کہ میرا خاندان صدیوں سے سندھ میں آباد ہے اور اس نے کئی پشتوں سے سندھ اور غیر منقسم ہندوستان اور تقسیم کے بعد پاکستان کی سیاسی زندگی میں ایک نمایاں کردار ادا کیا ہے میں ستمبر 1947ء میں بھارتی پاسپورٹ پر اعلیٰ تعلیم کے لئے امریکہ چلا گیا تاہم بعد ازاں میں نے پاکستانی پاسپورٹ حاصل کر لیا۔ جو 12 جولائی 1949ء کو میرے نام جاری کیا گیا۔ میں نے بھارت میں اپنی جائداد کو حاصل کرنے کے لئے صرف قانونی اقدامات کئے اور میں نے کبھی بھی یہ موقف اختیار نہیں کیا کہ میری جائداد مجھے اس بنا پر دلوا دی جائے کہ میں بھارتی شہری ہوں۔ اس معاملے میں بھارتی عدالتوں میں جو کارروائی کرتا رہا' حکومت پاکستان کو اس سے باخبر رکھا گیا۔ میری ہدایت پر میرے وکیل نے اگست 1958ء میں بھارتی سپریم کورٹ سے یہ مقدمہ واپس لے لیا اور میری طرف سے کسی قسم کی فریب دہی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ حکومت پاکستان کو ہر معاملہ سے باخبر رکھا گیا۔ اور اس سے مدد طلب کی گئی تھی۔ حکومت نے اب مجھ پر جو الزامات لگائے ہیں میں اس سلسلے میں اپنی بریت ثابت کرنے کے لئے دوسرے اقدامات کے لئے قانونی کارروائی کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ لیکن اگر میری اس بیان کو قومی اخبارات میں "مساوی پبلسٹی" ملی تو اس صورت میں ممکن ہے کہ میں اس سلسلہ میں قانونی کارروائی نہ کروں۔

بھارتی پارلیمانی میں مجھ پر کیچڑ اچھالنے کے لئے جھوٹے بیانات نومبر 1965ء میں دیئے گئے۔ جبکہ میں پاکستان کا وزیر خارجہ تھا اور اس کے بعد کوئی آٹھ ماہ تک میں اس عہدہ پر فائز رہا۔ یہ بات تو انتہائی بے خبر افراد پر بھی واضح ہونی چاہیے کہ بھارتی حکومت نے زہریلے حملے کئے تھے' وہ ذوالفقار علی بھٹو کی ذات پر نہیں بلکہ پاکستان کے وزیر خارجہ اور اس کے ملک پر تھے۔ یہ حالات کی ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے کہ بھارت نے پاکستان کے سابق وزیر خارجہ اور اس کے ملک پر مضرت رساں حملے کا جو حربہ اختیار کیا تھا اسے حکومت پاکستان نے اپنا لیا ہے۔ اب تقریباً" دو سال بعد حکومت نے ناقابل رشک دانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میرے خلاف بھارتی الزامات کو اچھالا ہے اور یہ کارروائی میرے لاہور سے واپسی کے کچھ ہی عرصہ بعد کی گئی جہاں ایک جلسہ عام میں تین لاکھ سے زائد افراد نے میرا استقبال کیا مگر حکومت نے اس جلسہ میں گڑبڑ کرا دی۔

4 جولائی۔۔۔ مغربی پاکستان اسمبلی میں' بھٹو پر ٹریکٹروں کے غلط استعمال کے مقدمہ کی مذمت

ذوالفقار علی بھٹو کے 1961ء سے 1966ء تک ٹریکٹروں کے غلط استعمال کے متعلق جو مقدمہ درج کیا گیا اس کے خلاف 4 جولائی 1967ء کو مغربی پاکستان اسمبلی میں اپوزیشن ارکان کی طرف سے' جن میں خواجہ محمد صفدر' جناب حمزہ رانا پھول محمد خان اور ملک محمد اختر قابل ذکر ہیں' حکومت کی اس کارروائی کی شدید مذمت کی گئی۔ انہوں نے الزام لگایا کہ حکومت بعض مقاصد کے تحت جناب بھٹو کو بدنام کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ جب صاحبزادہ نور حسن نے پوچھا کہ ایسی بدعنوانیاں عوام کے سامنے اس وقت لائی جاتی ہیں جب وزراء یا برسراقتدار لوگ اپنے اقتدار سے ہٹ جاتے ہیں تو اسپیکر نے "اگلا سوال" کا اعلان کر کے بحث ختم کر دی۔

5 جولائی۔۔۔ ہوتی' نئے وزیر تجارت بن گئے

علام فاروق کے مستعفی ہو جانے کے بعد قومی اسمبلی کے رکن نوابزادہ عبدالغفور خان ہوتی نے مرکزی وزیر تجارت کے عہدے کا حلف اٹھایا۔

6 جولائی۔۔۔ مرزا افضل بیگ رہا

شیخ عبداللہ کے قریبی ساتھی مرزا افضل بیگ کو رہا کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی سرینگر اور جموں کی جیلوں میں نظربند دوسرے لیڈروں کو بھی رہا کر دیا گیا البتہ شیخ عبداللہ کو اوٹاکمنڈ سے پہلے کوڈائی کنال اور پھر وہاں سے نئی دہلی لا کر کوٹلہ لین کے ایک بنگلے میں نظربند رکھا گیا۔

9-11 جولائی۔۔۔ محترمہ فاطمہ جناح انتقال کر گئیں

آٹھ اور نو جولائی کی درمیانی شب مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کا کراچی میں 74 برس کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ حکومت نے مادر ملت کے سوگ میں 10 جولائی کو عام تعطیل کا اعلان کر دیا۔ انہیں 10 جولائی کو مزار قائداعظم کے احاطہ میں دفن کر دیا گیا۔ اخباری اطلاعات کے مطابق مزار قائد پر ہنگامہ کے دوران پولیس نے لاٹھی چارج اور آنسو گیس کا استعمال کیا۔ ان کی رسم سوئم قصر فاطمہ جناح میں ادا کی گئی۔ جہاں ملک بھر کے سیاسی رہنماؤں نے انہیں زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔

9 جولائی۔۔۔ نواب نصراللہ خان کا انتقال

علی زئی قبیلہ کے سربراہ اور رکن صوبائی اسمبلی کا تونسہ شریف میں انتقال ہو گیا۔

28-31 جولائی--- معاہدہ استنبول میں صدر ایوب کی شرکت

صدر ایوب معاہدہ استنبول (آر سی ڈی) کی سربراہ کانفرنس میں شریک ہونے کے لئے ترکی پہنچ گئے۔ 29 جولائی کو کانفرنس کا آغاز ہوا۔ اہم عالمی مسائل پر مذاکرات کے بعد اعلان کیا گیا کہ تینوں رکن ملکوں (پاکستان' ایران اور ترکی) کے درمیان مفاہمت میں اضافہ ہو گیا ہے۔

اگست 1967ء

1-2 اگست---ڈاکو محمد خان گرفتار

ڈاکو محمد خان کو پولیس مقابلے میں زخمی ہونے کے بعد گرفتار کر لیا گیا۔ اس کی جان بچانے کے لئے دو آپریشن کئے گئے اور جسم سے گولیاں نکال لی گئیں۔

7 اگست--- ہفت روزہ "چٹان" پر سنسر کی پابندی

حکومت نے ہفت روزہ چٹان پر تین ماہ کے لئے سنسر پابندی عائد کر دی۔ حکومت کے مطابق ہفت روزہ انتہائی اشتعال انگیز مذہبی مواد شائع کر رہا تھا۔ جس سے امن عامہ میں خلل پڑنے کا اندیشہ تھا۔

10 اگست--- صدر ایوب کی فعال قیادت میں ہماری خارجہ پالیسی بالکل آزاد ہے: فضل اللہ

مغربی پاکستان کے وزیر داخلہ قاضی فضل اللہ نے کہا کہ صدر ایوب کی فعال قیادت کے تحت ہماری خارجہ پالیسی بالکل آزاد اور ہم اپنی آزادی اور وقار کی راہ میں رخنہ ڈالنے والی امداد ٹھکرا دیں گے۔

16 اگست--- اسمگلروں کو کوڑے لگانے کا فیصلہ

حکومت مغربی پاکستان نے اسمگلروں کو کوڑے لگانے کے فیصلے کا اعلان کیا۔

17 اگست--- 1962ء کے آئین پر کتاب لکھی جائے گی

1962ء کے آئین پر کتاب لکھنے کے لئے' صدر مملکت نے مرکزی وزیر قانون و پارلیمانی امور جناب ایس ایم ظفر کی سربراہی میں ایک کمیٹی قائم کر دی۔ کمیٹی کے دیگر ارکان میں جسٹس امین الاسلام اور قدرت اللہ شہاب شامل تھے۔

27 اگست--- خواجہ صفدر پی ڈی پی کے صدر منتخب ہو گئے

مغربی پاکستان اسمبلی میں قائد حزب اختلاف خواجہ محمد صفدر کو پاکستان جمہوری پارٹی (پی ڈی پی) کی مغربی پاکستان شاخ کا صدر چن لیا گیا۔

31 اگست--- یوم پختونستان پر غفار خان کا خطاب

جلال آباد میں یوم پختونستان کے موقع پر خدائی خدمت گار رہنما عبدالغفار خان نے کہا کہ جو جمہوریت ہمیں فرنگی نے دی تھی' ہمارے بھائی ایوب خان نے ہم سے وہ بھی چھین لی۔ انہوں نے کہا کہ پشتونوں میں نفسا نفسی آ گئی ہے اور دوسرے لوگوں نے ہمارے ملک پر اپنے جھنڈے گاڑ دیئے ہیں۔

تقریر کا مکمل متن-- یوم پختونستان پر خطاب-- اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں۔

ستمبر 1967ء

2 ستمبر--- قائم مقام گورنر کی تقرری

صدر مملکت نے مسٹر اکرام الحق کو صوبہ مغربی پاکستان کا قائم مقام گورنر مقرر کر دیا۔

5 ستمبر--- اکرام الحق نے قائم مقام گورنر کے عہدے کا حلف اٹھا لیا

چیف سیکرٹری' مغربی پاکستان ایس اکرام الحق نے مغربی پاکستان کے قائم مقام گورنر کا حلف اٹھا لیا۔ حلف مغربی پاکستان کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس وحید الدین نے گورنر ہاؤس میں لیا۔

6 ستمبر--- یوم دفاع پر بھارتی سفارت خانہ نے تعطیل نہیں کی

یوم دفاع پاکستان کی عام تعطیل کے موقع پر پاکستان میں بھارتی سفارت خانہ نے تعطیل کرنے سے انکار کر دیا۔

7 ستمبر--- جی ایم سید پر نقل و حرکت کی پابندیوں میں توسیع

حکومت نے سندھ کے ممتاز سیاسی رہنما جی ایم سید کی نقل و حرکت کی پابندیوں پر مزید ایک ماہ کی توسیع کر دی انہیں 7 جولائی کو پابند کیا گیا تھا کہ وہ

تعلقہ کوٹری کی حدود سے باہر نہیں جائیں گے نہ وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ بزم صوفیائے سندھ' سندھی ادبی سنگت اور دوسری ادبی تنظیموں کی سرگرمیوں سے خود کو وابستہ کریں گے۔ وہ نہ جلسوں سے خطاب کریں گے اور نہ وہ اپنی کوئی تحریر شائع کروائیں گے۔

16 ستمبر۔۔۔ نئی پارٹی کی تشکیل کا اعلان

حیدر آباد میں حزب اختلاف کے ایک ممتاز رہنما' میر رسول بخش تالپور کی قیام گاہ پر اخباری نمائندوں سے باتیں کرتے ہوئے ذوالفقار علی بھٹو نے اعلان کیا کہ ملک کے دونوں حصوں میں اپنے رفقائے کار سے تبادلہ خیال کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ نئی سیاسی جماعت تشکیل دیئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے اور وہ یہ نئی سیاسی جماعت سال رواں ختم ہونے سے پہلے قائم کرلیں گے۔ بھٹو نے کہا: "پارٹی کی تشکیل کا اعلان کرنے سے پہلے میں ملک کے دونوں حصوں کا وسیع دورہ کروں گا۔ میری پارٹی قومی' ترقی پسند' طاقتور اور ایسی ہو گی جس کی جڑیں ملک کے دونوں حصوں کے عوام میں ایک جیسی گہری ہوں گی۔ نئی پارٹی کی تفصیلات طے کی جارہی ہیں اس کے نام اور مقاصد کا اعلان مناسب وقت پر کر دیا جائے گا۔

17 ستمبر۔۔۔ نئی سیاسی جماعت کا نام پیپلز پارٹی ہو گا: بھٹو

حیدر آباد میں طلباء کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ذوالفقار علی بھٹو نے اعلان کیا کہ نئی پارٹی کا نام پاکستان پیپلز پارٹی ہو گا اور یہ جماعت ملک میں بحالی جمہوریت کے لئے کام کرے گی۔ اس جماعت کا کام الجھن پیدا کرنا نہیں ہو گا بلکہ ملک میں کام کرنے والی دوسری سیاسی جماعتوں کی طرح آئین و قانون کی پابندی کرتے ہوئے کام کرنا ہو گا۔ پاکستان پیپلز پارٹی میں نوجوان لوگ شامل ہوں گے۔ یہ پارٹی بڑی بڑی شخصیات کی مرہون منت نہ ہو گی بلکہ اس کے برعکس شخصیات پیدا کرے گی۔

اس پارٹی کی کوشش ہو گی کہ پاکستان کو اقتصادی اعتبار سے مضبوط اور طاقت ور اسلامی ملک کی شکل دی جائے۔ اس سلسلے میں عوام کا تعاون ضروری ہو گا۔ کیونکہ عوام کے تعاون کے بغیر کوئی پروگرام بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

میں عنقریب ملک کے دونوں صوبوں کا دورہ کرنے کے بعد لاہور میں اپنی جماعت کے اغراض و مقاصد کا اعلان کروں گا۔ مسٹر رسول بخش جمہوریت کا ایک ستون ہیں اور میں اپنا پروگرام شروع کرنے کے لئے ملک کے دونوں حصوں میں بھی ایسے ستون کھڑے کروں گا اور پارٹی کا منشور دو ماہ تک شائع کر دیا جائے گا۔

20-21 ستمبر۔۔۔ اردن کے شاہ حسین کا دورہ پاکستان

اردن کے شاہ حسین عرب کاز کے لئے پاکستان کی حمایت کا شکریہ ادا کرنے کی غرض سے پاکستان کے دورے پر راولپنڈی پہنچ گئے۔ شاہ حسین نے کہا کہ پاکستان کی مدد اسرائیلی جارحیت کو کچلنے میں موثر ثابت ہو گی۔

20 ستمبر۔۔۔ سید مصباح الدین کا انتقال

سابق مرکزی وزیر خان بہادر سید مصباح الدین کا ڈھاکہ میں دل کا دورہ پڑنے پر انتقال ہو گیا۔ ان کی عمر 73 سال تھی۔

21-24 ستمبر۔۔۔ ٹرانسپورٹ ورکروں کی ہڑتال

21 ستمبر سے مغربی پاکستان میں ٹرانسپورٹ ورکروں کی ہڑتال سے بسوں کا نظام معطل ہو گیا۔ 24 ستمبر کو بعض ٹرانسپورٹ ورکروں نے ہڑتال ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ لیکن 27 ستمبر کو مغربی پاکستان کی حکومت نے ہڑتال کو غیر قانونی قرار دے دیا۔ لوڈنگ ٹرکوں نے یہ ہڑتال پولیس کی ناانصافی اور ظلم سے آکر کی تھی اور وہ کئی دن تک روہڑی اور پنوعاقل کے درمیان کھڑے رہے اور تمام کاروبار بھی معطل رہا۔

22 ستمبر۔۔۔ فرینڈز ناٹ ماسٹر ایوب خان کے تدبر کا مرقع ہے۔

لاہور میں ممتاز دانشوروں نے ایک تقریب میں کہا کہ صدر ایوب کی خود نوشت سوانح۔ فرینڈز ناٹ ماسٹرز۔۔ ان کے تدبر اور فراست کا مرقع ہے۔

23 ستمبر۔۔۔ مولانا عبدالقادر قاسمی کی رہائی

جمعیت العلمائے اسلام کے ناظم اعلیٰ مولانا عبدالقادر قاسمی کو رہا کر دیا گیا۔ انہیں 24 جولائی کو ملتان میں سیرت النبی کے ایک جلسے میں حکومت اور صدر مملکت پر تنقید کرنے کے جرم میں ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت دو ماہ کے لئے نظر بند کر دیا گیا تھا۔

23 ستمبر۔۔۔ چوہدری شہاب الدین انتقال کر گئے

سابق رکن مشرقی پاکستان اسمبلی چوہدری شہاب الدین کومیلا اور نواکھلی کے درمیان ایک حادثے میں انتقال کر گئے۔

24-30 ستمبر۔۔۔ صدر ایوب کا دورہ روس

صدر ایوب نے ماسکو میں روسی وزیر اعظم کوسیگن کی تقریر کے جواب میں کہا کہ بھارت کو اسلحہ کی اندھا دھند فراہمی سے برصغیر کا امن خطرے میں پڑ جائے گا۔ ماسکو کی سڑکوں پر صدر ایوب کا زبردست خیر مقدم کیا گیا۔ 30 ستمبر کو دونوں ملکوں کے درمیان ایک اقتصادی سمجھوتے پر دستخط ہوئے۔

25 ستمبر۔۔۔ مغربی پاکستان اسمبلی کا اجلاس شروع

مغربی پاکستان اسمبلی کا اجلاس شروع ہو گیا۔ اجلاس کے پہلے روز مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کے اعزاز میں ایک ریفرنس پیش کیا۔ وزیر زراعت و خوراک ملک خدا بخش نے ریفرنس پیش کرتے ہوئے ان کی وفات کو قوم کا عظیم نقصان قرار دیا۔ حزب اختلاف کے لیڈر خواجہ محمد صفدر نے کہا کہ انہوں نے گذشتہ صدارتی انتخابات میں حصہ لے کر قوم کو ایک نیا دماغ اور شعور بخشا۔ قوم کو زبان بخشی اور تاریخ ان کی اس خدمت کو کبھی فراموش نہ کرے گی۔ انہوں نے قائد ایوان ملک خدا بخش کی تائید کی کہ مرحومہ کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے اجلاس کو ملتوی کر دیا جائے۔ جناب حمزہ اور محمود اعظم فاروقی نے بھی تعزیتی تقریریں کیں۔ سپیکر نے کہا کہ تاریخ پاکستان اس نامور خاتون کو ہمیشہ یاد رکھے گی۔ اس مرحلے پر جملہ حاضرین نے دعائے مغفرت کی اور اسمبلی کا اجلاس اگلی صبح تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔

اکتوبر 1967ء

3 اکتوبر ۔۔۔ ڈاکٹر نذیر احمد کی پبلک تقریروں پر پابندی

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ڈیرہ غازی خان نے ڈاکٹر نذیر احمد' امیر جماعت اسلامی کی پبلک تقریریں کرنے پر پابندی لگا دی۔ ان پر الزام تھا کہ انہوں نے 14 اگست کو ڈیرہ غازی خان میں' 28 اگست کو سخی سرور کے مقام پر اور 30 اگست کو کوٹ چھٹا میں اشتعال انگیز تقریریں کی تھیں۔

4 اکتوبر ۔۔۔ پاک روس مشترکہ اعلامیہ

صدر ایوب کے دورہ روس کے اختتام پر مشترکہ اعلان میں دونوں ملکوں نے متعدد شعبوں اور کئی بین الاقوامی امور میں تعاون کرنے کا عزم کیا۔

7 اکتوبر ۔۔۔ نوابزادہ افتخار احمد انصاری پر اظہار کی پابندی

ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جھنگ نے 'ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن جھنگ کے صدر اور ممتاز اپوزیشن رہنما نوابزادہ افتخار احمد انصاری پر ضلعی حدود میں' تقریر کرنے پر پابندی عائد کی تھی۔ اس ایکشن کی بنیاد 28 جولائی کی ایک تقریر کو بنایا گیا جو حکام کے خیال میں انتہائی قابل اعتراض تھی۔

8 اکتوبر ۔۔۔ چوہدری علی اکبر کا انتقال

سابق وفاقی وزیر داخلہ چوہدری علی اکبر کا انتقال ہو گیا۔

8 اکتوبر ۔۔۔ بھٹو کا نئی سیاسی جماعت بنانے پر زور

جناب بھٹو نے 8 اکتوبر 1967ء کو کراچی سے ایک اخباری بیان میں نئی سیاسی جماعت بنانے کے خیال پر نکتہ چینی کا تفصیلی جواب دیا اور کہا کہ ان کے نظریات حزب اقتدار اور حزب اختلاف دونوں سے مختلف ہیں اور اگرچہ ملک میں اس وقت بہت سی سیاسی پارٹیاں موجود ہیں لیکن پھر بھی ایک سیاسی پارٹی کی گنجائش موجود ہے اور یہ پارٹی شخصی نہیں اصولی ہو گی جو عوام کی آزادی کے لئے ہر قربانی دے گی۔ سوشلزم کے اصول کو اپنائے گی۔ عوام اور صحافت کی آزادی کے لئے جدوجہد کرے گی۔

10 اکتوبر ۔۔۔ صدر ایوب کی کتاب نصاب میں شامل

صدر ایوب کی کتاب "فرینڈز ناٹ ماسٹرز" کو کراچی کے تعلیمی نصاب میں شامل کر لیا گیا۔

13 اکتوبر ۔۔۔ چوہدری سلطان احمد حادثے میں ہلاک ہو گئے

رکن قومی اسمبلی' چوہدری سلطان احمد' بادشاہی مسجد لاہور کے مینار سے گر کر ہلاک ہو گئے۔ ان کی عمر 52 سال تھی۔

15 اکتوبر ۔۔۔ مودودی پھر جماعت اسلامی کے امیر منتخب ہو گئے

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی مزید پانچ برسوں کے لئے جماعت اسلامی کے امیر منتخب ہو گئے۔

17-20 اکتوبر ۔۔۔ صدر ایوب کا دورہ فرانس

صدر ایوب نے فرانس کا چار روزہ دورہ کیا۔ جس میں فرانسیسی صدر ڈیگال سے انہوں نے کشمیر سمیت متعدد امور پر گفتگو کی۔ فرانس نے کشمیر کے حق خود ارادیت کی حمایت کی۔

20-25 اکتوبر ۔۔۔ صدر ایوب رومانیہ میں

صدر ایوب فرانس سے رومانیہ کے دارالحکومت بخارسٹ پہنچے۔ صدر رومانیہ نے کہا کہ رومانیہ کے عوام پاکستان سے دوستی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ صدر ایوب نے کہا کہ ویت نام میں قیام امن کے لئے حق خود ارادیت کا احترام لازمی ہے۔ صدر نے کہا کہ پاکستان اور رومانیہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

22 اکتوبر ۔۔۔ اسلم خٹک مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔

مسٹر اسلم خٹک نے پاکستان مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔

25-31 اکتوبر ۔۔۔ صدر ایوب کا دورہ ترکی

رومانیہ سے صدر ایوب انقرہ پہنچے۔ جہاں دونوں ملکوں کے سربراہوں

نے اہم فیصلے کئے۔ بھارت کی جنگی تیاریوں کے سلسلے میں صدر ایوب نے صدر ترکی سے خفیہ مذاکرات کئے۔ صدر ایوب استنبول بھی گئے۔

28 اکتوبر

ایوب خان کے اقتدار کے دسویں برس کا آغاز ہو گیا۔ اس تاریخ سے ترقی اور اصلاحات کے عشرے کے طور پر دس سالہ جشن کی تقریبات شروع ہو گئیں۔

28 اکتوبر — پاکستان پیپلز پارٹی کا پروگرام

ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی نئی سیاسی تنظیم کے باقاعدہ قیام سے قبل عوام میں اس کا پروگرام روشناس کرانے کے لئے ملک کے دونوں حصوں کا تفصیلی دورہ کیا۔ 28 اکتوبر کو انہوں نے لاہور میں پارٹی پروگرام اور سیاسی حالات کے بارے میں تفصیلی اظہار خیال کیا۔ پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ پاکستان کے اقتصادی، سیاسی اور معاشرتی مسائل ابتر ہوتے جا رہے ہیں جنہیں حل کرنے کے لئے لازم ہو گیا ہے کہ ملک میں اسلامی ضابطہ حیات پر مبنی سوشلسٹ نظام رائج کیا جائے۔

میری پارٹی جمہوریت کی بحالی، شہری آزادیوں، بنیادی حقوق کی بحالی اور بالغ رائے دہی کی اساس پر براہ راست انتخابات کرانے کے بنیادی اصولوں کا پرچار کرے گی۔ لیکن یاد رہے کہ ہم پاکستان میں کمیونسٹ طرز کا سوشلزم ہرگز نہیں لانا چاہتے۔ کیونکہ پاکستان کے عوام مسلمان ہیں۔ ان کی ہزاروں برس پرانی روایات اور ثقافت ہیں جسے کوئی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا۔ تاہم ہم اقتصادی پالیسیوں کو مذہبی جھگڑوں میں الجھے بغیر بھی چلا سکتے ہیں۔ انشورنس کمپنیوں، بنکوں، بنیادی صنعتوں، ٹرانسپورٹ اور قدرتی وسائل کی صنعتوں کو قومی ملکیت میں لے سکتے ہیں۔ ان سب کو قومی ملکیت میں لینے کے حق میں میں یہ دلیل دینا چاہتا ہوں کہ موجودہ نظام معیشت میں یہ صنعتیں سرمایہ دارانہ طرز معاشرت کی عکاسی کر رہی ہیں۔ جن سے عوام کی بجائے چند اجارہ داروں کو فائدہ پہنچتا ہے۔ مجھے افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ پریس ٹرسٹ کے اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن ادارے اپوزیشن سے تعلق رکھنے والوں کے موقف کو توڑ مروڑ کر پیش کر رہے ہیں اور اس طرح عوام کو گمراہ کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں۔ اس صورت حال سے خود حکمران پارٹی کو بھی کوئی فائدہ حاصل نہ ہو گا۔ آزادی اخبار اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ جمہوریت۔

اس ملک کے نوجوان میری تحریک کا ہراول دستہ ہوں گے۔ اس سے ہرگز یہ مطلب نہیں لینا چاہیے کہ میں طلباء کو اپنے کسی مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہوں ملک کے موجودہ پیچیدہ سیاسی اور اقتصادی مسائل کو حل کرنے میں موجودہ سیاسی جماعتیں ٹھوس کردار ادا نہیں کر سکیں۔ اس لئے ملک کو نئی قیادت اور نئے خون کی ضرورت ہے جو ان مسائل کو اصولوں کی بنیاد پر حل کرے۔ طلباء کا فرض ہے کہ وہ اپنی تعلیم کی طرف پوری توجہ دیں لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ میرے ملک کے نوجوان ملک کے حالات سے الگ تھلگ نہیں رہ سکتے۔ طلباء سمگلر یا چور بازاری کرنے والے لوگ تو نہیں ہیں کہ وہ قوم کی خدمت نہ کریں۔

مشرقی پاکستان میں حال ہی میں میں نے مولانا بھاشانی، مسٹر عطاء الرحمٰن خاں، مسٹر مانک میاں، طلباء اور مزدوروں کے نمائندوں کے علاوہ دیگر شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والوں سے تبادلہ خیال کیا تھا اور اس دورے سے میں اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ مشرقی پاکستان کی اقتصادی صورت حال بڑی تیزی سے بگڑ رہی ہے۔ یہ ضروری بات ہے کہ شیخ مجیب الرحمٰن کو رہا کر دیا جائے بصورت دیگر موجودہ حالات اگر اسی طرح جاری رہے تو اس کے نتائج کسی صورت بہتر نہ ہوں گے۔

میں چھ نکاتی پروگرام سے اتفاق نہیں کرتا لیکن میں یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ شیخ مجیب الرحمٰن جو ڈیڑھ برس سے جیل میں نظر بند ہیں۔ پاکستان کے خلاف ہیں۔ انہوں نے پاکستان کی بہت خدمت کی ہے اور انہوں نے جو پروگرام پیش کیا ہے اس پر نظر ثانی کے لئے بات چیت ہو سکتی ہے۔ ایسا تبھی ممکن ہے کہ انہیں رہا کر دیا جائے۔

جماعتیں ہمیشہ ٹھوس اصولوں پر چلتی ہیں اور ہماری پارٹی جس کا اعلان نومبر یا شروع دسمبر میں لاہور میں کیا جائے گا۔ ہر اس جماعت سے بحالی جمہوریت کے لئے اتحاد کرے گی جو اصولوں کے لئے کام کرے گی۔ اب وہ دور ختم ہو چکا ہے جب اصولوں کو شخصیتوں پر قربان کر دیا جاتا تھا۔

مشرقی پاکستان میں بھی سیاسی سرگرمیاں محدود ہوتی جا رہی ہیں جس کی وجہ محض یہ ہے کہ اس صوبہ میں دفعہ 144 کا عام دور دورہ ہے۔ دوسری طرف اخبارات پر نت نئی پابندیوں کے ذریعے عوامی نمائندوں کی باتوں کو توڑ مروڑ کر عوام کے سامنے پیش کر کے ان میں الجھنیں پیدا کی جا رہی ہیں اور عوام کو اپنی مشکلات بیان کرنے کے لئے اظہار رائے کی آزادی نہیں ہے۔

حکومت کی متضاد پالیسیوں کے باعث ہمارے زرمبادلہ کے ذخائر میں بتدریج کمی ہو رہی ہے۔ دراصل اقتصادی مسئلہ ہی سب سے بڑا مسئلہ ہے چنانچہ بیروزگاری اور چور بازاری نے عوام کی حالت دگرگوں کر کے رکھ دی ہے۔

میں خوب جانتا ہوں کہ موجودہ نازک دور میں نئی پارٹی چلانا انتہائی مشکل کام ہے مگر اصولوں کی خاطر میں اور میرے دوستوں نے مشکل راہ اختیار کرنے کو ترجیح دی ہے۔ اپوزیشن پارٹیوں کو باہمی افہام و تفہیم سے کام لینا چاہیے اور ہم اس پارٹی سے بحالی جمہوریت کی تحریک میں اتحاد کریں گے جو ان اصولوں کو تسلیم کرے گی۔

آنے والا وقت اس بات کو یقیناً ظاہر کر دے گا کہ آزادی صحافت کو

پابند سلاسل کرنے والے کون سے عناصر تھے اور پریس ٹرسٹ کے قیام میں کس نے بنیادی کردار ادا کیا تھا۔

نومبر1967ء

4نومبر--- شیخ زید بن سلطان کا دورہ پاکستان

ابو ظہبی کے شیخ زید بن سلطان النہیان دو روز بعد کراچی سے رحیم یار خان گئے۔

5-8نومبر--- بھٹو کا دورہ

رابطہ عوام مہم کے سلسلے میں ذوالفقار علی بھٹو 5 نومبر کو پشاور پہنچے۔ زریاب ہوٹل میں ایک استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے سابق وزیر نے کہا کہ ملک میں سماجی انصاف قائم کئے بغیر مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ سرحد میں انہوں نے خان عبدالقیوم خان سے بھی چار گھنٹے تک سیاسی امور پر بات چیت کی۔ پشاور میں اپنے قیام کے دوران وہ حیات محمد خان شیرپاؤ' افضل بنگش اور کئی دوسرے سیاسی رہنماؤں سے بھی ملے۔ چارسدہ میں طلباء سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وہ ملک و قوم کا روشن چراغ ہیں انہیں عوام کے حقوق کی بحالی کے لئے میدان میں آ جانا چاہیے کیونکہ مستقبل کی ذمہ داریاں نوجوانوں پر ہیں

شیرپاؤ میں حیات محمد خان شیرپاؤ کے استقبالیہ میں وہ نیپ کے لیڈر ولی خان اور جماعت اسلامی کے رہنما امیر خان سردار علی خان سے بھی ملاقات کی۔

6نومبر--- بزنجو کا انتخاب کالعدم

قومی اسمبلی کے رکن کی حیثیت سے غوث بخش بزنجو کے انتخاب کو کالعدم قرار دے دیا گیا۔

7نومبر--- مولوی فرید احمد منتخب قرار دیئے گئے

الیکشن ٹربیونل نے مولوی فرید احمد کو اسمبلی کا منتخب رکن قرار دے دیا۔

9نومبر---لاہور میں بھٹو کا خطاب

لاہور میں شہریوں اور سیاسی کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے ذوالفقار علی بھٹو نے حکومت کی طرف سے لگائے جانے والے بے سروپا الزامات کا جواب دیا اور کہا کہ حکومت محض سیاسی اختلاف کی بنا پر ان کے خلاف بے سروپا الزامات کی تشہیر کر رہی ہے اور مقبوضہ پریس اس میں غلامانہ کردار ادا کر رہا ہے۔ اپنی پارٹی کے بنیادی اصولوں اور پروگرام کا ذکر کرتے ہوئے بھٹو نے اس عزم کو دہرایا کہ ان کی پارٹی عوام حاکمیت' جمہوریت کی بحالی اور آزادی صحافت کے لئے حزب اختلاف سے مکمل تعاون کرے گی۔

11نومبر--- ایس ایم مرشد مستعفی

مشرقی پاکستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس ایس ایم مرشد مستعفی ہو گئے۔ 16 نومبر سے ان کا استعفیٰ منظور کر لیا گیا۔ انہوں نے وکالت کا پیشہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔

12نومبر--- پاک' بھارت' چین تعلقات پر بھٹو کا تبصرہ

پاکستان کے سابق وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان کی خارجہ پالیسی خصوصاً پاک۔ بھارت' پاک۔ چین اور چین۔ بھارت تعلقات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا

13نومبر--- جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

صدر ایوب کی خود نوشت سوانح عمر-- فرینڈز ناٹ ماسٹرز-- کا اردو ترجمہ-- جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی-- کے عنوان سے شائع ہو گیا۔

15نومبر--- مشرقی پاکستان ہائی کورٹ کے نئے چیف جسٹس

مسٹر جسٹس بی اے صدیقی' مشرقی پاکستان ہائی کورٹ کے نئے چیف جسٹس مقرر ہو گئے۔

22نومبر--- شیریں بائی پاکستان کی شہری بن گئیں

قائداعظم کی ہمشیرہ محترمہ شیریں بائی نے پاکستان کی شہریت حاصل کر لی۔

26نومبر--- ملک امیر محمد خان قتل کر دیئے گئے

مغربی پاکستان کے سابق گورنر ملک امیر محمد خان نواب آف کالا باغ کو ان کے بیٹے ملک اسد اللہ خان نے 'گھریلو تنازعہ کے سلسلے میں گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ ملک اسد نے بتایا کہ انہوں نے اپنے دماغ میں گولی چلائی تھی۔ قتل کی تفتیش کرائمز برانچ کے سپرد کر دی گئی۔

26نومبر--- سیالکوٹ میں بھٹو کا خطاب

رابطہ عوام مہم کے سلسلے میں سیالکوٹ میں بھٹو نے کہا کہ ملک کی تمام

اقتصادی خرابیوں کا علاج اسلامی سوشلزم کا نفاذ ہے۔ یہ سوشلزم جتنی جلدی رائج کیا جائے گا' ملک کے لئے اتنا ہی اچھا ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ پیپلزپارٹی کے کارکن ملک کے گوشے گوشے میں پھیل جائیں اور بے خبر عوام کو سیاسی طور پر بیدار اور سماجی طور پر باخبر کر دیں تاکہ وہ پارٹی پروگرام کو سمجھ سکیں اور اسے آگے بڑھائیں۔ مسئلہ کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے بھٹو نے کہا کہ وہ مقبوضہ کشمیر کی آزادی کے لئے آخر دم تک لڑیں گے جو جغرافیائی' ثقافتی' اور تاریخی لحاظ سے پاکستان کا ناقابل تقسیم جزو ہے۔

30 نومبر۔۔۔پاکستان پیپلزپارٹی کی تشکیل

30 نومبر کو پاکستان پیپلزپارٹی کا قیام عمل میں آگیا۔ یونس ادیب کے لفظوں میں

30 نومبر 1967ء کو گلبرگ میں ڈاکٹر مبشر حسن کی کوٹھی پر تاسیسی اجلاس منعقد ہونا تھا اور شہر میں اس کا بڑا چرچا تھا۔ مغربی پاکستان کے تمام علاقوں کے نمائندے لاہور پہنچ چکے تھے۔ حکومت کی طرف سے مقبوضہ اخبارات کے رپورٹروں کو خاص طور پر ہدایات دی گئی تھیں کہ وہ تاسیسی اجلاس کی کارروائی اس انداز سے دیں کہ عوام اس سے ناکام تاسیسی اجلاس کا تاثر قبول کریں لیکن یہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک منفرد انقلابی اجلاس تھا۔ چار سو مندوبین ایک نئے قائد کے ہاتھ پر پہلی بیعت کرنے آئے تھے۔ ان میں نئی نسل کے سیاسی ذہنوں کی اکثریت تھی' زیادہ تر پرجوش طالب علم تھے۔ جہاں امان اللہ جیسے نئے لوگ تھے وہاں رسول بخش تالپور ایسی شخصیتیں بھی موجود تھیں۔ پنڈال میں داخل ہونے والے کی پڑتال کے لئے مستعد کارکنوں کو متعین کیا گیا تھا کیونکہ تاسیسی اجلاس کے پنڈال میں آگ لگائے جانے کی افواہیں شہر میں گشت کر رہی تھیں اور اس کا خطرہ بھی تھا۔ حکومت نے مشرقی پاکستان سے آنے والے مندوبین کو روکنے کے لئے پی آئی اے کے ذریعے رکاوٹ پیدا کر دی اور وہ تاسیسی اجلاس میں شرکت نہ کر سکے۔ لیکن یہ ہر لحاظ سے ایک نمائندہ تاسیسی اجلاس تھا۔

مسٹر جے رحیم' مسٹر عبدالوحید کٹر' خورشید حسن میر' شیخ محمد رشید' حیات محمد خان شیرپاؤ' امان اللہ خان معراج محمد خان' حق نواز گنڈاپور' ڈاکٹر مبشر حسن' بیگم آباد احمد' بیگم شاہین حنیف رامے' بیگم انور غالب' ملک حامد سرفراز' غازی' ذکاء الدین' کامریڈ غلام احمد' رفیق احمد باجوہ' سید عمر خان میاں محمد اقبال میر حامد حسن اور دوسرے کئی ایسے افراد تھے جو لاہور والوں کے لئے اجنبی تھے۔

بھٹو صاحب پورے دس بجے پنڈال میں تشریف لائے اور مندوبین نے کھڑے ہو کر اپنے قائد کا استقبال کیا اور دیر تک پنڈال تالیوں سے گونجتا رہا۔ تاسیسی اجلاس کی کارروائی جس میں مندوبین کی تقریریں' دستاویزات کی توثیق' پارٹی پرچم اور تنظیمی امور شامل تھے' طویل ہونے کے باوجود پر استقلال انداز سے جاری رہی۔

اس اجلاس کے صدر جناب بھٹو تھے۔ مندوبین نے اپنی تقریروں میں بھٹو صاحب کو اپنی خدمات غیر مشروط طور پر پیش کیں' وہاں چند ایک مندوبین نے بھٹو کو مخاطب کرتے ہوئے بعض چبھتے ہوئے فقرے بھی کہے لیکن وہ ایک ایسے بھٹو کے متعلق تھے جو سندھ کا شہزادہ تھا' اجلاس کی صدارت تو عوام کا بھٹو اور نیا بھٹو کر رہا تھا۔ جاگیرداری کو نیست و نابود کرنے کے نعرے لگے تو عوام کے ذوالفقار علی بھٹو نے خود بھی یہ نعرے لگائے۔ اسلم گورداسپوری نے اپنی نظم میں ایک مقام پر جاگیرداری کے خلاف مصرع پڑھنے سے قبل بھٹو صاحب کی طرف منہ کر کے کہا۔

معذرت کے ساتھ ---تو بھٹو صاحب نے فوراً کہا۔

NO معذرت۔

اپنی تقریر میں ذوالفقار علی بھٹو نے کہا:

"عوام کے دل ہمارے ساتھ ہیں اور پاکستان کے علاوہ تمام ایشیاء یورپ' افریقہ' اور لاطینی امریکہ کے لوگوں کی نگاہیں پیپلزپارٹی کی طرف لگی ہوئی ہیں جو خالصتاً" عوام کی پارٹی ہے۔ یہ کنونشن لیگ اور ریپبلکن پارٹی کی طرح اوپر سے مسلط نہیں کی جا رہی"۔

نئی پارٹی بنانا اور چلانا آسان کام نہیں ہے لیکن ہم عوام کے تعاون سے تمام مشکلات پر قابو پالیں گے' کیونکہ اصولوں کو نہ تو قربان کیا جا سکتا ہے نہ انہیں ناکامی ہی ہو سکتی ہے۔ یہ درست ہے کہ ابتداء میں انقلابی تحریکیں چلانے والوں کی تعداد کم ہوتی ہے۔ لیکن ایسی عوامی تحریکیں کامیابی سے ضرور ہم کنار ہوتی ہیں۔" انہوں نے کہا:

"پاکستان کے موجودہ حالات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ لمبا رستہ اختیار کیا جائے۔ ہمیں تجربے نے بتادیا ہے کہ جب ایسے مسائل درپیش ہوں جن سے عوام اور ملک کی تقدیر وابستہ ہو' آسان اور چھوٹا راستہ دراصل منزل سے آشنا نہیں کرتا بلکہ سراب کی نشاندہی کرتا ہے"۔

تاسیسی اجلاس دو دن تک جاری رہا۔ بھٹو پارٹی کے چیئرمین چن لئے گئے۔ اجلاس کے اختتام پر پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ذوالفقار علی بھٹو نے پیپلزپارٹی کے کسی بھی غیر ملکی طاقت سے تعلق کو بے بنیاد اور لغو قرار دیا۔ انہوں نے کہا:

"میں پاکستانی ہوں اور میں نے ہمیشہ پاکستان کے مفادات کو عزیز رکھا ہے۔ میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میرا کسی بیرونی ملک سے کوئی تعلق نہیں"

تاسیسی اجلاس کے دوران اپنے خطاب میں پیپلزپارٹی کے چیئرمین نے کئی اہم موضوعات پر اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی کے حوالے سے انہوں نے کہا:

"امریکہ کے ساتھ پاکستان کے تعلقات خراب ہونے کی اصل وجہ یہ

تھی کہ امریکہ کی بین الاقوامی پالیسی پاکستان کی پالیسی سے متصادم تھی اور قدرتی طور پر ہمیں پاکستان کے مفادات کو پیش نظر رکھنا تھا لیکن اس کا ہرگز مطلب یہ نہیں تھا کہ ہم اپنے قومی مفادات کو قربان کر دیتے۔

میرے زمانے میں افغانستان' رومانیہ' انڈونیشیا' چین' برما اور روس سے پاکستان کے تعلقات مضبوط ہوئے تھے۔

ویت نامی عوام کی جنگ آزادی ہماری جنگ آزادی ہے اور دنیا کے تمام محکوموں کے بنیادی حقوق کی ہم حمایت کریں گے۔ خواہ اس کے نتائج کچھ ہی کیوں نہ ہوں"۔

عوام کے سیاسی کردار کا تعین کرتے ہوئے پیپلز پارٹی کے رہنما نے کہا:

"عوام ایک دفعہ عوام پارٹی کے اصولوں کے لئے منظم ہو گئے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ملک کا مستقبل درخشاں نہ ہو' اینگلو امریکی بلاک اور بھارت کی دشمنانہ پالیسیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ عوام کو ان کے خلاف پوری طرح منظم کیا جائے اور پیپلز پارٹی اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے عوام کو انقلابی مجاہدین میں بدل دینا چاہتی ہے۔ یہاں ہر شخص کو فوجی تربیت دے کر اسلحہ سے لیس ہونا چاہیے تاکہ اگر آئندہ حملہ ہو تو ویت نام کے حریت پسندوں اور الجزائر کے مجاہدین کی طرح ہم دشمن کو نیست و نابود کر دیں لیکن جنگ کے باوجود حکومت نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی"۔

اس دور کے سیاسی نظام کے بارے میں بھٹو کی رائے تھی کہ:

"حکمران جماعت اپنے موجودہ طرز عمل اور استحصال سے قومی اتحاد کے مقصد کو کبھی حاصل نہ کر سکے گی۔

اسلام آباد میں دو چار بیورو کریٹ اصل کام چھوڑ کر سیاسی امور میں ناقابل برداشت حد تک دخل اندازی کر رہے ہیں اگر انہیں سیاست کا اتنا ہی شوق ہے تو وہ کیوں نہیں کوئی پارٹی بنا کر عوام کے سامنے آتے ایسے عناصر پاکستانی راسپوٹین ہیں اور میں انہیں تنبیہہ کرتا ہوں کہ اب بھی وقت ہے کہ وہ اپنا اصل کام کریں اور ملکی امور میں دخل دینا بند کر دیں"۔

مسئلہ کشمیر کے حوالے سے بھٹو نے کہا:

"حق خود اختیاری کے علاوہ کسی اور اصول پر مسئلہ کشمیر کا حل ہرگز قبول نہیں ہو گا یہ ایک افسوسناک بات ہے کہ اب بعض حلقوں میں کہا جا رہا ہے کہ کشمیر کے عالمی تنازعہ کو فی الحال ایک طرف رکھ کر پاکستان اور بھارت کے مابین ہونا چاہیے اس کے علاوہ موجودہ حکومت مسئلہ کشمیر کے متعلق اپنے سابقہ موقف سے ہٹ رہی ہے"۔

سوشلسٹ نظام کو زیر بحث لاتے ہوئے بھٹو نے کہا:

"پاکستان کو اس وقت جن سنگین مسائل کا سامنا ہے انہیں اس وقت تک حل نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک اس ملک میں اسلامی سوشلزم رائج نہیں کیا جاتا۔ یہی نظریہ پاکستان کی اساس ہے۔

جن نظریات اور اصولوں کی خاطر برصغیر نے قیام پاکستان کی خاطر بھاری قربانیاں دیں ان کو نظرانداز کیا جا رہا ہے عوام کو ان کے بنیادی سیاسی اقتصادی و سماجی حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے۔ یہ ملک دس کروڑ پاکستانیوں کا وطن ہے کسی فرد واحد کا نہیں ہے اس ملک کا اصل مالک عوام ہیں جنہیں اپنے مستقبل اور آنے والی نسل کے متعلق فیصلے کرنے کا حق ہے اس حق سے انہیں زیادہ مدت تک محروم نہیں رکھا جا سکتا۔ انہی نظریات کی بنیاد پر پیپلز پارٹی قائم کی جا رہی ہے۔

قوموں کی تقدیر کے فیصلے چند سیاسی جماعتیں یا فرد نہیں کرتے بلکہ عوام کرتے ہیں لیکن یہ کتنی بڑی بدقسمتی ہے کہ جن عوام نے یہ وطن ٹھوس اصولوں پر حاصل کیا تھا۔ انہیں آج بے شعور اور جاہل قرار دے کر بنیادی جمہوری حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے لہٰذا قومی وحدت و سالمیت کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ عوام پیپلز پارٹی کے پرچم تلے جمع ہو کر عوامی حاکمیت' جمہوری و بنیادی حقوق کی بحالی کے لئے بھرپور جدوجہد کریں معاشرے میں اقتصادی و سماجی عدل و انصاف کو رائج کریں۔ اسی صورت میں استحصال اور لوٹ کھسوٹ کا قلع قمع کیا جا سکتا ہے کیونکہ اگر ملک کے مزدور اور کسان کے حالات بہتر ہوں گے اقتصادی شعبہ میں اسلام کے ضابطہ حیات کے مطابق مساوات کا دور دورہ ہو گا تو یہ ملک بھی طاقتور اور خوشحال ہو گا بصورت دیگر عوام میں بڑھتی ہوئی موجودہ بے چینی اور اقتصادی ناہمواری کو دور کرنا ممکن نہیں سوشلسٹ نظام معیشت کے ذریعہ پیپلز پارٹی کا ہرگز مقصد یہ نہیں کہ طبقاتی کش مکش پیدا کی جائے لیکن عوام ہرگز اس امر کی اجازت نہیں دیں گے کہ چند گنے چنے افراد سیاسی اور اقتصادی شعبوں میں ان کے مالک بن جائیں۔

ہم نجی ملکیت کے خلاف نہیں ہیں لیکن اس شعبہ کو ہم سرکاری شعبہ کے تحت لانا چاہتے ہیں تاکہ قومی دولت میں ہم سب کو یکساں مواقع حاصل ہوں۔

ہم اب الوقت یا رجعت پسند نہیں ہیں۔ بلکہ سوشلسٹ ہیں اور ملک کے تمام عوام کو زندگی کے ہر شعبے میں ترقی و خوشحالی کے مساوی مواقع ملنے چاہئیں اور جو لوگ اس وقت لوٹ کھوٹ اور استحصال میں مصروف ہیں انہیں عوام کی دگرگوں حالت کی طرف توجہ دینے کی فرصت ہی نہیں"۔

پارٹی کے نومنتخب چیئرمین نے آزادی صحافت کو بھی اپنے خطاب میں جگہ دی۔ آزادی صحافت کی حمایت کرتے ہوئے بھٹو نے کہا:

ہم آزاد صحافت کے حامی ہیں کیونکہ جمہوریت اور اقتصادی و سماجی عدل و انصاف کو رائج کرنے کے لئے اخبارات اور کارکن صحافی بنیادی کردار ادا کر سکتے ہیں کیونکہ ان کا بنیادی نصب العین معاشرہ کو بہتر بنانے کے امکانات کی نشان دہی کرنا اور جماعتوں کی راہنمائی کرنا ہے لیکن عوام جانتے ہیں کہ کنٹرول پریس کی وجہ سے ملک و قوم کو کس قدر نقصان پہنچا ہے سرکاری اخبارات میں بعض صحافیوں کو حکومت کی مرضی کے خلاف عوامی

فلاح کی خبریں شائع کرنے پر ملازمتوں سے نکالا جا رہا ہے انہیں مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اپوزیشن کے نقطہ نگاہ کو توڑ مروڑ کر پیش کریں اور عوام کو حقائق سے باخبر ہونے دیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے تاسیسی اجلاس میں پچیس قراردادیں منظور ہوئیں اور دس بنیادی دستاویزات جاری کی گئیں۔ قراردادوں میں مسلح افواج اور مادر ملت کو خراج عقیدت کونشن کے انعقاد میں رکاوٹ ڈالنے والوں کی مذمت، کشمیر، آسام، فوجی معاہدات، ملکی دفاع، زمینداری اور جاگیرداری کے مسائل، صنعتی کارکنوں کے لئے مطالبات، عوامی حقوق کی بازیابی کے لئے اپوزیشن جماعتوں سے تعاون، ڈیفنس آف پاکستان رولز کے خاتمے، آزاد کشمیر میں جمہوریت، تعلیمی آزادی، ویت نام، مشرق وسطیٰ، تیسری دنیا کے استحکام، قبرص، پریس ٹرسٹ کے خاتمے، اقلیتوں کے حقوق اور پناہ گزینوں کی آباد کاری جیسے اہم مطالبات سے عبارت تھیں۔ بنیادی دستاویزوں میں پارٹی کے نام اور پرچم کے علاوہ ایک نئی پارٹی کیوں ٥ پاکستان میں سوشلزم کیوں ٥ بنیادی اصول، معیشت کے ارتقاء، اتحاد عوام کے اعلان، جموں و کشمیر، آسام سے خصوصی تعلقات رکھنے کی ضرورت اور شیخ مجیب کے چھ نکاتی فارمولے کے جواب جیسے موضوع شامل کئے گئے تھے۔

تفصیل کے لئے، اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں -- پاکستان پیپلز پارٹی کی بنیادی دستاویزیں -- دیکھیں۔

دسمبر 1967ء

2 دسمبر -- قومی اسمبلی میں مادر ملت کی تعزیت

قومی اسمبلی کے اجلاس میں مادر ملت کے انتقال کو ایک عظیم قومی سانحہ قرار دیا گیا۔ اسپیکر نے کہا کہ ان کے انتقال سے ملک آزادی کی ایک عظیم مجاہدہ سے محروم ہو گیا۔

3 دسمبر -- تاسیسی اجلاس کے بعد پیپلز پارٹی کا پہلا جلسہ عام منسوخ

تاسیسی اجلاس کے بعد 3 دسمبر کو لاہور میں جلسہ عام کا پروگرام بنایا گیا تھا۔ موچی دروازہ میں جلسہ کرنے کی باقاعدہ اجازت بھی حاصل کر لی گئی تھی لیکن لاہور میں دفعہ 144 نافذ کر دی گئی۔ بعد ازاں انتظامیہ نے شاہی قلعہ کی سیڑھیوں کے سامنے علی پارک میں جلسہ کرنے کی خصوصی اجازت دے دی۔

جلسہ کرنے کی اجازت تو دے دی گئی لیکن راتوں رات وہاں پانی سپلائی کرنے والے سینکڑوں پائپ رکھوا دیئے گئے۔ ٹرکوں کے ذریعے پوری گراؤنڈ میں بجری کے اونچے اونچے ڈھیر لگوا دیئے گئے۔ مختلف جگہوں پر خاردار تار بکھیر دیئے گئے۔ وہاں کوئی ایسا کونہ خالی نہ رہا جہاں اسٹیج بن سکے اور لوگ بیٹھ کر تقریر سن سکیں۔ بظاہر تو یہ تخریبی کارروائی ہو رہی تھی اور پس منظر میں ایوب خان کے ایک حواری نے شہر کے سرکردہ غنڈوں کو اپنے ہاں دعوت پر بلا کر بھٹو صاحب کے جلسہ کے درہم برہم کرنے کا منصوبہ بھی مکمل کر لیا گیا۔ غنڈوں کی متوقع کارروائی کی خبریں شہر میں دو دن پہلے ہی پھیل گئی تھیں۔ صبح جب چند لوگ اسٹیج بنانے کے لئے علی پارک میں پہنچے تو نقشہ بدلا ہوا دیکھ کر سکتے میں آ گئے۔ آس پاس سے انہیں گڑبڑ کی خبریں بھی سنائی دیں تو واپس انٹر کونٹیننٹل چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد پولیس کے مسلح دستے آنے شروع ہو گئے اور شاہی قلعے کی سیڑھیوں پر لوہے کی ٹوپیاں پہنے سپاہیوں کا ایک جم غفیر لگ گیا۔ یہ سپاہی دوسرے شہروں کے لگتے تھے اور شاید راتوں رات بلائے گئے تھے۔ جلسہ دو بجے شروع ہونا تھا اور لوگ بارہ بجے سے پہلے ہی وہاں جمع ہونے لگے تھے۔ مسلح پولیس اور وائرلیس کی گاڑیوں کی آمدورفت سے فضا ہیجان زدہ ہو گئی تھی۔

علی پارک میں دگرگوں صورت حال اور پارٹی کے اندر ایجنٹ قسم کے گروہ کی سوچی سمجھی پسپائی کے باوجود بھٹو صاحب نے جلسہ سے خطاب کرنے کا فیصلہ برقرار رکھا اور انہیں کہا کہ اگر گراؤنڈ میں سٹیج بنانے کی گنجائش نہیں تو قلعہ کی سیڑھیوں پر سٹیج بنائی جائے۔ جب کہ لیاقت علی خان شہید اور سردار عبدالرب نشتر بھی سیڑھیوں پر بنی ہوئی سٹیج سے تقریر کر چکے تھے۔ یہ لوگ واپس وہاں آئے اور سیڑھیوں پر سٹیج بنانے لگے تو پولیس حکام نے ممانعت کر دی۔ اس دوران علی پارک میں عوام کا زبردست ہجوم ہو گیا تھا اور حکومت کی اس حرکت پر شدید غم و غصہ کا اظہار کیا جا رہا تھا۔ ان کو ابھی تک معلوم نہیں تھا کہ جلسہ ہو گا یا نہیں اور پولیس کی بھاری جمعیت کو دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ اگر ان بندشوں اور دہشت زدگی کے باوجود بھٹو صاحب نے جلسہ کیا تو پولیس جس مقصد کے لئے آئی ہے اسے پورا کئے بغیر واپس نہیں جائے گی۔ جوں جوں ہجوم بڑھتا جا رہا تھا پولیس کے دستوں میں اضافہ ہو رہا تھا۔ عوام بھی اینٹوں پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ زندہ دلان لاہور نے پولیس پر "اوئے اوئے" کے فقرے چست کرنے شروع کر دیئے تھے۔ پولیس اور عوام کے درمیان تصادم کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ عوام کو اس کا بڑا غم تھا کہ حکومت نے جلسہ کرنے کے انتظامات کو ختم کر دیا تھا۔ دو گھنٹے بعد منتظمین نے جلسہ کی منسوخی کا اعلان کرتے ہوئے بتایا کہ بعض ناگزیر حالات کی وجہ سے جلسہ منسوخ کر دیا گیا ہے اور عنقریب جلسہ کی نئی تاریخ کا اعلان کیا جائے گا۔ لوگ جو جلسہ کی منسوخی کے پس پردہ کام کرنے والے عوامل جاننے کے لئے بے تاب تھے۔ وہ دل پر بوجھ لے کر گھروں کو واپس چلے گئے۔

دوسرے دن جب اخبارات چھپ کر بازار میں آئے تو خیبر سے لے کر چٹاگام تک ایک ہی لہجہ میں کہا گیا کہ عوام نے ایوب خان کے باغی کے خیالات کو سننے سے انکار کر دیا ہے۔ بھٹو کی مقبولیت کے غبارے سے ہوا نکل

گئی ہے۔ انہیں جلسہ گاہ کو خالی دیکھ کر جلسہ کی منسوخی کا اعلان کرنا پڑا ہے۔ آئندہ وہ کسی بھی شہر میں جلسہ کرنے کی جرات نہیں کریں گے۔

3 دسمبر— عوام انتشار پسندوں کی باتوں سے گمراہ نہیں ہو سکتے: ایوب

صدر ایوب نے مسلم لیگی کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ عوام انتشار پسندوں کی باتوں سے گمراہ نہیں ہو سکتے۔

4 دسمبر— انتخابی ادارے کے قانون کا ترمیمی بل

قومی اسمبلی میں انتخابی ادارے کے قانون میں ترمیمی بل پر مجلس قائمہ کی رپورٹ میں تجویز کیا گیا کہ جن لوگوں کو دو سال قید یا عمر قید دی گئی ہے انہیں انتخابی ادارے کی رکنیت کے لئے بدستور نااہل رکھا جائے گا۔

5 دسمبر— بھٹو کے دعووں کی قلعی کھل گئی: قاضی فضل اللہ

قاضی فضل اللہ نے ایک بیان میں کہا کہ لاہور کے جلسے عام کی ناکامی سے بھٹو کے دعووں کی قلعی کھل گئی ہے۔

5 دسمبر— جلسے کی منسوخی پر بھٹو کی پریس کانفرنس

لاہور کے جلسہ عام کی منسوخی کے سلسلے میں ذوالفقار علی بھٹو نے 5 دسمبر کو ایک پریس کانفرنس کا اہتمام کیا۔ انہوں نے جلسہ کی منسوخی پر تفصیل سے روشنی ڈالنے کے بعد کہا کہ "وہ جس عظیم مقصد کی خاطر جدوجہد کے میدان میں اترے ہیں' جلسہ کی منسوخ کرنے کے لئے حکومت نے جو حالات پیدا کئے' وہ بہت معمولی نوعیت کے ہیں اور جسے حکومت کے حواری اپنی بہت بڑی کامیابی قرار دے رہے ہیں' ایک عارضی چیز ہے۔ پیپلز پارٹی کو ان کی کوئی پروا نہیں ہے اور وہ عوام کی راہ میں بڑی سے بڑی مشکل کا سامنا کرنے سے دریغ نہیں کرے گی"۔

اپنی پریس کانفرنس میں بھٹو نے حکمرانوں کو چیلنج کیا کہ اگر اس میں ہمت اور جرات ہے تو ہنگامی حالات ختم کرے۔ ڈیفنس رولز آف پاکستان اور دفعہ 144 کے حفاظتی جنگلے سے باہر آکر سامنا کرے تو دنیا جان جائے گی کہ عوام کیا چاہتے ہیں اور کس کے ساتھ ہیں۔ آج لوگ ہمیں چیخ چیخ کر چیلنج دے رہے ہیں۔ انہیں وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔ وقت انہیں خود بتا دے گا کہ حق پر کون تھا۔

8 دسمبر— اسمبلیوں کی مخصوص نشستوں پر انتخاب

اسمبلیوں کی مخصوص نشستوں پر سابق صدر' گورنر اور وزراء کو منتخب ہونے کا حق بھی دے دیا گیا۔

9 دسمبر— پاکستان پیپلز پارٹی کا منشور

پیپلز پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو نے 9 دسمبر کو 70۔ کلفٹن سے پیپلز پارٹی کا 72 صفحات پر مبنی منشور جاری کر دیا۔ منشور پیش کرتے ہوئے انہوں نے پارٹی کی رکنیت سازی جلد ہی شروع کرنے کا اعلان کیا۔

منشور کا متن— پاکستان پیپلز پارٹی کا منشور— اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں۔

11 دسمبر— انتخابی ادارے کے ارکان میں اضافہ

انتخابی ادارے کے ارکان کی تعداد میں اضافہ کر دیا گیا۔ الیکشن کمیشن نے اعلان کیا کہ عام انتخابات سے قبل انتخابی حلقوں کی نئے سرے سے حد بندی کی جائے گی۔

12 دسمبر— حزب اختلاف کامیاب ہوئی تو ملک تباہ ہو جائے گا: ایوب خان

صدر ایوب خان نے منگلا کے مقام پر تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اگر حزب اختلاف کامیاب ہو گئی تو ملک تباہ ہو جائے گا۔

18 دسمبر— کشمیری رہنما چوہدری غلام عباس انتقال کر گئے

تحریک آزادی کشمیر کے ممتاز رہنما اور مسلم کانفرنس کے بانی چوہدری غلام عباس طویل علالت کے بعد راولپنڈی میں انتقال کر گئے۔ وہ 4 فروری 1904ء کو جموں میں پیدا ہوئے تھے۔ انہیں راولپنڈی (فیض آباد) میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

18 دسمبر— قاضی فضل اللہ کی بھٹو پر تنقید

مغربی پاکستان حکومت کے وزیر داخلہ قاضی فضل اللہ نے بھٹو کی ذات کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے ان پر کئی الزامات لگائے۔

19 دسمبر— قاضی فضل اللہ کو بھٹو کا جواب

قاضی فضل اللہ کے الزامات کے جواب میں بھٹو نے واضح کیا کہ ان کے خلاف تمام الزامات بے بنیاد ہیں۔ "وزیر داخلہ نے مجھ پر جو الزامات لگائے ہیں وہ لغو' مہمل اور قطعی غلط ہیں۔ میرے خلاف الزام لگایا گیا ہے کہ میں نے اپنی اراضی کاشت کرنے کے لئے ٹریکٹر کرایہ پر لئے جس کا میں مجاز نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں نے کبھی ایسا نہیں کیا۔ مجھ پر یہ الزام بھی "گندہ جھوٹ" ہے کہ میرے ٹرکوں میں چاول بھر کر راولپنڈی سمگل کیا گیا۔ حالانکہ میرے پاس کوئی ٹرک نہیں رہا اور نہ ہی میرے کسی عزیز کو اناج یا کوئی

دوسری شے' راولپنڈی یا کسی دوسری جگہ لے جاتے ہوئے روکا گیا تھا۔ رائس مل کے مینجر کی درخواست قبل از گرفتاری کا پس منظر یہ ہے کہ دوسرے باعزت افراد کی طرح اس بدقسمت شخص کو بھی قبل از گرفتاری داخل کرنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ تاکہ وہ اس خوف و دہشت کا نشانہ بننے سے محفوظ رہے جس کا شکار میرے دوسرے حامی بن گئے تھے۔ حالانکہ اس نے کوئی جرم ہی نہ کیا تھا۔ اسی وجہ سے متعدد دیگر ایڈووکیٹ اور زمیندار بھی یہ احتیاطی قدم اٹھانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ حکومت نے میرے اسلحہ کے لائسنس واپس لے کر میری زندگی خطرہ میں ڈال دی ہے۔ تاکہ مجھے ہر مسلح بدمعاش کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے قیام نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عوام ایسے وقت سیاسی مخالفت سے خوفزدہ نہیں ہوتے جب کہ ان کو ان کے مصائب کا احساس دلایا جائے۔ میری جماعت نے عوام کو آزادی کا راستہ دکھایا ہے۔ آزادی کا مطلب ان کے حقوق کی بحالی ہے جو عوام سے چھین لئے گئے ہیں"

19 دسمبر--- میاں نصیر احمد کا انتقال

مغربی پاکستان پبلک سروس کمیشن کے چیئرمین میاں نصیر احمد لاہور میں انتقال کر گئے۔

22 دسمبر--- طلبا سیاست سے الگ رہیں: کرمانی

احمد سعید کرمانی وزیر خزانہ حکومت مغربی پاکستان نے کہا کہ طلبا کو سیاست سے الگ رہ کر حصول تعلیم پر توجہ کرنی چاہیے۔

23 دسمبر--- جانسن کراچی میں

امریکی صدر لنڈن بی جانسن' ویت نام سے امریکہ واپس جاتے ہوئے کراچی رکے جہاں انہوں نے صدر ایوب سے اہم امور پر بات چیت کی۔ اگلے روز جو سرکاری اعلان جاری ہوا اس میں ویت نام میں جلد امن قائم ہونے کی توقع ظاہر کی گئی۔

جنوری 1968ء

2 جنوری--- شیخ عبداللہ کی رہائی

شیخ عبداللہ کو عید کے روز نئی دہلی میں رہا کر دیا گیا اور ان پر سے ساری پابندیاں ہٹالی گئیں۔ رہائی کے بعد شیخ عبداللہ نے نئی دہلی میں ایک پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ وہ مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے پھر سے اپنی کوششوں کا آغاز کر رہے ہیں۔

6 جنوری--- اگر تلہ سازش کا انکشاف

6 جنوری 1968ء کو ایوب خاں کی حکومت نے ایک سرکاری اعلان جاری کیا کہ ایک سازش پکڑی گئی ہے جس میں اٹھائیس افراد ملوث ہیں جو مشرقی پاکستان کو ملک سے الگ کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے اور ان میں سے بعض نے ڈھاکہ میں بھارتی ڈپلومیٹک مشن کے فرسٹ سیکرٹری مسٹر اوجھا کے ساتھ گٹھ جوڑ کر رکھا تھا اور بعض نے اگر تلہ میں جا کر لیفٹیننٹ کرنل مصرا' میجر مینن اور چند دیگر اشخاص کے ساتھ صلاح مشورہ بھی کیا تھا۔ ان کا مقصد بھاری مقدار میں اسلحہ' گولا بارود اور روپیہ فراہم کر کے اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانا تھا۔ حکومت پاکستان نے مسٹر اوجھا کو فوراً پاکستان چھوڑنے کا حکم دے دیا۔

10 جنوری--- تنازعہ کشمیر' کسی وقت بھی پاک' بھارت جنگ کا باعث بن سکتا ہے: شیخ عبداللہ

شیخ عبداللہ نے معاہدہ تاشقند کی دوسری سالگرہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ تنازعہ کشمیر کسی بھی وقت دونوں ملکوں کے درمیان جنگ کا باعث بن سکتا ہے۔ تقریب میں نئی دہلی میں متعین روسی سفیر کا شیخ عبداللہ سے تعارف بھی کروایا گیا۔

10-17 جنوری--- مارشل ٹیٹو کا دورہ پاکستان

یوگوسلاویہ کے صدر مارشل ٹیٹو' پاکستان کے دورے پر راولپنڈی پہنچے۔ 15 جنوری کو وہ ڈھاکہ گئے۔ 17 جنوری کو ایک مشترکہ اعلامیہ میں کہا گیا کہ پاکستان اور بھارت اپنے تنازعات کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق حل کریں دونوں ملکوں نے ہر شعبہ میں تعاون کا دائرہ وسیع کرنے پر بھی زور دیا۔

10 جنوری--- چوہدری بہاول خان ناگرہ انتقال کر گئے

جماعت اسلامی کی مرکزی شوریٰ کے رکن چوہدری بہاول خان ناگرہ انتقال کر گئے۔

11 جنوری--- مہر محمد صادق کا انتقال

امداد باہمی کے سابق نائب وزیر اور خاکساروں کے مشہور مقدمہ کے وکیل مہر محمد صادق کا لائلپور (فیصل آباد) میں انتقال ہو گیا۔

13 جنوری--- عام انتخابات ستمبر 1969ء میں ہوں گے

الیکشن کمیشن نے اعلان کیا کہ آئندہ عام انتخابات ستمبر 1969ء میں منعقد کئے جائیں گے۔ اور یکم اکتوبر 1968ء کو 21 سال کی عمر تک پہنچنے والے ووٹ دینے کے اہل ہوں گے۔

16 جنوری --- الطاف گوہر کا نیا عہدہ

اطلاعات کے مرکزی سیکرٹری الطاف گوہر کو قومی' یکجہتی کونسل کا چیئرمین بنادیا گیا

17 جنوری --- بھٹو کے جلسہ ملتان پر دھاوا

ایوب خاں کی حکومت ذوالفقار علی بھٹو کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور پاکستان پیپلز پارٹی سے لوگوں کی وابستگی سے اب خوف کھانے لگی تھی۔ چنانچہ جب 17 جنوری 1968ء کو عوامی رابطہ مہم کے سلسلے میں ذوالفقار علی بھٹو ملتان آئے اور خاں عبدالحلیم خاں بابر کی طرف سے دیئے گئے استقبالیہ میں شرکت کے لئے مقامی ہوٹل شیزان پہنچے تو ان سے پہلے ہی وہاں کرائے کے مزدوروں کا ایک گروہ جمع تھا جن کے ہاتھوں میں کالی جھنڈیاں تھیں اور جو ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف نعرے لگا رہے تھے اس صورت حال کو دیکھ کر استقبالیہ کے منتظمین نے ذوالفقار علی بھٹو کو دوسرے راستے سے شیزان میں پہنچایا۔ مگر جب مظاہرین کو پتہ چلا تو انہوں نے شیزان کے دروازے پر دھاوا بول دیا اور خشت باری شروع کر دی جس سے شیزان کے بڑے دروازے کے شیشے ٹوٹ گئے۔ مظاہرین اندر گھسنا چاہتے تھے جس پر ذوالفقار علی بھٹو کے حامیوں اور کالج کے طلبہ نے جوابی دھاوا بول دیا۔ مظاہرین کی خشت باری کے جواب میں خشت باری شروع ہوئی تو مظاہرین غائب ہو گئے۔ جب بعد ازاں پولیس وہاں پہنچی تو کچہری روڈ' اینٹوں' روڑوں اور ڈھیلوں سے بھری پڑی تھی۔

اس استقبالیہ میں ذوالفقار علی بھٹو نے لوگوں کو بتلایا کہ میں قیادت کو اپنا حق نہیں سمجھتا مگر ایک سیاسی کارکن کی حیثیت سے ملک کے لئے کام کرنا میرا فرض ہے اور مجھے کسی قسم کا لالچ یا خوف اس سے باز نہیں رکھ سکتا۔ آج ملک میں رشوت ستانی کی لعنت بڑھ گئی ہے قیمتیں چڑھ گئی ہیں۔ غریب غریب تر ہوتا جا رہا ہے اور غیر ملکی قرضوں نے ہمارے ملک کی کمر توڑ دی ہے۔ اس وقت میرے خلاف جو مظاہرہ کروایا گیا ہے وہ انتہائی افسوسناک ہے۔ کرایہ کے آدمیوں کو لا کر غنڈہ گردی کروانا سیاست کو گندا کرنا ہے۔

18 جنوری --- بھٹو کا خانیوال بار ایسوسی ایشن سے خطاب

رابطہ عوام مہم کے سلسلے میں بھٹو کو 8 جنوری 1967ء کو خانیوال بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرنا تھا۔ اس دورہ میں ڈاکٹر مبشر' اسلم گورداسپوری اور مصطفیٰ کھر ان کے ہمسفروں میں سب سے زیادہ نمایاں تھے۔ قائد عوام صبح ہی صبح خانیوال جانے کے لئے ملتان سے روانہ ہوئے۔ راستے میں قادر پور رواں کے قریب دو درجن غنڈوں نے چیئرمین بھٹو اور ان کے ساتھیوں کی کاروں کو زبردستی روک لیا۔ غنڈوں نے انہیں دیکھتے ہی خنجر' کلہاڑیاں اور لوہے کی سلاخیں لہرائیں اور قتل کر دو' مار دو' زندہ نہ جانے پائے کے نعرے لگانے لگے۔ انہوں نے چاقوؤں سے کاروں کے ٹائر پھاڑ دیئے۔ چیئرمین بھٹو یہ صورت حال دیکھ کر کار سے باہر نکلے۔ انہوں نے دیکھا کہ قریب ہی پولیس کا ایک دستہ ایک پولیس انسپکٹر کی سرکردگی میں تماشائی بنا کھڑا تھا اور غنڈے بڑھ بڑھ کر حملہ کر رہے تھے' للکار رہے تھے۔ چیئرمین بھٹو نے پولیس انسپکٹر کو اس کی تماشائی حیثیت پر شرم دلائی اور ایک دوسری کار میں جسے مصطفیٰ کھر چلا رہے تھے۔ بڑی مشکل سے ایک طویل اور دشوار گزار راستہ سے خانیوال پہنچے۔ خانیوال پہنچ کر چیئرمین نے بے شرم انتظامیہ کو اس مذموم واقعے سے مطلع کیا اور وکیلوں سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا۔

"میں نے پیپلز پارٹی قائم کرنے سے پہلے تمام سیاسی شخصیتوں سے مذاکرات کئے تھے۔ میں ان سیاسی شخصیتوں کا احترام کرتا ہوں۔ کونسل لیگ انتشار کا شکار ہے۔ نیشنل عوامی پارٹی اپنے آپ کو ترقی پسند کہتی ہے لیکن وہ دوسرے ممالک کے نقطہ کو پیش کرتی ہے مگر ہمیں ایسی پارٹی کی ضرورت ہے جو پاکستان کے تحفظ و سلامتی' اپنی ثقافت اور اپنے حالات کو پیش نظر رکھے اور قومی و ملکی مسائل حل کرنے کے لئے جدید تقاضوں کے مطابق اس کا مقصد اقتصادی و سیاسی پروگرام پیش کرنا ہو"۔

بھٹو نے اپنے طویل خطاب میں استحصالی نظام کے خاتمے' سوشلزم کی ضرورت اور سیاسی نظام کی خامیوں کے بارے میں اظہار خیال کی۔ بھٹو نے کہا:

"ہمارا ایمان ہے کہ سوشلزم' ہماری ثقافت' ہمارے نظریے' اور ہمارے عقائد کو عوام کی رضا کے آزادانہ اظہار کے ذریعے ہی متشکل کیا جا سکتا ہے۔ یہ چیز جمہوریت کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمہوریت ہماری سیاست ہے"۔

بنیادی جمہوریت کے ارکان اس ملک کے برہمن ہیں یہ ملک برہمنوں کا قائل نہیں۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ بنیادی جمہوریتوں کا نظام نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن یہ بلدیاتی خود انتظامی اور اپنی مدد آپ کے لئے ہونا چاہیے۔ اسے انتخابی ادارہ نہیں ہونا چاہیے۔ انتخابی ادارہ کے طور پر یہ اخلاقی بگاڑ ہی پیدا کرتا ہے۔ اس سے بدعنوانیاں پیدا ہوتی ہیں۔

سیاست معروضی علم ہے۔ یہ ریاضی کی مانند ہے۔ یہ خبطی طریقے سے نہیں چلتی۔ یہ کسی آمر کی خواہشات یا خاص لوگوں کی خواہشات کے مطابق نہیں چلتی۔ اس کے اپنے قوانین ہیں اور اگر آپ قانون کا مطالعہ کریں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ کچھ بنیادی باتیں ہوتی ہیں جن کے حصول کے لئے جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ یہ داخلی خواہشات اور آرزوؤں کے ذریعے حاصل نہیں ہوتیں۔ آپ نے اگر تلہ کے بارے میں پڑھا ہے۔ دو دن ہوئے میں نے وزارت خارجہ کے سیکرٹری کو ایک خط لکھا تھا اور بتایا تھا کہ حکومت ایسی پالیسی پر عمل کر رہی ہے جس سے بھارت کو شہ ملے گی اور وہ پاکستان کو

ٹکڑے کو ٹکڑے کرنے پر مزید کمربستہ ہو جائے گا۔ میں نے لکھا تھا کہ ہم پسپائی اختیار کر رہے ہیں۔ ہمیں ہمیشہ پہل کرنی چاہیے۔

کہا جاتا ہے کہ میں پاکستان کے نوجوانوں اور طلباء کی برادری کو ورغلا رہا ہوں۔ کسی طریقہ سے ہم نے طلباء برادری کو کبھی یہ کہا کہ وہ منفی طریقے اختیار کریں اور تخریب پر اتر آئیں" میں نے جب کبھی طلباء برادری سے خطاب کیا ہے ہمیشہ مثبت طرز فکر اختیار کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے ہمیشہ وہ نصیحت کی ہے جو میرے دل سے نکلی ہے کیونکہ یہ پاکستان کی نئی نسل ہے اور اگر میں نے ان کے خیالات کو منظم کیا ہے' اگر میں نے داخلی طور پر اور قوموں کی برادری میں پاکستان کے وقار کو بلند رکھا ہے تو پاکستان کے نوجوانوں کو کیوں اس بات کی سزا دی جا رہی ہے"

18 جنوری۔۔۔ پر امن حل تلاش کر لیا جائے گا

پاک' بھارت مشترکہ اعلان میں کہا گیا کہ دونوں ملکوں کے درمیان پر امن حل تلاش کر لیا جائے گا۔

19 جنوری۔۔۔ انتخابات آزادانہ ہوں گے: چیف الیکشن کمشنر

چیف الیکشن کمشنر نے ایک اعلان میں کہا کہ آئندہ انتخابات آزادانہ ہوں گے۔

19 جنوری۔۔۔ بھٹو کا ملتان بار ایسوسی ایشن سے خطاب

ملتان بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے بھٹو نے کہا کہ مغربی ممالک' پاکستان اور بھارت کے مابین دوستی کے رشتے استوار کرنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں۔ ایک تجویز یہ بھی ہے کہ وادی کشمیر کو آزاد اور مشترکہ رکھا جائے اور مشترکہ علاقہ میں دونوں ملکوں کے لوگ ویزے کے بغیر آ جا سکیں۔ یہ ایک خطرناک چال ہے جس سے نظریہ پاکستان کی نفی ہوتی ہے۔

وکلاء نے ان سے بعض سوالات بھی کئے جن میں رجعت پسندوں اور حکومت کے ارکان کی اس نکتہ چینی پر روشنی ڈالنے کے لئے کہا کہ اسلامی سوشلزم ایک غیر ملکی نظریہ ہے۔ چیئرمین بھٹو نے واشگاف الفاظ میں انہیں یقین دلایا کہ۔

"اسلام ہمارا عقیدہ ہے۔ اس کے لئے ہم زندگی بھی قربان کر سکتے ہیں اگر کوئی پارٹی اسلامی اصولوں پر استوار ہو گی تو وہ پاکستان کے تقاضوں کو پورا نہ کر سکے گی۔

بانی پاکستان حضرت قائداعظمؒ اور مفکر پاکستان علامہ اقبالؒ اسلام اور سوشلزم کو ہم آہنگ کرنا چاہتے تھے۔ اسلام ہمارا عقیدہ ہے۔ سوشلزم ایک اقتصادی نظام ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ اسلام کو اپناتے ہوئے اس نظام کی ترویج نہ ہو سکے۔ سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے عوام استحصال کا شکار ہیں۔ وہ مصیبت میں مبتلا ہیں۔ موجودہ نظام نہ آمرانہ ہے نہ جمہوری۔ یہ مطعونی نظام ہے جو ہمارے جذبات کی ترجمانی نہیں کر سکتا۔ ہمیں ایک ٹھوس اور واضح نصب العین کی ضرورت ہے۔

19 جنوری۔۔۔ ملتان کے جلسہ عام پر غنڈوں کا حملہ

بھٹو نے ملتان کے قاسم باغ میں جلسہ عام سے خطاب کرنا تھا لیکن حکومت کے بھیجے ہوئے غنڈوں کی ہلڑبازی کے باعث کئی افراد زخمی ہو گئے۔ جونہی ذوالفقار علی بھٹو تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے جلسہ گاہ میں تیس چالیس افراد نے ہلڑبازی کا مظاہرہ شروع کر دیا۔ لوگوں نے جب ان پر قابو پا لیا تو پانچ چھ افراد نے ہاتھ بھر لمبی چھریاں نکال لیں اور انہیں لہرا لہرا کر لوگوں کو ڈرانے لگے اور ایک شخص کو چھری سے مجروح کر دیا۔ اس پر افراتفری مچ گئی۔ جلسہ گاہ میں موجود لوگوں میں سے کچھ افراد نے کرسیاں اٹھا کر چھریوں والے افراد پر حملہ کر دیا۔ کرسیاں لگنے سے ان میں سے دو افراد گر گئے اور باقی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ لوگوں نے انہیں مار مار کر بری طرح مجروح کر دیا اور ٹانگوں سے گھسیٹ کر جلسہ گاہ سے باہر نکال دیا۔ اس دوران لوگوں کی کثیر تعداد نے سٹیج کے اردگرد حلقہ باندھے رکھا تاکہ ہلڑباز اس طرف نہ بڑھ سکیں۔ افراتفری اور ہلڑبازی کے مظاہرے کے دوران نامعلوم افراد نے کچھ ہوائی فائر بھی کئے۔ مجروحین میں بار ایسوسی ایشن ملتان کے نائب صدر شیخ خضر حیات اور جماعت اسلامی ملتان شاخ کے جنرل سیکرٹری مسٹر عقیل صدیقی بھی شامل تھے۔

20-21 جنوری۔۔۔ رابطہ عوام مہم کے باقی جلسے

20 جنوری۔ ملتان کے پارٹی ورکروں سے خطاب کرتے ہوئے بھٹو نے کونشن لیگ کو "پرمٹ لیگ" کا نام دیا۔

21 جنوری۔ ساہیوال کے جلسہ عام میں کہا کہ وہ ہر قیمت پر عوام کے چھنے ہوئے حقوق کی بازیابی اور جمہوریت کی بحالی کے لئے جدوجہد جاری رکھیں گے۔

جھنگ میں کہا کہ موجودہ سیاسی نظام نے دس کروڑ عوام کو ذہنی مریض بنا دیا ہے۔

22 جنوری۔ سرگودھا بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے بھٹو نے کہا کہ ملک میں بنیادی حقوق' سلامتی اور انصاف کے حصول کے لئے آئینی ذرائع مسدود ہوتے جا رہے ہیں۔ قانون کو مختلف آرڈیننسوں اور ترمیموں کے ذریعے مسخ کر دیا گیا۔ طلباء مزدور اور کسان' بڑے زمینداروں' سرمایہ داروں اور افسر شاہی کے ہاتھوں نالاں ہیں۔

23 جنوری۔ سرگودھا میں ایک جلسہ عام میں عوام نے انہیں ایک خوبصورت لالٹین کا تحفہ دیتے ہوئے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ ان کی قیادت

میں جمہوریت کی شمع روشن کرنے کے لئے سب کچھ قربان کر دیں گے۔ بھٹو نے جواب میں کہا کہ وہ جمہوریت کی بحالی اور عوام کی خوشحالی کے لئے اپنا خون تک بہانے کو تیار ہیں۔

24 جنوری۔ چوہڑ کانہ میں بھٹو نے کہا کہ پیپلز پارٹی قائداعظم کے اسلامی سوشلزم کے نظریے کی داعی ہے۔ اسی جلسے میں شیخ محمد رشید ایڈووکیٹ نے اعلان کیا کہ کسان کمیٹی اور پیپلز پارٹی کا پروگرام ایک ہے اس لئے کسان کمیٹی نے پیپلز پارٹی کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

25 جنوری۔ لائلپور بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے بھٹو نے کہا کہ پیشہ کے لحاظ سے قانون دان قوم کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اس لئے ان پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ آزادی کے تحفظ اور قومی معیشت کے استحکام کے لئے انتھک جدوجہد کریں اور ایسے سیاسی کارکنوں کا ساتھ دیں جو ملک کو سرمایہ داری کے استحصال اور نوکر شاہی کے تسلط سے نجات دلانے کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔

26 جنوری۔ لائلپور کے جلسہ عام میں شدید بارش کے باوجود عوام بہت بڑی تعداد میں بھٹو کو سننے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے کوٹ کے بغیر ہزاروں لوگوں کو بارش میں بھیگتے ہوئے دیکھا تو اپنا کوٹ یہ کہہ کر اتار کر پھینک دیا کہ جب میرے عوام کوٹ کے بغیر بارش میں بھیگ رہے ہیں تو اس وقت میں بھی کوٹ نہیں پہنوں گا۔ اس جلسہ میں چیئرمین بھٹو نے ایک طویل تقریر کی۔ انہوں نے برسر اقتدار ٹولہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے عوام کی خدمت کی ہے اور آئندہ بھی عوام کے شانہ بشانہ عوام کی خدمت کروں گا ہم عوام کے سارے حقوق دلا کر آرام کریں گے۔ کوئی طاقت ہمارے ارادوں کو بدل نہیں سکتی مجھے جذباتی کہا جاتا ہے لیکن میں جذباتی نہیں غیرت مند ہوں"۔

27 جنوری۔ گجرات بار ایسوسی ایشن سے خطاب کیا۔

28 جنوری۔ لاہور کے موچی دروازے کے جلسہ عام میں شدید سردی اور بارش کے باوجود ہزاروں کی تعداد میں لوگ انہیں سننے آئے تھے۔ بارش تیز ہوئی تو قریب کھڑے ایک عقیدت مند نے بھٹو پر چھتری تان دی لیکن انہیں نے جھٹکتے ہوئے کہا "قوم بارش میں کھڑی ہے اور میں عوام سے مختلف نہیں ہوں"۔ اپنی تقریر میں بھٹو نے کہا:

○ ہم اسلامی سوشلزم چاہتے ہیں جس میں خوف خدا کے ساتھ انسانوں کو معیشت، صحت، تعلیم اور رہائش کی ضمانت ہو۔

○ لاہور انصاف کا مرکز ہے۔ ہم تحریر و تقریر کی آزادی چاہتے ہیں۔ ہم تشدد پسندوں کے سامنے جھکنے سے انکار کرتے ہیں اور اس کے خلاف جدوجہد کا عزم کر چکے ہیں۔

○ ہمیں ہندوستان کا نقشہ نہ دکھاؤ ہم نے ہندوستان کا دل دیکھا ہوا ہے

○ عوام کی آواز پر کان دھرو، عوام کی آواز اللہ کی آواز ہے۔

○ اسلام پاکستان کے نظریے کی اساس ہے اور یہ بنی نوع انسان کی فلاح کے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات رکھتا ہے جس سے انحراف کسی صورت برداشت نہیں کیا جائے گا۔

○ اب گھروں سے نکلنے اور کام کرنے کا مرحلہ ہے۔ اس وقت نظریہ پاکستان کو مخلص اور مستعد کارکنوں کی ضرورت ہے۔

29 جنوری۔ گلبرگ لاہور میں پیپلز پارٹی کے شعبہ خواتین سے خطاب کرتے ہوئے بھٹو نے پھر کہا کہ اسلام ہمارا مذہب، سوشلزم ہماری معیشت اور جمہوریت ہماری سیاست ہے۔ اسلام اور سوشلزم میں کوئی تضاد نہیں۔

20 جنوری۔۔۔ حیدر بخش جتوئی کی رہائی

سپریم کورٹ کے حکم پر ہاری رہنما حیدر بخش جتوئی رہا کر دیئے گئے۔

25 جنوری۔۔۔ کوسیگن کا دورہ بھارت اور مسئلہ کشمیر

کوسیگن نے اپنے دورہ بھارت میں کشمیر کے مسئلے پر بات چیت کی جو ناکام ہو گئی۔ اسی لئے ہندوستانی حکومت نے شیخ عبداللہ کو بھی کوسیگن سے ملنے کی اجازت نہ دی۔ ان مذاکرات کی ناکامی کے بعد پاکستان کے وزیر تجارت نوابزادہ عبدالغفور اور پاکستان کے ہائی کمشنر ارشد حسین نے شیخ عبداللہ سے ملاقات کی کشمیری رہنما نے پاکستانی لیڈروں کو یقین دلایا کہ پاکستان کی عملی شرکت کے بغیر کشمیر کے تصفیے سے متعلق کوئی اقدام نہیں کیا جائے گا۔

26 جنوری۔۔۔ یکم فروری۔۔۔ اردن کے شاہ حسین کا دورہ پاکستان

اردن کے شاہ حسین پاکستان کے دورے پر راولپنڈی پہنچے۔ ان کے اعزاز میں صدر ایوب نے دعوت دی اور کہا کہ پاکستان بیت المقدس پر یہودی قبضے کو تسلیم نہیں کرتا۔ اگلے روز انہوں نے اعلان کیا کہ پاکستان اردن کے دفاع کو مضبوط بنانے کے لئے ہر ممکن مدد دے گا۔ جواب میں اردن نے بھی پاکستان کا ساتھ دینے کا اعلان کیا۔ 29 جنوری کو شاہ حسین لاہور پہنچے۔ 31 جنوری کو وہ کراچی پہنچے جہاں یکم فروری کو انہوں نے کہا کہ قائداعظم نے پاکستان قائم کر کے اسلام کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔

29 جنوری۔۔۔ ایوب خان کی طویل علالت

صدر ایوب خان شدید علیل ہو گئے جس کے نتیجے میں انہیں دو ماہ تک صاحب فراش رہنا پڑا۔ سرکاری اطلاع کے مطابق انہیں انفلوئنزا ہوا تھا۔

30 جنوری۔۔۔ اسلام اور سوشلزم دو الگ نظام ہیں: مولانا کوثر

نیازی

مولانا کوثر نیازی نے بھٹو کے بیان پر رد عمل ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ سوشلزم کی حمایت میں پیغمبر اسلامؐ کے نام کا استعمال افسوسناک گستاخی ہے۔ اسلام اور سوشلزم دو الگ نظام ہیں۔

فروری 1968ء

6 فروری --- صدر ایوب کو نمونیہ ہو گیا

اخبارات نے اطلاع دی کہ صدر ایوب کو نمونیہ ہو گیا ہے اور ڈاکٹروں نے انہیں چند ہفتے آرام کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

7 فروری --- پاکستان میں معاشی انقلاب برپا ہو گیا ہے: جنرل موسیٰ

مغربی پاکستان کے گورنر مسٹر محمد موسیٰ نے ہفتہ زرعی اصلاحات کے موقع پر کہا کہ زرعی اصلاحات سے پاکستان میں معاشی انقلاب برپا ہو گیا ہے۔ ایک روز قبل مغربی پاکستان کے وزیر خوراک ملک خدا بخش نے دعویٰ کیا کہ ان اصلاحات کے باعث دو لاکھ مزارعے زمینوں کے مالک بن گئے ہیں۔

10 فروری --- محمد ہاشم گزدر انتقال کر گئے

ممتاز سیاستدان اور پارلیمنٹیرین محمد ہاشم گزدر 10 فروری کو کراچی میں انتقال کر گئے۔ وہ یکم فروری 1893ء کو جیسلمیر میں پیدا ہوئے تھے۔

15 فروری --- تنازعہ کشمیر کے حل کے بغیر بھارت سے تجارت نہیں ہو سکتی: ہوتی

وزیر تجارت عبدالغفور ہوتی نے ایک بیان میں کہا کہ مسئلہ کشمیر کو حل کئے بغیر بھارت سے تجارت بحال نہیں ہو سکتی۔

18 فروری --- صدر ایوب کو افاقہ

سرکاری طور پر اخبارات کو تصویریں جاری کی گئیں جن میں صدر ایوب گاؤن پہنے گورنر موسیٰ سے باتیں کر رہے تھے۔

21 فروری --- رن کچھ ٹریبونل کے فیصلے کی پابندی کی جائے گی: صدارتی کابینہ

صدارتی کابینہ نے اپنے ایک فیصلے میں اعلان کیا کہ رن کچھ ٹریبونل کے فیصلے کی پابندی کی جائے گی۔

فروری - 15 مارچ --- بھٹو سندھ میں

رابطہ عوام مہم کے سلسلہ میں بھٹو نے فروری اور مارچ کا آدھا مہینہ سندھ کے مختلف شہروں کا دورہ کرتے ہوئے گزارے۔ انہوں نے جلسوں، محدود میٹنگوں اور بار ایسوسی ایشنوں کے اجتماعات میں پاکستان کے داخلی اور خارجی مسائل پر اپنا نقطہ نظر کھل کر بیان کیا۔

17 فروری- بھٹو نے حیدر آباد میں میر رسول بخش تالپور کی اقامت گاہ پر پارٹی کارکنوں کو تلقین کی کہ اب کام کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ عوام کے دلوں سے ڈر اور خوف نکال دینا چاہیے۔

25 فروری- نواب شاہ میں دفعہ 144 کے باعث بھٹو جلسہ عام سے خطاب نہ کر سکے۔ بار سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ان کے اور عوام کے درمیان دفعہ 144 کی یہ دیوار جلد ہی ٹوٹ جائے گی۔

جیکب آباد میں بھی انہیں جلسہ کرنے کی اجازت نہ ملی سکرنڈ، قاضی مورو اور للیاٹن سے ہوتے ہوئے بھٹو، دریائے سندھ عبور کر کے دادو پہنچے۔

یکم مارچ- دادو کے جلسہ عام میں بھٹو نے دو گھنٹے تک خطاب کیا۔ عوام نے عہد کیا کہ وہ پیپلز پارٹی کا پیغام گھر گھر پہنچا دیں گے۔

لاڑکانہ میں، انہیں عبدالوحید کٹپر، صدر بار ایسوسی ایشن لاڑکانہ نے سپاسنامہ پیش کیا۔ 16 مارچ کو بھٹو دوبارہ لاہور پہنچ گئے۔

28 فروری --- صدر ایوب صحت یاب ہو گئے

ایک طویل عرصہ تک صاحب فراش رہنے کے بعد صدر ایوب کے صحت یاب ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ جنوری 1968ء میں وہ شدید بیمار پڑے۔ افواہوں کے مطابق دو بار دل کا دورہ پڑا اور وہ اپنی حکومت سے بالکل کٹ گئے... قصر صدارت اب کمانڈر انچیف یحییٰ خان کے عملی گھیرے میں تھا۔ فوجی کمانڈر نے صدارتی محل پر ایک نجی چوکی بٹھا دی تاکہ پل پل کی خبر رہے۔ اس کی ہدایت کے مطابق "لب مرگ" صدر کا اس کے فوجی اور غیر فوجی ساتھیوں کے ساتھ رابطہ ختم ہو گیا۔ فوجی عملے کے چند مخصوص افراد کے علاوہ کسی اور شخص کو ایوان صدر میں داخل ہونے کی اجازت بالکل نہ تھی... ان دنوں یہ خیال عام تھا کہ شاید راتوں رات کسی نوعیت کا ہنگامی انقلاب برپا ہو چکا ہے اور اب صدر ایوب معزول ہو کر ایوان صدر میں محبوس یا مقتول پڑے ہیں۔ قدرت اللہ شہاب لکھتے ہیں کہ اس روز صبح سویرے ایوان صدر کا ایک ڈرائیور محفوظ علی میرے پاس آیا... اس روز وہ گھبرایا ہوا اور کسی قدر پریشان نظر آ رہا تھا۔ اس نے نہایت رازداری سے مجھے بتایا کہ رات بھر ایوان صدر میں قیامت کا سا سماں بندھا رہا ہے۔ بیگم ایوب سمیت سب بیٹے

اور بیٹیاں غمگین' پریشان اور گم سم ہیں۔ ڈاکٹروں کے آنے جانے کا تانتا بندھا ہوا ہے... چار دیواری کے سارے گیٹ بند کرکے قفل چڑھادیئے گئے ہیں۔ جنرل موسیٰ اور ایڈمرل اے آر خان بار بار آکر کچھ کھسر پھسر کرتے ہیں۔ صاحب ہمیں تو یہ بھی یقین نہیں کہ صدر ایوب زندہ ہیں یا مرچکے یا مار ڈالے گئے ہیں۔ ہاں ہم یہ ضرور دیکھتے ہیں کہ صدر کے مکان پر اب چیف صاحب کا قبضہ ہے۔ بعد ازاں ساری افواہیں بے بنیاد ثابت ہوئیں۔ ایوب خان شدید علیل تھے اور یحییٰ خان اقتدار پر قبضہ کرنے کے لئے کسی لمحے کو بھی ہاتھ سے جانے نہ دے رہا تھا۔ ان کی بیماری دنوں سے ہفتوں پر پھیل گئی تھی۔ اگرچہ 28 فروری کو ان کی صحت یابی کا اعلان کیا گیا لیکن بیماری کا سلسلہ مارچ میں بھی چلتا رہا اور بعض روایات کے مطابق 23 مارچ کی سلامی' صدر ایوب کی جگہ ایڈمرل اے آر خان نے لی۔ جس آئین کے تحت انہوں نے صدر کا حلف اٹھایا تھا اس میں صاف طور پر درج تھا کہ بیماری کی صورت میں اگر صدر اپنے فرائض ادا کرنے سے معذور ہو جائے تو قومی اسمبلی کے اسپیکر عبدالجبار خان کو ان کے فرائض ادا نہ کرنے دیئے گئے۔

مارچ 1968ء

یکم مارچ --- صدر نے قوم سے خطاب کیا

صحت یابی کے بعد صدر ایوب نے مہینے کی پہلی تاریخ کو ریڈیو اور ٹیلیویژن پر قوم سے خطاب کیا۔ وہ پانچ منٹ تک اردو میں بولے۔ صدر کمزور اور بوڑھے دکھائی دے رہے تھے۔

3 مارچ --- دفعہ 144 ختم کی جائے: مولانا مودودی دولتانہ

ایوب خاں کی حکومت نے ملک میں جو جلسے جلوسوں پر پابندیاں لگادی تھیں اس کے خلاف سارے ملک میں شدید رد عمل ظاہر ہو رہا تھا۔ 4 مارچ 1968ء کو اخبارات میں میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ اور مولانا مودودی کا ایک بیان شائع ہوا جس میں ان دونوں معروف سیاستدانوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ ملک کے مختلف حصوں میں دفعہ 144 کے تحت جلوسوں پر پابندیاں ختم کی جائیں۔ دفعہ 144 کا نفاذ جمہوریت کے سراسر منافی ہے۔ ملک کے تمام حصوں سے دفعہ 144 ہٹالینی چاہیے۔ تاکہ 23 مارچ کو یوم جمہوریہ عوامی سطح پر شایان شان طریق سے منایا جاسکے۔ سرکاری حلقوں کی طرف سے بار بار یہ کہا جاتا ہے کہ ملک میں کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں اور عوام کو تحریر و تقریر کی کامل آزادی ہے۔ اس کے برعکس مغربی پاکستان کے متعدد شہروں میں دفعہ 144 نافذ ہے اور یہ بات انتہائی باعث شرم ہے کہ یوم جمہوریہ کو چند دن رہ گئے ہیں لیکن ابھی تک یہ دفعہ 144 متعدد شہروں پر مسلط ہے۔ اس وقت دفعہ 144 کا بے تحاشا استعمال جس طرح ہو رہا ہے اس کی نظیر نہ کبھی تقسیم ہند سے قبل کے بدترین دور استعمار میں دیکھی گئی تھی اور نہ ان سیاست دانوں کے دور حکومت میں جنہیں رات دن کوسا جاتا ہے۔ انہیں آخر وہ بدامنی کہاں نظر آتی ہے جو ان کے سوا ملک کے کسی باشندے کو نظر نہیں آتی۔ اصل یوں معلوم ہوتا ہے کہ دفعہ 144 کا مقصد کسی واقعی یا امکانی بدامنی کو روکنا نہیں ہے۔ بلکہ ملک کے اندر آئینی جدوجہد کے تمام راستوں کو بند کرنا ہے جس سے زیادہ خطرناک کوئی حرکت کسی ملک کے لئے نہیں ہو سکتی۔ ایک طرف پریس اور خبر رسانی کے تمام وسائل پر حکومت کا کنٹرول ہے اور دوسری طرف پلیٹ فارم کا گلہ بھی گھونٹ دیا گیا ہے۔ کاش حکومت کو اس طرز عمل کے برے نتائج کا بھی احساس ہو جائے۔

4 مارچ --- کشمیری عوام کے حقوق پر سودے بازی نہیں ہوگی: شیخ عبداللہ

کشمیری رہنما شیخ عبداللہ نے نئی دہلی سے سرینگر پہنچنے پر کشمیری عوام کو ایک بار پھر یقین دلایا کہ ان کے بنیادی حق پر کسی قسم کی سودے بازی نہیں کی جائے گی۔

6 مارچ --- میں بے گناہ ہوں: ملک اسد

مغربی پاکستان کے سابق گورنر ملک امیر محمد خان کے قتل میں ماخوذ ان کے بیٹے ملک اسد نے پولیس کو بتایا کہ استغاثہ کی کہانی غلط ہے اور وہ بے گناہ ہیں۔ ملک اسد کو سیشن سپرد کردیا گیا۔

7 مارچ --- جسٹس شبیر انتقال کرگئے

مسٹر جسٹس شبیر احمد کا حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال ہو گیا۔ انہیں لاہور میں سپرد خاک کردیا گیا۔

9 مارچ --- صوفی عبدالحمید کا انتقال

تحریک پاکستان کے ایک رہنما صوفی عبدالحمید کا انتقال ہو گیا۔

11 مارچ --- مسرت حسین زبیری آر سی ڈی کے سیکرٹری جنرل مقرر ہوگئے

سیکرٹر مواصلات مسرت حسین زبیری اپنے عہدے سے تبدیل کرکے آر سی ڈی کے سیکرٹری جنرل مقرر کردیئے گئے۔

13 مارچ --- اللہ بخش یوسفی انتقال کرگئے

صوبہ سرحد میں تحریک خلاف کے ممتاز رہنما' صحافی' مورخ اور مصنف

اللہ بخش یوسفی کا کراچی میں انتقال ہو گیا۔

14 مارچ۔۔۔ مولوی شمس الدین بھی گزر گئے

سابق ریاست بہاولپور کے سابق وزیر اعظم مولوی شمس الدین کا انتقال ہو گیا۔

15 مارچ۔۔۔ جسٹس سجاد احمد جان سپریم کورٹ کے جج بنا دیئے گئے

مسٹر جسٹس سجاد احمد جان کو سپریم کورٹ کا جج مقرر کر دیا گیا۔

16 مارچ۔۔۔ پنجاب پیپلز پارٹی کا افتتاح

پنجاب' سندھ اور سرحد میں پیپلز پارٹی کی تنظیم کا کام مکمل کر کے بھٹو لاہور پہنچ گئے۔ 16 مارچ کو لاہور میں انہوں نے پارٹی کے پنجاب آفس کا افتتاح کیا۔

16 مارچ۔۔۔ پی ڈی ایم کو جلسے کی اجازت نہ دی گئی

پاکستان ڈیمو کریٹک موومنٹ کو کراچی کی انتظامیہ نے دفعہ 144 کے نفاذ سے معذوری ظاہر کر دی۔

16 مارچ۔۔۔ پی ڈی ایم کو جلسے کی اجازت نہ دی گئی

پاکستان ڈیمو کریٹک موومنٹ کو کراچی کی انتظامیہ نے دفعہ 144 کے نفاذ کے باعث کراچی میں جلسہ کرنے کی اجازت دینے سے معذوری ظاہر کر دی۔ یہ جلسہ پی ڈی ایم کے ممتاز رہنماؤں کی کراچی آمد کے موقع پر منعقد کیا جا رہا تھا۔ انکار کی وجہ یہ بتائی گئی کہ ویت نام میں جنگ ہو رہی ہے اس لئے کراچی میں جلسے کی وجہ سے نقص امن کا اندیشہ ہے۔ اسرائیل نے اردن پر حملہ کر دیا۔ اس لئے حالات ایسے پیدا ہو گئے کہ نقص امن کا اندیشہ ہے۔ اس بات کا انکشاف جناب محمود اعظم فاروقی نے یکم مئی کو مغربی پاکستان اسمبلی کے اجلاس میں کیا۔

17 مارچ۔۔۔ شجاعت علی حسنی انتقال کر گئے

ماہر اقتصادیات اور اسٹیٹ بنک آف پاکستان کے سابق گورنر شجاعت علی حسنی انتقال کر گئے۔ انہیں لاہور کے قدیم قبرستان میانی صاحب میں دفن کر دیا گیا۔

18 مارچ۔۔۔ بھٹو مشرقی پاکستان روانہ ہو گئے

رابطہ عوام مہم کے سلسلے میں بھٹو 18 مارچ کی صبح مشرقی پاکستان روانہ ہو گئے۔

20 مارچ۔۔۔ سکھر کے جلسہ عام سے مولانا مودودی کا خطاب

تحریک جمہوریت کی رابطہ عوام مہم کے سلسلہ میں سکھر کے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے مولانا مودودی نے کہا کہ جس مقصد کے لئے کام کر رہی ہے وہ نہایت مختصر الفاظ میں صرف یہ ہے کہ موجودہ آمرانہ نظام کو تبدیل کیا جائے۔ کیونکہ یہ نظام سراسر حق کے خلاف ہے اس لئے یہ پاکستان کے لئے تباہ کن ہے۔ مولانا مودودی نے ہندوستان میں مسلمانوں پر ہونے والے مظالم 1962ء کے آئین کی خامیوں' بنیادی جمہوریتوں کی غیر جمہوری روش' آمرانہ صدارتی نظام اور مذہب کی روح سے بیگانہ نظام تعلیم اور ناچ گانے کی ثقافت پر کھل کر تنقید کی۔ انہوں نے کہا کہ ہم پر امن اور آئینی طریقوں سے ملک میں تبدیلی لانا چاہتے ہیں اور اس میں ہماری کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ عوام پوری طرح متحد ہو کر اور منظم طریقے' تحریک جمہوریت کے جھنڈے تلے اپنی جان اور مال سے بھرپور جدوجہد کے لئے تیار ہو جائیں۔

21 مارچ۔۔۔ پاکستان کو اسرائیلی جارحیت پر تشویش ہے: پیرزادہ

پاکستانی وزیر خارجہ مسٹر شریف الدین پیرزادہ نے ایک بیان میں کہا کہ انہیں اردن کے خلاف اسرائیلی جارحیت پر تشویش ہے۔ دریائے اردن کے مشرقی کنارے پر اسرائیلی حملے سے مشرق وسطیٰ کے بحران کے پرامن حل کی تمام کوششیں ختم ہو گئی ہیں۔

24 مارچ۔۔۔ اگر تلہ سازش مقدمے کے سلسلے میں مزید گرفتاریاں

اگر تلہ سازش مقدمے کے سلسلے میں مزید گرفتاریاں عمل میں آئیں۔

25 مارچ۔۔۔ بزنجو پھر گرفتار

ممتاز بلوچی رہنما غوث بخش بزنجو تعزیرات پاکستان کی دفعہ 124_ الف کے تحت دوبارہ گرفتار کر لئے گئے۔

26 مارچ۔۔۔ غلام رسول بھرگڑی کا انتقال

سندھ کے سیاستدان غلام رسول بھرگڑی کا انتقال ہو گیا۔

27 مارچ۔۔۔ بھٹو کا سلہٹ کے جلسہ عام سے خطاب

بھٹو نے رابطہ عوام مہم کے سلسلے میں سلہٹ کے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کی معیشت پر قابض سرمایہ داروں کے ایک گروہ

کے استحصالی ہتھکنڈوں کی وجہ سے دونوں صوبوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں اور غیر جمہوری پالیسیوں کی وجہ سے ملک کے عوام ایک دوسرے کی نفرت کا شکار ہو رہے ہیں- پیپلز پارٹی کا مقصد سرمایہ داروں کے اس ظلم کو ختم کر کے سوشلسٹ نظام رائج کرنا ہے-

اپریل 1968ء

یکم اپریل--- رنگپور کے جلسہ عام سے بھٹو کا خطاب

رنگپور کے جلسہ عام سے بھٹو نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ گذشتہ دس برس کی مطلق العنان حکومت نے ثابت کر دیا ہے کہ پاکستان کے لئے جمہوری نظام ہی موزوں ہے اور وہی دونوں صوبوں کے درمیان یکجہتی اور ملکی سالمیت کو قائم رکھ سکتا ہے

یکم اپریل--- بنیادی جمہوریتیں ہمارے نظام حکومت کا سنگ بنیاد ہیں: ایوب خان

بنیادی جمہوریتیں ہمارے آئین اور ہمارے نظام حکومت کی سنگ بنیاد ہیں- یہ نظام اب لوگوں کی سیاسی اور اقتصادی زندگی کا ایک اہم حصہ بن گیا ہے-- صدر ایوب نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے اپنی ماہانہ نشری تقریر میں کہا "بنیادی جمہوریت کے نظام کی کامیابی کا راز اس نظام کی سادگی ہے اس نظام کے تحت لوگ اپنے شعور اور اپنی ضرورت کے مطابق اپنے معاملوں کو طے کرتے ہیں اور اپنے علاقوں کی ترقی کے منصوبے بنا کر ان پر عمل کرتے ہیں اسی طرح وہ اپنے جانے پہچانے لوگوں کو اپنا نمائندہ منتخب کرتے ہیں اور وہ نمائندے اسمبلیوں کے ارکان اور صدر کے انتخاب میں عوام کی خواہشات کے مطابق عمل کرتے ہیں--

بنیادی جمہوریتوں کا نظام لوگوں کا نمائندوں کو یہ سکھاتا ہے کہ وہ اپنی فکر و دانش اور اپنے عملی تجربے کو کام میں لائیں اور اپنی اجتماعی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کی صلاحیت پیدا کریں--"

صدر ایوب نے مزید کہا کہ

"ترقی کے راستے پر ہمارا سفر بہت طویل اور کٹھن ہے- یہ سفر ہم پورے اتفاق' اتحاد اور نظم و ضبط کے ساتھ ہی طے کر سکتے ہیں--

وقت کا قافلہ رواں دواں ہے- جو لوگ اس قافلے کے ساتھ نہیں بڑھتے' وہ راستے ہی میں کھو جاتے ہیں' وقت ان کا ساتھ نہیں دیتا جو وقت سے فائدہ اٹھانا نہیں جانتے- جب تک ہمارے قدم آگے کی طرف بڑھتے رہیں گے' فاصلے کم ہوتے رہیں گے اور منزلیں قریب تر آتی رہیں گی--"

2 اپریل--- مولانا منظور احمد پر ضلع جھنگ میں تقریر کرنے پر پابندی

ضلع جھنگ کے ڈپٹی کمشنر نے مولوی منظور احمد خطیب جامع مسجد چنیوٹ کو 2 اپریل 1968ء سے ضلع میں تقریر کرنے پر پابندی عائد کر دی- انتظامیہ کا خیال تھا کہ مولوی منظور نے بڑی اشتعال انگیز تقریریں کیں-

3 اپریل--- سیٹو کے اعلامیہ سے پاکستان کا اظہار لاتعلقی

پاکستان نے سیٹو کے وزارتی اجلاس کے اعلامیہ سے لاتعلقی کا اعلان کر دیا-

4 اپریل--- "بھٹو واپس جاؤ" حکومت مشرقی پاکستان

جب ذوالفقار علی بھٹو عوامی رابطہ مہم کے سلسلے میں مشرقی پاکستان کا دورہ کر رہے تھے تو وہاں کی صوبائی حکومت کی طرف سے ان کی شدید مخالفت کی گئی- اس ضمن میں اہم ترین وہ مشترکہ بیان تھا جس میں بھٹو کی سیاسی سرگرمیوں پر سخت تنقید کی گئی تھی اور یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ مشرقی پاکستان سے چلے جائیں- روزنامہ "نوائے وقت" نے اس بیان کی شدید مذمت کرتے ہوئے پارلیمانی سیکرٹریوں کے مطالبے کو قومی وحدت کے بنیادی تقاضوں کے منافی قرار دیا-

14 اپریل--- ملا ابوالکلام آزاد کا قتل

مشرقی پاکستان اسمبلی میں حزب اختلاف کے رکن ملا ابوالکلام آزاد کو قتل کر دیا گیا- ان کی عمر 45 سال تھی-

14 اپریل--- علامہ آئی آئی قاضی نے خودکشی کر لی

سندھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور ممتاز قلم کار علامہ آئی آئی قاضی نے دریائے سندھ میں کود کر خودکشی کر لی-

15 اپریل--- روسی وزیر اعظم کا دورہ پاکستان

روسی وزیر اعظم الیکسی کوسیگن نے 15 اپریل کو پاکستان کے دورے پر راولپنڈی پہنچے- ماسکو سے روانگی سے قبل انہوں نے ہندوستان کے سفیر مسٹر کیول سنگھ' جو ایک ہفتے تک نئی دہلی میں صلاح مشورہ کرنے کے بعد ماسکو لوٹے تھے' کے ساتھ مسئلہ کشمیر پر طویل بات چیت کی- روسی وزیر اعظم چار دن تک راولپنڈی میں رہے جہاں ان کے اور صدر ایوب کے درمیان طویل مذاکرات ہوئے- ان مذاکرات میں روسی وزیر اعظم نے پاکستان کو یہ تجویز پیش کی کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان متنازعہ مسائل مرحلہ وار طے کئے جا سکتے ہیں لیکن پاکستان نے یہ تجویز مسترد کر دی اور کہا کہ وہ سب سے پہلے کشمیر کا تصفیہ چاہتا ہے چنانچہ یہ مذاکرات ناکام ہو گئے-

کشمیر کے علاوہ روس کی طرف سے معاشی تعاون کے نئے امکانات پیدا ہوئے۔ روس نے کالا باغ میں فولاد کا کارخانہ لگانے کی پیشکش کی۔ وزیراعظم روس نے کہا کہ پاکستان کی آزاد قومی پالیسی دونوں ملکوں کے درمیان قریبی تعاون کا باعث بنی ہے۔ دونوں ملکوں نے سائنس اور ثقافتی تعاون کے معاہدے پر بھی دستخط کئے۔ دورے کے اختتام پر روسی وزیراعظم نئی دہلی روانہ ہو گئے۔

18 اپریل۔۔۔ حیدر آباد کے طلباء کی گرفتاری

حیدر آباد ریجن کے آٹھ طلبا کو گرفتار کر کے ان کے ساتھ بدسلوکی کا برتاؤ کیا گیا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ گرفتار شدگان کی عمریں سولہ سترہ سال کے لگ بھگ تھیں۔

19 اپریل۔۔۔ خاتون پاکستان گرلز کالج کی طالبہ ہلاک

خاتون پاکستان گرلز کالج کی ایک طالبہ بس سے گر کر ہلاک ہو گی۔ اسے زخمی حالت میں ہسپتال پہنچایا گیا لیکن وہ زخموں کی تاب نہ لا کر 20 اپریل کو چل بسی۔ بس کے ڈرائیور اور کنڈکٹر موقعے سے فرار ہو گئے۔

21 اپریل۔۔۔ بگٹی اور کھوسہ قبائل میں تصادم

21 اپریل کی صبح بگٹی اور کھوسہ قبائل میں ایک تصادم کے نتیجے میں سات کھوسہ اور چار بگٹی افراد ہلاک ہو گئے۔ اکبر بگٹی اور ان کے بعض ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

21 اپریل۔۔۔ سازش اور بغاوت کے مقدموں کے لئے خصوصی ٹربیونل

صدر ایوب نے ایک آرڈیننس جاری کیا جس کے تحت قائم کئے جانے والے خصوصی ٹربیونلز کو سازش کے جرائم، دفاع کے شعبوں میں ملازمین کو بھکانے اور بغاوت کے مقدمات کی سماعت کا اختیار دیا گیا۔

23 اپریل۔۔۔ پیرزادہ مستعفی

پاکستان کے وزیر خارجہ شریف الدین پیرزادہ نے استعفیٰ دے دیا۔ صدر ایوب نے ان کا استعفیٰ منظور کر لیا۔

25 اپریل۔۔۔ چٹان کا ڈکلریشن منسوخ۔۔۔ پریس ضبط

حکومت مغربی پاکستان نے ہفت روزہ "چٹان کا ڈکلریشن منسوخ کر کے، پرنٹنگ پریس کو ضبط کر لیا۔ یہ اقدام ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت کیا گیا۔ انتظامیہ نے الزام لگایا کہ آغا شورش 1963ء سے مختلف فرقوں میں منافرت پھیلا رہے تھے۔ کبھی وہ بریلوی دیوبندی کا قصہ چھیڑ دیتے، کبھی مرزائیت کا فوری کارروائی "چٹان" میں ان کے شائع کردہ ایک مضمون پر کی گئی۔

25 اپریل۔۔۔ چوہدری محمد عاشق انتقال کر گئے

احراری رہنما اور سیاستدان عاشق محمد چوہدری، قصور میں انتقال کر گئے۔

30 اپریل۔۔۔ دفعہ 144 کا مسلسل نفاذ

مغربی پاکستان اسمبلی میں خواجہ محمد صفدر کو ایک غیر نشان زدہ سوال کے جواب میں بتایا گیا کہ 1968ء میں یکم جنوری سے 30 اپریل تک کراچی میں 119 دن تک دفعہ 144 نافذ رہی ہے۔ یعنی 121 دنوں میں سے 119 دن تک۔ خواجہ صفدر کو یہ بھی بتایا گیا کہ 1967ء کے 365 دنوں میں سے 355 دن تک دفعہ 144 نافذ رہی اور صرف دس دن تک کراچی میں دفعہ 144 لاگو نہیں تھی۔

مئی 1968ء

یکم مئی۔۔۔ مغربی پاکستان اسمبلی میں چوہدری غلام عباس اور ملک امیر محمد خان اور دیگر کے متعلق تعزیتی تحریکیں

مغربی پاکستان اسمبلی کے اجلاس میں وزیر زراعت و خوراک ملک خدا بخش نے نواب امیر محمد خان آف کالا باغ، مقتدر کشمیری رہنما چودھری غلام عباس، صوفی عبدالحمید خان، سابق ایم پی اے میاں محمد امین کانجو، سندھ کے ممتاز سیاستدان اور قائداعظم کے رفیق ہاشم گزدر، سابق رکن مغربی پاکستان اسمبلی عبدالمجید جتوئی، سندھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر علامہ آئی آئی قاضی اور علامہ حافظ کفایت حسین جو گذشتہ مختلف تاریخوں میں انتقال کر گئے تھے تعزیتی قرار دادیں پیش کیں۔ اپوزیشن کے خواجہ محمد صفدر نے ان تحاریک کی ہم نوائی کی اور دعائے مغفرت کے بعد اسمبلی کے اجلاس پندرہ منٹ کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔

یکم مئی۔۔۔ مغربی پاکستان اسمبلی کا پینل آف چیئرمین

اسپیکر مغربی پاکستان اسمبلی نے مندرجہ ذیل ارکان اسمبلی پر مشتمل پینل آف چیئرمین کا اعلان کیا:

1- ملک معراج خالد
2- محمد اسلم خان خٹک
3- زین نورانی

4-اور ملک محمد اختر

یکم مئی --- ہماری خارجہ پالیسی قومی مفاد کی ضامن ہے: ایوب

صدر ایوب نے کہا کہ ہماری خارجہ پالیسی ہمارے قومی مفاد کی ضامن ہے اور قومی مفاد کے لحاظ سے دو باتیں باقی سب باتوں پر فوقیت رکھتی ہیں--

پہلی بات: ملک کی سلامتی اور وطن کا تحفظ

دوسری بات: عوام کی بھلائی اور قوم کی ترقی

یہ دو باتیں ہمارے سارے خارجہ تعلقات کا محور ہیں-

یکم مئی --- کیپٹن اسد کا حادثے میں انتقال

گلگت ایجنسی کے سابق پولیٹکل ایجنٹ کیپٹن اسد کا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا-

یکم مئی --- پاک فضائیہ کا طیارہ گر کر تباہ

پاک فضائیہ کا ایک ٹرانسپورٹ طیارہ مغربی پاکستان کے شمالی علاقے میں گر کر تباہ ہو گیا- 22 افراد ہلاک ہو گئے جن میں ونگ کمانڈر اقبال احمد، سکوارڈرن لیڈر نظام دین اور کچھ دوسرے افسران شامل تھے- (انجم)

2 مئی --- سردار محمد نواز انتقال کر گئے

سابق وزیر مملکت برائے دفاع اور فرانس میں پاکستان کے سابق سفیر سردار محمد نواز کا کیمبلور میں انتقال ہو گیا-

3 مئی --- مولانا نثار احمد گرفتار

تحریک جمہوریت ہزارہ شاخ کے صدر مولانا نثار احمد گرفتار کر لئے گئے- ان پر ایبٹ آباد اور بالا کوٹ میں اشتعال انگیز تقریریں کرنے کا الزام لگایا گیا-

4-5 مئی --- غنڈوں کے خلاف کارروائی کا فیصلہ

مغربی پاکستان کے گورنر، محمد موسیٰ نے کہا کہ غنڈوں کی رسی دراز نہیں ہونی چاہیے- انہوں نے اعلان کیا کہ غنڈوں کے مقدمات کے جلد فیصلوں کے لئے خاص ٹریبونل قائم کئے جائیں گے- حوالہ انجم

5 مئی --- گل خان نصیر ڈی پی آر کے تحت گرفتار

نیشنل عوامی پارٹی کے ممتاز رہنما گل خان نصیر کو ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت گرفتار کر لیا گیا- واقعات کے مطابق جب 5 مئی کو پولیس نواب اکبر بگٹی کو گرفتار کرنے گئی تو وہاں گل خان نصیر بھی موجود تھے جنہوں نے بگٹی کی گرفتاری پر ناراضگی کا اظہار کیا- بعد ازاں انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا-

7 مئی --- پاکستان کے نئے وزیر خارجہ

شریف الدین پیرزادہ کے مستعفی ہو جانے کے بعد پاکستان کے نئے وزیر خارجہ جناب ارشد حسین نے اپنے عہدے کا حلف اٹھا لیا-

7 مئی --- الطاف حسین مستعفی

وزیر صنعت الطاف حسین نے جو قائداعظم کے ساتھی اور ممتاز صحافی بھی تھے- وزارت سے استعفیٰ دے دیا-

8 مئی --- پاک، بھارت کنفیڈریشن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا: ارشد حسین

وزیر خارجہ پاکستان جناب ارشد حسین نے کہا کہ پاکستان اور بھارت کے درمیان کنفیڈریشن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا-

9 مئی --- جماعت اسلامی کے رہنما کی توہین اور گرفتاری

جماعت اسلامی نواب شاہ کے امیر اور تحریک جمہوریت کی نواب شاہ کے صدر مولوی مصاحب علی کو ڈپٹی کمشنر نواب شاہ کے حکم سے 9 مئی کو گرفتار کر لیا گیا- انہوں نے نماز مغرب کے وقت گلنار مسجد کے سامنے پولیس بینڈ بجانے کے خلاف احتجاج کیا تھا- پولیس نے ان کے ساتھ توہین آمیز سلوک بھی کیا-

11 مئی --- تحریک جمہوریت کے جلسہ سے مولانا مودودی کا خطاب

تحریک جمہوریت پاکستان کے جلسہ عام منعقدہ راولپنڈی سے خطاب کرتے ہوئے امیر جماعت اسلامی مولانا مودودی نے کہا کہ ایوبی مارشل لاء بلا جواز تھا- مارشل لاء کے دوران ہی بنیادی جمہوریتوں کا نظام لایا گیا- ایک نیا دستور نافذ کیا گیا جس نے پرامن آئینی تبدیلیوں کے امکانات ختم کر دیئے- لوگوں سے اظہار کا حق چھین لیا گیا- انہوں نے جمہوری اصولوں کی پاسداری پر زور دیتے ہوئے کہا کہ تحریک جمہوریت بے انصافی کا نظام ختم کرنے کا، انصاف کا نظام رائج کرنا چاہتی ہے-

14 مئی --- آفتاب اقبال تنظیم عالم اسلامی کے صدر منتخب

علامہ اقبال کے فرزند بیرسٹر آفتاب اقبال کو اتحاد عالم اسلامی کا

اکتیسواں صدر چن لیا گیا۔

15 مئی—— ملک غلام جیلانی پر قاتلانہ حملے کے خلاف تحریک التواء

مغربی پاکستان اسمبلی کے آزاد رکن ملک محمد اختر نے، مغربی پاکستان عوامی لیگ کے صدر ملک غلام جیلانی پر کراچی کے ایک ہوٹل میں ایک نا معلوم شخص کی طرف سے قاتلانہ حملہ کی کوشش کے خلاف تحریک التواء پیش کرنے کی درخواست کی۔ اسپیکر نے تحریک التواء کو خلاف ضابطہ قرار دے دیا۔

17 مئی—— آغا شورش کاشمیری کو 'سی' کلاس دی گئی

خواجہ صفدر نے مغربی پاکستان اسمبلی نے تحریک التوا پیش کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ معروف سیاست دان ممتاز صحافی اور ناشر آغا شورش کاشمیری کو جیل میں 'سی' کلاس دی گئی جبکہ وہ ذیابیطس کے پرانے مریض ہیں۔ بعد ازاں 'سی' کلاس کے ایک کمرہ کو 'اے' کلاس میں "تبدیل" کر دیا گیا۔ اسمبلی میں بحث کے دوران وزیر داخلہ قاضی فضل اللہ کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ اکبر بگٹی اور ممتاز ہاری رہنما حیدر بخش جتوئی کو بھی 'سی' کلاس میں رکھا گیا تھا۔

19 مئی—— عبدالصمد اچکزئی گرفتار

جناب عبدالصمد اچکزئی کو گرفتار کر لیا گیا۔

19 مئی—— پیپلز پارٹی آئندہ انتخابات میں حصہ لے گی

پیپلز پارٹی نے اعلان کیا کہ وہ آئندہ انتخابات میں حصہ لے گی۔

20 مئی—— بگٹی کو سی کلاس دینے کے خلاف تحریک التواء

مغربی پاکستان اسمبلی کے اجلاس میں ملک محمد اختر نے سردار اکبر خان بگٹی کو جیل میں 'سی' کلاس دینے پر تحریک التواء پیش کرنے کی درخواست کی۔ خواجہ محمد صفدر نے حکومت پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ اکبر بگٹی نواب اور ایک معزز قبیلے کے سردار ہیں۔ وہ اور ان کا بھائی مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن رہے ہیں۔ اکبر بگٹی دستور ساز اسمبلی کے رکن اور مملکت کے وزیر دفاع بھی رہے ہیں۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی اگر حکومت یہ سمجھتی ہے کہ ان کی جگہ 'سی' کلاس میں ہے تو اس سے بڑا ظلم کوئی نہیں ہو سکتا۔ اسپیکر نے تحریک التواء کو خلاف ضابطہ قرار دے دیا۔

22 مئی—— شاہ محمد رحمان انصاری کا انتقال

آل پاکستان مہاجر لیگ کے سابق صدر شاہ محمد رحمان انصاری انتقال کر گئے۔

23 مئی—— غلام محمد لغاری کی نظربندی کی مدت میں توسیع

سندھ کے ہاری لیڈر غلام محمد لغاری جو گذشتہ فروری میں 30 دن کے لئے نظر بند کئے گئے تھے۔ مئی کے اواخر تک رہا نہ کئے گئے۔ اس دوران تیسری مرتبہ ان کی نظربندی کی مدت میں توسیع کر دی گئی

23 مئی—— شہزادہ عبدالکریم کی دس سال سے مسلسل نظر بندی

23 مئی 1968ء کو شہزادہ عبدالکریم' جو اکتوبر 1958ء سے نظر بند ہیں' کی نظربندی میں مزید ایک ماہ کی توسیع کر دی گئی۔ گرفتاری کے بعد کئی سال تک ان کے خلاف کوئی مقدمہ نہ چلایا گیا اور آخری مرتبہ فروری 1964ء میں انہیں ٹریبونل کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس کے بعد پھر چار سال تک انہیں مسلسل نظر بند رکھا گیا اور مئی 1968ء کے اواخر میں ان کی مزید ایک ماہ کے لئے نظربندی کا حکم جاری کر دیا گیا۔

23 مئی—— موضع درویش (ضلع ہزارہ) میں کسانوں پر پولیس کی فائرنگ

23 مئی کو ضلع ہزارہ کے گاؤں درویش میں پولیس نے کسانوں پر اندھا دھند فائرنگ کر دی۔ حکومت نے اعلان کیا کہ ہوائی فائرنگ کی گئی تھی لیکن دوسرے ذرائع کے مطابق مجمع کی ٹانگوں میں فائر کئے گئے۔ ان میں ایک عورت برکت جان سنگین زخمی ہوئی۔ ایک شخص جمعدار برکت علی بھی زخمی ہوا اور سے گرفتار کر کے چارپائی پر ڈال کر لے جایا گیا۔ سو دیگر افراد بھی گرفتار کئے گئے۔

24 مئی—— مولانا مودودی جماعت کی امارت سے سبکدوش

جماعت اسلامی کے بانی اور امیر مولانا ابو الاعلیٰ مودودی خرابی صحت کی بنا پر جماعت کی قیادت کی ذمہ داریوں سے الگ ہو گئے۔ (حوالہ انجم)

25 مئی—— بھٹو کا راولپنڈی بار ایسوسی ایشن سے خطاب

پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو نے رابطہ عوام مہم کے سلسلے میں راولپنڈی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ان کی پارٹی کا نصب العین ملک میں جمہوریت کی بحالی ہے اور پیپلز پارٹی جمہوری طرز کی حکومت کے قیام کے لئے دوسری جماعتوں سے تعاون کے

لئے تیار ہے۔ اگر اپوزیشن متحد ہو کر یکسوئی سے آئندہ انتخابات میں حصہ لے تو وہ حکومت کو شکست دے سکتی ہے۔ بھٹو نے کہا کہ قوم اس وقت تبدیلی کے دہانے پر کھڑی ہے اور تبدیلی ضروری آئے گی۔ انہوں نے ڈیفنس آف پاکستان رولز ختم کرنے' عوام کے بنیادی حقوق بحال کرنے اور ان کی معاشی حالت بہتر بنانے پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ 1958ء میں ملک کی دولت چھ سو خاندانوں کے پاس تھی جو اب سمٹ کر بیس خاندانوں میں آ گئی ہے۔

25 مئی۔۔۔ الطاف حسین انتقال کر گئے

انگریزی روزنامہ 'ڈان' کے سابق مدیر اور سابق وزیر صنعت الطاف حسین کراچی میں انتقال کر گئے۔ وہ 1900ء میں سلہٹ میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے سوگ میں تمام اخبارات کے دفاتر بند رہے۔ انہیں پاپوش نگر کراچی میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

29 مئی۔۔۔ سرکاری رازوں کے قانون میں ترمیم کا بل منظور

قومی اسمبلی میں سرکاری رازوں کے قانون میں ترمیم کا ایک بل منظور کر لیا گیا جس کے تحت جاسوسی کے مجرموں کو موت کی سزا دی جا سکے گی۔

جون 1968ء

2 جون۔۔۔ شورش کاشمیری کراچی جیل منتقل کر دیئے گئے

ہفت روزہ "چٹان" کے ایڈیٹر اور چٹان پریس کے مالک شورش کشمیری کراچی جیل منتقل کر دیئے گئے۔

4 جون۔۔۔ والیان ریاست کے وظائف

سابق والیان ریاست کے جیب خرچ کے لئے قومی اسمبلی نے 50-37 لاکھ روپے سالانہ کے وظائف منظور کئے۔ وظائف کی تقسیم کے مطابق نواب بہاولپور کو 16 لاکھ' خان آف قلات کو 6 لاکھ 50 ہزار روپے' خاران کے نواب کو 70 ہزار روپے' خیرپور کے نواب کو 10 لاکھ روپے' لس بیلا کے نواب کو 2 لاکھ روپے' مکران کے نواب کو 2 لاکھ 4 ہزار روپے حصے میں آئے۔

7 جون۔۔۔ پاکستان اسٹیل ملز کارپوریشن کے پہلے چیئرمین

ایس ایس جعفری پاکستان اسٹیل ملز کارپوریشن کے پہلے چیئرمین مقرر ہوئے۔

8 جون۔۔۔ مرکزی بجٹ پیش کر دیا گیا

قومی اسمبلی میں نئے مالی سال کا مرکزی بجٹ پیش کر دیا گیا۔ عام استعمال کی بعض اشیاء پر ٹیکس ختم۔ ڈاک خرچ کی شرح میں اضافہ۔

15 جون۔۔۔ بہاولپور کے امیر پر قاتلانہ حملہ

امیر بہاولپور شہزادہ عباس عباسی پر قاتلانہ حملہ کرنے والے ملزم کو گرفتار کر لیا گیا۔

18 جون۔۔۔ محبوب پارلیمانی لفظ قرار دے دیا گیا

لفظ محبوب کو پارلیمانی قرار دے دیا گیا۔

18-20 جون۔۔۔ اندرا گاندھی کا دورہ کشمیر

بھارتی وزیراعظم اندرا گاندھی 18 جون کو کشمیر کے دورے پر آئیں۔ 20 جون کو انہوں نے قومی یکجہتی کونسل کے اجلاس کا افتتاح کیا جس میں ہندوستان کے تمام سرکردہ لیڈر شامل ہوئے۔ اجلاس میں شیخ عبداللہ اور ان کے رفقاء کو بھی مدعو کیا گیا تھا لیکن وہ اس میں شامل نہیں ہوئے

19-21 جون۔۔۔ اگر تلہ سازش مقدمے کی باقاعدہ سماعت شروع

اگر تلہ سازش مقدمے کے 35 مجرموں کے خلاف باقاعدہ سماعت 19 جون 1968ء کو شروع ہو گئی۔ سماعت کے لئے حکومت نے جو تین رکنی ٹربونل مقرر کیا۔ جسٹس ایس اے رحمان اس کے چیئرمین تھے۔ 35 ملزمان مندرجہ ذیل تھے:

1- عوامی لیگ کے راہنما شیخ مجیب الرحمٰن
2- مسٹر بھوپتی چودھری المعروف مانک چودہری
3- مسٹر بدھان کرشنا آف چٹاگانگ
4- لیفٹیننٹ کمانڈر معظم حسین
5- مسٹر احمد فضل الرحمٰن۔ (سی۔ ایس۔ پی افسر)
6- مسٹر روح القدوس۔ (سی۔ایس۔پی افسر)
7- خان ایم شمس الرحمان۔ (سی۔ایس۔پی)
8- سارجنٹ ظہور الحق
9- سابق اے۔پی۔ محمد خورشید
10- رسالدار اے۔ کے شمس الحق
11- حوالدار عزیز الحق
12- ایس۔اے۔ سی۔ محفوظ الباری
13- سارجنٹ شمس الحق
14- میجر شمس العالم آرمی میڈیکل کور

15- کیپٹن محمد عبدالمطلب
16- کیپٹن ایم شوکت علی میاں
17- کیپٹن کھنڈکر نجم الہدیٰ
18- کیپٹن اے۔ این۔ ایم نور الزمان ایسٹ بنگال رائفلز
19- سارجنٹ عبدالجلیل
20- مسٹر محبوب الدین چودھری
21- لیفٹیننٹ ایم۔ ایم۔ رحمٰن
22- سابق صوبیدار اے۔ کے۔ ایم تاج الاسلام
23- مسٹر محمود علی میا
24- کیپٹن خورشید اللہ۔ آرمی میڈیکل کور
25- لفٹیننٹ عبدالرؤف
26- سٹیوارڈ مجیب الرحمان
27- ایس۔ سی۔ ڈی نور محمد
28- سابق ایل۔ ایس منان الدین احمد
29- فلائیٹ سارجنٹ ایم۔ اے حفیظ اللہ
30- کارپورل شیر محمد ولد محمد عبدالصمد
31- سابق حوالدار دلیل الدین
32- فلائیٹ سارجنٹ محمد فضل الحق
33- صوبیدار عبدالرزاق
34- سابق حوالدار کلرک مجیب الرحمان
35- فلائیٹ سارجنٹ محمد عبدالرزاق

کیس کی سماعت شروع ہونے پر گیارہ ملزموں نے جو ان 35 ملزموں کے علاوہ تھے جن پر مقدمہ چلایا جاتا تھا' نے وعدہ معاف گواہ بننا منظور کر لیا۔ ان کو ٹریبونل نے رہا کر دینے کا اعلان کیا ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

1- ایل او مزمل حسین ولد مولوی منہاج الدین میا (میمن سنگھ)
2- سابق کارپورل محمد امیر حسین میا ولد مولوی محمد فاضل ملہ
3- سارجنٹ شمس الدین احمد ولد محمد آفتاب الدین (ضلع چٹاگانگ)
4- ڈاکٹر سعید الرحمان ولد مولوی عبدالخیر چودھری (ضلع چٹاگانگ)
5- فلائیٹ لفٹیننٹ مرزا محمد رمیض ولد ایم۔ ایم سراج ضلع چٹاگانگ)
6- کیپٹن محمد عبدالحلیم بھویا ولد نجم الدین بھویا (ضلع کومیلا)
7- کارپورل جمال الدین احمد ولد بصیر الدین (سکنہ پبنہ)
8- کارپورل سراج الاسلام ولد مولوی محمد امین الدین (ضلع کومیلا)
9- مسٹر محمد غلام احمد ولد عبدالجبار (ضلع فرید پور)
10- مسٹر عبدالبشیر محمد یوسف ولد منشی محمد علی حوالدار (ضلع باریسال)
11- سارجنٹ محمد ولد منشی عبدالعزیز مرحوم (ضلع کومیلا)

اگر تلہ سازش کے ملزموں کے خلاف استغاثہ نے اپنا کیس پیش کرتے ہوئے ٹریبونل کو بتایا کہ ملزموں نے بھارت سے اسلحہ' گولہ بارود' اور روپیہ حاصل کر کے مسلح بغاوت کے ذریعے پاکستان کو اس کے ایک حصے سے محروم کر دینے کی سازش کی تھی۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ مشرقی پاکستان کے جن علاقوں پر اس طرح سے قبضہ کر لیا جائے۔ ان کی خود مختاری کا اعلان کر کے انہیں بھارت سے تسلیم کروا لیا جائے۔ ملزمان کا اصل منصوبہ یہ تھا کہ مشرقی پاکستان میں فوجی چھاؤنیوں پر یکایک چھاپے مار کر اسلحہ خانوں پر قبضہ کر لیا جائے اور یوں فوج کو مفلوج کر دیا جائے اور مقبوضہ علاقوں کی آزادی کا اعلان کر کے ان علاقوں میں مارشل لاء نافذ کر دیا جائے اور بھارت کی امداد سے خشکی سمندر اور فضا کے وہ تمام راستے بند کرا دیئے جائیں جن سے مغربی پاکستان کی طرف سے ان کی کارروائی میں کسی طرح کی فوجی مداخلت کی جاسکتی ہو۔ اس کے علاوہ ان کا یہ پروگرام تھا کہ مشرقی پاکستان میں مقیم مغربی پاکستانیوں کو بطور یرغمال نظر بند کر دیا جائے۔ تاکہ مغربی پاکستان میں مقیم مشرقی پاکستانیوں کا ان کے عوض تبادلہ کرایا جاسکے۔ اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ان ملزموں نے 12 جولائی 1967ء کو اگر تلہ میں بھارتی فوجی و دیگر حکام سے ملاقات کر کے فوجی بغاوت کے لئے اسلحہ' گولہ بارود' اور مالی امداد حاصل کرنے کے لئے بات چیت کی۔ ملزمین میں سے بعض نے ڈپٹی ہائی کمشنر کے فرسٹ سیکرٹری مسٹر پی۔ این۔ اوجھا سے رابطہ قائم کر رکھا تھا اور اگر تلہ میں بھارتی نمائندوں سے تمام ملاقاتیں اس کی وساطت سے ہوتی رہیں۔ بعد میں جب اس سازش کا انکشاف ہوا تو ملزمان کی گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں تو حکومت پاکستان نے مسٹر اوجھا کو پاکستان سے نکال دیا تھا۔ شیخ مجیب الرحمٰن مسلح بغاوت سے مشرقی پاکستان پر قبضہ کر لینے کی حمایت میں تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک خفیہ اجلاس میں لوگوں کو یقین دلایا تھا کہ بھارت اس منصوبہ کی پشت پناہی کرے گا اور وہ پاکستانی رد عمل کے بارے میں خود نپٹ لیں گے۔ سازشیوں کے لئے خفیہ نام استعمال کئے جاتے تھے اور بھارتی ہائی کمیشن کے افسروں اور سازشیوں کی خفیہ ملاقاتیں ایک پٹرول پمپ پر ہوا کرتی تھیں۔ بعد میں شیخ مجیب الرحمٰن کسی اور الزام میں گرفتار کر کے نظر بند کر دیئے گئے۔ لیکن سازشیوں کی سرگرمیاں جاری رہیں۔ لیفٹیننٹ کمانڈر معظم حسین نے بھارتی افسروں سے چھ بار ملاقات کی اور سازش کو کامیاب بنانے کے لئے بھارت سے بڑی بڑی رقوم حاصل کیں۔ لیکن اکتوبر 1967ء میں باقی سازشیوں کو شبہ ہونے لگا کہ معظم حسین رقم خورد برد کر رہا ہے۔ دسمبر 1967ء میں سازش کا بھانڈا پھوٹ گیا اور ملزمین کو گرفتار کر لیا گیا جس سے ساری سازشی سرگرمیاں ختم ہو گئیں۔ شیخ مجیب نے اس سازش کے سلسلے میں پہلی بار 1964ء میں منعقدہ ایک خفیہ اجلاس میں شرکت کی تھی۔

سازشی ٹولے کے متعدد خفیہ اجلاس کراچی' ڈھاکہ' چٹاگانگ اور دیگر مقامات پر منعقد ہوتے رہے۔ جس پٹرول پمپ پر بھارتی ہائی کمیشن کے افسروں سے ساز باز ہوتی تھی اس کا نام گرین ویو پٹرول پمپ تھا۔ شیخ مجیب الرحمان بھارت سے وصول کردہ بھاری رقوم سازشی پارٹی کو دیتے رہے تاکہ ان سے وہ اسلحہ خرید سکیں۔ مئی 1966ء میں شیخ مجیب الرحمٰن ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت گرفتار کرکے نظر بند کر دیئے گئے لیکن باقی گروپ کی سرگرمیاں جاری رہیں۔

حکومت کا کیس اعلیٰ وکیل شیخ منظور قادر نے ٹربیونل کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا کہ وہ دو سو سے زائد گواہ اس کیس میں پیش کریں گے۔ مسٹر منظور قادر کے علاوہ ان کے معاون کی حیثیت سے مسٹر ٹی۔ ایچ خان گروپ کیپٹن محمد اسلم ہسٹر اے۔ عالم اور مسٹر خاقان بابر بھی سرکار کی طرف سے پیش ہوئے ملزموں کی صفائی کی طرف سے پیش ہونے والے وکلاء میں خان بہادر محمد اسماعیل۔ مسٹر عطاء الرحمٰن۔ مسٹر عبدالاسلام خاں' مسٹر ظہیر الدین' مسٹر غلام حفیظ' سید عزیز الحق' مسٹر بدر الحیدر چوہدری' مسٹر ابوالخیر خاں اور مسٹر عبدالحسین پیش ہوئے۔

استغاثہ کی طرف سے کیس پیش کرتے ہوئے شیخ مجیب الرحمٰن (عوامی لیگ) کو سرفہرست رکھا گیا۔ اور لیفٹیننٹ کمانڈر معظم حسین کو ملزم نمبر2 کی حیثیت دی گئی۔ ان پر الزامات کی فہرست جو ٹربیونل کی پیش کی گئی حسب ذیل تھی۔

○ شیخ مجیب الرحمٰن کا تعلق اگر تلہ سازش کیس سے 1964ء سے تھا۔ جبکہ انہوں نے اس سازش کے سلسلے میں پہلی بار اجلاس میں شرکت کی۔

○ شیخ مجیب الرحمٰن نے بھارت کی طرف سے سازش کی کامیابی کے خیر مقدم اور مسلح بغاوت کی حمایت کا یقین دلایا۔

○ شیخ مجیب الرحمٰن نے متعدد بار سازش کے سرکردہ ارکان کو نقد روپیہ دیا جو اوجھا کی معرفت بھارت سے وصول ہوتا رہا تھا۔

○ شیخ مجیب الرحمٰن نے لیفٹیننٹ کمانڈر معظم حسین کو پہلے مرحلے میں دو دو ہزار اور چار چار ہزار کی اقساط میں ایک لاکھ روپے کی امداد کا یقین دلایا۔

○ 9 ستمبر 1965ء کو جبکہ پاک بھارت جنگ جاری تھی۔ ملزم سٹیورڈ مجیب نے شیخ مجیب الرحمٰن سے ان کی اقامت گاہ واقع دھان منڈی پر چار ہزار روپیہ وصول کیا۔

○ بھوپتی بھوشن چودھری عرف مانک چودھری نے وعدہ معاف گواہ امیر حسین نمبر3 کو بتایا کہ شیخ مجیب الرحمٰن نے انہیں سازش میں شریک افراد کی امداد کے لئے کہا تھا اور مانک چودھری نے امیر حسین کو تین ہزار روپیہ دیا تھا۔

○ شیخ مجیب الرحمٰن کو 6 مئی 1966ء کو ڈیفنس رولز کے تحت کسی اور الزام میں گرفتار کیا گیا تو ان کے مکان پر 20 مئی کو ایک خاص اجلاس منعقد ہوا جس میں مانک چودھری نے چٹاگانگ سے آکر شرکت کی۔

○ شیخ مجیب الرحمٰن کو جب ان الزامات کی فہرست پڑھ کر سنائی گئی تو انہوں نے عدالت کو بتایا۔

○ "میں بے گناہ ہوں۔ یہ میرے خلاف ایک سازش ہے میں تو جیل میں تھا" اور اسی طرح دیگر ملزمان نے بھی الزامات سے انکار کردیا۔

○ استغاثہ نے ٹربیونل کے سامنے اس سازش میں بھارتی فرسٹ سیکرٹری پی۔ این۔ اوجھا کا کردار بیان کرتے ہوئے عدالت کو بتلایا کہ:۔

○ سازش میں شریک متعدد ملزمین اور اوجھا کے مابین چھ بار ملاقاتیں ہوئیں۔

○ مشرقی پاکستان میں مسلح بغاوت کے لئے بھارت سے اسلحہ اور گولہ بارود حاصل کرنے کے لئے اگر تلہ میں بھارتی نمائندوں اور سازشیوں کے نمائندوں کا پہلا اجلاس 12 جولائی 1967ء کو اوجھا ہی نے منعقد کرایا۔

○ بھارتی حکومت اوجھا ہی کے توسط سے سازش کی مالی کفالت کے لئے ملزموں کو روپیہ بھیجتی رہی۔

○ سازش کے سرگرم رکن لیفٹیننٹ کمانڈر معظم حسین کو اوجھا ہی نے یقین دہانی کرائی تھی کہ بھارتی حکومت نے سازش کے منصوبہ کا خیر مقدم کیا ہے اور مسلح بغاوت کے لئے ہتھیار مہیا کرنے کی تاریخ کے متعلق بھی معظم حسین ہی کو مطلع کیا جائے گا۔

○ جولائی 1966ء کو اوجھا نے اپنی اقامت گاہ واقعہ دھان منڈی ڈھاکہ میں معظم حسین کو مطلع کیا کہ مطلوبہ اسلحہ کی فہرست بھارت کے حوالے کی جا چکی ہے۔

○ اوجھا نے بعد میں سازشیوں کو مطلع کیا کہ انہیں اسلحہ بھارت کے عام انتخابات ختم ہو جانے کے بعد مہیا کیا جائے گا۔

○ بھارتی انتخابات ختم ہو جانے کے بعد اوجھا نے معظم حسین کو بتایا کہ اب بھارتی وزیراعظم کے انتخاب کے بعد اسلحہ کی ترسیل کی تاریخ مقرر کی جائے گی۔

شیخ منظور قادر نے جو استغاثہ کے اعلیٰ وکیل تھے۔ ٹربیونل کے دوسرے دن کے اجلاس میں ملزمین کے خلاف مختلف شہادتیں مختصراً" پڑھ کر سنائیں اور کہا کہ یہ شہادتیں تفتیش کے دوران متعدد گواہوں نے زبانی دی تھیں۔ ان شہادتوں کی نقول پہلے ہی ملزمان کو مہیا کی جا چکی ہیں۔ گواہوں کے بیانات اور دستاویزات کی مختصر روئداد بھی ملزمین کو دو دن کے اندر اندر مہیا کر دی جائے گی۔ متذکرہ دستاویزات و دیگر بیانات کی نقول اگر ملزمین یا ان کے وکلاء دیکھنا چاہیں تو وہ ان کے ٹربیونل میں پیش کئے جانے سے پہلے ٹربیونل کی اجازت سے دیکھ سکتے ہیں۔ ان دستاویزات میں تین ڈائریاں بھی ہیں جو بعض

ملزمین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی بتائی گئی ہیں۔ ان کے علاوہ ملزمین کی آپس کی خط و کتابت پر مشتمل چند خطوط ہیں۔ اس خط و کتابت میں ایک دوسرے کے نام "کے کوڈ" بنائے ہوئے تھے۔ یہ کوڈ متذکرہ صدر ڈائریوں میں سے ایک ڈائری میں درج ہیں۔ ملزمان کے خلاف جو الزامات عائد کئے گئے وہ سب تعزیرات پاکستان کی دفعات 121 (الف) اور 131 کی زد میں آتے تھے جس کے تحت زیادہ سے زیادہ عمر قید یا دس سال قید اور سزائے جرمانہ کے مستوجب تھے۔

ٹریبونل کے تیسرے اجلاس میں جو 21 جون 1968ء کو منعقد ہوا۔ شیخ منظور نے ٹریبونل کو بتایا کہ اس کیس میں کل گواہان کی مجموعی تعداد 432 ہو گی اور مقدمہ سے متعلق بیانات اور دستاویزات کی پانچ مختلف النوع نقول اگلے پیر تک صفائی کے وکلاء کے حوالے کر دی جائیں گی۔ یہ دستاویزات اور بیانات حسب ذیل تھے۔

(1) ضابطہ فوجداری کی دفعہ 164 کے تحت ان سات گواہوں کے بیانات جنہیں وعدہ معاف گواہ تسلیم کر کے معافی دی گئی ہے۔

(2) ضابطہ فوجداری کی دفعہ 161 کے تحت وعدہ معاف گیارہ گواہوں کی شہادتیں جن میں سے پی۔ سی امیر حسین نے دو مختلف بیان دیئے ہیں۔

(3) گواہوں کے بیانات جو ضابطہ فوجداری کی دفعہ 164 کے تحت قلمبند کئے گئے اور جو سازش میں شامل ہوئے بغیر ملزمین کے ساتھ ملتے جلتے رہے۔

(4) ضابطہ فوجداری کی دفعہ 160 کے تحت ان لوگوں کے بیانات جن کا ملزمین سے رابطہ قائم رہا۔ لیکن جنہوں نے کوئی ارتکاب جرم نہیں کیا۔

(5) چار ملزموں کا جوڈیشل اقبال جرم

مندرجہ بالا پانچ کیٹیگریوں کے گواہان حسب ذیل تھے جن کے بیانات اور دستاویزات وکیل صفائی کو دی جانی تھیں۔

کیٹیگری نمبر1 کے سات گواہ۔ 1۔ لیفٹیننٹ مزمل حسین۔ 2۔ سابق کارپورل امیر حسین میا۔ 3۔ سارجنٹ شمس الدین حمد۔ 4۔ ڈاکٹر سعید الرحمان۔ 5۔ فلائیٹ لیفٹیننٹ مرزا محمد رمیض۔ 6۔ کیپٹن محمد علیم بھویا۔ 7۔ کارپورل سراج الاسلام۔

کیٹیگری نمبر2 کے گیارہ گواہ۔ 1۔ لیفٹیننٹ مزمل حسین۔ 2۔ سابق کارپورل امیر حسین۔ 3۔ سارجنٹ شمس الدین احمد۔ 4۔ ڈاکٹر سعید الرحمان۔ 5۔ فلائیٹ لیفٹیننٹ مرزا محمد رمیض۔ 6۔ کیپٹن محمد عبدالعلیم۔ 7۔ کارپورل جمال الدین احمد۔ 8۔ کارپورل سراج الاسلام۔ 9۔ محمد غلام احمد۔ 10۔ عبدالبشر محمد یوسف۔ 11۔ سارجنٹ محمد۔

کیٹیگری نمبر3 کے گواہ۔ 1۔ کمال الدین احمد۔ 2۔ کے۔جی احمد۔ 3۔ نائب صوبیدار ایم اشرف علی خاں۔ 4۔ محمد محسن۔ 5۔ ابو شمس الہدیٰ۔ 6۔ سابق صوبیدار جلال الدین احمد۔ 7۔ انور حسین۔

کیٹیگری نمبر4 کے گواہ۔ 1۔ کمال الدین احمد۔ 2۔ کے۔جی احمد۔ 3۔ وارنٹ افسر مشرف حسن۔ 4۔ لیفٹیننٹ کمانڈر شہید الحق۔ 5۔ صوبیدار اشرف علی خاں۔ 6۔ محمد حسین۔ 7۔ ابو شمس لطف الہدیٰ۔ 8۔ جلال الدین احمد۔ 9۔ کارپورل ایم۔ اے۔ مئی۔ 10۔ انور حسین۔ 11۔ وارنٹ افسر ڈاکٹر احمد۔ 12۔ سابق سکویڈرن لیڈر معظم حسین چودھری۔

کیٹیگری نمبر5 کے گواہ۔ جنہوں نے اقبال جرم کر لیا۔ (1) کیپٹن کمانڈر نجم الہدیٰ (2) میجر شمس العالم۔ (3) بھوپتی بھوشن چودھری عرف مانک چودھری۔ (4) کیپٹن شوکت علی میا۔

صفائی کے وکلاء نے کیس کی تیاری کے لئے چھ ہفتے کی مہلت مانگی مگر وکیل استغاثہ شیخ منظور قادر نے تین ہفتوں سے زیادہ مہلت دینے کی مخالفت کی۔ ٹریبونل نے 24 روز کی مہلت دیتے ہوئے اجلاس 16 جولائی 1968ء تک ملتوی کر دیا۔

حوالہ: رانا رحمٰن ظفر۔ ذوالفقار علی بھٹو عظیم سیاسی رہنما' لاہور' جولائی 1973ء

27 جون۔۔۔ یحییٰ کا دورہ سوویت یونین

پاکستان کی بری فوج کے کمانڈر انچیف جنرل یحییٰ خان سوویت یونین کے دورے پر ماسکو پہنچ گئے۔ ماسکو میں روسی وزیر دفاع سے مذاکرات کے نتیجے میں سوویت یونین نے پاکستان کو اسلحہ دینے پر آمادگی ظاہر کر دی۔

جولائی 1968ء

2 جولائی۔۔۔ کھر کے خلاف کنونشن لیگ کی قرارداد اور کھر کا رد عمل

غلام مصطفیٰ کھر کے خلاف جو ابھی تک کنونشن مسلم لیگ میں ہونے کے باوجود' بھٹو کا ساتھ دے رہے تھے۔ قومی اسمبلی کی کنونشن مسلم لیگی پارٹی نے 2 جولائی 1968ء کو مندرجہ ذیل قرارداد منظور کی:

قومی اسمبلی کی مسلم لیگ پارٹی مسٹر غلام مصطفیٰ کھر کے خلاف شدید الزامات اور ان کا بیان سننے کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچی ہے کہ مسٹر کھر جو پاکستان مسلم لیگ کے ٹکٹ پر مسلم لیگ اسمبلی پارلیمانی پارٹی کے رکن کی حیثیت سے انتخابات میں کامیاب ہوئے تھے۔ 8 نومبر 1967ء سے اور اس کے بعد ان کا طرز عمل اس حقیقت کا مظہر ہے کہ وہ مسلم لیگ (کنونشن) سے علیحدہ ہو چکے ہیں۔ چنانچہ مسلم لیگ (کنونشن) پارلیمانی پارٹی قائد ایوان خان۔ اے صبور خاں کو اختیار دیتی ہے کہ وہ سپیکر کے سامنے مسٹر کھر کو آئین کی دفعہ کے تحت اسمبلی کی رکنیت کا نااہل قرار دینے کا مسئلہ پیش کریں۔

جب غلام مصطفیٰ کھر کے خلاف یہ قرارداد پیش کی گئی تو پارٹی کے 96 ارکان نے شرکت کی جن میں غلام مصطفیٰ کھر خود بھی شامل تھے۔ 94 ارکان

نے غلام مصطفیٰ کھر کے خلاف ووٹ دیئے جبکہ سید حامد رضا گیلانی اور غلام مصطفیٰ جتوئی نے قرارداد کے حق میں ووٹ دینے سے اجتناب کیا۔ غلام مصطفیٰ کھر نے اپنے خلاف قومی اسمبلی مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کے عمل پر درج بیان جاری کیا۔

پاکستان کے سابق وزیر خارجہ کے ساتھ جنہوں نے 1965ء میں پاکستان کے لئے زبردست سفارتی جنگ لڑی میرے مراسم سراسر نجی ہیں اور پارٹی اپنے کسی رکن پر اپنے احباب کے ساتھ میل جول کی پابندی نہیں لگا سکتی۔ پھر جن افراد نے میرے متعلق قرارداد کے حق میں ووٹ دیئے ان میں سے بعض نے رکنیت کا اب تک چندہ ادا نہیں کیا۔ اس لئے وہ ووٹ دینے کے مجاز ہی نہیں تھے۔ علاوہ ازیں دو اہم ارکان نے ووٹ سے محض اس لئے اجتناب کیا کہ مجھے اپنی پوزیشن صاف کرنے کے لئے مناسب مہلت نہیں دی گئی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے سرکاری حکام اور نوکر شاہی پر نکتہ چینی کی تھی کہ وہ عوام سے ٹھیک سلوک نہیں کرتے۔ عوام تو رہے ایک طرف وہ مجھ جیسے قومی اسمبلی کے ارکان کو بھی نہیں چھوڑتے۔ چنانچہ مجھ پر خواہ مخواہ مقدمات بنائے گئے اور ایک مقدمے میں مجھے اپنے ہی حلقے میں ایک شخص سے محض ایک سو بیس روپے لوٹ لینے کا مورد الزام ٹھہرایا گیا۔ مجھ پر یہ الزام بھی عائد کیا گیا کہ میں نے 1959ء میں پانچ ہزار روپے کے سرکاری درخت بیچ ڈالے تھے۔ مجھ پر سات ہزار روپے انکم ٹیکس لگایا گیا اور مجھے ایک دن کے لئے جیل میں بھی رکھا گیا۔ کیونکہ میری طرف سے اس رقم کا سپرد دار بننے کے لئے کوئی شخص تیار نہ ہوا۔ اس وقت مسلم لیگ اسمبلی پارٹی کو یہ دھاندلیاں روکنے کی نہ سوجھی۔ حکام کے ہاتھوں عوام دکھی ہیں اور حکام پر میں ہی نہیں، عوام ہی نہیں، بلکہ پارٹی کے دیگر ارکان بھی اکثر نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں۔

5 جولائی — مشرقی پاکستان میں خوفناک سیلاب

مشرقی پاکستان میں خوفناک سیلاب کے باعث لاکھوں افراد بے گھر ہو گئے۔

6 جولائی — اگر تلہ سازش میں بھارت کی شرکت کا ثبوت موجود ہے: پاکستان

حکومت پاکستان نے کہا کہ اگر تلہ سازش میں بھارت کی شرکت اور مدد کا قطعی ثبوت موجود ہے۔

7 جولائی — مادر ملت کی برسی پر عبدالستار نیازی کا خطاب اور نظربندی

مادر ملت فاطمہ جناح کی برسی کے موقع پر ایبٹ آباد میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے مولانا عبدالستار نیازی نے ایوب حکومت کی خرابیوں اور زیادتیوں پر سخت تنقید کی اور حق بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات کرانے کا مطالبہ کیا۔ اس تقریر کے جرم میں ڈپٹی کمشنر ایبٹ آباد نے انہیں ایک ماہ کے لئے نظربند کر دیا۔ بعد ازاں پشاور ہائی کورٹ نے ڈپٹی کمشنر کے نظربندی کے آرڈر کو غلط قرار دے دیا۔

13 جولائی — پاکستان دشمن کو کچل کر رکھ دے گا: ایوب خان

اپنی بیماری کے بعد پہلی مرتبہ صدر ایوب نے لاہور اور گوجرانوالہ کے جلسوں میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان دشمن کو کچل کر رکھ دے گا۔

20-21 جولائی — صدر ایوب کا دورہ ایران

صدر ایوب ایران کے سرکاری دورے پر تہران پہنچے۔ انہوں نے شہنشاہ ایران کے ساتھ، باہمی دلچسپی کے امور پر بات چیت کی۔

22 جولائی — چودھری وحید اللہ کا انتقال

جڑانوالہ سے مغربی پاکستان کے سابق رکن چودھری وحید اللہ، جڑانوالہ میں انتقال کر گئے۔

22 جولائی — 'چٹان' پر پابندی کا حکم کالعدم

مغربی پاکستان ہائی کورٹ نے ہفت روزہ "چٹان" کے ڈکلریشن کی منسوخی کا سرکاری حکم کالعدم قرار دے دیا۔

28 جولائی — شوکت ہارون انتقال کر گئیں

سر عبداللہ ہارون کی صاحبزادی اور لیڈی ڈفرن ہسپتال کی میڈیکل سپر نٹنڈنٹ ڈاکٹر شوکت ہارون کا انتقال ہو گیا۔ انہیں کراچی میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

29-31 جولائی — اگر تلہ سازش مقدمہ کی دوبارہ سماعت

اگر تلہ سازش کیس کی دوبارہ سماعت 29 جولائی کو شروع ہوئی جبکہ وکیل صفائی مسٹر ولیم تھامس ولیمز نے ٹربیونل کی تشکیل کو غیر آئینی قرار دیا لیکن ٹربیونل کے چیئرمین مسٹر ایس۔ اے۔ رحمٰن نے یہ اعتراض مسترد کر دیا۔ وکیل صفائی نے ایک اور اعتراض کیا کہ ان کے موکل شیخ مجیب الرحمٰن کے خلاف ایسی کوئی کافی شہادت موجود نہیں ہے جس کی بنیاد پر ان کو نظربند رکھا جا سکے۔ چیئرمین نے یہ دلیل بھی مسترد کر دی اور استغاثہ نے سب سے پہلے وعدہ معاف گواہ لیفٹیننٹ کرنل حسین جن کا تعلق پاکستان بحریہ سے تھا۔ پیش کیا اور انہی کا بیان ریکارڈ کیا۔ یہ بیان تھا کہ مشرقی پاکستان کو آزاد کرانے

کے لئے جو میٹنگیں ہوتی تھیں شیخ مجیب الرحمٰن ان میں شامل ہوتے تھے اور ان ملاقاتوں میں اس امر پر اتفاق پایا تھا کہ مشرقی پاکستان کو اقتصادی لحاظ سے خوشحال بنانے کی خاطر ملک کے دوسرے حصے سے الگ کرنا چاہیے اور شیخ مجیب الرحمٰن نے اس سلسلے میں ہر ممکن مدد کا یقین دلایا تھا جس میں مالی امداد بھی شامل تھی۔ وکیل صفائی کے جواب میں گواہ نے بتایا کہ میں 1944ء میں بحریہ میں ملازم ہوا تھا۔ میں میمن سنگھ کا رہنے والا ہوں اور میری تعلیم چھٹی جماعت تک ہے۔ میں نے خود اقبال جرم کیا ہے اور مجھ پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا گیا اور نہ ہی مجھے کوئی اذیت دی گئی ہے۔ اگلے دن یعنی 30 جولائی 1968ء کو دوسرا گواہ کمال الدین احمد (وعدہ معاف) پیش کیا گیا جسے استغاثہ نے منحرف قرار دے دیا۔ کیونکہ اس نے دانستہ طور پر لیفٹیننٹ کمانڈر معظم حسین اور فضل الرحمان کو شناخت کرتے وقت غلط بیانی سے کام لیا تھا۔ یکم اگست 1968ء کو تیسرے وعدہ معاف گواہ امیر حسین میا کو پیش کیا گیا۔ جس کا بیان تھا کہ میں نے اگست 1964ء میں فضائیہ کو چھوڑ کر کراچی میں سنٹرل سپیکل آفس میں ملازمت اختیار کر لی۔ اس سال دسمبر یا اگلے سال جنوری میں سٹیورڈ مجیب۔ لیڈنگ سی میں سلطان الدین احمد اور لیڈنگ سی مین نور محمد سے میری واقفیت ہو گئی۔ سٹیورڈ مجیب اور سلطان الدین احمد نے مجھے اپنی علیحدگی پسندی کی تحریک کے بارے میں بتایا اور مجھے اس تحریک میں شامل کرنے کی کوشش کی لیکن میں قائل نہ ہوا۔ تو مجھے لیفٹیننٹ کمانڈر معظم حسین کی قیامگاہ پر لے گئے۔ جہاں لیفٹیننٹ معظم حسین نے بتایا کہ وہ مشرقی پاکستان کو مسلح بغاوت کے ذریعے مرکز سے علیحدہ کرنے اور آزاد مملکت بنانے کے لئے ایک فورس بنا رہے ہیں۔ مشرقی پاکستان کو مرکز سے الگ کرنے کے لئے جو ہماری ملاقاتیں (خفیہ) ہوتی تھیں۔ وہ ڈھاکہ اور کراچی دونوں شہروں میں ہوتی رہی تھیں۔ ان میں سے ایک ملاقات اکتیس اگست 1965ء کو ڈھاکہ میں شیخ مجیب الرحمان کی اقامت گاہ میں ہوئی تھی جس میں معظم حسین نے تمام حاضرین کو یقین دلایا تھا کہ شیخ مجیب کی تائید و حمایت سے سابق فوجیوں اور بعض فوجیوں کو اس تحریک کا حامی بنا لیا جائے گا۔ جس کی غرض و غایت مشرقی پاکستان کو مرکز سے الگ کرنا ہے۔ اس مجلس میں شیخ مجیب الرحمٰن نے حاضرین کو یقین دلایا تھا کہ بھارت سے اسلحہ، گولہ بارود اور روپیہ حاصل کرنے میں کامیابی ہو جائے گی۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے قسطوں میں ایک لاکھ روپیہ دینے کا وعدہ کیا تھا اور میں نے اس مجلس میں چار ہزار سات سو روپیہ وصول کیا۔ علیحدگی پسندی کی اس تحریک میں میرے دو رفقاء کار کو گوریلا ٹریننگ لینے کے لئے ہدایت کی گئی تھی جو انہیں چٹاگانگ کے پہاڑی علاقوں میں بھارت سے پہنچنے والے اسلحہ اور گولہ بارود کے ذریعے لینی تھی۔ اس معاملہ میں ڈھاکہ میں ایک ملاقات میں غور ہوا جس میں تحریک کو آگے بڑھانے کی رفتار کا بھی جائزہ لیا گیا۔ یہ ملاقات مارچ 1966ء میں ہوئی جس میں دوسرے لوگوں کے علاوہ شیخ مجیب الرحمٰن اور لیفٹیننٹ معظم حسین، سٹیورڈ مجیب اور میں نے شرکت کی تھی۔ اس ملاقات میں معظم حسین نے تحریک کی سرگرمیوں اور کارکردگی کا خلاصہ پیش کیا۔ معظم حسین نے اپنی تحریک کے مقاصد بتائے اور یہ اعلان کیا کہ اسے مشرقی پاکستان کی مکمل آزادی کے بغیر کوئی چیز مطمئن نہیں کر سکتی۔ اس ملاقات کے مذاکرات اور لیفٹیننٹ معظم کے عزائم سے سبھی مطمئن تھے۔ معظم حسین نے اس ملاقات میں بتایا کہ بھارت سے اسلحہ ملنے کے فوراً بعد کارروائی کے لئے تاریخ مقرر کر دی جائے گی اور پھر اس وقت مشرقی پاکستان کے سب لوگ ہمارے مقصد کی حمایت کریں گے۔ وکیل صفائی کی جرح کے جواب میں وعدہ معاف گواہ امیر حسین میا نے بتلایا کہ میں نے معظم حسین کے خطوط اور ڈائری اپنے دفتر میں محفوظ کر کے رکھ لی تھیں۔ کیونکہ ہماری کامیابی کے بعد یہ خطوط اور ڈائری تاریخی ثابت ہوتے اور میں ان سے ایک سوانح حیات مرتب کرنا چاہتا تھا۔ میں نے انہیں گھر کی بجائے دفتر میں اس لئے رکھا تھا کہ وہاں یہ زیادہ محفوظ تھیں اور پھر گھر کے متعلق مجھے یہ خدشہ تھا کہ اگر یہ کاغذات پولیس کے ہتھے چڑھ گئے تو خطرناک ثابت ہوں گے۔ میں نے سازش سے علیحدگی قائداعظم کی سوانح حیات پڑھنے کے بعد اختیار کی جو کسی انگریز کی لکھی ہوئی تھی اور جو میں نے وسط اپریل 1966ء میں پڑھی تھی کیونکہ اس کے مطالعہ سے مجھے احساس ہوا تھا کہ بھارتی ہندو مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک روا رکھتے تھے۔ سازش سے میری وابستگی معظم حسین کے وہ نظریات تھے۔ جو انہوں نے ایک میٹنگ میں بیان کئے تھے اور کہا تھا کہ مشرقی پاکستان کے مصائب کا ذمہ دار مغربی پاکستان ہے۔ ملازمتوں میں اور ڈیفنس سروسز میں مغربی پاکستانیوں کے مقابلے میں مشرقی پاکستانی بہت کم اور فوج، فضائیہ یا بحریہ کا کمانڈر انچیف کبھی بھی کوئی مشرقی پاکستانی نہیں رہا۔ اس کے علاوہ مشرقی پاکستان کی آمدنی مغربی پاکستان پر خرچ کی جا رہی ہے۔ جب میں اس سازش میں شریک تھا تو اس وقت میں یقیناً مشرقی پاکستان کو مرکز سے علیحدہ کرنے پر خوش ہوتا لیکن اب میرا خیال اس سے مختلف ہے۔ سازش سے میری علیحدگی کی وجہ یہی تھی کہ میں مشرقی پاکستان کو مرکز سے علیحدہ کرنے کے خلاف ہو چکا تھا۔

اگر تلہ سازش کیس کی مسلسل سماعت کے دوران وعدہ معاف گواہ سعید الرحمان اور مرزا محمد رمیض کا بیان ریکارڈ کیا گیا۔ مرزا محمد رمیض نے گواہی دیتے ہوئے ٹریبونل کو بتایا کہ میں نے کمشنڈ افسر کی حیثیت سے اپریل 1952ء میں پاک فضائیہ میں شرکت کی اور مارچ 1962ء میں فضائیہ سے سبکدوش ہوا۔ میں مارچ 1965ء میں چٹاگانگ میں پی۔ آئی۔ اے کا ڈسٹرکٹ منیجر مقرر ہوا۔ سٹیورڈ مجیب اور اے۔ پی خورشید کو میں اپریل 1966ء سے جانتا ہوں۔ لیفٹیننٹ معظم کو میں مئی 1966ء سے جانتا ہوں۔ مئی 1966ء میں ایک روز تینوں میرے مکان پر آئے۔ لیفٹیننٹ معظم نے میرے ساتھ نیوی اور فضائیہ کے افسروں کی بہبود کے متعلق بات چیت کی

اور مجھے ناصر آباد میں اپنے مکان کا پتہ دیتے ہوئے درخواست کی کہ میں اسے اس کے مکان پر ملوں۔ پندرہ روز بعد میں لیفٹیننٹ معظم کے مکان پر گیا۔ وہاں سٹیورڈ مجیب اور اے۔ پی۔ خورشید بھی موجود تھے۔ لیفٹیننٹ معظم نے مجھے اعتماد میں لے کر کہا کہ مشرقی پاکستان کا مقصد آئینی طریقوں سے تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے لئے جوش کی ضرورت ہے۔ میں معظم کے اس خیال سے متفق ہو گیا۔ لیفٹیننٹ نے مجھے بتایا کہ میں سابق فوجیوں پر مشتمل ایک فوج مرتب کر رہا ہوں جو مشرقی پاکستان کی آزادی کے لئے جنگ کرے گی۔ یہ آزادی ہم بغاوت سے حاصل کریں گے۔ میں معظم کے ان خیالات سے بہت متاثر ہوا اور اس کی ہر ممکن امداد کا وعدہ کیا کچھ دنوں بعد معظم نے مجے ایک ڈائری دی جس میں بغاوت کا خاکہ بنایا گیا تھا اس نے مجھے آزاد مشرقی پاکستان کا پرچم بھی دکھایا۔ جس میں سبز اور سنہرے رنگ تھے۔

اگست 1968ء

5 اگست۔۔۔ حکومت کو مشرقی پاکستان ہائی کورٹ کا نوٹس

مشرقی پاکستان ہائی کورٹ نے حکومت پاکستان کو اظہار وجوہ کا نوٹس جاری کیا کہ کیوں نہ اس خصوصی ٹریبونل کو کالعدم قرار دے دیا جائے جو عوامی لیگ کے سربراہ شیخ مجیب الرحمان اور ان کے ساتھیوں کے خلاف اگر تلہ سازش مقدمے کے سلسلے میں سماعت کر رہا ہے۔

حوالہ: انجم

10 اگست۔۔۔ صدر ایوب کا دورہ برطانیہ مکمل

صدر ایوب برطانیہ کا تین ہفتے کا دورہ مکمل کر کے استنبول پہنچے۔ صدر 12 اگست کو وطن واپس پہنچ گئے۔

12 اگست۔۔۔ تعمیری کام کا جذبہ ابھارا جائے: ایوب خان

صدر ایوب نے وطن واپس آنے کے بعد کہا۔ کہ علاقائی عصبیت اور دوسری برائیاں جن کی وجہ سے قومی ترقی کے کام میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں پاکستانی عوام' ان کے خاتمہ کے لئے متحدہ جدوجہد کریں۔ ملک کی ترقی کے لئے ہمیں علاقائی بنیادوں پر سوچنے کی بجائے قومی بنیادوں پر سوچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ پاکستان کو رفاہی مملکت بنانے کی غرض سے پاکستان کو اپنی مسلسل ترقی کا عمل جاری رکھنے کی ضرورت ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ ملک میں مکمل استحکام ہو اور عوام کے جذبات کو بھڑکانے کی بجائے تعمیری کام کرنے کا جذبہ ابھارا جائے۔۔

18 اگست۔۔۔ مولانا اکرم انتقال کر گئے

قائداعظم کے پرانے رفیق' ممتاز صحافی اور مسلم لیگ کے قیام میں اہم کردار ادا کرنے والے تحریک آزادی کے مجاہد مولانا محمد اکرم خان کا ڈھاکہ میں انتقال ہو گیا۔ وہ 1870ء میں مغربی بنگال میں پیدا ہوئے تھے۔ انہیں ڈھاکہ میں دفن کر دیا گیا۔

21 اگست۔۔۔ بھٹو کے خلاف مقدمات کی تیاریاں

مغربی پاکستان کے وزیر داخلہ قاضی اللہ نے 21 اگست کو ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ سابق وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف مقدمات کا اندراج ہو چکا ہے اور ان کی چھان بین ہو رہی ہے۔ تحقیقات کے مکمل ہوتے ہی ان مقدمات کو کسی عدالت میں پیش کر دیا جائے گا۔

24 اگست۔۔۔ بھٹو کا لاہور میں طلبہ سے خطاب

پانچ ہفتوں کے غیر ملکی دورے کے بعد بھٹو نے 24 اگست کو ویسٹ پاکستان سٹوڈنٹس لیگ اور طلبہ کی دوسری تنظیموں کے مشترکہ اجلاس میں ایک طویل تقریر کرتے ہوئے عوام دشمن حاکموں کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ مخالفوں کی طرف سے انہیں غیر ملکی ایجنٹ کہا جا رہا ہے حالانکہ وہ کسی غیر ملکی طاقت کے ایجنٹ نہیں صرف اپنی قوم کے ایجنٹ ہیں اور اگر قوم نے ان کا ساتھ دیا تو وہ اپنی جدوجہد جاری رکھیں گے اور اپنی جان تک قربان کر دیں گے۔

26 اگست۔۔۔ مشرقی پاکستان میں شراب نوشی پر پابندی

مشرقی پاکستان کے گورنر عبدالمنعم خان نے صوبے میں شراب نوشی پر پابندی عائد کر دی۔

28 اگست۔۔۔ شہزادی ثروت کا نکاح

بیگم شائستہ اکرام اللہ سہروردی کی صاحبزادی شہزادی ثروت کا نکاح' اردن کے شہزادہ حسن سے انجام پا گیا۔ بیگم شائستہ نے دولہا اور شاہی خاندان کے اعزاز میں استقبالیہ دیا۔

31 اگست۔۔۔ بھٹو کی پریس کانفرنس

مشرقی پاکستان میں نیشنل عوامی پارٹی اور عوامی لیگ ہی دو ایسی سیاسی جماعتیں تھیں جو بااثر تھیں۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو اگست 1968ء کے آخر میں ایک بار پھر مشرقی پاکستان گئے اور دونوں سیاسی جماعتوں سے بحالی جمہوریت کے لئے دوٹوک بات چیت کی۔ اس بات پر زور دیا کہ آمریت کے خلاف تمام سیاسی راہنماؤں کو ایک ہی مرکز پر اپنی قوت جمع کرنی چاہیے۔ 31

اگست 1968ء کو انہوں نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا اور کمال سیاسی بصیرت کا ثبوت دیتے ہوئے اس حقیقت کو ایک مرتبہ پھر پیش کیا کہ موجودہ حالات میں اپوزیشن کا کردار بہت مشکل ہو گیا ہے اس لئے اب پہلے سے بھی کہیں زیادہ اتحاد کی ضرورت ہے۔ رہا معاملہ عوامی لیگ کا تو عوامی لیگ کے چھ نکات پر بات چیت کے ذریعے اب بھی کوئی فیصلہ ہو سکتا ہے لیکن افسوس حکومت کی کوتاہ نظری کے باعث چھ نکات ملک کی سلامتی کے لئے سخت خطرہ پیدا کر رہے ہیں اور اب بھی وقت ہے کہ اس پر بات چیت سے مفاہمت پیدا کر لی جائے۔

31 اگست ۔۔۔ یوم پختونستان

جلال آباد میں یوم پختونستان کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے سرخپوش رہنما عبدالغفار خان نے کہا:

حکومت پاکستان ہمارے خلاف ساری دنیا میں یہ پروپیگنڈا کرا رہی ہے۔ کہ ہم مسلمانوں کے بدخواہ ہیں اور ہندوؤں کے ساتھی ہیں۔۔ پختونستان بنا کر ہم پاکستان کو مٹانا چاہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے شروع میں مسلم لیگ سے مدد مانگی تھی لیکن مسلم لیگ کو انگریزوں نے ہندوؤں کے ساتھ لڑانے کی غرض سے تیار کیا تھا اور ہماری لڑائی انگریزوں کے خلاف تھی۔ اس لئے ہمیں مسلم لیگ سے کوئی مدد نہ ملی تو ہم نے کانگریس میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔ کانگریس نے پوری دنیا میں ہماری تحریک کا چرچا کیا تھا کہ ہم دونوں مشترک طور پر اپنے ملک سے انگریزوں کو نکال دیں۔ ان حالات میں انگریزوں کا تشدد اور مسلم لیگ کا عدم تعاون' لہٰذا ہم ہندوؤں کا ساتھ دینے کے لئے مجبور ہو گئے۔ اب میں پھر کہتا ہوں کہ حکومت پاکستان کے ظلم اور پاکستانی مسلمانوں کے عدم تعاون کی بناء پر ہم ایک بار پھر دوسروں سے تعاون کے لئے مجبور نہ جائیں۔

مسلم لیگیوں نے ہم پر ہندو نوازی کا الزام لگایا۔ اور بدنام کیا تاکہ سندھی بلوچی بنگالی اور پنجابی غریب عوام ہماری طرف سے بدگمان ہو جائیں۔ بدنامی کا یہی الزام انہوں نے بنگال کے شیخ مجیب الرحمٰن اور ان کے ساتھیوں پر عائد کیا ہے۔ مگر اللہ کا شکر ہے کہ پاکستان کے عوام اس راز سے اچھی طرح واقف ہو گئے ہیں۔

1947ء میں جب ہم نے سمجھا کہ انگریز جا رہے ہیں اور ہندوستان کو وہ حصوں میں تقسیم کر رہے ہیں۔ ایک حصہ ہندوستان کے نام سے ہندوؤں کے حوالے کر رہے ہیں۔ دوسرا حصہ پاکستان کے نام سے اپنی لے پالک مسلم لیگ کو دے رہے ہیں تو ہمارے خدائی خدمت گاروں نے بہت سوچ بچار سے کام کیا۔ ہم نے اقتدار کی خاطر کانگریس کو نہیں چھوڑا لیکن کانگریس نے ہمیں چھوڑ دیا۔ اب پاکستان کے موجودہ حکمرانوں میں کوئی ایک شخص بھی ہے۔ جس نے انگریزوں کے مقابل قوم کا ساتھ دیا ہو۔ جب ہم نے ان حالات کو سمجھ لیا تو ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم نہ پاکستان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں اور نہ ہندوستان کے ساتھ بلکہ اپنی خود مختار پختون ریاست کے قیام کے خواہش مند ہیں۔

پختونوں میں سیاسی بیداری اور ان میں اجتماعیت کا احساس پیدا کرنا ہماری خدائی خدمت گار تحریک کی دین ہے۔ پختونستان کی جو داغ بیل پڑی ہے وہ بھی ہماری تحریک کا کارنامہ ہے۔

پاکستان کے حکمران اسلام کا نام لیتے ہیں کیا اسلام کی ترقی اس میں ہے کہ اسلام کے نام پر اسلام آباد تعمیر کرایا جائے اور بلا ضرورت مکانات سازی پر اربوں روپیہ خرچ کیا جائے۔ کیا اسلام کی ترقی اس میں ہے کہ بنگال میں ہر سال آنے والے سیلاب سے ہزاروں مسلمانوں کو تباہ و برباد کیا جائے اور اکیس سال گزرنے کے باوجود انسداد سیلاب کا کوئی انتظام نہ کیا جائے۔ آج اسلام یہ ہے کہ پٹھانوں کی بجلی اور معدنیات سندھیوں کی زمینیں۔ بلوچیوں کی گیس چھیننے کی سازش کر کے ایک یونٹ بنایا جائے ایک یونٹ چند دولت مند لوگوں کو مزید دولت مند بنانے کے لئے بنایا گیا ہے اگر ایک یونٹ سے پنجاب کے غریب طبقوں کو بھی کوئی ادنیٰ سا فائدہ ہو تو میں اس کی تائید کرنے کو تیار ہوں۔ آج اسلام یہ ہے کہ قوم پرستوں کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ شہزادہ عبدالکریم ملک و قوم کی خدمت کے گناہ پر خان عبدالصمد خان کے ساتھ گرفتار ہوئے تھے جو آج تک جیل میں ہیں۔

پاکستانی حکمران ہماری نیت اور ہمارے ارادے سے بخوبی واقف ہیں اور اس بات کو بھی سمجھتے ہیں کہ اگر ہم متحد ہوں تو پاکستان اور زیادہ طاقت ہوتا ہے۔ اس برس پشاور میں پاکستان قومی عوامی پارٹی کانفرنس نے بھی اس بات کی تائید کی مگر پاکستان حکمرانوں نے ذاتی مفادات کی بناء پر اپنے کانوں کو بہرہ بنا رکھا ہے۔

گذشتہ برس میں میں نے کہا تھا کہ امریکہ روس اور چین ہمارے اور پاکستان کے درمیان ثالثی کریں۔ اب آخری مرتبہ پاکستان سے کہتا ہوں کہ اگر وہ ہمیں بھائی چارے کا حق دے دے تو بہت اچھا ہو گا۔ ورنہ بنگال تو اپنی آزادی کی جدوجہد کر ہی رہا ہے۔ ہم پختون سندھی اور بلوچی مظلوم بھی اس بات پر غور کریں گے کہ ہم کیا کریں۔ موجودہ حالات میں پاکستان میں رہیں یا الگ ہو جائیں میں پاکستانی حکومت سے کہتا ہوں کہ وہ ہمیں مجبور نہ کرے کہ ہم تینوں بھائی ایک ہو کر ایک فیڈریشن بنانے کی غرض سے ایک حفاظتی حکومت بنانے کا راستہ اختیار کریں۔

ستمبر 1968ء

یکم ستمبر ۔۔۔ صدر ایوب کی ماہانہ نشری تقریر

صدر ایوب نے اپنی ماہانہ نشری تقریر میں کہا کہ جنگ نہ کرنے کے

بھارتی معاہدے کی پیشکش فریب ہے۔

2 ستمبر۔۔۔ ممتاز علی بھٹو کا نوٹس

2 ستمبر 1968ء کو پاکستان مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے سیکرٹری جنرل محمد قاسم نے قومی اسمبلی کے رکن ممتاز علی بھٹو کو بھی نوٹس دے دیا جس میں ان سے سات روز کے اندر یہ وضاحت کرنے کے لئے کہا گیا کہ ان کے بارے میں یہ کیوں نہ سمجھ لیا جائے کہ آپ پاکستان مسلم لیگ کو چھوڑ چکے ہیں اور پاکستان پیپلزپارٹی میں شامل ہو چکے ہیں اور پاکستان مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کے رکن نہیں رہے ہیں۔ کیونکہ آپ نے 26 نومبر سے 29 نومبر تک ذوالفقار علی بھٹو کے ہمراہ سیالکوٹ، گوجرانوالہ اور ڈسکہ کا سیاسی دورہ کیا اور 30 نومبر سے یکم دسمبر 1967ء تک لاہور میں پاکستان پیپلزپارٹی کا جو دو روزہ کنونشن ہوا آپ اس کے انتظامات میں بھی شریک ہوئے اور مزید یہ کہ ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ سابق سندھ کا دورہ کیا اور پاکستان پیپلزپارٹی کے قیام کے لئے کنویسنگ اور بحث مباحثہ میں بھی حصہ لیا۔ آپ نے 8 مارچ 1968ء کو خیرپور میں حاجی بخش لاری ایڈووکیٹ کی قیام گاہ پر پیپلزپارٹی کے اجلاس میں شرکت کی جو مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی صدارت میں منعقد ہوا۔ پھر آپ نے 25 مارچ سے 3 اپریل تک مشرقی پاکستان کا دورہ کیا۔ پاکستان پیپلز پارٹی اور نیشنل عوامی پارٹی کے درمیان اتحاد کے لئے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو اور مولانا عبدالحمید خاں بھاشانی کے درمیان جو مذاکرات ہوئے آپ اس میں بھی شریک ہوئے۔ اور 26 مئی 1968ء کو راولپنڈی میں پاکستان پیپلزپارٹی کی افتتاح تقریب میں بھی شرکت کی۔ پھر آپ نے برسرعام اور نجی طور پر بھی کہا ہے کہ آپ پاکستان پیپلزپارٹی کے رکن ہیں اور پیپلزپارٹی کے رکن کی حیثیت سے قومی اسمبلی میں اپنی حالیہ تقریر میں پاکستان مسلم لیگ پر نکتہ چینی بھی کر چکے ہیں۔ دریں حالات آپ کو پاکستان مسلم لیگ پارلیمانی گروپ سے کیوں نہ خارج کر دیا جائے؟

انہیں کنونشن مسلم لیگ سے الگ کر دیا گیا۔

4 ستمبر۔۔۔ مشرقی پاکستان اسمبلی کے اسپیکر کا انتقال

مشرقی پاکستان اسمبلی کے اسپیکر عبدالحمید چودھری کا ڈھاکہ میں دل کا دورہ پڑنے سے انتقال ہو گیا۔

10 ستمبر۔۔۔ زیڈ اے سلہری 'پاکستان ٹائمز' کے ایڈیٹر مقرر ہو گئے

حکومت نے زیڈ اے سلہری کو نیشنل پریس ٹرسٹ کے انگریزی روزنامے 'پاکستان ٹائمز' کا ایڈیٹر مقرر کر دیا۔

21 ستمبر۔۔۔ سندھ کنونشن حیدر آباد سے بھٹو کا خطاب

سندھ کنونشن حیدر آباد سے خطاب کرتے ہوئے بھٹو نے پہلی بار حکومت سے اپنی علیحدگی پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ بھٹو نے کہا۔

"یہ ایک طویل داستان ہے کہ اختلافات کیسے شروع ہوئے۔ لیکن ستمبر 1965ء کی جنگ کے دوران یہ اختلافات آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑے۔ جوں جوں وقت گزر تا گیا تمام اہم معاملات مثلاً کشمیر' اعلان تاشقند' جنگ اور امن کا مسئلہ اور بھارتی خطرے پر حکومت کے ساتھ یہ اختلاف وسیع ہونے لگے۔ کافی عرصے تک میں نے صبر سے کام لیا۔ لیکن ستمبر کی جنگ کے بعد کے دور نے واپسی کے دروازے بند کر دیئے۔ میں نے محسوس کیا کہ حکومت کی پالیسی کو برداشت کرنا باعث ذلت ہے۔ یہ قوم کے وسیع تر مفادات سے واضح طور پر متصادم تھی۔ اس مشکل دور میں بھی میں مادر وطن اور کشمیری عوام کی سلامتی اور آزادی کی حفاظت کے لئے ہزار سالہ جنگ کا عہد دہراتا رہا تھا۔ لیکن مختصر سی جنگ نے پاکستان کے بہادر عوام اور مسلح افواج کی بہادری اور استقامت کے باوجود حکومت سخت پریشان ہو گئی"۔

بھٹو نے بھارتی ہائی کمشنر سے اپنی ملاقات اور اس کے نتائج کا ذکر کرتے ہوئے بتایا۔

"ایک مرتبہ ہوائی سفر کے دوران بھارتی ہائی کمشنر کے ساتھ میری مڈ بھیڑ ہو گئی۔ وہ مجھ سے پاکستان اور بھارت کے درمیان مسائل پر تبادلہ خیالات کرنا چاہتا تھا۔ اس کے اصرار پر میں راضی ہو گیا۔ اس ملاقات سے بے مقصد طور پر ناجائز فائدہ اٹھایا گیا۔ ایسے بیانات دیئے گئے جن میں مجھ پر الزام لگایا گیا کہ میں بھارتی نمائندے سے چوری چوری ملا ہوں۔ مجھے چوری چوری ملنے کی کیا ضرورت تھی؟ عوام کو معلوم ہے میں اس سے دن کے وقت 1 بجے ملا تھا۔ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ خفیہ پولیس ہر وقت اور ہر جگہ میرے گرد منڈلاتی رہتی ہے۔ براہ کرم یہ یاد رکھیں کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں جو رات کی تاریکی میں پاکستان کے دشمنوں سے ملتے ہیں اور پاکستان اور بھارت کا وفاق بنانے کی سازش کرتے ہیں۔ میں وہ آدمی ہوں جس کے خیالات کو سامراجی نہ بدل سکتے تھے اور نہ خرید سکتے تھے۔ میں وہی آدمی ہوں جس نے سلامتی کونسل میں سورن سنگھ کا مقابلہ کیا۔ میں مدمقابل لوگوں سے بات کرنا جانتا ہوں۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جن کے ذمے یہ کام لگایا گیا ہے کہ وہ کشمیریوں کی آزادی کا مسئلہ ختم کر دیں"۔

ایوب خان سے آخری ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

"اب میں آپ کو صدر ایوب خان کے ساتھ اپنی آخری ملاقات کے بارے میں بتاؤں گا۔ یہ میری آخری ملاقات تھی۔ شام کا وقت تھا۔ یہ ایوان صدارت میں اس خاص کمرے میں ہوئی جس کی دیواروں پر سبز روغن کیا گیا ہے اور جہاں اہم اجلاس ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک وزیر نے مجھ سے از راہ مذاق کہا: "مسٹر بھٹو اب چونکہ میں اور آپ اس کمرے میں آ چکے ہیں کسی خوف کی گنجائش نہیں ہونی چاہیے"۔ جس قسم کی سیاسی گفتگو وہاں

ہوئی' صدر کے ساتھ میری گفتگو سن کر آپ کو معلوم ہو جائے گی۔ صدر نے کچھ اس طرح گفتگو کا آغاز کیا۔

"دیکھو ہماری پالیسیوں میں وسیع اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ میں نے تمہیں اپنے منشاء کے خلاف پالیسیاں اختیار کرنے سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی۔ لیکن تم میری خواہشات کے خلاف کام کرتے رہے ہو" پھر اس نے اپنی میز پر پڑے ہوئے ایک اردو رسالے کی طرف اشارہ کیا جس میں کشمیری عوام کے حق خود اختیاری کے بارے میں میرا بیان تھا۔

اس نے کہا۔ "تم مجھے مجبور کر رہے ہو کہ میں تمہیں وزارت سے الگ کر دوں"۔

میں نے جواب دیا۔ "میں نے پہلے ہی ایک سے زائد مرتبہ آپ سے درخواست کی ہے کہ مجھے سبکدوش کر دیا جائے۔ یہ درست ہے کہ ہمارے خیالات اور پالیسیوں میں وسیع اختلافات ہیں۔ اسی وجہ سے میں حکومت سے الگ ہونا چاہتا ہوں"۔

اس پر صدر نے بات بدل دی اور کہنے لگے۔ "تم نے قوم اور ملک کی بہت خدمت کی ہے۔ میں تمہیں اقتدار سے محروم کرنا نہیں چاہتا۔ یہ میں نے تمہیں لاڑکانہ میں بھی بتا دیا تھا"۔

میرے پیارے بھائیو! میں نے انہیں بتایا کہ میں چند روزہ اقتدار کے لئے اپنے خیالات اور فلسفہ کو قربان نہیں کر سکتا۔ مجھے اپنے خیالات سے محبت تھی۔ میں نے انہیں بتا دیا کہ بہتر ہو گا کہ وہ مجھے سبکدوش کر دیں اور مجھے عوام کے پاس جانے کی اجازت دے دیں۔ کچھ دیر تو وہ خاموش رہے اور پھر کہنے لگے۔ "اگر تمہیں اس طرح نکالا گیا تو ملک کے اندر انتشار اور ہنگامے ہو جائیں گے۔ بہتر ہے تم کچھ دیر کے لئے رخصت پر چلے جاؤ۔ باقی ہم بعد میں دیکھ لیں گے"۔

چونکہ میں پہلے ہی حکومت سے اکتا چکا تھا' میں نے فوراً یہ فیصلہ منظور کر لیا۔ لیکن صدر صاحب مطمئن نہ ہوئے۔ وہ گرجے "یاد رکھو۔ دوبارہ سیاست میں آنے کی کوشش نہ کرنا"۔ میں اس دھمکی سے مرعوب نہ ہوا۔ میں نے انہیں بتا دیا کہ "دنیا کی کوئی طاقت مجھے اپنے عوام سے الگ نہیں کر سکتی۔ اگر کبھی قوم کو میری ضرورت پڑی اور اس نے مجھے مدد کے لئے پکارا تو میں یقیناً آؤں گا میرا سیاست میں حصہ لینا یا نہ لینا میرے یا آپ کے مقدر کا انحصار عوام کی خواہشات پر ہوتا ہے۔ اگر عوام یہ فیصلہ کریں کہ میں سیاست میں حصہ لوں تو آپ مجھے ان کی خواہشات پر عمل کرنے سے نہیں روک سکتے"۔

میرے پیارے بھائیو! جب انہوں نے میری ثابت قدمی کو بھانپ لیا تو صدر نے مجھے سفارت یا کوئی اور نفع بخش عہدہ قبول کرنے کے لئے سب باغ دکھانے کی کوشش کی۔ انہوں نے کہا "مسٹر بھٹو جو کچھ تم چاہو ہم تمہیں وہ سب کچھ دینے کو تیار ہیں"۔

میں نے انہیں لاڑکانہ والی گفتگو یاد دلائی اور کہا۔ "میں آپ کو صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ مجھے عہدوں سے دلچسپی نہیں۔ چونکہ میں بااصول آدمی ہوں اس لئے اپنے خیالات سے انحراف کر کے اور اپنے اصولوں کو پامال کر کے' حکومت میں رہنے کو تیار نہیں ہوں۔ میرے خیالات کی وجہ سے لوگ مجھے پسند کرتے ہیں۔ میں کسی قیمت پر بھی یہ خیالات قربان نہیں کر سکتا۔

اس لئے جب میں نے کلی طور پر ان کی کوئی بھی تجویز نہ مانی تو صدر صاحب نے کہا۔ "مسٹر بھٹو تم کچھ گستاخ ہو گئے ہو ورنہ تم ایسا طرز عمل اختیار نہ کرتے۔ بہرحال میں اب تمہارا لحاظ کرتا ہوں۔ تمہاری پرورش آرام دہ ماحول میں ہوئی ہے۔ تم ابھی زندگی کی مشکلات اور مصائب سے واقف نہیں ہو۔ یاد رکھو میں اس ملک کا صدر ہوں اور تم جانتے ہو میں اپنے مخالفوں سے کیا سلوک کرتا ہوں۔ میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ اگر تم نے چھٹی سے واپس آ کر سیاست میں حصہ لیا تو میں تمہیں تباہ کر دوں گا۔ یہ مت بھولو کہ تم سندھ کے رہنے والے ہو جہاں کے بڑے "پیروں" کو ایک تحصیلدار یا پولیس کے سب انسپکٹر کے ذریعے ٹھیک کیا جا سکتا ہے"۔

میں نے جواب دیا۔ " آپ کی مہربانی ہے کہ آپ نے سندھ اور اس کے باشندوں کی اتنی شاندار تعریف کی ہے۔ لیکن میں نسل' رنگ اور علاقائیت پر یقین نہیں رکھتا۔ میں متروک برطانوی فلسفے کو بھی نہیں مانتا جو کسی قوم کی طاقت کا اندازہ نسل' رنگ اور مذہب کی بنیاد پر کرتا ہے۔ میری نظر میں تمام انسان برابر ہیں خواہ وہ افریقی ہوں یا چینی یا جاپانی خواہ پستہ قد ویت نامی ہوں یا بلند قامت امریکی۔ یہ میرا فلسفہ حیات ہے۔ مجھے سندھی یا غیر سندھی ہونے کی بنا پر دھمکیاں نہ دیں۔ شاید آپ ابھی صحرائی لوگوں کی فطرت سے واقف نہیں۔ آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ سندھیوں کو بزدل کہیں۔ اگر آپ مجھے تباہ کرنا چاہتے ہیں اور قبر تک میرا پیچھا کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم سب وہیں جائیں گے"۔

صدر نے کہا۔ "خیر تم چھٹی پر جا سکتے ہو' باقی بعد میں دیکھ لیں گے"۔

اپنے اوپر بدعنوانیوں کے الزامات کا جواب دیتے ہوئے بھٹو نے کہا کہ انہوں نے بحیثیت وزیر اپنے عہدے سے کبھی ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا۔

جب حکومت کو میرے خلاف کوئی ثبوت نہ مل سکا تو اس نے مجھ پر الزام عاید کیا کہ میں نے سرکاری ٹریکٹر نصف کرایہ پر حاصل کیے تھے۔ یہ الزامات کس قدر مضحکہ خیز ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں صرف وزیر خارجہ ہی نہیں رہا بلکہ وزیر برائے ایندھن' طاقت اور قدرتی وسائل بھی رہا ہوں۔ میں وزیر تجارت و صنعت رہا ہوں۔ اگر میرا ارادہ اپنے کارخانے لگانے اور غیر ملکی بنکوں میں دولت جمع کرنے کا ہوتا تو میں یہ سب کچھ بڑی آسانی سے کر سکتا تھا۔ مقررہ کرایہ سے نصف پر ٹریکٹر حاصل کرنا ایسا ہی ہے جیسے روپوں کو چھوڑ کر پیسے اٹھانا۔ اگر مجھے دولت کی ہوس ہوتی تو دولت جمع

کرنا میرے لئے چنداں مشکل نہ ہوتا"۔

بھٹو نے کہا کہ حکومت کے اپنے ہاتھ آلودہ ہیں۔ بد عنوانی' چور بازاری' استحصال اور ظلم سے داغدار ہیں۔ پیپلز پارٹی کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے بھٹو نے کہا:

"میں آج یہ دیکھ کر بہت خوش ہوں کہ ایک سال کے مختصر عرصے میں ہماری پارٹی انقلابی بنیادوں پر منظم ہو چکی ہے۔ اس کی تنظیمی شاخیں پاکستان کے کونے کونے میں کھل رہی ہیں۔ ہماری پارٹی کو عوام کی حمایت اور تعاون حاصل ہے۔ لیکن ابھی ہمارے سامنے مشکلات ہیں جن پر ہم نے جرات اور ثابت قدمی سے قابو پانا ہے۔ ہم ان پر ضرور قابو پالیں گے۔ ہماری منزل ابھی دور ہے۔ اس لئے آگے بڑھتے جایئے۔

انہوں نے کہا:

"مشکل وقت آنے والا ہے۔ سخت سیاسی تصادم کے آثار نظر آرہے ہیں۔ آپ جانتے ہیں میں سیاسی اور معاشی پروگرام کی بنیاد پر مخالف جماعتوں کے ساتھ کسی قسم کا سمجھوتہ کرنے کی کوشش کرتا رہا ہوں۔ ہم اصولی طور پر کم از کم پروگرام کی بنیاد پر ہمیشہ تعاون کے لئے تیار ہیں۔ ہم حزب اختلاف کو جمہوریت کی بحالی اور سوشلزم' بالغ رائے دہی اور آزاد خارجہ پالیسی جیسے معاملات پر تعاون کی دعوت دیتے ہیں۔ لیکن ہم جو سوشلزم کے علمبردار ہیں' یہ سمجھتے ہیں کہ حقیقی جمہوریت اور سیاسی آزادی کو معاشی انصاف کے بغیر نہیں لایا جاسکتا۔ اس لئے ہم مشترکہ حزب اختلاف کے پروگرام میں معاشی اور مالی امور شامل کرنے پر زور دیتے ہیں۔ اس بنیاد پر ہم ہمیشہ تعاون کے لئے تیار ہیں۔ ان مسائل میں جاگیرداری کی تنسیخ۔ کسانوں اور مزدوروں کے حقوق کا تحفظ' ان کا ہڑتال کا حق۔ تمام کلیدی اور بنیادی صنعتوں کو قومیانا ٹرانسپورٹ کو قومیانا اور تعلیم کو قومیانا شامل ہیں"۔

تقریر ختم کرتے ہوئے بھٹو نے کہا:

"میں سوشلزم اور جمہوریت کی بنیاد پر تمام مخالف پارٹیوں کا ایک با اصول اور متحدہ محاذ دیکھنے کا متمنی ہوں۔ اگر کچھ لوگوں کو سوشلزم سے چڑ ہے تو آیئے جمہوریت اور کم سے کم معاشی پروگرام کی بنیاد پر ایک محاذ قائم کر لیں۔ ہماری پارٹی ہمیشہ ایسے متحدہ محاذ کے لئے تیار ہے۔ اگر کوئی موزوں مشرقی پاکستانی انتخاب لڑے تو مجھے خوشی ہو گی' کیونکہ ہم پر اس صوبے کے عوام کی طرف سے کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ لیکن اگر ایسا شخص مشرقی پاکستان سے آگے نہیں آتا تو مغربی پاکستان سے کسی ایسے آدمی کو آگے آنا چاہیے۔ جو عوام کے لئے قابل قبول ہو۔ میں ایک عام کارکن کی حیثیت سے ایسے آدمی کے لئے کام کرنے کو تیار ہوں گا۔ لیکن اگر مشرقی یا مغربی پاکستان سے کوئی عوامی شخصیت سامنے نہیں آتی تو میں کلمہ پڑھ کر آگے بڑھوں گا۔ میں حیدر آباد کے عوام سے عہد کرتا ہوں کہ خواہ کچھ ہو' میں اس آمریت کا مقابلہ کروں گا۔ فتح یقیناً ہماری ہو گی"۔

24 ستمبر۔۔۔ پاکستان میں عدلیہ کی بالادستی شک و شبے سے بالاتر ہے: ایوب

صدر ایوب نے ڈھاکہ میں ہائی کورٹ کی نئی عمارت کا افتتاح کرتے ہوئے دعویٰ کیا کہ پاکستان میں عدلیہ کی خود مختاری اور بالادستی شک و شبے سے بالاتر ہے۔

29 ستمبر۔۔۔ پی آئی اے میں ہڑتال

پی آئی اے کے ہوا بازوں' انجینئروں اور نیوی گیٹروں کی ہڑتال کے باعث بین الاقوامی پروازیں منسوخ کرنا پڑیں۔ حکومت نے ہڑتال کو غیر قانونی قرار دے دیا۔

30 ستمبر۔۔۔ عبدالغفور ہزاروی جے یو پی کے صدر منتخب ہو گئے

مولانا عبدالغفور ہزاروی جمعیت العلمائے پاکستان کے صدر منتخب کر لئے گئے۔

اکتوبر 1968ء

5 اکتوبر۔۔۔ جوگندر ناتھ منڈل انتقال کر گئے

دستور ساز اسمبلی کے رکن اور پاکستان کے پہلے وزیر قانون جوگندر ناتھ منڈل' کلکتہ میں انتقال کر گئے۔ وہ 1950ء میں بھارت فرار ہو گئے تھے۔

5 اکتوبر۔۔۔ جسٹس ابو صالح محمد اکرم کا انتقال

سپریم کورٹ آف پاکستان کے سابق جج مسٹر جسٹس ابو صالح محمد اکرم کا لاہور میں انتقال ہو گیا۔

10-12 اکتوبر۔۔۔ کشمیر پیپلز کنونشن

شیخ عبداللہ کی تحریک پر سرینگر کی تاریخی عمارت مجاہد منزل میں پیپلز کنونشن کا انعقاد ہوا۔ جس میں تمام مختلف الخیال رہنماؤں کو مدعو کیا گیا تھا۔ کنونشن کا افتتاح کرنے کے لئے جے پرکاس نارائن دہلی سے سرینگر پہنچے تھے۔ پیپلز کنونشن شروع ہونے سے پہلے شیخ محمد عبداللہ نے اپنے ایک بیان میں وزیر اعلیٰ غلام محمد صادق کے کنونشن میں شریک نہ ہونے کے فیصلے کو افسوسناک قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ کنونشن ریاست میں مفاہمت کا ایک نیا دور شروع کرنے کا ایک نیا تجربہ ہو سکتا ہے۔ کنونشن میں ڈھائی سو مندوبین نے شرکت کی۔ جے پرکاش نارائن نے نہایت معنی خیز طور پر جہاں اس بات کا اعتراف کیا کہ کشمیر کا تنازعہ موجود ہے وہاں یہ تجویز بھی پیش کی کہ چونکہ

حالات یکسر بدل چکے ہیں اس لئے کشمیری لیڈروں کو چاہیے کہ وہ اپنے خیالات اور اپروچ میں بھی تبدیلی کر لیں۔ اس کے اگلے روز جب مسٹر نارائن نے حضوری باغ کے جلسہ عام میں یہ اعلان کیا کہ رائے شماری کا مطالبہ اب فرسودہ ہو چکا ہے اس لئے کشمیری لیڈروں کو نئی راہ تلاش کرنی چاہیے تو جلسہ گاہ میں ان کے خلاف مظاہرہ شروع ہو گیا' جس پر شیخ عبداللہ کو مداخلت کرنا پڑی اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ دنیا کی کوئی طاقت کشمیریوں کو ان کے جائز اور بنیادی حق سے محروم نہیں کر سکتی انہوں نے یہ بھی کہا کہ آزادی خیرات میں نہیں ملتی اسے چھین لیا جاتا ہے اور ہم اپنا یہ حق حاصل کرنے رہیں گے۔ 12 اکتوبر کو جے پرکاش نارائن نے کشمیر پریس کلب میں اخباری نمائندوں کو بتایا کہ رائے شماری یا 1953ء کی پوزیشن بحال کرنا اب خارج از امکان ہے البتہ میں کشمیری لیڈروں اور حکومت ہند کے درمیان بات چیت شروع کروانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ تاکہ اس مسئلے کا ہندیونین کے آئینی ڈھانچے کے اندر کوئی مناسب حل نکل آئے اور پیپلز کنونشن اس کام میں ٹھوس مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔

کنونشن میں کشمیر کا مسئلہ حل کرنے کے لئے تجویزیں' متبادل تجویزیں اور جوابی تجویزیں پیش ہوتی رہیں۔ اٹھارہ تجویزیں ہندوستان کے حق میں' سولہ کشمیر کی خود مختاری کے حق میں' چھ کشمیر کو اقوام متحدہ کی نگرانی کے حق میں اور گیارہ کشمیر کو پاکستان میں شامل کرنے کے حق میں پیش کی گئیں۔ ہندوستان کے حق میں جو تجویزیں پیش ہوئیں ان میں ایک بخشی غلام محمد کی تھی' چار وادی کے ان مسلمانوں کی طرف سے جن کا تعلق حکمران کانگریس سے تھا ہندوستان کے حق میں پیش کی جانے والی باقی تیرہ تجاویز جموں کے ڈوگروں کی تھیں۔

پیپلز کنونشن میں رائے شماری کے حامی عناصر نے بڑا سخت رویہ اختیار کیا۔ آزاد کشمیر کے جن مندوبین کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی' ان میں سے کوئی نہ پہنچا۔ اگرچہ کنونشن کی ناکامی کا باضابطہ اعلان نہ کیا گیا لیکن اس کا کوئی ٹھوس نتیجہ بھی برآمد نہ ہوا۔ کنونشن کے اختتام پر بتایا گیا کہ شیخ عبداللہ ہندوستانی حکام اور پاکستان کے صدر ایوب خان کے ساتھ' اس کنونشن کی روئیداد کی روشنی میں صلاح مشورہ کرنے کے بعد دوسرا اجلاس بلانے کی تاریخ مقرر کریں گے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس کنونشن سے کشمیری مسلمانوں کو بڑی مایوسی ہوئی اور انہیں قیادت کی نیت پر شبہ ہونے لگا۔ آخری دن جو دو قراردادیں منظور ہوئیں ان میں سے ایک مولوی محمد فاروق نے پیش کی تھی اور جس میں کشمیر کا کوئی ایسا حل تلاش کرنے کی تجویز پیش کی گئی تھی جو ریاستی عوام کے لئے قابل قبول ہو۔ دوسری قرارداد موتی لال مصری ایڈووکیٹ نے پیش کی جس میں تجویز کیا گیا تھا کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان بہتر تعلقات کے لئے کوشش کی جائے۔

12 اکتوبر۔۔۔ گورنر موسیٰ کے اکیس الزامات

حیدر آباد کنونشن میں بھٹو کے طویل خطاب کے جواب میں' گورنر موسیٰ نے بھٹو کے خلاف 21 الزامات پر مشتمل ایک تقریر کی۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ جنرل موسیٰ کی اس تقریر سے لوگوں کو حیدر آباد کنونشن میں بھٹو کی تقریر کی تفصیلات کا پتہ چلا کیونکہ اخبارات نے اس تقریر کو بلیک آؤٹ کیا تھا۔ یوں سائیکلو سٹائل کے ذریعے بھٹو کی تقریر کا متن عام لوگوں تک پہنچانے کا باعث خود گورنر موسیٰ کی تقریر بن گئی۔

گورنر موسیٰ نے بھٹو کے بارے میں طنزیہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا کہ یہ صاحب سوشلسٹ ہونے کے دعویدار ہیں لیکن ایک طرف مغربی پاکستان کے قبائلی سرداروں اور جاگیرداروں سے ان کا گٹھ جوڑ ہے تو دوسری طرف وہ مشرقی پاکستان کے انتہا پسند عناصر سے ساز باز کرتے ہیں۔ گورنر نے اسی لہجے میں کہا کہ ان صاحب کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اعلان تاشقند کے ذریعے قوم کو دھوکہ دیا گیا ہے۔ قوم ایک مایوس آدمی کی مبہم باتوں اور کھوکھلے نعروں سے متاثر نہیں ہو گی۔ جب سے یہ شخص حکومت سے علیحدہ ہوا ہے۔ پاکستان زیادہ طاقتور ہو گیا ہے۔ گذشتہ اٹھارہ ماہ سے یہ شخص برابر دھمکی دے رہا ہے کہ وہ اعلان تاشقند کی خفیہ باتوں کو طشت ازبام کر دے گا۔ سوال یہ ہے کہ اتنے عرصے میں یہ شخص اس معاملے پر خاموش کیوں آخر یہ شخص بلی کو تھیلے سے باہر کیوں نہیں لاتا۔ اعلان تاشقند کا مسودہ خود اس نے تیار کیا۔ قومی اسمبلی میں خود اس شخص نے اعلان تاشقند کو پوری شدومد سے سراہا۔ اگر اعلان تاشقند قومی مفاد کے خلاف تھا تو اسے پہلے ہی مرحلے پر اس سے علیحدہ اور بے تعلق ہو جانا چاہیے تھا اور اگر اس وقت ممکن نہ تھا تو وطن واپس آکر اسے اپنی بے تعلقی کا اظہار کرنا چاہیے تھا۔

گورنر موسیٰ نے بھٹو پر متعدد بدعنوانیوں کے الزامات بھی لگائے۔ اسکندر مرزا کے حوالے سے الزام لگایا گیا کہ اسکندر مرزا کے اقتدار کے دنوں میں اس شخص نے اس کی خوشامد کی اور جب اسکندر مرزا ملک سے نکل گیا تو سات سال تک اس برائی کرتا رہا۔ گورنر کے اس الزام مین خاص دلچسپی کا پہلو یہ تھا کہ اسکندر مرزا کے ساتھ اس ناشکرے پن کا اظہار بھٹو سے کہیں زیادہ خود ایوب خان نے کیا تھا۔

ون یونٹ کے حوالے سے گورنر نے الزام لگایا کہ اس مسئلے کے بارے میں اس شخص کا نقطہ نظر ہر علاقے میں الگ ہوتا ہے۔ یہ سمجھتا ہے کہ وہ مبہم باتیں کر کے عوام کو بیوقوف بنا سکتا ہے۔ کشمیر کے معاملے میں یہ شخص طرح طرح کی باتیں کرتا ہے۔ اب یہ شخص کہتا پھرتا ہے کہ لاہور اور ملتان میں جو طلباء ہلاک ہوئے تھے۔ ان کی یادگار تعمیر کرنی چاہیے۔ گورنر کی نعرے بازی اور الفاظ کے ہیر پھیر سے آپ اپنی رائے کو متاثر نہ ہونے دیں۔

21 اکتوبر۔۔۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی تعیناتی

مسٹر جسٹس حمود الرحمان کو سپریم کورٹ آف پاکستان کا چیف جسٹس بنا

دیا گیا۔

21 اکتوبر۔۔۔ چینی کی راشن بندی

مغربی پاکستان کے تمام بڑے بڑے شہروں میں چینی کی راشن بندی کر دی گئی۔

25 اکتوبر۔۔۔ بھٹو کا کوہاٹ کے جلسہ عام سے خطاب

کوہاٹ کے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ اگرچہ مخالف جماعتوں نے انتخابات میں حصہ نہ لینے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ انہیں اس نظام پر اعتماد نہیں رہا لیکن پیپلزپارٹی انتخابات میں ضرور حصہ لے گی۔ حکومت پر تنقید کرتے ہوئے بھٹو نے کہا کہ اگر وہ عوام میں میری مقبولیت ختم کرنا چاہتی ہے تو اسے عوام کی خدمت کرنی چاہیے۔ بھٹو نے کہا کہ جب میں ملکی دولت بائیس خاندانوں سے چھین کر قومیانے کی بات کرتا ہوں تو کہا جاتا ہے کہ میں بغاوت پھیلا رہا ہوں۔ حکومت کہتی ہے کہ مخالف جماعتوں کے پاس کوئی پروگرام نہیں۔ میں حکومت سے پوچھتا ہوں کہ کیا جمہوریت پروگرام نہیں۔ کیا سوشلزم ایک نظام نہیں۔ بھٹو نے رشوت' بدعنوانیوں' امن و امان کی صورت حال اور افسر شاہی کی لعنت پر تنقید کرتے ہوئے کہ اگر میں یہ کہوں کہ موجودہ حکومت کے دن گنے جا چکے ہیں تو یہ بغاوت نہیں ہو گی۔

26 اکتوبر۔۔۔ بھٹو کا پشاور میں پارٹی کارکنوں سے خطاب

پارٹی کارکنوں سے آئین اور سیاسی نظام کے سوال پر خطاب کرتے ہوئے پیپلزپارٹی کے چیئرمین نے کہا کہ اس آئین کو دس سال تک آزمایا جا چکا ہے۔ یہ آئین صرف اس وقت تک رہے گا۔ جب تک ایوب خان رہے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ اس آئین نے ملک کو استحکام بخشا ہے لیکن یہ قبرستان کا استحکام ہے۔ وہ بربادی کرتے ہیں اور اسے امن کا نام دیتے ہیں۔

بھٹو نے کہا کہ جب مارشل لاء لگا۔ ایوب خان نے سیاستدانوں کو غدار اور ظالم کہا۔ اب آٹھ سال بعد انہیں سیاستدانوں کو وزیر بنایا جا رہا ہے۔ سیاسی جماعتوں پر پابندی لگائی گئی لیکن پانچ چھ سال بعد صدر نے خود مسلم لیگ کی صدارت کا عہدہ سنبھال لیا۔ زرعی اصلاحات کا اعلان کیا گیا لیکن جاگیرداروں میں سے ظالم ترین شخص نواب کالا باغ کو مغربی پاکستان کا گورنر مقرر کر دیا گیا جب میں کہتا ہوں کہ ہم بتدریج ملوں اور کارخانوں کو قومیالیں گے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ سوشلزم ہے اور خلاف اسلام ہے۔ جب میں کہتا ہوں کہ یہ نظام غلط ہے' اس کا آئین غلط ہے' اس کی سیاسی اور معاشی پالیسیاں غلط ہیں تو مجھے غدار کہا جاتا ہے۔ جب میں ان کے ساتھ تھا اس وقت غدار نہیں تھا۔

27 اکتوبر۔۔۔ بھٹو چارسدہ میں

جس دن انقلاب کی دسویں سالگرہ منائی جا رہی تھی۔ بھٹو نے چارسدہ کے جلسہ عام میں خطاب کرتے ہوئے کہا:

"میں حکمرانوں سے پوچھتا ہوں۔ تم نے پچھلے دس سال میں عوام کے لئے کیا کیا ہے تم خود دیکھ سکتے ہو۔ سارا ملک دیکھ سکتا ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ کچھ خاندان بہت امیر ہو گئے ہیں لیکن عوام امیر نہیں ہوئے مزدور نہیں ہوئے' کسان نہیں ہوئے۔ گورنر موسیٰ نے میرے حیدر آباد والے جلسے کے بارے میں کہا ہے کہ اس میں ٹانگے والے' رکشا والے اور مزدور تھے۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میرے جلسے میں یہ مزدور موجود تھے۔ تمہارے جلسوں میں صرف کاسہ لیس ہی ہوتے ہیں۔ مزدور ہمارے ساتھ ہیں۔ کسان ہمارے ساتھ ہیں۔ طلباء ہمارے ساتھ ہیں۔ تمہارے ساتھ صرف کاسہ لیس ہی ہیں۔ تم اپنی پولیس ساتھ رکھ سکتے ہو۔ ہمیں اس کی پروا نہیں ہم حق اور انصاف کے پرستار ہیں۔ وہ کہتے ہیں حکومت کو کون چیلنج کر سکتا ہے یہ غلط ہے۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ قوم حکومت کو چیلنج کر سکتی ہے۔ اگر کوئی صحیح نصب العین کی ترجمانی کرے تو وہ کسی کو بھی چیلنج کر سکتا ہے۔ اگر انہوں نے انصاف کیا ہوتا تو کوئی بھی انہیں چیلنج کر سکتا تھا"۔

ملکی ترقی کے سرکاری دعووں کی قلعی کھولتے ہوئے پیپلزپارٹی کے چیئرمین نے کہا کہ حکمران انتخابات کی تیاری کر رہے ہیں۔ انتخابات قریب آ رہے ہیں اور حکمران ان کے لئے تیاری کر رہے ہیں۔ بے پناہ روپیہ جمع کیا جا رہا ہے۔ اب صدر خود پشاور میں جلسہ عام سے خطاب کرنے آ رہے ہیں اور وہ عوم کو بتائیں گے کہ ملک نے بہت ترقی کی ہے۔ ترقی یہ ہے کہ کبھی تو چینی نہیں ملتی' پانی نہیں ملتا' گندم نہیں ملتی اور کبھی اشیاء خوردنی نہیں ملتیں۔ اور وہ چاہتے ہیں کہ ہم یقین کریں کہ ہر طرف ترقی ہوئی ہے۔ وہ فخر کرتے ہیں کہ ہمیں آئین دیا گیا ہے۔ یہ آئین کیا ہے وہ اسے خود بھی نہیں سمجھتے۔ وہ اپنے آئین پر خود ہی عمل نہیں کرتے۔ آئین میں یہ گنجائش ہے کہ اگر صدر بیمار ہو جائے یا ملک سے باہر چلا جائے تو اسمبلی کا اسپیکر قائم مقام صدر ہو گا۔ آپ کو معلوم ہی ہو گا کہ جب صدر بیمار پڑا تو اسپیکر کو قالین خریدنے کے لئے باہر روانہ کر دیا گیا۔ وہ اس طرح اپنے آئین کا احترام کرتے ہیں۔

بھٹو نے کہا کہ حکومت تنہا ہو چکی ہے۔ کہیں بھی عوام ان کے ساتھ نہیں۔ نہ یہاں' نہ پنجاب میں۔ نہ بنگال میں' نہ سندھ میں اور نہ ہی بلوچستان میں۔ دنیا کے کسی گوشے میں بھی آپ کو ہمارے ملک جیسے حالات نظر نہیں آئیں گے۔ عوام ان کے ساتھ نہیں ہیں' طلباء ان کے ساتھ نہیں' غریب ان کے ساتھ نہیں' کسان ان کے ساتھ نہیں' صرف چند افسران حکومت کو چلا رہے ہیں۔ ان کے ساتھ یہ افسر' یہ پولیس والے اور یہ بنیادی جمہوریت کے ممبر ہیں۔ وہ کب تک اس ملک کے عوام کو کچلتے رہیں گے ۵

انہوں نے پہلے ہی عوام کو کافی اذیتیں دی ہیں۔ بنگال کی صورت حال یہ ہے کہ وہاں مغربی پاکستان کے خلاف نفرت پھیل رہی ہے۔ اگر تم جمہوریت کو پامال کرتے رہے' اگر تم نے مشرقی پاکستانیوں سے مذاکرات نہ کیے۔ اگر تم اپنے ملازموں کے ذریعے ان پر حکومت کرتے رہے تو یہ نفرت بڑھتی ہی جائے گی۔ وہ تمہارے ساتھ کیسے تعاون کر سکتے ہیں وہ کیسے تمہاری عزت کر سکتے ہیں وہ کس طرح تمہارا احترام کر سکتے ہیں؟ کیا وجہ ہے کہ انہوں نے اس حکومت کے دور ہی میں چھ نکات کا مطالبہ پیش کیا ہے پہلے تو چھ نکات نہیں تھے۔ اگر تہ میں کوئی سازش ہوئی ہے تو وہ اسی حکومت کے دور میں تیار کی گئی ہے۔ ماضی میں صورت حال یہ تھی کہ اس علاقے کے لیڈر جیسے خان عبدالغفار خان دوسرے بازو سے منتخب ہو گئے۔ وجہ یہ تھی کہ وہاں کے عوام پچھلی حکومت کے ساتھ متفق تھے۔ ملک آزاد تھا اور یہاں جمہوریت تھی۔ اب صورت حال یہ ہے کہ اگر آپ ایک مشرقی پاکستان کو جیل میں ڈال دیں تو سب ہی اپنے آپ کو غلام سمجھنے لگتے ہیں۔ تم نے بلوچستان میں کیا کیا ہے؟ اس حکومت کو اپنے آپ سے شرم آنی چاہیے۔

27 اکتوبر۔۔۔ بھٹو پشاور میں

27 اکتوبر کو بھٹو نے پشاور میں نہایت مصروف دن گزارا۔ کسانوں' مزدوروں' طالب علموں اور سیاسی کارکنوں کے گروہ انہیں ملنے آتے رہے۔ شام کو پارٹی کے جلسے میں بھٹو نے اس سوال سے بحث کی کہ انہوں نے ایک نئی پارٹی کیوں بنائی جبکہ پہلے ہی بہت سی جماعتیں موجود تھیں۔ بھٹو نے کہا یہ درست ہے جہاں آمریت ہو وہاں نئی جماعت بنانا بہت مشکل کام ہے۔ اس کے باوجود انہوں نے سوچا کہ ایک نئی جماعت کو تشکیل دینا ہی واحد مناسب راستہ ہے۔ بھٹو نے کہا:

"اس جماعت نے جو ترقی کی ہے وہ سب پر ظاہر ہے۔ جو مشکلات ہم کو درپیش ہیں ان میں سے اولین وہ پراپیگنڈا ہے جو حکومت کی طرف سے ہمارے خلاف اخبارات میں کیا جاتا ہے۔ ہر قسم کے جھوٹے بیانات دیے جاتے ہیں جبکہ جواب میں ہمیں کچھ بھی کہنے کی اجازت نہیں۔ میں نے جنرل موسیٰ کی بکواس کے جواب میں بیان دیا تھا۔ راولپنڈی کے پاکستان ٹائمز نے میرے بیان کے ایک بڑے حصے کو چھاپ دیا۔ لیکن بہت سے اہم حصے نظر انداز کر دیئے گئے جو حکومت کے لئے ناخوشگوار تھے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ انہوں نے پورا بیان چھاپ دیا تھا۔ لیکن حقیقت میں وہ اہم جملے چھوڑ گئے تھے۔ یہ سلوک تھا جو ہمارے ساتھ کیا جاتا تھا۔ اگر کوئی افسر ہم سے ملتا ہے تو اس کا تبادلہ کر دیا جاتا ہے۔ ہمیں ان رکاوٹوں پر فخر ہے جو ہماری راہ میں پیدا کی جاتی ہیں۔ وہ ہم سے خوفزدہ کیوں ہیں؟ اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ عوام ہمارے ساتھ ہیں۔ اگر ہمارا پروگرام غلط ہوتا تو لوگ ہماری حمایت نہ کرتے۔ وہ دوسروں کی حمایت کرتے۔ اگر موجودہ حکومت عوام کی خدمت کرتی۔ اگر وہ انصاف اور مساوات پر مبنی نظام رائج کرتی تو عوام اس کی حمایت کرتے۔ مقبولیت کوئی ایسی چیز تو ہے نہیں جسے بازار سے خرید سکیں۔ لوگوں کا اعتماد صرف سخت محنت' مستقل جدوجہد خدمت اور قربانی ہی سے جیتا جا سکتا ہے۔ ہم انشاء اللہ اپنی منزل مقصود پالیں گے"۔

28 اکتوبر۔۔۔ میاں عبدالباری اور رئیس احمد جعفری کا انتقال

قومی اسمبلی کے رکن اور تحریک آزادی کے ممتاز رہنما میاں عبدالباری کا تہتر برس کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ ممتاز صحافی اور تحریک پاکستان کے مورخ رئیس احمد جعفری بھی انتقال کر گئے۔

28 اکتوبر۔۔۔ اسماعیلیہ (پشاور) میں بھٹو کی تقریر

لاؤڈ اسپیکر کی اجازت نہ ہونے کے باوجود پیپلزپارٹی کے رہنما نے عوام سے طویل خطاب کیا۔ اپنے خطاب میں ایوب شاہی کے سیاسی نظام پر شدید تنقید کی۔ بھٹو نے ایوب خان کے آئندہ دورہ پشاور کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

شاید آپ کو معلوم ہو گا اس مہینے کی دس تاریخ کو پشاور میں ایک بڑا جلسہ منعقد ہو رہا ہے۔ لوگوں کو مردان سے بزور بسوں میں لایا جائے گا۔ مجھے ایک بس ڈرائیور ملا جس نے مجھے بتایا کہ ڈپٹی کمشنر نے انہیں حکم دیا تھا کہ لوگوں کو جلسے میں لایا جائے کیونکہ فیلڈ مارشل ایوب خان جلسے سے خطاب کریں گے۔ ان کو دھمکی دی گئی تھی کہ اگر وہ ان احکامات کی تعمیل نہیں کریں گے تو ان کے روٹ پرمٹ منسوخ کر دیئے جائیں گے۔ ایوب خان کو اس جلسے میں دس لاکھ کی رقم پیش کی جائے گی اور لوگوں کو زبردستی وہاں لایا جا سکتا ہے کہ اپنے مسائل کے بارے میں ان کی تقریر سنیں۔ وہ جاہلوں کو' بیماروں کو' تانگے والوں کو اور رکشا والوں کو نصیحت کرے گا۔ وہ اپنی تشخیص دے گا اور کہے گا کہ ساری قوم بیمار ہے اس لئے ہم سب بیمار ہیں اور وہ ہمارا ڈاکٹر ہے۔ اس لئے وہ ہمارا علاج رفتہ رفتہ کرے گا۔ کیونکہ ماضی میں بنیادی جمہوریت کے ارکان کی تعداد اسی ہزار تھی اور اب ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہو جائے گی۔ کیونکہ اب ہمارے بخار میں تھوڑی سی کمی ہو گئی ہے۔ کیونکہ اب ہم کچھ زیادہ بیدار ہیں اس لئے وہ ایک چھوٹی سی ذمہ داری ہمارے کندھوں پر ڈال رہے ہیں۔ ہم ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ہم ان کے ممنون ہیں کہ انہوں نے بنیادی جمہوریت کے ارکان کی تعداد میں اضافہ کر دیا ہے۔ چنانچہ دس یا بیس سال میں وہ ان کی تعداد میں مزید اضافہ کریں گے۔

اس جلسہ میں آپ کو بتایا جائے گا کہ ملک نے بہت ترقی کی ہے۔ اس لئے انہوں نے مسٹر میکنامارا سے ایک سرٹیفکیٹ حاصل کیا ہے۔ مسٹر میکنامارا اپنے ملک میں بیٹھ کر اس ملک کی ترقی کے بارے میں کیا جان سکتا ہے' جب وہ یہاں آیا تو وہ وزیر خزانہ کے ہمراہ کار میں آیا وہ ہمارے مزدوروں اور

کسانوں کے مسائل کا اندازہ کیسے کر سکتا ہے حکمران ملک کے ساتھ بہت بڑا دھوکہ کر رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ملک نے ترقی کی ہے۔ کہاں ہے وہ ترقی۔ دو تین ملیں قائم کر دینا اور دو تین سڑکیں تعمیر کروا دینا ترقی نہیں ہے۔ ترقی کا مطلب ہے غریبوں کی حالت بہتر بنانا۔ آپ جانتے ہیں غریب لوگ کیسے پیٹ بھرتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ کپڑے کی قیمت بڑھ گئی ہے۔ ایک عام آدمی ضروریات زندگی سے محروم ہو گیا ہے۔ ہم ملک میں جہاں کہیں بھی جاتے ہیں حتیٰ کہ جب کراچی بھی جاتے ہیں تو وہاں چینی نہیں ملتی۔ بعض اوقات پانی نہیں ملتا۔ اور وہ ہم کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ ملک نے ترقی کی ہے۔ وہ ملک سے غربت ختم نہیں کر سکتے۔ وہ ملک سے رشوت ختم نہیں کر سکتے اور افسر شاہی دن بدن طاقتور ہوتی جا رہی ہے۔ حکومت پر چند بنیادی جمہوریت کے ارکان، کچھ سرمایہ داروں اور کچھ بڑے افسروں کا قبضہ ہے"۔

29 اکتوبر۔۔۔ مزید ٹیلیویژن اسٹیشن قائم ہوں گے

قومی اقتصادی کونسل کے فیصلے کے مطابق ملک کے دونوں صوبوں میں مزید ٹیلیویژن اسٹیشن قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

29 اکتوبر۔۔۔ ایبٹ آباد میں پیپلز پارٹی کا جلسہ عام

ایبٹ آباد کے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے بھٹو نے اعتراف کیا کہ انہوں نے بھی زندگی میں غلطیاں کی ہیں۔ وہ ایک انسان ہیں اور غلطی کرنا انسانی فطرت ہے۔ ان کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ وہ اس حکومت کے ساتھ وابستہ رہے۔ بھٹو نے کہا:

"میں مانتا ہوں کہ ہم گناہ گار ہیں، لیکن اس حکومت سے وابستہ لوگ بھی فرشتے نہیں ہیں۔ انہوں نے پورے ملک کا خون چوسا ہے۔ انہوں نے ساری قوم کی دولت ہڑپ کی ہے۔ ان کو زیب نہیں دیتا کہ ہمیں الزام دیں۔ ہم اپنی کمزوریاں جانتے ہیں۔ لیکن ان کو بھی اپنے جرائم کا جائزہ لینے کی کوشش کرنی چاہیے"۔

اپنے خلاف متعدد الزامات کا ذکر کرتے ہوئے بھٹو نے کہا کہ ایک اور الزام، جو ان کے خلاف لگایا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ انہوں نے وزارت کے دوران شیخ مجیب کو چیلنج کیا کہ وہ چھ نکات پر میرے ساتھ مناظرہ کرے اور یہ کہ اب میں یہ کوشش کر رہا ہوں کہ عوامی لیگ کو حکومت کے خلاف مجوزہ متحدہ محاذ میں شامل کیا جائے۔ جب میں نے مسٹر مجیب کو چھ نکات کے سوال پر چیلنج کیا تو مجھے یقین تھا کہ ان نکات میں سے دو تین اتنے کمزور ہیں کہ لوگ انہیں کبھی بھی قبول نہیں کریں گے۔ میرا عقیدہ تھا کہ ہمیں یہ مسئلہ لوگوں تک پہنچانا چاہیے اور ان نکات کے متعلق سچائی واضح کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور مجھے یقین تھا کہ ہم لوگوں کو یقین دلا سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے میں نے عام مناظرے کی دعوت دی۔ میں اس چیلنج کا مقابلہ سیاسی میدان میں کرنا چاہتا تھا۔ تاکہ کھلے مناظرے میں ان نکات کی وضاحت کروں۔ ہماری حکومت سیاسی حل پر یقین نہیں رکھتی انہوں نے مجیب کو جیل میں ڈال دیا۔ کیا اس سے مسئلہ حل ہو گیا؟ مسئلہ ابھی تک برقرار ہے اور یہ اس لئے موجود ہے کہ لوگوں کو اس کی چھان بین کرنے اور خود ہی اس کے حسن و قبح کو جانچنے کی اجازت نہ تھی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر چھ نکات پر کھلی بحث کی جائے تو لوگ اسے مسترد کر دیں گے"۔

آئندہ انتخابات کا ذکر کرتے ہوئے بھٹو نے پھر اس عزم کا اظہار کیا کہ پیپلز پارٹی انتخابات میں حصہ لے گی:

"ہم ان سے جمہوریت مانگتے ہیں اور وہ ہمیں بنیادی جمہوریت دیتے ہیں۔ بنیادی جمہوریتوں کا یہ نظام بالکل غیر جمہوری ہے۔ اس نظام کے تحت حکمران سوچتے ہیں کہ وہ رفتہ رفتہ جاہل لوگوں میں سیاسی بیداری پیدا کر رہے ہیں۔ ہم ان کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے بنیادی جمہوریتوں کے ارکان کی تعداد اسی ہزار سے بڑھا کر ایک لاکھ بیس ہزار کر دی ہے لیکن ہم جاہل نہیں ہیں۔ میں بنیادی جمہوریتوں کے ارکان پر نکتہ چینی نہیں کر رہا ہوں۔ جب ہم برسر اقتدار آئیں گے تو ہم ان کے لئے سہولتیں فراہم کریں گے۔ لیکن ہم انہیں قومی اسمبلی کو منتخب کرنے کا حق نہیں دے سکتے۔ یہ اسمبلی بالغ رائے دہی کی بنیاد پر منتخب ہونی چاہیے۔ یہ ہر شہری کا حق ہے۔ بنیادی جمہوریت کے ارکان کو یہ حق غلط طور پر دیا گیا۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ حق واپس لیا جائے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم بنیادی جمہوریت کا نظام منسوخ کرنا چاہتے ہیں، ہم اس نظام کو ختم کرنا نہیں چاہتے۔ میں یہ اس لئے نہیں کہہ رہا کہ ہم ان کے ووٹ چاہتے ہیں۔ لیکن اگر وہ روپے کے لالچ میں اپنے ووٹ ڈالیں گے تو ہم ان کا محاسبہ کریں گے"۔

30 اکتوبر۔۔۔ مشرقی پاکستان کی شکایات

مانسہرہ کے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے بھٹو نے مشرقی پاکستان کے عوام کی شکایات کا خاص طور پر ذکر کیا انہوں نے بتایا کہ اس بازو میں امن و امان دن بدن رو بہ انحطاط ہے۔ مغربی پاکستان کے خلاف نفرت بڑھ رہی ہے۔ بھٹو نے بتایا کہ وہاں وہ جن لوگوں سے بھی ملے انہوں نے کہا کہ وہ مغربی پاکستان سے تنگ آ چکے ہیں۔

"میں نے انہیں بتانے کی کوشش کی کہ دونوں صوبوں کے عوام یکساں طور پر دبائے گئے ہیں۔ اگر اسلام آباد مغربی پاکستان میں واقع ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مغربی پاکستان میں آمریت نہیں ہے دراصل مغربی پاکستان میں آمر کا شکنجہ زیادہ سخت ہے۔ وہ مشرقی پاکستان میں منعم خان کے ذریعے حکومت کر رہا ہے۔ لیکن مغربی پاکستان کے عوام پر براہ راست کنٹرول رکھے ہوئے ہیں"۔

بھٹو نے کہا۔ بلوچستان پر نظر ڈالیں۔ وہاں کے عوام کو کچلا جا رہا ہے۔ انہوں نے پاکستان کے لئے جدوجہد کی تھی وہ یقیناً بہتر سلوک کے مستحق ہیں۔ بھٹو نے بتایا کہ پہلی ستمبر کو اپنی تقریر میں صدر نے قومی زبان کے مسئلے کو دوبارہ اٹھایا ہے۔ یہ طے شدہ مسئلہ تھا اردو اور بنگالی کو قومی زبانیں تسلیم کیا جا چکا ہے۔ مشرقی پاکستان کی صورت حال بے حد نازک ہے۔ حکمرانوں کو جلتی پر تیل نہیں ڈالنا چاہیے۔

30 اکتوبر۔۔۔ ووٹ اور رشوت

کیمبلپور میں کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے بھٹو نے کہا کہ وہ حکومت سے رشوت ضرور لیں۔ تین ہزار کی پیشکش ہو تو پانچ ہزار کا تقاضہ کریں لیکن ووٹ عوام کی منشا کے مطابق ڈالیں۔

31 اکتوبر۔۔۔ شاہ ایران کا ایوب خان کو خراج عقیدت

ایران کے شہنشاہ نے کہا کہ میں اور ایرانی عوام صدر ایوب کی دانشمندانہ قیادت کے تحت پاکستان کی ترقی اور خوشحالی سے بہت متاثر ہوئے ہیں۔

نومبر 1968ء

یکم نومبر۔۔۔ بھٹو کے خلاف مظاہرہ

بھٹو ابھی کیمبلپور میں تھے اور انہیں یکم نومبر کو ڈیرہ اسماعیل خان پہنچنا تھا۔ جہاں حق نواز گنڈا پور نے ان کے استقبال کی تیاریاں مکمل کر لی تھیں کہ اس اثنا میں ایوب خان کے حامیوں نے ایک جلوس نکالا۔ جھنڈیوں اور محرابوں کو توڑ دیا اور بھٹو کے خلاف نعرے لگائے۔ جب یہ جلوس پیپلز پارٹی کے دفتر کے سامنے پہنچا تو سردار حق نواز اور ان کے ساتھی جلوس کی بسوں اور ٹرکوں کے سامنے لیٹ گئے اور اپنے عزم سے جلوس کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اس پر انتظامیہ نے ڈیرہ اسماعیل خان میں فوراً دفعہ 144 نافذ کر دی۔ مگر ذوالفقار علی بھٹو نے اپنا سفر جاری رکھا وہ پشاور سے ڈیرہ اسماعیل خان جا رہے تھے کہ زیارت کے قریب ایک مجمع نے ان کے خلاف نعرے لگائے۔

بھٹو غدار ہے۔ بھٹو واپس جاؤ۔ بھٹو مردہ باد

مگر ان تمام حربوں کے باوجود بھٹو ڈیرہ اسماعیل خان پہنچے تو عوام کا ایک زبردست ہجوم ان کے استقبال کے لئے آگے بڑھا۔ دفعہ 144 کے باوجود وہ جلوس کی صورت میں بازار توپاں والی میں نکل آئے جہاں ہزاروں عوام ان کی تقریر سننے کے لئے پہلے سے جمع تھے۔ انتظامیہ نے ہجوم کو منتشر کرنے کے لئے لاٹھی اور آنسو گیس بیدردی سے استعمال کیا لیکن عوام جہاں کھڑے تھے، وہیں جمے رہے سردار حق نواز گنڈا پور نے پولیس پر رائفل تان لی اور بھٹو صاحب نے خود شاہانی بلڈنگ کی بالکونی میں کھڑے ہو کر ڈیرہ کے بہادر عوام زندہ باد کا نعرہ لگایا۔ ان کے سامنے عہد کیا کہ وہ موجودہ حکومت کو آئینی طریقوں سے بدلنے کے لئے جدوجہد کا پرچم بلند رکھیں گے اور ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔ اسی روز ڈیرہ کی بار ایسوسی ایشن نے انہیں سپاس نامہ میں یقین دلایا کہ آزادی، مساوات اور اخوت کے علم بردار بھٹو کا ڈیرہ کے عوام مکمل ساتھ دیں گے۔

2 یکم نومبر۔۔۔ چوتھا پنجسالہ منصوبہ

صدر ایوب نے چوتھے پنجسالہ منصوبے کے اہم نکات عوام کے سامنے پیش کئے۔ 2 نومبر کو منصوبہ بندی کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین ایم ایم احمد نے کہا کہ چوتھے پنجسالہ منصوبے کے رہنما اصولوں کا مقصد امیر اور غریب کا فرق دور کرنا ہے

3 نومبر۔۔۔ سرحد پیپلز پارٹی کنونشن کا افتتاح

شیر پاؤ نے صوبہ سرحد کی پیپلز پارٹی کے کنونشن کا افتتاح ہوا۔ اس موقعہ پر خطاب کرتے ہوئے پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ ایک سال سے بھی کم عرصے میں پاکستان پیپلز پارٹی کی شاخیں پاکستان کے گوشے گوشے میں پھیلی اور مضبوط ہوئی ہیں۔ بھٹو نے کہا کہ جب انہوں نے جماعت بنانے کا اعلان کیا تو حکومت نے اسے بہت بڑا مذاق سمجھا تھا۔ مخالف جماعتوں نے بھی نئی جماعت کی ضرورت پر حرف زنی کی تھی لیکن نیا نظام لانے کے لئے نئی جماعت کی ضرورت تھی اس لئے ہم نے پارٹی کے قیام کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے پارٹی کے بنیادی نکات خصوصاً سوشلزم پر ایک مرتبہ پھر زور دیا بھٹو نے ذرائع ابلاغ کا ذکر کیا جو حکومت کی شہ پر دن رات پیپلز پارٹی کے خلاف پراپیگنڈہ میں مشغول تھے۔

4 نومبر۔۔۔ تربیلا بند کی کھدائی کا افتتاح

صدر ایوب نے تربیلا بند کی کھدائی کا افتتاح کیا۔

5 نومبر۔۔۔ بھٹو کا پشاور کے جلسہ عام سے خطاب

پشاور کے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے بھٹو نے کہا کہ وہ جادوگر نہیں ہیں۔ ان کے پاس کہنے کے لئے کوئی نئی بات نہیں جو عوام نے پہلے نہ سن رکھی ہو۔ اگر وہ کہیں کہ ملک میں غربت ہے تو کیا یہ کوئی انکشاف ہے اگر وہ یہ بتائیں کہ ملک میں آمریت ہے تو کیا لوگ حیران ہوں گے۔ بھٹو نے کہا:

یہ آدم خوروں کی حکومت ہے۔ یہ خواجہ ناظم الدین اور سہروردی کو کھا

گئی۔ میں مادر ملت کا نام نہیں لینا چاہتا۔ اس نے جنرل اعظم خان کو کھا لیا۔ اس نے بہت سی شخصیتوں کو نگل لیا۔ یہ ابھی تک بھوک محسوس کرتی ہے۔ لیکن یہ مجھے نہیں کھا سکے گی۔

ہم ہر طرف حالات کو روبہ انحطاط ہوتا دیکھ رہے ہیں۔ جب ان حقائق کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو ہم پر ابتری پھیلانے کا الزام لگایا جاتا ہے۔ ہم طالب علموں کو گمراہ کرنے کے قصوروار ٹھہرائے جاتے ہیں۔ میں حکمرانوں کی حقائق مسخ کرنے کی کوششوں پر افسوس کا اظہار کرتا ہوں۔ اگر یہ الزامات رہنماؤں کی طرف سے لگائے جاتے تو میں برداشت کر لیتا۔ لیکن میں یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا کہ بیگم خلیق الزمان حقائق کو مسخ کریں۔ وہ مجھے ایک مایوس آدمی کہتی ہیں۔

میں بیگم صاحب سے یہ کہوں گا کہ میں اکیلا ہی مایوس نہیں ہوں ساری قوم ہی ناامید' شکستہ دل اور مایوس ہے۔

ایک وقت تھا جب میں پاکستان مسلم لیگ کا سیکرٹری جنرل تھا۔ میں اس کے شوہر خلیق الزمان سے ملا کرتا تھا۔ بیگم خلیق الزمان میرے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آیا کرتی تھیں۔ وہ چائے اور بسکٹوں سے میری تواضع کیا کرتی تھیں اور میرے کپ میں چینی بھی ملایا کرتی تھیں۔ اب وہ کہتی ہیں کہ ہم عوام کو گمراہ کر رہے ہیں۔ خصوصاً طالب علموں کو۔

حکومت اتنی کمینگی پر اتر آئی ہے کہ میرے خلاف جھوٹے مقدمے کھڑے کر رہی ہے۔ پچھلے دو سالوں میں بیسیوں مقدمے درج کیے جا چکے ہیں۔ خیر اگر وہ چاہیں تو مجھے گرفتار کر سکتے ہیں۔ اگر ان کی خواہش ہے تو مجھے مار بھی سکتے ہیں۔ لیکن ہم نے ان کو بے نقاب کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ انہیں یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ وہ طاقت کے بل بوتے پر سب کچھ کر سکتے ہیں۔ اگرچہ ہمارے پاس اقتدار نہیں لیکن ہم حق پر ہیں۔ انصاف غالب آ کر رہے گا۔ کیونکہ عوام ہمارے ساتھ ہیں اور ہم ان کے لئے لڑتے رہے ہیں۔

بھٹو نے کہا کہ ہمیں آمریت کی جگہ جمہوریت لانی ہے

لیکن صرف جمہوریت سے کام نہیں چلے گا۔ جمہوریت کے ساتھ ساتھ ہم غربت کا بھی خاتمہ چاہتے ہیں۔ جب تک غربت ختم نہیں کی جاتی اور مزدوروں کو ملوں اور فیکٹریوں میں دخل حاصل نہیں ہوتا اور جب تک زیادہ سے زیادہ کسان زمین کے مالک نہیں بنتے اور بڑی بڑی زمینداریاں چھوٹی نہیں کی جاتیں اس وقت تک ایک سچی عوامی حکومت قائم نہیں کی جا سکتی۔

ہم جمہوریت کے ساتھ ساتھ سوشلزم بھی چاہتے ہیں۔ یہ دونوں باہم لازم و ملزوم ہیں اور ان پر عمل بیک وقت ہی ہو سکتا ہے۔

بھٹو نے ملکی استحکام کے دعوے کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ سکوت استحکام نہیں ہے۔ ہم نے سکوت توڑ دیا ہے۔ اب عوام بات کر سکتے ہیں۔ ہم عوام کی آواز ہیں۔

بھٹو نے خارجہ پالیسی پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی کشمیر کے مسئلے کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہم جذباتی نہیں خوددار ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر پاکستان پیپلز پارٹی عرب اسرائیل جنگ کے وقت پاکستان میں برسر اقتدار ہوتی تو ہم اسرائیل وزیر دفاع موشے دایان کو اس کی دوسری آنکھ سے بھی محروم کر دیتے

5 نومبر۔۔۔ملک امیر محمد خان کے مقدمہ قتل کی سماعت شروع

میانوالی میں سیشن جج سرگودھا نے سابق گورنر مغربی پاکستان ملک امیر محمد خان کے مقدمہ قتل کی سماعت شروع کر دی

7 نومبر۔۔۔میں آزاد پختونستان کا حامی نہیں ہوں: ولی خان

پاکستان نیشنل عوامی پارٹی کے سربراہ خان عبدالولی خان نے کہا کہ وہ آزاد پختونستان کے حامی نہیں ہیں اور پاکستان کی علاقائی سالمیت ان کا جزو ایمان ہے۔

7 نومبر۔۔۔ایوب خان کے خلاف عوامی تحریک کا آغاز

7 نومبر 1968ء کو جناب بھٹو نے پشاور سے راولپنڈی پہنچنا تھا۔ اس روز گارڈن کالج کے دو ہزار طلباء نے کسٹم حکام کی زیادتیوں کے خلاف ایک جلوس نکالا ہوا تھا انہیں معلوم تھا کہ بھٹو سوا تین بجے راولپنڈی میں آئیں گے۔ وہ بارہ بجے کے قریب ہوٹل انٹر کانٹیننٹل پہنچ گئے۔ طلباء پر امن تھے اور صرف نعرے لگا رہے تھے۔ انہوں نے حکومت کے خلاف زبردست ناراضگی کا اظہار کیا۔ اس دوران راولپنڈی پولی ٹیکنیک اور دوسرے تمام تعلیمی اداروں کے طالب علم بھی ان لوگوں میں شامل ہو گئے جو بھٹو صاحب کا انتظار کر رہے تھے۔ پرجوش طالب علموں نے ہوٹل کے پول پر پیپلز پارٹی کا پرچم نصب کر دیا۔ پولیس نے پارٹی کے جھنڈے کو اتارنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن طلباء نے ناکام بنا دیا۔ بھٹو صاحب کے آنے سے پہلے ڈسٹرکٹ راولپنڈی نے طلباء کو تنبیہ کی کہ دفعہ 144 نافذ ہے اور وہ پرامن طور پر منتشر ہو جائیں۔ طلباء نے دیکھا کہ لاٹھیوں اور آنسو گیس سے مسلح پولیس تیار کھڑی ہے لیکن انہوں نے ایک قدم پیچھے نہ ہٹایا اور اچانک پولیس ان پر ٹوٹ پڑی۔ آنسو گیس اور لاٹھیوں کی بارش میں جواں سال نہتے طالب علموں نے پتھروں سے پولیس کا مقابلہ شروع کر دیا۔ بھٹو صاحب کے وہاں پہنچنے سے پہلے تشدد کا پہلا باب لکھا جا چکا تھا۔ پولیس نے پولی ٹیکنیک انسٹی ٹیوٹ میں جمع ہونے والے طالب علموں میں بیدردی سے فائرنگ کر دی اور جواں سال عبدالحمید کی ہلاکت سے راولپنڈی شہر غم و غصہ کی آگ کی لپیٹ میں آ گیا۔ طالب علم' عوام' مزدور اور کسان سڑکوں پر آ گئے اور انہوں نے آمریت سے نفرت کے اظہار کے لئے سرکاری عمارتوں اور بسوں کو نذر آتش کرنا شروع کر دیا۔ جناب بھٹو انٹر کو سیسل پہنچے تو پولیس اور انتظامیہ

اپنی درندگی کا ثبوت دے چکی تھی جسے شاہ عزیز الرحمٰن ایس ایم سلیمان' مصطفیٰ کھر' خواجہ خیرالدین اور ممتاز علی بھٹو نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا لیکن حکومت نے سوچی سمجھی سکیم کے تحت اپنے تشدد کا الزام بھٹو پر لگا دیا کہ ان کے استقبال کے لئے آنے والے طالب علم تشدد پر اتر آئے تھے۔

8 نومبر --- راولپنڈی فوج کے حوالے

8 نومبر کو راولپنڈی شہر کو فوج کے حوالے کر دیا گیا۔ اس خبر سے پورے پاکستان میں عوامی احتجاج کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بھٹو نے عبدالحمید کی موت کے سانحہ پر شدید احتجاج کیا اور تعزیت کے لئے پنڈی کھیپ گئے۔ وہ دوبارہ پنڈی آئے تو شہر میں یہ افواہ اڑا دی گئی کہ بھٹو صاحب پختونستان کے حامی ہیں۔ انہوں نے راولپنڈی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا۔ کہ اگر وہ پختونستان کے حامی ہیں تو انہیں پھانسی لگا دی جائے۔ راولپنڈی میں پولیس اور عوام کے درمیان جھڑپوں کا وسیع سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ کرفیو کے نفاذ کے باوجود عوامی مظاہرے جاری رہے۔ پولیس نے فائرنگ کر دی جس کے نتیجے میں دو افراد اور شہید ہو گئے۔

8 نومبر --- خورشید حسن میر گرفتار

اسی روز انتظامیہ نے ایک اور حماقت کی اور پیپلز پارٹی راولپنڈی کے چیئرمین خورشید حسن میر سمیت تین درجن افراد کو گرفتار کر لیا گیا۔

8 نومبر --- چینی کی نجی خرید و فروخت ممنوع

چینی کی قلت کے پیش نظر حکومت نے اس کی نجی خرید و فروخت کو ممنوع قرار دے دیا۔

9 نومبر --- ہنگاموں میں دو مزید افراد ہلاک

راولپنڈی میں 9 نومبر 1968ء کو زبردست ہنگامے ہوئے اور جوش میں بھرے ہوئے مظاہرین نے مختلف مقامات پر بسوں اور سرکاری گاڑیوں کو نذر آتش کر دیا۔ پولیس کو مظاہریں پر گولی چلانی پڑی جس کے نتیجے میں دو آدمی ہلاک ہو گئے۔ حکومت کے خلاف عوامی رد عمل کے نتیجے میں پشاور' ڈیرہ اسماعیل خاں اور ملک کے دوسرے تمام شہروں میں بھی مظاہرے ہوئے اور طلباء نے ہر جگہ حکومت کے ظلم کے خلاف مظاہرے کئے اور یوں ایوب حکومت کے خلاف عوامی نفرت پورے ملک میں پھیل گئی۔

9 نومبر --- پاکستان کی کامیابیاں امریکی امداد کی مرہون منت ہیں: ایوب

صدر ایوب نے امریکی صدر جانسن سے کہا کہ پاکستان کی کامیابیاں اور تیز رفتار ترقی کافی حد تک امریکی امداد اور پاکستان کی ضرورتوں سے آپ کی آگاہی اور ذاتی حمایت کی مرہون منت ہیں۔

9 نومبر --- بھٹو لاہور پہنچ گئے

بھٹو 9 نومبر 1968ء کو تیز گام کے ذریعے لاہور روانہ ہوئے تو زخم خوردہ عوام نے انہیں پرجوش انداز سے الوداع کہا اور راستے میں جہلم' گجرات' لالہ موسیٰ' گوجرانوالہ اور وزیر آباد کے سٹیشنوں پر عوام نے تیز گام کو روک لیا۔ بھٹو نے انہیں پر امن رہنے اور صبر و تحمل اختیار کرنے کی تلقین کی۔ لاہور اسٹیشن پر گھنٹوں پہلے ہی طالب علم' مزدور' کسان' محنت کش اور عام شہری ان کے استقبال کے لئے پہنچے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں بینرز' قائداعظم اور قائد عوام کی بڑی بڑی تصویریں تھیں اور اسٹیشن کے اندر باہر عوام ہی عوام تھے۔ پولیس اور تمام اعلیٰ حکام صورت حال سے نپٹنے کے لئے موجود تھے اور مسلح پولیس نے اسٹیشن کو گھیرے میں لیا ہوا تھا۔

تیز گام دو گھنٹے لیٹ پہنچی اور لوگ چھتوں' پلوں' کھڑکیوں اور دروازوں سے چمٹے ہوئے تھے جونہی گاڑی پلیٹ فارم میں چیونٹی کی طرح رینگتی ہوئی داخل ہوئی۔ فضا بھٹو زندہ باد آمریت مردہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی۔ انہیں بصد مشکل ڈبے میں سے نکال کر باہر لایا گیا اور ان کے ہوٹل جانے کے بعد اسٹیشن پر پولیس کے ساتھ عوام کی جھڑپیں شروع ہو گئیں۔ لاہور کی سڑکوں' بازاروں' گلیوں اور چوراہوں پر لوگ جمع تھے۔ غضب ناک ہجوم کے جلوس کی ٹولیاں پورے شہر میں بکھر گئی تھیں۔ بسیں جلائی جا رہی تھی اور لاٹھی چارج سے زخمی ہونے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ شہر میں زبردست کشیدگی پھیلی ہوئی تھی۔ بھٹو صاحب نے ایک بیان میں عوام کا شکریہ ادا کرتے ہوئے پھر اس عہد کو دہرایا کہ وہ اس جدوجہد کو منطقی نتیجے تک پہنچائے بغیر چین سے نہیں بیٹھیں گے۔

10 نومبر --- ایوب خان پر قاتلانہ حملہ

جناح پارک پشاور کے جلسہ عام میں صدر ایوب پر ایک نوجوان ہاشم نے پستول سے گولی چلا دی لیکن صدر ایوب اس کی زد سے بچ گئے۔ نوجوان پر قابو پا کر اسے گرفتار کر لیا گیا۔

10-12 نومبر --- ہنگامے ہی ہنگامے

10 نومبر کو بھٹو نے مزنگ لاہور میں پیپلز پارٹی کے دفتر کی بالکونی سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وقت آنے پر عوام انہیں سب سے آگے پائیں گے۔ اس روز پولیس نے نوشہرہ کے ایک احتجاجی جلوس پر فائرنگ کی جس سے ایک طالب علم ہلاک ہو گیا حکومت کو فوج بلانا پڑی۔ 11 نومبر کو لائلپور (موجودہ فیصل آباد) سرگودھا' بھکر اور ٹوبہ ٹیک سنگھ میں

زبردست مظاہرے ہوئے اسی روز لاہور میں ذوالفقار علی بھٹو نے ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے حکومت کے سامنے واضح کر دیا کہ ہم پر آگ لگانے کا الزام سراسر غلط ہے۔ حکومت خود اس آگ کی ذمہ دار ہے۔ ہم تو یہ آگ بجھانا چاہتے ہیں اور عوامی حکومت کے قیام کی جائز اور منصفانہ جدوجہد کر رہے ہیں۔ 12 نومبر1968ء کو ینگ لائرز سرکل کی طرف سے چیمبرز لنچ ہوم میں ان کے اعزاز میں ایک استقبالیہ دیا گیا جہاں انہوں نے ڈیڑھ گھنٹہ تک تقریر کی۔ عالمی سیاسی رجحانات' بڑی طاقتوں کے مفادات اور پاکستان کے موجودہ سیاسی ڈھانچے پر روشنی ڈالی اور کہا کہ جب عوام کی آزادی اور ان کے حقوق چھین لئے جائیں تو عوام کیوں نہ متحد ہوں۔ ملک سنگین حالات کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے اور اس کی ذمہ دار حکمران پارٹی ہے اور اس کے تضادات اور گوموکی پالیسی سے یہ صورتحال پیدا ہوئی ہے اگر متحدہ جدوجہد نہ کی گئی تو اور غلاق انگیز مسائل پیدا ہوں گے۔

11نومبر--- شرپسندوں کی موجودہ مہم سے ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا' گورنر موسیٰ

مغربی پاکستان کے گورنر محمد موسیٰ نے کہا کہ دس پندرہ دن سے ملک میں جو تخریبی کارروائیاں ہو رہی ہیں ان میں شرپسند عناصر کا ہاتھ ہے۔ ان لوگوں نے حصول اقتدار کے لئے عوام کو خوفزدہ اور طلباء کو تشدد اور خون خرابے پر اکسانے کی کوشش کی ہے۔ یہ سارا ہنگامہ ان لوگوں کی سازش پر ہوا ہے جو پاکستان کی سالمیت اور بقاء کے دشمن ہیں۔ گورنر موسیٰ نے کہا کہ ان متشددانہ کارروائیوں سے ملک کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

11نومبر--- یحییٰ خان پیکنگ میں

پاکستان بری فوج کے سربراہ یحییٰ خان' جو چین کے دورے پر تھے' نے پیکنگ میں چیئرمین ماوزے تنگ سے ملاقات کی۔

12نومبر--- عبدالحمید آزاد کشمیر کے صدر منتخب ہو گئے

عبدالحمید خان بلامقابلہ آزاد کشمیر کے صدر منتخب ہو گئے۔

12نومبر--- مرزا محمود سرحدی کا انتقال

ممتاز شاعر اور سیاسی قطعہ نویس مرزا محمود سرحدی کا پشاور میں 65 برس کی عمر میں انتقال ہو گیا۔

13نومبر--- بھٹو گرفتار

آٹھ سال قبل جس شب ایوب حکومت نے لاہور کے شاہی قلعے میں حسن ناصر کو ہلاک کیا تھا' اسی شب 13 نومبر' بھٹو گرفتار کر لئے گئے۔ ڈاکٹر مبشر حسن کی بیان کردہ تفصیل کے مطابق:

13 نومبر1968ء کی رات کو ڈیڑھ بجے مسلح پولیس نے گلبرگ میں ان کی کوٹھی کو گھیرے میں لے لیا۔ ایک پولیس آفیسر نے چوکیدار سے گیٹ کھولنے کے لئے کہا لیکن اس نے انکار کر دیا۔ پولیس نے دھکے دے کر چوکیدار کو راستے سے ہٹا دیا۔ اتنے میں ڈاکٹر مبشر کی آنکھ کھل گئی اور وہ دروازے پر شور سن کر اپنے کمرے سے باہر نکلے تو پولیس کو دیکھ کر سب کچھ سمجھ گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے پوچھا۔ "تم کس لئے آئے ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

ڈی ایس پی نے کہا۔ "ہم بھٹو صاحب سے ملنے آئے ہیں"۔

ڈاکٹر صاحب پولیس کو رکنے کے لئے کہہ کر دوبارہ اندر آئے اور بھٹو صاحب کو اطلاع دی۔ انہوں نے بغیر کسی تشویش کے کہا کہ انہیں اندر بلا لاؤ--" ڈاکٹر صاحب ڈی ایس پی کو لے کر دوبارہ بھٹو صاحب کے کمرے میں لے آئے۔ ڈی ایس پی نے کہا۔

"جناب ہمارے پاس احکامات ہیں۔ یہ بڑا ہی ناخوشگوار کام ہے جو ہم انجام دے رہے ہیں"۔

بھٹو صاحب نے انہیں بیٹھنے کے لئے کہا۔ ڈاکٹر مبشر نے ڈی ایس پی سے کاغذات دیکھنے کے لئے مانگے۔ بھٹو صاحب نے احکامات پڑھنے کے بعد ڈی ایس پی سے کہا۔ "آپ تھوڑی دیر انتظار کریں میں ابھی تیار ہو جاتا ہوں"

ڈاکٹر مبشر پولیس والوں کو گیلری میں لے آئے تاکہ بھٹو صاحب اطمینان سے تیار ہو جائیں۔ اس وقت وہاں ممتاز علی بھٹو اور پیر بخش بھٹو موجود تھے اور انہیں بھی پولیس کی اطلاع مل چکی تھی۔ پولیس والے مصطفیٰ کھر کے بارے میں فکرمند تھے۔

ڈی ایس پی نے پوچھا "مصطفیٰ کھر کہاں ہے"

ڈاکٹر مبشر نے جواب دیا۔ "یہاں نہیں ہے" اس طرح پولیس نے میر رسول بخش تالپور کے بارے میں پوچھا۔ لیکن وہ بھی کوٹھی میں نہیں تھے۔ ڈاکٹر مبشر سامان باندھنے میں لگ گئے۔ گھر میں ایک ہی بستربند تھا۔ وہ بھی بھٹو صاحب کے سامان کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ اس کام میں دو گھنٹے لگ گئے جب جانے لگے تو ڈاکٹر مبشر نے پولیس کو چائے کی دعوت دی لیکن انہوں نے انکار کر دیا' بھٹو صاحب سے کہا گیا تو وہ بھی رضامند نہ ہوئے۔ سوا دو بجے بھٹو صاحب تیار ہو کر باہر آئے۔ ممتاز علی بھٹو اور پیر بخش بھٹو ان کے ساتھ تھے۔ سامان کار میں رکھوا دیا گیا۔ انہیں الوداع کہا کہ وہ دروازہ کھول کر کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ دو پولیس والے ان کے ساتھ بیٹھے۔ ڈرائیور سمیت تین پولیس والے اگلی سیٹ پر آ گئے ایک پولیس وین ان کے آگے تھی اور دوسری پیچھے۔ ڈاکٹر الوداع کہہ کر واپس مڑنے لگے تو ڈی ایس پی نے کہا۔ "اب آپ تیار ہو جائیں"۔

ڈاکٹر مبشر نے کہا۔ "گرفتاری کا حکم دکھاؤ"۔ پولیس افسر نے ممتاز بھٹو اور ڈاکٹر مبشر کے کاغذات دکھا دیئے اور پیر بخش بھٹو کے بارے میں بتایا کہ ان کے کاغذ تھانے چل کر دکھا دوں گا۔ اس پر ڈاکٹر مبشر اڑ گئے اور کہا۔ "یہ میرے مہمان ہیں اور میں اس طرح انہیں اپنے گھر سے نہیں جانے دوں گا" پولیس نے اصرار کیا اور کہا۔ "آپ اعتبار کریں۔ ہم تھانے پہنچ کر کاغذات دکھا دیں گے"۔ ڈاکٹر مبشر مان گئے اور پولیس کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

ڈاکٹر مبشر کے گھر جب کوئی مرد نہ رہا تو پولیس والوں نے ڈرائنگ روم کھلوایا۔ صوفوں پر دراز ہو گئے ملازموں سے چائے بنانے کے لئے کہا اور ڈاکٹر صاحب کی بیگم سے خواہ مخواہ کی پوچھ گچھ شروع کر دی لیکن بیگم ڈاکٹر مبشر نے انہیں سختی سے ڈانٹا لیکن پولیس نے انہیں گھر سے نکلنے سے روک رکھا اور ٹیلیفون کی تاریں تو پہلے ہی کاٹ دی گئی تھیں۔

13 نومبر۔۔۔ ولی خان اور متعدد دوسرے بھی گرفتار

نیشنل عوامی پارٹی کے صدر خان عبدالولی خان کے علاوہ، غلام مصطفیٰ کھر، ممتاز بھٹو، ارباب سکندر خان خلیل، میر رسول بخش تالپور، اجمل خٹک، ممتاز سندھی شاعر شیخ ایاز، امان اللہ خان اور احمد رضا خان بھی گرفتار کر لئے گئے۔ گورنر موسیٰ نے ریڈیو نشریات روک کر بھٹو کی گرفتاری کا باضابطہ اعلان کرتے ہوئے دھمکی دی کہ ملک بعض میں عناصر لاقانونیت پھیلانے میں مصروف تھے اور انہیں تنبیہہ بھی کی گئی تھی کہ وہ سماج دشمن سرگرمیوں سے باز آ جائیں لیکن اس تنبیہہ کو نظر انداز کر دیا گیا اور وہ بدستور ملک میں افراتفری پھیلاتے رہے۔ جب ان کی سرگرمیاں انتہا کو پہنچ گئیں تو آج صبح سویرے ان کے چند سرغنہ گرفتار کر لئے گئے ہیں اور اگر ان کے حواریوں نے گڑبڑ پھیلانے کی کوشش کی تو انہیں کچل دیا جائے گا۔

ذوالفقار علی بھٹو کی گرفتاری کا حکم حسب ذیل الفاظ میں تھا۔

"گورنر مغربی پاکستان کو اس کا اطمینان ہے کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو ولد جناب شاہنواز بھٹو ساکن لاڑکانہ پاکستان کے مفاد، سلامتی، تحفظ عامہ کے منافی کام کرتے رہے ہیں اور ان کی سرگرمیاں امن عامہ اور مغربی پاکستان میں پر امن حالات برقرار رکھنے کے لئے نقصان دہ ہیں۔ چنانچہ جناب ذوالفقار علی بھٹو کو ان سرگرمیوں سے روکنے کے لئے گورنر مغربی پاکستان ان اختیارات کو عمل میں لاتے ہوئے جو انہیں ڈیفنس آف پاکستان رولز 1965ء کی دفعہ 32 کی ضمنی دفعہ ایک شق ب کے تحت (گورنمنٹ آف پاکستان کیبنٹ سیکرٹری ایٹ آرڈر نمبر ایس۔ آر۔ اور III، 1965ء مورخہ 6 دسمبر 1965ء کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے) حاصل ہیں۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو کو گرفتار کر کے انہیں نظر بند کرنے اور سنٹرل جیل میانوالی کے سپرنٹنڈنٹ کی تحویل میں دینے کا حکم دیتے ہیں"

14 نومبر۔۔۔ رابرٹ میکنامارا کا دورہ پاکستان

عالمی بنک کے صدر میکنامارا پاکستان کے دورے پر پہنچے۔ اس خدشے کے تحت کہ بھٹو ان کی آمد پر امریکہ کے خلاف مظاہرہ نہ کریں۔ انہیں پہلے ہی گرفتار کر لیا گیا۔

14 نومبر۔۔۔ مقبوضہ کشمیر کی تقسیم مسترد

کشمیری رہنما شیخ عبداللہ نے کشمیر کو تقسیم کرنے اور وادی کو خود مختار بنانے کی بھارتی اسکیم مسترد کر دی۔

14 نومبر۔۔۔ بھٹو کی گرفتاری غیر ملکی اخبارات کے تبصرے

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی گرفتاری کی صدائے بازگشت سات سمندر پار لندن کے اخبارات میں بھی کی گئی۔ دنیا کے سب سے زیادہ با اثر اخبار "لندن ٹائمز" نے اپنی اشاعت مورخہ 14 نومبر کو بھٹو ایڈیشن ہی بنا ڈالا۔ اس اخبار نے صفحہ پانچ پر دو کالم کی سنسنی خیز سرخی میں بھٹو کی گرفتاری کی خبر نمایاں طور پر شائع کی اور اپنا گیارھواں صفحہ (جو کہ ادارتی تبصروں کے لئے مخصوص سمجھا جاتا ہے) کم و بیش بھٹو کی نذر کر دیا۔ اس صفحہ پر بھٹو کی گرفتاری پر تبصرہ کرنے کے علاوہ مشہور ایشیائی مبصر مسٹر میکسویل کے قلم سے لکھا ہوا تین کالم کا بھٹو پر مصور تبصرہ شامل تھا۔

اسی طرح کثیر الاشاعت "ڈیلی ٹیلی گراف" نے مسٹر بھٹو کی گرفتاری کی خبر دو کالمی سرخی کے ساتھ شائع کی اور ساتھ والے کالم میں ایک جلے ہوئے ڈبل ڈیکر کی تصویر بھی شائع کی۔ "گارڈین" نے "کہا صدر ایوب نے اپنے جانشین کو گرفتار کر لیا" کے زیر عنوان مسٹر بھٹو کی گرفتاری پر مقالہ افتتاحیہ لکھا ہے۔ چار کالمی خبر اور چار کالمی تبصرہ اس کے علاوہ تھی۔

بھٹو کی گرفتاری پر فیچر اور ادارتی تبصرہ کے موٹے موٹے نکات حسب ذیل تھے۔ () حکومت نے اپنے سابقہ وزیر خارجہ کو بھی اس سلوک کا مستحق سمجھا ہے جو سلوک حکومت پاکستان 1958ء سے ایسے دوسرے سیاسی مخالفین سے کرتی چلی آئی ہے یعنی زبان بندی اور نظربندی () حکومت نے مسٹر بھٹو کے خلاف توقع کے برعکس عجلت میں نہیں بلکہ توقف سے یہ قدم اٹھایا ہے۔ () مسٹر بھٹو چین کے حامی ہونے کے علاوہ کشمیر کے مسئلے کا فوری حل چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ لوگوں کے روٹی کپڑے کے مسئلے کا اطمینان بخش حل چاہتے ہیں () مسٹر بھٹو ایک زیرک سیاست دان ہیں انہوں نے اپنی شہرت کے دامن سے ان دھبوں کو دھونے کی کوششیں شروع کر دی ہیں جو صدر ایوب کی حکومت سے آٹھ سال تک وابستہ رہنے کے باعث ان سے چمٹ گئے تھے۔

ایک ماہ کی قید ایک سال کی بدنامی کے داغ دھونے کے لئے کافی متصور کی گئی ہے اس لحاظ سے مسٹر بھٹو کو حکومت کا کم از کم آٹھ ماہ تک مہمان رہنا پڑے گا۔ () مسٹر بھٹو کی عمر ابھی چالیس سال ہے۔ لہٰذا وہ اطمینان سے

جانشینی کے لئے ابھی اور پانچ سال انتظار کر سکتے ہیں۔

"گارڈین" (لندن اور مانچسٹر) نے بھی مسٹر بھٹو کی گرفتاری کو پہلے صفحے کی خبر، تیسرے صفحے کے آٹھ کالمی مصور فیچر اور ادارتی تبصرے کا موضوع بنایا۔ گارڈین نے مسٹر بھٹو کی گرفتاری پر تبصرہ کرنے کے لئے جو اڈیٹوریل شائع کیا اس کی سرخی بڑی سنسنی خیز تھی۔ کیا صدر ایوب نے اپنے جانشین کو قید کر دیا ہے۔ مصور فیچر جس میں بھٹو کو تقریر کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ کالم نویس نے پاکستان کے سابقہ وزیر خارجہ کا بھارت کے آنجہانی وزیر اعظم پنڈت نہرو سے موازنہ کرتے ہوئے لکھا: بھٹو اور نہرو میں اس لحاظ سے مماثلت پائی جاتی ہے کہ دونوں کا تعلق متمول خاندان سے تھا۔ لیکن دونوں نے غریبوں اور بے کسوں کی آواز اٹھانے کے لئے سیاسیات کی وادی خار زار میں دل گردے کے ساتھ قدم رکھا۔ اسی کالم نویس نے بھٹو کی گرفتاری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا "صدر ایوب نے بھٹو کے سر پر شہادت کا تاج رکھ دیا ہے"۔

14-30 نومبر۔۔۔ ایوب آمریت کے خلاف مظاہرے اور ہنگامے

14 نومبر 1968ء۔ چارسدہ، ملتان، میانوالی، مردان، جہلم، سیالکوٹ، ٹوبہ ٹیک سنگھ، ایبٹ آباد اور جھنگ میں مظاہرے ہوئے۔ ایبٹ آباد میں چودہ افراد، ملتان میں چونتیس، چارسدہ اور پشاور میں چھ افراد اور جہلم میں بھی چھ افراد گرفتار کر لئے۔ مردان، جہلم، میانوالی، اور لائلپور کے وکلاء نے بھی گرفتاریوں کے خلاف خاموش مظاہرے کئے۔

15 نومبر 1968ء۔ لاہور میں چار سو وکلاء نے گرفتاریوں کے خلاف جلوس نکالا اور لاہور پولیس نے ستائیس افراد گرفتار کئے۔ حیدر آباد میں تیس میل دور دو تلہار اور ٹنڈو محمد خاں میں مظاہرے ہوئے۔ پشاور، کوہاٹ، ملتان، جیکب آباد، قصور، ضلع کچھی (قلات ڈویژن) بہاولنگر، ٹوبہ ٹیک سنگھ میں بھی احتجاجی جلوس نکالے گئے اور کئی جگہ پر ہنگامے بھی ہوئے۔

16 نومبر 1968ء۔ پشاور میں چھ افراد گرفتار کر لئے گئے۔ جہلم اور گجرات میں دفعہ 144 لگا دی گئی۔ سندھی کے مشہور شاعر شیخ ایاز کو گرفتار کر لیا گیا۔

17 نومبر 1968ء۔ لاڑکانہ میں زبردست احتجاجی جلوس نکالا گیا۔ یہ جلوس ذوالفقار علی بھٹو کی نظربندی کے خلاف احتجاج کے طور پر نکالا گیا۔

18 نومبر 1968ء۔ مغربی پاکستان کے مختلف حصوں جھنگ، میانوالی، ساہیوال، بھلوال، شرق پور، میں جلوس نکالے گئے۔ جھنگ میں بار ایسوسی ایشن کے صدر نوابزادہ افتخار احمد کو گرفتار کر لیا گیا۔ میانوالی میں جلوس نکالنے پر دو طالب علم گرفتار کر لئے گئے۔

19 نومبر 1968ء۔ کراچی راولپنڈی اور اوکاڑہ میں وکلاء نے احتجاجی جلوس نکالے اور راولپنڈی میں پیپلز پارٹی کے کارکنوں کے جلوس کی قیادت ایک نظر بند کی معمر والدہ نے کی۔ ڈھاکہ میں طلباء اور وکلاء نے سیاسی لیڈروں کی گرفتاریوں کے خلاف زبردست جلوس نکالے۔

20 نومبر 1968ء۔ کیمبلپور، گجرات، وزیر آباد، گوجرانوالہ، پیر محل، اور چکوال میں جلوس نکالے گئے۔

21 نومبر 1968ء۔ قصور میں عمارتوں اور بسوں پر لوگوں نے پتھراؤ کیا۔ لاہور، لائلپور، نواب شاہ، بہاولپور اور دیگر مقامات پر طلباء اور وکلاء کے مظاہرے جاری رہے۔

22 نومبر 1968ء۔ حیدر آباد، نواب شاہ اور ملتان میں وکیلوں، طلبا اور مخالف پارٹیوں نے مختلف جلوس نکالے اور حکومت کے خلاف مظاہرے کئے۔ حیدر آباد (نوشہرو فیروز) کے قریب ٹرین کو تباہ کرنے کی سازش کے الزام میں 13 طلباء گرفتار کر لئے گئے۔

23 نومبر 1968ء۔ لاہور میں طلباء نے زبردست مظاہرہ کیا۔ بسوں پر اور راہ چلتی ٹریفک پر پتھراؤ کیا۔ وزیر آباد، گجرات اور نارووال میں احتجاجی جلوسوں کا سلسلہ جاری رہا۔

24 نومبر 1968ء۔ لاہور کے مقامی ہائی سکولوں کے طلباء نے زبردست مظاہرہ کیا اور متعدد اومنی بسوں کو شدید نقصان پہنچایا۔ دو طالب علم گرفتار کر لئے گئے۔ لائل پور میں پیپلز پارٹی لائلپور کے زیر اہتمام شعبہ خواتین کی سربراہ بیگم آباد احمد خاں اور بیگم مبشر حسن کی قیادت میں بہت بڑا جلوس نکالا گیا۔

25 نومبر 1968ء۔ لاہور شہر میں ہنگاموں کے باعث اومنی بس سروس بند کر دی گئی۔ سرگودھا، پشاور راولپنڈی، نارووال، جیکب آباد، گجرات، چنیوٹ، لائل پور، سیالکوٹ، شیخوپورہ، ساہیوال، وزیر آباد، گوجرانوالہ، میانوالی، جہلم ایبٹ آباد میں حکومت کے خلاف مظاہرے کئے گئے اور گرفتاریوں کے خلاف احتجاجی جلوس نکالے گئے۔

26 نومبر 1968ء۔ راولپنڈی اور پشاور میں تمام تعلیمی ادارے بند کر دیئے گئے۔ گجرات اور راولپنڈی میں طالبات اور خواتین نے مظاہرے کئے۔ سرگودھا، لائلپور، سیالکوٹ، ڈسکہ، ڈیرہ اسماعیل خاں اور پشاور میں جلوس نکالے گئے۔

27 نومبر 1968ء۔ ایبٹ آباد، راولپنڈی، جہلم، سیالکوٹ، سکھر، شیخوپورہ، گجرات، بہاولنگر، بہاولپور، ساہیوال، گوجرانوالہ، ملتان میں مظاہرے کئے گئے۔ جن میں نوشہرہ اور راولپنڈی میں طلباء پر فائرنگ کی مذمت کی گئی۔

28 نومبر 1968ء۔ نیشنل عوامی پارٹی (ولی خاں گروپ) پیپلز پارٹی اور جمعیت علمائے اسلام نے پچاس منٹ کا خاموش مظاہرہ کیا۔ دفعہ 144 کی خلاف ورزی اور اندیشہ نقص امن کے تحت 36 افراد گرفتار کر لئے گئے۔ مظاہرین پولیس پر پتھر پھینکتے تھے اور پولیس مظاہرین پر ڈنڈے برساتی تھی۔

29 نومبر 1968ء۔ مغربی پاکستان کے مختلف شہروں میں وکلاء نے احتجاجی

جلوس نکالے۔ راولپنڈی میں پولیس نے طلباء پر لاٹھی چارج کیا جس کی زد میں وکلاء بھی آئے۔ پشاور میں اٹھارہ افراد کو گرفتار کر لیا۔ ایبٹ آباد کے اساتذہ نے حکومت کے خلاف مظاہرہ کیا۔

30 نومبر 1968ء_ مظفر آباد (آزاد کشمیر) میں بھی وکلاء طلباء اور سیاسی جماعتوں کے مظاہرے شروع ہو گئے۔

14-15 نومبر۔۔ بیگم نصرت بھٹو کی رٹ

14 نومبر کو بیگم نصرت بھٹو لاہور پہنچیں اور آئین کی دفعہ 98 کے تحت مغربی پاکستان ہائی کورٹ میں مسٹر بھٹو کی گرفتاری کے احکام کو چیلنج کر دیا۔ رٹ پٹیشن میں حکومت کے علاوہ صوبائی ہوم سیکرٹری اور ڈپٹی ہوم سیکرٹری کو بھی فریق بنایا گیا تھا۔ مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر جسٹس وحید الدین نے بھٹو اور دوسرے لیڈروں کی نظربندی کے خلاف دائر کی جانے والی رٹ درخواستوں کی سماعت کے لئے خاص ڈویژن بنچ قائم کرنے کا حکم دیا جو مسٹر جسٹس مشتاق حسین اور مسٹر جسٹس قاضی گل محمد پر مشتمل تھا۔ رٹ میں کہا گیا تھا کہ:

13 نومبر کو میرے شوہر کو جبکہ وہ گلبرگ میں اپنے دوست ڈاکٹر مبشر حسن کی رہائش گاہ پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ ڈیفنس پاکستان رولز کی دفعہ نمبر 32 کے تحت ڈپٹی سیکرٹری ہوم ڈیپارٹمنٹ کے حکم پر گرفتار کر لیا گیا۔ اس حکم کے مطابق میرے شوہر کو میانوالی جیل میں نظربند رکھا گیا ہے۔ اس حکم میں نظربندی کی میعاد نہیں بتائی گئی۔ اس کا مطلب ایک روز کی نظربندی بھی ہو سکتا ہے اور اب جبکہ میرے شوہر کو میانوالی جیل میں منتقل کیا جا چکا ہے یہ مدت ختم ہو چکی ہے اس لئے میرے شوہر کی نظربندی کو جاری رکھنا خلاف قانون ہے۔ انہیں فوراً رہا کر دینا چاہیے۔ نظربندی کی وجوہ اس درخواست کے ساتھ شامل ہیں۔ مجھے ان وجوہ کے درست ہونے کا کوئی علم نہیں اور نہ اپنے شوہر سے مل سکی کہ پتہ چلتا کہ نظربندی کی جو وجوہ بتائی گئی ہیں وہ درست ہیں یا نہیں۔ میں اپنے شوہر کے ساتھ نہیں تھی اور نہ میں نے کسی ایسے جلسے میں شرکت کی جس سے میرے شوہر نے خطاب کیا ہو اور جہاں ایسی بات کہی ہو جس کی بنیاد پر نظربندی کا حکم جاری کیا گیا ہو۔ تاہم میں یہ ضرور کہہ سکتی ہوں کہ میرے شوہر نے کہیں بھی تشدد پر اکسانے اور اشتعال دلانے والی کوئی بات نہیں کہی....“_

15 نومبر کو مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے خصوصی بنچ نے بھٹو صاحب کی نظربندی کے خلاف رٹ درخواست سماعت کے لئے منظور کر لی۔ فاضل ججوں نے درخواست کو سماعت کے لئے منظور کرتے ہوئے اپنے دو صفحات پر مشتمل حکم میں لکھا کہ درخواست دہندہ کے وکیل میاں محمود علی قصوری اور ایڈووکیٹ جنرل نے استدعا کی ہے کہ رٹ درخواست کی سماعت پندرہ روز کے بعد شروع کی جائے اس لئے یہ درخواست 2 دسمبر کو پیش کی جائے۔

عدالت نے اٹارنی جنرل شریف الدین پیرزادہ سے کہا کہ وہ بھی 2 دسمبر کو پیش ہوں اور وکیل صفائی کے اس اعتراض کا جواب دیں کہ چونکہ ہنگامی حالات کا اعلان 6 ستمبر 1965ء کو کیا گیا تھا اور اب وہ حالات نہیں رہے' اس لئے ہنگامی حالات کے دوران معرض وجود میں آنے والے ڈیفنس آف پاکستان رولز کا وجود بے کار ہو گیا ہے اور ان کے تحت کارروائی غیر قانونی ہے۔

وکیل صفائی میاں محمود علی قصوری نے عدالت کو بتایا کہ وہ نظربندی کے حکم کو معطل کرنے پر زور نہیں دیتے۔

16 نومبر۔۔ ایٹمی شعبہ میں روس پاکستان سے تعاون کرے گا: عثمانی

ایٹمی توانائی کمیشن کے چیئرمین مسٹر آئی ایچ عثمانی نے کہا کہ ایٹمی شعبہ میں روس نے پاکستان کے ساتھ تعاون کرنے کا اعلان کیا ہے۔

17 نومبر۔۔ اصغر خان نے سیاست میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا

ایئر مارشل اصغر خان نے ایک مقامی ہوٹل میں پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ آج سے وہ سیاست میں بھرپور حصہ لیں گے۔ سر دست وہ کسی سیاسی جماعت میں شامل ہونے کا ارادہ نہیں رکھتے تاہم اپنے خیالات عوام کے سامنے پیش کرنے کے لئے وہ عام جلسوں سے خطاب کیا کریں گے۔ سیاست میں حصہ لینے کے فیصلے کی وجوہات بیان کرتے ہوئے اصغر خان نے کہا کہ وہ کچھ عرصہ سے ملک کے سیاسی' سماجی اور اقتصادی حالات میں انحطاط اور زوال کا مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ رشوت و بدعنوانی' اقربا پروری' سیاسی بد اعمالی اور انتظامی نا اہلی ہمارے لاکھوں اہل وطن کی زندگیوں اور مسرتوں کو متاثر کر رہی ہے۔ سماجی عدم مساوات اور اقتصادی تفاوت فزوں تر ہے اور امیر اور غریب کے درمیان بعد روز بروز بڑھ رہا ہے۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہے کہ عوام کی ایک بہت بڑی اکثریت کا یہ اعتماد ختم ہو گیا ہے کہ حکومت اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کی اہل ہے۔ لہٰذا ضبط و قانون سے متعلقہ صورت حال لا محالہ طور پر متاثر ہوئی ہے۔ ہمارے تعلیمی اداروں کی موجودہ ابتر صورت حال' ہمارے نوجوان اور ملک کے مستقبل پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ آزادی تقریر اور پریس کی آزادی کو اس انداز سے دبایا گیا ہے کہ رائے عامہ کا معمول کے مطابق اظہار بہت مشکل ہو گیا ہے۔

اصغر خان نے کہا کہ انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر سیاست میں آنے کا فیصلہ کیا ہے اور وہ اس کے لئے ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔

19 نومبر۔۔ بھٹو ساہیوال جیل منتقل

ذوالفقار علی بھٹو کو میانوالی سے ساہیوال جیل منتقل کر دیا گیا۔

19 نومبر۔۔ اصغر خان کا ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن سے خطاب

مغربی پاکستان ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے ایئر مارشل اصغر خان نے ملک میں ہنگامی حالات کو مسلسل جاری رکھنے اور عوام کے بنیادی اور شہری حقوق بحال نہ کرنے پر حکومت پر کڑی نکتہ چینی کی۔ انہوں نے عوام کے تمام طبقوں کو اپنے بنیادی جمہوری حقوق بحال کرانے کے لئے متحد اور منظم ہو کر جدوجہد کرنے کے لئے کہا۔ انہوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ دس سالہ جشن ترقی کے نام پر کروڑوں روپے برباد کئے گئے ہیں۔ انہوں نے اظہار کی پابندیوں پر بھی شدید تنقید کی۔ ہنگامی حالات کے جاری رہنے پر نکتہ چینی کرتے ہوئے اصغر خان نے انہیں ختم کرنے کا مطالبہ کیا۔

22 نومبر۔۔ بھٹو کی گرفتاری پر ہفت روز ''ٹائم'' کا تبصرہ

امریکی جریدے ٹائم نے بھٹو کی گرفتاری پاکستان کے سیاسی حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ پاکستان کے صدر محمد ایوب خان نے دس برس تک اپنے ملک پر ایک فیلڈ مارشل (جو کہ بہرحال وہ ہیں) کے آہنی ہاتھ سے تسلط قائم رکھا ہے۔ صدر ایوب کے اپنے وضع کردہ بنیادی جمہوریت کے نظام کے تحت، حکومت کا اقتدار ایسے بالواسطہ انتخاب کے بل بوتے پر قائم ہے۔ جس کے لئے انتخابی ادارہ ان کے ہم خیال ایک لاکھ بیس ہزار تعلیم یافتہ پاکستانیوں پر مشتمل ہے۔ اس کے عوض اس حکومت نے ملک کو سیاسی استحکام اور بتدریج ترقی پذیر معیشت سے نوازا ہے۔ لیکن پچھلے ہفتے پاکستان کی سیاسی طمانیت کا طلسم ٹوٹ گیا۔ قتل کی ایک ناکام کوشش میں صدر ایوب پر دو گولیاں چلائی گئیں۔ تقریباً نصف درجن شہروں میں طلباء کے ہنگامے پھوٹ پڑے اور پولیس نے حزب اختلاف کے 141 سیاست دانوں کو گرفتار کر لیا، جن میں صدر ایوب کے سب سے طاقتور حریف سابقہ وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو بھی شامل تھے۔

قتل کی یہ کوشش اس وقت کی گئی، جب صدر ایوب پشاور میں تقریر کے لئے پلیٹ فارم پر بیٹھے تھے۔ ایک غیر مطمئن زیر تعلیم انجینئر ہجوم میں سے اٹھا اور تیس گز کے خارج از امکان (غیر موثر ۵) فاصلے سے اپنے لیوگر پستول سے دو فائر کئے۔ تاہم صدر ایوب نے پروگرام کے مطابق تقریر کی اور بعد میں اس حملے کو یہ کہتے ہوئے سپاہیانہ دل جمعی کے ساتھ نظر انداز کر دیا کہ فکر نہ کریں۔ زندگی میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔

ہنگاموں پر تلے ہوئے طلباء اور ان کے حامی سابق وزیر بھٹو کے اس جاندار اشتراک کو اس آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ بھٹو جو کہ ایک شعلہ بیان مقرر ہیں، پاکستان کے بارسوخ خاندان کے فرزند ہیں اور انہوں نے برکلے اور آکسفورڈ دونوں یونیورسٹیوں سے تعلیم حاصل کی ہے۔ وہ تیس برس کی عمر میں صدر ایوب کی پہلی کابینہ میں شامل ہوئے۔ 1963ء سے 1966ء تک وزیر خارجہ کی حیثیت سے بھٹو نے ایک طرف تو بھارت کے خلاف انتہا پسندانہ پالیسی اختیار کی اور دوسری طرف بیرونی تعلقات میں سوشلسٹ ملکوں کی طرف جھکے جس کے نتیجے میں پاکستان چین سے قریب تر اور امریکہ سے دور ہوتا چلا گیا۔ 1966ء تک وہ کابینہ کے مقبول ترین وزیر کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ اس وقت صدر ایوب نے میانہ روی کے تقاضے کے تحت انہیں کابینہ سے نکال باہر کیا۔ پچھلے برس مسٹر بھٹو نے اپنی پاکستان پیپلز پارٹی کی بنیاد رکھی، جس کا نعرہ ہے۔ اسلام، سوشلزم اور جمہوریت۔

اگرچہ بھٹو پاکستان کی بکھری ہوئی حزب اختلاف کو متحدہ کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ لیکن انہوں نے صدر ایوب سے بھی زیادہ عوام کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور اس طرح وہ ملک پر چھا گئے۔ اپنی مجاہدانہ قوم پرستی اور آتش فشانی کی بدولت وہ یونیورسٹیوں کے طلباء میں ایک مقبول شخصیت بن گئے۔ اپنے طور پر مسٹر بھٹو اشارۃً یہ کہہ چکے ہیں کہ اگلے سال کے انتخابات میں اپنی سیاسی مقبولیت کے لئے وہ عوام الناس کی بے اطمینانی پر انحصار کر رہے ہیں۔ لیکن ہنگاموں کی بنا پر ان کے اس پروگرام میں خلل پڑ گیا ہے۔

یہ ہنگامے پچھلے ماہ کراچی میں شروع ہوئے، جہاں طلباء نے فیسوں میں کمی، بہتر رہائشی سہولتوں اور امتحان میں کامیابی میں نمبروں کی شرح کو 50 فیصد سے گھٹا کر 45 فیصد کرنے کے حق میں مظاہرے کیے۔ بعد ازیں شرپسند عناصر ان میں شامل ہو گئے اور مظاہرین نے تشدد کا مظاہرہ کرتے ہوئے بسوں اور کاروں کو جلانا شروع کر دیا۔ پچھلے ہفتے تک ہنگامے سارے مغربی پاکستان میں پھیل گئے۔ جس کے نتیجے میں چار اموات واقع ہوئیں اور ستر گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں۔ مظاہرین کے نعروں میں بھٹو کے ان الزامات کی بازگشت سنی گئی کہ ایوب حکومت غیر جمہوری اور بد عنوان ہے۔ ساتھ ہی ساتھ بھٹو نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ مظاہروں کی اس فضا میں وہ پشاور سے لاہور تک کے طوفانی دورے پر نکلے اور اعلان کیا کہ ہم خون خرابہ نہیں چاہتے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اس سے ڈرتے ہیں میں طلباء کی جدوجہد میں ان کے ساتھ ہوں کیونکہ وہ جبرو استبداد کے خلاف برسرپیکار ہیں۔

گذشتہ ہفتے پولیس نے مسٹر بھٹو کو ان کی پارٹی کے چھ اراکین کے ہمراہ گرفتار کر لیا۔ توازن قائم رکھنے کے لئے پولیس نے 134/ دوسرے سیاست دانوں کو بھی گرفتار کر لیا۔ ان میں رہنما بھی شامل تھے جو پاکستان اور افغانستان کی سرحد کے دونوں طرف آباد 90 لاکھ پشتو بولنے والے لوگوں کے لئے ایک الگ ریاست بنام ''پختونستان'' کے قیام کے نمایاں داعی ہیں۔ بھٹو کے خلاف امن عامہ کی سلامتی کو خطرے میں ڈالنے کا الزام ہے۔ 1965ء کی پاک و ہند جنگ کے دوران نافذ کیے گئے ہنگامی قوانین جنہیں ابھی تک منسوخ نہیں کیا گیا، کے تحت مسٹر بھٹو کو بغیر مقدمہ چلائے غیر معینہ عرصے تک نظر بند رکھا جا سکتا ہے۔ ان پر اپنی ذاتی زمینوں پر سرکاری ٹریکٹروں کو غلط استعمال کرنے اور اس طرح بددیانتی کا مرتکب ہونے کا بھی الزام ہے گو مسٹر بھٹو اس الزام کی پر زور تردید کر چکے ہیں۔

ان میں سے کسی بھی ایک الزام کے تحت صدر ایوب مسٹر بھٹو کو جیل میں ڈال کر اگلے سال کے صدارتی انتخاب میں ان کے سیاسی رسوخ کا موثر ازالہ کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے عوض حکومت کو نہ صرف انتخابات میں غلط ہتھکنڈے استعمال کرنے کا الزام برداشت کرنا پڑے گا بلکہ یہ بات مسٹر بھٹو کی سیاسی مقبولیت کے لئے بھی مہمیز کا کام کرے گی۔ طویل قید و بند کی صعوبتوں سے مسٹر بھٹو عوام کی نظر میں ایک مظلوم کی حیثیت سے ابھریں گے اور اس طرح انہیں پاکستان کی حزب اختلاف کو اپنی حمایت میں لانے کا بہتر موقع میسر ہو گا۔ انجام کار مسٹر بھٹو، جن کے پروگرام میں مجاہدانہ قوم پرستی اور سوشلزم بیک وقت شامل ہیں، کا مستقبل درخشاں نظر آتا ہے۔ ابھی ان کی عمر چالیس سال ہے اور ان کی مقبولیت میں برابر اضافہ ہو رہا ہے' جبکہ صدر ایوب جو اکسٹھ سال کو پہنچ چکے ہیں، کی مقبولیت میں بتدریج کمی ہو رہی ہے"

23 نومبر--- روزداد خان کا انتقال ہو گیا

مغربی پاکستان نیشنل عوامی پارٹی کے سیکرٹری جنرل چوہدری روزداد خان کا انتقال ہو گیا۔

25 نومبر--- آئندہ تعلیمی ڈگریاں ضبط نہیں کی جائیں گی

مرکزی وزیر تعلیم قاضی انوار الحق نے کہا کہ یونیورسٹی آرڈیننس کی وہ دفعہ منسوخ کر دی جائے گی جس کے تحت تعلیمی ڈگریاں ضبط کی جا سکتی ہیں۔

25 نومبر--- اصغر خان کا بی بی سی اور 'نوائے وقت' کو انٹرویو

بی بی سی لندن اور روزنامہ 'نوائے وقت' کو انٹرویو دیتے ہوئے اصغر خان نے کہا کہ یہ کام اپوزیشن سیاسی جماعتوں کا ہے کہ وہ ملک کے آئندہ انتخابات میں حصہ لینے کے لئے کسی کو اپنا صدارتی امیدوار کریں۔ سردست انہوں نے فیصلہ نہیں کیا۔ ان کے عملی سیاست میں آنے کا مقصد بھی یہ ہے کہ ملک میں رائے عامہ کو منظم کر کے ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ سیاسی جماعتیں صحیح طور پر کام کر سکیں کیونکہ ایسی سازگار فضا قائم ہونے سے ہی انتخابی سرگرمیاں شروع ہو سکتی ہیں۔ انہوں نے ملک کے داخلی حالات پر سخت نکتہ چینی کی۔ انہوں نے کہا کہ وہ اقتدار کے لئے نہیں بلکہ قومی مسائل کے حل کے لئے عملی سیاست میں آئے ہیں۔ ایئر مارشل اصغر نے کہا کہ بھٹو اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاریوں سے حالات مزید خراب ہو گئے ہیں ایک سوال کے جواب میں اصغر خان نے کہا کہ وہ دائیں یا بائیں بازو کے قائل نہیں بلکہ صرف اسلام کو مانتے ہیں جس نے بنی نوع انسان کو آزادی اور حقوق دیئے ہیں اور جنہیں یہاں مسلسل نظرانداز کیا جا رہا ہے۔

26-28 نومبر--- اصغر خان صوبہ سرحد میں

ایئر مارشل اصغر خان نے پشاور اور مردان میں مختلف جلسوں میں خطاب کیا۔ 26 نومبر کو، پشاور کے ایک مقامی ہوٹل میں کونسل مسلم لیگ کے استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے سرحد کے عوام کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے جوش و خروش سے ان کا استقبال کیا۔ اصغر خان نے ملکی حالات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ حکمران انہیں حل کرنے میں ناکام ہو گئے ہیں۔ انہوں نے اپوزیشن پارٹیوں پر زور دیا کہ وہ متحد ہو جائیں۔ طالب علموں پر پولیس کے حالیہ جبر و تشدد کی مذمت کرتے ہوئے ایئر مارشل اصغر خان نے کہا کہ نہتے معصوم بچوں کو گولیوں کا نشانہ بنانا بڑا ظالمانہ فعل ہے۔ 27 نومبر کو ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن پشاور سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جسٹس ایم اے مرشد کے سیاست میں آنے سے ملکی سیاست بہت بہتر ہو جائے گی۔ انہوں نے ڈی پی آر کے تحت نظر بند ہونے والے سیاسی رہنماؤں کی رہائی، اخبارات کی آزادی اور ملک میں جمہوری فضا قائم کرنے کا مطالبہ کیا۔

28 نومبر کو مردان بار ایسوسی ایشن میں خطاب کرتے ہوئے اصغر خان نے کہا کہ یہاں صرف عوام کی مرضی اور منشا کے مطابق ہی حکومت چل سکتی ہے۔ ایئر مارشل نے کہا کہ سرحد کے عوام آزادی کی تحریکوں میں ہمیشہ صف اول میں رہے ہیں انہیں یقین ہے کہ وہ بحالی جمہوریت کی جدوجہد میں بھی موثر کردار ادا کریں گے۔

مردان بار سے جناب اصغر خان کو جلوس کی شکل میں ڈگری کالج مردان لے جایا گیا جہاں بیس ہزار افراد کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے سامنے سب سے بڑا خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے سامنے سب سے بڑا مسئلہ موجودہ حکومت کی جگہ ایسی حکومت لانا ہے جو عوام کے مسائل حل کرنے کی اہل ہو۔ انہوں نے کہا کہ قوم کی سیاسی اور اقتصادی بیداری کو صحیح راستے پر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ تاکہ ملک میں بحالی جمہوریت کی جدوجہد کامیاب ہو سکے۔ انہوں نے افسوس ظاہر کیا کہ حکومت نے طلبہ کے مسائل حل کرنے کی بجائے انہیں سڑکوں اور بازاروں میں دھکیل دیا ہے۔

27 نومبر--- قیوم خان کونسل مسلم لیگ سے مستعفی

خان عبدالقیوم خان کونسل مسلم لیگ سے مستعفی ہو گئے۔

28-29 نومبر--- نیپ اور پیپلز پارٹی کا احتجاجی جلوس

لاہور میں نیپ اور پیپلز پارٹی نے، حزب مخالف کے مطالبات کی حمایت میں احتجاجی جلوس نکالا صوبے کے دوسرے شہروں میں مظاہروں اور ہنگاموں کا سلسلہ جاری رہا۔ راولپنڈی میں طلباء اور وکلاء پر پولیس نے لاٹھی چارج کیا۔

29 نومبر--- کیپٹن گوہر ایوب گندھارا انڈسٹریز سے الگ ہو گئے

کیپٹن گوہر ایوب نے گندھارا انڈسٹریز سے استعفیٰ دے دیا۔

دسمبر 1968ء

یکم دسمبر۔۔ طلباء کے بعض مطالبے منظور

صدر ایوب کی ہدایت پر طلباء کی تمام جائز شکایات رفع کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ جن مطالبوں کو منظور کیا گیا ان میں 45 نمبروں کی سیکنڈ ڈویژن اور ضمنی امتحانوں کی بحالی شامل تھی۔

5-1 دسمبر۔۔ اصغر خان کا دورہ پنجاب

دسمبر کے پہلے ہفتے میں ایئر مارشل اصغر خان نے پنجاب کے مختلف شہروں کا دورہ کر کے بحالی جمہوریت کی تحریک کو تیز تر کیا۔ یکم دسمبر کو انہوں نے گوجرانوالہ ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن سے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ قوم کو اس نصب العین کے قریب لانا چاہتے ہیں۔ جو قائداعظم کے پیش نظر تھا۔ انہوں نے کہا کہ حکومت میں جرات ہے تو سامنے آئے اور دروازوں کے پیچھے نہ چھپے۔ انہوں نے طلباء پر تشدد اور سیاسی رہنماؤں کی گرفتاریوں کی مذمت کی۔ فضائیہ کے سابق سربراہ نے اعلان کیا کہ فوج محب وطن اور سیاست میں غیر جانبدار ہے۔

اسی روز لالہ موسیٰ میں عوام کے بہت بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ خیبر سے چٹا گانگ تک عوام بیدار ہو چکے ہیں۔

2 دسمبر کو اصغر خان نے ملتان بار ایسوسی ایشن سے خطاب کیا۔ انہوں نے کہا کہ صدر مملکت کی بیماری کے دوران اسپیکر کو ان کی جگہ کام کرنے کا موقع نہ دے کر آئین کی خلاف ورزی کی گئی۔ اصغر خان نے کہا کہ وہ پاکستان میں اقتصادی ناہمواری کو ختم کرنے کے لئے بڑے بڑے کارخانے قومی تحویل میں لینے کے حق میں ہیں۔ انہوں نے سیاسی پارٹیوں کے متحد ہونے پر زور دیا۔

تحریک بحالی جمہوریت کے صدر سید علی حسین گردیزی کی اقامت گاہ پر سیاسی کارکنوں اور شہریوں کے ایک اجتماع سے اصغر خان نے کہا کہ جب مسٹر بھٹو اور دوسرے رہنماؤں کو گرفتار کیا گیا تو انہیں محسوس ہوا کہ ملک میں اظہار کی آزادی نہیں ہے۔ انہوں نے طلباء پر تشدد کی ایک بار پھر مذمت کی۔

3 دسمبر کو ایئر مارشل اصغر خان جہلم پہنچے جہاں انہوں نے بار ایسوسی ایشن کو بتایا کہ اگر حکومت نے اپنا رویہ نہ بدلا تو عوام اسے بدلنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ انہوں نے تعلیمی ادارے بند کرنے پر نکتہ چینی کی۔ انہوں نے کہا کہ مشرقی پاکستان میں کافی عرصے سے تعلیمی ادارے بند ہیں۔ اب تین ہفتوں سے مغربی پاکستان میں بھی بند ہیں۔ فضائیہ کے سابق سربراہ نے کہا کہ اب ڈرائینگ روم سیاست کا دور گزر چکا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اپوزیشن کا وہی پروگرام ہو جو عوام چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ملک اس وقت ضمیر کے بحران میں مبتلا ہے اس لئے دردمند اور جری لوگوں کو آگے آنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ آئین کے بنانے والے خود اس کا احترام نہیں کر رہے۔

اسی روز ایئر مارشل لائلپور (فیصل آباد) پہنچے جہاں انہوں نے بتایا کہ حکومت اتنی غیر مقبول ہو چکی ہے کہ کوئی وزیر کھلے بندوں عوام سے خطاب کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ صدر نے اپنی ماہانہ نشری تقریر میں الزام لگایا ہے کہ اپوزیشن کے پاس کوئی پروگرام نہیں لیکن جب وہ خود برسر اقتدار آئے تھے تو ان کے پاس کیا پروگرام تھا۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ صدارتی انتخاب غیر جانبدارانہ اور آزادانہ ہونا چاہیے۔ اگر سرکاری دباؤ اور ناجائز ذرائع استعمال کئے گئے تو پاکستان میں جمہوریت کا احیاء ایک خواب بن کر رہ جائے گا۔

4 دسمبر کو اصغر خان سرگودھا پہنچے وہاں عوام کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ عوام کی منزل اب بہت قریب ہے اگر انہوں نے یہ موقع کھو دیا تو مزید دشواریوں کا سامنا کرنا ہو گا۔ انہوں نے کہا کہ عوام کا سیاسی شعور اور ولولہ بڑا خوش آئند ہے۔ اگلے روز انہوں نے سرگودھا میں ہی ایک جلسہ عام سے خطاب کیا۔ پاکستان پیپلزپارٹی کے زیر اہتمام ایک لاکھ سے زائد افراد سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے ایک آئینی ترمیم تجویز کی جس کے مطابق موجودہ صدر اگر صدارتی انتخاب کا امیدوار ہو تو اس کے لئے انتخابات سے دو ماہ قبل اپنے عہدے سے مستعفی ہونا لازمی ہو۔ اس عرصہ میں دونوں صوبوں کے گورنروں کو بھی مستعفی ہو جانا چاہیے۔ انہوں نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ قلمدان وزارت سنبھالتے وقت تمام وزراء کو اپنی املاک اور اثاثوں کا اعلان کرنا چاہیے۔

انہوں نے ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن میں وکلاء سے بھی خطاب کیا کہ پختونستان کا ڈھونگ حکمران طبقے کا اپنا کھڑا کیا ہوا ہے۔ حقیقت میں کوئی پختون پاکستان سے علیحدگی نہیں چاہتا۔ پٹھان بھی پاکستان کے اتنے ہی وفادار ہیں جتنے دوسرے صوبوں کے لوگ۔ انہوں نے تالیوں کی گونج میں مسٹر بھٹو اور دیگر نظربندوں کو خراج تحسین پیش کیا اور انہیں محب وطن قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ حکومت نے ملک سے وفاداری کو بھی کسی مخصوص شخصیت کی وفاداری کے تابع بنا ڈالا ہے۔

ایئر مارشل اصغر خان نے کہا کہ مشرقی پاکستان کے لوگوں کے ساتھ نو آبادیاتی طرز عمل اختیار کرنے کی جائے انہیں حکومت میں برابر کا شریک بنایا جائے اور انگریز حاکموں کی طرح صرف فیکٹریاں، ریلیں اور سڑکیں تعمیر کرنے کے دعووں پر ہی اکتفا نہ کیا جائے۔ انہوں نے انکشاف کیا کہ مسٹر بھٹو نے اپنے آخری دورہ ایبٹ آباد میں جلسہ عام سے خطاب سے پہلے دوپہر کا

کھانا ان کے ساتھ کھایا تھا اس کھانے میں کل چھ افراد شریک تھے جن میں سے پانچ نظر بند کئے جا چکے ہیں اور صرف وہی باقی ہیں جو اب تک آزاد ہیں۔

2 دسمبر-- کھر اور قصوری کی نظر بندی غیر قانونی ہے

ہائی کورٹ میں غلام مصطفیٰ کھر اور احمد رضا قصوری کی نظر بندی کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔

2 دسمبر-- بھٹو کی نظر بندی کے خلاف رٹ درخواست کی سماعت

2 دسمبر کو رٹ درخواست کی پھر سماعت شروع ہوئی۔ فاضل ججوں نے بھٹو کے وکیل محمود علی قصوری کی اس درخواست پر غور کیا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ بھٹو کو عدالت میں طلب کیا جائے۔ انہوں نے اپنی درخواست میں بتایا کہ جیل میں بھٹو صاحب کو قواعد کے مطابق ریڈیو رکھنے کا حق حاصل تھا لیکن ایسا حق استعمال کرنے پر پابندی لگا دی گئی۔ بعض مخصوص اخبار انہیں پڑھنے کے لئے دیئے جاتے تھے۔ ان کی ڈاک اور وہ سات کتابیں جو لاہور سے وہ اپنے ساتھ لائے تھے روک لی گئیں۔ انہوں نے قلم اور کاغذ کے حصول کے لئے کہا لیکن صرف ایک نوٹ بک دی گئی اور دوسرے روز ایک بال پوائنٹ قلم مہیا کیا گیا لیکن اس کے ایک گھنٹہ بعد انہیں میانوالی جیل سے ساہی وال جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ جہاں انہیں بدترین کھانا دیا جاتا' گھٹیا برتنوں میں لال آٹے کی روٹیاں دی جاتیں' کھانا چند سبزیوں اور تین چار گوشت کی بوٹیوں پر مشتمل ہوتا۔ کوٹھڑی میں میانوالی جیل سے زیادہ مکھیاں مچھر' کھٹمل' چوہے اور چمگادڑیں تھیں۔ غسل خانے کا انتظام میانوالی سے بھی بدتر تھا۔ پڑھنے کے لئے روشنی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ ٹین کی جس تھالی میں سالن دیا جاتا تھا' وہ کتوں کے لئے مناسب تھی سبزی وغیرہ کاٹنے کی چھری کی جگہ ایک کند سا آلہ دیا گیا جس سے آلو بھی چھیلے نہیں جا سکتے تھے۔ اس نامناسب اور برے سلوک کی وجہ سے بھٹو صاحب نے سپرنٹنڈنٹ جیل سے ملاقات کرنے کا مطالبہ کیا اور انہوں نے سپرنٹنڈنٹ سے کہا کہ انہوں نے حکومت میں خاصا وقت کاٹا ہے اور اس کی نسبت انہیں بہتر معلومات حاصل ہیں اور یہ بھی پتا ہے کہ سہروردی صاحب اور دوسرے رہنماؤں کے ساتھ قید میں کیسا سلوک ہوتا تھا۔ بھٹو صاحب نے اس پر واضح کر دیا کہ وہ کسی طرح کی سہولتیں یا مراعات حاصل کرنا نہیں چاہتے لیکن وہ اس بات کی بھی اجازت نہیں دیں گے کہ ان کے ساتھ کسی فی الواقع سزا یافتہ مجرم کا سا سلوک کیا جائے۔ بھٹو صاحب کا کہنا تھا: "جتنا بھی زور دیا جا سکتا ہے' دیتے ہوئے میں کہتا ہوں کہ میں نہ رعائتیں چاہتا ہوں نہ خصوصی سہولتیں۔ خداوند تعالیٰ کے کرم اور پاکستان کے عوام کی گرمجوش محبت کی بدولت مجھ میں ہر طرح کے مصائب سہنے کی سکت ہے"۔

عدالت نے اس درخواست پر کوئی حکم جاری نہ کیا۔ مسٹر قصوری نے اصرار کیا کہ مسٹر بھٹو کو عدالت میں طلب کیا جائے وہ ان کی موجودگی میں بہتر طور پر دلائل پیش کریں گے۔

3 دسمبر-- خوند کر مشتاق رہا

عوامی لیگ کے رہنما خوند کر مشتاق احمد کو رہا کر دیا گیا۔

4 دسمبر-- ممتاز بھٹو اور مبشر حسن بھی رہا

ممتاز علی بھٹو اور ڈاکٹر مبشر حسن کو بھی رہا کر دیا گیا۔

4-6 دسمبر-- حزب اختلاف سے مذاکرات کا امکان مسترد

صدر ایوب نے حزب اختلاف سے مذاکرات کا امکان مسترد کر دیا۔ اگلے روز ڈھاکہ پہنچ کر انہوں نے کہا کہ ملک میں امن و امان باقی نہ رہا تو ترقی بری طرح متاثر ہو گی۔ انہوں نے خبردار کیا کہ دشمن داخلی انتشار سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا۔

6 دسمبر-- خورشید حسن میر رہا

راولپنڈی پیپلز پارٹی کے رہنما خورشید حسن میر کو رہا کر دیا گیا۔

6 دسمبر-- جنرل اعظم خان بھی سیاست میں

مشرقی پاکستان کے سابق گورنر جنرل اعظم خان نے بھی سیاست میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا۔

6 دسمبر-- پاکستان کی سیاسی صورت حال پر 'ٹائم' کا تبصرہ

امریکی جریدے ہفت روزہ 'ٹائم' نے لکھا:

"یہ بات لم نشرح ہے کہ صدر ایوب نے پاکستان کے عوام کے موڈ کو سمجھنے میں سنگین غلطی کی ہے۔ تین ہفتے پہلے اس کوشش میں کہ ملک میں تیزی سے بگڑتے ہوئے سیاسی حالات کو سنبھالا مل سکے۔ صدر ایوب نے بائیں جانب جھکاؤ رکھنے والے قائد ذوالفقار علی بھٹو کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ لیکن اس کے باوجود عوام کے اضطراب میں کمی نہ ہوئی بلکہ پچھلے ہفتے سے (گرفتاری کے بعد) ہزاروں برافروختہ شہریوں نے جن میں اکثریت طلباء کی تھی ملک کے کونے کونے اور گلی گلی میں ایوب راج کے خلاف ایسے زبردست مظاہرے کیے کہ پاکستان کی سیاسی زندگی میں 1947ء کے دور آزادی کے بعد ایسے مظاہروں کی مثال نہیں ملتی۔

ان مظاہروں میں یہ گوناگوں مطالبات کیے گئے: بھٹو کی رہائی' تعلیمی اصلاحات' رہائش کی بہتر سہولتیں' پریس کی آزادی' ہنگامی قوانین اور ایوب

کے صدارتی نظام کا خاتمہ جس کی بنیاد ایک لاکھ بیس ہزار مراعات یافتہ افراد کے ووٹوں پر منحصر ہے۔ مغربی اور مشرقی پاکستان کے کم از کم تین درجن شہروں میں عوام نے اپنے جذبات کا اظہار' کہیں پر امن اور کہیں مشتعل مظاہروں اور جلوسوں کی شکل میں کیا۔ پولیس نے کئی مرتبہ آنسو گیس اور لاٹھیوں کا استعمال بھی کیا۔ راولپنڈی میں بیس ہزار طالب علموں نے متواتر سات گھنٹے جلوس کی شکل میں "ایوب مردہ باد" اور "بھٹو زندہ باد" کے نعرے لگائے۔ ایوب کے برسر اقتدار آنے کے بعد پچھلے دس سال کے دوران میں یہ سب سے بڑا احتجاج تھا۔ اس جلوس میں لوگ پہلے تو پر امن رہے لیکن بعد میں ان لوگوں نے دو سرکار نواز اخباروں کے دفتروں پر غصہ نکالا۔

تین دن بعد پھر راولپنڈی میں پولیس کو سات ہزار کے احتجاجی مجمعے سے دو چار ہونا پڑا اور حکومت فوج بلانے پر مجبور ہو گئی۔ پشاور میں طالب علموں نے حکومت کے خلاف نعرے لگائے۔ امریکی مرکز اطلاعات کے دفتر میں توڑ پھوڑ کی اور بسوں اور گاڑیوں پر پتھراؤ کیا۔ پاکستان حالانکہ پرانی رسم و روایات کا اسلامی ملک ہے' لیکن وہاں کی پردہ نشین عورتوں تک نے ان اجتماعوں میں شرکت کی۔ مغربی پاکستان کے گورنر موسیٰ نے پچھلے دو ہفتوں میں تین بار ریڈیو پر فسادات اور مظاہروں کو ختم کرنے کی ناکام اپیلیں کیں۔

جس قومی ہیجان سے ایوب کو ان دنوں واسطہ پڑ رہا ہے اس میں ایئر مارشل اصغر خاں کے جو 1965ء تک فضائیہ کے کمانڈر انچیف تھے سیاست میں حصہ لینے کے اچانک فیصلے نے اور بھی اضافہ کر دیا ہے۔ سینتالیس سالہ اصغر خاں فی الحال کسی اپوزیشن پارٹی سے منسلک نہیں ہو رہے لیکن انہوں نے پھر ملک بھر میں اس جدوجہد کو تیز تر کر دیا ہے کہ بھٹو کو فوراً رہا کیا جائے اور رشوت ستانی' کنبہ پروری اور نا اہلی کا' جو کہ ایوب راج میں پھول پھل رہی ہیں' خاتمہ کیا جائے۔

ایئر مارشل یکدم اپوزیشن کے ہیرو بن گئے ہیں اور وہ آئندہ آنے والے صدارتی انتخاب کے ایک قومی امیدوار ہیں۔ اپوزیشن کو سید محبوب مرشد سابق چیف جسٹس ہائی کورٹ مشرقی پاکستان کے سیاست میں حصہ لینے کے فیصلے سے بھی فائدہ پہنچا ہے۔ انہوں نے قوم کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہم ذلت کی موت مرنے کے لئے پیدا نہیں کیے گئے۔ اگر ہم متحد اور منظم ہو کر بدی اور گمراہی کے خلاف جہاد کریں تو ہم ضرور کامیاب ہوں گے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اکثر پاکستانیوں کو اس اعلان سے اتفاق ہے۔ چنانچہ سارے ملک میں مظاہرے اور جلوس ابھی تک شدت کے ساتھ جاری ہیں۔

7 دسمبر۔۔۔ میرواعظ یوسف کا انتقال

کشمیری رہنما میرواعظ یوسف کا چھہتر برس کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ وہ 1894ء میں سری نگر میں پیدا ہوئے تھے۔ سیاسی کارناموں کے علاوہ انہوں نے کشمیری زبان میں قرآن پاک کی تفسیر بھی لکھی۔ ان کے انتقال پر مقبوضہ کشمیر میں مکمل ہڑتال رہی۔

10 دسمبر۔۔۔ گورنروں کی کانفرنس

گورنروں کی دو روزہ کانفرنس میں فیصلہ کیا گیا کہ امن عامہ کے تحفظ اور متشددانہ کارروائیوں کے انسداد کے لئے مناسب اقدامات کئے جانے چاہئیں۔

12 دسمبر۔۔۔ بھٹو کو عدالت میں بلانے کی درخواست منظور

خصوصی عدالت کے فاضل ججوں نے بھٹو کو عدالت میں طلب کرنے کے سلسلے میں میاں محمود علی قصوری اور ایڈووکیٹ جنرل کے دلائل سنے۔ مسٹر قصوری نے کہا کہ نظربندی کا حکم بے قاعدہ ہے اور اس بے قاعدگی کے بارے میں مسٹر بھٹو ہی واضح طور پر بتا سکیں گے۔ ان کی موجودگی سے نہ صرف عدالت کو مدد ملے گی بلکہ خود مسائل کا یہ خدشہ بھی دور ہو جائے گا کہ ان کے ساتھ بے ایمانی کا امکان ہے ایڈووکیٹ جنرل نے مسٹر قصوری کے دلائل کو رد کرنے کے بعد کہا کہ اگر مسٹر بھٹو کو عدالت میں طلب کیا گیا تو حالات قابو سے باہر ہو جانے کا خطرہ ہے اور انتظامیہ کو امن برقرار رکھنے کے لئے گوناگوں مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔

دونوں وکلاء کے دلائل سننے کے بعد فاضل ججوں نے حکم دیا کہ مسٹر بھٹو کو عدالت میں طلب کرنے کی بجائے عدالت خود جیل جا کر درخواست کی سماعت کرے گی۔ فاضل ججوں نے قرار دیا کہ مسٹر بھٹو کو عدالت میں طلب کرنے یا عدالت کا خود ان کے پاس جانے کا ایک ہی مطلب ہے۔ عدالت نے کہا کہ مسٹر بھٹو کی درخواست کی سماعت ہائی کورٹ کی تعطیلات کے بعد 8 جنوری 1969ء کو کی جائے گی۔ ججوں نے حکم دیا کہ سماعت سے دو روز قبل مسٹر بھٹو کو لاہور جیل میں منتقل کر دیا جائے۔

13 دسمبر۔۔۔ تحریک جمہوریت کا صدارتی امیدوار مشرقی پاکستان سے ہو گا: محمد علی

نظام اسلام پارٹی کے صدر اور سابق وزیر اعظم پاکستان چوہدری محمد علی نے اعلان کیا کہ تحریک جمہوریت کا صدارتی امیدوار مشرقی پاکستان سے ہو گا۔

14 دسمبر۔۔۔ بڈبیر کا امریکی اڈا ختم کر دیا جائے گا

وزیر خارجہ ارشد حسین نے اعلان کیا کہ آئندہ سال پشاور کے قریب امریکی فوجی اڈا ختم کر دیا جائے

17 دسمبر۔۔۔ ڈاکو محمد خان کو سزا

سپیشل مجسٹریٹ گوجرانوالہ اعجاز احمد چیمہ نے ڈاکو محمد خان کو ستاسی سال قید اور چودہ ہزار جرمانے کی سزا سنائی۔

18 دسمبر--- موجودہ آئین مارشل لاء سے پہلے ہی تیار تھا: اصغر خان

فضائیہ کے سابق سربراہ اصغر خان نے کہا کہ موجودہ آئین 1958ء کے مارشل لاء سے پہلے ہی تیار کیا جا چکا تھا۔

19 دسمبر--- بڈبیر کے اڈے کی منتقلی

پشاور کے قریب بڈبیر کے امریکی فوجی اڈے کی تل ابیب منتقلی کا کام شروع ہو گیا۔ یہ اڈہ 1958ء میں پاکستان اور امریکہ کے درمیان ایک فوجی معاہدے کے نتیجے میں قائم کیا گیا تھا۔ یکم مئی 1960ء کو یہیں سے امریکہ کے جاسوسی طیارے یو۔ٹو نے پرواز کی تھی جسے روس نے اپنے علاقے میں مار گرایا تھا۔

25-26 دسمبر--- ترکی اور ایران کے سربراہ پاکستان میں

ترکی وزیراعظم سلیمان ڈیمرل اور ایران کے شاہ رضا شاہ پہلوی نے کراچی میں قائداعظم کے مزار پر پھول چڑھائے۔ تینوں ملکوں کے سربراہوں کے درمیان کشمیر، قبرص اور مشرق وسطیٰ کے مسائل پر اتفاق رائے ہو گیا۔ انہوں نے مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کی روشنی میں حل کرنے پر زور دیا۔

26 دسمبر--- شورش کاشمیری رہا

معروف صحافی اور ہفت روزہ 'چٹان' کے مدیر و مالک آغا شورش کاشمیری کو رہا کر دیا گیا۔

27 دسمبر--- پردھان مشرقی پاکستان اسمبلی کے اسپیکر منتخب ہو گئے

ضمیر الدین پردھان کو مشرقی پاکستان اسمبلی کا اسپیکر منتخب کر لیا گیا۔

1-31 دسمبر--- ایوب آمریت کے خلاف ہنگامے اور مظاہرے

یکم دسمبر 1968ء_ ڈیرہ اسماعیل خاں میں ایک طالب علم گرفتار کر لیا گیا حیدر آباد میں بھی طلباء نے جلوس نکالا۔

2 دسمبر 1968ء_ پشاور کی تاریخ میں پہلی بار عورتوں نے جلوس نکالا اور یوم مذمت منایا۔ پشاور، کراچی، گجرات، چکوال، سرگودھا، گوجرانوالہ اور دوسرے شہروں میں جلوس نکالے چکوال میں مظاہرین نے ڈاک خانے، ٹیلیفون ہاؤس اور ریلوے سٹیشن پر پتھراؤ کر کے ان عمارتوں کو سخت نقصان پہنچایا۔ سٹیشن پر کھڑی ایک مسافر گاڑی پر بھی پتھراؤ کر کے انجن ڈرائیور کو زخمی کر دیا۔

3 دسمبر 1968ء_ تا 30 دسمبر 1968ء_ مغربی پاکستان میں بھی طلباء، وکلاء اور مخالف سیاسی جماعتوں کے جلوس نکلتے رہے اور دوسری طرف مشرقی پاکستان میں بھی حکومت کے خلاف زبردست ہنگامے ہوئے۔ ان ہنگاموں کے دوران ہزارہا افراد گرفتار کر لئے گئے۔ 6 دسمبر اور 13 دسمبر کو جب پولیس فائرنگ سے بہت سے افراد زخمی ہو گئے تو پولیس فائرنگ کے خلاف ہنگاموں کی شدت اور بڑھ گئی۔ ہڑتالیں کی گئیں اور امن و امان کی صورت حال غیر تسلی ہوتی چلی گئی ان دنوں میں مارشل ایوب خاں نے مشرقی پاکستان کا دورہ بھی کیا مگر حالات درست نہ ہو سکے۔ ان حالات سے مارشل ایوب گھبرا گئے اور 11 دسمبر 1968ء کو ڈھاکہ میں ایک استقبالیہ میں انہوں نے اپنی گھبراہٹ کا اظہار ان الفاظ میں کیا۔ "حزب اختلاف کے راہنما اگر چاہتے تو آئندہ انتخابات مہذب اور منصفانہ طریقے سے لڑ سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے ایسا کرنے کی بجائے ایک ایسی راہ اختیار کی ہے جو ملک کی ترقی و خوشحالی کے لئے انتہائی تکلیف دہ ثابت ہو گی۔ بلکہ اس کی وجہ سے دنیا کی نظروں میں ملک کا وقار بھی گر جائے گا۔"

جنوری 1969ء

یکم جنوری--- حکومت اپنی خامیوں کو وقار کا مسئلہ نہیں بنائے گی: ایوب خان

صدر ایوب نے اپنی ماہانہ نشری تقریر میں کہا کہ حکومت اپنی خامیوں یا عوام کی مشکلات کی نشاندہی کو اپنی ضد یا وقار کا مسئلہ نہیں بنائے گی۔

2 جنوری--- شاہ ایران اور مسئلہ کشمیر

شہنشاہ ایران 2 جنوری کو نئی دہلی پہنچے جہاں انہوں نے اپنے دس روزہ دورے کے دوران کشمیر کے مسئلہ پر ہندوستان اور پاکستان کے درمیان بیچ بچاؤ کرانے کے لئے بات چیت کی لیکن ناکام رہے۔

2 جنوری--- فضل حق پراچہ کا انتقال

تاجر اور سیاستدان فضل حق پراچہ 2 جنوری کو بھیرہ میں انتقال کر گئے۔

4 جنوری--- پیر محمد زمان چشتی انتقال کر گئے

مغربی اسمبلی کے رکن پیر زمان چشتی کا انتقال ہو گیا۔

5 جنوری--- مغربی پاکستان کے نئے چیف سیکرٹری

بی اے قریشی کو مغربی پاکستان کا نیا چیف سیکرٹری مقرر کر دیا گیا۔

6جنوری--- تحریک جمہوریت انتخابات میں حصہ نہیں لے گی

تحریک جمہوریت پاکستان نے اعلان کیا کہ وہ آئندہ صدارتی انتخابات میں حصہ نہیں لے گی۔ ڈھاکہ کے اس اجلاس میں تحریک نے اپنی قرارداد میں مطالبہ کیا کہ (1) حق بالغ رائے دہی کی بنیاد پر براہ راست انتخابات کروائے جائیں۔ (2) منتخب اسمبلیوں کو پورے اختیارات دیئے جائیں۔ (3) ہنگامی حالت اور کالے قوانین کا فوری خاتمہ کیا جائے۔ (4) شہری حقوق اور آزادیاں فوری طور پر بحال کی جائیں۔ (5) تمام سیاسی نظربندوں کو فوراً رہا کیا جائے اور ان کے خلاف مقدمے واپس لئے جائیں۔ تحریک نے تمام جمہوری قوتوں کے ساتھ تعاون کرنے کا اعلان بھی کیا۔

6جنوری--- قومی اسمبلی کا اجلاس 24 جنوری کو ہو گا

صدر ایوب نے قومی اسمبلی کا اجلاس 24 جنوری کو ڈھاکہ میں طلب کر لیا۔

7جنوری--- بھٹو کی لاہور جیل منتقلی

عدالت کے حکم کے مطابق بھٹو کے ساہیوال جیل سے لاہور کی بورسٹل جیل منتقل کر دیا گیا۔

7جنوری--- ملک معراج خالد کی تاریخی قرارداد

ملک معراج خالد 7 جنوری کو کنونشن مسلم لیگ سے مستعفی ہو گئے انہوں نے مغربی پاکستان اسمبلی پارٹی کے اجلاس میں ایک قرارداد پیش کرنا چاہی تھی جسے پیش نہ ہونے دیا گیا۔ اس تاریخی قرار داد کا متن حسب ذیل ہے:

مغربی پاکستان اسمبلی کا یہ اجلاس ملک بھر میں ادیبوں، صحافیوں، وکیلوں، طالب علموں، محنت کشوں، علمائے کرام اور تمام سیاسی جماعتوں کی زیر قیادت عوامی مظاہروں سے پیدا شدہ صورت حال کا حقیقت پسندانہ جائزہ لینے کے بعد قرار دیتا ہے کہ وسیع تر قومی مفاد اور ملی استحکام کے پیش نظر خود احتسابی اور خود نگری کا فرض ادا کیا جائے اور ان اسباب و علل کی بلا کم و کاست نشاندہی کی جائے جن کی وجہ سے مختلف معاشی، سیاسی اور معاشرتی مسائل پیدا ہوئے اور عوام کی ایک عظیم محب وطن اکثریت حکومت کے خلاف اپنی بیزاری کا اظہار کرنے پر مجبور ہو گئی۔ یہ اجلاس اپنا سیاسی اور اخلاقی فرض سمجھتا ہے کہ اصلاح احوال کی خاطر وہ ملکی اور قومی مفاد کو ذاتی اور گروہی مصلحت پر ترجیح دے اور عوامی احساسات کا احترام کرتے ہوئے اپنی تجاویز پوری دیانت داری اور ذمہ داری سے قیادت کے سامنے پیش کرے۔ اس اجلاس کی رائے میں تحریک پاکستان کے تاریخی عوامل کا معروضی مطالعہ وہ ناگزیر معیار مہیا کرتا ہے جس کی روشنی میں ہی مسائل کا صحیح تجزیہ ممکن ہے اور موجودہ عوارض کے علاج کے لئے کوئی مثبت، جامع اور دائمی لائحہ عمل مرتب کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اجلاس کی رائے میں مسائل کا تجزیہ یہ ہے:-

1- ہندوستان میں صدیوں تک مسلمانوں کا سیاسی غلبہ ان کی مضبوط مرکزیت یعنی ان کی معاشرتی وحدت اور ملی یک جہتی کا مرہون منت تھا۔ لیکن جونہی چند سلاطین اور ان کے ہم مسلک طبقہ امراء نے اسلامی عقیدہ و عمل سے انحراف کی راہ اختیار کی تو مکافات عمل کا فطری قانون حرکت میں آگیا اور ان کی ذلت و رسوائی کے اسباب پیدا ہو گئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ اور دوسرے صلحائے ملت نے زوال کی علتوں کو بھانپا اور عدل و مساوات کی اسلامی قدروں کو مسلمانوں کی سیاسی قوت اور تہذیبی بالادستی کی بنیاد بنانے کی مساعی جہاد کو تیز تر کر دیا۔ مدت ہائے دراز تک حق کے پرستار ان معاشی ناہمواریوں، معاشرتی بے انصافیوں اور تہذیبی کجرویوں کو دور کرنے کی فکری اور عملی جدوجہد کرتے رہے جو اسلامی اصول زندگی سے روگردانی کی بنا پر مسلمان معاشرے کو لاحق ہو رہی تھیں۔ جہاں مسلمان عوام نے حق و صداقت کے مجاہدوں کی پذیرائی کی اور معاشرتی مرکزیت کو مضبوط بنانے میں ان کی ہمنوائی کی وہاں برسراقتدار امراء کا طبقہ اپنی زر پرستی، استحصال پسندی اور عیش کوشی کی روش کو ترک کرنے پر مائل نہ ہوا اور عدل و مساوات کے تقاضوں کو پاؤں تلے روندنے پر تلا رہا اور مختلف حیلوں اور بہانوں سے ہر احتسابی آواز کو بے دریغ کچلتا رہا۔ نتیجے کے طور پر حصول اقتدار کو کشمکش نے سازشوں اور ریشہ دوانیوں کو جنم دیا اور تمام معاشرے کو انتشار اور خلفشار میں مبتلا کر دیا۔ غیر اسلامی عصبیتیں پروان چڑھیں۔ مرکزیت کمزور پڑ گئی۔ مسلمانوں کا اتحاد اور استحکام ناپید ہو گیا۔ لوٹ کھسوٹ کا دور دورہ ہو گیا اور معاشرتی قدریں یکسر الٹ گئیں۔ جس کے بعد ملکی حملہ آوروں کو مسلمانوں کو سیاسی طور پر مغلوب اور معاشی لحاظ سے خوار و زبوں بنانے کی راہ میں کسی دشواری اور مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

2- 1857ء کے انقلاب آزادی میں مسلمانوں کی ہزیمت نے جہاں فرنگی سامراج کو مسلمانوں کی محرومی اور بے چارگی کو انتہا تک پہنچانے کے قابل بنایا۔ وہاں اس ابتلانے اصحاب فکر و عمل کو ایک صدی سے جاری رشد و ہدایت کے سلسلے کو تیز تر کرنے کی جرات اور عزم و ارادہ عطا کیا۔ مرور ایام کے ساتھ ان کا نظریاتی اور عملی جہاد تیز تر ہو تا گیا اور جوں جوں گراں باریاں بڑھتی رہیں، ان کی حدی خوانی کے سوز و درد اور انقلابی ولولہ انگیزی میں شدت پیدا ہوتی گئی۔ تاآنکہ اقبال نے باطل کے خلاف مسلمانوں کے اس طویل جہاد آزادی کو اپنے حیات آفرین پیغام میں سمویا اور انہیں اعتقادی وحدت سے سرشار کر کے آمادہ پیکار کیا۔ اس کی حجازی لے نے ان کے فکر و نظر میں یک رنگی پیدا کی اور انہیں اس کا آئینہ فکر میں اپنی نجات کی صورت

نظر آئی- اقبال کا فکر تحریک پاکستان کی نظریاتی بنیاد بنا اور مسلمانوں کا سواد اعظم آداب خود آگاہی سے روشناس ہوا اور ان میں جانفروشی اور جاں بازی کے باطل سوز ولولے جاگ اٹھے تو قائداعظم نے اپنی حریت پرستی' جرات' فراست اور پامردی و تدبر سے انہیں ایک منظم' متحدہ جمہوری اور عوامی مرکزیت کی ناقابل شکست قوت میں تبدیل کر دیا اور انگریزی اور برہمنی سامراج کی متحدہ جابر اور قاہر قوتوں کو شکست فاش دی اور اس طرح ایک پیامبر فکر اور ایک مرد دانا و جری کے طفیل ہمارا جہاد آزادی فتح و نصرت سے ہمکنار ہوا۔

3- پاکستان جس نظریہ زندگی کی بدولت وجود میں آیا منطقی طور پر وہی اس کی بقاء سالمیت اور ترقی کا واحد ضامن تھا اور ہم اس سے سر مو بھی انحراف کرنے کے مجاز نہیں تھے- اس لحاظ سے ناگزیر طور پر لازم آتا تھا کہ اسلام کا عدل عمرانی پاکستان کے معاشی' سیاسی اور معاشرتی نظام کی بنیاد بنتا اور عوام کو ہر استحصال' دباؤ اور تحریص سے آزاد کر کے اقتصادی جمہوریت کا قیام عمل میں لایا جاتا- انسانی آزادی' مساوات اور اخوت کی آفاقی قدروں کو مملکت کی اندرونی و بیرونی حکمت عملیوں کا مرکز و محور بنایا جاتا- لیکن چونکہ اس بنیادی نظریے سے انحراف کیا گیا اور قائداعظم کی وفات کے بعد ان کے واضح فرمودات کے برعکس عوام کے مفاد کو پس پشت ڈال کر دولت و حکومت پر قابض ایک قلیل گروہ کے معاشی و سیاسی مفادات کے تحفظ اور پاسداری کی روش اختیار کی گئی اور عوام کی آزادانہ مرضی و رضامندی کے خلاف ایسی معاشی اور معاشرتی پالیسیاں وضع اور نافذ کی گئیں جن سے معاشی ناہمواریوں' سیاسی جکڑ بندیوں اور معاشرتی بے انصافیوں کا پیدا ہونا لازمی امر تھا اور برادری پرستی' لسانی اور علاقائی تعصبات ایسے مرکز گریز اور قومی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والے رجحانات کا پروان چڑھنا بدیہی بات تھی اور اس لئے قیادت کا عوام کے شعوری تعاون و حمایت سے محروم ہونا ان تضادات کا ناگزیر نتیجہ تھا- چنانچہ عوام کا قیادت پر اعتماد اٹھ گیا- عوام کی تنظیم کی اصولی سیاسی بنیادیں منہدم ہو گئیں اور عوامی اتحاد کے رشتے کمزور پڑنے سے مرکزیت کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی- معاشی نظام کے استحصالی ہونے کی وجہ سے پارلیمانی نظام سیاست جمہوری تقاضوں کو پورا نہ کر سکا اور قیادت اور عوام کے درمیان اشتراک و تعاون کے تمام رشتے کٹ گئے اور مسلم لیگ جو عوام کی آزادی جمہوری حقوق اور معاشی استحصال سے نجات کا روشن نشان اور موثر ذریعہ تھی- انہی مفادات کی بدولت سیاسی طالع آزماؤں کا آلہ کار بن گئی- سامراج نے ان حالات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور اس کی پسند و ناپسند مملکت کی اندرونی اور بیرونی پالیسیوں کا مدار بن گئی- عقیدہ و عمل کے ان تضادات نے عوام کو حکومت کے خلاف اس حد تک بیزار بلکہ بغاوت پر آمادہ کر دیا کہ اس خلفشار کے تدارک کے لئے اکتوبر 1958ء کا فوجی انقلاب لازمی مداوا سمجھا گیا۔

4- انقلاب کے فوجی قائدین نے بھی حالات کی ابتری کا سبب نظریہ پاکستان سے روگردانی قرار دیا اور رد عمل کے طور پر اس عہد کا اعلان کیا کہ وہ اس کی بازیابی کے لئے معاشرے کی تعمیر نو اسلامی عدل و مساوات پر استوار کریں گے اور عوام کو ہر استحصالی اور جبر سے نجات دلا کر ان کی حکمرانی کا حق بحال کریں گے- انہوں نے عوام کو اعتماد میں لیے بغیر اپنی صوابدید کے مطابق مختلف شعبوں میں اصلاحات کا نفاذ بھی کیا اور سرے سے اپنی اس نظریاتی روش کا ثبوت مہیا کر دیا کہ عوام ہر سیاسی شعور اور معاشرتی احساس سے عاری ہیں جس کی رو سے ان کی رائے حکومت کے فیصلوں کی بنیاد نہیں بن سکتی- ظاہر ہے کہ باوجود انتہائی خلوص جذبہ کے ان کا ذہن کسی ایسے سیاسی نظام کو قبول نہیں کر سکتا تھا جو جمہور کی سلطانی اور عوام کی حکمرانی کی ضمانت دیتا- چنانچہ انہوں نے سابق معاشی نظام کو قائم رکھا بلکہ اس کی اجارہ دارانہ خصوصیات کو محکم تر بنانے کے موثر اور مثبت اقدامات کیے جس سے دولت اور دولت آفریں وسائل صرف ایک قلیل گروہ کی ملکیت بنتے اور امارت اور غربت کے درمیان فاصلے بڑھتے چلے جاتے ہیں' عوام کا معاشی استحصال لازم ہو جاتا ہے اور معاشی انصاف اور معاشرتی مساوات کی اسلامی قدریں ملیامیٹ ہو جاتی ہیں- یہی وجہ ہے کہ انقلابی حکومت کے اصلاحی اقدامات بھی تضادات کا شکار ہو گئے اور بیرونی سرمایہ سے مادی ترقی کی برکات اکثر و بیشتر چند خاندانوں کا مقدر بن کر رہ گئیں- یہی وجہ ہے آج رشوت ستانی' مفاد پرستی' چور بازاری' کنبہ پروری اور ذاتی مفاد پرستی کا لامتناہی مکروہ سلسلہ دراز تر ہوتا جا رہا ہے- ارتکاز دولت کے عمل نے اخلاقی قدروں کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا ہے- نوکر شاہی عوام پر جبر اور ان کے استحصال کے لئے ارباب اختیار کی آلہ کار ہی نہیں براہ راست اتحادی بن گئی ہے- عوام کی فکری یک رنگی اور عملی اتحاد کی تمام معاشی اور معاشرتی بنیادیں منہدم ہو گئی ہیں جس کی وجہ سے مرکز گریز رجحانات کو پھر سے پرورش پانے کا موقع ملا ہے اور 1958ء سے قبل کی داستان دہرائی جا رہی ہے-

5- اس استحصالی نظام کو تمام و کمال مسلط اور مستحکم کرنے کے لئے ایسے سیاسی اقدامات کیے گئے ہیں جو منطقی طور پر ناگزیر تھے- سیاسی نظام کی تنظیم لامحالہ معاشی نظام کے تابع ہوتی ہے اور چونکہ انقلابی قیادت نے موجودہ اجارہ دارانہ نظام کو تقدیس کا درجہ دیا ہے اور تحریک پاکستان کا تاریخی عمل عوامی اتحاد کے ذریعے جس مرکزیت کا متقاضی تھا اس کے جمہوری تقاضوں کے علی الرغم عوام کے استحصال اور ان پر جبر و استبداد کے ذریعے مرکز کی مضبوطی کے نظریے کو جزو ایمان بنایا گیا اس لئے موجودہ سیاسی نظام اپنی استحصالی غیر جمہوری اور غیر عوامی نوعیت و خاصیت میں نافذ العمل معاشی نظام سے مختلف نہیں ہو سکتا تھا- انقلابی قائدین کی طرف سے اپنے عہد سے انحراف کے نتائج اب کھل کر سامنے آ رہے ہیں- چنانچہ پاکستان کا دستور جو اس سیاسی نظام کے بنیادی خدوخال اور جزئیات کا امین ہے- انہی استحصالی خصوصیات کو

جاگزیں اور محفوظ کرنے کے لئے مرتب کرنا پڑا- اس آئین کی رو سے جس کی تربیت و تشکیل میں عوامی رائے اور مشورے کو کوئی دخل نہیں تھا' صدر' قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبروں کا انتخاب براہ راست بالغ رائے دہی کی بجائے بنیادی جمہوریت کے بالواسطہ طریقے سے لازمی قرار دیا گیا- مارشل لاء کے دوران عوام کا اقتصادی استحصال اور ان پر سیاسی جبر کرنے والے اقدامات کو جمہوری جرح و تنقید سے ماورا گردانا گیا- شہری آزادیاں سلب کرنے کے لئے انتظامیہ کی عدلیہ پر بالا دستی کی ضمانت مہیا کی گئی- صدر کی ذات کو تمام اختیار و اقتدار کا مرکز بنا دیا گیا- وزراء کو عوام کے نمائندوں کے سامنے جواب دہ ہونے کی بجائے صدر کے نامزد کردہ گورنر کی پسند و ناپسند کا محتاج بنایا گیا اور اراکین اسمبلی کو بیورو کریسی کے مقابلے میں اس حد تک غیر محفوظ اور بے حیثیت رکھا گیا کہ وہ موخر الذکر کی طرف سے ان کے ساتھ ہر ذلت آمیز سلوک کو برداشت کرنے پر مجبور ہوں اور عوام کی خواہشات اور مطالبات حکومت کے سامنے پیش کرنے کا لازمی فریضہ بھی ادا نہ کر سکیں-

طرز حکومت پارلیمانی ہو یا صدارتی صرف اسی صورت میں عوام کی حاکمیت کا دعویٰ کر سکتا ہے اگر اکثریت کی آزادانہ رائے اور ان کی شعوری حمایت و تعاون حکومت کی ہر پالیسی اور اقدام کی بنیاد ہو- لیکن جب ایسے معاشی نظام میں دولت اور دولت آفریں وسائل چند ہاتھوں میں مرتکز ہو جائیں اور سیاسی اختیار و اقتدار ایک ذات میں مرکوز کر دیے جائیں اور عوامی جمہوریت کی بجائے اسے ہر مرکز کی مضبوطی قرار دیا جائے تو بے انصافی' حق تلفی' نفس پرستی اور عوام دشمنی کا فروغ پانا لازمی ہے اور ان برائیوں کے خلاف عوامی احتجاج اور جمہوری احتساب کی ہر کوشش اور خواہش کو دبانا اور جبر و تشدد کے تمام حربے استعمال کرنے جائز اور ضروری سمجھ لیے جاتے ہیں- یہی وجہ ہے کہ کسانوں' مزدوروں' محنت کشوں' چھوٹے تاجروں اور صنعت کاروں اور چھوٹے ملازموں کی صدائے احتجاج کو دبانے کے لئے ہر متشددانہ اقدام کو روا رکھا گیا ہے اور تحریر و تقریر پر پابندیاں' پریس پر ناروا کنٹرول' اجتماع کی ممانعت' مزدوروں کے اجتماعی سودے بازی کے حق کی تنسیخ' طلباء و اساتذہ کے فکر و علم کی اسیری اور ہنگامی قوانین کا نفاذ کر کے جمہوری قدروں کی تکذیب و تحقیر کے سامان فراہم کیے گئے ہیں اور اس طرح عوام کو ان کے سیاسی اور جمہوری حقوق سے صریح طور پر محروم کیا گیا ہے سیاسی جماعتوں کو اپنے اپنے سیاسی پروگرام عوام کے سامنے پیش کرنے کی راہ میں رکاوٹیں پیدا کر کے قوم میں نظریاتی یک جہتی اور عملی وحدت کے مقصد عزیز کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا گیا ہے- خود حکمران سیاسی پارٹی یعنی پاکستان مسلم لیگ کی تنظیم اور اس کے طریق کار کو عمومی احتساب سے بچنے کے اصول پر وضع کیا گیا ہے- جس سے ہر سطح پر اس کی قیادت کا انتخاب عوامی تائید کی بجائے دولت کے غیر عوامی معیار پر عمل میں آیا ہے اور اس کی صوبائی اور مرکزی قیادتیں نچلے درجے کے کارکنوں کی جماعتی رائے کو اپنے سیاسی فیصلوں کا مدار بنانے کی بجائے ذاتی فیصلے کو مقدم جانتی ہیں اور معروف جمہوری آداب اور تقاضوں کو نظر انداز کر کے سیاسی فکر و نظر کے فروغ و ارتقاء کو روک رہی ہیں اور نتیجے کے طور پر سیاسی جماعت کے ذریعے اپنے فلسفہ و پروگرام کے لئے عوام کا تعاون حاصل کرنے کی بنیادی سیاسی ضرورت سے دانستہ چشم پوشی کی جا رہی ہے- مسلم لیگ اور قائد اعلیٰ کی ذات لازم و ملزوم بن کر رہ گئی ہیں اور قوم کو متبادل قیادت کے ذریعے جس سیاسی تسلسل اور پر امن ذرائع سے سیاسی تبدیلی کی ضرورت ہے اس کے تقاضوں کو پورا کرنے میں دانستہ پہلو تہی کی جا رہی ہے- سیاسی کارکن اور جماعت سے وابستہ افراد بے کسی' بے حسی اور عوام سے لاتعلقی کے یاس انگیز احساس ہیں مبتلا ہو چکے ہیں اور چاپلوسی اور خوشامد ہی حصول مقاصد کا ذریعہ بن گئی ہے یقینی طور پر سیاسی جماعت کے ذریعے عوام میں فکر و عمل کی وحدت پیدا کرنے سے گریز کی یہ پالیسی قومی استحکام نہیں عدم استحکام ہی کا باعث ہو سکتی ہے اور عوام سے کٹ کر مرکز کی مضبوطی کا ارفع مقصد حاصل کرنا ہرگز ہرگز ممکن نہیں ہے- تحریک پاکستان کی تاریخ کا غیر متبدل فتویٰ یہی ہے کہ اسلامی قدروں کے مطابق جمہور کی سلطانی ہی مضبوط مرکز کا دوسرا نام ہے-

یہ اجلاس یہ کہہ کر پاکستانی قوم کی متفقہ رائے اور عزم صمیم کی ترجمانی کرتا ہے کہ کشمیر کا مسئلہ پاکستان کی موت و حیات کا مسئلہ ہے- اصولی طور پر اور سیاسی ضرورت کے تحت بھی ہم پر لازم آتا تھا کہ ہم پاکستان کے نظریاتی وجود کو اپنے انفرادی اور اجتماعی عمل کی بنیاد بناتے اور پاکستان میں عوامی جمہوریت کی برکات اس طرح جاری و ساری کرتے کہ کشمیری عوام پاکستان کو اپنی امیدوں کا واحد مرکز قرار دیتے یا کم از کم ہم آزاد کشمیر میں جمہوریت' مساوات اور اسلامی عدل و انصاف کی حکمرانی اور بالادستی کا ایسا نقشہ مرتب کرتے کہ کشمیر کے اندر اور باہر پاکستان دشمن عناصر کی مکروہ چالیں کشمیریوں کے جہاد آزادی کو کوئی گزند نہ پہنچا سکتیں- لیکن اس تلخ حقیقت کا اعتراف کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے کہ ہماری زندگی کے معاشی اور سیاسی تضادات نے آزاد کشمیر کے معاشی اور سیاسی نظام کو بھی اپنی آلودگیوں سے ملوث کر رکھا ہے اور اسلام کے نام پر وہاں زندگی کو سنوارنے اور منضبط کرنے کی جو اسلام گریز صورتیں ظہور پذیر ہوئی ہیں ان سے پاکستان اور کشمیر کے درمیان اس واحد اور مضبوط ترین رشتے کی کمزوری واقع ہونے کا ہر احتمال پیدا ہو گیا ہے- مثال کے طور پر آزاد کشمیر کی بارہ ارکان کی کونسل میں چار ارکان کی نامزدگی کو روا رکھ کر جمہوریت اور عوام کے حق حکمرانی کی جس طرح مٹی پلید کی گئی ہے اور اسلامی انصاف پسندی کے تقاضوں کو جس انداز سے مجروح کیا گیا ہے- اس سے ہم کشمیری حریت پرستوں اور آزادی و انصاف کے طلب گاروں سے کسی داد و تحسین اور تشکر و امتنان کی تمنا نہیں کر سکتے اور جہاد کشمیر کے لئے کشمیریوں کو مسلح جدوجہد کا جو اٹل مرحلہ در پیش ہے' پاکستان اور

آزاد کشمیر میں غیر جمہوری اور نظریہ پاکستان کے منافی نظام سیاست و معیشت کے ہوتے ہوئے اسے عبور کرنا تو کجا اس کے ابتدائی تقاضوں کو بھی پورا نہیں کرسکتے۔

مسائل کے اس تجزیے کی روشنی میں اصلاح احوال کی خاطر یہ اجلاس مطالبہ کرتا ہے کہ موجودہ معاشی اور سیاسی نظام کو بنیادی طور پر تبدیل کیا جائے۔ اس لئے یہ اجلاس قرار دیتا ہے کہ:-

1- سیاسی نظام کو غیر جمہوری' غیر عوامی اور متشددانہ خصوصیات سے پاک کرنے کے لئے معاشی نظام کو بنیادی طور پر اس طرح تبدیل کیا جائے کہ زندگی کے تمام شعبوں میں اجارہ داریوں کا وجود کلی طور پر ناپید ہو جائے۔ معاشی جبر و استحصال اور ارتکاز دولت کی بدولت پیدا ہونے والی اقتصادی آمریت کی تمام صورتیں ختم کی جائیں۔ دولت اور دولت آفریں وسائل کی منصفانہ تقسیم اس طرح عمل میں لائی جائے کہ تمام افراد معاشرہ کو مکمل معاشی و معاشرتی تحفظ حاصل ہو جائے۔ حصول مقصد کے لئے بنیادی صنعتوں' بنکوں اور انشورنس کمپنیوں کو قومی ملکیت میں لیا جائے اور دوسرے شعبوں میں بھی تمام ذرائع سے حاصل ہونے والی شخصی آمدنی کا اس طرح تعین کیا جائے کہ کوئی فرد دوسرے کا معاشی استحصال نہ کرسکے اور اس طرح معاشرتی اونچ نیچ کی اقتصادی بنیاد کو ہی ڈھادینے کا اہتمام کیا جائے۔ قومی خود کفالتی کا نصب العین حاصل کرنے کے لئے غیر ملکی سرمایہ اور مشروط قرضوں کے اثرات کو ختم کیا جائے اور قومی وسائل' مادی و انسانی پر زیادہ سے زیادہ انحصار کیا جائے۔ ہر قسم کے سامان تعیش و آرائش کی درآمدات بند کی جائیں۔

2- صنعتی مزدوروں' محنت کشوں' چھوٹے ملازموں' چھوٹے تاجروں اور صنعت کاروں کو روزگار کی ضمانت دی جائے اور ان کی آمدنی اس معیار تک لائی جائے کہ طبقوں کے درمیان معاشی دوریاں ختم ہو جائیں۔ مزدوروں کو ہڑتال کا حق دیا جائے۔ سرکاری اور مل مالکان کے اثر و دباؤ سے آزاد ان کا انجمن سازی کا حق بحال کیا جائے اور انہیں تعلیمی' طبی اور رہائشی سہولتیں دی جائیں۔ مزدوروں کو ملوں کی انتظامیہ میں شریک کیا جائے اور منافع میں معقول حصے کا حقدار قرار دیا جائے۔

3- موجودہ فرسودہ جاگیرداری زرعی نظام کی اس حد تک اصلاح کی جائے کہ کاشت کاری پر بسر اوقات کرنے والے لوگوں یعنی چھوٹے مالکوں' مزارعوں اور کھیت مزدوروں کو لوٹ کھسوٹ سے نجات ملے۔ سرکاری اراضی کسانوں میں تقسیم کی جائے اور انقلابی قیادت کی زرعی اصلاحات کی سپرٹ کے خلاف معقول ذرائع معاش رکھنے والے لوگوں میں اراضی کی پالیسی پر نظرثانی کی جائے۔ نیلام اراضی کو بند کیا جائے۔ زرعی پیداوار میں اضافے کے لئے بیرونی قرضوں کے ذریعے زرعی مشینری' پرزے اور کیمیات وغیرہ کے حصول اور استعمال سے زرعی خود کفالتی کا مقصد فوت ہوتا ہے' اس سے صرف چند خوش قسمت درآمد کنندگان اور ان کے ایجنٹوں کے مفاد کو تقویت ملتی ہے۔ اس لئے اندرون ملک زرعی مشینری تیار کرنے کی تدابیر بروئے کار لائی جائیں تاکہ نہ زرمبادلہ کا ضیاع ہوا اور نہ غیر ضروری مشینری کا استعمال دیہی بے روزگاروں کی تعداد میں اضافے کا موجب بنے۔ بہرحال کسانوں کے وسائل محنت کو مادی ذرائع پر فوقیت دی جائے۔

4- تجارت میں چور بازاری' ذخیرہ اندوزی' ناجائز منافع خوری کو ختم کرنے کے لئے درآمد برآمد کو زیادہ سے زیادہ سرکاری شعبے میں رکھا جائے۔ اجناس خوردنی کی تجارت کو مکمل طور پر سرکاری کنٹرول میں لیا جائے۔

5- رشوت ستانی اور مفاد پرستی کو موجودہ حالات میں بھی بند کرنے اور ارزاں' فوری اور فراواں دولت کمانے کی بے تحاشا دوڑ میں کمی کرنے کے لئے چند فوری اقدامات کیے جائیں اور عوام کا اعتماد و یقین بحال کرنے کے لئے ابتداء میں ایک مثالی قدم اٹھایا جائے۔ یعنی 1958ء کے بعد برسراقتدار آنے والے سیاست دانوں کی جائیدادوں کا حساب لیا جائے' جو انہوں نے اور ان کے لواحقین نے اس دوران میں صنعت و تجارت میں حصوں' سرکاری اراضی کی گرانٹوں اور الاٹ منٹوں' روٹ پرمٹوں اور لائسنسوں وغیرہ کے ذریعے بنائیں۔ یہ محاسبہ کسی جج ہائی کورٹ کی صدارت میں اعلیٰ اختیارات کے حامل ٹربونل سے کرایا جائے جس کے دوسرے ارکان اسمبلی اور سیاسی جماعتوں سے لئے جائیں۔ اسی طرح اعلیٰ سرکاری ملازمین کی جائدادوں کا بھی محاسبہ عوامی نمائندوں پر مشتمل ٹربونل سے کرایا جائے۔ ان احتسابی اداروں کو ناجائز طریقوں سے حاصل کی ہوئی جائدادیں ضبط کرنے کا اختیار ہو۔ اقتدار اعلیٰ کو احتساب کے سپرد کرنے کا یہ جرات مندانہ عمل ہوس زرگری اور نفع اندوزی کی لعنتوں کا سدباب کرنے میں نہایت موثر ثابت ہو گا اور عوام کی لوٹ کھسوٹ اور خلاقی بے راہ روی میں معتدبہ کمی آجائے گی ورنہ اگر اقتدار اعلیٰ کی سیرت و کردار ہر حرص و آز سے پاک اور بے داغ نہ سمجھا جائے اور ان کی تردامنی کے قصے اور کہانیاں زبان زد خاص و عام ہو جائیں تو سرکاری عہدیداروں اور عوام کو انصاف پسندی' سادگی اور کفایت شعاری کی تلقین بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔ اقتدار اعلیٰ اگر بے نفسی کا نمونہ پیش کرے' عام معیار زندگی اختیار کرے' اپنی عام بنیادی ضروریات سے زائد تمام وسائل معاشرے کے سپرد کردے اور اسی کو معیار عدل بنائے تو معاشی بے انصافی کے تمام سرچشمے قلیل عرصے میں بند کیے جاسکتے ہیں۔

6- امیر و مقتدر افراد کی خیرات اور امداد پر معاشرتی بہبود کی منصوبہ بندی انسانی عزو شرف کے اسلامی تصور کے منافی ہے۔ اس حقیقت کو تسلیم کیا جائے کہ معاشی ناہمواریوں کی موجودگی میں رفاہی اقدامات معاشرتی مسائل کا حل نہیں ہو سکتے۔ وسائل کی منصفانہ تقسیم ہی اس کی واحد ضمانت ہے کہ یہ مسائل پیدا ہی نہ ہوں اور فلاح معاشرہ کے صحیح اسلامی تصورات ہماری اجتماعی مساعی کی بنیاد بنائے جائیں۔

اگر معاشی انصاف کے مذکورہ بالا مقاصد اور لائحہ عمل کو نظریہ پاکستان کے لازمی تقاضے تسلیم کر لیا جائے اور اس حقیقت کو قبول کر لیا جائے کہ عوامی جمہوریت کے یہی اساسی اصول مرکزیت کی صحیح مضبوطی کے ضامن ہو سکتے ہیں تو ان کی روشنی میں سیاسی نظام کو عوامی اور جمہوری خصوصیات کا حامل بنانا ناگزیر ہو جاتا ہے اور انہی کی روشنی میں موجودہ نظام کے نقائص اور خامیوں کی بھی نشاندہی آسانی سے کی جاسکتی ہے اور ان کو دور کرنے کی تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں۔ چنانچہ ضروری ہے کہ:۔

1- آئین کو ایسی خامیوں سے پاک کیا جائے جن سے عوام کی حکمرانی کا مقصد فوت ہو جاتا ہے اور سیاسی شعور اور معاشرتی احساس سے عاری قرار دے کر ان کو جمہوری حقوق سے محروم کیا جاتا ہے۔ قومی اور صوبائی بجٹوں کو عوامی نمائندوں کی منظوری یا نامنظوری کے تابع بنانا اس سمت میں پہلا قدم ہے۔

2- ارکان اسمبلی اور خود صدر کے انتخاب کے لئے بنیادی جمہوریت کو انتخابی ادارہ بنانے کی بجائے براہ راست بالغ رائے دہی کو بنیاد بنایا جائے اور ووٹ کی آزادی کی پوری پوری ضمانت دی جائے۔ دھن، دھونس، دھاندلی کی لعنتوں کا سد باب کیا جائے۔ انتظامیہ کو کسی سیاسی پارٹی کا ہرگز ہرگز رفیق بننے نہ دیا جائے۔

3- نسلی، قبائلی، لسانی اور علاقائی تعصبات کو ختم کرنے کے لئے انتخابات معاشی اور سیاسی پروگراموں پر لڑے جائیں۔ سیاسی پارٹیوں کو اپنا اپنا پروگرام عوام کے سامنے پیش کرنے کی راہ میں تمام رکاوٹوں کو دور ہی نہ کیا جائے بلکہ انہیں وہی آسانیاں بہم پہنچائی جائیں جو حکومتی پارٹی کو نشر و اشاعت اور نقل و حرکت کے سلسلے میں حاصل ہوں۔ تحریر و تقریر اور اجتماع کی مکمل آزادی ہو۔ اظہار رائے کی آزادی کو مسدود کرنے کے لئے دفعہ 144 کا بے محابا استعمال جمہوریت کشی پر محمول کیا جائے۔ ہنگامی قوانین منسوخ کیے جائیں اور سیاسی کارکنوں کو نظر بند اور مقید کرنے اور انہیں متشددانہ قوانین کے ذریعے قابل تعزیر ٹھہرانے کی آمرانہ روش کو یکسر ختم کر دیا جائے۔

4- بنیادی حقوق بحال کئے جائیں۔ عوام کے قانونی حقوق کی حفاظت کے لئے عدلیہ کو انتظامیہ پر بہرحال فوقیت دی جائے۔ آئین کی دفعہ 98 میں مجوزہ ترامیم کرنے سے احتراز کیا جائے۔

5- آئین سازی کا کلی اختیار مجلس قانون ساز کو حاصل ہو۔ یہ مجالس صدر یا گورنر کے جاری کردہ آرڈیننس کو منظور یا نامنظور کرنے کی مجاز ہوں۔

6- گورنر کی حیثیت محض آئینی ہو۔ اس کے مقرر کردہ وزراء اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ حاصل کرنے کے تابع ہوں۔ بصورت دیگر علیحدہ کیے جائیں۔ خود گورنر کی تقرری متعلقہ صوبے کے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبروں کے اعتماد کے ووٹ کے تابع ہو۔

7- وزراء کو حکومت کے سیکرٹریوں کے مقابلے میں ہر مسئلے پر آخری فیصلہ صادر کرنے کا اختیار ہو اور وزراء سیکرٹریوں کی دیانت، اہلیت اور کارکردگی پر رائے زنی کے مجاز ہیں اور ان کی رائے سیکرٹریوں کی ترقی یا تنزل کا مدار بنائی جائے۔

8- ترقیاتی منصوبوں کی ترتیب کے لئے اسمبلی کی کمیٹیاں بنائی جائیں جن کی رپورٹوں کی روشنی میں منصوبہ بندی کی جائے۔

9- وزراء کی بجائے پارٹی کے ارکان سرکاری بلوں کو ایوان میں پیش کریں۔ پرائیویٹ ممبروں کی بجائے بل سرکاری بلوں کی طرح پیش کرنے کی اجازت ہو۔

10- ممبروں کو عوام کے نمائندے ہونے کی بناء پر عزت و احترام کی وہی مراعات دی جائیں جو جمہوری ممالک میں مسلمہ حقوق کی صورت میں نافذ العمل ہیں انتظامیہ پر عوامی کنٹرول جمہوریت کا اہم تقاضا ہے۔ دفتر شاہی کی عوامی نمائندوں کے مقابلے پر بالادستی ختم کی جائے۔

11- قومی اور صوبائی اسمبلیاں اپنے اپنے دائرہ کار میں پبلک اکاؤنٹس کمیٹی کی طرز پر ارکان اسمبلی پر مشتمل ایسے مستقل کمیشن قائم کرنے کی مجاز ہوں۔ جو انتظامیہ کے تمام ایسے فیصلوں اور اقدامات کو کالعدم کرنے کا اختیار رکھتے ہوں جو قواعد و ضوابط کے خلاف انتظامیہ کی طرف سے کیے جائیں۔

12- بنیادی جمہوریت کو مقامی قیادت کے ذریعے صرف مقامی، معاشی اور معاشرتی مسائل حل کرنے اور مقامی معاملات کا انتظام کرنے کے لئے وقف رکھا جائے۔

13- صوبائی اور قومی اسمبلیوں کے ارکان کی تعداد کم از کم تین تین سو مقرر کی جائے۔ تاکہ عوامی نمائندگی کو زیادہ سے زیادہ موثر بنایا جاسکے۔ آئین میں مذکورہ ترامیم کر کے اس پر عوام کی مہر تصدیق لگوانے کے لئے جلد از جلد عام آزادانہ استصواب رائے کرایا جائے۔

مسئلہ کشمیر کا حل اور خارجہ تعلقات کی نظریاتی بنیاد

مسئلہ کشمیر کا حل پاکستان کے مسائل کے حل سے بلاواسطہ اور براہ راست وابستہ ہے۔ پاکستان میں عوام کی حاکمیت اور اقتصادی جمہوریت کا قیام ہی اہل کشمیر کو ایسا انقلابی اور عوامی پروگرام دے سکتا ہے جو ایک طرف انہیں آزادی کے لئے مجاہدانہ تگ و دو کے قابل بنائے گا اور دوسری طرف جس سے ان کے پاکستان کے ساتھ اقتصادی اور تہذیبی رشتے مضبوط تر ہو جائیں گے اور پاکستانی قیادت اور کشمیری حریت پرستوں کی رفاقت اور باہمی اعتماد کی صورتیں پیدا ہو جائیں گی جو بھارتی توسیع پسندی کے خلاف ان کی مسلح جدوجہد کو ہر بیرونی سہارے سے بے نیاز کر دیں گی اور یہ جان کر کہ تحریک پاکستان کی انتہائی غایتوں کو مکمل کرنے کے لئے انہیں ناگزیر طور پر جو عوامی جنگ لڑنی ہے اس میں پاکستان کا ہر فرد بشر ان کے ساتھ ہے۔ وہ ہر کنٹرول سے آزاد ہو کر اپنی عوامی طاقتوں کو منظم کریں گے۔ یہی لائحہ عمل کشمیریوں میں خود اعتمادی اور جانفروشی کا جذبہ پیدا کر سکتا ہے اور ان میں

پاکستان کے ساتھ محبت و یگانگت کے لازوال نظریاتی رشتوں کو پائیداری بخش سکتا ہے۔ یقینی طور پر مسئلہ کشمیر خود کشمیریوں کے مسلح جہاد سے ہی حل ہو گا۔ جس کے لئے پاکستان اور کشمیر میں عوامی سیاسی نظام کی قدر مشترک شرط اول ہے۔ ہم صرف اسی صورت میں نہ صرف بھارتی سامراج کے خلاف و تنام کے جانبازوں اور الفتح کے مجاہدوں کے کارنامے دہرا سکتے ہیں بلکہ عالمی سامراج کے خلاف افریشیائی اور لاطینی امریکہ کی حق پرست انقلابی طاقتوں کا ساتھ دے کر یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ پاکستان اسلام کی انقلابی قدروں کا گہوارہ ہے اور حق و انصاف اور آزادی و مساوات انسانی کا علمبردار ہے۔ یہی وہ عمل ہے جس سے پاکستان عالم اسلام کی آنکھوں کا تارا بن سکتا ہے اور سامراج دشمن اقوام ہمارے خلوص نظریہ کی بنا پر ہماری قابل اعتماد دوستی کا دم بھر سکتی ہے اور کشمیریوں کو بھی دنیا بھر کی عوامی طاقتوں کا بھرپور تعاون حاصل ہو سکتا ہے۔ سامراج کے زیر اثر اقوام متحدہ اور برطانیہ کے عزائم کی حاشیہ بردار دولت مشترکہ پر بھروسا لایعنی ہے۔ پاکستان کے اندرونی عوامی استحکام اور کشمیریوں کی جانبازانہ مسلح جدوجہد کے سوا نہ مسئلہ کشمیر حل ہو سکتا ہے اور نہ دوسری اقوام سے ہمارے تعلقات کی بنیاد حق گوئی' آزاد روی اور انصاف پسندی کے اصول پر استوار ہو سکتی ہے۔ خود کفیل معاشی نظام معاشی نظام اور عدل و مساوات پر مبنی معاشرہ ہی پاکستان اور کشمیر کی مسلسل جدوجہد کو آزادی سے ہمکنار کر سکتا ہے اور غیروں کی سیاسی اور اقتصادی' محتاجی و مجبوری سے مستقل نجات دلا سکتا ہے۔ ہمیں جنگ ستمبر 1965ء کے دنوں کی اس عوامی یک جائی و یکرنگی اور قومی اتحاد و تنظیم کی ضرورت ہے جو عادلانہ معاشی و سیاسی نظام کے ذریعے ہمیشہ قائم رکھی جا سکے اور ہم اس کی بدولت کشمیریوں کی عوامی جنگ میں آخری فتح تک ان کا بھرپور ساتھ دے سکیں' دوستوں کی توقعات پر پورے اتر سکیں اور سامراجی ریشہ دوانیوں کا کامیابی سے قلع قمع کر سکیں۔

آزادیٔ صحافت: صحافت کی آزادی' جمہوریت اور عوامی حاکمیت کے فروغ و استحکام میں شرط اول کی حیثیت رکھتی ہے۔ صحافی قوم کی آنکھ' کان اور زبان ہیں۔ ان کے حواس کو محبوس کرنا عوام کے قومی شعور اور معاشرتی احساس کی بیداری کو روکنے کے مترادف ہے اور انہیں ایک آزاد' خوشحال' باضمیر اور جمہوری معاشرے کی تشکیل میں جو اہم کردار ادا کرنا ہے اس سے باز رکھنے کے ہم معنی ہے۔ صحافیوں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم کرنے اور ان کے فرائض کی آزادانہ ادائیگی کی راہ میں دیواریں حائل کرنے سے عوامی اتحاد اور مرکزیت غیر معمولی طور پر مجروح ہوتی ہے اور یہ پالیسی صرف اسی صورت میں روا رکھی جا سکتی ہے جب عوام کے مقابلے پر مخصوص مفادات کا ہی تحفظ اور فروغ مطلوب ہو۔ اس لئے ضروری ہے کہ پریس پر ناروا پابندیوں کو فی الفور ختم کیا جائے۔ سرکاری اثر و دباؤ کے تحت کام کرنے والے نیشنل پریس ٹرسٹ ایسے اداروں کو توڑا جائے۔ پریس اینڈ پبلی کیشن آرڈیننس کی فوری تنسیخ کا اعلان کیا جائے اور قانون کے ذریعے صحافیوں کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔

طلباء کے مسائل: طلباء اور اساتذہ معاشرے کی ایک جاندار' باخبر اور متحرک قوت ہیں۔ معاشی اور معاشرتی حالات سے ان کا متاثر ہونا ایک فطری امر ہے۔ تعلیم و تدریس کے معاملات میں بھی غیر جمہوری اور جابرانہ پابندیاں' معاشی اور سیاسی نظام کے ناگزیر نتائج ہیں۔ تعلیمی درسگاہوں کی بندش جن مضمرات کی حامل ہے انہیں شرپسند عناصر کی تخریبی کارروائیاں کہہ کر زیادہ عرصے تک ٹالا نہیں جا سکتا۔ ان کی ذمہ داری ارباب اختیار کو قبول کرنا پڑے گی۔ اساتذہ اور طلباء سیاسی مصلحت پسندی سے پاک ہوتے ہیں اور ان کی حساس فطرت' صاف ضمیر اور حق پرست ذہن زیادہ دیر تک ان تضادات سے مصالحت نہیں کر سکتا جو زندگی کے دوسرے شعبوں میں مختلف طبقے بعض مجبوریوں اور معذوریوں کی وجہ سے برداشت کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ مزید براں وہ اپنے گرد و پیش کے حالات کا غیر جانبدارانہ نظر سے جائزہ لینے کے بعد اس احساس سے عاری نہیں ہو سکتے جو دوسرے کی محرومی اور تیرہ بختی ان کے دل میں پیدا کرتی ہے اور جلد ہی انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ ان کے اپنے مطالبات کو منوانے کی جدوجہد دراصل وسیع تر عوامی محاذ کی تحریک سے براہ راست تعلق رکھتی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ امیر اور غریب طلباء کو اعلیٰ و کم تر درسگاہوں میں تقسیم رکھنا اور سب کو مساوی مواقع مہیا کرنے کے دعوے کو اس طرح جھٹلانا دولت پر قابض طبقے کی طرف سے طبقاتی فاصلوں کو برقرار رکھنے پر عملی اصرار کا ثبوت ہے۔ معاشی ناہمواریوں کے ہوتے ہوئے نہ طلباء مساوات اور جمہوریت کی برکتوں سے فیض یاب ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اساتذہ کو معاشرے میں عزت و احترام کا جائز اور صحیح مقام حاصل ہو سکتا ہے۔ علاوہ بریں تعلیمی درسگاہوں اور وسائل کی کمی' ان کے رہائشی وسائل اور نصابی کتب کی نایابی' کمیابی اور گرانی' صحت مند تفریحی ضروریات کی عدم بہم رسانی' امتحانات کا ناقص انتظام' خاص غذا کی گرانی اور فارغ التحصیل ہونے کے بعد بے روزگاری اور اپنے معاملات کا خود انتظام کرنے میں ان کے جمہوری حقوق کی تلفی قومی زندگی سے متعلق پالیسی کا نتیجہ ہے۔ ضرورت ہے کہ اس گراں قدر افرادی قوت کو قوم و ملک کا بہترین سرمایہ اور اثاثہ سمجھا جائے۔ تضادات کو دور کرنے کے لئے دور رس اقدامات کیے جائیں اور نہ صرف طلباء اور اساتذہ کے مطالبات کو پورا کیا جائے بلکہ انہیں فکری اور عملی طور پر ایسی تربیت دی جائے کہ ان کی تمام صلاحیتیں نظریہ پاکستان کے مطابق تعمیر ملت کے لئے وقف کی جا سکیں اور وہ اندرون ملک عوام دشمن عناصر اور بیرون ملک پاکستان دشمن طاقتوں کو پہچانیں اور ان میں ہر دو کا مقابلہ کرنے کا جذبہ اور ہمت پیدا ہو اور ایک ذی ہوش اور تنومند طبقہ ہونے کی حیثیت میں وہ اپنے اہم فرض کو جانیں کہ انہوں نے جبر و بے انصافی کے خلاف جدوجہد میں ہراول دستہ بننا ہے۔ نظام

تعلیم کو ان نظریاتی بنیادوں پر ترتیب دینے کے لئے حکومت انقلابی اقدامات کرے۔ اس ایٹمی دور میں منازل کو بسرعت تمام طے کرنے کے لئے قومی زبانوں کو ہی تعلیم و تربیت کا ذریعہ بنائے اور غیر ملکی نظریاتی اور تہذیبی یلغار کو روکنے کے لئے مثبت تدابیر بروئے کار لائے تاکہ زندگی کے حقائق کا صحیح شعور حاصل کر کے طالب علموں اور نوجوانوں کا زجاج حریف سنگ ہو سکے۔

تلافی مافات: مان لینا چاہیے کہ ثبات صرف تغیر کو ہے اس لئے ہمیں عوام کی رائے کے احترام میں اپنے فکر و عمل میں انقلابی تبدیلی پیدا کرنی چاہیے کہ یہی حقیقت پسندی اور وطن دوستی کا تقاضا ہے اور وسیع مشربی اور بالغ نظری سے کام لے کر عوامی خواہشات و جذبات کی ترجمان تمام اِن سیاسی جماعتوں اور قائدین سے مرکز کی صحیح مضبوطی کے لئے مشترکہ سیاسی محاذ بنانا چاہیے جن کا نصب العین سامراجی اثرات' اجارہ دار سرمایہ داری اور جاگیرداری زرعی نظام کو ختم کرنا اور عوامی جمہوریت کا قیام ہے۔ اس لئے تلافی مافات کے لئے تمام سیاسی نظر بندوں اور اسیروں کو فوری طور پر رہا کیا جائے اور تمام غیر جمہوری قوانین کو منسوخ کیا جائے۔

غرضیکہ یہ اجلاس قرار دیتا ہے کہ چونکہ موجودہ معاشی' معاشرتی اور سیاسی مسائل جس موجودہ معاشی اور سیاسی نظام کی پیداوار ہیں عوام شعوری طور پر اس سے لاتعلقی بلکہ بے زاری کا اظہار کر چکے ہیں جس سے مرکز کی مضبوطی کا مقصد رفیع ناممکن الحصول ہو گیا ہے اس لئے پاکستان کے بنیادی نظریے کی بازیابی کے لئے انقلابی قدم اٹھایا جائے۔ حریت' اخوت اور مساوات کی اسلامی قدروں کو تعمیر نو کی بنیاد بنایا جائے۔ عوام کو ہر دباؤ اور جبر سے آزاد کر کے ان کی حکمرانی کا حق لوٹایا جائے اور اقتصادی جمہوریت کے قیام سے استحکام وطن' عوامی اتحاد اور سچی قومی خود کفالتی اور آزادی کی راہیں ہموار کی جائیں۔ متبادل پروگرام کے یہ وہ بنیادی نکات ہیں جن کی بنا پر حزب اختلاف کی ہم خیال اور ہم عقیدہ جماعتوں سے اتحاد کی گفت و شنید ہو سکتی ہے اور باشعور اور وطن دوست عوام کے تعاون سے رجعت پرست' استحصال پسند اور سامراج دوست عناصر کو بے نقاب کیا جا سکتا ہے اور ایک مستقل اور پائیدار اسلام پرست جمہوریت نواز اور معاشی عدل و مساوات کے حامل اور علمبردار نظام سیاست کی داغ بیل ڈالی جا سکتی ہے اور سامراجیوں اور ان کے آلہ کار استحصالی طبقوں کے ہاتھوں مظلوم انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کے لئے پاکستان کو مینارہ نور بنایا جا سکتا ہے۔

8 جنوری ــــ ڈیموکریٹک ایکشن کمیٹی (ڈیک) کی تشکیل

تحریک جمہوریت پاکستان اور تین دوسری سیاسی جماعتوں۔ عوامی لیگ (چھ نکات) نیپ (ولی خان گروپ) اور جمعیت العلمائے اسلام نے آٹھ نکاتی پروگرام کی بنیاد پر ڈیموکریٹک ایکشن کمیٹی (ڈیک) کی تشکیل کا اعلان کیا آٹھ نکات میں وفاقی پارلیمانی نظام حکومت' بالغ رائے دہی کی بنیاد پر براہ راست انتخابات' ہنگامی حالت کا فوری خاتمہ' شہری آزادیوں کی فوری بحالی اور کالے قوانین خصوصاً یونیورسٹی آرڈیننس کا فوری خاتمہ' تمام سیاسی نظر بندوں بشمول شیخ مجیب الرحمان' ذوالفقار علی بھٹو اور ولی خان کی رہائی اور تمام سیاسی مقدموں کی واپسی' دفعہ 144 اور دیگر امتناعی قوانین کی واپسی' مزدوروں کے ہڑتال کا حق اور صحافت پر سے پابندیوں کا خاتمہ' جن میں 'اتفاق' اور 'چٹان' قابل ذکر تھے نیز پروگریسو پیپرز کی اس کے اصلی مالکان کو واپسی جیسے مطالبات شامل تھے۔ ڈیک نے 17 جنوری کو یوم مطالبات منانے کا اعلان کیا۔

9-15 جنوری ــــ بھٹو کی رٹ سماعت

9 جنوری کو بورسٹل جیل لاہور میں عدالت عالیہ کے ایک خصوصی بنچ کے روبرو جو مسٹر جسٹس مشتاق حسین اور مسٹر جسٹس محمد گل پر مشتمل تھی۔ مسٹر بھٹو کی نظر بندی کے خلاف رٹ درخواست کی سماعت شروع ہوئی یہ رٹ درخواست 14 نومبر 1968ء مسٹر بھٹو کی اہلیہ مسز نصرت بھٹو نے دائر کی تھی۔

صوبائی حکومت کے ہوم سیکرٹری مسعود نبی نور نے عدالت کو اپنا حلفیہ بیان پیش کیا۔ انہوں نے اپناوہ تفصیلی نوٹ بھی پیش کیا جو انہوں نے صوبے میں نظم و نسق کی صورت حال کے بارے میں 11 نومبر کو صوبائی گورنر کو بھیجا تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے سپرنٹنڈنٹ پولیس سپیشل برانچ مسٹر عبدالقیوم کی رپورٹ عدالت کے سامنے پیش کی۔ صوبائی ہوم سیکرٹری نے سرکاری اور نجی جائیدادوں کو پہنچنے والے نقصان کی فہرست اور بھٹو صاحب کی نظر بندی کے سلسلے میں صوبائی گورنر کا جاری کردہ حکم بھی عدالت کے سامنے پیش کیا۔

جس فائل پر گورنر نے بھٹو صاحب کی نظر بندی کے احکام جاری کیے تھے اس میں پیپلز پارٹی سندھ زون کی پرائیویٹ کونشن کی کارروائی کے اقتباسات بھی موجود تھے۔ یہ کونشن 21 ستمبر 1968ء کو حیدر آباد میں منعقد ہوئی تھی۔ فائل میں میونسپل پارک کوہاٹ میں منعقد ہونے والے پیپلز پارٹی کے جلسے کی کارروائی بھی موجود تھی جو 25 اکتوبر 1968ء کو منعقد ہوا تھا۔ ہوم سیکرٹری نے 27 اکتوبر 1968ء کو بھٹو صاحب کی چارسدہ میں آمد کی کارروائی اور 11 نومبر 1968ء کو لاہور ڈسٹرکٹ بار کی کارروائی کے اقتباسات بھی پیش کیے۔

پولیس کے ایک افسر آغا محمد علی خاں کی انفریشن رپورٹ اور ڈیرہ اسماعیل خاں کی یکم نومبر 1968ء کو پولیس ڈائری کی رپورٹ بھی پیش کی گئی۔

ہوم سیکرٹری نے کہا کہ ان دستاویزات کے علاوہ گورنر کے پاس اطلاعات حاصل کرنے کے دوسرے ذرائع بھی ہیں جن میں سرکاری افسروں اور غیر سرکاری آدمیوں سے ٹیلیفون پر بات چیت شامل ہے۔

ہوم سیکرٹری مسٹر مسعود نبی نور کے اس حلفیہ بیان کے بعد درخواست

دہندہ کے وکیل میاں محمود علی قصوری نے ان پر جرح شروع کی جو پانچ روز تک جاری رہی۔ سماعت کے تیسرے روز درخواست گزار مسز نصرت بھٹو اور ان کے تین بچوں کے علاوہ پیپلزپارٹی کے قائم قام چیئرمین مسٹر جے اے رحیم بھی عدالت میں موجود تھے۔ درخواست دہندہ کے وکیل میاں محمود علی قصوری نے صوبائی ہوم سیکرٹری پر جرح جاری رکھنے علاوہ دستور کی دفعہ 98 (2) کے تحت عدالت عالیہ کے اختیارات اور نظربندی کی وجہ درست ہونے کے بارے میں عدالتی چھان بین کے متعلق بھی اپنی معروضات پیش کیں۔ سماعت کے پانچویں روز کمرہ عدالت میں مسٹر بھٹو کے دائیں بائیں حنیف رامے اور میر علی احمد تالپور بیٹھے تھے۔ مسز نصرت بھٹو' مسز مبشر حسن' ڈاکٹر مبشر حسن' جے اے رحیم' غلام مصطفیٰ کھر' ممتاز علی بھٹو اور ملک غلام جیلانی بھی عدالت میں موجود تھے۔ 15 جنوری کو جرح مکمل ہو گئی۔ اس روز ایئر مارشل اصغر خان اور شورش کاشمیری بھی عدالت میں موجود تھے۔

درخواست دہندہ کی طرف سے میاں محمود علی قصوری' ڈاکٹر جاوید اقبال' مسٹر ذکی الدین پال' شیخ محمد رشید' حفیظ پیرزادہ' خورشید حسن میر' خورشید محمود قصوری اور احمد رضا قصوری پیروی کرتے رہے جبکہ حکومت کی طرف سے ایڈووکیٹ جنرل راجہ سید اکبر' اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل دلاور محمود' اسماعیل بھٹی اور سید فاروق حسین پیش ہوتے رہے۔ اٹارنی جنرل شریف الدین پیرزادہ بھی عدالت کی خواہش کے مطابق کمرہ عدالت میں موجود رہے۔

عدالت نے 23 جنوری تک کے لئے سماعت ملتوی کر دی۔

16 جنوری--- ملک اسد ضمانت پر رہا

سابق گورنر امیر محمد خان کے بیٹے ملک اسد کی اپنے والد کے مقدمہ قتل میں ضمانت منظور ہو گئی۔

17 جمہوری مجلس عمل (ڈیک) کا یوم مطالبات

جمہوری مجلس عمل کی اپیل پر پورے ملک میں یوم مطالبات منایا گیا۔ احتجاجی مظاہروں میں جمہوریت کی بحالی کا مطالبہ کیا گیا۔ ڈھاکہ میں پولیس فائرنگ سے قانون کا ایک طالب علم اسد الزمان ہلاک ہو گیا۔

18-31 جنوری--- ایوب آمریت کے خلاف مظاہروں اور جلسوں کی نئی لہر

18 جنوری 1969ء ملک بھر میں ایوب حکومت کے خلاف یوم احتجاج منایا گیا۔ ڈھاکہ میں طالب علموں اور جمہوری مجلس عمل کے جلسوں پر اشک آور گیس استعمال کی گئی اور لاٹھی چارج کیا گیا۔ مظاہرین اور پولیس میں زبردست جھڑپیں ہوئیں۔ اپوزیشن لیڈروں اور طلباء سمیت متعدد افراد گرفتار کر لئے گئے۔ بہت سارے مجروح ہوئے۔ آٹھ اپوزیشن پارٹیوں پر مشتمل جمہوری مجلس عمل کے قائدین نے لاہور میں ایک زبردست جلسہ عام میں اعلان کیا کہ جب تک غیر جمہوری حکومت ختم نہیں ہوتی۔ عوامی تحریک جاری رہے گی اور بی۔ ڈی۔ سسٹم کے تحت انتخابات کا بائیکاٹ کیا جائے گا۔

19 جنوری 1969ء ڈھاکہ میں طلبہ اور پولیس میں شدید جھڑپیں ہوئیں۔ ایک سو سے زیادہ طالب علم مجروح ہو گئے۔ 32 طالب علموں کو گرفتار کر لیا گیا۔ ایسٹ پاکستان رائفلز کو امن و امان قائم کرنے کے لئے طلب کر لیا گیا۔

○ کوہاٹ میں لاٹھی چارج سے چھ طالب علم زخمی ہو گئے۔

○ لاہور' لائل پور' سیالکوٹ' سرگودھا' حیدر آباد اور کراچی کے سرکاری ہسپتال کے ڈاکٹروں نے اپنے مطالبات منوانے کے لئے ہڑتال کر دی۔

20 جنوری 1969ء ڈھاکہ میں پولیس کی فائرنگ سے ایک طالب علم جاں بحق ہو گیا۔ اکثر طالب علم گرفتار کر لئے گئے۔

○ صدر ایوب مستعفی ہو کر براہ راست انتخابات میں عوام کو اپنی مرضی کی حکومت قائم کرنے دیں۔ (ایئر مارشل اصغر خاں)

○ موجودہ طریق انتخاب (بی۔ ڈی۔ سسٹم) محض دھونس اور دھاندلی کا مظہر ہے (مولوی فرید احمد)

21 جنوری 1969ء ڈھاکہ اور راولپنڈی میں طلبہ پر زبردست فائرنگ کی گئی۔ دس طالبات مجروح ہو گئیں۔ چمن طالب علم شدید زخمی ہو گئے۔

22 جنوری 1969ء راولپنڈی میں شدید ہنگامے جاری رہے۔ مظاہرین پر لاٹھی چارج پتھراؤ اور اشک آور گیس کا بے دریغ استعمال کیا گیا۔ مظاہرین نے املاک کو زبردست نقصان پہنچایا۔

○ حیدر آباد میں طالب علموں اور پولیس کے درمیان زبردست جھڑپیں ہوئیں۔

○ ڈھاکہ میں طالب علموں نے ننگے پاؤں تین میل لمبا ماتمی جلوس نکالا اور تعلیمی اداروں پر سیاہ پرچم لہرائے

23 جنوری 1969ء لاہور میں احتجاجی جلوس نکال گئے اور حکومت کے پولیس ایکشن کے خلاف زبردست مظاہرے کئے گئے۔

○ ملتان میں طلباء نے احتجاجی مظاہرے کئے۔ بعض شرپسندوں نے ایک اومنی بس کو آگ لگا دی۔

24 جنوری 1969ء ڈھاکہ میمن سنگھ اور چٹاگانگ میں فائرنگ سے چھ افراد ہلاک ہو گئے۔ حالات پر قابو پانے کے لئے کرفیو لگا دیا گیا۔ امن و امان قائم کرنے کے لئے فوج طلب کر لی گئی۔

○ کراچی شہر میں ہنگامے چھ گھنٹے تک جاری رہے۔ لاٹھی چارج سے

سو سے زائد افراد مجروح ہو گئے۔ اسی افراد گرفتار کر لئے گئے۔

○ جمہوری مجلس عمل کی اپیل پر ملک بھر میں جلوس اور مظاہرے جاری رہے۔

25 جنوری 1969ء_ کراچی' نرائن گنج' کھلنا میں بھی کرفیو لگا دیا گیا۔ نرائن گنج میں طلباء پر اشک آور گیس چھوڑی گئی۔ کھلنا میں پانچ افراد ہلاک ہو گئے۔ ڈھاکہ میں فوج کی فائرنگ سے ایک آدمی ہلاک ہو گیا۔

○ کراچی میں مظاہرین پر زبردست لاٹھی چارج کیا گیا۔ بے شمار افراد زخمی ہو گئے۔ مظاہرین نے کراچی سیکرٹریٹ کے دو بلاک' شراب کی ایک دکان' دو ڈاک خانے۔ ایک ٹرام۔ چھ بسیں اور چار کاریں جلادیں۔ سوا دو سو افراد گرفتار کر لئے گئے۔

○ سول انجینئرنگ سکول کی عمارت کو طالب علموں نے آگ لگا دی۔

لاہور میں طلباء اور خواتین نے احتجاجی جلوس نکالے۔ ان پر پولیس نے لاٹھی چارج کیا۔ مظاہرین نے ایک اومنی بس اور پھلوں کی نمائش میں خیموں کو آگ لگا دی اور سیکرٹریٹ کے فرنیچر کارپوریشن کے دفتر اور بعض دوکانوں کو نقصان پہنچایا۔

○ مشرقی پاکستان کے متعدد شہروں میں ہڑتال رہی۔

26 جنوری 1969ء_ کراچی میں پولیس اور مشتعل ہجوم میں شدید جھڑپیں ہوئیں۔

○ ڈھاکہ اور نرائن گنج میں فائرنگ سے تین افراد جان بحق ہو گئے۔

○ لاہور میں بھی کرفیو لگا دیا گیا۔

27 جنوری 1969ء_ لاہور میں کرفیو کی وجہ سے کوئی اخبار شائع نہ ہو سکا۔

28 جنوری 1969ء_ لاہور' کراچی اور پشاور میں فوج بلالی گئی۔ پشاور میں ایک ماہ تک جلسوں اور جلوسوں کی ممانعت کر دی گئی۔

○ کراچی میں پولیس اور مظاہرین میں شدید جھڑپیں ہوئی۔ مظاہرین نے ایک کنونشن لیگی لیڈر کا مکان' بسیں اور کئی دوسری املاک جلادیں۔ ایک سو بارہ افراد گرفتار کر لئے گئے۔ لیاقت آباد میں چھ افراد ہلاک ہو گئے۔

○ لاہور میں لکشمی چوک میں پولیس فائرنگ سے ایک آدمی ہلاک ہو گیا۔

29 جنوری 1969ء_ گوجرانوالہ میں بھی فوج بلالی گئی۔ 24 گھنٹے کے لئے کرفیو کا نفاذ کر دیا گیا۔ پولیس فائرنگ سے تین افراد جاں بحق ہو گئے اور دس شدید مجروح ہو گئے۔ تیز گام گوجرانوالہ کی حدود میں داخل نہ ہو سکی اور اسے واپس بھیجنا پڑا۔ مظاہرین نے ریلوے ٹرک جلا دیا۔ ٹریفک کا نظام بالکل معطل ہو کر رہ گیا۔ جمہوری مجلس عمل کی اپیل پر شہر بھر میں مکمل ہڑتال رہی۔

30 جنوری 1969ء_ جہانیاں ریلوے سٹیشن کو آگ لگانے کی کوشش کی گئی۔

○ خانیوال لودھراں سیکشن پر ٹرینیں بند کر دی گئیں۔

○ کراچی میں ایک ریلوے کی بوگی جلادی گئی

○ ڈیرہ اسماعیل خاں میں پتھراؤ کرنے والے طلبہ پر اشک آور گیس کا استعمال کیا گیا۔

○ گوجرانوالہ میں اپوزیشن لیڈر گرفتار کر لئے گئے۔

31 جنوری 1969ء_ راولپنڈی میں جمہوری مجلس عمل اور طلبہ کے جلوسوں پر زبردست لاٹھی چارج کیا گیا۔

○ بہار گنج میں پولیس نے فائرنگ کی اور متعدد افراد مجروح ہوئے۔

19 جنوری۔۔۔ مشرقی پاکستان اسمبلی کا اجلاس ملتوی

زبردست ہلڑ بازی کے بعد مشرقی پاکستان اسمبلی کا اجلاس ملتوی ہو گیا۔ ڈھاکہ میں طلباء کے مظاہروں پر قابو پانے کے لئے پولیس نے لاٹھی چارج اور آنسو گیس بھی استعمال کی۔

19 جنوری۔۔۔ سوشلزم کے مسئلے پر مولانا غلام غوث ہزاروی کا موقف

19 جنوری کو مولانا غلام غوث ہزاروی نے راولپنڈی مین ایک پریس کانفرنس سوشلزم کے بارے میں اپنی پوزیشن کی وضاحت کی۔ بعد میں انہوں نے اپنی معروضات کو تحریری صورت دے کر ان کی اشاعت کا بندوبست کیا۔ یہ معروضات ہفت روزہ 'نصرت' (9 فروری 69) کو شائع ہوئیں۔ جن کا متن حسب ذیل ہے:

(1) ایک عرصے سے ملک میں کمیونزم کا پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے جو اسلام کے خلاف ہے۔ علماء دین اور خاص کر جمیعت علمائے اسلام نے جہاں امریکی سامراج کی مخالفت کی ہے وہاں وہ کمیونزم کے خلاف مسلسل اپنا تبلیغی فرض ادا کرتی رہی ہے۔

کمیونسٹوں کے پاس پراپیگنڈے کا بڑا ہتھیار یہ ہے کہ اسلام میں اقتصادی نظام یا کم از کم معاشی مسائل کا حل موجود نہیں ہے۔ حالانکہ اسلام نہایت جامع دین اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔

اسلام کے آسمانی قانون نے دنیا کے غالب اور بڑے حصے پر ہزار سال سے زیادہ کامیاب حکومت کر کے ثابت کر دیا ہے کہ وہ دنیا بھر میں امن قائم کرنے اور عادلانہ و مساویانہ نظام قائم ہونے کا ضامن ہے۔ غازی اورنگ زیب" کی اسلامی حکومت جو رنگون سے تاشقند تک پھیلی ہوئی تھی اور سلطنت عثمانیہ جو یورپ' ایشیا اور افریقہ تین براعظموں میں حکمراں تھی اس کے دو شاہد عدل ہیں۔

ان زمانوں میں اگرچہ اقتدار کی جنگیں بھی ہوئیں اور حسد اور بے دینی

نے مسلمانوں میں بڑی راہ پالی۔ مگر ملک کا قانون اسلام ہی تھا اور مسلمان عوام جنگوں میں اسلام کی برتری کے لئے مرنا شہادت تصور کرتے تھے۔

(2) خلافت راشدہ اور بعد کے بعض سلاطین کا دور شاہد ہے کہ اسلام میں امیر و غریب اور تمام رعایا کے حقوق محفوظ تھے۔ ان کے عدل و انسانی مساوات کے نمونے کمیونسٹ ممالک میں تلاش کرنے خام خیالی ہے۔

(3) اس وقت دینی علوم سے ناواقف حضرات جب عوامی ضروریات کی تڑپ محسوس کرتے ہیں تو سوشلسٹ نظام کا نعرہ لگا دیتے ہیں۔ ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اسلام تو مذہب اور دین ہے لیکن اقتصادی مسائل کے حل کے لئے ہم دنیا کے عقلاء کی سکیموں کو کیوں قبول نہ کریں اور ان میں سے بعض جب اسلامی روایات سے کچھ واقفیت حاصل کر لیتے ہیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ باتیں تو اسلام میں بھی ہیں پھر وہ اس کو اسلامی سوشلزم کا نام دے دیتے ہیں اور زمانہ حال میں جوں جوں صنعتی ترقی ہوئی ہے کارخانہ داروں نیز جاگیرداروں اور اونچے سرمایہ داروں نے ملکی قانون اور معاشرے کے سلسلے میں ایسا طرز عمل اختیار کیا ہے جس سے مزدور اور مزارعین نیز عام طبقوں میں اس غیر معمولی اونچ نیچ کے خلاف زبردست رد عمل پیدا ہوا ہے۔ بادشاہتیں جمہوریتوں میں بدل گئیں۔ اقتصادی مساوات کے نعرے بلند ہوئے اور بعض مقامات پر سوشلسٹ نظام قائم کر دیئے گئے۔

(4) آج کل پاکستان میں جماعتی طور پر مسٹر بھٹو کی پارٹی نے سوشلزم کا نعرہ لگایا ہے' دوسری طرف مسٹر بھٹو کی پارٹی نے ان کے صدارتی امیدوار ہونے کا بھی اعلان کر دیا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا اور ہونا چاہیے کہ بعض طبقات اور خاص کر مودودی جماعت نے لنگر لنگوٹ کس کر ان کے خلاف پراپیگنڈے کی مہم شروع کر دی ہے۔

بلکہ جب مودودی صاحب نے لندن سے واپسی پر سرزمین پاکستان پر قدم رکھا تو یہ اعلان کر دیا کہ اسلام میں کسی پیوند لگانے کی ضرورت نہیں ہے اور ہم ہر قیمت پر سوشلزم کا مقابلہ کریں گے۔

جمعیت علماء اسلام ہر آواز کی تائید کرنے کو تیار ہے جو اسلام کے حق میں ہو۔ لیکن اگر محض امریکہ کی خوشنودی یا بھٹو کی مخالفت منظور ہو اور علمی تحقیق کے بغیر فتوے لگائے جائیں تو اس کو کون پسندیدہ خیال کرے گا۔

میں نے راولپنڈی کی پریس کانفرنس میں پریس کے نمائندوں کے استفسار کے جواب میں کہا کہ بھٹو صاحب کی سوشلزم کے جواب میں مودودی صاحب کا یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ اسلام کے ساتھ اور کوئی پیوند نہیں لگایا جا سکتا۔ ایک پیوند اسلام کے ساتھ تو خود مودودی صاحب نے بھی لگایا ہے کہ جس جمہوریت کو وہ برسوں ملعون کہتے رہے اب اس کو اپنا لیا ہے بلکہ تحریک احیاء جمہوریت میں اس کو اپنی تحریک کی حیثیت سے قبول کر لیا ہے۔

جمعیت علماء اسلام کسی اور چیز کو مقصدی اہمیت نہیں دے سکتی۔ جب تک اس کو اسلام اور صرف اسلام کے نفاذ کے لئے بطور ذریعہ نہ اختیار کیا جائے۔

بھٹو کی سوشلزم میں میں نے پریس کانفرنس میں استفسار کے جواب میں کہا تھا کہ سوشلزم کو ہوا بنا کر پیش کرنے اور اس کا نام لینے والوں کو کافر بنانے کے بجائے عوامی اور قومی مسائل کا حل شرعی روشنی میں پیش کرنا چاہیے۔ تا کہ واضح ہو سکے کہ اسلام کا اقتصادی نظام کیا ہے اور سوشلسٹ معیشت کو قبول کرتا ہے یا نہیں۔ اس سلسلے میں محترم بھٹو صاحب کی کتاب: "پاکستان کی سیاسی حالت" کے ٹائیٹل پر تین جملے لکھے ہیں:

اسلام ہمارا دین ہے۔
جمہوریت ہماری سیاست ہے۔
سوشلزم ہماری معیشت ہے۔

مجھ سے محترم حنیف رامے صاحب نے جو بھٹو صاحب کی جماعت پاکستان پیپلز پارٹی کے لیڈر اور اخبار "نصرت" کے مدیر ہیں لاہور کے ہوائی اڈے پر ملاقات کے دوران فرمایا تھا کہ جب ہم اسلام کو اپنا دین مانتے ہیں تو دوسری باتوں میں جو بات بھی اسلام کے خلاف ہو گی وہ ہمارے لیے ناقابل قبول ہو گی۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ سوشلزم کی کوئی بات اگر اسلام کے خلاف ہے تو ہم اس کو قبول نہیں کریں گے' جیسے جمہوریت اور اکثریت کا کوئی فیصلہ اگر قرآن کے خلاف ہو تو وہ قطعاً" مردود ہو گا۔ اس بیان کے بعد بڑی حد تک ان کی صفائی ہو جاتی ہے۔ میں نے پریس کانفرنس میں بتایا کہ راولپنڈی میں مسٹر بھٹو سے میں نے دوران ملاقات جبکہ ڈاکٹر مبشر حسن بھی موجود تھے یہی کہا تھا کہ اسلام کامل و مکمل مذہب ہے اور عقل و حکمت کی بات حدیث شریف کے مطابق جہاں کہیں بھی ہو وہ مسلمان کی متاع گمشدہ ہے اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں لیکن آپ کو یوں کہنا چاہیے کہ دنیا کے ان نظاموں میں سے ہم صرف وہی بات قبول کر سکتے ہیں جو اسلام کے خلاف نہ ہو۔ ڈاکٹر مبشر حسن نے فرمایا کہ ہمارا یہی مقصد ہے۔

بہرحال میں نے پریس کے نمائندوں کو بتایا کہ مودودی صاحب نے حقو لازوجین کے اندر کسی فقہی مسلک سے چمٹے رہنے والے علماء و فقہاء پر جب کہ مسلمان کفر کے خطرے سے دو چار ہوں لعنت والی آیت چسپاں کر دی ہے تو آج جب مسلمان کیمونزم کے خطرے سے دو چار ہیں اور اسلام کے اندر اور قرآن و حدیث کے تحت موجودہ اقتصادی مسائل کا حل موجود ہے اور یقیناً موجود ہے تو پھر علماء کرام کو بعد از مشورہ اور بعد از شرعی تحقیقات وہ حل قوم کے سامنے رکھنا چاہیے اور جمعیتہ علماء اسلام کے مرکزی اجلاس منعقدہ ڈھاکہ (5 جنوری 49ء) نے حضرت مولانا مفتی محمود صاحب ناظم عمومی مرکزی جمعیت کو مقرر کر دیا ہے کہ وہ مسئلے کے تمام پہلوؤں پر غور و تحقیقات کر کے چھ ماہ کے اندر اندر اپنی رپورٹ جمعیت کے سامنے پیش فرمائیں اور اس بات کی بھی تحقیق کریں کہ اسلام کے اقتصادی نظام اور سوشلسٹ معیشت میں کوئی تصادم ہے یا نہیں۔ میں نے پریس کانفرنس میں

اس سلسلے میں جو قابل بحث امور پیش کیے وہ یہ تھے:۔
(1) کہ ان مسائل میں زمیندار اور کسانوں کا مسئلہ اور کارخانہ دار اور مزدور کا مسئلہ سرفہرست ہے۔ علماء کرام کو شرعی روشنی میں یہ بتانا ہے کہ کسی اسلامی حکومت کو ان مسائل میں کہاں تک دخل دینے کا حق ہے ٥
(2) حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس نے بنجر زمین آباد کی وہ اسی کی ہو گئی۔ اس حدیث کی روشنی میں دیکھنا ہے کہ انگریز نے جس آدمی کو ایک ہزار مربع زمین دے کر جاگیردار بنادیا مگر اس وسیع بنجر زمین کو دراصل غریبوں اور کسانوں نے زرخیز بنایا تو آیا یہ زمین ان آباد کرنے والوں اور ان کے وارثوں کا حق ہے یا جاگیردار کا۔
(3) جو گھوڑپال مربعے انگریزوں نے دیے تھے کہ جو شخص انگریز کے فوجی رسالے کے لئے جتنے گھوڑے پالتا رہے اتنے مربعے اس کو دیئے جائیں گے اس قسم کے مربعوں کے بارے میں شرعی فیصلہ کیا ہے ٥
(4) آج سندھ میں جو مربعے انگریزوں کے زمانے کے فوجی پنشروں کو ان کی فوجی خدمات کے عوض دے گئے ہیں ان کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے۔
(5) امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے مزارعت اور بٹائی کے خلاف جو کچھ فرمایا ہے اس کی تحقیق کی جائے اور کیا اس کی روشنی میں یا ان کے مسلک پر فتویٰ دے کر ہم اس مسئلے کو حل کر سکتے ہیں۔
(6) صحیح حدیث شریف میں جو ارشاد نبویؐ ہے کہ جو زمین رکھتا ہو اس کو کاشت کرے ورنہ اپنے بھائی کو عطیئے کے طور پر (برائے کاشت) دے دے۔ آیا امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک اسی حدیث پر مبنی ہے۔
(7) آیا حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ کا مسلک یہی تھا کہ دولت جمع نہ کی جائے اور کیا حکومت اس مسلک کو اپنا سکتی ہے ٥
(8) آج کل تمام پارٹیاں جو کہتی ہیں کہ دولت سمٹ کر بیس گھرانوں میں آ گئی ہے یا اسلام سرمایہ داری اور جاگیرداری کا مخالف ہے آیا یہ صرف الفاظ ہیں یا ان کے لئے کوئی عملی سکیم موجود ہے۔

میں نے یہ بیان علماء دین کو تحقیقات کی دعوت دینے کے لئے دیا اور جمیعت علماء اسلام کا فیصلہ بتایا کہ حضرت مفتی صاحب مدظلہ چھ ماہ کے اندر اندر اس بارے میں تحقیقات فرمالیں گے۔

میری مخالفت میرے اس بیان کے سلسلے میں اخباروں نے جو سرخیاں قائم کیں میں ان کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ نہ ان مضامین کا جو کسی نے اختصار کرتے ہوئے کمی بیشی کر کے مجھ سے منسوب کیا ہے۔ باقی میں ان لوگوں کو معذور سمجھتا ہوں جو امریکہ کی خاطر بھٹو صاحب کی مخالفت کرتے ہیں یا جمیعت علماء اسلام کی مخالفت میں بیانات دیتے ہیں اسی طرح ان چچوں کو بھی معذور سمجھتا ہوں جو الیکشن میں بھٹو کا نام آنے کی وجہ سے صدر ایوب خاں کی خوشنودی کے حصول کو زندگی کا مقصد بنائے ہوئے ہیں۔

23 جنوری --- یونیورسٹی آرڈیننس واپس لے لیا گیا

طلباء کے مطالبے کو منظور کرتے ہوئے حکومت نے رسوائے زمانہ یونیورسٹی آرڈیننس کو واپس لینے کا اعلان کر دیا۔

23 جنوری --- خانم کیس

کھاریاں پولیس اسٹیشن میں سولہ سالہ نوجوان خانم کی ہلاکت نے ایوب خان کے خلاف جلتی پر تیل کا کام کیا۔ واقعات کے مطابق خانم کو اس کے والدین اور چھوٹے بھائی کے ساتھ قتل کے الزام میں حراست میں لیا گیا تھا۔ اگلے روز اسے خاندان سے الگ کر کے علیحدہ حوالات میں رکھا گیا۔ رات بھر اس کی چیخیں سنائی دیتی رہیں۔ اگلی صبح وہ مردہ پائی گئی۔ پولیس نے دعویٰ کیا کہ اس نے گلے میں پھندہ ڈال کر خودکشی کر لی ہے۔ میڈیکل رپورٹ نے ظاہر کیا کہ اسے گلا گھونٹ کر مارا گیا ہے۔ کیمیائی تجزیے کے نتیجے میں انکشاف ہوا کہ پولیس نے پہلے اسکے ساتھ زیادتی کی اور بعد ازاں دنیا سے جرم چھپانے کے لئے اسے قتل کر دیا۔ ایک فٹ کانسٹیبل بھاگ گیا۔ پولیس کا باقی تمام عملہ معطل کر دیا گیا۔ پورا ملک غم و غصے کی آگ میں بھڑک اٹھا۔

26 جنوری --- جنرل جیلانی بھی سیاست میں

ریٹائرڈ میجر جنرل جیلانی نے بھی سیاست میں حصہ لینے کا اعلان کر دیا۔

28 جنوری --- نیپ کی جانب سے دفعہ 144 کی خلاف ورزی

نیشنل عوامی پارٹی نے ملک بھر میں دفعہ 144 کی خلاف ورزی کرنے کا اعلان کیا۔

29 جنوری --- اصغر خان نے اعزازات واپس کر دیئے۔

فضائیہ کے سابق سربراہ ایئر مارشل اصغر خان نے 'عوامی تحریک کی تائید اور حکومت کے مظالم کی مخالفت میں ہلال پاکستان اور ہلال قائداعظم واپس کر دیئے۔

31 جنوری --- ڈھاکہ میں قومی اسمبلی کا اجلاس

ڈھاکہ میں قومی اسمبلی اجلاس منعقد ہوا۔ صدر ایوب نے حزب مخالف کی ہر معقول تجویز پر مذاکرات کرنے کے لئے آمادگی ظاہر کر دی۔

فروری 1969ء

1-21 فروری --- ایوبی جبر کے خلاف ہنگامے جاری

کیم فروری 1969ء_ لاڑکانہ میں طلبہ کے جلوس پر اشک آور گیس استعمال کی گئی اور متعدد طالب علم مجروح ہوئے۔

○ راولپنڈی میں ایک سرکاری اعلان جاری کیا گیا کہ حالیہ ہنگاموں میں پولیس فائرنگ سے تیس افراد ہلاک اور خشت باری سے 200 افراد زخمی ہوئے ہیں۔

○ گوپال گنج سب ڈویژن میں پولیس فائرنگ سے ایک آدمی ہلاک ہو گیا۔

○ بھاگڑہاٹ میں پولیس فائرنگ سے دو طالب علم مجروح ہوئے۔

○ باریسال میں وکیلوں نے حکومت کے ظلم کی زیادتیوں کے خلاف جلوس نکالا۔

2 فروری 1969ء_ سرگودھا کی مسجد میں نمازیوں پر پولیس نے لاٹھی چارج کیا۔ سرگودھا شہر میں دو جلوس نکالے گئے ایک جمہوری مجلس عمل کا اور دوسرا بچوں نے جس کے شرکاء "جیئو بھٹو" کے نعرے لگاتے تھے۔ جلوس میں شریک لوگوں پر اشک آور گیس استعمال کی گئی۔

○ ملک کے مختلف شہروں میں اپوزیشن' طلبہ 'اساتذہ اور عورتوں نے جلوس نکالے۔

3 فروری 1969ء_ لاہور میں طلبہ نے حکومت کی زیادتیوں کے خلاف احتجاج کے طور پر کلاسوں کا بائیکاٹ کر دیا۔

4 فروری 1969ء_ لاہور میں طلباء نے کلاسوں کا بائیکاٹ جاری رکھا اور مختلف کالجوں کے طلبہ پر پولیس نے شدید لاٹھی چارج کیا۔

5 فروری 1969ء_ لاہور کے اسلامیہ کالج اور دیال سنگھ کالج کے طلبہ پر پولیس نے لاٹھی چارج کیا اور چند طلبہ حراست میں لے لئے۔ ایم۔ اے۔ او۔ کالج۔ گورنمنٹ کالج۔ ہیلی کالج میں کلاسوں کا بائیکاٹ جاری رہا۔

6 فروری 1969ء_ ڈھاکہ میں طلباء نے زبردست احتجاجی جلوس نکالا۔ سارے شہر میں سیاہ پرچم لہرا دیئے گئے۔

○ اسلامیہ کالج لاہور کی طالبات نے یوم سیاہ منایا اور کالج کے دروازے پر سیاہ جھنڈا لہرا دیا۔

7 فروری 1969ء_ لاہور کالج کی طالبات نے پابندی کے باوجود جلوس نکالا۔

○ ضلع کومیلا (مشرقی پاکستان) کے راجہ گاؤں میں پولیس نے ایک بپھرے ہوئے ہجوم پر گولی چلائی جس سے دو افراد ہلاک ہو گئے۔

8 فروری 1969ء_ لاہور میں کالجوں کی طالبات نے زبردست احتجاجی جلوس نکالا۔ پولیس نے طلبہ پر شدید لاٹھی چارج کیا اور اشک آور گیس استعمال کی۔

○ راولپنڈی میں طالبات نے زبردست جلوس نکالا اور طالب علم رہنماؤں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔

9 فروری 1969ء_ لاہور میں کالجوں کے طالب علموں نے یوم سیاہ منایا۔

10 فروری 1969ء_ پشاور میں طلبہ نے خاندانی منصوبہ بندی کا مرکز جلا دیا۔ اور وائس چانسلر کی رہائی اور دو کالجوں کی عمارتوں پر پتھراؤ کیا۔

11 فروری 1969ء_ لاہور کی مختلف کالجوں کی طالبات نے احتجاجی جلوس نکالا۔ شاہراہ قائداعظم پر سارا دن جلوس گزرتے رہے۔

12 فروری 1969ء_ لاہور میں طالب علموں اور راہگیروں پر پولیس نے لاٹھی چارج کیا۔ ایک درجن افراد مجروح ہوئے۔

13 فروری 1969ء_ لاہور میں مزدوروں' ڈاکٹروں' انجینئروں' اساتذہ' طلباء اور خواتین نے احتجاجی جلوس نکالے۔ پولیس نے بے دریغ لاٹھی چارج کیا اور اشک آور گیس استعمال کی جس سے متعدد طلبہ' راہگیر اور خوانچہ فروش زخمی ہو گئے۔

14 فروری 1969ء_ مرکزی مجلس عمل کی اپیل پر ملک بھر میں ہڑتال کی گئی۔

○ لاہور میں پولیس فائرنگ سے دو افراد ہلاک ہو گئے۔ جمہوری مجلس عمل کے جلوس پر اشک آور گیس استعمال کی گئی۔

○ کراچی میں پولیس فائرنگ سے تین افراد ہلاک ہو گئے۔ امن و امان برقرار رکھنے کے لئے فوج طلب کر لی گئی۔

○ حیدر آباد میں پولیس فائرنگ سے ایک آدمی ہلاک اور تیرہ مجروح ہو گئے۔

15 فروری 1969ء_ پولیس تشدد کے خلاف خواتین اور طلبہ نے احتجاجی جلوس نکالا۔ اس جلوس کی قیادت بیگم نصرت بھٹو نے کی۔

17 فروری 1969ء_ لیاقت آباد کراچی میں پولیس کی فائرنگ سے پانچ افراد ہلاک ہو گئے۔ مظاہرین نے بمبینو سینما۔ دو پٹرول پمپ' پانچ رکشا اور چار کاریں نذر آتش کر دیں۔ سارے شہر میں ٹریفک معطل اور دکانیں بند ہو گئیں۔

○ ذوالفقار علی بھٹو نے کراچی میں جلوس کی قیادت کی اور ان کے جلوس کا تصادم ایک دوسری سرکاری پارٹی کے جلوس سے ہو گیا جس کے نتیجے میں ایک آدمی ہلاک ہو گیا۔

18 فروری 1969ء_ راجشاہی میں فائرنگ سے دو افراد ہلاک ہو گئے۔ دفعہ 144 اور کرفیو کا نفاذ کر دیا گیا۔

○ ڈھاکہ میں فائرنگ سے ایک شخص جاں بحق ہو گیا۔

19 فروری 1969ء_ ڈھاکہ میں کرفیو کے دوران پولیس فائرنگ سے تین افراد ہلاک ہو گئے اور متعدد مجروح ہوئے۔

○ نواکھلی میں پولیس فائرنگ سے تین افراد ہلاک ہوئے اور چودہ مجروح ہوئے۔

21 فروری 1969ء کھلنا میں پولیس فائرنگ سے آٹھ افراد جاں بحق۔ فوج طلب کر لی گئی۔ کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ ہجوم نے مرکزی وزیر مواصلات خاں اے صبور کا مکان نذر آتش کر دیا۔

یکم فروری---- ایوب خان کی اپوزیشن کو مذاکرات کے لئے دعوت

روز بروز بگڑتے ہوئے حالات نے ایوب خان کو حزب اختلاف سے مذاکرات کرنے کے لئے مجبور کر دیا۔ یکم فروری کو اپنا ماہانہ نشری تقریر میں انہوں نے حزب اختلاف کے "ذمہ دار" لیڈروں کو مذاکرات کی دعوت دی۔

یکم فروری---- کرنل عبداللہ خان کا انتقال

مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن کرنل محمد عبداللہ خان کا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا۔

4-12 فروری---- نصرت بھٹو رٹ پٹیشن

4 فروری کو بورسٹل (کیمپ) جیل میں مسٹر بھٹو کی نظربندی کے خلاف رٹ درخواست کی سماعت دوبارہ شروع ہوئی۔ مسٹر بھٹو اور بیگم نصرت بھٹو کے علاوہ ایئر مارشل اصغر خان، جے اے رحیم، ڈاکٹر مبشر حسن، محمد حنیف رامے، ممتاز علی بھٹو، غلام مصطفیٰ کھر، مولانا عبدالستار خان نیازی، ملک غلام جیلانی اور آغا شورش کاشمیری بھی عدالت میں موجود تھے۔ ایڈووکیٹ جنرل راجہ سید اکبر نے عدالت سے کہا کہ ذوالفقار علی بھٹو کے بیان حلفی کے بعض پیراگراف غیر متعلق اور قانونی طور پر پیش کئے جانے کے قابل نہیں اس لئے اخبارات میں ان کی اشاعت ممنوع قرار دی جائے۔ سرکاری وکیل اسماعیل بھٹی نے بھی حلفی بیان پر اعتراضات کئے۔ سرکاری وکیل نے پہل پیراگراف 6 سے 28 تک کا حصہ حذف کرنے کی استدعا کی تھی لیکن دو گھنٹے کی بحث کے بعد انہوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ پورا کا پورا بیان قابل اعتراض ہے اور اسے شائع کرنے کی اجازت نہیں دینی چاہیے۔ فاضل ججوں نے کہا کہ عدالت اخبارات کو بیان حلفی کی اشاعت سے نہیں روک سکتی۔ کیونکہ مقدمے کی کارروائی کھلی عدالت میں ہو رہی ہے۔ تاہم انہوں نے کمرہ عدالت میں موجود ملکی اور غیر ملکی اخبار نویسوں کو ہدایت کی کہ وہ دو روز تک بیان حلفی شائع نہ کریں۔ جب عدالت یہ فیصلہ کرلے گی کہ بیان حلفی کا کون سا حصہ حذف کرنے کے قابل ہے تو وہ اسے شائع کرنے کی اجازت دے دے گی۔

اس کے بعد ایڈیشنل ایڈووکیٹ جنرل قاضی اختر نے مسٹر بھٹو پر جرح شروع کی۔ جرح ابھی جاری تھی کہ عدالت کا وقت ختم ہو گیا۔ 5 فروری کو سرکاری وکیل اسماعیل بھٹی نے بیان حلفی کی اشاعت کو ممنوع قرار دینے کے حق میں دلائل دیئے۔ وکیل صفائی محمود علی قصوری نے کہا کہ اگر بیان حلفی کے پیراگراف نمبر15 اور 16، جو کشمیر اور خارجہ پالیسی سے متعلق حذف کر دیئے جائیں تو انہیں اس پر کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ فاضل ججوں نے دونوں طرف کے دلائل سننے کے بعد بیان حلفی کے پیراگراف نمبر15 اور 16 کو حذف کرنے کا حکم دیا اور اخبارات کو باقی ماندہ پورا حلفی بیان چھاپنے کی اجازت دے دی۔

بیان حلفی میں بھٹو نے لکھا:

"کتنے افسوس کی بات ہے کہ حکام پر دس سال کی اندھادھند حماقت کے بعد یہ ابتدائی حکمت ظاہر ہونے کے لئے موجودہ بحران ضروری قرار پایا جس میں کئی معصوم اور نوجوان طلباء کی جانیں ضائع ہو گئیں...

دنیا میں ایسی بہت ہی کم اقوام ہیں جو پاکستان کے عوام جتنی بردبار ہیں اور مصائب اور ناانصافی برداشت کرنے کی صلاحیت کی مالک ہیں۔ انہوں نے دس سال تک اس حکومت کو برداشت کیا ہے"۔

اپنے اور صدر کے درمیان اختلافات کی تفصیل بیان کرنے کے بعد بھٹو نے اپنی گرفتاری کی حقیقی وجوہ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا:

حکومت نے پچھلے ڈھائی برسوں میں لگاتار جتنی پیش قدمیاں کی ہیں ان کا مرکزی نقطہ یہ طے شدہ کوشش تھی کہ۔

1- مجھے جنگ بندی اور اعلان تاشقند کو سیاسی مسئلہ بنانے سے روکا جائے۔ اور

2- مجھ سے دو ٹوک یقین دہانی حاصل کی جائے کہ میں 1970ء کا صدارتی انتخابات نہیں لڑوں گا۔

جب یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ میں جھکنے پر تیار نہیں ہوں تو بساتھ ساتھ ستم رانی کی شدت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ یہ بہیمانہ صورت اختیار کر گئی۔

واحد ایبڈو زدہ سیاستدان جسے وزیر بنایا گیا ہے میرے ضلع سے تعلق رکھتا ہے۔ اسے امور داخلہ کا قلمدان سونپا گیا ہے تاکہ مجھے سرنگوں کرے۔

جس طریقے سے مجھے نشانہ ستم بنایا گیا ہے اس کی ہر تفصیل کی فہرست پیش کرنے کی بجائے میں عدالت کی سہولت کے لئے اس ستم رانی کی صرف چیدہ چیدہ صورتوں پر اکتفا کروں گا جو حکومت نے میرے خلاف روا رکھی ہے۔

(الف) میری ذات پر تشدد آمیز جسمانی حملے۔

(ب) مجھے اور میرے خاندان کو مالکانہ حقوق سے محروم کرنے کی کوششیں۔

(ج) جھوٹے مقدمات میں ملوث کرنا اور ان کے فیصلوں کے ضمن میں انصاف کے حصول میں مداخلت۔

(د) دیگر ذرائع سے شخصی سطح پر ہراساں کرنا۔

(ر) میری سیاسی سرگرمیوں میں مداخلت اور میرے سیاسی حامیوں پر ستم رائی۔

(س) میرے دوستوں' عزیزوں اور ملازموں کو ہراساں کرنا۔

(ش) عدالت کی تحویل میں ہونے کے باوجود جیل میں بدسلوکی

بھٹو نے اپنے بیان حلفی میں تفصیل ان واقعات کا ذکر کیا جو مذکورہ بالا عنوانات کے تحت پیش آئے۔ آگے چل کر انہوں نے لکھا:

مائی لارڈز! 399 قبل از مسیح میں ایتھنز کے حکمرانوں نے ایک فلسفی کو اس لئے موت کی سزا سنائی کہ اس نے شہر کے نوجوانوں کو گمراہ کیا تھا۔ سقراط کو پینے کے لئے زہر کا پیالہ دیا گیا۔

اور شاید اسی لئے سیکرٹری امور داخلہ نے گورنر کو اپنے مراسلے میں لکھا ہے:

"مسٹر ریڈ۔ اے۔ بھٹو نے تصادم کا راستہ منتخب کیا ہے۔ موجودہ حکومت کے خلاف اپنے منتقمانہ عزائم کی تکمیل کے لئے وہ علی الاعلان تشدد' خونریزی اور انتقام کی باتیں کرتے رہے ہیں۔"

اس بیان میں کس قدر کنایہ چھپا ہے

بیان حلفی کا اختتام کرتے ہوئے بھٹو نے لکھا:

حضور والا! اگر آپ بے لگام ہوس اقتدار اور جلب زر کے پردے کے پیچھے جھانکیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ میری گرفتاری کے قابل نفرین مقاصد کی جڑیں حکومت کے عوام سے خوفزدہ ہونے میں ہیں۔ اب جبکہ پاکستان کے عوام نے میری گرفتاری پر اظہار ناپسندیدگی کیا ہے اور بلاشبہ یہ ظاہر کر دیا ہے کہ وہ اس بارے میں کیا محسوس کرتے ہیں تو حکومت اور پاکستان کے دشمن ملا کر مجھے سیاسی منظر سے ہٹائے جانے پر بغلیں بجاتے ہیں۔

اندوہناک تجربوں کے باوجود میں نے کبھی تصادم کی راہ اختیار نہیں کی میں نے ابھی تک جنگ بندی اور اعلان تاشقند کی داستان بھی نہیں چھیڑی ہے۔ میری جدوجہد کا مقصد قومی احیاء ہے۔ میں قائداعظم اور اقبال کے پرچم کو سربلند رکھنا چاہتا ہوں تاکہ دنیا کو یہ دکھا سکوں کہ بارہ کروڑ جیالے عوام کی یہ اسلامی سلطنت عظمت کی بلندیوں کو چھو سکتی ہے اور آزاد اور ہم مرتبہ لوگوں کے نصب العین کو عملی جامہ پہنا سکتی ہے جس سے اسلام نے تہذیب کی شمع روشن کی تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ انصاف کی شمع پھر روشن ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ ہمارے عوام شانہ بشانہ ترقی کی جانب منزلیں طے کریں اور اقتدار میں مساوی شرکت کی آب و تاب میں حصہ دار بنیں۔

ایک وقت آئے گا جب حالات کا پانسہ پلٹے گا اور اس انقلاب کے بعد ایک نیا مستقبل طلوع ہو گا۔

پاکستان کو جو مسائل درپیش ہیں وہ زمان و مکان کی حدود سے ماوراء ہیں وہ کسی دور میں تعمیر یا تخریب کے لئے ایک ہی مرتبہ آتے ہیں۔ وہ بدنصیب لمحوں کے افق کو پار کرتے ہیں اور مستقبل کو ایک حسین پیکر عطا کرتے ہیں۔ یہ وہ مستقبل ہے جس میں پاکستان ملت اسلامیہ کا ناقابل تسخیر قلعہ ہو گا اور ہر جگہ مظلوم انسانیت کی خدمت کرے گا۔ نیز اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گا' جب تک یہ کشمیر سے جارحیت کے آخری نشان نہیں مٹا دیتا اور بیت المقدس کو آزاد نہیں کرا لیتا۔

بیان حلفی کا پورا متن' اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں۔

6 فروری کو مقدمے کی سماعت شروع ہونے سے قبل اٹارنی جنرل مسٹر شریف الدین پیرزادہ اور ایڈووکیٹ جنرل راجہ سید اکبر نے صدر ایوب اور گورنر موسیٰ کے خطوط ہائی کورٹ کے خصوصی بنچ کے سامنے پیش کئے جن میں ان تمام باتوں کی تردید کی گئی تھی جو مسٹر بھٹو نے صدر ایوب اور گورنر موسیٰ سے منسوب کر کے اپنے بیان حلفی میں کہی تھیں۔ ایوب خان نے لکھا۔ "یہ درپردہ چوٹیں' الزامات' دھمکیاں اور انتباہ مسٹر بھٹو کے اپنے تخیل کی پیداوار ہیں۔ میں نے کبھی کسی شخص کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ میری طرف سے مسٹر بھٹو کے پاس جائے اور انہیں کسی بھی طریقے سے سیاست میں داخل ہونے یا صدارتی انتخاب میں حصہ لینے سے منع کرے..." جنرل موسیٰ نے لکھا۔ "یہ غلط ہے کہ میں نے مسٹر بھٹو کو "صلح کر لینے" یا تاشقند کے بارے میں کچھ نہ کہنے کا مشورہ دیا تھا۔ نہ ہی میں نے انہیں کسی قسم کی دھمکیاں دیں...."

خطوط کے مکمل متن اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں۔

اس کے بعد ایڈیشنل ایڈووکیٹ جنرل قاضی اختر نے مسٹر بھٹو پر جرح شروع کی۔ 7 فروری کو ایڈووکیٹ جنرل نے وزارت امور داخلہ اور کشمیر کے سیکرٹری مسٹر اے بی اعوان' ڈائریکٹر انٹیلیجنس بیورو مسٹر این اے رضوی اور فرنٹیر کانسٹبلری کے کمانڈنٹ انور آفریدی کے حلفی بیان عدالت میں پیش کئے گئے جن میں بھٹو کے ان الزامات کی تردید کی گئی جو انہوں نے اپنے بیان حلفی میں ان تینوں حضرات پر لگائے تھے۔ اس کے بعد بھٹو نے ان حلفی بیانات پر خود جرح کی۔ جرح کے بعد انہوں نے عدالت میں اپنا ایک اہم بیان پیش کرنے کی اجازت مانگی۔ انہوں نے عدالت کو بتایا کہ وہ اس بیان میں اپنا مقدمہ واپس لینے کی اجازت حاصل کرنے کی وجوہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ اس بیان میں بھٹو نے کہا:

اس واجب الاحترام عدالت میں میرے پٹیشن داخل کرنے کے بعد اور خصوصاً پچھلے چند دنوں میں صورت حال بے حد تبدیل ہو گئی ہے۔ میں پاکستانی عوام کے حق میں اپنے فرض سے کوتاہی نہیں کر سکتا۔ مجھے درپیش خطرے کو ٹالنے کے لئے اپنی پوری صلاحیتیں وقف کرنا ہوں گی۔ حزب اختلاف کی صفوں میں پھوٹ نہیں ڈالنی چاہیے۔ اسے دھمکایا نہیں جانا چاہیے۔ اسے اپنے آپ کو گروہ بندی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اس بات کی اجازت نہیں دی جانی چاہیے کہ اسے پاکستان کے دفاعی قوانین کے سائے

میں مذاکرات میں شریک ہونے پر مجبور کیا جائے۔ نتائج خواہ کچھ بھی ہوں عوام کے حق کا بول بالا ہونا چاہیے اور ان کی جدوجہد کا نتیجہ حقیقی فتح ہونا چاہیے۔ اس مقصد اور ان لوگوں کی صفوں میں شامل ہونے کے لئے جنہوں نے عوام کے نصب العین کے لئے اپنے خون کا نذرانہ پیش کیا ہے میں اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ہوں۔

پاکستان کے رہنماؤں کو مستقبل کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے نام پر میں پاکستانی عوام سے پختہ وعدہ کرتا ہوں کہ میری پارٹی ہماری محبوب سرزمین کے اعلیٰ اور شاندار مستقبل کے لئے انتھک کوشش کرے گی۔ یہ تاریخ کے ساتھ میرا عہد ہے۔

اس بات کی کوئی حتمی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی کہ جو مسئلہ ہمیں آج درپیش ہے وہ کیوں کر حل ہو گا۔ یہ مسئلہ اس وقت تک ہاتھ میں نہیں لیا جا سکتا جب تک پاکستان کے دفاعی قوانین واپس نہیں لیے جاتے جن کی گرد میں یہ لپٹا ہوا ہے۔ جو کچھ بھی بعد میں ہو گا اس کے لئے لازمی ابتدائی اقدام یہ ہو گا کہ ہنگامی حالات کو ختم کیا جائے۔

جب تک یہ بنیادی شرط پوری نہیں ہوتی اس وقت تک کسی اور بات پر غور نہیں کیا جا سکتا۔ باقی تمام معاملات اس وقت تک معلق رہیں گے اور آگے نہیں بڑھیں گے جب تک یہ بنیادی شرط پوری نہیں کی جاتی جب تک ہنگامی حالات ختم نہیں کیے جاتے ہر بات بے معنی رہتی ہے۔

اپنی موجودہ شکل میں اور جمہوریت کی جدوجہد کی موجودہ صورت حال کے ضمن میں اس ظالمانہ قانون کے خلاف جو عوام اور ان کی آزادی کے درمیان دیوار بنا ہوا ہے بطور احتجاج اپنی درخواست واپس لیتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں کہ اگر آج کے بعد ایک ہفتے کے اندر اندر ہنگامی حالت ختم نہ کی گئی تو میں تادم مرگ بھوک ہڑتال کروں گا۔ حکومت کو ایک ہفتے کی مہلت دے کر میں اسے ایک معقول موقع دے رہا ہوں تاکہ یہ غیر جذباتی طور پر یہ فیصلہ کر سکے کہ ہنگامی حالات کو ختم کرنا قومی مفاد میں ہے۔

یہ ذاتی مطالبہ نہیں' یہ ایمانداری سے اور پاکیزہ ترین مقصد کے تحت کیا گیا ہے الٹی میٹم کے طور پر نہیں۔ اس کے برعکس میرا فیصلہ پاکستانی عوام کی روح کی گہرائیوں سے اٹھنے والے مطالبے کی عکاسی کرتا ہے۔

آخر میں میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے نوجوانوں کو سلام کرتا ہوں جو اس عظیم تحریک کے اصل ہیرو ہیں۔

مسٹر بھٹو کا بیان ختم ہونے کے بعد بیگم نصرت بھٹو اٹھیں اور عدالت کو بتایا کہ وہ رٹ درخواست واپس لینا چاہتی ہیں۔

فاضل ججوں نے اس ضمن میں اپنے حکم میں لکھا۔ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے ہمارے روبرو بیان کیا ہے کہ جب ان کی بیوی نے ان کی نظر بندی کے خلاف رٹ درخواست دائر کی تھی اس وقت سے لے کر اب تک حالات میں بہت بڑی تبدیلی واقع ہو چکی ہے اور چونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ملک کے موجودہ حالات کے پیش نظر ان کے لئے اپنی درخواست واپس لینا ضروری ہے۔ اس لئے انہوں نے عدالت سے اس امر کی اجازت مانگی ہے۔ بیگم نصرت بھٹو نے اس کی تائید کی ہے۔

چونکہ یہ پٹیشن آئین کی دفعہ 198 کے تحت دائر کی گئی ہے۔ اس لئے ہم اس پر پوری طرح غور کرنا چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں پیر کو حکم جاری کریں گے۔

10 فروری کو رٹ درخواست کی سماعت شروع ہوئی۔ اٹارنی جنرل نے عدالت میں وزیر قانون کا ایک تار پڑھ کر سنایا جس کے مطابق حکومت' ہنگامی حالت ختم کرنے کے سوال پر غور کر رہی تھی۔ لیکن اس کے خاتمے کی قطعی تاریخ ابھی نہیں بتائی جا سکتی تھی۔ مسٹر جسٹس مولوی مشتاق حسین نے بعض نکات کی وضاحت طلب کرنے کے بعد یہ حکم دیا کہ اب چونکہ عدالت میں نظر بند کا موجود رہنا ضروری نہیں اور موجودہ حالات میں انہیں جیل میں رکھنا بھی نامناسب ہے اس لئے انہیں تاحکم ثانی لاڑکانہ میں ان کے گھر میں نظر بند رکھا جائے۔ انہوں نے ہوم سیکرٹری کو ہدایت کی کہ وہ اس سلسلے میں ضروری انتظامات کریں۔ فاضل جج نے رائے ظاہر کی کہ گھر میں نظر بند کرنا عدیم المثال نہیں' آزادی سے پہلے سر آغا خان اور مسٹر گاندھی اپنے اپنے گھروں میں نظر بند کیے جاتے رہے ہیں۔

11 فروری کے بعض اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی کہ بھٹو صاحب عدالت کے حکم کے مطابق لاڑکانہ پہنچا دیے گئے ہیں' ان اخبارات نے ان کے لاڑکانہ پہنچنے کی تفصیلات بھی شائع کیں۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ ابھی تک پراسرار وجوہ کی بنا پر بورسٹل جیل لاہور میں موجود تھے۔ انہیں گیارہ فروری کو صبح کے نو بجے کوٹ لکھپت سے خیبر میل میں سوار کرایا گیا۔ مسٹر غلام مصطفیٰ کھر ایم این اے ان کے ساتھ تھے۔ اس طرح تقریباً ایک سو دن مختلف جیلوں میں گزارنے کے بعد مسٹر بھٹو اپنے گھر واپس روانہ ہو گئے۔

شام کو پاکستان پیپلز پارٹی کی اصولی کمیٹی کے رکن ڈاکٹر مبشر حسن نے ایک بیان جاری کیا جس میں 10 فروری کی رات کو مسٹر بھٹو کی طیارہ کے ذریعے لاڑکانہ روانگی ملتوی ہونے کی وجوہ بتائی گئی تھیں۔

بیان کا متن یہ ہے:۔

"پاکستان کے عوام اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ حکومت' پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی جان کی حفاظت کا فرض ادا کرنے میں کس بری طرح ناکام رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت نے مسٹر بھٹو کو عوام کے محبوب لیڈر اور ایک شہری کی حیثیت سے تحفظ مہیا کرنے کے بجائے انتہائی غیر ذمہ دارانہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ عوام کی چوکسی کی وجہ سے چیئرمین بھٹو عوامی جدوجہد جاری رکھنے کے لئے سلامت ہیں۔

"جون 1967ء میں لاہور میں گول باغ کے جلسے میں ان پر کرائے کے

غنڈوں نے حملہ کیا اور انہیں زخم آئے۔ جنوری 1968ء میں ملتان میں دو موقعوں پر ان پر حملہ کیا گیا اور موٹر کاروں کے قافلے پر دن دہاڑے اس وقت حملہ کیا گیا جب وہ ملتان سے خانیوال جا رہے تھے۔ اس کے بعد لاڑکانہ میں بعض ایسے افراد پکڑے گئے جن کے پاس ان کے گھر کا نقشہ اور دستی بم تھے۔ پشاور ریجن کے دورے کے دوران ڈیرہ اسماعیل خان میں پولیس نے آنسو گیس پھینکی جس سے ان کا قریب قریب دم گھٹ گیا۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ حکومت نے ابھی تک سبق نہیں سیکھا۔ ان حالات میں اگر میں پاکستان کے عوام کو دس اور گیارہ فروری 1969ء کی ہنگامہ خیز رات سے آگاہ نہ کروں تو یہ فرض سے کوتاہی ہو گی۔ کیونکہ 12 فروری کے اخبارات میں جو تفصیل شائع ہوئی ہے اس سے پوری حقیقت سامنے نہیں آتی۔

حقائق یہ ہیں کہ جب حکومت 10 فروری 1969ء کو دن کے وقت چیئرمین بھٹو کو گورنر کے طیارے میں لاہور سے لاڑکانہ لے جانے میں ناکام رہی تو پتا چلا کہ طیارہ تبدیل کر دیا گیا ہے اور انہیں ایک اور ایجنسی کے طیارے میں لاڑکانہ لے جایا جائے گا۔

رات گئے ہم ایک معتبر ذریعے سے یہ اطلاع پر کر دم بخود رہ گئے کہ چیئرمین بھٹو کے طیارے میں بم پھٹنے کا خطرہ ہے۔ ہمارا ذریعہ غیر مشتبہ تھا۔ فوراً ہم نے حکومت کے ذمہ دار حکام سے رابطہ قائم کیا۔ مگر یہ سن کر ہم اور بھی خوف زدہ ہو گئے کہ حکومت بھی اس بات سے آگاہ ہے۔ چنانچہ رات گئے مسٹر بھٹو سے ملنے کی خصوصی اجازت حاصل کی گئی اور حکومت کی یقین دہانیوں کے باوجود ان کی بیگم اور دوستوں نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ طیارے میں سفر نہ کریں۔ دوسری طرف حکومت کو اس کی انتہائی اہم ذمہ داری کا احساس دلایا گیا اور اس بات پر مجبور کیا گیا کہ وہ مسٹر بھٹو کو طیارے کے ذریعے لاڑکانہ پہنچانے کا ارادہ ترک کر دے۔ یہ ہیں اصل حقائق۔ ان کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جائے گی کی چیئرمین بھٹو نے گیارہ فروری 1969ء کی صبح کو ٹرین میں کیوں سفر کیا اور حکومت منصوبے کے مطابق طیارے میں کیوں نہ گئے"۔

12 فروری کو عدالت عالیہ کے خصوصی بنچ نے اپنا فیصلہ سنایا اور مسٹر بھٹو کی نظر بندی کے خلاف رٹ درخواست واپس لینے کی اجازت دے دی۔ فیصلے میں عدالت نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ جوائنٹ سیکرٹری ہوم نے انہیں غلط اطلاع پہنچائی تھی۔

فیصلے کا متن یہ ہے:۔

"سات فروری 1969ء کو نظر بند مسٹر بھٹو نے عدالت کو بتایا تھا کہ ان کی اہلیہ کی طرف سے رٹ درخواست پیش ہونے کے بعد ملک کی سیاسی صورت حال میں تیز رفتار تبدیلیوں کے پیش نظر' ان کی سمجھی سوچی رائے ہے کہ اگر ایک ہفتے کے اندر اندر ملک میں ہنگامی حالت ختم نہیں کی جاتی تو انہیں تا مرگ بھوک ہڑتال شروع کر دینی چاہیے۔ اس لئے انہیں پٹیشن واپس لینے کی اجازت دی جائے۔ درخواست دہندہ بیگم نصرت بھٹو نے اس استدعا میں ان کی تائید کی تھی۔

(2) ہم نے اس استدعا پر غور کرنے کے لئے یہ کیس 10 فروری 1969ء پر ملتوی کر دیا اور پھر دلائل کی سماعت کے لئے 11 فروری 1969ء کی تاریخ مقرر کی۔

(3) ہم نے اٹارنی جنرل پاکستان مسٹر شریف الدین پیرزادہ' ایڈووکیٹ جنرل مغربی پاکستان راجہ سید اکبر اور مسٹر حفیظ پیرزادہ ایڈووکیٹ کے دلائل سنے ہیں۔ موخر الذکر نے درخواست دہندہ اور نظر بند دونوں کی نمائندگی کی۔

(4) یہ سب اصحاب اس بات پر متفق ہیں کہ آئین کے آرٹیکل 98 (2) (بی) کے تحت کارروائی' درخواست کی پیروی میں کی جا سکتی ہے اور از خود نہیں ہو سکتی۔ یہ کیس اس آرٹیکل کے تحت ایک درخواست پر شروع کیا گیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر درخواست دہندہ پٹیشن واپس لینے کی استدعا کرتا ہے اور اس درخواست میں نظر بند اس کی تائید کرتا ہے تو عدالت کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ وہ درخواست واپس لینے کی اجازت دے دے۔ عدالت اس معاملے پر مزید کارروائی اسی صورت میں کر سکتی ہے کہ اسے از خود کارروائی کرنے کا اختیار ہو اور آرٹیکل 98 (2) بی عدالت کو اس قسم کا اختیار نہیں دیتا۔

(5) فاضل ایڈووکیٹ جنرل نے اس سلسلے میں محمد اسلم بنام سرکار (پی ایل ڈی 1959 ایس سی (پاک) 119) پر انحصار کیا ہے جس میں ایک قیدی کے اپیل واپس لینے کے حق کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی گئی تھی۔

"اپیل تحریری قانون کی پیداوار ہوتی ہے اور بنیادی طور پر حق سے متعلق ہوتی ہے۔ ایک سزا یافتہ شخص اپیل کرنے پر مجبور نہیں ہے جبکہ قانون اسے اس قسم کا حق بھی دیتا ہو۔ اس کے مطابق ہم کوئی ایسا عام اصول تلاش کرنے کے ناقابل ہیں جو اپیل کو واپس لینے کی راہ میں حائل ہو' اگر کوئی شخص اپیل نہ کرنے کا انتخاب کر کے' سزا اور فیصلے کو قبول کر سکتا ہے تو ہم نہیں سمجھتے کہ محض اس حقیقت کو کہ اس نے اپیل دائر کی ہے بعد میں اس کے اس حق کو چھوڑنے میں رکاوٹ سمجھا جائے جبکہ اس کے برعکس کوئی اصول موجود نہیں۔

(6) فاضل اٹارنی جنرل نے ہماری توجہ۔ کارپس جیورس سیکنڈم کی جلد 39' صفحہ 621 کے پیراگراف نمبر 77 کی طرف دلائی ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ:۔

"جب کوئی شخص' جس کی طرف سے اجرائے پروانہ کا حکم جاری کر دیا جاتا ہے۔ عدالت یا جج کے سامنے لایا جائے تو اسے اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ کارروائی کو کنٹرول کرے اور اگر وہ کارروائی سے قطع تعلق کرے تو درخواست کو نظر انداز کر دیا جائے گا یا حکم کو کالعدم کر دیا جائے گا"۔

ان حالات میں' ہم درخواست دہندہ کو پٹیشن واپس لینے کی اجازت دیتے ہیں۔

(7) اس کیس سے دستبردار ہونے سے پہلے ہم عوامی اہمیت کے ایک معاملے کا تذکرہ کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ جو مقدمے کی سماعت کے دوران ضمناً" پیدا ہوا تھا۔ نظر بند نے ایک حلفی بیان کے ذریعے ہماری توجہ اس طرح مبذول کرائی تھی کہ انہیں میانوالی اور ساہیوال کی جیلوں میں نیم وحشیانہ حالات میں رکھا گیا ہے حالانکہ اس سے "اے کلاس" نظر بند جیسا سلوک ہونا چاہیے تھا۔ اس کے مطابق ہم نے جوائنٹ سیکرٹری ہوم ڈیپارٹمنٹ کو طلب کیا جو کہ جیلوں کے انتظام کے انچارج میں اور اس سلسلے میں استفسار کیا۔ ہمیں انتہائی افسوس سے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ مزید تحقیقات پر' ہمیں پتا چلا کہ نہ صرف نظر بند کی طرف سے لگائے گئے الزامات درست تھے بلکہ جوائنٹ سیکرٹری نے ہمیں غلط اطلاع دی تھی جو انتظامیہ پر ایک بدنما دھبہ ہے۔ جوائنٹ سیکرٹری کے پاس اس یقین دہانی کے سوا' کوئی وضاحت نہیں تھی کہ اس کا اعادہ نہیں کیا جائے گا۔

(8) ہم اٹارنی جنرل' ایڈووکیٹ جنرل اور مسٹر محمود علی قصوری کے شکر گزار ہیں کہ مقدمے کی ساری کارروائی کے دوران انہوں نے بطریق احسن ہماری امداد کی جس میں بکثرت پیچیدہ قانونی سوالات پیدا ہوئے۔ انہوں نے ان پر زور دار لیکن جائز دلائل پیش کیے"۔

5 فروری--- ایوب خان کی نوابزادہ نصراللہ کو مذاکرات کی پیشکش

صدر ایوب نے جمہوری مجلس عمل کے کنوینر نوابزادہ نصراللہ کو مذاکرات کی پیشکش کی اور کہا کہ وہ صدر کی جانب سے' جسے چاہیں' 17 فروری کے اجلاس کے لئے دعوت دے سکتے ہیں۔

7 فروری--- دفاعی قوانین کے تحت نظر بندوں کی رہائی کا فیصلہ

حکومت نے دفاعی قوانین کے تحت نظر بند کئے جانے والے تمام افراد کو رہا کرنے کا فیصلہ کیا۔

10 فروری--- نوابزادہ نصراللہ کی صدر ایوب سے ملاقات

جمہوری مجلس عمل کے فیصلے کے مطابق نوابزادہ نصراللہ 10 فروری کو ڈھاکہ میں صدر ایوب سے ملے تاکہ بعض نکات کی وضاحت حاصل کر سکیں۔ ایوب خان کو شیخ مجیب الرحمان کی رہائی کے علاوہ باقی تمام شرطوں سے اتفاق تھا۔ دیگر شرائط میں ہنگامی حالت کا خاتمہ' سیاسی رہنماؤں' کارکنوں اور طلباء کی رہائی' دفعہ 144 کی واپسی' طلباء پر جبر کا خاتمہ اور اخبارات کے خلاف فیصلوں کی منسوخی شامل تھیں۔ جمہوری مجلس عمل میں عوامی' نیپ اور کونسل مسلم لیگ کے ممتاز دولتانہ کا اصرار تھا کہ مجیب کی رہائی کو بھی لازمی شرط بنایا جائے اجلاس بغیر کسی فیصلے کے ختم ہو گیا۔

10 فروری--- پاکستان کی سیاسی صورت حال پر 'نیوز ویک' کا تبصرہ

امریکی جریدے 'نیوز ویک' نے اپنی 10 فروری کی اشاعت میں پاکستان کی سیاسی صورت حال کا مندرجہ ذیل تجزیہ کیا۔

"جنرل محمد ایوب کے دس سالہ دور حکومت کو اکثر اوقات ترقی پذیر ممالک میں ایک مثالی حکومت کی حیثیت دی گئی ہے۔ اس دور میں پاکستانیوں نے ملک کی ترقی کے لئے ہر طرح تندہی' اعلیٰ کارکردگی اور توجہ سے کام کیا ہے۔ یہ ترقی ایک شاندار کہانی تھی۔ 1958ء 1968 تک کے عرصے میں قومی پیداوار میں 55 فیصد اضافہ ہوا۔ چھوٹی صنعتی پیداوار میں بھی ملک خود کفیل ہو گیا۔ آبپاشی اور اچھے بیج کے استعمال سے اس سال زرعی پیداوار میں 23 فیصد اضافہ ہوا اور پاکستان جو ہر سال بیس لاکھ ٹن گندم درآمد کرتا تھا' چند سالوں میں خوراک کے لحاظ سے بھی خود کفیل ہونے کے خواب دیکھنے لگا۔

صدر ایوب کے دشمن بھی یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ترقی صدر کے پدرانہ طرز حکومت کا نتیجہ ہے۔ سینڈھرسٹ کا تعلیم یافتہ یہ فوجی افسر اعلیٰ کارکردگی کو انسان کی سب سے بڑی خوبی سمجھتا ہے اور یہ ابھی سوچتا ہے کہ پارلیمانی طرز حکومت ناکارکردگی کا مرقع ہے۔ نتیجے کے طور پر پاکستانی عوام یہ محسوس کرنے لگے کہ اعلیٰ کارکردگی محض ایک دھوکا ہے اور اس لفظ کے خول میں پاکستانی عوام کو فوجی انداز کے شکنجے میں کس کر رکھ دیا گیا ہے۔

پچھلے ہفتے مایوسی اور بیزاری کا طوفان ابل پڑا۔ ایسے ہنگامے بپا ہوئے کہ پاکستان کی تاریخ میں ایسے زبردست ہنگامے کبھی نہیں ہوئے۔ ننگے پاؤں' ہاتھوں میں اینٹ یا پتھر اٹھائے ہوئے ہجوم نے کراچی کی زندگی کو معطل کر دیا۔ مایوس عوام نے ان تاجروں کی دکانیں جلا ڈالیں جو عوام کی ہمدردی میں دکانیں بند نہیں کرتے تھے۔ ایک ایسے موقع پر جبکہ عوام نے گورنمنٹ پارٹی کے ایک لیڈر کے گھر کو نذر آتش کیا تو اس ہجوم کو پندرہ ٹرک فوج بمشکل تمام ہٹا سکی۔ انگریزی طرز کی ڈنڈوں سے لیس پولیس کی مدد سے شہری نظام دوبارہ بحال کیا گیا۔ کراچی کے علاوہ لاہور میں بھی پچاس ہزار کا ہجوم ایوب ... ہائے ہائے چلا چلا کر ہنگامہ برپا کیے ہوئے تھا۔ ڈھاکہ یونیورسٹی کے طالب علموں اور نیم اور نیم برہنہ رکشا ڈرائیوروں نے جن کے پاس اینٹ پتھر کے علاوہ کوئی ہتھیار نہ تھا۔ فوج

کی گولیوں کا مقابلہ کیا- ایک ہفتے کے ہنگاموں کا نتیجہ یہ تھا کہ پاکستان کے پانچ بڑے شہروں میں مارشل لاء تھا اور ہزاروں لوگ جیل بھیج دیے گئے تھے- علاوہ ازیں کوئی تیس کے قریب مظاہرین مارے گئے تھے-

پاکستان کے اس منجمد استحکام کے خلاف بہت سی شکایات ہیں- مشرقی پاکستان کی دیہاتی آبادی غربت کا شکار ہے- ان کا خیال ہے کہ 1965ء کے بعد ایوب گورنمنٹ نے کارخانوں کی طرف توجہ دی ہے اور کاشتکاری اور تعلیم کو پس پشت ڈال دیا ہے- شہروں کو گلہ ہے کہ بنیادی جمہوریتوں کے نظام نے پریس اور قانون تک کو محبوس کر دیا ہے- بنیادی جمہوریت کے نظام کی بدولت ہی الیکشن کے نتائج توڑ مروڑ کر حکومت کی مرضی کے مطابق نتائج کا اعلان کیا جاتا ہے- طلباء کو یہ بھی گلہ ہے کہ اس نظام کے تحت اگر وہ کسی سیاسی نوعیت کے کام میں حصہ لیں جو موجودہ گورنمنٹ کی مرضی کے خلاف ہے تو ان کی ڈگریاں چھینی جا سکتی ہیں- قصہ مختصر عوام کی مرضی ایک شخص کی مرضی کی تابع ہو کر رہ گئی ہے-

صدر ایوب کی بیماری نے رہی سہی کسر نکال دی- بیماری سے اٹھنے کے بعد انہوں نے ریاست کے بہت سے امور کو انتظامیہ کے فیصلوں پر چھوڑ دیا- پچھلے چند سالوں میں وہی رشوت اور بدعنوانی جس کے خلاف نظام حکومت تبدیل کیا گیا تھا- زندگی کے ہر شعبے میں سرایت کر چکی ہے اگرچہ صدر کی ذات پر شبہ کم ہے مگر اس بات کا چرچا ہے کہ ان کا بیٹا گوہر ایوب وہ ہستی ہے جس کی وساطت سے سیاسی رعایتیں حاصل کی جا سکتی ہیں- کراچی کے محل میں' جس میں تیرنے کے لئے مرمریں تالاب بنے ہوئے ہیں' گوہر ایوب ہفتے میں دو دفعہ ذاتی کچہری لگاتا ہے- یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ایک کپتان ریٹائر ہونے کے بعد کروڑوں کے کاروبار کا مالک کیسے بن گیا-

اس مایوسی اور بیزاری کا پہلا نشان تو پشاور میں صدر پر گولی چلانے کا واقعہ تھا- صدر کو کوئی گزند نہیں پہنچی- مگر اس کے جواب میں سیاسی لیڈروں کو عوام کو تشدد پر اکسانے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا- ان میں چالیس سالہ چین کا حامی ذوالفقار علی بھٹو بائیں بازو کی جماعتوں کا شہید تشدد بن گیا- بھٹو کی گرفتاری ایک غلطی تھی- اس عمل نے ایر مارشل اصغر خاں کو میدان سیاست میں آنے پر مجبور کر دیا- اصغر کی ایک تقریر جس میں اس نے جمہوریت کی حمایت میں مبہم سا بیان دیا تھا- پھولوں کی بارش کا پیش خیمہ بن گئی- چند ہفتوں بعد اس کا رویہ سخت ہو گیا- وہ کہتا ہے کہ ایوب بدعنوانی' کنبہ پروری اور نا اہلی کا نمائندہ ہے- اگر وہ قائم رہتا ہے تو ملک تباہ ہو جائے گا- لہٰذا اس کو حکومت سے الگ ہو جانا چاہیے-

ان حالات کے پیش نظر صدر ایوب نے مصلحت پسندی کا رویہ اختیار کر لیا ہے- سیاسی لیڈروں نے گفت و شنید کے لئے کانفرنس کا اعلان کیا ہے- صدر ایوب کو امید ہے کہ اس طرح وہ ملک کی سیاسی زندگی میں کچھ آزادی دے کر اپنی پوزیشن کو مضبوط کر لیں گے مگر دیکھنا یہ ہے کہ ایسے نیم دلانہ اقدامات عوام کی تسلی کا باعث ہوتے ہیں یا نہیں- کراچی میں ایک ڈاڑھی والے آدمی نے نیوز ویک کے نمائندے کو بتایا کہ ایوب کو صرف سیاسی لیڈروں کو خوش نہیں کرنا عوام کے مطالبات ماننے ہیں' ہمارے مطالبات' عوام کے مطالبات"_

12 فروری--- دفعہ 144 کا خاتمہ اور اخبارات کی بحالی

حکومت نے جہاں جہاں دفعہ 144 نافذ تھی' وہاں وہاں سے اسے ختم کرنے کا اعلان کر دیا- ڈھاکہ کے بنگالی روزنامے 'اتفاق' اور شورش کاشمیری کے ہفت روزہ 'چٹان' کی اشاعت بحال کر دی گئی-

12 فروری--- قومی اسمبلی سے استعفےٰ

مسیح الرحمان- عارف افتخار اور مجیب الرحمان چوہدری نے قومی اسمبلی کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا-

12 فروری--- بھٹو لاڑکانہ پہنچا دیئے گئے-

12 فروری کی صبح 4 بجے ذوالفقار علی بھٹو لاڑکانہ پہنچ گئے- گاڑی سے جب انہیں "المرتضیٰ" پہنچایا گیا تو جلد ہی وہاں پولیس کا پہرہ لگا دیا گیا-

13 فروری--- بھٹو کا بھوک ہڑتال کا اعلان

پاکستان پیپلز پارٹی سندھ زون کے چیئرمین عبدالوحید کٹپر ایڈووکیٹ نے اعلان کیا کہ اگر ہنگامی حالت ختم نہ ہوئی تو بھٹو صاحب 14 فروری کو نماز جمعہ کے بعد بھوک ہڑتال شروع کر دیں گے- انہوں نے یہ بھی بتایا کہ مغربی پاکستان کے مختلف حصوں میں سینکڑوں افراد بھٹو صاحب کی حمایت میں بھوک ہڑتال شروع کر رہے ہیں- اس سے قبل ایر مارشل اصغر خان نے لاڑکانہ پہنچ کر بھٹو سے ملاقات کی اور کہا: "قوم کو ابھی آپ سے بہت کام لینا ہے اس لئے آپ بھوک ہڑتال کر کے اپنی جان نہ دیں"_ بھٹو کا جواب تھا: "میری زندگی بارہ کروڑ افراد سے زیادہ قیمتی نہیں- میں قومی مفاد کی خاطر باعزت موت مرجانا پسند کروں گا"-

13 فروری--- پیپلز گارڈ کی تشکیل

اسی روز پیپلز پارٹی سندھ کے چیئرمین عبدالوحید کٹپر کے مکان پر ایک اجتماع ہوا جس میں متعدد نوجوانوں نے شرکت کی- اس اجلاس میں پیپلز گارڈ کا پہلا جتھہ تیار کیا گیا جس میں چالیس ارکان شامل تھے- اجلاس

میں شریک ہونے والے اکتالیس نوجوانوں نے اپنے آپ کو رکنیت کا اہل ثابت کرنے کے لئے باری باری ایک جلتی ہوئی موم بتی پر دس سیکنڈ تک اپنی انگلی رکھی- ایک نوجوان نے ذرا ہچکچاہٹ ظاہر کی چنانچہ اسے جتھے میں شامل نہ کیا گیا- باقی چالیس سرفروش بھرتی کر لئے گئے- انہوں نے قرآن پاک اٹھا کر عہد کیا کہ وہ بھٹو کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے اور جان کی بازی لگانے سے بھی دریغ نہ کریں گے- (بعد ازاں دوسرے شہروں میں بھی اسی طریقے سے پیپلز گارڈ کے جتھے تشکیل دیئے گئے)

14-17 فروری--- بھٹو کی بھوک ہڑتال

بھٹو نے اپنے اعلان کے مطابق بھوک ہڑتال شروع کر دی- اپنی رہائش گاہ کے برآمدے میں انہوں نے بھوک ہڑتال کا آغاز کیا تو ان کے ساتھ غلام مصطفیٰ کھر' ڈاکٹر مبشر حسن' عبدالوحید کٹپر' نثار محمد خان اور شاکر علی جونیجو نے بھی بھوک ہڑتال شروع کر دی- بھٹو کی اپیل پر پارٹی کے دوسرے کارکنوں نے بھی بھوک ہڑتال کا ارادہ ترک کر دیا- 17 فروری کو ڈیفنس آف رولز کے خاتمے پر بھٹو اور ان کے ساتھیوں نے بھوک ہڑتال ختم کر دی-

14 فروری--- بھٹو کی رہائی اور قاتلانہ حملہ

14 فروری کو حکومت نے اعلان کیا کہ دو روز بعد ہنگامی حالت ختم کر دی جائے گی- اس کے ساتھ ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت بھٹو سمیت گرفتار ہونے والے رہنماؤں کی رہائی کے احکامات بھی جاری کر دیئے گئے- لاڑکانہ میں بھٹو کی رہائی کی خوشی میں لوگوں نے ایک عظیم الشان جلوس نکالا- جب یہ جلوس میونسپل کمیٹی کے قریب پہنچا تو ایک نوجوان نے انہیں پستول کا نشانہ بنانا چاہا لیکن عوام نے اسے دبوچ لیا- عوام میں اشتعال پیدا ہو گیا اور قائد عوام کے ایک ہی اشارے پر عوام پر سکون ہو گئے بھٹو کے کہنے پر اس کی جان بخشی کر دی گئی اور اسے پولیس کے حوالے کر دیا گیا- بھٹو نے اس موقع پر عوام سے خطاب کرتے ہوئے کہا-

"ابھی تک کالے قوانین موجود ہیں' ظلم و تشدد کے بادل چھائے ہوئے ہیں اور زبانیں بند ہیں- جب گفتگو کا ماحول ہی سازگار نہ ہو تو بات چیت کیسے ہو سکے گی- میں کسی دعوت نامے کا منتظر نہیں ہوں اور نہ مجھے گول میز کانفرنس ہی میں شریک ہونے کا شوق ہے- میری ساری توجہ عوام کے مسائل کی طرف ہے- میں چاہتا ہوں کہ عوامی مسائل حل ہو جائیں' نوکر شاہی ختم ہو جائے' طلباء' مزدوروں اور ہاریوں کو ان کے حقوق مل جائیں اور ملک میں جمہوریت بحال ہو جائے- عوام کے مسائل کا حل صرف کانفرنس کرنا نہیں' انہیں ان کے تمام حقوق ملنے چاہئیں- یہ ان کا قدرتی حق ہے- کوئی شخص عوام کے حقوق پر غاصبانہ قبضہ نہیں کر سکتا اور پھر انہیں واپس کرنے میں نہ رعایت دینے کا احسان جتا سکتا ہے"

بھٹو نے یہ بھی کہا: "میں جانتا ہوں یہ حملہ کس نے کروایا ہے لیکن مصلحتاً" اس کا نام ظاہر نہیں کروں گا- اب تک مجھ پر متعدد بار قاتلانہ حملہ' ہو چکے ہیں...."-

14 فروری--- ولی خان اور اجمل خٹک بھی رہا

اسی روز نیشنل عوامی پارٹی کے رہنماؤں ولی خان اور اجمل خٹک کو بھی رہا کر دیا گیا-

16 فروری--- جمہوری مجلس عمل نے صدر کی مذاکرات کی دعوت منظور کرلی

ہنگامی حالت کے خاتمے اور سیاسی رہنماؤں کی رہائی کے بعد جمہوری مجلس عمل نے صدر ایوب سے 17 فروری کو مذاکرات کرنے کی دعوت منظور کر لی- حکومت اس امر کے لئے بھی تیار ہو گئی تھی کہ وہ گول میز کانفرنس میں شیخ مجیب الرحمان کی موجودگی کو بھی ممکن بنائے گی-

17 فروری--- گول میز کانفرنس ملتوی

صدر ایوب کو مشورہ دیا گیا کہ گول میز کانفرنس 17 فروری کی بجائے 19 فروری کو منعقد کی جائے اور اس میں پیپلز پارٹی' نیپ (بھاشانی گروپ)' اصغر خان' اعظم خان اور ایس ایم مرشد کو بھی شرکت کی دعوت دی جائے- ایوب خان نے اس تجویز کو منظور کر لیا-

18 فروری--- بھٹو' مزار قائد پر

18 فروری کو بھٹو کراچی پہنچے- ریلوے اسٹیشن سے وہ جلوس کی شکل میں سیدھے قائداعظم کے مزار پر پہنچے- یہ جلوس قائداعظمؒ کے مزار تک پہنچا تو والہانہ استقبال کرنے والوں کا سمندر بہہ نکلا- عوامی جذبات کے خون گرما دینے والے واقعات سامنے آئے- ایک ضعیف عورت شدت جذبات سے اپنے فلیٹ سے نیچے اتر آئی اور کسی نہ کسی طرح ٹرک تک پہنچ گئی- عوام نے اسے ٹرک پر چڑھا دیا اور اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر قائد عوام کی سلامتی اور کامیابی کی دعائیں مانگی- ہجوم محبت و عقیدت کے گرمجوش جذبات سے بے قابو ہو رہا تھا- قائداعظمؒ کے مزار پر بھٹو نے کہا-

"سیاستدان ابھی تک گول میز کانفرنس میں دستور بنانے اور نظام حکومت پر گفتگو کرنے میں مصروف ہیں- قائداعظمؒ نے کہا تھا کہ اس

ملک کا دستور عوام کی خواہش کے مطابق ہو گا لیکن بابائے مملکت کا یہ فرمان ابھی تک پورا نہیں کیا گیا۔ موجودہ جدوجہد کو تحریک کہنا غلط ہے۔ یہ تحریک نہیں انقلاب ہے اور اس عوامی انقلاب کا تمام تر سہرا عوام کے سر ہے میں قائداعظمؒ کے مزار پر عہد کرتا ہوں کہ میں ذاتی مفاد کو کبھی عوام کے مفاد پر ترجیح نہیں دوں گا اور ان کے نام پر کوئی سودے بازی نہیں کروں گا۔ عوام کی جدوجہد میرا ایمان ہے۔ میں اس ملک سے سامراج کے پٹھوؤں کو ختم کرنے کی آخری دم تک جدوجہد کرتا رہوں گا "

18 فروری--- بھٹو کے ایوب خان کے لئے تجاویز اور مشورے

پریس کلب سے خطاب کرتے ہوئے بھٹو نے ملک کی کشیدہ صورت حال کا مختصراً" تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ عوام ایسی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں جس نے دس سال تک انہیں ان کی آزادیوں سے محروم رکھا ہے اور جو ان سالوں میں بتدریج روبہ زوال رہی ہے۔ بھٹو نے کہا:

اس بحران کا مطلب یہ ہے کہ عوام تبدیلی چاہتے ہیں۔ اگر اس تبدیلی کو بہتری کی صورت پیدا کرنی ہے تو یہ نئے نظام کی خاطر ہونی چاہیے جو بدعنوانی' معاشرتی اور معاشی ناانصافیوں کی برائیوں سے پاک ہو اور بالکل جمہوری ہو' محض نمائشی طور پر جمہوری نہ ہو۔ لیکن ہم سب کا اولین فرض یہ ہے کہ ہم یہ تبدیلی اس انداز سے شروع کرنے کا طریقہ تلاش کریں کہ ایک بہتر نظام جلد از جلد اور ممکن حد تک موثر طور پر وجود میں آ جائے۔

مجھے معلوم نہیں کہ سیاسی جماعتوں کے وہ رہنما جو صدر کے ساتھ مذاکرات کرنے والے ہیں کن نتائج کی توقع رکھتے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کس حد تک حکومت کے ساتھ مصالحت کرنے کے لئے تیار ہیں اور کتنی ثابت قدمی سے اصولوں پر ڈٹے رہنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں ان کے دل کا حال نہیں جانتا لیکن اپنی طرف سے میں کوئی ایسی بات نہیں کہنا چاہتا جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے کہ میں ان کا بدخواہ ہوں جب کہ وہ اپنی بصیرت کے مطابق جمہوریت کے لئے جائز کوشش کر رہے ہیں۔

میں اس موقع پر کچھ تجاویز پیش کرنا چاہتا ہوں جو میرے خیال کے مطابق بہتر فضا پیدا کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ یہ مندرجہ ذیل ہیں:

1- حکومت اخبارات کو پابندیوں سے آزاد کرے اور جب تک ضروری قانونی تبدیلیاں نہیں کی جاتیں اخبارات سے متعلق جابرانہ قوانین کو معطل سمجھے جانے کی یقین دہانی کرائے۔

2- صدر نے خود تسلیم کیا ہے کہ پسماندہ علاقوں کے عوام کی شکایات دور کرنے کی ضرورت ہے۔ حکومت کی جانب سے مذاکراتی ٹیم میں ان علاقوں کے نمائندے شامل ہیں' اسی لئے صدر کو ان علاقوں کے مخالف عوامی لیڈروں کو دعوت دینی چاہیے تاکہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں۔

3- حکومت یہ یقین دہانی کرائے کہ وہ ان تمام مسائل کے بارے میں جن کا تعلق طلباء برادری سے ہے اور ان کے حقوق اور تعلیم کے متعلق قوانین پاس کرنے سے پہلے طالب علم لیڈروں سے مشورہ کرے گی۔

4- حکومت فوری طور پر تمام سیاسی اور مزدور لیڈروں' کارکنوں اور طالب علموں کو رہا کر دے جو ابھی تک رہا نہیں ہوئے یا جو حفاظتی قوانین کے تحت دوبارہ گرفتار کر لیے گئے ہیں۔

5- حکومت یہ اعلان کرے کہ یہ ان لوگوں کے خاندانوں کو معقول معاوضہ ادا کرے گی جو مارے گئے ہیں اور جو تحریک کے دوران حکام کی کارروائی سے زخمی ہو گئے ہیں۔

6- حکومت ہائی کورٹ کے کسی جج یا عدلیہ کے کسی دوسرے ممتاز رکن کا تقرر کرے جو مسجدوں کی بے حرمتی اور پولیس اور سرکاری حکام کی ظالمانہ کارروائیوں کے بارے میں آزادانہ تحقیقات کرے۔

7- پچھلے نومبر کی سات تاریخ کو راولپنڈی میں ہونے والی فائرنگ کی اور نوشہرہ میں ہونے والی فائرنگ کی جس سے حکومت کی جابرانہ کارروائیوں کا آغاز ہوا' ہائی کورٹ کے جج کے ذریعے غیر جانبدارانہ تحقیقات کروائی جائے۔

8- حکومت سیاسی جماعتوں کے ایکٹ کو منسوخ کرنے کی یقین دہانی کرائے اور جب تک عملاً" تنسیخ نہیں کی جاتی اس ایکٹ کو غیر موثر سمجھا جائے۔

9- بلا زمین کسانوں اور چھوٹے زمین داروں کے علاوہ کسی دوسرے شخص کو سرکاری زرعی زمین کی فروخت فوری طور پر بند کر دینی چاہیے۔

10- مزدور لیڈروں اور ان کی تنظیموں کے ساتھ مشورے شروع کر دینے چاہئیں تاکہ ٹریڈ یونینوں کے ہڑتال کے حق کے خلاف عائد پابندیاں جو ٹریڈ یونینوں اور مزدوروں کے حقوق کے معروف معیاروں کے خلاف ہیں ہٹائی جا سکیں۔

18 فروری--- بھٹو' اصغر' بھاشانی' اعظم اور مرشد کا مذاکرات میں شرکت سے انکار

صدر ایوب کے ساتھ گول میز کانفرنس میں شرکت کی دعوت کو جمہوری مجلس عمل سے باہر موجود سیاسی قوتوں نے بھٹو ' اصغر خان'

بھاشانی، جنرل اعظم اور مرشد نے نامنظور کر دیا۔ انہوں نے مذاکرات میں شرکت کو شیخ مجیب کی رہائی اور کانفرنس میں شرکت سے مشروط کیا۔

18 فروری۔۔۔ مجیب کے بغیر گول میز کانفرنس میں نہ جائیں: دولتانہ

جمہوری مجلس عمل کے 18 فروری کے اجلاس میں ممتاز دولتانہ نے شدت سے اصرار کیا کہ مجلس کو شیخ مجیب الرحمان کے بغیر گول میز کانفرنس میں شرکت نہیں کرنی چاہیے۔

19 گول میز کانفرنس تعطل کا شکار

جمہوری مجلس عمل کے رات بھر کے اجلاس کے بعد 19 فروری صبح اڑھائی بجے صدر ایوب کو اطلاع دی گئی کہ مجلس کے نمائندے صبح 10 بجے کے اجلاس میں شرکت سے قاصر ہیں۔ بعد ازاں مجلس نے ایک نمائندے کو اجلاس میں بھیجنا منظور کر دیا لیکن اس تجویز کو حکومت نے نامنظور کر دیا۔

20 فروری۔۔۔ صدر ایوب اور مسلح افواج کے سربراہوں کی میٹنگ

بری، بحری اور ہوائی فوج کے سربراہوں نے صدر ایوب سے اپنی ملاقات میں ملک کی سیاسی صورت حال پر غور کیا۔

21 فروری۔۔۔ صدر ایوب صدارتی انتخاب نہیں لڑیں گے

مسلح افواج کے سربراہوں سے ملاقات سے اگلے روز صدر ایوب نے اپنی نشری تقریر میں صدارتی انتخاب نہ لڑنے کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے کہا: "میں نے اپنے ایمان کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ آج سے اس بات کا صاف اعلان کر دوں کہ میں آئندہ انتخابات میں امیدوار نہیں ہوں گا۔ میرا یہ فیصلہ قطعی ہے اور اس میں کسی تبدیلی کا امکان نہیں"۔

صدر ایوب کی تقریر کا متن۔۔۔ صدارتی انتخاب نہ لڑنے کا اعلان۔۔۔ اسی جلد کے حصہ دستاویزات میں دیکھیں۔

22 فروری۔۔۔ اگر تلہ مقدمہ واپس، شیخ مجیب رہا

کابینہ نے کر۔ِمنل لاء ترمیمی (خصوصی ٹریبونل) آرڈیننس 1968ء منسوخ کر کے، اگر تلہ سازش مقدمہ واپس لینے کا فیصلہ کیا اس اعلان کے ساتھ ہی شیخ مجیب اور اگر تلہ سازش کے دوسرے تمام ملزمان کو رہا کر دیا گیا۔

23 فروری۔۔۔ ڈھاکہ میں بھٹو کا ایک ہیرو کے طور پر استقبال

23 فروری کو ذوالفقار علی بھٹو ڈھاکہ پہنچے۔ رہائی کے بعد یہ ان کا پہلا دورہ تھا۔ ہوائی اڈے پر ہزاروں افراد نے ان کا استقبال کیا اور انہیں جلوس کی صورت میں شہر لے جایا گیا جہاں انہوں نے عوامی تحریک میں شہید ہونے والے افراد کے مزاروں پر پھول چڑھائے۔ انہوں نے شیر بنگال مولوی فضل الحق، حسین شہید سہروردی اور خواجہ ناظم الدین کے مزاروں پر بھی فاتحہ پڑھی۔ وہ مولانا بھاشانی اور شیخ مجیب سے بھی ملے۔ بھٹو نے اخبار نویسوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ملکی معاملات پر ڈرائنگ روموں اور محلات میں نہیں بلکہ سڑکوں پر غور ہونا چاہیے۔ انہوں نے طالب علموں کو شاندار خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ طالب علم ہی حقیقی رہنما ہیں اور انہوں نے ہی تحریک کی قیادت کی ہے۔

23 فروری۔۔۔ مجیب کا ڈھاکہ کے جلسہ عام سے خطاب

اپنی رہائی کے فوراً بعد ڈھاکہ میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے شیخ مجیب الرحمان نے آبادی کی بنیاد پر نمائندگی اور چھ نکات کو تسلیم کرنے پر زور دیا۔ انہوں نے کہا کہ وہ یہ سوالات گول میز کانفرنس میں بھی اٹھائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ جمہوری مجلس عمل کو حکومت کے ساتھ مذاکرات شروع کرنے سے قبل ایک متفقہ فارمولا طے کر لینا چاہیے۔

23 فروری۔۔۔ محبوب مرشد گول میز کانفرنس میں شریک ہوں گے

ایم ایس مرشد نے اعلان کیا کہ وہ گول میز کانفرنس میں شرکت کریں گے۔

23 فروری۔۔۔ کراچی صوبے کا مطالبہ

زیڈ ایچ نے مطالبہ کیا کہ دارالحکومت واپس لا کر" کراچی کو الگ صوبہ بنایا جائے۔

24 فروری۔۔۔ ون یونٹ کے خاتمے کا مطالبہ

مغربی پاکستان کے متعدد سیاسی رہنماؤں نے ون یونٹ توڑنے کا مطالبہ کیا۔

24 فروری۔۔۔ بھٹو لاہور پہنچ گئے

ڈھاکہ میں ایک دن کے قیام کے بعد وہ 24 فروری 1969ء کو لاہور روانہ ہو گئے۔ لاہور کو ان کی آمد کی اطلاع اچانک ملی تھی لیکن صبح ہی صبح سارا شہر ایئر پورٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ شہریوں اور طالب علموں کی ٹولیاں سینے پر بھٹو کی تصویروں کے بیج سجائے اور پیپلز پارٹی کے پرچم لہراتے ہوئے ہوائی اڈے کی طرف روانہ ہو گئیں۔ قریبی دیہاتوں کے کسان، کارخانوں اور

فیکٹریوں کے مزدور اپنے قائد کے استقبال کے لئے ڈھول بجاتے ہوئے آئے اور جب ایک بج کر بیس منٹ پر ڈھاکہ سے آنے والا جہاز ایئرپورٹ پر اتر رہا تھا کہ نیچے لاکھوں عوام تالیاں بجاتے ہوئے جنگلہ پھلانگ کر رن وے کی طرف بڑھ رہے تھے اور جہاز کو دور کر کے اتارنا پڑا! لیکن پھر بھی عوام بھاگتے ہوئے اس سمت چلے گئے۔ بھٹو صاحب طیارے کے دروازے پر نمودار ہوئے تو تالیوں کے شور سے فضا کافی دیر تک گونجتی رہی۔ ان کے پیچھے شیخ مجیب الرحمٰن نظر آئے اور انہوں نے بھی عوامی قائد کے استقبال کا نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ بھٹو صاحب بڑی مشکل سے اس ٹرک پر سوار ہوئے جسے جہاز تک لایا گیا تھا۔ عوام جوش و خروش سے "بھٹو زندہ باد" کے نعرے لگا رہے تھے اور یہ تاریخی جلوس شام سات بجے جی پی او کے چوک میں پہنچا۔ بنک سکوائر کی بتی کے قریب جناب بھٹو نے شہید طلباء کے لئے فاتحہ خوانی کی اور مختصر خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"عوامی تحریک کی کامیابی کا سہرا طلباء' کسانوں' مزدوروں اور عام آدمیوں کے سر ہے' سرمایہ داروں کے سر نہیں۔ عوام نے اس تحریک کی کامیابی کے لئے قربانیاں دی ہیں وہی ہیں جنہوں نے آمریت کا ڈنڈا توڑا ہے"

عوام نے گول میز' گول میز کا بلند آواز سے ذکر کیا تو جناب بھٹو نے تالیوں اور نعروں کی گونج میں کہا:

"کچھ لوگ گول میز کانفرنس کی باتیں کر رہے ہیں لیکن میری گول میز کانفرنس تو یہی عوام ہیں۔ میں ان پر اعتماد رکھتا ہوں اور ان کی اجازت کے بغیر کسی کانفرنس میں شامل ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ نہیں کر سکتا"۔

جناب بھٹو نے عوام کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا

"آپ بھی تھکے ہوئے ہیں اور میں بھی ایک لمبے سفر سے آیا ہوں' اس لئے کل موچی دروازے کے باغ میں ملاقات ہوگی اور باقی باتیں وہیں ہوں گی"

24 فروری --- بھٹو نے "ہلال پاکستان" واپس کر دیا

بھٹو نے ہلال پاکستان کا اعزاز حکومت کو واپس کر دیا۔

24 فروری --- قیوم خان کا سیاست میں دوبارہ حصہ لینے کا اعلان

خان عبدالقیوم خان نے سیاست میں دوبارہ حصہ لینے کا اعلان کر دیا۔

25 فروری --- بھٹو کا موچی دروازہ میں جلسہ عام

موچی دروازہ میں جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے بھٹو نے گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے مندرجہ ذیل شرطوں کا اعلان کیا:

"میں لاہور اور مغربی پاکستان کے دوسرے شہروں کی رائے عامہ معلوم کرنے کے بعد ہی یہ فیصلہ کروں گا کہ مجھے گول میز کانفرنس میں شامل ہونا چاہیے یا نہیں۔ اگر عوام نے مجھے اجازت دی تو کانفرنس میں جاؤں گا۔ ورنہ نہیں جاؤں گا گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے میری دوسری شرائط حسب ذیل ہیں:

- پریس آرڈیننس اور دوسرے تمام کالے قوانین ختم کئے جائیں۔
- تمام سیاسی نظربندوں کو رہا کیا جائے
- عوام پر تشدد ختم کیا جائے۔
- پریس ٹرسٹ کو توڑ دیا جائے۔
- بالغ رائے دہی کی بنیاد پر براہ راست انتخاب کے ذریعے قومی اسمبلی معرض وجود میں لائی جائے جو دستور ساز اسمبلی کی حیثیت سے عوامی آئین مرتب کرے۔
- صرف عوامی آئین ہی عوام کے لئے قابل قبول ہو گا اور اس عوامی آئین کے ماتحت ہی عوام کے سیاسی اور معاشی مسائل حل ہو سکیں گے۔
- ذوالفقار علی بھٹو سے گول میز کانفرنس میں شرکت کے متعلق جب سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس سلسلے میں بعض شرائط حل طلب ہیں۔ سب سے اہم شرط یہ ہے کہ مجھ جیسا مجرم جس پر تعزیرات پاکستان کے تحت اس قدر الزامات عائد ہیں جن میں ٹریکٹروں کا کیس بھی شامل تھا جو واپس لے لیا گیا ہے۔ اپوزیشن کے عظیم راہنماؤں اور صدر مملکت کے سامنے ملکی بحران کو حل کرنے کے لئے بات چیت کرنے کی کیسے جسارت کر سکتا ہے۔ میں راولپنڈی محض اس لئے جا رہا ہوں کہ پچھلے نومبر میں موجودہ تحریک وہیں سے شروع ہوئی تھی۔ میرے اس عزم راولپنڈی کا گول میز کانفرنس سے کوئی تعلق نہیں ہے جسے اتنے دنوں تذبذب میں رکھا گیا ہے۔ یہ محض اتفاقیہ بات ہے کہ میں راولپنڈی ایسے موقع پر جا رہا ہوں جبکہ اپوزیشن اور حکومت کے مابین مذاکرات ہو رہے ہیں"۔

26 فروری --- گول میز کانفرنس کا آغاز

راولپنڈی میں صدر ایوب اور حزب اختلاف کی مختلف پارٹیوں کے درمیان گول میز کانفرنس شروع ہو گئی اس میں بھٹو اور بھاشانی نے شرکت نہ کی۔ صدر ایوب اور نوابزادہ نصراللہ خان کے ابتدائی کلمات کے بعد کانفرنس 10 مارچ تک کے لئے ملتوی ہو گئی۔

26 فروری --- بھٹو' بھاشانی معاہدہ

گول میز کانفرنس سے باہر نیپ (بھاشانی گروپ) اور پیپلز پارٹی نے کانفرنس کے بائیکاٹ کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے تین نکاتی پروگرام کی بنیاد پر مشترکہ جدوجہد کا فیصلہ کیا۔ ان میں (1) پاکستان میں جمہوریت کی بحالی (2) نظریہ پاکستان کی مطابقت میں سوشلزم کا قیام اور (3) غیر ملکی مداخلت کا خاتمہ سیٹو اور سنٹو سمیت تمام فوجی معاہدوں سے دستبرداری' نو آبادیت اور

سامراج کی مخالفت اور رن کچھ میں بھارتی اڈے کے خاتمے کی یقین دہانی جیسے نکات شامل تھے۔(حوالہ: رفیق افضل)

26 فروری — بھٹو کا لیاقت کے جلسہ عام سے خطاب

26 فروری کو لیاقت باغ کے جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے بھٹو نے کہا:

"میں صدر ایوب سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ اب گول میز کانفرنس منعقد کرنے کی بجائے فوری طور پر اپنے عہدے سے مستعفی ہو جائیں اور چھ ماہ کے لئے قومی اسمبلی کے سپیکر کو قائم مقام صدر بنا دیا جائے۔ صدر صاحب گول میز کانفرنس کی تکلیف نہ کریں کیونکہ جو چیز کل ہونی ہے۔ اسے آج ہی ہو جانا چاہیے۔ میں یہ تجویز خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ پیش کر رہا ہوں"

مارچ 1969ء

یکم مارچ — مسرور حسن مغربی پاکستان کے ہوم سیکرٹری مقرر ہو گئے

حیدر آباد ڈویژن کے کمشنر مسرور حسن کو مغربی پاکستان کا ہوم سیکرٹری مقرر کر دیا گیا۔ مسرور حسن نے سندھی طلباء کی 4 مارچ 1967ء کی تحریک کو کچلنے کی کوشش کی تھی۔

3 مارچ — ڈاک ملازمین اور ڈاکٹروں کی ہڑتال

پوسٹ مینوں اور ڈاک کے نچلے درجے کے تیرہ ہزار ملازمین نے ہڑتال کر دی۔ مغربی پاکستان کے سرکاری ہسپتالوں کے ڈاکٹر بھی ہڑتال پر چلے گئے۔

4 مارچ — بوگرہ میں مظاہرے

بوگرہ میں مظاہرین اور پولیس کے درمیان تصادم کے بعد کرفیو نافذ کر دیا گیا اور امن و امان کی صورت حال پر قابو پانے کے لئے فوج بلالی گئی۔

5 مارچ — لائلپور میں مزدوروں پر لاٹھی چارج

لائلپور کاٹن ملز میں آگ لگانے کی کوشش کی گئی۔ پولیس نے مزدوروں پر لاٹھی چارج کیا۔

6 مارچ — جمہوری مجلس عمل کی قرارداد

جمہوری مجلس عمل نے ایک قرارداد میں مطالبہ کیا کہ طلباء کے جائز مطالبات منظور کئے جائیں اور نظربند طلباء کو رہا کیا جائے۔

6-7 مارچ — دیر میں طلباء اور پولیس کے درمیان تصادم

ریاست دیر میں طلباء اور پولیس میں شدید تصادم کے نتیجے میں 6 افراد ہلاک اور ایک درجن افراد زخمی ہو گئے۔ مشتعل ہجوم نے پولٹیکل ایجنٹ کا دفتر اور تین سرکاری جیپیں نذر آتش کر دی۔ اگلے روز ہلاک ہونے والوں کی تعداد 17 تک پہنچ گئی۔

6 مارچ — ڈاکٹروں کا مطالبہ

صوبائی حکومت نے درجہ دوم کے تمام ڈاکٹروں کو درجہ اول جونیئر دینے کا اعلان کیا۔

7 مارچ — مجلس عمل کی آئینی کمیٹی

جمہوری مجلس عمل نے آئینی مسائل پر متفقہ فارمولہ مرتب کرنے کے لئے نو ارکان پر مشتمل کمیٹی قائم کر دی

7-8 مارچ — راولپنڈی میں جلوس اور فائرنگ

راولپنڈی میں مزدوروں نے ایک بہت بڑا جلوس نکالا۔ طالب علم راہنما طارق علی کی سرکردگی میں ایک بہت بڑا جلوس نکلا۔ حکومتی پارٹی کے کچھ لوگوں نے مزدوروں کے جلوس پر فائرنگ کر دی۔ جس سے متعدد افراد مجروح ہو گئے۔ پولیس نے پانچ افراد کو گرفتار کر لیا۔ 8 مارچ کو بھی راولپنڈی میں زبردست ہڑتال کی گئی۔ مزدوروں نے ہر جگہ کام بند رکھا۔ پی آئی اے کے عملے نے بھی بارہ گھنٹے ہڑتال کی۔

7 مارچ — قاسم بھٹی چل بسا

بدنام اسمگلر قاسم بھٹی چل بسا

7 مارچ — گول میز کانفرنس کے فیصلے قبول نہیں کریں گے: بھٹو

بھٹو نے لاہور میں ایک خطاب میں کہا کہ گول میز کانفرنس کے فیصلوں کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

8 مارچ — بھٹو کا بہاولپور کے جلسے عام سے خطاب

بہاولپور میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ گول میز کانفرنس میں آئینی مسائل حل نہیں ہو سکیں گے اور جب تک صدر ایوب مستعفی نہیں ہوتے وہ گول میز کانفرنس میں شرکت نہیں کریں گے۔

8 مارچ — آئینی کمیٹی کی سفارشات

جمہوری مجلس عمل کی آئینی کمیٹی نے ون یونٹ توڑنے کی سفارش کر دی۔ پارلیمانی نظام کے تحت صوبوں کے اختیارات میں اضافہ پر بھی اتفاق رائے ہو گیا۔

8مارچ۔۔۔ہڑتالیں اور مظاہرے

لاہور میں پوسٹ مینوں کی ہڑتال کے باعث فوج کی مدد سے ڈاک تقسیم کی گئی۔ راولپنڈی میں مزدوروں کی ہڑتال کی وجہ سے پی آئی اے کی پروازیں معطل ہوئیں۔ کراچی میں مشتعل طلباء کے حملے کے سبب کرکٹ ٹیسٹ میچ ملتوی کر دیا گیا۔

9مارچ۔۔۔بھاشانی کالاہور میں جلسہ عام سے خطاب

مولانا بھاشانی نے لاہور کے موچی دروازے میں ایک جلسہ عام سے خطاب کیا۔ رجعت جماعتوں کے ایک ٹولے نے جلسے کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی اور ہنگامہ برپا کیا۔

10مارچ۔۔۔گول میز کانفرنس کا آغاز

چنانچہ جب 10 مارچ 1969ء کو گول میز کانفرنس شروع ہوئی تو کانفرنس کی عام فضا کچھ زیادہ خوشگوار اور حوصلہ افزانہ تھی اور اپوزیشن ارکان کے چہروں پر تذبذب اور بد دلی کے آثار نمایاں تھے۔ صدر ایوب کے چہرے پر بھی افسردگی چھائی ہوئی تھی۔ وہ بوجھل قدموں کے ساتھ کانفرنس روم میں داخل ہوئے۔ اس کانفرنس میں سب سے دلچسپ وہ مکالمہ تھا جو صدر ایوب اور شیخ مجیب الرحمان کے درمیان ہوا۔ یہ مکالمہ حسب ذیل تھا۔

صدر ایوب: مشرقی پاکستان میں ایک غیر ملک سے شرارت پسند لوگ ہزاروں کی تعداد میں داخل ہو رہے ہیں اور وہاں رائفلیں سستے داموں فروخت کی جارہی ہیں۔

شیخ مجیب الرحمان: میں اس بات کی تردید کرتا ہوں کہ مشرقی پاکستان میں غیر ملکی داخل ہوئے ہیں اور وہاں اسلحہ تقسیم کیا جارہا ہے۔

صدر ایوب: میرے ذرائع اطلاعات مصدقہ ہیں اور حقائق پر مبنی ہیں۔

شیخ مجیب الرحمان: میں نے کل ڈھاکہ ٹیلیفون کیا تھا اور وہاں سے مجھے پتہ چلا تھا کہ آپ کی جماعت کنونشن لیگ کے لوگ یہ پراپیگنڈہ کر رہے ہیں اور آپ کو غلط اطلاعات پہنچا رہے ہیں۔

صدر ایوب: ڈھاکہ میں کنونشن لیگ کے لیڈروں کے مکانات کو جلایا جا رہا ہے تو کیا وہ خود ہی یہ آگ لگا رہے ہیں۔

نواب زادہ نصراللہ خان نے اردو میں کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مندرجہ ذیل مطالبات پیش کئے۔

1- وفاقی پارلیمانی نظام کی بحالی

2- براہ راست اور بالغ رائے دہی کی بنیاد پر عام انتخابات

3- صوبائی خود مختاری

نواب زادہ نصراللہ خاں کے بعد شیخ مجیب الرحمان کو اجلاس سے خطاب کرنا تھا۔ انہوں نے اپنی لکھی ہوئی تقریر کی نقول ممبروں میں تقسیم کیں۔ ان کی تقریر کی خاص خاص باتیں مندرجہ ذیل ہیں۔(الف) وفاقی پارلیمانی جمہوریت کا قیام۔

(ب) بلاواسطہ 'بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات۔

انہوں نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ مندرجہ ذیل امور پر بھی کمیٹی کے ارکان کے درمیان اتفاق رائے موجود ہے۔

(الف) ون یونٹ کا خاتمہ 'اور مغربی پاکستان میں سب فیڈریشن کا قیام۔

(ب) صوبوں کو مکمل علاقائی خود مختاری کی ضمانت دی جائے۔

انہوں نے آبادی کی بنیاد پر نمائندگی اور علیحدہ کرنسی کے حق میں دلائل دیئے۔ جب شیخ مجیب الرحمان اپنی تقریر میں علیحدہ کرنسی کے مسئلے پر پہنچے اور کہا کہ سرمایہ کی منتقلی روکنے کے لئے دو علیحدہ کرنسی ازبس ضروری ہے یا دو فیڈرل بنک ہونا چاہئیں تو فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے مندرجہ ذیل سوالات پوچھے۔

محمد ایوب: کیا اس نوعیت کا وفاق 'وفاق کہلائے گا یا یہ کنفیڈریشن ہو گا

مجیب الرحمان: میں اسے فیڈریشن کہوں گا۔

محمد ایوب خان: ٹیکسوں کے بارے کیا ہو گا۔

مجیب الرحمٰن: وفاقی حکومتیں' صوبائی حکومت کو احکامات صادر کریں گی کہ وہ روپے بھیجئے۔

محمد ایوب خاں: اس کا تو مطلب امداد ہو گا۔

اس کے بعد شیخ مجیب الرحمٰن نے اپنی تقریر مکمل کی اور چودھری محمد علی نے اپنی تقریر کا آغاز کرتے ہوئے کہا گول میز کانفرنس میں صرف دو متفقہ مطالبات اور پارلیمانی جمہوریت کی بحالی کے لئے شروع ہوئی تھی۔ جو صدارتی نظام کی نسبت ملک کے مزاج کے عین مطابق ہے۔ اس وقت ملک میں دو صوبے ہیں اور اسے وفاقی طرز حکومت کے ماتحت ہونا چاہیے۔ اس لئے بلاواسطہ 'بالغ رائے دہی کی بنیاد پر عام انتخابات کے ساتھ موجودہ دستور کو وفاقی پارلیمانی نظام میں تبدیل کر دینا چاہیے۔ فیلڈ مارشل ایوب خاں نے ان سے مندرجہ ذیل سوالات پوچھے۔

محمد ایوب خان: کیا پارلیمانی طرز حکومت متزلزل نہیں رہا اور کیا آپ نے اس پر غور و فکر نہیں کیا کہ پاکستان میں یہ مستقل ناپائیدار اور غیر مستحکم ثابت ہوا۔

چودھری محمد علی: سیاسی پارٹیوں کا قانون' قانون سازی کا ایک کار آمد

حصہ ہے' اس میں مزید قانونی دفعات شامل کی جاسکتی ہیں جس کے بعد ایک مرتبہ جمہوری طور پر منتخب ہونے والی مجلس عاملہ کو دوبارہ ہٹانا ایک انتہائی مشکل کام ہو گا۔ مثال کے طور پر مغربی جرمنی اور سوئزرلینڈ کے دستور میں اس قسم کی قانونی دفعات موجود ہیں۔ جن کے مطابق وزیراعظم کو ہٹانے سے قبل اس کے قائم مقام کی نشاندہی ضروری ہے اور عدم اعتماد کی تحریک قائمقام وزیراعظم کا نام ظاہر کرنے کے بعد ہی ایوان میں پیش کی جاسکتی ہے۔ مثال کے طور پر سوئزرلینڈ میں منتخب شدہ مجلس کو دو تہائی اکثریت کے ووٹوں کے بغیر نہیں ہٹایا جاسکتا۔

چودھری محمد علی کے بعد خان نے بڑی احتیاط اور اعتدال کے ساتھ اپنی تقریر شروع کی اور اپنے مقصد کو پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا۔

ولی خان: میرا طریق استدلال خالصتاً" سیاسی ہے۔ مشرقی پاکستان میں یہ عام تاثر ہے کہ انہیں ان کے حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے۔ سندھ' بلوچستان اور سرحد میں بھی یہ بات محسوس کی جاتی ہے کہ پنجاب ان کا استحصال کر رہا ہے۔ ہمیں عوام کے اندر اشتراک عمل کا احساس پیدا کرنا ہو گا۔ ہمیں ایک ایسا دستور بنانا ہو گا جو عوام میں یکجہتی کا شعور بیدار کر دے۔ ہم لوگ خانہ جنگی کی جانب گامزن ہیں۔ ایسے عناصر موجود ہیں جو انتشار برپا کر کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہتے ہیں۔ میں اس بات پر زور دے کر کہوں گا کہ ون یونٹ کو فوری طور پر ختم کیا جائے ساتھ ہی ایسے تمام مسائل بشمول آبادی کی بنیاد پر نمائندگی کے سوال پر فوراً اور مستقل فیصلہ کیا جائے۔ اگر ہم نے ان مسائل کو آئندہ انتخابات پر چھوڑ دیا تو اس سے ہمیں نقصان کا خطرہ ہے۔

مفتی محمود: (انہوں نے اردو میں کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ) مندرجہ ذیل وجوہ سے ملک کے حالات خراب ہوئے ہیں۔

(I) کچھ لوگ اس بات سے برہم ہیں کہ انہیں بنیادی حقوق سے محروم کر دیا گیا ہے۔

(II) طلباء کے مطالبات جائز ہیں اور وہ تکلیف دہ حالات کا شکار ہیں۔

(III) اقتصادی مسائل سنگین ہو چکے ہیں۔

(IV) مذہبی جذبات "مسلم فیملی لاء آرڈیننس" جیسے قوانین کی وجہ سے مجروح ہو رہے ہیں۔ ہم نے ابھی تک اس کا فیصلہ نہیں کیا ہے کہ یہ ملک اسلامی ہو گا یا سیکولر' ہمیں عوام کو یقین دہانی کرانی ہو گی کہ یہ ملک ایک اسلامی ملک ہو گا اور اس کے لئے دستور کو 22 نکات (1951ء میں تمام مکاتب فکر کے علماء نے مل کر ایک دستور تیار کیا تھا) کی بنیاد پر تیار کرنا ہو گا۔ ایک مسلمان کی تعریف بھی پیش کرنی ہو گی۔

ٹرسٹ کے اخباروں سے شکایات

مفتی محمود کے بعد مولوی فرید احمد نمودار ہوئے' وہ جذباتی نظر آرہے تھے۔ انہوں نے اپنے گلے میں تبرک لپیٹ رکھا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ وہ سیہون شریف سے آیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ غفلت اور لاپرواہی کی وجہ سے گول میز کانفرنس کا مقدمہ پانی میں ڈوبنے کے قریب ہے۔ آپ کے اخبارات مسٹر بھٹو کو زیادہ پبلسٹی دے رہے ہیں جب کہ وہ آپ سے استعفیٰ کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو کیا حالات پیدا ہوں گے۔ اس کا مطلب ہو گا کہ تین ماہ کے اندر اندر' انتخابات' اور یہ کس طرح ممکن ہو گا۔ ان دنوں جب کہ ہم لوگ دستوری مسائل سلجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اخبارات ہم سے تعاون نہیں کر رہے ہیں اور وہ کچھ اس قسم کے تاثرات پیش کر رہے ہیں کہ اگر گول میز کانفرنس جاری رہی تو اس سے نقصان ہو گا۔

پروفیسر مظفر: شیخ مجیب الرحمان مشرقی پاکستان کے لیڈر ہیں۔ ہر ملک کی کچھ اپنی خصوصیات ہوتی ہیں اور ہمارے پاکستان کی بھی کچھ خصوصیات ہیں۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے مشرقی پاکستان کی نمائندگی کی ہے۔ ان کے بیان میں اضافہ کرتے ہوئے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کر رہا ہوں۔

(I) سیاسی کارکنوں کے خلاف جاری کردہ وارنٹ منسوخ کئے جائیں۔

(II) کالے قوانین ختم کئے جائیں۔

(III) پریس ٹرسٹ توڑ دیا جائے۔

(IV) پاکستان ٹائمز کو اس کے اصل مالک کے حوالے کیا جائے۔

اصغر خان: لاء اینڈ آرڈر کی حالت خطرناک ہے اور میں اس سے پریشان ہوں۔ آپ (صدر ایوب) کا انتخاب نہ لڑنے کا فیصلہ صحیح ہے۔ عوام میں یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ آپ کے گرد کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو آپ کو صدارت پر قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ میری تجویز ہے کہ ایک نئی حکومت بنائی جائے اور جس میں ایسے افراد شامل کئے جائیں جنہیں عوام کا اعتماد حاصل ہو۔ گورنروں کو تبدیل کیا جائے۔ خاص طور پر مشرقی پاکستان کے گورنر کو ہٹایا جائے کیونکہ وہ موجودہ خلفشار کے ذمہ دار ہیں۔

محمد ایوب خان: یہ غلط ہے۔ ہم لوگ حتی الامکان اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ گول میز کانفرنس کی کارروائی میں کسی قسم کی مداخلت نہ ہونے پائے۔

مجیب الرحمٰن: نہیں جناب' آپ کی مشینری انتشار کو ہوا دے رہی ہے۔

محمد ایوب خان: اس صورت حال میں چند چیزیں میں تفصیل کے ساتھ بیان کروں گا۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ ملک دشمن عناصر بڑی تعداد میں مشرقی پاکستان میں گھس آئے ہیں۔

جسٹس مرشد: شیخ مجیب الرحمٰن مشرقی پاکستان کے عوام کی آواز ہیں۔ شیخ مجیب الرحمٰن اور ولی خان نے جو کچھ کہا ہے ہمیں اس پر انتہائی سنجیدگی سے غور کرنا ہو گا۔

گول میز کانفرنس اگلے دن بھی جاری رہی اور بے نتیجہ ثابت ہوئی۔

اس کانفرنس میں ذوالفقار علی بھٹو اور عبدالحمید بھاشانی نے سرے سے شرکت ہی نہیں کی تھی۔ جب اصغر خان کو پتہ چلا کہ بھٹو کانفرنس میں شرکت نہیں کر رہے تو وہ بھٹو کے پاس انہیں رضامند کرنے کے لئے گئے۔ بھٹو کا جواب بڑا دلچسپ تھا۔ انہوں نے کہا کہ انہیں مولانا بھاشانی نے مشورہ دیا ہے کہ کانفرنس میں جانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اگر ایوب خان سیاسی جماعتوں کو کوئی رعایت دیتے ہیں تو اس کا فائدہ ان جماعتوں کو بھی ہو گا جو کانفرنس میں شریک نہیں ہیں۔

13 مارچ۔۔۔ مجیب جمہوری مجلس عمل سے الگ ہو گئے۔

مجیب نے جمہوری مجلس عمل سے علیحدگی اختیار کر لی انہوں نے مجلس کے ساتھیوں پر الزام لگایا کہ وہ ان کے مطالبات کی حمایت کرنے میں ناکام رہے تھے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ صدر ایوب نے صوبائی خود مختاری کی بات نہیں مانی تھی۔

13 مارچ۔۔۔ جمہوری مجلس عمل توڑ دی گئی۔

نوابزادہ نصراللہ خان نے جمہوری مجلس عمل کو توڑنے کا اعلان کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ مجلس اپنا "مشن" پورا کر چکی ہے۔

13 مارچ۔۔۔ ایوب خان نے پارلیمانی طرز حکومت کا اصول تسلیم کر لیا

ایوب خان نے اعلان کیا کہ وہ پارلیمانی طرز حکومت اور بالغ رائے دہی کی بنیاد پر براہ راست انتخابات کا اصول تسلیم کر لیں گے۔ البتہ انہوں نے ون یونٹ توڑنے اور مشرقی پاکستان کو خود مختاری دینے سے انکار کر دیا۔

13 مارچ۔۔۔ اصغر خان نے جسٹس پارٹی کے قیام کا اعلان کر دیا

ایئر مارشل اصغر خان، جو ایک روز قبل گول میز کانفرنس سے واک آؤٹ کر گئے تھے، نے جسٹس پارٹی قائم کرنے کا اعلان کر دیا۔

15 مارچ۔۔۔ یوسف ہارون مغربی پاکستان کے نئے گورنر مقرر ہو گئے

یوسف ہارون کو، جنرل موسیٰ کی جگہ مغربی پاکستان کا نیا گورنر مقرر کر دیا گیا۔

15 مارچ۔۔۔ مولانا بھاشانی پر حملہ

ساہیوال ریلوے سٹیشن پر ایک ٹرین میں مولانا بھاشانی پر حملہ کیا گیا جس سے وہ زخمی ہو گئے۔

15 مارچ۔۔۔ دس لاکھ سے زائد کارکنوں کی ہڑتال

مزدوروں، ڈاکٹروں، وکلاء، اساتذہ، پوسٹ مینوں اور دوسرے شعبوں سے تعلق رکھنے والے دس لاکھ سے زائد کارکنوں نے ہڑتال کر دی۔

16 مارچ۔۔۔ پیپلز پارٹی اور نیشنل عوامی پارٹی کا اتحاد

ہفت روزہ نصرت (16 مارچ) نے اطلاع دی کہ اس ہفتے پاکستان پیپلز پارٹی اور نیشنل عوامی پارٹی کے درمیان اتحاد ہو گیا۔

مولانا عبدالحمید بھاشانی اور چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کے مارچ 1968ء کے مشترکہ بیان اور سامراجی حکومت کے خلاف عوامی عظیم الشان جدوجہد کو مد نظر رکھتے ہوئے گیارہ نکاتی پروگرام اور پاکستان پیپلز پارٹی کے اسلام جمہوریت و سوشلزم پر مبنی اصولوں کی روشنی میں پاکستان پیپلز پارٹی اور نیشنل عوامی پارٹی کے درمیان مندرجہ ذیل تین نکات پر مشتمل اشتراک عمل کا معاہدہ ہوا۔

(1) دونوں صوبوں میں عوامی جمہوریت کا قیام۔
(2) نظریہ پاکستان کے مطابق سوشلزم کا قیام۔
(3) بیرونی مداخلت کا خاتمہ، نو آبادیاتی و سامراجی نظام کی مخالفت، سیٹو سینٹو اور دیگر تمام فوجی معاہدوں سے علیحدگی، پشاور کے قریب امریکی فوجی اڈے کا خاتمہ

اسی ہفتے پاکستان پیپلز پارٹی، پاکستان اسلام لیگ اور خاکسار تحریک کے رہنماؤں نے بھی ایک معاہدے پر دستخط کر دیئے۔ ان کے درمیان مندرجہ ذیل اصولوں کے تحت اشتراک عمل کا معاہدہ ہوا ہے۔

(1) پاکستان میں اسلام کے حریت پسندانہ اور اقتصادی اصولوں کی ترویج۔
(2) پاکستان سے سرمایہ داری اور جاگیرداری کا خاتمہ اور اسلامی اجتماعیت اور مساوات پر مبنی نظام کا نفوذ۔
(3) عالم اسلام کی ترقی پسند طاقتوں کے ساتھ اتحاد۔
(4) سامراج کی ہر صورت کا مقابلہ، سیٹو اور سینٹو جیسے معاہدوں کی تنسیخ۔
(5) 18 سال تک کی عمر کے لحاظ سے حق خود ارادیت۔
(6) ہر صحیح البدن پاکستانی کے لئے فوجی تربیت کا انتظام اور عوامی فوج کی تشکیل۔
(7) تعلیمی نظام اور اداروں کی آزادی اور یکسانیت کم از کم میٹرک تک مفت تعلیم کی کوشش۔
(8) نوکر شاہی کی تمام غلط روایات کا خاتمہ، رشوت ستانی، کنبہ پروری، اور لوٹ کھسوٹ کا خاتمہ
(9) سرکاری زمینوں کی غیر مالک کاشت کاروں میں تقسیم۔

(10) ناجائز طور پر دولت جمع کرنے والوں اور اختیار کا غلط استعمال کرنے والوں کا محاسبہ

(11) اقتدار میں عوام اور غریب طبقوں کی زیادہ سے زیادہ شرکت۔ یہاں تک کہ اسلام کے اصولوں کے مطابق پاکستان ایک غیر طبقاتی معاشرے میں ڈھل جائے۔

دستخط
محمد سرفراز خاں
سربراہ ادارہ عالیہ خاکسار تحریک

دستخط
حبیب اللہ سعدی
صدر پاکستان اسلام لیگ

دستخط
ذوالفقار علی بھٹو
چیئرمین پاکستان پیپلز پارٹی

17 مارچ — 25 لاکھ مزدوروں کی ہڑتال اور مظاہرے

پورے مغربی پاکستان میں ہڑتالیں اور مظاہرے شدت اختیار کر گئے جن میں 25 لاکھ مزدوروں نے حصہ لیا۔

17 مارچ — بھاشانی پر حملے کے خلاف مشرقی پاکستان میں عام ہڑتال

ساہیوال میں بھاشانی پر حملے کے خلاف مشرقی پاکستان میں عام ہڑتال ہوئی۔

17 مارچ — مشرقی پاکستان کو فوج اور اسلحہ کی روانگی

حکومت نے ان اطلاعات کی تصدیق کر دی کہ فوجیوں، ٹینکوں اور اسلحہ سے بھرے ہوئے جہاز مشرقی پاکستان روانہ کئے گئے ہیں۔

17 مارچ — متحدہ ہو کر موجودہ نظام کو ختم کر دیں: بھٹو

ذوالفقار علی بھٹو نے بائیں بازو کی تمام جماعتوں سے اپیل کی کہ وہ متحد ہو کر موجودہ نظام کو ختم کر دیں۔

19 مارچ — کے پی ٹی میں تصادم

کراچی پورٹ ٹرسٹ کے مزدوروں میں تصادم کے نتیجے میں ایک مزدور ہلاک اور کئی زخمی ہو گئے۔

20 مارچ — یوسف ہارون نے گورنر کا عہدہ سنبھال لیا

یوسف ہارون نے مغربی پاکستان کے گورنر کا عہدہ سنبھال لیا۔

20 مارچ — قیوم مسلم لیگ کا قیام

خان عبدالقیوم خان نے کونسل اور کنونشن لیگ کے بعد تیسری مسلم لیگ کا اعلان کر دیا جسے پریس میں قیوم مسلم لیگ کا نام دیا گیا۔

21 مارچ — ایوب خان نیا فوجی انقلاب لا رہے ہیں: بھٹو

پیپلز پارٹی کے رہنما ذوالفقار علی بھٹو نے صدر ایوب پر الزام لگایا کہ وہ ایک نیا فوجی انقلاب لانے کی سازش کر رہے ہیں۔

21-22 مارچ — ایم این ہدیٰ مشرقی پاکستان کے گورنر مقرر ہو گئے

ایم این ہدیٰ کو منعم خان کی جگہ مشرقی پاکستان کا نیا گورنر مقرر کر دیا گیا۔ 22 مارچ کو انہوں نے اپنے عہدے کا حلف اٹھا لیا۔

24 مارچ — مجیب علیحدہ کرنسی کے مطالبے سے دستبردار

عوامی لیگ کے رہنما شیخ مجیب الرحمان مشرقی اور مغربی پاکستان کے لئے الگ الگ کرنسی کے مطالبے سے دستبردار ہو گئے۔

24 مارچ — ایوب خان کی یحییٰ خان سے اپیل

یحیی خان کے نام اپنی مکمل ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے ایوب خان نے ان سے اپیل کی کہ یحییٰ پاکستان کی مسلح افواج کے ساتھ مل کر پاکستان کو ٹوٹنے سے بچالیں۔

24 مارچ — امن و امان کی ضرورت

گورنر مغربی پاکستان مسٹر یوسف ہارون نے کہا کہ آزادانہ اور مصفانہ انتخابات کے لئے امن و امان نہایت ضروری ہے۔

24 مارچ — مجیب کی دستبرداری

مجیب الرحمان مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے لئے علیحدہ کرنسی کے مطالبے سے دستبردار ہو گئے۔

25 مارچ — صدر ایوب کا استعفیٰ

ملک جب خانہ جنگی کا شکار ہو گیا اور صورت حال سنگین ہو گئی تو صدر

ایوب نے محسوس کر لیا کہ اب ان حالات پر قابو پانا ان کے بس کا روگ نہیں رہا۔ 25 مارچ 69ء بروز منگل بوقت شام 7 بجے صدر ایوب نے پاکستان کے مرد آہن اور ناخدا ہونے کا اعزاز 10 سال 4 ماہ اور 29 دن بعد بسرو چشم خود ہی چھوڑ دیا۔ صدر ایوب کی آخری تقریر کا عکس "میرے عزیز ہم وطنو میں بحیثیت صدر آج آخری مرتبہ مخاطب ہوں۔ ملک میں صورت حال تیزی سے ابتر ہوتی جا رہی ہے۔ ملک کے نظم و نسق کے اداروں کو مفلوج کیا جا رہا ہے۔ ملک کی معیشت مفلوج ہو کر رہ گئی ہے' سیاسی لیڈروں کی جانب سے کہا جا رہا ہے کہ ملک کو دو حصوں میں بانٹ دیا جائے۔ مرکز کو بے اختیار اور غیر موثر بنا کر رکھ دیا جائے۔ دفاعی افواج کو بھی مفلوج کر دیا جائے۔ مغربی پاکستان کی وحدت کو ختم کر دیا جائے۔ لیکن میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ میں اپنے ہاتھوں سے اس ملک کو برباد کروں اور بے کار صدر بن کر بیٹھا رہوں۔ ملک کی سالمیت مجھ سے زیادہ مقدم ہے۔ اس لئے میں الگ ہو رہا ہوں۔"

25 مارچ ـــ مارشل لاء لگا دیا گیا

ایوب خان نے اقتدار یحییٰ کے حوالے کر دیا۔ یحییٰ خان چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر مقرر ہوئے۔ یحییٰ خان کے اقتدار سنبھالتے ہی مرکزی اور صوبائی اسمبلیاں اور وزارتیں توڑ دیں اور سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی گئی۔ جنرل عبدالحمید خان۔ وائس ایڈمرل ایس ایم حسن' ائر مارشل نور خان نے اپنے موجودہ عہدوں کے علاوہ نائب ناظمین اعلیٰ مارشل لاء کے اختیارات بھی سنبھال لئے بعد ازاں انہیں انتظامی کونسل کا رکن بنا لیا گیا۔ جنرل عتیق الرحمان کو مغربی پاکستان اور جنرل مظفر الدین کو مشرقی پاکستان کا گورنر مقرر کر دیا گیا۔

دوسرا حصہ

خصوصی مقالات

سیاست دانوں کی بدعنوانیاں اور جبری نااہلیاں

7 اکتوبر 58ء کی رات ساڑھے دس بجے صدر اسکندر مرزا نے مارشل لاء کے نفاذ کا اعلان کیا اس کے پہلا اور فوری رد عمل خوشگوار نہیں تھا۔ لیکن فوجی ٹولے نے جلد ہی ایسی کارروائیوں کا آغاز کر دیا جس سے عوام نے سکھ کا سانس لیا۔ مارشل لاء کے نفاذ کا صدارتی اعلان سیاستدانوں کے خلاف ایک طرح کا وائٹ پیپر تھا۔ اعلان میں صاف لفظوں میں کہا گیا کہ سیاستدانوں نے ملک کو تباہی کے کنارے تک پہنچا دیا تھا۔ اسکندر مرزا کے بقول اقتدار کے لئے بے تحاشا رسہ کشی جاری تھی' بدعنوانیاں تھیں۔ سادہ' نیک' محب وطن اور محنت کش عوام سے بے شرمی کے ساتھ ناجائز فائدہ اٹھایا جا رہا تھا۔ شائستگی کا فقدان تھا اور اسلام سیاسی مقاصد کے لئے استعمال ہو رہا تھا۔ اس صدارتی اعلان میں چند ایک دلچسپ پہلو قابل غور تھے۔ اسکندر مرزا نے اس فرمان کے ذریعے ملک پر پہلی فوجی آمریت مسلط کی تھی لیکن وہ سیاستدانوں کو مورد الزام ٹھہراتے ہوئے کہہ رہا تھا " ان مذموم حرکتوں کا نتیجہ پست ترین درجے کی آمریت کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اہل ہوس اور اہل غرض' عوام کو نقصان پہنچا کر ناجائز فائدہ حاصل کرتے رہے اور اپنی بدکرداریوں کی بدولت زیادہ دولت مند ہوتے گئے۔"

صدر اسکندر مرزا کا خیال تھا کہ ان کی مسلسل کوششوں کے باوجود غذائی مسئلے کو حل کرنے کی کوئی حقیقی کوشش نہیں کی گئی۔..... زراعت اور نظام اراضی کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا جاتا رہا۔ دوسری طرف مشرقی پاکستان میں اسمگلر بڑے منظم طریقے سے غلہ' ادویات اور دوسری ضروریات زندگی سرحد پار پہنچا رہے تھے۔

صدر نے سیاستدانوں کی طرف سے خونی انقلاب کی دھمکیوں اور مشرقی پاکستان میں اسمبلی میں ڈپٹی سپیکر کے قتل کا ذکر کرتے ہوئے اپنی اصل خلش کا اظہار کر دیا یعنی قومی سطح پر عنقریب منعقد ہونے والے پہلے عام انتخابات:۔

"سیاسی جماعتوں کی ذہنیت اتنی پست ہو گئی ہے کہ مجھے اس بات کا کوئی بھروسہ نہیں رہا کہ انتخابات ملک کے موجودہ داخلی انتشار کو سدھار سکتے ہیں یا ان کے ذریعے ایک ایسی مضبوط اور مستحکم حکومت بنائی جا سکتی ہے جو ان بے شمار پیچیدہ مسائل کو حل کر سکے جو ہمیں درپیش ہیں۔ آسمان سے نئے لوگ اتر کر نہ آئیں گے وہی گروہ جس نے پاکستان کو تباہی کے کنارے پر لا کھڑا کیا ہے' انتخابات کو محض اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کرے گا بلکہ یہ لوگ بڑے انتقامی جذبے کے ساتھ دوبارہ برسراقتدار آئیں گے تو انہی طریقوں کو استعمال کریں گے۔ جنہوں نے جمہوریت کو ایک ڈھونگ' ایک المناک تماشا بنا کر رکھ دیا ہے اور جو دراصل ہر طرف پھیلی ہوئی حرماں زدگی کا باعث ہیں۔ بدلتی ہوئی وفاداریوں اور کرسیوں کے لئے مچی ہوئی افراتفری کے پیش نظر مجھے اس امر کا یقین ہے کہ انتظامیہ خواہ کتنی بھی کوشش کرے انتخابات آزادانہ اور منصفانہ ہوں گے۔ انتخابات ہماری مشکلات کو حل نہ کریں گے اس کے برعکس زیادہ بددلی اور مشکلات پیدا کریں گے جو آخر میں ایک خونریز انقلاب کی طرف لے جائیں گے۔ حال ہی میں کراچی کارپوریشن کے انتخابات ہوئے تھے پورے حلقے سے صرف بیس فیصد ووٹ ڈالے گئے اور ان میں سے تقریبا 50 فیصد ووٹ جعلی تھے۔.... (6)

یہ مملکت کا سربراہ کہہ رہا تھا کہ آزادانہ اور منصفانہ انتخابات نہیں ہو سکتے ایک ایسا صدر مملکت جس کے پاس ہر طرح کے اختیارات تھے اور جس کے پاس مسلح افواج کے کمانڈر انچیف کی تائید اور امداد موجود تھی یہ درست ہے کہ سیاستدانوں کی بدعنوانیاں زدعام تھیں اور انہوں نے کوئی قابل قدر کردار ادا نہیں کیا تھا مارشل لاء انہیں ان کی بدعنوانیوں سے روکنے کے لئے مسلط نہیں کیا گیا تھا الیکشن کے خلاف اس تمام واویلا کا ایک ہی مطلب تھا کہ صدر مملکت کو انتخابات میں اپنی کامیابی کا یقین نہیں ہے۔

ملک کی داخلی صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد صدر مملکت اس بھیانک نتیجے پر پہنچے تھے کہ عوام کی اکثریت کا اعتبار پارلیمانی طرز حکومت سے بالکل اٹھ گیا تھا اور وہ روز بروز اس کی طرف سے ناامید ہوتے جا رہے تھے ان کو جس طرح جبر و استحصال کا نشانہ بنایا جا رہا تھا اس کی بناء پر ان میں خطرناک حد تک تلخی پیدا ہو گئی تھی سیاسی رہنماؤں نے ان کی خدمت کا حق ادا نہیں کیا تھا۔ عوام نے ان پر جس اعتماد کا اظہار کیا تھا وہ اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت نہیں کر سکے تھے۔

صدر نے 23 مارچ 1956ء کو نافذ کئے جانے والے پاکستان کے پہلے آئین کو ناقابل عمل قرار دیتے ہوئے بتایا کہ اس میں مصلحتیں ہی مصلحتیں تھیں اور جو اتنی خطرناک تھیں کہ اس سے پوری قوم بکھر کر رہ جاتی۔ اسکندر مرزا نے شاندار الفاظ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا:۔

"..... آئین ایک مقدس چیز ہے لیکن آئین اور ہر دوسری چیز سے مقدس ملک اور اس کے عوام کی خوشحالی اور بہبود ہے۔ سربراہ مملکت کی حیثیت سے خدا اور عوام کے روبرو میرا اولین فریضہ پاکستان کی سالمیت ہے۔ اسے غداروں اور سیاسی زمانہ سازوں کی بے دردی سے سخت خطرہ لاحق ہے۔ جن کی خود غرضی' ہوس اقتدار اور غیر محب وطن رویئے کو روکنا موجودہ نظام کے تحت قائم ہونے والی حکومت سے ممکن نہیں۔ نہ میں ملک کو تباہ کرنے کی کوششوں کو ایک تماشائی کی حیثیت سے دیکھنا گوارہ کر سکتا ہوں....."

چنانچہ فوج اور اسکندر مرزا نے 1956ء کا آئین منسوخ کر دیا' مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو فوری طور پر برطرف کر دیا قومی پارلیمینٹ اور صوبائی اسمبلیوں کو توڑ دیا' تمام سیاسی جماعتوں کو ختم کر دیا اور متبادل انتظامات تک

مارشل لاء کے قائم رہنے کی نوید سنائی۔ صدر نے فوج سے کہا:۔

"..... تمہاری ہی خدمت پر اس بات کا دارومدار ہے کہ پاکستان بحیثیت ایک آزاد قوم کے برقرار رہے اور آزاد دنیا (!) کے اس علاقے میں ایک مضبوط قلعے کی حیثیت سے قائم رہے۔ بلاخوف و خطر اور بلا رورعایت اپنا فرض ادا کیجئے....."

چنانچہ فوج نے اپنا فرض ادا کرنا شروع کر دیا اور اسی فرض کی ادائیگی کے دوران بیس دن کے اندر اندر خود صدر اسکندر مرزا کو نکال باہر کیا۔ مکافات عمل کا یہ ایک دلچسپ مظاہرہ تھا۔ صدر کے اعلان کا آخری جملہ تھا "جہاں تک غداروں کا تعلق ہے بہتر ہو گا کہ موقع پائیں تو ملک سے بھاگ جائیں ۔ .....(7)

اس وقت صدر نے سوچا بھی نہ ہو گا کہ ان کی تقریر کی یہ پنچ لائن خود ان کے مقدر بننے والی تھی۔

مارشل لاء کا جواز پیش کرتے ہوئے جنرل محمد ایوب خان نے اپنی خود نوشت سوانح عمری میں سیاستدانوں کے بارے میں کہا تھا:۔

"..... ان میں سے ہر ایک نے اقتدار کی رسی کو جھپٹ کر پکڑ لیا تھا اور ایک آن کے لئے اجالے میں آکر جوڑ توڑ اور نااہلی کے اندھیرے میں جا پڑا تھا....."(8)

1957ء کے اواخر اور 1958ء کے آغاز میں مشرقی پاکستان میں اسمگلنگ کی روک تھام کے لئے فوج نے جس کلوز ڈور مہم کا آغاز کیا تھا اس میں بھی فوجیوں اور سیاستدانوں کے درمیان تعلقات کی نوعیت خوشگوار نہ تھی۔ فوج کا کہنا تھا کہ خود سیاستدان اس اسمگلنگ میں ملوث ہیں اور بدترین قسم کی کمزوری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں مشرقی پاکستان کے جی او سی میجر جنرل امراؤ خان نے ایک واقعہ بیان کیا ہے جس کی رو سے مسلم لیگی رہنما عبدالصبور خان بھی اسمگلنگ میں ملوث پائے گئے تھے۔ واقعہ کے مطابق ایک دن ایک سپاہی نے دریائے کھلنا میں پھولی ہوئی دو بوریاں دیکھیں۔ اس نے دریا میں چھلانگ لگائی اور وہ دونوں بوریاں نکال لایا۔ بوریاں کھلنا سے پرے دولت پور میں ایک پٹ سن کے کارخانے کی دستاویزات سے بھری ہوئی تھیں ان دستاویزات کے جائزے سے معلوم ہوا کہ کارخانے کے ہندو مالکوں نے بہت سا روپیہ اور پٹ سن بھارت کو سمگل کر دیا تھا جونہی ہندو مالکان کو پولیس کی اس کارکردگی کا علم ہوا وہ سب کے سب بھاگ کر کلکتہ چلے گئے۔ ایک فوجی عدالت نے (اس وقت تک مارشل لاء نافذ ہو چکا تھا) ان کی غیر حاضری میں مقدمہ کی سماعت کی جائیداد کی ضبطی کے علاوہ انہیں سزائیں بھی دیں۔ دوران سماعت یہ انکشاف ہوا کہ پٹ سن کے اس کارخانے میں 25 فیصد حصص عبدلصبور خان کے بھی تھے۔ چنانچہ انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا اور چھ ماہ کی سزا سنائی گئی۔ ابھی وہ قید بھگت رہا تھا کہ نورالامین، میجر جنرل امراؤ خان کے پاس گئے اور کہا کہ اگر عبدالصبور کی سزا میں کمی نہ کی گئی تو وہ سیاست میں حصہ نہیں لے سکیں گے۔ چنانچہ نہ صرف ان کی سزا میں تخفیف کر دی گئی بلکہ کارخانے کے ہندو مالکوں کی غیر حاضری میں کارخانہ بھی عبدالصبور خان کے حوالے کر دیا گیا اور یوں صبور خان کو یہ سزا خوب راس آئی۔

یہ بھی اوائل 1958ء کی بات ہے جب چندریگر کی جگہ سرفیروز خان پاکستان کے وزیراعظم بن چکے تھے امراؤ خان کے بقول ان کی وزارت عوامی لیگ کی حمایت کی محتاج تھی فیصلہ ہوا کہ جنوری 1958ء میں ڈھاکہ میں قومی اسمبلی کا اجلاس منعقد کیا جائے۔ درحقیقت یہ ساز باز ہندو لیڈریوں نے حسین شہید سہروردی کے ساتھ مل کر کی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ "بند دروازہ آپریشن" (آپریشن کلوز ڈور) کو یا تو قطعاً بند کر دیا جائے یا اسے اس حد تک نرم کر دیا جائے کہ یہ بالکل غیر مؤثر ہو جائے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے کسٹم ایکٹ میں ترمیم کی جائے تاکہ فوج سے اسمگلروں کو گرفتار کرنے کا اختیار واپس لے لیا جائے.....(10)

اس بات کی بھنک امراؤ خان کے کانوں میں بھی پڑ گئی۔ انہوں نے وزیراعظم کو سرحدی مقامات کا معائنہ کرایا تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے صورت حال دیکھ لیں۔ معائنے کے بعد وزیراعظم نے فوج کے کام کی تعریف کرتے ہوئے اسمگلروں کو سزائے موت دینے کی سفارش تک کر دی لیکن بقول امراؤ خان "یہ سب کچھ صرف نمائشی تھا درحقیقت فیروز خان نون سہروردی کے دباؤ میں آچکا تھا اور قانون میں ترمیم منظور کر چکا تھا مجھے یاد ہے کہ میری درخواست پر اس وقت کے صدر اسکندر مرزا نے آرمی چینل کے ذریعے وزیراعظم کو پیغام بھیجا تھا قانون میں کسی حالت میں بھی ترمیم نہ کی جائے ورنہ تم مغربی پاکستان میں عوام کا سامنا نہیں کر سکو گے اور ملک کو سخت نقصان پہنچاؤ گے۔ یہ تار بڑے سخت الفاظ میں تھا لیکن وزیراعظم پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ عوامی لیگ کے سامنے مجبور تھا اگلے ہی دن اسمبلی میں قانون میں اس طرح ترمیم کر دی گئی کہ فوج کو اسمگلروں اور چوربازاری کرنے والوں کی گرفتاری کے حق سے محروم کر دیا گیا اور اس طرح فوج غیر مؤثر ہو گئی".....(11)

ہو سکتا ہے کہ میجر جنرل امراؤ خان اسمگلنگ کی روک تھام میں مخلص ہوں اور وہ سچ مچ سیاستدانوں کی بدعنوانیوں کا قلع قمع کرنا چاہتے ہوں لیکن اس کا فیصلہ یکطرفہ بیانات کی روشنی میں نہیں کیا جا سکتا ایوب خان اور دوسرے کئی جرنیل سیاستدانوں کو اسی لئے مطعون کر رہے تھے کہ انہیں مارشل لاء کا جواز فراہم کرنا تھا وہ فوج کو غیر مؤثر ہوتا نہیں دیکھ سکتے تھے۔ آگے چل کر ہم دیکھتے ہیں کہ عبدالصبور خان جو اپنے جرم کا دستاویزی ثبوت رکھتے تھے۔ نورالامین کی سفارش پر چھوڑ دیئے گئے لیکن سہروردی اور شیخ مجیب الرحمان پر ہندوؤں کے آلۂ کار ہونے کا الزام عائد کر دیا گیا۔ اسکندر مرزا اور ایوب خان کی طرح میجر جنرل امراؤ خان کا بھی یہی دعویٰ تھا کہ اگر

1958ء میں پروگرام کے مطابق عام انتخابات منعقد ہوتے تو مشرقی پاکستان میں بہت خون خرابہ ہوتا' ایوب خان کی طرح وہ بھی ثبوت میں مشرقی پاکستان کے ڈپٹی سپیکر کا قتل پیش کرتے ہیں بہرحال مارشل لاء لگنے کے بعد یہی میجر جنرل امراؤ خان مشرقی پاکستان کے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر ہوئے۔

مارشل لاء کے نفاذ کے چند ماہ بعد جنوری 59ء میں ایوب خان نے دوسری بار مشرقی پاکستان کا دورہ کیا ان کے سیکرٹری قدرت اللہ شہاب اس دورے میں ان کے ساتھ تھے۔ اس دورے کے بعد انہوں نے ایوب خان کے لئے جو رپورٹ لکھی اس میں بھی سیاستدانوں کو کوسنے دیئے گئے تھے جبکہ مارشل لاء کی حمد و ثناء کی گئی تھی "مارشل لاء کے آغاز میں مشرقی پاکستان کے باشندوں کو وسواس تھا کہ مارش لاء کے پردے میں مغربی پاکستان پر مشتمل فوج کی اکثریت ایک فاتح فوج کا کردار ادا کرے گی تاہم فوج کے رویئے نے ان کے خدشات کو باطل اور بے بنیاد کر دکھایا ہے بلکہ اب مشرقی پاکستان میں عام شکایت ہے کہ فوجی دستوں نے بیرکوں میں واپس جانے میں دیر کیوں کی....." (12)

فوج کے بارے میں اس طرح کا عوامی رد عمل قدرت اللہ شہاب ہی بیان کر سکتے تھے اس رپورٹ میں انہوں نے سابق آئی جی پولیس اور مشرقی پاکستان کے گورنر ذاکر حسین پر سنگین الزامات عائد کئے جبکہ مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے جی او سی میجر جنرل امراؤ خان کو "ایک دلکش اور خوش طبع رہنما" بتایا۔ ان کے بقول "بنگالیوں میں آج کل مزاح کے طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ مشرقی پاکستان پر تین اشخاص حکومت کر رہے ہیں ایک امراؤ خان اور دوسرے اظفر (ایم اظفر' چیف سیکرٹری مشرقی پاکستان) اور تیسرا ذاکر حسین جن میں امراؤ خان بنگالی ہے...." (13)

رپورٹ کے مطابق گورنر کی شہرت خراب تھی۔ ان کے متعلق سنگین نوعیت کے الزمات سننے میں آئے مثلاً چٹاگانگ میں اس قسم کی گفتگو عام تھی کہ ذاکر حسین کے اپنے ذاتی مکان کے لئے نہ کوئی اپروچ روڈ تھی اور نہ بجلی مہیا تھی۔ چٹاگانگ میں صدر ایوب کو اپنے مکان میں ٹھہرانے کے بہانے اس نے پی ڈبلیو ڈی سے سرکاری خرچ پر سڑک بنوالی۔ ریلوے حکام کو مجبور کیا کہ بجلی مہیا کریں۔ سرکاری اداروں سے آس پاس کا جنگل صاف کروایا۔ گھر میں رنگ و روغن اور کئی قسم کے قیمتی الیکٹرک آلات نصب کروا لئے صدر ایوب کو سرکٹ ہاؤس میں قیام کرنا چاہئے تھا نہ کہ ذاکر حسین کے ذاتی مکان میں۔

چٹائیاں بیچنے والے ایک معمولی دکاندار نے قدرت اللہ شہاب کو بتایا کہ پیسورااما (ذاکر حسین کا ذاتی مکان) ایک غلیظ اور ناپاک مکان ہے۔ آپ مہربانی کر کے صدر ایوب کو بتا دیں کہ ان کے قیام کرنے سے اس مکان کی نوعیت بدل نہ جائے گی بلکہ صدر صاحب خود ناپاک ہو گئے ہیں یہاں ٹھہرنے کے لئے خوبصورت سرکٹ ہاؤس موجود ہے۔

ہو سکتا ہے لوگوں کی زبان پر یہ سب کچھ رہا ہو اور ایک چٹائیاں بیچنے والے دکاندار نے قدرت اللہ شہاب سے مل کر اپنے جذبات کا اظہار کیا ہو۔ لیکن یہ سب یکطرفہ کہانی ہے۔ رپورٹ دراصل ایک بہاری اعلیٰ افسر ایم اظفر' جو مشرقی پاکستان کے چیف سیکرٹری تھے اور بنگالی گورنر کو پسند نہیں کرتے تھے' نے لکھی تھی۔ م ب خالد کا کہنا ہے کہ یہ گویا ان دنوں (اظفر اور شہاب) کی مشترکہ رپورٹ تھی کیونکہ اظفر یہ باتیں خود نہ لکھ سکتے تھے اس لئے رپورٹ شہاب صاحب سے لکھوائی۔ چنانچہ رپورٹ میں سیاسی رہنماؤں کے بارے میں جو زہریلا لب و لہجہ اختیار کیا گیا ہے اس کے پیچھے ایک بہاری اعلیٰ افسر اور ایک پنجابی جی او سی کا ذہن صاف جھلکتا ہے:۔

"سیاستدان سو نہیں گئے اور نہ ہی غافل ہوئے ہیں ان کی خاموشی نفرت آمیز تمسخر کی آئینہ دار ہے وہ آس لگائے بیٹھے ہیں کہ شاید کوئی "اچھی" صورت پیدا ہو جائے۔ اقتدار کے خاتمے اور محاسبے کے خوف نے انہیں وقتی طور پر مبہوت کر دیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ انہیں محاسبے کے عمل میں مصروف رکھا جائے ورنہ وہ منفی رجحانات پیدا کرنے کی پھر سے ہر ممکن کوشش کرنا شروع کر دیں گے۔ چشم پوشی یا درگزر کی پالیسی ان کے عزائم کے لئے تقویت کا باعث ہو گی۔ عوام منتظر ہیں کہ سیاسی جرائم کے مرتکب افراد قرار واقعی سزا پائیں۔ اگر پرانے لیڈروں میں سے دو چار کو تختہ دار پر لٹکا بھی دیا جائے تو کہیں بھی کوئی کتا نہ بھونکے گا۔ اگر خاموشی سے وقت گزر تا گیا تو یقیناً پرانے پاپی شراتی عناصر کو اپنے گرد جمع کر لیں گے عام تاثر یہی ہے کہ ان کے خلاف تادیبی کارروائی انتہائی ناکافی ہے اور سیاستدانوں کے کردار کی گھناؤنی تصویر محض انقلاب کے جواز کی خاطر پیش کی جا رہی ہے......" (14)

اس قابل نفرت رپورٹ میں سیاستدانوں کے حوالے سے سزاؤں کا جو مطالبہ کیا گیا ہے ایوب خان نے جلد ہی جبری نااہلی کے قوانین بنا کر وہ مطالبہ پورا کر دیا۔ البتہ ایوب خان اپنے چہیتے سیکرٹری کی خواہش پر انہیں تختہ دار پر نہ لٹکا سکا۔ قدرت اللہ شہاب نے ایک رپورٹ مغربی پاکستان کے بارے میں بھی تحریر کی تھی۔ اس رپورٹ میں بھی انہوں نے سیاستدانوں اور دوسرے طبقوں کو سزائیں نہ دینے اور پھانسی پر نہ لٹکانے کی شکایت کی۔

"اکتوبر 58ء کے انقلاب کے بارے میں پبلک کا جوش و خروش ابھی کافی حد تک موجود ہے البتہ لوگوں میں اس قسم کے اقدام پر ناخوشی کا اظہار ہوتا ہے"۔

"فوج کو بیرکوں میں' واپس بھیج دینے میں عجلت سے کام کیوں لیا گیا ہے"

"بدعنوان سیاستدانوں' تاجروں اور افسروں کو کوئی سزا نہیں دی گئی کیوں؟"

"مارشل لاء قوانین کے تحت ایک کو بھی پھانسی کی سزا نہیں دی گئی۔"

اس قسم کے مطالبات بے معنی نہیں ہیں۔ دراصل عوام اپنے اس یقین کو پختہ کرنا چاہتے ہیں کہ ملک میں نئے دور کا آغاز ہو چکا ہے"۔...(15)

نئے دور کا آغاز ہوا تو اصلاحات کے سلسلے میں متعدد کمیشن قائم ہو گئے لیکن سیاستدان کے احتساب کا سلسلہ مارچ 1959ء سے پہلے تک شروع نہ کیا گیا۔

پوڈو۔۔۔ سیاسی نااہلیوں کا پہلا ایوبی قانون

ایوب خان کے سامنے سیاستدانوں سے پیچھا چھڑانے کے لئے پروڈا جیسے قانون کی نظیر موجود تھی۔ پاکستان کے ابتدائی برسوں میں اس قانون کو ناپسندیدہ سیاسی عناصر کے خلاف مؤثر انداز میں استعمال کیا گیا تھا۔ اقتدار پر قبضہ کرتے ہی ایوب خان نے پہلے تو اعلیٰ افسروں کو "گوشمالی" کے پہلو سے کئی احتسابی کمیٹیاں قائم کیں جو مرکز اور صوبوں میں سرکاری ملازمین کے معاملات کی چھان بین کر رہی تھیں۔ یہ کمیٹیاں جنوری 1959ء میں قائم ہوئیں اور اپریل 59ء میں انہیں دوبارہ منظم کیا گیا ان کمیٹیوں نے بڑی تیزی سے اپنا کام نمٹایا۔ ان کمیٹیوں کی سفارشات پر حکومت نے 1962ء میں اعلیٰ افسران کے خلاف بدعنوانی، کرپشن اور نااہلی وغیرہ کے الزامات کے تحت کارروائی کی۔ اس کارروائی میں ملازمت سے برخاستگی جبری ریٹائرمنٹ اور تنزلی جیسے اقدامات شامل تھے (15)

لیکن ایوب خان کا اصلی ہدف سیاستدانوں کو بے اثر کرنا تھا ان سیاستدانوں کو عوامی عہدوں سے باہر رکھنے کے لئے یکے بعد دیگرے دو قوانین نافذ کئے گئے پہلا قانون پوڈو (پبلک آفسز ڈس کوالیفکیشن آرڈر 21 مارچ 1959ء) کے نام سے مشہور ہوا پروڈا کی طرح اس قانون کا اطلاق صرف سیاسی عہدیداروں پر ہوتا تھا لیکن اس سے تمام سیاستدان زد میں نہ آتے تھے۔

پوڈو کے تحت فرد جرم ثابت ہونے پر سیاسی عہدوں پر فائز افراد کو پندرہ سال کے لئے سیاست کے لئے نااہل قرار دیا جا سکتا تھا۔ پوڈو کی شقیں، پروڈا سے مختلف نہیں تھیں۔ اس کا اطلاق ان تمام سیاستدانوں پر ہوتا تھا جنہوں نے 1947ء سے اپنے سیاسی عہدوں کا ناجائز فائدہ اٹھایا تھا اور بدعنوانیوں اور کرپشن میں ملوث رہے تھے۔ ان الزامات کی تحقیق خصوصی ٹریبونلوں کے سپرد کی گئی ٹریبونل کم از کم دو افراد پر مشتمل ہوتا تھا جن میں ایک سپریم یا ہائی کورٹ کا سابق جج ہوتا۔ ٹریبونل ان سیاستدانوں کو جن کے خلاف الزامات ثابت ہو جاتے 'ایک ایسی مدت تک سیاسی عمل کے لئے نااہل قرار دے سکتا تھا جو پندرہ سال سے زائد نہ ہو۔

اس قانون کے تحت صدر یا گورنر خود اپنے طور پر یا کسی شہری کی درخواست پر ایسے کسی بھی سیاستدانوں کے خلاف خصوصی ٹریبونل کو تحقیقات کا حکم دے سکتے تھے جن الزامات کے تحت تحقیقات کی جا سکتی تھیں ان میں مختلف بدعنوانیاں، رشوت، کرپشن، اقربا پروری اور وہ تمام خرابیاں شامل تھیں۔ جو عہدے کے غلط استعمال اور اسی طرح کے دوسرے ذرائع کا نتیجہ ہوتیں۔

دو ماہ بعد تین انکوائری کمیٹیاں قائم کر دی گئیں ایک مرکز کے لئے اور دو صوبوں (مشرقی اور مغربی پاکستان) کے لئے تاکہ وہ 1947ء سے 1958ء تک سابق وزرائے اعظم اور وزراء کے خلاف تحقیقات کر سکیں۔ عوام کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر ان کے علم میں سابق وزراء کی بدعنوانیاں ہوں تو وہ اس کے خلاف درخواست دے سکتے ہیں۔

پروڈا اور پوڈو میں بنیادی فرق یہ تھا کہ ثانی الذکر قانون کے تحت عوام کو درخواست دینے کے لئے کوئی نقد رقم نہیں جمع کرانا پڑتی تھی۔ اول الذکر قانون میں درخواست کے ساتھ پانچ ہزار روپے جمع کرانے کی پابندی تھی۔

پانچ ماہ کے اندر اندر یہ قانون ناکافی اور مؤثر ثابت ہو گیا۔ اس کی پہلی وجہ تو یہ تھی کہ اس کا اطلاق صرف ان سیاستدانوں پر ہوتا تھا جو سرکاری عہدے پر رہے تھے دوسرے شکایت کنندگان قوانین و ضوابط کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ گمنام شکایات کے ساتھ ساتھ وہ ایسی درخواستیں بھی بھیج دیتے تھے جن کے ساتھ کسی قسم کے دستاویزی ثبوت نہیں ہوتے تھے تیسرے اس قانون نے کسی ایسے خصوصی ادارے کی ضروریات کو پورا نہیں کیا جو ابتدائی تحقیقات کے کام کو جلدی جلدی نمٹا سکتا اور چوتھے یہ مقدمات کے فیصلہ ہونے کے لئے وقت کی معیاد مقرر کرنے میں ناکام رہا۔...(17)

چند ماہ میں ہی واضح ہو گیا کہ پوڈو کی مدد سے سیاستدانوں کو راستے سے نہیں ہٹایا جا سکتا "صدر ایوب کا مقصد صرف سیاسی عہدیداروں کی بیخ کنی ہی نہ تھی بلکہ وہ سیاست کے میدان میں سرگرم عمل تمام عناصر کو کانٹے کی طرح نکال کر باہر پھینک دینا چاہتے تھے۔...(18)

ان مقاصد کے لئے ایک زیادہ مؤثر اور زیادہ بھرپور قانون کی ضرورت تھی جو فوراً ہی سامنے آ گیا۔

ایبڈو اور اس کی چیرہ دستیاں

اب جو قانون نافذ کیا گیا وہ عرف عام میں ایبڈو یا ایلیکٹو باڈیز ڈس کوالیفکیشن آرڈر 7 اگست 1959ء کہلایا اس قانون کا اطلاق ان سب افراد پر ہوتا تھا جو کسی سیاسی عہدے پر رہے ہوں یا کسی منتخب شدہ اسمبلی یا ادارے کے رکن بنے ہوں۔ یہ قانون بھی 14 اگست 1947ء سے نافذ العمل قرار دیا گیا تاکہ نئے اور پرانے سب سیاستدن اس کے پھندے میں جکڑے رہیں۔ (18) اس قانون کے تحت فرد جرم ثابت ہونے پر ملزم کو چھ برس تک سیاست سے کنارہ کش رہنے کی سزا دی جا سکتی تھی۔ البتہ یہ "رعایت" ضرور دی گئی تھی کہ اگر کوئی صاحب عدالت میں حاضر ہو کر اپنی صفائی پیش نہ کرنا چاہتے ہوں تو وہ رضاکارانہ طور پر اعلان کر دیں کہ وہ سیاست سے چھ سال

کے لئے الگ ہو رہے ہیں ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہو گی...... (19)

وزارت داخلہ کی طرف سے جاری ہونے والے ایک اعلان میں کہا گیا تھا کہ اس آرڈر کا مقصد ایسے لوگوں کے خلاف بسرعت تمام کارروائی کرنا تھا جنہوں نے سیاست' مذہب یا تجارت کی آڑ میں عدم استحکام پیدا کیا اور پاکستان کی سلامتی تک کو خطرے میں ڈال دیا۔ نئے حکم کے مطابق صدر یا گورنر ایک یا ایک سے زیادہ ٹربیونل قائم کریں گے جو مختلف افراد کے معاملات کی تحقیقات کے بعد رپورٹ پیش کریں گے۔

ہر ٹربیونل کو ایک سول کورٹ کی حیثیت حاصل تھی۔ مدعا علیہان سے کہا گیا تھا کہ وہ کسی دوست' مشیر یا وکیل کی امداد حاصل کئے بغیر ٹربیونل کے سامنے پیش ہوں نئے آرڈر کے تحت مجاز حکام کی کارروائی کو کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا تھا نئے حکم میں پوڈو کے مقابلے میں زیادہ تیز رفتار کارروائی کی گنجائش رکھی گئی تھی۔

تحقیقات کے بعد مجرم پائے جانے والے سیاستدان 31 اگست 1966ء تک اسمبلی سے سینٹری کمیٹی تک کسی منتخب ادارے کا انتخاب نہیں لڑ سکتے تھے۔ 14 اگست 1947ء سے بعد کی بدعنائیوں اور بداعمالیوں پر کارروائی کرنے کا حکم دیا گیا بدعنوانی اور بداعمالی کی اصطلاح کا دائرہ وسیع کر دیا چنانچہ

1..... تخریبی سرگرمیاں

2 ..... سیاسی عدم استحکام پیدا کرنے والے نظریات کی تبلیغ اور اس نوع کے اقدامات

3 ..... رشوت ستانی' بدعنوانی' اقربا پروری' بدانتظامی کی مسلسل شہرت اور سرکاری روپیہ کا ناجائز استعمال بھی بداعمالیوں کے زمرے میں آتا تھا۔

سرکاری اعلان میں واضح کیا گیا کہ پوڈو (پبلک عہدوں سے نااہلی سے آرڈیننس کو مستقل قانون کی حیثیت حاصل رہے گی۔ ایوب حکومت نے دعویٰ کیا کہ نیا قانون اس عوامی مطالبہ کے پیش نظر نافذ کیا گیا کہ بدعنوان اور سماج دشمن عناصر کے خلاف بلا تاخیر کارروائی ہو اور اس کارروائی کا اطلاق پبلک زندگی کے ہر شعبہ پر ہونا چاہئے۔ سرکاری اعلان میں یہ بھی بتایا گیا کہ پوڈو کے تحت دائر ہونے والے مقدموں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ خدشہ تھا کہ پوڈو کا مجوزہ کاروائی کے تحت ان مقدموں کو فیصلہ کرنے میں بہت وقت لگے گا۔ اس کے علاوہ پوڈو کا اطلاق صرف سابق سیاستدانوں تک محدود تھا۔ دوسری طرف جیسے کہ سرکاری اعلان میں دعویٰ کیا گیا عوام تیزی سے کارروائی کا مطالبہ کر رہے تھے تاکہ عوامی زندگی کو سماج دشمن' بدعنوان' اور بداعمال عناصر کے اثرات سے جلد از جلد پاک کیا جا سکے۔ جہاں تک سابق سیاستدانوں کی بداعمالیوں کا تعلق تھا جو حکومت کے پیش نظر پوڈو کو ایک مستقل قانون کے طور پر باقی رکھا لیکن فوری کارروائی کے عوامی مطالبے کے پیش نظر پوڈو کی نسبت زیادہ سہل اور زیادہ سریع الاثر قانون کو لاگو کرنے کا فیصلہ کیا گیا فوجی حکومت نے یقین دلایا کہ کارروائی صرف منفی سرگرمیوں میں ملوث اور بدعنوان سیاستدانوں کے خلاف کی جا رہی تھی اور قانون کے پابند شہریوں کو کسی بھی طرح خائف ہونے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ حکمرانوں کے دعوے کے مطابق اس آرڈر کا تعلق صرف ایسے اشخاص سے تھا جنہوں نے سیاست مذہب اور تجارت کی آڑ میں پاکستان کو کمزور کیا' ملک میں عدم استحکام پیدا کیا اور پاکستان کی سلامتی کو قریب قریب خطرے میں ڈال دیا۔

ایبڈو کے تحت بداعمالیوں کے زمرے میں مندرجہ ذیل سرگرمیاں آتی تھیں:

تخریبی سرگرمی۔ ایسے اصولوں کا پرچار جن سے ملک میں عدم استحکام پیدا ہو۔ رشوت ستانی' بدعنوانی' بدعنوانی کی شہرت' کنبہ پروری' ناجائز طرف داری دانستہ بدانتظامی' سرکاری روپیہ کا ناجائز استعمال (اس میں عوامی چندے سے جمع شدہ روپیہ بھی شامل تھا) اختیارات یا سرکاری پوزیشن کا غلط استعمال' ایسی بداعمالیوں کی اعانت۔

تحقیقاتی ٹربیونل کی طرف سے جس شخص کو نوٹس جاری کیا جاتا اس میں یہ پیشکش بھی کی جاتی کہ اگر وہ چاہے تو 22 دسمبر 1966ء تک عملی سیاست سے خود نکل جائے ایسی صورت میں اس کے خلاف تحقیقاتی یا کسی قسم کی کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی اور وہ شخص 31 دسمبر 1966ء تک نااہل قرار پائے گا یعنی اس عرصہ میں وہ کسی منتخب ادارے کا رکن یا اس کا اہل نہیں رہے گا۔

پیش کش قبول نہ کرنے کی صورت میں ٹربیونل اس کے خلاف عائد شدہ الزامات کی تحقیقات کرتا۔ قصوروار ثابت ہو جانے پر حکومت اسے 31 دسمبر 1966ء تک نااہل قرار دے دیتی۔ اس کے ساتھ ساتھ حکومت یہ حکم بھی جاری کرتی کہ اس کی بداعمالی کی وجہ سے جو نقصان ہوا ہے اس کی تلافی کے لئے اسے کتنا روپیہ ادا کرنا یا دوسرا کیا قدم اٹھانا چاہئے۔

ٹربیونل کے اختیارات میں متعلقہ ملزم کے نام سمن جاری کرنا' اسے حاضر ہونے پر مجبور کرنا' اس سے حلفیہ بیان لینا' ملزم کو متعلقہ دستاویزات پیش کرنے پر مجبور کرنا' حلفیہ بیان پر شہادت طلب کرنا' ایسی معلومات فراہم کرنے پر مجبور کرنا جو تحقیقات کے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہوں' کسی سرکاری گزٹیڈ آفیسر کو کسی ایسی عمارت میں گھس کر ضروری دستاویزات کے حصول کا حکم دینا' اپنی توہین کی سزا کے لیے ہائی کورٹ کے اختیارات کو استعمال کرنا اور کسی عدالت یا دفتر سے کوئی دستاویز یا ریکارڈ حاصل کرنے میں سول عدالت کے اختیارات کا استعمال کرنا شامل تھے۔

ٹربیونل کو اتنے وسیع اختیارات دینے کا مقصد واضح تھا۔ یہ ایک ایسا شکنجہ تھا جس سے کوئی بھی سیاستدان سلامت بچ کر نکل نہیں سکتا تھا۔ اگر وہ ان جھمیلوں سے بچنا بھی چاہتا تو اس صورت میں اسے "رضاکارانہ" (جبری) طور پر 31 دسمبر 1966ء تک عملی سیاست سے کنارہ کش ہونا پڑتا۔ قدرت اللہ شہاب' جو ایوب خان کے سیکرٹری تھے اور اس

قسم کی کارروائیوں کے قریبی شاہد' وہ اس بارے میں بڑی دلچسپ تفصیلات کا ذکر کرتے ہیں۔

اپنی کتاب "شہاب نامہ" میں انہوں نے سیاستدانوں کو پھانسنے کے لئے ایوب خان کے ہتھکنڈوں کی اچھی خاصی تفصیل دی ہے۔ ان کے مطابق مشرقی پاکستان سمیت قومی اور صوبائی سطح کے 98 ممتاز سیاستدانوں کے خلاف ا۔بڈو کی کاروائی شروع کی گئی ان میں سے ستر نے رضاکارانہ طور پر چھ سال کے لئے سیاست سے توبہ کر کے اپنی جان چھڑالی۔ ان میں میاں ممتاز محمد دولتانہ' محمد ایوب کھوڑو اور خان محمد عبدالقیوم خان کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ 28 سیاستدانوں نے اپنی صفائی پیش کر کے مقدمہ لڑا۔ 22 ہار گئے جن میں سابق وزیراعظم مسٹر حسین شہید سہروردی سابق گورنر مشتاق احمد گورمانی اور سید عابد حسین شامل تھے صرف چھ سیاست دان ایسے تھے جو بری ہوئے.....(20)

سیاستدانوں کو ا۔بڈو کی تین دفعات کے تحت نااہل قرار دیا گیا دفعہ 7 کے تحت وہ سیاستدان نا اہل قرار پائے جنہوں نے رضاکارانہ طور پر اپنے آپ کو سیاست سے الگ کر لیا اور ان کے خلاف مزید انکوائری روک دی گئی اس طرح وہ 31 دسمبر 1966ء تک نا اہل قرار پائے۔ دفعہ 8 کے تحت وہ سیاستدان نا اہل قرار دیئے گئے جنہوں نے رضاکارنہ طور پر خود کو سیاست سے الگ کرنے سے انکار کر دیا۔ ان کے خلاف تحقیقات ہوئیں اور قصور وار ثابت ہونے کی صورت میں انہیں 31 دسمبر 1966ء تک سیاسی عمل کے لئے نااہل قرار دے دیا گیا۔ دفعہ 8 کے تحت نااہل قرار پانے والے سیاستدانوں کی تعداد' رضاکارانہ طور پر سیاست سے الگ ہو جانے والے سیاستدانوں کے مقابلے میں کم تھی۔

سب سے زیادہ سیاستدان ا۔بڈو کی دفعہ 5 کے تحت نا اہل قرار دیئے گئے اس دفعہ کے تحت ہر وہ شخص نے سہروردی کی طرح مقدمہ لڑنے کی ہمت ضروری کی لیکن مقدمہ ہارنے کے بعد تھک ہار کر انہوں نے ا۔بڈو کی پابندیاں قبول کر لیں۔ چند ایک سیاستدان ایسے بھی تھے جنہوں نے شرمناک حد تک پست ہمتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایوب آمریت کے ہاتھ مضبوط کئے۔ انہوں نے بڑے آرام سے اپنا یہ حق کھو دیا کہ وہ چھ سال تک سیاست میں حصہ نہیں لیں گے۔

یہ کہانی سہروردی کی جدوجہد کی طرح ولولہ انگیز نہیں ہے اس کے برعکس یہ کمزور کرداری کی ایک دلخراش داستان ہے جس کی تفصیلات بیان کئے بغیر اس کی طرف چند اشارے کرنا ہی کافی رہے گا۔ ایوب خان نے سیاست دانوں کو پیشکش کی تھی کہ اگر وہ چھ سال کے لئے سیاست سے دستبردار ہو جائیں تو ان کے خلاف ا۔بڈو کے تحت مقدمہ نہیں چلایا جائے گا۔ سیاست دانوں کی ایک بڑی تعداد نے اس پیشکش کو منظور کر لیا جن میں میاں ممتاز دولتانہ اور خان عبدالقیوم خان بھی تھے۔ ایک بار حمید نظامی نے نوابزادہ نصراللہ کو بتایا کہ دولتانہ صاحب کو جب ا۔بڈو کا نوٹس ملا تو انہوں نے انہیں (نظامی صاحب کو) مشورے کے لئے بلایا۔ ان کے سامنے نوٹس رکھ دیا اور رائے طلب کیا۔ نظامی صاحب نے مقدمہ لڑنے کا مشورہ دیا تو دولتانہ صاحب ان سے کہنے لگے: "آپ نے یہ شق نہیں پڑھی کہ جرم ثابت ہو جانے کی صورت میں ذات اور جائیداد سے نقصان پورا کرنا ہو گا کیا آپ چاہتے ہیں کہ میرے بچے فاقہ کریں؟ نظامی صاحب نے جواب دیا: "اگر آپ فیصلہ کر چکے ہیں تو مجھ سے مشورہ لینے کی کیا ضرورت تھی شیخ خورشید کو بلا لیں۔ ان کے پاس سیاست سے دستبرداری کے لئے ایک مناسب ڈرافٹ تیار ہے۔ نظامی صاحب نے بتایا کہ دولتانہ صاحب نے بغیر کسی تامل کے اسی وقت شیخ خورشید کو فون کیا اور ان سے ڈرافٹ لے کر اس پر دستخط کر دیئے..... (30)

حقیقت یہ ہے کہ سیاستدانوں نے خود ہی اپنے حق کے لئے لڑنے کا فیصلہ نہ کیا۔ ورنہ ان پر الزامات بہت ہی معمولی اور بودے قسم کے تھے جنہیں بے شک عدالت میں رد نہ کیا جا سکتا لیکن اس عدالتی کارروائی کے ذریعے ایوب خان کی آمریت کو بے نقاب تو کیا جا سکتا تھا۔

جن چھوٹے چھوٹے الزامات کی بنیاد پر سیاست دانوں کو سیاسی عمل سے بے دخل کیا گیا تھا اس کی تفصیل پڑھ کر ہنسی آتی ہے۔ قدرت اللہ شہاب کے بقول صدر ایوب کو یہ چسکا تھا کہ ا۔بڈو کی زد میں آئے ہوئے خاص خاص مشہور و معروف سیاست دانوں کی بداعمالیوں اور بدعنوانیوں کی تفصیلات ان کے اپنے علم میں بھی آ جائیں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے باسٹھ ناموں کا انتخاب کیا اور شہاب کو حکم دیا کہ ا۔بڈو کے تحت مقدمات سماعت کرنے والی خصوصی عدالتوں سے وہ ان سب کے ریکارڈ حاصل کریں اور ہر ایک کی بداعمالیوں اور بدعنوانیوں کا خلاصہ تیار کر کے ایوب خان کو پیش کریں۔

قدرت اللہ شہاب نے ا۔بڈو کے ان باسٹھ بلند و بالا پہاڑوں کو جب کھود کھود کر دیکھا تو ان میں سے بداعمالیوں اور بدعنوانیوں کی ایسی چھوٹی چھوٹی چوہیاں برآمد ہوئیں جو آج کے ماحول میں انتہائی بے وقعت اور بے ضرر نظر آتی ہیں چند سیاست دانوں پر ان کے مخالفین کی طرف سے وقتاً فوقتاً "غداری" کا الزام ضرور لگ چکا تھا لیکن کسی فائل میں کسی کے خلاف وطن دشمنی کی نہ کوئی شہادت یا علامت تھی اور نہ کوئی ثبوت تھا۔ ملک کے مفاد کے خلاف کام کرنے کا الزام بھی جگہ جگہ چسپاں تھا لیکن اس کی بنیاد بھی یا تو ذاتی عداوتیں اور مخاصمتیں تھیں یا سیاسی رقابتوں کی وجہ سے ایسے مبہم مفروضوں اور تہمتوں پر مبنی ہوتی تھی جو واقعات اور شواہد کی روشنی میں کسی صورت بھی قابل گرفت قرار نہ پاتی تھیں اس کے علاوہ یہ باسٹھ نامور سیاستدان جو کسی نہ کسی وقت وزیر یا کسی اور عہدے پر رہ چکے تھے ان کے خلاف الزامات کی نوعیت عموماً کچھ اس طرح کی تھی۔

○ ...... سرکاری ٹیلی فون اور سٹاف کار کا بے جا استعمال

○ ...... پی اے یا پرائیویٹ سیکرٹری کے لئے ان کے استحقاق سے زیادہ مراعات

○ ...... اپنے انتخابی حلقوں میں ترجیحی طور پر سڑکوں سکولوں یا ڈسپنسریوں کی تعمیر

○ ...... اپنے با اثر دوستوں' رشتہ داروں یا سیاستدانوں کے علاقوں میں سڑکیں' سکول یا ڈسپنسریاں تعمیر کرنے میں ترجیحی سلوک

○ ...... اپنے با اثر دوستوں' رشتہ داروں سیاستدانوں یا ووٹروں کے مفاد میں سرکاری افسروں پر دباؤ یا سفارشیں

○ ...... اپنے انتخابی حلقوں اور اپنے دوستوں اور سیاستدانوں کے علاقوں میں پٹواریوں' تھانیداروں' نائب تحصیلداروں اور دیگر سرکاری کارندوں کے تبادلوں اور تقرریوں میں دخل اندازی

○ ...... انتخابات کے وقت دھاندلی کے بلا ثبوت الزامات

○ ...... سرکاری تقرریوں میں پبلک سروس کمیشن کی سفارشات کو نظر انداز کرنے کا رجحان

○ ...... سرکاری دوروں پر سرکاری انتظامات کا سیاسی اغراض و مقاصد کے لئے استعمال

○ ...... محکمانہ اخراجات کے منظور شدہ بجٹ سے بڑھ جانے کی مثالیں

○ ...... ایسے منصوبوں کی مثالیں جن پر اخراجات شدہ تخمینوں سے تجاوز کر گئے

○ ...... بے شمار مثالیں جن میں فلاں فلاں ٹیکس لگائے جاسکتے تھے لیکن اس لئے نہ لگائے گئے کہ سیاسی حکمران ہر دلعزیز بنے رہیں وغیرہ وغیرہ

باسٹھ چیدہ چیدہ چوٹی کے سیاستدانوں کے خلاف صدر ایوب نے جب اس قسم کی بے مزہ پھیکی اور پھسپھسی فرد جرم پڑھی تو وہ بے حد حیران ہوئے انہوں نے تعجب سے کئی بار یہ سوال دہرایا: "بس اتنا کچھ ہی ہے

قدرت اللہ شہاب نے انہیں یقین دلایا کہ جو فائلیں انہیں دستیاب ہوئی ہیں ان میں بس اتنا کچھ ہی ہے۔

"اگر یہ بات ہے" صدر ایوب نے کس قدر حیرت سے کہا۔ "تو یہ ساٹھ ستر جغادری سیاستدان دم دبا بھاگ کیوں گئے۔ مردانگی سے کام لے کر ا۔بڈو کا مقدمہ کیوں نہ لڑے

"شاید مارشل لاء سے ڈرتے ہوئے۔" قدرت اللہ شہاب نے کہا: "یا شاید عزت بچانے کی خاطر اپنے آپ ریٹائر ہو کر بیٹھ رہے ہوں"۔

"یہ بات نہیں"۔ صدر ایوب نے فیصلہ صادر کیا: "تمہاری فائلیں ان کا جرم ثابت کریں یا نہ کریں لیکن ان کے ضمیر مجرم ہیں یہ بات ان کو بخوبی معلوم ہے"۔

اس صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے شہاب لکھتے ہیں کہ "ایک فوجی افسر چھاؤنیوں کی محدود فضا میں اپنی عمر عزیز کے باون سال گزارنے کے بعد اچانک ایک ایسی سول حکومت کو زبردستی نکال باہر کرتا ہے اور خود مسند اقتدار پر قبضہ جما کر بیٹھ جاتا ہے لیکن اس ایک عمل سے یہ لازمی نہیں کہ اس پر عقل و دانش کی ایسی بارش شروع ہو جائے کہ وہ ملک بھر کے تمام اکابرین اور ہزاروں کارکنوں کو بیک جنبش قلم نااہل ناکارہ اور نالائق ثابت کرنے میں حق بجانب بھی ہو" ......(31)

بہرحال ایوب خان جو بھی تھے اور جیسے بھی تھے یہ درست ہے کہ سیاستدانوں کے دلوں میں بھی چور تھا اور انہوں نے اپنے پول کھلنے کے خوف سے رضاکارانہ طور پر سیاست سے ریٹائرڈ ہونے کا آپشن قبول کر لیا۔ مغربی پاکستان کے 50 میں سے 37 سیاستدان رضاکارانہ طور پر سیاست سے دستبردار ہو گئے۔ ان میں سے دس سابق وزرائے اعلیٰ یوسف ہارون' میاں ممتاز محمد خان دولتانہ' نواب افتخار حسین خان ممدوٹ' محمد ایوب کھوڑو' مظفر علی قزلباش' مخدوم زادہ حسن محمود' عبدالحمید دستی' پیرزادہ عبدالستار' پیرالٰہی بخش اور قاضی فضل اللہ تھے۔

پھر بھی ایک اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں پر بھی مشتمل تھی جنہوں نے خصوصی ٹریبونلوں میں اپنے خلاف الزامات کا سامنا کرنے اور اپنی صفائی پیش کرنے کی جرأت کی ان میں محمد حسن چٹھہ' نواب مشتاق احمد گورمانی' ایم کے لغاری' محمد لونڈ خور' شمس الحق' فضل الٰہی پراچہ اور کرنل عابد حسین جیسے سیاستدان شامل تھے۔ فضل الٰہی پراچہ کے سوا باقی سب کو ا۔بڈو کے تحت 31 دسمبر 1966ء تک سیاست سے بے دخل کر دیا گیا۔ خان عبدالقیوم خان اور سلمٰی تصدق حسین پر مقدمات ان کی غیر حاضری میں چلے اور انہیں بھی نااہل قرار دے دیا گیا۔

1962ء کے آئین کے بعد ایوب خان نے پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ نافذ کیا اور سیاسی جماعتیں بحال کر دی گئیں تو ایوب خان کو اپنی حمایت کے لئے خود بھی سیاست دانوں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ 7 جنوری 1963ء کو اس نے ایک آرڈی ننس جاری کیا جس کے تحت صدر کو یہ اختیار حاصل ہو گیا کہ وہ ا۔بڈو کے تحت سزا یافتہ سیاست دانوں کی سزا معاف کر سکتا ہے۔ اس آرڈیننس پر سیاست دانوں نے زبردست موافقانہ رد عمل کا اظہار کیا۔ پندرہ دن کے اندر اندر صدر کو چوٹی کے اکیس سیاست دانوں کی معافی کے لئے اپیلیں موصول ہو گئیں۔ درخواست گزاروں میں خان عبدالقیوم خان' حسین شہید سہروردی' فیروز خان نون' نواب افتخار حسین خان ممدوٹ' محمد ایوب کھوڑو' جلال الدین (جلال بابا) اور سردار عبدالرشید کے نام شامل تھے ......(32)

یہ دراصل سیاست دانوں کو مزید ذلیل کرنے کا ایوب خان کا ایک اور منصوبہ تھا جس کے ذریعے اس نے کئی اعلیٰ سیاست دانوں سے تحریری درخواستیں حاصل کر کے ان کی مزید تذلیل کی۔ ان میں سے کسی کی

درخواست پر کوئی ایکشن نہ لیا گیا اور اپریل 1963ء میں یہ آرڈیننس اسمبلی سے منظور نہ ہونے کے باعث خود بخود ختم ہو گیا جب مئی 1963ء میں حکومت نے اپنی یہ پیشکش دہرائی اور وفاقی وزیر داخلہ حبیب اللہ خان نے اعلان کیا کہ حکومت آئین کی دفعہ 18 کے تحت ا۔یبڈو کی پابندیوں کو نرم یا ختم کرنے پر غور کر رہی ہے تو اس بار سیاستدان حکومت کے دام میں نہ آئے اور اس طرح مزید ذلت سے بچ گئے۔

ا۔یبڈو زدہ سیاستدانوں کی نامکمل فہرست

ا۔یبڈو کے تحت نااہل قرار دیئے جانے والے سیاست دانوں اور سیاسی کارکنوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے ممتاز سیاست دانوں کی ایک نامکمل فہرست البتہ دستیاب ہے جن کو پڑھتے ہوئے حیرت ہوئی ہے کہ ایوب خان نے سیاست دانوں کی ہر نسل کو نااہل قرار دے کر کتنا بڑا سیاسی خلا پیدا کر دیا تا۔ دستیاب فہرست کے مطابق دفعہ 7 اور 8 کے تحت مغربی اور مشرقی پاکستان کے مندرجہ ذیل سیاستدان ا۔یبڈو کے تحت 31 دسمبر 1966ء تک نااہل قرار دیئے گئے تھے۔

مغربی پاکستان ـــــ دفعہ 7

1 ـــ خان محمد جلال الدین' سابق وفاقی وزیر
2 ـــ سردار امیر اعظم خان' سابق وفاقی وزیر
3 ـــ حاجی مولا بخش سومرو' سابق وفاقی وزیر
4 ـــ ولی محمد جاموٹ' کراچی کے ایک بزنس مین
5 ـــ نور علی پارٹنر نور علی اینڈ کمپنی کراچی
6 ـــ کرنل ایف ایس وحید الدین بزنس مین
7 ـــ قاضی محمد عیسیٰ برازیل میں پاکستان کے سفیر
8 ـــ ملک فیروز خان نون' سابق وزیر خارجہ' سابق وزیر اعظم
9 ـــ حسین ملک' پروپرائیٹر میسرز ملک برادر لمیٹڈ کراچی
10 ـــ یوسف محمد ہارون' آسٹریلیا میں پاکستان کے سابق ہائی کمشنر
11 ـــ دوست محمد ہیکڑو' کراچی میونسپلٹی کے سابق صدر
12 ـــ علی حسن منگی' سابق رکن سندھ اسمبلی و سابق کونسلر میونسپلٹی
13 ـــ میر علی نواز خان تالپور' سابق رکن اسمبلی و سابق وزیر مغربی پاکستان
14 ـــ محمد اشرف خان' سابق ناظم پشاور میونسپلٹی
15 ـــ حاجی جان محمد مری' سابق رکن سندھ اسمبلی
16 ـــ سید عملدار حسین شاہ گیلانی' سابق وزیر حکومت پنجاب و سابق رکن اسمبلی مغربی پاکستان
17 ـــ چودھری عبدالغنی گھمن' سابق رکن اسمبلی چیئرمین ڈسٹرکٹ بورڈ سیالکوٹ و وزیر حکومت پنجاب
18 ـــ چودھری نصیر احمد ملھی' سابق رکن اسمبلی
19 ـــ قاضی محمد اکبر سابق صدر حیدر آباد میونسپلٹی
20 ـــ میاں محمد سعید قریشی سابق صدر ڈسٹرکٹ بورڈ سرگودھا
21 ـــ صوفی عبدالحمید' سابق وزیر اعلیٰ پنجاب
22 ـــ حامد حسن فاروقی' سابق وزیر حکومت سندھ
23 ـــ کرنل محمد امیر خان آف ہوتی' سابق وزیر حکومت مغربی پاکستان
24 ـــ قاضی عبدالحمید عابد' سابق صدر میونسپل کمیٹی حیدر آباد
25 ـــ ارباب نور محمد خان' سابق وزیر حکومت مغربی پاکستان
26 ـــ ملک فیض حسن' سابق رکن مغربی پاکستان وغیر سرکاری رکن ریجنل ٹرانسپورٹ اتھارٹی راولپنڈی
27 ـــ سید ہادی علی شاہ' سابق میئر لاہور کارپوریشن ٹرسٹی لاہور امپروومنٹ ٹرسٹ اور صدر کلاتھ مارکیٹ فیڈریشن لاہور
28 ـــ سردار عبدالحمید خان دستی' سابق رکن اسمبلی سابق وزیر حکومت پنجاب اور حکومت مغربی پاکستان
29 ـــ میاں عبدالعزیز' سابق ڈائریکٹر انچارج لاہور گرین سنڈیکیٹ
30 ـــ صوبیدار محمد داؤد خان' سابق رکن اسمبلی مغربی پاکستان
31 ـــ سید علی حسین شاہ گردیزی' سابق رکن اسمبلی پنجاب وزیر حکومت پاکستان
32 ـــ میاں ممتاز محمد خان دولتانہ' سابق وزیر اعلیٰ پنجاب سابق وزیر حکومت مغربی پاکستان
33 ـــ مظفر علی خان قزلباش' سابق وزیر اعلیٰ حکومت مغربی پاکستان
34 ـــ خان افتخار خان ممدوٹ' سابق وزیر اعلیٰ پنجاب و سابق وزیر حکومت مغربی پاکستان
35 ـــ پیرزادہ عبدالستار' سابق وزیر اعلیٰ سندھ و حکومت مغربی پاکستان
36 ـــ ممتاز حسن قزلباش سابق وزیر اعلیٰ ریاست خیرپور' سابق وزیر حکومت مغربی پاکستان
37 ـــ قاضی فضل اللہ سابق وزیر حکومت سندھ و حکومت مغربی پاکستان
38 ـــ سید حسن محمود' سابق وزیر اعلیٰ ریاست بہاولپور' سابق وزیر حکومت مغربی پاکستان
39 ـــ امیر عبداللہ خان' سابق چیئرمین ڈسٹرکٹ بورڈ میانوالی
40 ـــ میاں افتخار الدین' سابق وزیر حکومت پنجاب' سابق رکن مرکزی دستور ساز اسمبلی و سابق چیئرمین بورڈ آف ڈائریکٹر' پروگریسو پیپرز لمیٹڈ لاہور و سابق رکن پنجاب اسمبلی

دفعہ ـــ 8

41 ـــ بیگم اصغری رحیم' سابق کونسلر کراچی میونسپل کارپوریشن و رکن اپوا

42..... چودھری بشیر احمد چیمہ' سابق رکن پنجاب اسمبلی و مغربی پاکستان اسمبلی
43..... سی ای گبن' سابق ڈپٹی سپیکر' نیشنل اسمبلی پاکستان
44 ..... سید عابد حسین' سابق چیئرمین ڈسٹرکٹ بورڈ جھنگ ڈائریکٹر جنرل سنٹرل کوآپریٹو بنک لیمٹڈ جھنگ و وزیر حکومت مغربی پاکستان
45..... خان عبدالقیوم خان' سابق وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد
46 ..... بیگم سلمیٰ تصدق حسین' سابق ٹرسٹی لاہور امپروومنٹ ٹرسٹ رکن پنجاب اسمبلی و نائب وزیر حکومت مغربی پاکستان
47..... سردار محمد خان لغاری' سابق وزیر مغربی پاکستان
48..... مشتاق احمد گورمانی' سابق وزیر اعظم ریاست بہاولپور' سابق وزیر داخلہ حکومت پاکستان' سابق گورنر مغربی پاکستان

مشرقی پاکستان..... دفعہ 7

49..... ایم اے دلدار احمد' سابق وفاقی وزیر
50..... فضل الرحمان' سابق وفاقی وزیر
51..... عبدالحکیم' سابق سپیکر مشرقی پاکستان اسمبلی
52..... عبدالحمید چودھری' سابق رکن مشرقی پاکستان
53..... عبدالسلام' سابق رکن مشرقی پاکستان اسمبلی
54..... عبدالسلام خان' سابق وزیر حکومت مشرقی پاکستان
55..... اکبر علی خان چودھری' سابق رکن مشرقی پاکستان اسمبلی
56..... عطاء الرحمان خان' سابق وزیر اعلیٰ مشرقی پاکستان
57..... بھوپندر کمار دتہ' سابق رکن مشرقی پاکستان اسمبلی
58..... دیوان محی الدین' سابق رکن مشرقی پاکستان اسمبلی
59..... فضل کریم' سابق رکن مشرقی پاکستان اسمبلی
60..... مسیح الرحمان' سابق وزیر حکومت مشرقی پاکستان
61..... منصور علی' سابق وزیر حکومت مشرقی پاکستان
62..... مسلم علی ملا' سابق رکن حکومت مشرقی پاکستان
63..... سریش چندر داس گپتا' سابق رکن مشرقی پاکستان اسمبلی
64..... سید عزیز الحق' سابق وزیر حکومت مشرقی پاکستان
65..... سید مسغواث الحق' سابق وزیر حکومت مشرقی پاکستان
66..... یوسف علی چودھری' سابق وزیر حکومت مشرقی پاکستان
67..... مدبر حسین چودھری' انڈونیشیا میں پاکستان کے سابق سفیر

دفعہ..... 8

68..... حسین شہید سہروردی' سابق وزیر اعظم پاکستان
69 ..... عبدالطیف بسواس' سابق وفاقی وزیر و چیئرمین سنٹرل جوٹ کمیٹی حکومت پاکستان
70..... ابوالحسین میاں' سابق رکن مشرقی پاکستان اسمبلی
71..... بسنت کمار داس' سابق وزیر حکومت مشرقی پاکستان
72..... بجوائے چندر رائے' سابق رکن مشرقی پاکستان اسمبلی
73..... دھرمیندر ناتھ دت' سابق وزیر حکومت مشرقی پاکستان
74..... کفیل الدین چودھری' سابق وزیر حکومت مشرقی پاکستان
75..... پرواس چندر لاہڑی' سابق وزیر حکومت مشرقی پاکستان
76..... تفضل علی' سابق وزیر حکومت مشرقی پاکستان
77..... ٹی این چکرورتی' سابق رکن مشرقی پاکستان اسمبلی
78..... ابوحسین سرکار' سابق وزیر اعلیٰ حکومت مشرقی پاکستان

ایک اور فہرست کے مطابق مندرجہ ذیل اہم سیاست دانوں کو بھی ایبڈو کے تحت سیاسی نااہلی کا نشانہ بنایا گیا تھا۔

1..... پیر الٰہی بخش' سابق وزیر اعلیٰ سندھ
2..... مسٹر محمد ہاشم گزدر' سابق صوبائی وزیر و رکن مرکزی دستور ساز اسمبلی
3..... ارباب نیاز محمد' سابق کرنل پاکستان آرمی
4..... آغا غلام نبی پٹھان' سابق صوبائی وزیر
5..... محمد اکبر خان بگٹی' سابق صوبائی وزیر

ایبڈو..... خاتمہ اور سیاسی اثرات

ایبڈو کا کالا قانون 31 دسمبر 1966ء کو اپنی مدت پوری کرنے پر ختم ہو گیا۔ اب تک پاکستان میں سیاسی نااہلیوں کے تین قوانین..... پروڈا' پوڈو اور ایبڈو..... نافذ کئے گئے تھے۔ سیاسی اثرات کے اعتبار سے ایبڈو سب سے زیادہ تباہ کن ثابت ہوا اس نے ملک میں ہر طرح کی جمہوری نشوونما کو روک دیا۔ یہی نہیں اس نے علیحدگی پسند قوتوں کو سر اٹھانے اور پنپنے کا موقع دیا خصوصاً مشرقی پاکستان میں اس کے اثرات تباہ کن ثابت ہوئے۔ وہاں پہلے ہی احساس محرومی جڑ پکڑ چکا تھا اب ایبڈو کے نتیجے میں وہ پورے طور پر سیاسی عمل سے کٹ گیا اب سیاسی حکومت کی جگہ فوجی بیوروکریسی کا راج تھا جس کا تعلق پنجاب سے تھا عوام اور فوجی افسر شاہی کی ٹکر ناگزیر تھی چنانچہ علیحدگی پسند رجحانات کی آبیاری ہونے لگی جس کا حتمی نتیجہ بنگلہ دیش کی صورت میں سامنے آیا۔

سیاسی دانوں اور سیاسی کارکنوں کی ایک پوری نسل' جس کی جڑیں عوام میں تھی' سیاست سے الگ کر دی گئی ایوب خان کے اس عمل کے نتیجے میں ایک خوفناک سیاسی خلا پیدا ہو گیا جسے دوسرے درجے کے فرمانبردار سیاست دانوں سے پر کرنے کی کوشش کی گئی۔ عبدالصبور خان یا منعم خان جیسے فدوی سہروردی کی جگہ کس طرح پر کر سکتے تھے۔ ایوب خان فوج کی مدد سے برسر اقتدار آیا تھا جس میں مشرقی پاکستان کی نمائندگی نہ ہونے کے برابر تھی۔ ایوب خان فوج کی مدد سے برسر اقتدار آیا تھا جس میں مشرقی پاکستان کی

نمائندگی نہ ہونے کے برابر تھی۔ چنانچہ بنگالی عوام کا یہ احساس شدید تر ہو گیا کہ اقتدار میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے ایوب کے دور اقتدار کی طوالت کے ساتھ ساتھ یہ احساس محرومی بھی بڑھتا گیا۔

ایوب خان کے ا۔بیڈو کے قانون کے جو نتائج نکل سکتے تھے وہ ایوب کے مشیران کرام کی نظروں سے پوشیدہ ہے یا انہوں نے جان بوجھ کر انہیں ایوب خان سے پوشیدہ رکھا۔ ایوب خان نے مقبول اور متحدہ پاکستان کے حامی بنگالی سیاستدانوں کو نا اہل قرار دے کر جو سیاسی خلا پیدا کر دیا تھا وہ شیخ مجیب الرحمان اور اس جیسی دوسری علیحدگی پسند قوتوں سے بھرنے لگا۔ ایوب خان کے طول طویل دور حکومت میں عوام کو جو شکایتیں پیدا ہوئیں انہیں ایک جمہوری حکومت ہی دور کر سکتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شیخ مجیب الرحمان چھوٹے درجے کے سیاست دان سے ابھر کر نئی نسل اور پوری بنگالی قوم کی آرزوؤں اور امنگوں کا ترجمان بن گیا۔ جو بنگالی سیاست دان ان شکایات اور مسائل کو متحدہ پاکستان کے تناظر میں حل کر سکتے تھے وہ ایوب خان کے ا۔بیڈو کا شکار ہو گئے ..... (34) فضا پر بنگالی قوم پرستی چھا گئی اور جب ایوب خان کا اقتدار ختم ہوا حالات بہت دور جا چکے تھے۔

ا۔بیڈو کے منفی اثرات مغربی پاکستان میں بھی دیکھنے میں آئے صوبہ سندھ جو پہلے سے ون یونٹ کے خلاف تھا اب اس نئی افتاد پر کھول اٹھا۔ بلوچستان میں نوروز خان کی قیادت میں مسلح بغاوت ہوئی صوبہ سرحد میں نیشنل عوامی پارٹی کی قیادت بھی ان غیر جمہوری ہتھکنڈوں سے نالاں تھی۔ قوم پرست قوتوں کو کھلا چھوڑ دیا گیا اگرچہ یہ قوتیں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہی تھیں اور خان عبدالغفار خان' جی ایم سید' عطاء اللہ مینگل' غوث بخش بزنجو' عبدالصمد اچکزئی اور اسی سطح کے کئی بڑے رہنما مارشل لاء کے دوران جیلوں میں بند رہے لیکن حیرت انگیز بات ہے کہ ان رہنماؤں کو ا۔بیڈو کے تحت پانچ یا چھ سال کے لئے نااہل قرار نہ دیا گیا حکومت نے ان پر ا۔بیڈو کے علاوہ ہروار کیا سیاست دانوں کو نااہل قرار دینے کے اس قانون کی تاریخ میں یہ سوال آج بھی جواب طلب ہے کہ ایوب خان قوم پرست سیاست دانوں کو نااہلی کے قانون سے مستثنیٰ کیوں قرار دے دیا تھا؟

حوالے

1..... پروفیسر لارنس زیرنگ' پاکستان کا سیاسی بحران لاہور 1983ء صفحہ 97

2..... ایضاً

3..... احمد سلیم ٹوٹتی بنتی اسمبلیاں اور سول ملٹری بیوروکریسی لاہور 1966ء صفحہ 103

4..... محمد ایوب خان' جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی' اسلام آباد 1966ء' صفحہ 103

5..... ایضاً صفحات 97-396

6..... ایضاً صفحات 97-396

7..... ایضاً صفحہ 400

8..... ایضاً صفحہ 116

9 ..... میجر جنرل (ریٹائرڈ) [illegible] و خان' ایک جرنیل کی سرگزشت لاہور 1958ء صفحات 118-117

10..... ایضاً صفحہ 120

11..... ایضاً صفحات 21-120

12..... م ب خالد' ایوان صدر میں سولہ سال لاہور 1988ء صفحہ 328

13..... ایضاً صفحہ 328

14..... ایضاً صفحات 30-329

15..... ایضاً صفحہ 232

16..... Hasan Ashari Rizvi The Military and Politics in Pakistan, Lahore 1987 P-86

17..... M. Rafizue Afzal Political Parties in Pakistan Vol. II Islamabad. 1987 P-13

18..... قدرت اللہ شہاب' شہاب نامہ' لاہور 1989ء صفحہ 827

19..... ضیاء شاہد' یہ نظام کب ختم ہو گا روزنامہ جنگ 15 جون 1988ء

20..... قدرت اللہ شہاب..... صفحات..... 68-867

21 ..... شورش کاشمیری' حسین شہید سہروردی' لاہور 1928ء صفحات 107-108

22 ..... ممتاز اقبال ملک' نوابزادہ نصراللہ خان کی آپ بیتی کراچی 1988ء صفحات 27-26

23..... میجر جنرل (ریٹائرڈ) محمد امراؤ خان..... صفحہ 152

24..... ایضاً

25..... شورش کاشمیری..... صفحات 109-108

26..... ایضاً صفحات 109-108

27..... ایضاً صفحات 114-111

28..... ممتاز اقبال ملک..... صفحات 34-28

29..... ایضاً صفحات 36-34

30..... ایضاً صفحات 26-25

31..... قدرت اللہ شہاب..... صفحات 872-867

32..... M. Rafizue Afzal P-40

33..... Ibid PP-185-187

34..... Azizuddin Ahmad Politicians and

ایوب' یحییٰ فوجی آمریت کی بدعنوانیاں

ایوب خان نے سیاستدانوں کی کردار کشی ہی نہیں' انہیں سیاسی عمل سے بے دخل رکھنے کے لئے بھی یہ حربہ استعمال کیا۔ بدعنوانیوں' اقربا پروری' رشوت خوری جیسے سنگین الزمات عائد کر کے پاکستان میں سول سوسائٹی کے دروازے اس طرح بند کئے کہ ایوب آمریت کے خاتمے کے بعد بھی انہیں واء نہ کیا جا سکا۔ بدعنوانیوں کا الزام عائد کرنے والے اس فوجی حکمران کا اپنا عہد کس طرح کی آلودگیوں سے بھرا ہوا تھا۔ ہماری سیاسی تاریخ اس کی تفصیلات سے بھری پڑی ہے۔ ایوب خان نے نہ صرف کرپشن کے خلاف کوئی بنیادی اقدامات نہ کئے بلکہ اس کے برعکس اس نے اس طرح کے حالات کو پروان چڑھنے دیا۔ بلکہ یہاں تک کہا جا سکتا ہے کہ ایوب خان' اس کا خاندان' اس کے وزراء اور سیاسی آلہ کار اقربا پروری اور بدعنوانیوں کی دلدل میں دھنستے چلے گئے۔

ایوب خان اور خاندان

اپنے سیاسی چیلوں چانٹوں کو نوازنا پاکستان کے اس پہلے فوجی حکمران کی مجبوری تھی کہ دوسری صورت میں اس کے سیاسی حواری' مخالفین کی صفوں میں جا بیٹھتے۔ سیاسی مطلب براری کے لئے جائز ناجائز ذرائع کی کوئی تمیز نہیں تھی۔ کاروباری خردبرد اور بدعنوانیوں کی نہ صرف اجازت دی گئی بلکہ اس کی حوصلہ افزائی بھی کی گئی تاکہ اپنے سیاسی حامیوں کی حمایت کو خریدا جا سکے۔ کم از کم ایک مثال ایسی ضرور ہے کہ کرپشن میں بدنام ایک بڑے سول افسر کو ریٹائر ہونے پر' مدت ملازمت میں توسیع دے دی گئی۔ ایک اور مثال کے مطابق ایک ایسے اعلیٰ افسر کے خلاف کرپشن اور بدعنوانیوں کی سنگین تفصیلات سامنے آئیں' جو ایک زمانے میں خود ایوب خان کا پرائیوٹ سیکرٹری رہا تھا۔ ایوب خان نے اس افسر کے خلاف پولیس انکوائری کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا (1) اس افسر کی مدت ملازمت میں بھی ایوب خان نے خود توسیع کی تھی۔ 16 نومبر 1967ء کو "بی بی سی سے اپنے ایک انٹرویو میں ایوب خان نے اس الزام سے انکار کیا تھا کہ پاکستان کی تاریخ میں کرپشن اپنی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ ایوب خان نے اس الزام کی تردید کرتے ہوئے دعویٰ کیا تھا کہ ان کی حکومت کرپشن کو ختم کرنے کے لئے اپنی بہترین کوششیں کر رہی ہے۔

ان الزامات کو دیکھتے ہوئے' ایوب خان اور ان کے خاندان کا بدعنوانیوں میں ملوث ہونا ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اس قدر کہ اسے ایک بین الاقوامی سکینڈل کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے اور یہ بھی کہ یہ الزامات بے بنیاد نہیں تھے۔ جہاں تک ایوب خان کی اپنی ذات کا تعلق ہے یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ وہ اقتدار میں آتے وقت جتنے دولت مند تھے اقتدار سے رخصت ہوتے وقت اس سے کہیں زیادہ دولت اور پیسہ اکٹھا کر چکے تھے۔ تاہم اس بارے میں حقائق اور کہانیاں اس طرح گڈمڈ ہو گئی ہیں کہ قطعیت سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ البتہ یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ انہوں نے نقد پیسہ بنانے کی بجائے جائیداد اور زمینیں ہتھیانے میں زیادہ دلچسپی کا اظہار کیا۔ وہ اور ان کے خاندان کے گرد جائیدادیں اور فیکٹریاں بنانے کے سلسلے میں زیادہ سے زیادہ کہانیاں اور افواہیں پھیلتی چلی گئیں اور کئی لطیفے تک مشہور ہوئے۔ ایک افواہ نما روایت کے مطابق جب ایوب خان نے اپنے بیٹوں سے پریشانی کے انداز میں یہ کہا کہ بعض عناصر نے ان کے خلاف افواہوں کی فیکٹریاں کھڑی کر دی ہیں تو روایت کے مطابق گوہر ایوب نے ان فیکٹریوں پر قبضہ کر لینے کی خواہش کا اظہار کیا۔ یہ لطیفہ بھی انہیں افواہ ساز فیکٹریوں کا گھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بہرحال الزامات اتنے بے بنیاد بھی نہ تھے۔ گندھارا انڈسٹریز کے حوالے سے کئی افسانے اور حقائق منظر عام پر آئے۔ حبیب جالب کے مطابق

ایک بھائی اندر' ایک بھائی باہر
بیچ میں ہے بھائی گندھارا
پو بارہ پو بارہ

بعد میں حبیب جالب کو قتل کے ایک مقدمے میں گرفتار کر لیا گیا جس پر شاعر نے کہا تھا "مجھے تو چھوٹے چاقو سے سیب کاٹنا تک نہیں آتا' میں کسی انسان کو کیسے قتل کر سکتا ہوں"۔

ایوب خان' جو سیاستدانوں پر نااہلیت' بدعنوانیوں اور کرپشن کے الزامات عائد کرتے ہوئے اقتدار پر قابض ہوئے تھے۔ جلد ہی خود ان سرگرمیوں میں ملوث ہو گئے۔ انہوں نے ایوان صدر میں منتقل ہوتے ہی اپنے دو بیٹوں' خصوصاً گوہر ایوب پر غیر معمولی توجہ دینی شروع کر دی۔ اختر ایوب اپنے درویشانہ مزاج کے باعث اس راہ پر نہ لگ سکے لیکن گوہر ایوب نے جلد ہی اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا۔ وہ کیڈٹ شپ کے دنوں میں ہی کاکول سے رائل ملٹری کالج سینڈھرسٹ بھیج دیئے گئے تھے۔ جنرل ایوب خان نے جب صدر کا عہدہ سنبھالا تو کیپٹن گوہر ایوب کو اپنا اے ڈی سی رکھ لیا۔ ایوب خان جب کمانڈر انچیف تھے تب بھی گوہر ایوب ان کے اے ڈی سی تھے۔ (2) روایت ہے کہ ایوب خان کے وزیر خزانہ ایم شعیب نے جو خود بھی مالی بے قاعدگیوں میں ملوث تھے۔ ایوب خان کو ترغیب دی کہ وہ اپنے دونوں بیٹوں کیپٹن گوہر ایوب اور کیپٹن اختر ایوب کو فوج سے نکال کر نجی کاروبار میں لے آئیں۔ وزیر موصوف نے ایوب خان کو ہر قسم کے تعاون اور مدد کا لالچ دیا۔ حسن اتفاق سے موقع بھی ہاتھ آ گیا۔

جنرل حبیب اللہ خان، جو بری فوج کے چیف آف جنرل سٹاف اور سب سے سینئر آفسر تھے، امپریل ڈیفنس کالج لندن سے کورس کر کے واپس آئے تو ایوان صدر میں ایوب خان کے مہمان کی حیثیت سے ٹھہرے۔ ان کے پہنچنے سے پہلے افواہ گرم تھی کہ وہی ایوب خان کی جگہ کمانڈر انچیف بننے والے ہیں۔ ایوان صدر میں ان کے قیام سے افواہ کو مزید تقویت ملی جس کی وجہ سے ان کی عزت اور اثر و رسوخ میں کثیر اضافہ ہوا۔ ایوب خان نے اسے اپنے لیے خطرہ سمجھتے ہوئے جنرل حبیب اللہ خان کو فوج سے ریٹائر کر دیا اور ان کی بجائے جنرل موسیٰ کو کمانڈر انچیف بنایا جن کی وفاداریاں شک و شبہ سے بالا تھیں۔ جنرل حبیب اللہ خان کی بیٹی گوہر ایوب خان سے منسوب تھیں۔ اور خدشہ تھا کہ جنرل حبیب اللہ خان کی ایوب خان سے ناراضگی اس رشتے پر اثر انداز ہو مگر فریقین نے دانشمندی کا ثبوت دیا اور شادی بخیر و خوبی انجام پذیر ہوئی۔ گوہر ایوب نے بری فوج سے ریلیز لے لی اور ایم شعیب نے انہیں امریکہ کی مشہور فرم جنرل موٹرز کی ایجنسی لے دی۔ یوں سسر اور داماد نے مل کر گندھارا موٹرز کے نام سے کاروبار شروع کر دیا جلد ہی گندھارا انڈسٹریز میں تبدیل ہو گئی اور مالکان کا شمار پاکستان کے امیر ترین خاندان میں ہونے لگا(3)

نومبر 1967ء میں ایوب خان نے کئی سرکاری/نیم سرکاری محکموں کو اس مضمون کے خطوط لکھے کہ اگر ان کے افراد خاندان کسی قسم کے مراعات یا فوائد کے لئے انہیں اپروچ کریں تو اس کی انہیں فوراً اطلاع دی جائے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس طرح کی ہدایت سے کیا فرق پڑ سکتا تھا جبکہ ایوب خان اور ان کا خاندان مالی بے قاعدگیوں کے حوالے سے انتہائی بدنام ہو چکا تھا۔ اقتدار کے ساتھ ساتھ ان کی پیسے کی ہوس اس قدر بڑھ چکی تھی کہ اقتدار سے ہٹنے سے تقریباً ایک سال قبل جب وہ انگلینڈ کے دورے پر گئے تو وہ نئے نئے اپنی بیماری سے اٹھے تھے۔ راؤ عبدالرشید راوی ہیں کہ اس وقت گوہر ایوب بھی ان کے ساتھ تھے۔ الطاف گوہر بھی تھے۔ "لندن سے باہر کنٹری سائیڈ پر جگہ تھی۔ وہاں انتظام کیا گیا تھا وہاں اسلحہ کا ایک بڑا مشہور انٹرنیشنل فیم کا ڈیلر تھا..... ایوب خان کی اس گفت و شنید چل رہی تھی۔ کچھ پاکستان کے جو ٹینک وغیرہ تھے، ان کے متعلق بھی سلسلہ چل رہا تھا۔ اس سارے سلسلے میں گوہر ایوب صاحب پیش پیش تھے۔ کوئی کمیشن وغیرہ کا چکر تھا تو اس سے انسان کو بڑی نفرت ہوتی تھی کہ اس شخص کو ملک میں سب سے بڑا عہدہ حاصل ہے اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے لیکن اس بیماری کی حالت میں بھی یہ خیال ہے کہ اس سودے میں اس کے بیٹے کو کیا مل سکتا ہے۔"(4)

جب ایوب خان اپنے عہدے سے برطرف ہوئے تو ڈاکٹر فرانز پک کے تخمینے کے مطابق وہ دس سے بیس ملین ڈالر تک دولت کے مالک تھے۔ (5) ڈاکٹر پک کا یہ محتاط تخمینہ 69-1958ء کے عرصہ کے لئے اتنا کم بھی نہیں تھا۔ گوہر ایوب نے اس سلسلے میں جو تگ و دو کی اس کے نتیجے میں وہ جولائی 1968ء کے اختتام پر کئی اداروں کے چیئرمین، ایم ڈی اور ڈائریکٹر تھے فیلڈ مین کی اطلاعات کے مطابق وہ اروسہ انویسٹمنٹ لیمیٹڈ، اروسہ انڈسٹریز لیمیٹڈ اور ہاشمی کین کمپنی لیمیٹڈ کے چیئرمین، گندھارا انڈسٹیریز لیمیٹڈ، گندھارا انڈسٹریز کے مینجنگ ایجنٹس، گوہر حبیب لیمیٹڈ کے ایم ڈی اور گندھارا منرل اینڈ ٹریڈنگ کمپنی لیمیٹڈ اور جانانہ ڈی مالوچو ٹیکسٹائل ملز لیمیٹڈ کے ڈائریکٹر تھے۔ (6) اور ان کی مجموعی دولت 4 ملین ڈالر کے لگ بھگ تھی۔

ایوب خان نے صرف اپنے بیٹے گوہر ایوب پر ہی مہربان نہ تھے انہوں نے اپنے دوسرے بچوں کے لئے بھی حد سے بڑھ کر کرنے کی کوشش کی۔ جولائی 1966ء میں اعلان کیا گیا کہ ایوب خان نے والئی سوات اور ریاست دیر کے نواب کو ہزہائی نس کا خطاب عطا کیا ہے جس کے نتیجے میں دونوں کو پندرہ توپوں کی سلامی دی جا سکے گی۔ بتایا گیا کہ دونوں والیان ریاست کو اعزازات 1965ء کی جنگ میں ہندوستان کے خلاف اعلیٰ خدمات سرانجام دینے کے صلے میں عطا کئے گئے ہیں۔ یہ بات کسی حیرت کا باعث نہیں ہے کہ پاکستان بھر میں خصوصاً ایوب خان کے سیاسی دشمنوں کے یہاں اس فیصلے کی زبردست مخالفت ہوئی ان نوازشات کے پیچھے اصل بات یہ تھی کہ ایوب خان کی سب سے بڑی صاحب زادی بیگم نسیم اورنگ زیب، والئی سوات کے بیٹے سے بیاہی ہوئی تھیں اور اس طرح ایک رسالدار میجر کی یہ خوش بخت پوتی "ہائی نس" کہہ کر پکاری جا سکتی تھیں۔ (7)

افسر شاہی سے تعلق رکھنے والے جو لوگ ایوب خان کے اچھے اور برے کاموں میں شریک تھے یا رہے تھے انہوں نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ ابتداء میں ایوب خان کی نیت نیک تھی۔ وہ عوام کو سیاستدانوں کی زیادتیوں سے بچانے آئے تھے۔ اور ان کے کوئی سیاسی عزائم نہیں تھے۔ لیکن دیکھتے ہی دیکھتے ہوا کا رخ بدل گیا اور نیک نیتی کا سارا بھرم نفسانی خواہشات، آئینی ترمیمات اور سیاسی ریشہ دوانیوں کی نذر ہو گیا۔ (8) قدرت اللہ شہاب اس انحطاطی عمل کا آغاز بڑی تاخیر(1964) سے بتاتے ہیں ------ جبکہ حقیقت میں اس کی ابتداء برسوں پہلے ہو چکی تھی۔ شہاب تاخیر سے ہی سہی، لیکن اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ 1962ء کے آئین کی رو سے صدر کے انتخاب سے پہلے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات مکمل ہونا لازمی تھے لیکن اب صدر ایوب کی نیت بدل گئی۔ ان کے ایماء پر اس بندوست کو الٹ کرنے کے لئے جو آئینی ترمیم پیش کی گئی اس کے خلاف قومی اسمبلی میں شدید رد عمل ہوا۔ ترمیم منظور کرنے کے لئے اسمبلی میں مطلوبہ ووٹوں کی تعداد حاصل کرنا دشوار ہو گیا تو حکومت نے دھونس، دھاندلی، لالچ اور فریب سے کام لے کر حزب مخالف کے آٹھ اراکین کو توڑ لیا۔ اس سے قبل صدر ایوب نے بڑے اہتمام سے پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ میں یہ شرط رکھوائی تھی کہ اگر قومی یا صوبائی اسمبلی کا کوئی ممبر پارٹی چھوڑے گا تو اسے اسمبلی کی نشست سے دستبردار ہونا پڑے گا اور اس

نشست کے لئے اسے از سرنو انتخاب لڑنا ہو گا۔ لیکن قومی اسمبلی کے ان آٹھ بھگوڑے ممبروں کے خلاف ایسی کوئی کاروائی عمل میں نہ لائی گئی بلکہ ان میں سے ایک کو تو بعد ازاں ہائی کورٹ کا جج بھی بنا دیا گیا۔ چنانچہ اس ترمیم کے ذریعے اب یہ قرار پایا کہ نیا صدر منتخب ہونے تک موجودہ صدر بدستور عنان اقتدار اپنے ہاتھ میں رکھے گا اور صدر کا انتخاب مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخاب سے قبل عمل میں لایا جائے گا۔ بلاشبہ ان آئینی تبدیلیوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ اگلے انتخاب میں صدر ایوب کا پلہ بھاری رہے۔ صدارتی انتخاب میں دھاندلی کی راہ ہموار کرنے کے لئے آئین کی یہ توڑ مروڑ عوام کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکتی تھی......... دو مزید آئینی ترامیم بھی معرض وجود میں آئیں۔ ایک کے ذریعے دیہاتی سطح پر نمبرداروں' انعام داروں' سفید پوشوں اور ذیلداروں کو بنیادی جمہوریتوں کے انتخاب لڑنے کا اہل قرار دے دیا گیا تاکہ حکومت کے اپنے کارندے اور حلقہ بگوش زیادہ سے زیادہ تعداد میں ان اداروں میں شامل ہو سکیں۔ دوسری ترمیم سے سرکاری ملازمین کی معیاد ملازمت اور سبکدوشی کے نئے قواعد و ضوابط نافذ ہو گئے اور حکومت کی گرفت ان کی شہ رگ پر براہ راست اور بھی مضبوط ہو گئی۔ ان اقدامات سے ان شکوک و شبہات کو مزید تقویت ملی کہ صدر ایوب سیاست کے علاوہ نظم و نسق کے ہر شعبے میں بھی طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کر کے اگلے صدارتی انتخاب ہر قیمت پر جیتنے کا جال بچھ رہے ہیں۔ (9)

یہی نہیں۔ صدارتی الیکشن کے دوران .... ایوب خان کی کونشن مسلم لیگ کے ہاتھ میں کروڑوں کا الیکشن فنڈ موجود تھا۔ اسے جمع کرنے کے لئے ہر طرح کے حربے استعمال کئے گئے تھے۔ اکثر تاجروں اور صنعت کاروں کو امپورٹ لائسنسوں پر مقررہ شرح سے الیکشن فنڈ میں چندہ دینا ہوتا تھا۔ کچھ لائسنس فرضی ناموں پر جاری کر کے بھاری قیمت پر ضرورت مند تاجروں اور صنعت کاروں کے ہاتھ فروخت کر دیئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ پٹ سن کے کارخانوں اور سوتی اور اونی ٹیکسٹائل ملوں سے بھی بھاری بھرکم چندے وصول کئے گئے تھے .... صدر ایوب کے صدارتی انتخاب کی مہم میں پیسے کی ریل پیل نے سیاسی گلن اور سڑن کو ایسا فروغ بخشا جس کی مثال ہماری تاریخ میں پہلی نہیں ملتی۔ انہوں نے سیاست کی تطہیر کی خاطر فوج کے ساتھ سیاستدانوں پر چڑھائی کی تھی اور اب ان کی پارٹی خود ہی الیکشن کے تالاب میں گندی مچھلی کا روایتی کردار ادا کرنے میں سرگرم عمل تھی۔ (10)

ایوب خان اور سی آئی اے

1948ء میں مشرقی پاکستان کے جی او سی کے طور پر ایوب خان نے اپنے مستقبل کے سیاسی عزائم کا اظہار کرنا شروع کر دیا تھا۔ 13 جولائی 1948ء کو انہوں نے پولیس کی بغاوت کو کچلا تو صوبے کے نظم و نسق کی فکر ان کے ذہن کو بہت دور تک لے گئی جب وہ پورے ملک کے نظم و نسق کے ذمہ دار بن سکتے تھے۔ انہوں نے ہوائی حملہ کر کے اور درجن بھر باغیوں کو ٹھکانے لگا کر یہ بھی دیکھ لیا کہ نظم و نسق پر قبضہ کرنے کے لئے طاقت کی ضرورت ہو گی۔ مشرقی پاکستان میں ہی ایک اور موقع پر وزیر اعلیٰ خواجہ ناظم الدین کی مدد کرتے ہوئے انہوں نے محمد علی بوگرہ کے شانے پر تھپکی دیتے ہوئے پوچھا تھا۔ کیا آپ کو کسی گولی کی جستجو ہے؟ یہ کہانی انہوں نے اپنی خود نوشت سوانح حیات میں مزے لے لے کر لکھی ہے جس میں سیاسی عمل اور سیاستدانوں سے ان کی نفرت واضح ہے وہ اونچے پیڈسٹل سے نیچے دیکھ رہا ہے اور اسے گھن آ رہی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ مارشل لاء لگانے کے جواز کے لئے اس نے ابتداء میں ہی شواہد جمع کرنے شروع کر دیئے تھے۔" (11)

جنوری 1951ء میں پاکستانی فوج کے کمانڈر انچیف کا عہدہ سنبھالنے کے بعد انہوں نے فوج میں اپنے ماتحتوں کو سیاست سے دامن بچا کر رکھنے کی تلقین کی تھی لیکن ایوب خان اس سے زیادہ چالاک و ہوشیار تھے جتنا ان کے بارے میں خیال کیا جاتا تھا اپنے تئیں 'سادہ' پیچھے رہنے والے اور وفادار سپاہی کی حیثیت سے پیش کرتے ہوئے' جیسے سیاسی سازشوں سے کوئی دلچسپی نہ ہو' ایوب خان دل ہی دل میں اپنی ترقی کو تاریخ کے ارتقاء میں سنگ میل سمجھتے تھے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ تقریباً دو سو برس کے بعد برصغیر میں ایک مسلمان فوج کو ایک کمانڈر انچیف ملا ہے۔

راولپنڈی سازش کیس نے انہیں اپنے اقتدار کے لئے طاقت کے استعمال کا اشارہ دیا۔ ان کا گروپ جس میں اسکندر مرزا بھی شامل تھے۔ لیاقت علی خان سے اس امر پر متفق تھا کہ مقامی کیمونسٹوں کے خلاف مہم نہ صرف سیاسی طور پر مفید ثابت ہو گی بلکہ واشنگٹن میں اسے موافق توجہ بھی ملے گی .... بہرحال اقتدار پر قبضے کی یہ پہلی فوجی کوشش تھی۔ اس نے ایوب خان کو یہ نادر اور اچھوتا خیال بخشا تھا کہ ایسی کوشش دوبارہ بھی کی جا سکتی ہے اور اس بار اسے کامیابی سے ہمکنار بھی کیا جا سکتا ہے۔ جلد ہی ایوب خان کے امریکی رابطے شروع ہو گئے۔ ٹرومین کے بعد جب آئزن ہاور امریکہ کے صدر بنے تو پاکستان میں غلام محمد' اسکندر مرزا' ایوب خان جتھہ' جڑیں پکڑ چکا تھا۔ ستمبر 1953ء میں ایوب خان اعلیٰ امریکہ فوج اور سول حکام سے بات چیت کے لئے امریکہ پہنچے ڈان کی رپورٹ کے مطابق 12 اکتوبر کو انہوں نے اپنا دورہ امریکی وزیر خارجہ ڈلس پر ختم کیا۔ غلام محمد اور ایوب خان سے ملاقاتوں کے بعد ڈلس اور آئزن ہاور سمجھ چکے تھے کہ پاکستان' امریکہ اور مغربی طاقتوں کے مفاد میں تعاون کرنے کا خواہش مند ہے لیکن اس کے بدلے اسے فوجی مدد دینا ہو گی اکتوبر 1954ء میں ایوب خان نے ملک کے مستقبل کا ایک سیاسی خاکہ تیار کیا جس میں ان کا "محدود جمہوریت" کا فلسفہ سامنے آیا۔ انہوں نے ون یونٹ کا تباہ کن نظریہ بھی پیش کیا۔ پاکستان کے بدنصیب عوام کا مقدر یہی تھا کہ وہ آنے والے مہینوں اور برسوں میں ایک

خود ساختہ نجات دہندہ کے ظالمانہ جھوٹ کا تختہ مشق بنیں۔ جس شخص نے یہ دستاویز لکھی وہ کم از کم 1951ء سے اس یقین کا حامل تھا کہ اس کے ملک کو امریکہ کے ساتھ ایک فوجی تعلق استوار کرنا چاہئے۔

24 اکتوبر 1954ء کو پاکستان پہلی دستور ساز اسمبلی ٹوٹنے پر وہ پاکستان کی وزیر دفاع مقرر کر دیئے گئے کابینہ میں اپنے ساتھیوں سے تبادلہ خیالات کرتے ہوئے انہوں نے "تعمیری کام" کرنے کا اصرار کیا۔ پہلا ہدف ون یونٹ تھا۔

ان کے امریکہ سے روابط بڑھتے گئے۔ 2 مئی 1958ء کو ایوب خان پھر امریکہ میں تھے۔ 5 مئی کو انہوں نے اپنی ڈائری میں لکھا:

"شام کو میں (سی آئی اے کے سربراہ) ایلن ڈلس سے ملا۔ اور ان کا شکریہ ادا کیا کہ وہ اپنے بھائی' جو امریکہ کے وزیر خارجہ تھے' کو ہمارے مسائل کے بارے میں آگے لائے ہیں" ڈائری کے یہ جملے ظاہر کرتے ہیں کہ "ہمارے مسائل" کے ضمن میں ایوب خان نے ایلن ڈلس کو کوئی اطلاع فراہم کی تھی اور اب وہ ان کا شکریہ ادا کر رہے تھے کہ انہوں نے جان فاسٹر ڈلس کو آگے کر دیا تھا۔ اس سے واضح نہیں ہوتا کہ وہ مسائل کیا تھے جن کا ذکر ایوب خان نے سی آئی اے کے سربراہ سے کیا تھا۔ شاید وہ آنے والے انتخابات سے چھٹکارا پانا چاہتے تھے جس میں امریکہ سی آئی اے ان کی دستگیری کرتی۔

پاکستان میں مارشل لاء لگنے کے فوراً بعد امریکہ نے ایوب کو اقتدار دلانے کا معاوضہ بھی وصول کر لیا۔ 1960ء کے اوائل میں صدر ایوب اور امریکی سی آئی اے کے درمیان ایک خفیہ معاہدہ ہوا: "جس کے تحت یہ طے پایا تھا کہ صدر ایوب سی آئی اے کو اس کی بین الاقوامی سرگرمیوں کے سلسلے میں پاکستان کی حدود میں بعض مراعات اور سہولتیں فراہم کریں گے اور اس کے صلے میں انہیں ستر ہزار ڈالر سالانہ تاحیات ملتے رہیں گے جو ان کے غیر ملکی بنکوں کے اکاؤنٹ میں ہر سال پابندی سے جمع ہوتے رہیں گے ...."
(12)

روس کے خلاف جاسوسی کا معاوضہ

ایوب خان نے تو سیاستدانوں پر مالی بے قاعدگیوں اور بدعنوانیوں کا الزام لگا کر انہیں سیاست اور اقتدار سے چلتا کر دیا تھا لیکن اقتدار میں آنے کے دو سال کے اندر اندر انہوں نے پاکستان کے مفادات کے خلاف بہت بڑی رشوت قبول کر کے خود اپنے عائد کردہ الزامات کی عملی تردید کر دی۔ اس اجمال کی تفصیل شوکت صدیقی نے اپنے ایک تحقیقی مضمون "ایوب خان سی آئی کے ایجنٹ تھے" میں بیان کی ہے۔ شوکت صدیقی کے مطابق 5 مئی 1960ء کو ایک ایسا ہنگامہ خیز واقعہ پیش آیا جس نے بین الاقوامی سیاسی کو زیرو زبر کر کے رکھ دیا۔ یہ امریکہ کے فضائی جاسوسی کرنے والے طیارے یو۔ ٹو (U 2) کا تاریخی واقعہ تھا جسے روس میں گرا لیا گیا تھا۔ روسی وزیر اعظم نکیتا خروشیف نے سپریم سوویت کے اجلاس میں جب اس واقعہ کا انکشاف کیا تو ساری دنیا ششدر رہ گئی۔ اس کا اتنا شدید ردعمل ہوا کہ پیرس میں منعقد ہونے والی سربراہ کانفرنس ملتوی ہو گئی۔ خروشیف نے غیض و غضب کے عالم میں امریکہ صدر آئزن ہاور کے دورۂ روس کو منسوخ کر دیا۔ اس سلسلے میں شدید احتجاج کے ساتھ ساتھ حکومت روس نے جن ممالک کو دھمکیاں دیں ان میں امریکہ کے ساتھ ساتھ ناروے' ترکی اور پاکستان بھی شامل تھے۔(13)

اس کے کئی برس بعد امریکی اخبار "نیویارک ٹائمز" نے اپنی 27 جنوری 1976ء کی اشاعت میں یہ سنسنی خیز انکشاف کیا کہ غیر ملکی جاسوسی کا رسوائے زمانہ ادارہ سی آئی اے اپنے خفیہ فنڈ سے تیسری دنیا کے ترقی پذیر ممالک کے بعض اخبارات' مذہبی و سیاسی جماعتوں اور ان کے رہنماؤں کو ہر سال کروڑوں ڈالر کی بھاری رقم فراہم کرتا ہے۔ اس خبر کی بنیاد دراصل امریکی کانفریس کے اس کمیشن کی رپورٹ پر تھی جو سی آئی اے اور جاسوسی کے دوسرے امریکی اداروں کی خفیہ سرگرمیوں کی چھان بین کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ 348 صفحات پر مشتمل اس رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ سی آئی کی جانب سے اس مد میں ہر سال دس ارب ڈالر خرچ کئے جاتے ہیں جس میں غیر ملکی سربراہ مملکت کو 14 سال کے دوران 9 لاکھ 60 ہزار ڈالر دیئے گئے۔
(14)

"نیویارک ٹائمز" نے رپورٹ کی جو تفصیلات شائع کیں ان میں بعض سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر غیر ملکی مذہبی و سیاسی جماعتوں اور ان کے رہنماؤں کے نام ظاہر کرنے سے گریز کیا گیا۔ تاہم اخباری اطلاعات کے مطابق جن مذہبی و سیاسی جماعتوں اور ان کے رہنماؤں کے نام "نیویارک ٹائمز" نے ظاہر نہیں کئے ان میں پاکستان کی دو نیم مذہبی و سیاسی جماعتیں بھی شامل تھیں اور جس سربراہ مملکت کو چودہ سال کے دوران 9 لاکھ 60 ہزار ڈالر کی رقم سیاسی رشوت کے طور پر دی گئی' وہ صدر ایوب تھے.......... اس خفیہ معاہدے پر 1960ء سے عمل درآمد شروع ہو گیا تھا اور 1974ء میں ان کے انتقال کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔(15)

سی آئی اے اور ایوب خان کے درمیان ایسا خفیہ معاہدہ کیوں ہوا تھا جس کے تحت وہ ستر ہزار ڈالر سالانہ تاحیات وصول کرتے رہے۔ دراصل اس معاہدہ کا تعلق براہ راست یوٹو کی خفیہ پروازوں سے تھا۔ اس سلسلہ میں اس سمجھوتہ کا ذکر ضروری ہو گا۔ جو فروری 1955ء میں معاہدۂ بغداد کے تحت پاکستان اور امریکہ کے درمیان ہوا جس میں یہ طے پایا تھا کہ حکومت پاکستان گلگت اور صوبہ سرحد میں امریکہ کو اپنے فوجی اڈے قائم کرنے کے لئے ضروری مراعات اور سہولتیں فراہم کرے گی۔ اس معاہدہ پر محمد علی بوگرہ نے بحیثیت وزیر اعظم پاکستان اور ایوب خان نے فوج کے کمانڈر انچیف کی حیثیت سے دستخط کئے تھے۔ اس سمجھوتہ کی خفیہ شق کے مطابق پشاور کے قریب بڈبیر کے مقام پر امریکہ نے اپنا ایک فضائی اڈاہ قائم کیا۔ اس کی تعمیر

1959ء میں شروع ہوئی اور سال بھر کے اندر مکمل ہو گئی۔ یہ اڈہ دس سال کے پٹے پر دیا گیا تھا۔ اس خفیہ اڈے کی کسی کو خبر نہ تھی تا آنکہ یوٹو کی پرواز نے اس راز کو طشت ازبام کر دیا۔

یوٹو اڑانے والے پائلٹ فرانسس گیری پاورز پر روس میں کیا گزری یہ ہمارا موضوع نہیں ہے لیکن اس کے نتائج بہرحال پاکستان کے حق میں نہ نکلے روس نے نقشے پر پشاور کے گرد سرخ دائرہ لگاتے ہوئے دھمکی دی کہ یہ شہر اس کے میزائلوں کی زد میں ہو گا۔ روس نے کوئی فوری جوابی کارروائی تو نہ کی لیکن پاکستان کو ایک عرصہ تک روس کے معاندانہ رویے کا نشانہ بننا پڑا۔

ایوب خان کے امراء وزراء

ایوب خان نے اپنے اور اپنے خاندان کے لئے تو جائز ناجائز طریقے سے دھن دولت جمع کی ہی لیکن ان کے سیاسی حواریوں نے ہاتھ رنگنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ اس سلسلے میں ان کا وزیر خزانہ ایم شعیب' سب سے زیادہ بدنام ہوا۔ مشرقی پاکستان کے گورنر منعم خان اور مغربی پاکستان کے گورنر نواب کالا باغ بھی اس دوڑ میں پیچھے نہ رہے۔ مارشل لاء کے نفاذ کے ساتھ ہی بظاہر بڑی انقلابی تبدیلیاں آئی تھیں۔ ذخیرہ اندوزوں اور بلیک مارکیٹ کرنے والوں نے اپنی دکانوں کے پٹ کھول دیئے .... چند لوگوں نے ناجائز دولت سے بھرے ہوئے سوٹ کیس راتوں رات کھلے میدانوں میں جا پھینکے۔ کروڑوں روپے کا پوشیدہ کالا دھن واجبی ٹیکس ادا کرنے کے بعد ظاہر ہو کر تجارت و صنعت کی گردش میں آ گیا۔ مارشل لاء کی عینک لگا کر پولیس کے سراغ رسانوں کی بصیرت بھی تیز ہو گئی اور ایک روز سمندر کی تہ میں ڈوبا ہوا ناجائز سونے کا بہت بڑا انبار برآمد کر لیا گیا۔

یہ اور ایسی کئی دوسری ہنگامی کارروائیاں بھی ہوئیں لیکن مارشل لاء مسلط کرنے والے خود دولت کی لوٹ مار میں شامل ہو گئے۔ فوجی تو جلد ہی بیرکوں میں چلے گئے لیکن جن الزامات کے تحت مارشل لاء اتارا گیا تھا' ان میں مارشل لاء اور سول انتظامیہ کی تمام مشینری خود ملوث ہو گئی۔ مارشل لاء کا دبدبہ کچھ دن رہا مگر مختصر عرصے کے بعد رشوت ستانی' اسمگلنگ' بلیک مارکیٹنگ' اور ری کیئرنگ کی بدعنوانیاں زور و شور سے شروع ہو گئیں۔ صرف مغربی پاکستان میں کراچی سے سیالکوٹ تک ایک ہزار اسمگلر پھیلے ہوئے تھے۔ مغربی و مشرقی پاکستان کے سرحدی علاقے اس ناجائز تجارت کی بہترین مارکیٹ تھے اس منافع بخش کاروبار کے پیچھے ایوب خان کے اپنے اعلیٰ عہدیداروں کا ہاتھ تھا۔ یہی نہیں' اسمگلنگ نے امن و امان کی تباہی میں اہم رول ادا کیا۔ لاء اینڈ آرڈر کی ایک رپورٹ کے مطابق جرائم اس قدر بڑھ گئے تھے کہ منظم گروہ دن دہاڑے قتل' اغوا وغیرہ کا ارتکاب کرنے لگے۔

ایوب خان کی سول اور فوجی انتظامیہ کے سلسلے میں یہ انکشاف بعد میں ہوا کہ اصل رشوت خور اور بدعنوان افسر تو اسکریننگ کی زد سے صاف بچ گئے مگر جو افسران' اس وقت کے باثر کاسہ لیسوں کے ہاتھ کھلونا نہیں بننا چاہتے تھے وہ معتوب ہوئے۔ چونکہ رشوت کا بازار گرم ہو چکا تھا اس لئے افسران کے دل کھول کر دولت سمیٹی اور رشوت کے ریٹ میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ اس لئے کہ "خطرہ" تھا۔ رشوت کی لعنت تو سول ایڈمنسٹریشن کا ورثہ تھا مگر اب فوجیوں کو بھی اس کی لت پڑ گئی۔ صرف مہینے دو مہینے کے بعد سویلینز سے رابطے نے چند فوجی افسروں کو رشوت کی لپیٹ میں لے لیا .... 12 اکتوبر 1961ء کے اداریئے نے دلچسپ انکشاف کیا کہ اس وقت کے وزیر صنعت جناب ابوالقاسم خان نے خود اعتراف کیا تھا کہ ان کی فیکٹری کا سٹاف ایکسائز ڈیوٹی کا چالان داخل کرتے وقت رشوت دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو معاملہ کھٹائی میں پڑ جاتا ہے۔ (16)

ایوب خان نے ایک بڑے جاگیردار امیر محمد خان آف کالا باغ کو پی آئی ڈی سی کا چیئرمین بنا دیا تھا۔ لیکن یہ دھندا نواب صاحب کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس لئے ان کو وہاں سے سبکدوش کر کے مغربی پاکستان کا گورنر بنا دیا گیا اور ان کی جگہ لیفٹیننٹ جنرل افتخار نے پی آئی ڈی سی کے چیئرمین کا عہدہ سنبھالا۔ جنرل صاحب واہ فیکٹری کے چیئرمین تو تھے ہی۔ اب اس کے ساتھ پی آئی ڈی سی کا اضافی عہدہ مل گیا۔ فوجی افسروں کو فراخدلی سے بیراجوں میں زرعی زمینیں دی گئیں۔ (17)

نواب کالا باغ' جو اپنے رعب اور دبدبے کے باعث مشہور ہوا' بھی ہاتھ رنگنے میں دوسروں سے پیچھے نہیں تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس مقصد کے لئے اس نے اپنے کارندوں کو آگے کر رکھا تھا۔ اس کا ایک "کارندہ یاسین تھا۔ نواب اس کے نام سے کاروبار کرتا تھا۔ سیالکوٹ میں اس نے کوکاکولا فیکٹری لگوائی تو لائسنس یاسین کے نام پر لیا تھا۔ سنٹرل کو آپریٹو بنک کے قرضے سے ساری فیکٹری بنی اور "غیر محفوظ قرضہ" نہ کوئی لکھت' نہ پڑھت' نہ سیکورٹی' اس بنک کا سیکرٹری سیالکوٹ کا چودھری ظہور الٰہی تھا .... وہ آوٹ آف دی وے جا کے قرضے دیتا رہا........" (18)

مشرقی پاکستان کے ایک گورنر ذاکر حسین کا ذکر پچھلے صفحات میں آ چکا ہے۔ پہلے وہ پولیس کے محکمے میں ایک اعلیٰ افسر تھا اور خراب شہرت کا حامل تھا۔ صدر ایوب نے اسے پولیس چوکی سے اٹھا کر مشرقی پاکستان کا گورنر بنا دیا تھا' عوام نے اس کے خلاف مظاہرے شروع کئے تو گورنری سے ہٹا کر ایوب خان نے اسے مرکزی کابینہ میں وزیر داخلہ بنا دیا۔ ایوب خان نے ایک اور سنگین مذاق یہ کیا کہ انسداد رشوت ستانی کے محکمہ کو بھی وزارت داخلہ کے تحت کر دیا۔ وزیر داخلہ کی مبینہ بدعنوانیوں کے بارے میں روزنامہ "جنگ" کراچی نے اپنی 22 فروری 1961ء کی اشاعت میں یہ خبر شائع کی کہ " بحالیات کے محکمے نے بیگم ذاکر حسین کے نام ایک وسیع و عریض بنگلہ ٹرانسفر کر دیا ہے حالانکہ اس بنگلے کے مکین مسٹر نورانی نے اس کی ٹرانسفر کے لئے باقاعدہ فارم داخل کیا ہوا تھا۔ نگران کی درخواست کو نظر انداز کرتے ہوئے

بیگم صاحبہ کو بنگلے کا مالک بنا دیا گیا۔" اسی ذاکر حسین کے دور میں شیخ مجیب الرحمٰن کو گرفتار کر کے ٹارچر کیمپوں میں رکھا گیا۔ اپنی وزارت کے دوران ہی وزیر موصوف نے حسین شہید سہروردی کو گرفتار کر کے غدار قرار دیا۔ ضمانت پر رہائی کے بعد ان پر غداری کا مقدمہ چلایا گیا اور انہیں جلاوطن کر دیا گیا۔ سہروردی اسی جلاوطنی کے دوران انتقال کر گئے۔

ایوب خان کے وزیر خزانہ ایم شعیب' ورلڈ بنک کا پاکستانی ایگزیکٹو ڈائریکٹر تھا اور امریکی سی آئی اے سے اس کا تعلق کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ پاکستان کا وزیر خزانہ بن کر بھی ایم شعیب اپنی تنخواہ ورلڈ بنک سے باقاعدہ زر مبادلہ کی صورت میں وصول کرتا رہا۔ دونوں طرف سے تنخواہیں وصول کرنا ملکی مفاد اور اخلاقی اصولوں کے خلاف تھا۔ مگر شعیب نے اس کھلی بے قاعدگی کی ایوب خان سے اجازت لے رکھی تھی۔ ورلڈ بنک کی تنخواہ کے مقابلے میں پاکستانی وزیر کی تنخواہ اتنی قلیل تھی کہ ایم شعیب تھوڑے سے ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے چھوڑ بھی سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ ایک طرف مارشل لاء آرڈر کے تحت لوگ باہر کے بنکوں میں اپنی جمع شدہ رقم پاکستان منتقل کرنے پر مجبور تھے اور دوسری طرف پاکستان کے وزیر خزانہ غیر ملکی بنک میں ہر مہینے ڈالر جمع کروا رہے تھے۔ (18)

بیرون ملک چھپا کر رکھے ہوئے سرمائے کو واپس لانے کے لئے مارشل لاء کا ایک ضابطہ نافذ ہوا جس کے تحت ہر شخص اپنا غیر ملکی زر مبادلہ بلا روک ٹوک پاکستان لا سکتا تھا۔ اس رقم پر کوئی ٹیکس بھی نہ لگایا جاتا تھا۔ سیٹھوں کا ایک منظم گروہ اس ضابطے کو پوری طرح ناکام بنانے پر تلا ہوا تھا۔ حکومت کی ایک خفیہ انکوائری سے پتہ چلا کہ بہت سے سربر آوردہ اشخاص منظم طور پر یہ سازش کر رہے ہیں کہ لوگ اپنی پوشیدہ دولت کو ظاہر نہ کریں اور بیرون ملک جمع کیا ہوا زر مبادلہ واپس نہ لایا جائے۔ اس تحریک کے سرغنوں کے طور پر ایم اے رنگون والا چیئرمین فیڈریشن آف چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری' جے ایس لوبو' سیکرٹری کراچی چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری' اے کے سومار' سیکرٹری پاکستان مرچنٹس ایسوسی ایشن اور احمد اے کریم گرفتار کر لئے گئے ...... لیکن نامعلوم وجوہ کے باعث ان پر مقدمہ نہ چلایا گیا۔ چند ہفتوں بعد چاروں کو کراچی جیل سے رہا بھی کر دیا گیا۔

جن دنوں بیرون ملک جمع کئے ہوئے زر مبادلہ کے سلسلے میں چند بڑے سیٹھوں کے خلاف انکوائری ہو رہی تھی ایک روز وزیر خزانہ ایم شعیب' ایوب خان کے سیکرٹری قدرت اللہ شہاب کے پاس پہنچا اور صدر ایوب سے منظوری کے لئے ایک درخواست دی۔ درخواست میں لکھا تھا کہ اسے اپنی کئی لاکھ ڈالر کی رقم امریکی بنکوں ہی میں رکھنے کی اجازت دی جائے۔ قدرت اللہ شہاب نے کہا' سر "ملک کے وزیر خزانہ کو پاکستان کے اقتصادی ثبات اور استحکام پر دوسروں کی نسبت زیادہ کامل یقین اور اعتماد ہونا چاہئے۔ اگر آپ اعلان کر کے ڈنکے کی چوٹ پر اپنا بیرونی اثاثہ یہاں لے آئیں تو اوروں کے لئے یہ نہایت صحت مند اور قابل تقلید مثال ہوگی"۔

قدرت اللہ شہاب کی بات سن کر وزیر خزانہ کو تاؤ آ گیا۔ اپنی درخواست شہاب کے ہاتھ سے چھین لی اور تیزی سے کہا بس بس' میں یہاں پند و نصائح سننے نہیں آیا' اس کے بعد وہ سیدھا ایوب خان کے پاس گیا اور درخواست منظور کروالی (20)

م۔ ب۔ خالد کے بقول ایوب خان ورلڈ بنک اور امریکہ سے اقتصادی اور فوجی امداد کی خاطر ایم شعیب کو استعمال کرنا چاہتے تھے لیکن الٹا شعیب کے ہاتھوں استعمال ہونا شروع ہو گئے۔ شعیب نے سب سے پہلے ایوب خان کی پدری کمزوری کو ایکسپلائٹ کیا۔ ایوب خان کے دو بیٹوں کو فوج سے نکال کر کاروبار میں لانے کی ترغیب دی...... 1965ء میں پاک بھارت جنگ کے اختتام پر امریکی رویہ شدید تنقید کی زد میں آیا تو ایم شعیب موقع غنیمت جان کر واپس امریکہ چلا گیا۔ بڑھاپے میں اپنے دیرینہ دوست فیاض علی ایڈووکیٹ جنرل کی بلند قامت اور خوبرو بیوہ سے شادی کی اور آخری سانس امریکہ میں ہی لی۔ (21)

ایوب خان کے بدعنوان ساتھیوں میں مشرقی پاکستان کے گورنر عبدالمنعم خان کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ منعم خان کے گورنر بنائے جانے کی روداد دلچسپ بھی ہے اور عبرتناک بھی۔ ایک دن راولپنڈی کے ایوان صدر میں کابینہ کی میٹنگ کے بعد ایوب خان نے اپنے تینوں بنگالی وزراء ...... خان صبور خان' فضل القادر چوہدری اور عبدالمنعم خان اور مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے دو وزراء شیخ منظور قادر اور ذوالفقار علی بھٹو کو مشورے کے لئے بلایا اور کہا: غلام فاروق کی جگہ اب مجھے مشرقی پاکستان کے لئے ایک نئے گورنر کی تلاش ہے میرا خیال ہے کہ یہ موقع اب کسی مشرقی پاکستانی کو ملنا چاہئے۔ آپ بتایئے کہ وہاں کا گورنر کون ہو؟ یہ سنتے ہی تینوں بنگالی وزیروں کے چہروں پر حسرت و التجا اور خوشامد درآمد کی کیفیت طاری ہو گئی کہ جناب صدر! اس خاکسار میں کیا کمی ہے۔ قدرت اللہ شہاب کے لفظوں میں "چند لمحے سناٹا رہا" پھر کمرے میں صدر ایوب کی آواز گونجی' میں بتاتا ہوں مشرقی پاکستان کا نیا گورنر کون ہو گا" گورنری کا طوق اپنی گردن میں ڈلوانے کے لئے تینوں بنگالی وزیر عقیدت و احترام سے سر جھکا کر بیٹھ گئے: عبدالمنعم خان' صدر ایوب نے نئے گورنر کے نام کا اعلان کیا۔ اچانک عبدالمنعم خان کی کرسی سے کراہنے کی آواز آئی۔ دراصل یہ شادی مرگ کے آثار نہ تھے بلکہ دوسرے بنگالی وزیروں کی آنکھوں سے دونالی بندوق کی آتش حسد کے شعلے چھروں کی طرح نکل نکل کر ان کے تن بدن کو چھلنی کر رہے تھے۔ ہم نے سہارہ دے کر عبدالمنعم خان کو کرسی سے اٹھایا۔ باہر آ کر کمر پر ہاتھ رکھے آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے اپنے کام کی طرف روانہ ہو گئے۔ ایک بنگالی وزیر نے ہمیں مخاطب ہو کر کہا: دیکھو' یہ سالا ابھی پوری طرح گورنر تو بنا نہیں

لیکن حرامی کی چال میں ابھی سے گورنری کا رنگ ڈھنگ آگیا ہے۔" (22)

گورنر بن کر منعم خان خوب کھل کھیلا۔ میمن سنگھ کا ایک ادنیٰ درجے کا وکیل، جو بنیادی جمہوریتوں کے نفاذ سے قبل متعدد بار میونسپل انتخابات میں شکست کھا چکا تھا۔ جب وزارت سے گورنری کے عہدے پر فائز ہوا تو بنگالی ہونے کے باوجود مشرقی پاکستان کے عوام نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ منعم خان کی ٹولی کے لچے لفنگوں نے ان کے صاحب زادے کی قیادت میں یوں تو صوبے بھر میں حشر برپا کر رکھا تھا مگر ڈھاکہ شہر پر اس کی گرفت بہت سخت تھی۔ یہاں تک کہ شریف گھرانوں کی بہو بیٹیوں کا پورا پورا حق ادا کیا۔ اس نے صوبے کے اندر جبر و استبداد، اقربا نوازی، خویش پروری، رشوت ستانیوں اور بد عنوانیوں کے زبردست جھنڈے کھلم کھلا ڈنکے کی چوٹ پر گاڑ دیئے۔ بنیادی جمہوریتوں کا تعاون اور وفاداری حاصل کرنے کے لئے اس نے ان اداروں کو منافع بخش بد عنوانیوں میں اس طرح لت پت کر دیا جس طرح شہد میں گرنے کے بعد مکھی دوبارہ اڑنے کے قابل نہیں رہتی۔ سائیکلون، سیلاب یا قحط کے مصائب میں غلہ، کپڑا، ادویات اور دیگر مراعات بنیادی جمہوریتوں کے اراکین کچھ تقسیم کرتے تھے، باقی خرد برد کر لیتے تھے۔ دیہی ترقیاتی پروگرام کا سارا کنٹرول بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ ان منصوبوں کی بڑی بھاری رقوم اس کے ہاتھوں سے گزرتی تھیں۔ جن کا بیشتر حصہ اس کی اپنی جیب گرم کرتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ کام کے ٹھیکے فقط اپنے دوستوں اور عزیزوں کو دیتا تھا اور غریب عوام پر فقط دھونس اور دھاندلی جماتا تھا۔ اس عمل سے سارے مشرقی پاکستان میں جگہ جگہ مٹھی بھر لوگ خوشحال اور باقی تمام آبادی بھوکی مر رہی تھی۔

ایوب خان نے اپنے دور میں اپنے خاندان، رفقا اور سول اور فوجی بیوروکریسی کو بد عنوانیوں اور اقربا پروری کی جس انتہا تک جانے دیا اس کی مثال اس سے پہلے پاکستان کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ جب صدر نے 1967ء میں اپنی خود نوشت سوانح حیات شائع کرنے کا فیصلہ کیا تو "شروع میں اس کتاب کا عنوان Endure and Prosper یعنی، پہلے برداشت کرو اور پھر پھلو پھولو، تجویز ہوا تھا۔ ایوب خان نے ایک دانشور دوست سے ذکر کیا تو بات پھیل گئی۔ پنجاب یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے نجی محفل میں فقرہ چست کیا کہ مطلب واضح ہے۔

You Endure and wr Prosper

قہقہے بلند ہوئے۔ انٹیلی جنس رپورٹ کے ذریعے یہ خبر ایوب خان تک پہنچی تو سمجھ گئے کہ اشارہ ان کے لڑکوں کے کاروبار کی طرف ہے اور مجوزہ عنوان کو ذہن سے نکال دیا......... (23)

جو فوجی حکمران سیاستدانوں کی بد عنوانیوں، رشوت ستانیوں، انتخابی دھاندلیوں اور اقربا پروری وغیرہ کے الزامات عائد کر کے اقتدار پر قابض ہوا تھا اور جس نے سیاستدانوں کو سیاسی عمل سے باہر رکھنے کے لئے ایبڈو جیسے رسوائے زمانہ قوانین بنائے تھے وہ اپنے اقتدار کے آخری دنوں میں سیاستدانوں سے کئی گناہ زیادہ بد عنوانیوں کی دلدل میں دھنس چکا تھا۔ لیکن سیاستدانوں سے اس کی نفرت کا یہ عالم تھا کہ یہ خوف اپنے قائم کردہ ڈھانچے کے مطابق وہ اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو سونپنے کی بجائے یحییٰ خان کے حوالے کر دیا گیا جس نے اپنی سازشوں سے ایوب خان کے گرد ایک تنگ حصار قائم کر دیا تھا۔

1962ء کا آئین

ایوب خان نے محدود جمہوریت، جیسے انہوں نے بنیادی جمہوریت کا نام دیا تھا، کے اجراء کے بعد، 1962ء میں پاکستان کو ایک نیا دستور دیا جس کے بارے میں حبیب جالب نے ایک مشہور نظم لکھی تھی:-

ایسے دستور کو
صبح بے نور کو
میں نہیں مانتا
میں نہیں مانتا

یہاں 1962ء کے آئین کے حوالے سے چار تحریریں شائع کر رہے ہیں۔ پہلا مقالہ دستور کا ایک مختصر جائزہ ہے جس میں ہم نے دستور کو غیر جانبدارانہ انداز میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ دوسری تحریر، حسین شہید سہروردی کا مشہور بیان ہے جسے "جمہوری دستور" کا عنوان دیا گیا۔ تیسری تحریر محمود الحق عثمانی کی وہ گفتگو ہے جو انہوں نے آئین کے حوالے سے ایک نشست میں کی اور چوتھا مضمون دراصل 1962ء کے آئین کی شقوں کا ایک سرکاری جائزہ ہے جو پریس ٹرسٹ کے ہفت روزہ لیل و نہار سے لیا گیا ہے۔

1962ء کے آئین کا پاکستان

اکتوبر 1958ء میں مارشل لاء کے نفاذ کے بعد فوج کے نمائندوں نے ملک کی تمام انتظامیہ کو اپنے کنٹرول میں لے لیا۔ سیاسی، معاشی، عدالتی، انتظامی سب شعبوں پر کنٹرول حاصل کر لیا۔

صدر ایوب خان 1959ء میں پلاننگ کمیشن اور معاشی کونسل کے سربراہ بن گئے۔ معاشی کونسل (جون 1959ء میں قائم ہوئی) ملک کا سب سے اعلیٰ معاشی ادارہ تھی۔ جو پالیسیاں تشکیل دیتی تھی اور ترقیاتی منصوبوں کی منظوری دیتی تھی اور ان کے نفاذ کا مشاہدہ کرتی تھی۔

تمام اہم وزارتوں پر بھی صدر اور ان کے ہمنواؤں نے قبضہ کر لیا۔ مثلاً وزارت دفاع، داخلہ امور کی وزارت، وزارت اطلاعات، کشمیری معاملات کی وزارت وغیرہ۔ فوجی افسران کو انتظامی عہدوں پر متعین کر دیا گیا۔ تمام

ترقیاتی کارپوریشین بھی فوج کی نگرانی میں دے دی گئیں اور فوجیوں کو صوبوں کے گورنر مقرر کر دیا گیا۔

صدر کے عہدے کو وسیع اختیارات حاصل تھے۔ وہ ملک کے تمام انتظامی، معاشی، معاملات کا سربراہ تھا۔ وہ حکومتی ارکان کا تقرر، منسوخی، صوبائی گورنروں، اور سفارت کاروں ججوں کا تقرر و منسوخی کرتا تھا۔

فوجی حکومت عدلیہ کی نگرانی سے بھی آزاد تھی اور اگر پھر بھی کوئی جج حکومتی مفادات میں رکاوٹ ہوتا تو صدر کو اختیار حاصل تھا کہ وہ کسی بھی جج کو مخصوص عرصے کے لئے عدلیہ کے فرائض سے روک سکتا تھا۔ حکومت کسی حکومتی ادارے کو عدالت کی طرف سے حکم امتناعی ملنے پر مفاد عامہ کے تحت عدالت کے اس حکم کو روک سکتی تھی۔

اسی طرح صوبوں میں تمام انتظامی معاملات گورنروں کے ہاتھ میں تھے۔ جو صوبوں میں صدر کے نمائندہ تھے۔ مرکز کی طرح صوبوں میں صوبائی ترقیاتی ایڈوائزری کونسلیں گورنروں کی نگرانی میں قائم کر دی گئیں۔

حکومت نے سیاسی مخالفوں اور جمہوری جدوجہد کرنیوالوں کے خلاف سخت اقدامات شروع کر دیئے اور فوجی حکومت پر تنقید کو زبردستی دبا دیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ حکومت نے معاشی ترقی کے اقدامات شروع کر دیئے۔ جو تمام شعبوں میں متعارف کروائے گئے۔

لیکن عوام میں عدم اطمینان بڑھتا رہا اور دوسری طرف فوجی حکمرانوں نے ملکی انتظامیہ چلانے میں خود کو مشکل میں محسوس کیا لہٰذا انہوں نے عوام کو ملکی معاملات میں شراکت دار بنانے کا فیصلہ کیا اور مارشل لاء ہٹانے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کے لئے بنیادی جمہوریتوں کا نظام متعارف کروانے کا فیصلہ کیا گیا۔ لیکن حکومت نے اس نظام پر اپنا کنٹرول برقرار رکھا اور عوام کو محدود شمولیت کا موقع دیا۔ حکومت نے بنیادی جمہوریتوں کا نظام قائم کرتے ہوئے اسے معاشی معاملات میں مضبوط بنانے کی کوشش کیں۔ اس کے بعد 26 اکتوبر 1959ء کو حکومت خود اختیاری کا نظام متعارف کروایا گیا۔ جس کا دورانیہ عمل پانچ سال مقرر کیا گیا۔

یہ نظام کافی پیچیدہ تھا۔ دونوں صوبے 8000 بنیادی یونٹوں میں تقسیم کئے گئے تھے۔ دیہی علاقوں کی بینادی تنظیم یونین کونسل اور شہری علاقوں کی بنیادی تنظیم ٹاؤن کمیٹی کہلاتی تھی۔ دونوں تنظیموں کا ڈھانچہ ایک جیسا تھا۔ ان تنظیموں میں اوسطاً" دس منتخب نمائندے ہوتے اور باقی رکن مقامی انتظامی افسر نامزد کرتا۔ تنظیم کا چیئرمین منتخب ہوتا تھا۔

ہر صوبے میں حکومت اختیاری کی 4 ہزار بنیادی کونسلیں قائم کی گئیں۔ جو 40'000 نمائندوں پر مشتمل تھیں۔ اس طرح دونوں صوبوں کے 80'000 نمائندے مل کر انتخابی کالج بناتے۔ جو صدر کا انتخاب کرتا تھا۔

بنیادی جمہوریتوں کی دوسری تنظیمیں ملک کے انتظامی ڈھانچے کی مناسبت میں قائم کی گئیں۔ جو تحصیل، ضلع، ڈویژن اور صوبے کی سطح پر تھیں۔ تحصیل کونسل دو متوازی گروپوں پر مشتمل تھی۔ ایک گروپ منتخب نمائندوں کا اور دوسرا سرکاری ارکان پر مشتمل جو ڈپٹی کمشنر نامزد کرتا تھا۔ تحصیل کونسل 20 سے 30 ممبران پر مشتمل ہوتی تھی۔

حکومت خود اختیاری کا دوسرا ڈھانچہ میونسپل کمیٹیوں (بڑے شہروں میں میونسپل کارپوریشن) پر مشتمل تھا۔ یہ منتخب نمائندوں اور مساوی سرکاری ارکان پر مشتمل تھیں۔

اس کے بعد ایک ڈھانچہ ضلع اور ایک ڈویژن کی سطح پر تھا۔ جو مساوی منتخب اور سرکاری نمائندوں پر مشتمل تھا۔ سرکاری ممبران میں آدھوں کو کمشنر اور گورنر نامزد کرتے تھے جبکہ آدھے پرانے نمائندے وغیرہ ہوتے تھے۔

ضلع اور ڈویژن کونسلیں عام طور پر بالترتیب 30 اور 45 ارکان پر مشتمل ہوتی تھیں۔

1962ء تک بنیادی جمہوریتوں کی ایک اعلیٰ سطحی تنظیم صوبائی سطح پر موجود تھی۔ جسے صوبائی کونسل کہا جاتا تھا۔ یہ کونسل گورنر کے تحت کام کرتی تھی کونسل عام طور پر مشاورتی کام کرتی تھی کونسل کے 24 ارکان صدر نامزد کرتا تھا اور اتنے ہی سرکاری ارکان ہوتے تھے۔

بنیادی جمہوریتوں کے ان تمام اداروں کی مدت پانچ سال تھی۔

بنیادی جمہوریتوں کے اداروں کا اہم کام ترقیاتی کام کرنا تھا اور ساتھ ساتھ مقامی انتظامیہ کو امن و امان قائم رکھنے اور ٹیکس اکٹھا کرنے میں مدد دینا تھا۔

بنیادی جمہوریتوں کا یہ نظام ان اداروں میں سرکاری ممبران کی شرکت اور انتظامی افسران کی مداخلت کی وجہ سے مکمل طور پر حکومت کے کنٹرول میں تھا۔

دسمبر 1959ء اور جنوری 1960ء کو بنیادی جمہوریتوں کے نظام کے تحت انتخابات ہوئے۔ جن میں ملک بھر سے تقریباً 80'000 لوگ منتخب ہوئے۔ 14 فروری 1960ء کو ملک میں صدارتی الیکشن ہوئے۔ بنیادی جمہوریتوں میں منتخب ہونیوالے 80'000 نمائندوں کے انتخابی کالج نے صدر کا چناؤ کرنا تھا۔ ایوب خان صدارتی عہدے کے واحد امیدوار تھے۔ وہ اکثریت سے صدر منتخب ہوئے۔

دوسری طرف مختلف طبقات کی طرف سے بنیادی جمہوریتوں کے نظام پر سخت تنقید سامنے آئی۔ خاص طور پر ان اداروں میں بعض اراکین کی سرکار کی طرف سے نامزدگی کے اختیار پر۔ حکومت نے اس تنقید کے پیش نظر نامزدگیاں ختم کر دیں اور کہا کہ ائندہ تمام ادارے منتخب اراکین پر مشتمل ہوں گے۔ اسی دوران فوجی حکومت نے بنیادی جمہوریتوں کے نظام کی بنیاد پر ملک میں مارشل لاء ختم کرنے اور جمہوریت بحال کرنے فیصلہ کیا اور اس مقصد کے لئے نیا آئین بھی تشکیل دیا گیا۔ 1960ء میں آئین کی تشکیل کے

لئے کمیشن بیٹھا- نیا آئین مارشل لاء حکومت کی نگرانی میں تیار ہوا- جنوری 1962ء کو ایوب خان کی کابینہ نے آئین کی منظوری دی اور 8 جون 1962ء کو یہ نافذ العمل ہوا- بنیادی جمہوریتوں کا نظام اس آئین کی بنیاد تھا-

آئین 1962ء۔ اہم نکات

1- نیا آئین ایک ابتدائیے' اور 250 دفعات پر مشتمل تھا اور اس کے تین شیڈول تھے- ابتدائیے میں 1956ء کے آئین کے ابتدائیے کے الفاظ کو ہی دہرایا گیا تھا- جس کے مطابق پوری کائنات پر خدا کا اقتدار اعلیٰ تھا اور یہ کہا گیا کہ پاکستان میں تمام کاروبار زندگی کی بنیاد اسلامی اصولوں پر ہو گی-

2- آئین کے آرٹیکل ایک میں کہا گیا کہ پاکستان ایک جمہوریہ ہو گی جو دو صوبوں مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان پر مشتمل ہو گی-

3- آئین کے تحت ریاستی تنظیم کے سلسلے میں پاکستان وفاقی ریاست ہو گا- جبکہ دوسری طرف وفاقی دساتیر کے برعکس پاکستان میں ایک ایوانی مقننہ قائم کی گئی تھی-

4- آئین میں ترمیم کے لئے ضروری ہے کہ پارلیمان کے دو تہائی اراکین اس کی منظوری دیں اور صدر کی بھی منظوری اسے حاصل ہو- (دفعہ 209) آئین میں 1962ء سے 69ء (اس کے نافذ العمل رہنے تک) تک کل آٹھ ترامیم کی گئیں-

5- ملک کی وفاقی مقننہ یک ایوانی ہو گی- جو قومی اسمبلی پر مشتمل ہو گی- اس کے 150 اراکین ہوں گے- جو پانچ سال کے لئے منتخب ہوں گے- دونوں صوبوں کو مقننہ میں مساوی نمائندگی دی گئی- 6 اضافی نشستیں (دونوں صوبوں سے تین تین) خواتین کے لئے مخصوص کی گئیں- جنہیں صوبائی اسمبلیوں کے اراکین منتخب کریں گے- آئین میں 1964ء میں ہونیوالی دوسری ترمیم میں کہا گیا کہ ان خواتین کو مرکزی مقننہ کے اراکین منتخب کریں گے- آٹھویں ترمیم میں مقننہ کے اراکین کی تعداد بڑھا کر 218 کر دی گئی-

6- انتخابات کے بعد اپنے پہلے اجلاس میں پارلیمانی سپیکر اور اس کے دو نائبین کا انتخاب کرے گی- سپیکر اسمبلی کی کارروائی کی نگرانی کرے گا اور اس کے اجلاس بلانے' برخاست کرنے کا فیصلہ کرے گا- سپیکر کم سے کم ایک تہائی اراکین کی درخواست پر اجلاس بلائے گا- صدر کی بیماری یا ملک سے باہر ہونے یا کسی اور بنا پر غیر حاضر ہونے کی صورت میں سپیکر قائم مقام صدر کا کردار ادا کرے گا- (آرٹیکل 16) قومی اسمبلی کے سال میں کم سے کم دو اجلاس ہوں گے- بل موجود اراکین کی سادہ اکثریت سے پاس ہوں گے- اجلاس کے انعقاد کے لئے کم سے کم چالیس اراکین کی موجودگی ضروری قرار پائی- (آرٹیکل 110) اسمبلی کا کوئی بھی رکن بل پیش کر سکتا تھا لیکن عام طور پر سرکاری اراکین کے پیش کردہ بل ہی پاس ہوتے-

7- آئین کے آرٹیکل 19 میں بیان کیا گیا کہ مرکزی مقننہ صدر اور قومی اسمبلی پر مشتمل ہو گی اس طرح صدر کو قانون سازی کے وسیع اختیارات حاصل تھے- صدر قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے' ملتوی کرنے' برخاست کرنے اور قومی اسمبلی کو برخاست کرنے کا حق رکھتا تھا- جب قومی اسمبلی کا اجلاس نہ ہو رہا ہو تو صدر آرڈیننس جاری کرنے کا اختیار رکھتا تھا- جنہیں قانونی حیثیت حاصل ہو گی- بعد میں ان آرڈیننسوں کو اسمبلی سے پاس ہونا لازم تھا- صدر اسمبلی کو تجاویز بھیج سکتا تھا- جو اسمبلی کی کارروائی کا رخ متعین کرتیں- مالی معاملات وغیرہ سے متعلق بل قومی اسمبلی کو صدر کی منظوری پر ہی بھیجے جا سکتے تھے-

8- اسمبلی سے پاس ہونیوالے تمام بلوں اور ترامیم کا صدر سے بھی پاس ہونا ضروری تھا اگر صدر کسی بل کو پاس نہ کرے تو قومی اسمبلی اسے دوبارہ اپنے دو تہائی اراکین کی اکثریت سے پاس کرے گی- اگر صدر دوبارہ منظوری نہ دے تو اس معاملے کو ریفرنڈم کے لئے انتخابی کالج کو پیش کیا جائے گا- (دفعہ 27) اس طرح قانون سازی کے سلسلے میں آئین میں صدر اور قومی اسمبلی کے اختیارات مساوی تھے جبکہ درحقیقت صدر اکثریت کا لیڈر ہونے اور اسمبلی کو برخاست کرنے کے اختیار رکھنے کی بناء پر قانون سازی میں اسمبلی پر فوقیت رکھتا تھا-

9- آئین کے تحت ملک کے تمام اعلیٰ اختیاراتی اداروں اور عہدوں کے انتخاب بالواسطہ (Indirect) بنیادوں پر ہوں گے- صدر کا انتخاب قومی' صوبائی اسمبلیوں کے ممبران اور بنیادی جمہوریتوں کا انتخابی کالج کرے گا- اس انتخابی کالج کے اراکین ہر پانچ سال بعد منتخب ہوں گے ملک کا ہر شہری جس کی عمر 21 سال ہو- وہ انتخاب میں حصہ لینے کا اہل قرار پایا- منتخب ہونیوالے اراکین کے لئے ضروری تھا کہ ان کی عمر 25 سال سے کم نہ ہو اور منتخب ہونے کا اہل قرار پائے (دفعات 157-158) انتخابی کالج 80'000 اراکین پر مشتمل تھا- 1967ء میں ہونیوالی آٹھویں ترمیم میں انتخابی کالج کے اراکین کی تعداد بڑھا کر 120'000 کر دی گئی-

پاکستان کے تمام شہری قومی اور صوبائی اسمبلی کے رکن منتخب ہو سکتے تھے- جن کی عمر 25 سال سے کم نہ ہو-

10- صدر منتخب ہونے کے لئے ضروری تھا کہ وہ مسلمان ہو اور اس کی عمر 35 سال سے کم نہ ہو- اس کی معیاد عہدہ 5 سال مقرر ہوئی- (دفعہ 9)

11- صدر اپنے اقدامات کی جوابدہی سے تقریباً آزاد تھا- صدر کو قومی اسمبلی میں مقدمے (بدعنوانی یا غداری کا) کے ذریعے الگ کیا جا سکتا تھا- لیکن عملاً" یہ تقریباً ناممکن تھا- اس کے لئے ضروری تھا کہ اسمبلی کے ایک تہائی اراکین دستخط شدہ تحریری نوٹس دیں- پھر اسمبلی تین چوتھائی اراکین کی اکثریت سے صدر کی معزولی کی قرارداد پاس کرے اور اگر اسمبلی کے آدھے سے بھی کم اراکین قرارداد کی حمایت کریں- تو صدر کی معزولی کا نوٹس دینے

والے اراکین اسمبلی میں اپنی نشستوں سے محروم ہو جائیں گے۔ (دفعہ 13)

12- صدر کو ملک کا انتظامی سربراہ ہونے کی حیثیت سے وسیع اختیارات حاصل تھے۔ وہ قانون سازی' مالیات اور عدالتی اختیارات بھی رکھتا تھا۔ ملکی معاملات چلانے میں مشاورت اور مدد کے لئے صدر کابینہ بنائے گا۔ جس کے اراکین کا انتخاب صدر خود کرے گا۔ صدر حکومت کا سربراہ تھا۔ صدر اپنی کابینہ کے وزراء کو وجہ بتائے بغیر معزول کر سکتا تھا۔

صدر صوبائی گورنر نامزد کرنے' برخاست کرنے' سپریم کورٹ اور ہائی کورٹوں کے ججوں' اٹارنی جنرل پاکستان' سفارت کار' چیف الیکشن کمشنر' الیکشن کمیشن کے اراکین' کنٹرولر اور آڈیٹر جنرل' پبلک سروس کمیشن کے اراکین' اسلامی نظریاتی کونسل کے اراکین' معاشی کونسل اور قومی مالیاتی کمیشن کے اراکین کے تقرر و برطرفی کا اختیار بھی صدر کو تھا۔

صدر آل پاکستان سروس اور مرکزی سول سروس کے عہدیداروں کی تقرری اور برطرفی کا اختیار بھی رکھتا تھا صدر مسلح افواج کا سپریم کمانڈر اور کمانڈر انچیف بھی تھا۔ صدر کی طرف سے یہ تقرریاں اسمبلی منظوری کے تابع نہ تھیں۔ انتظامی سربراہ ہونے کی حیثیت میں صدر مرکزی سول سروس کے طریقہ کار سے متعلق احکامات اور قوانین جاری کر سکتا تھا۔ وہ مرکزی پبلک سروس کمیشن کے اراکین کی تعداد کا تعین کرنے کا بھی حق رکھتا تھا۔ (دفعہ 178 اور 181) تمام اہم اداروں کے فیصلوں کی صدر سے منظوری لازمی تھی۔ صدر صوبائی حکومتی اداروں سے متعلق بھی وسیع اختیارات رکھتا تھا۔ دفعہ 66 کے مطابق صوبائی گورنر کا تقرر صدر کرے گا اور گورنر اپنے فرائض کی بجا آوری میں صدر کے احکامات کے تابع تھا۔ مرکزی کابینہ کی طرف سے صوبائی کابینہ مقرر کرنے کے لئے صدر کی منظوری لازمی تھی۔ صوبائی اسمبلی اور گورنر کے درمیان تنازعے کو صدر کی اجازت سے ہی قومی اسمبلی کے پاس بھیجا جا سکتا تھا۔ اگر قومی اسمبلی تنازعے کا فیصلہ گورنر کے حق میں کر دے تو گورنر صوبائی اسمبلی کو برخاست کر سکتا تھا۔ لیکن صدر کی منظوری سے۔

صدر کو وسیع مالیاتی اختیارات بھی حاصل تھے۔ مالیاتی بل صدر کی منظوری سے ہی اسمبلی کو بھیجے جا سکتے تھے۔ ملک کے معاشی پالیسی ساز ادارے اسمبلی کے دائرہ کار سے باہر تھے اور صدر ان کا سربراہ تھا۔ اسمبلی کسی صنعتی منصوبے یا زیر عمل توانائی کے منصوبے کے اخراجات معطل یا بند نہیں کر سکتی تھی۔

عدالتی معاملات میں بھی صدر کو وسیع اختیارات حاصل تھے۔ وہ ججوں کی تقرری وغیرہ کے علاوہ عدلیہ کی طرف سے دی گئی سزائیں معاف کرنے' نرم کرنے' پھانسی کو عمر قید میں بدلنے کے اختیارات رکھتا تھا۔

سب سے آخر میں صدر کو ہنگامی حالت کے سلسلے میں وسیع اختیارات حاصل تھے وہ اندرونی خراب صورت حال' جنگ کی صورت میں یا جنگ کے خطرے کی صورت میں ہنگامی حالت کا اعلان کر سکتا تھا اور اس سلسلے میں احکامات جلدی کر سکتا تھا جو اسمبلی کے دائرہ کار سے باہر تھے۔ ان احکامات کو قانون کی حیثیت حاصل تھی۔ 1965ء میں پاس ہونیوالی پانچویں ترمیم کے مطابق صدر ہنگامی حالت میں بنیادی حقوق معطل کر سکتا تھا۔ صدر کا یہ عمل عدالتی دائرہ کار سے باہر تھا۔ آئین میں ہنگامی حالت کے دورانیے کا ذکر نہیں تھا۔ اس کا فیصلہ صدر کو کرنا تھا کہ کب ہنگامی حالت ختم کی جائیگی 1965ء میں ہندوستان کے ساتھ جنگ کے موقع پر صدر ایوب نے ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا اور یہ صورت حال فروری 1969ء تک برقرار رہی۔ اس دوران بنیادی حقوق معطل رہے۔ لہٰذا اس آئین کے نافذ العمل رہنے کے دوران شہریوں کو صرف 12 سال تک بنیادی حقوق میسر رہے۔

13- نئے نظام میں سپریم کورٹ اعلیٰ عدالتی ادارہ تھی۔ اس کے اراکین کا تقرر اور برطرفی صدر کی جانب سے ہوتی تھی۔ سپریم کورٹ کی تشکیل میں اسمبلی کو کوئی اختیار حاصل نہ تھا۔ سپریم کورٹ کو تین قسم کے اختیارات حاصل تھے۔ صوبوں اور مرکز یا دو صوبوں میں جھگڑوں کا فیصلہ' ہائی کورٹوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں سننے کا اختیار اور مشاورتی اختیارات۔ (دفعہ 57 - 59) نئے آئین میں عدلیہ کو آئین کی عدالتی نگرانی کا حق حاصل نہیں تھا بلکہ مقننہ خود اس بات کی ذمہ دار قرار پائی کہ وہ دیکھے کہ کوئی قانون آئین کی مطابقت میں ہے یا نہیں۔ عدلیہ کو بنیادی حقوق نافذ کرنے کے بھی اختیارات حاصل نہیں تھے۔ اس طرح 1962ء کے آئین میں عدلیہ کے اختیارات کو کافی محدود کر دیا گیا تھا۔

14- آئین میں ملک کی معیشت کی بنیاد نجی ملکیت کو قرار دیا گیا تھا۔ اس کے مطابق شہریوں کو پاکستان کے کسی بھی حصے میں ملکیت حاصل کرنے' قائم رکھنے اور فروخت کرنے کے اختیار حاصل تھے۔ جب حکومت کسی مفاد عامہ کی خاطر کسی نجی ملکیت کو قبضے میں لے گی۔ تو اس کا معاوضہ ادا کرے گی۔

15- آئین کے ایک بڑے حصے "قانون سازی اور پالیسی سازی کے بنیادی اصول" کے تحت بنیادی حقوق اور شہری آزادیوں کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس حصے کا نام 1963ء میں ترمیم کرکے "بنیادی حقوق اور پالیسی سازی کے اصول" کر دیا گیا تھا۔ اس حصے میں شہریوں کی اظہار رائے کی آزادی' اجتماع کی آزادی' تنظیم سازی' مذہب کی آزادی' حرکت کی آزادی' وغیرہ کے علاوہ یہ کہ تمام شہریوں سے مساوی برتاؤ ہوگا اور انہیں مساوی مواقع حاصل ہوں گے۔ کام کرنے کے فوری اور انسانی حالات مہیا ہوں گے۔ اقلیتوں کے لئے مساوی حقوق' عوام کی مادی ترقی کے مواقع ہوں گے اور چند ہاتھوں میں دولت جمع ہونے کو روکا جائے گا۔ ان بنیادی حقوق پر بہت سی پابندیاں بھی عائد کی گئی تھیں اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ عدلیہ بھی بنیادی حقوق کی محافظ نہ رہی تھی۔

16- آئین کی دفعہ 215 کے مطابق بنگالی اور اردو کو ملک کی سرکاری زبانیں قرار دیا گیا۔ جبکہ انگریزی کو دفتری زبان کے طور پر ختم کرنے کے لئے

کوئی وقت مقرر نہ کیا گیا- حالانکہ 1956ء کے آئین میں اس مقصد کے لئے 20 سال کا عرصہ رکھا گیا تھا جس کے دوران انگریزی کو دفتری زبان کے طور پر ختم کرنا قرار پایا تھا-

17- آئین میں ایک طرف مذہب کی آزادی دی گئی تھی- لیکن دوسری طرف آئین میں اسلام کو ریاست کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا- اس طرح امتیازی سلوک کا راستہ کھول دیا گیا- اسلام کو سرکاری مذہب قرار دینے کے بعد صرف ایک مسلمان ہی ریاست کا سربراہ بن سکتا تھا- اس طرح مساوی مواقع والی دفعہ اقلیتوں کے لئے بے اثر ہو گئی-

پھر قانون سازی کے سلسلے میں آئین کی دفعہ 6 کے مطابق اصول قائم کیا گیا کہ کوئی قانون اسلام سے متضاد نہ ہو گا- ریاستی مقاصد میں سے ایک اہم یہ تھا کہ ریاست پاکستان کے تمام مسلمانوں کو اپنی زندگیاں انفرادی اور اجتماعی طور پر اسلام کے مطابق گذارنے کے قابل بنائے گی- پھر ایک اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی گئی جو مرکزی اور صوبائی حکومت کو تجاویز دے گی- جس سے مسلمانوں کی زندگیوں کو اسلامی اصولوں کے مطابق بنانے میں مدد ملے اور قوانین کے متعلق تجویز کرے گی- کہ کوئی مخصوص قانون اسلامی اصولوں کے مطابق ہے یا نہیں-

18- دستور تمام موجود قوانین کے جاری رہنے کا بیان کیا گیا- (دفعہ 225، شق ذیلی نمبر1) آئین میں مارشل لاء قوانین اور احکامات کو غیر موثر قرار دے دیا گیا- لیکن کئی اہم شعبوں مثلاً لینڈ ریفارمز ریگولیشن اور پاکستان کیپسل ریگولیشن اور کئی دوسرے شعبوں یں جاری مارشل لاء احکامات کا تسلسل برقرار رکھا گیا-

19- آئین کی دفعات 224، 228، اور 229 میں مارشل لاء کے خاتمے اور آئین کے تحت منتخب ہونیوالی قومی اسمبلی کے پہلے اجلاس میں آئین کے اجراء کا ذکر کیا گیا دفعہ 226 کے مطابق ایوب خان ملک کے صدر تھے لیکن ان کی مدت صدارت 3 سال تھی کیونکہ وہ اس عہدہ کے لئے 1960 میں منتخب ہوئے تھے- اسی طرح پہلی اسمبلی کی مدت بھی تین سال رکھی گئی-

20- صوبوں میں انتظامی اور قانون ساز اداروں کا ڈھانچہ اور ان کے باہمی تعلقات مرکزی اداروں سے مشابہہ تھے- صوبے میں گورنر انتظامی سربراہ تھا- جو اپنی مدد کے لئے ایک وزارتی کابینہ تشکیل دے گا ہر صوبائی اسمبلی 150 اراکین پر مشتمل تھی- جو پانچ سال کے لئے منتخب ہوتیں- ہر صوبائی اسمبلی میں خواتین کی بھی پانچ نشستیں تھیں- جن کا انتخاب اسمبلی ممبران کے ذمے تھا- (دفعات 61، 71، 169)

آئین کی آٹھویں ترمیم میں اسمبلی ممبران کی تعداد بڑھا کر 218 کر دی گئی- گورنر اسمبلی کا اجلاس طلب کرنے، برخاست اور اسمبلی کو برخاست کرنے کے اختیار رکھتا تھا- اسمبلی کے پاس کردہ بلوں کو گورنر دوبارہ غور کے لئے واپس بھیجا سکتا تھا- (دفعہ 77) جب اسمبلی کا اجلاس نہ ہو رہا ہو- تو گورنر کو اختیار تھا کہ وہ آرڈیننس اور احکامات جاری کرے- جو قانی حیثیت کے حامل ہوں گے-

صوبوں میں اعلیٰ ترین عدالت ہائی کورٹ قرار پائی-

21- آئین میں مرکز اور صوبوں کے اختیارات کی بھی تقسیم کی گئی تھی- دفاع خارجہ امور، تحفظ، خارجہ تجارت، مالیات، ٹیکس، انٹیلی جنس ادارے، منصوبہ بندی وغیرہ کے محکمے مرکز کے پاس تھے- جو معاملات براہ راست مرکز کے کنٹرول میں نہیں دیئے گئے تھے- وہ صوبائی معاملات شامر ہوئے- صوبائی حدود میں ردوبدل سے متعلق کوئی ترمیم مرکزی اسمبلی متعلقہ صوبائی اسمبلی کی منظوری کے بغیر نہیں پاس کر سکتی تھی- (دفعہ 210)

اسلام آباد ملک کا پہلا اور ڈھاکہ دوسرا دارالخلافہ قرار پایا- ڈھاکہ میں بھی قومی اسمبلی کی مخصوص نشست قائم کر دی گئی- ریلوے کو صوبائی حکومتوں کی نگرانی میں دیا گیا- قانونی سازی کے معاملات میں مرکزی اسمبلی صوبائی اسمبلیوں پر فوقیت رکھتی تھی- جب صوبائی اسمبلی کا پاس کردہ قانون مرکزی اسمبلی کے پاس کردہ قانون سے متصادم ہو اس صورت میں- اس کے علاوہ مرکز کو صوبائی معاملات میں بھی مکمل فوقیت حاصل تھی- آئین میں مرکزی مقننہ کو قومی سلامتی کے تحفظ کے نام پر صوبائی معاملات سے متعلق قانون سازی کرنے کے بھی اختیارات دیئے گئے تھے- (دفعہ 131)

22- مغربی پاکستان کے شمال مغرب میں واقعہ قبائلی علاقوں کے لئے آئین میں مخصوص طریق حکومت طے کیا گیا- یہ علاقے صوبائی اسمبلی کے دائرہ کار اور صوبائی قوانین سے باہر و بالا تھے- آئین کی پہلی ترمیم کے مطابق ان علاقوں کو عدلیہ کے دائرہ کار سے بھی باہر قرار دے دیا گیا- ان علاقوں میں تمام معاملات صدر اور گورنر کے آرڈیننسوں اور احکامات کے مطابق چلائے جانے طے پائے- اس سلسلہ میں گورنر کے احکامات صدر کی منظوری کے تابع تھے- صوبائی اور مرکزی اسمبلی کے پاس کردہ کسی بھی قانون کو صدر یا گورنر ان علاقوں میں بھی نافذ کر سکتے تھے اور اپنی مرضی یا ضرورت کے مطابق ان میں ترمیم بھی کر سکتے تھے- (223 دفعہ)

مرکزی حکومتی اداروں کے انتخاب کے وقت قبائلی علاقوں میں قبیلوں کے نمائندہ حضرات خان، اور ملک وغیرہ کو حکومت کی طرف سے انتخابی کالج کے لئے نامزد کیا جاتا تھا-

اب اگر اس سارے آئین کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہو جاتا ہے اس آئین کے تحت ملک میں ایسا صدارتی نظام قائم کیا گیا- جس میں تمام اہم شعبوں، مقننہ، انتظامیہ، عدلیہ اور مالیات پر صدر کا کنٹرول تھا- صدر کو وسیع اختیارات حاصل تھے- آئین میں صدارتی طرز کی جمہوریہ قائم کی گئی تھی- لیکن مقننہ اور عدلیہ کے کمزور ہونے کی وجہ سے انتظامیہ کے سربراہ کو بالادستی حاصل تھی اور اس طرح صدارتی طرز حکومت کی اہم خوبی علیحدگی اختیارات اس نظام میں مفقود تھی- اس کے علاوہ آئین میں صدر کو بعض

ایسے اختیارات بھی دیئے گئے تھے (مثلاً اسمبلی کو برخاست کرنے کا حق) جو پارلیمانی نظام کا حصہ ہوتے ہیں۔ اس طرح صدر کو مزید ایسے وسیع اختیارات دے دیئے گئے۔ جس سے اس کے ہاتھ مضبوط ہو سکیں۔ پھر 1964ء میں کی جانے والی آئینی ترمیم میں مقننہ اور صدر کے انتخابی طریقہ کو طے کرتے ہوئے ایسا عمل اپنایا گیا۔ جس سے صدر کو مقننہ پر بالادستی ہو۔ اس ترمیم کے مطابق نئے صدر کا انتخاب مقننہ کے انتخاب سے پہلے کر دیا گیا اس پر نیا صدر بعد میں تشکیل پانے والی مقننہ پر اثر انداز ہو سکتا تھا۔ آئین کی پانچویں ترمیم میں ہنگامی حالات کے بارے میں صدر کے اختیارات مزید بڑھا دیئے گئے۔

آئین پر ہر دو طبقوں جمہوری اور مذہبی کی طرف سے تنقید کی گئی۔ جمہوری گروہ مقننہ کے اختیارات میں اضافے' عدلیہ کے ذریعے بنیادی حقوق کے نفاذ' براہ راست عام انتخابات' بنیادی جمہوریتوں کے نظام میں تبدیلی' وغیرہ کا مطالبہ کر رہے تھے۔ مشرقی پاکستان میں بھی آئین سے عدم اطمینانی عام تھی۔ جو مکمل صوبائی خود مختاری کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اس سب تنقید کے پیش نظر حکومت کچھ مراعات پر مجبور ہوئی اور بنیادی جمہوریتوں میں اراکین کی نامزدگی ختم کر دی۔ اس کے علاوہ سیاسی پارٹیاں بحال کر دیں۔ دوسری طرف ایک گروہ سمجھتا تھا کہ آئین اسلامی اصولوں کے مطابق نہیں ہے۔

حکومت نے پہلی آئینی ترمیم نے ان طبقات کو راضی کرنے کے لئے قانون سازی کی۔ بنیادی حقوق کا عدلیہ کے ذریعے نفاذ کر دیا گیا اور ملک کا نظام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" رکھ دیا۔ اس کے علاوہ اسلامی نظریاتی کونسل کے اختیارات بڑھا دیئے گئے۔ لیکن اس قانون سازی سے کوئی طبقہ بھی مطمئن نہ ہو سکا۔

جمہوری دستور

(شہید سہروردی کا بیان جو 21 ستمبر کو ڈھاکہ میں جاری ہوا)

مجھے سخت افسوس ہے کہ موسم کی خرابی کی وجہ سے ڈھاکے کے عوامی جلسہ میں تقریر نہیں کر سکا۔ میں آج شام کو مشرقی پاکستان کے کچھ لیڈروں کے ساتھ مغربی پاکستان جا رہا ہوں۔ ہم وہاں کے لیڈروں سے تبادلہ خیالات کریں گے اور مجھے یقین ہے کہ اس مل بیٹھنے کا نتیجہ کچھ اچھا ہی ہو گا۔ اگلے ماہ کے شروع میں میرا ڈھاکے واپس آنے کا ارادہ ہے تاکہ میں 7 اکتوبر کے پبلک جلسہ میں تقریر کر سکوں۔ یاد رہے کہ یہ دن 17 ستمبر کو گولی چلنے کے خلاف یوم احتجاج قرار پایا ہے۔

اس دن پاکستان بھر میں عام جلسے ہوں گے جہاں قرار دادیں منظور کی جائیں گی لیکن ہمارے صوبے میں سیلاب اور عام بدحالی کی وجہ سے عام ہڑتالیں نہیں ہوں گی۔

دستور

مجھے ڈھاکے میں مختلف الخیال لیڈروں سے بات چیت کا موقع ملا جن کی بڑی تعداد صوبے کے مختلف حصوں سے یہاں آئی ہوئی ہے اور اب مجھے بلا شک و شبہ پوری طرح یقین ہے کہ جمہوری دستور کا مطالبہ ملک بھر میں کیا جا رہا ہے۔ سابقہ سیاسی پارٹیوں کے کچھ لیڈروں کا یہ بیان جو "نو رہنماؤں کے بیان" کے نام سے مشہور ہوا ملک میں برق رو کی طرح پھیل گیا۔ عوام نے اس رائے کی تصدیق کی کہ سیاسی پارٹیاں بنانے کے بجائے ساری قوم متحد ہو کر اپنے خاص مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرے۔ ہمارے ملک میں مسائل تو بہت ہیں لیکن وہ اس وقت تک حل نہیں ہو سکتے۔ جب تک ہمارے پاس عوام کے اقتدار اعلیٰ پر مبنی دستور نہ ہو۔ یہ ہمارا سب سے بڑا مسئلہ ہے اور اگر یہ حل ہو جائے تو پھر دوسرے سارے مسائل قوم کے نمائندوں کی اجتماعی غور و فکر سے حل ہو سکتے ہیں۔

ہمارے قومی اتحاد اور یکجہتی کے مقاصد بھی اسی طرح پورے ہو سکتے ہیں۔ وہ اوپر سے نہیں تھوپے جا سکتے۔ صحیح معنوں میں سیاسی استحکام بھی یوں ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ آمری حکومت کا استحکام محض ظاہری ہے وہ اوپر سے پر سکوت اور مستحکم نظر آتا ہے لیکن سطح کے نیچے جو بھنور اور دھار سے کارفرما رہتے ہیں وہ مستقبل کے لئے امید افزا نہیں ہیں پاکستان کے مختلف حصوں کے لوگوں کے ساتھ بھی انصاف تبھی ہو سکتا ہے جب عوام کے نمائندے پارلیمنٹ میں جمع ہوں اور اپنے مسائل حل کریں اور تب ہی یہ بھی ممکن ہو گا کہ ملک کے ہر حصہ کے لوگ متحد ہوں اور شانہ بشانہ ترقی اور خوشحالی کی راہ پر گامزن ہوں۔

سیلاب زدگان کی امداد

سیلاب کے دوران لوگ کو مال و مکان کا نقصان ہوا ہے کہ ان کی فصل' مویشی' بیج' کپڑے' برتن وغیرہ ضائع ہوئے ہیں لیکن سیلاب کے بعد کی دشواریوں کے پیش نظر یہ سارے مسائل ہیچ ہیں۔ لوگوں کے پاس نہ رہنے کو گھر ہے نہ پیٹ بھرنے کو روٹی نہ پینے کو پانی اور نہ پہننے کو کپڑے اور نہ ہی ان کے پاس ان اشیاء کو مہیا کرنے کے وسائل۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنے لوگ مدد پہنچنے سے پہلے ہی مر چکے ہوں گے۔ اور پھر طالب علموں کا کیا ہو گا۔ کچھ کو تعلیمی اداروں کی کمی کے باعث اور کچھ کو غربت کی وجہ سے تعلیم کو خیرباد کہنا پڑے گا۔ بد قسمتی سے جو مدد دی جا رہی ہے وہ ضروریات کے پیش نظر قطعی ناکافی اور اکثر ناموزوں ہے۔ ہر شخص کا فرض ہے کہ حسب حیثیت زیادہ سے زیادہ دے لیکن افسوس کہ جو لوگ کسی حکومت کو سہارا دینے کے لئے یا ایک فضول مقننہ میں جگہ حاصل کرنے کے لئے لاکھوں روپے خرچ کر

دیتے ہیں ان کے جیب سے لوگوں کی جان بچانے اور غریبوں کی مدد کے لئے بہت قلیل رقم نکلتی ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ غیر سرکاری ادارے جتنا کر سکتے ہیں یا یوں کہیے کہ انہیں جتنا کرنے کی اجازت ہے کر رہے ہیں۔ لیکن ضرورت میں اس قدر شدت ہے کہ حکومت اس بات سے گریز نہیں کر سکتی کہ اگر لوگوں کو موت سے بچانا ہے تو مدد بہت بڑے پیمانے پر کرنی ہو گی۔

امریکہ کے عوام نے سیلاب زدگان کے درمیان ایک لاکھ بیس ہزار ٹن یعنی تقریباً 33 ہزار من گیہوں مفت تقسیم کرنے کے لئے دیا ہے اور مزید دینے کا وعدہ کیا ہے اس موقع پر ان کا شکریہ ادا نہ کرنا احسان فراموشی ہو گی اب مسئلہ اس امداد کی تقسیم کا ہے تاکہ مدد دور دراز کے علاقوں میں جلد از جلد اور ضابطہ کے ساتھ پہنچ جائے۔ مجھے امید ہے کہ اس سلسلے میں حکومت عوام کے۔ صحیح نمائندوں کا تعاون حاصل کرے گی اور امداد کو کسی سیاسی مفاد کو تقویت پہنچانے کے لئے نہ استعمال ہونے دے گی۔ ہم اپنے ان سارے دوستوں کے بھی شکرگزار ہیں جنہوں نے فیاضی سے مدد کی ہے اور مجھے اگر ان کے نام دیتے معلوم ہوتے تو فرداً" فرداً" شکر ادا کرنے کی مسرت حاصل کرتا۔

حالات کا تقاضہ یہ ہے کہ لنگر خانے کھولے جائیں۔ کیونکہ لوگوں کے پاس کھانا پکانے کا ذریعہ موجود نہیں ہے اس لئے محض اناج کے مفت تقسیم سے یہ مسئلہ حل نہیں ہو گا۔ بلکہ حکومت کو میرا یہ بھی مشورہ ہے کہ کارخانوں اور دوکانوں سے قمیض، لنگی اور ساڑھی وغیرہ کا کپڑا خرید کر مفت تقسیم کر دے۔

کہا جاتا ہے کہ چند روز پہلے ایک وزیر نے کہا کہ صدر پاکستان نے دس کروڑ کی منظوری دے کر عوام کی بہبود کے سلسلے میں جو فراغ دلی دکھائی ہے اس کا مقابلہ کوئی بھی سابقہ حکومت نہیں کر سکتی ہے۔ جواباً" عرض ہے کہ ایک تو اتنے بڑے پیمانے پر افتاد پہلے کبھی نہیں پڑی۔ دوسرے یہ کہ مجھے یاد پڑتا ہے کہ 56ء میں جب غلہ کی اس قدر کمی ہو گئی تھی کہ پچھلی حکومت نے اعلان کر دیا تھا کہ دس لاکھ آدمی بھوک سے مر جائیں گے تو میری حکومت نے 14 کروڑ روپئے اس مد میں منظور کر کے لوگوں کو قحط سے بچا لیا تھا اور حالات پر قابو پا لیا تھا گو کہ اس وقت حالات آج کے سے ابتر نہ تھے۔ تیسری بات قابل ذکر ہے کہ ہم نے پیسے اس لئے خرچ کئے تھے کہ لوگوں کو ضرورت ہے نہ کہ حکومت کے لئے لوگوں کو خریدنے کے لئے سیاسی مقصد کے پیش نظر۔

یہ بات قابل افسوس ہے کہ جب لوگ مر رہے ہیں تو ان کی مدد کی رقم بنیادی جمہوریت کے ممبروں کے ذریعہ تقسیم ہونے کی محتاج ہے امداد کو ان لوگوں کے ذریعے عوام میں پہنچانے کی وجوہات اس قدر واضح ہیں کہ میں ان پر کوئی روشنی نہیں ڈالوں گا۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ حکومت اپنی نظر میں وسعت پیدا کرے اور چھوٹے موٹے سیاسی نفع و نقصان کی بندشوں سے بالاتر ہو جائے؟

ہمارے عوام جس قدر صابر ہیں اور انہیں خدا پر جتنا بھروسہ ہے اور جس بہادری سے مصائب کا مقابلہ کرتے ہیں واقعی حیرت انگیز ہے۔ آیئے ہم انہیں خراج عقیدت پیش کریں اپنی ساری ہمدردیاں ان پر نثار کر دیں۔ صرف ان کی جان ہی نہ بچائیں بلکہ ان کی فلاح و بہبود کے لئے ہر ممکن کوشش کریں۔ سیلاب ایک مستقل مسئلہ ہے اور یہ بڑے ہی پیمانے پر حل کیا جا سکتا ہے۔

لیکن ہمارے ملک کے مستقل کے منصوبے بنانے والے اس مسئلے کو نظرانداز کرتے رہے ہیں اور ہمارے سارے وسائل اپنے خود ساختہ مقاصد پر صرف کرتے رہے ہیں یہ بات سچ ہے کہ ہمارا سارا پیسہ جو کفایت شعاری ٹیکسوں میں اضافہ 'لگان' زرمبادلہ وغیرہ سے اور پھر دوست ممالک امداد اور قرضوں سے حاصل ہوتا ہے۔ پنج سالہ منصوبے کے امور میں کھپ جاتا ہے اور گو کہ ظاہراً ایسا ہی ہوتا ہے کہ پنج سالہ منصوبے سے ہٹ کر کسی ترقیاتی کام کی گنجائش نہیں ہے اور نہ منصوبے میں ترمیم ہو سکتی ہے۔ لیکن پھر بھی یہ ہوتا رہا ہے کہ جب حکومت نے واقعی کسی کام کو ملک کے لئے ضروری سمجھا تو ذرائع مہیا ہو گئے۔

حال ہی کی بات ہے کہ پنج سالہ منصوبے میں چار سو کروڑ روپیہ نہروں کی مد میں اضافہ کیا گیا اور جب یہ بھی ناکافی سمجھا تو پانچ سو کروڑ کا مزید اضافہ کیا گیا۔ اس کے علاوہ کچھ ممالک ہیں کچھ ممالک ہمیں تین سو کروڑ تک منصوبے سے علیحدہ صنعتوں کے لئے دے رہے ہیں جبکہ ان صنعتوں کے اقتصادیات کا اطمینان بخش مطالعہ بھی نہیں ہوا ہے نتیجہ میں ہمارے زرمبادلہ پر بار بن جائے گا۔

سیلاب پر قابو پانا مشرقی پاکستان کے لئے اتنا ہی اہم ہے جتنا نہریں بند' سیم و شور وغیرہ پر قابو پانا مغربی پاکستان کے لئے ہیں۔ ان وسائل کی مغربی پاکستان کے لئے اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ ان کے لئے دوسرے پنج سالہ منصوبے سے ہٹ کر بیرونی مدد کی خاص کوشش کی گئی۔ اگر حکومت سیلاب کے مسئلے پر بھی واقعی فکرمند ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ پنج سالہ منصوبے کے تحت یا اس سے علیحدہ بیرونی مدد نہ ملے۔ شرط صرف یہ ہے کہ ہمارے پاس مناسب اور سوچی سمجھی اسکیمیں ہوں جو ایسے ماہرین سے بنوائی جائیں جن پر اقوام متحدہ اور امداد دینے والے ممالک اعتماد کرتے ہوں۔

مجھے یہ علم ہے کہ کچھ علاقوں میں بند باندھے جانے والے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ سیلاب پر قابو پانے کا عمل ہمارے اکیلے کا بس کا نہیں ہے۔ اس لئے میری رائے یہ ہے کہ ہم اقوام متحدہ اور اپنے دوست ممالک سے اپیل کریں کہ وہ ہماری مدد کریں۔

مشرقی پاکستان پر الزام

ہمارے گورنر غلام فاروق صاحب ترقیاتی امور کے ماہر کی حیثیت سے مشہور ہیں اور انہیں مشرقی پاکستان کی ضروریات کا بھی علم ہے۔ اپنے مختلف کاموں کے تجربہ کے بل پر وہ جانتے ہوں گے کہ ماہرین کہاں سے فراہم ہوں گے اور میں ان سے خاص طور پر اپیل کرتا ہوں کہ وہ ماہرین کی رائے حاصل کریں اور اس صوبے کی ترقی پر اپنی صلاحیتیں صرف کریں۔

بدقسمتی سے دوسرے پنج سالہ منصوبہ ان لوگوں کا تیار کیا ہوا ہے جو مشرقی پاکستان کی ضروریات سے بہت کم واقف تھے اور جن کے ترقیاتی نظریئے مغربی پاکستان کی ضروریات کی کسوٹی پر ڈھلے تھے۔

مشرقی پاکستان پر یہ الزام عائد کیا جاتا رہا ہے کہ وہ ترقی کے لئے اپنے حصہ کی رقم مصرف میں نہیں لا پاتا۔ لیکن اس کی وجہ مشرقی پاکستان کی نااہلی نہیں ہے بلکہ وہ رکاوٹیں حائل ہیں جو کہ مرکز پیدا کرتا رہا ہے اس کے علاوہ ترقیاتی منصوبے غیر متوازن رہے ہیں اور داخلی رسوخ کے فروغ کو نظرانداز کیا جاتا رہا ہے۔ مثال کے طور پر گیس کے بڑے ذخیرے دریافت ہوتے ہیں اور مزید دریافت ہونے کی گنجائش ہے لیکن اس گیس سے بجلی پیدا کرنے یا پیٹروکیمیکل صنعتیں قائم کرنے کے سلسلے میں کچھ نہیں کیا گیا۔

ریلوے

محکمہ مواصلات دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ مشرقی پاکستان میں ریلوے کی حالت بہت ابتر ہے لیکن اب بھی جو رقم منظور کی جاتی ہے اس کی بنیاد ضروریات سے نہیں بلکہ میلانہ (MILPGE) ہے۔

اس بات کو سب جانتے ہیں کہ مشرقی پاکستان کے ریلوے کی طرف توجہ کم ہی رہی ہے۔ پٹریاں بوسیدہ اور خطرناک ہیں' ریل گاڑیاں پرانی' ناکافی' گندی اور تکلیف دہ ہیں۔ انجن سب گھسے پٹے ہیں۔ چٹگاؤں کی بندرگاہ میں نئی جیٹیوں (Getty) کا اضافہ ہوا ہے لیکن مال کی زیادہ نکاسی کا کوئی بندوبست نہیں کیا گیا۔

مشرقی پاکستان جیسے کثیرالآبادی زرعی ملک میں صرف زراعت پر زیادہ توجہ ناکافی ہے بلکہ ایسے ملک کے لئے ضروری ہے صنعتوں پر زور دیا جائے اور تب ہی ممکن ہے جب گیس' پانی' اور The Rmel سے Power پیدا کی جائے۔ یا پھر ایٹمی توانائی کام میں لائی جائے۔

ایٹمی توانائی کے اسٹیشن کے لئے مناسب جگہ تلاش کرنے والے ماہرین نے مغربی پاکستان میں کراچی کے علاقہ اور مشرقی پاکستان کے کل علاقہ کی اس مقصد کے لئے سفارش کی ہے لہٰذا یہاں کے لوگوں کا یہ مطالبہ جائز ہو گا کہ مشرقی پاکستان سے کسی ایسے حصے میں جہاں پانی سے بجلی پیدا کرنا دشوار ہے ہمارا پہلا ایٹمی اسٹیشن قائم ہونا چاہئے۔

مجھے معلوم ہے کہ گورنر صاحب بھی کچھ اسی نہج پر سوچ رہے ہیں اور ان کی صلاحیتوں اور وسیع تجربہ پر بھروسہ کرتے ہوئے ہمیں یہ امید ہے کہ وہ ایک نئے طرز پر ترقیاتی منصوبوں کو ڈھالیں گے اور انہیں عملی جامہ پہنائیں گے اور ساتھ ہی یہ کہ وہ اپنے کو دوسرے پنجسالہ منصوبے کی حدود میں جکڑا ہوا محسوس نہ کریں گے۔

چھوٹی صنعتیں

ایک رائے میری یہ ہے کہ اب ہمیں چھوٹی صنعتیں ادھر ادھر بڑھانا چاہئے گھریلو صنعتوں کو فروغ دینا چاہئے اور دیہات کے رہنے والوں کی آمدنی بڑھانے پر خصوصی توجہ دینا چاہئے یہ کام سب سے بہتر ملٹی پرپوز Perpose Multi اور امداد باہمی کی تنظیموں سے ہو سکتا ہے لیکن ایسی تنظیموں کو بہت نظرانداز کیا گیا ہے اور ابھی تک ان کو ایک سنجیدہ حل کے بجائے پروپیگنڈہ کی چیزیں سمجھی گئی ہیں۔

جب ہم پڑھتے ہیں کہ دوسرے ممالک میں اکثر بھولے بچھڑے علاقہ اور دیہات' مرغی' مچھلی اور پھلوں کی کاشت سے شاد و آباد ہو گئے تو ہم سوچتے ہیں کہ ایسی اسکیموں سے جن سے عام آدمی ہی مستفیذ ہو رہے ہیں۔ ان اسکیموں پر ترجیح دینا چاہئے جن سے دولتمندوں کی دولت میں اور اضافہ ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ مجھے بہت عزیز ہے اور میں اس پر بہت کچھ کہہ سکتا تھا لیکن مجھے اس کے لئے مناسب موقع کا انتظار کرنا ہو گا۔

خدا اور اس کے حبیب کا شکریہ ادا کرنے کے بعد میں اپنے سارے دوستوں کا اور مشرقی پاکستان کے سارے لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے ایک آواز ہو کر میرا ساتھ دیا میں مقننہ کے ممبران اور ان بنیادی جمہوریتوں کا جن کی وہ نمائندگی کرتے ہیں ان کا بھی مشکور ہوں۔ میں اپنے ان سینکڑوں دوستوں کو جو میری گرفتاری کی وجہ سے سیفٹی ایکٹ وغیرہ میں پکڑے گئے مبارک دیتا ہوں اور انہوں نے جو تکالیف برداشت کی ان سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہوں۔

طالب علم

لیکن ہمارے شکریہ کے سب زیادہ حقدار وہ طالب علم ہیں جن کا حس انصاف و ایمانداری یہ بات گراں گذری اور وہ احتجاج کرنے کو کھڑے ہو گئے اس کے باوجود کہ انہیں بہت تکالیف اٹھانا پڑیں۔ میں نے مختلف موقعوں پر ان کے لئے اپنی محبت کے جذبات کا اظہار کیا ہے اور مجھے امید ہے کہ جو حب الوطن کی آگ ان کے دلوں میں لگی ہوتی ہے وہ وقت کے ساتھ بجھے گی نہیں بلکہ ان جذبات سے وہ اپنے ملک و قوم کی خدمت کریں گے۔

میں ایک بار پھر ان کے مخالفوں سے التجا کرتا ہوں کہ ان کو برا بھلا کہنا اور بدنام کرنا کہ وہ تخریب پسندوں کے ایجنٹ ہیں یا ایسے بیوقوف ہیں جنہیں ہر شخص نچا سکتا ہے یا بالکل ناسمجھ ہیں یا عیار لوگوں کے شکار ہیں جن کی فہرست میں ظاہر ہے کہ حکومت اور ان کے وزراء شامل نہیں چھوڑ دیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ میں اپنے لڑکوں کو جانتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ پڑھائی کی طرف واپس جانا چاہتے ہیں کیونکہ انہیں احساس ہے کہ نہ وہ اور نہ ان کے والدین ان کے اس قیمتی وقت کا جو ان کی تعلیم پر صرف ہونا چاہئے اور اس قیمتی پیسہ کا جو خون پسینہ سے میسر ہوتا ہے ضائع ہونا برداشت کر سکتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ ملک اور اس کی خوشحالی اور مستقبل سے ان کا بھی مفاد وابستہ ہے۔

اگر ان کو واقعی جیسا کہ سب تسلیم کرتے ہیں کل کے رہنما بننا ہے' ملک کی ضام حکومت سنبھالنا ہے ایک ایسے مستقبل کا ورثہ چاہتے ہیں جس میں معزز اور باوقار انسانوں کی طرح رہ سکیں تو ان کا یہ حق ہے کہ وہ اپنے فرد کو تاریک نہ ہونے دیں اس لئے ان کے لئے یہ مشکل ہے کہ وہ چیزوں کو غلط راستے پر دیکھ کر خاموش رہ جاتیں اور جب ان کی مدد کو کوئی نہیں آتا تو وہ خود ہی اپنے طریقہ پر استعمال کرنے لگتے ہیں۔

ہمارے برسراقتدار لوگوں کا یہ فیشن بن گیا ہے کہ جو لڑکے طلباء کے مطالبات کی جدوجہد میں پیش پیش رہتے ہیں انہیں کمیونسٹ اور تخریب پسند کہہ دیتے ہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ طلباء کا رویہ اور سخت اختیار کر لیتا ہے۔ جتنی جلد یہ بات ذہن نشین ہو جائے گی کہ طالب علموں کا ایک منفرد طبقہ ہے جس کے اپنے مسائل ہیں اتنا بہتر ہو گا کہ اگر ان سے سمجھداری اور ہمدردی کا برتاؤ کیا جائے اور اگر انہیں یہ محسوس ہو کہ ان کی سنوائی ہے اور ان پر بھروسہ کیا جائے تو یہ کام کے رکنے اور ہڑتالوں کا سلسلہ جو اس قدر بڑھ گیا ہے رک سکتا ہے اگر ان سے مناسب رویہ رکھا جائے تو ان میں اگر کچھ تخریب پسند عناصر ہیں بھی تو وہ ننگے ہو جائیں گے۔

حال ہی کی ایک بات میری رائے کو بہت تقویت دیتی ہے تعلیمی کمیشن جو کہ بلاشبہ ہمارے ملک کے نامی تعلیمی ماہروں پر مشتمل تھا' نے ایک ایسی رپورٹ مرتب کی جس میں دنیا کے دور و نزدیک کے ملکوں کے تعلیمی نظاموں کا ایک بے ہنگم چوں چوں کا مربہ تھا۔

اس رپورٹ کی عموماً سفارشات کا ان کے معاشی حال اور موجودہ تعلیمی اداروں سے کوئی ربط نہیں ہے نہ ہی اس میں نئے تعلیمی اداروں اور ٹیکنالوجیکل یا ویکیشنل ادارے قائم کرنے کی گنجائش ہے۔

حکومت نے ان سفارشات کو فوراً مان لیا اور انہیں عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع ہو گئی اس کے باوجود کہ اس سے طلبا اور ان کے والدین کو نقصان صاف ظاہر تھا جب کسی نے بھی طلباء کی طرف سے آواز نہ اٹھائی تو مجبوراً خود انہوں نے ان سفارشات کی منسوخی کی تحریک چلائی لوگ اب یہ احساس کر رہے ہیں کہ ان کا نقطہ نظر صحیح ہے۔ بہرحال ان کو بہت مصیبتیں اٹھانی پڑیں اور احکام کا غصہ سہنا پڑا۔ بہت سے گرفتار ہوئے بہت سوں پر مقدمہ چلے اور شہربدر کئے گئے اور بہتوں کو کالج میں داخلہ نہ ملنے کی وجہ سے اپنی تعلیم کو منقطع کرنا پڑا۔

یہ خوشی کی بات ہے کہ گورنر صاحب اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کر رہے ہیں اور امید ہے کہ سفارشات پر عمل درآمد ملتوی کر دیا جائے اور اس پر مزید غور و فکر کیا جائے۔ لیکن ان طلباء کا کیا ہو گا جو زک اٹھا چکے ہیں؟

17 ستمبر کے واقعات

17 ستمبر کے افسوس ناک واقعات ہمارے ذہن میں تازہ ہیں۔ ہمارا یہ حکومت کو بتانا ضروری تھا کہ ہم نہیں سمجھ سکے کہ کسی قسم کی بدامنی شروع ہونے سے پہلے فوج اور ایسٹ پاکستان رائفل کو سڑکوں پہ لانے کی کیا وجہ تھی۔ یہ طے شدہ امر ہے کہ فوج تب طلب ہوتی ہے۔ جب سول حکام حالات کو قابو کرنے میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ پھر آخر کیوں ہڑتال کی ابتدائی منازل پر ہی فوج طلب کی گئی۔ خاص طور سے جب طالب علموں نے دفعہ 144 کا اس قدر احترام کیا تھا یہ ٹکراؤ تو پھر لازمی تھا۔ بالخصوص اس لئے کہ وہاں سے بہت سے ایجنٹ اور بھڑکانے والے بھی موجود تھے۔

ان واقعات کی تفصیل میں جانا ضروری نہیں رہا' جب کہ گورنر نے ہائیکورٹ کے ایک جج کے زیر صدارت کمیشن مقرر کر کے تحقیقات کا حکم دے دیا ہے اس کمیشن کے سامنے پورے حالات آجائیں گے یہ بات بھی اطمینان بخش ہے کہ وہ طلباء کے خلاف سارے مقدمے واپس لے رہے ہیں۔ وارنٹ گرفتاری منسوخ کر رہے ہیں اور 17 ستمبر کے ہلاک شدہ کے اعزہ یا پسماندگان کو معاوضہ دے رہے ہیں۔

گورنر نے بھی امید ظاہر کی ہے کہ اس ماہ کے ختم تک تعلیمی کمیشن کی رپورٹ کا کوئی مناسب حل ڈھونڈ لیا جائے گا۔ یہ سب کچھ ٹھیک ہو رہا ہے اور ہم ان باتوں کو خوش آمدید کہتے ہیں۔

لیکن میں حکومت سے ایک اپیل کرنا چاہتا ہوں صرف مشرقی پاکستان کی حکومت سے ہی نہیں بلکہ مغربی پاکستان اور مرکزی حکومت سے بھی کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اپنا رویہ از سر نو متعین کریں کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ہمدردی اور فراخ دلی سے کام لیں اور صرف الفاظ سے نہیں بلکہ عمل سے یہ ظاہر کریں کہ طلبا قوم کے معمار ہیں جو سب سے بہتر طالب علم ہوتے ہیں وہ ہی خود اپنے طور پر طلباء برادری کے لیڈر بن جاتے اور طلباء تحریک میں پیش پیش رہتے ہیں اور یہ ہی طلباء ہیں جو سب سے زیادہ زد میں بھی آئے ہیں۔

میں حکومت کی خدمت میں یہ رائے پیش کرتا ہوں کہ طلباء کو عام معافی دی جائے ان پر سے مقدمہ اور وارنٹ ہٹائے جائیں اور ان کے خلاف سیاہ نشان مٹائے جائیں۔ اور اگر وہ اہل ہیں تو ان کا داخلہ کالجوں میں ممنوع قرار نہ دیا جائے۔ شہربدر کرنے اور نکالے جانے کے احکامات واپس لئے جائیں اور اس طرح سے ایک نئے باب کا آغاز ہو تاکہ طالب علم یہ جانتے ہوئے تعلیم حاصل کریں کہ ان کی شکایات ہمدردی سے سنی جائیں گی اور انہیں جلسہ جلوس ہڑتالوں کی ضرورت نہ پڑے گی۔

طلباء کے لیے آرڈیننس بھی جاری کیے گئے ہیں لیکن اس سے طلباء میں ضد کا جذبہ اور بھڑکتا ہے ان کی افادیت صفر سے بھی کم ہے اور بہتر یہی ہے کہ انہیں امن وامان کی خاطر واپس لیا جائے۔

میں عوام کے ان لوگوں کی طرف سے بھی جنہوں نے طلباء کی ہمدردی کی وجہ سے تحریک میں حصہ لیا کچھ کہنا چاہتا ہوں کہ جو پکڑے جاتے ہیں وہ مجرم نہیں ہوتے جیسا کہ ہم دیکھاکہ بہت سے غیر متعلق لوگ جن کا اس تحریک سے کوئی تعلق نہ تھا بلکہ محض تماشائی تھے مارے گئے۔ میں حکومت سے ان کی طرف سے ایک پبلک اپیل کرتا ہوں کہ ان کے کیس پر ہمدردی اور فراخ دلی سے غور کیا جائے۔

آیئے ہم خلوص نیتی کے ساتھ اس مسئلے کو از سرنو دیکھیں مجھے یقین ہے کہ اگر طلباء کے درمیان مداخلت نہ کی جاتی تو کچھ بھی نہ ہوتا ڈھاکے میں یہ ہڑتال کوئی پہلی بار نہیں ہوئی ہے لیکن اس قسم کے واقعات پہلی ہی بار رونما ہوئے ہیں۔

ایک بات اور ہے کہ طالب علموں سے جذبات کا اظہار ہم خود کریں گے اور ان کو اپنی جماعتوں میں واپس جانا چاہیے ان کو یقین ہونا چاہیے کہ ہم ان کے مفاد کی حفاظت کریں گے۔

سیاسی نظر بند

میں بہت سے مسائل پر بات کرنا چاہتا تھا لیکن مجھے کسی زیادہ مناسب موقع کا انتظار کرنا ہوگا۔ بہرحال ایک مسئلہ اتنا زیادہ اہم ہے کہ مجھے اس کا صرف ذکر ہی کرنا ہوگا۔ سیاسی نظر بندوں کی رہائی کا مطالبہ عام طور پر کیا جارہا ہے' اور مجھے کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ کیوں ان کی نظر بندی ختم نہیں کی جاتی۔

پاکستان کے آئین پر ایک گفتگو

اس چائے کی دعوت کو آئین کی تنقید یا تعریف سے غیر دلچسپ بنانے کا نہ تو ارادہ ہے اور نہ ممکن ہی ہے چند خیالات کو (چاہے وہ بے ربط ہی کیوں نہ ہوں) دراصل اس طرح پیش کرنا چاہتا ہوں کہ سننے والے آئین کے مختلف پہلوؤں کو خود جانچ پرکھ سکیں۔

وہ حالات جن میں نیا آئین نافذ کیا گیا ہے جنوبی امریکہ کی کسی ریاست کے لیے تو موزوں ہو سکتے ہیں لیکن دولت مشترکہ کے ایک رکن کے لئے جو تقریبا ایک صدی سے برطانوی تصور قانون کی حکمرانی Rule of Law اور عوام کا خود اپنے منتخب کردہ نمائندوں کے ذریعے حکومت کرنے کے حق کی مضبوط روایات کے زیر اثر پروان چڑھا ہو کسی طرح بھی درست نہیں کہے جا سکتے۔

آئین کا مطالعہ کیا جائے تو سب سے پہلے جس چیز پر نظر پڑے گی وہ اس کی تمہید ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ نئے اور پرانے آئین میں بہت زیادہ فرق ہے۔ پرانا آئین عوام نے خود تشکیل دیا تھا نیا آئین فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے بنیادی جمہوریت کے ارکان کے ذریعے دئے ہوئے اختیارات کے تحت نافذ کیا ہے۔ اسلامیہ جمہوریہ پاکستان اب محض جمہوریہ پاکستان ہے۔ قرارداد مقاصد میں وفاق اور صوبوں کی خود مختاری کے بارے میں جو تجاویز تھیں وہ ختم کردی گئیں۔ مساوات اور برابری کے بنیادی حقوق نکال دئے گئے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قانون بنانے والے کے لئے اس مساوات کے تصور کا اشتمالی پہلو ناقابل قبول تھا۔

پرانے آئین کے دوسرے اور تیسرے باب بنیادی حقوق اور مملکت کی پالیسی مرتب کرنے والے اصول و نظریات پر مشتمل تھے نئے آئین میں بنیادی حقوق نہیں دئے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں پیدا ہوانے والے شکوک و شبہات کو رفع کرنے کے لئے پرانی قرارداد مقاصد کے بنیادی حقوق کا نام بدل کر بنیادی انسانی حقوق کے نام سے پیش کیا گیا ہے۔ یہ تبدیلی جان بوجھ کر کی گئی ہے۔ بنیادی حقوق کے تذکرے کے ساتھ لازمی طور سے عدلیہ نظام کی طرف توجہ جاتی ہے۔ تاکہ ان حقوق کی حفاظت کرائی جاسکے۔ لیکن بنیادی انسانی حقوق کی دفعات دیکھ کر ہمیں اقوام متحدہ کے مرتبہ بنیادی انسانی حقوق یاد آجاتے ہیں۔ جنہیں تمام مہذب دنیا میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن جن کے پیچھے قومی یا بین الاقوامی قوت ان کو قابل نفاذ بنانے کے لئے نہیں ہے۔ آئین کے دوسرے اور تیسرے ابواب میں قانون سازی اور مملکت کی پالیسی مرتب کرنے کے اصول شامل ہیں۔ ان پر پابندی سے عمل کرنے کی ذمہ داری مقننہ پر ہے۔ ان اصولوں کی اساس پر کسی قانون کی جانچ پرکھ کا اختیار عدالتوں کو واضح طور پر نہیں دیا گیا ہے۔ قانون سازی اور پالیسی مرتب کرنے کے اصولوں کی پابندی کے لئے آئین میں صرف ایک طریق کار ہے اور وہ ہے صدر اور گورنر یا مرکزی اور صوبائی اسمبلی کا اسلامی مشاورتی کونسل سے رجوع کرنا۔ اگر کسی مجوزہ قانون کے سلسلے میں یہ سوال پیدا ہو کہ آیا وہ قانون سازی اور مملکت کی پالیسی مرتب کرنے والے اصولوں کی نفی کرتا ہے یا نہیں تو قانون ساز ادارہ مشاورتی کونسل سے رجوع کرے۔ لیکن ایسا کرنا لازمی نہیں ہے مزید یہ کہ قانون ساز ادارہ کے لئے اس کونسل کی رائے کی پابندی بھی لازمی نہیں ہوگی۔ اگر کسی مسئلے کے بارے میں اسلامی مشاورتی کونسل سے رائے طلب کی جائے تو کونسل مذکور کو ایک ہفتہ کے اندر اس مدت کی اطلاع دینی ہوگی جو وہ اس مسئلے کے بارے میں رائے قائم کرنے کے لئے ضروری سمجھتی ہے۔ لیکن قانون ساز ادارہ بغیر رائے کا انتظار کئے ہوئے قانون بنا سکتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کونسل نہ تو قانون ساز اداروں کے لئے نگرانی کا موثر ذریعہ ہے اور نہ کوئی شہری اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے اس پر بھروسہ کر سکتا ہے۔

یہ مشاورتی کونسل پانچ سے بارہ ارکان پر مشتمل ہوگی جسے صدر اپنے

متعین کردہ شرائط کے تحت تین سال کے عرصہ کے لئے مقرر کرے گا۔ اس کا کوئی بھی رکن کل اراکین کی اکثریت کی سفارش سے علیحدہ ہو سکے گا۔ کوئی بھی شہری اپنے حقوق غصب ہونے کی شکایت ملک کی کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے بھی نہیں کر سکتا۔ کوئی شہری اپنے حقوق کی حفاظت عدالتوں کے ذریعے نہیں کرا سکتا اور نہ کسی قانون ساز ادارے کے خلاف آئین سے صریحاً" انحراف پر عدالتی چارہ جوئی ہو سکتی ہے۔ ان تمام باتوں کا لازمی اثر یہ ہو گا کہ شہریوں اور حکومتوں کے تعلقات میں تفاوت بڑھے گا اور شہریوں کے حقوق کو مملکت کی بہبود کے بہانے آسانی سے دبایا جا سکے گا۔

مملکت کا ڈھانچہ

ان اہم تبدیلیوں میں سے جو مملکت کے ڈھانچہ میں کی گئیں ہیں چند یہ ہیں پاکستان اب وفاق کی حیثیت نہیں رکھتا۔ صوبوں کے نام اگرچہ وہی ہیں مگر خود مختاری ختم کر دی گئی ہے۔ تمام موثر اختیارات اب مرکز کے پاس ہوں گے۔

حکومت کا سربراہ اب پارلیمنٹ کے ذریعہ منتخب اور صدر کے ذریعے مقرر ہونے والا وزیراعظم نہیں ہو گا۔ پارلیمان اور صوبائی اسمبلیوں کو قانون بنانے کا اختیار جزوی طور پر حاصل ہو گا۔

یہ قانون ساز ادارے حکومت کی خود تشکیل نہیں کریں گے۔ پاکستان کی بالغ یا خواندہ آبادی اپنے حکمرانوں کو منتخب کرنے کی مجاز نہیں ہو گی۔ اب پاکستان کے عوام ایک انتخابی ادارے کو منتخب کریں گے۔ دونوں صوبوں میں اس کے ارکان کی تعداد مساوی ہو گی۔ ان اراکین کی تعداد اسی ہزار ہو گی لیکن اس میں دس فی صد اضافہ ہو سکتا ہے۔ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کا انتخاب ان "انتخابی اداروں" کے مخصوص اراکین کے ذریعہ ہو گا جو صرف ان حلقوں کے باشندے ہیں جنہیں الیکشن کمیشن کے پارلیمانی اور صوبائی اسمبلیوں کے لئے انتخابی حلقوں کی حیثیت دی ہو۔ قومی پارلیمان 156 اراکین پر مشتمل ہو گی۔ دونوں صوبوں کے اراکین کی تعداد مساوی ہو گی۔ ایک سو پچاس اراکین انتخابی حلقہ بندیوں سے منتخب ہوں گے جبکہ نشستیں خواتین کے مخصوص ہوں گی۔ قومی اسمبلی کے 156 اراکین ایک اسپیکر اور دو ڈپٹی اسپیکر منتخب کریں گے۔ صدر کا عہدہ خالی ہونے، صدر کی غیر موجودگی میں یا صدر کی علالت یا کسی اور سبب سے فرائض انجام نہ دینے کی صورت میں قومی اسمبلی کا اسپیکر صدر کے فرائض انجام دے گا۔

صوبائی قانون ساز اسمبلیاں 155 اراکین پر مشتمل ہوں گی جن میں 152 "انتخابی حلقوں" سے ہوں گے اور 5 نشستیں خواتین کے لئے مخصوص ہوں گی۔

مرکز اور صوبوں کے درمیان قانون سازی کے اختیارات کی تقسیم نئے طرز پر مبنی ہے۔ آئین میں ایک فہرست ہے جس میں 49 مختلف موضوعات ہیں جن کے بارے میں قومی اسمبلی کو قانون بنانے کا اختیار ہے۔ صوبائی اسمبلیوں کو ایسا اختیار حاصل نہیں ہے۔ ان کے علاوہ باقی تمام موضوعات کے سلسلے میں صوبائی اسمبلی و قانون سازی کا اختیار رکھتی ہیں۔ لیکن یہ اختیار قومی اسمبلی کو بھی اس صورت میں حاصل ہو سکتا ہے جب یہ یقین کیا جا سکے کہ قومی بہبودی، مالی استحکام، ہم آہنگی یا یکسانیت پیدا کرنے کے لئے ایسا کرنا ضروری ہے۔ اگر مرکزی اور صوبائی قوانین میں تضاد ہو تو مرکزی قانون درست سمجھا جائے گا لیکن قانون سازی کی اہلیت یا اختیار کے بارے میں کوئی اختلاف عدالتوں کے ذریعے طے نہیں ہو سکے گا۔ یہ طریق کار بنیادی طور سے وحدانی طرز کا ہے وفاقی طرز کا نہیں ہے۔

پاکستان کا صدر تمام "انتخابی اداروں" کے ذریعہ منتخب ہو گا۔ صدر کو مسلمان ہونا چاہئے۔ عورت یا مرد کی کوئی قید نہیں ہے۔ اس کی عمر کم سے کم 35 سال ہونی چاہئے اور اسے قومی اسمبلی کو رکن منتخب ہونے کی شرائط کا حامل ہونا چاہئے۔ صدر کی مدت عہدہ (سوائے موجودہ صدر کے جس کے عہدے کی مدت تین سال ساٹھ یوم ہے) پانچ سال ہو گی۔ یہ مدت اسی روز سے شمار ہو گی جس روز سے اس نے سابقہ صدر سے چارج لیا ہو بعض مخصوص حالات میں یہ مدت مختصر بھی ہو سکتی ہے۔

انتظامیہ اور مقننہ کے اختیارات کی تقسیم اس آئین کا سب سے غیر اطمینان بخش حصہ ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ نیا آئین بناتے وقت اس بات کو ذہن میں رکھا گیا ہے کہ پارلیمان کے ارکان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ جمہوریت کا گلا گھونٹنے اور آمریت قائم کرنے کے لئے آئین کو مسخ کرنے کی جو متواتر کوششیں پاکستان کے دو سابق گورنر جنرلوں اور سب سے پہلے صدر نے انجام دی تھیں شاید موجودہ آئین بنانے والے کو یاد نہ آئیں۔ تاریخ ہمیں یاد دلاتی ہے کہ ایشیا اور خاص طور پر مسلم ممالک تمام اختیارات ایک فرد تک محدود کرنے اور لاکھوں افراد کے حقوق غصب کرنے کی کوششیں عام ہیں۔ حالانکہ مسلم ممالک کو جمہوریت یا آزادی نے کبھی نقصان نہیں پہنچایا بلکہ ہمیشہ آمروں نے تباہ و برباد کیا۔ ایسی تباہی سے بچنے کی کوئی تدبیر آئین میں نہیں ہے۔ موجودہ طریق کار کہ معمولی سے ردوبدل کے ذریعے آمریت میں با آسانی تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

نئے آئین کی رو سے صدر صرف سربراہ مملکت ہی نہ ہو گا بلکہ انتظامی اختیارات کا حامل بھی ہو گا۔ صدر آئین کی خلاف ورزی کئے بغیر تمام انتظامی معاملات خود اپنے ہاتھ میں لے سکتا ہے۔ وزراء محض اس کی خوشنودی تک اپنے عہدوں پر برقرار رہ سکتے ہیں اور ہمیشہ اس کے کنٹرول میں رہنے پر مجبور ہیں۔ وہ تمام مسلح افواج کا حاکم اعلیٰ ہو گا۔ ایسے مختلف فوجی دستے تشکیل دینے، کمیشن عطا کرنے، مختلف کمانڈروں کا تقرر کرنے اور ان کی تنخواہوں کا تعین کرنے کا اختیار ہو گا۔ پارلیمان کو مسلح افواج اور ان کی تنخواہوں کے اخراجات کی نگرانی کا کوئی اختیار نہ ہو گا۔ یہ بات یقینی ہے کہ اگر دفاعی

اخراجات کو مجموعی فنڈ "(Conoolidared Fund)" میں شامل نہ کیا گیا تو انتہائی سرگرمی سے یہ کوشش کی جائے گی کہ دفعہ 31 (الف) کے تحت بجٹ میں دفاعی اخراجات کو مستقل قرار دیا جائے- دونوں صورتوں میں پارلیمان اپنی رائے دینے، نامنظور کرنے یا ان اخراجات کے کسی حصہ کو کم کرنے کے اختیار سے محروم رہے گی- یہ بات کتنی مضحکہ خیز ہے کہ پارلیمان دفاعی مسائل پر گفتگو کر سکتی ہے لیکن کنٹرول کرنے سے قاصر ہے-

تمام مرکزی ملازمین کا تقرر اور عہدوں پر بحالی صدر کی مرضی پر منحصر ہے- صوبوں میں گورنر کی مرضی سے یہ تقرر اور عہدوں پر بحالی عمل میں لائی جائے گی- اور گورنر صدر کے مقرر کردہ نمائندے ہونگے- آئین میں بیماری اور تنخواہوں کے مسائل تحریری شکل میں نہیں ہیں- اس سلسلے میں کوئی مقدمہ دائر نہیں ہو سکتا- صدر کو حکومت پر ذاتی کنٹرول وسیع بھی ہے اور موثر بھی-----

آئین کی وہ دفعات جو صدر کے عہدے اور مجموعی فنڈ سے متعلق ہیں اور جن کے لئے پارلیمان کو منظوری دینے کے اختیار نہیں ہے- صدر کی ذاتی فوج کی تشکیل کی صورت میں منتج ہوں گی- امریکہ کے صدر کے برخلاف قانون کا اختیار پاکستان کے صدر کو حاصل ہو گا- اسے یہ اختیار بھی ہو گا کہ وہ ٹیکسوں میں اضافہ کر سکے اور قانونی طور سے حکومت کے اخراجات کو مستقل قرار دیدے، چاہے قومی اسمبلی کا ہر رکن ان اخراجات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو-----

نہ صرف صدر اور گورنروں کو مقننہ کے اجلاس نہ ہونے کی صورت میں آرڈیننس نافذ کرنے کا اختیار ہے بلکہ صدر کو ہنگامی حالت کا اعلان کرنے کا مزید اختیار بھی ہو گا- اگر ہنگامی حالات کا اعلان ہو جائے تو صدر قومی اسمبلی کا اجلاس جاری رہنے کے دوران بھی آرڈیننس نافذ کر سکے گا اور ہنگامی صورت حال کے خاتمہ پر قومی اسمبلی کسی آرڈیننس کو نامنظور کرنے کی اہل نہیں ہو گی- ہنگامی صورت حال کی کوئی زیادہ سے زیادہ مدت مقرر نہیں ہے اور صدر لازمی طور پر تنہا فیصلہ کرے گا کہ آیا ہنگامی صورت حال موجود ہے یا نہیں ہے یا تو یہ ہے کہ صدر کسی وقت بھی قومی اسمبلی کو عضو معطل بنا سکتا ہے اور خود طرح کی قانون سازی اور حکومت چلانے ٹیکس عائد کرنے کے موثر اختیارات سنبھال سکتا ہے-

صدر بحیثیت مقننہ کے کامل جز کے عمومی قانون سازی کو اپنی منظوری نہ دے کر روک سکتا ہے کل مقننہ کی دو تہائی اکثریت ہی صدر کو دوبارہ غور کرنے پر مجبور کر سکتی ہے- مگر پھر بھی وہ معاملہ کو انتخابی ادارے کے پاس ریفرنڈم کے لئے بھیج کر منظوری دینے سے انکار کر سکتا ہے- اس ریفرنڈم کا اگر کامیاب نتیجہ برآمد ہو صرف اس وقت وہ مسودہ قانون جسے قومی اسمبلی نے منظور کیا ہو قانون کی حیثیت اختیار کر سکے گا-

صدر کو پارلیمان کا اجلاس بلانے اور ملتوی کرنے کا اختیار حاصل ہے اور وہ اسے منسوخ بھی کر سکتا ہے- سوائے اس صورت کے جب صدر کو اس کے عہدے سے علیحدہ کرنے کی تحریک پر غور ہو رہا ہو یا ہونے والا ہو- اور یا جب کہ اسمبلی ختم ہونے کی مدت میں 120 یوم سے کم مدت باقی ہو-

صدر پر قومی اسمبلی کا کنٹرول بہت معمولی نوعیت کا ہے- صدر کی علیحدگی کی تحریک اسی وقت منظور ہو سکتی ہے جب کل اراکین کی دو تہائی اکثریت اس تحریک کی موافقت کرے- اس تحریک پر صرف اس وقت غور ہو سکتا ہے- جب کل اراکین کی ایک تہائی تعداد اس تحریک کی موافقت میں تحریری نوٹس دے- اگر یہ تحریک کل اراکین کی نصف تعداد کی موافقت نہ حاصل کر سکے تو نوٹس دینے والے اراکین اپنی نشستوں سے محروم ہو جائیں گے- اگر قانون کا خالق اس اختیار کے غلط استعمال کی توقع رکھتا ہے تو یہ بے حد تعجب کی بات ہے- پھر یہ امر قابل غور ہے کہ حکومت کا کسی شخص کو بغیر مقدمہ چلائے نظربند کرنے کا اختیار قومی اسمبلی کے اراکین کے خلاف کسی ہنگامی صورت حال میں تو یقیناً موثر طور سے استعمال ہو سکتا ہے-

مقننہ سے متعلق یہ سیاہ دفعات آئین کا ایک بے حد ناخوشگوار پہلو ہے- ایک شخص کی اچھائی پر بہت زیادہ اعتماد کرنا اور نمائندہ افراد کی اکثریت پر عدم اعتماد خام منطق اور تاریخ کے غلط تجزیے پر مبنی ہے- جمہوری اور مطلق العنان نظام حکومت میں بنیادی فرق آئین کے ذریعے قانون ساز اداروں کو اختیار اور اعزاز دینے سے پیدا ہوتا ہے- موجودہ زمانے کی کوئی حکومت حتیٰ کہ نازی جرمنی اور اسٹالن کا روس بھی بغیر نمائندہ پارلیمان کے قائم نہیں ہو سکتا- وہ خصوصیت جو ان نظام ہائے حکومت برطانیہ، امریکہ، ہندوستان یا دوسرے مغربی ممالک سے ممیز کرتا ہے- وہ قومی پارلیمان کی شکل پر منحصر ہے- آج کے ترقی پذیر مملک میں مشترکہ خصوصیت ان کے آئینی ارتقاء میں پائی جاتی ہے جس کے ذریعے ذہنی صلاحیتیں آہستہ آہستہ انتظامیہ کے ہاتھوں سے نکل کر قانون ساز اداروں کے دائرے میں آتی جا رہی ہیں، موجودہ آئین میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس کے ذریعہ قانون ساز اداروں میں وہی صلاحیتیں ابھر سکیں-

یہ صورت حال کہ مقننہ کا صدر مقام ڈھاکہ میں ہو گا اور انتظامی صدر مقام اسلام آباد ہو گا ایک اور غیر اطمینان بخش خصوصیت ہے- کیونکہ امریکن طرز پر انتظامی امور کو مقننہ کے کنٹرول میں لانے کی کوشش صرف اسی وقت کامیاب ہو سکتی ہے جبکہ منتظمین قانون سازی کرنے والوں کے سامنے آسانی سے جوابدہ ہو سکیں-

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے آئین کی کئی غیر اطمینان بخش خصوصیت جاپان کے پرانے آئین مستعار لی گئیں ہیں- ایسی ہی چند خصوصیات جن کو ہم نے اختیار کیا ہے جاپان میں جمہوریت کو ختم کرنے اور فوجی حکومت کے پھلنے پھولنے کا باعث بنیں- ماضی کی غلطیوں کو سمجھتے ہوئے جاپان کے نئے آئین میں اس طرح کی باتیں شامل نہیں کی گئی ہیں-

عدالتی اختیار

مملکت میں عدالتی اختیار مرکز میں سپریم کورٹ اور صوبوں میں ہائی کورٹس کو حاصل ہو گا۔ جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے عدالتوں کو کسی قانون کے "بنیادی انسانی حقوق" یا آئین کی خلاف ورزی پر ناجائز قرار دینے کا اختیار نہیں ہو گا۔

مقننہ اور انتظامیہ کی زیادتیوں کو روکنے اور شہریوں کو اپنے حقوق کی حفاظت کے لئے کوشش کرنے کا اختیار چھین لیا گیا ہے۔ رائے عامہ ایسا نہ ہونے کے لئے موثر ثابت ہو گی۔ یہ بات مشتبہ ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی مشتبہ ہے کہ رائے عامہ ارباب اختیار کو مجبور کر دے گی کہ وہ شہریوں کے بنیادی حقوق غصب کرنے سے باز رہیں اور عوام کو وہ تمام تحفظات حاصل ہو جائیں جو ایک تحریری آئین میں موجود ہوتے ہیں۔

مسلح افواج کے قانون کے تحت یا زیر اثر تشکیل پانے والی عدالتوں کے علاوہ تمام عدالتوں اور ٹربیونل کی نگرانی کا اختیار سپریم کورٹ سے واپس لے لیا گیا ہے۔ نیا آئین سپریم کورٹ کے دائرہ اختیار کو ہائی کورٹس کی صرف اپیلیں سننے تک محدود کرتا ہے۔۔۔۔۔

مزید یہ کہ سپریم کورٹ مختلف صوبوں کے درمیان یا مرکز اور صوبوں کے درمیان پیدا ہونے والے تنازعات پر فیصلہ دینے کا مجاز ہو گا اور ملک کے کسی بھی اہم مسئلہ پر اگر صدر سپریم کورٹ سے رجوع کرے تو سپریم کورٹ کو مشاورتی اختیار ہو گا۔۔۔۔

آئین میں یہ تصور موجود ہے کہ مقننہ سپریم کورٹ کے دائرہ اختیار میں مددگار ہو گی۔ یہ امید بھی ہو سکتی کہ آئین کی خلاف ورزی کو مقننہ فوراً روک دے مگر عدالتوں اور ٹربیونل کے ماموں کی نگرانی کا اختیار سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس کے پاس نہ ہونے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ہائی کورٹس کے "اجرائے پروانہ" (Woit) کے اختیار کو بڑی حد تک تبدیل کر دیا گیا ہے۔ اس کا دائرہ اختیار آیا بڑھ گیا ہے یا محدود ہو گیا ہے یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔۔۔۔۔ یہ امید قائم کی جا سکتی ہے کہ آئین سے اس جز کی عدالتیں جس طرح توضیح و تشریح کریں گی "(Interpvetation)" وہ شہریوں کے لئے ضرور مناسب ہو گا۔

ملازمتوں کے بارے میں "اجرائے پروانہ" کا اختیار بڑی حد تک ختم ہو گیا ہے اور آئین میں تصریح کی ہوئی ملازمت کی شرائط اور تعین اوقات کے حقوق کے نفاذ کو محدود کر دیا گیا ہے۔ سینیارٹی اور ترقی کے معاملات اب "اجرائے پروانہ کے اختیار کے باہر ہوں گے۔

دفاعی ملازمتوں کو اب "اجرائے پروانہ" کی سہولتیں حاصل نہیں ہوں گی۔ یہ بات سمجھ میں آ سکتی ہے کہ۔۔۔۔۔۔۔ مسلح افواج کے قانون کے تحت قائم ہونے والی عدالتیں دفاعی ملازمتوں کے سلسلہ میں خصوصی اختیارات کی حامل ہوں گی اور ہائی کورٹس کو ان کا نگراں نہیں بنایا جائے گا لیکن یہ سمجھنا مشکل ہے کہ فوج کا ایک سپاہی یا آفیسر جسے خلاف قانون جواز پر برخاست کر دیا گیا ہو وہ اس صورت حال کو وضاحت چاہنے کے حق سے محروم رہے اور اعلیٰ ترین عدالتوں سے بھی انصاف طلب نہ کر سکے جبکہ سول ملازمین کو یہ حق حاصل ہے۔

مغربی پاکستان کے ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کا یہ اختیار کہ وہ کسی ایسے جج کو جو ایک مستقل جگہ پر مامور ہو اپنے فرائض انجام دینے کے لئے دوسری جگہ منتقل کر دے بڑی حد تک ختم کر دیا گیا ہے۔

پرانے آئین میں بھی ججوں کے تقرر سے پہلے چیف جسٹس سے مشورہ لینا ضروری تھا۔ اور نئے آئین میں بھی صحیح طریق کار یہ ہے کہ ججوں کو تقرر صرف چیف جسٹس کی سفارش پر ہو۔ پرانے آئین میں اس طریق کار سے انحراف اس لئے کیا گیا تھا کہ وفاقی آئین میں بنیادی حقوق شامل تھے۔ اور عدالتیں کسی قانون کے جواز اور عدم جواز کے فیصلہ کا اختیار رکھتی تھیں۔ اس لئے یہ ضروری سمجھا گیا تھا کہ صدر کو اعلیٰ عدالتوں کی تشکیل پر کسی حد تک قابو رکھنا چاہئے۔ موجودہ آئین میں جو ججوں کی تقرری پر صدر کا کنٹرول کوئی جواز نہیں رکھتا۔

آئین میں کئی خامیاں بھی ہیں۔ 1962ء ہی میں یہ ضروری سمجھا گیا کہ سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ کے ججوں کی تقرری کی شرائط کے لئے کسی شخص کی وکالت کرنے کی مدت اس طرح شمار کی جائے کہ وہ عرصہ جس میں اس نے ہندوستان کی عدالت میں وکالت کی ہے شامل کیا جا سکے۔ یہ غیر ضروری اضافہ ہے اور مستقبل میں اس سے غلط فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔۔۔۔۔۔

سپریم کورٹ متحرک عدالت رہے گی اس طرح اس کی اپنی روایات اور اپنی بار (Bar) کی تشکیل نہ ہو سکے گی۔ یہ تعجب خیز بات ہے کہ مقننہ کا صدر مقام ڈھاکہ منتقل ہو گیا ہے لیکن عدلیہ کا صدر مقام اسلام آباد ہی ہو گا جو انتظامیہ کا صدر مقام بھی ہو گا۔ بہتر ہوتا کہ عدلیہ کا مقام انتظامی حکومت کے صدر مقام سے علیحدہ رکھا جاتا۔

ریٹائر ہونے والے ججوں پر ان عدالتوں کے سامنے وکالت کے لئے آنے کی ممانعت نہیں ہو گی جن کی سربراہی وہ خود کر چکے ہوں۔ گو یہ طریقہ جو شاید مالی ضروریات کے پیش نظر کی گیا ہے اصولی طور سے غلط ہے لیکن اس سے ججوں اور وکلاء کے درمیان جو روایتی ناخوشگوار تعلقات ہوتے تھے۔ وہ اب دور ہو جائیں گے۔

دوسری خصوصیات

آئین کی ایک نمایاں کوتاہی مملکت کے ملازمین یا دوسرے اشخاص کی آئین کو مسخ کرنے کی کوششوں کو سدباب کرنے میں مضمر ہے۔ اس مصیبت

سے محفوظ رہنے کے لئے حلف اٹھانے کو عام کرنا اس حقیقت کو نظر انداز کر دینے کے مترادف ہے کہ ان لوگوں نے جنہوں نے پرانے آئین کی وفاداری کے حلف اٹھائے تھے اس کی حفاظت کی کوئی کوشش نہ کی تھی۔

لوگوں کو بغیر مقدمہ چلائے نظر بند کرنا یا بغیر الزامات ثابت کئے ہوئے کسی کے خلاف کوئی اقدام کرنے کے اختیار کو اسی شدت سے استعمال کیا جائے گا جیسا ماضی میں ہوتا رہا ہے۔ اس اختیار کو محدود کرنے کے لئے کوئی مسودہ قانون اس وقت تک نہیں پیش کیا جا سکتا جب تک صدر یا گورنر کی مرضی حاصل نہ ہو گئی ہو۔

نئے آئین کی دفعہ 225 (4) میں صدر کو قانون سازی کا تقریباً غیر محدود اختیار حاصل ہے۔

کسی جمہوری ملک میں "بنیادی حقوق" کا پامال کرنے کی اس سے زیادہ موثر کوشش کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

آخر میں صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ عوام جس طرز کی حکومت کے مستحق ہوتے ہیں وہی ان کو حاصل ہوتی ہے۔ اگر پاکستان کے عوام موجودہ طرز کے مقابلہ میں نئی طرز کی حکومت چاہتے ہیں تو انہیں اپنی اہلیت ثابت کرنی ہو گی۔

ہر وقت ہوشیار رہنے ہی کے ذریعہ آزادی محفوظ ہو سکتی ہے۔

1962 کا آئین ۔۔۔ اہم شقوں کا ایک جائزہ

صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے اس اختیار کی رو سے جو پاکستان کے عوام نے انہیں 14 فروری 1960ء کو دیا تھا یکم مارچ نئے آئین کا اعلان کیا۔ اس کی رو سے جمہوریہ پاکستان کو ایک ایوان پر مشتمل وفاقی مقننہ اور صدارتی طرز حکومت دی گئی ہے۔ مقننہ کا بڑا مرکز ڈھاکہ اور مرکزی حکومت کا صدر مقام اسلام آباد ہو گا۔ دو صوبائی قانون ساز اسمبلیاں ہونگی' اور ملک کے دونوں صوبوں میں صوبائی وزیر ہوں گے جنہیں صوبائی گورنر صدر کی منظوری سے مقرر کریں گے۔

ملک کی نئی اسمبلی جو بل منظور کرے گی ان کے لئے صدر کی منظور لازمی ہو گی۔ تاہم اسمبلی کی دو تہائی اکثریت صدر کے حق استرداد (ویٹو) کے تحت ہونے والے فیصلے کو مسترد کر سکے گی۔ بشرطیکہ صدر نے وہ معاملہ استصواب کے لئے پیش نہ کیا ہو۔ اگر صدر اسمبلی کو توڑیں گے تو اسمبلی ٹوٹنے کے 120 دن کے اندر صدر کے عہدے کے لئے نیا انتخاب لازمی ہو گا۔

قومی اسمبلی اپنی کل تعداد کی تین چوتھائی اکثریت کی مدد سے صدر کا مواخذہ کر سکے گی_ اگر صدر مملکت اور قومی اسمبلی کی دو تہائی اکثریت متفق ہو تو آئین میں ترمیم ہو سکے گی۔ اگر صدر اس بارے میں دو تہائی اکثریت کی رائے سے متفق نہ ہو اور صدر وہ معاملہ استصواب کے لئے پیش نہ کرے یا اسمبلی کی درخواست نہ کرے تو اسمبلی کی تین چوتھائی اکثریت اس کے اس فیصلے کو جو صدر نے حق استرداد کی رو سے کیا ہو مسترد کر سکتی ہے۔

نئے آئین کے تحت خواتین کے لئے علیحدہ نشستیں رکھی گئی۔ اور بنگالی اور اردو کو قومی زبان قرار دیا گیا ہے لیکن جب قومی اسمبلی ایک بار میزانیہ کی منظوری دے دے گی تو اس میں صدر کی اجازت کے بغیر کوئی ترمیم نہیں کی جا سکے تھی۔ قانون ساز اسمبلیاں اس امر کی یقینی بنانے کی ذمہ دار ہوں گی کہ کوئی ایسا قانون نہ بنایا جائے جو بنیادی حقوق کے' جنہیں موجودہ آئین میں قانون سازی کے اصول ارار دیا گیا ہے' منافی ہوں۔ مرکزی اور صوبائی قانون ساز ادارے بنا کر رائے عامہ کی برتری تسلیم کر لی گئی ہے۔ یہ ادارے عوام کی منتخب نمائندوں پر مشتمل ہوں گے۔ انہیں اپنے اپنے دائرہ کار میں قانون سازی کے کلی اختیارات میں اپنے اختیارات کی نئی حدود مقرر کرنے اپنے طریق کار کے اصول اور اپنے ارکان کے کام کے بارے میں قاعدے بنانے کا اختیار شامل ہو گا۔ کوئی ادارہ یا عدالت اس بنیاد پر کہ اس کی رائے میں آئین کے تحت مقننہ کو قانون سازی کا حق نہیں۔ مقننہ کے اختیار کو چیلنج نہیں کرے گی۔ (134)

مرکزی قانون سازی کا مخصوص دائرہ کار آئین کے تیسرے شیڈول میں درج کیا گیا ہے۔ لیکن ان امور کے بارے میں جو اس شیڈول میں بیان نہیں کئے گئے۔ ما بقی اختیارات صوبائی قانون ساز اداروں کو دیئے گئے ہیں جو اس ایکٹ میں بھی ترمیم و تنسیخ کر سکیں گے جو اس سے قبل مرکزی مقننہ نے صوبائی قانون کسی مرکزی قانون سے ہم آہنگ نہیں ہو گا تو موخر الذکر قانون پر عمل در آمد ہو گا اور اول الذکر اس حد تک جس حد تک وہ ہم آہنگ نہیں غیر موثر ہو گا۔ (134)

صدر اور قومی اسمبلی کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ان امور کے بارے میں جو جمہوریہ کی حکومت کے دائرہ کار میں ہیں صوبائی حکومت کی رضامندی سے اس حکومت کو یا اس حکومت کے کسی افسر یا ادارے کو کام کرنے کا اختیار دے دیں۔ قومی اسمبلی اس وقت تک کسی صوبے کی حدود میں تبدیل کرنے کے لئے آئین میں ترمیم نہیں کر سکے گی۔ جب تک اس صوبے کی اسمبلی اپنے ارکان کی کل تعداد کی دو تہائی اکثریت سے منظور شدہ قرار دادوں کی مدد سے اس کی منظوری نہ دے دے۔

دیباچہ

دیباچہ میں کہا گیا ہے کہ تمام دنیا پر حاکیت اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور جو اختیار لوگوں کے لئے ہے وہ ایک مقدس امانت ہے۔ یہ کہ بانی پاکستان قائد اعظم محمدؐ علی جناح نے یہ اعلان کر کے کہ پاکستان اسلامی اصولوں اور سماجی انصاف پر مبنی ایک جمہوری ملک ہو گا۔ لوگوں کی خواہش کا اظہار کیا تھا یہ علاقے اب پاکستان میں شامل ہیں اور جو بعد ازاں شامل ہوں گے۔ وہ وفاق کا

جرم ہوں گے۔ اور صوبوں کو اس حد تک خود مختاری حاصل ہو گی جو مجموعی طور پر پاکستان کے مفاد میں ہو۔ اور پاکستان کے لوگوں کی یہ خواہش ہے کہ اسلام نے جمہوریت' آزادی' مساوات' بردباری اور سماجی انصاف کے جو اصول دیئے ہیں پاکستان میں ان پر پورے طور پر عمل کیا جائے اور یہ کہ پاکستان کے مسلمان انفرادی اور اجتماعی طور پر اس قابل ہو جائیں کہ وہ اپنی زندگیاں اسلام کی تعلیمات اور ضروریات کے مطابق ڈھال سکیں۔ لیکن پاکستان اقلیتوں کے جائز مفادات جن میں ان کے مذہبی اور ثقافتی مفادات بھی شامل ہیں' کی پوری حفاظت ہونی چاہئے۔

رہ نمائی کے اصول

دستور میں قانون سازی کے 16۔ اصول اور پالیسی کے 21۔ اصول شامل ہیں۔ ان غیر مشروط طور پر یہ اعلان کیا گیا ہے کہ کوئی قانون اسلام کے متضاد نہیں ہو گا۔ یہ کہ قانون کے سامنے تمام شہری مساوی ہوں گے۔ اور قانون کے مطابق کاروائی کی جائے گی۔ اور یہ کہ مرکزی حکومت کے تمام شعبوں میں جہاں تک قابل عمل ہو' صوبوں میں مساوات برقرار رکھی جائے گی۔ اس میں اظہار رائے اور شراکت کی۔ اخلاقیات' انصاف اور غیر ممالک سے دوستانہ تعلقات کے منافی نہ ہو۔ ان رہنما اصولوں کی بنیاد پر قانون کے جواز کو کسی عدالت میں چیلنج نہیں کیا جائے گا۔ اور ہر مجلس قانون ساز کی یہ ذمہ داری ہو گی کہ وہ اس امر کا خلا رکھے کہ کوئی ایسا قانون پاس نہ ہو یا بنایا نہ جائے جو ان اصولوں کو نظر انداز کرتا ہو' یا بنایا جائے جو ان اصولوں کو نظر انداز کرتا ہو' ان کی منافی ہو۔ اس امر کی ضمانت کے لئے اسلامی نظریہ کی مشاورتی کونسل کے قیام کے بارے میں ایک دفعہ رکھی گئی ہے جو قانون تعلیم اور دوسرے ممتاز ماہرین پر مشتمل ہو گی۔ مشورے کے لئے معاملات اسے بھیجے جایا کریں گے اور کونسل کا مشورہ شائع کیا جائے گا۔

صدر

صدر مسلمان ہو گا اور 35 سال سے کم عمر کا نہیں ہو گا۔ اس کا انتخاب پانچ سال کے لئے ایک انتخابی ادارہ کرے گا۔ جو 80 ہزار رائے دہندگان سے کم پر مشتمل نہیں ہو گا۔ انتخابی ادارہ دونوں صوبوں میں مساوی طور پر منقسم ہو گا۔ اور صوبائی اور صوبوں میں بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر قائم ہونے والے علاقائی یونٹوں (انتخابی یونٹوں) پر مشتمل ہو گا۔ عام طور پر وہ شخص صدر کی حیثیت سے دوبارہ انتخاب کا اہل نہیں ہو گا۔ جو مسلسل آٹھ سال سے زیادہ عرصے تک صدر رہ چکا ہو۔ اگر کوئی ایسا امیدوار ہو تو الیکشن کمشنر قومی اسمبلی کے سپیکر کو اس کی نامزدگی سے مطلع کرے گا۔ اور سپیکر اس پر غور کرنے کے لئے قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے ممبروں کا ایک مشترکہ اجلاس بلائے گا۔ اگر صدر کا عہدہ خالی ہو یا صدر پاکستان سے غیر حاضر ہو یا وقتی طور پر علالت کے باعث یا دوسری وجوہات کی بنا پر اپنے فرائض انجام دے گا۔

صدر کے اختیارات

جمہوریہ کا تمام اختیار صدر کو حاصل ہو گا اسے یہ بھی اختیار ہو گا کہ جب اسمبلی کا اجلاس نہ ہو رہا ہو تو آرڈی ننس جاری کر سکے انتہائی ہنگامی حالات میں ہنگامی اعلان جاری کرنے کا اختیار بھی ہو گا۔ تاہم ایسے تمام آرڈی ننس اور اعلانات جو نہی قابل عمل ہوں تو قومی اسمبلی میں پیش کئے جائیں گے۔ دفاعی افواج کے سپریم کمانڈر کی حیثیت سے صدر افواج کے چیف کمانڈروں کا تقرر کرے گا۔ ان کی تنخواہوں اور ملازمت کی شرائط کا تعین کرے گا۔

صدر کی منظور

قومی اسمبلی کا پاس کردہ کوئی بل اس وقت تک قانون نہیں بنے گا جب تک اسے صدر کی منظوری حاصل نہ ہو جائے لیکن اگر وہ مقررہ وقت کے اندر اپنی نامنظوری کا اظہار کرنے میں ناکام رہنے تو ایسا بل قانون بن جائے گا صدر قومی اسمبلی سے خطاب کر سکے گا اور پیغام بھیج سکے گا۔

ریفرینڈم

کسی معاملے میں اگر قومی اسمبلی اور صدر کے درمیان اختلاف ہو جائے تو صدر اس معاملے پر انتخابی ادارے کے ممبروں میں ریفرینڈم کرا سکے گا۔ انتخابی ادارہ وہی ہو گا جو صدر کے انتخاب کے لئے ہو گا ریفرینڈم ایک سوال کی صورت میں ہو گا اور ہاں یا نہ اس کا جواب دیا جائے گا۔

پارلیمنٹ کا برخاست

صدر اگر قومی اسمبلی کو توڑ دے تو اس ایک سو بیس روز (چار ماہ) کے اندر صدر کے عہدے کے لئے نیا انتخاب کرایا جائے گا لیکن اسمبلی برخاست ہونے سے 60 روز (دو ماہ) پہلے نہیں ہو گا۔

مواخذہ یا علیحدگی

صدر کو نیشنل اسمبلی کے کل ارکان کی تین چوتھائی اکثریت کی رائے سے ہی شدید بد عنوانی' جان بوجھ کر آئین کی خلاف ورزی کرنے یا جسمانی یا دماغی نا قابلیت کی بناء پر علیحدہ کیا جا سکتا ہے اگر تحریک کو کل ارکان کی نصف تعداد کی بھی حمایت حاصل نہ ہو سکی تو تحریک کے بانیوں کی رکنیت جن کی تعداد قومی اسمبلی کے کل ارکان کی ایک تہائی سے کم نہ ہو گی اسی لمحہ ختم ہو جائے گی۔

وزراء اور پارلیمانی سیکرٹری

صدر کو اپنے فرائض کو خوبی کے ساتھ انجام دینے کے لئے مندرجہ ذیل عہدیداروں کے تقرر کا اختیار ہے۔

(الف) وزراء

وزراء کو ان اشخاص سے جو قومی اسمبلی رکنیت کے اہل ہوں۔

پارلیمانی سیکرٹری

کو قومی اسمبلی کے منتخب شدہ سے جن کی تعداد مرکزی حکومت میں صدر کی جانب سے قائم شدہ شعبوں کی تعداد سے زائد نہیں ہو گی۔ یہ عہدیدار صدر کی ہدایات کے مطابق اپنے فرائض سرانجام دیں گے۔ صدر کی ہدایات کے مطابق اپنے فرائض سرانجام دیں گے۔ صدر کی وزارتی کونسل کے رکن اور پاکستان کے اٹارنی جنرل کو قومی اسمبلی یا اس کی کسی کمیٹی میں بولنے اور اس کی کاروائیوں میں حصہ لینے کا اختیار ہو گا۔ لیکن اسے رائے دینے کا حق نہیں ہو گا۔

مقننہ

پاکستان کا ایک مرکزی قانون ساز ادارہ ہو گا۔ جو ہر صوبے کے مقننہ سے علیحدہ ہو گا۔ مرکزی مقننہ صدر اور ایک ایوان پر مشتمل ہو گا جسے قومی اسمبلی کہا جائے گا۔ صوبائی مقننہ ہر صوبے کے لئے اس کے گورنر اور ایک ایوان پر مشتمل ہو گا جسے اس صوبے کی صوبائی اسمبلی کہا جائے گا۔

قومی اسمبلی

قومی اسمبلی ڈیڑھ سو ارکان پر مشتمل ہو گی۔ جن کے نصف مشرقی پاکستان کے حلقہ ہائے انتخابات سے لئے جائیں گے اور نصف مغربی پاکستان کے حلقہ ہائے انتخابات سے مزید براں قومی اسمبلی میں چھ نشستیں خاص طور پر خواتین کے لئے محفوظ ہونگی (تین تین ہر صوبے کے لئے) یہ نشستیں ڈیڑھ سو نشستوں کے لئے ان کے حق انتخاب سے علیحدہ ہوں گی۔

صوبائی اسمبلیاں

ہر صوبے کی صوبائی اسمبلی میں ڈیڑھ سو ارکان ہو گے اس کے علاوہ خواتین کے لئے پانچ نشستیں خاص ہونگی۔

قومی اسمبلی یا صوبائی اسمبلیوں کو اگر اس سے قبل نہ توڑ دیا گیا تو وہ اپنے ارکان کے چناؤ کے اعلان کے پانچ سال بعد یا سابقہ قومی اسمبلی کے اختتام پر بھی بعد میں ہو ٹوٹ جائیں گے قومی اسمبلی ڈھاکہ کے مرکزی علاقے میں واقع ہو گی۔

مقننہ کے اجلاس

ہر اسمبلی کے سال میں کم از کم دو اجلاس ہوں گے خواہ وہ صوبائی ہو یا قومی اور اسمبلی کے دو اجلاسوں میں ایک سو اسی روز سے زائد کا وقفہ نہیں ڈالا جائے گا۔ دونوں صوبائی اور قومی اسمبلیوں کے اجلاس کے لئے 40 کا کورم ہو گا۔

قومی اور صوبائی اسمبلیاں اپنے اپنے ارکان میں سے ایک ایک اسپیکر کا چناؤ کریں گی اور دو دو ڈپٹی اسپیکر بھی چنیں گی اور ان میں تخصیص کریں گی کہ دونوں میں سے کون سینئر ہو گا۔

رکنیت

ہر وہ شخص کی عمر کم از کم 25 سال ہو اور اس کا نام متعلقہ حلقہ کی انتخابی فہرست میں شامل ہو۔

قومی یا متعلقہ صوبائی اسمبلی کی رکنیت کے انتخاب کا اہل ہو گا۔

مندرجہ ذیل اشخاص رکنیت کے بل نہیں ہو گے وہ دیوالیا جس کا قرض ادا نہ ہوا ہو۔ وہ شخص جسے گذشتہ پانچ سال کے اندر کسی جرم کی بنا پر کم از کم دو سال کی سزا ہوئی ہو۔ یا کسی غیر ملک سے وفاداری رکھتا ہو یا پاکستان کی ملازمت میں کوئی منافع بخش عہدے پر مامور۔ (ماسوائے اسپیکر' ڈپٹی اسپیکر یا پارلیمانی سیکرٹری کے) یا آئین یا اس کے تحت مرتب شدہ کسی قانون کے تحت اسے نااہل قرار دے دیا گیا ہو۔

عام انتخابات

قومی یا صوبائی اسمبلیں کا ارکان کے عام انتخابات اس اسمبلی کی مدت ختم ہونے کے آخری روز سے ایک سو بیس روز قبل کے اندر منعقد ہوں گے (بشرطیکہ وہ اس سے قبل ہی نہ توڑ دی گئی ہو) اور انتخاب کا اعلان اسی روز سے 14 روز سے زیادہ عرصے میں نہیں کیا جائے گا۔ اگر کوئی اسمبلی توڑ دی گئی ہو تو اس کے انتخابات اس کے ٹوٹنے کے 90 دن کے اندر کرائے جائینگے۔

انتخابات کا طریقہ کار

ہر صوبے میں برابر کے علاقائی یونٹ (مگر 40 ہزار سے کم نہیں) ہوں گے۔ جنہیں انتخابی یونٹ کہا جائے گا۔ ہر وہ شخص جس کی عمر 21 سال سے کم نہ ہو یا نااہل قرار نہ دے دیا گیا ہو ایک انتخابی یونٹ کے رائے دہندگان کے نام درج کرانے کا مستحق ہو گا۔ انتخابی یونٹ کے رائے دہندگان کی فہرست درج ہونے والے اشخاص اپنے درمیان سے گا ہے گا ہے ایک ایک ایسا

شخص چنیں گے جس کی عمر 25 سے کم نہ ہو گی اسے دونوں صوبوں کی انتخابی یونٹوں کے رائے دہندگان- پاکستان کا انتخابی ادارہ قائم کریں گے- اور وہ انتخابی ادارے رکن کہلائے گے- انتخابی ادارے کے ارکان آئین کے تحت اپنے فرائض کے علاوہ دوسر فرائض بھی انجام دیں گے جو انہیں لوکل گورنمنٹ کے قانون کی رو سے دیئے جائیں گے-

حلقہ ھائے انتخابات

1_ صوبائی

الیکشن کمشنر قانون کے مطابق ہر صوبہ کی انتخابی یونٹ مقرر کرے گا- یہ یونٹ صوبائی حلقہ ہائے انتخابات کہلائیں گے یا کہ ہر صوبہ میں 150 ایسے یونٹ موجود ہوں- صوبائی حلقہ ہائے انتخابات میں جو یونٹ شامل کئے ہوں صوبائی حلقہ ہائے انتخابات میں جو یونٹ شامل کئے جائیں گے اس کا انتخابات کرنے والے (ووٹر) اس صوبہ کی اسمبلی کی ایک نشست کے لئے رائے دیں گے-

2_ مرکزی

الیکشن کمشنر قانون کے مطابق وقتاً فوقتاً صوبائی حلقہ ہائے انتخابات گروپ بنائے گا یہ گروپ مرکزی حلقہ ہائے انتخابات کہلائیں گے- اس طرح ہر صوبہ میں اس قسم کے 75 مرکزی حلقہ ہائے انتخابات ہوں گے- مرکزی حلقہ ہائے انتخابات میں جو انتخابی یونٹ شامل ہوں گے اس کے رائے دہندگان پاکستان کی قومی اسمبلی کے لئے ایک نشست کا چناؤ کریں گے-

خواتین کیلئے خاص نشستیں

صوبائی اسمبلیوں میں خواتین کے لئے جو نشستیں مخصوص ہوں گی- ان نشستوں کے انتخاب کے لئے الیکشن کمشنر ہر صوبہ میں وقتاً فوقتاً انتخابی یونٹ کے گروپ مقرر کرے گا- تاکہ ہر صوبہ میں خواتین کے لئے اس قسم کے چار حلقے ہوں پاکستان کی قومی اسمبلی میں جو نشستیں خواتین کیلئے مخصوص ہوں گی- ان کے لئے الیکشن کمشنر وقتاً فوقتاً ہر صوبہ میں انتخابی یونٹ کے گروپ بنائے گا- ہر صوبہ میں اس قسم کے چار گروپ ہوں گے- ایک صوبائی اسمبلی کے عام انتخابات کے بعد منتخب ممبران اسمبلی کے پہلے اجلاس سے قبل قانون کے مطابق صوبائی اسمبلی میں خواتین کے لئے مخصوص نشستوں کے واسطے پانچ ممبروں کو منتخب کریں گے- تاکہ مندرجہ بالا طریق کار سے جو انتخابی یونٹ بنائے گئے ہیں- ان میں سے ہر گروپ کی ایک خاتون ممبر شامل ہو-

اسی طرح قومی اسمبلی کے ممبروں کے عام انتخابات کے بعد ہر صوبائی اسمبلی قانون کے مطابق اسمبلی کے پہلے اجلاس سے قبل قومی اسمبلی میں خواتین کے لئے مخصوص نشستوں' کے لئے تین خواتین ممبروں کا انتخابات کریں گے- تاکہ مندرجہ بالا طریق کار سے جو انتخابی یونٹ بنائے گئے ہیں- ان میں سے ہر گروپ کی ایک خاتون ممبر ہو-

الیکشن کمیشن

الیکشن کمیشن مندرجہ ذیل ارکین پر مشتمل ہو گا- (1) کمیشن کا چیرمین الیکشن کمیشن کہلائے گا- جسے صدر تین سال کے لئے مقرر کرے گا- یہ مدت اس وقت سے شروع ہو گی جب سے چیف الیکشن کمشنر اپنے عہدہ کا حلف اٹھائے گا- (2) دوسرے ممبروں میں مشرقی پاکستان ہائی کورٹ کا ایک جج اور مغربی پاکستان ہائی کورٹ کا ایک جج شامل ہو گا ان دونوں کو صدر متعلقہ ہائی کورٹوں کے ججوں اور چیف الیکشن کمشنر کو قومی اسمبلی اجازت کے بغیر دوسری بار مقرر نہیں کیا جاسکتا- اسے صدر اس کے عہدہ سے اعلیٰ عدالتی کونسل کی اجازت کے بغیر علیحدہ نہیں کر سکتا- اس کونسل میں سپریم کورٹ کے چیف جسٹس- سپریم کورٹ کے دو سینئر جج اور دوں ہائیکورٹوں کے چیف جسٹس شامل ہوں گے- وہ پاکستان میں اس وقت تک کوئی نفع بخش عہدہ حاصل نہیں کر سکے گا- جب تک اسے پہلے عہدے کو چھوڑے ہوئے دو سال کا عرصہ نہ ہو جائے-

مالیاتی طریق کار

مرکزی مربوط فنڈ

مرکزی حکومت کی آمدنی جو جو قرض لے گی- یا قرض کی ادائیگی کی شکل میں جو روپیہ جمع کرے گی- یہ تمام رقم ایک مربوط فنڈ میں جمع ہو گی' جسے مرکزی مربوط فنڈ کہا جائے گا- اس فنڈ کی تحویل اس میں روپیہ جمع کرانے یا نکالنے اور دوسرے لین دین کرنے کے سلسلہ میں مرکزی مجلس قانون ساز میں صدر قانون بنائیں گے-

مرکزی مربوط فنڈ سے جو اخراجات پورے کئے جائیں گے- ان میں دوسرے اخراجات کے علاوہ صدر کی تنخواہ پنشن یا گریچوٹی- صدر کے مقرر کردہ اسپیکر- ڈپٹی اسپیکرز- وزراء کی کونسل چیف الیکشن کمیشنر پارلیمانی ریکریٹرز- مرکزی پبلک سروس کمیشن کے اراکین اور اسلامی نظریات کے مشاورتی کونسل سپریم کورٹ کے جج قرضہ کے اخراجات جس پر مرکزی حکومت کو سودا کرنا ہو اور دیگر اخراجات شامل ہیں-

صوبائی مربوط فنڈ

اسی طرح ایک صوبائی مربوط فنڈ قائم کیا جائے گا جس کی تحویل وغیرہ

کے سلسلہ میں صوبائی اسمبلی یا گورنر ایک قانون بنائے گا۔ صوبائی فنڈ کے لئے تقریباً اسی قسم کا طریقہ کار ہو گا جس قسم کا مرکزی فنڈ کیلئے مقرر کیا ہے۔

آڈیٹر جنرل

صدر ایک کمپٹرولر اور آڈیٹر جنرل مقرر کرے گا۔ جن کی ملازمت کی شرائط میں ان کی ملازمت کی مدت کے دوران کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جاسکے گی۔ وہ ساٹھ سال کی عمر تک اپنے عہدے پر رہیں گے اور پاکستان کی اعلیٰ عدالتی کونسل کو آگاہ کئے بغیر انہیں عہدے سے نہیں ہٹایا جائے گا عہدہ سے نبٹنے کے بعد تین سال کے عرصے تک وہ پاکستان کوئی منفعت بخش ملازمت نہیں کر سکیں گے۔

ٹیکسیشن

مرکزی حکومت کیلئے کوئی ٹیکس مرکزی مقننہ کے ایکٹ کے بغیر نہیں لگایا جاسکے گا۔ صدر کی سفارش کے بغیر کوئی بل یا ترمیم قومی اسمبلی میں پیش نہیں کی جائے گی۔ سوائے ان کے جن کا مقصد جرمانہ یا فیس (بشمول لائسنس فیس یا کام کا معاوضہ) عائد کرنے یا اس میں ردو بدل کرنے' یا کسی افسر مجاز کی جانب سے قانونی مقاصد کس لئے کسی ٹیکس کے عائد کرنے' اسے ختم کرنے' معاف کرنے اس میں تبدیلی کرنے یا باقاعدگی کرنے کی غرض سے ہونے والے اقدامات کے۔ یا جن کی منظوری کے بعد اور عملدر آمد کے سلسلے میں مرکزی حکومت کے خزانے یا دوسری رقوم میں سے خرچ ماخوذ ہو یا کسی ٹیکس کے عائد کرنے ختم کرنے' معافی دینے یا رد و بدل کرنے کے متعلق ہوں یا روپیہ قرض دینے کے بارے میں ہوں یا مرکزی حکومت کی مالیاتی ذمہ داریوں سے متعلق قانون بھی ترمیم سے متعلق ہوں یا مرکزی کنسالیڈ ٹیڈ فنڈ کے کسی چارج کو لگانے ختم کرنے کے بارے میں ہوں یا اس فنڈ کی سپردگی (بشمول اس فنڈ سے رقوم کی ادائیگی یا اس میں رقوم جمع کرنا) سے تعلق رکھتے ہوں یا مرکزی حکومت کی کسی دوسری رقم کی سپردگی' وصولی یا ادائیگی کے بارے میں ہوں یا مرکزی حکومت یا صوبائی حکومت کے حساب کتاب کی جانچ پڑتال سے متعلق رکھتے ہوں۔

بجٹ

صدر ہر مالی سال کے بارے میں اس سال کے آغاز سے قبل قومی اسمبلی کے روبرو ایک بیان (جسے سالانہ بجٹ بیان) کہا جائے گا پیش کریں گے۔ جس میں اس سال کے لئے مرکزی کنسولیڈ ٹیڈ فنڈ میں آمدن یا اس میں سے اخراجات کی تفصیل ہو گی۔

آمدن اور دوسرے حساب میں فرق

سالانہ بجٹ بیان میں آمدن کے حساب کتاب اور دوسرے اخراجات کا فرق پیش کیا جائے گا۔ اس میں دو رقوم علیحدہ علیحدہ درج ہوں گی۔ جو مرکزی کنسولیڈ ٹیڈ فنڈ پر ہونے والے اخراجات کیلئے مل جائیں اور وہ جو دوسرے اخراجات پورے کرنے کے لئے مطلوب ہوں گی۔ اخراجات میں فرق بھی بیان کیا جائے گا اور نئے اخراجات کے بارے میں بتایا جائے گا کہ یہ کس حد تک نئے اخراجات ہیں۔

نئے اخراجات

یہ بھی بتایا جائے گا کہ مجوزہ آمدنوں میں سے کون سی (ا) موجودہ ٹیکسیشن سے (ب) نئی اور اضافہ شدہ ٹیکسیشن سے یا (ج) قرضوں اور دوسرے ذرائع سے حاصل ہو گی۔

مرکزی کنسولیڈ ٹیڈ فنڈ سے اخراجات

میزانیہ کے اس حصہ پر جو مرکزی کنسولیڈ ٹیڈ فنڈ سے ہونے والے اخراجات سے متعلق ہو گا بحث ہو سکے گی' لیکن اسے قومی اسمبلی میں رائے شماری کے لئے پیش نہیں کیا جائے گا۔

دوسرا اخراجات

دوسرے اخراجات کے بارے میں ان میں وہ اخراجات شامل نہیں جو پرانے طویل المدت منصوبوں کے بارے میں ہوں اور جن کے اخراجات کے بجٹ پہلے ہی منظور ہو چکے ہوں بجٹ کے اندازے قومی اسمبلی میں مطالبات زد کی صورت میں پیش کئے جائیں گے۔

قومی اسمبلی اور اخراجات

ان رقوم کے بارے میں جو سالانہ بجٹ میں نئے اخراجات کے طور پر درج نہیں ہو گی۔ مطالبات زر پر اسمبلی میں بحث ہو سکتی ہے لیکن ان مطالبات زر کی اسمبلی میں رائے شماری کے لئے پیش نہیں کیا جائے گا اور اسمبلی بحث کے لئے پیش ہونے کے چودہ روز بعد یا متعلقہ مالی سال شروع ہونے کے بعد (ان دونوں صورتوں میں سے جو بھی بعد کی ہو) یہ تصور کیا جائے گا کہ اسمبلی نے اسے منظور کر لیا ہے۔ تاہم قومی اسمبلی صدر کی رضامندی سے مطالبہ زر میں کمی کر سکتی ہے اور اس صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ اسمبلی کی تخفیف شدہ مطالبہ زر منظور کر لیا ہے۔

قومی اسمبلی ایک ایسی رقم کے بارے میں جو بجٹ کے بیان میں ایک نئے خرچ کے طور پر درج جو منظور ہو سکتی ہے۔ یا اسے رد کر سکتی ہے یا کسی ایسی رقم کی بارے میں جس طرح اسمبلی متعین کرے مطالبہ کی منظوری دے سکتی ہے۔ منظوری کے لئے کوئی مطالبہ صدر کی سفارش کے بغیر نہیں کیا

جائے گا۔

قومی مالی کمیشن

خاص ٹیکسوں سے ہونے والی آمدن صوبوں اور مرکز میں مناسب طور پر تقسیم کرنے یا صوبوں کے لئے امدادی رقوم منظور کرنے یا اس آئین کے تحت صوبائی یا مرکزی حکومت کے قرضوں کے بارے میں ملنے والے اختیارات استعمال کرنے یا مالیات سے متعلق کوئی اور معاملہ طے کرنے کے لئے صدر صوبائی گورنروں کے مشورے سے وقتاً فوقتاً قومی مالی کمیشن مقرر کر سکتے ہیں جو مرکزی اور صوبائی حکومتوں زرائے مالیات اور دوسرے افراد پر مشتمل ہو گا۔ اس کمیشن کی تمام سفارشات جو صدر کو پیش کی جائیں گی ایک تفصیلی یادداشت کے ساتھ قومی اور دونوں صوبائی اسمبلیوں کو پیش کی جائیں گی۔

قومی اقتصادی کونسل

اس کے علاوہ صدر اس آئین کے نفاذ کے بعد ایک قومی اقتصادی کونسل قائم کریں گے۔ جو وقتاً فوقتاً ملکی اقتصادی صورت حال کا جائزہ لے گی۔ اور مالی۔ تجارتی اور اقتصادی پالیسیوں میں ہم آہنگی پیدا کرے گی۔

صوبائی نظم و نسق

ہر صوبے کا ایک گورنر ہو گا جسے صدر ہی مقرر کریں گے۔ جو اپنے فرائض کی انجام دہی میں صدر کی ہدایات کے تابع ہو گا۔ اگر کوئی شخص کسی صوبہ کی اسمبلی کا رکن منتخب ہونے کا اہل نہیں ہے تو اس صوبہ کا گورنر مقرر نہیں کیا جائے گا۔

صوبائی وزراء

گورنر اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے صدر کی اجازت سے ایسے اراکین کو جو صوبائی اسمبلی کے ممبر منتخب ہونے کے اہل ہوں' صوبہ کا وزیر مقرر کر سکتا ہے ان وزراء کو صدر کی اجازت کے بغیر ان کے عہدے سے برطرف نہیں کیا جا سکے گا۔

پارلیمانی سیکرٹریز

ان کے علاوہ گورنر صوبے کی اسمبلی کے منتخب ممبروں میں سے پارلیمانی سیکرٹری مقرر کر سکتا ہے (ان کی تعداد صوبائی حکومت کے محکموں سے زیادہ نہیں ہو گی) اس طرح جو لوگ مقرر کئے جائیں گے وہ متعلقہ محکموں میں گورنر کی ہدایت کے مطابق کام کریں گے وزیر یا پارلیمانی سیکرٹری جسے صدر یا گورنر نے مقرر کیا ہے وہ دوسرے صدر یا گورنر کے برسر اقتدار آنے پر اپنے عہدہ سے سبکدوش ہو جائیں گے۔ مرکزی مجلس قانون ساز کو موجودہ دستور کی دوسری جدول میں درج شدہ امور کے متعلق قانون سازی کا خاص اختیار ہو گا۔ اسے ملک کے مفاد کی خاطر دوسرے امور سے متعلق قانون بنانے کا بھی اختیار ہو گا۔ ان امور میں پاکستان کی سالمیت منصوبہ بندی یا رابطہ پیدا کرنا شامل ہیں۔

صوبائی مجلس قانون ساز کو اختیارات کی تفویض

مرکزی حکومت صوبائی حکومت کو ہر وہ اختیار دے سکتی ہے۔ جو آئین کے تحت صوبائی حکومت کو حاصل نہ ہو۔

صوبائی مجلس قانون ساز

صوبائی اسمبلی اگر کسی بل کو پاس کر دیتی ہے تو وہ اس وقت تک قانون نہیں بن سکتا۔ جب تک صوبہ کا گورنر اس کی منظوری نہ دے۔

گورنر مجلس قانون ساز

گورنر کو بل پیش ہو جانے کے بعد 30 دن کے اندر اپنی منظوری روکنے کا اعلان کر دینا چاہئے اسمبلی کو ممبروں کی دو تہائی کی تعداد سے بل پر ترمیم یا بغیر ترمیم کے دوبارہ غور اور پاس کرنے کا اختیار ہو گا۔ اور اسے دوبارہ گورنر کو پیش کیا جا سکتے گا اختلاف کی صورت میں قومی اسمبلی سے رجوع کرنا ہو گا۔ جب کوئی بل دوبارہ گورنر کو پیش ہو جائے تو اس کے 10 دن کے اندر اسے منظوری دینا ہو گی۔ یا پھر صدر سے درخواست کرنا ہو گی کہ وہ بل کو قومی اسمبلی میں پیش کریں۔ کیونکہ اس میں سے گورنر اور صوبائی اسمبلی کے درمیانہ اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔

آرڈیننس

ایسی صورت میں کہ جب اسمبلی کا اجلاس نہ ہو رہا ہو تو گورنر حالات کے پیش نظر اگر ضروری سمجھتا ہے تو آرڈی نینس نافذ کر سکتا ہے۔ اس آرڈی نینس کی اتنی ہی اہمیت ہو گی۔ جتنی صوبائی مجلس قانون ساز کے بنائے ہوئے کسی قانون کی اس قسم کے آرڈی نینسوں کو جتنی جلد ممکن ہو صوبائی مجلس قانون ساز میں پیش کر دیا جائے۔ اگر مقررہ مدت سے قبل صوبائی اسمبلی ایک قرار داد کے ذریعہ اس آرڈی نینس کو نامنظور کر دے تو اس آرڈیننس کا نفاذ ختم ہو جائے گا۔ لیکن اس سے جتنے عرصہ وہ نافذ رہا۔ اس پر کوئی اثر نہ ہو گا۔

اگر کسی معاملہ پر گورنر اور اسمبلی کے درمیان کوئی اختلاف ہو جاتا ہے۔ تو گورنر یا اسمبلی کا اسپیکر یا دونوں تحریری طور پر صدر سے درخواست کر سکتے ہیں کہ وہ اس معاملہ کو فیصلہ کی غرض سے قومی اسمبلی میں پیش کریں۔

اگر اسمبلی گورنر کے حق میں فیصلہ دیتی اور صدر گورنر کے اس فیصلہ سے کہ صوبائی اسمبلی کو برطرف کر سکتا ہے۔ احتیاطی نظربندی سے متعلق کوئی بل یا ترمیم قومی اسمبلی میں بغیر صدر اور صوبائی اسمبلی میں بغیر گورنر کی اجازت کے پیش نہیں کیا جائے گا۔

عدلیہ

سپریم کورٹ

پاکستان کی ایک سپریم کورٹ ہوگی جس میں ایک چیف جسٹس اور قانون کے تحت مقرر کردہ ججوں کی تعداد ہوگی۔ صدر اپنے فیصلہ کے مطابق سپریم کورٹ اور چیف جسٹس کا تقرر کریں گے لیکن دوسرے ججوں کو چیف جسٹس کے مشورہ سے مقرر کیا جائیگا۔

ڈھاکہ میں سپریم کورٹ کا اجلاس

جب تک اسلام آباد میں سپریم کورٹ کے اجلاس منعقد کرنے کا انتظام نہیں ہوتا سپریم کورٹ کا اجلاس اس مقام پر ہو گا جہاں صدر چاہیں گے۔ لیکن سال میں کم از کم دو مرتبہ چیف جسٹس جب ضروری سمجھیں سپریم کورٹ کا اجلاس ڈھاکہ میں ہو گا

سپریم کورٹ کا دائرہ اختیار

(1) ابتدائی

اس دستور کے ماتحت سپریم کورٹ کو مرکزی اور صوبائی حکومتوں اور دو صوبائی حکومتوں کے درمیان اختلافات ختم کرنے کے لئے ابتدائی اختیارات ہوں گے بشرطیکہ یہ اختلافات قانونی یا حقیقی نوعیت کے ہوں جس پر کسی قانون حق کا جواز نہ ہو یا اس دستور کی ترجمانی کے سلسلہ میں اختلافات پیدا ہو گیا ہے کسی دوسری عدالت کو اس قسم کا ابتدائی اختیار نہیں ہو گا۔ سپریم کورٹ اس اس اختیار کے تحت صرف وضاحتی فیصلہ صدر کرے گی۔

(2) اپیل

جہاں تک اپیل کے دائرہ اختیار کا تعلق ہے فیصلے، ڈگری، حکم یا سزا کی اپیل ہائی کورٹ میں ہو گی اور اگر ہائی کورٹ یہ تصدیق کر دے کہ اس کیس میں خاصی حد تک ایسے قانون کا تعلق ہے جس کے لئے دستور میں تشریح کی صورت ہے یا ہائی کورٹ نے کیس شخص کو سزائے موت دی ہے یا عمر قید کی سزا دی ہے یا ہائی کورٹ نے کسی کو توہین عدالت کے الزام میں سزا دی ہے۔

(3) مشاورت

اگر کسی وقت صدر کسی قانون کے بارے میں سپریم کورٹ کی رائے لینا ضروری خیال کرے جسے وہ اہم خیال کرتا ہوا اور عدالت کے غور کے لئے پیش کرے تو سپریم کورٹ کو مشاورتی اختیار حاصل ہو گا' سپریم کورٹ کا حکم' ڈگی یا اس کی رائے پورے پاکستان میں نافذ العمل ہو گی۔ جہاں اسے صوبے میں نافذ کرنا ہو تو اسے ایسے نافذ کیا جائے گا جیسے ہائی کورٹ ہو

ہائی کورٹ

ہر صوبے میں ایک ہائی کورٹ اور ایک چیف جسٹس اور اتنے جج ہوں گے جتنے قانون مہیا کئے گئے ہیں صدر سپریم کورٹ کے چیف جسٹس' متعلقہ صوبے کے گورنر اور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے مشورے سے ہائی کورٹ کے جج کا تقرر کرے گا۔

ہائی کورٹ کا دائرہ اختیار

دستور کے مطابق صوبے کا ہائی کورٹ مظلوم فریق کی درخواست پر بشرطیکہ قانون میں اس کیلئے کوئی گنجائش نہ ہو صوبے میں ایسے اقدام سے ایسے شخص یا حاکم کو حکم دے سکتا ہے کہ وہ ایسے اقدام سے احتراز کرے جسکی قانون کے مطابق اسے اجازت نہیں ہے یا وہ ایسا اقدام کرے جس کا قانون اس سے متقاضی ہے۔ یہ اعلان کرے کہ جو اقدام کیا گیا ہے یا صوبے میں کسی شخص یا حاکم نے جو کاروائی کی ہے یا قانونی اختیار کے بغیر کیا ہے اور اس کی قانونی قدر کوئی نہیں۔ یا کسی شخص کی درخواست پر یہ حکم دے سکتا ہے کہ صوبے کی تحویل میں جو شخص ہے اسے ہائی کورٹ میں پیش کیا جائے تاکہ عدالت یہ اطمینان کر سکے کہ اسے قانونی اختیار کے بغیر حراست میں نہیں رکھا جا رہا یا کسی غیر قانونی طریقے سے صوبے میں ہے یا سرکاری افسر سے اس کے عہدے کا قانونی اختیار معلوم کر سکتا ہے۔

اعلیٰ عدالتی کونسل

ججوں کے لئے طریق کار' صدر ایک کونسل مقرر کریگا جس کا نام اعلیٰ عدالتی کونسل ہو گا اس میں سپریم کورٹ کا چیف جسٹس' سپریم کورٹ کے دو سینئر جج اور دونوں ہائی کورٹوں کے چیف جسٹس شامل ہوں گے۔ کونسل ایسا طریق کار جاری کریگی جس کے مطابق ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے جج کام کرینگے صدر کونسل کو یہ ہدایت بھی کر سکتا ہے کہ وہ سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ کے کسی جج کی صلاحیت' اس کی جسمانی اور ذہنی استعداد یا مبینہ بد عنوانی کی تحقیقات کرے۔

پبلک سروس کمیشن

اپنے دائرہ کار کے اندر امتحان لینے اور ملازمتوں میں تقرر کے لئے

موزوں اشخاص کا انتخاب کرنے اور تعلیمی استداد سے متعلق امور بھرتی کے طریق کار' تقرری' ترقی اور تبدیلی کے اصولوں اور شرائط ملازمت بشمول پنشن کے حقوق' ملازمت کے دوران زخمی ہونے کا معاوضہ کا دعوے وغیرہ کے سلسلے میں مشورہ دینے کے لئے مرکزی حکومت کا ایک مرکزی پبلک سروس کمیشن ہو گا جس کا تقرر صدر کرے گا ہر صوبائی حکومت کے صوبائی پبلک سروس کمیشن کا تقرر گورنر کرے گا۔ گورنر کے ارکان' اس کے عملے اور ان کی شرائط ملازمت کا تعین مرکزی کمیشن کی صورت میں صدر اور صوبوں کی صورت میں گورنر کریں گے۔

آئین میں ترمیم

قومی اسمبلی اس آئین میں ترمیم کا بل اس وقت تک صدر کی منظوری کے لئے پیش نہیں کرے گی۔ جب تک کہ وہ قومی اسمبلی کے کل ممبروں کی دو تہائی اکثریت سے منظور نہ ہو جائے صدر اس کی منظوری دے سکتا ہے یا روک سکتا ہے یا اس پر دوبارہ اس کی منظور دے سکتا ہے یا روک سکتا ہے یا اس پر دوبارہ غور کرنے کے لئے اسے اسمبلی میں واپس بھیج سکتا ہے۔ صدر بل پیش ہونے کے تیس دن کے اندر اگر یہ اعلان کر دے کہ وہ بل کی منظوری نہیں دیتا تو قومی اسمبلی اس بل کو ترمیم کے ساتھ یا بلا ترمیم منظور کرنے کی مجاز ہوگی۔ بشرطیکہ منظوری کے لئے تین چوتھائی ووٹ مل جائیں اور یہ بل منظوری کے لئے پھر صدر کو پیش کیا جائے گا۔

صدر اگر کوئی مسودہ قانون قومی اسمبلی میں واپس کر دے تو قومی اسمبلی اس پر دوبارہ غور کرے گی اور اگر یہ مسودہ قانون قومی اسمبلی کے کل ارکان کی کم از کم دو تہائی آراء کی اکثریت سے دوبارہ بغیر کسی ترمیم کے منظور ہو جائے (یا ایسے قوانین کی صورت میں جنہیں منظور کے لئے کل ووٹوں کی تین چوتھائی اکثریت کی ضرورت ہو تو کم از کم تین چوتھائی آراء کی اکثریت سے منظور ہو جائے تو اسے دوبارہ صدر کو پیش کیا جائیگا۔

صدر کو مسودہ پیش کئے جانے کے دس روز کے اندر اس کی منظوری دے گا یا پھر اس پر ریفرنڈم کرائے گا کہ اسے منظور کیا جائے یا نہ کیا جائے۔

مسودہ قانون پر ریفرنڈم کرانے۔ انتخابی ادارے کی اکثریت ---- اس کی حمایت حاصل ہوئی جو تو تصور کیا جائے گا کہ صدر نے اس کی منظوری ریفرنڈم کے نتیجہ کے اعلان کے روز ہی دے دی تھی۔ اس آئین میں ترمیم کے قانون کو جو صوبائی حدود کو متاثر کرتا ہو قومی اسمبلی اس وقت تک منظور نہیں کرے گی جب تک اسے صوبے کی اسمبلی کی کم از کم دو تہائی اکثریت سے منظور نہ کر لیا گیا ہو۔

نظریہ اسلام

مشاورتی کونسل

اسلامی تحقیقات کا ادارہ

صدر نظریہ اسلام کی ایک مشاورتی کونسل قائم کرے گا اور ایک اسلامی تحقیقات کا ادارہ بنائے گا جسے اسلامی ۔تحقیات کا ادارہ بنائے گا جسے اسلامی تحقیقات اور تعلیمات کے لئے قائم کیا جائے گا تاکہ صحیح اسلامی بنیاد پر اسلامی معاشرے کے قیام میں مدد ملے کونسل مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو ایسی سفارشات پیش کرے گی جو پاکستان کے مسلمانوں کی زندگی کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالنے میں ممد ہوں اور اگر اس سے مشورہ طلب کیا جائے تو وہ قومی اسمبلی صوبائی اسمبلی' صدر یا گورنر کو ان کے بھیجے ہوئے مسائل پر مشورہ دے گی کہ مجوزہ قانون سازی کے اصولوں کے مطابق ہے یا مخالف۔

مشاورتی کونسل کی تشکیل

کونسل کے ارکان کا انتخاب کرتے وقت صدر اس بات کا خیال رکھے گا۔ کہ وہ اسلامی معاملات پر عبور اور ملک کے اقتصادی' سیاسی قانونی اور انتظامی مسائل سے واقفیت رکھتے ہیں۔

قواعد

کونسل اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے جو قواعد مرتب کرے گی۔ ان کے لئے صدر کی منظوری ضروری ہو گی۔

(ا) دو دار الحکومت

ڈھاکہ میں دار الحکومت کے علاقہ میں مرکزی مقننہ واقع ہو گا۔ اسلام آباد میں دار الحکومت کا علاقہ مرکزی حکومت کا صدر مقام ہو گا۔

(ب) دو قومی زبانیں

اردو اور بنگالی کو قومی زبان کی حیثیت دی گئی ہے لیکن دس سال تک یعنی 1976ء تک انگریزی کو سرکاری اور دوسر مقاصد کے لئے استعمال کیا جا سکے گا۔ اس کے بعد صدر اس کی جگہ دوسری زبان رائج کرنے کے سوال پر ایک کمیشن قائم کرے گا۔

کشمیر کے متعلق حکومت کی پالیسی کی مندرجہ ذیل الفاظ میں وضاحت کی گئی ہے:-

"جب جموں اور کشمیر کے لوگ پاکستان سے الحاق کا فیصلہ کریں گے تو ریاست کا فیصلہ ان کی خواہشات کے مطابق کیا جائے گا۔"

اس آئین کے مقاصد کے لئے "پاکستان کی اسلامتی" کی تعریف میں تحفظ بہبود' استحکام اور پاکستان یا اس کے ہر حصے کے وقار کو شامل کیا گیا ہے۔ عوام کے تحفظ کو اس میں شامل نہیں کیا گیا۔

ایوبی دور میں سیاسی جماعتوں پر پابندیاں

جب 1958ء میں مارشل لاء نافذ کیا گیا- تو فوجی حکمرانوں نے اس کے نفاذ کی وجہ یہ بتائی- کہ سیاستدان ملک اور قوم کو نقصان پہنچانے کے مرتکب ہو رہے تھے- اور اسے تباہی کی طرف لے جا رہے تھے- لہٰذا مارشل لاء کے نفاذ کے ساتھ ہی ملک کی تمام سیاسی پارٹیوں پر پابندی عائد کر دی گئی- جو 1962ء میں اس وقت ختم کی گئی جب فوجی حکمرانوں نے ملک کو نیا آئین دیا- اور بنیادی جمہوریتوں کے نظام کے تحت محدود جمہوری عمل شروع کر دیا گیا-

اس شروع ہونیوالے محدود سیاسی عمل میں بھی حکمرانوں نے سیاستدانوں اور سیاسی جماعتوں کی سرگرمیوں کی کڑی نگرانی کی- اور مختلف طریقوں سے انہیں حکومت کی مخالفت سے باز رکھنے کی کوششیں کیں- جن میں ایک ایک طریقہ سیاسی جماعتوں پر پابندی عائد کرنا بھی تھا- ایوب حکومت نے اپنے دور میں جماعت اسلامی پر پابندی عائد کی- جس کی تفصیل درج ذیل ہے-

جماعت اسلامی پر پابندی-

جماعت اسلام مارشل لاء سے قبل 1953ء کی تحریک کے نتیجے میں بھی پابندیوں اور قید و بند کے دور سے گذر چکی تھی- دوسرا دور 64 _ 1963 میں شروع ہوا- جب 1962ء میں ایوب خان نے محدد جمہوریت والا آئین نافذ کیا- تو متعدد سیاسی جماعتوں نے اس دستور کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا- جماعت اسلامی ان میں پیش پیش تھی-

اس دور میں اپوزیشن کی جماعتوں کے ساتھ اتحاد کرنے کی جماعت اسلامی کی پالیسی میں واضح تبدیلی آ چکی تھی- 1958ء سے پہلے جماعت صرف ایسی پارٹیوں سے اتحاد رکھتی تھی- جن کے اغراض و مقاصد جماعت کے اغراض و مقاصد سے ملتے جلتے ہوں- چنانچہ اسی بناء پر 1951ء میں جماعت نے آزاد پاکستان پارٹی سے انتخابی اتحاد کرنے آزاد خیال اور بائیں بازو کے سیاسی عناصر کے ساتھ جمہوری پروگرام پر مل کر چلنے کیلئے آمادہ تھی- مولانا مودودی نے قومی جمہوری محاذ (این_ ڈی- ایف) کی تشکیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا- انہوں نے نیپ اور عوامی لیگ کے اشتراک سے ہونیوالے مشترکہ اجلاسوں سے خطاب بھی کئے-

1963ء میں مولانا مودودی نے ایوب خان کے خلاف اپنی تقریروں سے زبردست تحریک پیدا کر دیا- 7 مارچ 63ء کو انہوں نے دعویٰ کیا کہ 1962ء کا آئین قوم کیلئے توہین کے برابر تھا- کیونکہ اس قوم نے نہیں بلکہ ایک فیلڈ مارشل نے مرتب کیا تھا- یہ آئین نہ صرف اسلامی پہلو نہیں رکھتا تھا- بلکہ یہ کسی بھی طرح قوم کی امنگوں کا آئینہ دار نہیں تھا- انہوں نے کہا کہ اسے کسی بھی اعتبار سے جمہوری آئین قرار نہیں دیا جا سکتا- اور یہ آئین جمہوریت کے نام پر ایک آمریت تھا- بعد میں ایک اور بیان میں انہوں نے یہاں تک کہ اکہ جماعت اسلامی ایوب کی کونشن مسلم لیگ کے ایک صالح مسلمان امیدوار کے مقابلے میں اپوزیشن کے ایک بدکردار امیدوار کی حمایت کرے گی-

جولائی 1963ء میں حکومت اور جماعت کے تعلقات اس وقت بہت نازک ہو گئے- جب جماعت کی مرکز مجلس شوریٰ نے 25'28 اکتوبر کو اپنا چار روزہ کل پاکستان کونشن منعقد کرنے کے سلسلے میں اقدامات کئے- اسی دوران مولانا مودودی نے بیان دیا کہ جماعت کونشن مسلم لیگ کی طرف سے کھڑے ہونے والے کسی فرشتے کی بھی حمایت نہیں کرے گی- حکومت کے ایک اعلیٰ افسر نے مولانا کے اس بیان کو واپس لینے کے لئے رابطہ کیا تو مولانا نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا- اس کے بعد حکومت نے جماعت کے کونشن کے انعقاد میں رکاوٹیں ڈالنا شروع کر دیں- جماعت اپنا کونشن اقبال پارک میں کرنا چاہتی تھی' حکومت نے 15 اکتوبر کو اس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا- ازاں بعد جب حکومت نے بھاٹی اور ٹیکسالی کے درمیان زیریں میدان کو استعمال کرنے کی اجازت دی- تو لاؤڈ سپیکر استعمال کرنے پر پابندی عائد کر دی-

کونشن سے دو روز قبل وزیر داخلہ حبیب نے اللہ خان نے ایک پریس کانفرنس میں الزام لگایا کہ جماعت اسلامی کی سرگرمیاں غیر ملکی اداروں کیمالی امداد کا نتیجہ تھیں- وفاقی وزیر نے کہا کہ اگرچہ مولانا مودودی نے ابھی تک قانون شکنی نہیں کی تھی- لیکن اگر انہوں نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی تو ان کے خلاف فوری ایکشن لیا جائے گا-

اب سرکاری حلقوں کی طرف سے جماعت کے خلاف تند و تیز تقریروں کا سلسلہ شروع ہو گیا- کونشن مسلم لیگ کے چیف آرگنائزر نے جماعت پر پابندی لگانے کا مطالبہ کر دیا-

جس روز کونشن شروع ہوا- تو کچھ افراد نے وہاں پر گھس کر فائرنگ کی اور گڑ بڑ مچائی- جماعت کا ایک رکن موقع پر ہلاک ہو گیا- جماعت نے اسے حکومت کی کارروائی قرار دیا- اس کونشن میں جماعت نے کئی قرار دادیں منظور کیں- جن میں اسلامی اقتصادی نظام کے قیام' خلاف اسلام قوانین کے خاتمے' غیر ملکی امداد اور قرضوں پر کم سے کم انحصار- قیمتوں میں کمی' ملک کے دونوں حصوں میں اقتصادی برابری' پس ماندہ علاقوں کی ترقی کیلئے اقدامات اور آزادانہ خارجہ پالیسی تشکیل دینے کے مطالبات کئے گئے تھے-

جماعت اسلامی کے جنرل سیکرٹری مولانا طفیل محمد نے بنیادی حقوق کی بحالی اور حق بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات کرانے کیلئے اپنی جدوجہد جاری رکھنے کے عزم کا اظہار کیا-

حکومت اور جماعت میں اختلافات بڑھتے گئے- صدر ایوب نے جماعت پر الزام لگایا- کہ وہ طالب علموں کو ہنگاموں کیلئے اکسا رہی ہے- خلیل

حامدی نے ترجمان قرآن کے اکتوبر 1963ء کے شمار سے میں شاہ ایران کے خلاف ایک مضمون ایران میں دین اور لادینی کی کشش مکش کے نام سے لکھا۔ حکومت پاکستان نے اس مضمون پر شدید رد عمل کا اظہار کیا۔

اسی دوران جماعت نے حکومت سے یہ مطالبہ کیا کہ بہاولپور، قلات اور خیرپور کی طرح سوات، دیر اور چترال کی ریاستوں کی بھی مغربی پاکستان میں مدغم کر دیا جائے۔ اور الزام لگایا کہ ان ریاستوں کو مغربی پاکستان کا حصہ اس لئے نہیں بنایا گیا تھا کہ ایوب خان کی دختر والی سوات سے بیاہی گئی تھی۔ حکومت نے اس مطالبے کا سخت رد عمل ظاہر کیا۔

نومبر 1963ء میں مولانا مودودی نے سعودی عرب کا دورہ کیا۔ جہاں انہوں نے جماعت کے کونشن کے انعقاد میں سرکاری مداخلت کو ہدف تنقید بنایا۔ ان کی واپسی پر حکومت نے جماعت کے خلاف جارحانہ اقدامات کئے۔ سب سے پہلے 17 ستمبر 1963ء کو جماعت کے تین اہم رہنما کراچی میں گرفتار کر لئے گئے۔ لیکن ان میں سے ہر ایک جلد ہی ایک ایک لاکھ کی ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔ حکومت نے ملزموں پر عائد شدہ الزامات کی نوعیت سے انکار کر دیا۔ 6 جنوری 1964ء کو دونوں صوبائی حکومتوں نے کریمنل لاء (امینڈمنٹ) ایکٹ 1908ء کے تحت جماعت اسلامی پر پابندی عائد کرتے ہوئے۔ اسے خلاف قانون قرار دے دیا۔

اس موقع پر مولانا مودودی، طفیل محمد اور مجلس شوریٰ وعاملہ کے متعدد اراکین کو گرفتار کر لیا گیا۔ کل 59 افراد گرفتار کئے گئے۔ حکومت نے یہ دعویٰ کیا کہ اس نے 49 افراد کی گرفتاری کے احکامات جاری کئے ہیں۔ پولیس نے جماعت کے تمام مرکزی اور علاقائی دفاتر سربمہر کر دئے۔ پارٹی کے جملہ فنڈز ضبط کر لئے گئے۔ چھ ماہ کے لئے ترجمان القرآن کی اشاعت ممنوع قرار دے دی گئی۔ مولانا مودودی کا پاسپورٹ ضبط کر لیا گیا۔ 7 جنوری 1964 کو حکومت اس اقدام کی وضاحت کرتے ہوئے۔ ایک پریس نوٹ میں کہا۔ کہ جماعت انتظامیہ میں اپنے خفیہ سیل بنا رہی تھی۔ اس کے اسلامی جمعیت طلبہ اور بعض مزدور انجمنوں سے روابط ہیں۔ اور اس نے ترجمان القرآن میں شاہ ایران کے خلاف مضمون شائع کیا تھا۔

14 مارچ 1964ء کو قومی اسمبلی میں اختر الدین احمد نے سوال اٹھایا کہ مولانا مودودی کا پاسپورٹ کیوں ضبط کیا گیا ہے۔ تو ایک وفاقی وزیر نے جواب دیا کہ سعودی عرب کے دورے میں مولانا پاکستان دشمن پراپیگنڈے میں ملوث رہے تھے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے ایک پارلیمانی سیکرٹری نے کہا کہ انہوں نے سعودی عرب میں قابل اعتراض مواد شائع اور تقسیم کیا۔ جن میں دو کتابچے "ڈان کو جواب" اور "جماعت اسلامی اور خارجہ پالیسی" شامل ہیں جبکہ حقیقتاً یہ دونوں کتابچے پاکستان میں چھپے اور تقسیم ہوتے تھے۔

جماعت اسلامی نے پابندی کے حکم کو اعلیٰ عدالتوں میں چیلنج کیا۔ پہلی کوشش ناکام رہی۔ جب 16 جون کو مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے فل بنچ نے مولانا مودودی، ان کے بیٹے عمر فاروق مودودی، اور مصباح الاسلام فاروقی کی رٹ درخواست مسترد کر دی۔ دوسری کوشش کامیاب رہی، جب 13 جولائی کو ڈھاکہ ہائی کورٹ نے وفاقی حکومت کا وہ آرڈر منسوخ کر دیا۔ جس کے ذریعے کریمنل لاء امینڈمینٹ ایکٹ (فوجداری کا ترمیمی ایکٹ) کے تحت جماعت اسلامی کو جو حذب مخالف سے تعلق رکھنے والی ایک بڑی جماعت تھی۔ غیر قانونی قرار دے دیا گیا تھا۔ حکومت نے سپریم کورٹ میں اپیل کی۔ لیکن سپریم کورٹ نے ڈھاکہ ہائی کورٹ کا فیصلہ بحال رکھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ملک میں جماعت اسلامی پر سے پابندی اٹھا دی گئی۔ اکتوبر کے دوسرے ہفتے میں مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے ایک علیحدہ فیصلے کے تحت جماعت اسلامی کی اعلیٰ قیادت رہا کر دی گئی۔

حوالہ

سیاستدانوں کی جبری نااہلیاں - احمد سلیم۔

پریس ------ ایوب خان کے عہد میں

سو سال پہلے کا یعنی 1867 کا پریس ایکٹ دیکھ لیجئے، 1931ء کے سیاہ قانون پریس ایمرجنسی پاورز، ایکٹ کا غور سے مطالعہ کر لیجئے۔ کوئی دفعہ ایسی نہیں ہو ملے گی جس کے تحت حکومت کسی اخبار کو کسی خاص خبر کی اشاعت کے لئے مجبور کر سکے یا کسی خاص خبر کی اشات ممنوع قرار دے سکے۔ اس کے باوجود برطانوی حکومت کو خبریں چھپوانے اور خبروں کو چھپنے سے روکنے کی ضرورت محسوس ہوتی رہتی تھی۔ اس کے لئے برطانوی حکومت غیر معمولی حالات میں حاضر قوانین کا سہارا لیتی تھی جیسے سیفٹی ایکٹ، سیکورٹی ایکٹ، ڈیفنس آف انڈیا رولز، سنسرشپ قانون وغیرہ ان حاضر قوانین کے تحت حکومت سنسرشپ نافذ کر سکتی تھی اور اخبارات کو حکم دے سکتی تھی کہ وہ بعض واقعات کے بارے میں صرف حکومت کا جاری کردہ پریس نوٹ چھاپنے کے مجاز ہوں گے۔

ایسے اختیارات کے استعمال کی ایک مثال پنجاب مسلم لیگ کی تحریک 1947ء کے دوران گورنر کا خصوصی حکم تھا جس کے تحت پنجاب کے اخبارات مسلم لیگ ایجی ٹیشن کی خبریں نہیں چھاپ سکتے تھے۔

یہ ایوب خان کے قانونی مشیروں کا کمال تھا جنہوں نے سنسرشپ کو پریس کے عام قانون کا حصہ بنا دیا۔ یہ بات انہیں 1960ء میں نہیں سوجھی کیونکہ اس وقت ضرورت نہ تھی لیکن 1962ء میں ایک نام نہاد آئین کے نفاذ کے بعد جب اسمبلیاں بن گئیں اور ان میں کچھ گستاخ مقررین نے طبع آزمائی شروع کر دی اور عدالتوں میں مسائل اٹھنے لگے تو ستمبر 1963ء میں مغربی پاکستان کے گورنر نے ایک آرڈیننس (مغربی پاکستان پریس اینڈ

پبلیکیشنز' ترمیم' آرڈیننس) جاری کیا- جس کے تحت ہر اخبار کے لئے لازمی قرار دیا گیا کہ وہ مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے ہر پریس نوٹ اور ہینڈ آؤٹ کو من و عن شائع کرے- ساتھ ہی یہ پابندی عائد کی گئی کہ اسمبلی کی وہی کارروائی چھپ سکے گی جس کی اشاعت کی اجازت سپیکر نے دے دی ہو- اسی طرح عدالتی کارروائی' سپریم کورٹ کے علاوہ) صرف وہ چھپ سکتی تھی جس کی اجازت عدالت نے دی ہو- اگر سپیکر یا عدالت کے حاکم متعلقہ ایسا حکم جاری کریں کہ فلاں کارروائی کا فلاں حصہ لازمی چھپے یا کارروائی میں خاص نام شامل کئے جائیں نہ کئے جائیں تو اخبارات پر اس حکم کی تعمیل لازمی تھی- عدم تعمیل کی صورت میں حکومت اخبار یا کتاب ضبط کرنے کی مجاز تھی اور اس چھاپے خانے کو بھی ضبط کر سکتی تھی جہاں یہ اخبار چھاپا گیا ہو-

اس قانون کے خلاف شدید احتجاج کیا گیا' صحافیوں نے سارے ملک میں ہڑتال کی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک مہینے بعد مغربی پاکستان کے گورنر نے 1960ء کے قانون کی جگہ ایک نیا قانون نافذ کیا- یہ تھا مغربی پاکستان پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈیننس 1963ء یہ قانون اب تک رائج ہے- چونکہ ستمبر 1963ء کی مندرجہ بالا ترمیم کے خلاف شدید احتجاج کیا گیا تھا اس لئے حکومت نے اشک شوئی کے لئے ان دفعات میں معمولی تبدیلیاں کر دیں پریس نوٹ چھاپنے کے بارے میں یہ نرمی کی گئی کہ پریس نوٹ میں علاقہ اشاعت کی نشاندہی کر دی جائے گی اور صرف اس علاقے کے ہر اخبار پر اس پریس نوٹ کی من و عن اشاعت لازمی ہو گی-

ظاہر ہے کہ یہ کوئی اصلاح نہیں تھی- اسمبلی اور عدالت کی کارروائی کے بارے میں نیا قانون بنا کہ پہلے صرف منظور شدہ رپورٹ چھپ سکتی تھی اب یہ کہا گیا کہ اگر سپیکر یا عدالت کسی رپورٹ کی اشاعت ممنوع قرار دے دیں تو وہ نہیں چھپ سکے گی- وہ دفعات یہ ہیں-

دفعہ 22 (1) کوئی پرنٹر' پبلشر یا ایڈیٹر کسی اخبار یا کتاب میں قومی یا صوبائی اسمبلی کی ایسی کوئی کارروائی نہیں چھاپے گا-

ا- جس میں کوئی ایسی بات شامل ہے جو اسمبلی کی کارروائی کا حصہ نہیں' یا

ب- جس میں کوئی ایسی بات شامل ہے جسے اسمبلی کی کارروائی کا حذف کر دیا گیا ہو' یا

ج- جس میں کوئی ایسی بات ہو جس کے بارے میں اسمبلی کے سپیکر یا اس کے مقرر کردہ نمائندے نے یہ ہدایت کی ہو کہ اسے شائع نہ کیا جائے' یا

د- جو اسمبلی کی کارروائی کا صحیح اور معقول بیان نہ ہو-

(2) کوئی پرنٹر' پبلشر یا ایڈیٹر کسی اخبار یا کتاب میں کسی عدالت (سپریم کورٹ کے علاوہ) یا ٹریبونل' یا کسی اور عدالتی نیم عدالتی ادارے کی ایسی کارروائی یا کارروائی سے اس طرح کا اقتباس شائع نہیں کرے گا- جس کی اشاعت عدالت متعلقہ کے صدر نے ممنوع قرار دے دی ہو-

(نوٹ) 1964ء کے ترمیمی آرڈیننس میں دفعہ 22 (2) کا اطلاق سپریم کورٹ پر بھی کر دیا گیا)

مندرجہ بالا دفعات سے (اور پریس نوٹ چھاپنے کے حکم) سے انحراف کی سزا دی رہی جو ستمبر 1963ء کے قانون میں تھی یعنی حکومت چاہے تو صرف اخبار کا متعلقہ ایڈیشن ضبط کرے اور چاہے تو وہ چھاپہ خانہ ہی ضبط کر لے جہاں اخبار چھاپا گیا ہو-

بد قسمتی سے اس جابرانہ قانون کی غیر معقول دفعہ پر مناسب توجہ نہیں دی گئی- پریس نوٹ چھاپنے کی پابندی کا عام قانون میں کوئی جواز نہیں ہو سکتا- اخبار کا حق ہے کہ اگر وہ کسی پریس نوٹ کو غلط اور حقائق کے خلاف سمجھتا ہو یا اس اعلان کو عوام کے لئے ضروری نہیں سمجھتا تو اسے شائع نہ کرے- بہرحال پریس نوٹ کی پابندی 1964ء میں واپس لے لی گئی-

اسمبلیوں پر پابندی کے ضابطے

اسمبلیوں اور عدالتوں کی کارروائی کی اشاعت پر پابندی کا مقصد یہی تھا کہ اگر اسمبلی میں یا کسی مقدمے کی کارروائی میں ایوب خان کی دھاندلیوں کا ذکر آ جائے- تو ایسی کارروائی اشاعت روکی جا سکے- یہ پابندی روائتی قانون اور ضوابط کے منافی ہے- اسمبلی اور عدالت کی کارروائی کھلی ہوتی ہے- اور جب عام نہیں ہوتی تو بند کمرے میں اجلاس کے طریق کار متعین ہیں-

حکومت نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی یہ پابندیاں اس لئے لگائی گئی ہیں کہ مفاد عامہ کے منافی باتیں اخبار میں نہ چھپ سکیں یا' اخبارات عدالت کی تحقیر کا جرم کر سکیں دونوں دلائل فضول ہیں- ہر اخبار اسمبلی یا عدالت کی کارروائی کی خبر اپنی ذمہ داری پر چھاپتا ہے- اگر وہ غلط خبر چھاپ دے تو اسمبلی اور عدالت دونوں کو احتساب کا حق حاصل ہے- آزادی سے قبل اور آزادی کے بعد ایسی بہت سی مثالیں مل جائیں گی کہ اسمبلی نے اپنے' استحقاق میں مداخلت Breachofrevilege اور عدالتوں نے تحقیر MPT Conte کے عام قوانین کے تحت اخباروں کو تنبیہہ اور سزا دی ہے انتظامیہ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسمبلی کے استحقاق اور عدالت منصب کی نگران بن کر بیٹھ جائے- بلکہ اسمبلی اور عدالت کی کارروائی کی اشاعت پر پابندی ان اداروں کی تحقیر کے مترادف ہے- موجودہ قانون میں ان دفعات کی موجودگی نہ صرف یہ کہ پریس کی آزادی کے تقاضوں کے منافی ہے بلکہ اسمبلی اور عدالت اور عوام کے درمیان اس کی حیثیت ایک غیر قانونی دیوار کی ہے-

ستمبر 1963ء کے ترمیمی آرڈیننس میں حکومت نے اخبارات میں مداخلت کے اختیارات بھی حاصل کر لئے اس مقصد کے لئے 1960ء کے آرڈیننس میں دو دفعات کا اضافہ کیا گیا یعنی دفعہ 31 اے اور 32 اے پہلی دفعہ 31 اے دوسری کے لئے راستہ صاف کرنے کو وضع کی گئی تھی اور اس میں کہا گیا تھا کہ ہر پرنٹر اور پبلشر اپنی آمدنی اور اخراجات کا حساب درست رکھے

گا۔ دوسری دفعہ 32 اے میں کہا گیا تھا کہ اگر حکومت کی رائے میں ضروری ہو تو وہ ایک کمیشن قائم کر سکتی ہے اور جسے مناسب سمجھے اس کمیشن کا رکن مقرر کر سکتی ہے' یہ کمیشن اس بات کا مجاز ہو گا کہ کسی چھاپہ خانے یا اخبار کے عام معاملات کی چھان بین کرے' خاص طور پر مندرجہ ذیل باتوں کی تحقیق کرے گا:

ا۔ کیا اس چھاپہ خانے یا اخبار کو نقد' یا جنس کی صورت میں' یا کسی اور طرح مالی امداد ملتی ہے۔

ب۔ کیا یہ امداد پاکستان کے شہریوں سے ملتی ہے یا ایسے لوگوں سے جو پاکستان کے شہری نہیں ہیں۔

ج۔ کیا مالی وسائل معقول ذرائع سے مہیا کئے جاتے ہیں اور معقول طور پر استعمال کئے جاتے ہیں' اور ان کا باقاعدہ حساب رکھا جاتا ہے۔

د۔ کیا چھاپہ خانہ یا اخبار چلانے کے معقول انتظامات کئے گئے ہیں۔

ہ۔ کیا آجر اور ملازمین کے درمیان تعلقات خوشگوار اور تسلی بخش ہیں۔

و۔ مندرجہ بالا معاملات سے متعلق کوئی اور مسئلہ۔

اس قانون کے تحت مقرر کئے جانے والے کمیشن کو دیوانی عدالت کے اختیارات حاصل ہوں گے۔ کمیشن کو یہ بھی اختیار ہو گا کہ عارضی حکم امتناعی جاری کر دے یا یہ حکم جاری کرے کہ کوئی مقرر کردہ شخص چھاپہ خانہ یا اخبار کی تمام املاک پر قبضہ کرے اور جو کچھ حکم نامہ میں لکھا ہو وہ کام کرے۔ کمیشن اپنی تحقیقات کی رپورٹ حکومت کو دے گا۔ اور اس پر حکومت چاہے تو چھاپہ خانہ یا اخبار کو ڈیکلریشن معطل کر دے یا منسوخ کر دے۔

کیا اس قانون کی لاقانونیت پر تبصرہ ضروری ہے؟ اس دفعہ کے تحت ایک غیر ذمہ دار آمرانہ حکومت کیا کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ بس ایک کمیشن بنایا ایک حاکم مقرر کیا اور کسی اخبار پر قبضہ کر لیا۔ کمیشن کے کام کی کوئی معیاد نہیں۔ وہ چاہے دس سال تک تحقیات کرتے رہے اور اس کے بعد اخبار بند کیا جا سکتا تھا۔

اس غیر انسانی ترمیم کے خلاف احتجاج کے بعد اکتوبر 1963ء کے قانون میں چند معمولی تبدیلیاں کی گئیں۔ مثلاً کمیشن کے لئے لازمی قرار دیا گیا کہ وہ تین مہینے میں اپنی کارروائی پوری کرے۔ لیکن ساتھ ہی یہ گنجائش رکھی گئی کہ اگر کمیشن معقول بہانہ پیش کر دے تو حکومت کمیشن کی تحقیقات کی معیاد میں غیر معینہ عرصے کا اضافہ کر سکتی تھی۔ جن معاملات کے بارے میں تحقیات کی جانی ضروری تھی ان میں بھی تبدیلی کر دی گئی۔ مثال کے طور پر شق (5) جس کے تحت کمیشن آجر اور ماتزمین کے باہمی تعلقات کا جائزہ لے سکتا تھا حذف کر دی گئی۔ اور شق (الف) تا شق (د) میں سابقہ عبارت کی بجائے یہ فقرے درج کر دیئے گئے۔

ا۔ کیا چھاپہ خانے یا اخبار کو نقد یا جنس کی صورت میں یا کسی اور طرح مالی امداد ملتی ہے۔

ب۔ کیا یہ امداد پاکستان کے شہریوں سے ملتی ہے یا ایسے لوگوں سے جو پاکستان کے شہری نہیں ہیں۔

ج۔ کیا فنڈ جبراً "بلیک میل یا دھوکہ سے حاصل کئے جاتے ہیں

د۔ کوئی اور مسئلہ جو ان معاملات سے متعلق ہو۔

ایک ترمیم یہ کی گئی کہ کمیشن کا سربراہ ڈپٹی کمشنر سے کم عہدہ کا حامل نہیں ہو گا!

اخبارات پر قبضہ کرنے کی سازش

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نادر شاہی قانون حکومت کے خیال میں اخبارات کا گلا گھونٹنے کے لئے کافی نہیں تھا۔ چنانچہ 1964ء میں ایک اور ترمیمی آرڈیننس (نمبر 21 مجریہ 1964ء) جاری کیا گیا جس کے تحت بظاہرہ اخبار یا چھاپہ خانے کے مظلوم مالک کو یہ حق دیا گیا تھا کہ وہ کمیشن کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنے کا مجاز ہو گا۔ لیکن دراصل اس ترمیم کا مقصد یہ تھا کہ کمیشن کی رپورٹ کی بنیاد پر حکومت اخبار یا چھاپہ خانے کا ڈیکلریشن معطل یا منسوخ کرنے کے علاوہ چھاپہ خانہ ضبط بھی کر سکتی ہے۔

یہ وہ دفعات ہیں جو 1959ء سے قبل سیکورٹی ایکٹ میں بھی نہ تھیں اور جن کا اضافہ کر کے 1959ء میں ایوب خان نے سیکورٹی ایکٹ کے تحت پروگریسو پیپرز لمیٹڈ پر قبضہ کیا تھا' اب یہ عام قانون کا جز ہیں۔

آج پاکستان کے عام شہریوں کو یہ بتانا ضروری نہیں ہے کہ یہ ظالمان قانون کس طرح پریس کی آزادی کے منافی ہے صرف یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ یہ قانون ابھی تک منسوخ نہیں ہوا۔

پاکستان پریس کمیشن 1958ء کے سامنے جتنے اخبار نویس پیش ہوئے ان کی غالب اکثریت نے مطالبہ کیا کہ 1931ء کا پریس (ایمرجنسی پاورز) ایکٹ منسوخ کر دیا جائے کیونکہ اس ایکٹ میں ایسی سخت سزائیں تجویز کی گئی تھیں جو دنیا کے دوسرے ملکوں میں رائج نہیں۔ کچھ صحافیوں کی نظر میں یہ قانون پاکستان کی صحافت کے نام پر ایک بدنما داغ تھا۔ اخبارات کے لئے کسی خاص قانون کی ضرورت ہی نہیں تھی' اگر کوئی اخبار اپنی آزادی کے بے جا استعمال کرے تو اس کا مواخذہ کرنے کے لئے عام قوانین کافی تھے۔ انہوں نے اس بات پر خاص طور پر زور دیا کہ پریس کو کم از کم اتنی شہری آزادیاں تو حاصل ہونی چاہئیں۔ جتنی ملک کے عام شہریوں کو حاصل تھیں۔

پاکستان کے پریس اور صحافیوں کی بدقسمتی ہے کہ جو مطالبہ انہوں نے 1959ء میں پریس کمیشن کے سامنے رکھا تھا اور جو مطالبہ وہ اس سے قبل مختلف حکومتوں سے کرتے رہے تھے' وہ آج تک پورا نہیں ہوا۔ کہنے کو تو 1931ء کا ایکٹ 1960ء کے پریس آرڈیننس کے نفاذ کے ساتھ منسوخ ہو گیا لیکن اس کی ساری قابل اعتراض دفعات آج تک پریس آرڈیننس میں شامل ہیں بعض معاملات میں 1931ء کا سیاہ قانون مروجہ قانون کے مقابلے میں بہت

نرم تھا۔

1931ء کا ایکٹ

1931ء کا ایکٹ اس زمانے میں نافذ کیا گیا تھا جب ہندوستان میں سول نافرمانی کی تحریک کو تشدد ہے (انگریزوں اور گاندھی جی کی زبان میں) کا بٹہ لگ چکا تھا۔ ان ہنگامہ خیز حالات میں سامراجی حکومت نے انڈین پریس (ایمرجنسی پاورز) ایکٹ کا مقصد یہ بتایا تھا۔

"ہرگاہ کہ ایسے مواد کی اشاعت روکنا ضروری ہے جس سے قتل یا تشدد کی ترغیب ہوتی ہو یا ایسے جرائم کرنے والوں کی ہمت افزائی ہوتی ہو....."

اس ایکٹ کے تحت حکومت اور "قابل اعتراض مواد" شائع کرنے والے اخبار سے ضمانت طلب کر سکتی تھی' ڈیکلریشن منسوخ کر سکتی تھی' اخبار کی کاپیاں ضبط کر سکتی تھی' اور چھاپہ خانہ بند اور ضبط کر سکتی تھی "قابل اعتراض مواد" کی وضاحت صرف دو شقوں میں تھی

ایسے الفاظ' اشارے (علامتیں) یا ڈرائینگ (بشمول تصویر) Visiblefepresentation جو

ا۔ قتل یا کسی اور پر تشدد اور قابل دست اندازی پولیس جرم پر اکساتے ہوں یا ایسے جرائم کی ترغیب دیتے ہوں یا بظاہر ان سے ایسا تاثر نکلتا ہو یا۔

ب۔ براہ راست یا بالواسطہ کسی ایسے جرم یا ایسا جرم کرنے والے شخص یا فرضی کردار کی تائید یا توصیف کرتے ہوں۔

ظاہر ہے قابل اعتراض مواد کی اس تعریف میں بہت کم اخبارات آسکتے تھے۔ حکومت نے "ممکن جرائم" کی فہرست طویل نہیں کی تھی کیونکہ وہ تعزیرات ہند کے تحت بھی اخبارات کے خلاف کارروائی کر سکتی تھی بہرحال قابل غور بات یہ ہے کہ اس ہنگامی قانون میں بھی چھاپہ خانوں اور اخبارات کو حکومت کے فیصلوں کے خلاف ہائی کورٹ سے رجوع کرنے کا حق دیا گیا تھا خواہ کسی سے خاص طور پر ضمانت طلب کی جائے' ضمانت ضبط کی جائے' اخبار پر پابندی لگائی جائے متاثرہ ہونے والے افراد کو حق تھا کہ وہ اس قسم کے احکامات کے خلاف دو مہینے کے اندر اندر ہائی کورٹ میں اپیل کر سکتے تھے ہائی کورٹ کو اختیار تھا کہ اگر اس کی نظر میں وہ مواد جس کی اشاعت پر کارروائی کی گئی ہے قابل اعتراض نہیں تو حکومت کے احکامات کو منسوخ کر دے۔

"پریس کا بہتر کنٹرول"

یہ ایکٹ چونکہ خاص ضرورت کے تحت نافذ کیا گیا تھا اور تشدد کے واقعات زیادہ عرصے جاری نہیں رہے۔ اس لئے اس کے نفاذ کے ایک سال بعد حکومت نے کریمنل لاء ایمنڈ منٹ ایکٹ (1932ء Act Criminal Law Amendment) کے تحت اس ایکٹ میں ایسی ترامیم کو ردی جن کا مقصد عام حالات میں اخبارات کی آزادی اظہار کو محدود کرنا تھا۔ قتل اور تشدد کا ذکر ایکٹ کے مقاصد میں سے خارج کر دیا گیا اور اس ایکٹ کے مقاصد میں سے خارج کر دیا گیا اور اس ایکٹ کے مقاصد میں سے خارج کر دیا گیا اور اس ایکٹ کا مقصد "پریس کا بہتر کنٹرول" قرار دیا گیا۔ ترمیمی قانون کے تحت قابل اعتراض مواد کی تعریف وسیع کر دی گئی۔ مندرجہ بالا دو شقوں کے علاوہ حکومت اخبارات کے خلاف کارروائی کر سکتی تھی اگر کوئی اخبار واقعی یا بظاہر۔

ج۔ ہز میجسٹی کی بری' بحری یا ہوائی فوج کے کسی آفیسر' سپاہی' ملاح' یا ایئرمین یا کسی پولیس افسر کو اپنی وفاداری یا فرائض سے منحرف کرنے کی کوشش کرے۔

د۔ ہز میجسٹی کی ذات' یا قانونی حکومت' یا عدالتی نظام یا ہز میجسٹی کی رعایا کے کسی حصے یا طبقے کے خلاف نفرت یا حقارت پھیلائے' یا ہز میجسٹی یا مذکورہ بالا حکومت کے خلاف بے اطمینانی پھیلائے۔

ہ۔ کسی شخص کو ڈرائے یا تنگ کرے تاکہ وہ شخص کسی شخص کو جائداد یا بیش قیمت ہنڈے دینے پر مائل ہو یا ایسا کام کرے جو قانون کے تحت کرنے پر پابند نہیں یا ایسا کام نہ کرے جو از روئے قانون کر سکتا ہے۔

و۔ کسی شخص کا اکسائے یا ترغیب دے کہ وہ قانونی کارروائی یا امن عامہ کے قیام میں مداخلت کرے یا کوئی جرم کرے' یا مال گزاری' ٹیکس' محصول یا حکومت یا کسی مقامی انتظامیہ کو واجبالادا کوئی اور رقم یا زمین کا کرایہ دینے سے انکار کرے یا ادائیگی میں تاخیر کرے۔

ز۔ کسی سرکاری ملازم کو اپنے فرائض سے متعلق کوئی کام کرنے یا نہ کرنے یا استعفیٰ دینے کی ترغیب دے۔

ح۔ ہز میجسٹی کی رعایا کے مختلف طبقات میں منافرت اور فساد کے جذبات بھڑکائے۔

ت۔ ہز میجسٹی کی افواج یا کسی پولیس فورس میں بھرتی کے خلاف تاثر پیدا کرے یا کسی ایسی تنظیم کی تربیت اور نظم و ضبط کے خلاف تعصب کو ہوا دے۔

قیام پاکستان کے بعد ترمیمی ایکٹ

بنگال کے مخصوص حالات کے پیش نظر 1934ء میں بنگال کی حد تک "قابل اعتراض مواد" کی تعریف میں دو خاص شقیں بڑھا دی گئیں تھیں۔ پاکستان بننے کے بعد 1950ء کے ایک ترمیمی ایکٹ کے تحت شق (ج) کے بعد ایک شق کا اضافہ کیا گیا' یہ شق یہ تھی۔

ج ج۔ 15 اگست 1947ء کو ہندوستان کی تقسیم سے معرض وجود میں آنے والے پاکستان کی تخلیق کی مذمت کرے یا پاکستان کی حدود میں تمام علاقے یا کسی حصے پر پاکستان کی حاکیت کی تنسیخ یا اسے محدود کرے۔ خواہ یہ صورت

پڑوسی ریاستوں سے الحاق سے پیدا ہو یا کسی اور طرح۔
اخبارات' حکام اور ہائی کورٹ کی رہنمائی کے لئے اس ایکٹ میں بعض معاملات کی وضاحت کی گئی تھی جن کا مقصد یہ تھا کہ کسی حد تک اخبارات حکومت پر تنقید کر سکتے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مدرجہ بالا جرائم کس طرح جرائم قرار پائے۔ اس کے لئے 1931ء سے قبل نافذ کئے جانے والے قوانین کا مطالعہ ضروری ہے۔ 1878ء میں انگریز کی حکومت نے مشرقی زبانوں میں چھپنے والے اخبارات پر پابندیاں لگانے کی غرض سے ایک قانون نافذ کیا تھا اس قانون کے مقاصد قابل ذکر ہیں۔

"ہرگاہ کہ برطانوی ہندو میں چھپنے یا تقسیم ہونے والی مشرقی پاکستان زبانوں کی بعض مطبوعات میں گزشتہ ایام میں ایسا مواد پایا گیا ہے جس سے برطانوی ہند میں گذشتہ ایام میں ایسا مواد پایا گای ہے جس سے برطانوی ہندو میں ازروئے قانون قائم شدہ حکومت کے خلاف بے اطمینانی پھیلنے کا امکان ہے' یا یہ امکان ہے کہ اس سے برطانوی ہندو میں بسنے والی مختلف قوموں' ذاتوں' مذاہب' اور فرقوں کے درمیان منافرت پھیلے' یا ایسا مواد لوگوں کو ہراساں کرنے اور ان سے مال ہتھیانے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

"اور چونکہ یہ مطبوعات بے شمار ایسے لوگ پڑھتے ہیں جو جاہل اور کم فہم ہیں اور ان لوگوں کی کم فہمی کی بنا پر یہ مطبوعات ان پر ایسا اثر ڈالتی ہے جو وہ عام حالات میں نہیں ڈال سکتی۔ اس لئے....."

حکومت کے خلاف بے اطمینانی

اس ایکٹ میں بھی قابل اعتراض مواد کی تعریف دو شقوں میں کی گئی تھی۔ ایک میں حکومت کے خلاف بے اطمینانی پھیلانا جرم تھا اور دوسری میں بلیک میل اور سرکاری حکام کو ڈرانا جرم قرار دیا گیا۔ البتہ ڈرانے کی وضاحت تھی۔ "دھمکی قابل گرفت تھی جس میں سرکاری ملازم کو جانی نقصان کی دھمکی دی گئی ہو۔

اس قانون کے خلاف اس زمانے میں شدید احتجاج کیا گیا تھا۔ اور عوام کی مخالفت کی وجہ سے اس ایکٹ کو چار سال بعد منسوخ کر دیا گیا۔ اس ایکٹ کے خلاف احتجاج کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس کے تحت مشرقی زبانوں میں چھپنے والے اخبارات پر ایسی پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں جن سے انگریزی زبان مین چھپنے والے اخبارات بری تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اس ایکٹ کے تحت اخبارات کو حکومت کے احکامات کے خلاف ہائی کورٹ سے اپیل کا حق نہیں دیا گیا تھا' وہ صرف گورنر جنرل کو عرضداشت پیش کر سکتے تھے اور ان کی عرضی پر گورنر جنرل کا فیصلہ آخری اور حتمی ہوتا تھا۔

دوسرا قانون جو 1931ء کے ایکٹ اور ہمارے موجودہ آرڈیننس کا ماڈل کہا جا سکتا ہے وہ تھا 1910ء کا انڈین پریس ایکٹ۔ اس ایکٹ میں "قابل اعتراض مواد" کی وضاحت کے لئے چھ شق شامل کی گئیں اور یہ وہ تھیں جو معمولی تبدیلی کے ساتھ 1931ء کے ترمیمی قانون نے شق (ج) تا شق (ت) 1931ء کے ایکٹ میں بڑھائیں البتہ عوام کے احتجاج کے پیش نظر 1910ء کے قانون میں اخبارات کو یہ حق مل گیا کہ وہ حکومت کے ضبطی کے احکامات کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل کر سکتے تھے دوسرے الفاظ میں 1931ء کا ایکٹ تقریباً وہی تھا۔ جو 1910ء میں نافذ کیا گیا تھا۔

اب تازہ قوانین پر نظر ڈالئے۔ مندرجہ بالا سطور پر "قابل اعتراض" مواد کی تعریف میں اشقیں بیان کی جا چکی ہیں جو 1879' 1910' 1931' 1932' 1950ء کے قوانین کے ذریعے پریس ایکٹ میں شامل کی گئیں۔ 1959ء کے پریس کمیشن کی رپورٹ کے بعد جو قانون صدر ایوب کی حکومت نے 1960ء میں نافذ کیا اس میں نہ صرف یہ دس کی دس شقیں برقرار رہیں' پانچ اور شامل کر دی گئیں یہ پانچ شقیں یہ ہیں۔

اخبارات مجرم قرار دیئے جائیں گے اگر ان میں ایسا مواد ہو جو:۔

1- تشدد آمیز جرم یا جنسی جرم کی ایسی رپورٹ ہو جس کے پڑھنے سے غیر صحت مندانہ تجسس یا ویسا ہی جرم کرنے کی ترغیب ہوتی ہو۔

2- جو ناشائستہ' فحش' ہتک آمیز' ہو یا مقصد بلیک میل ہو۔

3- غلط افواہیں' یا ایسی خبر جس سے عوام میں اضطراب بے اطمینانی' یا سیت' پھیلتی ہو اور اخبار شائع کرنے والے کے پاس ان خبروں کو صحیح سمجھنے کا مناسب جواز نہ ہو۔

4- جو پاکستان سے الحاق کرنے والی اور مغربی پاکستان میں شامل' کسی ریاست کے والی کے خلاف نفرت پھیلائے یا اس کے خلاف بے اطمینانی کے جذبات ابھارے۔

5- جس سے حکومت پاکستان کے کسی بیرونی ملک کی حکومت سے دوستانہ تعلقات خراب ہونے کا خدشہ ہو۔

ان "جرائم" کے اضافے سے 1960ء کا پریس آرڈیننس زمانہ آزادی سے قبل کے پریس قوانین سے زیادہ سخت ہو گیا۔ لیکن اس میں بھی دو رعائتیں دے دی گئی تھیں پہلی یہ کہ پریس کمیشن کی سفارش کے مطابق حکومت "قابل اعتراض مواد" چھاپنے والے اخبار کے خلاف اس وقت تک قدم نہیں اٹھا سکتی تھی۔ جب تک علاقہ کا سشن جج یہ رائے نہ دے کہ جس مواد کو حکومت قابل اعتراض سمجھتی ہے وہ واقعی قابل اعتراض ہے۔ یہ رعایت آدھی تھی کیونکہ سیشن جج سزا کا حکم صادر کرنے کا مجاز نہیں تھا صرف حکومت کو اپنی رائے پیش کر سکتا تھا اور سزا کا تعین اور اس کا اعلان حکومت کے اختیار میں رہا۔ دوسری رعایت یہ تھی کہ حکومت کے اختیار میں رہا۔ دوسری رعایت یہ تھی کہ حکومت کے اختیار میں رہا۔ دوسری رعایت یہ تھی کہ حکومت کے احکامات کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل کی جا سکتی تھی اور طریقہ کار وہی رہا جو 1910 اور 1931ء کے قوانین میں بتایا گیا تھا۔

اخبارات کے لئے خاص قانون پریس اینڈ پبلیکیشنز آرڈیننس' پر بحث کے دوران عام طور پر آزادی صحافت کے حامی مصر ملک کے عام قوانین کے کافی ہونے کی دلیل دیتے ہیں' اس کی وجہ تو یہ ہے کہ عام قوانین اس خاص قانون کے مقابلے میں نرم ہیں اور دوسری یہ کہ ہم لوگ محض عادت کی وجہ سے لارڈ میکالے کی تعزیرات کو انصاف کے حق میں حرف آخر مانے ہوئے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ عام قوانین بھی بہرحال اس آویزش کے اثرات سے بری نہیں جو ایک صدی قبل کے ہندوستان میں حاکم اور محکوم کے مفادات میں تضاد سے پیدا ہوئی تھی اور اخبارات پر لاگو ہونے والی تعزیرات ہند کی دفعات میں ردوبدل سے بدلتے ہوئے حالات کی عکاسی کرتی تھی۔ تعزیرات ہند کی مذکورہ دفعات اس وقت تحریر کی گئی تھیں۔ جب بنیادی حقوق کا تصاور بنیادی قانون میں واضح طور پر شامل نہیں تھا۔ لیکن ہندوستان میں آزادی کے بعد نئے دستور میں بنیادی حقوق کے اضافے کے بعد یہ دفعات قانونی اعتبار سے کمزور ہو گئیں۔ افسوس ہے کہ پاکستان میں ان دفعات کو موجودہ آئینی تقاضوں کی روشنی میں پرکھنے کے مواقع بہت ہی کم ہیں۔ بہرحال چند دفعات کے مختصر تاریخی جائزے سے شائد اندازہ ہو سکے کہ تعزیرات پاکستان میں بھی اصلاح کی ضرورت ہے۔

مثال کے طور پر تعزیرات پاکستان کی دفعہ A-124 کو لیجئے۔ بغاوت کے سدباب کے لئے جو قوانین تعزیرات میں شامل کئے گئے ان میں A-124 اخبارات سے خاص طور پر متعلق ہے۔ میکالے نے 1837ء میں تعزیرات ہند تیار کرتے وقت یہ دفعہ تجویز کی تھی:۔

جو کوئی الفاظ سے تقریر میں یا پڑھے جانے کے لئے اشارات سے یا تصویری خاکوں سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے علاقوں میں بسنے والوں کے کسی طبقے میں' قانونی حکومت کے خلاف بے اطمینانی کے جذبات ابھارے گا۔ اسے تاحیات یا کسی اور مدت کے لئے کمپنی کے علاقوں سے نکال دیا جائے گا۔ ساتھ ہی جرمانے کی سزا بھی دی جا سکے گی یا تین سال تک قید کی سزا دی جا سکے گی جس میں جرمانہ بڑھایا جا سکتا ہے' یا صرف جرمانے کی سزا دی جا سکے گی۔

حکومت کے اقدامات پر ایسی چینی جو حکومت کی قانونی حیثیت تسلیم کرنے کی نیت کے مطابق ہو اور جس سے حکومت کی پوزیشن کو غیر قانونی ذرائع سے ختم کرنے کی کوشش کی مخالفت ظاہر ہوتی ہے۔ بداطمینانی نہیں ہے اس لئے حکومت کے اقدامات پر وہ تبصرے جن کا مقصد صرف ایسی تنقید ہو۔ اسی دفعہ کے تحت جرم نہیں ہونگے لیکن جب[1] 1860ء میں تعزیرات ہند پاس ہوئی تو اس میں سے یہ دفعہ حذف کر دی گئی۔ کیونکہ حاکم وقت کا خیال تھا کہ اس دفعہ کو پریس کی آزادی کے منافی سمجھا جائے گا۔ (دیکھئے A) History of Press In India (ازالیس نتراجن) یہ واقعہ ہمارے وکلاء کو یاد رہنا چاہئے۔ بہرحال دس سال بعد انگریز وائسرائے نے محسوس کیا کہ ہندوستان میں انصاف پسندی سامراجی مفادات کے حق میں نہیں اور 1877ء میں تعزیرات ہند میں دفعہ 8-124 کا اضافہ کر دیا گیا' وہ دفعہ یوں تھی۔

"جو کوئی بھی برطانوی ہند میں قانونی حو کمت کے خلاف بے اطمینانی کے جذبات کو ہوا دے گا' اسے تاحیات یا کسی اور مدت کے لئے جلاوطنی کی سزا دی جائے گی۔ جس میں جرمانہ بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ یا تین سال تک کے لئے قید کی سزا دی جائے گی اور جرمانہ بھی کیا جا سکتا ہے یا صرف جرمانے کی سزا دی جائے گی"۔

واقعات نے ثابت کر دیا کہ اس دفعہ کا نفاذ بھی ناکافی ہے' چنانچہ 1898ء میں A-124 میں ترمیم کر دی گئی اور تعزیرات ہند میں ایک نئی دفعہ شامل کر دی گئی۔ ترمیم شدہ دفعہ A-124 یہ تھی۔

جو بھی الفاظ سے خواہ تقریر میں یا تحریریں یا اشتہارات' یا تصویری خاکوں سے' یا کسی اور طرح سے برطانوی ہند میں ہز میجسٹی یا قانونی حکومت کے خلاف نفرت یا حقارت پیدا کرتا ہے یا پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے یا ہز میجسٹی یا قانونی حکومت کے خلاف بے اطمینانی پیدا کرتا ہے۔ یا ایسی کوشس کرتا ہے۔ اسے تاحیات یا کم مدت کے لئے جلاوطن کر دیا جائے گا۔ اس سزا میں جرمانے کا اضافہ کیا جا سکتا ہے' تین سال تک قید کی سزا دی جائے گی جس میں جرمانے کا اضافہ کیا جا سکتا ہے" یا صرف جرمانے کی سزا دی جائے گی۔ جس نئی دفعہ کا اضافہ کیا گیا وہ A-153 تھی۔ جو کوئی الفاظ سے زبانی یا تحریر میں' یا اشارات سے یا تصویری خاکوں سے یا کسی اور طرح ہر میجسٹی کی رعیت کے مختلف طبقات کے درمیان دشمنی یا نفرت پھیلائے گا۔ یا کوشش کرے گا۔ اسے دو سال تک قید کی سزا دی جائے گی یا جرمانہ کیا جائے گا' یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔

مروجہ تعزیرات پاکستان میں یہ دونوں دفعات اسی طرح موجود ہیں۔ صرف A-124 میں ہر میجسٹی اور قانون حکومت کی بجائے مرکزی اور صوبائی حکومت کے الفاظ درج کر دیئے گئے ہیں اور 5-153 میں ہر میجسٹی کی رعایا کی بجائے' "پاکستان کے شہری۔

البتہ اس وقت تعزیرات پاکستان میں ایک ایسی دفعہ بھی موجود ہے جو انگریزوں کو نہیں سوجھی تھی تو وہ ہے دفعہ B-156 اس کا مطالعہ بھی مفید ہو گا۔

جو کوئی الفاظ سے زبانی یا تحریری' یا ارشادتا سے یا تصویری خاکوں کے ذریعے' یا کسی اور طرح کسی طالب علم کو یا طلباء کی کسی جماعت کو یا کسی ایسے ادارے کو جس کا طلباء سے کوئی تعلق ہے' کسی سیاسی کارروائی میں حصہ لینے کی ترغیب دیتا ہے یا ترغیب دینے کی کوشش کرتا ہے اسے دو سال تک کی قید یا جرمانے یا دونوں کی سزا دی جائے گی۔

یہ دفعہ تعزیرات پاکستان میں 1962ء میں بڑھادی گئی تھی اور 1965ء

میں ایک ترمیم کے ذریعے سیاسی کارروائی کی وضاحت کر دی گئی- یعنی ایسی کارروائی جس سے امن عامہ میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو-

اس نئی دفعہ کا تذکرہ ہی کیا' اس کے محرکات واضح ہیں کہ کس طرح ایک آمرانہ حکومت نے ایک فقرے سے طلباء کو پابند کرنے اور اخبارات پر ایک نئی پابندی لگانے کا کام کیا پرانی دفعات بھی اصلاح طلب ہیں- ان کے تحت تقسیم ملک سے قبل بہت سے اخبار نویسوں کو قید و بند کی سزا دی گئی- قابل اعتراض بات یہ ہے کہ یہ دفعات حکومت وقت پر تنقید کے حق کو محدود کر دیتی ہیں- چنانچہ جب ہندوستان کے آئین میں آزادی تحریر و تقریر کو بنیادی حق قرار دیا گیا- تو ہندوستان کی عدالت عالیہ نے دفعہ 124-A کو ناقص قرار دیا اور ایک مقدمے میں مشرقی پنجاب کی ہائی کورٹ نے اس دفعہ کو آئین میں ترمیم کی گئی- اور آزادی تحریر و تقریر پر حد لگا دی گئی اور ایسی پابندیوں کو جائز قرار دے دیا گیا جو مقننہ دفاع' خارجی تعلقات اور ملک کی سلامتی کے مفادات کے تحفظ کے لئے لگانا پسند کرے- پاکستان میں 1965ء کا دستور بنانے والے ان مسائل سے آگاہ تھے' چنانچہ انہوں نے بنیادی حقوق میں ہی آزادی تحریر و تقریر پر آئینی پابندیاں عائد کر دیں-

اب جب کہ نیا آئین بننے والا ہے اور اس میں بنیادی حقوق شامل ہوں گے- یہ ضروری ہے کہ آزادی تحریر و تقریر پر صرف اسی حد تک پابندی لگائی جائے جس حد تک اعلیٰ مقاصد کے لئے لازمی ہے' صرف ملک سے بغاوت جرم قرار دیا جا سکتا ہے- اس کے علاوہ حکومت پر ہر قسم کی تنقید اور اسے بدلنے کے لئے ہر جائز ذرائع کے پرچار کی آزادی ہونی چاہئے-

تعزیرات پاکستان کے علاوہ اخبارات پر اور کئی قوانین لاگو ہوتے ہیں- ان میں سے بعض اخبارات پر نہایت غیر معقول پابندیاں عائد کی گئی ہیں- ایک (Relations Act 1932 for Eign) ہے جس کی رو سے کوئی فرد یا کوئی اخبار نویس ہمسایہ ممالک کے سربراہ' اس کے شوہر یا زوجہ یا وزیر اعلیٰ پر ایسی تنقید نہیں کر سکتا جس سے اس کی ہتک ہوتی ہو- یا خارجہ تعلقات پر اثر پڑتا ہو- موجودہ زمانے میں یہ پابندی بے معنی ہے- صرف اتنی پابندی ہو سکتی ہے کہ کسی دوست ممالک کے سربراہ پر ذاتی اور رکیک حملے نہیں ہونے چاہئیں- اعتراض کی وجہ یہ ہے کہ دوستانہ تعلقات کا تعین حکومت وقت کرتی ہے اور اس کے مفادات ملک کے مفادات سے مختلف ہو سکتے ہیں- وہ اگر چاہے تو ہندوستان اور افغانستان اور روس کی حکومتوں اور ان کے سربراہوں کے خلاف سخت سے سخت بات پر تعرض نہ کرے اور وہ چاہے تو کسی اور ملک کی حکومت یا سربراہ کے خلاف معمولی سی بات پر بھی برہم ہو جائے اس قسم کی تفریق آزادی اظہار کے منافی ہو گی-

کچھ قوانین ملک میں خبروں اور اخبارات کی برآمد سے متعلق ہیں- جسے کسٹم ایکٹ' کچھ پیغامات بذریعہ ڈاک بھیجنے پر عائد کرتے ہیں- جیسے (Act Post Office) ان پر بھی خامیاں ہیں جن کا ذکر ہم کتابوں اور رسائل پر ناجائز پابندیوں کے ضمن میں کریں گے- لیکن اس وقت 1885ء کے ٹیلی گراف ایکٹ کی ایک دفعہ کا ذکر ضروری ہے- اس دفعہ کے تحت ہنگامی حالات میں یا امن عامہ کے مفاد میں حکومت یہ حکم جاری کر سکتی ہے- کہ کوئی پیغام بذریعہ تار نہیں بھیجا جائے گا اور اگر بذریعہ تار موصول ہو گا تو تار گھر ہی روک لیا جائے گا-

اس قانون میں قباحت یہ ہے کہ ہنگامی حالات یا امن عامہ کے مفاد کا تعین مرکزی یا صوبائی حکومت صرف ایک سرٹیفکیٹ کے ذریعے کر سکتی ہے اور جس وقت چاہے کر سکتی ہے- مثال کے طور پر لاہور میں ایک اہم شعبے میں ہڑتال ہو گئی' یا طلباء مظاہرہ ہو گیا اور کسی سرکاری افسر نے محسوس کیا کہ اس وقعہ کی خبر بذریعہ تار کسی دوسری جگہ نہیں جانی چاہئے وہ قانونی طور پر ایسے تاروں کی ترسیل روک سکتے ہیں اور یہ اخبارات کی آزادی کے ہی نہیں ملکی مفاد کے منافی بھی ہو سکتا ہے-

واضح رہے کہ اطلاع پانا اور اطلاع دینا' خبر چھاپنا نہیں ہے- اخبار نویس کو مختلف مقامات پر واقع ہونے والے حادثات کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا حق ہونا چاہئے- ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کسی شہر میں مقامی حکام نے عوام پر ظلم کیا اور عوام اپنی شکایت بذریعہ تار اخبارات کو بھیجنا چاہتے ہیں تا کہ ان ذریعے حکومت کے سربراہ کو حقائق سے آگاہ کیا جائے- اس تار کو چھاپنا تو اخبار کی ذمہ داری ہو گی لیکن اس پابندی سے مظلوم کی دادرسی کے ذرائع محدود ہو جاتے ہیں بعض مواز کی اشاعت جرم شاید قرار دی جا سکتی ہو لیکن پیغامات آنے جانے میں رکاوٹ اس وقت تک جائز نہیں جب تک ہنگامی حالات کا آئینی طور پر اعلان نہ کیا گیا ہو- اس قانون میں مناسب ترمیم لازمی ہے-

ان قوانین سے بھی زیادہ اعتراض قانون (Icialseres Act off) ہے کہ جو 1963ء میں انگریز حکمرانوں نے بالخصوص اخبارات پر پابندی لگانے کے لئے نافذ کیا تھا- جس صورت میں یہ قانون اس وقت رائج ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا مطلب سرکاری حکام کو ریاست کے راز فاش کرنے سے روکنا ہے اور ایسے لوگوں کی سرکوبی مقصود ہے جو غیر ملکی ایجنٹوں کو حکومت کے راز سپلائی کرتے ہیں- ان مقاصد سے اختلاف ممکن نہیں- لیکن اس قانون کی عبارت اتنی وسیع ہے کہ اگر کوئی اخبار کسی سرکاری فائل یا ایسے سرکولر سے خبر نکالے جسے کسی سیکشن آفیسر نے "خفیہ" قرار دیا ہو تو وہ اخبار قانون کی زد میں آ جاتا ہے- اور ایک دفع کے تحت پولیس اخبار کے ایڈیٹر کو مجبور کر سکتی ہے کہ وہ اپنی خبر کا ذریعہ بتائے ورنہ خود حوالات جانے کے لئے تیار رہے-

اس قانون کے ذریعے حکومت نے اپنے افسروں کو غیر قانونی تحفظ دیا ہوا ہے- مثال کے طور پر ایک محکمہ کا سیکرٹری ایسی ہدایات جاری کرتا ہے جس سے حکومت کی بدنیتی ظاہر ہوتی ہو- یا اس افسر کی حماقت' ان ہدایات کو

اخبار میں چھاپنے سے کئی فائدے ہوں گے' اول تو حکومت کی غلطی سے ملک کو جو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس کا تدارک ہو جائے گا' اگر کسی افسر نے حکومت کی پالیسی کے خلاف اپنی پالیسی چلا رکھی ہے تو اس کا علاج بھی ممکن ہے۔ لیکن اس قانون نے اکبارات کو اس نیک کام سے باز رکھا یہ صحیح ہے کہ ہر ملک میں بعض راز ایسے ہوتے ہیں جن کو قبل از وقت افشا نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن ہر سرکاری کاغذ' ہر سرکولر' اور ہر فیصلے کو راز قرار دینا عوام کے حقوق پر ناروا پابندی ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر 1959ء میں پریس کمیشن سے یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ Official Secrets Act کے مبہم اور وسیع دائرہ کار سے عام نوعیت کی سرکاری دستاویزات خارج کر دی جائیں اور اخبارات کو اجازت ہونی چاہئے کہ وہ مفاد عامہ کے حق میں سرکاری راز افشا کر سکیں۔ جرم اور سزا اس وقت ہو جب کسی عدالت میں کسی راز کے فاش کرنے کے بعد مفاد عامہ کو نقصان پہنچانا ثابت ہو جائے۔ لیکن پریس کمیشن نے یہ مطالبہ تسلیم نہیں کیا اور دلیل یہ دی کہ اس ایکٹ کے تحت کسی اخبار نویس کے خلاف قدم نہیں اٹھایا گیا۔ ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ پریس کمیشن کی رپورٹ کے کچھ ہی مہینے بعد پاکستان ٹائمز کے دو ذمہ دار رپورٹر اس ایکٹ کے تحت دھر لئے گئے حالانکہ انہوں نے صرف ایک ایسے سرکولر کی خبر بنائی تھی جس میں کوئی اہم راز نہ تھا اور وہ دنوں کافی دن پریشان کئے گئے۔ بعد میں صحافیوں کے متحدہ احتجاج نے جان چھڑوائی۔

ایسا ہی ایک واقعہ پشاور میں ہوا جب ایک نیو ایجنسی کے رپورٹر پر باقاعدہ مقدمہ چلایا کیونکہ وہ مجاہد اپنی خبر کا ذریعہ بتانے سے انکار کرتا تھا۔ اس ایکٹ کے ہوتے ہوئے اخبارات میں ہمت ہی نہیں کہ حکومت کی غلط کاریوں پر اس کے فائلوں کی مدد سے روشنی ڈالیں۔ جب تک اس قانون میں ضروری ترمیم نہیں کی جاتی۔ اخبارات پر ایک نامناسب پابندی لگی رہے گی۔

اختر رحمان

عائلی مسائل

حکومت کا آرڈیننس اور علمائے کرام

مارچ 1961ء کے آغاز میں حکومت نے میراث' نکاح اور طلاق پر ایک آرڈی نس جاری کیا تھا۔ جس پر چودہ علماء نے ایک مشترکہ بیان پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا ہے۔ ان علماء میں بعض بڑے پائے کے لوگ ہیں۔ خصوصا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی جو دنیائے اسلام میں عظیم شہرت کے مالک ہیں۔ ان علماء نے اس آرڈی نس کو خلاف شریعت قرار دیا ہے اور حکومت سے اپیل کی ہے کہ وہ اس میں مناسب ترمیم کرے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حکومت کے اعلان اور علماء کے بیان پر ایک غیر جانبدارانہ نگاہ ڈالی جائے۔

یتیم پوتے کی وراثت

یہ تسلیم کئے بن چارہ نہیں کہ قرآن عظیم کی ہر ہدایت میں نوع انسان کی زیادہ سے زیادہ فلاح و بہبود کا خیال رکھا گیا ہے لیکن بد قسمتی سے ہر دور میں کچھ ایسے علماء موجود رہے ہیں جو کتاب حکیم کے بعض احکام کی ایسی تاؤیلات کرتے رہے جن سے ان کی منفعت مضرت میں بدل جاتی رہی۔ ان مسئل میں سے ایک "یتیم پوتے کی وراثت" ہے۔ ہمارے اکثر علماء کا فتوے یہ ہے کہ باپ کی زندگی میں بیٹا فوت ہو جائے تو یتیم پوتا دادا کی وراثت سے محروم ہو جاتا ہے۔ کس قدر عجیب فتویٰ ہے۔ سو ایک طرف تو پوتا باپ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو گیا اور دوسری طرف ساری جائیداد سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ پہلی افتاد تو نتیجۂ تقدیر تھی' جسے نہ دادا ٹال سکتا تھا اور نہ پوتا۔ لیکن یہ دوسری افتاد کس گناہ کی سزا ہے؟ کیا کوئی معقول انسان اس فتوے کو تسلیم کر سکتا ہے؟ ذرا مندرجہ ذیل صورتوں پہ غور فرمایئے:

اول:۔ زید ایک متمول آدمی ہے۔ اس کے تین بیٹے ہیں۔ بڑا ہائی کورٹ کا جج ہے۔ منجھلا ایک کروڑ پتی سیٹھ ہے۔ چھوٹا محض کسان ہے۔ جس کا گزارہ والد کی زرعی زمین پر ہے۔ اس کے چار پانچ بچے بھی ہیں۔ قضا اس کی وفات ہو جاتی ہے۔ یہ خبر سنتے ہی اس کے والد کی حرکت قلب بھی بند ہو جاتی ہے اور دونوں کا جنازہ بیک وقت اٹھتا ہے۔ ماتم تو تینوں گھروں میں ہو گا۔ لیکن شدید تر اس گھر میں جس پر باپ اور دادا ہر دو کی جدائی کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ رحم و انصاف کا تقاضہ تو یہ تھا کہ دوسروں کی نسبت یتیم پوتوں کو زیادہ حصہ دیا جاتا۔ لیکن ہمارے علماء فرماتے ہیں:۔

کے مطابق ہونے کا مفہوم یہی ہے کہ ایسا اقدام غیر ضروری بھی ہو اور مضر بھی؟

دوم :۔ شریعت اسلامیہ میں نکاح خوان کا سرے سے کوئی باقاعدہ منصب ہی نہیں ...... لیکن یہ رجسٹریشن نکاح خوان کا ایک باقاعدہ منصب قائم کرتا ہے" (ص 4)

گزشتہ کئی صدیوں سے محلے کا امام نکاح خوان کے فرائض سرانجام دے رہے ہا۔ ساتھ ہی یہ تمام نکاح میونسپلٹی کے رجسٹرات میں درج ہو رہے ہیں۔ ایسے نکاحوں میں پمفلٹ والے علماء بیسیوں مرتبہ شامل بھی ہوئے ہوں گے۔ لیکن انہوں نے نہ کبھی احتجاج کیا نہ کوئی پمفلٹ شائع کیا۔

جب اسی رواج کو حکومت نے اپنالیا۔ تو جھٹ پمفلٹ شائع کر دیا کہ اسلام خطرے میں ہے۔ رہا نکاح کوان کا منصب' تو آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن سرکاری ملازمین کی سکول لسٹ نہیں کہ اس میں تمام مناصب کا ذکر موجود ہو۔ خود علماء میں ہزاروں قاضی' مفتی' مجتہد' علامہ ہو گزرے ہیں اور اب بھی موجود ہیں۔ ان میں سے بعض خطیب' واعظ' زاہد' مفسر' محدث' متکلم اور فلسفی کہلاتے تھے اور بعض دیگر شیخ الاسلام مجدد اور فقیہہ۔ اگر ان تمام مناصب کو ذکر قرآن میں موجود نہیں۔ اور بایں ہمہ آپ انہیں خلاف شریعت نہیں سمجھتے۔ تو پھر نکاح خواں کے منصب پر اعتراض کیوں؟ کل آپ کہیں گے کہ قرآن میں نہ ریل کا ذکر ہے نہ گارڈ' نہ ٹی ٹی اور نہ اسٹیشن ماسٹر کا۔ اس لئے ان تمام مناصب کو ختم کر دیا جائے

سوم :۔ "تیسری بات قابل غور یہ ہے کہ ایک بااثر غنڈہ رشوت اور سازش کے ذریعہ سے کسی شریف عورت کے ساتھ اپنے نکاح کا بالکل فرضی اندراج کرا دے اور اس پر اپنے ساتھی غنڈوں کو گواہیاں ثبت کر دے"۔ (صف 4)

اگر رجسٹر میں ایک ایسا اندراج جس پر نکاح خواں وکیل منکوحہ اور تین چار گواہوں کے دستخط ثبوت ہوں ناقابل اعتبار ہو سکتا ہے۔ تو پھر زبانی نکاح کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے؟ جو غنڈہ رجسٹر میں فرضی نکاح درج کرا سکتا ہے وہ اپنے غیر مندرج فرضی نکاح کے ثبوت میں دس گواہ بھی عدالت میں پیش کر سکتا ہے۔ کیا ہم تمام ریل گاڑیاں محض اس لئے بند کر دیں کہ ان میں بعض بے ٹکٹے سفر کرتے ہیں۔ کیا مساجد کو صرف اس لئے تالا لگا دیں کہ ان میں کبھی کبھی چور اور اچکے رات گزارتے یا نمازیوں کی جوتیاں اٹھا لے جاتے ہیں؟ کسی اچھی چیز کے ناجائز استعمال سے وہ چیزی بری نہیں ہو سکتی۔

تعداد ازدواج

ایک سے زائد بیویوں پر آرڈیننس کی دفعہ نمبر 6 میں مندرجہ ذیل پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔

سوال: کہ ایسا شخص پہلے اپنی موجودہ بیوی کی رضامندی حاصل کرے۔

دوم: اپنی یونین کونسل کے چیئرمین میں اجازت لے۔

سوم : ایک پنچایت کو جس میں چیئرمین اور اس کی اپنی بیوی یا بیوی کا نمائندہ شامل ہو۔ مطمئن کرے کہ اس کے لئے ایک اور نکاح ضروری ہے۔ اس دفعہ پر علماء کا تبصرہ یہ ہے:۔

..... "تعداد ازدواج کا اصلاً" ایک برائی سمجھنا اور صرف ناگزیر حالات میں اس کی اجازت دینا ایک غیر اسلامی تخیل ہے ..... خود سرورکائنات سیدنا محمد صلعم کی متعدد بیویاں تھیں ..... پھر نبی صلعم کے چاروں خلفاء' بشیر صحابہ' اکثر ائمہ اہلبیت اور اسلامی تاریخ کے بیشتر اکابر جن پر مسلمانوں کو فخر ہے بیک وقت متعدد بیویاں رکھنے والے تھے۔..... یہ پوری دفعہ منسوخ کر دینے کے قابل ہے کیونکہ قرآن' سنت اور فقہ اسلامی اس کے بنیادی تخلیات اور اس کے اصول و قواعد سے بالکل نا آشنا ہے۔ اس کی بجائے صرف ایک چیز اس دفعہ میں ہونی چاہئے اور وہ یہ کہ جو شخص ایک سے زائد بیویاں رکھنے کی صورت میں ان کے درمیان عدل نہ کرے تو اس کے خلاف اس کی بیوی کو شکایت عدالت میں لے جانے کا حق ہو گا"۔ (ص نمبر705)

اس تبصرے کو پڑھ کر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ یا تو ان اصحاب نے کبھی قرآن دیکھا ہی نہیں اور یا تنقید برائے تنقید پر عمل کر رہے ہیں۔ قرآن نے تعدد ازدواج پر دو کڑی پابندیاں عائد کر رکھی ہیں۔ جن کی تعمیل فرض ہے۔ متعلقہ آیا ملاحظہ فرمائیں۔

و اتو الیتامی اموالھم ولا تبتندلو الخبیث بالطیب ولا تاکلو اموالھم الی اموالکم انه کان خوبا کبیرا و ان خفتم الا تقسطوا فی الیتامی فالکھو ماطاب لکم من النساء ملنی و ثلث و رباع فان خفتم الا تعدلو فواجده اوما ملکت ایمانکم از لک ادنی الا تعولو

(نساء 2-3)

ترجمہ کرنے سے پہلے یہ عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آیات بالامدینہ میں نازل ہوئی تھیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب آئے دن حضور صلعم اور صحابہ کرام کو کسی نہ کسی جنگ میں شامل ہونا پڑا تھا۔ ان لڑائیوں میں صحابہ کی ایک خاصی تعداد شہید ہو جاتی تھی۔ حضور پر نور صلعم' پرورش اور حفاظت کی خاطر شہدا کی اولاد کو باقی صحابہ کے سپرد کر دیتے تھے۔ ان یتا می میں بعض صاحب جائداد ہوتے تھے۔ گو صحابہ کرام انتہا درجہ کے دیانت دار تھے۔ لیکن پھر بھی یہ خطرہ رہتا تھا کہ کہیں یتیموں کے کھیتوں کا غلہ' ان کے باغات کا پھل یا ان کے ریوڑ کی اون وغیرہ گھر کے دیگر افراد استعمال نہ کریں۔ اس لئے اللہ نے فرمایا کہ اگر اس قسم کا خطرہ پیدا ہو جائے۔ تو جوان یتیم لڑکیوں سے نکاح کر لو تاکہ اپنے اور پرائے مال کی تمیز ہی نہ رہے۔ اور ان حالات میں چار شادیوں کی اجازت اس شرط پر دے دی کہ کسی بیوی سے نا انصافی نہ ہونے پائے تو گویا ایک سے زیادہ نکاح صرف دو صورتوں میں ہی جائز ہے

اول: کہ یتیموں کے مال میں بے حسابی اور ناجائز تصرف کا خطرہ ہو۔

دوم: کہ کسی بیوی سے نا انصافی کا کوئی خطرہ موجود نہ ہو۔ میں ان پمفلٹ والے علماء سے پوچھتا ہوں کہ آپ میں سے بعض دوسرے یا تیسرے نکاح کی تقریبات میں کہیں نہ کہیں شامل ہوئے ہوں گے۔ کیا آپ نے

دولہا میاں سے کبھی یہ پوچھنے کی تکلیف گوارا فرمائی کہ کیوں میاں صاحب! آپ کے تصرف میں کتنی یتیم لڑکیاں ہیں ؟ ان کی جائداد کتنی ہے؟ اور کیا واقعی آپ کو بے حسابی کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے؟ اگر ان نکاحوں میں ایسی کوئی صورت موجود نہیں تھی- بلکہ یہ شادیاں عموماً ناجائز عشق کا نتیجہ تھیں- جن میں پہلی بیوی سے عدل و انصاف کا ہلکا سا امکان بھی موجود نہیں تھا- تو پھر آپ ایسی شادیوں میں کیوں شامل ہوئے؟ نکاح خوان کے فرائض کیوں سر انجام دیئے؟ اور ان نکاحوں کے جواز پر مہر تصدیق کیسے ثبت کی-؟

آر ڈی ننس کی دفعہ زیر بحث سے نہ علماء کو اتفاق ہے اور نہ مجھے- علماء کو اس لئے اختلاف ہے کہ کثرت ازواج پہ پابندیاں کیوں عائد کیں اور مجھے یہ اعتراض ہے کہ حکومت نے بنیادی پابندی کو نظر انداز کر دیا ہے اور جب تک اس میں مندرجہ ذیل کلاز کا اضافہ نہیں ہو گا- یہ دفعہ قرآن کے مطابق نہیں بنے گی-

کلاز: اگر کسی شخص کی سرپرستی میں صاحب جائداد یتیم لڑکیاں ہوں اور اسے ان کے مال میں بے حسابی اور ناجائز تصرف کا خطرہ لاحق ہو جائے تو وہ ان سے چار کی حد تک اس شرط پر نکاح کر سکتا ہے کہ سب کے ساتھ یکساں سکول کرنے کی اہلیت رکھتا ہو- اگر اسے یہ خوف ہو کہ وہ سب سے یکساں سلوک نہیں کر سکے گا تو پھر اسے صرف ایک ہی شادی کی اجازت ہے-

اب آیات بالا ملاحظہ کیجئے-

(یتیموں کا مال ان کے حوالے کرو- اپنی ردی چیزوں سے ان کی اچھی چیزوں کا مبادلہ مت کرو- اور ان کا مال اپنے مال سے ملا کر نہ کھاؤ کہ یہ ایک بڑا گناہ ہے اور اگر تمہیں یہ خطرہ لاحق ہو جائے کہ تم یتیموں کے ساتھ پورا انصاف نہیں کر سکو گا! تو پھر اپنی پسندیدہ لڑکیوں سے دو' تین اور چار کی حد تک نکاح کو لو- اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ شاید تم سب سے یکساں سلوک نہیں کر سکو گے- تو پھر ایک نکاح کی اجازت ہے- یا پھر ان لونڈیوں سے نکاح کرو جو تمہارے قبضے میں ہوں- یہ ہدایات کثرت عیال سے بچنے کے لئے مفید ہیں)

رہا حضور پر نور صلعم کا عمل- تو آپ کے لئے عرض ہے ایک خصوصی آرڈیننس نافذ ہوا تھا- جس کے تحت آپ کی تمام ازدواج آپ پہ حلال کر دی گئی تھیں اور آئندہ کے لئے آپ کو مزید شادیوں سے روک دیا گیا تھا-

یا ایھا النبی انا احللنا لک ازواجک التی ایت اجورھن

(احزاب 50)

(اے نبی! تو جن بیویوں کا مہر ادا کر چکا ہے- انہیں ہم تمہارے لئے جائز اور حلال قرار دیتے ہیں)

لا یحل لک النساء من بعد (احزاب 520)

(اس آیت کے نزول کے بعد تمہیں کسی اور نکاح کی اجازت نہیں)

رہے صحابہ' تابعین اور اکابر اسلام تو ان کا ہر عمل ہمارے لئے واجب التقلید نہیں- یہ لوگ معصوم نہیں تھے ان سے لغزشیں سرزد ہوتی تھیں- حضرت عثمانؓ کی شہادت میں بعض صحابہ بھی شریک تھے- حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کی خوفناک جنگ میں دونوں طرف صحابہ کی ایک کثیر تعداد شامل تھی- اگر ان میں سے کسی نے کثرت ازواج کی قرآنی پابندیوں کی نظر انداز کر دیا تھا- تو اس کا یہ عمل شرعی حجت نہیں بن سکتا-

اگر کوئی شخص بیوی کے دائمی مرض یا بے اولادی یا شدت اختلاف کی وجہ سے دوسرے نکاح پر مجبور ہو جاتا ہے- تو اس کے لئے سیدھا راستہ یہ ہے کہ پہلی بیوی کو طلاق دے' اس کا مہر ادا کر دے' اگر اس کے گذارے کی کوئی اور سبیل موجود نہیں تو نکاح ثانی تک اس کا خرچ ادا کرے-

ان تفاصیل کی روشنی میں آپ نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ علماء کا تبصرہ کس قدر بے عمل' اور ازکار اور غیر قرآنی ہے-

مسئلہ طلاق

طلاق روایتی طریقہ یہ ہے کہ جونہی شوہر کے منہ سے طلاق کا لفظ نکلتا ہے- ملا بیوی کو حرام قرار دے دیتا ہے اور اگر بعد میں شوہر نادم ہو جائے- تو اسے حالے کی راہ دکھاتا ہے کہ اس کا نکاح کسی اور سے کراؤ- ایک رات کے بعد اس سے طلاق لو اور دوبارہ نکاح کر لو- اس سلسلے میں علماء نے طلاق کی کئی قسمیں بنا رکھی ہیں مثلاً رجعی بائن' مغلظ' جن کا نام و نشان تک قرآن میں موجودہ نہیں قرآنی طلاق کی صورت صرف یہ ہے-

و المطلقت یتربصن النفسھن ثلثتہ قروء ...... و یعولھن احق بردھن ان ارا دو اصلاحا ...... الطلاق مرتان فامساک بمعروف التسریح باحسان..... و اذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن فلا تعضلو ھن ان ینکحن ازواجھن اذا تراضوبیھم بالمعروف

(البقرہ 228 - 232)

(جن عورتوں کو طلاق مل گئی ہے- وہ تین حیض (اندازاً تین ماہ) تک انتظار کریں-...... اس دوران میں اگر ان کے شوہر صلاہ کا ارادہ کر لیں- تو وہ انہیں واپس لینے کے پورا حق رکھتے ہیں..... طلاق دو ہی

مرتبہ ہو سکتی ہے سا کے بعد یا تو بیوی کو ایک اچھے طریقے سے گھر رکھا جائے یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دیا جائے ..... جب مطلقہ عورتیں اپنی عدت ختم کو چکیں اور میاں بیوی صلح کر لیں۔ تو ان کو اپنے شوہروں کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے سے مت روکو)

ان ہدایات کی مزید تفصیل سورۂ طلاق میں ملتی ہے مثلاً یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلبقو ھن بعدت ھن واحصوا لعدۃ' وہ اتقوا اللہ ربکم لا تحرجو ھن من بیوتھن..... فاذا بلغن اجلھن فامسکو بمعروف اوفار قوھن بمعروف..... (طلاق 1-2)

اے نبی ﷺ! جب آپ ازواج کو طلاق دیں' تو عدت والی طلاق دیں اور مدت کو گنتے رہیں۔ اللہ سے ڈریں اور جب وہ اپنی مدت پوری کر چکیں تو اس کے بعد یا تو عمدہ طریقے سے انہیں اپنے ہاں رکھ لو اور یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دو۔

ان آیات سے واضح ہے کہ قرآن میں طلاق بیدت کا نام و نشان تک موجود نہیں اور ہمارے علماء کا یہ حال ہے کہ شوہر کے منہ سے لفظ طلاق نکلتے ہی بیوی کو حرام کر کے باہر پھینک دیتے ہیں۔ علماء کے اس غیر قرآنی روش کا سدباب کرنے کے لئے حکومت نے آرڈی نَس میں دفعہ 7 کا اضافہ کیا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

1:۔ کہ شوہر کی اطلاع چیئرمین کو دے

2:۔ عدت طلاق 90 دن ہو گی۔

(غلام جیلانی برق)

مزدور تحریک اور تنظیم

1958ء میں جب ایوب خان نے مارشل لاء نافذ کر دیا۔ تو ٹریڈ یونین سرگرمیوں پر پابندی عائد کر دی گئی اور مزدور تحریک کے کارکنوں کی بڑی تعداد کو گرفتار کر لیا گیا۔ مارشل لاء کے نفاذ کے وقت پاکستان میں مزدور یونین کی تعداد 635 تھی اور ان کی رکنیت 3'76'029 تھی۔

ایوب خان کے برسراقتدار آنے سے پاکستان کے صنعتی تعلقات اور مزدور تحریک میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا۔ حو کمت نے 1959ء میں صنعتی تنازعات کا قانون نافذ کیا اور نئی لیبر پالیسی کا اجراء کیا۔ جس کے تحت تقریباً تمام اہم صنعتوں کو لازمی قررا دے دیا گیا اور یہاں ہڑتالیں ممنوع قرار دے دی گئیں۔ ان صنعتوں میں ریلوے' ڈاک' تار' ٹیلی فون' بجلی' پانی' بندر گاہیں اور دفاعی شعبے و ادارے شامل تھے۔

صنعتوں کی ایک فہرست کا بھی اعلان کیا گیا۔ جنہیں وقتی طور پر لازمی صنعت قرار دیا گیا۔ ان میں سیمنٹ' بجلی کا سامان' مٹی کے برتن' لوہا اور فولاد' کاغذ' چینی' گھی' چمڑا' ادویات' سوتی کپڑا اور پٹ سن کے کارخانے شامل تھے۔ اس کے علاوہ صوبائی حکومتوں کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ ہنگامی حالات کے تحت' ہوائی' پانی' روڈ ٹرانسپورٹ' خوراک اور مشروبات سے متعلقہ صنعتوں کو بھی لازمی قرار دے سکتی تھی۔

2- کسی تنازعے کی صورت میں حکومت ثالث مقرر کرے گی جو تنازعے کی تحقیقات کریں گے اور فریقین میں تصفیے کی کوشش کریں گے۔ ان کوششوں میں ناکامی کی صورت میں فریقین لیبر عدالت سے رجوع کر سکتے تھے۔

3- اس سے بیشتر کہ مزدور ہڑتال پر جائیں۔ ان کے لئے کئی شرائط کو پورا کرنا لازمی تھا اور اگر وہ شرائط پوری نہ ہوں تو ہڑتال کو غیر قانونی قرار دیا جا سکتا تھا۔ ان شرائط میں یہ بھی شامل تھا کہ مذاکرات کی مدت میں ہڑتال نہیں ہو سکتی اور اگر مذاکرات ناکام ہو جائیں اور ایک فریق عدالت سے روجع کرنے کا سرٹیفکیٹ حاصل کر لے تب بھی ہڑتال نہیں ہو سکتی۔

ان پابندیوں کی موجودگی میں ہڑتالوں میں حصہ لینے والوں کے لئے سرکار نے سخت سزائیں مقرر کیں۔ ان بندشوں کے باوجود مزدوروں نے اپنے حقوق کے لئے ہڑتالیں کیں۔ جنہیں غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔

1960ء میں حکومت نے کم از کم اجرتوں کا آرڈیننس جاری کیا۔ لیکن اسے نافذ العمل نہ کیا گیا۔ چنانچہ مزدوروں میں بے چینی بڑھی۔ ایک طرف حکومت نے جو نئی لیبر پالیسی جاری کی تھی اس میں ہڑتالوں پر پابندی لگا دی گئی۔ اس قانون سے سرمایہ داری کی طاقت بڑھی اور انہوں نے مزدوروں کی چھانٹی شروع کف دی۔ اور مزدوروں پر سختی بڑھائی۔ ان وجوہات کی بنا پر مزدوروں میں بے چینی بڑھی اور انہوں نے ہڑتالیں شروع کر دیں۔ 1963ء تک ہڑتالوں کی تعداد درج ذیل ہے۔

سال	ہڑتالیں	ہڑتالوں میں شریک مزدور
1958ء	93	89954
1959ء	29	32493
1960ء	42	25759
1961ء	54	26303
1962ء	121	69482
1963ء	213	2,18601

مارچ 1963ء ____ منگو پیر کراچی کی مزدور تحریک

حکومت نے جو دوف قوانین 1959ء اور 60ء میں نافذ کئے تھے۔ مزدور ان سے ناخوش تھے۔ حکومت نے 1960ء میں اجرتوں کا قانون جاری کیا۔ اس کے تحت اجرتوں کا تعین اسد اور طلب کی بنیاد پر کیا۔ جن

صنعتوں میں اجرتیں نافذ کی گئیں- وہ بھی ضروری اجرت کے معیار سے کم تھیں- مثلا حکومت نے اپنے اعداد و شمار کے مطابق ایک صنعتی مزدور کے خاندان کا ماہانہ خرچ ایک سو چالیس اور ڈیڑھ سو روپے ماہوار کے درمیان تھا لیکن ٹیکسٹائل کے مزدور کی تنخواہ 78 روپے ماہوار مقرر کی گئی-

کراچی کے صنعتی اداروں کے مزدوروں نے اپنے اقتصادی و قانونی مطالبات منوانے کے لئے کے لئے حق ہڑتال چھن جانے کے باوجود جنوری 1963ء میں ہڑتالوں کا سلسلہ شروع کیا- ہڑتالوں کا یہ سلسلہ فیکٹریوں کی بنیاد پر تھا- یہ ہڑتالیں پرامن تھیں- اسی دوران 20 فروری کی رات کو سندھ انڈسٹریل ٹریڈنگ اسٹیٹ اور لانڈھی کے علاوہ میں دفعہ 144 نافذ کر دی- 21 فروری کو جب مزدور جلسہ کرنے کے لئے زیب تن ٹیکسٹائل ملز کے ناچی میدان میں جمع ہوئے- تو پولیس نے جلسہ کے منتظمین سے دفعہ 144 کی خلاف ورزی نہ کرنے کے لئے کہا- جسے مزدور رہنماؤں نے تسلیم کر لیا اور مزدور منتشر ہو گئے- جب مزدور منتشر ہو کر قریبی سڑکوں پر آ گئے تو پلیس نے لاٹھی چارج شروع کر دیا- جس سے متعدد مزدور زخمی ہو گئے- اسی رات کو متعدد مزدور رہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا- اس کے باوجود مزدوروں کی ہڑتالوں کا سلسلہ جاری رہا- تاجر مزدوروں کے مطالبات ماننے کے لئے تیار نہ تھے- ان حالات میں کراچی مزدور رابطہ کونسل تشکیل دی گئی- جس نے یکم مارچ سے کراچی کے صنعتی اداروں میں عام ہڑتال کرنے کی اپیل کی- ہڑتال ہوئی- سندھ انڈسٹریل ٹریڈنگ اسٹیٹ کے علاقہ میں پریمئر ہوزری ملز اور پاک کالونی کے قریب پولیس نے مزدوروں کے دو مختلف اجتماعات پر فائرنگ کی- اور لاٹھی چارج کیا- سرکاری اطلاعات کے مطابق ان دو حادثوں میں پانچ افراد ہلاک اور نو زخمی ہوئے- بعد ازاں ایک اور زخمی چل بسا- جبکہ آزاد ذرائع کے مطابق بیالیس مزدور ہلاک ہوئے-

یہ ہڑتال کراچی مزدور رابطہ کونسل کی زیر قیادت نو روز تک جاری رہی- نوروز کے بعد کراچی انتظامیہ نے مل مالکان اور رابطہ کونسل کے درمیان معاہدہ کروا دیا- جس کے تحت مزدوروں کے مطالبات تسلیم کے لئے گئے- جن میں گرفتار شدگان کی رہائی' مزدوروں کے خلاف وارنٹوں کی واپسی' ہڑتالوں میں ہلاک ہونے والے مزدوروں کے ورثاء اور زخمی ہونیوالوں کو معاوضہ کی ادا ئگی' ٹیکسٹائل کے مزدوروں کی تنخواہوں میں اضافے کے لئے اجرت بورڈ کا قیام' بورڈ میں رابطہ کونسل کی نمائندگی' منگھو پیر روڈ کے ہڑتالی مزدوروں کو ہڑتال کے دوارن کی چھیاسٹھ فیصد اور لانڈھی کے مزدوروں کو پوری اجرت کی ادا ئگی اور مزدوروں پر فائرنگ اور لاٹھی چارج کی غیر جانبدارانہ تحقیقات کرانے کے مطالبات شامل تھے- معاہدہ ہونے کے بعد کراچی کے صنعتی اداروں میں عام ہڑتال ختم ہو گئی اور مزدور اپنے کام پر واپس آ گئے تاہم پاکستان ٹوبیکو فیکٹری اور زیب تن ٹیکسٹائل ملز کی ہڑتالیں اپریل تک جاری رہیں- کئی دوسرے اداروں میں بھی ہڑتالیں جاری رہیں- کراچی انتظامیہ نے رابطہ کونسل سے کئے گئے وعدوں میں سے کسی ایک کو بھی پورا نہیں کیا- حکومت نے 17 اپریل 1963ء کو رابطہ کونسل کے دفتر سے تیس مزدور رہنماؤں اور کارکنوں کو گرفتار کر لیا- ان میں سے دس کو دو ماہ کے لئے نظر بند کر دیا گیا- 17 اپریل سے 24 اپریل کے درمیان سینکڑوں مزدور کارکن گرفتار کئے گئے- غیر قانونی ہڑتال کرنے کے الزام میں 17 یونینوں کے رجسٹریشن منسوخ کر دیئے گئے اور ٹریڈ یونین سرگرمیوں کے جرم میں ہزاروں کارکنوں کو مل مالکان نے برطرف کر دیا-

مزدوروں کی بے چینی میں 1965ء کے بعد شدید اضافہ ہوا- کیونکہ غلے کی کمیابی کی وجہ سے ضروری اشیاء کی قیمتوں میں زبردست اضافہ ہوا تھا- اس پس منظر میں 1967ء میں ریلوے مزدوروں کی عظیم الشان ہڑتال ہوئی-

ریلوے کی ہڑتال 1967ء

31 جنوری 1967ء پاکستان مزدور تحریک کا ایک یادگار دن ہے- اس دن ریلوے مزدوروں نے اپنی ہڑتال کا آغاز کیا اور پورے مغربی پاکستان میں ریلوے کی آمدورفت مکمل طور پر بند ہو گئی- ریلوے کے ڈرائیوروں فائرمینوں' مکینکوں' کانٹا والوں اور درجہ چہارم کے دوسرے ملازمین نے اپنے 35 مطالبات کی تائید میں کام بند کیا-

اس ہڑتال کی کئی وجوہات تھیں- مزدوروں کے احتجاج کے حق کا خاتمہ- سیاسی جمود' مہنگائی- اور مزدوروں کی اجرتوں میں ناانصافی وغیرہ- 1965ء کی جنگ کے بعد ریلوے مزدوروں کی معاشی مشکلات میں اور بھی اضافہ ہوا- خوراک کی قلت اور اشیاء کی مہنگائی سے ریلوے مزدوروں کی زندگی مشکل ہو گئی- آٹا نایاب ہو گیا- مزدور کیرج ڈپو سے راشن حاصل کرنے میں ناکام رہتے- پھر 1967ء میں بہت سی شاپوں میں خصوصا کیرج شاپ میں اوور ٹائم بند کر دیا گیا- اس طرح مزدوروں کی زائد آمدنی کا ایک اور ذریعہ ختم ہو گیا- پھر مزدوروں کو جبری طور پر دنوں کی چھٹیاں دی جاتیں- جن کی تنخواہ انہیں نہیں دی جاتی تھیں- 1966ء کے آغاز میں ریلوے مزدوروں میں مہنگائی' آٹے کی نایابی اور راشن بندی کے خلاف رد عمل کا اظہار شروع ہو گیا- مرزا ابراہیم کی زیر قیادت ورکرز یونین نے مزدوروں کے بے شمار جلسے منعقد کئے- ہڑتال سے چند ماہ قبل آدھی چھٹی کے وقت مزدور اکٹھے ہو کر نعرے لگاتے اور مطالبہ کرتے کہ سستے راشن کی دکانیں کھولی جائیں- بڑے دنوں کی چھٹیاں تنخواہ کے ساتھ دی جائیں- 42 گھنٹے کا ہفتہ شمار کیا جائے- میڈیکل الاؤنس دیا جائے اور

دیہاڑوں کی بجائے ماہانہ تنخواہ دی جائے- اسی دوران شیخ غفور اور عمر دین کی یونین نے ہڑتال کا نوٹس دے دیا-

30 جنوری کو کیرج شاپ کے مزدوروں نے آدھی چھٹی کے وقت نعرے لگائے- ان کا اہم نعرہ تھا "مر گئے بھوکے ہائے ہائے"_ اسی روز کیرج شاپ' لوکو شاپ اور پاور ہاؤس کے مزدور دوپہر سے ہی اپنا کام بند کر کے دھرنا مار کر بیٹھ گئے- شام 5 بجے مزدور ورکشاپ کے سامنے جمع ہو گئے اور جلوس کی شکل میں گڑھی شاہو کی طرف روانہ ہو گئے- بعد ازاں پولیس کی مداخلت پر جلوس منتشر ہو گیا-

31 جنوری کو رات کے بارہ بجے ہڑتال شروع ہو گئی- اس کے بعد کوئی گاڑی لاہور سے باہر نہیں گئی- لیکن باہر سے گاڑیاں آتی رہیں- دوسرے دن شام تک تمام گاڑیوں کی آمد و رفت بند ہو گئی اور پورے مغربی پاکستان میں ریلوے کا نظام معطل رہا-

یکم فروری کو عمر دین کی یونین نے ہڑتال کا نوٹس واپس لے لیا- لیکن مزدوروں نے یہ فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا- اسی دن دو صوبائی وزیر احمد سعید کرمانی اور ملک اللہ یار ورکشاپوں میں پہنچے اور انہوں نے مزدوروں سے خطاب کرتے ہوئے- انہیں ہڑتال ختم کرنے کی تلقین کی- لیکن مزدوروں نے تقریریں سننے سے انکار کر دیا اور مطالبہ کیا کہ مرزا ابراہیم کی یونین کو تسلیم کیا جائے-

رات کو احمد سعید کرمانی نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ حکومت نے ریلوے ملازمین کو کنٹرول قیمت سے کم نرخوں پر آٹا مہیا کرنے اور یونین کو تسلیم کرنے کے مطالبات منظور کر لئے ہیں- لہٰذا ریلوے کے ہڑتالی مزدوروں کو فوراً کام پر آ جانا چاہئے-

اسی دن مغربی پاکستان کے گورنر موسیٰ خان نے کہا کہ ہڑتال ختم نہ کی گئی تو سخت کارروائی کی جائے گی- اور اگر ضرورت پڑی تو گاڑیاں چلانے کے لئے فوج طلب کی جائے گی- لیکن وزیروں کی منت سماجت اور گورنر کی دھمکیوں کے باوجود ہڑتال جاری رہی-

3 فروری کو ریلوے کی انتظامیہ نے ریلوے کی تمام ورکشاپوں میں تالہ بندی کا اعلان کر دیا اور پہرے پر فوج بٹھا دی گئی- سارا دن لاٹھی چارج اور فائرنگ سے لاہور ریلوے کے چھ مزدور زخمی ہوئے- دو کو گولی لگی- ایک سرکاری اعلان میں کہا گیا کہ ہڑتال مزدور پٹڑی پر دھرنا مار کر بیٹھ گئے تھے اور انہوں نے منتشر ہونے سے انکار کر دیا تھا- اسی دن تیسرے پہر سکھر میں ریلوے مزدوروں پر گولی چلائی گئی- جس سے کئی مزدور زخمی ہوئے-

4 فروری کو گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوا- اور ایک ماہ تک جاری رہا- پہلے دن ایک سو اٹھائیس افراد کو گرفتار کیا گیا- ان میں مرزا ابراہیم' سردار شوکت علی' ضیاء الدین بٹ' سی- آر- اسلم' غلام حسین' مراد بخش' عبدالخالق' نذیر احمد' محمد دین' اور محمد سعید شامل تھے- شیخ غفور کو 28 فروری کو گرفتار کیا گیا- اس طرح ہڑتال کا زور ٹوٹتا چلا گیا اور ہڑتالی مزدور کام پر واپس آ گئے- 9 فروری کو حکومت کی طرف سے تالہ بندی ختم کر دی گئی اور تمام مزدور کام پر واپس آ گئے-

اس ہڑتال کے نتیجے میں حکومت نے سستے راشن کی دکانیں کھولنے کا مطالبہ تسلیم کر لیا-

69-1968 ______ عوامی تحریک اور مزدوروں کی جدوجہد

69 - 1968ء میں ایوب خان کے خلاف تحریک میں مزدوروں کا بھی ایک بڑا کردار تھا- اس تحریک میں مزدوروں کی شمولیت دو حوالوں سے مختلف تھی- پہلی تو یہ کہ مزدور اس وقت تحریک میں شامل ہوئے- جب تحریک کو طلباء' وکلاء' سیاسی جماعتوں نے عروج پر پہنچا دیا تھا اور دوسری یہ کہ مزدوروں کا نعرہ اپنے مفادات کے لئے تھا- یعنی وہ حکومت ہو ہٹانے کے مطالبے کی بجائے- اپنے حقوق کا مطالبہ کر رہے تھے-

مزدوروں نے اپنے مطالبات منوانے کے لئے مظاہروں کا سلسلہ 9 دسمبر 1968ء کو شروع کیا- اسی روز مغل پورہ لاہور ریلوے ورکشاپوں کے مزدوروں نے 48 گھنٹے کی بجائے ہفتے میں 42 گھنٹے کے اوقات مقرر کرنے' مہنگائی الاؤنس میں پچاس روپے ماہوار اضافہ کرنے اور فروری 1967ء کی ہڑتال کے دنوں کا معاوضہ ادا کرنے کا مطالبہ کیا- اس سلسلے میں 12 دسمبر 1968ء کو ریلوے ورکشاپوں کے ملازمین نے مظاہرہ کیا- 15 دسمبر کو لاہور میں جلوس نکالنے سے قبل بیس مزدور رہنماؤں کو پاکستان ٹریڈ یونین کونسل کے دفتر سے گرفتار کر لیا گیا- جنہیں بعد ازاں 17 دسمبر کو ضمانت پر رہا کر دیا گیا-

17 جنوری کو مزدوروں نے ملک گیر ہڑتال کی اور پھر 10 فروری 1969ء کو پوسٹ مینوں کی تنظیم پاکستان پوسٹ مین اینڈ لوئر گریڈ سٹاف یونین نے ایک روز کی علامتی ہڑتال اپنے مطالبات کے حق میں کی- بعد ازاں اسی یونین کی قیادت میں محکمہ ڈاک کے درجہ سوم و چہارم کے ملازمین نے 3 اور 4 مارچ کی درمیانی شب کو غیر معینہ مدت تک ہڑتال کر دی- جس سے لنڈی کوتل سے بہاولپور تک ڈاک کی ترسیل کا نظام معطل ہو گیا-

7 مارچ کو ریلوے میل سروس کے درجہ سوم و چہارم کے ملازمین اور کراچی سرکل کے پوسٹ مینوں نے بھی ہڑتال کر دی اس طرح محکمہ ڈاک کے ہڑتالی ملازمین کی تعداد ساٹھ ہزار سے تجاوز کر گئی-

15 مارچ کو ٹیلی فون آپریٹروں اور محکمہ تار کے درجہ سوئم و چہارم کے ملازمین نے بھی ہڑتال کر دی- محکمہ ڈاک و تار کے ملازمین نے ہڑتال ختم کر دی- یہ ہڑتال مطالبات تسلیم ہونے کے بعد ختم کی گئی- مجموعی

طور پر ڈاکخانے کے ملازمین کی ہڑتال تیرہ روز اور ریلوے میل سروس درجہ سول وچہارم کے ملازمین کی ہڑتال دس روز تک جاری رہی۔

13 فروری 1969ء کو ریلوے ورکشاپ لاہور کے تقریباً بیس ہزار مزدوروں نے جلوس نکالا۔ جس کی قیادت مزدور رہنما مرزا ابراہیم اور کنیز فاطمہ نے کی۔ اسی روز مغربی پاکستان ہائیڈرو الیکٹرک سنٹرل لیبر یونین نے اپنے دفتر واقع نسبت روڈ سے جلوس نکالا۔ یہ دونوں جلوس مزدور تحریک کے ایوب کے خلاف سب سے بڑے جلوس تھے۔

5 مارچ 1969ء کو کراچی پورٹ ٹرسٹ کے دس ہزار ملازمین نے ہڑتال کی جو تین روز تک جاری رہی۔ 16 مارچ 1969ء کو آدم جی جوٹ ملز کے تقریباً 20 ہزار مزدوروں نے اپنے مطالبات منوانے کے لئے مل انتظامیہ کا گھیراؤ کیا۔

ڈھاکہ کے نزدیک ٹونگی میں مزدوروں نے کپڑے کی چار ملوں' اولیپیا' منون' قدیاور میگھنا ٹیکسٹائل ملز کی انتظامیہ کا گھیراؤ کیا اور اپنے مطالبات تسلیم کرائے۔

اس کے علاوہ بھی مزدوروں کے تمام طبقوں نے پاکستان کے صنعتی شہروں میں ہڑتالیں کیں۔ اس مزدور جدوجہد کے خدوخال میں بعض نمایاں تبدیلیاں ہوئی تھیں۔

(i) مزدوروں نے منظم طور پر خود کو پیش کیا۔

(ii) مزدوروں نے صنعتی تنازعوں کے تصفیئے کے لئے حکومت کے قانونی ضابطوں پر بھروسہ کرنا بند کر دیا اور مالکان کے ساتھ براہ راست ٹکر لی۔

(iii) مزدور براہ راست اقدام کے ذریعے فیکٹری مالکان سے اپنے مطالبات منوانے میں کامیاب رہے۔

(iv) مزدوروں نے جدوجہد کے مخالف پرانے کئی لیڈروں کو مسترد کر دیا ان کی جگہ نئی قیادت ابھری۔

(v) مزدوروں نے جدوجہد کرنیوالے دوسرے گروہوں' کا بھی ساتھ دیا۔

اس مزدور تحریک نے کامیابیاں بھی حاصل کیں۔ مثلاً 16 فروری 1969ء کو صدر ایوب نے ملازمین درجہ سوم و چہارم کے لئے مہنگائی الاؤنس کا اعلان کیا۔

اس طرح 23 مارچ 1969ء گورنر مغربی پاکستان نے مزدور طبقے کی تحریک کے پیش نظر مزدوروں کا 150 روپے بنیادی تنخواہ کا مطالبہ تسلیم کر لیا۔ اس سب سے بڑھ مزدوروں نے شروع کے سالوں میں اس پرانی جدوجہد کے مطالبات منوانے میں بھی کامیاب رہے۔

1969ء کی اہم مزدور تنظیمیں

1- مغربی پاکستان فیڈریشن آف لیبرز (رحمت اللہ درانی' عمر دین' رحمت اللہ وغیرہ)

2- مغربی پاکستان فیڈریشن آف ٹریڈ یونینز (خطیب' بشیر بختیار وغیرہ)

3- پاکستان مزدور تنظیم جو پہلے پاکستان لیبر فیڈریشن کے نام سے کام کرتی تھی (جماعت اسلامی)

4- پاکستان مزدور فیڈریشن (فضل الٰہی قربان' سندھی خاں' عبدالغفور)

5- نیشنل فیڈر آف لیبر (لودھی۔ وغیرہ کراچی میں)

6- کراچی مرکزی مزدور کمیٹی اور پھر متحدہ محاذ (طفیل عباس' واحد بشیر' ابن ایوب وغیرہ)

7- مغربی پاکستان ورکرز یونین فیڈریشن (اعجاز نذیر' شمیم واسطی' نبی احمد)

8- متحدہ مزدور فیڈریشن (بلوچ' محمد احمد' شاہ رضا اور مبارک حیدر)

ترقیاتی منصوبے

تعارف

مغربی ممالک کی منظم منصوبہ بندی کے ذریعے تیز معاشی ترقی نے دوسری جنگ عظیم کے بعد کے دور میں ترقی پذیر ممالک کے لئے دلچسپی پیدا کی کہ وہ بھی اپنی تیز معاشی ترقی کے لئے منصوبہ بندی کر کے آگے بڑھیں۔

پاکستان نے آزادی حاصل کرنے کے بعد تیز ترقی کے لئے اقدامات شروع کئے۔ آزادی کے بعد شروع کے دور میں جو انتظامی افراتفری اور معاشی ابتری کا دور تھا۔ حکومتوں نے معاشی ترقی کے لئے ترجیحات طے کرنی شروع کیں۔ اور مختلف قسم کے ترقیاتی ادارے بنائے۔ دسمبر 48 میں "پہلی صنعتی کانفرنس" منعقد ہوئی۔ اسی سال ایک "ترقیاتی بورڈ" بنایا گیا۔ جولائی 48 میں "اسٹیٹ بنک آف پاکستان" قائم ہوا۔ 1949ء میں "پاکستان صنعتی مالی کارپوریشن" قائم کی گئی 1952ء میں "زرعی ترقیاتی مالی کارپوریشن" قائم کی گئی جنوری 1952ء میں "پاکستان کی ترقیاتی کارپوریشن" قائم کی۔

ترقیاتی بورڈ نے باقاعدہ منصوبہ بندی شروع کی اور ایک "چھ سالہ منصوبہ ترقی (57-1951) پیش کیا جسے "کولمبو پلان" کا نام دیا گیا۔ لیکن بعد میں یہ فیصلہ تبدیل کر دیا گیا۔ اور چھ سالہ منصوبے کی ترجیحات کی بناء پر ایک دو سالہ منصوبہ منظور کیا گیا۔ 1953ء میں ایک نئے پانچ سالہ منصوبے 1955-60ء کے لئے کام شروع کر دیا گیا۔ یہ منصوبہ منظور ہو کر زیر عمل رہا۔ ازاں بعد اس منصوبے کے تجربے اور کمزوریوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے۔ دوسرا پنجسالہ منصوبہ بنایا گیا۔ جس کا تفصیلی جائزہ مندرجہ ذیل ہے۔

دوسرا پنجسالہ منصوبہ (1960-65)

جب دوسرا پنجسالہ منصوبہ بنایا گیا تو اس سے قبل منصوبہ بندی کے

طریقہ کار میں کافی تبدیلیاں کی گئیں- منصوبے میں جو تجاویز اور مقاصد طے کیئے گئے انہیں انتظامیہ کے دستور العمل کا حصہ بنا دیا گیا- اور صدر پاکستان نے "منصوبہ بندی کمیشن" کے چیئرمین کی حیثیت سے بھی کام کرنا شروع کر دیا- منصوبے کے عمل کنندہ سربراہ کی حیثیت سے کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین کو بہ اعتبار عہدہ ایک وزیر کی حیثیت سے دے دی گئی- منصوبہ بندی کمیشن کو صدر مملکت کے سیکرٹریٹ میں ایک ڈویژن کے طور پر شامل کر لیا گیا- صوبوں میں منصوبہ بندی کے محکمے منظم کیئے گئے اور وزارتوں اور محکمہ جات میں چھوٹے ترقیاتی دفاتر بھی قائم کئے گئے- منصوبہ بندی کمیشن کو تمام اعلیٰ پالیسی ساز تنظیموں میں نمائندگی دی گئی- جیسے "قومی معاشی کونسل" "قومی معاشی کونسل کی مجلس عمل" اور مرکزی ترقیاتی عمل کار پارٹی" یہ ادارہ سرکاری شعبے کے منصوبوں کی جانچ پڑتال کرتا تھا- منصوبہ بندی کمیشن کو "غیر ملکی زرمبادلہ کنٹرول کمیٹی" میں بھی نمائندگی دی گئی- "صنعتی سرمایہ کاری کی جدول" اور "سالانہ ترقیاتی پروگرام" جو ملک کے بجٹ کا حصہ ہوتا ہے- پنجسالہ منصوبے کے ڈھانچے میں رہتے ہوئے ترتیب دیئے جانے لگے-

سرکاری موقف کے مطابق دوسرے منصوبے کے مقاصد میں خود انحصاری' استحکام' معیار زندگی کی ترقی' دولت کا پھیلاؤ- ذرائع نقل و حمل کی بہتری' تعلیم کی ترقی' قومی ثقافت' ادب اور سائنس کی ترقی شامل تھے-

سرکاری ذرائع کے مطابق دوسرے منصوبے میں طے ہوا تھا کہ مجموعا 23000 ملین روپے کی سرمایہ کاری کی جائے گی- جس میں دیہی تعمیراتی پروگرام کا خرچ شامل نہ تھا' جو 1600 ملین روپے تھا- سرکار کے مطابق اس منصوبے کے دوران جو سرمایہ کاری کی گئی وہ لگائے گئے تخمینے سے زیادہ تھی-

منصوبے میں تخمینہ لگایا گیا تھا کہ مجموعی رقم کا نصف حصہ غیر ملکی امدادوں سے پورا کیا جائے گا- جبکہ عملدر آمد شروع ہوا تو دیکھا گیا- کہ غیر ملکی امدادوں پر بھروسے کی شرح کوئی 40 فیصد تک رہی-

منصوبے کا تخمینہ تھا کہ بر آمدات سے ملک کی آمدنی 11250 ملین روپے ہو گی- مگر یہ آمدنی اس حد سے آگے بڑھ گئی اور 7 فی صد سالانہ کا اضافہ ہوا-

سرکار کے مطابق دوسرے منصوبے کے جو متہا طے کئے گئے تھے- ان میں سے اکثر حاصل ہو گئے- بعض متہا اپنی تجویز شدہ حد سے بھی آگے بڑھ گئے- مثلاً

(1) مجموعی قومی آمدنی بقدر 30ء4 فیصد بڑھی جبکہ منصوبے میں تجویز 24 فی صد ہی رکھی گئی تھی-

(2) فی کس آمدنی بقدر 14ء8 فی صد بڑھی جبکہ منصوبے میں متہا 12 فی صد رکھا گیا تھا-

(3) صنعتی پیداوار بقدر 27 فیصد بڑھی جبکہ منصوبے نے یہ اضافہ 21 فصد تجویز کیا تھا-

(4) صنعتی مال کی پیداوار میں اضافہ 61ء4 فی صد تھا جبکہ منصوبے نے یہ اضافہ 21 فی صد رکھا تھا-

سرکاری دستاویز کے مطابق دوسرے منصوبے کے دوران اہم شعبوں میں ہونیوالی ترقی کا حال پیش کیا جا رہا ہے-

زراعت

1950ء کے بعد پانچ سال تک زراعت کے فروغ کی شرح 3ء1 فیصد دکھائی دیتی تھی- مگر دوسرے منصوبے کے دوران یہ بڑھ کر 3ء4 فیصد کی شرح پر پہنچی- اس سلسلے میں 10 لاکھ ایکڑ سے بھی زیادہ اراضی کو آباد کیا گیا-

اس منصوبے میں زرعی وسائل کی ترقی کے لئے 342 کروڑ روپیہ رکھا گیا تھا- یعنی کل منصوبے کے اخراجات کا 14 فیصدی-

مغربی پاکستان میں ملتان اور داود خیل جبکہ مشرقی پاکستان میں فنجو گنج کے مقام پر کیمیائی کھاد بنانے کے کارخانے لگا دیئے گئے-

حکومت نے لائل پور (فیصل آباد) اور میمن سنگھ میں زراعتی یونیورسٹیاں قائم کیں-

پانی اور "طاقت" توانائی

2ء19 ملین ایکڑ سے زیادہ زمینوں کو آبپاشی کی سہولتیں مہیا کرنے کا انتظام ہو گیا اور 8ء06 ملین ایکڑ اراضی کو بہتر بنا دیا گیا- (بجلی کی) طاقت پیدا کرنے کے لئے نصب شدہ صلاحیت 882 میگاواٹ سے بڑھ کر 1435 میگا واٹ تک پہنچی- بجلی کی کرنٹ 3100 دیہات تک وسیع کر دیا گیا-

تعلیم اور تربیت

منصوبے نے یہ تصور سامنے رکھا تھا کہ 15000 نئے ابتدائی سکول کھولے جائیں گے اور 9000 موجودہ اسکولوں کو بہتر بنایا جائے گا- ثانوی تعلیم کے مرحلے کے لئے تجویز کیا گیا تھا کہ 55 ثانوی مدرسے جاری کئے جائیں گے- 55 اعلیٰ ثانوی مدرسے قائم ہوں گا اور 178 ہائی سکول بنائے جائیں گے- مجموعی طور پر یہ متہا بھی کامیابی کے ساتھ حاصل ہو گئے- تین انجینئرنگ کالج اور گیارہ پالی ٹیکنیک ادارے بنے- لاہور اور ڈھاکہ کے انجینئرنگ کالجوں کا درجہ بڑھا کر انہیں یونیورسٹیاں بنا دیا گیا-

صحت

منصوبے میں صحت عوام کے سلسلے میں مجموعی رقمی تخصیص 360 ملین روپے کی رکھی گئی تھی- جو متجاوز بھی ہو گئی-

تین نئے میڈیکل کالج قائم ہوئے- بقول سرکار مشرقی پاکستان کی ساری آبادی کو چیچک سے بچنے کے ٹیکے لگا دیئے گئے- انسداد تپ دق کے لئے 50

نئے شفاخانہ بنائے گئے۔ ہسپتالوں میں مریضوں کے پلنگ 28000 سے بڑھ کر 33,000 کی تعداد کو پہنچے سرکار کے مطابق اس منصوبے میں 2445 کروڑ روپے کی رقم ترقیات پر لگائی گئی۔

سرکار کے مطابق دوسرے منصوبے میں مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے درمیان معاشی عدم مساوات کو کم کرنے کے لئے کئی اقدام کئے گئے جو ذیل میں اس منصوبے کی مدت میں ترقیاتی مصارف تیزی سے بڑھتے رہے۔ بمقابلہ مغربی پاکستان کے۔

مشرقی پاکستان میں سرکاری دائرے کے اندر ترقیاتی خرچ 61-1960 میں 81 کروڑ روپے تھے اور 65-1964 میں 200 کروڑ کی زبردست رقم ہو گئی۔ جبکہ مغربی پاکستان میں اسی مدت کے دوران خرچ 117 کروڑ سے 200 کروڑ ہو گیا۔ چنانچہ ترقی کی شرح مشرقی پاکستان میں 147 فی صدی اور مغربی پاکستان میں 70 فیصدی رہی۔ بقول سرکار دوسرے منصوبے کے دوران مشرقی پاکستان میں اقتصادی ترقی کی رفتار بڑی حد تک تیز کر دی گئی۔ سرکاری اخراجات میں سال 60-1959 میں مشرقی پاکستان کا حصہ 31 فی صدی تھا۔ جو 64-1963ء میں 47 فیصد ہو گیا۔

سرکاری ذرائع کے مطابق دوسرے منصوبے میں صنعتی ترقی کا جو معیار رکھا تھا۔ وہ نہ صرف پورا ہوا بلکہ متعینہ اندازوں سے بھی زیادہ بڑھ گیا۔ اس منصوبے میں اخراجات کا تخمینہ 512 کروڑ رکھا گیا جبکہ کل خرچ جو صنعتی ترقی پر ہوا وہ 570 کروڑ تھا۔ جس میں 149 کو کروڑ پبلک سیکٹر اور 430 کروڑ پرائیویٹ سیکٹر پر خرچ ہوا۔ اس دوران صنعتی ترقی میں 15 فیصد سالانہ کے حساب سے ترقی ہوتی رہی۔

جاموشورو یونیورسٹی کی تحقیق کے مطابق دوسرے پنجسالہ منصوبے کے اعداد و شمار درج ذیل ہیں۔

منصوبے میں قومی آمدنی میں اضافے کے متھا 24 فیصد فی کس آمدنی میں اضافہ 12 فی صد، اشیائے صرف کی پیداوار میں 21 فی صد اضافہ، صنعتی پیداوار میں 60 فیصد، چھوٹی صنعتوں اور گھریلو صنعتوں میں 25 فیصد، اضافے کی متھا رکھا گیا۔ روزگار کے تین ملین نئے مواقع پیدا کرنے۔ قومی بچت میں 10 فیصد اضافہ، پس ماندہ علاقوں کی ترقی کے علاوہ بیرونی زرمبادلہ میں برآمدات کے ذریعے 3 فیصد سالانہ اضافے کا ہدف مقرر کیا گیا۔

اس منصوبے کا تخمینہ شعبہ وار درج ذیل ہے۔

نمبر شمار	شعبہ	ملین روپے	کل اخراجات کا فیصد
1	زراعت	3420	15 فی صد
2	پانی اور توانائی	4390	"19
3	صنعت	5120	"22.2
4	ایندھن اور معدنیات	1000	"4.8
5	مواصلات اور نقل و حمل ذرائع	4050	"17.6
6	مکانات اور آبادی	3410	"14.5
7	تعلیم اور تربیت	1050	"4.5
8	صحت اور فلاح عامہ	560	"2.4
کل		23000	"100.00

اس کل رقم میں سے 12400 ملین پبلک سیکٹر کے لئے 3800 ملین مخلوط اور 6800 ملین نجی شعبے کے لئے مختص کئے گئے۔

منصوبے پر عمل در آمد سے ہونیوالی ترقی کا جائزہ درج ذیل ہے۔

نمبر شمار	شعبہ	مقدار	Fact (1959-60)	منصوبہ	1964-65 میں تکمیل (1964/65)
1	زراعت				
	گندم	000 ٹن	3908	4329	4552
	چاول		9461	10164	11666
	دوسری غذائی اجناس		1182	1428	1378
	پٹ سن	14551	15921	17596	
	کپاس گانٹھیں		5554	7300	6693
	گنا		1657	2292	2347
	چائے		14105	20800	24604
	ملین پاؤنڈ		57	63.8	63
2	صنعتی پیداوار				
	نباتی گھی	000 ٹن	28	50	90
	چینی	""	84	300	312
	پٹ سن کی مصنوعات	""	250	380	380
	کاغذ اور گتا	""	53	105	116
	سیمنٹ	""	1027	2000	2000
	urea	""	9	176	180
	سوتی دھاگہ	ملین پاؤنڈ	402	520	520
	سگریٹ	ملین	8170	15000	18500
	قدرتی گیس ملین مکعب فٹ		22750	100000	62896
3	توانائی				
	موجودہ پیداواری صلاحیت	میگاواٹ	822	1400	1435
4	آبپاشی				
	irrigated area	ملین ایکڑ	1.8	2.44	2.81
	نئی زمین زیر آبادی کاری	"	2.57	7.3	8.55
	زمین کی بہتری	"	5.3	6.8	8.30
5	مواصلات اور ذرائع نقل و حمل				

نمبر شمار	شعبہ	مقدار Fad	(1959-60)	منصوبہ	1964-65 میں تکمیل (1964/65)
	ریل گاڑیاں	تعداد	227	317	413
	ویگنیں		49494	56787	59141
	بڑی سڑکیں	میل	9508	14520	13363
	بسیں	تعداد	10530	15625	17200
	ڈاکخانے	"	10261	11150	11800
	ٹیلی فون	"	73262	121000	129000
6	رہائش مکانات کی تعمیر				
	صدارتی پلاٹ	تعداد	150000	300000	350000
7	تعلیم و تربیت				
	پرائمری سکول	تعداد	44484	59684	63735
	پرائمری تک طلباء	ملین	5.2	7.0	7.3
	سیکنڈری سکول	تعداد	2819	3163	3930
	کالج	"	62	84	84
	یونیورسٹیاں	6	6	6	
	کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر طلباء	"	80000	150000	163000
8	صحت				
	ڈاکٹر	9200"	13000	15600	
	ہسپتالوں میں بستر	"	28000	36000	35500
	تپ دق کے کلینک	"	32	82	96
	میڈیکل کالج	"	5	9	12

تیسرا پنجسالہ منصوبہ

تیسرا منصوبہ مرتب کا زمانہ جب قریب آگیا۔ تو مرتبین کو خیال ہوا کہ ترقی کے لئے ضروری ہے کہ دور رس اور طویل المعیار منزلیں بھی سوچی اور طے کی جائیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے ایک "تناظری منصوبہ" تشکیل دیا گیا۔ 1965-85ء کی مدت کے لئے تھا۔ یہ 20 سالہ منصوبہ اس طریقے سے تشکیل دیا گیا کہ اس میں چار پنجسالہ مدتوں کے منصوبے پیوست و یکجا تار و پود کی حیثیت سے نظر آئیں گے۔

تناظری منصوبے میں ملک کے سامنے یہ منزلیں رکھی گئیں۔

(1) مجموعی قومی پیداور کو چار گنا بڑھایا جائے اور فی کس آمدنی کی اوسط 100 فی صد تک بڑھائی جائے۔

(2) تناظری منصوبے کی مدت کے تقریباً نصف حد پر پہنچ کر ملک میں مکمل روزگاروں کا اہتمام۔

(3) مشرقی اور مغربی پاکستان کی آبادیوں میں فی کس آمدنی کا حساب بالکل برابر لانے کی تدابیر۔

(4) ملک میں عام اور کل گیر صلاحیتِ نوشت و خواند

(5) غیر ملکی امدادوں پر بھروسہ بالکل ختم کر دیا جائے۔

تیسرا پنج سالہ منصوبہ اس تناظری منصوبے کی کڑی کا پہلا مرحلہ تھا۔ 1965ء میں ہونیوالی جنگ کی وجہ سے اس منصوبے پر نظرثانی کی گئی اور اس کی حکمت عملی بھی بدل دی گئی۔

منصوبے کے اہداف و مقاصد کے مطابق عمومی قومی آمدنی (جی۔ این۔ پی) میں 37 فیصد اضافہ ہونا تھا۔ ترقی کی اوسط شرح 6.5 مقرر کی گئی۔ فی کس آمدنی میں 35 فیصد اضافہ کی حد مقرر کی گئی۔ یہ کہ 55 لاکھ نئے روزگار وجود میں لائے جائیں گے۔ دونوں صوبوں کے درمیان عدم مساوات کو ختم کیا جائے گا۔ اسے ممکن بنانے کے لئے مشرقی پاکستان کی مجموعی آمدنی بقدر 40 فیصد تک اور مغربی پاکستان کی 35 فیصد تک پہنچائی جائے گی۔ بنیادی صنعتیں قائم کی جائیں گی۔ برآمدات میں اضافہ کیا جائے گا۔ تخمینہ لگایا گیا کہ منصوبے کے آخر تک غیر ملکی زرمبادلہ کی کمائی 3050 ملین روپے کی سطح سے بڑھ کر 1970 تک 4800 ملین روپے تک پہنچ جائے گی۔ یہ کہ زراعت کی شرح ترقی 3.4 فیصد سالانہ سے بڑھ کر 5 فی صد سالانہ پر پہنچائی جائے۔ اور منصوبے کے اخراجات کا 40 فیصد بالواسطہ یا براہ راست زراعت پر ہی لگایا جائے گا۔ خاندانی منصوبہ بندی کے لئے زبردست کوششیں کی جائیں گی۔ بین الاقوامی شرح خواندگی حاصل کی جائے گی۔

تیسرے پنجسالہ منصوبے کے اخراجات

سال	سرکاری شعبہ (ملین روپے) منصوبہ		نجی شعبہ (ملین روپے) منصوبہ		کل (ملین روپے) منصوبہ	
	اصل تخمینہ	نظرثانی تخمینہ	اصل تخمینہ	نظرثانی تخمینہ	اصل تخمینہ	نظر[ثانی] تخمی[نہ]
1964-65	4250	3970	3180	3390	7430	160
1965-66	4700	3420	3700	3600	8400	120
1966-67	53000	5000	4050	4000	93350	00
1967-68	6000	6000	4350	4300	10350	100
1968-69	6700	7100	4800	4800	11400	00
1969-70	7300	8480	5200	5200	12500	00
1965-70	30000	30000	22000	22000	52000	00

سرکاری شعبہ میں اخراجات۔ (ملین روپوں میں)

نمبر شمار	شعبہ	اصل منصوبے میں	%	نظرثانی شدہ	%

		مختص کردہ رقم		منصوبے میں مختص	
		مئی 1965	فی صد	رقم۔ دسمبر 1966ء	فی صد
1	زراعت	4670	13.5	4115	13.2
2	پانی اور توانائی	8400	24.4	8047	26.0
3	صنعت	4470	13.0	3513	11.3
4	ایندھن اور معدنیات	690	2.0	592	1.9
5	مواصلات اور رسل و سائل	6460	18.7	6711	21.7
6	مادی بہتری و رہائشی مکانات Physical Planning of Housing.	3025	8.8	2477	8.02
7	تعلیم و تربیت	2730	7.9	2374	7.6
8	صحت	1330	3.8	1175	3.8
9	سماجی فلاح	125	0.4	90	0.3
10	افرادی قوت	100	0.3	86	0.3
11	عام اخراجات	2500	7.2	1820	5.9
کل		34500	100.00	31000	100.00
	خسارے میں کمی	4500		1000	

جیسا کہ اعداد و شمار سے ظاہر ہے۔ منصوبے کی کل رقم 52000 ملین روپے تھی جس میں سے 30000 ملین نجی شعبہ کے لئے مختص کی گئی تھی سرکاری شعبہ میں 16500 ملین (55 فیصد رقم) روپے ملکی ذرائع سے حاصل ہونے تھے جبکہ 13500 ملین (45 فیصد) روپے بیرونی ذرائع سے حاصل ہوتے تھے۔ نجی شعبہ میں 18000 ملین مقامی بچتوں سے جبکہ 4000 ملین بیرونی سرمایہ داروں سے حاصل ہونے تھے۔

نظرثانی شدہ منصوبے میں سرکاری شعبے کے لئے مختص رقم میں 10 فیصد کی کمی کر دی گئی۔ صنعتی شعبہ کے اخراجات میں 19 فیصد کمی کر دی گئی۔ بھاری صنعتوں کے قیام کے علاوہ برآمدی اشیاء کی پیداوار بڑھانے کے فیصلہ کیا گیا تاکہ زرمبادلہ بچایا جا سکے۔ صحت اور تعلیم کے لئے مختص رقم میں کمی کردی گئی۔ نئی تعمیر کا کام آہستہ ہو گیا۔ رہائشی مکانات اور مادی منصوبہ بندی کے منتہا بھی بدل دیئے گئے۔

اس منصوبے میں دونوں صوبوں کے (Physical Planning) درمیان عدم مساوات ختم کرنے کے لئے اقدامات کئے گئے۔ لہٰذا مشرقی پاکستان میں ترقیاتی کاموں کے لئے 27000 ملین روپے جبکہ مغربی پاکستان 25000 ملین روپے رکھے گئے۔

تیسرے پنجسالہ منصوبے پر عمل درآمد

نمبر شمار	شعبہ	مقدار	Fact (1964-65)	منصوبہ بندی (1969-70) کیلئے	تکمیل میں
1	زراعت				
	گندم	000 ٹن	17596	21465	22466
	گنا	"	24604	28300	26378
	پھل اور سبزیاں	"	4450	5815	6736
	کپاس	000 گانٹھیں	2347	3520	3015
	تمباکو	ملین پاؤنڈ	233	273	365
2	صنعت				
	کھانڈ	000 ٹن	312	640	610
	سگریٹ	تعداد (ملین میں)		18500	:370 30000
	سوتی دھاگہ	ملین پاؤنڈ	520	720	700
	سیمنٹ	000 ٹن	2000	6000	2656
3	پانی				
	قابل کاشت زمین	ملین ایکڑوں میں	27.0	32.7	35.0
	دستیاب پانی	ملین فٹ	68.0	91.0	90.0
4	توانائی				
	موجودہ پیداواری صلاحیت	میگاواٹ	1435	2888	2593
	دیہاتوں کو بجلی کی فراہمی	تعداد (نمبروں میں)			7 9087 3087
5	مواصلات اور ذرائع رسل و رسائل				
	معیاری شاہراہیں	میلوں میں	13363	15700	14950
	جہاز	تعداد	52	60	66
	ٹیلی فون	"	129000	285000	202000
	ڈاکخانے	"	11800	13800	14300
6	مادی منصوبہ بندی اور رہائشی مکانات				
	رہائشی پلاٹوں کا قیام و ترقی	تعداد		150000	350000
	سرکاری و نیم سرکاری اور نجی شعبہ میں گھروں کی تعمیر		150000	292500	280000
	نل اور ٹیوب ویل	"	148000	200000	165000
7	تعلیم اور تربیت				
	پرائمری سکول	تعداد	63735	108050	70040
	پرائمری سطح تک بچے	ملین میں	7.3	13.1	10.5
	سیکنڈری سطح تک بچے		0.4	2.0	0.77
	پولی ٹیکنیک اداروں میں سالانہ داخلوں کی گنجائش	000	8.30	50.00	7.6
8	صحت				
	ڈاکٹرز	تعداد	15600	19800	21452

	نرسیں	"	3600	5400	5400
	لیڈی ہیلتھ وزیٹرز	"	1047	2750	2143
	ہسپتالوں میں بستر	"	35500	48300	39023
	دیہی مراکز صحت	"	200	860	255
9	سماجی بہبود				
	کل منصوبے	تعداد	190	549	488

تیسرے منصوبے کی تکمیل کے دوران ملک کو کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مثلاً جولائی 1965ء میں "امداد کے کنسوریشم" کا اجلاس ہونا تھا۔ جو ملتوی ہو گیا اور موقع پر امداد نہ مل سکی۔ پھر بھارت سے جنگ نے بھی اخراجات پر اثر ڈالا۔ ایوب حکومت کے خلاف 68-1967 میں تحریک شروع ہو گئی۔ مزدوروں اور طلباء کی ہڑتالیں ہوئیں۔ پھر نامناسب موسمی حالات کی وجہ سے اشیاء خوردونوش کی کمی کا سامنا کرنا پڑا اور بیرونی زرمبادلہ کا بڑا حصہ اشیائے خوردونوش کی درآمد پر خرچ ہو گیا۔

اس منصوبے میں بیرونی زرمبادلہ کی آمد کم رہی۔ کل 12740 ملین روپے کا بیرونی زرمبادلہ حاصل ہوا جو کہ منصوبے کے اخراجات کا 37 فیصد بنتا تھا۔ جبکہ دوسرے منصوبے کے دوران 46 فیصد رقم زرمبادلہ سے حاصل ہوئی تھی۔ ملک میں بیرونی سرمایہ کاری بھی کم رہی۔ جو دوسرے منصوبے کے 40 فیصد کی بجائے 34 فیصد کی شرح تک رہی۔ بیرونی امداد بھی کم ملی۔

سرکاری شعبے پر منصوبے میں طے شدہ 30000 ملین روپے کی بجائے 21750 ملین روپے خرچ ہوئے۔ آبپاشی اور پانی کی فراہمی پر طے شدہ رقم کا 67 فیصد خرچ ہوا۔ اس منصوبے کے دوران 2.72 ملین ایکڑ مزید زمین قابل کاشت بنائی گئی۔

مخلوط اور نجی شعبہ میں طے شدہ 1488 ملین روپے کی بجائے 1150 ملین روپے خرچ ہوئے۔ رسل و رسائل کی بہتری کے لئے طے شدہ رقم کا 60 فیصد خرچ ہوا۔ مواصلات پر طے شدہ 3900 ملین کی بجائے 1488 ملین خرچ ہوئے۔ پورے منصوبے کے دوران نجی شعبے پر اخراجات میں کمی ہوئی۔

پاکستان کے دوسرے پانچ سالہ منصوبے کی اساس

ڈان' کراچی' 23 مارچ 1960ء

کسی قوم کی اقتصادی ترقی کا طویل المیعاد منصوبہ اس کی مثالی اجتماعی اور انفرادی زندگی کے تصور کے پس منظر میں اس کے اقتصادی نصب العین کے خدوخال کی نشاندہی کرتا ہے۔

پاکستان کے دوسرے پانچ سالہ منصوبے پر عمل درآمد شروع ہونے والا ہے۔ اس منصوبے کا حقیقت پسندانہ اور تفصیلی جائزہ لینے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے قوم کے سیاسی شعور اور اخلاقی اقدار و نظریات کو ذہن نشین کیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ ان نظریات و اقدار اور اقتصادی نصب العین میں کیا رشتہ ہے۔ اس خاص منصوبے خصوصیات اس وقت تک متعین نہیں کی جا سکتیں۔ جب تک کہ اس نظام زندگی کا جواز مہیا نہ ہو جو اس منصوبے کی بنیاد ہے اور جس کی تشکیل اس منصوبے کی مزید غرض و غایت ہے۔

اگر اہم پیداوار کے مثالی طریقوں کو اشتراکی نقطۂ نظر سے دیکھیں گے تو ہم اس منصوبے پر صاد نہیں کر سکیں گے۔ نہ ہی یہ منصوبہ ملکیت اور تقسیم کے سوشلسٹ اصولوں پر پورا اترے گا۔ علاوہ ازیں یہ منصوبہ مکمل آزادانہ معیشت کے اصولوں سے بھی مطابقت نہیں رکھتا۔

مندرجہ بالا تینوں نظریوں کے حامی ہمارے نقطۂ نظر سے اختلاف کریں گے اس لئے میں یہ کہوں گا کہ پاکستان کی اقتصادی منصوبہ بندی کا تجزیہ حکومت کی ترقیاتی پالیسی کی روشنی میں کرنا چاہئے۔ اس کے بغیر یہ منصوبہ حقیقت پسندانہ' صحیح اور اہم معلوم نہیں ہو سکتا۔

اقتصادی ترقی کی جہت' رفتار' تنظیم اور ترقی کے مختلف مراحل میں ترجیحات کا تعین قومی امنگوں اور آرزوؤں کے پس منظر میں ہی کیا جا سکتا ہے اور قومی امنگوں میں اقتصادی خود کفالتی کی خواہش کے علاوہ آزادی خیال' پیشہ اور سکونت کے انتخاب کی آزادی بھی شامل ہے۔

جب انسان کی مختلف امنگوں کو تعمیری افعال کے سانچے میں ڈھالا جاتا ہے تو یہ افعال مقاصد کے تصادم کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ہر مقصد دوسرے مقصد سے ترجیح کا طالب ہوتا ہے۔ لوگ مختلف اقدار و نظریات کے سلسلے میں مختلف امنگوں کے دباؤ کے تحت جس شدت سے رد عمل کا اظہار کرتے ہیں وہ بھی مختلف درجوں کا ہوتا ہے۔

اقتصادی منصوبہ بندی اور اقتصادی مقاصد کا تعین کرنے والا تمام انسانی افعال میں صرف اقتصادی عوامل کو کارفرما دیکھتا ہے۔ مذہب پرست انسانی افعال کو مشیت الٰہی پر محمول کرتا ہے۔ آزاد معیشت پر یقین رکھنے والے فرد کی اقتصادی زندگی کو ہر طرح کی مداخلت سے پاک تصور کرتا ہے۔ گویا ہر فرد کی سوچ کسی نہ کسی نظریہ' یقین یا تصور کی تابع ہوتی ہے۔ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ ہم ایسی زندگی گزاریں جو اس کے نظام اقدار پر مبنی ہو اور اس کے تصور معیشت سے مطابقت رکھے۔

ہمارے خیال میں ہمارا دوسرا پانچ سالہ منصوبہ نہایت حقیقت پسندانہ اساس رکھتا ہے۔ میں اس اساس کے عناصر کی وضاحت کرتا ہوں۔

اس ضمن میں جو پہلی اور اہم بات زیادہ قابل غور ہے' وہ ہے انسان کی آزادی کا لازمی اعتراف۔ انسان ہر اس قدر کے خلاف رد عمل ظاہر کرتا ہے جو اس کی آزادی پر اثر انداز ہو۔ دوسرے منصوبہ کی اساس اسی اعتراف پر ہے۔ اس منصوبہ میں سرمایہ کاری کی جن ضرورتوں کا حساب لگایا گیا ہے' ان کے لئے درکار سرمایہ کا 65 فیصد نجی بچتوں کی بنیاد پر اکٹھا ہو گا۔

اس منصوبہ میں افراد کو ان کی صلاحیت اور اہلیت کے مطابق کام کرنے کی اجازت دینے کی اہمیت کا اعتراف و احساس ہے۔ حکومت کی خواہش ہے کہ لوگوں پر کوئی سخت اقتصادی یا سماجی نظام عائد کرنے کی بجائے عوام کی اکثریت کو اپنی مرضی سے کام کرنے کا موقع دیا جائے۔

یہاں اس نظام کے حق میں کچھ کہنا بے محل نہ ہو گا کہ ہماری معیشت جزوی طور پر آزاد معیشت ہے اور یہ اس وقت تک آزاد رہے گی جب تک لوگ اس کا ڈھانچہ بدلنا نہ چاہیں گے۔ یہ امر شک و شبہ سے بالا ہے کہ جس معاشرے کی حیثیت آزاد معیشت کے اصولوں پر استوار ہو وہاں شخصیت اور صلاحیتوں کے فطری فروغ اور ترقی کے زیادہ مواقع حاصل ہوتے ہیں اور افراد کو ترقی کے لئے تہذیب کے ثمرات میسر ہوتے ہیں۔

کارل مارکس نے بہرحال اس نظریہ سے اختلاف کیا ہے۔ اس کا نظریہ یہ ہے کہ آزاد معیشت اور صنعتی معاشرے میں دولت لازماً" چند ہاتھوں میں مرتکز ہو کر رہ جاتی ہے اور کارکن طبقہ زبوں حال ہو جاتا ہے۔ بالآخر طبقاتی کشمکش کا آغاز ہوتا ہے۔ امریکہ میں اقتصادی عمل کے نتیجہ میں ذرائع پیداوار بڑی بڑی کارپوریشنوں کی تحویل میں چلے گئے۔ ان کارپوریشنوں میں چند افراد کا قبضہ نہیں ہے بلکہ لاکھوں افراد ان کے مالک ہیں۔ اس نظام سے حاصل ہونے والے فوائد اتنے واضح اور معروف ہیں کہ یہاں انہیں بیان کرنا ضروری نہیں۔ ان فوائد نے امریکہ کو ساری دنیا کے لئے قابل رشک بنا دیا ہے۔ پاکستان امریکہ کے اقتصادی امور سے بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ وہ ترقی کے ان ہی خطوط پر چلے۔

ہمارے دوسرے پانچ سالہ منصوبہ کی اساس میں موجود عناصر میں سے دوسرا عنصر سرکاری شعبہ کی ضرورت اور ذمہ داری ہے۔ واپڈا اور صنعتی ترقیاتی کارپوریشن ایسے ادارے انتظامی اور اقتصادی ماہرین نے تیار کئے ہیں اور یہ ادارے حکومت کی مرضی اور پشت پناہی کے باعث جلد بہتر نتائج پیدا کر سکتے ہیں۔ نجی سرمایہ کار اپنے محدود وسائل کے باعث جلد بہتر نتائج نہیں دکھا سکتا۔ پاکستان جیسے کم ترقی یافتہ ملک میں نجی شعبہ کی مساعی کو تقویت پہنچاتا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ اس طرح کے اداروں کو اپنی سرگرمیاں متعینہ دائروں میں محدود رکھنی چاہئیں اور نجی شعبہ کو یہ موقع دینا چاہئے کہ وہ اپنی کارکردگی دکھائے اور باقی ماندہ خلا کو پر کرے۔

اس بنا پر ہمارے دوسرے پانچ سالہ منصوبہ جیسے منصوبے نجی اور سرکاری شعبوں کی ضرورتوں کو یکجا کرتے ہیں۔ سردست جزوی سرکاری اور جزوی نجی سرمایہ کاری ہی مسئلہ کا بہترین حل ہے۔ اس طرح سرمایہ رکھنے والے نجی سرمایہ کاروں کو قومی پیداوار میں حصہ لینے کا موقع ملتا ہے اور حکومت بھی سرکاری شعبوں کے ذریعے اپنا کردار ادا کر سکتی ہے۔

دوسرے پانچ سالہ منصوبے کی تیسری خصوصیت اور زراعت کی ترقی پر زور ہے۔ بالخصوص سرکاری شعبوں میں صنعتی ترقی پر زور کسی حد تک کم کر کے زراعت کو ترجیح دی گئی ہے۔ بھاری اور درمیانی صنعتوں پر زور کم کر کے زراعت کو اہمیت دینے کے مسئلہ پر خاصی تنقید ہوئی ہے جو دیانتداری پر مبنی ہے۔ اس تنقید کی وجہ ترجیحات کی تقدیم و تاخیر ہے۔ منصوبہ میں تمام بیرونی اور اندرونی کمزوریوں کا خیال رکھا گیا ہے اور یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ صنعت اور زراعت کو ہروقت یکساں اہمیت نہیں دی جا سکتی۔

زراعت کو ترجیح دیتے وقت بہت سوچ بچار اور بحث و تمحیص ہوئی تھی۔ پاکستان جیسے کم ترقی یافتہ ملک کے لئے خوراک میں خودکفالتی لازمی ہے۔ اس کے بغیر زرمبادلہ ضائع ہوتا ہے بلکہ دوسرے ملکوں پر انحصار میں اضافہ ہوتا ہے۔ زرمبادلہ کے بغیر ملکی معیشت کی ترقی ممکن نہیں۔

مکمل طور پر صنعتی ملکوں کی صورت حال مختلف ہے۔ بعض مغربی ممالک خوراک میں خود کفیل نہیں لیکن وہ صنعتی ترقی یافتہ ہیں' اس لئے خطرات سے محفوظ ہیں۔ ان کی خوراک کی قلت ان کی کمزوری نہیں ہے کیونکہ وہ صنعتی طور پر ترقی یافتہ ہونے کی وجہ سے جوابی اقدامات کر سکتے ہیں۔ لیکن پاکستان میں ابھی اس قسم کی ترقی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جس سے مغربی ممالک بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ ان حالات میں ہمیں زراعت کی ترقی پر خاص توجہ دینی ہو گی۔

ہمیں نہ صرف زرعی پیداوار بڑھانی ہے بلکہ سیلاب اور بیماریوں سے پہنچنے والے نقصانات سے بچنے کا بھی انتظام کرنا ہے۔ ہم خوراک میں خودکفیل ہو سکتے ہیں اور یہ اس وقت ممکن ہے جب ہم زراعتی ترقی اور پیداوار کے لئے درکار صحیح طریقے اختیار کریں۔ ہمیں تمام قوتیں اسی میدان میں صرف کرنی چاہئیں۔ ہمیں سیم و تھور زدہ زمین کو دوبارہ قابل کاشت بنانا ہو گا۔ بنجر زمینوں کے وسیع قطعات اور بندوں اور نہروں کی تعمیر کے ذریعہ زرخیز بنانے ہوں گے۔

زراعت کے میدان میں قابل ذکر نتائج حاصل کرنے کے لئے اسے ایک صنعت کا درجہ دینا ہو گا۔ صنعتوں کو جو مراعات دی گئی ہیں جیسے ٹیکسوں میں چھوٹ وغیرہ وہ زراعت کو بھی دینی چاہئیں۔ اگر صنعت کے میدان میں زیادہ پیداوار کا محرک منافع ہے تو زراعت کے میدان میں یہ محرک کیوں نہیں بن سکتا؟ ملک کو زرعی لحاظ سے خود کفیل بنانا ضروری ہے اور ایسا کرنے کے لئے کاشتکاری کو پرکشش ترغیب دینا لازمی ہے۔

یہ بات بھولنی نہیں چاہئے کہ ہماری اسی فیصدی آبادی کا انحصار زراعت پر ہے۔ زراعت کی ترقی کا مقصد آبادی کی اکثریت کی ترقی ہے۔ پاکستان صنعت کی ترقی کے لئے محدود وسائل رکھتا ہے اسے ایشیا کا ڈنمارک بنانے کی کوشش کرنی چاہئے نہ کہ ایشیاء کا جرمنی۔ ایک جرمن مؤرخ نے ایک بار کہا تھا:

"اگر خدا فولاد کا بنا ہوا ہے تو میں اس پر ایمان لاتا ہوں۔" ہمارے ہاں لوہا' فولاد' تابنا' کوئلہ اور دوسری دھاتیں کہاں ہیں؟ جب تک ہمیں تیل

دستیاب نہیں ہوتا' ہماری کپاس ہمارا فولاد ہے اور ہماری پٹ سن ہمارا تیل۔ ہم چراگاہوں کے باشندے ہیں اور ہمیں اس پر فخر کرنا چاہئے۔ زراعت ہی ہماری بنیاد ہے اور ہمیں اس پر انحصار کرنا چاہئے۔ ہم نے اسے طویل عرصہ تک نظرانداز کئے رکھا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ صنعت کی توسیع روک دی جائے' بلکہ صنعت کو وسعت دینے کی کوشش تیز تر کر دینی چاہئیں۔

تاہم زراعت کو ضروری ترجیح ملنی چاہئے۔ ہم زرعی خام مال ہی سے قیمتی زرمبادلہ حاصل کرتے رہے ہیں اور زرمبادلہ کے بغیر نہ صنعتی ترقی ممکن ہے نہ زرعی۔ کیونکہ زراعت کے میدان میں جلد انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے اور زراعت ہی ہماری بڑی صنعت ہے۔ اس طرح ہم زیادہ زرمبادلہ کما سکتے ہیں۔ لہٰذا زراعت کی ترقی پر زور دینے میں زیادہ فائدہ ہے۔

یہ لازمی امر ہے کہ نجی شعبہ ایسی صنعتوں پر توجہ دے جو زراعت کے لئے ضروری ہیں۔ نجی سرمایہ کاروں کے اپنے مفاد میں ہے کہ وہ زرعی آلات تیار کریں اور انجینئرنگ کے کام کی گنجائش پیدا کریں اس طرح وہ ان اشیاء کی طلب اور سروسوں میں اضافہ کر سکتے ہیں کیونکہ زراعت ان اہم اقدامات کی مدد سے ترقی کرتی ہے جن کا دوسرے پانچ سالہ منصوبے میں احساس اور اعتراف موجود ہے۔

زراعت پر بھی اتنی ہی خصوصی توجہ دی جانی چاہئے جتنی رہائشی مسئلہ اور سماجی بہبود پر دی جاتی ہے۔ خوراک' رہائش اور مناسب لباس انسان کی بنیادی ضرورتیں ہیں اور جدید سہولتوں کے بارے میں سوچنے سے پہلے ان ضرورتوں کی تکمیل لازمی ہے۔ زراعت کی ترقی سے عام آدمی کو سستے داموں زیادہ سے زیادہ خوراک مل سکے گی۔ اس کی رہائشی ضرورتوں پر بھی مناسب توجہ دی جا رہی ہے۔ ولیج ایڈ اور قومی ترقیاتی تنظیم کے ذریعے سماجی بہبود کا کام تکمیل پائے گا۔

نئے پانچ سالہ منصوبے کا چوتھا پہلو ٹیکسوں کی رقم کی مد میں ایک ارب روپے کا اضافہ ہے۔ منصوبے میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ اضافی ٹیکس ان لوگوں پر عائد ہو گا جو اسے ادا کرنے کی سکت رکھتے ہیں۔

اس وقت تک زراعت کو نظرانداز کر کے صنعت کو پرکشش مراعات دی جاتی رہی ہیں۔ اگرچہ پاکستان ایک زرعی ملک ہے اور اس کے زرمبادلہ کا نوے فیصد حصہ زرعی پیداوار ہی کے عوض ملتا ہے۔ لیکن اس بنیادی صنعت کو بری طرح نظرانداز کیا گیا ہے۔ زراعت کی قیمت پر صنعت کو غیر محدود عرصے تک تحفظات اور امداد دیتے رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ٹیکسوں کی مد میں ایک ارب روپے کا اضافہ کر دینے سے صنعتی ترقی پر برا اثر نہیں پڑ سکتا اگر ٹیکسوں کا بوجھ صنعتی سیکٹر پر ڈال دیا جائے۔

ٹیکسوں میں فیصد اضافہ سے ترقی لازمی طور پر متاثر نہیں ہوتی۔ اس دور میں بڑی صنعتیں کارپوریشنوں کی ملکیت ہیں۔ کارپوریشن کے قانونی لحاظ سے وہی حقوق و فرائض ہوتے ہیں جو فرد واحد کے ہوتے ہیں۔ فرد واحد کارپوریشنوں کی شکل اختیار کر کے "سستا" زیادہ دولت جمع کر لیتا ہے۔ مجموعی آمدنیوں پر ستر اسی فیصد ٹیکس عائد کرنے کے باوجود' جو کروڑوں اربوں روپے تک پہنچ جاتا ہے منافع کی کشش ختم نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر تیل کمپنیوں کے ڈائریکٹروں اور دوسرے عملے کو بڑی بڑی تنخواہیں ملتی ہیں۔ صنعتی ترقی کی کوئی حتمی حد نہیں ہے۔ صنعتوں کو اندرون ملک اور بیرون ملک منڈیاں میسر ہوتی ہیں۔ اس کی آمدنی میں اس کی ترقی کے تناسب سے اضافہ ہوتا ہے۔

زراعت کے شعبے میں اس نوع کے حالات نہیں ہوتے۔ زراعت کے میدان میں سرمایہ کاری محدود ہوتی ہے۔ زراعت کو سیلاب' کیڑوں مکوڑوں' سیم اور تھور وغیرہ کے خطرات لاحق رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں پندرہ بیس سال بعد زراعت کو معمول کے اقتصادی بحران کا سامنا کرنا پڑتا ہے' جو زراعت کو شدید طور پر متاثر کرتا ہے۔ اس کے برعکس صنعت کو صرف ہڑتالوں کا خطرہ درپیش ہوتا ہے۔ صنعتی پیداوار اور اس کی فروخت اور منافع روزانہ کے لین دین کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ صنعتکار پیداوار کو مانگ سے ہم آہنگ کر کے ہڑتالوں سے ہونے والے نقصان کو پورا کر سکتا ہے' لیکن جب کاشتکار پر آفت آتی ہے تو اسے فصل کے اگلے موسم سے پہلے سنبھلنے کی کوشش کرنے کا موقع نہیں ملتا۔

محدود آمدنیوں پر انکم ٹیکس کی شرح میں اضافہ سے ترقی بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ ان تمام کوائف اور مشکلات کے باوجود صنعت کی طرف سے یہ مطالبہ کیا جاتا رہا ہے کہ ٹیکسوں کا بوجھ زراعت پر ڈالا جائے۔

زرمبادلہ کی فراخدلانہ بیرونی امداد زیادہ بیرونی امداد اور قرضوں کی توقع دوسرے پانچ سالہ منصوبے کی اساس کا پانچواں پہلو ہے۔ آسانی سے دستیاب ہونے والے زرمبادلہ کی ضرورت محتاج بیان نہیں۔ میں اس مسئلہ پر زیادہ وضاحت سے اظہار خیال کرنا چاہتا ہوں کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں سے منصوبے کے متاثر ہونے کا امکان ہے۔ اب میں جو کچھ کہوں گا وہ بظاہر اس مضمون کی اصل روح سے ہٹ کر ہو گا لیکن بیرونی قرضوں اور امداد اور ان کے حصول کے طریق کار کا احتیاط سے تجزیہ ایک لازمی امر ہے تاکہ صحیح صورت حال واضح ہو سکے۔

اصل معاملہ یہ ہے کہ ہمارے پاس زرمبادلہ کے حصول کے ذرائع بہت محدود ہیں۔ ہم جن چیزوں کے عوض زرمبادلہ حاصل کرتے ہیں وہ ہیں پٹ سن' کپاس' اون' چمڑہ کھالیں اور ادنیٰ قسم کی چائے' اور یہ تمام کی تمام بنیادی اشیاء ہیں۔ ان کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ ہم اپنا نوے فیصد زرمبادلہ انہیں سے حاصل کرتے ہیں۔ ہماری صنعتی ترقی کی بنیاد دو خام اشیاء پر ہے یعنی پٹ سن اور کپاس۔ بونس سکیم کے تمام تر فوائد کا باوجود صنعتی ترقی ابھی ابتدائی مراحل میں ہے۔ تمام تیار مصنوعات اور نیم تیار مصنوعات سے دس ماہ کے عرصہ میں جو زرمبادلہ حاصل ہوا ہے وہ صرف چالیس کروڑ روپے کا ہے۔ یہ

صورت حال اگرچہ اچھی ہے لیکن بحیثیت مجموعی غیر تسلی بخش ہے۔

دوسرے منصوبے میں زرمبادلہ کو قلو پطرہ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس منصوبے کی کامیابی کا انحصار اس امر پر ہے کہ یہ زرمبادلہ کے حصول کا باعث بنے نہ کہ زرمبادلہ کا محتاج۔ اوپر جن بنیادی اشیاء کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کو مشکلات درپیش ہیں۔ پٹ سن کی مانگ میں عرصہ سے کوئی اضافہ نہیں ہوا اور منڈیوں میں پٹ سن کی جگہ' کاغذ کے تھیلے لے رہے ہیں۔ کپاس سے متعلق مشکلات کا ذکر یہاں حاصل ہے۔ اس وقت امریکہ اعلیٰ درجہ کی روئی کی پچاس لاکھ گانٹھیں برآمد کرنے کا ارادہ کر سکتا ہے اور اس برآمدی پروگرام کو امدادی برآمدی پروگرام بنایا گیا ہے۔ مقابلہ بڑا سخت ہے ہم کو نہ صرف اندرونی مجبوریاں درپیش ہیں بلکہ بیرونی بھی ہیں۔

ترقی پذیر ملکوں کی اقتصادی ترقی کی اہم ترین ضرورت معقول سرمایہ کاری کی فراہمی ہے۔ اندرونی بچتوں کی شرح بہت کم ہے جو تھوڑی بہت بچتیں ہیں وہ آبادی میں بے تحاشہ اضافہ کی نذر ہو رہی ہیں۔ ہماری مشکلات میں اضافہ ہو رہا ہے اور ہمارے مسائل بڑھ رہے ہیں۔ اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ہمیں بین الاقوامی امداد کے علاوہ زرمبادلہ کی بھی ضرورت ہے۔ ہم زرمبادلہ بھی کما سکتے ہیں جب ہمیں اپنی پیداوار کی معقول قیمت ملے۔ صرف اس صورت میں ہم اپنی ترقی میں خود حصہ لے سکتے ہیں۔ اپنی استعداد بڑھانے کا انحصار زرمبادلہ پر ہے۔ یہ امر تشویشناک ہے کہ گزشتہ سالوں میں ہمارے زرمبادلہ کی آمدنی میں بہت کمی واقع ہوئی ہے۔

58-1957ء میں بنیادی اشیاء کی قیمتوں کی واقعہ ہونے سے ترقی پذیر ملکوں کے زرمبادلہ کی آمدن میں 8 فیصد کمی واقعہ ہوئی ہے۔ گویا ایک سال میں انہیں جو نقصان پہنچا ہے وہ بین الاقوامی بنک برائے تعمیر نو و ترقی کی طرف سے 67-1965ء کی سطح پر چھ سال میں ملنے والے قرضوں کے برابر ہے۔ اب تک ہمیں مختلف ذرائع سے جو امداد ملی ہے وہ اس نقصان کا نصف ہے جو بنیادی اشیاء کی قیمتیں کم ہونے سے ہوا ہے۔ اس وقت ہماری بنیادی اشیاء کی قوت خرید 49-1948ء کے مقابلے میں پچاس فیصد ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ بڑا تکلیف دہ اور مایوس کن ہے اس لے ہمیں حالات کے تقاضوں کے مطابق فوری طور پر عہدہ برآ ہونا ہے۔

پاکستان نے اسی مقصد کے تحت بڑی کامیابی سے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے چودھویں اجلاس میں اس مفہوم کی قرارداد پیش کی کہ ماہرین کی ایک کمیٹی بنیادی خام مال پیدا کرنے والے ملکوں کے مشورے سے ایک ایسا نظام قائم کرنے کا جائزہ لے جس سے بنیادی خام مال کی قیمتوں میں کمی سے ہونے والے خسارہ پورا ہو سکے۔ اگر اس سامان کی قیمتوں میں کمی کا سلسلہ جاری رہا اور مصنوعات کی قیمتیں بھی بڑھتی رہیں تو دوسرے منصوبے کے مقاصد کا حصول اور بھی مشکل ہو جائے گا۔

زرمبادلہ پیدا کرنے کی ہماری مشکلات کے ماسوا ہمیں ان پریشان کن رجحانات کے بارے میں بھی کچھ سوچنا پڑے گا جو بیرونی ملکوں سے قرضوں اور امداد کے حصول سے متعلق ہے۔ ہماری خارجہ پالیسی چونکہ واضح' مستقل اور اخلاقی طور پر صحیح ہے اس لئے بہت سے ملک ہمیں امداد دینے سے انکار کر رہے ہیں۔

"غیر جانبدار ممالک" دونوں ملکوں سے وابستگی کی بنا پر تمام ذرائع سے امداد حاصل کرنے کی پوزیشن میں ہیں۔ ہمارے ذرائع محدود ہیں اور اب یہ محدود ذرائع بھی ہم پر ایسی پابندیاں عائد کر رہے ہیں جو پہلے نہیں تھے۔ جب یورپ میں مارشل لاء پلان کا نفاذ ہوا تو امداد پانے والے ملکوں پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کی گئی تھی اور کم سے کم وقت میں ان کی معیشت کو بحال کرنے کی پالیسی اختیار کی گئی تھی۔

اس طرح اس وقت سابق صدر "ٹرومین" کا "نکتہ چار" پروگرام بھی مارشل لاء پلان کے اصولوں پر مبنی تھا۔ یہ بڑی بد قسمتی کی بات ہے کہ ہماری ترقی کے اس نازک مرحلہ میں امریکہ قرضے کے استعمال میں کچھ تبدیلیاں کرنی چاہتا ہے۔ خوشحال یورپی ملکوں کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ وہ امریکہ کی پالیسی کے نتیجہ میں امداد میں واقع ہونے والی کمی کو پورا کرنے کے لئے آگے بڑھیں۔

مغربی یورپ اور جاپان ایسا کریں گے یا نہیں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ یہ بات بھی غیر یقینی ہے کہ امریکہ کم ترقی یافتہ ملکوں کی ترقی میں یورپی ملکوں کو شریک کرنے کے لئے جو طریقہ اختیار کر رہا ہے وہ صحیح ہے یا نہیں یا اس کا مقصد کچھ اور ہے۔ امریکہ کے نائب وزیر خارجہ مسٹر ڈگلس ڈلس نے جو اقتصادی امور کے انچارج بھی ہیں' حال ہی میں یورپ کا دورہ کیا ہے تاکہ وہ یورپی ممالک کو یہ ذمہ داری قبول کرنے پر آمادہ کر سکیں۔ پاکستان جیسے ملکوں کی حقیقت یہ ہے کہ آئندہ بیس سالوں میں امنگوں کی بیداری اور توقعات میں اضافہ کے انقلاب کی آمد ہے اور کئی "نئے جاپان" پیدا کرنے کے لئے صنعتی ترقی کی منازل طے کرنے کا عمل ہے۔ ایشیا بے عملی کی کیفیت سے نکل چکا ہے اور جمود توڑ چکا ہے۔ اب اس براعظم کے لوگ سرگرم عمل ہیں اور بہتر زندگی کی آرزو رکھتے ہیں۔

تقریباً تمام سرکردہ مدبر اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ ایشیا امنگوں اور آرزوؤں کی موجودہ اقتصادی بیداری کے انقلاب کی زد میں ہے۔ امریکہ اور یورپ کی دولت یکجا ہو کر اس انقلاب کی ضروریات پوری کرنے کے لئے ناکافی ہوں گے بلکہ یہ ہے کہ اس مقصد کی تکمیل کے لئے دنیا کے آدھے امیر ملکوں کا تعاون حاصل کیا جائے۔ یہ تعاون اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس ذمہ داری میں یورپ بھی شریک نہ ہو یا جب تک امریکہ بھی یورپ کو اس ذمہ داری میں شرکت پر مجبور کرنے کے لئے محفوظ پالیسیاں اختیار نہ کرے۔

یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ نصف دنیا میں دولت امارت کے تیز رفتار اجتماع نے اسے اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ غریب ملکوں کی امداد کرے مزید برآں مصارف زندگی کم کرنے کی ضرورت کا تقاضہ یہ ہے کہ اپنے سے کم ترقی یافتہ ملکوں سے سستے خام مال کی درآمد میں اضافہ کریں لیکن اس کے برعکس بیرونی سرمایہ کاری خاص طور پر یورپ سرمایہ کی برآمد سے یہ کہہ کر نظریں چرا رہا ہے کہ خود ان کے اپنے ممالک میں اس سرمائے کی ضرورت ہے۔ امیر ملک اپنی درآمدات کم کر رہے ہیں اور کم ترقی یافتہ ملکوں میں سرمایہ کاری میں کمی کر رہے ہیں۔

ترقی یافتہ ملکوں بالخصوص امریکہ میں اقتصادی امور کی حد تک رجحان یہ رہا ہے کہ افراط زر پر قابو پانے کے لئے مالیاتی پالیسی کو سخت کر دیا جائے اور پھر اس پالیسی سے متاثر ہونے والے ملکوں کی امداد کے لئے پیداوار میں اضافہ کیا جائے۔ قیمتیں کم رکھنے کے لئے صنعتی ترقی کی رفتار پر کنٹرول عائد کرنا ہو گا۔ لیکن ساتھ ہی قیمتوں کو اونچی سطح پر رکھنے کے لئے زرعی یا سوتی کپڑے کی برآمدات پر پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔ اس صورت حال کو "نامعقولات کا پہلا مرحلہ" کہا گیا ہے۔

لندن کے جریدہ اکانومسٹ نے 12 دسمبر 1959ء کی اشاعت میں اس مرحلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے۔ "یورپی مشترکہ منڈی کے چھ ملکوں میں سیاسی اتحاد کی خواہش کے نتیجہ میں آزاد علاقائی تجارت کا فروغ ایک ایسا امر تھا جس سے ساری دنیا میں آزاد تجارت کو صحیح سمت ملنی چاہئے تھی۔ آزاد تجارت کے علاقے اسی طرح پھیلتے ہیں جس طرح خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے۔ باقی ماندہ یورپ میں اس صورت حال کا رد عمل آزاد روش کی صورت میں سامنے آیا ہے اور آزاد تجارت کا سات قومی آزاد تجارتی علاقہ اب قائم ہو چکا ہے اور بڑے کاروبار کے متعلق نقطہ نظر میں انقلابی تبدیلی آ رہی ہے۔

"کچھ عرصہ پہلے یہ صورت تھی کہ جو برطانوی بزنس مین تجارت کے بورڈ سے رجوع کرتا وہ اپنی صنعت کے تحفظ کا طالب ہوتا تھا۔ اب وہ آزاد تجارت پر زور دیتا ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ فرانس میں جرمن جن نسبتاً "کم برآمدی ٹیکسوں کے ساتھ اشیاء فروخت کریں گے تو اس کے مال کی مانگ لازماً متاثر ہو گی۔ اس طرح جرمن بزنس مین ڈاکٹر ایرابرڈ سے ملے گا' وہ اسکینڈے نیویا میں برطانوی تاجروں کی طرف سے مقابلے کے بارے میں ایسے ہی اندیشوں کا اظہار کرے گا۔

"یہ فرض کرنا معقول بات ہو گی کہ امریکہ میں بھی آزاد تجارت کے بارے میں ایسے ہی رجحانات پیدا ہوں گے مگر اندیشہ یہ ہے کہ شاید یہ ابتدائی رد عمل الٹ ہو۔ اگر یورپی ممالک ایک دوسرے کے خلاف ٹیرف کی پابندیاں نرم کر دیں تو شاید امریکہ ان پابندیوں کو اور سخت بنا دے اور ترجیحی سلوک کے خلاف اپنے ملک میں صنعتوں کو تحفظ دینے کی تدابیر کرے۔

"یہ نظریہ کہ یہ منطقی امر ہے کہ بڑھتے ہوئے مقابلے کے رد عمل کے طور پر درآمدات پر ٹیکس میں اضافہ کر کے اپنی برآمدات کا معاملہ ٹھیک کیا جائے اس دور سے تعلق رکھتا ہے جب سرمایہ دار ملکوں میں بے روزگاری عام تھی اور جب قیمتوں میں اضافہ کا مسئلہ موجود نہ تھا۔

"اب امریکہ اور یورپ کے لئے بہترین اقدام یہ ہو گا کہ وہ اپنی سالانہ امدادی رقوم کسی ایسی وسیع مرکزی تنظیم کے سپرد کریں جو ان رقوم کو ضرورت کے وقت پسماندہ ملکوں میں لچکدار بنیادوں پر تقسیم کر سکے۔ بلاشبہ کچھ رقوم سرمایہ کاری کے بعض خاص منصوبوں کے لئے مخصوص کی جائیں گی۔ لیکن ایسی تنظیم کا بنیادی کام یہ ہونا چاہئے کہ وہ زرمبادلہ کی ضرورت رکھنے والے ترقی پذیر ملکوں کی مدد کرے بشرطیکہ ان ملکوں میں زرمبادلہ کی کمی کی وجہ ان کی اندرونی پالیسی نہ ہوں۔

"موجودہ حد فاصل کی نوعیت یہی ہے۔

مسٹر ڈلن کے چھان بین کے دورے کا مثالی نتیجہ منصوبوں کی تشکیل ہو گا۔

(الف) ایشیا اور افریقہ میں امریکی و یورپی امداد کو لچکدار بنیادوں پر تقسیم کرنے کے لئے ایک نئے مرکزی فنڈ کا قیام (جس کا انتظام اس فنڈ کے منتظمین کے پاس ہو)۔

(ب) شرح محاصل میں تخفیف کے علم کا دائرہ وسیع کیا جائے جیسے ان دنوں دو مغربی یورپی گروپوں میں کیا جا رہا ہے اور جس طرح ساری دنیا کے ساتھ 'یورپ اور امریکہ کی تجارت میں کوٹا اور شرح محاصل کی پابندیاں نرم کر دی گئی ہیں۔ اسی طرح اس کو بھی اس کے ساتھ ہم آہنگ اور وسیع کیا جائے (اگرچہ ابتدا میں یہ عمل تیز رفتار نہ ہو گا)۔

"اس وقت جو مواقع موجود ہیں اگر ان سے صحیح فائدہ نہ اٹھایا گیا اور امریکہ نے امداد دینے میں یک طرفہ کمی کر دی تو اس سے نقصان دہ نتائج برآمد ہوں گے"۔

حالات کی اس پیشرفت میں زرمبادلہ کمانا یا ان گنجلک حالات میں بیرونی امداد نچوڑنا کوئی بہت بڑا کارنامہ نہیں ہے بلکہ چیئرمین منصوبہ بندی کمیشن کے الفاظ میں یہ ایک کمر توڑنے والی کوشش ہے۔ امداد کے حصول کی ایسی غیر یقینی صورت حال اور زرمبادلہ کمانے کے سلسلے میں اپنی استعداد کی کمی کے پیش نظر جو منصوبہ بھی مرتب کیا جائے لازمی طور پر سیدھا سادہ اور معقول ہونا چاہئے۔ تاہم اس کے ہلکے پھلکے ہونے کی صورت میں بھی اس پر عمل درآمد کے لئے زرمبادلہ کے حاصل ہونے کی کوئی یقینی ضمانت نہیں ہے۔ ممکن ہے اس پر عمل درآمد کے دوران ایسے عناصر ابھر آئیں جو ہمارے قابو سے باہر ہوں اور جو ہمارے اندازوں کو غلط ثابت کر دیں۔

پاکستان کے دوسرے پانچ سالہ منصوبوں کی اساس کا جائزہ لینے اور زرمبادلہ کے مسئلہ کی وضاحت کرنے کے بعد ہمیں اس کا بھی جائزہ لینا

چاہئے کہ اس منصوبے کا بنیادی مقصد کیا ہے۔ اس کا مقصد یقیناً یہ نہیں ہے کہ چارہ زیادہ پیدا کیا جائے یا چند سرکاری افسروں کو اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ ملک کے ایک حصے میں رہنے کے عادی ہو جائیں۔

بنیادی مقصد قومی آمدن میں اضافہ کرنا ہے مگر یہ بنیادی مقصد کیوں ہونا چاہئے؟ یہ بنیادی مقصد اس لئے ہے کہ ملک اور عوام کے تعلق سے یہ ہمارے فرائض میں داخل ہے کہ :

1- فی کس آمدن بڑھائیں۔
2- عام آدمی کی قوت خرید میں اضافہ کریں۔
3- عام آدمی کی سرمایہ کاری کی قوت بڑھائیں۔
4- عام آدمی کی بچت کی استعداد بڑھائیں۔

ان قوتوں کے ملغم سے ایک عام آدمی سیاسی' سماجی' ثقافتی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اقتصادی ترقی کرنے کے قابل ہو سکے گا۔ وہ قومی سرمایہ کاری میں حصہ لینے کے قابل ہو جائے گا اور صاحب جائداد بن جائے گا۔ اس طرح ملکی معیشت کی بنیاد زیادہ وسیع ہو جائے گی۔ ملک کے زرعی اور صنعتی اداروں سے زیادہ سے زیادہ پاکستانیوں کا مفاد وابستہ ہو گا۔ منصوبہ کا مقصد قومی آمدن بڑھانا ہے نہ کہ اس میں کمی کرنا اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ موجودہ رفتار کو تیز کر دیا جائے۔

تمام ملکوں میں اور ہر نظام میں بعض جغرافیائی اقتصادی اور تاریخی عوامل کے باعث کچھ خطے دوسروں سے زیادہ خوشحال ہو جاتے ہیں۔ امریکہ میں بھی ایسا ہی ہے اور روس میں بھی۔ ہمیں ملک کے کم ترقی یافتہ علاقوں کی ترقی پر اپنی توجہ مرکوز کر دینی چاہئے۔ لیکن یہ کام ترقی یافتہ علاقوں کی ترقی روکے بغیر ہی ہو سکتا ہے۔ کم ترقی یافتہ علاقوں کی ضروریات کا جائزہ پوری ہمدردی سے لینا چاہئے اور ان کی ترقی میں ہر ممکن مدد دینی چاہئے۔ لیکن ملک کے وسیع تر مفاد کے لئے ضروری ہے کہ ملک کے وسائل کو پیداواری مقاصد کے وسیع تر مفاد کے لئے ضروری ہے کہ ملک کے وسائل کو پیداواری مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے۔

ترقی کی مقامی ضروریات کی تکمیل کے لئے ولیج ایڈ اور اسی نوع کی دوسری ایجنسیوں سے مدد لی گئی ہے جن کا مقصد عوام کو اپنی مدد آپ پر ابھارنا اور جہاں کہیں بھی ضرورت ہو مالی امداد اور ماہرانہ مشورہ حاصل کرنا ہے۔ تجویز یہ ہے کہ اس نوع کی امداد فراخدلانہ طور پر کم ترقی یافتہ علاقوں کو زیادہ خوشحال علاقوں کے مقابلے میں ولیج ایڈ کی بھرپور سرگرمیوں کے ذریعے کی جائے۔

یہ منصوبہ بحیثیت مجموعی حقیقت پسندانہ ہے کیونکہ یہ مقامی حالات سے ہم آہنگ ہے۔ اس کا دائرہ محدود ہے۔ خرچ کی استعداد کا انحصار کمائی کی استعداد پر ہے۔ سرمایہ کاری کی قوت کا انحصار وسائل کو ترقی دینے اور کام میں لانے پر ہے۔ ہم اپنے کمانے کی استعداد بڑھا کر مصارف کی استعداد بڑھائیں گے۔

ماضی میں منزل مقصود کا شعور مفقود تھا۔ حصول منزل کے لئے جوش و جذبہ نہیں تھا' اس لئے یقینی کامیابیوں کے باوجود ہماری رفتار بہت سست تھی۔ منزل مقصود سے آگاہی' صحیح سمت' جوش و جذبہ اور استحکام کی موجودگی میں بعض اوقات یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کی جاتی کہ پاکستان جیسے ملک میں اقتصادی ترقی کی رفتاری ایک حد سے تیز نہیں ہو سکتی کیونکہ ہمارے وسائل محدود ہیں اور معیشت کا انحصار بیرونی ذرائع پر ہے۔ اگر ہم بجٹ میں توازن اور تناسب کو پیش نظر رکھیں تو ہم انتشار کا شکار ہو جائیں گے۔ ظاہری اور واضح تحدیدات کا باوجود تیز رفتاری ترقی کا سودا لازمی طور پر افراط زر پر منتج ہو گا اور افراط زر اپنی تمام لعنتوں کے ساتھ آئے گا۔

ایوب خاں کی اصلاحاتِ اراضی

گذشتہ ابواب میں پاکستان کے دیمہ خداؤں کا شجرۂ نسب اس لئے پیش نہیں کیا گیا کہ تاریخ میں ان کے آباؤ اجداد کے کردار کو اجاگر کیا جائے بلکہ بتانا یہ مقصود تھا کہ اس وقت پاکستان میں جو لوگ بڑے بڑے قطعات اراضی پر قابض ہیں۔ ان میں اکثریت ایسوں کی ہے جنہوں نے زمین اپنی جائز اور حلال کمائی سے نہیں خریدی بلکہ یا تو وراثت میں پائی ہے یا ان کو عطیہ اور انعام ملا ہے۔ جن لوگوں کے مالکانہ حقوق موروثی ہیں ان کے اب وجد پانچ دریاؤں کی سرزمین میں وارد ہوئے اور یہاں قبیلوی جنگوں میں الجھ کر اور مار دھاڑ کر کے بیشتر اراضی پر قابض ہو گئے۔ جن لوگوں کو عطیہ ملا انہوں نے یا تو زمانہ سازی سے کام لیا اور سکھ یا انگریز حملہ آوروں سے مل کر ہم وطنوں سے غداری کی اور خفیہ اطلاعات بہم پہنچا کر یا فوج میں بھرتی ہو کر جاگیریں حاصل کیں اور بڑی بڑی زمینداریاں قائم کر لیں یا قیام پاکستان کے بعد متروکہ اراضی (بالاستحقاق یا بلا استحقاق) اپنے نام منتقل کرا لی۔ اس کے بعد جب صدر ایوب کا دور آیا تو فوجی حکومت کی جڑیں مضبوط کرنے کے صلہ میں بیراجوں اور سرحدی علاقوں میں نہ صرف کئی کئی مربعے الاٹ کرا لئے بلکہ ان کی ترقی و نمود بھی سرکاری خرچ پر کی۔ یوں تو اس کی بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ لیکن لاہور اور قصور کی سرحد پر جو کچھ ہوا اس کا تذکرہ اخبارات میں آ چکا ہے۔ جرنیلوں کے علاوہ ایک سابق وزیر زراعت کا "ماڈل فارم" ہی پکار پکار کہہ رہا ہے کہ اس کی آرائش اور چمن بندی فلاں فلاں محکمہ کی مرہون منت ہے۔

جیسا کہ ان مضامین کی ابتداء میں بتایا جا چکا ہے زراعت شماری کی رو سے مغربی پاکستان میں انچاس لاکھ کھیت ہیں جن کو تین درجوں میں

تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1- چھوٹے کھیت۔ یعنی پانچ ایکڑ سے کم۔ ان کی تعداد 44 لاکھ ہے۔ گویا کل کھیتوں کا 94 فیصد۔ ان چھوٹے چھوٹے کھیتوں کا مجموعی رقبہ 46 لاکھ ایکڑ ہے یا یوں کہئے کہ پورے رقبہ زیر کاشت کا 9 فیصد چھوٹے چھوٹے کھیتوں میں بٹا ہوا ہے۔

2- درمیانہ درجہ کے کھیت۔ جن کا رقبہ 5 سے 25 ایکڑ تک ہے۔ ان کی تعداد 21 لاکھ ہے۔ گویا تمام کھیتوں کا 43 فیصد۔ درمیانہ درجہ کے ان کھیتوں کا مجموعی رقبہ دو کروڑ 33 لاکھ ایکڑ ہے گویا پورے رقبہ کا 48 فیصد۔

3- بڑے کھیت۔ جن کا رقبہ 25 ایکڑ سے اوپر ہے۔ یہ تعداد میں صرف چار لاکھ ہے۔ گویا تمام کھیتوں کا آٹھ فیصد۔ ان بڑے کھیتوں کا رقبہ دو کروڑ دس لاکھ ایکڑ ہے۔ گویا پورے رقبہ کا 43 فیصد۔

ان اعداد و شمار سے ظاہر ہے کہ 92 فیصد کھیت چھوٹے چھوٹے یا درمیانہ درجہ کے ہیں۔ ان کے باوجود ان کا رقبہ 57 فیصد سے زیادہ نہیں۔ پھر چھوٹے کھیتوں کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان کا اوسط رقبہ 8 ء 1 ایکڑ سے بھی کم ہے۔ اسی طرح درمیانہ درجہ کے کھیتوں کا رقبہ 3ء11 ایکڑ ہے۔ ان دونوں کے مقابلہ میں بڑے بڑے کھیتوں کے رقبے کا اوسط 9ء53 سے کم نہیں۔

جہاں تک ملکیت اراضی کا تعلق ہے وہ اس سے بھی زیادہ تشویشناک ہے۔ مغربی پاکستان میں خود کاشت مالکان اراضی کی تعداد بیس لاکھ ہے۔ گویا کل مالکان اراضی کا 41 فیصد۔ ان لوگوں کے پاس ایک کروڑ ستاسی لاکھ ایکڑ زمین ہے یا مجموعی رقبہ کا 38 فیصد۔ اس کے برعکس جو لوگ مالک ہیں اور کاشت دوسروں سے کراتے ہیں ان کی تعداد 8 لاکھ ہے۔ گویا کل مالکان اراضی کا 17 فیصد ان لوگوں کے پاس ایک کروڑ دس لاکھ ایکڑ زمین ہے یا مجموعی رقبہ کا 33 فیصد۔ ان دونوں کے مقابلہ میں مزارعوں کی تعداد 31 لاکھ ہے۔ گویا کل کاشت کاروں کا 42 فیصد۔ ان کے پاس ایک کروڑ 91 لاکھ ایکڑ زمین ہے۔ گویا مجموعی رقبہ کا 39 فیصد۔

اب مزارعت اور رقبہ کے لحاظ سے کھیتوں کی درجہ بندی کیجئے تو ذیل کا نقشہ ظہور میں آئے گا۔

چھوٹے کھیت

	تعداد میں	فیصد
خود کاشت مالک۔	1ء2	60
مالک و مزارع	0ء2	33
مزارع	0ء9	46

درمیانہ کھیت		بڑے کھیت	
تعداد ملین	فیصد	تعداد ملین	فیصد
0ء7	33	0ء1	7
0ء4	55	0ء1	12
1ء0	47	0ء2	7

ان تمام نقشوں پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہو گا کہ مغربی پاکستان کی بیشتر اراضی پر یا تو بڑے بڑے رقبوں کے مالک دھرنا مارے بیٹھے ہیں جو خود کاشت نہیں کرتے' دوسروں سے کرواتے ہیں جس پر کاشت کاری کسی طرح بھی نفع بخش نہیں ہو سکتی۔ ملکیت اراضی کی اس غیر مساویانہ تقسیم کا اثر لازمی طور پر پیداوار پر پڑتا ہے۔ بڑے زمیندار اپنے پورے رقبہ کو زیر کاشت نہیں لاتے بلکہ وہ خزانے پر سانپ بن کر بیٹھے ہوتے ہیں۔ ان کی اکثریت "غائب باش" ہے۔ وہ دیہات کی بجائے شہروں میں بودوباش رکھتے ہیں اور ان کی دلچسپی کھیت سے زیادہ سیاست اور افسر شاہی سے وابستہ ہوتی ہے مزارعوں کو چونکہ حق ملکیت حاصل نہیں ہے اور ان کی محنت کے 75 سے 90 فیصد ثمرہ مالکان اراضی اٹھا کر لے جاتے ہیں اس لئے وہ کبھی پوری دل جمعی سے کام نہیں لیتے اس تشویشناک صورت حال کا احساس ایوب حکومت کو ہوا تھا۔ اس نے ایک "لینڈ ریفارم کمشن" مقرر کیا جس نے 1959ء کے اوائل میں اپنی رپورٹ سابق صدر کو پیش کر دی۔ اس رپورٹ کی بنیاد پر فروری 1959ء میں مارشل لاء ریگولیشن نمبر 64 نافذ کیا گیا' جسے بعد میں مارشل لاء ریگولیشن نمبر 64_الف و ب کے ذریعے ترمیم کیا گیا۔ مارشل لاء ریگولیشن نمبر 64 کے ذریعہ نافذ شدہ زرعی اصلاحات کے تحت:

1- زرعی اصلاحات کی حد ملکیت 500 ایکڑ نہری یا 1000 ایکڑ بارانی یا 36000 ایکڑ پروڈیوس انڈیکس یونٹ جو بھی زیادہ ہو فی کس مقرر کی گئی۔

2- 8 اکتوبر 1958ء کے بعد اگر کسی ایسے زمیندار نے جس کی اراضی مقررہ شدہ حد ملکیت سے زیادہ تھی اور اس نے اپنی اراضی یا کچھ حصہ رہن' بیع یا ہبہ کیا تھا تو وہ رہن' بیع یا ہبہ کالعدم قرار دیا گیا۔

3- مذکورہ بالا حد ملکیت اراضی سے یونیورسٹیوں اور منظور شدہ تعلیمی اداروں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا۔

4- دینی اور رفاہی اداروں کو بھی مقرر شدہ حد ملکیت اراضی سے مستثنی کیا گیا۔

5- گھوڑی پال' گائے پال اور بکری پال فارموں کے مالکان کو بھی اس حد ملکیت اراضی سے فارموں میں استعمال آنے والی اراضی کی حد تک مستثنیٰ قرار دیا گیا۔

6- مالکان اراضی کو اختیار دیا گیا کہ مقررہ شدہ حد ملکیت اراضی کے علاوہ 150 ایکڑ اراضی تک باغات کے مالک رہ سکتے تھے۔

7- مالک اراضی کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ حد ملکیت اراضی میں سے

18000 پروڈیوس انڈیکس یونٹ تک اراضی اپنے ورثا میں تقسیم کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ ایسی مستورات جن کا وہ کفیل ہو ان کو 6000 پروڈیوس انڈیکس یونٹ تک منتقل کر سکتا تھا۔

8- مندرجہ بالا حد ملکیت اراضی اور مستثنیات کے تحت آمدہ اراضی کے علاوہ تمام اراضی مالکان سے حاصل کر لی گئی اور ایک مقررہ فارمولا کے تحت حاصل کردہ اراضی کا معاوضہ مالکان اراضی کر دیا گیا۔

9- حاصل کردہ اراضی مزارعین اور گذارہ ملکیت سے کم کے مالکان کے پاس فروخت کرنا ممنوع قرار دیا پایا اور فروخت کے وقت قابض مزارعین کا حق فائق تصور کیا گیا۔

10- غیر اقتصادی ملکیتوں کی فروخت اور تقسیم وغیرہ پا پابندی عائد کی گئی۔

11- مزارعین کی بے دخلی کے متعلق مروجہ قوانین کو جاری رکھا گیا۔

ان اصلاحات کے تحت مغربی پاکستان میں 5218 مالکان اراضی نے گوشوارے داخل کئے جن میں 755 مالکان اراضی متاثر ہوئے۔ ان مالکان نے 3986286 ایکڑ اراضی کے گوشوارے داخل کئے جن میں 2195304 ایکڑ اراضی حاصل کی گئی۔ اس میں سے 881517 ایکڑ اراضی زیر کاشت تھی' جس میں سے 569218 ایکڑ اراضی مزارعین کاشت کر رہے تھے' بقایا خود کاشت تھی' 1223787 ایکڑ رقبہ غیر کاشتہ تھا جس میں سے 676312 ایکڑ بنجر مگر قابل کاشت 215914 ایکڑ جنگلات' 134882 ایکڑ پہاڑی' 102169 ایکڑ دریاؤں کی تہہ میں اور 194506 ایکڑ رقبہ ناقابل کاشت تھا۔

حاصل کردہ اراضی میں سے 40976 ایکڑ اراضی مالکان اراضی کو گھوڑی پال' گائے پال' بھیڑ پال فارموں کے لئے پٹہ پر دے دی گئی۔ 624976 ایکڑ اراضی حکومت کے مختلف محکموں کے نام منتقل کر دی گئی۔ 651511 ایکڑ اراضی 56906 مزارعین کے ہاتھ فروخت کی گئی اور 25708 ایکڑ اراضی 2161 چھوٹے مالکان اراضی کے ہاتھ فروخت کی گئی۔

متاثرہ زمینداروں کی تعداد جیسا کہ بیان کیا گیا ہے 755 تھی۔ ان کے پاس 1458973 ایکڑ اراضی حد ملکیت اراضی کے لحاظ سے رہی۔ اس کے علاوہ باغات کی شکل میں 5237 ایکڑ اراضی بھی ان کے پاس رہی۔ زمینداروں نے اس کے علاوہ 39738 ایکڑ اراضی اپنے ورثا میں تقسیم کی اور 22281 ایکڑ اراضی اپنی زیر کفالت مستورات کے نام منتقل کی۔ حاصل کردہ اراضی میں سے 6 زمینداروں کو جن میں پانچ کا تعلق صوبہ سندھ سے ہے اور ایک بہاولپور سے' 153955 ایکڑ اراضی کا نیجر مقرر کیا گیا اور یہ اراضیات شکار گاہیں متصور ہوئیں۔ یہ اراضیات ویسے اصلاحات سے قبل انہی زمینداروں کی ملکیت تھیں۔ مختصر یہ کہ ان اصلاحات سے 56902 مزارعین اور 2561 چھوٹے مالکان کو فائدہ پہنچا اور انہیں مجموعی طور پر 677119 ایکڑ اراضی دستیاب ہوئی۔

تاہم بحیثیت مجموعی ایوب زرعی اصلاحات کا نتیجہ میں پرنالہ وہیں کا وہیں رہا کیونکہ اراضی ہیر پھر کر بڑے زمینداروں کے پاس رہی۔ جن لوگوں پر ان اصلاحات کا اثر پڑ سکتا ہے ان میں سے صرف پانچ ہزار نے اپنے رقبہ کا اعلان کیا جو 55 لاکھ ایکڑ سے آگے نہ بڑھا (حالانکہ تمام زمیندار صحیح صورت حال بتاتے تو یہ رقبہ 74 لاکھ ایکڑ ہونا چاہئے تھا) بایں ہمہ ظاہر کردہ رقبہ میں سے بھی حکومت کے حوالے صرف 24 لاکھ ایکڑ کئے گئے۔ ان میں سے بھی ساڑھے سات لاکھ ایکڑ 2 لاکھ مزارعوں کو فروخت کئے گئے۔ باقی رقبہ میں سے ساڑھے سولہ لاکھ ایکڑ یا تو نیلام کر دئے گئے یا سرکاری محکموں کو دیدیے گئے یا شکار گاہوں کے لئے مخصوص کر دئے گئے۔ جہاں تک بڑے زمینداروں کا ورثا اور عزیز و اقارب کا تعلق ہے ان کو 4 لاکھ 20 ہزار ایکڑ دئے گئے۔ اس طرح ایوب حکومت کے خاتمہ تک ساڑھے سات لاکھ ایکڑ زمین ایسی تھی جس کے متعلق تب تک کوئی فیصلہ نہ ہوا تھا۔ غرض ایوبی دور کی زرعی اصلاحات نے مزارعوں کا مسئلہ حل کرنے میں کوئی مدد نہ کی۔ جس ملک میں 20 لاکھ بے زمین کاشتکار خاندان ہوں اس میں اگر صرف 2 لاکھ افراد کو زمین دیدی جائے تو زرعی اصلاحات کا کیا فائدہ؟ ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ جن زمینداروں کو جاگیردارانہ قوت کو ختم کرنے کا دعویٰ کیا گیا تھا (ان کو اپنا 67 فیصد رقبہ ہیر پھیر کر اپنے پاس ہی رکھنے کی اجازت دیدی گئی۔ پھر کون نہیں جانتا کہ جو زمین حکومت کے حوالے کی گئی وہ انتہائی ناقص اور ناقابل کاشت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ 24 لاکھ ایکڑ حاصل کردہ زمین میں سے صرف چار لاکھ ساٹھ ہزار ایکڑ مزارعین نے خریدی باقی 32 فیصد انہوں نے ناقابل استعمال قرار دے کر مسترد کر دی لطف یہ ہے کہ جو 18 فیصد رقبہ شکار گاہوں کے لئے مخصوص کیا گیا ہے وہ انتہائی زرخیز تھا اور اسے سرکاری افسروں کی چشم پوشی کے طفیل حکومت کے حوالے نہیں کیا گیا۔ یہی حال ایوبی دور کی دوسری زرعی اصلاحات کا ہے۔ اشتمال اراضی کی بیل بھی منڈھے نہ چڑھ سکی اور زراعتی ترقیاتی بنک نے چھوٹے کاشت کاروں کو امدادی روپیہ بھی نہ دیا۔ بلکہ تمام قرضے بڑے زمینداروں کی جھولی میں ڈال دیئے۔

ایوب خان کے دور میں کتنی ترقی ہوئی؟

ایک خبر کے مطابق پاکستان کی اقتصادی صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے "لندن ٹائمز" لکھتا ہے۔

"سابق صدر ایوب خاں کے دور میں پاکستان میں ترقی کی رفتار دوسرے ملکوں کی نسبت اچھی رہی مگر اس میں عیب یہ تھا کہ اس ترقی کا فائدہ عوام کے بجائے اونچے طبقوں کو پہنچا جو امیر سے امیر تک ہوتے گئے اور یوں (ملکی اور قومی نقطہ نگاہ سے) اس ترقی کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔"

صاف ظاہر ہے کہ پاکستان میں جو کچھ ہوا اسے جو چاہیں کہہ لیں جو

چاہیں قرار دے دیں لیکن حقیقتاً" وہ پاکستان کی ترقی نہ تھی کہ اس کی رفتار دوسرے ملکوں کے مقابلے میں اچھی قرار دی جائے' وہ اونچے طبقے نہیں چند اونچے گھرانوں کی ترقی تھی اس کی رفتاری سو یا دو سو فی صد بھی ہوتی تو اسے ملک کی ترقی نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔ قوم کی ترقی قرار دینا بالکل نامناسب تھا۔ اس کا مطلب صاف الفاظ میں یہ تھا کہ ایک بڑے ملک اور بڑی قوم کو ترقیات کے جو وسیع مواقع حاصل تھے۔ وہ سب چند گھرانوں کی ترقی کے لئے مخصوص کر لئے گئے۔ اس کی رفتار اس لئے اچھی تھی کہ معاملہ چند گھرانوں کا تھا۔ جن کی تعداد بائیس یا تئیس بتائی جاتی ہے۔ صدر ایوب جانتے ہوں یا نہ ہوں لیکن کاروباری گھرانے جانتے تھے کہ یہ حالات لمبی مدت تک قائم نہیں رہ سکتے۔ لہٰذا جو کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جلد از جلد حاصل کر لیا جائے۔ پھر خدا جانے کیا صورت پیش آئے۔ یہ ملک کا معاملہ نہ تھا۔ چند گھرانوں کا معاملہ تھا اور قطعاً" شبہ نہیں کہ عام روایات کے مطابق اس سے پورا فائدہ اٹھایا گیا۔

جھاڑو لے کر دولت سمیٹی گئی

تمام گھرانے ابتدا ہی سے امیر نہ تھے کہ کہا جائے "امیر تر" ہو گئے' بعض کی حیثیت ابتدا میں معمولی تھی یا سمجھ لیجئے اتنی بلند نہ تھی کہ انہیں بڑے امیروں میں شامل کیا جاتا۔ تاہم جب انہیں "خوان نعیما" تک پہنچنے کا موقع مل گیا تو زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹ لینا' لمبے وقت یا خاص ہنرمندی کا محتاج نہ تھا۔ آپ نے وہ مشین تو بار بار دیکھی ہو گی جو لاہور کے اسٹیشن پر پلیٹ فارم کے ٹکٹوں کے لئے لگائی گئی تھی۔ پلیٹ فارم ٹکٹ کی قیمت کے اس شگاف میں ڈال کر دستہ کھینچا جاتا تو ٹکٹ نکل آتا۔ شاید ابھی بھی لگی ہوئی ہو۔ بس اسی طرح دولت کمانے نہیں' جھاڑو لے کر اکٹھا کر لینے کے مواقع مہیا کر دیئے گئے۔

یہی لوگ تھے جن کے روپے سے اخباروں پر قابو پایا گیا اور آزاد صحافت کے لئے فروغ و ترقی کے تمام طبعی مواقع ختم کر دیئے گئے۔ ایوب خانی دور کی یہ کارروائی آزادی کے خرمن پر بجلی بن کر گری اور اس کے الم ناک نتائج کا صحیح اندازہ غالباً قوم آج تک نہیں کر سکی۔

دفتری اقتدار یا نوکر شاہی کی معیبت کسی سے کم نہ تھی جو تھوڑے ہی عرصے میں ملکی نظم و نسق کے لئے ایک خوفناک ناسور بن گئی ہے۔ اس کا مقصد و نصب العین بھی یہی رہ گیا۔ (الا ماشاء اللہ) کہ ہر فرد اپنی جھولی زیادہ سے زیادہ بھر لے تین سو تین نکالے گئے' مگر ان سے بدرجہا زیادہ لوگ' بدرجہا زیادہ بڑی صورت میں اسی لعنت کے پیکر بنے ہوئے ہیں۔ اب مختلف درجوں کے کارکنوں اور کارفرما مل جل کر کھاتے ہیں اور انتظام کی روح ماؤف ہو چکی ہے۔ جیسے اسے سرطان ہو گیا ہے۔ پھر انگریزوں نے بڑے بڑے انگریز عہدیدار اس لئے رکھے تھے کہ ان کے آدمی تنخواہیں کھائیں۔ دور آزادی میں بھی یہ معیبت بدستور رہی کیونکہ نوکر شاہی اپنے فائدے کے منصوبوں سے کیوں کر دست کش ہو سکتی تھی بلکہ شاید ویسے نئے عہدے بھی قائم کئے گئے ہوں۔

غرض ایوبی دور کی ایک دو نہیں بے شمار لعنتیں تھیں جو ملک میں عام ہوئیں اور ان کی وجہ سے وہ پاکیزہ افکار و احساسات' واتحاد و ایثار' یکجہتی و یک آہنگی غرض ہر اچھی خصوصیت برباد ہو گئی' جو 1947ء میں پاکستان کی تعمیر و ترقی کا نہایت قیمتی سرمایہ تھی اور ہر خوبی کی جگہ کوئی نہ کوئی برائی رونما ہو گئی۔ آج یہ برائیاں برساتی گھٹاؤں کی طرح جا بجا مسلط ہیں۔ کبھی کوئی حق شناس اور انصاف دوست گروہ گذشتہ پندرہ سال کے حالات کی تدریجی خرابی اور بگاڑ کا جائزہ لے تو حقیقت اس پر آشکار ہو گی۔ اس وقت اندازہ ہو گا کہ اس سے زیادہ برا اور ناخوشگوار دور ہمارے وطن عزیز پر کبھی نہیں آیا۔

یہ لوگ ہر سازش میں شریک تھے

قائداعظم مرحوم پاکستان بن جانے کے بعد ابتدائی انتظامات سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ سخت بیمار ہو گئے۔ ان کی زندگی کے آخری دن اسی علالت میں گذر گئے۔ یہاں تک کہ وہ اس عالم میں پہنچ گئے' جہاں ہم سب کو آگے پیچھے پہنچنا ہے کچھ عرصہ بعد لیاقت علی خان مرحوم کو بھی ایک حادثے میں وہی منزل پیش آئی پھر انتظامات کی باگ جن لوگوں کے حوالے ہوئی۔ وہ سب اچھے تھے یا نہ تھے لیکن جو حالات ہمارے سامنے آتے گئے۔ ان میں اچھائی کا بظاہر کوئی بھی پہلو نہ تھا۔ بعض افراد اپنی پاک دامنی کے دعووں میں بہت سرگرم رہے مجھے کسی کے خلاف کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں لیکن اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اقتدار کی ہر خفیہ سازش میں وہ شریک رہے اور اس وقت تک اقتدار کے دائرے سے باہر نہ نکلے جب تک ان کے لئے وہاں رہنا ہر اعتبار سے ناممکن نہ ہو گیا۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ وہ نیک نیت تھے۔ ضرور ہوں گے۔ لیکن اس میں کیا شبہ ہے کہ ان کی نیک نیتی اس نہایت قیمتی گھر کے انہدام میں ایک لمحے کے لئے بھی مزاحم نہ ہوئی جو ایک مسکین قوم نے غیر معمولی قربانیوں سے تعمیر کیا تھا اور ان قربانیوں میں ان نیک نیت یا بدنیت کارفرماؤں کا حصہ ایک کوڑی کے برابر بھی نہ تھا۔ نیک نیتی کے عملی مظاہر یقیناً ایسے نہیں ہوئے۔ ملک کی صحیح تعمیر کے لئے وہی روح عمل درکار تھی جس کے مکمل نمونے دور خلافت راشدہ میں ملتے ہیں۔ لیکن ہمارے سامنے کیا آیا؟ زبان پر زور اسلامی دعوے اور عمل انگریزی دور کی وزارتوں اور امارتوں کے بدترین نمونے اور یہ سلسلہ ایک دو سال نہیں مسلسل کئی سال جاری رہا اور حالت بد سے بدتر ہوتی گئی۔ اس میں سب سے برا اور طویل ترین دور صدر ایوب ہی کا ہے' حالانکہ موصوف تحریک پاکستان کے کسی بھی مرحلے میں شریک نہ تھے' یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ان تمام دعووں اور اعلانوں کے متعلق افسردگی اور مایوسی بڑھتی گئی۔ جن کے حسین

خواب دکھادکھا کر عوام کی حمایت حاصل کی گئی تھی آج جو حالت ہے وہ محتاج بیان و تفصیل نہیں۔

یہ پورے ملک کی ترقی نہیں

"لندن ٹائمز" نے جو کچھ لکھا ہے وہ حالات کا ایک سرسری جائزہ ہے۔ اس میں تمام پہلوؤں پر گفتگو نہیں کی گئی۔ جو لیڈر آج میدان میں زیادہ سے زیادہ سرگرم نظر آتے ہیں کیا یہ حقیقت نہیں کہ وہ ابتدا ہی سے مختلف دائروں میں برسرکار آ گئے تھے؟ آپ سوچیں کہ انہوں نے دور اقتدار میں عوام کے لئے کیا کیا؟ کوئی ایسی قرار داد کوئی ایسی، تجویز، کوئی ایسا پروگرام پیش کر کے منظور کرایا جو عوام کے لئے کسی بھی درجے میں سودمند ہوتا؟ صدر ایوب نے زرعی اصلاحات کا ڈھونگ کھڑا کیا۔ مگر اس سے عوام کو یعنی بے زمین کاشتکاروں کو کتنا فائدہ پہنچا اور ان کی کتنی فیصد تعداد اپنے وسائل معاش کی طرف سے ایک حد تک بھی مطمئن ہو سکی! نیز کتنی فیصد تعداد اب تک پہلی بیچارگی میں ہاتھ پاؤں مار رہی ہے! لوگ کہتے ہیں کہ اس زمین کا خاصا بڑا حصہ ان لوگوں کے حوالے کر دیا گیا جو سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہو کر پنشن لے رہے تھے مگر زمینوں سے بھی فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ اس کا بھی جائزہ لینا چاہئے کہ جو منصوبے بظاہر عوام کی خدمت کے نام پر شروع کئے گئے۔ ان کا انجام کیا ہوا؟ محض نقارے اور شادیانے بجوا بجوا کر جشن منعقد کر کے تو کسی بے حقیقت اور بے وجود شے کو حقیقت ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

مسلم لیگ کے یہی لیڈر تھے، جن کی باہمی جنگ اقتدار نے وہ حالات پیدا کئے جن میں صدر ایوب کو برسراقتدار آنے کا موقع ملا۔ وہ فوج کی پشت پناہی کے بل پر اصلاح کے لئے آئے، اور جو کچھ اس دور میں ہوا اس کی حقیقت ملک کے موجودہ حالات سے معلوم ہو سکتی ہے، جو گذشتہ دس بارہ سال کے ترجمان حقیقت ہیں لیکن تعجب ہے کہ آج مختلف گروہ ان لیڈروں سے فلاح کی امیدیں وابستہ کرنے کی طرف مائل ہیں حالانکہ داناؤں نے کہہ رکھا ہے، جس نے آزمائے ہوئے کو آزمایا۔ اس نے اپنے لئے ندامت کا سرمایہ حاصل کر لیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔

لندن ٹائمز کے بیان سے یہ حقیقت پھر ایک مرتبہ آشکارا ہو گئی ہے کہ اقتصادی ترقی دولت کا کوئی پشتارا نہیں، جو کسی ملک میں پہنچ جائے تو سمجھ لیا جائے کہ اس نے ترقی کی کم یا زیادہ منزلیں طے کر لیں۔ ملک کی ترقی نام ہی عوام کی ترقی کا ہے یعنی اس ترقی کا جس سے عوام کو فائدہ پہنچے۔ ان کی حالت بہتر ہو، ان کی بہبود کو تقویت پہنچے۔ وہ ترقی ہرگز ملکی اور قومی ترقی نہیں جس کا فائدہ صرف بائیس چوبیس خاندانوں کو قارون بنا دے۔

(ایک دردمند مسلمان)

مشرقی اور مغربی پاکستان کے مابین معاشی تفاوت
(اعداد و شمار)

سال	مشرقی پاکستان	مغربی پاکستان
1960	4,499	1,114
1961	4,777	1,681
1962	4,792	609
1963	5,182	758
1964	5,723	1.086
1965	5,626	995
1966	6,135	967

مشرقی پاکستان کی مالیاتی رسیدیں (ملین روپوں میں)
(نظرثانی شدہ تخمینہ)

سال	کسٹمز	مرکزی ایکسائز ڈیوٹی	کارپوریشن ٹیکس	آمدنی پر ٹیکس کارپوریشن ٹیکس سے علاوہ		سیلز ٹیکس	مالیہ زمین	ٹکیس	بھالی ٹیکس	دوسرے ذرائع
1948-49	35.0	-	-	7.9	-	20.7	20.2	-	71.6	155.4
1949-50	29.2	-	-	6.7	18.0	19.0	17.2	-	38.1	128.2
1950-51	42.5	-	-	7.8	16.5	22.4	20.3	-	46.0	154.5
1951-52	57.9	-	-	6.6	29.1	26.3	25.8	-	25.8	171.5
1952-53	45.3	-	-	18.3	33.3	37.8	24.3	-	37.4	196.4
1953-54	40.3	-	-	21.6	19.3	43.5	23.6	-	40.1	188.1
1954-55	39.7	-	-	25.0	20.3	50.2	21.5	-	41.8	[illegible]8.5
1955-56	[illegible]	14.6		29.7	20.3	50.8	25.1	-		33.7
1956-57	45.1	17.5	-	29.8	25.2	51.5	27.5	0.2	37.1	233.9
1957-58	43.3	18.7	-	35.3	25.9	67.5	27.7	0.4	43.4	262.2
1958-59	51.7	26.2	-	57.6	36.2	130.5	40.2	2.0	65.4	408.9
1959-60	47-5	21.6	-	36.9	33.7	93.5	43.5	1.9	55.3	333.9
1960-61	33.0	27.7	39.1 -	52.1	106.7	46.6	3.2	58.1	365.9	
1961-62	61.9	26.5	44.0 -	62.2	145.5	45.8	2.5	69.6	458.0	
1962-63	45.8	50.9	26.8	106.2	139.7	76.5	45.1	2.7	72.2	565.9
1963-64	44.3	60.5	40.0	125.1	187.1	127.6	43.8	5.3	74.5	708.2
1964-65	26.7	60.3	43.6	202.6	121.5	45.4	5.9	79.0	79.0	720.2
1965-66	14.3	89.0	75.3	190.4	200.1	133.6	57.6	6.6	94.6	861.5
1966-67	18.4	132.3	49.5	203.9	259.8	143.7	57.5	3.9	108.2	977.2

(بجٹ تخمینہ)

1967-68	15.0	120.7	77.2	205.6	275.3	180.0	60.0	4.0	113.8	1,003.6

مشرقی اور مغربی پاکستان کے اخراجات میں عدم تفاوت

(قیمت کا تخمینہ کروڑوں میں)

وقت	علاقہ	مالی اخراجات	ترقیاتی اخراجات	کل اخراجات	تناسب
1950-51 تا 1954-55	مشرقی پاکستان	171	100	271	20
	مغربی پاکستان	720	400	1120	80
1954-55 تا 1959-60	مشرقی پاکستان	254	270	524	26
	مغربی پاکستان	898	757	1655	74
1960-61 تا 1964-65	مشرقی پاکستان	434	970	1404	32
	مغربی پاکستان	1284	2071	3355	68
1965-66 تا 1969-70	مشرقی پاکستان	648	1656	2304	36
	مغربی پاکستان	2223	2970	5193	64

حوالہ :- چوتھے پنج سالہ منصوبے (75-1970) کے سلسلے میں مشرقی پاکستان کے معیشت دانوں کی رپورٹ 1970ء اسلام آباد-

مشرقی اور مغربی پاکستان کی باہمی تجارت

سال	مغربی پاکستان سے مشرقی پاکستان کو برآمدات	مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان کو برآمدات	مغربی پاکستان کا نقد حصہ
1959-60	54.26	36.10	18.6
1960-61	80.11	36.31	43.80
1961-62	83.19	40.07	43.12
1962-63	91.75	46.89	44.86
1963-64	84.42	51.07	33.35
1964-65	85.70	54.15	31.55
1965-66	120.86	65.18	55.86
1966-67	90.13	56.73	33.40

حوالہ :- وزارت خزانہ پاکستان- بجٹ 68-1967ء کا مختصر جائزہ (راولپنڈی 1967ء) صفحہ 49-

دونوں صوبوں کے درمیان فضائی سفر 1955 تا 65ء

مسافروں کی تعداد

سال	مشرقی حصے سے	مغربی حصے سے

	مغربی حصے کو	مشرقی حصے کو
1955-56	15,226	14.676
1956-57	20,825	20,182
1957-58	26,264	24,880
1958-59	20,299	28,338
1959-60	34,565	33,897
1960-61	40,075	40,708
1961-62	51,893	48,421
1962-63	55,494	55,668
1963-64	73,330	67,147
1964-65	39,471*	37,933*

*یہ اعداد و شمار صرف چھ ماہ کے ہیں پورے سال کے نہیں۔

مشرقی پاکستان کی گنجان آبادی

ضلع	آبادی- ملین میں مردم شماری 1961ء	کل زمین پر	آباد زمین پر

1949 سے 64ء تک مشرقی اور مغربی پاکستان میں صنعتی مزدوروں کے جھگڑے

	جھگڑوں کی تعداد		جھگڑوں میں ملوث مزدوروں		ضائع ہونے والے دنوں	
		کی تعداد	کی تعداد	کی تعداد		
سال	مشرقی پاکستان		مغربی پاکستان	مشرقی پاکستان	مغربی پاکستان	مشرقی پاکستان مغربی پاکستان
1949	53	19	32,565	12,017	78,804	22.919
1950	21	11	8,231	8,605	35,334	47,830
1951	23	41	11,628	11,182	37,792	41,679
1952	53	42	12,651	15,784	50,026	76,147
1953	52	34	24,308	9,468	64,452	24,608
1954	35	70	19,558	49,795	82,018	213,909
1955	25	50	16,221	25,882	38,940	82,372
1956	56	94	69,923	41,908	179,843	195,064
1957	72	78	145,825	42,178	583,318	227,283
1958	51	42	45,913	14,556	147,451	169,420
1959	7	22	22,488	10,005	35,492	15,500
1960	12	30	6,086	19,663	17,947	60,818
1961	9	45	4,342	21,961	5,711	73,480
1962	34	87	19,627	49.855	119,461	268,386

1963	60	153	109,459	109,142	920,908	902,288
1964	76	109	170,257	79,910	3,857,775	406,736

1948 سے 66ء تک مشرقی اور مغربی پاکستان میں ہنگامے

سال	مشرقی پاکستان	مغربی پاکستان
1948	3,125	1,833
1949	3,200	1,655
1950	4,039	1,825
1951	2,887	1,542
1952	2,861	1,818
1953	3,182	1,826
1954	3,620	1,818
1955	2,925	1,917
1956	3,723	1,804
1957	4,881	1,575
1958	4,550	1,346
1959	3,232	913

پاکستان کی طالب علم تحریکیں

(1959-69)

اکتوبر 1958ء میں مارشل لاء کے نفاذ کے ساتھ ہی تمام سیاسی جماعتوں کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا۔ لیکن طالب علموں کی جماعتوں پر کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی۔ تاہم مارشل لاء کے ساتھ ہی جن سیاسی کارکنوں کو گرفتار کیا گیا' ان میں نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن کراچی کے نائب صدر محمد شفیع اور کراچی یونیورسٹی سٹوڈنٹس یونین کے سیکرٹری اور این۔ ایس۔ ایف کی مرکزی مجلس عاملہ کے رکن **صبغت** اللہ قادری شامل تھے۔ مارشل لاء لگتے ہی مشرقی پاکستان میں تمام طالب علم جماعتیں "زیر زمین" چلی گئیں۔ این۔ ایس۔ ایف نے عام انداز میں اپنا کام جاری رکھا۔ نومبر 1958ء میں این۔ ایس۔ ایف کی مرکزی مجلس عاملہ نے مطالبہ کیا کہ مارشل لاء ہٹا دیا جائے۔ ملک میں جمہوریت بحال کی جائے۔ اور گرفتار شدہ طالب علم کارکنوں کو رہا کیا جائے۔ ان دنوں این۔ ایس۔ ایف نے جماعتی سرگرمیوں سے ہٹ کر اپنی توجہ اپنے پندرہ روزہ جریدے "طالب علم" پر مرکوز کر دی۔ اس کے تین ماہ بعد این۔ ایس۔ ایف نے 8 جنوری 1959ء کو یوم شہداء منانے کا اعلان کیا۔ لیکن 7 جنوری کو این۔ ایس۔ ایف اور اسلامی جمعیت طلبہ کو غیر قانونی جماعتیں قرار دے دیا گیا اس کے ساتھ ہی پندرہ روزہ کرلی گئیں۔ مارشل لاء کے اس اولین دور میں اسلامی جمعیت طلبہ طالب علموں کے مسائل پر خاموش تھی اور پابندی صرف این۔ ایس۔ ایف کی وجہ سے لگی۔ این۔ ایس۔ ایف پر پابندی لگنے کے دو ماہ بعد فروری 1959ء میں گرفتار شدہ دونوں طالب علم راہنماؤں کو 5 ماہ کی نظر بندی کے بعد رہا کر دیا گیا۔ مارچ 59ء میں کالعدم این۔ ایس۔ ایف کے صدر شیر افضل ملک نے این۔ ایس۔ ایف پر پابندی کے خلاف کراچی ہائی کورٹ میں مقدمہ دائر کر دیا۔ اپریل 1959ء میں ہائی کورٹ نے فیصلہ دیا کہ یہ مقدمہ مکمل سماعت کے لئے منظور نہیں کیا جا سکتا اور اسی رات شیر افضل ملک کو جو اس مقدمہ میں مدعی تھے' سیکورٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ جنوری 1959ء میں این۔ ایس۔ ایف پر پابندی کے بعد طالب علم کارکن پندرہ روزہ "طالب علم" کی اشاعت و تقسیم کے تحت منظم رہے۔

جنوری 1959ء میں حکومت نے تعلیمی کمیشن کا اعلان کیا جس نے عوام سے اپریل 1959ء تک نئی تعلیمی پالیسی کے سلسلے میں رائے مانگی۔ اپریل ہی میں پندرہ روزہ "طالب علم" نے اپنا تعلیمی نمبر شائع کیا۔ جس میں سرمایہ دارانہ اور سوشلسٹ ممالک کے تعلیمی نظاموں پر سیر حاصل بحث کی گئی تھی اور اپنے نقطۂ نظر سے تعلیمی پالیسی کے سلسلے میں تجاویز دی گئی تھیں۔ جولائی 1959ء میں "طالب علم" کے ایڈیٹر اور پبلشر ایس عبدالودود پر کمیونسٹ تعلیمات کو فروغ دینے کے الزام میں مقدمہ دائر کیا گیا۔ اس کے ایک ہفتہ بعد این۔ ایس۔ ایف کے صدر شیر افضل ملک کو رہا کر دیا گیا۔ اس وقت تک مارشل لاء حکومت کو بخوبی یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ لیڈروں کو گرفتار کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑا اور این۔ ایس۔ ایف "زیر زمین" حیثیت میں کارکنوں کے سہارے زندہ ہے۔ اس لئے اگست 1959ء میں چار عام کارکنوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ جس میں علی مختار رضوی' جوہر حسین' اقبال میمن اور واحد بشیر شامل تھے۔ یہ طالب علم نومبر 59ء جب امریکی صدر آئزن ہاور کو پاکستان کا دورہ کرنا تھا تو کراچی سے پندرہ طالب علموں کو سیکورٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔ کراچی کے طالب علموں کی یہ گرفتاریاں بین الاقوامی صورت حال کے پیش نظر کی گئیں۔ وہ اس لئے کہ جاپان کے طلبا نے اتنے شدید مظاہرے کئے تھے کہ امریکی صدر کو اپنا دورہ جاپان ملتوی کرنا پڑا۔ ان گرفتار شدہ طلبا میں شیر افضل ملک' محمد شفیع سید عبدالودود' محبوب علی' سید برکات عالم' جوہر حسین' اقبال میمن' واحد بشیر' معراج محمد خان اور انور احسن صدیقی شامل تھے۔

5 جنوری 1959ء کو قائم کئے گئے تعلیمی کمیشن میں حکومت نے خیال رکھا تھا کہ تعلیمی نوکر شاہی کے سرکردہ افراد اور امریکی ماہرین شامل ہوں۔ کمیشن کے ارکان تھے۔ ایس ایم شریف (چیرمین)' رضی الدین صدیقی' ایم کے آفریدی' حامد شاہ' اے ایف' ایم عبدالحق' اے ایف اطوار حسین' ممتاز الدین' احمد' بی اے ہاشمی' ای ایم ایونگ (امریکی) محمد خان اور ایم اے رشید' کمیشن نے بعد میں چار ماہرین تعلیم کو شامل کیا۔ جو ڈاکٹر ہرمن والز (امریکی) جانز سی وائیز (امریکی) ڈاکٹر عبدالسلام اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی تھے' ڈاکٹر اشتیاق حسین اس وقت کولمبیا یونیورسٹی امریکہ میں پڑھاتے تھے۔ ستمبر 1959ء میں تعلیمی کمیشن کی رپورٹ پیش کی گئی۔ جس میں سفارش کی گئی تھی کہ فیسوں میں اضافہ کر دیا جائے۔ اچھی تعلیمی درسگاہوں میں زیادہ فیسیں وصول کی جائیں۔ اعلیٰ تعلیم کو صرف چند "باشعور" طلبا تک محدود کر دیا جائے۔ بی اے اور بی' ایس' سی کا دو سالہ ڈگری کورس تین سال کا کر دیا جائے۔ جز وقتی تعلیم کے مواقع ختم کر دیئے جائیں۔ طلباء جماعتوں پر مکمل پابندی لگا دی جائے اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کی یونینوں کا براہ راست انتخاب ختم کر دیا جائے اور نصف سے زائد عہدے تعلیمی اداروں کے سربراہ کی نامزدگیوں سے پر کئے جائیں۔ اس کے ساتھ ہی تعلیمی رپورٹ میں یہ نقطۂ نظر اختیار کیا گیا کہ تعلیم اسی نوعیت کا سرمایہ ہے جو طالب علم اچھی تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے وہ زیادہ پیسے خرچ کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔ تعلیمی کمیشن کی رپورٹ کے بعد جب تین سالہ ڈگری کورس کے اعلان کیا گیا تو ملک بھر کے طلباء میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ جس کا اظہار این۔ ایس۔ ایف نے اپنے جریدے میں کیا۔ تعلیمی رپورٹ پر تبصرے کی وجہ سے جنوری 1960ء میں این۔ ایس۔ ایف کا پندرہ روزہ جریدہ "طالب علم" بھی خلاف قانون قرار دے دیا گیا۔ اب طالب علم کارکنوں کی تمام توجہ طلبا یونینوں پر

مرکوز ہو گئی- جس کے نتیجے میں 1960ء میں کراچی میں یونینوں کے انتخابات میں ترقی پسند طلباء بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے اور اس طرح انہوں نے انٹر کالجیٹ باڈی پر قبضہ کر لیا- کراچی یونیورسٹی سٹوڈنٹس یونین کے صدر فتح یاب علی انٹر کالجیٹ باڈی کے صدر منتخب ہو گئے- زیر زمین این- ایس- ایف نے اب اپنی تمام سرگرمیاں انٹر کالجیٹ باڈی کے پلیٹ فارم سے جاری رکھیں-بین الاقوامی صورت حال اور ملک میں ہونے والے ظلم و تشدد کا طلباء پر کافی اثر ہوا اور پاکستان کے طلبا نے اپنے آپ کو جنوب مشرقی ایشیا اور افریقہ کی آزادی کی تحریکوں سے منسلک کرنا شروع کر دیا- جنوری 1961ء میں جب کانگو کے نوجوان وزیراعظم اور عظیم محب الوطن لومبا کو قتل کیا گیا تو نہ صرف 12 فروری کو کراچی میں طلبا نے زبردست مظاہرہ کیا بلکہ اس کے اگلے روز 13 فروری 1961ء کو لاہور کے طالب علموں نے جلوس نکالا اور زبردست مظاہرہ کیا اس مظاہرے کی قیادت امان اللہ خان' طارق علی خان اور دوسرے رہنماؤں نے کی- تقریباً اسی وقت جبل پور' (ہندوستان) میں فرقہ وارانہ فسادات ہوئے اور مسلمانوں پر ظلم و تشدد کیا گیا- جس پر احتجاج کرنے کے لئے طلباء نے 25 فروری کو جلوس نکالا- کراچی کے طلبا نے اس جلوس کا اہتمام 27 فروری کو کیا- پروگرام کے مطابق جس دن ایس- ایم- آرٹس کالج میں طلبا کا جلسہ ہونا تھا اور وہاں سے طلباء نے جلوس کی صورت میں انڈین ہائی کمیشن کے سامنے پہنچ کر مظاہرہ کرنا تھا کہ رات کو ضلعی حکام نے طلباء کو آگاہ کیا کہ انہیں جلوس نکالنے کی اجازت نہیں اگر دوسرے دن کوئی جلوس نکالا گیا یا مظاہرہ کیا گیا تو سب گرفتار کر لئے جائیں گے- دوسرے دن پولیس نے طالب علموں کو کالج میں جمع ہونے دیا- جہاں انٹر کالجیٹ باڈی کے عہدیداروں نے یہ اعلان کیا کہ حکومت کی پابندی کی وجہ سے جلوس کا پروگرام منسوخ کر دیا گیا ہے- جب طالب علم کالج سے باہر آ رہے تھے تو منتشر ہوتے ہوئے طلبا پر پولیس نے لاٹھی چارج کر دیا (سرکاری موقف یہ تھا کہ طلبا نے پابندی کے باوجود جلوس نکالنے کی کوشش کی) لاٹھی چارج کے بعد پولیس اور طلبا کے درمیان پتھراؤ شروع ہو گیا- جو ایک گھنٹے تک جاری رہا اور پھر یہ تصادم تقریباً سارے شہر میں پھیل گیا اور وقفوں کے بعد یہ دست بدست لڑائی تین دن تک جاری رہی- اس لڑائی میں عوام نے طلباء کا ساتھ دیا اور اس کے بعد جن چار سو افراد کو گرفتار کیا گیا- ان میں آدھے سے زیادہ طالب علم نہیں تھے- ایک ہفتے کے بعد سولہ طالب علموں کے علاوہ تمام گرفتار شدگان کو رہا کر دیا گیا- اس وقعہ کے پندرہ دن بعد جب ملٹری کورٹ میں طلبا کے خلاف مقدمہ پیش ہوا تو چھ طالب علموں کو ایک ایک لاکھ روپے کی ضمانت پر رہا کر دیا گیا' ان چھ طلبا میں حسین نقی' میڈیکل کالج کے صدر علی احمد' سیکرٹری انور سلیم' سابق صدر حسن رضا قصوری' مختار شیخ اور مسعود جعفری شامل تھے- ملٹری کورٹ کی پندرہ دن کی کارروائی کے بعد چار طالب علم کارکنوں فتح یاب علی خان چیئرمین انٹر کالجیٹ باڈی' معراج محمد خان وائس چیئرمین' شیر افضل ملک اور جوہر حسین کو ایک ایک سال قید بامشقت کی سزا سنا دی گئی- امیر حیدر کاظمی کو نو ماہ اور علی مختار رضوی' اقبال میمن اور انور احسن صدیقی کو چھ ماہ کی سزدی گئی اور دو طالب علموں کو بری کر دیا گیا- دوران تفتیش ان طلبا کو تھانوں میں تشدد کا نشانہ بنایا گیا- طلبا کے سزا پانے کے بعد کراچی میں حکومت کے خلاف دوبارہ مظاہرے شروع ہو گئے- ان مظاہروں میں اس وقت شدت آ گئی جب سزا یافتہ طلباء کو کراچی سنٹرل جیل سے نامعلوم مقامات پر منتقل کر دیا گیا اور طلباء میں یہ افواہ پھیل گئی کہ طلباء کو ہلاک کر دیا گیا ہے- اس افواہ کے شدت پکڑنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ چند ماہ پیشتر نومبر 1960ء میں ڈی ایس ایف کے بنیادی کارکن حسن ناصر کو لاہور قلعہ میں تشدد کے ذریعے ہلاک کر دیا گیا تھا- 7 اپریل 1961ء مزار قائداعظم پر پولیس نے طالبات کے ایک جلوس کو گھوڑ سوار پولیس سے روند ڈالا اور 55 طالبات زخمی ہو گئیں یہ جلوس سزا یافتہ طلبہ کی رہائی کا مطالبہ کر رہا تھا۔

مئی 1961ء میں ہونے والے کراچی یونیورسٹی کے امتحانات اس لحاظ سے یادگاری تھے کہ اس میں طلباء کو امتحان دینے کے لئے نہ صرف یہ کہ کتابوں سے نقل کرنے کی مکمل آزادی تھی بلکہ بعض طلباء نے گھروں پر جا کر اپنی کاپیاں مکمل کیں اور بعد میں انہیں جمع کرا دیا- یہ سب کچھ طلباء کی تحریک کو ختم کرنے کے لئے کیا گیا کیونکہ طالب علموں نے اپنے مطالبات کے پیش نظر امتحان کا بائیکاٹ کر رکھا تھا-اس تمام بے چینی کے پیش نظر سزا یافتہ طلباء کو تین ماہ تک قید تنہائی میں رکھنے کے بعد رہا کر دیا گیا لیکن رہائی کے صرف ایک ماہ بعد نو طالب علموں اور دیگر تین سیاسی کارکنوں کو ایک سال کے لئے کراچی' حیدر آباد' خیرپور ڈویژن' لاہور اور راولپنڈی کے اضلاع سے شہر بدر کر دیا گیا- ان طالب علموں میں فتح یاب علی' شیر افضل ملک ایس اے ودود' سید سعید حسن' جوہر حسین' آغا جعفر' معراج محمد خان' اقبال میمن اور نواز بٹ شامل تھے' طلباء کو جیلوں میں بند کرنے اور شہر بدر کرنے سے کراچی میں طالب علم تحریک کو نقصان پہنچا- لیکن اس شہری بدری کا ایک فائدہ 1962ء کی طالب علم تحریک میں ہوا- جب ان رابطوں کی وجہ سے جو ان طلباء نے اپنے زمانہ شہربدری میں قائم کئے تھے' طلبا تحریک پورے ملک میں پھیل گئی-شہر بدری کے یہ احکامات جولائی 1962ء میں ملک کا دستور منظور ہونے کے بعد واپس لے گئے-

مارشل لاء کے دور میں مشرقی پاکستان میں حکومت نے ایک مالدار نوکر شاہی کا طبقہ پیدا کرنے کی کوشش کی تھی اور نیم درمیانے طبقے کے ان افراد کو جو دیہاتوں سے تعلق رکھتے تھے' دیہاتی ترقی کے لئے کافی رقوم دی تھیں تا کہ مشرقی پاکستان کے طلبا پر اثر انداز ہوا جا سکے وہ اس لئے کہ مشرقی پاکستان کے طلبا پر اثر انداز ہوا جا سکے- وہ اس لئے کہ مشرقی پاکستان کے بیشتر طلباء دیہات سے تعلق رکھتے ہیں- اس کے ساتھ ہی طلباء اتحاد کو ختم کرنے کے

لئے وہاں بھی حکومت کی سرپرستی میں ایک طالب علم جماعت قائم کی گئی- اس کے باوجود دستور نافذ ہوتے ہی مشرقی پاکستان کی وہ طالب علم جماعتیں باہر آکر سرگرم ہو گئیں جو مارشل لاء کے دور میں زیر زمین چلی گئیں تھیں طالب علموں نے تعلیمی رپورٹ کے خلاف مظاہرے شروع کر دیئے طلباء کا خیال تھا کہ اس رپورٹ کے سب سے زیادہ مضر اثرات مشرقی پاکستان پر پڑیں گے- وہ اس لئے کہ مشرقی پاکستان کے طلباء کے والدین عام طور پر مغربی پاکستان کے طلباء کے والدین سے زیادہ غریب تھے- مشرقی پاکستان میں طلباء کے مظاہروں میں اس وقت زیادہ شدت پیدا ہو گئی- جب 1961ء کے اواخر میں حکومت نے سابق وزیراعظم حسین شہید سہروردی کو گرفتار کر لیا- اس گرفتاری سے اس وقت کے مشرقی پاکستان کے گورنر جنرل اعظم خان نے یہ تاثر دیا کہ وہ بے خبر ہیں- اس گرفتاری کے خلاف طلباء نے زبردست مظاہرے کئے اور چونکہ پولیس اور افسر شاہی کے زیادہ تر افسران مغربی پاکستان سے تعلق رکھتے تھے اس لئے اس بات نے شدت اختیار کر لی کہ مرکزی حکومت غیر بنگالیوں کے ہاتھوں بنگالیوں کو ختم کرنا چاہتی ہے- ایک مرحلے پر ستمبر 1962ء میں حکومت نے ایسٹ پاکستان رائفلز کے جوانوں کو طالبات کے جلوس پر حملے کے لئے استعمال کیا جس میں پندرہ طالبات زخمی ہو گئیں-

اگست 1962ء میں این- ایس- ایف نے دوبارہ قانونی جماعت کی حیثیت سے کام کرنا شروع کر دیا اور تین سالہ ڈگری کورس ختم کرانے کے لئے مشرقی پاکستان کے طلبا کے ساتھ مل کر جدوجہد شروع کر دی- اس جدوجہد کے دوران این- ایس _ ایف کے کارکنوں کا داخلہ یونیورسٹی میں بند کر دیا گیا- جس کے بعد طلباء کے مظاہروں میں شدت آگئی- مظاہروں کی شدت کا یہ عالم تھا کہ ستمبر 1962ء میں سرکاری مسلم لیگ کے کنونشن کے آخری اجلاس میں طلباء نے ڈائس پر قبضہ کر لیا اور اپنی پسندیدہ قراردادیں منظور کیں اس سے ایک دن پیشتر صدر ایوب کے جلوس میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوشش کی گئی- ان مظاہروں کی وجہ سے 12 طلباء کو پھر کراچی سے شہر بدر کر دیا گیا- شہر بدر طلباء نے حکومت کے احکامات ماننے سے انکار کر دیا اس لئے انہیں گرفتار کر کے کراچی ضلع سے باہر لے جا کر چھوڑ دیا گیا- یہ سلسلہ ایک سے دوسرے شہر تک جاری رہا- یہ طلباء جہاں جاتے تین سالہ ڈگری کورس اور شریف کمیشن رپورٹ کے خلاف مظاہرے منظم کرتے رہے- اس طرح مغربی پاکستان کے تمام علاقوں میں طالب علم تحریک تیز ہو گئی- ڈی- ایس- ایف پر پابندی کے بعد پنجاب میں 1962ء تک کوئی بڑی طالب علم تحریک نہیں چلی تھی- 1962ء میں تین سالہ ڈگری کورس اور طلباء پر دوسری پابندیوں پر احتجاج کرنے کے لئے لاہور میں طلباء نے متعدد مظاہرے کئے- جس میں پولیس کے لاٹھی چارج سے کئی طلباء زخمی ہوئے- ڈھاکہ میں طلباء پر فائرنگ کے بعد جس میں تین طالب علم ہلاک ہو گئے'

1962ء میں ہی تین سالہ ڈگری کورس واپس لے لیا گیا- اس سارے عرصہ میں کراچی کی طالب علم تحریک مغربی پاکستان میں طلباء تحریک کا ہراول دستہ رہی اور کراچی کے طالب علموں نے بے مثال قربانیاں پیش کیں اور جدوجہد کی- طالب علموں کی ان تحریکوں کا رخ پاکستان کے اصل دشمن جاگیردار کی طرف نہیں تھا- جس کی بدانتظامی نالائقی اور رجعت پسندی کے باعث یہ سب کچھ ہو رہا تھا- اس سے یہ تحریکیں بہرہ ور نہیں تھیں اس لئے ان کی کامل کامیابی کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا تھا- اس طرح سے طلباء کی مزاحمتی جدوجہد وہ نتائج حاصل نہ کر سکی جو اسے کرنے چاہئیں تھے- سرد جنگ کے زمانے میں سامراج کے خلاف لڑنے کی وجہ سے سامراج کی پوری کی پوری مشینری کو ایسی تحریکوں کی بیخ کنی کا موقع مل گیا' جہاں تک ر[illegible]صر کا تعلق ہے وہ ان تحریکوں سے الگ تھلگ رہے اور ایسی جمہوریت کے نعرے لگاتے رہے جو عوام کے لئے بے معنی تھی- بورژوا جمہوریت کے خالی خالی نعروں سے عوام میں کوئی ہلچل پیدا نہ ہوئی اور یہ لوگ عوام سے کٹے رہے اور آج تک کٹے ہوئے ہیں-

تین سالہ ڈگری کا خاتمہ تو ہو گیا لیکن کراچی کے طلباء کی شہر بدری کے احکامات واپس نہ لئے گئے- طلباء نے ان احکامات کی منسوخی کے لئے جدوجہد کی ڈی- جے کالج کراچی کے دو طالب علم کارکنوں اقبال جعفری اور ناصر علی نے بھوک ہڑتال کر دی- اس کے بعد بہت سے لڑکے لڑکیاں بھوک ہڑتال میں شامل ہو گئے- 7 اکتوبر 1962ء کو ڈی- جے کالج کے طلباء اور پولیس میں تصادم ہوا جس میں بہت سے طالب علم زخمی ہو گئے اور مشرقی پاکستان کا ایک محنت کش راہ گیر برکت ہلاک ہو گیا- 21 اکتوبر کو شہری بدری کے احکامات واپس لے لئے گئے-

1962ء کی تحریک کے نتیجے میں مشرقی پاکستان میں طالب علموں کی ترقی پسند قیادت ابھری جبکہ کراچی میں طلباء کے اتحاد کو نقصان پہنچانے کی کوششیں جاری رہیں- دراصل 1962ء کی تحریک میں کراچی میں مختلف قسم کے گروپوں کی قیادت ابھری تھی- انٹر کالجیٹ باڈی کی قیادت ایسے ٹولے کے ہاتھ میں چلی گئی' جو غنڈہ ٹیکس وصول کرنے' قاتلانہ حملوں اور اس طرح کے دوسرے جرائم کرنے کے سلسلے میں مشہور تھا' رانا اظہر علی اور اس کے ساتھیوں کو سیاست دانوں نے اپنے مخالفین کو دبانے کے لئے بھی استعمال کیا- مارشل لاء کے ایام میں مختلف کالجوں کی انتظامیہ نے اس گروپ سے تعلق رکھنے والے طلباء کو کالج یونینوں کے انتخابات میں کامیاب کرانے کے لئے جائز و ناجائز حربہ اختیار کیا- اس طرح سے کالج یونینوں کے بیشتر عہدیداروں اور انہوں نے انٹر کالجیٹ باڈی پر قبضہ کر لیا-

اس دور میں کراچی کے ترقی پسند طلباء کے درمیان بھی اختلافات شروع ہو گئے- درمیانے طبقے سے تعلق رکھنے والے طالب علم اپنے مخصوص طبقاتی کردار سمیت طالب علم تحریکوں میں شریک ہوتے ہیں- ان تحریکوں

میں یہ کردار سستی شہرت حاصل کرنے، لیڈری کی خواہش اور انا پرستی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ مگر ان اختلافات کو اکثر اوقات "نقطہ نظر کے اختلاف" کا رنگ دیا جاتا ہے۔ یہ کہنا مقصود نہیں کہ طالب علم تحریکوں میں نظریاتی، اختلافات موجود نہیں تھے، لیکن ان دنوں ترقی پسند طلباء کے درمیان اختلافات کی نوعیت "نظریاتی" سے کہیں زیادہ ذاتی تھی۔ انہوں نے نظریاتی اختلافات ثابت کرنے کے لئے ٹھوس حالات کا ٹھوس تجزیہ نہیں کیا۔

کراچی یونیورسٹی کے انتخابات میں ترقی پسند طلباء کے درمیان اختلاف پایا جاتا تھا تاہم اسلامی جمعیت طلبہ، وائس چانسلر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے پٹھو گروپ اور رانا اظہر خان کے گروپ کے مشترکہ صدارتی امیدوار مکرم علی خان کے مقابلے میں ترقی پسند طلبا نے حسین نقی کو اپنا امیدوار نامزد کیا جو دو ووٹوں سے یہ انتخابات جیت گئے۔ اسی انتخاب میں صدارتی امیدوار بننے کا خواہشمند ایک طالب راہنما زین العابدین مایوس ہو کر این ایس ایف سے الگ ہو گیا اور یونیورسٹی کے سائنس شعبوں میں این ایس ایف کو خاصا نقصان اٹھانا پڑا۔ ان دنوں این ایس ایف کی تمام تر توجہ کراچی یونیورسٹی پر مرکوز ہو گئی۔ جس کی وجہ سے کالجوں کی تنظیم پر زیادہ توجہ نہ دی جا سکی۔ کراچی میں انتشار پسند عناصر نے رانا اظہر علی خان کے ساتھ مل کر "ڈیموکریٹک سٹوڈنٹ فیڈریشن بنالی۔ این ایس ایف نے طلبا علموں کی حمایت حاصل کر کے اس کا مقابلہ کرنے کی بجائے شہشاہ حسین کی حمایت کی۔ جو رانا اظہر علی کا پرانا حریف تھا اور خود بھی اسی کی طرح بدنام تھا۔ اس غلطی سے این ایس ایف کی شہرت کو نقصان پہنچا۔

پنجاب میں 1858ء تک جماعت اسلامی کی ذیلی طالب علم تنظیم اسلامی جمیعت طلبہ طالب علموں میں سرگرم نہیں تھی۔ نہ ہی اس وقت یہ طالب علم سیاست میں کسی قسم کی دلچسپی لیتی تھی۔ بلکہ اس کا کام محض جماعت اسلامی کے مخصوص مذہبی نقطہ نظر کی تبلیغ تھی۔ لیکن 1958ء کے بعد مخصوص مفادات کے حصول پر ایوب خان کی حکومت اور جماعت اسلامی کی آپس میں ٹھن گئی۔ ان دنوں جماعت اسلامی اور اس جماعت کے تار کھینچنے والوں نے محسوس کیا کہ اسے طالب علم محاذ پر سرگرم ہو جانا چاہئے۔ اس احساس کے ساتھ ہی اسلامی جمعیت طلبہ نے پنجاب یونیورسٹی اور پنجاب کے دوسرے اہم کالجوں میں کام شروع کر دیا۔ 1961ء میں پنجاب یونیورسٹی سٹوڈنٹس یونین کے انتخابات میں اسلامی جمعیت طلبہ کا صدارتی امیدوار عثمان غنی کامیاب ہو گیا۔ پنجاب میں ڈی ایس ایف کی بندش کے بعد طالب علموں کی کوئی ترقی پسند تنظیم نہ ابھر سکی تھی۔ تاہم انفرادی طور پر ترقی پسند سوچ رکھنے والے طالب علم موجود تھے۔ فروری 1962ء میں جب ذوالفقار علی بھٹو (جو اس وقت مرکزی وزیر تھے) یونیورسٹی سینٹ ہال میں طلباء سے خطاب کرنے آئے تو اسلامی جمعیت طلبہ جلسہ میں ہنگامہ کرنے کی کوشش کی۔ جس پر طلباء میں ہاتھاپائی ہو گئی۔ بعد میں طالب علموں کا دباؤ اتنا شدید تھا کہ عثمان غنی کو صدارت سے مستعفی ہونا پڑا۔

1963ء میں جب ویت نام کی جنگ تیز ہو گئی تو پاکستان کے طالب علموں میں امریکہ کے خلاف نفرت ابل پڑی۔ ان دنوں امریکہ نے ہندوستان کو امداد بھی فراہم کی تھی۔ کراچی لاہور، ڈھاکہ اور دوسرے شہروں کے طلباء نے امریکہ کے خلاف زبردست مظاہرے کئے۔ لاہور میں طالب علموں نے تین چار زبردست جلوس نکالے۔ جن کی قیادت پنجاب میں بارک اللہ خان طارق علی خان، شمیم احمد خان، مسعود باری وغیرہ نے کی۔ کراچی میں طلباء نے امریکی امداد مرکز پر حملہ بھی کیا۔ "ان دنوں میں حکومت نے پاکستان اور اس کے دوست" نامی ایک پمفلٹ کو ضبط بھی کر لیا۔

1963ء میں ہی امریکی نوجوانوں کا ایک ثقافتی گروپ لاہور آیا۔ جسے گورنمنٹ کالج کے اوپر ائر تھیٹر میں کلچرل شو کرنا تھا۔ طالب علموں نے دھمکی دے دی کہ وہ یہ شو نہیں ہونے دیں گے۔ اس تقریب پر طالب علموں کے ایک بڑے گروپ نے حملہ کر دیا۔ اس دوران مخالف طلباء کے درمیان لڑائی بھی ہوئی۔ لیکن طالب علموں نے یہ شو نہ ہونے دیا۔ یہ ایک ایسا دور تھا جب امریکی سامراج کا پاکستان کے تمام معاشی، منصوبہ بندی، تعلیمی اور ثقافتی شعبوں پر قبضہ تھا۔ ان کے "ماہرین" ہر جگہ موجود تھے۔ تعلیم کا شعبہ بھی ان کے وجود سے پاک نہیں تھا۔ ایسے میں پاکستانی نواجونوں میں امریکی سامراجی کے خلاف نفرت کے جذبات شدت اختیار کر چکے تھے۔ جس کا اظہار ایسے مظاہروں کی صورت میں ہوتا رہتا تھا۔

یونیورسٹی آرڈیننس کی تحریک

پاکستان کے طالب علموں نے ستمبر، اکتوبر میں یونیورسٹی آرڈیننس کے خلاف تحریک کا آغاز کیا۔ حکومت نے ان دنوں مختلف آرڈیننسوں کا نفاذ کیا تھا۔ جن میں طالب علموں پر پابندیاں سخت کر دی گئی تھیں۔ یونیورسٹی آرڈیننس کے ذریعے حکومت کسی بھی طالب علم کی "قابل اعتراض سرگرمیوں" کی بنا پر ڈگری چھین سکتی تھی۔ اس کے علاوہ بہت سے ایسے قوانین بنائے گئے تھے جن سے طلباء کے سیاست میں حصہ لینے پر قدغن لگ جاتی تھی اور انہیں مختلف پابندیوں میں جکڑ دیا گیا تھا۔ پورے ملک میں اس آرڈیننس کے خلاف طلباء نے زبردست احتجاج کیا۔ ڈھاکہ میں طالب علموں نے کل جماعتی ایکشن کمیٹی تشکیل دی۔ اور 17 ستمبر 1963ء کو اپنی تحریک کا آغاز کیا۔ ایک سال پہلے 17 ستمبر کو ڈھاکہ میں طلبا نے اپنے مطالبات کے لئے لڑتے ہوئے جانیں قربان کی تھیں۔ لاہور میں یونیورسٹی آرڈیننس تنسیخ کمیٹی بنائی گئی۔ اس میں دائیں اور بائیں دونوں نقطہ نظر کے حامل طالبہ علم شامل تھے۔ طالب علموں کی قیادت بارک اللہ، شمیم احمد خان، مسعود باری اور دوسرے راہنماؤں کے ہاتھ میں تھی۔ لاہور سے طلباء کا ایک وفد راولپنڈی

بھی گیا۔ جس نے اراکین اسمبلی' وزراء اور سیاستدانوں سے ملاقاتیں کیں اور یونیورسٹی آرڈیننس کے خلاف رائے عامہ ہموار کی' بعد میں کراچی کے طالب علم راہنما بھی راولپنڈی پہنچ گئے۔ یہ طلباء 22 دن تک راولپنڈی میں سرگرم رہے' واپس آکر ان طلبا نے پریس کانفرنس کی جس میں خبردار کر دیا گیا کہ اگر یونیورسٹی آرڈیننس منسوخ نہ کیا گیا تو طالب علم براہ راست اقدام کریں گے۔ طلبا کی یہ تحریک جاری تھی کہ 4 نومبر کو بارک اللہ خان کو دو سال کے لئے یونیورسٹی سے نکال دیا گیا۔ بارک اللہ سٹوڈنٹس یونین کا صدارتی امیدوار بھی تھا۔ یاد رہے کہ انہی دنوں اسلامی جمعیت طلبہ نے بارک اللہ کو اختلافات کی بنا پر جمعیت سے بھی نکال دیا تھا۔ یونیورسٹی کے اس فیصلے کے خلاف تمام امیدواروں نے انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا۔ اس کے بعد لاہور میں یونیورسٹی آرڈیننس کے خلاف تحریک زور پکڑ گئی۔ 5 نومبر کو طالب علموں نے زبردست جلوس نکالا اور بھوک ہڑتال شروع کر دی' چیئرنگ کراس پر جلوس پر لاٹھی چارج کیا گیا اور 22 طلبا کو گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتار ہونے والوں میں بارک اللہ' شمیم احمد خان' سجاد میر اوغیرہ شامل تھے۔ مگر چار گھنٹے کے بعد چیف سیکرٹری نے ان طلبا کو رہا کرنے کا حکم دے دیا' طالب علم راہنماؤں کی حراست کے دوران باقی مشتعل طلبا نے وائس چانسلر حمید احمد خان کے دفتر پر ہلہ بول دیا اور دفتر کا فرنیچر وغیرہ توڑ دیا۔ 7 نومبر کو طالب علموں نے پھر جلوس نکالا۔ اس میں دوسرے کالجوں کے طلباء بھی شامل ہو گئے۔ شاہراہ قائداعظم پر یونیورسٹی کے سامنے پولیس نے طلبا پر لاٹھی چارج کیا۔ بعد میں آنسو گیس چھوڑی گئی اور گولی بھی چلائی گئی۔ طلبا کا مظاہرہ اس قدر شدید تھا کہ گھڑ سوار پولیس اور رینجرز وغیرہ بھی طلب کر لئے گئے۔ پولیس نے کئی طلباء کو گھوڑوں کے نیچے روند دیا' 3 گھنٹے تک طلباء اور پولیس میں تصادم جاری رہا۔ بہت سے طلباء زخمی ہو گئے' 7 نومبر کو روزنامہ کوہستان نے یہ خبر شائع کی کہ پولیس فائرنگ سے تین طالب علم ہلاک ہو گئے ہیں۔ حکومت نے اس خبر کی تردید کی اور کوہستان کی اشاعت پر 2 ماہ کے لئے بندش لگا دی۔ اس کے ساتھ ہی تمام تعلیمی اداروں کو دو ماہ کے لئے بند کر دیا گیا۔ متعدد طالب علم راہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا۔ شمیم احمد خان' نصراللہ شیخ' سلیم بن امیر غازی' شیری' اظہر' بارک اللہ خان اور دوسرے متعدد طالب علموں کو شاہی قلعہ میں تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ لاہور کے علاوہ ملتان' راولپنڈی لائل پور اور دوسرے شہروں سے بھی طلبا نے جلوس نکالے جن پر لاٹھی چارج کیا گیا۔

کراچی میں یہ تحریک 6 اکتوبر 1964ء کو کل جماعتی مجلس عمل کی قیادت میں شروع ہوئی۔ اس مجلس عمل میں این ایس ایف' ڈی ایس ایف' انٹر کالجیٹ باڈی' گرلز سٹوڈنٹس آرگنائزیشن' کراچی سٹوڈنٹس فیڈریشن اور اسلامی جمعیت طلبہ شامل تھیں۔ ان تنظیموں کے راہنماؤں پر مشتمل ایک کمیٹی تحریک کی قیادت کے لئے تشکیل دی گئی۔ اسلامی جمعیت طلبہ شامل تھیں۔ ان تنظیموں کے راہنماؤں پر مشتمل ایک کمیٹی تحریک کی قیادت کے لئے تشکیل دی گئی۔ اسلامی جمعیت طلبہ نے بعد میں اس تحریک سے کنارہ کشی کر لی' طلبا نے تحریک کے دوران زبردست جلوس نکالے' متعدد بار پولیس اور طلباء میں تصادم ہوا۔ جس کے بعد متعدد ترقی پسند طالب علم راہنماؤں کو گرفتار کر لیا گیا۔ پولیس نے اسلامیہ کالج کے اندر گھس کر طلباء اور اساتذہ پر لاٹھی چارج کیا۔ جس پر اساتذہ نے بھی ہڑتال کر دی۔ بعد میں جب طلباء مزار قائداعظم کی طرف جا رہے تھے تو وہاں سے آدھ میل دور ان کا پولیس سے تصادم ہو گیا۔ پولیس اس جگہ حکمران جماعت کنونشن مسلم لیگ کے دفتر کی حفاظت کر رہی تھی' پولیس نے طلباء پر فائرنگ کی' جس سے متعدد طلباء زخمی ہو گئے اور اسلامیہ کالج کا ایک طالب علم نسیم احمد شہید ہو گیا۔ جس سے تحریک اور شدت اختیار کر گئی۔ اس کے بعد تعلیمی ادارے بند کر دیئے گئے اور طلباء کو مساجد میں اپنے اجتماعات منعقد کرنے پڑے' طالب علم راہنماؤں کی گرفتاری کی وجہ سے طالب علم راہنماؤں کی گرفتاری کی وجہ سے طالب علم تحریک کی قیادت مس زاہدہ تقی (جی سی او) اور فیضان علی (آئی سی بی) نے کی۔ ملک بھر میں یہ تحریک بھرپور انداز میں جاری رہی۔ لیکن طالب علموں کے مطالبات تسلیم نہ کئے گئے۔ تاہم حکومت نے طالب علموں کے مسائل کا جائزہ لینے کے لئے جسٹس حمود الرحمٰن کی سربراہی میں ایک کمیشن تشکیل کرنے کا اعلان کیا۔ جس کے بعد یہ تحریک ختم ہو گئی۔

طالب علموں کی یہ تحریک براہ راست ایوبی آمریت کے خلاف تھی۔ اس دور میں گھٹن کی جو فضا پیدا کر دی گئی تھی' اس کا ردعمل طالب علموں پر سب سے پہلے ہوا۔ حکمران طبقوں نے ریاستی مشینری کے ذریعے طلباء کو دبانے کی کوشش کی اور بے دریغ ظلم و تشدد کیا' جس سے طلبا اور عوام میں ایوبی آمریت کے خلاف جذبات بڑھ گئے۔ جن کا اظہار بعد میں زیادہ شدت سے ہوا۔ طلبا کی یہ جدوجہد بورژوا جمہوری کردار کی حامل تھی۔ 1965ء میں جب بنیادی جمہوریت کے تحت ملک میں صدارتی انتخابات ہوئے تو طلبا نے اپنے مطالبات پر جلسے' جلوس اور مظاہرے کئے۔ بعض طالب علم جماعتوں نے جن میں ویسٹ پاکستان سٹوڈنٹس لیگ بھی شامل تھی' ان انتخابات میں مادر ملت محترمہ فاطمہ جناح کے لئے کام بھی کیا۔ کراچی' ڈھاکہ اور چٹاگانگ کے تین ڈویژنوں کے علاوہ مشترکہ حزب اختلاف کی امیدوار محترمہ فاطمہ جناح کہیں اور نہ جیت سکیں اور اس طرح سے حکمران صدر دھن' دھونس اور دھاندلی کے ذریعہ دوبارہ منتخب ہو گئے۔

1965ء کے ابتدائی ایام میں ہی کراچی میں ترقی پسند طلباء کے درمیان اختلافات شدید ہو گئے۔ روس اور چین میں اختلافات کھل کر سامنے آ گئے۔ جس کے بعد این۔ ایس۔ ایف دو حصوں میں بٹ گئی۔ امیر حیدر کاظمی کی قیادت میں "روس نواز" گروپ بن گیا اور اسے شیر افضل ملک کی حمایت حاصل تھی۔ دوسرا "چین گروپ" معراج محمد خان کی قیادت میں بن گیا۔ بعد میں رشید حسین خاں اس گروپ کے قائد بن گئے اور یہ گروپ این۔ ایس۔

ایف (رشید حسن خان گروپ) کہلانے لگا۔ مشرقی پاکستان میں ایسٹ پاکستان سٹوڈنٹس یونین بھی "چین نواز" اور "روس نواز" گروپوں میں تقسیم ہو گئی۔ "چین نواز" گروپ کی قیادت رشید خان میمن اور "روس نواز" گروپ کی قیادت مس موتیا چوہدری کے ہاتھوں میں تھی۔ نیشنل عوامی پارٹی بھی جسے ان تنظیموں کی حمایت حاصل تھی۔ دو گروپوں میں تقسیم ہو گئی۔ مولانا بھاشانی "چین نواز" اور پروفیسر مظفر "روس نواز" گروپ کے قائد تھے۔

بلوچستان اور سرحد میں طالب علموں کی جدوجہد 1965ء کی پاک بھارت جنگ سے قبل کوئی اہم کردار ادا نہیں کر سکی۔ کراچی یونیورسٹی سے فارغ التحصیل چند طلبا نے بلوچستان کے مقامی طلباء کو منظم کرنے کی کوشش کی۔ بلوچستان میں طالب علم تحریک کے بانی بلوچ ورنا سے تعلق رکھنے والے افراد تھے۔ ان میں طاہر محمد خان' چنگیز علی زئی' محمد ابراہیم اور دوسرے طالبعلم رہنما شامل تھے۔ جنہوں نے کراچی میں 1963ء تک این۔ ایس۔ ایف کے ساتھ کام کیا' 1964ء میں بلوچ ورنا کی قیادت اکبر بارکزئی' رند' اور عبدالغفور وغیرہ کے ہاتھوں میں تھی۔

1965ء کے صدارتی انتخابات میں ناکام ہونے کے بعد مغربی پاکستان کی تمام اپوزیشن جماعتیں خاموش ہو کر بیٹھ گئیں۔ لیکن طالب علموں نے اپنی جدوجہد ختم نہ کی۔ جنوری 1965ء میں نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن' (معراج گروپ) نے کراچی میں پورے ملک کے طالب علم رہنماؤں کی ایک کانفرنس کا انعقاد کیا۔ جس میں لاہور' حیدر آباد' سکھر' نواب شاہ' ٹنڈوجام' شکار پور' راولپنڈی' گوجرانوالہ' پشاور' کوئٹہ اور کراچی کے مندوبین نے شرکت کی۔ یہ کانفرنس دو روز تک جاری رہی اور اس میں کل جماعتی ایکشن کمیٹی تشکیل دی گئی اور چودہ مطالبات پر مشتمل ایک چارٹر تیار کیا گیا۔ کانفرنس نے معراج محمد خان کی رہائی کا مطالبہ بھی کیا۔ بنیادی مطالبے میں یونیورسٹی آرڈیننس کی تنسیخ' فیسوں میں پچاس فی صد کمی' قانون کے تین سالہ ڈگری کورس کا خاتمہ' اہلیت کی بنیاد پر داخلے' گرفتار شدہ طلباء کی رہائی اور مقدمات کی واپسی کے مطالبات شامل تھے۔ دریں اثنا کراچی کے علاوہ لاہور' حیدر آباد اور پشاور میں بھی طلبا نے ہڑتالیں کر دیں۔ 20 جنوری 1965ء کو پشاور یونیورسٹی اور اس سے ملحقہ کالجوں میں ہڑتال شروع ہو گئی۔ اس سلسلے میں مقامی طور پر طلباء نے ایکشن کمیٹی بھی بنائی۔ پشاور میں طلباء کی اس جدوجہد کا ہراول دستہ خیبر میڈیکل کالج کے طالب علم تھے۔ طلباء کی ہڑتال کے بعد انتظامیہ نے پشاور میں طلباء سے ہوسٹل خالی کرا لئے۔ ان دنوں طالبعلموں کی کل جماعتیں مجلس عمل نے واضح طور پر اعلان کیا کہ یہ مطالبات محض طالب علموں کے مطالبات نہیں ہیں بلکہ درمیانے اور نچلے درمیانے طبقاتے کے شہریوں کے مطالبات بھی ہیں۔ جو اپنے بچوں کو اتنی مہنگی تعلیم نہیں دلا سکتے انہی دنوں طالب علموں نے اردو اور دیگر علاقائی زبانوں کو ذریعہ تعلیم بنانے کا مطالبہ بھی کیا۔ اس جدوجہد کے دوران ایک عید بھی آئی۔ عید کے دن ملک بھر میں طالبعلموں نے سیاہ پٹیاں باندھیں۔ 15 فروری 1965ء کو لاہور میں کل جماعتی ایکشن کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ جس میں چودہ شہروں سے چالیس کے قریب مندوبین نے شرکت کی۔ تیسرے اجلاس کے دوران پولیس نے اچھرے میں چھاپہ مارا۔ جہاں یہ اجلاس ہو رہا تھا اور پندرہ طالب علموں کو گرفتار کر لیا۔ پانچ طالب علموں نے فرار ہو کر شیخ رشید کے مکان پر پناہ لی۔ ان طالب علموں میں خالد چوہدری' یوسف جعفری اور پشاور کا مندوب بمبار شاہ شامل تھے۔ یہ جدوجہد تسلسل کے ساتھ پورے ملک میں تقریباً تین ماہ تک جاری رہی۔ لیکن مطالبات تسلیم نہ کئے گئے۔

جولائی 1965ء میں صدر جانسن نے پاکستان کے لئے امریکی امداد روک دی اور کنسورشیم کا اجلاس ملتوی کرا دیا۔ اس پر لاہور' کراچی اور ڈھاکہ میں طلباء نے امریکی سامراج کے خلاف زبردست مظاہرے کئے۔ لاہور میں گرمیوں کی تعطیلات کے باوجود طلباء نے زبردست جلوس نکالا۔ جلوس نے شرکاء نے "امریکی سامراج مردہ باد" کے نعرے لگائے۔ جلوس کا اختتام پر منظور کی گئی قراردادوں میں مطالبہ کیا گیا کہ بنکوں اور انشورنس کمپنیوں کو قومی تحویل میں لے کے ملکی معیشت کو استحکام بخشا جائے تاکہ غیر ملکی امداد سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکے۔ عوام سے اپیل کی گئی کہ وہ امریکی مال کا بائیکاٹ کریں۔

پاک بھارت جنگ

6 ستمبر 1965ء کی رات کو بھارت نے پاکستان کی سرحدوں پر حملہ کر دیا۔ جس کا مقابلہ پوری قوم نے انتہائی جرات' شجاعت اور جوانمردی سے کیا اور اپنی قومی سرحدوں کی حفاظت کے لئے کسی قربانی سے بھی دریغ نہ کیا۔ یہ جنگ پنجاب کی سرحدوں پر لڑی گئی۔ سترہ روز بعد جنگ بندی ہوئی۔ جنگ بندی کے فیصلے سے پوری قوم کو ایک دھچکا لگا۔ کیونکہ پاکستانی افواج اس وقت تک دشمن کا خاصا علاقہ قبضے میں لے چکی تھی۔ اور جنگ کا میدان دشمن کے علاقہ میں تھا۔ پاکستان کے حکمرانوں کے اس فیصلے سے عوام سخت بدظن ہو گئے۔ جنوری 1966ء میں جب ایوب خان نے دو بڑی طاقتوں کے دباؤ میں آ کر معاہدۂ تاشقند کیا اور بھارتی توسیع پسندی کے آگے سر جھکایا تو پورے ملک میں عوام کے جذبات بھڑک اٹھے۔ وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو اس معاہدے سے لاتعلق رہے۔ کیونکہ وہ آزاد خارجہ پالیسی کے حامی تھے۔ انہوں نے جنگ کے دوران اقوام متحدہ میں جو تقریر کی تھی' اس کے بعد عوام اور خصوصاً نوجوان طبقے کے ہیرو بن گئے۔ کچھ عرصہ بعد وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے انہی اختلافات کی وجہ سے استعفیٰ دے دیا۔

جنوری 1966ء میں اعلان تاشقند کے ساتھ ہی پنجاب میں طالب علم سڑکوں پر نکل آئے اور انہوں نے اس اعلان پر سخت غم و غصے کا اظہار کیا۔

پنجاب میں لاہور' ملتان' لائل پور اور دوسرے چھوٹے بڑے تمام شہروں میں طالب علموں نے احتجاجی جلوس نکالے۔ کراچی کے طلباء نے بھی اعلان تاشقند پر سخت احتجاج کیا۔ لاہور میں 10 جنوری کو طالب علموں نے زبردست جلوس نکالا۔ ایوب خان کی حکومت نے تشدد کی پالیسی اختیار کی اور جلوس پر جگہ جگہ لاٹھی چارج کیا گیا۔ اشک آور گیس پھینکی گئی اور گولی چلائی گئی۔ لاہور میں سینکڑوں طالب علم زخمی اور کم از کم تین طالب علم شہید ہو گئے۔ ملتان میں طلباء کے جلوس پر گولی چلائی گئی اور ایک طالب علم رہنما جودت کامران شہید ہو گیا اور متعدد طلبا زخمی ہوئے۔ پنجاب بھر میں طلباء کی اندھادھند گرفتاریاں کی گئیں۔ یہ مظاہرے اور جلوس تین روز تک جاری رہے۔

کراچی میں این۔ ایس۔ ایف (روس نواز گروپ) نے اعلان تاشقند کی حمایت کی کیونکہ یہ معاہدہ روس میں ہوا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ایسی تنظیموں کے پاؤں ملک کی مٹی کے اندر نہیں تھے۔ بلکہ ان کی سیاست پر بیرونی عوامل بھی کارفرما تھے۔ جب کہ طالب علموں کی دیگر ترقی پسند تنظیموں نے اس معاہدے کی کھل کر مخالفت کی۔ این۔ ایس۔ ایف (کاظمی گروپ) اپنے اسی روس نواز نقطہ نظر کی وجہ سے پنجاب میں کبھی اپنی تنظیم قائم نہیں کر سکا۔ معاہدہ تاشقند کے خلاف کراچی میں تحریک زیادہ زور نہ پکڑ سکی۔ کیونکہ یہ شہر ہندوستانی حملے سے محفوظ رہا تھا اور یہاں کے شہریوں نے اپنے سروں پر جنگ کے بادل اسی طرح نہیں دیکھے تھے جس طرح پنجاب کے لوگوں نے محسوس کئے تھے۔

پیپلزپارٹی کے چاروں اصول عوام کے دلوں کی صحیح ترجمانی کر رہے تھے

جون 1966ء میں جب وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو علی استعفیٰ دے کر واپس آئے تو ہر جگہ اور ہر ریلوے سٹیشن پر طلبا نے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ کراچی اور لاہور میں ترقی پسند طلبا نے والہانہ انداز میں ذوالفقار علی بھٹو کا استقبال کیا۔ غیر ملکی دورے سے واپسی پر نومبر 1966ء میں ذوالفقار علی بھٹو نے این۔ ایس۔ ایف (معراج گروپ) کی سالانہ کونسل سیشن سے خطاب کیا جس میں انہوں نے این ایس ایف کی خدمات کو سراہا۔ اس وقت پورے ملک میں ذوالفقار علی بھٹو کو طالب علموں کی حمایت حاصل تھی۔ دسمبر 1967ء میں جب لاہور میں پاکستان پیپلزپارٹی قائم کی گئی تو ملک بھر کے ترقی پسند طلبا کی ایک بڑی تعداد پیپلزپارٹی سے وابستہ ہو گئی اور ہر جگہ طلباء نے ہراول دستے کی حیثیت سے پیپلزپارٹی کے لئے کام شروع کر دیا اور جب جناب ذوالفقار علی بھٹو نے ملک میں ایوب خان کو اقتدار سے ہٹانے کی تحریک چلائی تو اس تحریک میں انہیں ہر جگہ طالب علموں کی پرجوش اور سرگرم حمایت حاصل رہی۔ دراصل پیپلزپارٹی اسلام' سوشلزم' جمہوریت اور طاقت کا سرچشمہ عوام کے جو نعرے لے کر میدان میں آئی تھی وہ عوام کے دلوں کی صحیح ترجمانی کر رہے تھے اور اس لئے عوام نے پیپلزپارٹی کا بھرپور ساتھ دیا۔

عظیم طالب علم تحریک

1968ء کے آخر میں ایوب حکومت نے "دس سالہ جشن ترقی" منایا۔ عین اس وقت تک پاکستان کے طالب علم وکیل صحافی' دانشور اساتذہ' ڈاکٹر' مزدور اور دوسرے غریب اور لٹے ہوئے عوام جاگیرداروں سرمایہ داروں' نوکر شاہی اور امریکی سامراج کے گماشتہ معاشی' سیاسی اور ثقافتی نظام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ عوام کے تمام طبقے استحصال کے ہاتھوں تنگ آ چکے تھے اور ان میں طبقاتی شعور پہلے کی نسبت کہیں زیادہ بڑھ گیا تھا۔ ایوب آمریت کے خلاف تحریک میں پہلے طالبعلموں نے کی اور اس کے بعد تمام مظلوم اور پسے ہوئے طبقے میدان میں اتر آئے۔

8 اکتوبر 1968ء کو کراچی میں نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن (رشید گروپ) کی قیادت میں یونیورسٹی اور کالجوں کے طلباء نے انتہائی کامیاب ہفتہ مطالبات منایا۔ اس دوران تقریباً تمام کالجوں میں طلباء نے مظاہرے کئے جلوس نکالے اور اپنے مطالبات کے لئے راہ ہموار کی۔ ان مطالبات میں یونیورسٹی آرڈیننس کی تنسیخ' سٹوڈنٹس یونینوں کی خود مختاری' اور طالب علم نمائندوں کو سٹوڈنٹس یونین کے فنڈز خرچ کرنے کے اختیارات وغیرہ کے مطالبات بھی شامل تھے۔ سٹوڈنٹس یونینوں کی خود مختاری کے مطالبے کا مخصوص پس منظر تھا برطانوی حکومت نے 1929ء میں پنجاب یونیورسٹی سٹوڈنٹس یونین پر پابندی لگا دی تھی اس کے بعد 1959ء میں سٹوڈنٹس یونین دوبارہ بحال کی گئی۔ چونکہ یہ یونینیں عموماً حکومت کے مخالف طلباء کے ہاتھوں میں چلی جاتی تھیں اس لئے حکومت نے 1967ء میں پنجاب یونیورسٹی میں سٹوڈنٹس یونین کے بلاواسطہ انتخاب کا طریقہ رائج کیا۔ یہ ایک طرح کا بی۔ ڈی۔ سسٹم تھا اس طریقہ کار کی وجہ سے سٹوڈنٹس یونین غیر موثر ہو کر رہ گئی۔ کراچی میں بلاواسطہ انتخاب کا طریقہ 1961ء میں رائج کیا گیا۔ لیکن ایک سال بعد 1962ء میں یہ طریقہ ختم کرنا پڑا کیونکہ طلباء نے اس کی شدید مخالفت کی تھی پنجاب یونیورسٹی میں یہ طریقہ رائج کر کے حکومت نے دعویٰ کیا کہ وہ طلباء کے مسائل کے کمیشن کی سفارشات کو عملی جامہ پہنا رہی ہے۔

انہی دنوں میں لاہور' راولپنڈی پشاور اور ملک کے کئی دوسرے شہروں میں این ایس ایف قائم ہو رہی تھی۔ اس کے علاوہ ان شہروں میں طلبا نے اپنی تحریک چلانے اور جدوجہد کو جاری رکھنے کے لئے ہم خیال طالب علموں کی کئی ایک تنظیمیں بھی بنائی تھیں اور اس طرح سے ملک بھر کے طالبعلم کسی

حد منظم ہو چکے تھے۔ بدلتے ہوئے حالات اور لاتعداد مسائل سے نمٹنے کی وجہ سے ان میں شعور کا بھی اضافہ ہوا ہے۔

مشرقی پاکستان میں ان دنوں طالب علموں نے شیخ مجیب الرحمٰن کی رہائی کے لئے تحریک کا آغاز کر رکھا تھا۔ ان پر اگر تلہ سازش کے الزام میں مقدمہ چل رہا تھا شیخ مجیب الرحمٰن اور عوامی لیگ کی اعلیٰ قیادت کو 1967ء میں مشرقی پاکستان کو پاکستان سے الگ کرنے کے لئے ہندوستان سے سازباز کے الزام میں گرفتار کر کے جیلوں میں بند کر دیا گیا تھا۔ اس وقت اپوزیشن کا مطالبہ تھا کہ انتخابات جمہوریت کے طریقہ ختم کر دیا جائے۔ انہی دنوں پیپلز پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو اپنی تقاریر میں یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ ملک میں جمہوریت بحال کی جائے۔ اگست 1968ء ایوب حکومت نے پیپلز پارٹی سے وابستہ طالب علم راہنما امان اللہ خان کی کتاب "دوست نہ کہ آقا" پر ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت پابندی لگا دی۔

طالب علم تحریک میں زبردست جوش و خروش اس وقت پیدا ہوا جب راولپنڈی میں 7 نومبر 1968ء کو پولیس نے طالب علموں کے ایک جلوس پر گولی چلا دی اور پولی ٹیکنیک کا فرسٹ ایئر کا ایک طالب علم عبدالمجید شہید ہو گیا اور متعدد طلباء زخمی ہو گئے۔ طلباء نے یہ جلوس کسٹمز حکام کے خلاف نکالا جنہوں نے باڑہ سے واپس آنے والے طلباء کے ایک گروپ کا سامان ضبط کر لیا تھا۔ یہ جلوس نکالنے کی فوری وجہ تھی۔ لیکن عمومی بے چینی تو پہلے ہی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ عبدالمجید ایک غریب سکول ٹیچر کا بیٹا تھا اور اس تحریک کا پہلا شہید تھا اس کے بعد طلباء مشتعل ہو گئے انہوں نے دکانوں، کاروں اور بسوں کو آگ لگا دی۔ چیئرمین بھٹو اس روز سرحد کا دورہ ختم کرنے کے بعد راولپنڈی پہنچ رہے تھے طلبا کا ایک جلوس انٹر کانٹی نینٹل آ گیا اور اس نے ہوٹل پر پیپلز پارٹی کا پرچم لہرا دیا۔ پولیس نے جگہ جگہ طلباء پر لاٹھی چارج کیا۔ اشک آور گیس پھینکی اور فائرنگ کی۔ اسی روز راولپنڈی سے متعدد طالب علموں کو گرفتار کر لیا گیا۔ طالب علم راہنما خالد چوہدری جو چیئرمین بھٹو کے ہمراہ سرحد کا دورہ کر کے واپس آئے تھے انہیں بھی پولیس نے زدوکوب کیا اور گرفتار کر لیا۔

7 نومبر کو کراچی اور حیدر آباد بھی طلباء کے مظاہرے شروع ہو گئے، دونوں شہروں سے پولیس نے 20 طالب علم کارکنوں کو گرفتار کر لیا، 8 نومبر کو چیئرمین بھٹو نے راولپنڈی میں پریس کانفرنس کی اور 7 نومبر کے واقعات پر افسوس اور گہرے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے تشدد کی مذمت کی، 7 نومبر کو ہی تمام تعلیمی ادارے غیر معینہ مدت کے لئے بند کر دیئے گئے۔

8 نومبر 1968ء کو اس تحریک کے سلسلے میں لاہور کے طلباء نے زبردست جلوس نکالا۔ اور گورنر ہاؤس کے سامنے ایک گھنٹے تک مظاہرہ کیا۔ اس کے بعد پولیس نے جلوس پر زبردست لاٹھی چارج کیا۔ 9 نومبر کو جب جناب ذوالفقار علی بھٹو لاہور پہنچے تو ہزاروں طلبا اور لاکھوں عوام نے ان کا زبردست استقبال کیا۔ پولیس نے جگہ جگہ اس روز بھی طلباء اور شہریوں پر لاٹھی چارج کیا۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو طالب علموں کی حمایت میں پیش پیش تھے انہوں نے کھل کر یہ اعلان کیا کہ طالب علم اپنے مسائل کے حل کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ میں انہیں جدوجہد ترک کرنے کی تلقین نہیں کر سکتا۔ میں ان کی جدوجہد کے ساتھ ہوں۔ اس بیان پر مقبوضہ پریس نے شور مچایا کہ بھٹو طلبا کو تشدد پر اکسا رہے ہیں۔ اس کے چند روز بعد جناب ذوالفقار علی بھٹو اور ان کے بیشتر ساتھیوں کو ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت گرفتار کر لیا گیا جس کے بعد تحریک اور زور پکڑ گئی۔ پورے ملک میں ہر روز طالب علموں کے جلوس نکلتے۔ ملک میں ہر جگہ دفعہ 144 نافذ کر دی گئی اور ان کے جلوسوں پر پولیس لاٹھیاں برساتی گولیاں چلاتی رہی لیکن تحریک دن بدن زور پکڑتی چلی گئی اب طالب علموں کی تحریک عوامی تحریک میں بدل چکی تھی۔ طلبا کے علاوہ اساتذہ، ڈاکٹر، وکیل، صحافی، دانشور، مزدور، محنت کش اور عوام دوست سیاسی جماعتیں بھی تحریک میں شامل ہو چکی تھیں۔ انقلابی تحریک کو سبوتاژ کرنے کے لئے دائیں بازو کی سیاسی جماعتوں کا متحدہ محاذ بھی تحریک میں شامل ہو گیا۔ یہ اس کی مجبوری اور موقع پسندی تھی کیونکہ یہ تحریک ملک کے کونے کونے میں پہنچ چکی تھی۔

جنوری 1969ء تک ملک بھر میں طلباء کے جلوسوں پر فائرنگ اور لاٹھی چارج کے نتیجے میں متعدد طلباء ہلاک و زخمی ہو چکے تھے 2 جنوری 1969ء کو لاہور میں، نوشہرہ، راولپنڈی، لاہور اور مشرقی پاکستان میں تحریک کے دوران شہید ہونے والے طلباء کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ راولپنڈی میں تحریک زوروں پر تھی اور اس کی قیادت زیادہ تر ترقی پسند طالب علم راہنماؤں کے ہاتھ میں تھی۔ ان میں راجہ انور، حسام الحق، پرویز رشید، غزالہ شبنم، عامرہ الٰہی، شیخ رشید، الطاف پرواز وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان طالب علم راہنماؤں نے انتہائی جرات اور جوش و خروش سے ہر مرحلے پر تحریک کو جاری رکھا۔ البتہ ان میں سے ایک دو طالب علم بعد میں موقعہ پرستی کا شکار ہو کر رجعت پسند عناصر سے جا ملے۔ کراچی میں تحریک کی قیادت واضح طور پر ترقی پسند عناصر کے ہاتھ میں تھی لاہور میں بھی تحریک پر ترقی پسند طلباء ہی چھائے ہوئے تھے۔ ان طالب علموں میں امان اللہ خان، راشد بٹ، خالد چوہدری، ادریس کٹھانہ فاروق اعظم، افتخار احمد، ظفریاب، اعجاز سیفی، سمیع اشرف ہمراز احسن، شاہد ندیم، مولوی الیاس، رضا حمید خالد لطیف، شہباز اقبال بٹ، صغیر انجم، زاہد ملک، اور دوسرے بہت سے طالب علم کارکن شامل تھے۔ جنہوں نے تحریک کو چلانے کے لئے دن رات کام کیا۔ ان میں سے بیشتر طالب علم ترقی پسند نظریات کے حامل تھے۔ طالب علموں کی ایک بڑی تعداد اپنے جلوسوں میں شرکت کے ساتھ ساتھ پیپلز پارٹی کے لئے بھی سرگرم رہی۔ اس طالب علم تحریک کے دوران تعلیمی مطالبات کے علاوہ سرمایہ داری، جاگیرداری اور نوکر شاہی نظام کے خاتمہ، سیٹو سینٹو چھوڑ دینے،

ملک میں جمہوریت بحال کرنے اور معاہدۂ تاشقند ختم کرنے کے مطالبات بھی کئے گئے۔

مشرقی پاکستان میں طالب علم تحریک عوامی تحریک کے دوش بدوش تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ مشرقی پاکستان کے طلباء کی مجلس عمل نے اپنا گیارہ نکاتی پروگرام دیا۔ جس میں تعلیمی مطالبات کے علاوہ حق بالغ رائے دہی کی بنیاد پر پارلیمانی جمہوری نظام قائم کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ اس گیارہ نکاتی پروگرام کی حمایت مشرقی پاکستان کی تمام سیاسی جماعتوں نے بڑھ چڑھ کر کی۔ اس پروگرام میں بہت سے سیاسی مطالبات بھی شامل تھے'

10 جنوری 1969ء کو ملک بھر میں طلباء نے تاشقند تحریک کے دوران شہید ہونے والے طلباء کا دن منایا۔ لاہور میں اس جلوس میں پہلی مرتبہ اسلامی جمعیت طلبہ نے طلباء کی کل جماعتی مجلس عمل سے تعاون کیا اور جلوس میں شرکت کی۔ بہت سے طلباء جمعیت کو شامل کرنے کے حق میں نہیں تھے۔ لیکن طالب علم اتحاد کی خاطر جمعیت کو جلوس میں شامل کر لیا گیا۔ 10 جنوری کو لاہور' کراچی' ڈھاکہ' راولپنڈی اور دوسرے شہروں میں جلوس نکالے۔ لاہور میں جلوس کے بعد جماعت اسلامی کے مولویوں' جمعیت کے کارکنوں اور طلباء کے درمیان تصادم ہو گیا۔ جس میں جماعت اسلامی کے لٹھ برادر کارکنوں نے نہتے طلباء پر لاٹھیوں سے حملہ کر دیا۔ انارکلی بازار میں یہ لڑائی آدھ گھنٹے تک جاری رہی جس میں تین طالب علم ندیم (قصور) ظفریاب اور ہمراز احسن خاصے زخمی ہو گئے۔ اس کے بعد کبھی بھی ترقی پسند طلباء اور جمعیت کے درمیان کسی بھی مسئلے پر اتحاد نہ بنایا گیا۔ جمعیت تحریک سے پیچھے ہٹ گئی اور اس نے پانچ ماہ کی تحریک کے دوران لاہور میں صرف ایک اور جلوس نکالا۔ کیونکہ جمعیت کی طاقت اس قدر نہ تھی کہ وہ الگ سے اپنی تحریک چلا سکتی۔ اس واقعہ کے بعد لاہور میں دائیں اور بائیں بازو کے طلبا کے درمیان واضح لائن کھنچ گئی۔ اسی شام کوئی تین سو کے قریب طلبا نے داتا دربار سے نکلنے والے دائیں بازو کی اپوزیشن جماعتوں کے جلوس میں جا کر اس واقعہ پر احتجاج کیا۔ جس پر ان جماعتوں کے کارکنوں اور طلبا کا تصادم ہو گیا۔ جو جلوس کے سارے راستے میں جاری رہا۔ 10 جنوری کو راولپنڈی میں بھی اسلامی جمعیت طلباء کے کارکنوں اور طالب علموں کے درمیان تصادم ہوا۔

اس دوران طالبات بھی طلبا کے ساتھ میدان عمل میں اتر آئیں اور شہر شہر میں طالبات کے جلوس بھی نکلنے شروع ہو گئے۔ 20 جنوری کو ڈھاکہ میں پولیس فائرنگ سے ایک طالب علم جاں بحق اور متعدد افراد زخمی ہو گئے۔ وہاں چار روز تک پولیس اور عوام کے درمیان تصادم جاری رہا۔ 23 جنوری کو ڈھاکہ میں پچاس ہزار طلبا نے مشعل بردار جلوس نکالا۔ جس پر لاٹھی چارج کیا گیا اور گولی چلائی گئی۔ اس میں 56 افراد زخمی ہو گئے اسی روز لاہور میں ترقی پسند طلباء نے اپنا الگ جلوس نکالا اور جمعیت نے اپنا الگ پرامن جلوس نکالا۔ دونوں جلوسوں کے درمیان ریگل چوک پر تصادم ہوتے ہوتے بچا۔ کیونکہ ترقی پسند طلباء کے جلوس میں سوشلزم زندہ باد کے نعرے لگ رہے تھے۔ اسی روز پشاور میں بھی طلبا نے زبردست جلوس نکالا۔

10 فروری کو لاہور میں خالد چوہدری اور دیگر بہت سے طلباء نے اسمبلی ہال کے سامنے بھوک ہڑتال کر دی' جو تین روز تک جاری رہی اس کے بعد رات کے وقت پولیس بھوک ہڑتالیوں کو اٹھا کر لے گئی۔ اسی عرصہ میں طلباء کی گرفتاریوں کا سلسلہ بدستور جاری رہا۔

14ء فروری کو سارا دن لاہور میں پولیس اور طلباء کے درمیان تصادم ہوتا رہا۔ جس میں دو طالب علم نعیم اللہ اور قرار بیگ زخمی ہو گئے۔ اس کے بعد لاہور میں کرفیو لگا دیا گیا۔

ایوب حکومت نے اس تحریک سے مجبور ہو کر جناب ذوالفقار علی بھٹو کو رہا کر دیا۔ ادھر مشرقی پاکستان میں طلبا نے سپیشل کورٹ پر حملہ کر دیا۔ جہاں شیخ مجیب الرحمٰن پر مقدمہ چلایا جا رہا تھا۔ صدر ایوب خان نے اس کے بعد گول میز کانفرنس بلانے کا اعلان کیا۔ جس میں تمام سیاسی جماعتوں کو دعوت دی گئی اور شیخ مجیب الرحمٰن کو رہا کر دیا گیا۔ ملک میں دائیں بازو کی تمام رجعت پسند سیاسی جماعتیں گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے رضامندی ہو گئیں۔ لیکن پیپلز پارٹی کے چیئرمین جناب ذوالفقار علی بھٹو اور نیپ کے راہنما مولانا بھاشانی نے گول میز کانفرنس کا بائیکاٹ کر دیا۔ اس طرح دونوں راہنماؤں نے اس موقعہ پر عوامی جذبات کی صحیح ترجمانی کی اور گول میز کانفرنس کے ڈھکوسلے کا پردہ چاک کر دیا اور رجعت پسندوں کی بندر بانٹ ناکام ہو کر رہ گئی۔

اس عرصہ میں دائیں بازو کے طالب علم جن کی بڑی تعداد جماعت اسلامی سے وابستہ تھی' گول میز کانفرنس کے حق میں تھے۔ ترقی پسند طلباء اس کے خلاف تھے۔ اس معاملے پر بھی کئی جگہ طلباء کے درمیان تصادم ہوئے۔ گول میز کانفرنس کے بعد دائیں بازو کی تمام سیاسی جماعتیں خاموش ہو کر بیٹھ گئیں۔ لیکن طلباء پیپلز پارٹی اور نیپ (بھاشانی گروپ) نے اپنی تحریک جاری رکھی۔ عوام ان جماعتوں کے ساتھ تھے۔ جلسے' جلوسوں اور مظاہروں کی شدت میں فرق نہ آیا۔

چار مارچ۔ سندھی طلباء کی عظیم تحریک

چار مارچ ---- سندھی طلباء کی عظیم تحریک: جس نے ایوب خان کے خلاف عوامی مزاحمت کا آغاز کیا۔

ان دنوں ایوب خان پاکستان کے آمر مطلق تھے۔ جب سندھی طلباء نے اس کے مضبوط اقتدار پر پہلی ضرب لگائی۔

1967ء میں حیدر آباد کے ڈویژنل کمشنر مسرور حسن خان نے سندھی یونیورسٹی کے معاملات میں مداخلت کی۔ طالب علموں نے اس کے خلاف

احتجاج کیا جس پر کمشنر موصوف بھڑک اٹھے۔ انہوں نے اس وقت کے وائس چانسلر حسن علی عبدالرحمٰن پر الزام لگایا کہ وہ سندھی نواز ہیں اور صرف سندھیوں کو نوکریاں دیتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ سندھ یونیورسٹی میں 67% غیر سندھی اور 33% سندھی ملازم تھے۔ طلباء کا احساس یہ تھا کہ متعصب وائس چانسلر نہیں بلکہ کمشنر ہے۔ بہرحال حسن علی عبدالرحمٰن کو زبردستی سبکدوش کر دیا گیا۔ طالب علموں نے احتجاجی جلسے کئے اور بسوں میں سوار ہو کر حیدر آباد کی سڑکوں پر کمشنر کے خلاف نعرے لگائے۔

کمشنر اپنی یہ توہین برداشت نہ کر سکا۔ 4 مارچ 67ء کی شام 5 بجے جب بسیں جامشورو روڈ پر ناکہ کے پاس پہنچیں تو پولیس نے چھ کی چھ بسوں کو گھیر لیا۔ پانچ ضلعوں کی پولیس' ملیشیا اور رینجرز نے لاتوں' گھونسوں' لاٹھیوں اور گولیوں سے طلباء کے نعروں کا جواب دیا۔ 207 زخمی طلباء کو جانوروں کی طرح پولیس ٹرکوں میں بھر کر سنٹرل جیل حیدر آباد میں بند کر دیا گیا۔ مسرور نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے 22 مزید طالب علم رہنماؤں اور کارکنوں کو ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت گرفتار کر لیا۔ تحریک کے مرکزی رہنماؤں میں یوسف لغاری' مجیب پیرزادہ' رفیق صیفی اور مسعود نورانی پیش پیش تھے۔

5 مارچ کو اس کے خلاف سندھ یونیورسٹی کیمپس حیدر آباد میں مظاہرے ہوئے۔ اس موقع پر کامل راجپر نے تحریک میں شامل ہو کر قانونی محاذ سنبھال لیا۔

ابھی اولڈ کیمپس میں ہنگامے جاری تھے کہ تین صوبائی وزراء نے رجسٹرار کی وساطت سے طالب علم رہنماؤں سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ وزراء سے ملاقات کے لئے مجیب پیرزادہ' مسعود نورانی' منور سمن اور (شاید) سعید راشدی پر مشتمل ایک وفد منتخب کیا گیا۔

کتے کی گرفتاری' قید اور سزائے موت

طلباء کی بسوں میں ایک سوڈ کتا بھی تھا۔ جس کی پیشانی پر واٹر کلر یا آئل پینٹ میں "کتا مسرور" لکھا ہوا تھا۔ پولیس والوں نے اسے بس سے نیچے اتار لیا۔ اس پر ڈنڈے برسائے پھر پانی سے "کتا مسرور" مٹانے کی کوشش کرنے لگے لیکن لفظ نہ مٹ سکے۔ آخر مجبور ہو کر انہوں نے کتے کو کمشنر کے حضور پیش کیا۔ کتے نے اپنے حریف کی طرف دیکھا یا نہیں لیکن کمشنر مسرور اسے دیکھ کر اپنے ہوش و حواس گنوا بیٹھا اور واہی تباہی پر اتر آیا۔ اب کتے پر لاٹھیاں اور بندوقوں کے بٹ برسنے لگے۔ بیچارہ جانور زمین پر گر پڑا۔ بعد میں اسے سٹی تھانے کے لاک اپ میں بند کر دیا گیا۔ جب بھی تھانیدار گشت سے واپس آتا تو اہلکاروں سے پوچھتا "کمشنر صاحب کیا حال ہے؟" یا کمشنر صاحب کو کھانا دیا کہ نہیں؟" دو دن بعد کتے کو گولی ماری دی گئی۔

طلباء نے دو اور کمیٹیاں بھی تشکیل دیں جن میں آغا زاہد' عمر بھٹی' اور چمن' رفیق صفی' سلیم سنجرانی اور مسعود پیرزادہ شامل تھے۔ وزراء سے ملاقات کرنے والے وفد نے پہلے سے ایک میمورنڈم بھی تیار کر لیا۔ سرکٹ ہاؤس میں تینوں وزراء۔ وزیر مواصلات محمد خان جونیجو' وزیر تعلیم محمد علی ہوتی اور وزیر قانون اللہ بچایو اخوند اور ایک بوڑھا شخص طلباء کے منتظر تھے۔ اس ملاقات میں مسعود نورانی نے دو ٹوک لہجے میں کہا کہ جب تک کمشنر مسرور کو برطرف اور وائس چانسلر کو بحال نہیں کیا جاتا۔ طلباء کی تحریک جاری رہے گی۔

محمد خان جونیجو نے کہا "وہ وائس چانسلر تو گیا۔ ہم تم لوگوں کو دوسرا وائس چانسلر دے رہے ہیں" یہ کہہ کر محمد خان جونیجو نے اس بوڑھے شخص کی طرف اشارہ کیا۔ وہ محمد صالح قریشی تھے۔

قصہ مختصر' طالب علموں کے وفد سے سٹرائیک ختم کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ مجیب پیرزادہ نے کہا کہ ہم اپنے پچیس (25) قیدی ساتھیوں سے مشورہ کرنے کے بعد ہی کچھ بتا سکتے ہیں۔ اس پر محمد خان جونیجو بگڑ کر بولے کہ اگر تم لوگوں کو مذاکرات کا اختیار ہی نہیں تو پھر یہاں ہمارا وقت ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے" اس پر مسعود نورانی نے معاملے کو سنبھالتے ہوئے کہا "ہم اپنے ساتھیوں سے اس لئے ملنا چاہتے ہیں کہ اس طرح کا فیصلہ سارے طلب علموں کے لئے قابل قبول ہو اور ہم اس پر عمل بھی کر سکیں"۔ کافی بحث کے بعد وزیر اس مطالبے پر راضی ہو گئے۔ سرکٹ ہاؤس کے باہر کئی' ایم این اے اور ایم پی اے وزراء سے ملنے کے لئے منتظر بیٹھے تھے۔ ان میں مراد شاہ' عبدالمجید جتوئی اور قاضی اعظم طلباء کی حمایت میں ایوب کے پاس جا کر احتجاجاً" استعفے دینے کے لئے تیار ہو گئے لیکن بعض ممبران اسمبلی کمشنر مسرور کے اقدام کی حمایت کرنے لگے ان میں جام صادق علی کا نام بھی لیا جاتا ہے (بعد میں جب قومی اور صوبائی اسمبلی کے اراکین کا وفد گورنر موسیٰ کے پاس گیا تو گورنر نے ان کے آنے کی وجہ دریافت کی۔ کسی اور کے کچھ کہنے سے پہلے جام صادق علی نے ایک دم کہا "ہم کمشنر مسرور کی حمایت میں آئے ہیں۔ انہیں تبدیل نہ کیا جائے' وہ بڑے اچھے منتظم ہیں۔ "کمشنر مسرور بھی سرکٹ ہاؤس کے باہر بیٹھا ہوا تھا۔ عبدالحمید جتوئی کو دیکھ کر ان کی طرف بڑھا اور ہاتھ ملانے کی کوشش کی۔ جتوئی نے اپنے ہاتھ سے ٹوپی جھلتے ہوئے کہا" میں تم سے کس طرح ہاتھ ملاؤں۔ تم ہماری عزت سے کھیلے ہو "ان کا بیٹا لیاقت جتوئی بھی 207 قیدیوں میں شامل تھا۔ جتوئی اندر گئے تو وزیروں نے پیش کش کی کہ وہ اپنے بیٹے اور اس کے دوستوں کے نام دیں تاکہ انہیں رہا کر دیا جائے"۔ عبدالحمید جتوئی نے یہ پیش کش ٹھکرا دی۔

طلباء کا وفد سنٹرل جیل میں اپنے قیدی ساتھیوں سے ملا۔ (ان دنوں رئیس اللہ بخش نکسی' آمن داس کے قتل کے الزام میں جیل میں تھا۔ بلوچستان کے بائیس قبیلوں کا سردار دودا خان بھی ایوب خان کے عتاب کا شکار ہونے کے باعث بھی اسی جیل میں تھا۔ ان دونوں نے طلباء کی زبردست

حمایت کی) یوسف لغاری کا خیال تھا کہ طلباء کی جلد از جلد ضمانت ہو جانی چاہئے ورنہ ان میں مایوسی پھیل سکتی ہے۔ مغی نے جیل کی دیوار پر چڑھ کر تقریر شروع کر دی۔ خیر یہ فیصلہ ہو گیا کہ گرفتار ساتھیوں کی ضمانت پر رہائی کی کوشش کی جائے۔ اس سے پہلے رفیق صفی پیر پگاڑا سے ملنے گیا جو ذوالفقار علی جاموٹ کے بنگلے پر ٹھہرے ہوئے تھے۔ پیر صاحب نے جاموٹ کی معرفت اپنی حمایت کا یقین دلایا اور شام کو آ کر ملنے کے لئے کہا۔ لیکن پیر صاحب نے کچھ بھی نہ کیا۔ اس ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے رفیق سیفی کے لفظ تھے۔ "اس دن سے میں نے دائیں بازو کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیا اور بائیں بازو میں کشش محسوس کرنے لگا"۔

وزراء سے سندھی طلباء کا وفد ملاقات کر کے گیا تو غیر سندھی طلباء کے وفد نے بھی ان سے ملاقات کر کے کمشنر مسرور کی حمایت کی۔ اس وفد میں شامل ایک لڑکی ناز اختر نے کہا۔ "سندھی لڑکے ہمارے سامنے ننگے ہو کر ناچتے ہیں اور اپنے مخصوص اعضاء کا مظاہرہ کرتے ہیں۔" اس پر وزیر تعلیم محمد علی ہوتی نے غصے میں کہا۔ "سندھی' عورتوں کو اغوا کر سکتے ہیں۔ اپنی عزت کے لئے کٹ مر سکتے ہیں۔ لیکن میں یہ نہیں مان سکتا کہ وہ عورتوں کے سامنے ننگے ہو کر ناچ بھی سکتے ہیں" بعد میں محمد خان جونیجو نے خود انکشاف کیا کہ لڑکی ایک کال گرل تھی۔

اسی شام مسعود نورانی اور مجیب نے وزیروں سے پھر ملاقات کی۔ اس دوران سندھی طلباء کا ایک اور وفد بھی وزیروں سے ملاقات کر چکا تھا۔ اور وزراء اس سٹرائیک کے خاتمے پر زور دے رہے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ طلباء کو ضمانت پر رہا کیا جا سکتا ہے۔ کمشنر کے معاملے کے لئے کچھ روز انتظار کرنا ہو گا لیکن طلباء کمشنر کے خلاف فوری کارروائی اور طلباء کے خلاف کئے گئے مقدمے واپس لینے پر اصرار کر رہے تھے۔

اگلے دنوں میں یونیورسٹی کی فضا میں تناؤ جاری رہا۔ انتظامیہ نے اکادکا کلاسیں لینے کی کوشش کی جسے ناکام بنا دیا گیا۔

اس تحریک کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے ملک میں آمریت کی بنیادیں ہل گئیں۔ ایوب خان جسے ناقابل شکست سمجھا جاتا تھا اس کے خلاف عوامی مزاحمت کا جلد ہی آغاز ہو گیا اور اسے مارچ 1969ء میں حکومت سے جانا پڑا۔ اس کے ساتھ ساتھ جنوری 52ء کی کراچی کی طلباء تحریک کے بعد یہ سب سے بڑی مزاحمتی تحریک تھی جس نے طلباء میں اپنے حقوق کے لئے شعور کو تیز کیا۔

آمریت کے سائے تلے دانشورانہ زندگی

ایک ایسا سماج جو آمریت کی چھتری تلے ہوا اپنی پیدائش سے ہی انسانی سماج کے لئے ایک تسلسل کا حامل ہوتا ہے کیونکہ سماج نے تمدن کی جانب جو بھی قدم آگے کی جانب اٹھایا ہے وہ کسی نہ کسی قسم کی آمریت سے فتح مندی کے بعد ہی زمین پر دھرا ہے۔ ہر بار تشدد اور ڈ بھیڑ کی حالت سے مقابلتاً" امن اور افہام و تفہیم کی حالت کی جانب۔

یہ موضوع اس لئے بھی خاص ضرورت اور جرات کا حامل ہے کہ پاکستانی معاشرہ اور میں یہ لفظ پاکستانی معاشرہ کہنے سے پہلے لڑکھڑاتا ہوں کیونکہ اس کی کل بیالیس سالہ زندگی کے تقریباً تیس برس آمریت کی چکی میں پستے ہوئے گزرے ہیں اب بھی یہ اس بلائے ناگہانی کی واپسی اور اس سے تازہ جھڑپ کے خوف میں بندھا کھڑا ہے۔

پاکستان دنیا کے نقشے پر اپنی جغرافیائی سرحدوں کے ساتھ اگر کچھ زیادہ برے طریقے سے نہیں تو خاصی جرات مندی سے معرض وجود میں آیا تھا۔ تاہم انسانی حوالوں سے اس کے سماج کی ابتداء خاصی ابتری میں ہوئی۔ ایک ڈھیلا ڈھالا اور کھچڑی سماج البتہ بہت سے خود مطمئن شدہ لوگ اس کی یکتائی اور مضبوط ہم آہنگی کی دعویداری بھی کرتے ہیں اور بہت سے خواہش بھرے امید لگائے ہیں کہ یہ اکٹھا رہتے ہوئے ایک ملک کے طور پر چلنے کے قابل ہیں۔

تیسرا حصہ

سیاسی جماعتیں

جسٹس پارٹی

1968ء میں ایوب خان کے خلاف تحریک میں ذوالفقار علی بھٹو کی گرفتاری کے بعد ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خاں نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا اور ملک کا دورہ شروع کیا۔ پیپلز پارٹی کے کارکنوں اور حامیوں نے ان کی زبردست پذیرائی کی اس وقت لوگوں کا خیال تھا کہ اصغر خان پیپلز پارٹی میں شامل ہو جائیں گے لیکن بھٹو کی رہائی کے بعد اصغر خاں نے پیپلز پارٹی سے کنارہ کشی کر کے ملک میں موجودہ ایسی جماعتوں کی تعداد کم کرنے کی تحریک کی ابتداء کی اور یہ مہم شروع کی کہ چھوٹی سیاسی جماعتیں اپنا علیحدہ وجود ختم کر کے ایک موثر سیاسی تنظیم کی شکل اختیار کریں۔ اس مہم کے دوران ہی انہوں نے اپنی ایک سیاسی جماعت بنانے کا اعلان کر دیا اور اس کا نام جسٹس پارٹی رکھا۔ وہ خود اس پارٹی کے کنوینر تھے۔ 23 مارچ 1969 کو انہوں نے اپنی پارٹی کے پروگرام کا اعلان کیا۔

اس پارٹی کے منشور کے مطابق ملک میں 'عدل و انصاف' 'آزادی' اور انسانی احترام کے اسلامی اصولوں پر جمہوری نظام قائم کرنا پارٹی کا مقصد تھا۔

بنیادی حقوق کی فراہمی کا وعدہ کیا گیا۔ خارجہ پالیسی کے سلسلے میں کہا گیا کہ پاکستان سیٹو اور سینٹو کے معاہدوں سے علیحدگی اختیار کرلے گا کیونکہ ان سے پاکستان کی سلامتی کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا' ملک میں تمام غیر ملکی فوجی اڈے ختم کرنے کی یقین دہانی کروائی گئی اور قوموں کے حق خود ارادیت کی حمایت کی گئی۔

دونوں صوبوں کو اپنے دفاع کے سلسلے میں خود کفیل بنانے کی بھی بات کی گئی۔

اس کے علاوہ صنعتی ترقی کے سلسلے میں بھاری صنعتوں کے قیام پر زور دیا گیا۔

اس پارٹی کے پروگرام کے اعلان کے دو دن بعد 25 مارچ 1969ء کو ملک میں دوسرا مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ پھر جب چار پارٹیوں کے ادغام سے پاکستان ڈیمو کریٹک پارٹی قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ تو جسٹس پارٹی بھی ان میں شامل تھی۔ اس طرح یہ پارٹی اپنے قیام کے چند ماہ بعد ہی ختم ہو گئی۔ تاہم کے ایک لیڈر میاں منظر بشیر نے پاکستان جمہوری پارٹی میں ادغام کے فیصلے سے اختلاف کیا اور جسٹس پارٹی کا وجود برقرار رکھنے کا اعلان کیا اور وہ خود اس کے سربراہ مقرر ہوئے۔

کنونشن مسلم لیگ

1962ء میں ملک سے مارشل لاء ختم کر دیا گیا۔ صدارتی طرز حکومت کے تحت "بنیادی جمہوریتوں" کا نظام بحال کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی سیاسی جماعتوں کی بحالی کی بھی اجازت دے دی گئی اور سیاسی پارٹیوں نے اپنی سرگرمیاں پھر سے شروع کر دیں۔

ان حالات میں حکمران طبقے نے بھی ایک سیاسی جماعت کی ضرورت محسوس کی۔ ان لوگوں نے کوئی نئی پارٹی تشکیل دینے کی بجائے مسلم لیگ کو حکومتی پارٹی بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس سلسلے میں مسلم لیگ کے راہنماؤں کو راضی کرنے کی کوشش کی گئی کہ وہ حکومت کی حمایت میں اپنی پارٹی کی بحالی کا اعلان کر دیں لیکن مسلم لیگی لیڈر راضی نہ ہوئے۔ آخر کار چوہدری خلیق الزمان اس کام کے لئے راضی ہو گئے تو ان کی سربراہی میں 4'5 ستمبر 1962ء کو کراچی میں مسلم لیگ کا کنونشن بلایا گیا۔ جس میں تقریباً 800 مندوبین نے شرکت کی۔ یہاں پر مسلم لیگ کی بحالی کا اعلان کیا گیا اور کنونشن نے لیگ کا دستور مرتب کیا۔ چونکہ پارٹی کی بحالی کے لئے پارٹی کونسل کی بجائے مسلم لیگیوں کا کنونشن بلایا گیا تھا۔ اس لئے اسی نسبت سے پارٹی کو کنونشن مسلم لیگ کا نام دیا گیا۔ اجلاس میں چھ مرکزی عہدیدار منتخب کئے گئے۔ وزراء اور حکومتی ارکان پر پارٹی قیادت سے الگ رہنے کی پابندی عائد کر دی گئی۔ تمام مرکزی اور صوبائی عہدیداروں کے سالانہ انتخاب کا طریقہ مقرر کیا گیا۔ مرکزی پارلیمانی بورڈ میں دونوں صوبوں کو مساوی نمائندگی دی گئی۔

پارٹی کی تنظیم نو کے سلسلے میں ناراض لیگی راہنماؤں اور کنونشن میں شریک نہ ہونے والے ارکان سے مذاکرات بھی کئے گئے جو ناکام رہے۔

مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں میں پارلیمانی پارٹیاں بھی قائم کی گئیں۔ 156 ارکان کی مرکزی اسمبلی میں پارٹی کو 106 ارکان کی حمایت حاصل ہوئی۔ محمد علی بوگرا پارلیمانی پارٹی کے لیڈر بنے۔ جو اس وقت وزیر خارجہ بھی تھے۔ 1963ء میں محمد علی بوگرا کی وفات کے بعد عبدالصبور خان پارٹی لیڈر بنے۔ ذوالفقار علی بھٹو' عبدالغفور ہوتی سید مرید حسین شاہ اور ظہیر الدین (لال میاں) بھی پارلیمانی پارٹی کے لیڈروں میں تھے۔

چوہدری خلیق الزماں کی سربراہی میں قائم کمیٹی نے دو صوبائی آرگنائزر بھی مقرر کئے۔ مغربی پاکستان کے آرگنائزر سردار عبدالرشید اور مشرقی پاکستان کے آرگنائزر ابو الہاشم خان تھے۔

1963ء میں پارٹی کی رکنیت سازی اور انتخابات ہوئے۔ پارٹی نے دعویٰ کیا کہ اس کے ارکان کی تعداد بیس لاکھ ہے۔

1963ء میں پارٹی میں مشرقی اور مغربی دونوں حصوں کی شاخوں میں اختلافات رونما ہوئے اور دونوں صوبوں میں دو دو گروپ بن گئے ان اختلافات کی وجہ سے پارٹی کی تنظیم نو کا کام نہ ہو سکا۔

ایوب خان پارٹی سیاست سے الگ رہنا چاہتے تھے لیکن پارٹی کے لیڈروں میں اختلافات ایوب خان کو بھی پارٹی سیاست میں ملوث کرنے کا باعث ہے اور 22 مئی 1963ء کو ایوب خان پارٹی کے ممبر بن گئے۔ اس موقع پر انہوں نے پارٹی کارکنوں کو 10 نکاتی گائیڈ لائن دی۔ جلد ہی ایوب خان کو مختلف علاقائی شاخوں نے پارٹی کی مرکزی اور صوبائی کونسل کے لئے اپنا

نمائندہ منتخب کر لیا- 24 دسمبر 1963ء کو ڈھاکہ میں پارٹی کے عہدیداروں کا چناؤ کرنے کے لئے اجلاس ہوا- جس میں ایوب خان کو پارٹی کا صدر چن لیا گیا- اس موقع پر پارٹی دستور میں بہت سی ترامیم بھی منظور کی گئیں- اس موقع پر دوسرے تمام عہدیداروں کا بھی چناؤ کیا گیا- پارٹی میں پائے جانے والے اختلافات کے پیش نظر کونسل نے ایوب خان کو اختیارات دیئے کہ وہ نامزدگیاں کر سکیں- اس پر ایوب خان نے عبدالوحید خان کو پارٹی کا جنرل سیکرٹری نامزد کیا-

اس موقع پر پارٹی نے 14 نکاتی سماجی معاشی پروگرام کا اعلان کیا- اس پروگرام میں حکومت کی سابقہ پالیسیوں کی حمایت کی گئی- صدارتی نظام' بنیادی جمہوریتوں' ون یونٹ بالواسطہ انتخابات اور فلاحی ریاست کی حمایت کی گئی- پارٹی وفاقی نظام کی حامی تھی- اقتصادی ڈھانچے کی غیر مرکزیت بنیادی صنعتوں' بینک اور انشورنس کے قومیانے' کی حامی تھی اور زمین کی حد ملکیت 250 ایکڑ مقرر کرنے کی حامی تھی-

پارٹی درحقیقت حکومت کا ایک مہرہ تھی- جب 1965ء کے صدارتی انتخابات ہوئے تو اگرچہ صدر ایوب کنونشن لیگ کے نمائندے تھے لیکن ان کی انتخابی مہم پارٹی کی بجائے حکومتی مشینری نے چلائی- اسی طرح بنیادی جمہوریتوں کے انتخابات میں بھی پارٹی نے کوئی اہم کردار ادا نہ کیا- پارٹی نے اسمبلیوں کے انتخابات میں معمول کے مطابق حصہ لیا- لیکن کسی اصول کی پیروی نہ کی- پارٹی نے ان انتخابات کے لئے ٹکٹ جاری کئے- ٹکٹ نہ ملنے والے اراکین نے آزاد حیثیت میں انتخاب لڑے- انہیں پارٹی سے نکال دیا گیا- انتخابات میں پارٹی کو شکست کا سامنا کرنا پڑا- لہٰذا انتخاب کے بعد آزاد اراکین کو دوبارہ پارٹی میں شامل کر لیا گیا- یہ سیاسی جماعتوں کے ایکٹ کی خلاف ورزی تھی-

1965ء میں پارٹی کے ڈھانچے میں پھر تبدیلیاں کی گئیں اور وزراء بھی پارٹی قیادت پر قابض ہوئے- ذوالفقار علی بھٹو' عبدالوحید خان کی جگہ پارٹی کے سیکرٹری جنرل مقرر ہوئے- پارٹی کے ڈھانچے کو بنیادی جمہوریتوں کے نظام سے ہم آہنگ کر دیا گیا-

بھارت سے جنگ کے بعد کے عرصے میں پارٹی کو دو سخت دھچکوں کا سامنا کرنا پڑا- جس سے اس کی حیثیت کمزور ہوئی- ان میں پہلا "معاہدہ تاشقند" تھا- جس کی بناء پر بھٹو اور فضل القادر چوہدری جیسے لیڈر پارٹی سے الگ ہو گئے اور دوسرا عوامی لیگ کے "چھ نکات" تھے- ان پر پارٹی کے نکتہ نظر سے بھی پارٹی کو نقصان پہنچا- پارٹی نے نہ صرف عوامی لیگ بلکہ تمام اپوزیشن پارٹیوں کو غیر محب وطن اور علیحدگی پسند قرار دیا- حالانکہ اپوزیشن کی بہت سی پارٹیاں چھ نکات کے خلاف تھیں-

اپریل 1966ء کے بعد پارٹی نے اپوزیشن کی طرف جارحانہ رویہ اپنایا اور صدر ایوب کو پارٹی اجلاسوں میں سالار عرب و عجم' رئیس المسلمین' اور امیر المجاہدین کے القابات دیئے گئے- اس دوران حکومت نے پارٹی کا وقار بحال کرنے کے لئے پارٹی کی تجاویز پر بعض قوانین بھی پاس کئے-

جب دسمبر 1966ء میں سیاستدانوں پر سے ایبڈو کی پابندیاں ختم ہوئیں تو مسلم لیگی رہنماؤں کی بڑی تعداد' قاضی عیسیٰ' صاحبزادہ حسن محمود' مولا بخش سومرو' علمدار حسین گیلانی' قاضی فضل اللہ' قاضی اکبر' ایوب کھوڑو' غلام محمد وسن' سید خیر شاہ' اور ارباب نور محمد کنونشن مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور ان میں سے بعض مرکز اور صوبوں میں وزیر بھی بنے-

پارٹی کو ملک کے سرمایہ داروں کی حمایت حاصل تھی- اس وجہ سے پارٹی کے پاس وسیع فنڈ تھے- پارٹی نے اپنے ان فنڈز کو پراپیگنڈہ کے لئے استعمال کیا اور ایوب حکومت کے اقدامات اور مقاصد پر 68-1967ء میں اشاعتی کام کیا- اگرچہ پارٹی کے پاس وسیع پیسہ تھا اور اسے حکومت کی حمایت بھی حاصل تھی لیکن پارٹی عوام میں جڑیں نہیں رکھتی تھی- پارٹی اجلاسوں میں وسیع عوامی حمایت کے دعوے کئے گئے- لیکن پارٹی کی 90 فیصد ممبر شپ جعلی تھی جو پارٹی رہنماؤں نے عہدے اور مفادات حاصل کرنے کے لئے ظاہر کی-

جب 69-1968ء میں ایوب خان کے خلاف تحریک چلی تو پارٹی عوام میں حمایت نہ ہونے' کمزور تنظیم اور اندرونی اختلاف کی وجہ سے ایوب خان کی مناسب حمایت نہ کر سکی- پارٹی کی ان ہی کمزوریوں کی وجہ سے 2 مارچ 1969ء کو پارٹی نے ایوب خان کو دوبارہ پارٹی کی صدارت سنبھالنے کی درخواست کی- لیکن ایوب خان نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ "میں سیاسی آدمی نہیں ہوں' اور سیاست میرا مزاج نہیں بن سکتا"-

25 مارچ کو ملک میں دوسرا مارشل لاء نافذ کر دیا گیا اور پارٹی کے اثاثے منجمد کر دیئے گئے-

"کونسل" مسلم لیگ-

جب حکومت نے مسلم لیگیوں کے ایک حصے کو ساتھ ملا کر کنونشن مسلم لیگ قائم کر لی تو لیگ کا وہ دھڑا جو حکومت سے نہیں ملنا چاہتا تھا اس کے رہنماؤں نے مسلم لیگ کو بحال کرنے کے لئے مسلم لیگ کی کونسل کا اجلاس طلب کر لیا- جو 1958ء میں مارشل لاء کے نفاذ کے وقت کام کر رہی تھی- یہ اجلاس 27' 28 اکتوبر 1962ء کو ڈھاکہ میں ہوا- جس میں خواجہ ناظم الدین کو جماعت کا صدر چنا گیا- یہ جماعت کونسل مسلم لیگ کہلائی- سردار بہادر خان کو اس پارٹی کا سیکرٹری جنرل چنا گیا-

اس اجلاس میں پارٹی کے منشور کا بھی اعلان کیا گیا کہا گیا کہ پارٹی اسلامی نظام قائم کرنے' اور پاکستان کی سالمیت و اتحاد کے لئے کام کرے گی- 1956ء کے آئین کے مطابق دیئے گئے بنیادی حقوق کے تحفظ کا ذکر کیا گیا- بالغ رائے دہی کی بنیاد پر براہ راست انتخابات' پارلیمان کے تمام اختیارات کی

بحالی، سیاسی جماعتوں اور جمہوری نظام کی مکمل بحالی پر عائد پابندیاں ختم کرنے کا مطالبہ کیا گیا- خارجہ امور میں پارٹی مغربی ممالک سے دفاعی معاہدے ختم کرکے آزاد خارجہ پالیسی اپنانے کی حامی تھی-

اس جماعت کو محترمہ فاطمہ جناح کی بھی حمایت حاصل تھی اسمبلی میں 21 ارکان نے مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی ترتیب دی- ابو القاسم پارلیمانی پارٹی کے لیڈر بنے- سجاد حسین قریشی ڈپٹی لیڈر تھے-

کونسل لیگ کی پارلیمانی پارٹی نے پاک پیپلز گروپ کے ساتھ مل کر اسمبلی میں اپوزیشن ترتب دی- جو 62 ارکان پر مشتمل تھی- سردار بہادر خان پارلیمانی اپوزیشن کے لیڈر بنے- مسیح الرحمٰن ڈپٹی لیڈر بنے- سردار بہادر کی حکومت پر سخت تنقید نے اسمبلی میں اپوزیشن کی حیثیت کو مضبوط بنایا- لیکن 1963ء میں وہ خواجہ ناظم الدین سے اختلافات کی بناء پر پارٹی اور سیاست سے مستعفٰی ہو گئے- پارلیمانی اپوزیشن کے نئے لیڈر محمد یوسف خٹک کا تعلق بھی کونسل مسلم لیگ سے ہی تھا-

دسمبر 1962ء میں کونسل مسلم لیگ کے خواجہ محمد صفدر نے مغربی پاکستان اسمبلی میں اپوزیشن تشکیل دی- جب کہ دو ماہ بعد مشرقی پاکستان اسمبلی میں کونسل مسلم لیگ کے خواجہ خیر الدین نے بھی اپوزیشن پارٹی تشکیل دی-

پارٹی نے حسین شہید سہروردی کے قومی جمہوری محاذ سے تعاون کا فیصلہ کیا- اس دوران کونسل مسلم لیگ کے کچھ ارکان کونشن مسلم لیگ سے تعاون چاہتے تھے- لیکن خواجہ ناظم الدین نے ایسا کرنے سے انکار کردیا-

پارٹی میں اندرونی اختلافات بھی پائے جاتے تھے- جو قومی جمہوری محاذ سے تعاون کے سلسلے میں تھے- ممتاز دولتانہ سہروردی کو جمہوری قوتوں کا نمائندہ خیال کرتے تھے جبکہ خواجہ ناظم الدین سہروردی کو زیادہ پسند نہ کرتے تھے بلکہ وہ سہروردی کو "علیحدگی پسند" کا خطاب بھی دے چکے تھے- 1963ء میں پارٹی کی تنظیم نو کی گئی اور عہدیداروں کے انتخاب ہوئے-

10.5 ملین کی تعداد میں رکنیت کے فارم تقسیم کئے گئے- خان مکرم خان مغربی پاکستان لیگ کے صدر اور شیخ عنایت اللہ سیکرٹری جنرل منتخب ہوئے-

مشرقی پاکستان پارٹی کے صدر ابو القاسم اور سیکرٹری جنرل اے- کیو- ایم شفیق الاسلام منتخب کئے گئے- مرکزی لیگ کے انتخابات 1964ء میں منعقد ہوئے- جن میں خواجہ ناظم الدین کو دوبارہ صدر چنا گیا- جب کہ سردار شوکت حیات جنرل سیکرٹری منتخب ہوئے-

1965ء میں ہونے والے صدارتی انتخابات میں مضبوط اپوزیشن تشکیل دینے کے لئے خواجہ ناظم الدین نے دوسری پارٹیوں' نظام اسلام' عوامی لیگ' جماعت اسلامی اور نیپ سے مذاکرات کئے تاکہ سیاسی اتحاد بنایا جا سکے- سی- او- پی یعنی متحدہ اپوزیشن پارٹی کی تشکیل میں ان کا اہم حصہ تھا- 1964ء میں ان کو وفات سے پارٹی کو دھچکہ لگا- پارٹی نے آنے والے انتخابات کے لئے جو منشور پیش کیا- اس میں پریس کی آزادی' روزگار کی فراہمی آزادیوں کے منافی قوانین کے خاتمے' سردار نظام کے خاتمے' زمین کی مساوی تقسیم' دونوں صوبوں میں عدم مساوات کے خاتمے' لازمی فوجی تربیت اور آزاد خارجہ پالیسی کے نکات شامل تھے-

خواجہ ناظم الدین کی وفات کے بعد سید محمد افضل پارٹی کے عارضی صدر بنے- جون 1965ء میں پارٹی کونسل نے انہیں صدر منتخب کرلیا-

پارٹی نے جنگ 1965ء کے بعد ہونے والے "معاہدہ تاشقند" کی سخت مخالفت کی- پارٹی نے عوامی لیگ کے تعاون سے لاہور میں سول نافرمانی کی تحریک شروع کی- اس موقع پر پارٹی کے کئی رہنماؤں کو گرفتار کرلیا گیا- جن میں پارٹی کے جنرل سیکرٹری سردار شوکت حیات بھی شامل تھے-

اس کے بعد پارٹی دسمبر 66ء تک غیر فعال رہی- ایبڈو کے خاتمے پر ممتاز دولتانہ اور سردار قیوم خان نے کونسل مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی- جس سے پارٹی کی حیثیت بڑھی- لیکن جلد ہی پارٹی میں اختلافات ابھر آئے-

اپریل 1966ء میں پارٹی کونسل نے ممتاز دولتانہ کو پارٹی کا صدر منتخب کر لیا- لیکن باقی عہدیداروں کے چناؤ پر اختلافات ہو گئے- یہ اختلافات اس وقت ختم ہوئے- جب نائب صدر زیڈ- ایچ- لاری نے رضاکارانہ طور پر استعفٰی دے دیا اور ان کی جگہ مشرقی پاکستان کے سید عبدالسلطان نے یہ عہدہ سنبھالا-

ان واقعات کے بعد پارٹی زیادہ سرگرم نہ رہی- پارٹی نے ستمبر 1968ء میں معاشی ترقی کا پروگرام پیش کرکے عوام کی توجہ حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی-

پارٹی ایوب خان کے خلاف تحریک میں پی- ڈی- ایم کے ساتھ شامل ہو گئی- لیکن اس کا کردار زیادہ سرگرم نہ تھا- پارٹی جمہوری عمل کمیٹی میں شامل تھی اور اس نے حکومت نے ہونے والے مذاکرات میں حصہ لیا-

جماعت اسلامی

جماعت اسلامی پہلی پارٹی تھی جس نے 16 جولائی 1962ء کو سیاسی جماعتوں پر سے پابندی ختم ہوتے ہی بحالی کا اعلان کردیا- مولانا مودودی نے اخباری بیان کے ذریعے جماعت کی بحالی کا اعلان کیا اور کارکنوں کو ہدایات دیں کہ 24 گھنٹے کے اندر اندر جماعت کی تنظیم اسی بنیاد پر بحال کردی جائے- جس پر مارشل لاء کے نفاذ کے وقت قائم تھی-

اکتوبر 1963ء میں جماعت کی تنظیم نو کے لئے لاہور میں جماعت کا کل پاکستان کونشن ہوا لیکن یہ ہنگامے کی نذر ہوگیا-

جنوری 1964ء میں حکومت نے جماعت اسلامی کو خلاف قانون قرار دے دیا- امیر جماعت اور پوری مجلس شورٰی کو گرفتار کرکے ملک میں

جماعت کے دفاتر سربمہر کر دیئے گئے۔ جماعت نے اس اقدام کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کی۔ سپریم کورٹ نے ستمبر 1964ء میں حکومت کے اقدام کو ناجائز قرار دے دیا۔

بحالی کے بعد مشرقی پاکستان میں جماعت کی صوبائی تنظیم اکتوبر 1963ء میں قائم کر دی گئی تھی لیکن ابھی تک مغربی پاکستان میں تنظیم قائم نہیں ہو سکی تھی۔ اس سلسلے میں ترامیم پیش کرنے کے لئے مارچ 1965ء میں مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا لیکن ترامیم پیش نہ ہو سکیں۔ مجلس شوریٰ نے ترامیم طلب کرنے کے لئے ایک نئی کمیٹی مقرر کر دی دسمبر 1965ء میں دستور میں ترمیم کی گئی اور صوبائی نظام کو دستور کا حصہ بنا دیا گیا۔ جماعت کے صوبائی امیروں اور سیکرٹریوں کو بھی مجلس شوریٰ کا رکن بنا دیا گیا۔

جماعت اسلامی نے 1964ء کے صدارتی انتخابات میں متحدہ حزب اختلاف (سی۔ او۔ پی) کے ساتھ شامل ہو کر محترمہ فاطمہ جناح کی حمایت کی۔ 1969ء کی عوامی تحریک کے دوران جماعت اسلامی ان جماعتوں کے ساتھ تھی۔ جو صدر ایوب سے مذاکرات کی حامی تھیں اور گفت و شنید کے ذریعے مسئلہ حل کرنا چاہتی تھیں۔

جماعت اسلامی کی تنظیم اور آئین مکمل ارتکاز اختیارات اور کلیت پسندانہ بنیادوں پر قائم ہے۔ امیر جماعت کو بالا دستی حاصل ہے۔ تنظیم درج ذیل ہے۔

(ا) ارکان کا اجتماع عام
(ب) امیر جماعت اور اس کے مقرر کردہ نائب
(ج) مرکزی مجلس شوریٰ
(د) مرکزی مجلس عاملہ
(ہ) مرکزی سیکرٹری
(و) مرکزی شعبوں کے ناظمین۔

نظام اسلام پارٹی

چوہدری محمد علی 1956ء کے آئین کے خالق تھے اور اس کی بحالی کے لئے کوشاں۔ اس بنا پر اہم حیثیت کے حامل تھے۔ انہوں نے نظام اسلام پارٹی تشکیل دی تھی۔ مارشل لاء کے خاتمے پر اس پارٹی کے کچھ ارکان اسمبلی نے دوسرے ارکان سے مل کر مولوی فرید احمد کی قیادت میں اسمبلی میں پاک پیپلز گروپ بنایا تھا۔ مولوی فرید احمد نظام اسلام پارٹی مشرقی پاکستان کی اہم شخصیات میں سے تھے۔

مارشل لاء اٹھائے جانے کے بعد پارٹی فوری طور پر بحال نہ کی گئی۔ کیونکہ مارشل لاء کے دوران پارٹی سربراہ چوہدری محمد علی پاکستان انڈسٹریل کریڈٹ اینڈ کمرشل انویسٹ منٹ کارپوریشن میں ملازم ہو چکے تھے۔ ان کی غیر موجودگی میں مولانا اطہر علی (مشرقی پاکستان) نے پارٹی کی بحالی کا اعلان کیا۔ اس موقع پر اسلامی نظام کے قیام اور 1962ء کے آئین کو جمہوری بنانے کے لئے جدوجہد کرنے کا اعلان کیا گیا۔ نومبر 1962ء میں چوہدری محمد علی دوبارہ پارٹی کے ساتھ آ گئے۔ 12، 13 جنوری 1963ء کو ڈھاکہ میں پارٹی کا کنونشن ہوا۔ جس میں چوہدری محمد علی کو پارٹی کا کنوینز اور مولوی فرید احمد کو جنرل سیکرٹری منتخب کر لیا گیا۔ اس موقع پر پارٹی نے صرف اسلامی مقاصد کے لئے جدوجہد کرنے والی پارٹیوں سے تعاون کا فیصلہ کیا۔

1963ء میں چوہدری محمد علی نے مغربی پاکستان کا دورہ کیا اور تقاریر میں حکومتی پالیسیوں پر تنقید کی۔ انہوں نے اعداد و شمار پیش کئے کہ پارلیمانی دور میں ملکی قرضوں کی مقدار صرف 400 ملین تھی۔ جبکہ مارشل لاء کے 6 سالوں میں 10 بلین تک پہنچ گئی ہے۔

1964ء میں پارٹی کا نیا منشور پیش کیا گیا اور 1956ء کے آئین کے بحالی کا مطالبہ کیا گیا۔ 1965ء کے صدارتی انتخابات میں چوہدری محمد علی متحدہ حزب اختلاف کے قیام میں سرگرم تھے۔ انہوں نے فاطمہ جناح کے لئے سرگرمی سے کام کیا۔

نظام اسلام پارٹی معاہدہ تاشقند کے خلاف تھی۔ 1966ء میں چوہدری محمد علی نے لاہور اپنے گھر میں تمام اپوزیشن پارٹیوں کا اجلاس بلایا۔ تاکہ مشترکہ حکمت عملی ترتیب دی جا سکے۔ لیکن شیخ مجیب الرحمٰن کے چھ نکات نے ہنگامہ کھڑا کر دیا اور اجلاس اس ہنگامے کی نذر ہو گیا۔

اس ناکامی کے بعد چوہدری محمد علی نے مولوی فرید احمد سے مل کر ملک کے دونوں حصوں کا دورہ کیا تاکہ پارٹی کی تنظیم نو کی جائے۔ تنظیم نو اپریل 1967ء میں مکمل ہو گئی۔ مولانا مصلح الدین (مشرقی پاکستان) اور شیخ نسیم حسن (مغربی پاکستان) پارٹی کے صدر بنے۔ چوہدری محمد علی پارٹی کے مرکزی صدر اور مولوی فرید احمد سیکرٹری جنرل بنے۔

جب پاکستان جمہوری تحریک (پی۔ ڈی۔ ایم) شروع ہوئی تو پارٹی اس میں شامل ہو گئی۔ 1968ء میں پھر چوہدری محمد علی اور مولوی فرید احمد نے ملک کا دورہ کیا اور پارٹی مقاصد کے لئے حمایت حاصل کرنے کی کوششیں کیں۔ پارٹی نے ایوب خان کے خلاف تحریک میں اہم کردار ادا کیا۔

جمعیت العلمائے پاکستان

جمعیت العلمائے پاکستان 1948ء میں بریلوی مکتبہ فکر کے علماء نے قائم کی۔ 58ء سے قبل یہ سیاسی معاملات سے الگ تھی اور صرف مذہبی معاملات میں سرگرم تھی۔ پارٹی سیاست سے الگ ہونے کے باوجود مذہبی معاملات کے لئے الگ وزارت کی حامی تھی۔

مارشل لاء کے حکمرانوں نے جے۔ یو۔ پی کے لیڈروں سے اچھے تعلقات قائم کر لئے۔ پارٹی کے صدر اسلامی نظریاتی مشاورتی کونسل کے تنخواہ یافتہ رکن تھے۔ پارٹی حکومت کے زیر انتظام مساجد اور گدیوں کی

نگران تھی۔ پارٹی نے موقع پڑنے پر حکومت کی حمایت کی۔ 1965ء کے صدارتی انتخابات میں پارٹی کے صدر ایوب کی حمایت کی۔ پارٹی نے دسمبر 1964ء کو لاہور میں آل پاکستان سنی کانفرنس طلب کی۔ جس میں مولانا ابو البرکات سید احمد شاہ نے فتویٰ دیا کہ عورت کی سربراہی حرام ہے۔

پارٹی نے جمعیت مشائخ کانفرنس طلب کی۔ جس میں صدر ایوب خان کی حمایت کی گئی کیونکہ اس نے پارٹی کو یقین دلایا تھا کہ وہ تمام موجود قوانین کو اسلامی اصولوں کے ماتحت بنا دے گا۔ جے۔ یو۔ پی واحد مذہبی سیاسی پارٹی تھی جس نے ایوب خان کے خلاف اپوزیشن پارٹیوں کی کسی تنظیم اور تحریک میں حصہ نہ لیا۔

جمعیت العلمائے اسلام

مارشل لاء کے خاتمے کے وقت پارٹی اندرونی اختلافات کا شکار تھی ایک حصہ ہزاروی گروپ اور دوسرا عثمانی گروپ کے نام سے موسوم تھا۔ 1962ء میں جب سیاسی جماعتوں کی بحالی کا اعلان ہوا تو ہزاروی گروپ نے بحالی کا اعلان کر دیا۔ جبکہ عثمانی گروپ نے اپنی تنظیم بحال کرنے کا اعلان نہیں کیا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ وہ علماء کی صفوں میں مزید نفاق پیدا نہیں کرنا چاہتے۔ تاہم جب بحال شدہ جمعیت العلمائے اسلام نے بائیں بازو کی جماعتوں کی حمایت کی۔ تو جمعیت کے سابق صدر مفتی محمد شفیع نے خط و کتابت کے ذریعے مولانا غلام غوث ہزاروی اور مفتی محمود کو اس حمایت سے باز رکھنے کی کوشش کی۔

پارٹی کا دوسرا گروپ ہزاروی گروپ تھا جس کے امیر مولانا عبداللہ درخواستی تھے۔ مارشل لاء ختم ہونے کے بعد مفتی محمود نے قائم مقام امیر کی حیثیت میں پارٹی کی بحالی کا اعلان کیا۔ جب پارٹی کے نئے انتخاب ہوئے۔ تو مولانا عبداللہ درخواستی پارٹی کے امیر اور غلام غوث ہزاروی سیکرٹری جنرل مقرر ہوئے۔ اسی سال مشرقی پاکستان میں بھی پارٹی کی شاخ قائم کر دی گئی۔ 1965ء کی انتخابی مہم میں پارٹی نے بائیں بازو کی جماعتوں کی حمایت کی۔ جب کہ غیر فعال حصے نے دائیں بازو کی جماعتوں کی حمایت کی۔ غیر فعال حصہ عثمانی گروپ پر مشتمل تھا۔

مئی 1968ء میں جمعیت العلمائے اسلام کے دونوں صوبوں کے نمائندوں کا کل پاکستان اجلاس لاہور میں منعقد ہوا۔ جس میں مرکزی تنظیم کا انتخاب کیا گیا۔ جس میں پانچ عہدیدار مغربی پاکستان سے اور چار عہدیدار مشرقی پاکستان سے منتخب ہوئے۔ مفتی محمود مرکزی تنظیم کے جنرل سیکرٹری مقرر ہوئے۔ پارٹی نے ایوب خان کے خلاف عوامی تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔

قومی جمہوری محاذ (این۔ ڈی۔ ایف)

6 جون 1962ء کو مارشل لاء اٹھالیا گیا اور نیا آئین نافذ کر دیا گیا۔ 24 جون کو 9 سیاستدانوں نے ڈھاکہ میں میٹنگ کی اور نئے آئین کے خاتمے کا مطالبہ کیا۔ جب 1962ء میں ہی سیاسی جماعتوں کی بحالی کا قانون نافذ ہوا۔ تو 24 جون کو ہونے والے اجلاس کے اراکین نے معطل شدہ سیاسی جماعتوں سے درخواست کی کہ وہ اس وقت تک اپنی بحالی کا اعلان نہ کریں جب تک کہ مکمل جمہوریت بحال نہیں ہو جاتی۔ جماعت اسلامی، نظام اسلام اور جمیعت العلمائے اسلام کے علاوہ تمام پارٹیوں نے یہ درخواست تسلیم کر لی اور اپنی بحالی کا اعلان نہ کیا۔

جب 19 اگست کو سہروردی جیل سے رہا ہوئے تو انہوں نے اپوزیشن سیاستدانوں کے اس گروہ کی قیادت سنبھال لی۔ سہروردی کی کوششوں سے ستمبر میں اپوزیشن کی ان جماعتوں کے تقریباً 35 نمائندوں کا لاہور میں اجلاس ہوا۔ تاکہ اپوزیشن کا متحدہ محاذ تشکیل دیا جا سکے۔ مباحث میں دو نکات اہم تھے۔

(1) کیا نئے دستور کی ضرورت ہے یا کہ پرانے دستور میں ترامیم کر کے اسے ٹھیک کیا جا سکتا ہے۔

(2) کیا اپوزیشن کا یہ محاذ انفرادی سیاستدانوں پر مشتمل ہو گا یا کہ سیاسی پارٹیوں کے اتحاد پر مشتمل ہو گا۔

پہلے نکتے پر تمام جماعتیں متفق تھیں کہ ملک کو نئے دستور کی ضرورت ہے۔ جبکہ دوسرے مسئلے کا فیصلہ نہ ہو سکا۔ اس اجلاس کی بناء پر سہروردی نے 4 اکتوبر کو قومی جمہوری محاذ کے قیام کا اعلان کیا۔ اس محاذ میں جماعت اسلامی کے مولانا مودودی، میاں طفیل محمد، چوہدری غلام محمد، عوامی لیگ کے نوابزادہ نصراللہ عطا الرحمٰن، مجیب الرحمٰن۔ نیپ کے محمود علی، محمود الحق عثمانی، حیدر بخش جتوئی، اور خیر بخش مری، کونسل مسلم لیگ کے ممتاز دولتانہ، سردار بہادر خان، محمد یوسف خٹک، زیڈ۔ ایچ۔ لاری ابوالقاسم، کرشک سرامک پارٹی کے محمد سلمان، سید عزیز الحق، اور یوسف علی چوہدری۔ اور آر۔ پی کے کرنل عابد حسین شامل تھے۔

ایبڈو کے تحت سزا یافتہ سیاستدانوں کو محاذ میں شامل کرنے کے لئے اسے سیاسی پارٹی کی بجائے تحریک کا نام دیا گیا۔

لاہور اجلاس کے بعد محاذ کے مشرقی پاکستان لیڈروں نے مغربی پاکستان کا دورہ شروع کیا۔ تاکہ اپنا نقطہ نظر واضح کر سکیں۔ لیکن حکومت نے اس دورے میں رکاوٹیں کھڑی کیں اور اسے کامیاب نہ ہونے دیا۔ اس صورتحال کے بعد سہروردی نے عبدالحمید بھاشانی کو رہا کروانے کے لئے کوششیں کیں اور جب وہ رہا ہو گئے تو دونوں لیڈروں نے مل کر مشرقی پاکستان کا تفصیلی دورہ کیا۔ حکومت محاذ کی سرگرمیوں سے خوفزدہ ہو گئی۔ ایوب خان نے محاذ کو کمزور کرنے کے لئے دو آرڈیننس جاری کیے ایک ایبڈو سیاستدانوں پر سے پابندیاں ختم کرنے کے بارے میں اور دوسرا سیاسی

جماعتوں کی نوعیت اور تعریف کا نئے سرے سے تعین- تاکہ محاذ پر پابندی لگائی جا سکے-

ابھی تک محاذ کے ڈھانچے کا تعین نہیں ہو سکا تھا- اس سلسلے میں 27' 28 جنوری 1963ء کو ڈھاکہ اور کراچی میں محاذ کے اجلاس ہوئے- اس اجلاس میں پانچ صفحات کی قرارداد پاس کی گئی- جس میں 1958ء میں مارشل لاء کے نفاذ کی مزمت کی گئی اور اسے سوچی سمجھی منظم سازش قرار دیا گیا- 1962ء کے آئین پر تنقید کی گئی- ایوب خان کے جاری کردہ آرڈ یسسوں پر تنقید کی گئی اور جمہوریت کی بحالی کی جدوجہد میں توسیع کا اعلان کیا گیا- یہ اجلاس کراچی میں سہروردی کی رہائش گاہ لکھم ہاؤس میں ہوا تھا- حکومت نے اسے لکھم ہاؤس سازش کا نام دیا اور کراچی پولیس نے فروری میں اس مسئلے پر " لکھم ہاؤس سازش کیس" کے نام سے مقدمہ درج کر لیا حکومت نے اجلاس میں حصہ لینے والے کئی سیاستدانوں کو گرفتار بھی کر لیا-

حکومت کی ان کارروائیوں نے محاذ کی تنظیم سازی کے کام پر اثر ڈالا- پھر مارچ 1963ء میں سہروردی علاج کی خاطر بیرون ملک چلے گئے- اس سے محاذ مزید کمزور ہوا- اس کے علاو سیاسی راہنماؤں میں باہمی اختلافات بھی تھے- پھر بعض سیاستدانوں نے اپنی پارٹیاں بحال کر لیں- سہروردی وفات پا گئے- عبدالحمید بھاشانی حکومت کی طرف نرم رویہ رکھنے لگے- اس طرح محاذ بہت کمزور ہو گیا- لیکن مشرقی پاکستان میں محاذ پھر بھی ایک طاقتور حیثیت میں موجود رہا- مارچ 64ء کو ڈھاکہ میں ایک اجلاس ہوا- جس میں نور الامین محاذ کے صدر چنے گئے- محاذ نے سہروردی کی لائن پر اپنی جدوجہد جاری رکھی- لیکن متحدہ اپوزیشن جماعتیں (سی_ او- پی) کے قیام نے محاذ کو ناکام کر دیا- بعد ازاں محاذ نے بھی متحدہ اپوزیشن کی حمایت شروع کر دی-

صدارتی انتخابات میں اپوزیشن کی ہار اور سی- او- پی کی پارٹیوں میں اختلافات کو موضوع بنا کر محاذ کے لیڈروں نے دعویٰ کیا کہ ہمارا طریق جدوجہد ہی زیادہ بہتر ہے-

جنگ 1965ء کے بعد محاذ کا نیا دستور تشکیل دیا گیا- اور تنظیم نو کی گئی- محاذ نے پارلیمانی نظام کی بحالی کے لئے اپنا مطالبہ جاری رکھا- ازاں بعد محاذ اپوزیشن کی دوسری جماعتوں کے ساتھ شامل ہو گیا-

عوامی لیگ

مارشل لاء کے خاتمے پر دوسری جماعتوں نے اپنی بحالی کا اعلان کر دیا لیکن عوامی لیگ اس عمل میں شامل نہ ہوئی- عوامی لیگ کے لیڈر سہروردی مکمل جمہوریت کی بحالی تک سیاسی جماعتوں کو بحال کرنے کے حق میں نہیں تھے- اسی مقصد کے لئے انہوں نے قومی جمہوری محاذ تشکیل دیا تھا- لیکن سہروردی کی وفات کے بعد عوامی لیگ کا طرز فکر بدل گیا- 11 جنوری 1964ء کو مغربی پاکستان عوامی لیگ کی ورکنگ کمیٹی نے جماعت کی بحالی کا فیصلہ کر لیا- مشرقی پاکستان عوامی لیگ میں دو دھڑے تھے ایک دھڑا سابق وزیر اعلیٰ عطاء الرحمٰن کی قیادت میں سہروردی کی لائن پر چلنا چاہتا تھا- جبکہ دوسرا دھڑا شیخ مجیب الرحمٰن کی قیادت میں جماعت کی بحالی کا حامی تھا- لہٰذا دوسرے دھڑے نے جماعت کی بحالی کا اعلان کر دیا-

جب لیگ کی مرکزی کمیٹی کا اجلاس ہوا تو نوابزادہ نصراللہ خان کو عوامی لیگ کا صدر چنا گیا- وہ مارچ 1974ء میں عوامی لیگ کی پارلیمانی پارٹی کے بعد لیڈر بنے-

عوامی لیگ کی مرکزی تنظیم کمزور تھی اور اس کی طاقت کا انحصار مشرقی پاکستان عوامی لیگ پر تھا- جو صوبے میں بہت مقبول تھی اس کی وجہ جماعت کا پروگرام تھا- جنوری 1964ء کو مشرقی پاکستان لیگ کا اجلاس ہوا- جس میں وفاقی پارلیمانی نظام کی بحالی- جس میں مرکز کے پاس صرف دفاع خارجہ امور اور مالیاتی معاملات ہوں- بالغ رائے دہی کی بنیاد پر براہ راست انتخابات- ایبڈو کا خاتمہ اور سیاسی قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا- جون 64ء کو پارٹی کا 11 گیارہ نکاتی منشور جاری کیا گیا جس میں مذکورہ معاملات کے علاوہ عدلیہ کی انتظامیہ سے علیحدگی- اہم صنعتوں اور بینکوں وغیرہ کو قومیانے- دونوں صوبوں میں عدم مساوات کے خاتمے اور آزادانہ خارجہ پالیسی کا مطالبہ کیا گیا- ان مطالبات کے حق میں صوبائی لیگ کے راہنماؤں نے صوبے کا دورہ کیا- مجیب الرحمٰن نے جارحانہ انداز اپنایا اور 1958ء کے مارشل لاء کو سازش قرار دیا-

حکومت نے عوامی لیگ کی ان سرگرمیوں کی بناء پر اس کے راہنماؤں پر سختی کی- بعض کو گرفتار کیا اور ان کے خلاف مقدمے بنائے گئے- 1964ء میں مجیب الرحمٰن اور اس کے ساتھیوں کے خلاف ایک مقدمہ بنایا گیا کہ انہوں نے پاکستان مخالف پمفلٹ تقسیم کئے ہیں- اس کے علاوہ مجیب پر مشرقی پاکستان سیفٹی آرڈیننس اور تعزیرات پاکستان کی دفعہ 124-A کے تحت مقدمے بنائے گئے-

1964-65ء کے صدارتی انتخابات میں عوامی لیگ نے متحدہ اپوزیشن کا سرگرمی سے ساتھ دیا- اس کے دو لیڈر نوبزادہ نصراللہ اور شیخ مجیب الرحمٰن متحدہ اپوزیشن کے اہم رہنما تھے- محترمہ فاطمہ جناح کی ناکامی نے مشرقی پاکستان عوامی لیگ میں احساس پیدا کیا کہ موجود نظام کے تحت حکومت کو نہیں بدلا جا سکتا- اس سے لیگ میں غصہ پھیلا-

جنگ 1965ء نے عوامی لیگ میں علاقائی بنیادوں پر اختلافات کو ہوا دی اگرچہ لیگ کی تمام قیادت نے حکومت پاکستان کی جنگی کوششوں کی حمایت کی- لیکن بعد میں اختلاف ہوا- مغربی پاکستان لیگ نے معاہدہ تاشقند کی مخالفت کی اور وہ اس کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک چلانا چاہتے تھے- جبکہ مشرقی پاکستان لیگ نے اس معاہدے کو خوش آمدید کہا- انہوں نے مشرقی پاکستان کی کمزور دفاعی صورتحال کا بھی ذکر کیا-

فروری 1966ء کو لاہور میں دونوں شاخوں کے نمائندوں کا اجلاس ہوا۔ جس میں فیصلہ کرنا تھا کہ معاہدہ تاشقند پر اپوزیشن میں اتفاق رائے پیدا کیا جائے۔ مجیب الرحمٰن نے اس اجلاس میں چھ نکات کو بھی زیر بحث لانا چاہا۔ اس پر ناکامی پر مجیب نے اجلاس کا بائیکاٹ کر دیا۔ جبکہ مغربی پاکستان لیگ نے نصراللہ خان کی قیادت میں اجلاس جاری رکھا۔

چھ نکات مجیب الرحمٰن نے پہلی دفعہ پارٹی کی منظوری کے بغیر خود ذاتی حیثیت میں پیش کئے تھے اور اسی حیثیت میں ان کو عوام کے سامنے پیش کر دیا۔ بعد ازاں مشرقی پاکستان لیگ نے ان نکات کو بلا مخالفت پاس کر لیا۔

دو مرحلوں کا پروگرام پیش کیا پہلا یہ کہ ان نکات کی تشریح اور وضاحت کے لئے پمفلٹ وغیرہ تقسیم کئے جائیں اور تقریریں کی جائیں جب یہ عمل شروع ہوا تو لیگ کو عوام سے واضح حمایت حاصل ہوئی۔ حکومت نے 9 مئی 1966ء کو مجیب الرحمٰن، تاج الدین احمد۔ اور خوندکر مشتاق احمد کو گرفتار کر لیا تو مشرقی پاکستان میں فضا پوری طرح لیگ کے حق میں تھی۔ ان گرفتاریوں کے خلاف صوبے میں 7 جون 1966ء کو عوامی احتجاج شروع ہو گئے اور عوام نے ڈھاکہ میں حکومت پاکستان کے دفاتر اور اداروں پر حملے کئے۔ پولیس نے مظاہرین پر فائر کھول دیا۔ گیارہ افراد ہلاک ہوئے اور تقریباً 800 زخمی ہوئے۔ مشرقی پاکستان لیگ نے اس فائرنگ کے خلاف احتجاج کئے۔ چنانچہ مزید گرفتاریاں ہوئیں۔ اپنے لیڈروں کی گرفتاری کے باوجود مشرقی پاکستان لیگ نے 16 اگست 1966ء کو 6 نکات کے حق میں اپنے دوسرے مرحلے کا اعلان کر دیا۔ کہ "پرامن اور دستوری" طریقے سے ان کی اہمیت تسلیم کروائی جائے۔

چھ نکات کے حق میں تحریک صرف مشرقی پاکستان لیگ نے چلائی۔ مغربی حصے کی پارٹی نے اس مسئلہ پر کوئی رائے ظاہر کرنے سے گریز کیا۔

جب اپوزیشن پارٹیوں نے پی۔ ڈی۔ ایم کے نام سے حکومت کے خلاف تحریک شروع کی تو عوامی لیگ کی مرکزی کمیٹی نے اس تحریک سے اتحاد کر لیا اور اس کے آٹھ نکاتی پروگرام پر دستخط کئے۔ مشرقی پاکستان لیگ کے رہنماؤں نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ اس سلسلے میں آخری فیصلہ کرنے کی مجاز صرف مشرقی پاکستان لیگ ہے۔ لیگ کے باہمی اختلافات واضح ہو گئے اور مشرقی حصے کی پارٹی نے پی۔ ڈی۔ ایم سے لاتعلقی اختیار کر لی اور الگ عمل کا راستہ اپنایا۔ جب کہ دوسرے راہنماء نصراللہ خان۔ ظہیر الدین وغیرہ پی۔ ڈی۔ ایم کے لئے کام کرنے لگے۔ عوامی لیگ نصراللہ گروپ نے خود کو اپوزیشن پارٹیوں سے منسلک کر دیا اور اس کے بعد اس حصے نے کبھی بھی آزادانہ کام نہ کیا۔ مشرقی پاکستان لیگ نے چھ نکات کے لئے تحریک جاری رکھی اور خود کو مشرقی حصہ تک محدود کر لیا جب اس لیگ کے انتخابات ہوئے۔ تو مجیب الرحمٰن اس کے صدر اور تاج الدین احمد سیکرٹری جنرل چنے گئے۔

جنوری 1968ء میں حکومت نے لیگ کے راہنماؤں پر "اگر تلہ سازش کیس" کے نام سے مقدمہ چلایا۔ 34 افراد کو گرفتار کر لیا گیا۔ جن میں سول، فوجی لوگ اور ان کے علاوہ مجیب الرحمٰن شامل تھے۔ ان پر الزام تھا کہ انہوں نے انڈیا کے مقام اگر تلہ پر سازش تیار کی ہے کہ مشرقی پاکستان کو مسلح جدوجہد اور انڈیا کی حمایت سے الگ کروایا جائے۔ اس مقدمے کی کارروائی کے لئے خصوصی ٹربیونل قائم کر دیا گیا۔ جب یہ مقدمہ بنایا گیا۔ مجیب الرحمان اس وقت پہلے ہی جیل میں تھے۔ اس چیز نے ان کی بے گناہی کے تصور کو مضبوط کر دیا۔ اس مقدمے سے مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ اور مجیب الرحمان کی حمایت بڑھی۔ فروری 1969ء میں جب مجیب الرحمان رہا ہوئے۔ تو وہ ایک ہیرو کا درجہ حاصل کر چکے تھے۔

نیشنل عوامی پارٹی۔۔(نیپ)

مارشل لاء دور میں نیپ وہ پارٹی تھی۔ جس پر سب سے زیادہ سختیاں کی گئیں۔ اس کے لیڈر مولانا عبدالحمید بھاشانی مارشل لاء کے خاتمے کے وقت جیل میں تھے۔ مارشل لاء کے خاتمے پر نیپ نے خود کو قومی جمہوری محاذ سے منسلک کر لیا۔ جو غیر جماعتی بنیادوں پر قائم اتحاد تھا۔ نومبر 1962ء میں عبدالحمید بھاشانی رہا ہوئے۔ تو وہ بھی سہروردی سے منسلک ہو گئے۔

نیپ میں صوبائی خود مختاری کے حامی، ون یونٹ کے مخالف معاشی اصلاحات کے حامی، بائیں بازو والے اور آزاد خارجہ پالیسی کے حامی افراد شامل تھے۔ ایوب خان کی خارجہ پالیسی اور بین الاقوامی کمیونسٹ تحریک میں تفاوت نے پارٹی کے مختلف گروپوں میں اختلافات پیدا کر دیئے۔ پاکستان نے چین سے دوستانہ تعلقات کی پالیسی اپنائی۔ حکومت کی اس پالیسی سے مولانا بھاشانی اور ان کے گروپ کا رویہ حکومت کی طرف نرم ہو گیا۔ اس بناء پر مولانا بھاشانی کی قومی جمہوری محاذ میں دلچسپی کم ہو گئی اور انہوں نے مشرقی پاکستان میں کرشک سمتی پارٹی کی سرگرمیوں میں زیادہ حصہ لینا شروع کر دیا۔ ستمبر اکتوبر 1963ء میں بھاشانی نے ایک نیم سرکاری وفد کے سربراہ کے طور پر چین کا دورہ کیا۔ جہاں ماؤ سے ملاقات کی۔ واپسی پر ان کا رویہ ایوب خان کے لئے مزید نرم ہو گیا۔

اسی دوران مغربی پاکستان شاخ نے پارٹی کی بحالی کا ارادہ ظاہر کیا۔ جبکہ مشرقی حصے کی شاخ خاص طور پر محمود علی نے اس تصور کی مخالفت کی۔ آخر کار دونوں شاخوں میں مفاہمت کے بعد نیپ کی مرکزی کمیٹی نے 28، 29 فروری 1964ء کو ڈھاکہ میں اجلاس کیا اور پارٹی کی بحالی کا اعلان کیا۔ مولانا بھاشانی کو صدر اور محمود الحق عثمانی کو سیکرٹری جنرل منتخب کیا گیا۔

محمود علی اور ان کے گروپ نے اس اجلاس کا بائیکاٹ کیا اور قومی جمہوری محاذ کے ساتھ کام جاری رکھا۔

16 جولائی 1964ء کو پارٹی کے 36 نکاتی منشور کا اعلان کیا گیا۔ جس میں مقننہ کے لئے مکمل اختیارات، براہ راست انتخابات بنیادی حقوق کے تحفظ،

مکمل علاقائی خود مختاری جس میں مرکز کے پاس صرف دفاع' امور خارجہ' مالیات اور مرکز کے معاملات ہوں- ون یونٹ کے خاتمے' جابرانہ قوانین کا خاتمہ' سیاسی قیدیوں کی رہائی- عدلیہ کی انتظامیہ سے علیحدگی- اہم صنعتوں کو کو قومیانے کسانوں میں زمین کی تقسیم' آزادانہ خارجہ پالیسی جس میں دفاعی معاہدوں سے علیحدگی ہو-

اپنی بحالی کے فوری بعد نیپ نے عوامی لیگ اور نظام اسلام سے مل کر بالغ رائے دہی کی بنیاد پر براہ راست انتخابات کے لئے جدوجہد شروع کر دی- دوسرا مسئلہ بلوچستان میں پارٹی لیڈروں کی گرفتاری تھی- جس کے لئے پارٹی نے ہائی کورٹ کے جج سے تحقیقات کرانے کا مطالبہ کیا اور "بلوچستان ڈے" منایا-

1964-65ء کے صدارتی انتخاب میں بھاشانی ایوب خان کی حمایت پر راضی تھے- لیکن 17 جولائی کو پشاور میں سنٹرل کمیٹی کے اراکین کا اجلاس ہوا- جس نے متحدہ اپوزیشن کی حمایت کا فیصلہ کیا- پارٹی نے سی- او- پی (متحدہ اپوزیشن) کے تشکیل پانے پر اس کی حمایت کی-

صدارتی انتخابات کے بعد پارٹی میں پھر ایوب خان کی حمایت بڑھی جس کی خارجہ پالیسی کے تصور سے نزدیک تھی- پارٹی نے شمالی ویت نام میں امریکی بمباری کے خلاف احتجاج کئے اور اس مسئلے پر ایوب خان کی پالیسی کی حمایت کی-

حکومت کے لئے پارٹی کی اس حمایت پر حکومت نے پارٹی پر سختیاں کم کر دیں- اس دوران پارٹی نے تنظیم نو کا کام مکمل کیا- تنظیم نو کے بعد 27' 28 جولائی 1965ء کو پارٹی کی قومی کونسل کا اجلاس ہوا- جس میں بھاشانی کو صدر اور محمود الحق عثمانی کو سیکرٹری جنرل منتخب کیا گیا- اس موقع پر پارٹی کے دستور میں بھی تبدیلی کی گئی اور فلاحی ریاست کی بجائے سوشلسٹ ریاست کو پارٹی کا مقصد قرار دیا گیا-

جنگ 1965ء کے بعد نیپ نے معاہدہ تاشقند کو خوش آمدید کہا- پارٹی نے چھ نکات پر مخالفانہ بیانات دیئے- پارٹی نے چھ نکات کو مشرقی پاکستان کے سرمایہ داروں کے مقاصد قرار دیا-

4 سے 7 جون 1966ء تک ڈھاکہ میں پارٹی کی مرکزی ورکنگ کمیٹی کا اجلاس ہوا- جس میں ملک کی سیاسی صورتحال کا جائزہ لیا گیا اور سوشلزم کو ملک کے مسائل کا حل قرار دیا گیا-

پارٹی کی پالیسیوں نے اسے ملک کی دوسری اپوزیشن پارٹیوں سے الگ کر دیا- اپوزیشن کے نیپ پر اعتماد کو دھچکہ پہنچا اور جب 1967ء میں ایک نیا اپوزیشن اتحاد کے مباحث چلے تو نیپ کو ان مذاکرات میں دعوت نہ دی گئی- مشرقی پاکستان نیپ نے اس صورتحال کو انتہا پسند دائیں بازو والوں کی سازش قرار دیا-

پاکستان جمہوری تحریک (پی- ڈی- ایم) کے قیام سے نیپ میں اختلافات پیدا ہو گئے- پارٹی میں پہلے ہی دو گروپ موجود تھے- جن میں دوسرے اختلافات کے علاوہ چین اور روس کے نظام اپنانے پر اختلافات تھے- جنہیں اسی مناسبت سے چین نواز اور روس نواز کہا جاتا تھا- چین نواز گروپ کی قیادت بھاشانی کے پاس تھی- جب کہ روس نواز گروپ کے لیڈر مظفر احمد (مشرقی پاکستان) اور ولی خان وغیرہ تھے- اس گروپ نے دسمبر 1967ء کو پارٹی سے علیحدگی اختیار کر لی اور اپریل 1968ء کو ایک اجلاس میں ولی خان کو اپنا سربراہ بنا لیا- پارٹی نے پاکستان جمہوری تحریک کی حمایت کی- اور اپوزیشن کے اتحاد میں شامل ہو گئی- پارٹی نے ایوب خان کے خلاف تحریک میں سرگرمی سے حصہ لیا-

چین نواز گروپ نے بھی اپنی تنظیم نو کی اور فروری 1968ء کو بھاشانی کو اپنا لیڈر چنا- اس گروپ نے آزادانہ کام جاری رکھا- اس گروپ نے آنے والے انتخابات کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا- بھاشانی نے 1962ء کے آئین کو ناقابل عمل قرار دے دیا- 10 مارچ 69ء کو بھاشانی نے بھٹو نے مشترکہ عمل کے لئے 10 نکاتی معاہدے پر دستخط کئے-

پاکستان پیپلز پارٹی

پیپلز پارٹی ایوب حکومت کے سابق وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے ایوب حکومت کے خاتمے سے تقریباً ایک سال اور تین مہینے پہلے تشکیل دی- 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد ہونے والے معاہدہ تاشقند کی مخالفت کی بناء پر بھٹو ایوب حکومت سے علیحدہ ہو گئے- انہوں نے مارچ 1966ء میں کونشن مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل کے عہدے سے استعفیٰ دے دیا اور بیرون ملک چلے گئے- واپسی پر انہوں نے حکومت پر زبردست تنقید کی اور آخر کار نئی پارٹی بنانے کا اعلان کر دیا- اس سلسلے میں ان کے ساتھی' ڈاکٹر مبشر حسن جے- اے- رحیم- حنیف رامے اور ملک کے دوسرے کئی ترقی پسند رہنما تھے-

پارٹی کا پہلا تاسیسی اجلاس 30 نومبر اور یکم دسمبر 1967ء کو لاہور میں ڈاکٹر مبشر حسن کی رہائش گاہ پر ہوا جس میں پارٹی کا نام تجویز کیا گیا- مندرجہ ذیل چار نکات پارٹی کے راہنما اصول مقرر کئے گئے-

(ا) اسلام ہمارا دین ہے-
(ب) جمہوریت ہماری سیاست ہے-
(ج) سوشلزم ہماری معیشت ہے-
(د) طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں-

یکم دسمبر 1967ء کو پارٹی کے قیام کا اعلان کر دیا گیا- جس کے چیئرمین لیڈر ذوالفقار علی بھٹو' اور جنرل سیکرٹری جے- اے- رحیم مقرر ہوئے- ایک سہ رکنی اصولی کمیٹی تشکیل دی گئی- جس میں حنیف رامے' ڈاکٹر مبشر حسن اور جے- اے- رحیم شامل تھے-

پارٹی نے اپنے قیام کے موقع پر نئے دستور کا مطالبہ کیا۔ بنیادی صنعتوں اور بینکوں کو قومیانے' مزدوروں اور کسانوں کی بہتری کے اقدامات کرنے' غیروابستہ خارجہ پالیسی اپنانے' دفاعی معاہدوں سے علیحدگی' دولت مشترکہ سے علیحدگی' افریقی اور ایشیائی اقوام سے اظہار یکجہتی کا مطالبہ کیا۔ جنوری 1968ء میں بھٹو نے اپنی پارٹی کی حمایت میں عوامی رابطہ مہم شروع کی۔ حکومت کی طرف سے پابندیوں اور رکاوٹوں کے باوجود انہوں نے اپنی مہم جاری رکھی۔ انہوں نے اپنی تقاریر میں زور دیا کہ حکومت نے معاہدہ تاشقند میں قومی مفادات پر سودے بازی کی ہے انہوں نے موجود آمرانہ اور بیوروکریسی کے نظام پر بھی تنقید کی' اور کہا کہ ان طبقوں نے غریب اور امیر میں فاصلہ بڑھادیا ہے۔

انہوں نے مشرقی پاکستان میں بھی اپنی پارٹی کی تنظیم قائم کرنے کا فیصلہ کیا اور اس مقصد کے لئے وہاں کا دورہ بھی کیا لیکن حکومتی پابندیوں کی بناء پر یہ دورہ کامیاب نہ ہو سکا انہوں نے اپوزیشن جماعتوں کو جمہوریت کی بحالی کی تحریک میں اپنی خدمات پیش کیں۔ پارٹی کو بھٹو کی حکومت مخالف تقاریر کی بنا پر مغربی پاکستان میں وسیع عوامی حمایت حاصل ہو گئی۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ قائداعظم کے بعد پہلی دفعہ کسی لیڈر کو مغربی پاکستان میں اتنی وسیع حمایت ملی۔

جب بھٹو نے اپوزیشن پارٹیوں کو حکومت کے خلاف تعاون کی پیش کش کی تو شروع میں ان پارٹیوں نے بھٹو کی پیش کش کو مشکوک انداز میں دیکھا وہ اپوزیشن (دستوری) طریقے سے جدوجہد کرنے کے قائل تھے۔ جماعت اسلامی خصوصا بھٹو کی مخالفت کی۔ بھٹو مذہبی جماعتوں میں اپنی مخالفت کو کم کرنے کے لئے "اسلامی سوشلزم" کا نعرہ لگایا۔

ایوب خان کے خلاف بھٹو کی تحریک پابندیوں کے باوجود جاری رہی۔ نوائے وقت نے اپنے صفحات میں بھٹو کو جگہ دی۔ حکومت نے بھٹو کے خلاف مقدمات بنائے۔ لیکن ان سے بھٹو کو مقبولیت بڑھی۔ پیپلز پارٹی حکومت کے خلاف تحریک میں ان عناصر کے ساتھ جو حکومت سے کسی قسم کی رعایت کرنے کو تیار نہ تھے۔ 69-1968ء میں پارٹی نیشنل عوامی پارٹی (بھاشانی گروپ) سے مل کر ایوب خان سے مذاکرات کے لئے گول میز کانفرنس کا بائیکاٹ کیا۔

چوتھا حصہ

دستاویزات

ایبڈو۔۔۔۔ قانون کا متن

پورا متن

صدر مملکت نے سات اکتوبر 1958ء کے اعلان اور اس اعلان کے دیئے ہوئے اختیارات کے مطابق منتخب اداروں سے نااہل قرار دینے کا آرڈر مجریہ 1959ء نافذ کر دیا ہے اسے سارے ملک کے لئے نافذ کیا گیا ہے اس کا اطلاق سرکاری ملازموں کے سوا پاکستان کے سارے شہروں پر ہو گا اس پر فی الفور عمل در آمد کیا شروع ہو گیا ہے اسے 31 دسمبر 1966ء تک کے عرصہ کے لئے نافذ کیا گیا ہے اس کے بعد وہ منسوخ سمجھا جائے گا۔

اس حکم میں جہاں منتخب ادارے کا لفظ استعمال کیا گیا وہاں اس کا مطلب ایسی اسمبلی' بورڈ' کمیٹی یا ایسا ہی دوسرا ادارہ ہے جس کے سارے ارکان یا چند ارکان انتخاب کے ذریعہ منتخب کئے جائیں ان میں مجلس وضع قانون' میونسپل کارپوریشن' میونسپل کمیٹی' کنٹونمنٹ بورڈ' ڈسٹرکٹ بورڈ' نوٹیفائڈ ایریا کمیٹی' ٹاؤن ایریا کمیٹی' سینیٹری کمیٹی یا کوئی اور مقامی ادارہ یا ایسا انتخابی ادارہ شامل ہے جو کسی مجلس قانون ساز کے انتخاب کے لئے قائم کیا گیا ہو یا مستقبل میں قائم کیا جائے۔

بداعمالی

اس حکم میں بداعمالی کی جو اصطلاح استعمال کی گئی ہے اس میں وہ بداعمالیاں شامل ہیں جو چودہ اگست 1947ء کے بعد سرزد ہوئی ہیں بداعمالیوں کے دائرے میں حسب ذیل سرگرمیاں شامل ہوں گی:-

تخریبی سرگرمی

ایسے اصولوں کا پرچار جن سے ملک میں عدم استحکام پیدا ہو ایسا اقدام جس سے عدم استحکام پیدا ہو۔ رشوت ستانی' بدعنوانی' بدعنوانی کی شہرت' رشوت ستانی کی شہرت' کنبہ پروری' ناجائز طرفداری' دانستہ بدانتظامی' سرکاری روپیہ کا ناجائز استعمال (اس روپیہ میں وہ روپیہ بھی شامل ہے جو چندے سے جمع کیا گیا ہو) اختیارات یا سرکاری پوزیشن کا غلط استعمال۔ ایسی بداعمالیوں کی اعانت......۔

ٹربیونل

اس حکم میں جہاں ٹربیونل کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کا مطلب ایسا ٹربیونل ہے جو آرٹیکل نمبر 3 کے تحت قائم کیا گیا ہو۔ صدر مملکت' گورنر مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان میں سے ہر ایک' سرکاری گزٹ میں اعلان کر کے ایک یا ایک سے زیادہ ٹربیونل قائم کر سکتے ہیں ان میں سے ہر ٹربیونل سہ رکنی ہو گا ان میں سے ایک رکن صدارت کے فرائض انجام دیا کرے گا صدر ایسے رکن کو بنا دیا جائے گا جو سپریم کورٹ' فیڈرل کورٹ یا کسی ہائی کورٹ کا جج ہو یا جج رہا ہو یا ایسا ڈسٹرکٹ یا سیشن جج ہو یا رہا ہو جسے ہائی کورٹ کا جج مقرر کیا جا سکے اس سلسلہ میں جو ٹربیونل قائم کئے جائیں گے انہیں ذیل کے ناموں سے پکارا جائے گا:-

(1) مرکزی منتخب اداروں سے نااہل قرار دینے والا ٹربیونل (2) مغربی پاکستان کے منتخب اداروں سے نااہل قرار دینے کا ٹربیونل (3) مشرقی پاکستان کے منتخب اداروں سے نااہل قرار دینے کا ٹربیونل۔

ٹربیونل کا کام

اس آرڈر کے تحت قائم ہونے والا کوئی بھی مرکزی ٹربیونل حسب ذیل اشخاص کی بداعمالیوں کی تحقیقات کر کے رپورٹ پیش کرے گا:-

1.... جو اشخاص فیڈریشن کے زیر اہتمام یا فیڈریشن سے تعلق رکھنے والے کسی منتخب ادارے میں عہدیدار یا رکن کی حیثیت سے کام کر رہے ہوں یا کرتے رہے ہوں۔ (2).... جو اشخاص بداعمالی سرزد کرتے وقت وفاقی دارالحکومت کے شہری ہوں یا اس کے بعد وفاقی دارالحکومت کے شہری رہے ہوں۔ مغربی پاکستان کے منتخب اداروں سے نااہل قرار دینے والا ٹربیونل حسب ذیل اشخاص کی بداعمالیوں کی تحقیقات کر کے رپورٹ پیش کرے گا:-

(1).... جو اشخاص چودہ اکتوبر 1955ء کے بعد صوبہ مغربی پاکستان یا اس سے تعلق رکھنے والے کسی منتخب ادارے میں عہدیدار یا رکن ہوں یا رہے ہوں اس طرح اس تاریخ سے پہلے ان علاقوں یا ریاستوں کے کسی منتخب ادارے کے رکن یا عہدیدار رہے ہوں جو متذکرہ تاریخ کو اس صوبے کا جزو بن گئے تھے۔ (2).... جو اشخاص بداعمالیوں کے ارتکاب کے وقت اس صوبے کے کسی علاقے میں آباد ہوں یا اس کے بعد آباد ہوئے ہوں مشرقی پاکستان کے منتخب اداروں سے نااہل قرار دینے والا ٹربیونل حسب ذیل اشخاص کے بارے میں تحقیقات کر کے اپنی رپورٹ پیش کرے گا:-

(1).... جو اشخاص مشرقی پاکستان یا مشرقی بنگال کے کسی منتخب ادارے کے عہدیدار یا رکن ہوں یا رہے ہوں۔ (2).... جو اشخاص بداعمالی کے ارتکاب کے وقت اس صوبے کے باشندے ہوں یا اس کے بعد وہاں آباد ہوئے ہوں۔

دسمبر 1966ء تک نااہل

اگر کسی شخص کا نااہلی کے سوا کسی اور الزام کے تحت برطرف کیا جائے گا اس کے عہدے یا رکنیت سے الگ کیا جائے گا یا ریٹائر کر دیا جائے گا تو اس صورت میں وہ اکتیس دسمبر 1966ء تک کسی منتخب ادارے کا رکن یا امیدوار بننے کا نااہل قرار پائے گا۔

جس شخص کے خلاف سیکورٹی آف پاکستان ایکٹ مجریہ 1952ء کی دفعہ

نمبر3 کے تحت کبھی حکم صادر ہوا ہو یا کسی اور قانون کے تحت ایسے اقدامات کے انسداد کے لئے حکم صادر ہوا ہو جو دفاع یا تعلقات خارجہ کے لئے مضرت رساں متصور ہوں یا پاکستان یا اس کے کسی حصے کی سلامتی کو ان سے کسی قسم کا خاطرہ لاحق ہو یا خطرہ ہو کہ ان اقدامات کی وجہ سے قوم کے لئے ضروری اشیاء کی فراہمی میں رکاوٹ پیدا ہو گی یا پاکستان کی ضروری سروسوں پر ان کی وجہ سے کوئی برا اثر پڑے گا یا ان سے امن عامہ متاثر ہو گا اس قسم کے سارے اشخاص نا اہل قرار دے دیئے جائیں گے۔ ایسے اشخاص بھی نااہل قرار پائیں گے جنہیں فیڈرل کورٹ، کسی ہائی کورٹ یا 1949ء کے پبلک اور نمائندہ عہدوں سے نااہل قرار دینے کے قانون کے تحت قائم شدہ ٹربیونل کی طرف سے مجرم گردانا گیا ہو۔

ٹربیونل صرف اسی صورت میں کسی بداعمالیوں کی تحقیقات کرے گا جب اسے مرکزی یا صوبائی حکومتوں میں سے کسی ایک کی طرف سے ایسا کرنے کی ہدایت کی جائے گی۔ ٹربیونل عائد شدہ الزامات کے بارے میں ضروری کاغذات و دستاویزات کی جانچ پڑتال کرے گا اگر ایسے ضروری کاغذات اور دستاویزات کی جانچ پڑتال کے بعد یہ معلوم ہو کہ کوئی الزام ثابت نہیں ہوا تو وہ متعلقہ حکومت کو اطلاع دے دے گا کہ الزام کی بنیاد کمزور ہے ورنہ وہ معلہ شخص یا اشخاص کے نام نوٹس جاری کرے گا جس کے ذریعے اسے وجہ بیان کرنے کی ہدایت کی جائے گی کہ کیوں نہ اس کے خلاف اس آرڈر کے تحت سفارش کی جائے۔

ٹربیونل کی طرف سے جس شخص کو آرٹیکل نمبر8 کی دفعہ 2 ضمنی دفعہ نمبربی کے تحت نوٹس جاری کیا جائے گا اس میں پیش کش کی جائے گی کہ اگر وہ چاہے تو اکتیس دسمبر 1966ء تک پبلک زندگی سے ریٹائر ہو سکتا ہے اگر نوٹس وصول کرنے والا شخص اس پیش کش کو قبول کرے تو اس صورت میں اس کے خلاف کارروائی فی الفور بند کر دی جائے گی اور وہ شخص 21 دسمبر 1966ء تک نا اہل قرار پائے گا یعنی وہ اس عرصہ میں کسی منتخب ادارے کا رکن بننے یا اس کا امیدوار بننے کا اہل نہیں رہے گا۔

ٹربیونل کی تحقیقات

اگر کوئی شخص یہ پیش کش قبول نہ کرے تو اس صورت میں ٹربیونل اس کے خلاف عائد شدہ الزامات کی تحقیقات کرنے کے لئے ان تمام کاغذات اور دستاویزات کی جانچ پڑتال کرے گا جو اس کے خیال کے مطابق ضروری ہوں۔ ٹربیونل اس سلسلہ میں اس شخص کو بھی اپنے حضور میں طلب کرے گا اور اسے صفائی پیش کرنے کا موقع دے گا اس کے بعد ٹربیونل تحقیقات کے نتیجے کو رپورٹ کی شکل دے گا اور اسے متعلقہ حکومت کو پیش کر دے گا اگر ٹربیونل کی رائے میں یہ شخص قصوروار ہو تو اس صورت میں ٹربیونل متعلقہ حکومت کو اس کے بارے میں سفارش بھی کرے گا کہ اس شخص کی "بداعمالی کی وجہ سے جو نقصان پہنچا ہے اسے اس کی تلافی کے لئے کیا کرنا چاہئے یا نقصان کی تلافی کے لئے کتنی رقم ادا کرنی چاہئے"۔

اس شخص کے قصوروار ثابت ہونے پر متعلقہ حکومت ایک حکم کے ذریعہ اسے 31 دسمبر 1966ء تک نااہل قرار دے دے گی اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ 31 دسمبر 1966ء تک کسی منتخب ادارے کا رکن بننے کا اہل نہیں رہے گا اس طرح متعلقہ حکومت اسے یہ حکم بھی دے گی کہ اس کی بداعمالی کی وجہ سے جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی کے لئے اسے کتنا روپیہ ادا کرنا چاہئے یا اسے کیا اور قدم اٹھانا چاہئے۔

ٹربیونل کے اختیارات

ٹربیونل کو کسی شخص کے مقدمہ کی سماعت کے وقت حسب ذیل امور میں سول عدالت کے اختیارات حاصل ہوں گے۔

(ا) کسی شخص کے نام سمن جاری کرنا اسے حاضر ہونے پر مجبور کرنا اور اس سے حلفیہ بیان لینا۔ (ب) ٹربیونل متعلقہ اشخاص کو متعلقہ دستاویزات پیش کرنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ (ج) ٹربیونل حلفیہ گیبان پر شہادت لینے کا مجاز ہو گا۔ (د) ٹربیونل گواہوں وغیرہ کو طلب کرنے کا مجاز ہے اور گواہوں سے بیانات لے سکتا ہے۔

(ر) کمیشن متعلقہ اشخاص کو ایسی معلومات فراہم کرنے پر مجبور کر سکتا ہے جو اس کے خیال کے مطابق تحقیقات کے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہوں۔

(س) ٹربیونل کسی سرکاری گزٹیڈ آفیسر کو کسی ایسی عمارت میں گھس کر ضروری دستاویزات حاصل کرنے کا حکم دے سکتا ہے جہاں سے ٹربیونل کے خیال کے مطابق میسر ہو سکتی ہوں جو تحقیقات کے کام میں مفید ثابت ہو سکتی ہوں یہ ضروری نہیں کہ ایسی دستاویزات حسابات سے تعلق رکھتی ہوں ٹربیونل اس افسر کو ایسی کتابوں یا دستاویزات کی نقلیں حاصل کرنے کا بھی حکم دے سکتا ہے۔

مشرقی پاکستان پر قدرت اللہ شہاب کی رپورٹ

حضرت قائداعظمؒ کی وفات کے بعد پہلی بار مشرقی پاکستان میں ایک عام آدمی اپنی مرضی سے سانس لینے لگا ہے۔ وہ زہر جو سیاست دان ایک عرصہ تک اس کے کانوں میں گھولتے رہے تھے اپنا اثر کھو رہا ہے اگر اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ حب الوطنی کے اسی جذبے سے سرشار ہو گا جو ایک سچے پاکستانی میں ہونا چاہئے۔

دس برسوں میں یہ پہلا موقع ہے کہ ڈھاکہ اور دوسرے شہروں میں یوم قائداعظمؒ پورے جوش و جذبہ سے منایا گیا۔

اس دفعہ 25 دسمبر کو صدر کی ریڈیو پر تقریر سننے کے لئے ڈھاکہ کے گلی کوچوں میں مجمع نظر آیا جو انتظامیہ کا پیدا کردہ نہیں تھا بلکہ خود بخود ابھرا تھا

لوگوں نے بے خود ہو کر جذباتی نعرے لگائے اور اس وقت بے قابو ہو کر آب دیدہ ہو گئے جب صدر صاحب نے مسئلہ کشمیر اور نہری پانی کے تنازعہ کا ذکر کیا یہ منظر اس وجہ سے اور بھی قابل دید تھا کیونکہ ایک عام مشرقی پاکستان براہ راست ان دو مسائل کی زد میں نہیں آتا اسی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مغربی پاکستان سے اس کی وابستگی گہری اور جذاتی ہے بشرطیکہ اسے منفی پراپگنڈے سے آلودہ نہ ہونے دیا جائے۔

مارشل لاء کے آغاز میں مشرقی پاکستان کے باشندوں کو وسواس تھا کہ مارشل لاء کے پردے میں مغربی پاکستان پر مشتمل فوج کی اکثریت ایک فاتح فوج کا کردار ادا کرے گی تاہم فوج کے رویئے نے اس کے خدشات کو باطل اور بے بنیاد بنا کر دکھا دیا ہے بلکہ اب مشرقی پاکستان میں عام شکایت ہے کہ فوجی دستوں نے بیرکوں میں واپس جانے میں جلدی کیوں کی۔ جنرل امراؤ خان ایک دل کش اور خوش طبع رہنما کے روپ میں ابھرے ہیں۔ بنگالیوں میں آج کل مزاح کے طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ مشرقی پاکستان پر تین اشخاص حکومت کر رہے ہیں ایک امراؤ خان' دوسرے اظفر اور تیسرا ذاکر حسین جن میں امراؤ خان بنگالی ہے۔

بد قسمتی سے گورنر کی شہرت خراب ہے بنگالی ہوتے ہوئے ان کے دروازے سب کے لئے یکساں کھلے ہونے چاہئیں بالخصوص مقامی صحافیوں کے لئے ان کے متعلقہ سنگین نوعیت کے الزامات سننے میں آئے مثال کے طور پر چٹاگانگ میں اس قسم کی گفتگو عام تھی۔

"ذاکر حسین کے اپنے ذاتی مکان کے لئے نہ کوئی اپروچ روڈ تھی اور نہ بجلی مہیا تھی۔ چٹاگانگ میں صدر ایوب کو اپنے مکان میں ٹھہرانے کے بہانے اس سے نے پی ڈبلیو ڈی سے سرکاری خرچ پر سڑک بنوائی ریلوے حکام کو مجبور کیا کہ بجلی مہیا کریں' سرکاری اداروں سے آس پاس کا جنگل صاف کروایا' گھر میں رنگ و روغن اور کئی قسم کے قیمتی الیکٹرک آلات نصب کروا لئے۔ صدر ایوب کو سرکٹ ہاؤس میں قیام کرنا چاہئے تھا نہ کہ ذاکر حسین کے ذاتی مکان میں۔"

میں نے چند ایک مقامی افسروں سے کہا کہ ان افواہوں کا سدباب کریں مگر وہ کندھے جھٹک کر کہتے کہ کونسا جھوٹ ہے اگر یہ سب کچھ صحیح ہے تو بدعنوانی کا ہدف ذاکر حسین کی بجائے صدر صاحب کی اپنی ذات سے بھی ہو سکتی ہے ایک معمولی دکاندار نے جو چٹائیاں بیچتا ہے مجھے بلا جھجک بتایا۔

"ہمارے نزدیک پیسور اما ایک غلیظ اور ناپاک مکان ہے آپ مہربانی کر کے صدر ایوب کا بتا دیں کہ ان کے قیام کرنے سے اس مکان کی نوعیت بدل نہ جائے گی بلکہ صدر خود ناپاک ہو گئے ہیں یہاں ٹھہرنے کے لئے خوبصورت سرکٹ ہاؤس موجود ہے۔"

ہندو۔

سمگلنگ اور ذخیرہ اندوزی کا دھندہ چونکہ تیزی سے ختم ہوتا دکھائی دینے لگا ہے اس لئے ہندو کاروباری طبقے پر مردنی چھانے لگی ہے اگرچہ وہ تذبذب کا شکار ہے تاہم وہ سمجھتا ہے کہ اب یہ فیصلہ کرنے کا وقت آگیا ہے کہ باڑ کی کس طرح چھلانگ لگانی ہو گی چٹاگانگ میں ہندوؤں کی خاصی تعداد ہے پھر بھی صدر پاکستان کے پبلک جلسے میں ان کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی مقامی انتظامیہ کے مطابق یہ بلاوجہ نہیں تھا۔

سیاسی لیڈر۔

سیاستدان سو نہیں گئے اور نہ ہی غافل ہوئے ہیں ان کی خاموش نفرت آمیز تمسخر کی آئینہ دار ہے وہ آس لگائے بیٹھے ہیں کہ شاید کوئی "اچھی" صورت پیدا ہو جائے۔ اقتدار کے خاتمے اور محاسبے کے خوف نے انہیں وقتی طور پر مبہوت کر دیا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ انہیں محاسبے کے عمل میں مصروف رکھا جائے ورنہ وہ منفی رجحانات پیدا کرنے کی پھر سے ہر ممکن کوشش کرنا شروع کر دیں گے۔ چشم پوشی یا درگزر کی پالیسی ان کے عزائم کے لئے تقویت کا باعث ہو گی۔ عوام منتظر ہیں کہ سیاسی جرائم کے مرتکب افراد قرار واقعی سزا پائیں اگر پرانے لیڈروں میں سے دو چار کو تختہ دار پر لٹکا بھی دیا جائے تو کہیں بھی کوئی کتا نہ بھونکے گا۔ اگر خاموشی سے وقت گزر گیا تو یقیناً پرانے پاپی شرارتی عنصر کو اپنے گرد جمع کر لیں گے۔ عام تاثر یہی ہے کہ ان کے خلاف تادیبی کارروائی انتہائی ناکافی اور سیاستدانوں کے کردار کی گھناؤنی تصویر محض انقلاب کے جواز کی خاطر پیش کی جا رہی ہے۔

طلباء۔

ڈھاکہ طلباء میں ابھی سخت جان کیمونسٹ عنصر موجود ہے وہ اور ان کے ساتھ مل کر کچھ اساتذہ بھارت کی دی ہوئی ڈفلی بجا رہے ہیں کہ پاکستان میں کھلی ڈکٹیٹر شپ قائم ہو گئی ہے خوش قسمتی سے موجودہ وائس چانسلر مسٹر جسٹس حمود الرحمٰن ایک محب وطن دانش ور ہیں اور انہیں عزت و احترام حاصل ہے انہوں نے یونیورسٹی کے مختلف شعبوں میں یونین کے انتخابات کے دوران مثبت حکمت عملی سے کام لیتے ہوئے کیمونسٹ عنصر کے لئے ہزیمت کا سامان پیدا کیا ہے اسی لئے اب اس عناصر نے یہ خفیہ مہم شروع کر دی ہے کہ جسٹس حمود الرحمٰن چونکہ شستہ اردو بول سکتے ہیں اس لئے وہ بنگالی نہیں ہیں ڈھاکہ میں ہر وہ شخص جو تخریبی عناصر کا ساتھ نہ دے اس پر غیر بنگالی یعنی مغربی پاکستان کا لیبل چسپاں کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تاہم وائس چانسلر اسی طرح دانش مندی سے کام لیتے رہے تو یقیناً وہ یونیورسٹی کو صحیح سمت کی طرف لے جانے میں کامیاب ہو سکیں گے۔

پریس۔

ڈھاکہ پریس نے بلاشبہ اپنی وہی پرانی روش اختیار کر لی ہے کچھ اختیارات مثال کے طور پر روزنامہ اتفاق نے وسائل و مراعات کی تقسیم میں مشرقی پاکستان کے ساتھ فرضی ناانصافیوں کا ڈھول پیٹنا شروع کر دیا ہے۔ صوبائی حکومت پریس کے معاملے میں چشم پوشی کی پالیسی پر گامزن نظر آتی ہے اگر پریس کی آزادی کے سلوگن کے پس پردہ تخریبی عناصر کو کھلی چھٹی ملی رہی تو بعد میں تعمیری یا تادیبی کاروائی دشوار ہو سکتی ہے کرنل مجید ملک نے جی او سی اور چیف سیکرٹری سے اس سلسلے میں بات چیت کی ہے اور معاملہ اب ان کے زیر غور ہے۔

اگر سیاست دان یا طلباء نے کسی وقت دوبارہ سر اٹھایا تو مقامی پریس ان کے لئے پہلے سے زمین ہموار کر چکا ہو گا۔ پریس کو نئے حالات میں اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کے لئے احساس دلانے کا شاید پھر موقع نہ مل سکے۔

سول ملازمین۔

بنگالی ملازمین کو خدشہ ہے کہ نئی حکومت ترقی کے ان مواقع سے محروم کر دے گی جو کوٹہ سسٹم کے تحت انہیں حاصل ہیں اور مغربی پاکستان کے افسران کو ان پر مسلط کر دیا جائے گا۔

ان بنگالی ملازمین کی اکثریت پر گھبراہٹ طاری ہے جنہوں نے سیاست دانوں کے دور میں ناجائز فائدے اٹھائے تھے انہیں کوئی ایسا سینئر بنگالی افسر دکھائی نہیں دیتا کہ جس کے ساتھ کھل کر اپنے دل کا حال بیان کر سکیں وہ جی او سی اور چیف سیکرٹری کو ناپسند تو ضرور کرتے ہیں مگر ان کے ساتھ کھل نہیں سکتے جس طرح کہ کسی بنگالی کے ساتھ بغیر جھجک کے بات کر لیتے ہیں۔

گورنر کو البتہ بنگالی یا غیر بنگالی کوئی پسند نہیں کرتا عام شکایت یہ ہے کہ ان تک رسائی صرف پولیس افسر یا اہلکاروں کی ہے اور وہ انہی کے زیر اثر ہے ضلع اور سب ڈویژن کی سطح پر نچلے درجے کے پولیس افسر بڑہ ہانکنے اور لاف زنی میں مصروف ہیں اور گورنر سے براہ راست راہ و روابط کا دعویٰ کر کے مجسٹریٹوں' ڈپٹی کلکٹروں اور دوسرے سول افسروں کو ہراساں اور ان کی توہین و تذلیل کرتے ہیں مختلف درجوں کے بنگالی افسروں نے مجھے بتایا۔

اگر یہی مارشل لاء ہے تو ہمیں منظور ہے لیکن فوج کے واپس جانے سے پہلے ہمارا اعتماد اور وقار بحال کیا جائے آپ نے ہم پر پولیس راج قائم کر رکھا ہے جو ہمیں بالکل پسند نہیں۔

جہاں تک بنگالی کلرکوں اور دوسرے عملے کا تعلق ہے تو ان کا رویہ سیاستدانوں' پریس اور طلباء کے رویئے کے مطابق ہو گا۔

ادیب

افسوس کا مقام ہے کہ سیاسی اعتبار سے ترقی یافتہ بنگال میں ادیب سیم و زر کے لالچ میں مبتلا ہیں ہاں اگر ہم انہیں وہی کچھ مہیا کر دیں جو انہیں کلکتہ یا کمیونسٹ عناصر سے مل رہا ہے تو ان کے رویئے میں یقیناً تبدیلی آ سکتی ہے۔ ذاتی طور پر مجھے یہ محسوس کر کے صدمہ ہوا کہ وہاں کثیر تعداد میں ادیب تو ہیں مگر ان کا کوئی نصب العین نہیں ہے تاہم انہوں نے من حیث الجماعت کراچی میں ہونے والی پاکستان رائٹرز گلڈ کی مجوزہ کنونشن کی حمایت کی ہے۔

مغربی پاکستان

اکتوبر 1985ء کے انقلاب کے بارے میں پبلک کا جوش و خروش ابھی کافی حد تک موجود ہے البتہ لوگوں میں اس قسم کے اقدام پر ناخوشی کا اظہار ہوتا ہے۔

..... فوج کو بیرکوں میں واپس بھیج دینے میں عجلت سے کام کیوں لیا گیا ہے۔

..... بدعنوان سیاستدانوں' تاجروں اور افسروں کو کوئی سزا نہیں دی گئی۔ کیوں؟

..... مارشل لاء قوانین کے تحت ایک کو بھی پھانسی کی سزا نہیں دی گئی۔

اسی قسم کے مطالبات بے معنی نہیں ہیں دراصل عوام اپنے اس یقین کو پختہ کرنا چاہتے ہیں کہ ملک میں نئے دور کا آغاز ہو چکا ہے۔

دکاندار طبقہ۔ قیمتوں پر کنٹرول کے نفاذ کا پہلا ہدف صرف اور صرف چھوٹے یا درمیانہ درجے کے تاجر بنے ہیں اور انہیں نقصان ہوا ہے انہیں تب تسلی ہو گی جب بڑے بڑے تاجر اور صنعت کار بھی نقصان میں برابر کے شریک ہوں جب تک ایسا نہیں ہوتا وہ محسوس کرتے رہیں گے کہ مارشل لاء ادھورا رہا ان کی دوسری پریشانی یہ ہے کہ فوری طور پر اور سستے داموں بک جانے والی اشیاء کی جگہ نیا مال کس طرح اور کہاں سے حاصل کریں؟

بڑے تاجر۔ بڑے بڑے تاجر اپنے گوشواروں کی تیاری میں مصروف ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں کہ نئی حکومت ان کے یوم حساب سے پہلے ہی ختم ہو جائے۔ روحانی پنڈت' جوتشی اور پیش گوئیاں کرنے والوں کا کاروبار زوروں پر ہے بالخصوص کراچی اور لاہور میں بڑے تاجر اور صنعت کار ہی ان لوگوں کے سرپرست اور پرورش کا ذریعہ ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہمارے ہاں کا دولت مند طبقہ کس قدر شاطر ہے اور انہیں اپنی ذات اور خدا پر کتنا ایمان ہے۔

بڑے زمیندار۔ یہ لوگ بھی کسی معجزے کے منتظر ہیں ان میں خود مزاحمت کی قوت تو نہیں لیکن دوسروں کو آگے کرنے اور ان کی مالی مدد کرنے کو ہر وقت تیار ہیں اس وقت زرعی اصلاحات پر سب کی نظر ہے اور نئی حکومت کی یہی سب سے بڑی آزمائش ہے۔

سیاستدان۔ "انتظار کرو اور دیکھتے رہو" کی حالت میں ہیں۔

سول سرونٹس۔ توقع کے خلاف، کراچی اور مغربی پاکستان کے سول سرونٹس نے اپنی صفوں میں موجود انتشار پس پشت ڈال کر باہمی اتحاد کی فضا پیدا کرلی ہے جو بلاشبہ غیر طبعی ہے جس طرح مشرقی پاکستان میں بنگالی افسروں کو یہ خدشہ ہے کہ ان پر مغربی پاکستانی مسلط ہو جائیں گے اس طرح مغربی پاکستان افسروں کو یہ خوف دامن گیر ہوگیا ہے کہ ان پر فوجی افسروں کو لا بٹھایا جائے گا اسی کے سدباب کے لئے وہ اپنی "ٹریڈ یونین" بنانے کی فکر میں ہیں کئی سول سرونٹس (خاص طور پر لاہور میں) شیخی مارتے ہیں کہ فوجیوں کو واپس بیرکوں میں بھیج کر انہوں نے فوج کو اپنے اصل مقام پر دھکیل دیا ہے سکریننگ کمیٹیوں کے قیام سے ان کے خوف و ہراس میں اس وجہ سے اضافہ ہوا ہے کہ وہ ماضی میں بڑے بڑے زمینداروں، صنعت کاروں کا آلہ کار بنے رہے ہیں جب کہ وہ طبقے بھی اپنی جگہ سہمے ہوئے ہیں کیونکہ ان کی اپنی بقاء کو خطرہ لاحق ہے نتیجہ یہ ہے کہ ہر کوئی کسی نہ کسی ذہنی الجھن میں مبتلا ہے اونچے درجے کے افسروں میں بالخصوص ایک ایسا رویہ چڑھ رہا ہے جسے یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

"وقت گزارو جو بھی حکم ملے اسے پوری سرعت سے بجا لاؤ نئی حکومت کے ساتھ صرف اس حد تک تعاون کرو جس قدر کے تمہاری اپنی بقاء کے لئے کافی ہو اس سے زیادہ ہرگز نہیں"۔

فوجی افسر۔ سول افسروں کا رویہ فوجی افسروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکا ہے کیونکہ جس فوجی افسر کو بھی ان سے واسطہ پڑا اس نے محسوس کرلیا۔ قدرتی طور پر فوجی افسر یہ سمجھنے لگے ہیں کہ تمام سول افسر بے کار اور بددیانت ہیں اور ان کی چھان پھٹک میں دیر نہیں کرنی چاہئے درمیانے درجے کے فوجی افسروں کا خیال ہے کہ گھٹیا اور از کار رفتہ قسم کے سویلین افسروں نے ہمارے صاف ستھرے پریذیڈنٹ کا گھیراؤ کر رکھا ہے اور پریذیڈنٹ کو چاہئے کہ انہیں یک بنی و دو گوش دھکے دے کر باہر نکال دے۔

ادیب۔ مغربی پاکستان میں تقریباً ہر قسم کے ادیب و قلم کار نے رائٹرز گلڈ کے مجوزہ کنونشن کا خیر مقدم کیا ہے فیض احمد فیض کی گرفتاری سے کچھ دھکا ضرور لگا ہے تاہم مجموعی طور پر کنونشن کے پوری طرح نمائندہ ہونے کی توقع ہے۔

آئینی مستقبل

مشرقی اور مغربی پاکستان میں تقریباً سبھی دانشور ملک کے آئندہ آئین کے بارے میں سوچ رہے ہیں ان میں سے اکثر اپنے اپنے طبقاتی مفاد کے پیش نظر مختلف نوعیت کے دلائل پیش کرتے ہیں تاہم پاکستان کے دونوں بازوؤں میں محب وطن اور مثبت سوچ رکھنے والا طبقہ اس خیال کا حامی ہے کہ۔

.... ملک میں صدارتی و غیر لچکدار قسم کا آئین ہونا چاہئے۔ یعنی کچھ امریکی اور مصری آئین سے ملتا جلتا۔

.... جنرل ایوب خان بالغ رائے دہی کی بنیاد پر خود کو پانچ سال کے لئے منتخب کروالیں۔

.... منتخب ہونے پر وہ پانچ سال تک فرانس کے صدر جنرل ڈیگال کی طرح مختار کل ہوں۔

اہل نظر لوگوں کو یقین ہے کہ اگر جنرل ایوب خان فوری طور پر اپنا انتخاب کروالیں تو صد در صد ووٹ حاصل کر سکیں گے وقت کے گزرنے کے ساتھ یہ شرح متاثر ہو سکتی ہے۔

آئین کے لئے کئی فارمولے زیر بحث آئے ہیں مگر مندرجہ بالا فارمولا اس وقت سب سے زیادہ قابل قبول سمجھا جاتا ہے۔

کیپٹن گوہر ایوب خان کی حاصل کردہ دولت

نیچے دی گئی معلومات کمپنیز ایکٹ 1913ء کے قوانین کے تحت جائنٹ سٹاک کمپنیز، کراچی کے جائنٹ رجسٹرار کی تیار کردہ فائلوں سے لی گئی ہیں۔

جولائی 1968ء کے اواخر میں گوہر ایوب خان (مندرجہ ذیل فرموں کے عہدیدار) تھے۔

چیئرمین۔ عروسہ انو سمنٹس لیمٹڈ
عروسہ انڈسٹریز لیمٹڈ
ہاشمی کین کمپنی لیمٹڈ
مینجنگ ڈائریکٹر۔ گندھارا انڈسٹریز لیمٹڈ
گوہر حبیب لیمٹڈ (گندھارا انڈسٹریز لیمٹڈ کے مینجنگ ایجنٹ)
ڈائریکٹر۔ گندھارا منرل اینڈ ٹریڈنگ کمپنی
جانہ ڈی میلو ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

ان کمپنیوں میں ان (گوہر ایوب) کی شراکت کاری کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ یہ ساری کمپنیاں رجسٹرڈ نہیں ہیں اس لئے کراچی میں جائنٹ رجسٹرار کی بنائی گئی فائلوں میں تمام تفصیلات کا ذکر نہیں ہے۔ تاہم یہ فائلیں جولائی 1968ء کے آخر تک کی کیپٹن گوہر ایوب خان کی اصل سرمایہ کاری سے متعلق معلومات فراہم کرتی ہیں۔ ان کے مطابق

(ا) اپنی بیوی اور دو بچوں سے مل کر (سرمایہ کاری) گندھارا انڈسٹریز میں دس روپے کے
268030 حصے

(ب) عروسہ انو سمنٹس لیمٹڈ گندھارا انڈسٹریز میں دس روپے کے
65250 حصے

(ج) اپنی بیوی سے مل کر (سرمایہ کاری) ہاشمی کین کمپنی لیمٹڈ میں دس روپے کے
5000 حصے

(د) عروسہ انویسٹمنٹس لمیٹڈ ہاشمی کین کمپنی لمیٹڈ میں دس روپے کی 199533 حصے

اگست 1969ء میں کیپٹن گوہر ایوب نے گندھارا انڈسٹریز لمیٹڈ میں اپنی تحویلات' نیشنل انویسٹمنٹ ٹرسٹ اور انویسٹمنٹ کارپوریشن آف پاکستان لمیٹڈ کے حوالے کر دیں۔

اس مفروضہ کی بنیاد پر کہ انہوں نے اپنی خاندانی اور عروسہ انوسمنٹس لمیٹڈ میں اپنی تحویل حوالے کر دی ہوں گی۔ اس وقت کی جاری قیمت 32 روپے فی حصہ کے حساب سے کیپٹن گوہر ایوب کی تحویلات اس فروخت کی کل رقم 10664960 روپے بنتی تھی۔

یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ انہوں نے گوہر ایوب لمیٹڈ میں اپنا آدھا حصہ بھی ختم کر دیا تھا لیکن کس رقم کے عوضانے میں 'اس کا کچھ پتہ نہیں یہ رقم 25 لاکھ کے لگ بھگ ہو گی لیکن یہ ایک قیاس ہی ہے۔

جنوری 1970ء میں ہاشمی کین لمیٹڈ میں حصوں کی منڈی میں قیمت 18 روپے فی حصہ تھی اور (کیپٹن گوہر ایوب کی) اپنی بیوی اور عروسہ انوسمنٹس لمیٹڈ کی ملکیت کو ملا کر اس کی منڈی کی قیمت 3681594 تھی۔

ان تین طرح کی ملکیتوں کو سامنے رکھتے ہوئے مجموعی قیمت تقریباً 160 لاکھ روپے بنتی ہے جو کہ اس وقت کی سرکاری شرح تبادلہ کے مطابق 3346560 امریکی ڈالرز کے برابر تھی لہٰذا اگر ان (کیپٹن گوہر ایوب) کی کل دولت کو 4 ملین امریکی ڈالرز کہا جائے تو کوئی زیادہ غیر حقیقی بات نہیں ہو گی۔

یہ بات غیر یقینی ہے کہ بشمول فیلڈ مارشل ایوب خان کے ان کے خاندان کا کوئی اور دوسرے فرد اتنی دولت اکٹھی کر سکتا ہو گا جتنی کیپٹن گوہر ایوب خان نے کی۔

تاہم ان رقموں کو بنیاد بناتے ہوئے یہ کہنا جائز دکھائی دیتا ہے کہ ڈاکٹر فرانز پک کا اس خاندان کا کل دولت کا 10 سے 20 ملین امریکی ڈالرز کا اندازہ درست ہو گا۔ کسی بھی طرح یہ دس سال کی مسلسل کاوشوں کا معمولی انعام نہیں ہے۔

گندھارا انڈسٹریز لمیٹڈ جو کہ بلاشبہ کیپٹن گوہر ایوب کا سب سے بڑا انفرادی منصوبہ تھا' کو 1963ء میں رجسٹرڈ کیا گیا اور ان کارپوریشن کی تاریخ 23 فروری 1963ء لکھی ہوئی ہے۔ بنیادی سرمایہ دس روپے کے 750000 حصے تھے۔ کمپنی کو شروع کرتے وقت 5ء 32 ملین روپے کے قرضے کی سہولت سے نوازا گیا جو کہ امریکن ایکسپریس نے فراہم کیا۔ نتیجتاً" پاکستانی بینکوں سے اوور ڈرافٹ کی سہولیات حاصل کی گئیں۔

یاد رہے "گوہر" فارسی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب "موتی" ہوتا ہے۔

'303' کی تقرری

ان افسروں کے خلاف اٹھائے جانے والے اقدامات مارشل لاء ریگولیشن نمبر 58 کے تحت کئے گئے جس کا نفاذ دسمبر 1969ء میں ملازمت سے سبکدوشی (خصوصی انتظامات) ریگولیشن کے عنوان کے تحت کیا گیا تھا اس ریگولیشن کے تحت متعلقہ افسروں کو نوٹس بھیجے گئے تاکہ وہ اپنے اوپر لگائے گئے الزامات کی وضاحت کریں اور ایک متعین شدہ عرصہ میں یہ وضاحتیں درج کروائیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان پر لگائے گئے الزامات مخصوص معاملات سے متعلق تھے ان وضاحتوں کے اندراج کے بعد انہیں مارشل لاء انتظامیہ کے بنائے گئے ٹریبونلوں کے سامنے ظاہر ہونے کی دعوت دی گئی تا کہ وہ ایسی باتوں کا جواب دے سکیں جو کہ تحریری وضاحتوں میں بھرپور طریقے سے واضح نہیں ہو سکے تھے یا پھر اس لئے بھی کہ وہ پوچھے جانے والے سوالات کا جواب دے سکیں۔

جہاں تک معلوم پڑتا ہے ان تمام افسروں نے اپنی تحریر وضاحتیں پیش کیں لیکن بعض غیر معمولی وجوہات کی بنا پر کچھ افسروں نے ٹریبونل کے سامنے پیش ہونے سے انکار کیا (یہ) تمام کارروائی اس لئے غیر تسلی بخش تھی کیونکہ سب خفیہ طریقے سے کیا گیا اور بند کمرے میں کارروائی ہوئی۔ ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ افسروں کی تیار کی گئی پہلی فہرست کو انتظامی ایکشن کے زیادہ فائق سمجھا گیا یا پھر یہ کہ بہرطور انکوائری شائع ہونے والی کارروائی اور ایکشن کے مقابلے میں درحقیقت بہت زیادہ طویل تھی اس سے فوری طور پر سوال اٹھتا ہے کہ فہرست کی چھانٹی' کیسے اور کن چیزوں کو ذہن میں رکھ کر کی گئی؟ اس معاملے میں عدالتی کردار کا شامل ہونا شک و شبہ کی بہت زیادہ زد میں ہے اور اس وجہ سے ان کارروائیوں کے آخر تک رائے بہت زیادہ اہم رہی ہے۔ پھر بھی میرا خیال نہیں کہ انصاف کی بہت بھاری پیمانے پر عہد شکنی کی گئی اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان 303 افسروں کے ضمن میں اختیار کیا جانے والا طریقہ کار ایوب خان کی سکریننگ کمیٹیوں کے طریقہ کار کی نسبت بہت زیادہ تسلی بخش تھا کچھ افسران سے متعلق کئے گئے فیصلوں نے ان سے ان کے کیریئر اور شہرتوں سے واقف لوگوں کو چونکا دیا لیکن ایسا بے جا نرمی کی وجہ سے ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دوبارہ تعیناتی کی کم از کم ایک مثال بہت زیادہ مشکوک تھی اگرچہ زیادہ کیس سزا کے بہت مستحق تھے لیکن یہ کہنا مشکوک ہے کہ آیا اس قسم کی سبکدوشی سے طویل المدت میں اپنے سے متعلقہ برائی کا علاج ہو سکتا ہے کہ نہیں؟

ان سطور کی تحریر تک ان کارروائیوں کے نتائج کی مکمل دستاویز کو ابھی عوام کے سامنے نہیں لایا گیا سرکاری اعلانوں سے ہی یہ معلوم ہوا ہے متعلقہ افسران میں سے 181 کو ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا' 68 کو زبردستی ریٹائر کر دیا گیا اور 29 کی دوبارہ تعیناتی کی گئی' بقیہ چوبیس کی تقدیر کا ابھی بظاہر پتہ نہیں (چوبیس کا عددی ہندسہ درست ہے کیونکہ 303 معطلیوں کے اصلی ٹوٹل میں ایک غلطی موجود تھی ایک آدمی کا نام دوبار فہرست میں درج ہو گیا تھا اصل ٹوٹ 302 ہے' 303 نہیں۔ پھر بھی 303 کا تاثر ہی عام ہوا)۔

مارشل لاء انتظامیہ کی مخالفت کی نذر ہونے والے ایک افسر قدرت اللہ شہاب نے اس موقع پر غیر معمولی حالات میں سول سروس آف پاکستان چھوڑ دی۔ ان کو حکومت پاکستان کی وزارت تعلیم کی سیکرٹری شپ سے تبادلہ کر کے ممبر سنٹرل بورڈ آف ریونیو لگا دیا گیا اور یہ قدم کسی بھی صورت میں ترقی کی صورت میں نہیں لیا جا سکتا تاہم اس لمحے مسٹر شہاب حکومت پاکستان کی طرف سے جنیوا میں ایک یونیسکو کانفرنس میں شریک تھے انہوں نے پاکستان سے باہر کیڈر میں نہایت ہوشیاری سے یونیسکو کے ایگزیکٹو بورڈ میں اپنا انتخاب کروا لیا۔ اس طرح اپنے افسران سے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے انہوں نے اپنا استعفیٰ بھیج دیا اور برطانیہ میں رہائش پذیر ہو گئے جہاں ان کی بیوی ڈاکٹر کی پریکٹس کر رہی تھیں بعد میں حکومت پاکستان نے ان کی ملازمت کے حساب سے پنشن کی سہولت دیتے ہوئے ان کا استعفیٰ منظور کر لیا۔

ترجمہ: اقبال حیدر بٹ

وائٹ پیپر........بھٹو کی وضاحت

مجھ پر قومی خزانے کے ضیاء کا الزام بھی لگایا گیا ہے آیئے ذرا دیکھیں کہ مارشل لاء کی یہ کم خرچ بالانشیں قسم کی حکومت کیا کرتی پھر رہی ہے۔ عوام کی طرف سے کوئی نمائندہ ذمہ داریوں کے بغیر اس حکومت نے اپنے پہلے پھسپھسے سال میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے سیکرٹریٹ کے لئے جو بجٹ تیار کیا ہے اس کی جھلکیاں ملاحظہ ہوں:-

(i).....چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے سیکرٹریٹ کے ملازموں کے لئے 2'32'500/= روپے کی رقم مختص کی گئی ہے میرے زمانے میں یہ رقم =/5'27'500 روپے تھی۔

زرعی اصطلاحات کمیشن

سفارشات کا خلاصہ

1- کھاتوں کی انتہائی حد۔ کسی شخص کو 500 ایکڑ آبپاش یا 1000 ایکڑ غیر آبپاش سے زائد اراضی پر ملکیت یا قبضے کی اجازت نہیں دی جائے گی (ایک آبپاش ایکڑ یا دو غیر آبپاش ایکڑ کے برابر ہو گا) (بند 52)_ (اختلافی رائے بند 57'59)

مستثنیات۔ (ا) اراضی کے کسی موجودہ مالک کو اپنے موجودہ کھاتے میں سے حسب ذیل اراضی اپنے قبضے میں رکھنے کی اجازت دی جا سکتی ہے:-

(i) ایسا مزید رقبہ' بشرطیکہ ہو' جس کا وہ اس صورت میں مستحق ہو تاکہ اسے منصوبہ بحالیاتی آبادکاری مغربی پاکستان میں مجوزہ پیداواری اشاریہ کی 36,000 اکائیوں کے برابر زمین دی جاتی (بند 52)_ (اختلافی رائے بند 52)'

اور

(ii) اراضی زیر باغات میوہ جات کا رقبہ 150 ایکڑ سے زائد نہ ہو جب تک کہ اسے باغ کی حیثیت سے قائم رکھا جائے' بشرطیکہ

(ا) اراضی زیر باغات میوہ کم از کم 10 ایکڑ کے سالم قطعات پر مشتمل ہو (بند 61)_ (اختلافی رائے بند 63) اور

(ب) یہ کم از کم ربیع 1956-57ء کے کاغذات مال میں میوہ جات کی حیثیت سے دکھائی گئی ہے (بند 61)_ (اخلاقی رائے بند 63)_

(ب) انتہائی حد کا اطلاق اس زمین پر نہ ہونا چاہئے جو منظور شدہ تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں کی ملکیت یا قبضے میں ہو اور علمی تحقیق اور مظاہرے کی اغراض کے لئے استعمال کی جاتی ہو (بند 61)_

(ج) حکومت اپنے منظورہ کردہ کسی خیراتی' مذہبی یا تعلیمی ادارے کو مقررہ حد سے زائد اراضی تھی جس میں وقف کی اراضی شامل ہے اپنی ملکیت یا قبضے میں رکھنے کی اجازت دے سکتی ہے' بشرطیکہ یہ اراضی جو وقف کی جائداد ہے ایسی نہ ہو جس کا قانون جواز اوقات اسلامی 1913ء کی دفعہ 3 میں ذکر کیا گیا ہے جس کے تحت وقف کنندہ خود یا اس کے خاندان کا کوئی رکن یا وارث فی الوقت اپنے لئے کسی فائدے کا دعودار ہو۔ (بند 61)_

(د) حکومت اگر قومی مفاد کے لئے ضروری خیال کرے تو وہ اس اراضی پر بھی جو گھوڑوں اور مویشیوں کی نسل کشی کے موجودہ فارموں کے لئے زیر استعمال ہو مالک کو انتہائی حد سے زائد قبضہ رکھنے کی اجازت دے سکتی ہے (بند 61)

2- ہبہ کا اختیار- ایسے شخص کو جس کے قبضے میں پیداواری اشاریہ کی 36,000 اکائیوں سے زیادہ اراضی ہو اس کو ایک مقررہ مدت کے اندر پیداواری اشاریہ کی 12,000 اکائیوں کے برابر رقبہ اپنے کسی ایک موارث یا سب ورثاء کے نام بذریعہ ہبہ منتقل کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے' لیکن شرط یہ ہے کہ:

(ا) یہ اختیار استعمال کرنے کی اجازت اس صورت میں نہ دینی چاہئے جب وہ پیداواری اشاریہ کی 12,000 اکائیوں کے برابر یا اس سے زائد اراضی اپنے کسی وارث کے نام پہلے سے منتقل کر چکا ہے۔

(ب) اگر اس نے پیدواری اشاریہ کی 12,000 اکائیوں سے کم رقبہ پہلے منتقل کیا ہو تو وہ صرف اس قدر مزید رقبے کا ہبہ کر سکتا ہے جسے ملا کر کل موہوبہ رقبہ پیداواری اشاریہ کی 12,000 اکائیوں کے برابر ہو جائے (بند 64)_ اختلافی رائے بند 65)_

3- شاملات میں حصہ- اس شخص کو جس کی ملکیت یا قبضے میں پیداواری اشاریہ کی 36,000 اکائیوں کے برابر یا اس سے زائد رقبہ ہو شاملات میں سے کوئی حصہ رکھنے کی اجازت نہ ہو گی۔ لیکن اگر کسی شخص کی ملکیت میں اس سے کم رقبہ ہو تو اسے شاملات میں سے' بشرطیکہ شاملات موجود ہو' اس قدر

حصہ رکھنے کی اجازت ہو گی جو شاملات کے ماسوا اس کی ملکیت اراضی کو ملا کر کل رقبے کو پیداواری اشاریہ کی 36,000 اکائیوں تک پہنچادے (بند 66)۔

4- ناجائز انتقالات۔ اگر کسی ایسے مالک نے جس کا مقبوضہ رقبہ پیداواری اشاریہ کی 36,000 اکائیوں کے برابر یا اس سے زائد ہو 7 اکتوبر 1958ء کو یا اس کے بعد کوئی انتقال کیا ہو تو اس کو کالعدم قرار دینا چاہئے۔ اس سوال کے متعلق کہ آیا کوئی انتقال 7 اکتوبر 1958ء کو یا اس کے بعد عمل میں آیا تھا صوبائی کمیشن اراضی کا فیصلہ' جس کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے قطعی ہونا چاہئے (بند 67)۔

5- رقبے کا انتخاب۔ اس شخص کو جس کی ملکیت یا قبضے میں پیداواری اشاریہ کی 36,000 اکائیوں کے برابر یا اس سے زائد رقبہ ہو یہ اختیار ہونا چاہئے کہ وہ معینہ حد ملکیت کے مساوی کوئی رقبہ منتخب کر لے مگر ساتھ ہی یہ بھی قرار دیا جائے کہ جہاں تک ممکن ہو اسے ایسے سالم قطعات اراضی منتخب کرنے ہوں گے جو قسمت ہائے خیرپور اور حیدر آباد میں چونسٹھ چونسٹھ ایکڑ سے کم نہ ہوں اور دوسری قیمتوں میں دو مستطیلوں' دو مربعوں یا پچاس ایکڑ سے جو رقبہ زیادہ ہو' اس سے کم نہ ہوں (بند 69)۔

6- زائد رقبے کا حصول۔ اگر انتہائی حد سے زائد اراضی کی ملکیت یا قبضے میں ہو تو وہ حکومت کو اپنی تحویل میں لے لینی چاہئے اور وہ ہر قسم کی کفالت یا بار کے بغیر حکومت کو حاصل ہو جانی چاہئے اگر ایسی اراضی پر کوئی بار یا کفالت ہو تو وہ اس اراضی میں جسے مالک کو اپنے قبضے میں رکھنے کی اجازت دی گئی ہو یا اسے اواشدنی معاوضے میں یا دونوں میں منتقل ہو جانی چاہئے (بند 69)۔

7- معاوضہ۔ حاصل کردہ اراضی کا معاوضہ حسب ذیل شرحوں سے ادا کیا جانا چاہئے:

(ا) پیداواری اشاریہ کی پہلی 18,000 اکائیوں کے لئے بشرح 5 روپے فی اکائی
(ب) " " " اس سے اگلی' 24,000 " " " 4 " " "
(ج) " " " " 36,000 " " " " 3 " " "
(د) " " " " 72,000 " " " " 2 " " "
باقی ماندہ کے لئے 1 " " "

(بند 77)۔

معاوضے کی ادائی کا طریقہ۔ حاصل کردہ اراضی کا معاوضہ ایسے تمسکات کے ذریعے ادا کرنا چاہئے جو ناقابل بیع و شرئی اور ناقابل انتقال لیکن قابل توارث ہوں۔ یہ تمسکات پچیس سال تک واجب الادا ہونے چاہئیں اور ان پر بشرح 3 فی صد سالانہ سود مفرد ادا کرنا چاہئے (بند 77)۔

9- حاصل کردہ اراضی پر مستقل تنصیبات و تعمیرات۔ اگر حاصل کردہ اراضی پر ایسی مستقل تنصیبات و تعمیرات ہوں جو زرعی اغراض کے لئے استعمال ہو سکتی ہوں تو انہیں ہٹانے یا مسمار کرنے کی اجازت نہ دینی چاہئے۔ ان تنصیبات و تعمیرات کے لئے مزید معاوضہ ادا کرنا چاہئے (بند 77)۔

10- مشترک سرمائے کا قیام۔ حاصل کردہ اراضی کو پہلے مقررہ حد کے اندر مناسب شرائط اور قیود کے ماتحت ان مزارعین کے ہاتھ فروخت کی غرض سے پیش کرنا چاہئے جو اس پر کاشت کرتے ہوں۔ وہ اراضی جو بچ رہے اسی طرح دوسرے مستحق اشخاص کے ہاتھ فروخت کی جا سکتی ہے۔ قیمت فروخت کسی صورت میں پیداواری اشاریہ کی ایک اکائی کے لئے 8 روپے سے زائد نہ ہو گی اور اس کی ادائی کافی طویل عرصے پر پھیلا دی جائے گی (بند 79)۔

11- مشترکہ سرمائے کا قیام۔ حاصل کردہ اراضی کی قیمت فروخت ایک علیحدہ سرمائے میں جمع کرنی چاہئے جو صوبائی کمیشن اراضی کی تحویل میں رہے گا۔ یہ تمسک داروں کو سودا ادا کرنے' تمسکات کی بیباقی' ڈوبے ہوئے قرضوں کے تصفیے' حاصل کردہ اراضی کی ترقی اور انتظامی اخراجات پر صرف کیا جائے گا (بند 80)۔

12- نافع کھاتا۔ قسمت ہائے خیرپور اور حیدر آباد میں 46 ایکڑ اور دوسری قسمتوں میں دو مربع یا دو مستطیل یا پچاس ایکڑ میں سے جو رقبہ زیادہ ہو ایک نافع کھاتا متصور ہونا چاہئے (بند 121)۔

13- گزرانی کھاتا۔ قسمت ہائے خیرپور اور حیدر آباد میں 16 ایکڑ اور دوسری قیمتوں میں نصف مربع یا نصف مستطیل یا 12/1/2/ ایکڑ میں سے جو رقبہ ہو ایک گزرانی کھاتا متصور ہونا چاہئے (بند 120)۔

14- ناقابل تقسیم اراضی (ا) ایسے مشترک کھاتے کی تقسیم کی اجازت نہ دینی چاہئے جس کا رقبہ نافع کھاتے کے رقبے سے زائد ہو جب اس تقسیم کی بناء پر اس کا کوئی حصہ بھی اس رقبے کے ساتھ مل کر جو پہلے سے مالک کے قبضے میں ہو ایک نافع کھاتے کے برابر نہ رہے یا اس کا کوئی حصہ گزرانی کھاتے کے رقبے سے کم ہو جائے (بند 123)۔

(ب) کسی نافع کھاتے کی تقسیم کی اجازت نہ دینی چاہئے (بند 123)۔

(ج) اس مشترکہ کھاتے کی تقسیم کی اجازت نہ دینی چاہئے جس کا رقبہ نافع کھاتے سے کم لیکن گزرانی کھاتے سے زائد ہو' جب اس تقسیم سے ہر فرد کے کھاتے کا رقبہ اس رقبے سے مل کر جو پہلے سے اس کے قبضے میں ہو گزرانی کھاتے سے کم ہو جائے (بند 123)۔

(د) اس مشترکہ کھاتے کی تقسیم کی کسی صورت میں بھی اجازت نہ دینی جس کا رقبہ گزرانی کھاتے کے مساوی یا اس سے کم ہو (بند

(بند 123)۔

15- ناقابل تقسیم کھاتوں کا انتظام۔ ناقابل تقسیم مشترکہ کھاتوں کا انتظام ایک واحد اکائی کی حیثیت سے بدستور جاری رکھنا چاہئے۔ اگر ان کے انتظام سے متعلق کوئی نزاع پیدا ہو تو حصہ دار مندرجہ ذیل متبادل صورتیں اختیار کریں گے :

(i) انہیں ایک ایسے شخص کو منتخب کرنا چاہئے جو ان کی طرف سے اراضی کا انتظام کرے اور جس سے وہ اپنی آمدنی کا حصہ وصول کریں۔ اگر وہ کسی ایسے شخص کو منتخب کرنے پر اتفاق نہ کریں تو انتخاب قرعہ اندازی کے ذریعے عمل میں آئے گا (بند 124)۔

(ii) حصہ داروں کو اراضی کی مالیت معین کرنی چاہئے اور کسی ایسے شخص کو منتخب کرنا چاہئے جو دوسرے حصہ داروں کو ان کے حصے کے متناسب مالیت زر ادا کرنے کے بعد زمین کا مالک ہو جائے اس طرح منتخب کردہ شخص دوسرے حصہ داروں کو مالیت اراضی کی ایک متناسب رقم ادا کرے گا۔ حکومت مستحق صورتوں میں اس غرض سے قرضہ جات تقاوی دے سکتی ہے (بند 124)۔

(iii) اگر پہلے دو متبادل طریقوں کے مطابق انتظام کی کوئی صورت پیدا نہ ہو تو کمیشن مناسب معاوضہ ادا کرنے کے بعد کھاتے پر قبضہ کر لے گا (بند 124)۔

16- انتقالات اراضی پر پابندی۔ (i) کسی شخص کو جو نافع کھاتے سے زائد رقبے کا مالک ہو اپنی اراضی کے کسی حصے کو بذریعہ بیع، رہن ، ہبہ یا صورت دیگر منتقل کرنے کی اجازت نہ دینی چاہئے جس سے اس کے کھاتے کا رقبہ نافع کھاتے کی حد سے کم ہو جائے۔ لیکن اگر وہ چاہے تو اپنے کھاتے کا مجموعی طور پر انتقال کر سکتا ہے (بند 125)۔

(ii) نافع کھاتے کے کسی مالک کو اپنے کھاتے کا کوئی حصہ بذریعہ بیع، رہن، ہبہ یا بصورت دیگر منتقل کرنے کی اجازت نہ دینی چاہئے۔ لیکن وہ شخص اپنے تمام کھاتے کا انتقال کر سکتا ہے (بند 125)۔

(iii) کسی شخص کو جو گزرانی کھاتے سے زائد مگر نافع کھاتے سے کم رقبے کا مالک ہو اس امر کی اجازت نہ دینی چاہئے کہ وہ اپنی اراضی کے کسی حصے کو بذریعہ بیع، رہن، ہبہ یا بصورت دیگر منتقل کرے جس سے اس کا کھاتا گزرانی کھاتے کے رقبے سے کم ہو جائے۔ لیکن اگر وہ چاہے تو اپنے کھاتے کو مجموعی طور پر منتقل کر سکتا ہے (بند 125)۔

(iv) کسی شخص کو جو گزرانی کھاتے کے برابر یا اس سے کم رقبے کا مالک ہو اپنے کھاتے کا کوئی حصہ بذریعہ بیع، رہن، ہبہ یا بصورت دیگر منتقل کرنے کی اجرت نہ دینی چاہئے۔ لیکن اگر وہ چاہے تو اپنے تمام کھاتے کو منتقل کر سکتا ہے (بند 125)۔

17- گزرانی اکائی کی سطح تک کھاتوں کے درجے کی ترقی۔ کمیشن کو اس امر کی کوشش کرنی چاہئے کہ وہ حسب ذیل طریقوں سے چھوٹے چھوٹے کھاتوں کے رقبے کو بڑھا کر انہیں گزرانی اکائی کی حد تک پہنچا دے :

(i) سرکاری اراضی اور حاصل کردہ اراضی سے استفادے کے ذریعے۔

(ii) ان چھوٹے مالکوں کے کھاتوں کو حاصل کر کے جن کو کسی دوسری جگہ سرکاری اراضی یا حاصل کردہ اراضی دی گئی ہو۔ اور

(iii) ان چھوٹے مالکوں کے کھاتوں کو حاصل کر کے جو کسی دوسری جگہ نافع کھاتوں یا ان کے مساوی بڑے رقبوں پر قابض ہوں (بند 127)۔

18- جاگیریں۔ ہر نوعیت کی تمام جاگیریں وہ کسی نام سے موسوم کی جاتی ہوں بلا ادائی معاوضہ منسوخ کر دینی چاہئیں۔ چونکہ اس اقدام سے مذہبی، خیراتی یا تعلیمی اداروں کی جاگیریں اور وہ جاگیریں بھی جو افادۂ عامہ کے لئے معرض وجود میں آئی تھیں منسوخ ہو جائیں گی، اس لئے ان میں سے جن اداروں کو حکومت تسلیم کرے انہیں رقمی عطیات دیئے جا سکتے ہیں جو مخصوص مقاصد پر مقررہ طریق سے صرف ہوں گے (بند 96)۔

19- درمیانی مفادات کی تنسیخ۔ اعلیٰ مالکان اور ایسے ہی دوسرے مفادات بلا ادائی معاوضہ منسوخ کر دینے چاہئیں (بند 97)۔

20- غیر مزروعہ قابل کاشت اراضی سے استفادہ۔ اگر زمینیں دو سال یا اس سے زیادہ عرصے تک کاشت میں نہ لائی گئی ہوں تو ان کے مالکوں کو اس امر کا نوٹس دیا جائے کہ وہ مناسب مدت کے اندر جو کمیشن مقرر کرے ان کو زیر کاشت لائیں اور اگر وہ ان ہدایات پر عمل کرنے سے قاصر رہیں تو کمیشن کو چاہئے کہ ان کی زمینوں کو بغرض استفادہ و انتظام اپنے تصرف میں لے لے (بند 130)۔

21- اشتمال اراضی۔ صوبے بھر میں جبری اشتمال کے ایک منصوبے کا آغاز کر کے کسروں میں بٹے ہوئے کھاتوں کے اشتمال کی کارروائی فوراً شروع کرنی چاہئے (بند 126)۔

22- دخیل کاروں کی مالکوں میں تبدیلی۔ دخیل کاروں کی مالکوں میں تبدیلی کے متعلق موجودہ قوانین کو بدستور نافذ رہنے دیا جائے۔ مقرری اداروں اور اسی قسم کے دوسرے مزارعین کو بھی یہی حقوق عطا کرنے کا انتظام کیا جائے۔ ان قوانین کو صوبے کے ان دوسرے عطاقوں تک بھی وسعت دی جائے جن پر اس وقت ان کا اطلاق نہیں ہوتا (بند 87-89)۔

23- تحفظ حقیقت۔ (i) کسی مزارع کو اس وقت تک بے دخل نہ

کرنا چاہئے جب تک کسی عدالت مال میں یہ ثابت نہ ہو جائے کہ :

(ا) وہ لگان ادا کرنے سے قاصر رہا ہے' یا

(ب) اس نے اراضی کو اس طریقے سے استعمال کیا ہے کہ وہ اس غرض سے جس کے لئے وہ حاصل کی گئی تھی' ناکارہ ہو گئی ہے۔ یا

(ج) بغیر کسی کافی وجہ کے وہ اراضی میں کاشت کرنے سے قاصر رہا ہے یا

(د) اس نے اراضی کو شکمی پٹے پر اٹھا دیا ہے (بند 109)۔

(ii) خود کاشت کے عذر پر بے دخلی کا حق جہاں موجود ہو واپس لے لینا چاہئے (بند 106)۔

(iii) کسی مزارع کو مالک زمین کی طرف سے دیئے ہوئے مکان سے اس وقت تک بے دخل نہ کیا جائے گا جب تک وہ اس مالک زمین کے تحت کسی حصہ زمین پر مزاحمت کا کام جاری رکھے (بند 110)۔

(iv) بے دخلی کی صورت میں مزارع کو "ترقیات" اور "خلل اندازی قبضہ" کے معاوضے کا حق ہونا چاہئے (بند 111)۔

24- **پیداوار کی بٹائی**- موجودہ اساس جس کے مطابق زمین کی پیداوار سرکاری مطالبات کا بار مالک زمین اور مزارع کے مابین قانون یا مقامی رواج کے تحت تقسیم ہوتا ہے جاری رہنی چاہئے۔ مالک زمین کو لگان یا مزارع کے حصے کے مطالبات سرکاری ہیں' اگر ہوں' اضافہ کرنے سے روک دینا چاہئے۔ تا آنکہ وہ یہ ثابت نہ کر دے کہ وہ مزارعت کی نوعیت کی تبدیلی سے جس کا باعث آب پاشی کا جاری ہونا ہے یا بار محصولات وغیرہ میں تبدیلی سے زیادہ لگان وصول کرنے کا حق دار ہے۔ اسی طرح مزارع کو بھی یہ حق دینا چاہئے کہ بار محصولات وغیرہ میں تبدیلی کی وجہ سے وہ لگان میں تخفیف کرا لے (بند 115)۔

25- **ناجائز مطالبات کی ممانعت**- مالکان اراضی کو اپنے مزارعین پر لگان کے علاوہ کوئی اور حبوب عائد کرنے یا ان سے کسی شکل یا صورت میں بیگار لینے کی اجازت نہ ہونی چاہئے (بند 117)۔

26- **نئے مالکوں کو سہولتوں کی فراہمی**- نئے مالکوں کے لئے فوری قرضوں' ترقی یافتہ بیج' مصنوعی کھاد اور آلات کی شکل میں کافی سہولتیں بہم پہنچانے کے انتظامات کرنے ضروری ہوں گے۔ چنانچہ ان ضروریات کے پورا کرنے کے لئے جن علاقوں میں ضرورت ہو وہاں قرضہ دینے والے موجود واسطوں' مثلاً زرعی ترقیاتی مالی کارپوریشن' زرعی بنک' ادارہ ہائے امداد باہمی اور طریقہ تقاوی کو زیادہ مستحکم کرنا چاہئے (بند 128)۔

27- **اطلاق پذیری**- کمیشن اصلاحات اراضی کی طرف سے پیش کردہ تجاویز کا اطلاق' علاقہ ہائے خصوصی اور قسمت ہائے کوئٹہ و قلات کے غیر بندوبستی رقبوں کے سوا وفاقی دارالحکومت سمیت سارے مغربی پاکستان میں بسنے والے تمام مالکان اراضی پر ہونا چاہئے' خواہ وہ مہاجر ہوں یا مقامی قسمت ہائے کوئٹہ و قلات کے غیر بندوبستی رقبوں اور صوبے کے علاقہ ہائے خصوصی کی صورت میں ان تجاویز کا نفاذ اس وقت ہونا چاہئے جب وہاں پیمائش اور بندوبست کا کام پایہ تکمیل کو پہنچ جائے (بند 132)۔

28- **واسطہ عمل در آمد**- ایک صوبائی کمیشن اراضی مقرر کرنا چاہئے جس کے صدر صوبے کے گورنر بر بنائے عہدہ ہوں گے۔ اس کے ارکان کی تعداد تین سے زیادہ نہ ہو۔ اس کمیشن کو آئینی حیثیت حاصل ہونی چاہئے۔ اس کمیشن کو وہ تمام اختیارات حاصل ہوں گے جو کمیشن اصلاحات اراضی کی سفارشات پر عمل در آمد کرانے کے لئے ضروری ہیں اور ان میں وضع قواعد کا اختیار بھی شامل ہے۔ کمیشن اپنے کسی ایک رکن کو ایسے انتظامی اختیارات تفویض کر سکتا ہے جنہیں وہ ضرور خیال کرے۔

کمیشن کو اس بات کا اختیار ہونا چاہئے کہ وہ ضلع' تحصیل' تعلقہ کی سطح پر ایسے ادارے قائم کرے جو ان فرائض کو انجام دیں اور ان اختیارات کو استعمال کریں جو کمیشن کی طرف سے انہیں تفویض کئے جائیں (بند 68)۔

کمیشن اصلاحات اراضی مغربی پاکستان کی رپورٹ پر صدارتی کابینہ کے فیصلے

کھاتوں کی تحدید' زائد رقبوں کی واپسی اور ادائی معاوضہ

1- **کھاتوں کی تحدید**- کسی شخص کو 500 ایکڑ آبپاشی یا 1000 ایکڑ غیر آبپاش سے زائد اراضی پر ملکیت یا قبضے کی اجزت نہیں دی جائے گی۔

مستثنیات- (ا) کوئی موجودہ مالک اپنے موجودہ کھاتوں میں سے اس قدر مزید رقبہ' بشرطیکہ ہو' اپنے قبضے میں رکھ سکتا ہے جس سے اس کے زیر قبضہ کل رقبہ' پیداواری اشاریہ کی 36,000 اکائیوں کے برابر ہو جائے۔

نوٹ- پیداواری اشاریہ کی اکائیوں سے جہاں بھی ان کا ذکر ہو پیداواری اشاریہ کی وہ اکائیاں مراد ہیں جن کا حساب بے خانماں لوگوں

کی آباد کاری کے منصوبے کی اغراض کے لئے لگایا گیا ہے۔

(ب) کوئی منظور شدہ تعلیمی ادارہ یا یونیورسٹی اپنی ملکیت یا قبضے میں ایسا مزید رقبہ بھی رکھ سکتی ہے جس کی تحقیق یا مظاہرے کی اغراض سے ضرورت ہو۔

(ج) بجز اس صورت کے جس کی صراحت بند 2 میں کی گئی ہے حکومت اپنے منظور کردہ کسی خیراتی یا مذہبی ادارے کو مزید رقبہ اپنی ملکیت یا قبضے میں رکھنے کی اجازت دے سکتی ہے۔

(د) حکومت مفاد عاملہ پیش نظر گھوڑوں اور مویشیوں کی نسل کشی کے موجودہ منظور شدہ فارموں کے مالکوں یا ان کے منتظمین کو اس قدر زائد رقبہ جو وہ اس غرض سے ضروری سمجھے' اپنے قبضے میں اس وقت تک رکھنے کی اجازت دے سکتی ہے جب تک یہ رقبے گھوڑوں اور مویشیوں کی نسل کشی کے فارموں کی حیثیت سے استعمال کئے جائیں۔

نوٹ - گھوڑوں کی نسل کشی کے ان فارموں کے لئے جو حکومت کے زیر ملکیت یا زیرانتظام ہوں مندرجہ بالا طریق پر حکومت کی اجازت لینے کی ضرورت نہ ہو گی۔ ان کے متعلق یہ پہلے ہی قطعی طور پر فرض کر لیا جائے گا کہ یہ فارم مفاد عامہ کی خاطر قائم ہیں اور ان سے متعلق رقبے اس غرض کے لئے ضروری ہیں۔

(ہ) کوئی موجودہ مالک اپنے موجودہ کھاتوں میں سے زیر میوہ باغ مزید رقبہ جو 150 ایکڑ سے زیادہ نہ ہو اس وقت تک اپنے قبضے میں رکھ سکتا ہے جب تک وہ میوہ باغ کی حیثیت سے قائم رکھا جائے بشرطیکہ :

(i) رقبہ زیر میوہ باغ سالم سالم قطعات کی شکل میں ہوں جن میں سے کوئی 10 ایکڑ سے کم نہ ہو۔ اور

(ii) یہ ربیع 1956 - 57ء کے یا اس سے بھی پہلے کے کاغذات مال ہیں رقبہ زیر میوہ باغ کی حیثیت سے دکھایا گیا ہو۔

(و) **انتقال بحق ورثاء۔** کوئی موجودہ مالک جس کے قبضے میں پیداواری اشاریہ کی 36,000 اکائیاں کے مساوی رقبے سے زیادہ اراضی ہو اس زائد اراضی کو' بشرطیکہ زائد اراضی موجود ہو' شرع اسلامی کے تحت اپنے کسی وارث یا تمام ورثاء کے نام اس طرح منتقل کر سکتا ہے کہ 14 اگست 1947ء کو یا اس کے بعد کسی وارث یا تمام ورثاء کے حقوق میں ہبہ کردہ رقبے اور مذکورہ بالا شق (ہ) کے تحت قبضے میں رکھے ہوئے رقبے کو ملا کر منتقل کردہ مجموعی رقبہ پیداواری اشاریہ کی 18,000 اکائیوں کے مساوی ہو جائے' لیکن شرط یہ ہے کہ شق (ہ) کے تحت زیادہ سے زیادہ رکھا ہوا رقبہ کسی صورت میں پیداواری اشاریہ کی 6,000 اکائیوں کے مساوی رقبے سے زیادہ قرار دیا جائے۔

جو اشخاص 14 اگست 1947ء کو یا اس کے بعد ایسے ہبہ کے ذریعے مالک یا قابض اراضی ہوئے ہوں' واہب کی زندگی میں موجودہ مالکوں کی حیثیت سے شق ہذا یا شق (ہ) بالا کے تحت کسی استثناء سے فائدہ اٹھانے کے مستحق نہ ہوں گے۔

2- **وقف۔** قانون جواز اوقاف اسلامی 1913ء کی دفعہ 3 میں صراحت کردہ زمرے کا کوئی وقف جس کی رو سے وقف کنندہ کو فی الوقت اپنے لئے یا اپنے خاندان کے کسی فرد یا اپنے کسی وارث کے لئے کسی فائدے کا حق پہنچتا ہو ختم ہو جائے گا۔ اس وقف میں مشمولہ اراضی اسلامی قانون وراثت کے مطابق مقفعین کے مابین اس طرح تقسیم کر دی جائے گی کہ گویا کوئی وقف قائم ہی نہ تھا اور حق وراثت داہب کے یوم وفات سے شروع ہوا تھا۔

نوٹ۔ جن اشخاص کو بند ہذا کے مطابق منتقل ہو گی وہ بندا کے ذیلی بند (ہ) اور (ا) کی اغراض کے لئے موجودہ مالکان متصور نہ ہوں گے۔

3- **دست نگر مستورات کے لئے خاص گنجائش۔** اگر کسی شخص کے قبضے میں جدی اراضی ہو تو حکومت اس شخص کی درخواست پر اس کی دست نگر مستورات میں سے ہر ایک کے نام پیداواری اشاریہ کی زیادہ س زیادہ 16,000 اکائیوں کے مساوی زائد رقبہ ہبہ کرنے کی اجازت دے سکتی ہے' بشرطیکہ حکومت کو اس بات کا اطمینان ہو جائے کہ دست نگر مذکور ایسی خاتون ہے جسے اسلامی قانون وراثت کی رو سے جائداد مذکور میں حصہ وراثت کا اس وقت حق تھا' جب وراثت شروع ہوئی' لیکن ورثہ پانے کی بجائے وہ درخواست دہندہ کی' جس کو رواجاً" ورثہ حاصل ہوا دست نگر بن گئی۔

بند ہذا کے تحت کسی درخواست کے زیرغور ہونے کی وجہ سے بند میں تصریح کردہ رقبوں کا حصول معرض تعویق یا معرض التواء میں نہیں ڈالا جائے گا۔ اگر بندا کے تحت اراضی کا حصول عمل میں آ چکا ہو تو بند ہذا کے تحت کسی درخواست دہندہ کی دست نگر خاتون کو حاصل شدہ زائد مجموعی اراضی میں سے زمین دی جائے گی۔

اس بند کے تحت کسی دست نگر کو جو رقبہ دیا جائے گا وہ درخواست دہندہ کے اس رقبے میں سے منہا کر دیا جائے گا جس کے عوض اسے بندا کے مطابق معاوضہ ملنے والا ہو۔

4- **شاملات میں حصہ۔** اس شخص کو جس کی ملکیت یا قبضے میں پیداواری اشاریہ کی 36,000 اکائیوں کے برابر یا اس سے زائد رقبہ ہو' شاملات میں سے کوئی حصہ رکھنے کی اجازت نہ ہو گی' لیکن اگر کسی شخص کی ملکیت میں اس سے کم رقبہ ہو تو اسے شاملات میں سے' بشرطیکہ شاملات موجود ہو' اس قدر حصہ رکھنے کی اجازت ہو گی

جو شاملات کے ماسوا اس کی ملکیت اراضی کو ملا کر کل رقبے کو پیداواری اشاریہ کی 36,000 اکائیوں تک پہنچا دے۔

5- تاریخ مقررہ کے بعد انتقالات۔ (1) اگر کسی شخص کے پاس امیدواری اشاریہ کی 36,000 اکائیوں کے مساوی یا اس سے زیادہ رقبہ ہو اور اس نے 8 اکتوبر 1958ء کو یا اس کے بعد کسی اور شخص کے نام کوئی انتقال کیا ہو تو وہ انتقال کالعدم متصور ہو گا۔

(2) انتقال اراضی کی تاریخ کے متعلق بند 26 کے تحت قائم کردہ کمیشن کا فیصلہ ہو گا کمیشن اس بارے میں اپنے اختیارات کسی ایسے افسر کو تفویض نہیں کرے گا جس کا عہدہ قسمت کے کمشنر سے کم ہو۔

6- رقبے کا انتخاب۔ اس شخص کو جس کی ملکیت یا قبضے میں پیداواری اشاریہ کی 36,000 اکائیوں کے مساوی یا اس سے زائد رقبہ ہو یہ اختیار ہو گا کہ وہ اپنے لئے پیدواری اشاریہ کی 36,000 اکائیوں کے مساوی رقبہ منتخب کر لے اور اس میں جہاں تک ممکن ہو وہ ایسے سالم قطعات اراضی کا انتخاب کرے گا جو قسمت ہائے خیرپور اور حیدر آباد میں چونسٹھ چونسٹھ ایکڑ اور دوسری قسمتوں میں دو مستطیلوں یا دو مربعوں یا 50 ایکڑ میں سے جو رقبہ بھی زیادہ ہو، اس سے کم نہ ہوں۔

7- زائد رقبے کا حصول۔ اگر انتہائی حد سے زائد اراضی کسی کی ملکیت یا قبضے میں ہو تو حکومت اس کو اپنی تحویل میں لے لے گی اور وہ ہر قسم کی کفالت یا بار کے بغیر حکومت کو حاصل ہو جائے گی۔ اگر ایسی اراضی پر کوئی بار کفالت ہو تو یہ تصور کیا جائے گا کہ یہ بار یا کفالت اس اراضی میں منتقل ہو گئی ہے جو مالک کے قبضے میں رہے گی اور اگر مالک کی مقبوضہ اراضی اس بار یا کفالت کو کلیتہ" برداشت کرنے کے لئے کافی نہ ہو تو پھر یہ اس معاوضے میں بھی جو اسے واجب الادا ہو گا تاحد ضرورت منتقل ہو گی۔

8- ہیئت ہائے جمعیہ کی مقبوضہ زمین۔ ہیئت ہائے جمعیہ جو زمین کی مالک ہوں وہ زمین کی ملکیت یا قبضے کی اغراض کے لئے ہیئت ہائے جمعیہ متصور نہ ہوں گی۔ اس قسم کی ہائیت ہائے جمعیہ کی ملکیت میں جو اراضی ہو گی وہ ارکان جمعیہ کے مابین بہ حصہ رسدی تقسیم کر دی جائے گی اور بند ہائے اور 7 کی شرائط کا اطلاق ہر حصے پر علیحدہ علیحدہ ہو گا۔

تاہم انفرادی مالکان اگر اپنی اراضی کے مشترکہ انتظام کی غرض سے ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہونا چاہیں تو ہو سکتے ہیں۔

نوٹ۔ ہیئت جمعیہ کے ارکان سے مطالبہ کیا جائے گا کہ وہ دو مہینے کے اندر بند ہذا کی شرائط کے مطابق اپنے اپنے حصہ اراضی کی علیحدہ علیحدہ حد بندی کرا لیں۔ اس کے بعد بند او 7 کی شرائط کا اطلاق ہر حد بستہ حصے پر ہو گا۔ شکر سازی کے کارخانوں سے وابستہ زمینیں بند ہذا کی کسی شرائط سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔

9- رقم معاوضہ اور اس کی ادائیگی کا طریقہ۔ اس معاوضے کے علاوہ جو بند 10 کے تحت واجب الادا ہو بند 7 کے تحت حاصل کردہ اراضی کا معاوضہ حسب ذیل شرحوں سے ادا کیا جائے گا:-

(ا) پیداواری اشاریہ کی پہلی 18,000 اکائیوں کے لئے بشرح 5 روپے فی اکائی۔

(ب) پیدواری اشاریہ کی اس سے اگلی 24,000 اکائیوں کے لئے بشرح 4 روپے فی اکائی۔

(ج) پیدواری اشاریہ کی اس سے اگلی 36,000 اکائیوں کے لئے بشرح 3 روپے فی اکائی۔

(د) پیداواری اشاریہ کی اس سے اگلی 72,000 اکائیوں کے لئے بشرح 2 روپے فی کائی۔

(ھ) باقی ماندہ کے لئے بشرح 1 روپیہ فی اکائی۔

یہ معاوضہ ایسے قابل توارث تمسکات کی شکل میں ادا کیا جائے گا جو قابل انتقال تو ہوں گے لیکن بنکوں کے ذریعہ قابل بیع و شریٰ نہ ہوں گے۔ یہ تمسکات 25 سال تک واجب الادا ہوں گے اور ان پر بشرح 4 روپے فی صد سالانہ سود مفرد ادا کیا جائے گا جو قابل محصول ہو گا۔

10- حاصل کردہ اراضی پر مستقل تنصیبات و تعمیرات۔ بند 7 کے تحت حاصل کردہ اراضی پر جو مستقل تنصیبات و تعمیرات ہوں گی ان کو ہٹایا یا مسمار نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کی فرسودگی کو ملحوظ رکھ کر مالکوں کو اصل لاگت کا معاوضہ بند 9 کے تحت واجب الادا معاوضے کی طرح ادا کیا جائے گا۔

11- حاصل کردہ رقبوں سے استفادہ۔ حاصل کردہ اراضی کو مناسب شرائط و قیود کے تحت پہلے ان مزارعین کے ہاتھ فروخت کی غرض سے پیش کیا جائے گا، جو ان پر بحیثیت کاشتکار قابض ہیں۔ اس کے بعد جو زمین باقی بچے گی وہ دوسرے مستحق اشخاص کے ہاتھ فروخت کے لئے پیش کی جائے گی۔

12- مشترکہ سرمائے کا قیام۔ حاصل کردہ اراضی کی قیمت ایک علیحدہ سرمائے میں جمع کی جائے گی جو بند 26 کے تحت قائم کمیشن کی تحویل میں رہے گا اور وہ بند 9 اور 10 کے تحت ادائیوں، ڈوبے ہوئے قرضوں کے تصفیے، حاصل کردہ اراضی کی ترقی اور منصوبہ ہذا کو بروئے

کارلانے کے لئے انتظامی اخراجات پر صرف کیا جائے گا۔

اس کام کے کسی حصے کا مالی بار کسی صورت میں خزانے پر نہیں ڈالا جائے گا۔

بعض مفادات کی تنسیخ

13- جاگیریں۔ ہر نوعیت کی تمام جاگیریں خواہ وہ کسی نام سے موسوم کی جاتی ہوں بلاادائی معاوضہ منسوخ کر دی جائیں گی۔ حکومت کے تسلیم کردہ مذہبی، خیراتی یا تعلیمی اداروں سے وابستہ جاگیریں، ازروئے قواعد، مقررہ طریق سے خاص مقصد پر صرف کے لئے رقمی عطیوں کی صورت میں تبدیل کی جاسکتی ہیں۔

14- درمیانی مفادات کی تنسیخ۔ اعلیٰ مالکیت اور ایسے ہی دوسرے مفادات بلاادائی معاوضہ منسوخ کر دیئے جائیں گے۔

ناقابل تقسیم اراضی اور انتقالات پر پابندیاں

15- تعریفات۔ (i) **گزرانی کھاتا۔** اس رقبہ اراضی سے جو قسمت ہائے خیرپور حیدرآباد میں 16 ایکڑ اور دوسری قیمتوں میں نصف مربع یا نصف مستطیل یا 12/1/2 ایکڑ یا ان میں سے زیادہ پر مشتمل ہو، گزرانی کھاتا مراد ہے۔

(ii) **نافع کھاتا۔** اس رقبہ اراضی سے جو قسمت ہائے خیرپور حیدرآباد 46 ایکڑ اور دوسری قسمتوں میں 2 مربع یا 2 مستطیل یا 50 ایکڑ یا ان میں سے زیادہ پر مشتمل ہو، نافع کھاتا مراد ہے۔

16- ناقابل تقسیم اراضی۔ (ا) اس مشترکہ کھاتے کی تقسیم کسی صورت میں نہ کی جائے جس کا رقبہ ایک گزرانی کھاتے کے مساوی یا اس سے کم ہو۔

(ب) اس مشترکہ کھاتے کی تقسیم جس کا رقبہ گزرانی کھاتے سے زائد لیکن نافع کھاتے سے کم ہو اس طرح نہ کی جائے کہ اس تقسیم سے مشترک مالکان میں سے کسی مالک کا انفرادی کھاتا اس رقبے سے مل کر جو پہلے ہی سے اس کے قبضے میں ہو گزرانی کھاتے سے کم ہو جائے۔

(ج) اس مشترکہ کھاتے کی تقسیم نہ کی جائے جس کا رقبہ نافع کھاتے سے زائد ہو جب اس تقسیم سے کوئی انفرادی کھاتا اس رقبے کے ساتھ مل کر جو پہلے سے مالک کے قبضے میں ہو نافع کھاتے کے برابر نہ رہے یا مشترک مالکان میں سے کسی کا انفرادی کھاتا رقبے میں گزرانی کھاتے سے کم ہو جائے۔

(د) کسی واحد ملک کی ملکیت میں نافع کھاتے کے برابر یا اس سے زیادہ رقبے کی تقسیم اس طرح نہ کی جائے جس سے اس کے ایسے حصے ہو جائیں جن میں سے کوئی ایک حصہ نافع کھاتے کے برابر نہ رہے یا کوئی اور حصہ گزرانی کھاتے کے رقبے سے کم ہو جائے۔

17- ناقابل تقسیم کھاتوں کا انتظام۔ ناقابل تقسیم مشترکہ کھاتوں کا انتظام ایک واحد اکائی کی حیثیت سے بدستور جاری رہ سکے گا۔ ان کے انتظام سے متعلق پیدا ہونے کی صورت میں حصہ دار مندرجہ ذیل متبادل صورتیں اختیار کریں گے:۔

(i) سب کی طرف سے اس اراضی کے انتظام کے لئے قرعہ اندازی یا کسی دیگر طریق سے اپنے میں سے کسی ایک کا انتخاب، جس سے وہ اپنی آمدنی کا حصہ وصول کریں گے۔

(ii) اس صورت میں جب حصہ دار ایسے شخص کے انتخاب پر متفق نہ ہو سکتے ہوں، تو وہ اس کھاتے کے انتظام کے لئے اپنے میں سے کسی حصہ دار کو نامزد کرانے کے لئے اپنے ضلع کے کلکٹر سے درخواست کر سکتے ہیں۔

نوٹ۔ اگر کوئی حصہ دار نابالغ ہو تو بند ہذا کی غرض سے اس کا ولی حصہ دار متصور ہوگا۔

(iii) اگر بند 25 کے تحت مقرر شدہ کمیشن کی رائے میں حصہ داروں کے مابین کوئی مشترکہ انتظام ممکن نہ ہو تو کمیشن ازروئے اقواعد مقرر کردہ طریق پر معاوضہ ادا کرنے کے بعد کھاتے پر قبضہ کر سکتا ہے۔

18- انتقالات پا پابندی۔ (i) کوئی شخص جو نافع کھاتے سے زائد رقبے کا مالک ہو اپنی اراضی کے کسی حصے کو بذریعہ بیع، رہن، ہبہ یا بصورت دیگر منتقل نہ کرے گا جس سے رقبہ نافع کھاتے کی حد سے کم ہو جائے۔ تاہم اگر وہ چاہے تو اپنے کھاتے کا مجموعی طور پر انتقال کر سکتا ہے۔

(ii) نافع کھاتے کا کوئی مالک اپنے کھاتے کے کسی حصے کو بذریعہ بیع، رہن، ہبہ یا بصورت دیگر منتقل نہ کرے گا، تاہم اگر وہ چاہے تو اسے مجموعی طور پر منتقل کر سکتا ہے۔

(iii) کوئی شخص جو گزرانی کھاتے سے زائد مگر نافع کھاتے سے کم رقبے کا مالک ہو اپنی اراضی کے کسی حصے کو بذریعہ، بیع، رہن، ہبہ یا بصورت دیگر منتقل نہ کرے گا جس سے اس کے کھاتے کا رقبہ گزرانی کھاتے سے کم ہو جائے، تاہم اگر وہ چاہے تو اپنے کھاتے کو مجموعی طور پر منتقل کر سکتا ہے۔

(iv) کوئی شخص جو گزرانی کھاتے کے برابر یا اس سے کم رقبے کا مالک ہو اپنے کھاتے کے کسی حصے کو بذریعہ بیع، رہن، ہبہ یا بصورت دیگر منتقل نہ کرے گا۔ تاہم اگر وہ چاہے تو کھاتے کو مجموعی طور پر منتقل کر سکتا ہے۔

کاشت اور مزارعت

19- غیر مزروعہ قابل کاشت اراضی سے استفادہ۔ جو زمینیں دو سال یا اس سے زیادہ عرصے تک کاشت میں نہ لائی گئی ہوں ان کے مالکوں کو اس امر کا نوٹس دیا جائے گا کہ وہ ایسی مناسب مدت کے اندر جو بند 25 کے تحت

قائم شدہ کمیشن مقرر کرے' ان کو زیر کاشت لائیں۔ اگر وہ ان ہدایات کی تعمیل سے قاصر رہیں تو کمیشن ان کی زمینوں کو بغرض استفادہ و انتظام اپنے تصرف میں لے لے گا۔

20- دخیل کاروں کی مالکوں میں تبدیلی۔ دخیل کاروں کی مالکوں میں تبدیلی کے متعلق موجودہ قوانین کو بدستور نافذ رہنے دیا جائے گا۔ مقرری داروں اور اسی قسم کے دوسرے مزارعین کو بھی یہی حقوق عطا کرنے کا انتظام کیا جائے گا۔ ان قوانین کو صوبے کے ان دوسرے علاقوں تک بھی وسعت دی جائے گی جن پر اس قوت ان کا اطلاق نہیں ہوتا۔

21- تحفظ حقیقت۔ (i) کسی مزارع کو بے دخل نہ کرنا چاہئے جب تک کسی عدالت مال میں یہ ثابت نہ ہو جائے کہ:

(ا) وہ لگان ادا کرنے سے قاصر رہا ہے' یا

(ب) اس نے اراضی کو اس طریقے سے استعمال کیا ہے کہ وہ ان اغراض سے جن کے لئے وہ اس پر قابض تھا ناکارہ ہو گئی ہے' یا

(ج) وہ بغیر کسی کافی وجہ کے اراضی کی کاشت کرنے سے قاصر رہا ہے' یا

(د) اس نے اراضی کو شکمی پٹے پر اٹھا دیا ہے' یا

(ہ) اگر کسی جگہ لگان بصورت جنس واجب الادا ہے تو وہ زمین کی اس طریقے سے یا اس حد تک کاشت کرنے سے قاصر رہا ہے جو اس علاقے کا دستور ہے۔

لیکن شرط یہ ہے کہ شق (i) کا اطلاق اس زمین یا حصہ زمین پر نہ ہو گا جو کسی بلدیہ یا کارپوریشن یا چھاؤنی یا امپرومنٹ ٹرسٹ کے دائرہ اختیار میں واقع ہو۔ بشرطیکہ کسی عدالت مال میں یہ ثابت ہو جائے کہ وہ زمین تعمیر مکانات کے کسی ایسے منصوبے میں شامل ہے جو کسی ہیئت مذکورہ کا تیار کردہ یا منظور کردہ ہے۔

(ii) "خود کاشت" کے عذر کی بناء پر بے دخلی کا حق کالعدم قرار پائے گا۔

(iii) کسی مزارع کو مالک زمین کے مہیا کردہ مکان سے بے دخل نہیں کیا جائے گا جب تک کہ وہ اس مالک زمین کے تحت مزارعت کا کام جاری رکھے۔

(iv) بے دخلی کی صورت میں مزارع ان ترقیات کے معاوضے کا حق دار ہو گا جو اس نے اپنی طرف سے کی ہوں۔

22- پیداوار کی بٹائی۔ موجودہ اساس جس کے مطابق زمین کی پیداوار اور سرکاری مطالبات کاروبار مالک زمین اور مزارع کے مابین قانون یا مقامی رواج کے تحت تقسیم ہوتا ہے جاری رہے گی۔ مالک زمین کو لگان یا مزارع کے مابین قانون یا مقامی رواج کے تحت تقسیم ہوتا ہے جاری رہے گی۔ مالک زمین کو لگان یا مزارع کے کسی حصے کے سرکاری مطالبات میں' اگر ہوں' اضافہ کرنے کا کوئی حق نہ ہو گا' تا آنکہ وہ کسی عدالت مال میں یہ ثابت نہ کر دے کہ وہ مزارعت کی نوعیت کی تبدیلی سے جس کا باعث آب پاشی کا جاری ہونا ہے یا بار محصولات وغیرہ کی تبدیلی سے زیادہ لگان وصول کرنے کا حق دار ہے۔ اسی طرح مزارع کو بھی یہ حق ہو گا کہ وہ بار محصولات وغیرہ میں تبدیلی کی وجہ سے لگان میں تخفیف کرالے۔

23- ناجائز مطالبات کی ممانعت۔ مالکان اراضی کو اپنے مزارعین پر لگان کے علاوہ کوئی حبوب عائد کرنے یا ان سے کسی شکل یا صورت میں بیگار لینے کی اجازت نہ ہو گی۔

24- اطلاق پذیری اور عمل در آمد۔ ان شرائط کا اطلاق "علاقہ ہائے خصوصی" اور قسمت ہائے کوئٹہ و قلات کے غیر بندوبستی رقبوں کے سوا وفاقی دار الحکومت سمیت سارے صوبہ مغربی پاکستان کے تمام مالکان اراضی پر ہو گا' خواہ وہ بے خانماں ہوں یا مقامی۔ قسمت ہائے کوئٹہ و قلات کے غیر بندوبستی رقبوں کی صورت میں ان شرائط کا نفاذ ان رقبوں میں پیمائش اور بندوبست کے کام کے پایہ تکمیل کو پہنچنے کے بعد ہو گا۔

25- واسطہ عمل در آمد۔ ایک صوبائی کمیشن اراضی مقرر کیا جائے گا جس کے صدر بربنائے عہدہ صوبے کے گورنر ہوں گے۔ اس کے ارکان کی تعداد پانچ سے زیادہ نہ ہو گی۔ اس کمیشن کو آئینی حیثیت حاصل ہو گی اور اسے ان شرائط پر عمل در آمد کرانے کے لئے جملہ ضروری اختیارات حاصل ہوں گے جن میں وضع قواعد کا اختیار بھی شامل ہے۔ تاہم کمیشن کے وضع کردہ قواعد صوبائی حکومت کی منظوری کے تابع ہوں گے۔ کمیشن اپنے کسی ایک رکن کو ایسے انتظامی اختیارات تفویض کر سکتا ہے جو وہ ضروری خیال کرے۔ کمیشن ضلع اور تحصیل / تعلقہ کی سطح پر ادارے قائم کر سکتا ہے جو ایسے فرائض انجام دیں گے اور ایسے اختیارات استعمال کریں گے جو کمیشن کی طرف سے ان کو تفویض کئے جائیں۔

26- ہدایت۔ کمیشن اس منصوبے کے عمل در آمد کا کام کم سے کم امکانی مدت میں مکمل کرنے کے لئے تمام ضروری اقدامات کرے گا۔ اراضی کے غیر محدود کھاتوں کو محدود کھاتوں میں منتقل کرنے کے کا کام جہاں تک ممکن ہو پر سکون طریق سے انجام دیا جائے گا۔ اس منصوبے کے تحت معاملات کے انضباط کے لئے جو ضوابط مرتب کئے جائیں گے وہ سادا اور دیہی آبادی کے لئے قابل فہم ہوں گے۔ اس امر کی احتیاط کی جائے گی کہ معاوضہ وصول کرنے میں کسی شخص کو طویل اور تکلیف دہ طریقوں کی زحمت برداشت نہ کرنی پڑے۔

27- نئے مالکوں کے لئے قرضوں' ترقی یافتہ بیج' مصنوعی کھاد اور آلات کی شکل میں کافی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں گی۔ قرض دینے والے موجودہ واسطوں' مثلاً زرعی ترقیاتی مالی کارپوریشن' زرعی بنک' ادارہ ہائے امداد باہمی اور طریقہ ہائے تقاوی کو مستحکم کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ لیڈ مارگیج

کارپوریشن کے نام سے ایک نیا ادارہ قائم کرنے کے امکانات کی پوری طرح چھان بین کی جائے گی۔

28- کھاتوں کے درجے کو گزارے کی سطح تک بڑھانے کے لئے کمیشن چھوٹے چھوٹے کھاتوں کو حسب ذیل طریقوں سے گزرانی کھاتوں کی حد تک پہنچانے کی کوشش کرے گا۔

(i) سرکاری اراضی اور حاصل کردہ اراضی سے استفادے کے ذریعے '

(ii) ان مالکوں کی گزرانی سطح سے کم اراضی حاصل کر کے جن کو کسی اور جگہ سرکاری اراضی یا حاصل کردہ اراضی دی گئی ہو' اور

(iii) ان مالکوں کی گزرانی سطح سے کم اراضی حاصل کر کے جو کسی دوسری جگہ نافع کھاتوں یا نافع کھاتوں سے زیادہ اراضی پر قابض ہوں۔

29- صوبے بھر میں جبری اشتمال کے منصوبے کا آغاز کر کے کسروں میں بٹے ہوئے کھاتوں کے اشتمال کی کارروائی کی جائے گی۔

30- بند ا (و) کے تحت منتقل ہونے والے رقبوں کے ایک ہی خاندان کے افراد کے مابین باہمی تبادلے کی غرض سے جبکہ ان کی زمینیں مختلف ضلعوں میں بکھری ہوئی ہوں' سہولت بہم پہنچانے کی تدابیر اختیار کی جائیں گی۔

31- قسمت ہائے کوئٹہ وقلات کے غیر بندوبستی رقبوں میں پیمائش کا کام جس قدر جلد ممکن ہو مکمل کرنے کے انتظامات کئے جائیں گے۔

32- عبوری دور میں حالت سابقہ برقرار رکھی جائے گی اور اس کی سختی سے پابندی کرائی جائے گی۔

کارنیلیس رپورٹ

----: ایک خلاصہ :----

کارنیلیس کمیشن نے یہ تجویز کیا تھا کہ موجودہ سول سروس آف پاکستان کو ختم کر دیا جائے۔ کارنیلیس رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ اختیارات کی یہ علامت (سی ایس پی) ایک آزاد معاشرے میں معاشرتی و اقتصادی ترقی اور حکومت کے خود مختار اداروں کے ایسے قانونی اور اصولی اعتبار سے ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے کمیشن نے مواقع اور اختیارات کی مساوات کے لئے تجویز پیش کی تھی کہ تمام پبلک سروسز کو ساتھ صفوں میں تقسیم کیا جائے اور سب سے اگلی صف میں ماہرین ہوں نہ کہ ہر فن مولا لوگ۔

تجویز شدہ لائحہ عمل میں یہ بھی تھا کہ ان پبلک ملازمین کو باعزت اور معقول مستقبل دیا جائے جنہیں آج تک ان کے مقام سے دور رکھا گیا اور وہ حقوق نہیں دیئے گئے جن کے وہ مستحق تھے' ان میں ماہرین تعلیم' ڈاکٹر' انجینئر اور پی سی ایس سطح کے لوگ شامل ہیں۔

چیف جسٹس' اے۔ آر کارنیلیس کی سرکردگی میں گیارہ افراد پر مشتمل' تنخواہ اور سروسز کمیشن' مارشل لاء کے دس ماہ بعد اگست 1959ء میں قائم کیا گیا تھا۔ 1962ء کا آئین بننے کے بعد کمیشن نے 478 صفحات پر مشتمل اپنی رپورٹ پیش کی۔ کمیشن نے اس دوران 153 اجلاس کئے اور اعلیٰ حکام سے بحث کے علاوہ 15 محکموں کے سربراہوں سے تبادلہ خیال کیا۔

تحقیقات کی اغراض

تحقیقات کی اغراض یہ تھیں کہ ملازمتوں کی تنظیم اور ڈھانچے کا اس طرح جائزہ لیا جائے کہ زیادہ سے زیادہ کارکردگی کے حصول سے متعلق تجاویز ہوں اور تحقیق کی جائے کہ ملازمتوں کے عوض تنخواہ' شرائط اور حالات کیسے ہیں اور ان میں کن کن تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔

ملازمتوں کی دوبارہ تنظیم کے متعلق کمیشن کی تجاویز انقلابی گردانتے ہوئے صیغہ راز میں رکھا گیا جبکہ تنخواہوں کے سکیل اور مختلف درجوں کے ملازمین کے لئے مختلف شرائط کی تبدیلی اسی رپورٹ کی روشنی میں کی گئی۔

کمیشن نے ملازمتوں کی تنظیم میں جو اصلاحات تجویز کی تھیں ان کو یہ سوچ کر قبول نہ کیا گیا کہ اس طرح تمام انتظامیہ میں گڑبڑ ہو جائے گی' تسلسل ٹوٹ جائے گا اور ترقی پر بہت اثر پڑے گا۔

کمیشن کے دو ممبر مسٹر جی معین الدین اور مسٹر علی اصغر نے بھی ملازمتوں کے متعلق پیش کردہ اصلاحات میں سے اکثر قبول نہ کیا اور ماضی و حال کی سول سروسز آف پاکستان پر کئے گئے اعتراضات پر نکتہ چینی کی۔

کمیشن نے دلیل دی کہ اصلاحات' اسلام کی روح اور آئینی تقاضوں کے مطابق بنائی گئی تھیں۔ جن میں مساوات' معاشرتی انصاف اور "اجرتوں کے بہت بڑے تضاد میں کمی" کی سفارش کی گئی تھی۔

رپورٹ میں آئین اور صدر ایوب کی تقریر کا بھی حوالہ تھا۔ جس میں "معاشرتی برائیوں کے باوجود عظیم اصلاحات" پچھلی صدی کی غلط رسوم کا خاتمہ اور انسانی ترقی کے لئے جدوجہد کا ذکر تھا۔

نئی سکیم نے پبلک سروسز کو بالکل نئی شکل دی تھی اور ڈسٹرکٹ ڈویژن کی سطح پر انتظامیہ اور سیکرٹریٹ کی پھر سے تنظیم کی تھی۔ رپورٹ میں زور دیا گیا تھا کہ یہ ترامیم کرنا مشکل امر نہیں۔

اصل ضرورتیں

ماہرین کو آگے لانے اور پبلک سروسوں کو جمہوری بنانے کے لئے کمیشن نے ایک آزاد ملک کے بنیادی مسئلے کو پیش نظر رکھا تھا۔ تحفظ عامہ یا نظم و ضبط کو مسلط کرنا پرانی بات ہو چکی تھی۔ ایک ایسے آزاد ملک میں جہاں زندگی کے ہر شعبے میں ترقی اور اصلاح کی بنیادی ضرورت ہو وہاں اب یہ باتیں اتنی اہم نہیں ہوتیں۔ وہاں اقتصادی ترقی بڑھانے کے لئے ماہرین کو اختیار دیا جاتا ہے نہ کہ ہر فن مولا قسم کے روشنی حاکموں کو۔

اتنا ہی اہم مسئلہ ایک صحیح حکومت بنانے کا تھا جو کہ خود مختار ہو اور قانون کے ماتحت ہو۔ حکمران طبقے کی غفلت پر روشنی ڈالتے ہوئے کمیشن نے رپورٹ میں کہا کہ ایک اچھی حکومت کے لئے جو کہ خود مختار ہو اور قانون کی پابند ہو۔ سی ایس پی کے بناوٹی نوابوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔

یوں بھی سی ایس پی کا "سند یافتہ حاکموں اور نا اہل اجارہ داروں پر مشتمل عملہ" خاص مراعات' طاقت اور اختیارات کے ساتھ "خادم سے حکمران بن کر" عوام اور انتظامیہ کی تمام شاخوں پر حکومت کرتا ہے۔

کمیشن نے یہ فرض سمجھا کہ وہ ایک ایسا ڈھانچہ پیش کرے جس کے تحت تمام سروسز خواہ کتنی ہی بلند کیوں نہ ہوں اپنے صحیح مقام پر رہیں اور عوام کے منتخب شدہ نمائندوں کا حکم مانتے ہوئے قومی ترقی اور اصلاح میں مدد کریں۔

اختیارات کی حدیں

ضلعی اور کمشنری سطح پر موجودہ "ہمہ دان" عہدیداروں کے بجائے' کمیشن نے تجویز کیا کہ کمشنر اور ڈپٹی کمشنر کے اختیارات کا ارتکاز ختم کر دیا جائے اور ان کے اختیارات کو ماہرین پر مشتمل اداروں میں بانٹ دیا جائے کمشنر اور ڈپٹی کمشنر کا کام قانون کے ضابطوں کو انتظامیہ کے ذریعے قائم رکھنا ہے کمشنر اور ڈپٹی کمشنر کو بے لاگ نقادوں کی حیثیت سے ترقی اور نشوونما کا نگران ہونا چاہیے۔

سیکرٹریٹ میں عوام کے منتخب شدہ وزیر کا تعلق' محکموں کے ماہر سربراہوں کے ساتھ جو کہ سیکرٹری کا سادہ اعلیٰ مقام رکھتے ہوں براہ راست ہونا چاہیے۔ یہ تصور کہ سیکرٹری وزیر کا 'ذہن' ہے' جمہوری اصولوں کے خلاف اور خطرناک ہے۔ طاقت اور اختیارات' منتخب شدہ عوامی نمائندے کے پاس ہونے چاہئیں۔ آئین کی شکست کی طرف کوئی بات اتنی تیزی سے نہیں لی جا سکتی جتنی یہ کہ منتخب شدہ نمائندوں کی طاقت اور اختیارات کو سرکاری ملازمین کی طرف منتقل کر دیا جائے۔

"کمیشن اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ قومی ترقی کو افسروں کے چند گروہوں کے مخصوص اختیارات اور وقار کے خوف سے نہیں رکنا چاہیے۔ نہ ہی پاکستان کی حکومت اس مقصد کے لئے بنائی گئی تھی اور نہ ہی موجودہ آئین ان مقاصد کے لئے دیا گیا ہے"۔

"حکومت کے خاص ایجنٹ کے طور پر ہر فن مولا قسم کے افسروں پر اندھا دھند اعتماد کرنا بہت پرانا نظریہ ہو چکا ہے جو کہ ان ضروریات کی وجہ سے بنایا گیا تھا جو مدت سے ختم ہو چکی ہیں۔ اسی انداز فکر کو جاری رکھنے اور طاقت کے زور پر نافذ کرنے سے نقصانات کا ایک سلسلہ شروع ہو سکتا ہے۔ یہی صورت حال آج کل ملک کو درپیش ہے۔"

انتظامیہ ادارہ

سات گروپوں پر مشتمل پبلک سروسز ادارے کے علاوہ رپورٹ تجویز پیش کرتی ہے کہ ایک انتظامیہ عدالت بنائی جائے' ماہر منتظمین کی ایک ایجنسی بنائی جائے اور تربیت کی ایسی سہولتیں مہیا کی جائیں جو اس نئی سکیم کی کامیابی میں بہت مددگار ہوں۔

سروسز کا ڈھانچہ طبقوں کے درمیان فاصلے کو کم کرتا ہے اور ذہانت پر زور دیتا ہے۔ یہ سات گروپوں پر مشتمل ہے جو اسے ز تک ہیں۔ پاکستان ایڈمنسٹریٹو سروسز چوٹی پر ہیں۔

تین درجے

ہر گروپ تین درجوں میں تقسیم ہے ماسوائے جو "تربیت یافتہ" کے لئے ہے 'ب گروپ' سے 'و' تک کے تمام ملازمین کے لئے "بہتر ترقی کا اصول" ہے ان میں ہر ایک کی دو فہرستیں ہیں۔ ایک عام فہرست اور دوسری خاص فہرست' پہلی فہرست ان ملازمین کے لئے ہو جو ہمیشہ کے لئے برتری کے مستحق ہوں۔ دوسری فہرست ان ملازمین کے لئے ہے جو اپنی ملازمت کے سات سال پورے ہونے کے بعد اپنی اہلیت کے اعتبار سے ترقی کے حق دار ہوں۔

ب گروپ بنیادی افسر طبقے کے لئے ہے یعنی کلاس II۔ اس گروپ میں سرفہرست جونیئر ایگزیکٹو گروپ ہو گا۔ اس میں وہ تمام افسر شامل ہوں گے جو جانچ پڑتال اور چھوٹے پیمانے پر انتظامیہ کا کام کرتے ہیں۔ اگروپ سول ایگزیکٹو سروس آف پاکستان ہے۔ اس میں ڈسٹرکٹ سطح کے تمام کلاس I افسر شامل ہیں۔ یہ منتخب شدہ گروپ آئی سی ایس کی بدلی ہوئی شکل ہے۔

چند فوائد

رپورٹ نے اپنی تجاویز کے چند فوائد گنوائے ہیں۔ ایک آئی سی ایس آفیسر ضلع کا سربراہ اس وقت بنا کرتا تھا جب وہ دس سال کی ملازمت کر لیتا تھا اور اب ایک سی ایس پی افسر تین سال کی ملازمت کے بعد ہی یعنی بہت کم عمر میں یہ مقام حاصل کر لیتا ہے جبکہ ضلع کے باقی تمام افسران 40 اور 50 سال کی عمر کے ہوں تو یقیناً وہ نوجوان سی ایس پی آفیسر کے متعلق حسد آمیز خیالات رکھیں گے موخرالذکر اپنے اختیارات اور برتری کی وجہ سے اپنے آپ کو ان کے درمیان ایک بادشاہ تصور کرتا ہے۔ اس سکیم کے تحت اس سطح پر نوجوان طبقے کی تقرری نہیں ہو گی حتیٰ کہ براہ راست تقرری بھی 27 سال سے زائد عمر کی ہو گی۔

سول ایگزیکٹو سروس میں ضلعی سطح اور کمشنری سطح کے درمیانی ملازم شامل ہوں گے مثلاً ڈی۔ آئی۔ جی پولیس' ڈپٹی ڈائریکٹر آف ہیلتھ ایجوکیشن وغیرہ۔ سول ایگزیکٹو سروس میں مرکزی حکومت کے ڈپٹی سیکرٹری اور صوبائی حکومت کے جائنٹ سیکرٹری بھی شامل ہیں۔

رپورٹ یہ یقین ظاہر کرتی ہے کہ اس طرح سے سروس کے مختلف طبقات کے درمیان اختلافات اور غیر مساوی تقسیم ختم ہو جائے گی اور براہ راست تقرری اور محکمانہ ترقی کے درمیان مصالحت ہو جائے گی۔

نئی سکیم مختلف اختیارات اور طاقت ایک شخص کو دینے کے حق میں نہیں ہے۔ (جیسے ڈپٹی کمشنر) اس اصول پر کہ ایک تو وہ حکمران طاقت کے اصول نمائندے نہیں ہیں۔ دوسرا یہ کہ انتظام کی طاقت عوامی ہے نہ کہ کہیں سے درآمد کردہ۔

کارگری

رپورٹ دلیل پیش کرتی ہے کہ اگر ڈپٹی کمشنر، مختلف محکموں کا اجارہ دار نہ بن جائے تو ضلعی انتظامیہ اچھے طریقے سے کام کر سکے گی۔ اس وقت ڈی سی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بھی ہے اور ڈپٹی کلکٹر بھی اور ضلع کی پولیس کا مختار بھی۔ اس کے لئے رپورٹ تجویز پیش کرتی ہے کہ ڈی سی کے اختیارات کو بانٹنے کے لئے مختلف "ماہر ایجنسیاں" قائم کی جائیں۔

پاکستان ایڈمنسٹریٹو سروس میں تمام محکموں کے سربراہ شامل ہیں اور یہ طبقہ سرفہرست ہے۔ بڑے اداروں کے ڈائریکٹر، پاکستان ایڈمنسٹریٹو سروس سے پہلے کے سیکرٹریٹ کے وہ افسر جن کا خالصتاً اہلیت کی بنا پر چناؤ گیا ہو اس میں شامل ہیں۔ وہ بورڈ جو پاکستان ایڈمنسٹریٹو سروس کے لئے چناؤ کرے گا۔ صدر کی سرکردگی میں ہو گا اس میں تین چیف جسٹس اور قانونی اداروں کے سربراہ شامل ہوں گے۔

رپورٹ کا مقصد یہ ہے کہ ملازمتوں سے متعلق ایک ایسا مربوط نظام ہو کہ ہر ملازم کو مساوی سہولتیں دی جائیں اور بہتر مواقع کا یقین دلایا جائے۔ ہر سطح پر مساوات ہو اور آسائشات سب کو میسر ہو۔ اہلیت اور قابلیت کی قدر ہو اور ملازمتیں ملک کی بقا کے لئے ہوں۔

نیا کردار

نئے ڈھانچے کا اہم نکتہ یہ ہے کہ ڈپٹی کمشنر اور کمشنر کو نئے فرائض دیئے جائیں اور سیکرٹریٹ میں بھی تبدیلی ہو۔ خاص طور پر سیکرٹری کے فرائض بدل جائیں۔ رپورٹ تجویز پیش کرتی ہے کہ ضلع کی انتظامیہ کی تمام شاخوں کا اختیار ڈپٹی کمشنر کو دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تعلیم، صحت اور انجینئرنگ جیسے محکموں کے سربراہوں کی (جو کہ ماہر فن ہوں) ڈپٹی کمشنر سے کم تنخواہ اور کم تنخواہ اور کم معیار نہیں ہونا چاہئے۔ ڈپٹی کمشنر پہلے ہی بہت سے اختیارات کے بوجھ تلے دبا ہوتا ہے۔ یہ اختیارات ماہر ایجنسیوں کے پاس ہونے چاہئیں جیسے زرعی مالیہ، عدالت، ایکسائز اور ٹیکسیشن بلدیاتی ادارے اور سماجی بہبود۔

مزید یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ وہ دن گئے جب کہ ایک آئی سی ایس ہر شخص سے کہا کرتا تھا "تم جو چاہو کرلو میں سنبھال لوں گا"۔ مشاہدات ترقی یافتہ فنون اور ماہرین کا علم نااہل لوگوں کا کنٹرول برداشت نہیں کرتے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر فن مولا قسم کے لوگوں کا انسانی قابلیت کے ضمن میں دعوے برتری غیر مستحکم تھا۔

قانون

نئی سکیم کے تحت ڈپٹی کمشنر، مخصوص ایجنسیوں کو اختیار دینے کے بعد ضلع کے دوسرے حکام کا ہم مرتبہ بن جاتا ہے۔ اس کا اہم فریضہ یہ یقین کرنا ہوتا ہے کہ انتظامیہ کی ہر شاخ میں قانون کا صحیح استعمال ہونا چاہئے جو قانون کے ضابطے کا تعین کرے۔

ڈپٹی کمشنر کا دوسرا اہم کردار یہ ہے کہ وہ ملک کے ذرائع میں ترقی کے لئے حقیقی کارندے کا کام کرے۔ جب "نظم وضبط" کے بجائے ترقی پر زور دیا گیا ہے تو ڈپٹی کمشنر کو تعمیری ذہن اور بہترین صلاحیتوں کا حامل ہونا چاہئے تا کہ وہ عوام کے مطالبات اور ماہرانہ ایجنسیوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کر سکے۔

حکومت کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے ڈپٹی کمشنر اپنی روایتی قابلیت سے امن و امان بحال رکھنے کے لئے نہ صرف ڈنڈے کا استعمال کر سکتا ہے، بلکہ عوام کی دم مروڑ کر رکھ دیتا ہے، جو کہ قانونی اختیارات کے برعکس ہے۔ اس کے ماتحت افسران بھی لاقانونیت کے اس انداز کو اسی طرح اپناتے ہیں کہ بدنظمی مستقل دبا بن کر رہ جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی کئی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ ایک تو بدعنوانی اور رشوت ستانی آجاتی ہے۔ دوسرے حکومت کا مزاج عوامی نہیں رہتا۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ آئین کی پیش کردہ قانونی اصول برتر ہو گا جبکہ کسی شخص یا گروپ کا اصول کوئی مقام نہیں رکھے گا۔ رپورٹ میں یہ محسوس کیا گیا ہے کہ اعتراضات کے باوجود ان افسران کو حالیہ انتظامیہ تبدیلیوں کے تحت مزید اختیارات دے دیئے گئے ہیں۔

طاقت کی علامت

قانون کی ضرورتوں میں اضافے کے تحت ڈپٹی کمشنر کے دفتر کی نوعیت بھی بدلنی چاہئے۔ اگر قانون کی حکمرانی کے تصور کا تعلق قانون ہی سے ہے تو ڈپٹی کمشنر کے عہدے کے بارے میں یہ تصور غلط ہو جاتا ہے کہ اس کا کام کسی شخص یا گروہ کو اپنی مرضی کے مطابق جھکانا ہے۔

مزید یہ کہ حکومت کے اس ایجنٹ کا تمام محکموں کے افسروں اور عوام پر بیک وقت اختیار ہونے کی وجہ سے بے نظمی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ حکومت کا نمائندہ ایسا شخص ہونا چاہئے جو قانون کی بالادستی کا یقین دلائے اور اس کا اولین فرض یہی ہے کہ اسے انتظامی عدالت کا فرانس کے انداز پر

سربراہ بنادیا جائے۔

رپورٹ اس خیال کو بھی رد کرتی ہے کہ صرف تربیت یافتہ سی ایس پی ہی بہترین ڈپٹی کمشنر بن سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں ریلوے اور فوج کی مثالیں دی گئی ہیں اور 1958ء کے بعد سے فوجی افسروں کے دوسرے محکموں میں تجربات بھی پیش کئے گئے ہیں "آنکھیں بند کر کے یہ کہہ دینا ٹھیک نہیں کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی عمومی انتظامیہ ہی ملک میں کامیاب ہو سکتی ہے"۔

ماہرین فن

ڈپٹی کمشنر کی طرح کمشنر کو بھی ڈویژنل عدالت انتظامیہ کی سرپرستی کرنی چاہئے اور دوسرے محکموں کی براہ راست ذمہ داری ماہرین فن کو دے کر اسے ان سے دست بردار ہونا چاہئے۔ ڈویژنل عدالت انتظامیہ جس میں خصوصی ماہروں کی ایجنسیوں کے سربراہ بھی شامل ہوں گے۔ ضلعی عدالت انتظامیہ کی سرپرست ہو گی۔ ڈویژنل عدالت خصوصی ماہروں کی ایجنسیوں کی کارکردگی بھی باقاعدہ جانچ پڑتال کرے گی۔

ترقی کے میدان میں صوبائی صدر مقام سے بڑے پیمانے پر منصوبے کمشنر کے ذریعے آنے چاہئیں تاکہ ان منصوبوں کی ترقی اور کامیابی کے لئے باہمی ضلعی جدوجہد پر نظر رکھنا اس کا فرض بن جائے' اسی طرح رپورٹ میں سیکرٹریٹ کے طرز عمل کو بھی نئی شکل دی گئی ہے تاکہ وزارت خزانہ سے اجازت ناموں میں تاخیر اور غیر ماہر حضرات کی چھان بین سے چھٹکارا ہو جائے۔

پالیسی سازی کا اختیار

رپورٹ اس بات کی پر زور تردید کرتی ہے کہ کمیشن یا حکمران ادارے کا تصور ہی کے منافی تھا یا پالیسی کو کنٹرول کرنیکا اختیار کسی ایک سروس یا اس سروس کے محدود رکھنے کا نظریہ دقیانوسی تھا۔ اس مفروضے کے پیش نظر رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ وزیر جو پالیسی بنانے کا کام کرتا ہے اس کے سیکرٹری کو چاہئے کہ وہ مختلف محکموں کے کام کو منظم اور باضابطہ بنائے اور ایسے مواقع فراہم کرے کہ کام جلد از جلد ختم ہو سکے۔ وزیر کا براہ راست تعلق محکموں کے حکام سے ہو اور اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ ہر کام ایک غیر ماہر سیکرٹری کی چھان پڑتال کے بعد اس تک پہنچے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ " وزراء عموماً بہت سی نئی اور دستوری تفصیلوں سے ناواقف ہوتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وزیر اسی کو مقرر کیا جائے۔ جو متعلقہ معاملات اور فرائض کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ نمائندہ حکومتوں کے رائج ہونے کے بعد سے اس بات کو نہایت خاموشی سے تسلیم کر لیا گیا ہے کہ " سیکرٹری' وزیروں کا ذہن ہوتے ہیں۔ اور یہی وہ بات ہے جو آئین کے بنیادی مقاصد ہی کو شکست دیتی ہے۔ آئین میں کہا گیا ہے کہ حکومت کی طاقت اور اختیارات عوام کے منتخب شدہ نمائندوں کے پاس ہوں گے۔ آئین کے خلاف اس سے بڑھ کر اور کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ منتخب شدہ نمائندوں کے تمام اختیارات نہایت خاموشی اور رازداری سے سرکاری ملازمین کو منتقل کر دیئے جائیں۔ چنانچہ رپورٹ یہ تجویز پیش کرتی ہے کہ سیکرٹری کا مقام مختلف محکموں کے حکام سے کم ہونا چاہئے اور سیکرٹری کو کوئی حق نہیں ہونا چاہئے کہ وہ وزیر اور ان حکام کے درمیان براہ راست تعلق میں رکاوٹ بنے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا کہ سیکرٹری کا رتبہ وزیر کے دفتر میں افسر اعلیٰ کا ہونا چاہئے۔

عملی انسان

رپورٹ میں ایک فائدہ یہ بھی پیش کیا گیا کہ اس طریقے سے ملازمتوں میں عملی انسان کے لئے ترقی یقینی ہو جاتی ہے اور اس نئی سکیم کے ذریعے پبلک سروسز میں' ملازمت کی اہمیت اور افادیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ترقی دے کر غیر متوازن صورت حال کو متوازن کیا جا سکتا ہے۔ سول سروس آف پاکستان کے موجودہ ڈھانچے پر بحث کرتے ہوئے رپورٹ میں کہا گیا کہ سی ایس پی آفیسر دوسروں کی نسبت زیادہ دانشمند نہیں ہوتا۔ اس کے گرد لپٹی ہوئی وہ مراعات اس کا امتیازی حیثیت بخشتی ہیں۔ جو دوسری سروسوں کے لوگوں میں بددلی پھیلانے کا باعث بنتی ہیں۔ ایک ایسے ملک میں جہاں پر نظم و نسق کے بجائے ترقی اور خود مختار ادارے قائم کرنے پر زور دیا جا رہا ہو۔ ڈھانچہ ملکی ضروریات کے مطابق نہیں بلکہ جمہوری ترقی میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ مزید یہ کہا گیا کہ سی ایس پی حکمران طبقے کی موجودگی ' فرسودہ اور معمراتی انتظامی نظریات کو برقرار رکھتی ہے جو جمہوری انداز کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ جمہوریت میں تو طاقت اور اختیارات عوام کے منتخب شدہ نمائندوں کو حاصل ہوتے ہیں۔ جرمنی میں نازی حکومت سول سروسز کے بل پر قائم تھی اور اس کا انجام ہمارے سامنے ہے۔ اتحادی طاقتوں کے تجزیات کو سامنے رکھتے ہوئے کمیشن نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ اگر عوام اپنے اختیارات ایک خاص طبقے سول سروس' کو منتقل کر دیں تو نہایت خطرناک صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔

سیاسی کردار

آئی سی ایس کا جو کردار برطانوی حکمرانوں کے لئے رہا اس پر تنقید کرتے ہوئے رپورٹ میں کہا گیا کہ وہ لوگ سیاسی اور انتظامیہ میں برطانوی ایجنٹوں کی صورت میں کام کرتے تھے۔ محسوس کیا گیا ہے کہ آزادی کے بعد بھی ان کا دورویہ کردار جاری رہا۔ جو اج تک جاری ہے۔ انتظامیہ کی سیاسی معاملات میں مداخلت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا گیا کہ سی ایس پی اور پی سی ایس حکومت یا برسر اقتدار پارٹی کے اشاروں پر سیاسی میدان کے گرد فولادی شکنجے لئے

کھڑے رہتے ہیں۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ یہ تصور کرنا غلط ہے کہ آزاد اور خود مختار حکومت قائم کرنے کی جدوجہد میں موجودہ سروسز کا کردار خالصتاً انتظامی رہا ہوگا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ سیاست پر ان کا اثر اتنا ہی گہرا رہا، جتنا برطانیہ کے دور میں ہوا کرتا تھا رپورٹ میں مختصراً" یہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح سیاسی عزائم رکھنے والے حضرات کا مقدر بنانے یا بگاڑنے میں انتظامیہ کا ہاتھ ہوتا ہے۔

خود مختار حکومت

یہ کہا گیا ہے کہ برطانوی ہندوستان میں جس انداز کی لوکل سیلف گورنمنٹ آئی سی ایس نے جنم دی تھی۔ وہ بڑے پیمانے پر پاکستان میں آج بھی رائج ہے۔ اس کے برعکس برطانیہ میں سول سروس کو مضبوط بنیاد رکھنے والے خود مختار اداروں کی خاطر قائم کیا گیا تھا تاکہ وہ دائمی ترقی حاصل کر سکیں۔ ہندوستان میں سول سروسز' مقامی نظام حکومت پر مسلط کی گئی تھیں اور پھر برطانیہ کا ایک نمائندہ ان کو طاقت کا احساس دلانے اور ان کے طرز حکومت کو بہترین ثابت کرنے کے لئے یہاں موجود رہتا تھا۔ اس سول سروس کے ہاتھوں مقامی اداروں مثلاً میونسپل کمیٹی وغیرہ کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا اور خستہ حال بنا دیا تھا۔ کمیشن نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بے شک پاکستان میں سروسز کو کافی حد تک منظم اور مکمل کر لیا گیا ہے۔ مگر یہ تنظیم و تکمیل کئی میدانوں میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی چھاپ لئے ہوئے ہے اور ابھی تک طاقت کے ذریعے اچھی حکومت قائم کرنے کے لئے اقتدار کی انہی علامتوں (سول سروس) سے کام لیا جا رہا ہے۔ لیکن یہ اس وقت ہی ممکن ہے جب کہ عوام اس قدر نااہل ہوں کہ خود مستحکم ادارے قائم نہ کر سکیں اور اپنی زندگی کے لئے پرامن حالات نہ بنا سکیں۔ یاد رہے کہ لفظ جمہوریت کا مطلب اچھی حکومت قائم کرنا ہی نہیں بلکہ حکومت کی خود مختاری کی یقین دہانی بھی ہے۔

داخلی نقائص

موجودہ سول سروس آف پاکستان کے اکثر اندرونی نقائص کا ذکر رپورٹ میں پیش کیا گیا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ سول سروسز آف پاکستان میں روائتی ذہانت باقی نہیں رہی تقرری اور ترقی معمول بن گیا اور کوٹہ سسٹم نے چناؤ کے معیار پر اثر ڈالا ہے۔ کئی حالات میں ایک سو بیسواں درجہ حاصل کرنے والا امیدوار بھی چن لیا گیا۔ کمیشن نے یہ محسوس کیا کہ موجودہ سول سروس کا نمایاں پہلو یہ باوجود یکہ اس میں درمیانے درجے کے ذہنوں کی اکثریت ہے۔ اس احساس کی بنیاد آزادی کے امتحانوں میں کامیاب امیدواروں کے نتائج کی جانچ پڑتال پر ہے۔ ترقی کے لئے آسان مواقع نے بھی معیار پر اثر ڈالا۔ قصہ مختصر' رپورٹ یہ ظاہر کرتی ہے کہ شروع میں سی ایس پی سطح پر اتنے لوگ نہیں تھے جتنی کہ آسامیاں ہوتی تھیں۔ رپورٹ ظاہر کرتی ہے کہ انتظامیہ کی اعلیٰ ملازمتیں اپنی ضرورت کی نسبت 31 فیصد زیادہ ہیں۔ برطانوی دور میں یہ بلند مقام حاصل کرنے کے لئے سخت جدوجہد کرنا پڑتی تھی۔ لیکن اب وسیع طور پر اقرباپروری نے اس مشکل کو آسان کر دیا ہے۔

ناانصافی

رپورٹ نے حوالہ دیا ہے کہ سی ایس پی کے عہدے کو خصوصیت دیگر دوسری ملازمتوں سے ناانصافی ہوتی ہے۔ تقسیم ہند سے پیشتر کوئی دوسری سروسز نے بھی ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ خاص طور پر پی ایس سی دونوں صوبوں میں ان کی کارکردگی اور سی ایس پی عہدے کے تقاضوں کو بنانے کی صلاحیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سی ایس پی کو خصوصی عہدوں کے لئے مخصوص کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ پی سی ایس کے حقوق کو بھی تسلیم کیا جائے۔ چنانچہ رپورٹ میں اندازہ لگایا ہے کہ موجودہ نظام بجائے یہ کہ کسی تکمیل تک پہنچے' روز بروز غیر مساوی ہوتا چلا جا رہا ہے۔ خوش قسمت عہدہ دار حقیقی اوصاف کے بغیر استحکام اور ترقی پا رہے ہیں۔ برطانوی قانون کے مطالبے اور آزادی کے تقاضوں کے پیش نظر کمیشن اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ غیر ماہر افسروں کی اجارہ داری ختم ہونی چاہئے اور ماہرین فن کے پاس اختیارات آنے چاہئیں۔ گو انگریز جا چکے ہیں لیکن ان کا نظریہ حکومت بدستور قائم ہے اور ماہرین فن کی حالت غیر تسلی بخش ہے۔

آزادی کے بعد سے انتظامیہ کے تقاضے بھی بہت تیزی سے بدل گئے ہیں اب حکومت کا فرض یہ ہے کہ وہ ہر شعبے میں ترقی حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کو تیز کرے نہ کہ حکومت برقرار رکھنے کے لئے نظم و نسق پر سارا زور دیا جاتا رہے۔ ہماری اصل ضرورت یہ تھی کہ صنعتی ترقی پر زور دیا جاتا۔ کثیر مقاصد حاصل کرنے کے لئے پروگرام بنتے۔ انسانی ترقی کی رفتار کو تیز کیا جاتا اور اسی کے لئے ہے شعبے میں ایک ایسے ماہرین فن کی ضرورت تھی جو بہترین انتظام کر سکتے ہوں۔

ماہرین قیادت

کمیشن نے مزید بتایا کہ جیسا کہ پروفیسر چیپ مین نے اپنی کتاب "حکومت کا منصب" میں کہا ہے "مستقبل میں ماہرین منسلموں کی حکومت ہو گی۔ ماہرین منظم کو فنی میدان کے ساتھ ساتھ نظم و نسق کے میدان میں کافی عبور ہونا چاہئے"۔ پروفیسر چیپ مین نے کہا کہ "برطانوی نظام کو دوسرے براعظمی ممالک کے نظاموں کی نسبت خاص نقصان رہا۔ اس کی وجہ علم انسانی اور علوم فطری ہیں وہ عجیب غریب تقسیم رہی جو کہ انیسویں صدی کے نظریات کے مطابق تھی۔ ایک خاص طبقے کے لئے پسندیدہ ملازمتوں کی تحقیق

کی وجہ سے ترقیاں نہایت تیزی سے ہونے لگیں اور ایک طبقے کی اجارہ داری قائم ہو گئی- ان افسروں اور عوامی تقاضوں کے درمیان ایک بڑا تضاد ہے- ان افسروں کا مستقبل جوں جوں روشن ہو تا جائیگا- عوام کے مفاد تاریک ہوتے چلے جائیں گے"

پی سی ایس آفیسر

پی سی ایس ملازمین کے ساتھ بڑھتی ہوئی ناانصافی کے پیش نظر رپورٹ میں خواہش کی گئی ہے کہ مخصوص عہدوں میں پی سی ایس آفیسر بھی شریک ہوں- جہاں تک ہمیں علم ہے امن عامہ اور مالیے کی وصولی کے حالات سی ایس پی کے دور کی نسبت اس وقت زیادہ تسلی بخش تھے جبکہ پی سی ایس ضلع کا حاکم ہو تا تھا- حکومت کے مقاصد کی تکمیل غیر یقینی اصولوں پر نہیں ہو سکتی- اگر خاص قسم کے اختیارات سیاست کا محاصرہ کیئے رکھیں تو ایک مساواتی معاشرے کو جس پر حکومت کے تحفظ اور ترقی کا دارومدار ہے' حاصل کرنے کی جدوجہد رک جاتی ہے- پرانی روایات جاری رکھنے کی خواہش لوگوں کے خوشامدانہ انداز کو برداشت کرنے کی عادت ڈنڈے کے استعمال کی آبائی ضرورت اور حکومت کے اوصاف قلمبند کرنے کی روش' ایسے تصوراتی سرہیں جو حقیقی منزل سے ہٹاکر ضرر رساں اور رجعت پسندانہ راستوں پر ڈال دیتے ہیں- تاکہ مفادات کی خدمت کر سکیں-

(بشکریہ پاکستان ٹائمز)

سیاسی ڈائری---پاکستانی
نوکرشاہی کی غلط روایات

___کار نیلیس رپورٹ کا پس منظر___

پاکستان کی بیس سالہ سیاسی تاریخ میں اگر کسی ایک گروہ کی نشاندہی کرنا ہو جس نے سیاسی واقعات کا نہ صرف رخ متعین کیا ہو بلکہ سیاسی دھارے کو کنٹرول بھی کیا ہو اور اپنے مفادات کے تابع بنایا ہو تو وہ ایک گروہ بیوروکریسی کا ہے- پاکستان کو وراثت میں ایک بڑی منظم اور انگریز کی امپریلسٹ روایات میں پلی ہوئی بیوروکریسی ملی تھی- مضبوط بیوروکریسی اپنی ذات میں کوئی ایسی بری چیز نہیں ہو سکتی تھی لیکن جس چیز نے ملکی تاریخ میں اس مضر اثرات کے برگ و بار پھیلائے وہ اس کا سیاسی کردار تھا- یہ ٹھیک ہے کہ انگریز نے جس منظم بیوروکریسی کو اس ملک کے لئے تخلیق کیا تھا اس کے قواعد و ضوابط میں اس قسم کی باتیں شامل تھیں کہ کوئی سرکاری ملازم سیاسی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لے سکتا- انگریز حکومت کے مخصوص مفادات کے پس منظر میں اس کا مطلب صرف اتنا ہی ہو تا تھا کہ کوئی سرکاری ملازم کسی سیاسی جماعت کا رکن نہیں ہو سکتا تھا اور وہ ان سرگرمیوں میں حصہ نہیں لے سکتا تھا جو عموماً ایک ایجی ٹیشن کا حصہ سمجھی جاتی تھیں- وسیع تر معنوں میں انگریز کی نوکرشاہی کا کردار خالصتاً" سیاسی تھا- سیاست صرف جلسے جلوسوں کا نام نہیں' سیاست کا حقیقی عمل اس میں ہے کہ ایک معاشرے کے مستقبل کی راہیں متعین کی جائیں- اس کے لئے پالیسی وضع کی جائے- اس پالیسی پر عملدرآمد کے طریقے تلاش کیئے جائیں اور ذرائع کے پیش نظر ترجیحات کا چناؤ کیا جائے- انگریز کے دور کی بیوروکریسی جن مخصوص حالات میں تشکیل دی گئی تھی اس میں ان وسیع تر معنوں کے سیاسی فرائض اس کے معمولات کا ایک حصہ تھے- ڈیڑھ سو برس تک انگریز نے اس ملک پر صرف بیوروکریسی کے ذریعہ حکومت کی ہے- عوام نے اپنے نمائندوں کے ذریعہ " سیلف گورنمنٹ" کا کوئی ادارہ کبھی نہیں بنایا تھا- ان ڈیڑھ سو برسوں میں پالیسی کی تشکیل اس پر عملدرآمد کے ذرائع اور ترجیحات کا تعین یہ سب کام بیوروکریسی کرتی تھی- اس سے اور اوپر کی سطح پر سیاست لندن کی پارلیمنٹ میں ہوتی تھی جہاں وزیر برائے امور ہند' پارلیمنٹ کے ممبروں کو مجموعی طور پر ہندوستان کے معاملات پر جواب دہ ہو تا تھا' لیکن ہندوستان و پاکستان کے عوام کی حد تک سیاست کے وہ سارے عمل جو ایک مہذب و منظم معاشرے میں معمول کے مطابق انجام دیے جاتے ہیں' وہ ڈیڑھ سو برس تک اس ملک میں سول سروس کے وہ افراد انجام دیتے رہے ہیں جن کی خصوصی تربیت انگریزی یونیورسٹیوں میں اس انداز میں ہوتی تھی کہ انہیں ایک غلام نسل پر حکومت کرنا ہے اور امپریلزم کے مخصوص مفادات کی تقویت کا سبب بننا ہے-

تاریخی اعتبار سے یہ بات انتہائی دلچسپ ہے کہ "سول سروس" کا لفظ اور اس کا تصور سب سے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی نے دیا- اس سے پہلے یہ لفظ اور اس قسم کی بیوروکریسی خود انگریز کے اپنے ہاں بھی موجود نہیں تھی سب سے پہلے "سول سروس" کی تنظیم ہندوستان میں ہوئی اور پھر اس کے تجربے کی روشنی میں بہت بعد میں اسی قسم کی "سول سروس" انگلستان میں تشکیل دی گئی- ہم اپنے طویل دور غلامی کے باجود اس پر تو کم از کم فخر کر سکتے ہیں کہ ہمارے حاکموں نے "سول سروس" ہم سے درآمد کی _ بہرحال "سول سروس" کی پہلی تشکیل ایسٹ انڈیا کمپنی نے کی جو اپنی فوجوں کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے لوگوں کو بھی ملازم رکھتی تھی جن کا کام مقامی حکومت کا بندبست کرنا ہو تا تھا- کمپنی بہادر جوں جوں اپنی تجارت کا لبادہ اتار کر حکومت سنبھالتی گئی ان افراد میں اضافہ ہو تا گیا اور ان کے فرائض کی نوعیت بدلتی گئی- وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان افراد کی شرائط ملازمت' ان کے اختیارات اور اعلیٰ انتظامی اسامیوں پر ان کے حق تقرر نے ایک باقاعدہ قانونی شکل اختیار کر لی اور 1793ء کے ایک ایکٹ کے مطابق یہ ملازمین ایک "اعلیٰ طبقہ" بنا دیئے گئے جن کے لئے تمام اعلیٰ اسامیاں مخصوص کر دی گئیں- یہی گروہ ملک کے

لئے مضبوط ترین بیوروکریٹ گروپ سول سروس آف پاکستان (سی ایس پی) کا پیشرو ہے۔ یہ ایک انتہائی دلچسپ مطالعہ ہے کہ ہماری موجودہ سول سروس اپنی تنظیم، مزاج اور حاکمیت کے کردار کے اعتبار سے کسی طرح بھی اپنی پیشرو سول سروس سے مختلف نہیں ہے۔ اس سول سروس کی خصوصیات کیا تھیں؟ اول اس کا مزاج حاکمیت۔ یعنی ان برگزیدہ افراد کی تعلیم و تربیت اس طرح کی جاتی تھی کہ انہیں ایک غلام ملک پر حکمرانی کرنا ہے جہاں پر منتخب نمائندوں نے ان کے لئے پالیسی وضع نہیں کرنا ہے وہ خود ہی پالیسی ساز ہوں گے اور خود ہی اس پر عمل کرائیں گے۔ انہیں ایک قوت کی علامت بن کر حکومت کرنا ہے اور اس قوت کے مفادات کی نگہداشت کرنا ہے۔ انگریز کی یہ سول سروس "سیلف گورنمنٹ" کی حریف اور اس کے مدمقابل ایک ادارہ تھا۔ بجائے اس کے کہ مقامی جمہوری اداروں کی روایات کو مضبوط کیا جاتا، یہ بیوروکریسی "سیلف گورنمنٹ" کی جگہ خود سنبھال کر بیٹھ گئی۔ اس میں انگریزی کی دوہری چال تھی۔ ایک تو ہندوستانیوں کو اپنے معاملات اپنے ہاتھ میں لے کر آزادی کی تحریکوں کو مضبوط کرنے کا موقع نہ ملا اور دوسرے یہ کہ ان افسروں کے اوپر سے تار ہلانا بہت آسان تھا۔ شروع شروع میں تو یہ سب انگریز تھے اور اس لحاظ سے سامراجی مفادات کے محافظ، لیکن جب ان میں کچھ تناسب مقامی لوگوں کا بھی ہو گیا تو وہ بھی ذہنی پرداخت اور وفاداری کی روایت کے اعتبار سے انگریزوں سے مختلف نہ تھے۔

ہماری سول سروس کا مزاج حاکمیت پاکستان بننے کے بعد بعینہ وہی رہا۔ "سیلف گورنمنٹ" کے وہ عادی نہیں تھے، عوام کے منتخب نمائندوں سے پالیسی لینا اور اس میں خدمت گزاری کے جذبے سے عمل کرنا ان کی روایات میں نہیں تھا۔ شروع کے ایک دو سال چھوڑ کر بہت جلد سیاسی راہنماؤں اور بیوروکریسی تھی جو دفتری ضابطوں کے محفوظ حصار میں ایک منظم فوج کی طرح جم کر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ترکش میں انگریزی کی تربیت اور چالبازی تھی۔ دوسری طرف عوام کے نمائندے کے تھے جو عوام سے الگ تھلگ کر لئے گئے تھے تاکہ ان کی اصل قوت کی کمک ان تک نہ پہنچے --- ان سیاست دانوں میں ناتجربہ کار بھی تھے اور کچھ سادہ لوح بھی۔ بعض خود غرض تھے۔ اور کوتاہ بیں، جو ایک وقتی غرض کی خاطر قوم کا مستقبل بیچ بیٹھے چنانچہ اس چپقلش میں ایک فریق کی شکست اور دوسرے کی فتح بڑی تیزی سے واقع ہوئی۔ غلام محمد وزیر خزانہ سے گورنر جنرل ہوئے اور افسر شاہی کے بل بوتے پر اتنے خودسر ہوئے کہ نہ صرف وزارتوں کو اتھل پتھل کرتے رہے بلکہ دستور ساز اسمبلی تک کو توڑ ڈالا۔ محمد علی وزیر خزانہ بنے اور پھر وزیر اعلیٰ بن گئے۔ اسکندر مرزا، وزارت گورنری، گورنر جنرلی سے ہوتے ہوئے صدارت تک جا پہنچے اور پھر جس دستور کی حفاظت کی قسم کھائی تھی اسے پاؤں میں روند کر اپنی آمریت قائم کرنے کی خواہش میں ملک کو ایک فوجی آمر کے سپرد کر کے لندن جا بسے۔ اس ساری شکست و ریخت میں ملکی بیوروکریٹ اپنے مزاج کے مطابق ملک کو "سیلف گورنمنٹ" سے الگ رکھ کر خود حکومت کی علامت بن کر عوام کو ایک اچھی حکومت دینے کا جھانسہ دے کر حاکم بن بیٹھے رہے۔ 1848ء سے 1858ء تک کی دہائی میں سیاست دانوں اور بیوروکریسی میں کشمکش جاری رہی جس میں سیاست دان بڑی تیزی سے پسپا ہوتے رہے۔ وہ اپنی داخلی کمزوریوں کی بنا پر کہیں بھی جم کر مقابلہ نہ کر سکے سوائے ایک ناکام سیاسی چال کے جب انہوں نے بڑی ہوشیاری سے گورنر جنرل غلام محمد کے اختیارات کم کرنے کا اقدام کیا تھا۔ لیکن اس وقت تک بیوروکریسی اتنی مضبوط ہو چکی تھی کہ اس نے اپنے دفاع میں انتہائی اقدام کر دیا اور وہ تھا دستور ساز اسمبلی کو توڑ دینا۔ 1958ء کے بعد تو سیاست دانوں کی وہ نام نہاد مزاحمت بھی ختم ہو گئی اور ان دس سالوں میں چشم فلک نے یہ بھی دیکھا کہ وزیروں کا انتخاب کمشنروں کے ساتھ انٹرویو پہ منحصر تھا۔ سول سروس نہ صرف اصل قوت کی مالک بن گئی بلکہ ان کی خود سری یہاں تک پہنچی کہ منتخب نمائندوں سے اعلانیہ توہین آمیز سلوک ہوا اور صوبائی و قومی اسمبلیاں مشترکہ کوششوں کے باوجود اس اعلیٰ مقام افسر کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں۔ یعنی وہ "سیلف گورنمنٹ" تو خواب و خیال ہوئی ہی تھی جہاں عوام کے منتخب نمائندے پالیسی بنا کر ان افسروں سے عملدرآمد کرواتے، الٹا یہاں تو یہ ہوا کہ جیسے برے بھلے منتخب نمائندے تھے بھی انہیں اپنی عزت بچانا مشکل ہو گیا۔

"سول سروس" کی اول خصوصیت تو "سیلف گورنمنٹ" کی نفی اور ذاتی حاکمیت تھی۔ دوسری بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ملازمتوں کے مجموعی ڈھانچے کے اندر بھی انہوں نے ایک خاص برہمنت قائم کر لی تھی۔ سول سروس کا یہ طبقہ خود کو ملائکہ مقربین کے مقام پر فائز کر کے بیٹھ گیا۔ انگریز کو تو اپنے مخصوص مفادات کے لئے اس کی ضرورت تھی کہ فنی ماہرین کی جو سروس وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بناتا گیا ان کا مجموعی کنٹرول اسی سول سروس کے کسی حاکم اعلیٰ کے پاس رکھے کیونکہ وہ سول سروس والا حاکم اعلیٰ ایسی انگریزی یونیورسٹی سے تیار کر کے لایا گیا تھا جہاں اسے امپیریلسٹ مفادات کی حفاظت کی خصوصی تربیت دی گئی تھی۔ ایک فنی ماہر کی نسبت اس سول سروس والے پر اعتبار کرنا اور اس کے تار ہلانا زیادہ آسان تھا۔ چنانچہ قانونی طور پر اس کا اہتمام کیا گیا اور 1861ء میں برطانوی پارلیمنٹ نے ایک ایکٹ کے ذریعے تمام اعلیٰ اسامیاں جن میں محکموں کے سیکرٹری، بورڈ آف ریونیو کے ممبر، ریونیو کلکٹر اور وہ اسامی جس کا تعلق اعلیٰ سطح پر پالیسی بنانے سے ہو۔ وہ سول سروس کے لئے مخصوص کر دی گئی۔ آپ ذرا آج کے ملازمتی ڈھانچے پر نظر ڈالیے، کیا ہو بہو وہی نظارہ سامنے نہیں آ جاتا۔ وہی ساری اسامیاں بلکہ اس سے بھی بہت زیادہ آج بھی سول سروس نے بطور "اعلیٰ طبقے" کے اپنے لئے مخصوص نہیں کر رکھیں۔ کیا اج بھی فنی ماہرین کی ساری سروسیں سول سروس کے کسی اعلیٰ عہدیدار کی زیر نگرانی

ہیں۔ کیا آج بھی ایسا نہیں ہوتا کہ ایک سی۔ ایس۔ پی جو آج خاندانی منصوبہ بندی کا سربراہ ہے کل محکمہ نہر کا انچارج ہوتا ہے اور دوسرے دن صنعتوں کی تنظیم کا ماہر بن جاتا ہے اور پھر ضلع کا حاکم اعلیٰ بن کر امن و امان کے دیوتا کا روپ دھار لیتا ہے۔ انگریزی کو تو اپنی حکومت قائم رکھنے کے لئے ایک " اپنا" آدمی چاہئے ہوتا تھا' جس کو کہیں بھی بٹھا دیا جائے تو وہ امپریلزم کے مفادات کی بولی سمجھتا تھا اور اس کے مطابق عمل کرتا تھا۔ لیکن آج کے دور میں اس کا کیا جواز ہے۔ ایک خاص سروس کی اس بالادستی نے ساری سروسوں کی کارکردگی کو متاثر کیا ہے۔ سارے اعلیٰ عہدے ان کے لئے مخصوص ہیں۔ پاکستان جیسے غریب ملک میں اپنے لئے اعلیٰ عہدوں کی تخلیق لحظہ بہ لحظہ یوں کئے جا رہے ہیں کہ اس وقت ملک میں مجموعی طور پر کوئی پانچ سو کے قریب سی ایس پی افسر ہیں لیکن ان میں سے ایک سو چالیس افسر کمشنر اور اس سے بڑے مرتبے کے آدمی ہیں' جو تین ہزار یا زائد تنخواہ لیتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں کسی بھی دوسری فنی ماہرین کی سروس کو لے لیجئے چاہے وہ ماہر تعلیم ہو' ڈاکٹر ہو انجینئر۔ ہاروں کے کیڈر میں بمشکل دو چار افراد ہوں گے جو ریٹائر ہونے سے پہلے ایک کمشنر کے لگ بھگ مرتبے تک پہنچ سکیں۔ فنی ماہرین میں حق تلفی کے اس احساس نے بڑی شدید بحرانی صورت اختیار کر لی ہے جو پورے معاشرے کی روح کو متاثر کر رہی ہے۔

سی۔ ایس۔ پی بیوروکریسی کا یہ بنیادی ڈھانچہ جس کی ساخت انگریز نے اپنی ضروریات کی بنا پر کی تھی بعینہٖ اسی صورت اور کردار کے ساتھ ہمارے حصے آیا۔ پاکستان بننے کے بعد اگرچہ زبانی دعوؤں کے اعتبار سے ہم نے بار بار یہ کہا کہ نوکر شاہی کو اب حاکم بن کر نہیں عوامی نمائندوں کی نگرانی میں خدمت گزار بن کر جینا ہے۔ لیکن عملاً اس کی ساخت میں کوئی تبدیلی نہ کی گئی اور نتیجہ ظاہر ہے کہ نوکر شاہی کا کردار بھی نہیں بدلا۔ اگر ایک چارہ کاٹنے والی مشین کی ساخت اور ڈھانچے میں تبدیلی نہ کی جائے تو محض اس پر بورڈ لگا دینے سے وہ روئی کی گانٹھیں باندھنا شروع نہیں کر دے گی۔ یہ ٹھیک ہے کہ سول سروس انگریز نے اپنے ملک میں بھی یہاں سے درآمد کر کے قائم کی' لیکن وہاں پر "سیلف گورنمنٹ" کے ادارے پہلے سے ہی اتنے مضبوط' واضح اور منظم حیثیت میں موجود تھے کہ سول سروس ان کی باندی بن کر حاضر ہوئی نہ کہ ان کی آقا بن کر۔ سول سروس نے ان اداروں کی خدمت کی نہ کہ ان کی جگہ لی۔ اس کے باوجود بھی انگریز کی سول سروس موجودہ دور کی سائنسی اور فنی ترقی کا ساتھ نہ دے سکتی اور انہوں نے حال ہی میں " فلٹن رپورٹ کے تحت" اس میں ایسی تبدیلیاں کیں کہ بیوروکریسی کو ٹیکنوکریسی میں بدل دیا جو موجودہ دور کی بے پناہ سائنسی ترقی کا ایک کھلا کھلا چیلنج ہے جسے ہر ترقی پذیر اور مہذب معاشرے کو اپنانا پڑے گا۔

1958ء کے نام نہاد انقلاب کے بعد کچھ عرصہ تک اصلاحات کا بڑا شور و غوغا رہا۔ زندگی کے ہر شعبے میں اصلاح و ترقی کی تجاویز کے لئے کمیشن قائم کئے گئے۔ کچھ کمیشنوں کی سفارشات شائع بھی ہوئیں اور بعض پر نیم دلی سے عمل بھی کیا گیا۔ لیکن بہت ہی اہم دو کمیشنوں کی رپورٹ پر عمل تو ایک طرف ان کی سفارشات عوام تک پہنچنے بھی نہ دی گئیں۔ ایک دستوری کمیشن اور دوسرے تنخواہوں اور ملازمتوں کا کمیشن۔ تنخواہوں اور ملازمتوں کے کمیشن کی رپورٹ عام طور پر "کار یلیس رپورٹ" کہلواتی ہے۔ کیونکہ اس کی سربراہی ہماری سپریم کورٹ کے سابق چیف جسٹس مسٹر کار یلیس نے کی تھی۔ یہ رپورٹ ایک انتہائی اہم دستاویز ہے۔ پانچ سو صفحات پر پھیلی ہوئی اس رپورٹ کی بعض سفارشات اس لحاظ سے بڑے انقلابی ہیں کہ وہ اس سپرٹ میں سوچی گئی ہیں کہ سول سروس کے ڈھانچے اور اس کی ساخت میں کونسی ایسی بنیادی تبدیلیاں کی جائیں کہ یہ بیوروکریسی کی مشین عوام کو دبانے کی بجائے بدلے ہوئے حالات کے مطابق عوام کی خدمت کرنے لگے۔ چونکہ ان سفارشات کی زد براہ راست سی۔ ایس۔ پی کے مخصوص مفادات پر پڑتی تھی اس لئے اس ہمہ مقتدر بیوروکریسی نے جو 1958ء کے بعد اور بھی زیادہ طاقتور اور اسی نسبت سے اور بھی زیادہ بدعنوان ہو گئی تھی' ان سفارشات کو چھپا کر رکھ لیا۔ نہ صرف فنی ماہرین نے بلکہ ہر جمہوریت پسند ادارے نے اس رپورٹ کی اشاعت اس پر بحث و تمحیص اور اس کی سفارشات پر عمل کا مطالبہ کیا۔ لیکن بیوروکریسی کے مضبوط حصار کی چار دیواری اتنی بلند تھی کہ یہ آواز صدا الصحرا رہی۔ بالآخر چھ سال کے بعد جب ایک بے پناہ سیل رواں کی مانند اٹھنے والی عوامی تحریک نے اس مضبوط قلعے پر یلغار کر دی تو مجبوراً" اس رپورٹ کی اشاعت پر رضامندی ظاہر کی گئی۔

یہ رپورٹ اب عوام کی ملکیت ہے۔ 1963ء کے بعد کے چھ سال کے وقفے نے جب یہ رپورٹ سردخانے میں محفوظ رکھی گئی' اس کی بنیادی سفارشات کی اہمیت کو اور بھی ابھار کر نمایاں کر دیا ہے۔ اس رپورٹ کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ سول سروس کی ساخت اس طرح ہونی چاہئے کہ یہ " سیلف گورنمنٹ" کی جگہ نہ لے بلکہ اس کے تابع ایک ادارہ ہو' جس کا کام عوام پر حکومت کرنا اور پردوں میں چھپی ہوئی کسی قوت کی علامت بن کر ضلع اور کمشنریوں میں بیٹھنا نہیں' بلکہ ایک آزاد معاشرے میں صاف ستھری انتظامیہ کا کردار اور مادی وسائل کی ترقی کے لئے ماہرانہ خدمت پیش کرنے کا ہے۔ جہاں عوام اور سول سروس کے باہمی تعلق میں یہ بنیادی تبدیلی ایک انقلابی اقدام ہے' وہاں ملازمتوں کے باہمی تعلق کا جو جمہوری حل اس رپورٹ میں پیش کیا گیا ہے وہ وقت کی ایک بنیادی ضرورت ہے۔ اب زمانہ
سول سروس میں
<حاکم" پیدا کرنے کا نہیں بلکہ ماہرانہ فنی قابلیت کی بنا پر معاشرے کا زیادہ خدمت گزار ہے' اسے اتنا ہی ذمہ دارانہ مقام اور مناسب سہولتیں ملنی چاہئیں۔ اس اس برہمیت کو اب ختم ہونا ہو گا کہ ایک سروس جو در حقیقت

کسی گوشے میں عملی خدمت گزاری کے اہل نہیں صرف دور غلامی کی ایک ناگوار یاد کے طور پر ہر فنی ماہرین کی جماعت کی نگرانی کرنے پر معمور ہے اور اس عمل میں اپنی بقا کے لئے زیادہ سے زیادہ طاقت اپنے ہاتھوں میں جمع کرتی رہے اور اسی طرح "سیلف گورنمنٹ" کے ذریعے ایک اچھی جمہوری حکومت کی روایات بنانے کی ہر کوشش کو ناکام کرتی جائے۔ یہ صورت حال ختم ہونی چاہئے۔

ون یونٹ

ایوب دور کا سرکاری نقطۂ نظر

محمد بن قاسم کے حملے سے لے کر اب تک اسلامی تہذیب کے عصبیتی مرکز اور حرکت و عمل کے مقامات مغربی پاکستان میں رہے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ مغلوں کی سلطنت کے دارالخلافے یعنی آگرہ اور دہلی اسلامی علوم اور ثقافت کے مرکز بن گئے تھے۔ لیکن جن منصبوں سے اسلامی تہذیب و ثقافت کے سوتے جاری ہوتے رہے ہیں وہ بدستور ان علاقوں میں رہے جو اب مغربی پاکستان میں شامل ہیں۔ اس کا سبب ظاہر ہے۔ تاریخی محرکات اور جغرافیے کی بنا پر اس علاقے کو اسلامی تہذیب کی نشرواشاعت کے سلسلہ میں خصوصی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اسلامی علوم اور ثقافت کے مرکز بغداد سے ایران' بخارا اور بلخ کے علاقوں میں منتقل ہوئے۔ جو اس زمانے میں ترکستان اور ماور النہر کہلاتے تھے۔ وہاں سے صدیوں تک مسلسل طور پر اسلامی روح ان علاقوں میں آتی رہی جو اب مغربی پاکستان کی وحدت میں منسلک ہیں۔

مغل سلطنت کے معرض ظہور میں آنے سے پہلے ملتان اور اچ شریف اسلامی علوم کے مستقر اور مرکز بن چکے تھے۔ یہاں سے اسلامی تہذیب اور ثقافت کی فعال قوتیں آگے بڑھتی اور پھیلتی رہیں۔ یہیں سے اس ثقافتی نظام فکر و عمل اور ضابطہ حیات کی نشوونما ہوئی جو اسلام کی اخلاقی اور روحانی قدروں پر مبنی ہے۔ یہ بات مقدر تھی کہ ان معیاری قدروں سے نہ صرف مسلمانوں کے معاشرے کی ترقی پذیر ہیئت اور طرز زندگی متاثر ہو بلکہ جو مذہبی اور ثقافتی طور طریقے برصغیر میں پائے جاتے تھے ان کی اصلاح اور بہتری پر بھی دیرپا اثر پڑے۔ اسلامی ثقافت کی جڑیں مغربی پاکستان کی سرزمین میں گہری چلی گئی تھی۔ مغربی پاکستان کے پہاڑوں کے پتھریلے طبقوں میں مضبوطی سے قائم ہو کر اس ثقافت کا سیل رواں اس کے میدانوں کی نرم زمینوں پر بہتا ہوا ان خطوں تک پہنچ گیا جو جنوب مشرقی سرحدوں سے پار واقع تھے۔ مغربی پاکستان کی ثقافت کی تشکیل ایک ایسے ارتقائی عمل سے ہوئی جس میں مختلف عناصر مل جل کر ایک دوسرے سے مطابق' موافق اور ہم آہنگ ہو گئے۔ بہ الفاظ دیگر انہوں نے ایک وحدت کی صورت اختیار کر لی۔ اس طرح مسلمانوں کے فکر و نظر کے یہ مرکز بالخصوص 'لاہور' ملتان' اچ شریف' سیالکوٹ' گجرات اور سندھ کے کئی علاقوں نے توحید الٰہی اور انسانی بھائی چارے کے اسلامی خیالات نیز انسانیت اور صدقات و خیرات کے ان تصورات کو جو زندگی کا یہ فلسفہ لازمی طور پر اپنے ساتھ لاتا ہے پھیلانے میں بہت بڑا کام کیا۔ اسلامی ثقافت نے' جس کا مغربی پاکستان حامل تھا' زندگی اور اخلاقی تصورات کو جو پہلے موجود تھے بلند کرنے اور انسانیت کے قالب میں ڈھالنے میں بہت موثر کردار ادا کیا لیکن یہ پہلو سردست ہمارا موضوع سخن نہیں ہے۔ یہاں اتنا کہہ دینا کافی ہو گا کہ بہت سے دیگر مذاہب کو بھی اسلامی عقائد نے متاثر کیا جو مغربی پاکستان میں کار فرما تھا۔ مسلمانوں کی حکومت کے استحکام سے بہت پہلے عرب محمد بن قاسم کی سرکردگی میں سندھ آ گئے تھے اور ملتان تک پہنچ گئے تھے۔ وہ اپنی زبان' ثقافت اور مذہبی خیالات کے انمٹ نقوش ان علاقوں میں چھوڑ گئے۔ ان کے بعد مسلمان صوفیاء اور اولیاء بخارا' ایران' غزنی اور دیگر اسلامی ملکوں کے اس سلسلے میں آئے تھے جو آپس میں جغرافیائی حیثیت سے اس علاقے سے متعلق و مربوط ہیں۔ جو اب مغربی پاکستان کے نام سے موسوم ہے۔ انہوں نے دین اسلام کی نشرو اشاعت کی اور اپنی خانقاہیں اور ادارے مغربی پاکستان بالخصوص لاہور' ملتان' اچ شریف اور پاکپٹن میں قائم کئے۔ یہ شرف مغربی پاکستان ہی کو حاصل ہے کہ سب سے پہلے یہاں کے باشندوں نے بطیب خاطر اسلام کو قبول کیا کیونکہ یہ ان کی روح کے عین مطابق تھا۔ گو مسلم صوفیا اور اولیاء تمام ملک میں پھرے اور برصغیر کے تمام دور دراز علاقوں مین پیغام حق کی تبلیغ کرتے رہے۔ لیکن انہوں نے مغربی پاکستان کو ہی اپنی تحریک کے استحکام اور استقرار کے لئے پسند کیا اور یہیں سے اپنے مریدوں اور رفقائے کار کو اپنے عظیم الشان مقصد کے حصول کے لئے گنگ و جمن کی وادی' مرکزی ہندوستان' بنگال اور ڈھاکہ میں بھیجا' مسلمان عالموں' مذہبی مفکروں اور مبلغوں نے جو مسلمان صوفیاء کی معیت میں بے نفس اور فدا کار مبلغوں کی ایک منظم جماعت بن گئے تھے' اسلامی علوم اور فلسفے کی درسگاہوں کو زیادہ تر مغربی پاکستان کے مذکورہ بالا مقامات پر قائم کیا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ وہ لوگ جو اسلامی تمدن اور ثقافت کو اس برصغیر میں لائے یا خلیج فارس سے سندھ میں آئے یا درہ خیبر کے راستے آئے۔ ان میں سے بعض تو ان علاقوں میں آباد ہو گئے جو سابقہ سندھ اور شمال مغربی سرحد صوبوں میں واقع ہیں اور باقی سابقہ پنجاب میں آئے۔ لیکن ان سب میں ایک ہی قسم کے نظریات اور نصب العین کی روح کام کر رہی تھی۔ اور کم و بیش ان کا طریق زندگانی بھی ایک ہی طرح کا تھا۔ ان وجوہ سے اس تمام علاقے میں جو اب مغربی پاکستان کہلاتا ہے' مقاصد اور ثقافتی سوزوساز کی وحدت و یک رنگی پائی جاتی تھی۔ اس لئے یہ امر موجب تعجب نہیں کہ آج بھی رنگ و بو کے باوجود ان میں ایک بنیادی اور ہمہ گیر وحدت پائی جاتی ہے۔ جو بھی تنوعات اور گوناگونیاں ہیں وہ مغربی پاکستان کی ثقافتی ہم آہنگی اور باہمی ساز گاری کی شان کو دوبالا کرتی کرتی ہیں۔ جو ثقافتی میراث

ہمیں ملی ہے وہ ناموافق اجزا کا مجموعہ نہیں بلکہ خیالات' جذبات اور عمرانی طرز عمل میں اتحاد کا نتیجہ ہے۔ یہ ہماری تاریخ کا ایک ارتقائی عمل ہے جو اسلامی دین اور مذہب کی بے پناہ اور ہمہ گیر قوتوں کی کار فرمائی سے ترکیبی طور پر یک جان ہو کر ایک وحدت کی شکل میں ظاہر ہوا۔

اس لئے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ مغربی پاکستان کے تمام باشندے چاہے وہ جنوبی خطے سے تعلق رکھتے ہوں یا وسطی خطوں سے۔ اپنے عمرانی اور مذہبی طرز عمل کے لحاظ سے ایک ناقابل تقسیم وحدت میں شامل ہیں۔ مغربی پاکستان کی ثقافتی سالمیت کا یہ ایک پہلو ہے لیکن دوسرے پہلو بھی ہیں جنہوں نے اس وحدت کو ایک حقیقت میں تبدیل کر دیا ہے۔

تاریخ اور جغرافیہ

جیسا کہ ہم پیشتر ذکر کر چکے ہیں۔ ان خطوں سے جو مقابلتاً" اسلامی تہذیب و ثقافت کے ابتدائی مرکز تھے اور اس بنا پر کہ وہ قوتیں جنہوں نے بالآخر اس برصغیر میں اسلامی معاشرے کے مزاج کی تشکیل و تعمیر کی' یہیں سے گزریں اور یہیں قیام پذیر ہوئیں۔ مغربی پاکستان کا ثقافتی ورثہ ایک قدر مشترک ہے۔ بظاہر جو تنوعات نظر آتے ہیں وہ غیر جنسیت پیدا نہیں کرتے بلکہ وحدت کلی کے اجزائے ترکیبی میں رنگینی اور خوبی کا باعث ہیں۔ اس لئے پاکستانیوں میں قومی خصوصیتوں کا ایک نظم و ضبط پایا جاتا ہے اور ان میں یہ احساس موجود ہے کہ وہ ایک وسیع مگر ناقابل تقسیم کل سے تعلق رکھتے ہیں جو سیاسی طور پر پاکستان کہلاتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر مذہب کی ہمہ گیر وحدت ہے جو انہیں ایک روحانی رشتے سے وابستہ کئے ہوئے ہے۔ ایسے ملکوں کی متعدد مثالیں موجود ہیں جہاں مختلف نسلی اور لسانی گروہ ایک دوسرے کے ساتھ مشترکہ قومیت کے رشتے سے متحد ہو گئے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک کینیڈا میں ٹیوٹن اور اینگلو سیکسن نسلوں کے لوگ آباد ایک ایسا ملک ہے۔ جہاں مختلف نسلوں کے لوگ جو مختلف زبانیں بولتے تھے ایک متحدہ قومیت میں ضم ہو گئے اور اب ایک ہی زبان یعنی انگریزی بولتے ہیں۔ برطانیہ جو غالباً دنیا میں سب سے زیادہ مضبوطی سے گتھی ہوئی قومی وحدت کا مظہر ہے' ایک ایسا ملک ہے جہاں مختلف قومیں اور لسانی گروہ مل جل کر ایک ہو گئے ہیں۔ اب بھی سکاٹ لینڈ اور ویلز میں اسکاچ اور ویلش زبانیں بولی جاتی ہیں مگر انگریزی لب و لہجے کے تھوڑے سے تفاوت سے مشترکہ قومی زبان کے طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ اسے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ قومی اتحاد یا معنوی وحدت کا احساس مفاد اور مذہب کے اشتراک بہ الفاظ دیگر مذہبی اور اخلاقی قدروں سے پیدا ہوتا ہے۔ خوش قسمتی سے مغربی پاکستان میں وہ سب جمعیتی، خصوصیتیں موجود ہیں جو قومی وحدت اور لوگوں کے نفسیاتی انضمام کے لئے ضروری ہیں۔ اور وہ اس حد تک ہیں کہ شاید کسی دوسرے مختلف زبانیں بولنے والے ملک میں پائی نہیں جاتیں۔

لسانی اور ثقافتی وحدت

اگرچہ مغربی پاکستان کے مختلف حصوں میں کئی طرح کی بولیاں یا زبانیں بولی جاتی ہیں۔ لیکن ان کی اصطلاحات مشترک ہیں۔ صدیوں تک فارسی اس خطے کی سرکاری زبان رہی تھی اور اس صوبے کے تمام حصوں میں اسلامی فقہ اور علوم کی مشترکہ زبان عربی تھی۔ مذکورہ بالا ثقافتی اور مذہبی قوتوں کے تعامل اور ناگزیر سیاسی تقاضوں سے عربی اور فارسی کے الفاظ مغربی پاکستان کی مختلف زبانوں اور بولیوں یعنی اردو' پنجابی' بلوچی' پشتو اور سندھی میں مشترکہ طور پر پائے جاتے ہیں۔ اس لئے اکثر اور بیشتر ان میں ایک ہی قسم کی اصطلاحات اور ادبی و ثقافتی اسالیب بیان موجود ہیں۔ مزید بر آں اردو میں اسلامی ادب' شاعری فلسفے بلکہ جدید سائیسوں کا اتنا عظیم الشان ذخیرہ موجود ہے کہ کوئی پڑھا لکھا پاکستانی ایسا نہیں ہے جو اردو' بولتا یا پڑھتا نہ ہو۔ ایک معنی میں یہ بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ مغربی پاکستان کی لسانی روح ایک ہے۔ مذہبی ثقافتی اور فلسفیانہ تصنیف اور تالیف جس کی اساس قرآنی نصوص اور سنت پر ہے۔ سب مغربی پاکستانیوں کا مشترکہ موروثی سرمایہ ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر اس کی وجہ سے ثقافتی وحدت کا وافر حصہ ہمیں ملا ہے۔ جب ہم بلھے شاہ اور خواجہ غلام فرید کی کافیوں کو پڑھتے ہیں تو ہمیں ان کے اور سندھ کے شاہ عبدالطیف بھٹائی اور پشاور کے علاقے کے رحمان بابا کے کلام میں کوئی باہمی فرق نظر نہیں آتا۔ اسی طرح وارث شاہ کی "ہیر" جس میں تمثیلی اشاروں' استعاروں اور تشبیہوں کے ذریعے روحانی حقائق اور اخلاقی پند و نصائح بیان کئے گئے ہیں شمالی مغربی سرحد کے کسی فاضل کے لئے اجنبی اور غیر مانوس نہیں۔ مغربی پاکستان کے مختلف حصوں کے لوک گیت اور کہانیاں زندگی کے جمالیاتی پہلوؤں اور فنون لطیفہ کے نقطۂ نظر سے کم و بیش یکساں ہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ مغربی پاکستان کے رہنے والوں کا مزاج اور معنوی روح ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہیں۔ یہ معنوی مشابہت یہیں تک محدود نہیں' خوشحال خان خٹک شاہجہاں اور اورنگ زیب کے زمانے میں زندہ تھے۔ مغربی پاکستان کے عظیم شاعر اور مفکر علامہ اقبال جنہوں نے ہمیں وہ سیاسی فلسفہ دیا جو حصول پاکستان پر منتج ہوا خوشحال خان کے تین سو سال بعد جلوہ افروز ہوئے۔ لیکن ان دونوں بزرگوں کے خیالات اور زندگی کے بارے میں تصورات ایک طرح کے ہیں۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مغربی پاکستان کی ہیئت ترکیبی میں ثقافتی و جذباتی لحاظ سے معنوی وحدت ہے۔ اس سے اسلامی عینیت اور فکری نصب العین کی لم یزلی قوت بھی ظاہر ہوتی ہے جس نے اس خطے کی (جو اب مغربی پاکستان کے نام سے موسوم ہے) معنوی زندگی پر باقی رہنے والے نقش ثبت کر دیئے ہیں۔

جغرافیائی وحدت

جن علاقوں پر مغربی پاکستان مشتمل ہے۔ وہ اس کی تاریخ کے سب آثار

چڑھاؤ میں جغرافیائی حیثیت سے ایک جداگانہ وحدت رہا ہے جو ہندوستانی برصغیر کے باقی حصوں سے بالکل مختلف ہے۔ اسلام کے آنے سے پہلے بھی یہ خطہ اپنی مخصوص تہذیب اور تمدن رکھتا تھا۔ جس کا تال میل برصغیر پاک و ہند کے دوسرے حصوں کے ساتھ نہیں تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لباس' خوراک یہاں تک کہ نفسیاتی رد عمل کے اعتبار سے بھی رنگ ڈھنگ کے ساتھ ان لوگوں کا طریق زندگی نسبتاً زیادہ مضبوط اور جاندار تھا۔ اور اس لحاظ سے یہ ہندوستان کے دوسرے خطوں کے باشندوں سے سیاسی اور عمرانی طور پر ممتاز تھے۔ موہنجو دارو اور ہڑپہ کے آثار قدیمہ اس بات کی بلیغ شہادت دیتے ہیں کہ مغربی پاکستان کی ایک مشترکہ تہذیب تھی جو اپنے خصائص کی بنا پر اسلام وحدت مغربی پاکستان کو دی تھی وہ سندھ اور سرحدی علاقوں سے پنجاب میں آنے والی اسلامی تہذیب کے نفوذ اور اثر سے اور بھی قوی ہو گئی۔ شلوار جو شمالی علاقے (سابق صوبہ سرحد) سے پنجاب میں آئی' مغربی پاکستان کے تمام علاقوں کے (جن میں شمالی' مرکزی اور جنوبی علاقے شامل ہیں) لوگوں کا عام لباس ہے۔ ابتدا میں یہ پردیسی چیز تھی' جو سندھ میں ایران سے اور پنجاب میں شمالی علاقوں (سابق صوبہ سرحد) سے آئی تھی۔ جہاں تک خوراک کا تعلق ہے' ہم جانتے ہیں کہ مغربی پاکستان کے تینوں علاقوں یعنی سندھی' سرحد اور پنجاب کا کھانے کا مذاق تقریباً یکساں ہے۔ پلاؤ۔ کباب اور گوشت سے تیار کئے ہوئے دوسرے کھانے ان سب کو پسند ہیں اور تمام صوبے میں وہ ایک ہی طرح سے تیار کئے جاتے ہیں۔

معاشیاتی وحدت

چونکہ مغربی پاکستان ایک مربوط و متصل علاقہ ہے۔ جو دریاؤں سے مشترکہ طور پر سیراب ہوتا ہے اور اس کی خوراک اور خام اجناس کے وسائل بھی ایک دوسرے پر منحصر ہیں۔ اس لئے مغربی پاکستان کی معیشت بھی ایک ناقابل تقسیم وحدت کی شکل میں رہی ہے۔ اس بات کا تصور کرنا بھی مشکل ہے کہ کیونکر مغربی پاکستان کا ایک خطہ دوسرے کے بغیر معاشیاتی طور پر علیحدہ ہو کر زندگی بسر کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر شمالی علاقہ (سابقہ صوبہ سرحد) مرکزی علاقے (سابقہ پنجاب) کے غلوں کے بغیر کام نہیں چلا سکتا اور اسی طرح اگر بالفرض دونوں خطوں کے اقتصادی اور تجارتی تعلقات ختم ہو جائیں تو پنجابیوں کو کوئٹہ اور پشاور کے علاقوں کے سردے' خوبانی اور سیب سے محروم ہونا پڑے گا۔ سابق سندھ اور پنجاب کے علاقوں کی روئی کے بغیر بھی صوبے کے دوسرے حصے گزارا نہیں کر سکتے۔ کراچی اس خطے کی واحد بندرگاہ ہے جس پر تمام صوبے کے علاقوں کا دارومدار ہے اور اسی طرح کراچی بھی اپنی ضرورتوں کے لئے مغربی پاکستان کے باقی علاقوں کا دست نگر ہے۔ صوبے کے زیادہ خوش نصیب علاقوں کا یہ فرض ہے کہ وہ سارے خطے کی ترقی و خوشحالی کے لئے وسائل مہیا کریں۔ فی الحقیقت مغربی پاکستان کی خوشحالی کا تصور اس کے مختلف علاقوں کے تعاون اور باہم دگر کفالت کے بغیر نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے فی الحقیقت مغربی پاکستان کے انتظامی طور پر ضم ہو جانے سے اس سارے علاقے کی معاشیاتی وحدت نے جو پہلے سے موجود حقیقت تھی عملی جامہ پہن لیا ہے اور معاشیات کے ناگزیر تقاضوں کو پورا کیا ہے۔ دریاؤں کا رخ اور محل وقوع اور خام اجناس کی تقسیم یہ وہ عناصر ہیں جو ہماری زندگی کے لئے مغربی پاکستان کی وحدت کو لازمی قرار دیتے ہیں۔

سیاسی وحدت

پاکستان دو بنیادی وجوہ سے معرض وجود میں آیا۔ اول مسلمانوں کی یہ خواہش کہ انہیں ایک ایسا علیحدہ وطن مل جائے جہاں وہ امن و امان سے زندگی بسر کر سکیں اور کسی قسم کی اذیت و تکلیف یا بیگانہ ثقافت کے غلبے کے خوف سے آزاد رہ سکیں اور اپنی معاشیاتی خوشحالی کی تعمیر اسلامی نظریات کی فراخ حوصلہ روح کے مطابق کر سکیں۔

دوسرے ان کی یہ دلی آرزو تھی کہ انہیں ایک ایسی مملکت مل جائے جس میں وہ بے کھٹکے عمرانی عدل' حقوق میں مساوات اور معاشی خوشحالی کے افکار و تصورات کا قرار واقعی طور پر عملی اظہار کر سکیں اور انہیں سیاسی زندگی' معاشیاتی جدوجہد اور مذہبی واردات کی سہ پہلو وحدت میں تبدیل کر سکیں۔

ان دونوں بنیادی مقاصد کا یہ ضمنی نتیجہ ہے کہ مسلمان اس سیاسی حقیقت کو بھی بروئے کار لائیں جس کے مظاہر میں رواداری' خیرات اور حسنات اور انسانی ہمدردی کے وہ تقاضے بھی شامل ہیں جو توحید الٰہی اور رب العالمین کے اسلامی عقائد سے لازمی طور پر پیدا ہوتے ہیں۔ اجتماعی زندگی کے یہ مقاصد اور مطامح اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتے جب تک کہ ایسی انضمامی حکمت نظری و عملی بروئے کار نہ آئے جو انتظامیہ کے کاروبار میں ہم آہنگ روانی پیدا کر دے اور ان ناموا فقتوں' عدم مطابقتوں اور ناہمواریوں کو دور کر دے جو لسانی اور علاقائی عصبیتوں اور تنگ نظریوں سے پیدا ہوتی ہیں اور اسلام کی اس روح کے بھی منافی ہیں جس کی بنا پر پاکستان وجود میں آیا۔

مندرجہ بالا حقائق سے یہ صاف ظاہر ہے کہ مغربی پاکستان کی سیاسی وحدت اس فکری اور نظریاتی اساس کی واحد منطقی ترجمان ہے جس پر پاکستان کی عمارت تعمیر ہوئی تھی۔ لیکن اس عینیت اور نصب العین سے قطع نظر اس انتظامی وحدت کے قائم رہنے پر قوم کی مشکل سے حاصل کی ہوئی آزادی کا بھی کلی طور پر انحصار ہے۔

بین الاقوامی قانون میں دریا کے ساحلی باشندوں کے حقوق

سکھر لاء کالج سے خطاب' 24 اپریل 1961ء

دریا کے ساحلی باشندوں کے حقوق کے مسئلہ تک حقیقت پسندانہ طریق سے رسائی حاصل کرنے کے لئے قانونی حالت کا جائزہ مددگار ثابت ہو گا۔ بین الاقوامی قانون میں دریا کے زیریں اور بالائی ساحلی باشندوں کے حقوق اور ذمہ داریوں کے بارے میں بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ کسی ساحلی باشندے کے اس حق کی نفی بین الاقوامی دریا کے پانی کو حسب مرضی نپٹانے اور دوسرے ساحلی باشندوں کے اس حق کا وجود کہ وہ اس طریق سے استفادہ کریں' اس کی تائید ہر اس بین الاقوامی گروپ کے اخذ کردہ نتائج میں ملتی ہے جو اس مسئلے سے نپٹتا رہا ہے۔

انسٹی ٹیوٹ ڈی ڈرائٹ انٹرنیشنل نے 1911ء کے میڈرڈ اعلان میں کہا ہے کہ کوئی حکومت ان جھیلوں یا دریاؤں کے رخ یا شکل میں تبدیلی کرنے کا حق نہیں رکھتی جو استفادہ کرنے والے ملک سے متصل یا مسلسل ہو اور اس تبدیلی کے باعث اس ملک کو نقصان پہنچتا ہو بجز اس صورت کے کہ ملحقہ ملک سے اس کی اجازت حاصل کرلی جائے۔ پانی کے استفادے کے سلسلے میں دوسرے ساحلی ملکوں کی مداخلت کی سختی سے ممانعت کردی گئی تھی۔

1923ء کی جنیوا کانفرنس کے آرٹیکل نمبر4 میں خاص طور پر کہا گیا ہے کہ اگر کوئی ریاست اپنی آبی قوت میں ایسا اضافہ کرنا چاہے جس سے کسی اور ملحقہ ریاست کے حقوق متاثر ہو سکتے ہوں تو متعلقہ ریاستوں کو لازمی طور پر باہمی گفت و شنید کرنا ہو گی تاکہ وہ کسی ایسے معاہدے پر پہنچیں جس کے منصوبے پر عمل درآمد ہو سکے۔

1933ء کے مونٹی ویڈیو کے اعلامیہ کے آرٹیکل نمبر2 میں کہا گیا ہے کہ کوئی ریاست بھی دوسری ساحلی ریاست کے مشورہ کے بغیر بین الاقوامی آبی راستوں کو اپنے صنعتی اور زرعی مقاصد کے لئے تبدیل نہیں کر سکتی کیونکہ کسی قسم کی تبدیلی دوسری ریاستوں کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے۔ اس اصول کا اطلاق آرٹیکل نمبر4 کے تحت دریائی سلسلوں میں پر بھی ہوتا ہے۔

امریکہ کی عبوری بار ایسوسی ایشن نے نومبر57ء کو بونس ایرس کانفرنس میں مروجہ بین الاقوامی قانون کے بارے میں ایک بیان جاری کیا جس میں کہا گیا ہے کہ آرٹیکل نمبر3 کے تحت ساحلی باشندے اس بات کے پابند ہیں کہ وہ ایسی تبدیلیوں سے احتراز کریں جو ممکن ہے دوسرے ساحلی باشندوں کے پانی کے استعمال کو نقصان پہنچائے۔ البتہ یہ تبدیلیاں صرف معاہدوں کے تحت یا بین الاقوامی عدالت یا ٹربیونل کے فیصلوں ہی سے عمل میں آسکتی ہیں۔

نہ صرف مخصوص معاہدوں کی شرائط باہمی حقوق و فرائض کے اصولوں کی مظہر ہوتی ہیں بلکہ ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن میں ساحلی باشندوں نے دلچسپی رکھنے والے ممالک کے احتجاجات کو مسترد کردیا' دوسرے ساحلی باشندوں کے مساوی حقوق کو نظرانداز کر کے ایک بین الاقوامی دریا کو ترقی دینے کا خود کو غلط طور پر حقدار ٹھہرالیا۔ اس ضمن میں چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

1933ء کا برازیل۔ یوراگوئے کا معاہدہ اس بات کی شہادت فراہم کرتا ہے کہ متعلقہ ریاست ضروری کام جاری نہیں رکھے گی جب تک دوسری ریاست سے معاہدہ پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ جاتا۔

ارجنٹائن۔ بولیویا۔ پیراگوئے کا 1934ء کا معاہدہ مذکورہ بالا دریا کے پانی کے استعمال اور فروغ کے عام معاہدہ میں کئے گئے اقدامات کے تسلیم کرنے کا ذکر کرتا ہے۔

1929ء کا ڈومی نی کن ری پبلک آف ہیٹی کا معاہدہ فریقین کے لئے ایک لازمی ثالثی طریق اور حدود کا تعین کرتا ہے اور انہیں بین الاقوامی دریاؤں کے پانی کے ایسے منصفانہ استعمال کا پابند بناتا ہے جس سے ایک دوسرے کی پانی کی فراہمی متاثر نہ ہو۔

1960ء کا سندھ طاس کا معاہدہ بھارت اور پاکستان کے درمیان جس میں مخصوص مقاصد کے لئے عالمی بنک بھی ایک فریق ہے اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ بھارت نے اس بات کو تسلیم کرلیا ہے کہ وہ مشترکہ دریاؤں کے بالائی علاقے کے پانی کو تبدیل کرنے کا بلا روک ٹوک مجاز نہیں ہے۔

ان بین الاقوامی معاہدوں سے قطع نظر جن کا اوپر اختصار سے ذکر کیا گیا ہے ایک ملک کے اندر بہت سی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ فیڈریشن میں ریاستوں کے مابین بھی حقوق اور ذمہ داریوں کا تعین دستور اور رواج کے مطابق کیا جاتا ہے۔ بالائی ساحلی باشندوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ زیریں ساحلی باشندوں کی رضامندی کے بغیر مشترکہ دریا کے پانی کے بہاؤ میں کسی قسم کی مداخلت کریں۔ اس قسم کے ضوابط کی بہت سی مثالیں امریکہ میں موجود ہیں۔ تاہم بھارت کی ریاستوں اور صوبوں سے' جو ہمارا ہمسایہ ملک ہے مثالیں پیش کرنا شاید زیادہ مفید ہو' کیونکہ بھارت میں صوبوں اور ریاستوں کی ایک فیڈریشن ہے۔

1892ء میں برطانوی ہند کے صوبہ مدارس اور ریاست میسور اپنے اپنے حقوق کے بارے میں تنازعہ کے بعد خاص ضوابط و قوانین پر متفق ہو گئے جو تیرہ دریاؤں کے پانی کے استعمال کے بارے میں طے کئے گئے تھے۔ جن پر میسور بالائی ساحلی ریاست ہونے کی حیثیت سے اعلیٰ حقوق کا دعویدار تھا۔ ان قوانین میں اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ میسور آبپاشی کا کوئی نیا منصوبہ مدراس کی حکومت سے سابقہ گفتگو کے حوالے کے بغیر' جو ان کے درمیان ہوئی ہے تعمیر نہیں کرے گا۔

سندھ طاس کمیشن میں جس کے سربراہ بی گل این راؤ تھے۔ منجملہ دوسرے امور کے قانون کے حسب ذیل اصول طے کئے گئے تھے جن کا پانی کے تعلق سے ریاستوں اور صوبوں پر اطلاق ہوتا ہے:

(1) اس قسم کے قضیوں کے تصفیہ کا نہایت قابل اطمینان حل معاہدہ کے ذریعہ ہے۔ فریقین نے ہر مسئلہ کے فنی حل کو اس طرح قبول کیا ہے جیسے وہ ایک ہی فریق ہوں اور سیاسی اور انتظامی لحاظ سے غیر منقسم ہوں۔ (میڈرڈ قوانین 1911ء اور جنیوا کانفرنس 1923ء کے آرٹیکل 4 اور 5)۔

(2) اگر ایک بار ایسا معاہدہ ہو جائے تو وہ از خود قانون کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور متعدد فریقوں کے حقوق کا اس وقت تک تحفظ کرتا ہے جب تک کوئی نیا معاہدہ تشکیل نہ پا جائے (ہالینڈ اور بیلجیم کے تنازعہ پر انصاف کی مستقل بین الاقوامی عدالت کا فیصلہ)۔

(3) اگر اس قسم کا کوئی معاہدہ موجود نہیں ہے تو مستقل صوبوں اور ریاستوں کے حقوق کے حصص کو منصفانہ طور پر طے کرنا چاہئے۔ ہر ایک کو مشترکہ دریا سے پانی کا مناسب حصہ ملے گا۔

(امریکی فیصلہ)

42-1941ء کے لگ بھگ ریاست پٹیالیہ نے آبپاشی کے مزید ذرائع کی فراہمی کے لئے دریائے گھگر کا رخ بدلنے کا ارادہ کیا اور بند کی تعمیر کا کام بھی شروع ہو گیا۔ پنجاب نے خطرہ محسوس کیا کہ تبدیلی کا یہ عمل اس کے موجودہ آبپاشی کے نظام میں مداخلت کے مترادف ہے۔ پنجاب نے وائسرائے سے درخواست کی کہ وہ پٹیالہ سے کہیں کہ بند کو ہٹا لے۔ وائسرائے نے تسلیم کر لیا کہ پٹیالیہ کے اس عمل سے زیریں ساحلی علاقوں کے باشندوں کے حقوق کی خلاف ورزی ہو گی۔

دریائی علاقوں میں بیراج اور ڈیموں کی تعمیر پر اعتراض کے سلسلے میں ایک مضبوط قانونی اساس اس صورت میں پیدا ہوتی ہے جبکہ ان تبدیلیوں سے پانی کے استعمال کا مروجہ طریق متاثر ہوتا ہو۔ بین الاقوامی قانون میں ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں جن میں پانی کے مروجہ طریق کے تقدس کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ان معاہدوں کے علاوہ جن میں کم و بیش پانی کے مروجہ طریقوں کو تحفظ فراہم کیا گیا ہے، بہت سے معاہدوں میں ایسے تحفظات بھی دیے گئے ہیں جن کی رو سے جوں کی توں حالت میں کسی قسم کی تبدیلی فریقین میں معاہدہ کے بغیر عمل میں نہیں آ سکتی۔

(پرشیا۔ نیدرلینڈ 1850ء، سویڈن۔ ناروے 1905ء، جرمنی۔ لیتھوانیا 1928ء، لتھوانیا۔ پولینڈ 938ء)۔

چونکہ بین الاقوامی دریاؤں کے پانی کے استعمال کے قوانین ابھی تک منضبط نہیں ہوئے اس لئے ہمیں بین الاقوامی قانونی گروپوں مثلاً انٹرنیشنل لاء ایسوسی ایشن کے کام کو دیکھنا ہے جو اس مسئلے سے عہدہ برآ ہو چکی ہے تا کہ وہ اس جدید سوچ کا تعین کر سکے کہ اس قانون کے کیا اصول ہونے چاہئیں جن کے تابع یہ موضوع ہے اور ایسے قوانین کو جو اس موضوع سے تعلق رکھتے ہیں دریافت کرتی ہے۔

انٹرنیشنل لاء ایسوسی ایشن نے ایسے اصولوں کی تشکیل میں قابل تحسین کام سرانجام دیا ہے۔ اس ایسوسی ایشن نے اگست 1960ء میں ہمبرگ کے اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی ہے جس میں باہمی ساحلی ریاستوں کے باشندوں کے تنازعات حل کرنے کے لئے چار مراحل تجویز کئے ہیں:

(1) اس نظریہ سے مشاورت کہ مشترکہ دریائی نظام کے مفاد کے لئے اپنے اپنے حصہ پر تصفیہ کیا جائے۔

(2) اگر باہمی مشاورت سے کوئی معاہدہ طے نہ پا سکے تو اسی صورت میں ایک کمیشن قائم کیا جائے اور مسئلہ فیصلے کے لئے کمیشن کے سپرد کر دیا جائے۔

(3) اگر کمیشن بھی ناکام رہتا ہے تو مسئلہ ثالثوں کو بھیجا جائے۔

(4) آخری چارۂ کار کے طور پر مسئلہ انصاف کی عالمی عدالت میں پیش کر دیا جائے۔

اس قرارداد کا مقصد اس امر کو منوانا ہے کہ ایک ساحلی ریاست کا یہ فرض ہے کہ وہ کسی بھی بین الاقوامی دریا کے مروجہ نظام میں ایسی تبدیلی سے اجتناب کرے جو متصلہ ریاست پر اثر انداز ہوتی ہو اور اس کے حقوق پر زد پڑتی ہو اس کے مشورے کے بغیر اس میں ردوبدل نہ کیا جائے۔

ساحلی باشندوں کے حقوق کے بارے میں قانون بڑی حد تک واضح ہے۔ اس لئے تمام امن پسند ممالک کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسے تنازعات جن سے ساحلی باشندوں کے حقوق متاثر ہوں مذاکرات سے طے کریں۔ یا ایسے معاملات میں یا کسی دوسرے حق کے بارے میں مذاکرات کی ناکامی کی صورت میں بین الاقوامی قانونی تنازعات کے مسلمہ تصفیہ شدہ اصولوں کے مطابق ثالثی کے ذریعہ طے کئے جائیں۔ اگر کوئی فریق اپنے اختلاف کو حسن سلوک یا ثالثی کے ذریعہ طے کرنے سے انکار کر دے تو پھر اقوام متحدہ کے اراکین پر یہ لازم ہے کہ وہ اختلافات کو پرامن طور پر طے کرنے کے لئے اقوام متحدہ کے مشورہ کے مطابق طریق کار کو اختیار کریں۔ جب کسی ملک کی قانونی اور اخلاقی حیثیت کمزور ہوتی ہے تو صرف اسی صورت میں وہ تنازعات کے تسلیم شدہ، مہذب اور پرامن طریق کار کو اختیار کرنے سے ہچکچاتا ہے۔

بین الاقوامی امور کے موجودہ سیاق و سباق میں جھگڑوں کے تصفیہ کے لئے کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے بجز جنگ کے۔ تمام ممالک کے یہ بنیادی مقاصد ہونے چاہئیں کہ وہ بین الاقوامی قانون کے استحکام کے خواہاں ہوں تا کہ بین الاقوامی امور کے اکھاڑہ سے اشتعال انگیزی اور استبدادیت رخصت ہو جائے۔

(ذوالفقار علی بھٹو)

اقوام متحدہ اور پاکستان

پاکستان یونائیٹڈ نیشنز ایسوسی ایشن کراچی سے خطاب'

مورخہ 22 مئی 1961ء

امن ایک ایسی صورت حال ہے جو طاقت کی عدم موجودگی سے مشخص ہوتی ہے۔ لیکن ایک منظم معاشرے میں طاقت کی مکمل عدم موجودگی انتشار اور معاشرے کے لئے مخصوص کر کے محدود کر دیا گیا ہے۔ طاقت کے استعمال پر معمولی پابندی غلط ہے۔ غلطی کے خلاف معمول رد عمل کے طور پر طاقت کے استعمال کی اجازت ہے اور اسے ایک قاعدہ و قانون کی حیثیت حاصل ہے۔

صرف وہی شخص یا افراد معاشرے کی روایت کے خلاف تشدد آمیز کارروائی کرنے کے مجاز ہیں جن کے ذریعہ معاشرے کا نظام چلتا ہے۔ اس طرح "سوشل آرڈر" طاقت کے استعمال کو معاشرے کا اجارہ بنا دیتا ہے اور ایسا کرنے سے اپنے ارکان کے تعلقات کو کنٹرول کر کے پر سکون رکھتا ہے۔

ابتدائی قانونی طبقہ میں بھی صرف مخصوص افراد ہی کو مخصوص حالات میں متشددانہ اقدامات کی اجازت ہوتی ہے۔ وہ فرد جس کے حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے اسی کو خلاف ورزی کا مرتکب فرد کے خلاف طاقت کے استعمال کا اختیار ہوتا ہے اگر مثال کے طور پر خونی انتقام کی صورت میں کوئی جابرانہ قدم اٹھایا جائے تو اسے جواز کی حیثیت حاصل ہے۔

جدید ریاست معاشرتی نظم کی انتہائی مکمل صورت ہے جس میں طاقت پر کاملاً" معاشرہ کا اجارہ ہے۔ ریاست کے اندر انفرادی تعلقات میں صلح جوئی حتی الامکان اپنے انتہائی درجہ پر جا پہنچتی ہے۔

بین الاقوامی قانون اس معنی میں ابتدائی دور کا قانون ہے کہ قانون ایک جابرانہ حکم ہے اور اسے طاقت کے مرکزی ادارے کے ذریعے بروئے کار لایا جاتا سالہا سال سے بین الاقوامی قانون کو مرکزیت حاصل ہو رہی ہے پھر بھی طاقت کے استعمال پر عالمی برادری کو اجارہ حاصل نہ ہو سکا کیونکہ کوئی قانونی نظام ایسا نہیں جس کے تحت الگ الگ ریاستوں کو ایک عالمی ریاست کی صورت میں متحد کر دیا جائے اور وہ اپنی قوت کے تمام ذرائع یعنی اپنی مسلح افواج کو___ مجتمع کر سکیں اور انہیں عالمی پارلیمنٹ کے وضع کردہ قوانین کے مطابق عالمی حکومت کی سپردگی میں دے دیں۔

اس لئے اکثر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ کیا بین الاقوامی قانون کو واقعی سچا قانون کہا جانا چاہیے؟ اس سوال کا جواب معروف و عظیم قانون دان ہانس کیلسن نے میکسم گورکی کے ڈرامے "غرقاب" "Submerged" کا حوالہ دیتے ہوئے دیا ہے۔ اس ڈرامے میں میکسم گورکی نے انسانیت کے ان پسے ہوئے طبقات کی تصویر کشی کی ہے جنہیں معاشرہ بے ضرورت سمجھتا ہے یعنی ایسے مرد اور عورتیں جنہیں حشرات الارض سے زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی اور جو ان کے گھروں میں بکثرت ہوتے ہیں۔ میکسم گورکی نے اس ڈرامہ میں ایک آوارہ گرد پیپل اور ایک زائر لوقا کے درمیان ایک مکالمہ دیا ہے۔ پیپل لوقا سے کہتا ہے:

سنو زائر! کیا خدا کا وجود ہے؟

اور زائر جواب دیتا ہے۔

"اگر تمہیں اس پر ایمان ہے تو خدا موجود ہے اگر ایمان نہیں تو اس کا وجود نہیں' کیونکہ وجود اسی کا ہے جس کو تم مانتے ہو۔"

غالباً یہ ان لوگوں کے سوال کا صحیح جواب ہے جو پوچھتے ہیں کہ آیا عالمی قانون کا حقیقتاً وجود ہے۔ اس کا وجود اسی صورت میں ہے جب ہم اس پر ایسا ہی یقین رکھتے ہوں جیسا کسی اور قانون پر۔ حتیٰ کہ موثر ترین قومی قانون بھی اسی صورت میں موجود ہوتا ہے یا باقی رہتا ہے جب وہ لوگ جن کا معاشرتی رویہ اس سے نظم پاتا ہے اس پر یقین رکھتے ہیں۔ جہاں تک بین الاقوامی قانون کا تعلق ہے اس کی حدود کی اثر پذیری کے بارے میں کسی شک کا اظہار نہیں کیا جاتا بجز اس کے کہ معاشرتی نظام ان حدود کو کہاں اور کس طرح متعین کرتا ہے۔

بین الاقوامی سوشل آرڈر ترقی پذیر عالمی قانون کو ایسے ذرائع اور وسائل مہیا کرتا ہے جن سے وہ ایک موثر اور مرکزی نظام کے تحت کسی بین الاقوامی مجرم کے خلاف تعزیراتی اقدام کر سکتا ہے۔

اقوام متحدہ نہ تو کوئی برتر ریاست ہے اور نہ کوئی بالاتر مملکت۔ اسے بالا دستی کا اختیار حاصل نہیں تاہم اس کا وجود ممبر ممالک کی بالادستی یا سیاست میں دور رس استخفاف کا باعث بنتا ہے۔ اقوام متحدہ کے ارکان نے باضابطہ طور پر حاکیت کے بعض انتہائی اہم روایتی اختیارات سے دستبرداری اختیار کر لی ہے مثلاً جنگ کرنا یا جارحیت کا مرتکب ہونا۔ منشور کے آرٹیکل 2 پیراگراف 4 میں صراحتاً" کہا گیا ہے کہ!

"تمام ممبر ملک اپنے بین الاقوامی تعلقات میں دھمکی یا کسی ملک کی علاقائی سالمیت یا سیاسی آزادی کے خلاف طاقت کے استعمال یا اقوام متحدہ کے منافی رویہ اختیار کرنے سے گریز کریں گے"

لہٰذا ممبر ممالک طاقت کے استعمال کی دھمکی دینے کی بجائے اپنے بین الاقوامی تنازعات پر امن طور پر حل کرنے کے پابند ہیں' تاکہ آنے والی نسلوں کو حتی الامکان کشت و خون اور جنگ کی تباہ کاریوں سے محفوظ رکھا جائے۔

1945ء میں جب سان فرانسسکو کے خوبصورت شہر میں اس عالمی تنظیم کی بنیاد رکھی گئی تھی اس وقت سے اس کی اپنی اہمیت اور طاقت میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔

بڑی طاقتوں کو ایسے سنگین مسائل کو جن کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے سلامتی کونسل یا جنرل اسمبلی میں لانے پر مجبور کیا جاتا ہے جن سے عالمی امن اور سلامتی پر اثر پڑتا ہے۔ یہ ایک تاریخی رجحان ہے جسے بین الاقوامی

زندگی کے موجودہ ماحول میں پلٹنا مشکل ہو گا۔

پچھلے چند سالوں کے بحرانوں نے جن میں سوئز' لبنان اور حال ہی میں کانگو کے بحران قابل ذکر ہیں' غیر یقینی انداز میں میں واضح کر دیا ہے کہ اقوام متحدہ کو ایسے معاملات میں اپنے مصالحتی کردار سے محروم نہیں کیا جا سکتا جو عالمی امن و سلامتی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ انصاف اور بین الاقوامی قانون کے بلند اصولوں کے مطابق قوموں کے تنازعات کو پر امن ذرائع سے حل کرنے کے لئے ایسے حالات میں اقوام متحدہ کی مداخلت انتہائی ضروری ہے۔

جنرل اسمبلی کا پندرھواں اجلاس جو حال ہی میں ختم ہوا ہے اپنے نتائج کے اعتبار سے تاریخی ثابت ہو گا' اولاً" اس لئے کہ کئی نئے ممالک بالخصوص افریقہ کے نو آزاد ممالک کو اقوام متحدہ کا رکن بنا لیا گیا ہے۔ ثانیاً" اس لئے کہ جنرل اسمبلی کی کارروائی میں بڑی طاقتوں اور دوسری اقوام کے کئی سربراہوں نے سرگرم حصہ لیا ہے۔

چھوٹے رکن ممالک کو سب سے زیادہ توجہ تنظیم کے فروغ اور اس کو مضبوط بنانے کی طرف دینی چاہئے تاکہ وہ ان کے لئے سلامتی کے ایک مضبوط قلعہ میں بدل جائے اور عظیم طاقتوں سے مغلوب اور ایٹمی تباہی سے خوفزدہ اور ہراساں اس دنیا میں ان کے لئے ڈھال اور روک کا کام دے۔ امریکہ اور روس شاید اقوام متحدہ کے بغیر زندہ رہ سکیں۔ میں نے شاید اس لئے کہا ہے کہ ان دو عظیم طاقتوں کا بھی اس عالمی تنظیم کی چھتری کے بغیر زندہ رہنا محل نظر ہے۔

جہاں تک چھوٹی غیر ایٹمی مملکتوں' افریقہ اور ایشیا اور لاطینی امریکہ کی ریاستوں کا تعلق ہے وہ یقیناً خود کو اس عالمی معاشرہ کے کسی ثالث اور محافظ کی پناہ کے بغیر طاقتور ملکوں کی سازشوں اور ہوس ملک گیری سے محفوظ نہیں رکھ سکتیں۔ جس میں چھوٹے ممالک خوف اور شک کی اس دنیا میں پر امن صلاح مشورہ کے ضمن میں اپنا کردار موثر طور پر ادا کرتے رہے ہیں اب انہوں نے یہ کردار ادا کرنا شروع کر دیا ہے۔

اقوام متحدہ میں تمام آزاد ممالک امن جیسے بلند نصب العین کے حصول کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ چھوٹی اقوام بجا طور پر یہ توقع رکھتی ہیں کہ بڑی اقوام جنہوں نے خلا کو فتح کر لیا ہے ہمیں اپنے جذبات اور خود پسندی پر غلبہ پانے کا طریقہ بتائیں گی تاکہ ہم کسی خوف کے بغیر امن و سکون کی زندگی بسر کر سکیں۔ عظیم طاقتوں کو اگر اقوام متحدہ میں چھوٹی طاقتوں کے دباؤ سے آزاد کر کے من مانی کرنے کی اجازت دی جاتی تو شاید وہ مکمل تباہی کا سبب بن جاتیں۔

پچھلے دس سال میں واقعات کی رفتار نے واضح کر دیا ہے کہ جہاں نازک مراحل میں بڑی طاقتوں نے کشیدگی کو بڑھانے اور کم کرنے دونوں ہی صورتوں میں اقوام متحدہ کو نظر انداز کیا ہے وہاں غیر محفوظ چھوٹے چھوٹے ممالک ہی تھے جنہوں نے اپنی حفاظت اور بڑی طاقتوں کی پالیسیوں میں اعتدال پیدا کرنے کے لئے اس عالمی تنظیم پر زور دیا۔

عظیم تاریخی شخصیتوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا میں جدید باب کا اضافہ کرنے' سعادت و برکات کا سبب بننے' ابتری پھیلانے یا نفرت و ہراس پھیلانے کے لئے زمانے کی حدود پھلانگتی ہیں۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ہم اس مضمحل اور ادھ موئی بیسویں صدی میں کسی قسم کے باب کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں جب کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی حیران کن ایجادات نے انسان کو اپنے سیارہ کو چھوڑنے اور اس پر واپس آنے کے قابل بنا دیا ہے؟

دنیا بھر کے عوام مکمل تباہی کے دائمی خوف میں زندہ ہیں۔ چند منٹوں میں شہروں کو تباہ اور کھیتوں کو بنجر کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں یقین نہیں ہے کہ فی الوقت کوئی ایٹمی طاقت عمداً" استحصال اور تباہی کی ایسی جنگ چھیڑ سکتی ہے جسے نہ تو تصور قبول کر سکتا ہے اور نہ ہی چنگیز خاں کا ظلم و ستم تصور میں لا سکتا ہے۔ تاہم حساب کی بھول چوک' غلطی اور اتفاقی حادثہ کے ان امکانات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو تباہی و بربادی کے دروازے کھول سکتے ہیں۔

پندرہ سال سے بڑی طاقتیں تخفیف اسلحہ کی باتیں کرتی رہی ہیں لیکن کیا نتیجہ نکلا؟ معاہدے کے تحت فوج کا ایک ڈویژن بھی توڑا نہیں گیا اور نہ ہی کوئی ٹینک تباہ کیا گیا۔ ہاں مسلح افواج میں اور شاید اسلحہ میں کچھ تخفیف ہوئی ہے۔ لیکن یہ تخفیف کسی معاہدے کے تحت نہیں بلکہ یک طرفہ اقدام کے طور پر عمل میں آئی ہیں اس لئے ان کے یک طرفہ اضافے میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ تخفیف اسلحہ کے ذریعے عالمی امن کے قیام کے سلسلے میں بلاشبہ مقصد بھی اتنا اہم ہے جتنے وسائل۔

جنرل اسمبلی کے پندرھویں اجلاس نے تخفیف اسلحہ کی اہمیت کو واضح کر دیا ہے جو بلاشبہ اہم ترین مسئلہ ہے جس سے انسانیت دوچار ہے اور اگر وہ دباؤ اور کھینچا تانی نہ ہوتی جو اس عالمی "فورم" کی وجہ سے پیدا ہوئی تو ہم یقیناً کسی قسم کی پیش قدمی نہ کر سکتے تھے۔

تسلیم کہ اس سنگین مسئلہ پر کوئی عمل اور ٹھوس اقدام نہیں ہوا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس اہم مسئلہ کو ہوا دینے میں جنرل اسمبلی بجائے خود ایک نقطہ ماسکہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ بنی نوع انسان کی بقا دراصل تخفیف اسلحہ اور تباہی کے درمیان ایک دوڑ ہے۔

یہ دوڑ خطرناک اور شدت اختیار کرنے والے بحران کی طرف لے جا رہی ہے اور جیسا کہ میں نے قبل ازیں کہا ہے پچھلے پندرہ سال سے عالمی راہنما اس مسئلہ پر غور و خوض کر رہے ہیں لیکن انہوں نے دنیا کو جنگ کے خوف سے نجات دلانے کی خاطر تخفیف اسلحہ کی طرف رخ کرنے میں سیاسی اور اخلاقی جرات کے فقدان کا مظاہرہ کیا۔

ہم سب پر یہ عیاں ہے کہ موجودہ فوجی توازن خطرناک ہے۔ یہاں ہم جو چھوٹے ممالک کے نمائندے ہیں اپنے دلائل اور اخلاقی دباؤ سے پوری

طرح لیس ہو کر بڑی طاقتوں کو مستقل اور مضبوط بنیادوں پر قیام امن کی تلاش کے لئے مجبور کر سکتے ہیں۔

ہماری اس اپیل اور مساعی کی بہترین اور مناسب جگہ جنرل اسمبلی ہے۔ اور بلاشبہ یہی کچھ ہو رہا ہے۔ اس طرح ہم نہ صرف ایک حق کا استعمال کر رہے ہیں' بلکہ امن کے قلعہ کو مضبوط بنانے اور تخفیف اسلحہ کے مقصد کے حصول کے ذریعہ ہم اقوام متحدہ کی براہ راست ذمہ داری سے بھی عہدہ برآ ہو رہے ہیں۔

تخفیف اسلحہ کو بھی امن کی طرح انسانی ذہنوں سے شروع ہونا چاہئے۔ اور پھر بھلا تخفیف اسلحہ کی مساعی کا آغاز کرنے کے لئے جنرل اسمبلی سے بہتر کون سی جگہ موزوں ہو سکتی ہے جہاں سے ہم عظیم عالمی طاقتوں سے ہتھیار پھینکنے کا مطالبہ کر سکتے ہیں؟ دنیا بھر کے لوگ مشرق و مغرب کی کشیدگی ختم کرنے کے سلسلہ میں اقوام متحدہ کی طرف نظریں لگائے ہوئے ہیں۔

یہ ذمہ داری تمام رکن ممالک کی ہے لیکن سب سے پہلا اور اہم فرض بڑی طاقتوں پر یہ عائد ہوتا ہے کہ وہ انسانیت کو تباہی کی سمت لے جانے والی راہ سے روکیں۔ ہم یہ باور نہیں کر سکتے اور نہ ہمیں کرنا چاہئے کہ ہم ناکام رہیں گے۔

مایوسی کی کوئی وجہ نہیں' جنرل اسمبلی کو اپنی تمام سیاسی اور اخلاقی تبادلہ خیالات کے ذریعہ کسی موثر بین الاقوامی نگرانی کے تحت اسلحہ پر عام اور مکمل سمجھوتہ ہو۔

تخفیف اسلحہ اور بغیر کنٹرول۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے آخری اجلاس میں یہ تجویز پیش کرنے کا اعزاز مجھے حاصل ہوا اور اس کی متفقہ طور پر تائید ہوئی کہ تخفیف اسلحہ کے اقتصادی نتائج کا تفصیلی جائزہ لینے کا وقت آگیا ہے۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ تخفیف اسلحہ کی کوششوں کے ساتھ ساتھ اس قسم کا جائزہ بھی لیا جائے تاکہ عام اور مکمل تخفیف اسلحہ کے لئے ہم ضروری اعتماد اور تحفظ کا احساس پیدا کر سکیں۔

یہ حقیقت متعدد نتائج کی حامل ہے کہ دنیا نہ صرف فاصلہ کی اصطلاح میں بلکہ نظریات کے پرچار کے لحاظ سے بھی ایک ہو چکی ہے۔ ایک بات تو طے ہے کہ ترقی پذیر زیادہ دیر تک غربت اور افلاس اپنے مقدر کے طور پر تسلیم نہیں کر سکتے۔

ایک طرف تو وہ فاقہ کشی کی حدوں تک پہنچ چکے ہیں اور دوسری طرف آج وہ ان لوگوں کے نظریات اور امنگوں کی یلغار کے نرغہ میں ہیں جو زیادہ ترقی یافتہ ملکوں اور ان معاشروں میں رہتے ہیں جو متمول ہیں۔ ان کے سامنے نئی راہیں کھل گئی ہیں جو ان کی دبی خواہشات کو حقیقت کا جامہ پہنا سکتی ہیں۔

سامراجی نظام اور غلبہ نے غلامی اور مایوسی کا جو دور ان پر مسلط کر رکھا تھا اس نے توقعات اور احتیاجات کے نئے دور کو جنم دیا۔

یہ صورت حال ایک مثالی توقع اور خطرے کی مظہر ہے اور اس صورت حال کو تعمیری کاموں کی تکمیل کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس اگر امیر و غریب کے درمیان موجود اقتصادی تفاوت تیزی سے بڑھتا رہا تو اس سے جو ہمہ گیر مایوسی جنم لے گی وہ عالمی کشیدگی میں اضافہ کا باعث ہو گی۔ اس بحران کو محض اس لئے اہمیت حاصل ہوئی ہے کہ جنرل اسمبلی میں کم ترقی یافتہ ممالک کا انداز فکر مثبت تھا۔ جنرل اسمبلی میں دنیا بھر کی اقوام اس لئے جمع ہوتی ہیں کہ ان مسائل کو جن سے انسانیت کا مقدر وابستہ ہے' سامنے لایا جائے۔ اگر یہ مشترکہ عالمی پلیٹ فارم نہ ہوتا تو ہر قوم کا راستہ الگ ہوتا اور لوگ غربت و افلاس کے چیلنج کی شدت اور وسعت کا اندازہ نہ کر سکتے۔

جنرل اسمبلی نے تنہائی کے خول کو توڑ کر انسانیت کو اپنی بنیادی اور حقیقی ضرورتوں کا احساس دلایا ہے۔ اس نے ان اہم مسائل پر عمل درآمد کی نہ سہی لیکن بحث مباحثہ اور غور و خوض کی مشینری تو مہیا کر دی ہے۔ اس نے خیال و فکر میں 'یکسانیت' پیدا کی ہے کہ مسئلہ موجود ہے اور نہایت سنگین ہے۔ تہذیب کی پیش قدمی ہم آہنگ اور مربوط ہونی چاہئے۔

انسانیت صحیح معنی میں ترقی نہیں کر سکتی اگر بعض اقوام تاریخی اسباب کے تحت آگے آ جائیں اور باقی دنیا کو مایوسی' افلاس اور بیماری کے اندھیروں میں بھٹکنے کے لئے پیچھے چھوڑ دیں۔ اس کے برعکس ایسے بے توازن جذبات نئے مسائل پیدا کرتے ہیں۔ ترقی صرف اس صورت میں ممکن ہے جبکہ پوری انسانیت بحیثیت مجموعی پیش قدمی کرے۔ اگر بعض ممالک میں فی کس آمدنی دو ہزار ڈالر یا 550 ڈالر ہے تو اس سے دنیا کو کیا فائدہ جب کہ بنی نوع انسان کی اکثریت نکبت و افلاس میں زندگی بسر کرتی ہے۔ غریب ترین ممالک کی اقتصادی و صنعتی ترقی کا مرکزی مسئلہ ابھی تک معرض التوا میں ہے اور اس کی حیثیت ایک عالمگیر چیلنج کی سی نہیں ہو سکی۔ جن کے بارے میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پچھلے پندرہ سال سے ہر سال بحث ہوتی ہے اور جو دنیا بھر کے لئے فوری توجہ کا مسئلہ بن گیا ہے۔

جنرل اسمبلی نے سامراجیت کے خاتمے کے سلسلے میں اپنا کردار ادا کر کے انسانیت کی ایک اور نمایاں اور قابل ذکر خدمت انجام دی ہے۔ جب سے اقوام متحدہ کا منشور تیار ہوا ہے تقریباً ہر سال نئے ممالک اقوام متحدہ کے ممبر بنتے ہیں۔ وہ براعظم جسے تاریک کہا جاتا تھا لیکن جس پر آج کل آزادی کی روشنی چمکتی ہے' جنرل اسمبلی کے آخری سیشن میں ان سترہ نئے مملک کے اضافہ کا باعث بنا ہے جو آزاد ہو چکے ہیں اور انسانیت کی خدمت کے لئے اپنی جوانی اور توانائی کے ساتھ آگے بڑھنے کا عزم رکھتے ہیں۔

افریقی کئی نسلوں سے غلام تھے۔ آج وہ آزاد اور عالمی برادری کے معزز و محترم رکن ہیں۔ وہ اپنے عظیم ممالک کے عوام کی دانش و تدبر اپنے ساتھ لائے ہیں۔ اور عدل و انصاف کے اصولوں پر مبنی مستقل امن کی مشترکہ جستجو میں شریک ہیں۔ جنرل اسمبلی جس کا آغاز چالیس سے کچھ زیادہ بنیادی ارکان

سے ہوا تھا۔ اب 99 ارکان پر مشتمل ہے اور ان میں سے بیشتر کا تعلق ایشیا اور افریقہ کے براعظموں سے ہے۔

لیکن انسانیت کے دل سے خون اس وقت تک رستا رہے گا جب تک تمام لوگ آزاد نہیں ہوجائیں گے۔ کیونکہ ہمارے دل و دماغ کیا ان کے ساتھ نہیں ہیں جو ابھی تک آزادی اور مساوات کی جدوجہد کر رہے ہیں؟ ممکن ہے کوئی طاقت عوام کی نجات میں تاخیر کردے لیکن ایسی صورت میں قدرت اس سے اس کی گراں قیمت وصول کرتی ہے۔ جنرل اسمبلی بلاشبہ ان غیر حل شدہ مسائل پر بے حد مضطرب ہے۔ اگر اقوام متحدہ کی کارکردگی کا تاریک پہلو سے جائزہ لیا جائے تو شاید ان ناقابل حصول مقاصد' ناکام امیدوں اور تشنہ مسائل کو اس کی ناکامیوں میں شمار کیا جائے گا۔ لیکن زندگی کو صرف ناکامیوں ہی سے نہیں بلکہ کامیابیوں سے بھی جانچنا چاہئے۔ ہمیں یقین ہے کہ اقوام متحدہ بالآخر ان مسائل کو حل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔

ہم پر امید ہیں اور حالیہ واقعات نے ہماری امیدوں کو مزید تقویت پہنچائی ہے کہ جنگ و جدال سے تھکا ہوا الجزائر جلد ہی اقوام متحدہ کا رکن بن جائے گا اور یہ واقعہ بذات خود ایسا ہے کہ جو عالمی امن کے مقصد کے لئے نہایت مفید ثابت ہو گا۔

کسی ملک یا قوم نے اتنی بہادری یا جانبازی سے آزادی کی جنگ نہیں لڑی جس کا مظاہرہ الجزائر کے محبان وطن نے کیا ہے اور اس بہادر قوم کو رکن بنانا عالمی ادارے کے لئے عزت و افتخار کا باعث ہو گا۔ ہم ان نئی کوششوں کے مداح ہیں جو اس انسانی مسئلہ کو پرامن ذرائع سے حل کرنے کے لئے فریقین کی طرف سے جاری ہیں۔ تاریخ کا یہ المناک باب انشاء اللہ جلد ہی اختتام کو پہنچ جائے گا۔

اس کے بعد دنیا کے سامنے صرف ایک ہی مسئلہ رہ جائے گا جس کے حل سے اب تک گریز کیا گیا ہے۔ لیکن اس کا حل برصغیر اور ایشیا میں قیام امن کے لئے ناگزیر ہے۔ اگر اس مسئلہ کو حل نہ کیا گیا تو ان مہین دھاگوں کو با آسانی توڑا جاسکتا ہے جو توازن امن کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔

ہمارے پاس اس تباہی سے بچنے کے مواقع اور وسائل موجود ہیں کہ ہم تنازعہ کشمیر کو حل کر کے اپنی جائز خواہشات کی تکمیل کرلیں۔

اس تنازعہ کے حل کے بعد ہی اس برصغیر کے نادیدہ مستقبل کی خوشحالی کا خواب پورا ہو سکے گا۔ یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب ہم اپنے عوام کو اس کرہ ارض پر بہتر زندگی اور ضروریات زندگی فراہم کرنے کے لئے بھرپور اور متحدہ کوششیں کریں۔ کیا اس کے لئے ہم حوصلہ اور جرأت رکھتے ہیں۔

ہمارے پاس وسائل ہیں اس لئے ایشیائی عوام اور دنیا بھر کی طرف سے ہم پر اخلاقی فرض عاید ہوتا ہے کہ اس خنجر کو اپنے دل سے نکال پھینکیں اور اس تنازہ کو حل کریں جس نے ہمیں مستقبل کو خطرے میں ڈال رکھا ہے۔

تمرد اور طاقت کا گھمنڈ کبھی امن کا باعث نہیں بنتا بلکہ تلوار کے استعمال پر اکساتا ہے۔ اس لئے متعلقہ فریقین اور اقوام متحدہ پر عالمی امن کے ثالث کی حیثیت سے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اس تنازعہ کو طے کرنے کے لئے مخلصانہ اور موزوں کوششیں کی جائیں۔ ورنہ مقدر کی ستم ظریفی شاید ہمیں خود پیدا کردہ تباہی کی طرف دھکیل دے۔ کیا ہم اندھی ضد کو اپنے مقدر پر مسلط کرلیں گے؟ یہ ان عظیم لوگوں کی ذمہ داری ہے جو اپنے ممالک کے سربراہ ہیں اور جنہوں نے نیویارک کے عظیم اجتماع میں حصہ لیا تھا کہ وہ ثابت کریں کہ ایسا نہیں ہے اور یہ کہ ہم اس مسئلہ کو اقوام متحدہ کی قراردادوں میں دیئے گئے عدل و انصاف کے ان اصولوں کے مطابق حل کر سکتے ہیں جن کے تحت انسان کو آزادانہ مرضی کے ذریعہ اپنی منزل کے تعین کا حق حاصل ہے۔

سندھ کے مالگزاری نظام کی اصولی تنظیم

ریڈیو پاکستان' حیدر آباد سے نشری تقریر'

5 ستمبر 1961ء

گزشتہ سال میں نے اس علاقہ کی مجموعی ترقی کے بارے میں آپ سے خطاب کیا تھا۔ میں نے اس علاقہ میں رائج مال گزاری کے نظام اور اس کی نامناسب شرح کے خلاف لوگوں احتجاج اور اس کے منصفانہ حل کے لئے اپنی مساعی کا ذکر کیا تھا۔

اس کا سبھی اعتراف کرتے ہیں کہ اس علاقے میں مالیہ کی شرح بہت زیادہ ہے لیکن اس اضافے کی ٹھوس وجوہات ہیں۔ خصوصی حالات میں لوگوں سے مخصوص مقاصد کے لئے قربانی دینے کو کہا جاتا ہے۔ بھاری محصول بھی مخصوص مقصد کے لئے لوگوں کی طرف سے ایک اعلیٰ موثر قسم کی قربانی ہے۔ سابقہ سندھ میں غیر معمولی حالات اور خلاف معمول واقعات اس بڑھی ہوئی سال گزاری کے اسباب ہیں۔ مال گزاری کی شرح کا تعین لاینحل طور پر بمبئی پریزیڈنسی سے سندھ کی علیحدگی کے ساتھ وابستہ کردیا گیا ہے۔

سر چارلس نیپئر نے 1942ء میں سندھ فتح کیا اور اسے ایک علیحدہ گورنر کی تحویل میں دے دیا گیا۔ لیکن پہلے گورنر سر چارلس نیپئر کے استعفیٰ کے ساتھ سندھ کا الحاق غیر فطری بھی تھا اور ناقابل برداشت بھی۔ بمبئی کی حکومت نے جس کا دہلی کی مرکزی حکومت میں بہت اثر و رسوخ تھا اور جس کے ہندوستان کے ریاستی امور کے سیکرٹری سے براہ راست تعلقات تھے' یہ دلیل پیش کی کہ اقتصادی طور پر سندھ ایک علیحدہ صوبہ کے طور پر اپنے وجود کو برقرار نہیں رکھ سکے گا' اس لئے جب تک سندھ اقتصادی طور پر اپنے خود کفیل ہونے کا ثبوت پیش نہ کرے' اس کی علیحدگی کا جواز نہیں بنتا۔ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں سندھ کے دو نمائندوں' سر شاہنواز خاں بھٹو اور سر غلام حسین ہدایت اللہ نے سندھ کی بمبئی پریزیڈنسی سے علیحدگی کی بڑے

زر سے وکالت کی اور اسی کانفرنس کی رسل ذیلی کمیٹی نے علیحدگی کے اصول کو اس شرط پر تسلیم کر لیا کہ سندھ اس بات کا ثبوت دے کہ وہ اپنے پاؤں میں کامیابی سے کھڑا ہو سکتا ہے۔ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے 17 جولائی 1933ء کے ریکارڈ کا صفحہ 2095 پر لکھا ہے کہ سر شاہنواز خاں بھٹو' ہز ہائی نس آغا خاں اور مسٹر ایم۔اے۔جناح نے رسل ذیلی کمیٹی میں اس بات کی یقین دہانی کرائی ہے کہ علیحدہ صوبہ سندھ کو حکومت کی طرف سے مالی امداد ملنے کے مسئلے کو یکسر خارج کر دیا جائے۔ سر شاہنواز خاں بھٹو نے کہا:

"سندھ یقیناً اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گا اور ہمیں کسی قسم کی مالی اعانت کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہم اپنی مدد آپ نہیں کر سکتے تو ہم علیحدگی کا مطالبہ کیسے کر سکتے ہیں؟" قائد اعظم محمد علی جناح نے کہا "یہ نئے مجوزہ صوبے کے نمائندوں کا کام ہے۔" کمیٹی کے چیئرمین آنجہانی ارل رسل نے کہا "میں آپ کو کمیٹی کی سفارش سے آگاہ کر دوں گا وہ یہ ہے کہ جب تک سندھ یہ ثابت نہیں کرتا کہ وہ کامیابی سے اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکتا ہے اس وقت تک اس کی علیحدگی کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔"

چنانچہ سندھ کے لئے یہ لازم تھا کہ وہ قربانیاں دے تاکہ اقتصادی طور پر خود کفیل ہو سکے۔ چونکہ اور کوئی آمدنی کا ذریعہ نہیں تھا اس لئے نیا تعمیر شدہ لائڈ بیرج نجات کا باعث بنا۔ جو زمین اس سے سیراب ہوتی تھی اس پر بھاری مالیہ عائد کیا گیا کیونکہ کوئی متبادل صورت نہیں تھی۔ سندھ کو ان میں سے ایک کا انتخاب کرنا تھا کہ یا تو وہ بمبئی کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑا رہے یا بھاری مالیہ کا سامنا کر کے علیحدہ صوبہ بن جائے۔ ان حالات کے تحت ضرورت کے مطابق کم و بیش شرح کا فارمولا مرتب کیا گیا اور مالیہ کی شرح بڑھا دی گئی۔ بیراج کے قرضے توقع سے قبل ادا کر دیئے گئے اور سندھ خسارہ کے بجائے فاضل بجٹ کا صوبہ بن گیا۔

یہ مرجوہ نظام کم و بیش ہونے والی شرح کے فارمولا پر قائم تھا۔ یہ دو اقسام پر مشتمل ہے۔ ایک بیراں کا علاقہ اور دوسرے بیراج سے باہر کا علاقہ۔ قیمتوں میں اتار چڑھاؤ کے ساتھ اس کی شرح بدلتی رہتی ہے۔ لیکن بیراج کے باہر کے علاقہ کے لئے ایک حد مقرر کر دی گئی ہے۔

آخری بار اس علاقہ کے لئے مالیہ کے تعین کا فیصلہ 1943ء میں خیال گیا تھا۔ یہ دس سال تک رائج رہا' اور اس کے بعد 1953ء میں نیا فیصلہ عمل میں آیا۔ یہ وہ وقت تھا جب سندھ علیحدہ صوبہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ لیکن صوبائی حکومتوں نے اہم مسئلہ کی طرف توجہ نہیں کی۔ اس حقیقت کے باوجود کہ گزشتہ فیصلہ میں جس مدت کے بعد نظر ثانی کی ضمانت دی گئی تھی وہ مدت ختم ہو چکی تھی اور قیمتوں میں اضافہ' زمین کی استعداد میں کمی' سیم و تھور' چاول کے کیڑوں اور بہت سے دوسرے اسباب کی وجہ سے نظر ثانی ناگزیر ہو چکی تھی۔ 1955ء میں جب وحدت مغربی پاکستان کا قیام عمل میں آیا تو نظر ثانی کی ضرورت مزید بڑھ گئی۔ یہ اس لئے بھی قطعی ضروری تھا کہ پورے صوبہ میں ایک متحدہ نظام اور مماثل نمونہ کا نظام رائج کیا جائے۔ وحدت مغربی پاکستان کے فوری قیام کا باعث جو مقاصد بنے تھے انہیں ملحوظ رکھ کر ان کی مسلسل پیروی میں صوبائی حکومتوں کو اس مسئلہ پر فوری توجہ مبذول کرنی چاہئے تھی مگر انہوں نے نہیں کی۔

موجودہ حکومت اس امر سے آگاہ ہے کہ ٹیکسوں کا تعین عام طور پر ٹیکس ادا کرنے والوں کی استعداد کے مطابق کیا جاتا ہے جسے وہ برداشت کر سکیں ورنہ آگے چل کر سیاسی اور اقتصادی اتار چڑھاؤ ہو جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ رومن سلطنت کے زوال کی بڑی وجہ نامنصفانہ اور غیر معقول مالیہ کا نظام تھی۔ بعض مورخ یہ خیال کرتے ہیں کہ برطانیہ اور امریکہ کے درمیان ممکن ہے یونین زیادہ دیرپا ثابت ہوتی اور دولت مشترکہ کے تعلقات فروغ پاتے اگر ٹیکسوں کے خلاف شورش نہ برپا ہوتی۔ سیاسی اسباب کے علاوہ اقتصادی طور پر بھی اس اصول کو اپنانا دانشمندی ہے۔ لوگ ملک کی اقتصادی ترقی کے محرک کو کھو دیتے ہیں اگر بھاری ناقابل برداشت ٹیکسوں کے ذریعے انہیں نچوڑ لیا جائے۔ کابینہ کا ایک رکن اور اس علاقہ کا باشندہ ہونے کی وجہ سے میں اس علاقے کے مسائل سے ذاتی طور پر آگاہ ہوں۔ میں اس اہم مسئلہ کے منصفانہ وجہ سے اسے مختلف مرحلوں پر حل کیا جائے گا۔ اس سمت میں جو پہلا بڑا قدم اٹھایا گیا ہے' وہ آبیانہ اور مالیہ کی علیحدگی ہے۔ یہ قوم آرڈیننس نمبر iv 1959ء کے تحت اٹھایا گیا تھا۔ اس آرڈیننس کی تشکیل کے وقت مندرجہ ذیل اصولوں کو ملحوظ رکھا گیا تھا:

(الف) آبیانہ اور مالیہ کی مجموعی شرح علیحدگی سے قبل کے مصارف سے بڑھنے نہ پائے۔

(ب) مالیہ کی شرح پر سندھ کے کم و بیش نظام کے مطابق نظر ثانی کی جانی چاہئے اور اس کا تعین تصفیہ کے وقت کی فصل کی پیداوار کی بجائے موجودہ فصل کی پیداوار پر ہو۔

(ج) اگر مجموعی مصارف میں کسی قسم کا اضافہ ہوا تو یہ کم و بیش طریق کے بجائے نقد اور فصلوں پر ہو۔

دوسرا اہم قدم جو اس علاقہ کے آبادکاروں کی مدد کے لئے اٹھایا گیا وہ ترقیاتی محصول کی تنسیخ تھا۔

تیسرا اہم قدم 31 جولائی کو حیدر آباد میں ہونے والی اعلیٰ سطح کی کانفرنس میں اٹھایا گیا۔ میں نے کانفرنس کے روبرو اس علاقہ کے آبادکاروں کا نقطۂ نظر پیش کیا۔ میں مسرت سے یہ کہتا ہوں کہ مالیہ میں 25 فی صد کی تخفیف کا فیصلہ کیا گیا۔ ان تمام اقدامات سے کاشت کاروں کو امداد اور اعانت ملی ہے۔

کسی بھی حکومت کے لئے' خاص طور پر اس کے لئے جو اقتصادی طور پر آگے بڑھنے کی کوشش کر رہی ہو یہ ایک مشکل امر ہے کہ وہ اپنے مالیہ میں تخفیف کرے۔ ہم نے اس علاقہ میں مالیہ میں مناسب کمی کر کے ایک جرات مندانہ فیصلہ کیا ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے مالیاتی نظام کو معقول بنیادوں پر مربوط و متحد کرنے کا کام بے حد پیچیدہ ہے اور کوئی ٹھوس اور قطعی فیصلہ کرنے سے قبل ماہرین کی طرف سے اس کا گہرا جائزہ لینا ضروری ہے۔ بڑے بڑے امتیازات کم کئے جا رہے ہیں لیکن بعض حالتوں میں یہ امتیازات صدیوں سے چلے آ رہے ہیں اور ان پر عمل در آمد ہو رہا ہے۔ بعض اہم مادی پہلو جیسا کہ خطہ کی تاریخ' علاقہ کی عام اقتصادی حالت' قیمتوں کا رجحان' منڈیوں کا فاصلہ' ذرائع مواصلات اور وہ عام اخراجات جو زمینداروں کو برداشت کرنے پڑتے ہیں ان کا مطالعہ و معائنہ بے حد ضروری ہے۔

سہروردی بنام ایوب خاں

مسٹر پریزیڈنٹ'

مجھے 30 جنوری 1962ء کو گرفتار کیا گیا اور میں اس دن سے آج تک سنٹرل جیل کراچی میں سیکورٹی آف پاکستان ایکٹ 1952ء کے تحت نظر بند ہوں۔ 5 فروری 1962ء کو مجھے اپنی نظر بندی کی "وجوہات" موصول ہوئی تھیں یہ وجوہات اس قدر مبہم اور غیر واضح ہیں کہ ان کی تردید میں کوئی معقول محضر تیار کرنے کی کوشش عبث ہو گی میں صرف اتنا کر سکتا ہوں کہ ملک و قوم کے لئے اپنی سابقہ خدمات کا حوالہ دے کر ان الزامات کی عدم صحت کی طرف اشارہ کروں۔ بایں ہمہ ان الزامات کی لغویت کتنی ہی واضح کیوں نہ ہو' میرا خیال ہے کہ میں آپ سے مخاطب ہونے کا استحقاق رکھتا ہوں۔

جناب صدر' معاف کیجئے گا لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ مجھے اس قدر قریب سے جاننے کے باوجود آپ نے میری حب الوطنی کو مشکوک قرار دینے والے ان بیانات' کینہ آمیز اشاروں اور مبنی بر دروغ الزامات کو کیسے قابل اعتناء سمجھ لیا جو یقیناً آپ تک پہنچائے گئے ہوں گے۔ میرا اشارہ نظر بندی کی "سرکاری وجوہات" کی طرف نہیں ہے کیونکہ ان وجوہات میں دیئے گئے الزامات تو اس قدر لغو اور بچگانہ ہیں کہ وہ میری نظر بندی کی اصل بنیاد نہیں ہو سکتے۔ یقیناً آپ کے ذہن کو کچھ اور تہمتوں کی مدد سے زہر آلود کیا گیا ہے۔ میری گرفتاری سے اگلے ہی روز آپ نے صحافیوں سے بات چیت کے دوران میری نظر بندی کی جو وجوہات بیان کی تھیں ان میں سے ایک بھی اس فہرست میں شامل نہیں جو میرے حوالے سے کی گئی ہے چنانچہ یہ واضح ہے کہ میری گرفتاری کی اصل وجوہات' سرکاری طور پر مجھے مہیا کی جانے والی وجوہات سے مختلف ہیں۔ میں ذیل میں ان "وجوہات" کا کھوکھلا پن واضح کرنا چاہتا ہوں

پہلی وجہ: "قیام پاکستان کے بعد سے اور خاص طور پر گزشتہ تین برسوں کے دوران آپ نے اندرون ملک اور بیرون ملک پاکستان دشمن عناصر سے میل جول رکھا"۔

میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا کہ آیا مجھے ملک کا وزیر قانون اور بعد ازاں وزیر اعظم بننے سے پہلے والے افعال کے لئے بھی جوابدہ ٹھہرایا جا رہا ہے یا نہیں۔ جن دنوں ہم کابینہ میں رفیق کار تھے میں نے کبھی آپ کے منہ سے کوئی ایسی بات نہیں سنی جس سے مجھے اندازہ ہو تا کہ آپ میری حب الوطنی کو قابل اعتراض سمجھتے ہیں۔ اگر آپ کو اصل حالات سے آگاہی ہوتی تو آپ کو احساس ہو تا کہ تقسیم ہند کے فوراً بعد ہندوستان میں ٹھہر کر میں نے بنگال کو اس طوفان سے بچا لیا تھا۔ جس نے پنجاب کو آگ اور خون میں نہلا دیا تھا۔ آپ قتل و غارت گری کی اس داستان سے بخوبی واقف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر بنگال میں بھی یہی کہانی دہرائی جاتی تو کسی مسلمان کے لئے ہندوستان میں ٹھہرنا ممکن نہ رہتا اور پناہ گزینوں کے اس سیل بے اماں کے سامنے پاکستان کے محدود وسائل خس و خاشاک کا بند ثابت ہوتے۔ جہاں تک گزشتہ تین برس کا تعلق ہے' میں اس کذب بیانی کی تردید کے علاوہ کیا کہہ سکتا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میں نے سیاسی سطح پر کسی سے بیرون ملک رابطہ نہیں کیا بلکہ میں نے ہمیشہ بیرون ملک پاکستانی سیاست کو موضوع گفتگو بنانے سے انکار کیا ہے۔ اب اس "بیرون ملک" کی ترکیب کو ہی لے لیجئے۔ کسی وضاحت کے بغیر اس مبہم الزام کی شافی تردید نہیں کی جا سکتی۔ انقلاب کے بعد میں گزشتہ 13 جولائی سے لیکر 13 نومبر تک ایک ہی بار ملک سے باہر گیا ہوں۔ ملک سے روانہ ہوتے ہوئے میں نے ارادہ کیا تھا کہ کسی قسم کے سیاسی عناصر سے رابطہ نہیں کروں گا اور اگر ایسا ہوا تو پاکستان کی داخلی صورت حال پر تبصرے سے گریز کروں گا اور میں اس ارادے پر قائم رہا۔ اب مجھے خیال آتا ہے کہ شاید مجھے بیرون ملک جانے کی اجازت اسی لئے دی گئی تھی کہ بعد ازاں اس قسم کے الزمات عائد کئے جا سکیں۔ چونکہ میں بیرون ملک انسانوں سے ملا تو ہوں لہٰذا اس "بیرون ملک روابط" کی اب میں کیا تردید کروں؟ جملہ معترضہ کے طور پر پوچھنا چاہتا ہوں کہ "پاکستان مخالف عناصر" سے آپ کی کیا مراد ہے۔ کہیں آپ کا اشارہ پاکستانی سفیر کی طرف تو نہیں' جن سے میں نے ملاقات کی تھی؟ میں پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں کسی ایک بھی ایسے شخص سے نہیں ملا جسے پاکستان۔ مخالف عناصر میں سے ایک قرار دیا جا سکے اور یوں بھی کسی ایسے شخص سے ملاقات میری گرفتاری کا مناسب قانونی جواز نہیں ہے کیونکہ اس سے پاکستان کے دفاع یا سلامتی کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو تا۔

اب "اندرون ملک پاکستان دشمن عناصر" سے گٹھ جوڑ کے الزام کو لیجئے۔ ایک بار پھر میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ "پاکستان دشمن عناصر" سے کون لوگ مراد ہیں۔ ان لوگوں کی نشاندہی کرنا مشکل نہیں ہونا چاہئے۔ کیا یہ عناصر پاکستانی شہری ہیں؟ پاکستان میں رہنے والے پاکستان دشمن عناصر سے گٹھ جوڑ تو در کنار' مجھے ایسے کسی شخص سے بات کرنے کا بھی اتفاق نہیں ہوا۔

میرے جیسا شخص جو مسلمان ہے' جسے مسلمانوں سے محبت ہے' ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کی فلاح اور بہتری جس کی سوچ کا محور ہے' یہ کیسے سوچ سکتا ہے کہ مشرقی پاکستان کے معصوم مسلمانوں کو' جنہوں نے مجھے اپنے اعتماد اور محبت سے نوازا ہے' ہندو بھارت کی آغوش میں ڈال دیا جائے۔ کیا آپ کا اشارہ علیحدگی کی طرف ہے؟ میں نے بیرون ملک دوسرے سے واپسی سے قبل کبھی اس امکان کا ذکر تک نہیں سنا تھا۔ مسلمانوں کے لئے پاکستان ایک وحدت ہے اور ناقابل تقسیم ہے۔ ہم پاکستان منزل حاصل کرنے کے لئے اپنی جانیں خطرے میں ڈالی تھیں اور اسی کے استحکام اور علامتی کے لئے جتن کرتے ہم بوڑھے ہوئے ہیں۔ ملک کے دونوں حصوں کی یک جہتی اور اتحاد ناگزیر ہے۔ اگر مشرقی پاکستان نے علیحدگی اختیار کی تو یہ بھارتی بالادستی' تباہی اور فوجی اقدام کے ذریعے ادغام کے خطرے کو کھلی دعوت ہو گی۔ علیحدگی کی کسی تجویز کے بارے میں میرا ردعمل یہی ہے۔ میں پھر سے اس خیال کا اعادہ کرتا ہوں کہ ہماری بہتری متحد رہنے اور مغربی پاکستان سے تعاون کرنے میں ہے۔

میں نے مشرقی پاکستان کے عوام کو اصول مساوات قبول کرنے پر آمادہ کیا تھا تاکہ اقلیت ہونے کے ناطے سے مغربی پاکستان کے عوام دل گرفتہ نہ ہوں۔ اگرچہ گذشتہ رپورٹوں میں اس پر کافی زور دیا گیا ہے امرواقعہ دہرانا چاہتا ہوں کہ میرے علاوہ کوئی شخص مشرقی پاکستان کے عوام کو اس سیاسی حق کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں کر سکتا تھا جسے تمام جمہوری معاشروں میں عزیز رکھا جاتا ہے۔ حق خود ارادیت کے اصول کی اہمیت اسی سیاسی حق کی مرہون منت ہے۔ میرا خیال تھا کہ پاکستان کی بقاء اور ترقی کے لئے مغربی پاکستان سے تعاون ازحد ضروری ہے اور یہ کہ اصول مساوات سے صوبائی کشمکش کا خاتمہ ہو جائے گا اور صوبائی سیاسی قوتوں کی بجائے ملک کے دونوں حصوں میں مشترکہ سیاسی جماعتیں فروغ پائیں گی۔ میں وزیر قانون کی حیثیت سے مشرقی پاکستان کا دورہ کیا اور ان گنت جلسوں سے خطاب کر کے عوام کو ترغیب دی کہ وہ اصول مساوات کو قبول کر لیں۔ اسی اصول کی بنا پر 1955ء میں پہلی بار دستور ساز اسمبلی کا انتخاب ہوا تھا (میں اس وقت وزیر قانون تھا)

مجھے مشرقی پاکستان سے غداری کا مرتکب ٹھہرایا گیا' مجھ پر الزام لگایا کہ میں مشرقی پاکستان کو رہن رکھ رہا تھا لیکن میں اپنے نقطہ نگاہ پر رہا اور متحدہ پاکستان کے نام پر کامیابی حاصل کی۔ کیا آپ اب سمجھتے ہیں کہ میں علیحدگی کی کسی تحریک کا حامی ہوں۔ مسٹر پریزیڈنٹ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایسے افسوسناک الزمات کے تحت مجھے نظر بند کر کے آپ نے میری افادیت غارت کر دی۔ میں نے کبھی کسی عہدے یا اقتدار خواہش نہیں کی اور نہ مجھے آج بھی اس کی ہوس ہے۔ لیکن اگر ضرورت پڑتی تو میں نے آگے بڑھ کر مشرقی پاکستان کے عوام کو متحدہ پاکستان کی افادیت اور اہمیت سے آگاہ کیا ہوتا اور مجھے یقین ہے کہ میری آواز موثر ثابت ہوتی۔

جناب صدر' کیا میں آپ کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے یہ فرض کر سکتا ہوں کہ اگر آپ نے میرے دشنام طرازوں کی اس الزام تراشی کا اعادہ نہ کیا ہوتا تو یہ بہت بہتر ہوتا' جو اب تک اتنی بار دہرائی جا چکی ہے کہ عام طور پر اسے امرواقعہ خیال کیا جانے لگا ہے۔ پاکستان' ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ایک گھر کے طور پر تخلیق کیا گیا تھا اور ہم نے اسی جذبے کے ساتھ مطالبہ پاکستان کی تائید کی تھی۔ بنگالی عوام اور خاص طور پر مغربی بنگال کے مسلمانوں کے ہندوؤں کے ہاتھوں بہت سختیاں برداشت کی تھیں اور پھر ہم نے پاکستان حاصل کر لیا۔ پاکستان ہمارا وطن ہے کوئی پناہ گاہ نہیں۔ ہمیں یہاں آنے کا حق حاصل تھا اور ہم یہاں چلے آئے۔ جی ہاں' اپنے وطن میں آئے تھے جس کی تخلیق میں ہمارا خون پسینہ بھی شامل تھا قانون شہریت کے نفاذ کے بعد اس امر کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا تھا کہ پاکستانی شہری ہوتے ہوئے ہندوستان میں رہائش اختیار کی جائے چنانچہ میں نے پاکستان آنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں بڑے ادب سے آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ فروری 1949ء تک میں پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کا رکن تھا۔ میرے لئے پاکستان میں پناہ حاصل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جب میں نے پاکستان میں رہائش اختیار کرنے اور 5 مارچ 1949ء کو مستقل طور پر پاکستان منتقل ہونے کا اعلان کیا تو مسلم لیگ وزارت کی انگیخت پر مسٹر تمیز الدین خاں نے 26 فروری 1949ء کو مجھے دستور ساز اسمبلی کی رکنیت سے محروم کر دیا۔ میرے خیال میں اگر قائداعظم حیات ہوتے تو انہوں نے ایسے اقدام کی اجازت نہ دی ہوتی۔ کیا آپ اب بھی یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے پاکستان میں پناہ حاصل کی تھی؟ بے شک میں ایک مہاجر ہوں لیکن قائداعظم بھی تو مہاجر تھے۔ لیاقت علی خاں بھی تو مہاجر تھے اور اسی طرح وہ لاکھوں لوگ بھی تو مہاجر ہیں جو اپنے اس گھر میں چلے آئے تھے جس کی ضمانت قائداعظم نے دی تھی۔

جناب صدر' امید ہے کہ آپ برا نہیں منائیں گے اگر میں یہ کہوں کہ میرے متعلق آپ کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ میری نظربندی کی اصل بنیاد یہ خدشہ ہے کہ اگر میں جیل سے باہر رہا تو مستقبل قریب سے نافذ ہونے والے آئین پر عمل درآمد میں کھنڈت ڈالوں گا ورنہ اس بیان میں اس خدشے کے اظہار کی کوئی وجہ نہیں تھی جس میں آپ نے میری گرفتاری کی وجوہات بیان کی تھیں۔ بہتر ہوتا کہ ایسا قدم اٹھانے سے قبل آپ نے میرا ردعمل معلوم کر لیا ہوتا۔ یہ تو مسلمہ امر ہے کہ میں ایسے آئین کا گرم جوشی سے خیر مقدم نہیں کر سکتا جو آپ نافذ کرنے والے ہیں۔ اخبارات میں خواہ کچھ ہی شائع کیا جائے' پاکستان کے تقریباً نناوے فی صد عوام اس آئین کے بارے میں میرے خیالات کی تائید کرتے ہیں۔

عام طور پر کمیونسٹوں اور ان کے حقیقی یا مصنوعی ہم خیالوں کو پاکستان مخالف سمجھا جاتا ہے۔ گذشتہ برسوں کے دوران ایسے کسی شخص سے میرا گٹھ جوڑ تو درکنار' میرا رابطہ تک نہیں ہوا۔ جہاں تک غیر ملکیوں کا تعلق ہے تو

کیا یہ فہرست صرف سفارت کاروں تک محدود ہے یا اس میں غیر سفارت کار بھی شامل ہیں؟ دونوں صورتوں میں ایسے افراد کی نشاندہی کرنا زیادہ مشکل نہیں ہونا چاہئے۔ میں پورے اعتماد سے کہہ سکتا ہوں کہ میری کسی ایسے غیر سفارت کار شخص سے آشنائی نہیں ہو پاکستان مخالف ہو یا اس کا تعلق کسی ایسے ملک سے ہو جسے عام طور پر پاکستان مخالف سمجھا جاتا ہے۔ اگر ان عناصر سے مراد سفارت کاری سے متعلقہ حضرات ہیں تو بھی میں کسی پاکستان مخالف عنصر سے رابطے کا مرتکب نہیں ہوا۔ ممکن ہے کہ سماجی تقریبات میں دیگر پاکستانیوں کی طرح مجھے بھی ایسے افراد سے ملاقات کا موقع ملا ہو تو عام طور پر پاکستان مخالف سمجھے جانے والے ممالک سے تعلق رکھتے ہوں لیکن ایسے کسی رابطے اس گٹھ جوڑ کا نام نہیں دیا جا سکتا جس کا ذکر میری گرفتاری کے پہلے "سبب" میں کیا گیا ہے۔ میں دعویٰ کرتا ہوں کہ میری حب الوطنی شک و شبے سے بالا تر ہے اور اس قسم کے کسی رابطے سے اس پر حرف نہیں آ سکتا۔

مجھے یہ جان کر انتہائی صدمہ ہوا کہ مبینہ طور پر آپ نے ڈھاکہ میں یہ بھی کہا (اگرچہ اسے میری گرفتاری کی رسمی "وجوہات" میں شامل نہیں کیا گیا) "اس سے (یعنی سہروردی سے) کچھ بعید نہیں کہ اس نے پاکستان کے دشمنوں سے مالی امداد بھی حاصل کی ہو" معاف کیجئے گا جناب صدر کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ اس قدر سنجیدہ الزام عائد کرنے کے لئے آپ کے پاس کیا جواز تھا" یہ امر میری فہم سے بالا تر ہے کہ آپ کو ایسے بیان پر اکسانے کے لئے کس قسم کی غلیظ اور بنی دروغ اطلاعات آپ کو پہنچائی گئی ہوں گی۔ کسی شخص کے کردار پر اس گھٹیا حملہ نہیں کیا جا سکتا میں اس الزام کی تردید میں سوائے اس کے کیا کر سکتا ہوں کہ آپ سے انصاف اور ایمانداری سے کام لینے کی درخواست کروں۔

جناب صدر' میں ایک غریب آدمی ضرور ہوں اور غریب آسانی سے بھٹک جایا کرتے ہیں لیکن میں نے کبھی ایسی غلیظ حرکتوں کی گراوٹ قبول نہیں کی۔ میری تالیف قلب کے لئے تو یہ یقین ہی کافی ہے کہ ملک کے اندر اور باہر کوئی بھی اس الزام پر یقین نہیں کرے گا سوائے ان لوگوں کے جو اسے درست سمجھنا چاہتے ہیں۔ صحافیوں کے ساتھ آپ کی گفتگو سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ میری نظر بندی غیر حقیقی "اسباب" کی بنیاد پر عمل میں لائی گئی ہے۔ ایسے تمام واضح اور دو ٹوک الزامات جو آپ نے عائد کئے ہیں اور جنہیں ثابت یا رد کیا جا سکتا ہے' میری نظر بندی کے "اسباب" کی اس فہرست میں شامل نہیں کئے گئے جو مجھے مہیا کی گئی ہے۔

میں آپ کے عائد کردہ دیگر الزامات پر آگے چل کر مزید بات کروں گا بشرطیکہ نظر بندی کے اسباب پر معروضات کے دوران ان کا احاطہ نہ ہو سکا۔ درحقیقت' جناب صدر' آپ نے صحافیوں سے گفتگو کے دوران میری گرفتاری کی جو وجوہات بیان کی ہیں وہ ان "اسباب" سے قطعی طور پر مختلف ہیں جو مجھے سرکاری طور پر مہیا کئے گئے ہیں۔

پیرا گراف نمبر 2: میں نے کچھ دوست ممالک کو پاکستان سے برگشتہ کرنے کے لئے اپنا اثر و رسوخ اور ذاتی تعلقات استعمال کئے۔

مجھے یہ جان کر کچھ برخود غلط سی مسرت ہوئی ہے کہ میں کچھ ذاتی اثر و رسوخ رکھتا ہوں۔ دراں حالیکہ ذاتی اثر و رسوخ جیسی کسی شے کا وجود آپ کے عہد اقتدار میں عنقا ہے میں ایک بار پھر سے سمجھنے سے قاصر ہوں کہ "ذاتی تعلقات" سے آپ کا اشارہ کس طرف ہے۔ بظاہر آپ پاکستان کے دوست ممالک کے کچھ سفارت کاروں اور غیر سفارتی باشندوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جن کا نام نہیں لیا گیا۔ پہلی بات تو یہ کہ اپنے منصب سے علیحدگی کے بعد میں نے کسی سے باقاعدہ رابطہ نہیں رکھا تاہم غیر ملکی سفارت خانوں کے ساتھ کسی بھی شہری کے تعلقات ہو سکتے ہیں یا وہ حضرات اقتدار سے باہر کسی شخص کی طرف دوستانہ رویہ رکھ سکتے ہیں۔ تاہم ان لوگوں کی پہلی ترجیح حکومت کے ساتھ خوشگوار تعلقات ہوتے ہیں اور امکان ہوتا ہے کہ وہ محروم اقتدار صاحبان کو شک و شبے کی نظر سے دیکھیں گے۔ دوسری بات یہ کہ کیا ان سفارت خانوں میں سے کوئی شخص اتنا احمق ہو سکتا ہے کہ وہ یہ راز فاش کر دے کہ میں نے پاکستان کے مفادات کے خلاف کس جذبات کا اظہار کیا ہے یا یہ کہ میں پاکستان مخالف خیالات سوائے اس کے وہ آپ کی خوشامد کرنا چاہتا ہو اور آپ کو یہ بتائے کہ میں نے دوست ممالک کو پاکستان سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی ہے جب بھی کبھی میں نے پاکستان کے بارے میں کسی سے بات کی ہے اور ایسے مواقع کم کم ہی آئے ہیں۔ میں نے ہمیشہ پاکستان کے لئے امداد کی ضرورت پر زور دیا ہے اور اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ اس قسم کی اعانت سے پاکستان کی خود مختاری پر حرف نہیں آنا چاہئے۔

جناب صدر' شاید آپ کو علم نہ ہو اس لئے میں آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ پاکستان میری زندگی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں نے اس ملک کی تخلیق میں اہم کردار ادا کیا تھا مسلم اکثریتی صوبوں میں سے بنگال وہ واحد صوبہ تھا جس نے قائداعظم کو مسلم لیگ کی وزارت دی تھی۔ بنگال قائداعظم کے ہاتھ میں ترپ کا وہ پتا تھا جس کے باعث کانگریس کو تقسیم ہند قبول کرنا پڑی مسلم لیگ کو بنگال میں قابل قبول بنانے کے لئے اور مطالبہ پاکستان کی پذیرائی کے لئے مجھے اپنی معاش' صحت اور سلامتی کو خطرے میں ڈال کر دن رات کام کرنا پڑا۔

میں بنگال کی صوبائی مسلم لیگ کا سیکرٹری تھا اور اس کی ساری ذمہ داری میرے کندھوں پر تھی۔ مقامی رہنما اپنے متعلقہ حلقوں میں ہماری کچھ نہ کچھ مدد کرتے تھے لیکن پھر بھی مجھے دور افتادہ دیہات میں جا کر مسلمانوں سے مخاطب ہونا پڑا۔ جس نے دیہاتی ذرائع آمدورفت پر ٹوٹی پھوٹی سڑکوں پر اور چھوٹی چھوٹی کشتیوں کے ذریعے دور دراز کے سفر کئے جہاں چھت میسر آتی قیام کر لیتا' کھانے کو جو ملتا کھا لیتا اور پاکستان کے پیغام کو گھر گھر پہنچاتا رہا۔ مجھے اس دوران پتھراؤ کا بھی سامنا کرنا پڑا اور میں مرتے مرتے بچا۔ مخالفین کے

برچھوں کا بھی سامنے کرنا پڑا- میں نے یہ سب کچھ پاکستان کے لئے کیا- اپنے گھروں میں بیٹھ رہنے والے میری بوئی ہوئی فصل کا پھل کاٹتے رہے اور آج تک کاٹ رہے ہیں- میں نے بنگال میں رائے عامہ کو مسلم لیگ کے نقطۂ نگاہ اور پاکستان کے حق میں ہموار کیا-

جناب صدر' آپ کو برصغیر کے دوسرے کنارے پر رہتے ہوئے ان معاملات کا علم نہیں ہو سکتا' اس کے لئے برسوں درکار تھی میری زندگی کے دس بہترین سال اس جدوجہد میں صرف ہوئے اور تب ہمیں 1946ء کی فتح نصیب ہوئی تھی اور پھر مجھ پر یہ الزام لگا کہ میں نے دوست ممالک کو پاکستان سے برگشتہ کرنے کی کوشش کہ میں نے دوست ممالک کو پاکستان سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی ہے' جناب صدر مجھے کہنے دیجئے کہ ایک قابل مذمت جھوٹ ہے- میری تو یہ خواہش ہے کہ یہ تمام دوست ممالک ہمارے اور بھی قریب آجائیں اور اگر کبھی ضرورت پیش آئے تو ہماری مدد کو پہنچیں-

پروگرام نمبر3: مجھ پر الزام لگایا گیا ہے کہ میں نے گذشتہ تین سالوں کے دوران 7 بیرون ملک ایسے عناصر سے گٹھ جوڑ کئے رکھا ہے جو موجودہ حکومت کی نافذ کردہ اصلاحات کی کھلے بندوں مخالف کر رہے ہیں-

یہ الزام بھی بے حد واضح ہے بلکہ اس الزام سے تو وہ سوال یاد آتا ہے "تم نے آخری بار اپنی بیوی کی پٹائی کب کی تھی؟" یعنی اگر کھل کھلا نہیں تو خفیہ ساز باز کو امر مسلمہ قرار دیا جا رہا ہے اور میں اس قسم کے کسی گٹھ جوڑ کی سختی سے تردید کرتا ہوں- ایک دفعہ پھر یہ واضح نہیں ہے کہ ان عناصر سے کون لوگ مراد ہیں جو مختلف اصلاحات کی کھلے بندوں مخالف کر رہے ہیں-

سچ تو یہ ہے کہ یہ الزام اس قدر لا معنی ہے کہ میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ اس کا اشارہ خود انقلاب کی طرف تو نہیں ہے ____ یعنی موجودہ حکومت کی اصلاحات کی بجائے خود موجودہ حکومت کو ایک اصلاح تو قرار دیا جا رہا ہے- یقیناً اس الزام کا یہ مفہوم نہیں ہے مجھے یقین ہے کہ آپ تسلیم کریں گے کہ عوام کو انقلاب کے بارے میں مختلف نقطہ ہائے نگاہ رکھنے کا حق حاصل ہے کچھ آئینی ماہرین کا خیال ہے کہ 1956ء کے آئین میں ایسے اختیارات موجود تھے جنہیں بروئے کار لا کر آئین کو معطل کئے بغیر وہ سب کچھ کیا جا سکتا تھا جو انقلابی حکومت نے اصلاح احوال کے لئے کیا ہے-

میرا ہمیشہ سے یہ نقطہ نظر رہا ہے کہ جواز یا عدم جواز سے قطع نظر' جب ایک بار فوجی حکومت قائم ہو جائے اور صاحبان فوج اقتدار سنبھال لیں تو پھر انہیں پورا موقع ملنا چاہئے کہ اپنی بہتری صلاحتیں صرف کر کے ملک کی خدمت کریں تا آں کہ اللہ کی مہربانی سے ملک میں دوبارہ قیام جمہوریت کی طرف لوٹنے کا خواہشمند ہے اور جناب صدر' خود آپ نے اس حقیقت کا ادراک کرتے ہوئے ملک کو اسی سمت گامزن کرنے کا وعدہ کیا ہے- مجھے اس اعتراف میں کوئی باک نہیں کہ خود میری خواہش بھی یہی ہے اور یہ امر قطعی طور پر غیر اہم ہے کہ بحالی جمہوریت کی صورت میں' میں اقتدار میں رہوں یا اقتدار سے باہر- بایں ہمہ جمہوریت کے لئے میری رغبت کا مختلف عناصر سے گٹھ جوڑ وغیرہ کرنے سے کوئی تعلق نہیں- درحقیقت مجھے موجودہ حکومت کی نافذ کردہ بہت سے اصلاحات سے اتفاق نہیں ہے- موجودہ حکومت نے یہ اصلاحات اپنے وسیع صوابدیدی اختیارات کے بل بوتے پر نافذ کی ہیں- ان اصلاحات کی نوعیت ایسی ہے کہ اگر کسی جمہوری حکومت کو بھی ایسے ہی وسیع صوابدیدی اختیارات مل جاتے تو بھی ان قوانین کو ایک طویل آئینی جدوجہد اور کشاکش کے بعد ہی نافذ کیا جا سکتا تھا-

پیراگراف چہارم: مجھ پر الزام عائد کیا گیا ہے کہ میں نے مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے مختلف شہروں میں ایسے خفیہ مراکز قائم کئے ہیں جہاں پر موجودہ حکومت کے کارناموں کے خلاف پروپیگنڈا کیا جاتا ہے- اس الزام کے خالق کی قوت متخیلہ کی داد دینا پڑتی ہے- پہلی بات تو یہ کہ قانونی اور آئینی روایات میں پروان چڑھنے اور قائداعظم کے آئینی طریقہ کار کا پیروکار ہونے کے ناطے میں کسی قسم کی خفیہ' زیرزمین اور مبنی بر سازش سرگرمیوں میں حصہ لینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا-

اس قسم کی سرگرمیوں کے لئے جس قسم کے رجحان طبع' اہلیت' وسائل' علم اور تجربے کی عائد کی تو دیگر تنظیموں کے ساتھ ہی میری سیاسی جماعت بھی ختم ہو گئی- یہ ایک حقیقت ہے جماعتوں پر پابندی عائد کرنے سے عوام کی سیاسی سوچ ختم نہیں ہو جایا کرتی اور یہ ایک کھلا راز ہوتا ہے کہ سیاسی کارکن اپنی سابقہ سیاسی جماعتوں سے ذہنی وابستگی برقرار رکھتے ہیں- لیکن جہاں تک ایک باقاعدہ سیاسی تنظیم کے طور پر کام کرنے کا تعلق ہے آپ کے حکم کے بعد میری جماعت کالعدم ہو کر رہ گئی اور تمام عہدیداران بھی اپنی حیثیت کھو بیٹھے- یہ انتہائی مضحکہ خیز بات ہے کہ میں نے ملک کے دونوں حصوں کے مختلف شہروں میں خفیہ دفاتر یا مراکز قائم کئے ہیں- اپنی پیشہ وارانہ قانونی مصروفیات کے ضمن میں' میں نے اس عرصے میں صرف کراچی (جہاں میں مستقل طور پر رہتا ہوں) لاہور' چٹاگانگ اور ڈھاکہ کا دورہ کیا ہے- میرے دوستوں اور مؤکلین نے مجھے مختلف شہروں میں اپنی قیام گاہوں پر بطور مہمان مدعو کیا تھا تاکہ سیاست سے فراغت کے باعث میں کچھ آرام کر سکوں لیکن میں ایسی دعوتیں قبول کرنے سے انکار کر دیا- اس لئے نہیں کہ مجھے خدشہ تھا کہ اگر میں نے ان شہروں کا دورہ کیا تو مجھے خفیہ مراکز قائم کرنے کا مرتکب ٹھہرایا جائے گا...... میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس قسم کا عجوبہ روزگار خیال بھی کسی ذہن رسا پر نازل ہو سکتا ہے) میں نے تو ان دعوتوں کو قبول کرنے سے محض اس لئے انکار کیا کہ مجھے اپنی پیشہ وارانہ مصروفیات سے وقت نہیں ملتا' میں سفر کی کوفت سے گھبراتا تھا اور یہ کہ میں دانستہ" لوگوں سے میل ملاقات سے حتی الامکان احتراز کر رہا تھا- اگر میں مذکورہ بالا خفیہ مراکز کے قیام میں دلچسپی رکھتا تو یہ دعوتیں اس ضمن میں بے حد مفید ثابت ہو سکتی تھیں لیکن مشکل تو یہ ہے کہ یہ دعوتیں اس ضمن میں بے حد

مفید ثابت ہو سکتی تھیں لیکن مشکل تو یہ ہے کہ میں اس فن لطیف سے بے بہرہ ہوں۔ میں سوال کرتا ہوں کہ میں نے کہاں خفیہ مراکز قائم کئے ہیں۔

پیراگراف 5: میں اس سبب کو دو حصوں میں تقسیم کرنا چاہوں گا۔

حصہ اول: مجھ پر الزام عائد کیا گیا ہے کہ میں "مسلسل (براہ کرم مسلسل کے لفظ کو ذہن میں رکھئے۔) کالعدم عوامی لیگ کے رفقائے کار اور کارکنوں میں پاکستان کے خلاف نفرت اور تحقیر" بڑے سخت الفاظ ہیں۔ نفرت اور تحقیر پھیلانے کے لئے سخت الفاظ کی ہی ضرورت ہوتی ہے۔ عدالت میں الزام عائد کرتے ہوئے متعلقہ دفعہ کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ بڑی احتیاط کے ساتھ معاملے کے سیاق و سباق کا جائزہ لیا جاتا ہے اور پھر کسی نتیجے پر پہنچا جاتا ہے۔ بیانات کے مختلف اقتباسات کو کافی شہادت، تسلیم نہیں کیا جاتا۔ کیا اس الزام کی تائید میں کوئی ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے۔ بظاہر یہ الزام بھی مضحکہ خیز ہے۔ میں اس حقیقت سے انکار نہیں کرتا کہ کالعدم عوامی لیگ کے کچھ میرے رفقاء نے اپنے مقدسات کے سلسلے میں مجھ سے رابطہ کیا ہے لیکن ان کے درمیان "نفرت اور تحقیر" کے جذبات پھیلانے سے مجھے کیا فائدہ مل سکتا ہے؟۔ پاکستان کے خلاف نفرت پھیلانے کی آخر کیا تک بنتی ہے؟ کیا مجھے اس اضحوکہ روزگار الزام کو رد کرنے کی ضرورت ہے؟ کیا میرا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے جو میں اس قسم کی لغویات میں الجھتا پھروں۔ جو لوگ عدالت میں مجھ سے ملے ہیں ان میں سے تو کسی نے میرے خلل دماغ کی نشاندہی نہیں کی۔

حصہ دوم: میں نے اصلاحات سے متاثر ہونے والے افراد سے وعدے وغیرہ کئے ہیں۔ خدا کے لئے یہ تو بتا دیجئے کہ کہاں؟ وہ کونسے مفادات ہیں جو اصلاحات سے مجروح ہوئے ہیں اور میں ان کی تلافی کے وعدے کر رہا ہوں؟ میرے خیال میں واحد مراعات یافتہ طبقہ جس کے مفادات کو اصلاحات سے زک پہنچی ہے وہ مغربی پاکستان کا جاگیردار طبقہ ہے۔ جناب صدر، غالباً یہ حقیقت آپ کے علم میں نہیں ہے کہ اس سے کہیں زیادہ سخت زرعی اصلاحات عوامی لیگ کے پروگرام میں ترجیحی طور پر شامل تھیں اور شاید آپ کو یہ بھی علم نہیں ہے کہ میں نے بنگال کے غریب مزارعین کو ان کے حقوق دلوانے کے لئے جاگیرداروں کے خلاف کس قدر مستقل مزاجی سے جدوجہد کی تھی۔ یہ الزام اس قدر عمومی ہے کہ میں نے اپنی فہم کے مطابق اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ کیا آپ کا کوئی معتمد یا دفاتر میں تشریف فرما صاحبان میں سے کوئی شخص مجھے یہ بتانے کی زحمت کرے گا کہ میں نے کہاں اور کونسے جاگیردار سے وعدے وعید کئے تھے اور کن حالات میں؟

پیراگراف 6: الزام عائد کیا گیا ہے کہ میں نے آج تک تصور پاکستان کو صمیم قلب سے قبول نہیں کیا۔ جناب صدر آپ اس وقت میرے رفیق کار رہے ہیں جب میں وزیراعظم تھا۔ کیا آپ اس الزام کی صحت پر یقین رکھتے ہیں۔ تصور پاکستان کے لئے میں نے کیا کیا ہے اور کیا صعوبتیں اس راہ میں اٹھائی ہیں کچھ میں ہی جانتا ہوں۔ میں آپ کی توجہ اس تقریر کی طرف دلانا چاہتا ہوں جو میں نے دہلی میں مسلم لیگ کے آخری کنونشن میں کی تھی (اس تقریر کا عنوان تھا: پاکستان میری زندگی ہے) تاکہ آپ کو علم ہو سکے کہ یہ الزام آپ کی انتظامیہ میں موجود کسی سنڈا مغفن دماغ کی اختراع ہے۔

پیراگراف 7: "خارجہ پالیسی پر جس کی تشکیل میں آپ نے بھی بنیادی کردار ادا کیا تھا بلا جواز تنقید کر کے آپ موجودہ حکومت کے لئے مشکلات پیدا کر رہے ہیں"۔ میں ان حکام کا شکر گزار ہوں جنہوں نے ازراہ عنایت یہ تسلیم کیا کہ میں نے پاکستان کی خارجہ پالیسی کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اب اس خارجہ پالیسی کی تشکیل نو، ترمیم اور اس کے اطلاق حکومت وقت کی ذمہ داری ہے۔

اور اب، جناب صدر، مجھے اجازت دیجئے کہ اپنی گرفتاری کے سرکاری "اسباب" پر اپنی مصروفیات کے بعد ایک بار پھر صحافیوں سے آپ کی اس گفتگو کا ذکر کروں جس میں آپ نے میری گرفتاری کے "اسباب دگر" پر روشنی ڈالی تھی۔ آپ کی بیان کردہ وجوہات ہی میری گرفتاری کی اصل بنیاد ہیں۔ غالباً مجھے مہیا کی جانے والی فہرست فائل کا گھر پورا کرنے کے لئے تیار کی گئی ہے۔

اپنے بیان کے پہلے حصے میں آپ نے کہا ہے کہ میں ابتدائی طور پر مشرقی پاکستان کی شکست و ریخت اور پھر پورے ملک کی تباہی کے درپے ہوں۔" مشرقی پاکستان کی شکست و ریخت" سے آپ کی کیا مراد ہے کیا میں اس کے حصے بخرے کرنے کی فکر میں ہوں؟ یا پھر آپ کے اسی بیان کے ایک دوسرے اقتباس کے مطابق مجھ سے یہ بھی بعید نہیں کہ میں نے پاکستان کی شکست و ریخت کے مقصد واحد کے لئے میرا آلہ کار بننے کو تیار ہیں۔ غالباً آپ کا مطلب یہ ہے کہ میں مشرقی پاکستان کو ہندوستان میں مدغم کرنے کے لئے بھارت سے مالی امداد وصول کر رہا ہوں۔ جناب صدر، اسے ایک بار پھر دل پر ہاتھ رکھ کر کہئے اور اللہ ہمارے درمیان خود ہی انصاف کر لے گا، اسی دنیا میں یا اگلے جہاں میں۔ کیونکہ اگر آپ کے یہی جذبات ہیں تو پھر مجھے زندہ نہیں رہنا چاہئے۔ کاش کہ آپ کو علم ہوتا کہ ہندو بھارت میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں اور بنگال کے ہندوؤں کے لئے میری موت سے بڑھ کر کوئی خوشی نہیں ہو سکتی۔ ان کے لئے اس سے بڑی مسرت کوئی نہیں ہو سکتی کہ مجھے کسی گاؤ سے کے کلہاڑے پر بھینٹ کر دیا جائے۔

ہندو بھارت یا ہندو بنگال کے ساتھ ادغام کا خیال بھی صرف پاکستان کے ساتھ ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام سے غداری کے مترادف ہے۔ یہ عمل بنگالی مسلمانوں کو ہندو تعصب کی قربان گاہ پر بھینٹ کرنے کے مترادف ہو گا۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ مجھے اس کا احساس نہیں ہے۔ میں بہت سوں سے کہیں زیادہ واضح طور پر دیکھ رہا ہوں کہ ہندوستان میں انتہا پسند ہندو ازم کی لہر اونچی ہو رہی ہے اور ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کا وجود خطرے میں پڑ گیا ہے۔

پاکستان — بیرونی دنیا کی نظر میں

انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل افیرز، کراچی میں تقریر،

20 اگست 1960ء

بیرون ملک ہماری پبلسٹی اخبارات، ریڈیو، ٹیلی ویژن، فلموں اور مطبوعات جیسے مختلف ذرائع ابلاغ سے کی جاتی ہے۔ مزید برآں بیرون ملک ہمارے نمائندے مباحثوں، سیمیناروں اور لیکچروں کا اہتمام کرتے ہیں جن کی حوصلہ افزائی ان ملکوں میں ہمارے نمائندوں کی طرف سے کی جاتی ہے۔

غیر ملکی پبلسٹی کا چونکہ خارجہ پالیسی سے گہرا تعلق ہوتا ہے اس لئے آج کل ہم نے اندرون ملک ایسے انتظامات کر رکھے ہیں جن کے تحت وزارت خارجہ اور وزارت اطلاعات میں کامل رابطہ ہے۔

یہ امر حیران کن ہے کہ عالمی رائے عامہ کو پاکستان نے سب سے زیادہ اس دور میں متاثر کیا جب کہ مالی مشکلات کی وجہ سے ہم نے اپنے بعض بیرونی مشنوں سے پریس اتاشی واپس بلالئے تھے۔ اس کی وجہ محض یہ تھی کہ اندرون ملک ہماری کارکردگی نمایاں تھی۔ اور پاکستان کی کامیابی کا ریکارڈ اس قدر موثر تھا کہ دنیا اس ابھرتی ہوئی قوم کو نظرانداز نہیں کر سکتی تھی جس نے عزت نفس اور عزو وقار کو دوبارہ پالیا تھا اور جو آگے بڑھنے اور عالمی امن میں اپنا کردار ادا کرنے کا عزم کر چکی تھی۔

یہ ہمارا مسلمہ اصول ہے کہ بلند بانگ دعاوی سے گریز کی جائے کیونکہ کوئی تشہیر اس وقت تک موثر نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ سچائی کے قریب نہ ہو۔ حکومت اپنی کارکردگی کا ایسا موثر ریکارڈ تیار کرتی ہے اور محفوظ رکھتی ہے جس کا دنیا بھر میں فراخدلی سے اعتراف کیا گیا ہے۔ پبلسٹی کسی طور بھی کارکردگی کا بدل نہیں ہو سکتی اور کوئی ملک بھی بیرون ملک اپنا پرچم اتنا بلند نہیں کر سکتا جتنا اندرون ملک ہو سکتا ہے۔

ہماری خارجہ پبلسٹی کا مقصد ایسی بین الاقوامی فضا پیدا کرنے میں مدد دینا ہے جس میں پاکستان اپنے وقار کو برقرار رکھ سکے اور امن و سلامتی کی طرف پیش قدمی کر سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے ہمیں ایسے دوستوں کی ضرورت ہے جنہیں ہماری سلامتی، سالمیت اور خوشحالی سے دلچسپی ہو۔

ہم ان اصولوں کی بنیاد پر مبنی اقوام متحدہ سے قریبی طور پر وابستہ ہیں۔ انصاف پر مبنی عالمی امن و سلامتی کے قیام و حصول اور اسے برقرار رکھنے کے لئے اس کے منشور کا حصہ ہیں۔

خارجہ پبلسٹی کا عمومی مقصد پاکستان کے لئے خیرسگالی کی فضا پیدا کرنا اور ان تصورات کی ترویج و اشاعت ہے جن کا پاکستان علمبردار ہے۔ مزید برآں اس کا مقصد دوسرے ممالک سے دوستانہ اور ثقافتی تعلقات کو وسعت و فروغ دینا اور ان کے ساتھ صحیح قسم کے تعلقات قائم رکھنے میں حکومت کی مدد کرنا ہے۔

ہم بہت کچھ کر سکتے ہیں لیکن ہمیں خود کو حالات کے مطابق ڈھالنا ہے۔ اس لئے ہمیں اپنی پبلسٹی کے طریقہ کار کو متوازن بنانے کے لئے گہرے سوچ بچار کے ایک مشکل عمل سے دوچار ہونا پڑا، کیونکہ ماضی میں اس کا کوئی مقصد یا سمت نہ ہونے کی بنا پر ہمیں خاصا نقصان اٹھانا پڑا۔ اگر اس شعبے میں کام کرنے والے کارکن اس بات کا واضح شعور رکھتے ہوں کہ اندرون ملک ان سے کیا توقعات وابستہ کی جاتی ہیں تو انہیں مرکز سے واضح لیکن جامع اور مسلسل ہدایات ملنا انتہائی ضروری ہیں۔

طویل المیعاد بنیادوں پر ہماری خواہش ہے کہ ہم دنیا کے تمام بڑے ممالک کی زبانوں میں پاکستان پر ایک مستند کتاب تیار کریں جو ان ممالک میں مفت تقسیم کی جائے تاکہ بنیادی حقائق اور ہماری تحریک آزادی کے پس منظر میں کارفرما فلسفہ صحیح سیاق و سباق میں ان کے سامنے رکھا جا سکے۔

خارجہ پبلسٹی کے ان مناسب و متوازن انتظامات کے نتائج نہایت واضح ہیں اور یہ محض اتفاق نہیں کہ مصور پاکستان کی تصانیف کا انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اطالوی، چینی اور عربی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

پاکستان جو 1947ء میں ایک نامانوس نام کے ساتھ دنیا کے نقشہ پر ابھرا تھا، آج خدا کے فضل و کرم سے اقوام عالم کی برادری میں اپنا جائز مقام حاصل کر چکا ہے۔ جیسا کہ میں نے قبل ازیں کہا ہے، پبلسٹی کارکردگی کا بدل نہیں ہو سکتی بلکہ اسے ہمارے اندرون ملک سخت جدوجہد اور قربانیوں سے پوری طرح ہم آہنگ ہونا چاہئے، تاکہ بیرون ملک ہمارا وقار بلند ہو اور فروغ حاصل کرے۔ اسی لئے ہماری خارجہ پبلسٹی کی کامیابی کا انحصار ہماری اندرون ملک کارکردگی پر ہے۔

یہ سب کچھ محض ہماری اندرون ملک کارکردگی اور ہر سطح پر ایمانداری نیز سخت جدوجہد کی وجہ سے ممکن ہوا ہے کسی بھی میدان میں کامیابی کا کوئی مختصر راستہ نہیں ہوتا۔

نصب العین کے حصول کے لئے ہمارا اخلاص ہی ملک کے اندر اور بیرونی ملکوں میں ہمارا وقار بڑھائے گا۔ آپ اور ہم بھی بیرون ملکوں میں پاکستانی بھائیوں کو ایک آزاد ترقی پذیر اور دوربین معاشرے کا باوقار نیز ان کی حیثیت سے سر اونچا کر کے جینے کے قابل بنا سکتے ہیں۔ خوشی کی بات ہے کہ یہ معاشرہ پاکستان میں جنم لے رہا ہے۔

تخفیف اسلحہ کے مسائل

سندھ یونیورسٹی کے جلسہ تقسیم اسناد سے خطاب

مورخہ 30 مارچ 1962ء

یہ دنیا پرانی نسل سے زیادہ آپ کی ہے، اس لئے آپ پر لازم ہے کہ ان مسائل پر گہری نظر رکھیں جن کا دنیا کو آج سامنا ہے۔

تمام عالمی رہنما اس پر متفق ہیں کہ تخفیف اسلحہ کا مسئلہ' جس کا آج ہمیں سامنا ہے' نہایت اہم مسئلہ ہے۔ مسٹر خروشچیف نے اسے سوالوں کا سوال اور مسئلوں کا مسئلہ قرار دیا ہے۔ نوع انسانی کو تخفیف اسلحہ یا تباہی میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہو گا۔ ایٹمی جنگ' بعض کی برعکس رائے کے باوجود نوع انسانی کو ختم کر دے گی۔

17 اقوام کی کانفرنس میں جو ان دنوں جنیوا میں ہو رہی ہے' اسلحہ کی ہر آن بڑھتی ہوئی دوڑ کو روکنے کے امکانات تلاش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اس وقت روسی بلاک اور مغربی دنیا کے درمیان خطرناک سا فوجی توازن ہے۔ ہر فریق کی صلاحیت پر یہ ایک ناگہانی بوجھ ہے کہ وہ دوسرے فریق سے تباہ کن ہتھیار کی' جن کی تباہ کرنے والی طاقت میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے' تیاری کے شدید مقابلے میں دوسرے فریق کے ہم پلہ رہے۔ اس بارے میں کسی ایک فریق کی فنی سبقت اس توازن کو تباہ کر دے گی اور دنیا کو آخری تباہی کے پاتال میں پھینک دے گی۔

گذشتہ چند ہفتوں سے ہم یہ پڑھ رہے ہیں کہ روس عوامی تباہی کے ایسے خطرناک ہتھیاروں کے تجربات میں کامیاب ہو گیا ہے۔ جیسے 70 میگاٹن ہائیڈروجن بم اور ایسے زمینی راکٹ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے سامنے ایٹمی میزائل کا دفاعی نظام اور اچانک حملے کے خلاف دفاع کے تمام انتظامات ہیچ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ممالک متحدہ امریکہ بھی اس سے غافل نہیں ہے' اس نے حال ہی میں ایک نئے انٹر کانٹی نینٹل بیلسٹک میزائل کا تجربہ کیا ہے جس کی مار غیر محدود ہے' اور اس کے ذریعے ایٹمی ہتھیاروں کو دنیا کے کسی کونے میں بھی پھینکا جا سکتا ہے۔ دنیا کی بڑی طاقتیں انتہائی کوشش کر رہی ہیں کہ وہ بیرونی خلا اور سیاروں پر اس لئے تغلب حاصل کر لیں تاکہ دوسری طاقت پر اس کو فوجی غلبہ حاصل ہو جائے۔ ان سے کم تر فوجی طاقتیں بھی ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری کے لئے فنی اور سائنسی معلومات حاصل کر رہی ہے۔ آئندہ پانچ سالوں میں تقریباً درجن بھر یا اس سے زائد نئی ایٹمی طاقتوں کا ظہور ہو جائے گا اور اس سے ایٹمی جنگ کا خطرہ مزید بڑھ جائے گا۔

تخفیف اسلحہ اور عالمی امن کے قیام کا مسئلہ روز بروز خطرناک اور بے قابو ہوتا جا رہا ہے۔

اسی تخفیف کے سایہ تلے 17 اقوام ایک عام اور مکمل تخفیف اسلحہ کے امکانات کا جائزہ لے رہی ہیں جس کے بارے میں سب سے پہلے مسٹر خروشیف نے 1959ء میں مطالبہ کیا تھا۔ اس مقصد کے حصول کی کامیابی کے امکانات کیا ہیں؟ تقریباً پچھلے بیس برسوں میں باری باری سے تخفیف اسلحہ کے کلی یا جزوی مقصد کے حصول کے بارے میں تمام مباحث بے سود ثابت ہوئے ہیں۔ کسی معاہدہ پر پہنچنے کی تمام مساعی' نگرانی اور کنٹرول کے بغیر تخفیف اسلحہ ممکن نہیں' اور تخفیف اسلحہ کے بغیر کوئی کنٹرول نہیں نعرہ ہو سکتا البتہ تخفیف اسلحہ کنٹرول کے تحت ممکن ہے۔

مشرق و مغرب کے درمیان پندرہ سالہ مذاکرات کے باوجود دونوں فریقوں کے لئے بین الاقوامی کنٹرول اور نگرانی کے تحت اسلحہ کے کم سے کم اقدامات کے بارے میں کوئی سمجھوتہ نہیں ہو سکا۔

ایٹمی ہتھیاروں کے تجربات کے مسئلہ کو لے لیجئے۔ روسی بلاک اور فوجی طاقتوں کے سائنس داں اس امر پر متفق ہیں کہ ایسا نظام وضع کرنا ممکن ہے جو خلائے بسیط' بیرونی خلا' زیر آب اور زیر زمین ایٹمی تجربوں کا پتہ چلا سکے' ماسوائے ان کے جو انتہائی مخصوص حالتوں کے تحت نہایت گہرائی میں کئے جائیں۔ لیکن اس کے باوجود کسی معاہدہ پر نہیں پہنچا جا سکا۔ امریکہ' برطانیہ' اور روس کے مابین ساڑھے تین سال سے زائد عرصہ تک مذاکرات کے باوجود بین الاقوامی نگرانی اور کنٹرول کے تحت ایٹمی ہتھیاروں کے تجربات پر مکمل پابندی کا معاہدہ طے نہیں پا سکا۔

یہ امر حوصلہ افزا ہے کہ دونوں فریقوں کے درمیان مذاکرات حالیہ جنیوا کانفرنس کی ایک ذیلی کمیٹی کے تحت شروع ہو گئے ہیں۔

وقت ایک بار پھر مسائل کا جوہر ثابت ہو رہا ہے۔

امریکہ نے دنیا پر واضح کر دیا ہے کہ اگر اپریل 1962ء کے آخر تک تجربات پر پابندی کا معاہدہ طے نہ پائے تو پھر وہ دوبارہ خلائے بسیط میں ایٹمی تجربات شروع کر دے گا کیونکہ یہ روس کے خلاف اس کے تحفظ کے لئے ضروری ہیں جس نے پچھلے تین سالوں سے زائد عرصے میں باضابطہ التواء کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مسلسل تجربات کر کے امریکہ پر سبقت حاصل کر لی ہے۔

یہ کوئی اچھا شگون نہیں ہے کہ تخفیف اسلحہ کے سب سے کم پیچیدہ مسائل تک ____ جیسے بین الاقوامی معائنہ اور نگرانی میں جوہری ہتھیاروں کی تیاری پر پابندی عائد کرنے کی تمام کوششوں کی خلاف ورزی کی جائے۔

ہو سکتا ہے کہ دنیا کے عوام مشترکہ اور مکمل تخفیف اسلحہ کے حالیہ جنیوا مذاکرات کو مایوسی اور شک کی نظروں سے دیکھیں' تاہم اس کے حل کی مایوسی کو اس کی ہرگز اجازت نہیں دی جانی چاہئے کہ ہم یونانی المیہ کے ایک کورس کا سا کردار اپنا لیں جس میں تاریکی اور تباہی کی دیویاں سنگ دلی سے انسان کو موت کے منہ میں دھکیل دیتی تھیں۔

تخفیف اسلحہ کے بارے میں پندرہ سالہ مذاکرات بالکل بے سود نہیں رہے۔ گذشتہ سال روس اور امریکہ چند عام اصولوں پر متفق ہو گئے تھے اور اب اس ڈھانچہ کے اندر عام اور مکمل تخفیف اسلحہ کے معاہدہ کا بارے میں مذاکرات کریں گے۔ اگرچہ اس ضابطہ بندی میں بہت سے مشترکہ امور پر اتفاق ہو چکا ہے لیکن دونوں طاقتوں کے درمیان ان میں سے بعض اصولوں کی تشریحات میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ ان میں بنیادی عدم اتفاق نگرانی اور تصدیق کے سوال پر ہے۔ امریکہ چاہتا ہے کہ نہ صرف متفقہ امور کی' جن کی تخفیف اسلحہ کے معاہدہ پر اطلاق ہوتا ہے' تصدیق کی جائے بلکہ ان

امور کی بھی لازمی تصدیق ہونی چاہئے جو متفقہ امور کے بعد فریقین کے پاس بچ جاتے ہیں- روس پہلے امر سے اتفاق کرتا ہے اور دوسرے سے عدم اتفاق- یہ تخفیف اسلحہ کا انتہائی پیچیدہ مسئلہ بن کر رہ گیا ہے-

دونوں فریقوں کے درمیان دوسرا بنیادی اختلاف خفیہ ایٹمی ہتھیاروں کے ذخائر کی دریافت کے سلسلے میں فنی مشکلات سے متعلق ہے- ایٹمی ہتھیاروں کی موجودہ مقدار اور آئندہ پیداوار کے بارے میں تو یہ قطعی ممکن ہے کہ ان کا معائنہ اور نگرانی کی جاسکے لیکن ایسا کوئی محفوظ نظام نہیں ہے جس کے تحت کسی ایک یا دوسرے فریق کے خفیہ ایٹمی ہتھیاروں کا پتہ چلایا جا سکے- یہ فنی معاملہ ہے جس کی وجہ سے ایٹمی ہتھاروں پر پابندی کا مسئلہ 1955ء سے جمود کا شکار ہے- تاہم یہ امر حوصلہ افزا ہے کہ اسلحہ کی تیاری پر پابندی عائد کرنے کے سلسلے میں حال ہی میں کوئی ایسی پیشرفت ہوئی ہے جس سے چھپے ہوئی ذخائر کا پتہ چلانے کے لئے معائنے کو طور پر غلطی کا امکان گھٹ کر اس حد تک پہنچا جائے کہ اس میں جو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے اسے لازمی تخفیف اسلحہ کے بارے میں تسلیم نہیں کیا جائے گا-

ایٹمی تخفیف اسلحہ کے امکانات یعنی تھرمونیوکلیر اور وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ایٹمی ہتھیاروں مثلاً ہائیڈروجن اور ایٹم بم اور ان کو استعمال کرنے کے ذرائع جیسے راکٹ اور میزائل وغیرہ کا مکمل خاتمہ فوری طور پر ممکن دکھائی نہیں دیتا-

میرے خیال میں جنیوا کانفرنس کے لئے یہ امر زیادہ تعمیری ہوگا کہ وہ تخفیف اسلحہ کے معاہدہ کے ان پہلوؤں پر سمجھوتہ کرانے تک خود کو محدود رکھے جو مؤثر کنٹرول کے لیے ضروری ہیں اور پھر ان کے فوری نفاذ کی کاروائی کرے' 18 اکتوبر 1960ء کو جنرل اسمبلی کی سیاسی کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے میں نے مغربی طاقتوں اور روس کے تخفیف اسلحہ کے منصوبوں کا تقابلی جائزہ لینے کے بعد فوری نفاذ کے لیے مؤثر بین الاقوامی کنٹرول کے تحت تخفیف اسلحہ کے مندرجہ ذیل جزوی اقدامات تجویز کیے تھے- جو عمومی اور مکمل تخفیف اسلحہ کے پروگرام کے لاینفک جزو کے طور پر تھے:

1_ وسیع پیمانے پر تباہ کن ہتھیار لے جانے والی گاڑیوں کو خلا میں بھیجنے یا بالائی فضا میں انھیں رکھنے کی ممانعت-

2_ اسلحہ سازی کے مقاصد کے لیے انتشار پذیر مواد کی پیداوار کا خاتمہ اور سابقہ پیداوار میں سے ایسے مواد کی طے شدہ مقدار کو غیر اسلحی مقاصد کے لیے استعمال کرنا-

3_ میزائل پھینکنے کی تجویز ہو تو قبل از قبل اس کی اطلاع دی جانے چاہئے تاکہ اتفاقیہ طور پر یا غلطی سے جنگ چھڑ جانے کے خطرے کو کم کیا جاسکے-

4_ اچانک حملے کے خلاف بہتر تحفظ مہیا کرنے کے لیے مناسب اقدامات کرنا جو ایسے حملے سے دنیا کو محفوظ رکھنے کی خاطر ابتدائی قدم ہو-

5_ جوہری ہتھیاروں کے وسیع پھیلاؤ کی ممانعت جس کا مطلب یہ ہے کہ جوہری طاقتوں کی طرف سے غیر جوہری طاقتوں کو ایٹمی ہتھیار منتقل نہ کیے جائیں اور غیر ایٹمی طاقتیں ایسے ہتھیار حاصل کرنے یا بنانے سے اجتناب کریں-

6_ مسلح افواج اور روایتی ہتھیاروں میں خاطر خواہ کمی جو بین الاقوامی معائنے اور کنٹرول کے تحت دونوں فریقوں کے درمیان سمجھوتے کی بنیاد پر عمل میں آئے- امریکہ نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ روس اور امریکہ کی مسلح افواج میں کمی کی جائے اور تخفیف اسلحہ کے ابتدائی مرحلہ میں ہر ایک کی تعداد 27 لاکھ ہو- روس نے اصرار کیا کہ یہ کمی سترہ لاکھ تک ہونی چاہیے' مفاہمت کے لیے میں نے 21 لاکھ کی تجویز پیش کی-

روس اور امریکہ دونوں نے موجودہ تخفیف اسلحہ کی جنیوا کانفرنس کے سامنے اپنے تخفیف اسلحہ کے پہلے منصوبوں کی ترمیم شدہ صورتیں پیش کی ہیں- مجھے یہ کہتے ہوئے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ امریکہ ابتدائی مراحل میں دو سال پہلے کی نسبت اب تخفیف اسلحہ میں کافی سے زیادہ کمی پر رضامند ہوگیا ہے- پچھلے ستمبر میں ابتدائی مرحلے کے طور پر روس اور امریکہ اپنی اپنی مسلح افواج کی 21 لاکھ کی تعداد پر رضامند ہوگئے تھے- اور اسی تناسب سے روایتی ہتھیاروں میں کمی پر بھی ان کا اتفاق ہوگیا تھا جس کے بعد مسلح افواج اور ہتھیاروں میں مزید کمی کی جانی تھی- نیا امریکی منصوبہ بھی تخفیف اسلحہ کے پروگرام کے ابتدائی مرحلہ میں ایٹمی ہتھیار پھینکنے والے آلات اور بڑے بڑے روایتی ہتھیاروں میں تیس فیصد کمی تجویز کرتا ہے- اور اس کے ساتھ ہی اسلحہ سازی کے مقاصد کے لیے ایٹمی مواد کی مزید پیداوار کو مکمل طور پر ختم کرنے اور دونوں فریقوں کی جانب سے اسلحہ سازی کے قابل یورینیم 235 کی پچاس ہزار کلوگرام مقدار کو غیر اسلحی مقاصد کی طرف منتقل کرنے کی بھی تجویز پیش کرتا ہے-

ماضی کے امریکی منصوبوں میں اضافے کے باوجود امریکی اور روسی تجاویز کے درمیان فاصلہ ابھی تک خاصا وسیع ہے-

اس صورت حال کے پیش نظر میں متعلقہ طاقتوں کی توجہ کے لیے یہ اعادہ کرتا ہوں کہ وہ تخفیف اسلحہ کے محدود سمجھوتے پر پہنچنے کے کام کو انجام دینے کی کوشش کریں جس کا ذکر میں نے 18 اکتوبر 1960ء کو پہلی مرتبہ کیا تھا اور جس کو آج میں پھر دہراتا ہوں- یہ ابتدائی اقدامات فوری طور پر نافذ کیے جاسکتے ہیں- وقت نے اس طرز فکر کے حق میں دلائل کی قوت کو کسی طرح بھی کمزور نہیں کیا- اس کے برعکس اس کی وجہ سے ترجیحی بنیادوں پر جزوی تخفیف اسلحہ سے نپٹنے کی ضرورت مزید بڑھ گئی ہے- بجائے اس کے کہ اس کے نفاذ کو اس وقت تک التوا میں رکھا جائے جب تک کہ عمومی اور مکمل تخفیف اسلحہ کے لئے بین الاقوامی معاہدے کے بارے میں مفاہمت نہیں ہو جاتی-

ایک اور عنصر جو اس محدود طرز فکر کے حق میں دلیل کو تقویت دیتا ہے وہ جنیوا کانفرنس میں عوامی جمہوریہ چین کی عدم شمولیت ہے۔ چین ایک عظیم طاقت ہے اور اس عظیم ہمسایہ ملک کی شرکت اور اس کی تخفیف اسلحہ کی سکیم کو بقول کئے بغیر عمومی اور مکمل تخفیف اسلحہ کی تکمیل کا مقصد ناممکن ہے۔ اس امکان کی عدم موجودگی میں تخفیف اسلحہ کے مسئلہ کے بارے میں واحد حقیقت پسندانہ طرز عمل یہ ہے کہ پہلے تخفیف اسلحہ کے ان ابتدائی اقدامات کو نافذ کیا جائے جن کا ذکر میں نے کیا ہے۔

ایک اور مسئلہ جوہری طاقتوں کی تعداد میں مزید اضافے کا بھی ہے بہت سے ممالک ایٹمی ہتھیاروں کے لیے جوہری مواد تیار کرنے میں بڑے زور وشور سے مصروف ہیں تاکہ وہ اپنے آپ کو ایٹمی کلب میں شامل کر سکیں ہم اسے سنگین نتائج کی حامل صورت حال ہی کہہ سکتے ہیں جو بالآخر دنیا کے مختلف خطوں میں توازن برباد کرنے پر منتج ہوگی اور نتیجتاً تناؤ اور امن کے لیے خطرات کو زیادہ سنگین کردے گی۔

جنیوا کانفرنس میں دنیا کے دو عظیم فوجی گروہوں یعنی نیٹو اور معاہدہ وارسا کے ممالک جن میں دونوں طرف پانچ پانچ ملک ہیں ان کے نمائندوں کی تعداد یکساں ہے۔ ان دس کے علاوہ آٹھ غیر جانبدار ملک ہیں جو لاطینی امریکہ، ایشیا، یورپ اور افریقہ سے منتخب کئے گئے ہیں۔ پاکستان اس نمائندگی کا خیر مقدم کرتا ہے لیکن ساتھ ہی دکھ کے ساتھ اس حقیقت کی طرف توجہ مبذول کراتا ہے کہ کانفرنس کی تشکیل میں دنیا کے بعض حصوں اور خصوصاً جنوبی ایشیا کے فوجی حقائق کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ تخفیف اسلحہ کے مذاکرات کو تخفیف اسلحہ کے عمل کے ہر مرحلہ پر مشرق اور مغرب کی بین الاقوامی سطح میں فوجی طاقت کے درمیان توازن کو برقرار رکھنے کی راہ تلاش کرنا ہی نہیں بلکہ انہیں ہر خطے کے فوجی طور پر اہم ممالک کے درمیان طاقت کے توازن کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اس سیاق و سباق میں دیکھا جائے تو جنیوا کانفرنس کی رکنیت دنیا کے فوجی طور پر اہم ملکوں کی نمائندگی نہیں کرتی اور اس کے نتیجہ میں اس کی تشکیل دنیا کے بعض خطوں کے حقائق کی پوری طرح عکاسی نہیں کرتی۔

دوسرے بین الاقوامی مسائل کی طرف متوجہ ہونے سے پہلے میں تخفیف اسلحہ کے ایک اور پہلو کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

چند دن پہلے 1960ء میں جنرل اسمبلی کی طرف سے دس قوموں کے ماہرین کے ایک گروپ نے جو تخفیف اسلحہ پر ایک رپورٹ پیش کی۔ اسمبلی کی جانب سے اس گروپ نے جو تخفیف اسلحہ کے معاشی اور معاشرتی مضمرات کا مطالبہ کرنے کے لئے قائم کیا گیا تھا، اس موضوع پر ایک رپورٹ پیش کی۔ اسمبلی کی جانب سے اس گروپ کا قیام 1960ء کے جنرل اسمبلی کے پندرھویں اجلاس میں میری ہی تحریک کا نتیجہ تھا۔ پاکستانی وفد کے قائد کی حیثیت سے 18 اکتوبر کو سیاسی کمیٹی کے سامنے اپنے بیان میں میں نے تخفیف اسلحہ کے معاشی اور معاشرتی مضمرات کا مطالعہ کرنے کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی تھی۔

اس بات کے علاوہ کہ فوجی اخراجات میں ٹھوس کمی ملکوں کی داخلی اقتصادیات اور بین الاقوامی معاشی روابط میں تبدیلیوں کو جنم دے سکتی ہے، دوسرے یکساں اہمیت کی وجوہ بھی تھیں کہ تخفیف اسلحہ کے معاشی اور معاشرتی مضمرات کا سائنسی تجزیہ کیوں ضروری اور لازمی ہے۔ قوموں میں وسیع پیمانے پر یہ خوف موجود تھا کہ ہتھیار کی دوڑ کا خاتمہ کہیں بین الاقوامی اقتصادی بحران میں نہ بدل جائے۔ اگر ہتھیاروں کی دوڑ کے خلاف جہاد میں دنیا بھر کے عوام کی مکمل حمایت کو بروئے عمل لانا تھا تو پھر اس نوع کے خوف کو دور کرنے کی بھی ضرورت تھی۔ ماہرین کے مطالعہ سے متعلق پاکستان کی قرارداد کو جنرل اسمبلی نے کسی بھی منفی ووٹ کے بغیر پاس کر دیا۔

اس دائرہ عمل کے مطابق جو پاکستان کی قرار داد میں ماہرین کے گروپ کے لئے تجویز کیا گیا تھا، ماہرین کے گروپ نے متفقہ طور پر یہ نتیجہ پیش کیا کہ "عمومی اور مکمل تخفیف اسلحہ" کا حصول تمام انسانیت کے لئے لامحدود رحمت کا باعث ہو گا۔ اس نے اپنی تحقیقات میں یہ بھی درج کیا ہے کہ اسلحی معیشت کی طرف سے پرامن معیشت کی طرف سے تمام مسائل اور مشکلات کا مقابلہ مناسب قومی اور بین الاقوامی اقدامات سے کیا جا سکتا ہے۔

گروپ کی یہ تحقیق بھی ہے کہ غالباً پسماندہ ملکوں کی تجارت پر بھی تخفیف اسلحہ کا اچھا اثر پڑے گا، ان کی معاشی ترقی کی رفتار بڑھے گی اور غیر مسلح دنیا میں ترقی یافتہ قوموں کی طرف سے وسیع پیمانہ پر امداد بھی ملے گی۔ حکومتیں اپنے عوام کی تعلیم، صحت، بہبود، معاشرتی تحفظ اور ثقافتی ترقی کی طرف زیادہ توجہ دیا کریں گے۔

دس قوموں کے ماہرین کے گروپ کی رپورٹ پر اظہار خیال کرتے ہوئے مجھے بہت خوشی محسوس ہوتی ہے کیونکہ پاکستان، جنرل اسمبلی کے پندرھویں اجلاس میں اپنی تعمیری تجویز کے نتیجہ کے طور پر جائز اطمینان محسوس کر سکتا ہے۔

تخفیف اسلحہ کے علاوہ دنیا کو درپیش بڑے بڑے مسائل میں، دم توڑتا ہوا نو آبادیاتی نظام بھی شامل ہے۔ گذشتہ پندرہ برسوں میں ایشیا اور افریقہ میں نئی قوموں کے ظہور نے دنیا کی تاریخ میں بہت ہی اہم نئی طاقت کو جنم دیا ہے۔ اب انسانی معاملات کو تمام نسلوں اور قوموں کو مل جل کر اور برابری کی بنیاد پر سلجھانا چاہیے۔ نو آبادیاتی نظام کا دور اپنی ہمسفر غلامی اور ایک قوم کی دوسری قوم پر برتری کی برائیوں کے ساتھ تاریخ کے اندھیرے غاروں میں جا چکا ہے۔ بہرحال ایشیا اور افریقہ کے کچھ باقی ماندہ علاقوں میں نو آبادیاتی تسلط کے اثرات باقی ہیں جہاں قومی آزادی کے لئے شدید قسم کی جدوجہد جاری ہے۔ ایک سابقہ نو آبادیاتی ملک کی حیثیت میں، پاکستان افریقہ اور ایشیاء کی

تمام قوموں کے حق خود اختیاری اور آزادی کی جدوجہد کے ساتھ ہمدردی جاری رکھے گا۔

نو آبادیاتی تسلط کے خلاف سات سال کی سرفروشانہ جدوجہد کے بعد الجزائر میں جنگ بندی آزادی کی جنگ کا نکتہ عروج نظر آتی ہے جو تاریخ میں منفرد ہے۔ شجاعت اور قربانی کے ہر معیار کی رو سے الجزائر کے عوام دنیا کی عظیم ترین قوموں میں شمار کیے جانے کے لائق ہیں۔ ہمیں کوئی شک و شبہ نہیں کہ جن خصوصیات کی وجہ سے وہ جنگ کے میدان میں مشہور ہوئے ہیں وہ انہیں اپنی قومی زندگی کی پرامن تعمیرنو کے کام میں بھی ممتاز کریں گی۔

پاکستان چونکہ اسلامی استحکام اور اخوت کے شعور سے پیدا ہوا ہے اس لئے ہم اسلامی دنیا کی قسمت کے نشیب و فراز کے بارے میں مستقل تشویش کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہ بات ہمارے نئے آئین میں ایک اصول کی حیثیت سے شامل کی گئی ہے کہ "مسلمان ملکوں کے درمیان اتحاد کے رشتے برقرار رکھے جانے چاہئیں اور ان کو فروغ دینا چاہیے۔"

اسلامی دنیا کا اتحاد روحانی بھی ہے اور جذباتی بھی۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم مسلم عوام کے درمیان سالمیت کے شعور کو مضبوط بنائیں اور ان کی قومی خود مختاری، آزادی اور تحفظ کرنے کے لئے ان میں گہرا بین الاقوامی تعاون پیدا کریں۔ گذشتہ چودہ سال سے اسلامی دنیا کے ایک بڑے حصے یعنی عرب ممالک کی قومی خودمختاری آزادی اور تحفظ کو اسرائیلی ریاست کے قیام سے خطرہ لاحق رہا ہے جو اقوام متحدہ کے منشور میں مندرجہ بین الاقوامی قانون کے اصولوں لے سراسر خلاف ہے۔ اسرائیل کی طرف سے جنرل اسمبلی کی قراردادوں اور منشور کے قانون کی خلاف ورزیاں دنیا میں مشہور ہیں۔ یہ جارح ملک اب ایک اور جارحیت کا ارتکاب کرنے والا ہے اور دریائے اردن کے حیات بخش پانیوں کا رخ موڑ کر گردو نواح کے ملکوں میں رہنے والے لاکھوں عربوں کو ان کی روزی کے حق سے محروم کرنے کو ہے۔ سلامتی کونسل کا جس کی گرفت میں موجودہ صورت حال ہے یہ ناگزیر فرض ہے کہ وہ اقوام متحدہ کے منشور کے تحت ایسے تمام اقدامات کرے جن سے اسرائیلی جارحیت کی تجدید کو روکا جاسکے اور بین الاقوامی امن کی خلاف ورزیوں کو ختم کیا جاسکے۔

اب میں اس خطرناک شعلے کی طرف آتا ہوں جو ممکن ہے وہ الاؤ روشن کرے جسے اس علاقے کی حدود تک محدود رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ میں بھارت کے کشمیر پر بزور قبضہ کا حوالہ دیتا ہوں جو امن کے لئے سنگین خطرے کی حیثیت رکھتا ہے۔ پاکستان امن کا خواہاں ہے لیکن کشمیر کے عوام کی حق خودارادیت کے مقصد کی جانب پیش قدمی کو سنگینوں سے روکنا قابل مذمت جارحیت ہے۔ کشمیر کے عوام کی ڈوگرہ راج کے خلاف عام بغاوت برصغیر میں آزادی کے طلوع سے بہت پہلے شروع ہو گئی تھی۔ کشمیر کے عظیم عوام کی اس جدوجہد کی رہنمائی جنگ آزادی کے دوسرے سپاہیوں کے علاوہ شیخ عبداللہ نے بھی کی تھی۔ کیا یہ ستم ظریفی نہیں ہے کہ بھارت کا موجودہ وزیراعظم بھی کشمیر کی آزادی کی تحریک کا زبردست موید تھا۔ توسیع پسندی کی ہوس آزادی کے مقصد پر غالب آگئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ بین الاقوامی اخلاق کے تمام معیار مسترد کردئے گئے اور وہاں کے عوام کی منشا کے خلاف ریاست جموں اور کشمیر پر قبضہ کر لیا گیا۔ یہ جموں اور کشمیر کا وہی ڈوگرہ مہاراجہ ہے جس نے آزادی کے وقت پاکستان کے ساتھ جوں کے توں معاہدے پر دستخط کیا جب تحریک آزادی نے زور پکڑا۔ یہ جموں اور کشمیر کا وہی ڈوگرہ مہاراجہ ہے جس نے بھاگتے ہوئے ایک دستاویز پر دستخط کیے اور ریاست بھارت کے حوالے کر دی۔ یہ فریب سے پر الحاق بین الاقوامی تعلقات کی اخلاقیات پر سب سے زیادہ اخلاق سوز اثر کا حامل ہے۔ بین الاقوامی رائے عامہ نے قدرتی طور پر بھارت کی دوغلی پالیسی کی شدید مذمت کی۔ بھارت نے دنیا کے ساتھ یہ عہد کرنے ہی میں عافیت سمجھی کہ الحاق جموں اور کشمیر کے عوام کے فیصلے کے تابع ہے۔ پاکستان صرف یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ منشا معلوم کیا جائے جس کا وعدہ کیا گیا تھا۔ کشمیر کے پینتالیس لاکھ عوام کو ان کے خداداد حق خود ارادیت سے محروم نہیں کرنا چاہیے اور نہ اجازت ہونی چاہیے۔ اقوام متحدہ کو احساس کرنا چاہیے کہ ہو سکتا ہے کشمیر ان سنگین مسائل میں سے ایک ہو جو اس بین الاقوامی ادارے کے مستقبل کا فیصلہ کریں گے۔ یہ سچ ہے کہ ہم امن کے بغیر نہ زندہ رہ سکتے ہیں اور نہ ترقی کرسکتے ہیں لیکن کشمیر کا مسئلہ حل کیے بغیر کبھی امن قائم نہیں ہو سکتا۔

قومی اسمبلی میں عطاء اللہ خاں مینگل کی تقریر

جناب والا! میرا تعلق بلوچستان سے ہے اور وہاں سے اس ایوان میں صرف دو ممبر ہیں۔ ظاہر ہے کہ دو ممبران کا اثر یہاں کے پارلیمانی سیاسی پر نہ ہونے کے برابر ہے۔ البتہ میری حیثیت ایک ایسے گواہ کی ضروری ہے جو یہاں سے واپس جانے پر لوگوں کو کم از کم یہ بتلائے گا کہ اس معزز ایوان کے اراکین نے ان کے مسائل پر کس حد تک ہمدردی کی۔

جناب والا! بلوچستان رقبہ کے لحاظ سے مغربی پاکستان کے نصف کے برابر ہے وہ سو فٹ سے لے کر چھ ہزار فٹ تک سطح سمندر سے بلند ہے۔ وہاں کی زمین بہترین ہے خوش قسمتی سے وہاں نہ کوئی سیم کا مسئلہ ہے نہ تھور کا۔ وہاں ہر قسم کی فصل اور میوہ جات ہوتے ہیں لیکن یہ وادی تمام خوبیوں کے باوجود وہاں کی مختصر سی آبادی کے لئے آج تک خشک روٹی بھی پیدا نہ کر سکی وہاں لوگ صرف چھ مہینے اپنے گھروں میں رہتے ہیں۔ باقی چھ مہینے وہ روزگار کی تلاش میں سرگرداں سینکڑوں میل کی مسافت طے کرتے ہوئے ادھر ادھر بھاگے بھاگے پھرتے ہیں۔

جناب والا! جن لوگوں کی اقتصادی حالت کا یہ عالم ہو یہ قطعاً ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنے بچوں کو تعلیم دے سکیں اور موجودہ دور میں دیگر ترقیاتی منصوبوں میں حصہ لے سکیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ 1947ء سے لے کر آج تک حکومت نے حکومت نے وہاں ان مستقل مہاجرین کا مسئلہ حل نہیں کیا۔ وہ لوگ جو ہر سال ہجرت کر کے اپنے گھروں کو چھوڑ کر جاتے ہیں۔ ان کا ایک گھرانا اب تک حکومت آباد نہ کر سکے گی لوگ اس دو میں یہ دعویٰ لے کر حکومت پر آئے کہ وہ اس ملک کی خدمت کریں گے لیکن اس بدنصیب خطے کی طرف کی توجہ نہ دی۔

میری نظر میں اس کی صرف ایک ہی وجہ ہے کہ بلوچستان اپنی آبادی کے لحاظ سے پاکستان کی سیاست کے جوڑ توڑ میں کوئی کردار ادا نہ کر سکا۔ شاید اس ملک میں حصول حق کا واحد راستہ یہی ہے۔

جناب والا ! یہ ملک بھر کے مفاد میں ہے کہ Outhority Thal Developement کی طرح ایک (Bolochistan Developement) کے نام سے تیار کی جائے۔ تو پہاڑی علاقوں میں بارش کا پانی جمع کر کے وہاں کی سرزمین کو خود کفیل بنائے اسی وقت یہ ثابت ہو جائے گا کہ پاکستان کا یہ خطہ دنیا بھر میں اپنی مثال آپ ہی ہے۔ پاکستان کے دونوں پنجسالہ منصوبوں میں جو بلوچستان کو حصہ ملا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

جناب والا! بلوچستان کا تین سو میل لمبا ساحل جھینگا اور لوسٹر مچھلی میں ساری دنیا میں مشہور ہے پاکستان کو ہر سال اس تجارت سے لاکھوں روپے کا زرمبادلہ ملتا ہے لیکن مناسب انتظام نہ ہونے کی وجہ سے وہاں کے محنت کش ماہی گیروں کو اپنی مچھلی سستے داموں کو کراچی کے تاجروں کے ہاتھ بیچنا پڑتا ہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ وہاں کی بندرگاہوں کو ترقی دی جائے مچھلیوں کے لئے سرد خانے اور موٹر لانچ Processing کا انتظام کیا جائے اور وہاں کے ماہی گیروں کو قرضہ دیا جائے ان کی Cooperatives بنائی جاتیں تاکہ وہ لالچی اور خود غرض تاجروں کے چنگل سے بچ سکیں۔ اس کے بعد۔

جناب والا! میں آپ کی وساطت سے اس ایوان کی توجہ ایک نہایت اہم معاملہ کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ 85ء کے بعد بلوچستان میں کیا کچھ ہوا ہے۔

جناب والا! یہ ایک نہایت اہم مسئلہ ہے جس نے بلوچستان کے لوگوں کی نفرت کو مدعو کیا ہے اس کے خلوص کو چیلنج کیا ہے' اکتوبر 85ء کے اعلان کے فوراً بعد ہمارے گھروں پر فوج کشی کی گئی۔ چھ مہینہ متواتر ہماری فوج کے 15 ہزار جوانوں نے امریکن ملٹری ایڈ کو بڑی فراخ دلی سے ہم پر آزمایا۔ انہوں نے نہ تو گولیاں چلانے میں کوئی کمی برتی نہ توپیں چلانیں میں کوئی عار محسوس کی نہ وہ بمباری کرنے میں ہم کو ہم وطن سمجھے۔ ان چھ مہینوں میں انہوں نے ہم پر کس قدر احسانات کئے ہوں گے اس کا جواب صرف وہی دے سکیں گے جو (Bloodless Revolution) کا دعویٰ کرتے ہیں یا پھر بلوچستان کے خون سے رنگے ہوئے پہاڑی دے سکیں گے۔

جناب والا! اس پر بھی اکتفا نہیں کیا گیا اس کے بعد گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہوا اور انہوں نے بلکہ ہمارے کرم فرماؤں نے سینکڑوں آدمی گرفتار کر کے ان کو کیمپ میں بند کر دیا جو قلی کیمپ کے نام سے مشہور تھا' یہ کیمپ متواتر ایک سال تک کھلا رہا۔ اس کیمپ کی چند ایک کارگزاریاں میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کی وساطت سے ایوان کے روبرو پیش کروں اس کیمپ میں ایک کمرہ مخصوص کیا گیا تھا جو ____ (Torture Camp) کے نام سے مشہور تھا۔ ملک دوست کا کئے یا ہم سب پاکستانی کہنے والوں کا کئے جب جی چاہتا ان قیدیوں کو جو ان کے رحم و کرم پر تھے اس ____ ٹارچر کیمپ میں لے جایا جاتا وہاں پر ان کو قسم قسم کی سزائیں دی جاتیں اس کی مثال ایسی ہے جو فرانس کے فوجیوں نے الجیریا میں دی ہو۔ اس کی چند ایک مثالیں پیش کرتا ہوں۔ ان کو الٹا لٹکا کر ان کے منہ پانی کی بالٹی میں ٹھونس دیئے جاتے تھے۔ اس وقت تک جب تک وہ بے ہوش نہ ہو جاتے ان کے بالوں میں رسی ڈال کر لٹکا دیا جاتا اور ان کے نیچے آگ جلائی جاتی ان لوگوں کو بیس بیس دن اور رات لگاتار کھڑا رکھا جاتا ان کے پاؤں اس قدر سوج جاتے کہ آخر میں یہ حالت ہو گئی کہ شلوار بغیر کاٹے ان کے بدن سے نہیں نکل سکتی اور بعض لوگوں کے پاؤں بلڈ پریشر کی وجہ سے پھٹ جاتے تھے۔ ایک آدمی ٹارچر کیمپ سے رہا ہونے کے بعد شدت کی سزا کی وجہ سے مخنث ہو گیا اور اس نے رہا ہوتے ہی خود کشی کر لی۔ ان لوگوں کے ساتھ یہ سلوک اس لئے کیا گیا کہ ان پر شبہ تھا کہ وہ غیر ملکی اشاروں پر ناچ رہے ہیں لیکن ان میں ایوان کی خدمت میں نہایت ہی فخر سے کہوں گا کہ ایک سال کے ظالمانہ برتاؤ کے بعد اس قسم کی کوئی چیز ثابت نہیں کر سکے اور آخر میں ان کو یقین ہو گیا کہ ان کا یہ رویہ بالکل غلط تھا۔

اپنی ایک سال کی غلطیوں کی تلافی کس طرح کرتے ہیں وہ بھی ملاحظہ کریں۔ ان کے خلاف مختلف دفعات کے تحت قتل و افواہیں پھیلانے' غلط پروپیگنڈہ کرنے کے الزام میں مارشل لاء ریگولیشن کے تحت ان کا ملٹری کورٹ میں چالان کر دیا گیا۔

جناب والا! سات آدمیوں کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ سات آدمیوں کو عمر قید کی سزا دی گئی' کئی آدمیوں کو جرمانہ کیا گیا اور مختلف سزائیں دی گئیں۔

جناب والا! ان لوگوں کا قصور یہ تھا کہ انہوں نے فوجی انقلاب کو جمہوریت پر ترجیح نہیں دی۔ اگر ایمان داری سے دیکھا جائے تو ہر جمہوری ملک میں جمہوریت کے تحفظ کے لئے عوام کو ایسے ذہنوں کا مالک ہونا ضروری ہے ورنہ ہمیں اس قسم کے انقلابات کے لئے تیار رہنا چاہئے اور وہ وقت دور نہیں کہ جب یہ ملک فوجی انقلاب کی فری اسٹائل کشتیوں کا اچھا خاصا اکھاڑہ بن جائے گا۔

جناب والا! بلوچ کے کردار کو اگر اسی رنگ میں دیکھا جائے تو انہوں نے کسی حد تک عوام اور حکومت پر احسان کیا ہے تاریخ شاہد ہے کہ فوجی انقلاب ہمیشہ ایک ہی آدمی نہیں لایا کرتا اب جمہوریت کو بحال سمجھا جا رہا ہے۔ موجودہ حکومت کے اپنے مفاد میں یہ ہی ہے کہ اسی قسم کے ذہنوں کی ہمت افزائی کرے تاکہ ان کی اپنی حفاظت بھی ہو سکے۔

جناب والا! دارالخلافہ کا انتقال کوئی گارنٹی نہیں ہے کہ جس سے اس قسم کی چیزیں رک سکیں۔ جناب والا! بلوچستان کے لوگ پاکستان کے سچے دل سے دلدادہ ہیں ان کے اخلاص کا یہ حال ہے کہ حال ہی میں ایران اور پاکستان کی باؤنڈری کمیشن کے سلسلے میں بلوچستان میں مکران کا کچھ حصہ ایران کو دے دیا گیا باوجود اس کے کہ حکومت ایران نے ان لوگوں کو خوش رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی ہے لیکن وہ لوگ واپس پاکستان آنے کو تیار ہیں۔ ہماری حکومت نے ان کے اخلاص کا جو معاوضہ دیا ہے وہ بھی ذرا ملاحظہ ہو محض بے اعتباری کی بناء پر مکران ملیشیا (جو ایک بہت پرانی فرنٹیر کور میں سے ہے) کو توڑ دیا گیا۔ سات سو آدمیوں کو بے روزگار کر دیا اس کے متعلق میں عرض کروں گا کہ مکران ملیشیا کو فوراً دوبارہ بحال کیا جائے اور آخر میں عرض کروں گا کہ جو لوگ قید کئے گئے ہیں ان کو رہا کر دیا جائے جن کو پھانسی دی گئی ہے ان کے پسماندگان کو معاوضہ دیا جائے اور جن جن پر جرمانے کئے گئے ہیں واپس کئے جائیں جن جن کی جائدادیں ضبط ہوئی ہیں واگذار کی جائیں تاکہ گذشتہ ساڑھے تین سالوں کی تلخی دور ہو جائے اور وہاں کے لوگ اپنے آپ کو پاکستان کا باشندہ تصور کریں اور ان کا جذبہ حب الوطنی ترقی کرے۔

ڈپٹی اسپیکر نے مقرر کو کہا کہ وہ بجٹ پر ہی بولیں۔

جس کا جواب مقرر نے دیا کہ بجٹ پر بحث عمومی بحث سے متعلق ہے۔

قومی اسمبلی میں سردار خیر بخش مری کی تقریر

کیا کہنا چاہتا ہوں کہنے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے میرے لمحے درحقیقت میرے لئے ایک صبر آزما مہینہ بن گئے ہیں۔ بد قسمتی سے تقریر کا وقت بھی گھٹ کر پانچ منٹ ہوا ہے۔ جس میں تقریر کا صرف ڈھانچہ ہی پیش کیا جا سکتا ہے۔ لوگ وزیر خزانہ کو مبارک باد دیتے ہیں اور اس کی تعریف کرتے رہتے ہیں کہ انہوں نے ہمیں ایک فاضل بجٹ دیا ہے جس کا مقصد غالباً عام لوگوں کی توجہ مبذول کرانا ہے گو کہ قیمتیں چڑھ رہی ہیں مگر حکومت کے پٹھو بیٹھ کر لوگوں سے فاضل بجٹ کی باتیں کرتے ہیں کہ تاریخ میں اس سے پہلے کبھی ایسا فاضل بجٹ پیش نہیں ہوا۔ میں اس مسئلہ کو کچھ زیادہ تفصیل سے آگے بڑھاتا مگر بد قسمتی سے وقت کی کمی مجھے اس کی اجازت نہیں دیتی۔

اب میں انقلاب کی طرف لوٹ آؤں گا اور قلات ڈویژن کے ممبر کے عاید کردہ الزامات پر مسٹر بھٹو کے تبصروں کا جواب دوں گا۔ اچھا تو یہ حقیقت یہ ایک انقلاب تھا۔ جب کہ لوگوں کو اذیتیں دی جاتی تھیں تب اخبارات میں اسے کیوں شائع نہیں کیا گیا۔ انہوں نے اسے راز میں رکھا۔ کیوں لوگوں کو کیمپوں میں اذیتیں دی جاتی رہیں اور تقریباً چھ ماہ تک کوئی شخص ان کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا اور بعد میں جب لوگوں نے ان کے متعلق سنا تو ششدر رہ گئے ہم انقلابی لیڈروں کو امریکی اقتصادی ڈکٹیٹروں کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھتے ایک امریکی کی طرح جو دولت بٹور تا رہا ہو تاکہ اقتدار پر قبضہ جمائے رکھے اور جسے عوامی جذبات کا احساس ہی نہ ہو اور جس نے کوشش کر کے معاشرتی حیثیت کو اس سماجی حد تک پہنچایا ہو جس کی ہر شخص آرزو رکھتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ڈکٹیٹروں کے ذریعہ عوام کا گلا گھونٹ کر ان کو لوٹ لیں جس طرح وہ جنوبی امریکہ اور تمام دنیا میں جہاں وہ کر سکتے ہوں کر رہے ہیں۔ وہ پختہ کار نہیں وہ نہیں جانتے کہ کس طرح صرف عوام کی خواہشات معلوم کر کے کارروائی کی جا سکتی ہے۔ میں ایک واقعہ یاد دلاتا ہوں جس کے لئے یورپ میں وہ اب تک افسوس کر رہے ہیں۔ کسی نہ کسی طرح نازی اور اقتدار میں انہیں ایک ڈکٹیٹر ہٹلر ملا۔ جسے انہوں نے تباہ کر دیا۔ لیکن بعد ازاں انہوں نے محسوس کیا کہ انہوں نے غلطی کی۔ کیونکہ نہ انہوں نے اسے تباہ کرنے کی بجائے روس کے خلاف استعمال کیا۔ وہ اپنے کو تباہ کرتا اور ان کو مشرق وسطیٰ اور مشرقی ایشیاء کے ممالک کے استحصال کرنے اور اپنی تعمیر و ترقی کا موقع دیتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ناپختہ کار امریکیوں نے اب جو سبق سیکھے ہیں ان کو خیال ہے کہ وہ یہاں بھی ایک ڈکٹیٹر مقرر کر سکتے ہیں اسے اسلحہ دیں تاکہ وہ انہیں پاکستانی افواج کے ذریعہ ______ پاکستانی عوام کے خلاف استعمال کرے اور ان لوگوں کو دبائے رکھے جو سماجی انصاف چاہتے ہوں۔ اب میں حکومت یا ان اراکین میں سے چند ایک سے جو کہ صوبہ پرستی کی مذمت کرتے ہیں پوچھنا چاہتا ہوں ______________

مسٹر ڈپٹی اسپیکر: مسٹر خیر بخش مجھے مداخلت کرنے کا بہت افسوس ہے یہ بجٹ کے عمومی مباحثہ کے مقاصد سے غیر متعلق ہے"۔

مسٹر خیر بخش: "یہ عمومی مباحثہ سے متعلق ہے"۔

مسٹر ڈپٹی اسپیکر: "یہ بجٹ کے عمومی مباحثہ کے دائرہ سے باہر ہے"۔

مسٹر خیر بخش: تقسیم سے قبل لوگوں کے جذبات یہ تھے کہ ہم ایک ایسی مملکت میں زندگی بسر کریں جہاں ہم دنیا کے ساتھ سابقہ کر سکیں جہاں مسلمانوں پر ہندوؤں کی اکثریت یا ہندوؤں کا اقتدار نہ ہو۔ میں تفصیلات میں نہیں جاؤں گا مگر جب ہم نے یہ ملک حاصل کر لیا ہمارا سیاسی شعور آزمائش میں پڑ گیا۔ ہم نے لوگوں کو بجائے اس کے کہ وہ عوام کی بہتر سیاسی زندگی گزارنے کی خواہشات پر توجہ کرتے۔ انگریزیوں کی خالی کی ہوئی کرسیوں اور ہندوؤں کی چھوڑی ہوئی جائدادوں اور کاروبار پر زیادہ شدت سے مٹتے دیکھا

اور اب ہم اپنے حقوق اور حصہ کا مطالبہ کرتے ہیں تو ان عناصر کو بدستور سرگرم عمل پاتے ہیں۔

اب میں چند مثالوں سے اس کی وضاحت کروں گا۔ سابق بلوچستانیوں میں سے فوج میں نہیں ہیں۔ جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے تمام علاقے میں جو کہ غالباً پاکستان میں سب سے بڑا علاقہ ہے ایک کالج سے زیادہ کچھ نہیں ہے اور زراعت کے متعلق تو میں حیران ہوں کہ لوگ نہیں جانتے کہ وہ زندگی کس طرح بسر کریں اور یہاں ہمیں ایسے لوگ ملتے ہیں جو اپنی نو آبادیوں کو جہاں تک وہ جا سکیں بڑھانا چاہتے ہیں۔ خوب! ہمارے اور آپ کے درمیان کوئی قدر مشترک نہیں کس طرح ہم صوبہ پرستی کو ایک لعنت کہہ سکتے ہیں۔ جب صوبوں کا وجود تھا لوگوں نے ان کے لئے ووٹ کی بجائے اس کے کہ صوبائی حدود مقرر ہوتے اب صوبہ پرستی ایک لعنت اور گناہ سمجھی جاتی ہے۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ کیوں؟ بمشکل یہ ایک صوبائی معاملہ ہے یہ اب تقریباً انفرادی طبقے ہیں اگر صوبے ایک لعنت ہوتے تو مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ جو صدیوں سے سابقہ صوبوں میں رہ رہے ہیں اس ملک کے حق میں اظہار رائے نہ کرتے اگر پاکستان حاصل کرنے کی راہ میں رکاوٹ ہوتے تو مجھے شبہ ہے کہ ہم کبھی پاکستان نہ حاصل کر سکتے۔ ان ہی صوبوں کی بدولت ہم ایک ایسی مملکت حاصل کرنے کے قابل ہوئے ہیں جسے ہم پاکستان کہتے ہیں یہ کچھ لوگوں کے مفاد میں ہے کہ وہ صوبہ پرستی کے خلاف بولیں کیونکہ وہ اب اپنی زائد آبادی کو بلوچستان میں منتقل کر سکتے ہیں جہاں وہ معدنیات اور دیگر چیزوں پر قبضہ جما سکتے ہیں۔ اگر یہ ایک لعنت ہے تو کیوں ہم سب مشرقی پاکستان، سندھ اور بلوچستان ان نظریات اور خیالات کا اظہار کرتے ہیں صرف تھوڑے سے لوگ اس کے خلاف معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن شمالی مغربی سرحدی صوبہ سندھ، مشرقی پاکستان اور بلوچستان میں اکثریت اس کی ضرورت محسوس کرتی ہے ــــــــ

مسٹر ڈپٹی اسپیکر:

"مسٹر خیر بخش مجھے افسوس ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کو زیادہ وقت ملتا مگر آپ نے اب بھی مقررہ وقت سے تجاوز کیا ہے۔ آپ ایک منٹ اور بول سکتے ہیں۔ اگر آپ کو کچھ اور کہنا ہے"۔

مسٹر خیر بخش: "مجھے افسوس ہے میں مجبور ہوں میرا خیال تھا کہ مجھے اظہار خیال کا کافی موقع دیا جائے گا"۔

مسٹر ڈپٹی اسپیکر:

"آپ ایک منٹ اور لے سکتے ہیں؟"

مسٹر خیر بخش:

ان یاد دہانیوں نے میری تقریر کا تسلسل توڑ دیا۔ میں اسے جاری نہیں رکھ سکتا"۔

مسٹر ڈپٹی اسپیکر:

"ایسا ہی ہے مگر افسوس ہے کہ میں آپ کی مدد نہیں کر سکتا"

مسٹر خیر بخش:

"شکریہ جناب۔ میں سمجھتا ہوں یہ کافی ہے۔ گو کہ میں توقع رکھتا تھا کہ مجھے پانچ منٹ اور دیئے جائیں گے"۔

ممبر اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔

مغربی پاکستان اسمبلی احمد نواز بگٹی کی تقریر

مسٹر اسپیکر: میں آپ اور اس ایوان کے معزز اراکین کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ مجھ سے کہا گیا ہے، مجھے بتلایا گیا ہے، مجھے ہدایت کی گئی ہے اور صاف الفاظ میں یوں کہئے کہ مجھے کہہ دیا گیا ہے کہ بعض موضوعات پر نہ بولوں۔ پاکستانی فوج کی طاقت کے لئے صحیح احترام کا جذبہ رکھتے ہوئے بعض تلخ تجربات کی بناء پر میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اپنی تقریر کو مختصر اور مناسب حد تک نرم کر دوں۔

جب انسانی واقعات کے دوران ایک نظر انداز کئے ہوئے علاقہ کے لوگوں کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اپنے بنیادی حقوق کا صحیح اور جائز طور پر مطالبہ کریں تب حکومت اور دوسرے لوگ انہیں وطن دشمن ہونے کا الزام نہیں دے سکتے۔

ہم بلوچستان کے عوام نے ہمیشہ یہ محسوس کیا ہے اور اب پہلے سے بھی زیادہ شدت سے اسے محسوس کر رہے ہیں کہ ہم سے متعلق حکومت کی پالیسی ایسی رہی ہے جیسے ایک آدمی کا رویہ کسی حیوان سے ہو۔ ایسے حیوان سے جسے لوگ لئے گونگا اور پست خیال کرتے ہیں کہ وہ اپنے بنیادی حقوق کا بھی مطالبہ نہیں کر سکتا' ان حقوق کا جن سے پاکستان کے دوسرے باشندے پاکستان کے عالم وجود میں آنے سے اب تک لطف اندوز ہوتے چلے آ رہے ہیں۔

حکومت نے اس کا کبھی بھی خیال نہیں کیا کہ انتظامی ڈپلومیسی کی مبادیات اس کے لئے اسے لازمی قرار دیتے ہیں کہ غیر ترقی یافتہ علاقوں میں امن اور ترقی کے لئے اس خطہ کے لوگوں کو معقول نمائندگی دی جائے۔

گذشتہ پندرہ سال سے بلوچستان کو اس کے حقوق نمائندگی دینے سے انکار کیا جاتا رہا ہے اور اس کی وجہ کہ ہم کیوں اس قدر پسماندہ ہیں اور پسماندہ رہے ہیں صرف یہ ہے کہ ہمیں کبھی بھی اعلیٰ سطح پر جہاں مملکت کی پالیسیاں بنتی ہیں اور ہم لوگوں کے مستقبل کے فیصلے ہوتے ہیں نمائندگی حاصل نہیں رہی ہے۔ اس مسلمان کے مستقبل کے فیصلے ہوتے ہیں نمائندگی حاصل نہیں رہی ہے۔ اس مسلمانوں کی طرح جسے اسلامی قوانین کے تحت چار بیویاں رکھنے کی اجازت دی گئی ہو۔ بلوچستان کے ساتھ ہمیشہ

سے اب تک چار بیویوں میں سے بد صورت ترین اور حقیر ترین بیوی کا سلوک برتا گیا ہے۔ صرف ایک بات جو اس کے حق میں کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ معدنی دولت اور دیگر قدرتی وسائل سے مالا مال ہے۔

کیا بلوچستان محض اس لئے بنایا ہے کہ جو بھی برسراقتدار آئے اس کا استحصال کرے اس پر ڈاکہ ڈالے اور اسے لوٹے؟ یا حکومت پھر یہ خیال کرتی ہے کہ ہم بلوچستان کے عوام حیوان ہیں اور اس لئے ہمیں ہمارے حقوق سے محروم رکھا جائے۔

جب 1947ء میں ہمارے ہاں بلوچستان میں رائے شماری ہوئی تو ہم ہی وہ لوگ تھے جنھوں نے بغیر کسی معاوضہ بغیر کسی لالچ کے 'بلا جھجک پاکستان کو ایک ایسا وسیع اور انتہائی مالدار علاقہ عطا کیا جو تقریباً 150'000 مربع میل رقبہ پر مشتمل ہے اور جو تمام مغربی پاکستان کے نصف کے برابر ہے۔ کیا یہی وہ انعام ہے جو ان قربانیوں کے بدلے جو ہم نے پاکستان کے لئے دیں' ہمیں دیا گیا؟ اور کیا اسی لئے ہمیشہ اپنے لوگوں اور ان کے مفادات کی نمائندگی کرنے سے محروم رکھا جاتا ہے۔

مسٹر اسپیکر: عالی جاہ! جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ سماج زنا کاری کو نفرت کی نظروں سے دیکھتے ہوئے اس پر چیں بہ جبیں ہوتا ہے اور اسے ذلیل سمجھتا ہے کیونکہ ہر ایک اسے گناہ خیال کرتا ہے مگر جب حکومت بلوچستان کی عصمت دری کرتی ہے تو کسی ایک ابرو پر اظہار نفرت کا شکن نہیں پڑتا اور کوئی شخص اسے درخور اعتنا بھی نہیں سمجھتا۔

معزز اراکین! مجھے یقین ہے کہ آپ سے اکثر نے دوسری عالمی جنگ کے آخری دور میں روسیوں کے ہاتھوں برلن کی عصمت دری کا ذکر سنا ہو گا۔ مگر مارشل لاء کے دوران جو آبرو ریزی اور عصمت دری بلوچستان میں ہوئی اس سے آپ میں سے بہت کم حضرات واقف ہوں گے تمام دنیا نے ایڈولن (ایکمین کے ان انسانیت سوز مظالم کے خلاف جو اس نے یہودیوں کی اندھا دھند نسل کشی کے سلسلے میں کئے احتجاج کیا مگر جب کہ بلوچستان کے لوگوں کی جڑیں فوجی حکومت کے ہاتھوں کاٹی جا رہی تھی۔ ہمارے پاکستانی بھائیوں کی طرف سے یک حرفی مدافعت یا ہمدردی نہیں کی گئی مشین گنوں کی گولیوں سے چھدی ہوئی ہماری لاشیں گدھوں اور لکڑ بھگڑوں کی خوراک کے لئے چھوڑی دی جاتی تھیں۔ چھ ماہ تک بلوچی خون کی ندیاں بہتی رہیں اور خون سے تربتر بلوچستان کے پہاڑ آج بھی گواہی دیتے ہیں کہ بلوچستان کے ان بہادر سپوتوں جو بلوچستان کے بھوکے اور مفلوک الحال عوام کو قتل کرنے کے لئے استعمال ہوئے وہ وہ دولت متحدہ امریکہ کی طرف سے فوجی امداد کے پروگرام کے تحت حکومت پاکستان کو مہیا کئے گئے تھے یہ ہتھیار صرف پاکستان کی سرحدات کے دفاع میں استعمال کے لئے تھے نہ کہ بلوچستان کے نونہالوں و صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے لئے!

مزید برآں اس خون آشامی کے بعد کوئٹہ میں خاردار تاروں سے گھرا ہوا کنسنٹریشن کیمپ کھولا گیا اور سینکڑوں بے گناہ بلوچوں کو اس پنجرہ میں دھکیل دیا گیا جہاں وہ نامعلوم مدت کے لئے پڑے سڑتے رہے اس پنجرے میں غیر انسانی اذیتوں اور دیگر وحشیانہ مظالم کا مظاہرہ ہوتا تھا۔ ان کی نظر ہٹلر کے دور اقتدار میں آخ وٹز Auch vits اور بیلنس کے بیچوں میں ملتی تھی۔ پاکستانی فوج کے پندرہ ہزار جوانوں کی مدد سے خون کی ہولی کھیلنے کے بعد بھی جب حکومت مطمئن نہ ہوئی تو سات نوجوان بلوچوں کو بغاوت کے الزام میں تختہ دار پا لٹکا کر اپنی خونی پیاس بجھانے کا ایک اور دائمی ریکارڈ قائم کیا گیا۔ (یہاں اسپیکر نے مقرر کو بتایا کہ فوجی عدالتوں کے فیصلوں کو زیر بحث نہیں لایا جا سکتا۔ مگر مسٹر کرمانی نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ یہ سارا ایوان یہ باتیں سننا چاہتا ہے)۔

مسٹر اسپیکر: عالی جاہ! نوٹ کرنے کے قابل یہ ایک دلچسپ واقعہ ہے کہ مارشل لاء کے تمام دوران میں پورے پاکستان میں صرف یہ ہی سات بلوچ تھے جن کو مارشل لاء کے قوانین کے تحت سزائے موت دی گئی' اور مادر بلوچستان اب تک اپنا زخم چاٹ رہی ہے اور اپنے کھوئے ہوئے فرزندوں کی موت پر ماتم کر رہی ہے اس کے باوجود حکام کو نہایت دیدہ دلیری اور بے باکی سے یہ کہنے کی جرات ہوئی کہ یہ انقلاب خونی نہ تھا حالانکہ ان چھ مہینوں میں بلوچستان میں ارزاں ترین جنس خون تھا۔

(یہاں اسپیکر نے مائیک کا سوئچ آف کر کے بند کر دیا اور مقرر اپنی تقریر پوری نہیں کر سکے)۔

نو رہنماؤں کا اعلان

1- مارشل لا کا دور بلاخر ختم ہو گیا۔ ملک کی سیاسی فضا پر گذشتہ پینتالیس ماہ سے جو جمود طاری تھا ایک حد تک ختم ہو چکا ہے۔ جمہوریت کی شاہراہیں کھلتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں لیکن جمہوریت ابھی کہاں۔ فیلڈ مارشل ایوب خاں کا نافذ کیا ہوا دستور امیدیں تو بہت دلاتا ہے مگر جمہوریت کے دروازے نہیں کھولتا۔

2- آج ملک کے دستور کا مسئلہ عوام کیلئے شدید بے چینی کا سبب بنا ہوا ہے۔ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے حالیہ انتخابات سب سے زیادہ اہمیت اس مسئلہ کو حاصل تھی حالانکہ یہ انتخابات صرف ایک طبقہ تک محدود تھے۔ تقریباً ہر امیدوار نے دستور کو جمہوری بنانے کیلئے پوری کوشش کرنے کا عہد کیا۔ انتخابات کے بعد گذشتہ چھ ہفتوں سے دستور کو جمہوری بنانے کا مطالبہ زور پکڑتا جا رہا ہے۔

3- اگر ہم نے اس مسئلہ پر اپنے خیالات کا اظہار نہ کیا تو یہ اپنے فرائض سے غفلت برتنے کے مترادف ہو گا۔ ہم اس مسئلہ پر وہی رائے رکھتے ہیں جس کا اظہار عوام کی اکثریت کر رہی ہے۔

4- ملک صحیح اور حقیقی ترقی ارتقاء اور پر امن تبدیلیوں ہی کے ذریعہ کر سکتا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ اسی وقت ممکن ہے جب خیالات کے آزادانہ اظہار اور تبادلہ کے مواقع حاصل ہوں۔

قومی تعمیر اور استحکام کے لئے ایک مظبوط اور پائیداد دستور لازمی ہے۔

5- ہمیں یقین ہے کوئی ایسا دستور پائدار نہیں ہو سکتا جس کو عوام کے براہ راست منتخب کئے ہوئے نمائندوں نے تشکیل نہ کیا ہو۔

ہم یہ بات اس لئے کہتے ہیں کہ........

6- جس قسم کی دستور بھی بنایا جائے اس کو جسم اور روح کے اعتبار سے جمہوری ہونا چاہیے۔ ایک جمہوری مملکت میں حاکیت صرف عوام کو حاصل ہوتی ہے اور عوام ہی نظم و نسق چلاتے ہیں۔ ملک میں نافذ کیا ہوا نظام اس وقت تک مستحکم اور پائدار نہیں ہو سکتا جب تک اس کو عوام کی رضامندی حاصل نہ ہو اور یہ رضامندی عوام کی وہ اجتماعی اور منظم رائے ہوتی ہے جس کا اظہار انہوں نے بالواسطہ یا براہ راست بلاخوف خطر آزادانہ طور پر کیا ہو۔

7- کسی دستور کو تیار کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے اور جہاں تک انسانی عقل اور دوراندیشی کام کر سکے دستور میں ہر قسم کی روزمرہ اور ہنگامی صورت حال کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہو۔ ہر قسم کا دستور میں کچھ ایسی بنیادی خصوصیات موجود ہونی چاہئے جو اسے استقلال بخش سکیں۔ اس قسم کی بنیادی خصوصیات بنیادی نہیں رہتیں۔ اگر دستور میں اتنی وزنی متضاد شقیں موجود ہوں جو یقیناً کسی وقت بھی ان کو پارہ پارہ کر دیں گی۔

8-وہی دستور مستحکم اور پائدار ہو سکتا ہے جو ملک کے تمام عوام کی خردمندی اور مرضی کا آئینہ دار ہو اور صرف اسی قسم کے قوانین کو ملک کی موجودہ اور آئندہ نسلوں کی دلی وفاداری حاصل ہو سکتی ہے اور یہی دلی وفاداری ان قوانین کے حقیقی تحفظ اور استحکام کی دلیل ہے۔

9- موجودہ دستور مذکورہ بالا خصوصیات کا حامل نہیں یعنی نہ تو اس کا عوام کے منتخب کئے ہوئے ان نمائندوں نے بنایا ہے جن کو عوام نے اس مقصد کے لئے خصوصی اختیارات دیئے ہوں اور نہ ہی اس کو عوام کی حمایت حاصل ہے۔

10- (1) اس کے علاوہ موجودہ دستور رائے عامہ پر بے اعتمادی کی بنیاد پر تیار کیا گیا ہے خواہ اس کے لئے کوئی وجوہ دی گئی ہوں (2) آٹھ کروڑ سے زیادہ افراد کے ملک میں صرف اسی ہزار افراد کو ووٹ کا حق دیا گیا ہے (3) ان افراد کی چنی ہوئی اسمبلیاں تقریباً ہر قسم کے اختیار سے محروم ہیں۔ (4) صدر کی مرضی کے بغیر یہ اسمبلیاں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتیں (5) ایک بار کام شروع کرنے کے بعد صدر ان اسمبلیوں کی رائے لئے بغیر تمام قانون کا لازمی۔ انتظامی تفصیلات استعمال کرنے کا مجاز ہے۔ گذشتہ تین ہفتہ کے تجربہ ہی نے ثابت کر دیا وہ اس سکیم کے قابل ہے اور اس میں بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت ہے۔ (6) اس دستور کی بنیاد پر حکومت اور ان اسمبلیوں میں کسی قسم کا تعاون ناممکن ہے۔ (7) اسمبلیوں کے اراکین اپنی اہلیت منوانے کے لئے حکومت پر شدید اور بے پناہ تنقید کریں گے کیونکہ انہیں حکومت کی پالیسی بنانے کے کوئی براہ راست اختیارات حاصل نہیں (8) یہ بے اعتمادی عوام میں پھیل کر حکومت کو اور بھی غیر مقبول بنا دے گی۔ (9) ملک کے لائق اور باشعور افراد ایسی حکومت میں شامل ہونا مشکل سے ہی پسند کریں گے اور نتیجتاً نظم و نسق نوکر شاہی کے بے جان ہاتھوں میں چلا جائے گا۔ (11) اس لئے ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ عوام کے منتخب کردہ ایک ایسے ادارہ کی فوری تشکیل کی جائے جو ایک ایسا دستور تیار کر سکے جو ملک کے عوام کے لئے قابل قبول ہو۔

دستور سازی سے متعلق گذشتہ پندرہ سال کے مواد اور تجربات کی روشنی میں ایک مناسب اور ملکی ضروریات کے مطابق قابل عمل دستور زیادہ سے زیادہ چھ ماہ میں باسانی تیار کیا جا سکتا ہے۔

12- مذکورہ بالا سفارشات کے ضمن میں ہم کہیں یہ نہیں کہتے کہ دستور صدارتی یا پارلیمانی ہو۔ ہم جانتے ہیں کہ رائے عامہ کی بھاری اکثریت پارلیمانی نظام کے حق میں ہے کیونکہ تاریخی اعتبار سے ہم اس قسم کے نظام سے بہت زیادہ قریب ہے۔

13- دستور کے وفاقی یا وحدانی بنانے پر بھی کسی قسم کی بحث کی گنجائش موجودہ نہیں۔ تقریباً ہر طبقہ خیال کے لوگ اس کو ایک ایسا وفاقی دستور بنانے کے حق میں ہیں جس میں ہمارے مخصوص جغرافیہ کے پیش نظر صوبوں کو محکموں کی اکثریت پر اختیار حاصل ہو۔

14- ایک اور نازک اور حل طلب مسئلہ ملک کے دونوں حصوں میں بڑھتی ہوئی غیر متوازن اقتصادی ترقی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ دونوں حصوں کے عوام میں ایک دوسرے کے لئے اخوت اور خیر سگالی کے جذبات کی کمی نہیں، اگر عہدہ داروں کو صحیح ذہ داری سونپ دی جائے تو یقیناً وہ علاقائی تعصبات سے بالاتر ہو کر پورے ملک کی ترقی پر توجہ دیں گے اور ملک کے ہر پسماندہ علاقہ کی ترقی کو زیادہ اہمیت دیں گے۔

15-موجودہ تنگ نظری، علاقائی تعصب اور ملک کے دونوں حصوں کی غیر مساویانہ ترقی کی وجوہات صرف یہ ہیں کہ اب تک ملک کی پالیسیاں بنانے میں عوام کو کوئی اختیار حاصل نہیں رہا۔ عوام کے چنے ہوئے نمائندوں کے ہاتھوں میں اقتدار آتے ہی رجعت پسند اور مفاد پرست قوتیں پسپا ہونا شروع ہو جائیں گے ملک کے دونوں حصوں میں اقتصادی عدم توازن کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ مشرقی پاکستان کو اب تک ملک کی پالیسی بنانے والے اور خصوصاً اقتصادی پالیسی بنانے اور ان کو عملی جامہ پہنانے والے اداروں میں کوئی معقول اور موثر حصہ نہیں دیا گیا۔

ملک کی آزادی سے اب تک تمام سیاسی اقتدار مستقل سروسوں کے ایک چھوٹے سے گروہ کے ہاتھوں میں مرکوز رہا ہے اور اس دوران میں ایک

بھی عام انتخاب نہیں ہوا جس کے ذریعہ ملکی امور میں عوام کوئی آواز رکھ سکتے۔

16- دوسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ اس عبوری دور میں کیا کیا جائے۔

17- مارشل لاء ہٹانے سے جو خوشگوار فضا پیدا ہوئی ہے اس کو برقرار رکھنے کے لئے مزید دانشمندانہ اقدام کی ضرورت ہے- عوام اور انتظامیہ کے مختلف شعبوں کے درمیان اختلافات کی پھیلتی ہوئی خلیج کو پاٹنے کی سعی کرنی چاہئے صدر ایوب کے کاندھوں پر یہ ایک بڑی ذمہ داری ہے اور ہمیں پوری امید ہے کہ وہ اسے محسوس کریں گے۔

18- حکومت اور اس کا نظم و نسق بدستور چلتا رہنا چاہئے تاوقتیکہ ایک مستقل دستور ہمارے تجویز کردہ طریقہ کے مطابق نافذ نہیں کر دیا جاتا۔

19- لیکن اس عبوری دور کے لئے بھی موجودہ دستور میں اور حکومت کے متعلق کچھ خاص ترمیموں کی ضرورت ہے۔

20- موجودہ دستور میں "قانون سازی کے اصول" والی دفعہ کی بجائے 56ء کے دستور کی بنیادی حقوق کی دفعہ شامل کر دینی چاہئے اور ان کے عدالتی تحفظ کی ضمانت ہونی چاہئے۔

21- اس زمرہ میں اظہار خیال کی آزادی ایک مقصد کے لئے اجتماع کی آزادی کسی قانونی عدالت کے حکم کے بغیر آزادی نہ چھن جانے کی ضمانت' املاک کے تحفظ کی ضمانت' آزادی تحریر اور مذہبی آزادی شامل ہیں- یہ اتنی بنیادی آزادیاں ہیں کہ دنیا میں مشکل ہی ایسا دستور ہو گا جس نے ان کے تحفظ کی ضمانت نہ دی ہو۔

22- یہ ضمانتیں صدر کے آرڈیننس کے ذریعہ یا موجودہ قانون ساز اداروں کے ذریعہ باسانی موجودہ دستور ہی میں شامل کی جاسکتی ہیں- ضرورت اس امر کی ہے کہ انتظامیہ کو موجودہ دستور کے تحت چنی ہوئی اسمبلیوں پر اعتماد کرنا چاہئے- دوسرے یہ کہ ان تمام افراد کو جو منافع کے کسی عہدہ پر فائز ہیں- ایوان کی رکنیت سے روکنا چاہئے ورنہ یہ تھوڑی بہت آزادی بھی جواب ان اسمبلیوں کو حاصل ہے ختم ہو جائے گی- ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ اعتماد سے اعتماد پیدا ہوتا ہے۔

23- ملک مین اعتماد کی فضا پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کر دینا چاہئے جن کو بغیر مقدمہ چلائے نظربند کیا گیا ہے اس کے علاوہ سیاست دانوں پر عائد کردہ تمام پابندیاں ہٹالینی چاہئے۔

24- سیاسی پارٹیاں نمائندہ جمہورتیوں کی سانس ہوتی ہے- جس طرح سانس کے بغیر جان کا تصور نہیں کیا جاسکتا اسی طرح منظم پارٹیوں کے بغیر نمائندہ جمہوریت کا تصور بے معنی ہے- پارٹی کے معنی تنظیم ہیں- کثیر افراد کا کوئی نمائندہ ادارہ اس وقت تک کام نہیں کر سکتا جب تک ان افراد کو یکجا رکھنے اور ان سرگرمیوں کے پیش نظر سوائے ذاتی مفاد کے کوئی تنظیم موجود نہ ہو- ایک لا جماعتی ایوان میں اراکین کے پیش نظر سوائے ذاتی مفاد کے کوئی دوسرا مقصد نہیں ہو سکتا- اس قسم کے نظام میں انتخابات کے ختم ہوتے ہی منتخب شدہ ممبروں پر منتخب کرنے والوں کا اثر ختم ہو جائے گا- لہٰذا پارٹیوں کے قیام پر سے تمام پابندیاں ہٹالینا چاہئے۔

جمہوریت کے نفاذ تک ہمیں ان مسائل پر توجہ مرکوز کرنی چاہئے جو پورے ملک کو درپیش ہیں- ایک ہی طرز پر سوچنے والے تمام افراد کو خواہ وہ عالم شہری ہوں یا کسی خاص پیشہ یا ملازمت سے تعلق رکھتے ہوں' متحدہ طور پر ان مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

آخر میں ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ہم بڑے ہی صبر آزما اور غیر یقینی دور سے گذر رہے ہیں- لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں- ملک اور عوام کے تمام عناصر کو تعاون ہم آہنگی اور اتحاد کے ساتھ ہر قسم کی یقینی اور غیر یقینی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے- قسمت نے جن افراد کے ہاتھوں میں ملک کی باگ ڈور دی ہے ان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ملک میں ایک پائیدار اور مستحکم اتحاد کی بنیاد ڈالیں- ہمیں جلد سے جلد دستور سازی کے اس مسئلہ سے فراغت پا کر من حیث القوم اپنی تمام تر توجہ قومی تعمیر اور ترقی پر مرکوز کر دینی چاہئے۔

دستخط کنندگان

1- نورالامین
6- عطاء الرحمٰن خان
3- حمید الحق چودھری
4- ابو حسین سرکار
5- مجیب الرحمٰن
6- یوسف علی چودھری
7- محمود علی
8- سید عزیز الحق
9- مولانا پیر محسن الدین احمد

آل پارٹیز کانفرنس (1962) کی قرارداد

آل پارٹیز کشمیر کانفرنس برصغیر کی حالیہ صورت حال کی روشنی پر قضیہ کشمیر پر غور کرتے ہوئے قرار دیتی ہے کہ۔

1- پاکستان اور کشمیر کے عوام کو کشمیر کے مسئلہ کا صرف یہی اور واحد حل قابل قبول ہے کہ کشمیر میں یو' این' او کی قراردادوں کے مطابق آزادانہ اور غیر جانبدارانہ رائے شماری کرائی جائے کہ کشمیر اور جموں کے لوگ پاکستان سے الحاق چاہتے ہیں یا ہندوستان سے' اس کے علاوہ کوئی دوسرا حل جو کشمیری عوام کے حق رائے وہی کے خلاف ہو ناقابل قبول قرار دیا جائے۔

2- یہ نہایت ہی ضروری ہے کہ رائے شماری چھ ماہ کے اندر اندر ہونی چاہئے اور یو' این' او کی قراردادوں کے مطابق وہ تمام اقدامات کئے جائیں جو یو' این' او کی قراردادوں پر عمل درآمد کرنے کے لئے ضروری ہوں- علاوہ ازیں ناظم رائے شماری کا تقرر بھی اس میں شامل ہو۔

3- رائے شماری کرانے کے لئے سازگار ماحول پیدا کرنے کے لئے سب

سے پہلے شیخ محمد عبداللہ اور ان کے رفقاء کی فوری رہائی اور ان پر تمام پابندیاں ختم کی جائیں۔

4۔ حکومت پاکستان اور بھارت رائے شماری کی بات چیت میں چوہدری غلام عباس اور شیخ محمد عبداللہ کو شامل کریں۔

5۔ مقبوضہ کشمیر کی موجودہ غیر نمائندہ حکومت کو ختم کر کے وہاں ایک ایسی حکومت بنائی جائے جسے عوام کا اعتماد حاصل ہو۔

6۔ کانفرنس بھارتی حکومت کے ان اقدام کی پرزور مذمت کرتی ہے جس کے ذریعے وہ رائے شماری منعقد کرانے کے راستہ میں رکاوٹ ڈالتی رہی ہے اور جو سلوک وہ بھارتی مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں کے ساتھ کرتی رہی ہے۔

3۔ کانفرنس پاکستانی عوام پر زور دیتی ہے کہ وہ جموں و کشمیر کے عوام کو حق خود ارادیت دلوانے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں اور اس عظیم مقصد کے حصول کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار رہیں۔ جو کہ آزادی کشمیر اور پاکستان کی بقا اور سالمیت کے لئے نہایت ضروری ہے۔

4۔ یہ کانفرنس، کانفرنس کے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے اور ضروری اقدامات کرنے کے لئے مندرجہ ذیل قائدین پر مشتمل کمیٹیاں تشکیل دیتی ہے۔

1۔	چوہدری غلام عباس	چیئرمین
2۔	خواجہ ناظم الدین	ممبر
3۔	سید حسین شہید سہروردی	ممبر
4۔	مولانا ابو الاعلیٰ مودودی	ممبر
5۔	چوہدری محمد علی	ممبر

یہ کمیٹی صدر پاکستان سے ملاقات کر کے اس بارے میں حکومت پاکستان کی پوری اعانت حاصل کرنے کی کوشش بھی کرے گی۔ ابتداء میں نوابزادہ نصراللہ خان نے اس بات پر اتفاق نہیں کیا کہ کمیٹی صدر ایوب کو ملے لیکن بعد میں نواب ممدوٹ کے سمجھانے پر انہوں نے پر زور تائید کی۔

میجر اسحاق کا خطاب

صاحب صدر اور دستور!

میں یہ چند خیالات ملک کی موجودہ سیاسی حالات پر ایک مختصر سے تبصرہ کے طور پر پیش کر رہا ہوں۔ ملک کے سیاسی حالات نہایت پریشان کن اور سیال شکل اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اس لئے ان پر کوئی حتمی رائے قائم کرنا ایک عام فہم انسان کے لئے نہایت مشکل کام ہے۔ زمانہ نہایت تیزی کے ساتھ دوڑ رہا ہے۔ جو تبدیلیاں انسان کی تاریخ کے ابتدائی دور میں صدیوں میں آتی تھیں آج کل سالوں کے اندر ظہور پذیر ہو رہی ہیں۔ دنیا بھر میں تبدیلی کا شور اور غوغا بلند ہے۔ کبھی ایسا وقت بھی تھا کہ ایک ملک میں انقلاب آ رہا ہوتا تھا تو ساتھ کے ملک والوں کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی تھی۔ آج وہ وقت نہیں رہا۔ آج کا انسان دنیا بھر کے براعظموں، شہروں، سمندروں، دریاؤں، پہاڑوں کے اوپر سے کوئی ڈیڑھ گھنٹہ میں پرواز کر لیتا ہے۔ چوبیس گھنٹہ میں کوئی 17716 مرتبہ طلوع و غروب آفتاب دیکھ لیتا ہے۔ انسان نے ایک ایسی قدرتی طاقت پر قابو پالیا ہے کہ اگر اس طاقت کی مقدار ایک عام دیا سلائی کے حکم کے برابر ہو تو ایک بڑے سمندر جہاز کو دنیا کے گرد چکر لگانے کے لئے ایندھن کے طور پر کافی ہے۔ اس طاقت کو انسانی بہبود کے کاموں میں لگایا جائے تو آج دنیا میں افلاس بھوک اور ننگ کا خاتمہ ہو جائے۔ حال کے چند سالوں میں انسان نے ایٹمی طاقت کو قابو پانے کا کمال ہی حاصل نہیں کیا۔ ریاضی میں اتنی ترقی ہو گئی ہے کہ سائنس داں اس قابل ہو گئے ہیں کہ دنیا کے گرد انسانی پرواز کے اوقات، فاصلے اور صحت پرواز سے پہلے ہی طے کر لیتے ہیں۔ جو حساب کتاب ایک انسانی ذہن سالوں میں طے کرتا تھا اب برقی مشین منٹوں، سیکنڈوں میں حل کر دیتی ہے۔ انسان نے اتنی طاقتور مشینیں بنا لی ہیں کہ اب سینکڑوں من بوجھ زمین کے دائرہ کشش سے آزاد کیا جا سکتا ہے۔ خود کار مشین اتنی ترقی یافتہ صورت پکڑ گئی ہے کہ جس کارخانے میں پہلے سینکڑوں ہزاروں مزدور کام کرتے تھے۔ وہی کارخانہ اب دو چار کاریگروں کی تحویل میں چل سکتا ہے۔ کرۂ ارض کے ارد گرد سینکڑوں ہزاروں سلیمانی تخت ہوا سے کہیں زیادہ تیز رفتاری سے گھوم پھر رہے ہیں۔ ہر آدمی چند روپیوں کے خرچ سے دنیا بھر کے گانے۔ مکالمے۔ تقریریں سن سکتا ہے۔

ان حالات میں ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ سب انسان مل کر بیٹھتے اور ________ انسانی اختراع اور صناعی کی ان نعمتوں کو انسانی بہبود کے لئے استعمال کرنے کے منصوبے بناتے۔ لیکن ایسا نہیں ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ انسان ابھی تک حرص و آز۔ زردستی، جاہ پرستی، غرور و تکبر، توہمات اور تنگ نظری کی نعمتوں سے آزاد نہیں ہوا۔ چنانچہ یہی چیزیں جو انسانوں کے لئے رحمتوں کے نزول کا باعث بنتیں اب کرہ ارض پر تمام جانداروں کی تخم ریزی ختم کرنے کا ذریعہ بنائی جا رہی ہے۔ اب کے اگر عالمی جنگ ہوئی اور انسان نے تباہی پھیلانے کے تمام ذرائع استعمال کر دیئے تو یہ زمین ______ بنجر ہو جائے گی۔ جس پر سے حیوانات تو ایک طرف نباتات تک غائب ہو جائیں گے۔

دنیا بھر میں رحمانی اور شیطانی طاقتوں کی کشاکش جاری ہے۔ رحمانی طاقتیں یہ چاہ رہی ہیں کہ نئی قوتوں کی بدولت انسان نہ صرف قدرتی آلام بیماریوں، آندھی، طوفان، گرمی، سردی کی شدت، سیلاب اور خشک سالی قحط وغیرہ سے نجات پالے بلکہ انسان پر انسان کے ظلم و استبداد کو ختم کر دے اور جو نئے انسان پرواز چڑھیں وہ علم و فضل کے زیور سے آراستہ ہوں اور دوسرے انسان کی محبت میں سرشار ہوں۔ حیوانی چیرہ دستیوں سے اجتناب

کریں اور انسانی مساوات' اخوت اور آزادی ان کی گھٹی میں ہو- اس کے برعکس شیطانی طاقتیں سرتوڑ کوشش کر رہی ہیں کہ حالات جوں کے توں رہیں- طاقتور کمزوروں کا خون پیتے رہیں- غریب امیروں کی خدمت پر مامور رہیں- چند ایک لوگوں کے سامان عیش کے اہتمام میں ساری خدائی رات دن ایک کر دے جن کے پاس دولت کے انبار ہیں وہ صرف انہیں پر قابض رہیں بلکہ ان میں دن دونا رات چوگنا اضافہ ہوتا جائے- اس مقصد کے لئے منڈیوں پر قابو پلیا جا رہا ہے- منافع خوری' رشوت ستانی' بلیک مارکیٹ' ملاوٹ زردستی کا دور دورہ ہے- انسان انسان کے خون کا پیاسا ہے- لالچ اور تنگ نظری کی وجہ سے انسانوں میں حیوانی خصوصیات کا غلبہ ہو گیا ہے- رحمانی اور شیطانی طاقتوں کی اس کشمکش میں رحمانی طاقتوں کی یہ کوشش ہے کہ انسان زمانے کے تقاضوں کے مطابق اپنی سوچ میں' عادتوں میں' خصلتوں میں دوسرے انسانوں کے ساتھ رویہ میں' کائنات کے بارے میں' خیالات میں' معاشرے کی سیاسی اور اقتصادی اور تمدنی صورتوں میں تبدیلی کے بارے میں اپنے ذہن کو ڈھالے اور آگے قدم بڑھائے- شیطانی طاقتوں کی یہ کوشش ہے کہ زمانہ کو پچھلی صدیوں کی طرف کھینچا جائے_ ایسا نہ ہو سکے تو کم از کم جوں کا توں رکھا جائے اور ہر تبدیلی کا مقابلہ کیا جائے اور تبدیلی کے مبلغوں کو مفسد قرار دے کر کچل دیا جائے-

پاکستان میں پچھلے پندرہ سال سے زیادہ رجعت پرست قوتوں کا دور دورہ رہا ہے- ان کی یہ کوشش رہی ہے کہ ملک کو جس حالت میں انگریز چھوڑ گئے تھے اسی حالت میں رکھا جائے- چنانچہ ملک کے استحکام کے بہانے ہر تبدیلی کو روکنے کی کوشش کی گئی اور ہر ایسے اقدام کو ملک دشمنی پر محمول کیا گیا جس سے ملک کے معاشرتی' سیاسی یا قتصادی ڈھانچہ میں کسی قسم کی تبدیلی کا اندیشہ تھا- فی زمانہ تبدیلی کے سب سے زیادہ خواہش مند عوام ہیں- خاص طور پر ہمارے عوام جو صدیوں سے افلاس' بھوک' بیماری اور جہالت کا شکار ہیں- تبدیلی کا سب سے عمدہ اور موثر طریقہ جمہوریت ہے- چنانچہ رجعت پسند طاقتوں نے اس بات کا خاص اہتمام کیا کہ اس ملک میں جمہوریت نہ چل سکے- نئے خیالات کی ترویج نہ ہو سکے- ٹریڈ یونین' کسان کمیٹیاں' اسٹوڈنٹ یونین اور دوسرے عوامی ادارے نے پنپ سکیں اور جب دیکھا کہ عوامی دباؤ بڑھ رہا ہے تو ملک کو بین الاقوامی بھیڑیوں کے حوالہ کر دیا-

ملک کی گذشتہ 15 سال کی سیاست کو مسلم لیگی سیاست کہنا چاہئے- اس زمانے میں زیادہ تر ملک پر مسلم لیگی حکومت رہی ہے جن دنوں مسلم لیگ کی حکومت نہیں تھی ان دنوں بھی ملکی سیاست مسلم لیگی ذہن سے آزاد نہیں ہوئی- مسلم لیگ ایک طرح سے ہندوستانی مسلمانوں کا متحدہ محاذ تھا- جس میں جاگیردار بڑے چھوٹے سرکاری افسر- تاجر پیشہ لوگ' کارخانہ دار' دانشور' کسان' مزدور سب ہی شامل ہو گئے تھے تاکہ ہندوستان میں مسلمانوں کو اپنے طور طریقے پر رہنے کی آزادی مل سکے- بدقسمتی سے اس متحدہ محاذ کی باگ ڈور جاگیرداروں اور نوکرشاہی کے قبضہ میں آ گئی تھی اس کی کئی ایک وجوہات تھیں- اول شروع زمانے ہی سے مسلم لیگ جاگیرداروں کا گڑھ رہی تھی- جن کو انگریزوں نے کانگریس کی تجارت پیشہ اور صنعت کار لیڈر شپ کے مقابلہ میں کھڑا کیا تھا- قائداعظم کے لیگ میں شامل ہو جانے سے اس کے بنیادی ڈھانچہ اور طور طریقوں میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں آئی- دوئم' انگریزی کا پروردہ ایک بہت بڑا طبقہ جو جاگیرداروں اور نوکرشاہی پر مشتمل تھا اور جس نے کبھی بھی ملک کی آزادی کی جدوجہد تو درکنار کسی قسم کی سیاست میں بھی حصہ نہیں لیا تھا اور جو یوم آزادی تک انگریز کا وفادار رہا تھا اپنے آقاؤں کے اشارے پر آنا" فانا" لیگ میں شامل ہو گیا- اس طبقہ نے اپنے اثر اور رسوخ اور دولت کے سہارے بہت جلد لیگ کی تنظیم میں امتیازی حیثیت حاصل کر لی اور آزادی کے بعد حکومت کی باگ ڈور زیادہ تر انہیں لوگوں کے ہاتھ میں چلی گئی- سوم ہندوستان کے پاکستانی علاقے صنعت اور تجارت کے لحاظ سے بہت پس ماندہ تھے- چنانچہ یہاں صنعت کاروں اور تاجروں کا طبقہ سیاسی' معاشرتی' اقتصادی لحاظ سے بہت کمزور تھا اس لئے جاگیرداروں اور نوکرپیشہ لوگوں کا ان علاقوں میں بول بالا رہا-

چہارم- پاکستان کا بننا- پاکستانی علاقوں میں نیشنل کانگریس کی شکست فاش تھی- چنانچہ کانفرنس کا اثر زائل ہونے کی وجہ سے یہاں کے نیشنلسٹ مسلمان بہت کمزور پڑ گئے اور لیگی جاگیرداروں کی یلغار کا مقابلہ نہ کر سکے- زمانے کا تقاضا تھا کہ پاکستان بننے کے فوراً بعد مسلم لیگی محاذ ٹوٹ جاتا تاکہ عوام کو جاگیرداری اور نوکرشاہی سے نجات مل سکتی لیکن ایسا نہیں ہوا اور جاگیردار اور نوکرشاہی والے ملک کو اپنی گرفت میں لئے رہے- 14 اگست 1947ء کو قائداعظم نے دستور ساز اسمبلی کو بطور اس کے صدر کے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا- "اب اگر ہم اس عظیم مملکت پاکستان کو خوشیوں کا گھر اور خوشحال بنانا چاہتے ہیں تو ہم کو اپنی تمام تر توجہ عوام کی بہبودی پر لگانی چاہئے خاص طور پر غریب عوام کی فلاح اور بہتری پر اگر آپ مل کر کام کریں گے اور ماضی کی چپقلش بھول جائیں گے تو کامیابی آپ کے قدم چومے گی- اگر آپ اپنا ماضی بدل ڈالیں گے اور مل کر اس ولولہ کے ساتھ کام کریں گے کہ آپ اور میں کا ہر فرق بھول جائیے کہ وہ کس فرقہ سے تعلق رکھتا ہے- ماضی میں دوسروں کے ساتھ اس کے تعلقات کیسے تھے- اس کا رنگ ذات پات یا عقیدہ کیا ہے اور وہ یہ سمجھ لے کہ وہ اول آخر پاکستان کا شہری ہے اور دوسروں کے ساتھ یکساں حقوق' مفادات اور ذمہ داریوں کا مالک ہے تو آپ کی ترقی بے حد و نہایت ہو گی- میں اس بات پر جتنا زور دوں کم ہے ہم کو اس جذبہ کے ساتھ کام کرنا چاہئے کہ ہم کچھ وقت گزرنے کے بعد بھول جائیں کہ اکثریت کون ہے اور اقلیت کون ہے- ہندو کون ہے- مسلمان کون ہے کیونکہ مسلمانوں میں بھی تو پٹھان' پنجابی' شیعہ' سنی ہیں اور ہندوؤں میں برہمن' ویشنو' کھتری وغیرہ ہیں ______ یہ سب کچھ غائب ہو جانا چاہئے-

اگر آپ مجھ سے پوچھیں تو میں یہی کہوں گا کہ ہندوستان کی آزادی کی راہ میں یہ تفرقہ سب سے بڑی رکاوٹ رہے ہیں اور یہ نہ ہوتے تو ہم کبھی کی آزاد قوم بن چکے ہوتے۔ فی زمانہ کوئی قوم دوسری قوم کو غلام نہیں رکھ سکتی چہ جائیکہ چالیس کروڑ کی قوم کو غلاموں کی زنجیروں میں جکڑا جاسکے۔ کوئی آپ پر فتح نہ پا سکتا تھا۔ غیر کی فتح ہو بھی جاتی تو دیرپا نہ ہوتی لیکن فرقہ پرستی نے ملک اور قوم کا بیڑہ غرق کیا اس لئے ہم کو اس سے سبق سیکھنا چاہئے۔ آپ آزاد ہیں۔ آپ آزادی سے اپنے مندر میں جائیں آزادی سے مسجد میں جائیں یا جس کسی جگہ چاہیں عبادت کے لئے جائیں۔ آپ کا مذہب ذات پات یا عقیدہ کچھ ہی کیوں نہ ہو ان باتوں کا انصرام مملکت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ جب کہ آپ کو معلوم ہے کہ تواریخ میں ہے کہ کچھ زمانہ گذرا کہ انگلستان میں حالات ہندوستان کے موجودہ حالات سے کہیں زیادہ خراب تھے۔ رومن کیتھولک، پروٹسٹنٹ ایک دوسرے کے درپے آزاد تھے۔ فی زمانہ بھی ایسی مملکتیں ہیں جہاں ایک خاص فرقہ کو پابندیوں اور بدسلوکی کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم اس عہد سے گذر چکے ہیں۔ ہمارا زمانہ وہ ہے جبکہ ایک فرقہ اور دوسرے فرقہ میں کوئی فرق کوئی امتیاز نہیں ہے۔ کسی ذات پات یا عقیدہ والوں کے خلاف تعصب نہیں ہے۔

ہم نے اس بنیادی اصول کے ساتھ آغاز کیا ہے کہ ہم تمام ایک مملکت کے شہری ہیں۔ برابر کے شہری۔ وقت گزرنے پر انگلستان کے عوام نے حالات کے تقاضوں کو سمجھ لیا اور وہ آہستہ آہستہ حکومت کی ذمہ داریوں اور مشکلات سے عہدہ برآ ہونے لگے اور انہوں نے فرقہ واری کی لعنت سے نجات پائی۔ آج یہ بات کہنا قرین انصاف ہے کہ انگلستان میں نہ کوئی، رومن کیتھولک ہے نہ پروٹسٹنٹ۔ اب وہاں صرف انگلستان کے شہری برابر کے شہری آباد ہیں۔ اور وہ تمام ایک قوم کے فرد ہیں۔ چنانچہ میرا خیال ہے کہ سب لوگ بھی یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے اور یہی ہمارا آدرش ہونا چاہئے۔ اس طرح آپ دیکھیں گے کہ کچھ عرصہ گذرنے کے بعد ہندو ہندو نہ رہیں گے۔ مسلمان مسلمان نہ رہیں گے۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دیں گے کیونکہ مذہب ہر کسی کا ذاتی معاملہ ہے۔ میرا مطلب ہے سیاسی لحاظ سے پاکستان کے شہری ہونے کی حیثیت سے مذہب باعث تفریق نہ ہو گا۔"

لیکن جہاں تک بات ذاتی مفاد کی ہو، پیروں، پیغمبروں کی، کون سنتا ہے۔ قائداعظم کا فرمان بھی تعویز بن کر رہ گیا_ اور پاکستان کے حاکم طبقہ نے ماضی کو بھولنے کے بجائے اس کو اور بھی اجاگر کیا۔ اور اپنے مخالفوں پر ملک دشمنی، قوم سے غداری اور اسی قسم کی سنگین تہمتیں لگا لگا کر ان پر طرح طرح کے ظلم و ستم ڈھائے۔ ایسے ظلم و ستم کہ ان کے بیان سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کا سب سے پہلا شکار وہ لوگ تھے جو اپنی جوانی کے دن انگریز کی کال کوٹھریوں میں برباد کر چکے تھے تاکہ مادر وطن آزاد ہو سکے۔ صحتیں برباد کر چکے تھے دولتیں لٹوا چکے تھے، جن پر دارورسن کی آزمائش ہو چکی تھی اور جن کی بدولت یہ نواب زادے صاحب زادے، انگریز کے خطاب یافتہ لوگ اس لائق ہوئے تھے کہ آزاد مملکت کے حاکم بن سکیں۔ لیگیوں کا دوسرا شکار وہ لوگ تھے جو زمانے کے نئے تقاضوں کے علمبردار تھے اور قوم کے کردار اور افکار میں مناسب تبدیلی اور ترقی لانا چاہتے تھے تاکہ ہماری قوم دوسری قوموں میں سرخرو ہو سکے اور انسانی ترقی میں دوسری قوموں کے پہلو بہ پہلو چل سکے اور انسانی بہبود کے لئے کوششوں میں برابر کی حصہ دار ہو۔

لیگ کی لیڈر شپ میں بڑا حصہ پنجاب، یو۔ پی اور پشتونستان کے جاگیرداروں اور نوکر شاہی کا تھا۔ پنجاب اور کراچی میں لیگ کی مقبولیت کی خاص وجوہات تھیں۔ اول تو یہی دو علاقے تھے جہاں اردو کا راج باقی تھا۔ دوسرے ان کی آبادی میں مہاجروں کی تعداد پاکستان کے دوسرے علاقوں کی نسبت زیادہ تھی۔ تیسرے پنجاب کے مہاجروں نے ہندوؤں سکھوں کے ہاتھوں بہت دکھ اٹھائے تھے اور کراچی کے مہاجروں کے رشتہ دار ابھی ہندوستان میں آباد تھے۔ جن کو ہندو فرقہ پرستوں کے ہاتھوں آزار پہنچتا رہتا تھا۔ اس لئے دونوں جگہ دو قوموں کی تھیوری مقبول تھی اور اب تک مقبول ہے۔ پاکستان کے باقی علاقے آہستہ آہستہ اس لیڈر شپ سے یکسر آزاد نہیں تو لاتعلق ضروری ہوتے گئے خود کراچی والوں کی حالت بھی پتلی تھی۔ وزارتوں سے تو ان کو یکسر محروم کر دیا گیا ہے۔ البتہ نوساختہ لیگ میں کچھ چیلوں کے طور پر ان کے لئے گنجائش رکھ لی گئی ہے۔ ممکن ہے ان تک حقائق کی روشنی جلد ہی پہنچ جائے۔ جاگیرداروں اور نوکر شاہی کی جکڑ بندی سے سب سے پہلی آزادی مشرقی پاکستان کو حاصل ہوئی۔ مغربی پاکستان کے جاگیرداروں اور نوکر شاہی کی خواہش تو صرف یہ بھی کہ 56ء کے الیکشن میں مشرقی پاکستان کی لیگ کو کمزور کیا جائے اور وہاں انتشار پھیلایا جائے تاکہ مشرقی پاکستان متحد ہو کر مغربی پاکستان کے کچھ حصوں کو ساتھ ملا کر مرکزی حکومت پر قبضہ نہ کر لے۔ لیکن حساب گڑبڑ ہو گیا اور مشرقی پاکستان میں مسلم لیگ ملیہ میٹ نابود ہو گئی اور وہاں کے متوسط طبقہ سر اٹھایا تو مغربی پاکستان پر "ون یونٹ" ٹھونسا گیا تاکہ یہاں مشرقی پاکستان کی مثال لے کر کوئی ایک صوبہ بغاوت نہ کر دے۔

"ون یونٹ" ایک بے ایمان ترکیب تھی۔ اس کا بڑا مقصد مرکز میں مشرقی پاکستان سے اقتدار کے لئے سودے بازی تھا۔ صوبائی سطح پر پنجاب کی نمائندگی بہت گھٹیا دی گئی۔ صوبائی سروس میں بھی پنجابی اہل کاروں پر وسیع پیمانہ پر ناانصافیاں کی گئیں اس بے ایمانی کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب برسر اقتدار طبقہ میں نفاق پیدا ہوا اور اقتدار کی خانہ جنگی شروع ہوئی تو "ون یونٹ" کے مسئلہ کو بھی اقتدار کے جوئے پر لگایا گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ آج جو لوگ "ون یونٹ" کو جزو ایمان بنائے پھرتے ہیں وہ محض مصلحت

کوش ہیں- وزارتوں کی گدیوں پر جانے کے لئے جو شرائط ان پر لگائی جا رہی ہیں ان میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ کھلم کھلا "ون یونٹ" پر اپنے ایمان کا اظہار کریں لیکن ہم لوگ اس بارے میں ان اصحاب کے ایمان کی گہرائی خوب دیکھ چکے ہیں یہ ایمان خریدا اور بیچا جاتا رہا ہے اور خریدا اور بیچا جا رہا ہے...

1958ء میں خیال پیدا ہو گیا تھا کہ 11 سال کے بعد بالآخر پاکستان میں جمہوریت کا دور دورہ ہو گا- لیکن برسراقتدار طبقہ کو شک پیدا ہوا کہ جمہوری انتخابات ان کی سیاسی موت کا پیش خیمہ ہوں گے- اب کے نوکر شاہی نے جاگیرداروں کو کچھ حد تک سیاسی قربان گاہ پر چڑھا دیا اور زمام حکومت کم و بیش اپنے ہی ہاتھ میں لے لی- نوکر شاہی کی پشت پناہ سامراجی طاقتیں بن گئیں کیونکہ ان کو بھی خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ عوامی ابھار سے ان کے فوجی اڈے اور دوسری سامراجی مراعات خطرہ میں پڑ جائیں گی- آپ نوٹ کریں گے 1958ء میں اگر امریکی غیر فوجی امداد 1430 ملین ڈالر تھی یعنی 14 کروڑ 31 لاکھ ڈالر تو 1959ء میں یہ امداد بڑھ کر 28351 ملین ڈالر یعنی 28 کروڑ 31 لاکھ ہو گئی اور 1960 میں 31838 ملین ڈالر یعنی 31 کروڑ 28 لاکھ ہو گئی-

44 مہینہ کے سیاسی اندھیرے کے بعد جو اجالا ہوا ہے تو بہت سی باتیں اجاگر ہو گئی ہیں- ایک تو حکمران طبقہ بالآخر عوام سے ہٹ کر علیحدہ ہو گیا ہے اور اس کے اقتدار کا ذریعہ جبر و استبداد' لالچ اور رشوت رہ گیا ہے- عوام کو ڈرا دھمکا کر رکھنے کے لئے مارشل لاء کا سول ایڈیشن وضع کر لیا گیا- جس میں سیکورٹی اور سیفٹی کے قوانین فرنٹیر کرائمز ریگولیشن- سیاسی جماعتوں کا قانون یونیورسٹی آرڈیننس ملازموں کے سروس اور ڈسپلن رولس ایک آمرانہ دستور جس میں بنیادی انسانی حقوق غاصب ہیں اور جس میں اسمبلیاں عوامی ادارہ ہونے کی بجائے اس نام کے عوامی اداروں کا تمسخر ہیں اور مارشل لاء لانے کی دھمکی شامل ہے- دوسری بات جو واضح ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ملک کو 30'25 سال پیچھے دھکیل دیا گیا ہے اور ہم کو عوام کے اقتدار اعلیٰ حق خود اختیاری اور جمہوریت کے لئے وہی جنگ لڑنی پڑ رہی ہے جو کسی زمانے میں ہمارے قابل تحریم بزرگ اور دوست مادر وطن کے مایہ ناز سپوت انگریز کے خلاف لڑا کرتے تھے- جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں آج کے زمانے کا ایک سال پرانے وقتوں کی صدی کے برابر ہے- میں برسراقتدار لوگوں سے پوچھتا ہوں کہ قوم پر جو کارخانوں' زمینوں' غیر ملکی کاروں' نائلون کی ساریوں جوئے اور شراب کی خاطر سب کچھ کیا جا رہا ہے- کیا اس کی گارنٹی ہے کہ ہمیشہ ان کے پاس رہیں گے؟ وہ اپنا ارد گرد نہیں دیکھ رہے کہ کس طرح ایک ملک کے بعد دوسرے ملک میں یہی دولت اور سامان عیش کی فراوانی اس کے مالکوں کے لئے دفعتاً" عذاب بن جاتی ہے- میری ان سے اپیل ہے کہ اپنی اور اپنے بچوں کی خاطر ان کی جانوں کی خاطر ان کے اطمینان قلب کی خاطر ان کے مستقبل کی خاطر بدی اور خود غرضی کا راستہ چھوڑ دو اور عوام کے غصب شدہ حقوق ان کو واپس کرو تاکہ آپ اور ہم سب مل کر اس قوم کو پستی سے نکال سکیں- اس کی مصیبتیں دور کر سکیں اور اسے دنیا کی دوسری آبرومند قوموں کے شانہ بشانہ کھڑا کر سکیں- غدار پیش پا فتادہ مفاد کی خاطر قوم کی اور اپنی آخرت خراب نہ کرو-

لیکن جاہ و دولت کا لالچ ہمیشہ انسان کو اندھا' بہرا اور گونگا کر دیتا ہے اور اس کے قلب پر سیاہی کا خول چڑھ جاتا ہے- اس لئے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ ملک بھر کے محب وطن اور انسان دوست جمہوریت پسند اکٹھے ہو جائیں اور آزادی کی اس دوسری جنگ میں شامل ہو جائیں- جعل اور فریب کا دور ختم ہو گیا ہے- نعرہ بازی کی سیاسی آخری دموں پر ہے- معاملات کی سیاست کا وقت آ گیا ہے- نعرہ بازی اور معاملہ گری کا یہی فرق ہماری انگریز کے خلاف پہلی جنگ آزادی اور اندرونی استبداد کے خلاف اس دوسری جنگ آزادی میں ہے- اس وقت کا نعرہ تھا کہ انگریز کو نکال باہر کرو- بعد میں دیکھا جائے گا- بعد میں دیکھا جائے گا- پاکستان لے لو بعد میں دیکھا جائے گا-

ہم ایسا نہیں کر سکتے- ایسا کریں تو اپنے کو اور قوم کو دھوکا دیں گے- اب ہمیں قوم کے معاملات کا ٹھنڈے دل سے سائنس' تجربہ اور علم کی روشنی میں تجزیہ کرنا ہے اور ان معاملات کا حل نکالنا ہے- مقصد قوم کی فلاح سے ہے اس سے نہیں کہ اس کارکردگی کا طرہ کس کے سر پر بندھتا ہے- دنیا میں صحیح معنوں میں جمہوری دور شروع ہو گیا ہے- شخصیت پرستی ختم ہو رہی ہے اگر ہمارے دباؤ سے حکمراں طبقہ اپنے طور طریقے درست کر لے اور صراط مستقیم پر آ جائے تو ہماری اور قوم کی حکمراں طبقہ کی خوش قسمتی ہو گی- ہمیں جاہ و دولت اور عہدوں کا لالچ نہیں ہے- ہمیں محض خدمت سے غرض ہے- ہم تو اس بات کے قائل ہیں کہ جمہوریت کے دور میں مقدس ملک کے تمام ذرائع تمام لوگوں کی منفعت پر صرف ہوں' اور کسی ایک آدمی کو حق نہ ہو کہ قومی دولت پر ذاتی تصرف قائم کرے-

میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں دوستوں میں "ون یونٹ" کے خلاف جذبہ بہت زیادہ ہے- پنجاب سے ہم لوگ آئے ہیں ان کے بارے میں آپ کو معلوم ہے کہ وہ شدید مقامی مخالفت کے باوجود ہر اس اقدام کی مخالفت کرتے آئے ہیں جو عوام کی مرضی کے خلاف اختیار کیا جائے- ہم سمجھتے ہیں کہ "ون یونٹ" چھوٹے صوبوں کے عوام کی غرض کے مطابق نہیں بنایا گیا اور شروع دن سے اس کے مخالف رہے ہیں- اس لئے ہماری طرف سے آپ اطمینان رکھیں کہ ہم کو ون یونٹ سے کوئی ذاتی غرض مقصود نہیں ہے- البتہ ہم اس بات کا اظہار بھی واضح طریقہ سے کر دینا چاہتے ہیں کہ چونکہ یہ پاکستانی عوام کا ایک مسئلہ ہے- اس لئے پاکستانی شہری ہونے کی حیثیت سے ہمیں حق پہنچتا ہے کہ کھلے دل بغیر لاگ لپیٹ کے اس مسئلہ کی نوعیت سمجھیں اس پر تبصرہ کریں اور اس کا حل نکالنے میں مدد دیں-

موجودہ صورت حالات میں "ون یونٹ" کے مسئلہ کے حل کے تین

طریقے ہیں نمبر1 یہ کہ موجودہ آئین میں اس مطلب کی ترمیم منظور کرائی جائے- نمبر2 دوئم ڈائرکٹ ایکشن کیا جائے حتیٰ کہ حکومت مجبور ہو جائے کہ ون یونٹ کو توڑ دے نمبر3 تیسرا یہ معاملہ پاکستان کے عوام تک لے جایا جائے کہ وہ اس کا حل نکالیں- حل کی پہلی صورت تو ان لوگوں کی ہے جو دراصل اس مسئلہ کا حل نہیں چاہتے لیکن عوام میں بدنام بھی ہونا نہیں چاہتے- اس لئے کہ موجودہ آئین میں ترمیم ناممکنات میں سے ہے- البتہ بادشاہ سلامت بخشش کے موڈ میں ہوں تو شاید منہ مانگی مراد مل جائے- دوسرے حل میں مجھے ذاتی طور پر اس حد تک تامل ہے کہ جب تک تیسرا حل نہ آزما لیا جائے دوسرے حل کے لئے جواز پیدا نہیں ہوتا اور بڑے صوبوں میں عوام تک یہ مسئلہ لے جانے سے پہلے ڈائرکٹ ایکشن سے پاکستان کی مختلف قومیتوں میں نفرت اور حقارت کے جذبات ابھر آئیں گے اور ون یونٹ کے ساتھ شاید پاکستان بھی ٹوٹ جائے ایسا کرنے کا ہم میں سے کسی کو بھی حق نہیں پہنچتا اور نہ کوئی اس سے فائدہ پا سکے گا۔

تیسرا حل ایسا ہے جس کے لئے ملک میں فضا نہایت سازگار ہے- جولائی کے آخیر میں کچھ دوستوں کے ہمراہ مشرقی پاکستان گیا تھا ہمارے ساتھ عبدالولی خان صاحب کو بھی جانا تھا' لیکن آخری وقت میں ایک مجبوری آپڑی اور نہ جا سکے- لیکن ہم نے دیکھا کہ تمام بنگال ان کے لئے چشم براہ تھا اس لئے کہ وہ باچا خان کے سپوت اور پٹھانوں کے نمائندہ کے طور پر جا رہے تھے- مشرقی پاکستان کے عوام سیاسی لحاظ سے بہت بہادر ہیں اور سیاسی بہادروں کی ان کے دل میں قدر ہے ان کے خیال جبرواستبداد کے خلاف جدوجہد شروع کرنے کا سہرا بہادر پٹھانوں کے سر پر ہے (بلوچوں کی بہادری کی داستانیں ان تک ابھی نہیں پہنچی تھیں) دوسرے ڈھاکہ میں لاہور کے ان اخبارات کا کوئی اثر نہیں ہے جو لاہوریوں کو خصوصاً اور پنجابیوں کو عموماً زیر آگیں نشتروں سے چرکے دیتے رہتے ہیں-

میں پنجاب کے کسانوں' مزدوروں' دانشوروں' متوسط طبقہ کے لوگوں چھوٹے صنعت کاروں کا نمائندہ نہیں ہوں- البتہ ان کا ایک فرد ہوں- حکمراں' نوکرشاہی اور جاگیرداروں اور بڑے سرمایہ داروں کی ریشہ دوانیوں- خود غرضیوں' لالچ اور کرودھ کے اتنے شکار ہیں جتنا پاکستان کا دوسرا ہو سکتا ہے- پنجاب کا متوسط طبقہ پاکستان کی بہت بڑی دولت تھی آج جس طرح یہ ذلیل و خوار ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا- آج ہمارے سینکڑوں لائق و فائق نوجوان ڈاکٹر بننا چاہتے ہیں ان کو داخلہ نہیں مل رہا- سینکڑوں انجینئر بننا چاہتے ہیں اور داخلہ نہیں مل رہا ہے- سینکڑوں صنعت' و حرفت میں جانا چاہتے ہیں- دروازے بند ہیں- ملازمتوں کے مقابلہ کے امتحانوں میں اونچے نمبر پاتے ہیں- لیکن کوٹا سسٹم کی وجہ سے روک دیے جاتے ہیں- آج پنجاب پڑھے لکھے بے کار نوجوانوں سے بھرا پڑا ہے اور پنجاب کی روشنی طبع اس پر بلا بن گئی ہے- پنجاب کا کسان برصغیر ہند میں اپنی جفاکشی' محنت' طاقت اور صحت کے لحاظ سے بے نظیر تھا- آج اس بھوکی قوم کا پیٹ بھرنے کے لئے زمین کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہے- زمین نہیں مل رہی جو تھوڑی بہت اس کے پاس ہے وہ تھور اور سیم کی نذر ہو رہی ہے- پنجاب میں بڑے بڑے کاریگر اور چھوٹے صنعت کار بھرے پڑے ہیں- لیکن آج بیکاری کے ہاتھ مفلوک الحال ہیں- ہماری نوکرشاہی اور جاگیرداروں نے پاکستان پر حکومت کر کے ہم کو کیا دیا ہے- لاہور کے چند محلات' مری کی طرب گاہیں اور بے شمار امریکی کاریں- ان سب میں پنجاب کے عوام کا کوئی حصہ نہیں ہے-

صدر ایوب خان نے 11 ستمبر 1962ء کو کامن ولتھ کے وزرائے اعظم کو خطاب کرتے ہوئے یورپ کی ترقی یافتہ قوموں کو تنبیہہ کی ہے کہ فوجی دنیا والوں کو یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ وہ ہم جیسے کم ترقی یافتہ ملکوں کو اقتصادی طور پر خودکفیل دیکھنا چاہتے ہیں کہ نہیں- کیا ان کا ارادہ یہ تو نہیں ہے کہ اپنے آپ کو ایک طاقتور بین الاقوامی اجارہ دار بنا کر ہماری مصنوعات کو اپنی منڈیوں میں نہیں آنے دینا چاہتے اور ہم کو مجبور کرنا چاہتے ہیں کہ ہم محض خام مال پیدا کر کے ان کی فیکٹریوں میں پہنچاتے رہیں اور ہم پر تجارتی شرائط ٹھونسنا چاہتے ہیں تاکہ ہم ان کی مصنوعات کی قیمت اصل سے کئی گنا ادا کریں- اگر ایسا ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مغربی ممالک ایک بدترین قسم کا سامراج دوبارہ قائم کرنا چاہتے ہیں جس کا نتیجہ ہلاکت خیز ہوگا- مجھے یقین ہے کہ کم ترقی یافتہ ملکوں کے عوام اس قسم کی صورت حال کبھی برداشت نہیں کریں گے اور آخر کار یہ بات خود مغربی ممالک کے لئے بھی مفید نہیں رہے گی"_ تو گویا اب تک ہماری اقتصادیات سامراجیوں کے ماتحت نہیں رہی ہے؟ 1947ء میں سامراجیوں نے ہمیں صرف سیاسی آزادی دی تھی' اقتصادی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھی تھی جو اب تک ان کے ہاتھ میں ہے- ایسا نہ ہوتا تو آج ملک محض کپڑے کے کارخانوں پر اکتفا کیوں کرتا یہاں بھی اسٹیل ملیں لگتیں' مشینری تیار ہوتی اور دوسری بنیادی صنعتیں قائم ہوتیں' زراعت' ٹریکٹروں اور دوسری مشینوں سے کی جاتی اور پنجاب کے اور پاکستان بھر میں تعلیم یافتہ نوجوان یوں ملازمتوں کے لئے مارے مارے نہ پھرتے- آج جو بات صدر ایوب خان نے کی ہے پاکستان کے کئی دانشوروں اور سیاسی کارکن کئی سالوں سے کہتے آ رہے ہیں اور سامراج کے ایجنٹوں کے ہاتھوں قیدوبند کی مصیبتیں جھیلتے رہے ہیں-

ون یونٹ کے خلاف جدوجہد میں جمہوریت پسندوں کو ایک بات خاص طور پر خیال رکھنا ہے وہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے ہاتھ میں تحریک کی باگ ڈور نہ آنے پائے- جن کا دارومدار محض نفرت اور حقارت پر ہوتا ہے- یہ لوگ سر کے کھوکھلے ہوتے اور دل کے کھوٹے- معاملات کو نہ سمجھنے کی قدرت رکھتے ہیں نہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کو سمجھ سکیں- سیاسی کام کرنے کی ان میں نہ ہمت ہوتی ہے نہ اس کے لئے وقت نکالتے ہیں- بس فضا سازگار دیکھ کر نفرت اور انسان دشمنی کا طوفان کھڑا کر دیتے ہیں- یہ لوگ

کامیاب ہو جائیں تو ملک بھر کے عوام میں مزدوروں' کسانوں' طالب علموں' محنت کشوں اور انتشار پھیلا جاتا ہے وہ ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگتے ہیں اور اسی طرح جمہوری تحریک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچتا ہے اور عام سیاسی اور اقتصادی مسائل نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ بنگالی' پنجابی' سندھی' بلوچی' پٹھان' کشمیری ہوتے ہوئے ہم کو یہ نہیں بھولنا ہے کہ ہم پاکستانی بھی ہیں اور پاکستان کے عوام کے مسائل بہت حد تک مشترک ہیں۔

میرا آپ لوگوں سے مشورہ یہی ہے کہ آپ عوام کے اقتدار اعلیٰ کے لئے اور جمہوری آزادیوں کے لئے جو قومی محاذ قائم کیا گیا ہے۔ اس میں کھلے دل سے شامل ہوں کیونکہ یہی ذرائع ہیں جن کے ذریعے عوامی مسائل بخیر و خوبی حل ہو سکتے ہیں۔ عوام کے اقتدار اعلیٰ کے اصول میں مزدور' کسان' طالب علم' دانش ور' چھوٹے چھوٹے دوکان دار' چھوٹے چھوٹے صنعت کار اور دوسری چھوٹی چھوٹی مخلوق سبھی کا تحفظ مضمر ہے۔ یہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعہ چھوٹی قومیتیں اپنا حق خود اختیاری بھی حاصل کر سکتی ہیں۔ قومی محاذ میں پاکستان کے کسی بھی علاقے کے جمہوریت پسندوں کا نہ آنا نہ صرف قومی محاذ کو کمزور کرنے کا بلکہ ان جمہور پسندوں کو بھی تنہائی (Isolation) کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ ذہن نشین رہے کہ سیاسی محاذ کم سے کم سیاسی مقاصد کو جلد از جلد عرصہ میں حاصل کرنے کے لئے بنایا جاتا ہے اس میں وسیع پروگرام اور وسیع مطالبات شامل نہیں کئے جا سکتے اور اگر آپ ایمانداری سے سمجھتے ہیں کہ آپ کا سیاسی نظریہ اور سیاسی اغراض و مقاصد قومی محاذ میں شامل ہونے سے تقویت پائیں گے تو آپ ضروری اس میں شامل ہوں۔

کراچی "ریزولیوشن"

"پاکستان مسلم لیگ" _ جماعت اسلامی' سابق عوامی لیگ' سابق ری پبلکن پارٹی' سابق نیشنل عوامی پارٹی' کے نمائندوں اور مغربی پاکستان کی رائے عامہ کے آزاد رہنماؤں کا یہ اجتماع ملک کے موجودہ سیاسی حالات کا بغور جائزہ لینے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہے۔

1- کہ اکتوبر 1958ء میں مارشل لاء کا نفاذ درحقیقت ایک بہت دور رس اور سفلہ پرور سازش کا لازمی نتیجہ تھا جس کا مقصد جمہوریت کا گلا گھونٹنا تھا۔ برسراقتدار گروہ کے ایسے عناصر اس ڈرامے کے خاص کردار تھے جو کسی طرح بھی اس صورت حال سے متفق نہیں ہو سکتے تھے کہ پاکستان میں اقتدار اعلیٰ کو بروئے کار لانے کا حق عوام کو حاصل ہو جائے۔ اس بات کا واضح ثبوت یہ ہے کہ مارشل لاء ایسے وقت نافذ کیا گیا جبکہ ملک میں پہلے عام انتخابات کے انعقاد میں صرف پانچ ماہ باقی رہ گئے تھے۔

2- کہ پاکستان کے عوام کے خلاف اس گھناؤنے جرم کے ارتکاب کے نتیجے میں ایک طرف اقوام عالم کے نظر میں پاکستان کا وقار سخت مجروح ہوا اور دوسری طرف اندرون ملک عوام' عزت نفس اور خود اعتمادی کی دولت سے محروم کر دئے گئے حالانکہ یہی دوہ چیزیں ایک صحت مند قوم کے امتیازی نشان ہوتے ہیں' جو ان سے چھن گئے۔

3- کہ ملک میں 44 ماہ تک مارشل لاء کا نفاذ جاری رکھ کر برسراقتدار گروہ نے عوام کی سیاسی ہوشمندی اور جذبہ حب الوطنی کی اس طرح توہین و تذلیل کی کہ کوئی غیر ملکی حکمران بھی ایسا رویہ اختیار کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا جبکہ ان اقدامات کا کوئی بھی اخلاقی یا سیاسی جواز موجود نہیں تھا۔

4- کہ اس دوران میں ہر طرح کی سیاسی تحریک اور حکومت پر تنقید بالکل ممنوع قرار دے کر ملک کے سیاسی رہنماؤں کی توہین اور بے عزتی کی گئی اور اس کے خلاف لاف زنی کا ایک طوفان برپا کیا گیا نیز اس مقصد کے لئے اعلیٰ افسران' ریڈیو اور کنٹرول شدہ پریس کو بھی اس طرح کی گندگی اچھالنے میں برابر استعمال کیا گیا۔

5- کہ اس پروپیگنڈے کے ساتھ ساتھ "ایبڈو" کا بدنام زمانہ اور غیر قانونی حکم نافذ کیا گیا' جس کو رائے عامہ کے حقیقی رہبروں کے خلاف بلا تفریق' استعمال کیا گیا۔

6- کہ اس طرح ان لوگوں کو جن پر "ایبڈو" کے ماتحت الزامات عائد کئے گئے تھے' دنیا بھر میں تسلیم شدہ قانونی دفاع کے حق سے محروم کر کے پاکستانی حکمرانوں نے پوری کوشش کی کہ رائے عامہ کے یہ حقیقی رہنما نہ اپنی مدافعت کر سکیں اور نہ ہی عوام کی نمائندگی کر پائیں۔

7- کہ جب اس سب کے باوجود بھی ملک میں مارشل لاء کے خلاف چہ میگوئیاں بڑھنے لگیں تو دستوری سفارشات مرتب کرنے کے لئے ایک من مانا آئینی کمیشن نامزد کیا گیا جس کی سفارشات کی پابندی خود اس وقت کے وزیر خارجہ کے الفاظ میں حکومت پر لازم کر سکتی تھی تاہم اس کمیشن کے قیام کے بعد عوام اس کی کوششوں کی بار آوری کے لئے پرامید طریقہ پر منتظر رہے۔

8- کہ آئینی کمیشن کی رپورٹ آنے پر عوام کو یہ معلوم کر کے سخت دھکا لگا اور مایوسی ہوئی کہ عملی طور پر کابینہ نے کمیشن کی تمام سفارشات کو مسترد کر دیا اور عوام کے سر پر ایک ایسا آئین تھوپ دیا گیا۔ جس میں اقتدار اعلیٰ شخص واحد کو سونپ دیا گیا۔ اس آئین کے تحت عوام کو ان کے بنیادی حقوق اور آزادیوں سے اس حد تک محروم کر دیا گیا کہ بالواسطہ طور پر منتخب شدہ نمائندوں پر مشتمل ارکان اسمبلی کو بھی بجٹ پاس کرنے اور حکومت پر اظہار اعتماد یا عدم اعتماد کا اہل نہیں سمجھا گیا۔ عدالتوں کو اس اختیار سے محروم کر دیا گیا کہ وہ ملکی قوانین کی آئینی حیثیت پر فیصلہ دے سکیں نہ صرف یہ بلکہ "رٹ کے اجراء اور دوسرے اختیارات بھی

محدود کر دئے گئے۔ یہاں تک کہ 1956ء کے آئین کی وہ اسلامی دفعات بھی موجود آئین میں شامل نہیں کی گئی ہیں جنہیں عوام نے آٹھ سال کی جدوجہد کے بعد منظور کروایا تھا۔

9- کہ اس اثناء میں مشرقی پاکستان کے کچھ رہنماؤں نے موجودہ آئین کے خلاف وہاں رائے عامہ کو ہموار کرنا شروع کیا۔ مغربی پاکستان میں بھی مختلف سیاسی گروہوں' بارایسوسی ایشن' اور دانشور طبقے نے بالکل واضح طور پر اس آئین کی مخالفت کا اعلان کیا۔

10- کہ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کی تقریباً متفقہ طور پر منظور کردہ قراردادوں کے باوجود سیاسی قیدیوں کو بھی اب تک رہا نہیں کیا گیا۔

11- کہ سیاسی جماعتوں کے قانون کی اس تدوین کی گئی کہ جہاں تک ممکن ہو رائے عامہ کے نمائندہ رہنماؤں کی بہت بڑی تعداد کو ملک کی سیاسی زندگی میں حصہ لینے سے روکا جائے اور سیاسی جماعتوں کو کمزور رکھا جائے پھر اس بل کو زور' زبردستی اور جوڑتوڑ کے ذریعہ اسمبلی سے پاس کروا لیا۔ اس ضمن میں یہ بات یاد رہے کہ صدر صاحب سرے سے سیاسی پارٹیوں کے قیام کے ہی کھلم کھلا مخالف تھے۔

12- کہ ان تمام ریشہ دوانیوں کے باوجود ایک جمہوری آئین کا مطالبہ پورے ملک میں زور پکڑتا جا رہا ہے اور اس مطالبہ نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی ہے۔

13- کہ برسراقتدار گروہ بدترین قسم کے تشدد کا سہارا لے کر اس تحریک کو کچلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس تشدد کا مظاہرہ' بلا تفریق' اور وسیع پیمانہ پر گرفتاریاں کر کے ہر قسم کی دہشت انگیزی پھیلا کر پرامن مظاہروں کے خلاف غنڈوں اور بدکردار لوگوں کو استعمال کر کے' باعزت لوگوں کو مختلف الزامات کے سلسلے سب ماخوذ کر کے' طالب علموں پر سختیاں کر کے' اور اسکول اور کالجوں کو معمولی بہانوں پر بند کر کے' کیا گیا ہے۔

14- کہ اس تشدد آمیز پالیسی کی مثال مشرقی پاکستان' سابق صوبہ سرحد' اور بلوچستان کے عوامی رہنماؤں کے خلاف گھناؤنی اور ظالمانہ کارروائیوں کی صورت میں ملتی ہے۔ نیز بدمعاشوں اور غنڈوں کے ذریعہ سیاسی رہنماؤں کے جلسے میں گڑبڑ پھیلائی گئی' تقریباً ہر ضلع میں دفعہ 144 کا نفاذ اور پورے پاکستان میں F.C.R نافذ کر دیا گیا۔

15- کہ ان تمام دشواریوں کے باوجود رائے عامہ کے نمائندہ تمام سچے رہنماؤں نے جن میں "ایبڈو" زدہ رہنما بھی شامل ہیں عوام کو ایک جمہوری آئین حاصل کرنے کے لئے تیار کیا اور رائے عامہ کو اس کے حق میں ہموار کرتے رہے۔ اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لئے برسراقتدار گروہ نے ایک سیاسی جماعت کی تشکیل کی ہے جو کنونشن مسلم لیگ کے نام سے موسوم ہے تاکہ اس کو محض دکھاوے کی حمایت حاصل ہو سکے۔ چنانچہ اس جماعت کو منظم کرنے میں سرکاری اداروں اور سرکاری ذرائع کا پوری طرح استعمال کیا گیا۔ یہ سب کچھ کرنے کے باوجود بھی ان کو کامیابی نہیں ہو رہی ہے۔

16- کہ ملک میں حقیقی سیاسی جماعتوں کے قیام کو روکنے کے لئے اور اس ڈھکی چھپی آمریت کو قائم رکھنے کے لئے حال ہی میں دو آرڈیننس نافذ کئے گئے ہیں جن کے ذریعہ صدر کو یہ اختیار دے دیا گیا ہے کہ وہ "ایبڈو" زدہ سیاست دانوں پر سے اپنی مرضی کے مطابق پابندی ہٹا سکتا ہے اور جن افراد پر چاہے سیاسی سرگرمی کا دروازہ "کھلتا" بند کر سکتا ہے۔

اس اجلاس کی رائے یہ ہے کہ اب عوام کے اندر اپنے غیر معین مستقبل کے بارے میں مایوسی اس درجہ کو پہنچ رہی ہے اور ملک کی سیاسی صورت حال بگڑ کر اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ وطن عزیز کے اتحاد و استحکام اور وجود سبھی کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔

اس لئے تمام محب وطن جماعتوں اور افراد کا فرض ہے کہ وہ متحد ہو کر ملک میں ایک ایسے دستور کے لئے سرتوڑ جدوجہد کریں جو باشندگان ملک کے حقیقی جذبات و خواہشات کا آئینہ دار ہو۔ تاکہ ان کے اندر مایوسی ختم ہو' ملک میں سیاسی استحکام پیدا ہو' اور ملک کے مختلف حصوں کو مربوط اور منصفانہ طریقے سے متحد اور مستحکم کیا جا سکے۔ ان حالات کے پیش نظر اور پاکستان کے شاندار مستقبل میں عوام کا اعتماد بحال کرنے' اور جن حقوق و آزادیوں سے باشندگان ملک کو محروم کر دیا گیا ہے ان کے حصول کے لئے باشندگان ملک کے نمائندوں اور مقبول عام عوامی جماعتوں اور رائے عامہ کے رہنماؤں کا یہ اجلاس پاکستان میں کامل جمہوریت جس کی موجودہ دستور میں نفی کر دی گئی ہے اور جس کا موجودہ حکمران طبقہ اپنی جابرانہ کارروائیوں کے ذریعہ مذاق اڑا رہا ہے' اس کی بحالی کے لئے جدوجہد کو تیز کرنے کا مضبوط عزم کرتا ہے' اور یہ اعلان کرتا ہے کہ اس مشترکہ جمہوری جدوجہد کے سلسلہ میں تمام سیاسی جماعتیں اور عوامی عناصر متحد ہیں۔ اس اجلاس کے نزدیک پاکستان میں کامل جمہوریت کی جلد از جلد بحالی کے لئے تمام کوششوں میں تعاون اور اشتراک ہونا چاہئے۔ چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے یہ اجلاس حسب ذیل نمائندوں پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کرتا ہے تاکہ وہ ملک کے اندر تمام جمہوری اداروں اور عناصر کی سیاسی کوششوں اور سرگرمیوں تعاون اور اتفاق کا جائزہ لیں۔

(1) پاکستان مسلم لیگ۔ ظہیر الحسن لاری' چودھری غلام محمد' حسین بھٹہ۔

(2) جماعت اسلامی۔ مولانا طفیل محمد' چودھری غلام محمد۔

سابق عوامی لیگ :۔ نواب زادہ نصیر اللہ خان۔ خواجہ محمد رفیق۔

سابق نیشنل عوامی پارٹی۔ محمود الحق عثمانی' خان عبدالولی خان۔

سابق ریپبلکن پارٹی۔ سردار عبدالرشید' میجر مبارک علی۔

بستر مرگ سے علامہ مشرقی کا پیغام

بھارت کو غیر مشروط طور پر دنیا کی دونوں بڑی طاقتوں روس اور امریکہ کی طرف سے اسلحہ کی دھڑا دھڑ سپلائی پاکستان کی سلامتی کے لئے زبردست خطرہ ہے۔ بھارت پاکستان کے مقابلے میں کئی گنا طاقتور ہو رہا ہے اور وہ کسی وقت بھی پاکستان کو ہڑپ کرنے کے لئے عملی قدم اٹھا سکتا ہے انہوں نے کہا کہ روس اتنا احمق نہیں کہ وہ ایک کیمونسٹ ملک چین کے خلاف بھارت کو فوجی امداد دے اور اپنے بنیادی نظریات کو پس پشت ڈال دے۔ انہوں نے کہا کہ روس کو یہ اچھی طرح علم ہے کہ بھارت چین کے خلاف جنگ نہیں کر سکتا اور فوجی اسلحہ صرف پاکستان کے خلاف ہی استعمال ہو گا۔ ایسی خطرناک صورت حال میں پاکستان کی ذرا سی لغزش پاکستان کو تباہ کر دے گی اس لئے قوم اور حکومت دونوں کو پاکستان کی آزادی برقرار رکھنے کے لئے پھونک پھونک کر قدم اٹھانا چاہئے۔

علامہ مشرقی نے کہا کہ پاکستان کے عاقبت نا اندیش مغربی حلیفوں کی آنکھوں پر اس وقت پردہ پڑا ہوا ہے اور وہ بھارت کی خوشنودی کی خاطر پاکستان کی آزادی کا سودا کرنے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ مغربی ممالک پاکستان کو طفل تسلیاں دے کر بہلانے کی کوشش میں مصروف ہیں اور وہ پاکستان کو زبانی یقین دلا رہے ہیں کہ بھارت کو ملنے والی فوجی امداد پاکستان کے خلاف استعمال نہیں ہو گی۔ پاکستان کو اپنے ان نام نہاد دوستوں کی احمقانہ روش سے ہوشیار رہنا چاہئے اور ایسے اقدامات اختیار کرنے چاہئیں جس سے وہ اپنے خلاف ہر سازش کو ناکام بنا دے۔ انہوں نے پاکستان کے حکمران طبقہ کو بھی انتباہ کیا کہ وہ مغربی ملکوں کی کسی چال میں نہ آئے اور ان کی ہر سازش کا ڈٹ کر مقابلہ کرے۔ علامہ صاحب نے کہا کہ اگرچہ مقبوضہ کشمیر کی تقسیم کا خطرہ پاکستان اور کشمیر کے عوام کے باہمی اتحاد سے ٹل گیا ہے لیکن امریکہ اور بھارت اسے تقسیم کرنے یا خود مختار بنانے کی دوبارہ کوشش کریں گے حکومت کو پہلے ہی اس کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ مستقبل قریب میں پاکستان کی سلامتی کو زبردست خطرہ ہے اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے پاکستان کے بچے بچے کو سپاہی بنانے کی ضرورت ہے اور اگر ہم نے اس وقت بھی اپنے مضبوط دفاع کے لئے تیاریاں شروع نہ کیں تو ہمیں بعد میں پچھتانا پڑے گا۔

بھارت ہمارا دوست نہیں

علامہ صاحب نے کہا کہ میں پنڈت نہرو کی ذہنیت کو بخوبی سمجھتا ہوں' وہ کئی سال تک میرے ہم جماعت (کلاس فیلو) رہ چکے ہیں مجھے ان کی سیاسی چالوں سے پورے طور پر علم ہے اور میں یقینی طور پر کہہ سکتا ہوں کہ نہرو فوجی دباؤ کے بغیر کسی صورت میں بھی اس مسئلہ کا درست حل کرنے کو آمادہ نہیں ہوں گے اور محض سیاسی چالیں چل کر ہمیں دھوکہ دیتے رہیں گے اور ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی اس سیاسی چال میں کامیاب بھی ہو جائیں کہ کشمیر دو حصوں میں بانٹ دیا جائے اس طرح نہرو جموں کو ہتھیا کر پاکستان کے لئے زبردست خطرہ پیدا کر دیں۔ کیونکہ وہ اس علاقہ کے مالک ہونے کے بعد پاکستان میں آنے والے دریاؤں کا رخ موڑ کر ہمیں مستقل عذاب کا شکار بنا دیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمیں ہمیشہ اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ بھارت ہمارا دوست نہیں بن سکتا۔ آپ نے کہا کہ نہرو چاہتے ہیں کہ پاکستان کسی طرح ان کے ساتھ مشترکہ دفاع کا معاہدہ کر لے ایسی صورت میں ہم بہت کچھ کھو دیں گے۔ اور ہمارے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا کیونکہ اس وقت ہمارا واحد دشمن بھارت ہی ہے اور مشترکہ دفاع کر کے ہم کئی اور ممالک کو بھی اپنا دشمن بنا لیں گے اور پھر پاکستان کی سلامتی اور وجود خطرے میں پڑنے کا قوی امکان ہے۔

صدر ایوب کو خاکسار تنظیم کی صدارت کی پیشکش

حضرت علامہ مشرقی نے کہا کہ میں صدر ایوب کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اب بھی خاکسار تنظیم کی قیادت سنبھال لیں اور اس تنظیم کے بنیادی اصولوں کو پاکستان بھر میں رائج کر کے عوام کو سپاہیانہ زندگی بسر کرنے کی تربیت دیں انہوں نے کہا کہ بعض عناصر خاکسار تنظیم کو اپنے لئے زبردست خطرہ سمجھتے ہیں اور دفعہ 144 جیسے قوانین کے تحت محب الوطن خاکساروں کے کونشن پر پابندی لگا کر ملک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حالانکہ خاکساروں کا مقصد عوام کو بیرونی خطرات سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار کرنا ہے اور جو لوگ پاکستان کی سلامتی نہیں چاہتے وہ خاکساروں کی حوصلہ شکنی پر تلے ہوئے ہیں۔

انتباہ

آپ نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ قوم کے نام میرا یہ آخری پیغام ہو۔ میں بستر مرگ سے انہیں خبردار کرتا ہوں کہ وہ بدلتی ہوئی بین الاقوامی سیاست میں اپنی ذمہ داریاں سنبھالیں۔ صدق دل سے وطن کی حفاظت کے لئے تیار ہو جائیں اور باہمی اختلافات کو ختم کر کے ایک ہی مرکز پر جمع ہو جائیں آج اگر انہوں نے اپنے فرائض سے غفلت برتی تو آنے والی تاریخ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔ انہوں نے حکومت کو بھی مشورہ دیا کہ وہ عوام کے دلوں کو مسخر کرنے کے لئے حقیقت پسندانہ روش اختیار کر لے اور رائے عامہ کو نظر انداز کرنے کی موجودہ پالیسی کو

ترک کر دے۔

جماعت اسلامی کے
اجتماع کی تیاریاں اور مشکلات

خبری مراسلہ جاری کردہ شعبہ نشرو اشاعت جماعت اسلامی پاکستان
------ مورخہ 14 اکتوبر 63ء ------

کل پاکستان اجتماع کے انتظامات کے متعلق ناظم اعلیٰ کے دفتر سے معلوم ہوا ہے کہ اجتماع کی تیاریوں کا سب سے پیچیدہ مسئلہ جگہ کی قلت کا ہے۔ اقبال پارک کے استعمال سے انکار کر کے حکومت نے ہمیں بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے۔ بھاٹی گیٹ سے ٹکسالی گیٹ تک ہمارے پاس صرف 2100 فٹ لمبی اور اوسطاً 200 فٹ چوڑی جگہ ہے جس کا ایک ایک انچ استعمال کر کے بھی اجتماع گاہ' قیام گاہ' قیام گاہ خواتین' مطبخ' جلسہ گاہ' دفاتر' بک اسٹالز' غسل خانوں اور بیت الخلاء کا انتظام کرنا جماعت کے لئے ایک امتحان ہے۔ ان پونے چار فرلانگ لمبے قطعات پر تقریباً ساڑھے چھ سو شامیانے کھڑے کئے جائیں گے۔ مہمانوں کی تعداد اتنی ہو گی کہ ایک بڑی تعداد کے سونے کا انتظام جلسہ گاہ ہی میں کرنا ہو گا۔ جگہ کی کمی کی وجہ سے ایک سو غسل خانے اور تین سو بیت الخلاء بنائے جا رہے ہیں۔ وضو اور نماز کا انتظام بھی جلسہ گاہ میں ہو گا۔ بجلی کے کنکشن کا انتظام ہو گیا ہے۔ ٹیلیفون بھی منظور ہو گیا ہے جس کے دو نمبر ہونگے۔ ایک 65130' دوسرا 65131' موخر الذکر 15 اکتوبر سے اجتماع گاہ میں لگ جائے گا اور پہلا 23 اکتوبر سے کام کرے گا۔ جس کے دو پوائنٹ ہوں گے۔ اجتماع گاہ کے لئے کیمپ پوسٹ آفس کی منظوری بھی لی جا رہی ہے۔ بجلی لاؤڈ اسپیکر اور شامیانے والوں سے معاملات طے ہو چکے ہیں۔ چار ٹینٹوں میں اجتماع کے لئے ہسپتال قائم کیا جائے گا جس میں ایلوپیتھی' یونانی اور ہومیو پیتھی تینوں طریقوں پر علاج کا انتظام ہو گا۔ تین ہزار سائیکلوں کے لئے اسٹینڈ کا انتظام کیا جا رہا ہے۔ کاریں راوی روڈ کے مغربی جانب کھڑی کی جائیں گی۔

اجتماع کمیٹی اور مختلف منتظمین اجتماع اور کارکنوں کے اجلاس روزانہ کاموں کا جائزہ لیتے اور تقسیم کار کرتے ہیں۔ ناظم اعلیٰ اجتماع کا دفتر شبانہ روز سرگرمیوں کا مرکز ہے۔ یہ دفتر 15 اکتوبر تک اجتماع گاہ میں منتقل ہو جائے گا۔ انتظامات میں حصہ لینے کے لئے چودھری غلام محمد صاحب امیر حلقہ کراچی اور سید اسعد گیلانی صاحب امیر حلقہ سرگودھا تشریف لا چکے ہیں۔ باقی ناظمین اور کارکن شہر لاہور سے لیے جا رہے ہیں۔ 22'21 اکتوبر سے بیرونی کارکنوں کارکنوں کی ٹیمیں آنا شروع ہو جائیں گی۔ ان کارکنوں میں 90 فیصد بلامعاوضہ رضاکارانہ خدمت انجام دیں گے۔

تمام ضروری شعبہ ہائے کار منظم ہو کر کام کر رہے ہیں۔ ناظم اعلیٰ اجتماع کے ماتحت بڑے شعبے' مالیات' قیام گاہ اور اجتماع گاہ' مطبخ اور نمائش کے ہیں۔ ان سے نیچے ناظم قیام گاہ' ناظم استقبالیہ' ناظم بجلی و لاؤڈ اسپیکر' ناظم صحت و صفائی' ناظم نشرو اشاعت' ناظم فراہمی کارکنان' و تقسیم کار' ناظم پہرہ' ناظم اعلانات' ناظم اسٹور و اجناس مطبخ' ناظم طعام و تیاری طعام' ناظم تقسیم طعام' ناظم ظروف' ناظم طبی امداد اور ناظم امانات و بیت المال کے ذیلی شعبے قائم ہو چکے ہیں۔

خواتین کے باپردہ کیمپ میں قیمہ' ناظمہ طعام' ناظمہ صحت و صفائی کے شعبے ہوں گے اور زنانہ ڈسپنسری ہو گی۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ کل سے اجتماع گاہ میں صفائی کی اور جگہ کو سنوارنے کا کام شروع ہو جائے گا۔

لاؤڈ اسپیکر پر مستقل پابندی کا آرڈیننس

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا پریس کانفرنس میں بیان
------ مورخہ 22 اکتوبر 63ء ------

لاہور 22 اکتوبر۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی' امیر جماعت اسلامی پاکستان نے آج پریس کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے گورنر مغربی پاکستان کے تازہ ترین جاری کردہ آرڈیننس کے بارے میں حسب ذیل بیان دیا ہے:

"لاؤڈ اسپیکر کے متعلق گورنر مغربی پاکستان کا تازہ آرڈیننس جن حالات میں آیا ہے ان کو میں ملک کی رائے عام کے سامنے بے کم و کاست رکھ دینا چاہتا ہوں تاکہ اس ملک کا ہر شخص خود دیکھ لے کہ جمہوریت اور آزادی اظہار خیال کے دعووں کے باوجود یہاں جمہوریت کے ساتھ کیا مذاق کیا جا رہا ہے اور آزادی خیال کی کیا گنجائش باقی چھوڑ دی گئی ہے اور آرڈیننس کے ذریعہ سے قانون سازی کے اختیارات کس طرح استعمال کیا جا رہے ہیں۔ واقعات ترتیب وار یہ ہیں:

جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے گذشتہ ماہ جولائی کے آغاز میں جماعت کا کل پاکستان اجتماع 25 تا 28 اکتوبر لاہور میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا' اور وہ اخبارات میں اسی وقت شائع ہو گیا۔ جماعت اسلامی پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ کے تحت جائز طور پر ایک آل پاکستان جماعت ہے اور اس کو یہ پورا حق پہنچتا ہے کہ اپنے کارکنوں کی تنظیم اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے جملہ آئینی تدابیر اختیارات کرے جن میں مقامی اجتماعات سے لے کر کل پاکستان اجتماع تک منعقد کرنا بھی شامل ہے۔

اس اجتماع کے انعقاد کے لئے جماعت اسلامی نے 30 جولائی کو حکومت سے باقاعدہ اجازت طلب کی جس پر حکومت دو مہینے سے زیادہ مدت تک غور کرتی رہی اور بالآخر 4 اکتوبر کو حکومت مغربی پاکستان کے ہوم سیکرٹری نے باغ بیرون بھاٹی دروازہ میں یہ اجتماع منعقد کرنے کی تحریری اجازت دی۔

اس کے بعد جماعت کے ناظم اجتماع نے 8 اکتوبر کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے اس اجتماع کے لئے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کیا اجازت طلب کی۔ اگرچہ شہر لاہور میں دفعہ 144 کی مدت 14 اکتوبر کو ختم ہو رہی تھی لیکن ہم نے صرف اس بنا پر یہ اجازت طلب کی تھی کہ اگر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ دفعہ 144 کے نفاذ کی مدت میں توسیع کرے تو اس کا اثر ہمارے اجتماع پر نہ پڑے۔ ڈسٹرکٹ' مجسٹریٹ نے اس درخواست کا بروقت فیصلہ نہیں کیا بلکہ 14 اکتوبر کو لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی اجازت دینے سے کوئی وجہ بتائے بغیر زبانی انکار کر دیا۔ ان سے استدعا کی گئی کہ ہماری درخواست کا تحریری شکل میں جواب دیں مگر اس پر راضی نہ ہوئے۔ 16 اکتوبر کو پھر ان سے تحریری درخواست کی گئی کہ وہ اپنے حکم پر نظر ثانی فرمائیں۔

چونکہ جماعت کے اجتماع کا وقت بہت قریب آ رہا تھا اور 17 اکتوبر تک ڈی ایم کا جواب ہمیں نہیں ملا تھا اسلئے ہم نے ہائی کورٹ سے رجوع کیا۔ ہائی کورٹ میں دو روز سے ہماری اس درخواست پر بحث ہو رہی تھی اور توقع تھی کہ کل اس کا فیصلہ ہو جائے گا اس موقعہ پر گورنر صاحب کا آرڈیننس جاری ہوا ہے تاکہ ہائی کورٹ کا فیصلہ صادر ہونے سے پہلے قانون تبدیل کر دیا جائے اور ہائی کورٹ کے لئے اس مقدمے میں فیصلہ صادر کرنے کا کوئی موقع نہ رہے۔

یہ پوری کارروائی صاف ظاہر کر رہی ہے کہ حکومت جماعت اسلامی کے اجتماع کو روکنے پر تلی ہوئی ہے اور یہ آرڈیننس اس اجتماع کو روکنے کے لئے ہی لایا گیا ہے۔ یہ بات حکومت کے علم میں بار بار لائی جاتی رہی ہے کہ اس اجتماع میں شریک ہونے کے لئے ملک کے ہر حصے سے ساتھ آٹھ ہزار آدمی آ رہے ہیں اور اس شہر لاہور کے بھی ہزاروں آدمی شریک ہونگے۔ اسی غرض کے لئے اقبال (منٹو) پارک کی اجازت طلب کی گئی تھی۔ اب ان کا اجتماع کی اجازت دینا اور لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو روکنا اس کے سوا اور کیا معنی رکھتا ہے کہ وہ دراصل اس اجتماع کو نہیں ہونے دینا چاہتے۔ اسی شہر لاہور میں پچھلے ماہ ستمبر سے لے کر آج تک مسلسل جلسے ہوتے رہے ہیں جن میں سیاسی جماعتیں بھی شامل ہیں اور مذہبی جماعتیں بھی۔ ان سب میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کی اجازت دینے سے انکار کر دیا گیا ہے۔

یہ واقعات اپنے منہ سے خود بول رہے ہیں۔ ہر شخص خود رائے قائم کر سکتا ہے کہ حکومت کی یہ کارروائی اخلاقی' آئینی اور سیاسی حیثیت سے کیا نوعیت رکھتی ہے۔ میں اس پر صرف اتنا اظہار رائے کروں گا کہ ان ہتھکنڈوں سے جماعت اسلامی کے کام کو نہیں روکا جا سکتا۔ جماعت کا اجتماع لازماً ہو گا اور ہم انشاء اللہ لاؤڈ اسپیکر کے بغیر ہی اپنا کام کریں گے۔

اجتماع سے مولانا مودودی کا افتتاحی خطاب

اجلاس اول' کل پاکستان اجتماع جماعت اسلامی پاکستان
مورخہ 25 اکتوبر 1963ء

رفقائے جماعت اور محترم حاضرین!

فروری 1957ء کے بعد آج پہلی مرتبہ ہم کو ایک کل پاکستان اجتماع میں اکٹھے ہونے کا موقع ملا ہے اور اسی شہر میں ایک مرتبہ ہم پھر جمع ہو رہے ہیں جہاں آج سے 22 سال پہلے صرف 75 ارکان کے ساتھ جماعت اسلامی کی تاسیس ہوئی تھی۔ یہ سراسر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ ہماری تمام خامیوں اور کوتاہیوں کے باوجود اس نے ہمارے اس خلوص کو قبول فرما لیا جس سے اس حقیری خدمت دین کی ابتدا کی گئی تھی' اور اس کام کو یہ برکت عطا فرمائی کہ آج پاکستان کے گوشے گوشے میں جماعت کے ارکان' متفقین' ہمدرد اور متاثرین ہزارہا کی تعداد میں موجود ہیں اور اس کے اثرات ملک سے باہر بھی دنیا کے مختلف حصوں میں پھیل رہے ہیں۔ یہ ہمارا بل بوتا نہ تھا کہ اپنی کوششوں سے یہ نتائج رونما کر دکھاتے۔ یہ سب کچھ اللہ ہی کی تائید و توفیق اور اسی ذات پاک کی نصرت کا کرشمہ ہے اور اس پر ہم صمیم قلب سے اس کا شکر بجا لاتے ہیں۔

محترم رفقاء! جماعت اسلامی پاکستان کی تاریخ میں ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا ہے جب وہ اس ملک کے حکمرانوں کی معتوب اور ان کی نگاہوں میں مغضوب نہ رہی ہو۔ پچھلے سولہ سال میں یہاں جو بھی برسر اقتدار آیا ہے' اس نے اس جماعت کے وجود کو ناگوار' بلکہ ناقابل برداشت ہی محسوس کیا ہے اور اس کو ناکام کرنے کے لئے ہر طرح کے پاپڑ بیل ڈالے ہیں۔ ہمارے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کئے اور کرائے گئے ہیں۔ ہم پر نت نئے بہتان لگائے گئے ہیں۔ ہمارے رسالے اور اخبار بند کئے گئے ہیں۔ ہمارے سرمائے ضبط کئے گئے ہیں۔ ہمارے کام میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالی گئی ہیں۔ ہم کو قید و بند کے مرحلوں سے بھی گزارا گیا ہے۔ اور مارشل لاء کے دور میں ہماری تنظیم کو ختم کر کے ان تمام تعمیری کاموں کو ملیا میٹ کیا گیا ہے جو سالہا سال کی محنت اور اپنے غریب کارکنوں اور ہمدردوں کی گاڑھی کمائی سے ہم نے انجام دیئے تھے۔ حالانکہ ہم کبھی اقتدار کے حریف نہ تھے۔ ہم کبھی اس بات کے طالب نہ تھے کہ اقتدار دوسروں کے بجائے ہمارے ہاتھ میں ہو۔ ہمارا مطالبہ ہمیشہ سے یہ رہا اور آج بھی صرف یہی ہے کہ یہ ملک جب اسلام کے نام پر بنا ہے تو یہاں پوری طرح اسلامی نظام زندگی نافذ ہونا چاہئے۔ ہم نے بارہا پورے خلوص کے ساتھ کہا کہ یہ خدمت جو بھی راستبازی کے ساتھ انجام دے ہم دل و جان سے اس کی حمایت کریں گے اور اس کے ساتھ اقتدار میں شرکت تو درکنار اس سے کسی اجر کے بھی طالب نہ ہونگے۔ مگر یہاں برسر اقتدار آنے والوں کا رویہ یہی رہا کہ ایک طرف وہ اسلام کے نعرے لگا لگا کر اس ملک کو اسلام سے اور زیادہ دور لے

بانے کی کوشش کرتے رہے' اور دوسری طرف ہم کو اپنے اقتدار کے لئے خطرہ سمجھ کر دبانے اور مٹانے کے لئے ہر اوچھے سے اوچھا ہتھیار استعمال کرتے رہے۔

میں اس تاریخ کا ذکر شکایت کے طور پر نہیں کر رہا ہوں۔ میرا مقصد آپ کو صرف یہ احساس دلانا ہے کہ آج اقتدار کی جو نظر عنایت ہم پر ہوئی ہے یہ کوئی نئی مہربانی نہیں ہے۔ ہم تو سولہ برس سے ایسی ہی بلکہ اس سے زیادہ شدید مہربانیوں کے شکار ہوتے رہے ہیں اور انہی کے علی الرغم کام کر کے اللہ کے فضل سے ہماری تحریک نے اتنا کچھ فروغ پایا ہے۔ لہٰذا آپ صرف اتنی سی بات سے دل شکستہ نہ ہوں کہ لاؤڈ اسپیکر کے استعمال سے ہم کو محروم کر کے اس اجتماع کو ناکام کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس سے پہلے اس سے بدرجہا زیادہ سخت اقدامات ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے' بلکہ الٹے ہمارے لئے مفید ہی ثابت ہوئے۔ اب یہ ذرا سی اوچھی حرکت آخر ہمارے کام کو کیا نقصان پہنچا سکتی ہے۔ نقصان اگر ہو سکتا ہے تو ہماری اپنی ہی نادانی سے ہو سکتا ہے' دوسروں کے کسی حملے سے نہیں ہو سکتا' الا ان یشاء اللہ

میرے عزیز ساتھیو! اللہ کے دین کے لئے جس کو کام کرنا ہو اس میں دو صفتیں ضرور ہونی چاہئیں۔ ایک صبر' دوسرے حکمت۔ صبر کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی راہ میں جو رکاوٹ بھی ڈالی جائے اس پر نہ تو مشتعل ہو کر آپ ذہن کا توازن کھو دیں اور نہ دل شکستہ ہو کر اپنے مقصد کے بجائے رکاوٹ ڈالنے والے کا مقصد پورا کریں بلکہ ہر رکاوٹ پیش آنے پر آپ کا عزم جوں کا توں قائم رہنا چاہئے اور جذبات کی گرمی سے اپنے دل و دماغ کو محفوظ رکھ کر آپ کو وہ راہ اختیار کرنی چاہئے جو حکمت کے مطابق ہو۔

حکمت یہ ہے کہ آپ بس ایک ہی لگی بندھی راہ پر آنکھیں بند کر کے چلنے کے عادی نہ ہوں بلکہ آپ میں یہ صلاحیت ہو کہ ایک راستہ بند ہوتے ہی دس دوسرے راستے بروقت نکال لیں جس شخص میں حکمت نہیں ہوتی وہ ایک راہ کو بند پا کر بیٹھ جاتا ہے' اور اس کے ساتھ اگر وہ بے صبر بھی ہو تو پھر یا تو اس رکاوٹ سے اپنا سر پھوڑ لیتا ہے یا رہروی سے ہی باز آ جاتا ہے مگر جسے اللہ نے حکمت اور صبر دونوں سے نوازا ہو وہ جوئے رواں کی طرح ہوتا ہے جس کی منزل کوئی چیز بھی کھوٹی نہیں کر سکتی۔ چٹانیں منہ دیکھتی رہ جاتی ہیں اور دریا کسی اور طرف سے اپنی منزل کی طرف بہہ نکلتا ہے۔

ہمارے لئے اپنا پیغام پہنچانے اور اپنی دعوت کو پھیلانے کی بس یہی ایک صورت نہیں ہے کہ ہم جلسوں میں تقریریں کریں اور ہزاروں آدمی انہیں سنیں۔ بلاشبہ یہ بھی اس کام کی ایک صورت ہے۔ لیکن اگر اسے ہمارے لئے بند کر دیا گیا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ آپ تین تین چار چار آدمیوں کے وفود کی شکل اختیار کر لیں اور پورے شہر لاہور میں پھیل جائیں۔ گھر گھر اور دوکان دوکان اور مسجد مسجد جایئے۔ فرداً فرداً لوگوں سے ملئے۔ ایک ایک شخص کو بتایئے کہ جماعت اسلامی کیا ہے' اس کا نظام کیا ہے' اس کا مقصد کیا ہے' اس کا طریق کار کیا ہے' وہ کن چیزوں کی اصلاح کرنا چاہتی ہے اور کن بھلائیوں کو قائم کرنا چاہتی ہے۔ اس تبلیغ سے جو لوگ بھی متاثر ہوں ان کو متفقین میں شامل ہونے کی دعوت دیجئے۔ جو لوگ مزید کچھ سمجھنا چاہیں ان کو جماعت لے لٹریچر سے روشناس کرایئے تاکہ وہ بعد میں خود پڑھ کر رائے قائم کر سکیں۔ جو لوگ دلچسپی نہ لیں ان کے پیچھے نہ پڑیئے بلکہ اپنا وقت ان پر صرف کیجئے جو دلچسپی لینے والے ہوں اور جو لوگ بحث میں الجھنے کی کوشش کریں ان سے الجھے بغیر گزر جایئے۔ آپ کا طریقہ

بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ کی ربانی ہدایت۔ آپ کی زبان شیریں ہوں۔ آپ کے اخلاق پاکیزہ شریفانہ ہو۔ آپ برائی کا جواب بھی بھلائی سے دیں اور آپ زبان ہی سے نہیں' اپنے عمل اور اپنے رویئے سے بھی یہ ثابت کریں کہ آپ فی الواقع بدی کی جگہ نیکی قائم کرنے والے ہیں۔ اس کے بعد یقین رکھیے کہ اللہ کی رحمت آپ کے ساتھ ہو گی اور جتنا کام آپ کریں گے اس سے زیادہ کام اللہ کے فرشتے آپ کے ساتھ مل کر کریں گے۔

اجتماع کے ان دنوں میں بہت سی نظریں مختلف زاویوں سے آپ کو دیکھیں گی۔ آپ نے اپنی پوری جماعت کا خلاصہ لا کر یہاں گویا ایک نمائش گاہ میں رکھ دیا ہے۔ بے شمار کسوٹیاں ہیں جن پر آپ کسے جائیں گے۔ ایک وقت نہیں ہر آن' اور ایک رخ سے نہیں ہر رخ سے کسے جائیں گے۔ اب یہ آپ کے اپنے ہی طرز عمل پر منحصر ہے کہ آپ اپنے آپ کو کھوٹا ثابت کریں یا کھرا۔ زمانہ بڑا بے رحم صراف ہے۔ آپ کسی مصنوعی تدبیر سے اور کسی بناوٹ سے اس کی جانچ میں کھرے نہیں نکل سکتے۔ فی الواقع آپ بے کھوٹ ہوں تب بھی وہ بڑے تامل کے بعد آپ کو کھرا مانے گا لیکن یقین رکھئے کہ اگر آپ نے اپنے عمل سے اپنے آپ کو کھرا ثابت کر دیا تو مخالف طاقتیں چاہے کتنا ہی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر آپ کو کھوٹا بنانے کی کوشش کریں' انشاء اللہ وہ منہ کی کھائیں گی آپ کا کچھ بگاڑنے کے بجائے اپنا ہی کچھ بگاڑ لیں گی۔ آپ جھوٹ کھول کر ذرا نہ گھبرائیں۔ وہ طوفان کی طرح اٹھتا ہے اور بلبلے کی طرح بیٹھ جاتا ہے' اور بیٹھ جانے کے بعد اس کے اندر کی چھپی ہوئی گندگیاں اس طرح منظر عام پر آتی ہیں کہ دنیا الٹی اسی پر نفرین بھیجتی ہے۔ پس آپ کو فکر جھوٹے کے مقابلے کی نہیں' اپنی سچائی کی ہونی چاہئے۔ آپ سچے ہونگے تو جھوٹ سے آپ نہیں نمٹیں گے' خدا اس سے نمٹے گا اور آج کے جھوٹوں کو اسی طرح عبرت بنا کر رکھ دیگا جس طرح اس سے پہلے وہ ہر زمانے میں جھوٹوں کو عبرت بناتا رہا ہے۔

ایک آخری گزارش مجھے آپ سے یہ کرنی ہے کہ اس جماعت اور اس تحریک کو جو بھی اپنے لئے خطرہ سمجھتا ہے وہ اپنا زیادہ تر زور میرے خلاف صرف کرتا ہے اور یہ چیز مجھ سے محبت رکھنے والوں کو فطرتاً ناگوار ہوتی ہے۔ اس صورت حال سے آپ کو بار بار سابقہ پیش آئے گا اور مجھے اندیشہ ہے کہ آپ اپنی دعوت پھیلانے کے بجائے کہیں میری مدافعت کو اپنا وقت

اور اپنی قوتیں صرف نہ کرنے لگیں- میں اپنے سب مخلص بھائیوں کو اطمینان دلاتا ہوں کہ اللہ کے فضل سے مجھے کسی مدافعت کی حاجت نہیں ہے- میں کہیں خلا میں سے یکایک نہیں آگیا ہوں- اسی سرزمین میں سالہاسال سے کام کر رہا ہوں- میرے کام سے لاکھوں آدمی براہ راست واقف ہیں- میری تحریریں صرف اسی ملک میں نہیں بلکہ دنیا کے اچھے خاصے حصے میں پھیلی ہوئی ہیں اور میرے رب کی مجھ پر یہ عنایت ہے کہ اس نے میرے دامن کو داغوں سے محفوظ رکھا ہے- میرا منہ کالا کر دینا کوئی آسان کام نہیں ہے کہ جس کا جی چاہے اٹھ کر دس بیس جھوٹے الزامات لگا دے اور مجھے سیاہ رو بنا کر رکھ دے- خصوصا وہ لوگ جن کا نہ کوئی ماضی ہے نہ مستقبل' جنہیں اتفاقات زمانہ چند روز کے لئے ابھار لائے ہیں' یہ کھیل کھیل کر انشاء اللہ میرا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے- لہٰذا میں خود بھی مطمئن ہوں اور آپ بھی مطمئن رہیں اور میری مدافعت سے بے نیاز ہو کر اللہ کے راستے کی طرف اللہ کے بندوں کو بلانے میں لگے رہیں مجھے اپنے رب پر بھروسہ ہے کہ اگر میں خلوص نیت کے ساتھ اس کے دین کی خدمت کروں گا تو وہ میری مدافعت کرے گا-

الیس اللہ بکاف عبدہ..... حسبی اللہ' علیہ توکل المتوہ

مولانا مودودی کا اختتامی خطاب

اجلاس آخر- کل پاکستان اجتماع جماعت اسلامی پاکستان

------ مورخہ 27 اکتوبر 1963 ------

میرے عزیز رفقاء!

حمد و صلوۃ کے بعد سب سے پہلے میں اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے جس آزمائش میں ہم کو ڈالا تھا' اس سے بخیریت گزرنے اور فاتحانہ گزرنے کی توفیق بھی ہمیں اسی نے ہمیں بخشی اور نادانوں نے جو کام یہ سمجھتے ہوئے کیے تھے کہ یہ جماعت کی کمر توڑنے کے لئے بڑے کارگر ثابت ہوں گے انہی کو اس قادر و توانا نے جماعت کی پہلے سے زیادہ دھاک بٹھا دینے کا ذریعہ بنا دیا- یہ اللہ تعالیٰ کا خاص معاملہ ہے جو وہ ہمیشہ سے اپنے بندوں کے ساتھ کرتا رہا ہے جو وفاداری خلوص نیت کے ساتھ اس کے دین کے لئے سعی و جہد کرتے ہیں اور اسی سعی و جہد میں اپنی طاقت و قابلیت پر نہیں بلکہ اس کی نصرت پر بھروسہ رکھتے ہیں- اس صفت کو ہم اپنے اندر جتنا زیادہ بڑھائیں گے' انشاء اللہ کائنات کے حقیقی مالک و فرمانروا کی تائید اسی قدر زیادہ ہمارے ساتھ ہوتی چلی جائے گی- اس کا اپنا فرمان ہے کان حقا علینا نصر المومنین

دوستو! اس آزمائش کے موقع پر ہمیں ایک قیمتی قربانی بھی دینی پڑی ہے جس سے ہمارے دل زخمی ہیں اور ہم سب اس کی ٹیس بری طرح محسوس کر رہے ہیں- یہ ہمارے ایک مخلص کارکن' اللہ بخش مرحوم کا بے گناہ قتل ہے جس کا ارتکاب پرسوں کرائے پر لائے ہوئے غنڈوں نے کیا- جو سفاک لوگ بے گناہوں کے قتل کو کھیل سمجھتے رہے ہیں ان کے لئے تو یقیناً یہ ایک معمولی بات ہے' ایک ہی آدمی کا تو قتل ہے- وہاں شکار کے تھیلے میں نہ معلوم کتنے ایسے کشتہ ستم پڑے ہوئے ہیں- لیکن یاد رکھیے دوسرے بے گناہ مقتولوں سے یہ مقتول کسی اور نوعیت کا تھا- یہ کسی زر' زمین یا زن کے جھگڑے میں نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں شہید ہوا- اس کے معاملہ پر اللہ کا وہ فرمان چسپاں ہوتا ہے جو اس نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ وہ ومانقموا منہم الا ان یومنو ا باللہ العزیز الحمید' الذی لہ ملک السموات و الارض واللہ علی کل شیء شہید- ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ قاتل پکڑا جاتا ہے یا نہیں اور اسے کوئی سزا ملتی ہے یا نہیں- یہ مقدمہ کہیں اور درج ہو چکا ہے- اور اس کا فیصلہ انشاء اللہ وہیں سے ہو گا- اور ایسا فیصلہ ہو گا جس کا تصور وہ لوگ نہیں کر سکتے جو اللہ کی صفت انتقام کو بھول چکے ہیں-

رفقائے کرام اب چند لمحوں کے لئے رک جایئے اور اپنے اس بے گناہ شہید کے حق میں دعائے مغفرت کیجئے- اللہ تعالیٰ اس کے نیک اعمال کو قبول فرمالے' اس کے سارے قصور بخش دے' اس کو اپنے دامن رحمت میں سمیٹ لے' اس کو شہادت کا اجر عطا فرمائے' اور اس کی غریب بیوہ اس کے یتیم بچوں کا خود کفیل بن جائے' اور اس ظلم کی دادرسی اپنی عدالت سے کرے-

میرے عزیز ساتھیو! دنیا میں ہمیشہ غلط کار لوگوں کا یہ خاصہ رہا ہے کہ غلط کاروں کے انجام کی پوری تاریخ ان کے سامنے ہوتی ہے مگر وہ اس سے سبق نہیں لیتے- حتی کہ اپنے پیش رو غلط کاروں کا جو انجام ان کے اپنے ہاتھوں ہو چکا ہوتا ہے اس سے بھی انہیں عبرت حاصل نہیں ہوتی- وہ سمجھتے ہیں کہ خدا کا قانون مکافات صرف دوسروں ہی کے لئے تھا' ان کے لئے اس قانون میں ترمیم کر دی گئی ہے پھر اپنی کامیابیوں کے نشے میں وہ یہ بھی فرض کر لیتے ہیں کہ دنیا میں سب احمق بستے ہیں- کوئی نہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے' نہ اپنے کانوں سے سن سکتا ہے اور نہ اپنے دماغ سے واقعات کو سمجھ سکتا ہے- بس جو کچھ وہ دکھائیں گے اسی کو دنیا دیکھے گی' جو کچھ وہ سنائیں گے اسی کو دنیا سنے گی' اور جو کچھ وہ سمجھائیں گے دنیا بزاخفش کی طرح اس پر سرہلاتی رہے گی- یہی برخود غلطی پہلے بھی بہت سے بزعم خویش عاقل اور فی الحقیقت غافل لوگوں کو لے بیٹھی ہے' اور اسی کے برے نتائج دیکھنے کے لئے اب بھی کچھ برخود غلط حضرات لپکے چلے جا رہے ہیں-

اس کی ایک تازہ ترین مثال وہ ہے جو ابھی ابھی ہمارے اس کل پاکستان اجتماع عام کے معاملہ میں سامنے آئی ہے اور صرف پاکستان ہی نے نہیں ساری دنیا نے اس کا مشاہدہ کیا ہے-

جماعت اسلامی اس ملک کی ایک مسلم جماعت ہے جو 22 سال سے کام کر رہی ہے' کل پاکستان حیثیت رکھتی ہے' اس کے نمائندے چاہے تھوڑے ہی ہوں مگر قومی اسمبلی اور دونوں صوبائی اسمبلیوں میں موجود ہیں' اور پاکستان ہی میں نہیں' دنیا کے دوسرے ملکوں میں بھی وہ اس ملک کی ایک اہم جماعت کی حیثیت سے معروف ہے۔ ایک ایسی جماعت اپنا کوئی مقامی جلسہ نہیں بلکہ اپنی ایک کل پاکستان کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کرتی ہے مگر پہلے اسے مناسب جگہ دینے سے انکار کیا جاتا ہے اور بمشکل اس تنگ جگہ میں اجتماع کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ پھر دفعہ 144 کے تحت اسے لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنے سے روک دیا جاتا ہے' حالانکہ یہ سمجھنے کے لئے عقل کی کوئی بڑی مقدار درکار نہیں ہے کہ اتنے بڑے اجتماع کی کارروائی لاؤڈ اسپیکر کے بغیر نہیں ہو سکتی اور اسے روکنے کے معنی عملاً" اجتماع کو روکنے کے ہیں۔ جماعت کی طرف سے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے اس حکم کو ہائی کورٹ میں چیلنج کر کے دلائل سے واضح کیا جاتا ہے کہ اس دفعہ کا استعمال قانونی طور پر غلط کیا گیا ہے۔ ارباب حکومت کو خطرہ پیدا ہوتا ہے کہ عدالت کا فیصلہ غالباً ان کے خلاف ہو گا اور جماعت کو لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنے کا موقعہ مل جائے گا۔ فوراً ایک آرڈیننس لے آیا جاتا ہے جس کی کوئی نظیر انگریزی حکومت کے بدترین دور جبر واستبداد اور پاکستان کے سابق بدنام سیاست دانوں کے دور میں بھی نہیں پائی جاتی۔ یعنی سارے صوبہ مغربی پاکستان میں لاؤڈ اسپیکر حرام ہے الا یہ کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اسے کسی کے لئے حلال کر دے۔ بالفاظ دیگر اس ایک فرمان نامبارک سے محض جماعت اسلامی کا اجتماع خراب کرنے کی خاطر پورے صوبے کی سیاسی' مذہبی اور معاشرتی سرگرمیوں کو مفلوج کر دیا جاتا ہے پھر بھی جب جماعت یہ اعلان کرتی ہے کہ وہ لاؤڈ اسپیکر کے بغیر اجتماع کرے گی' اور جب حکمرانوں کی توقعات کے بالکل خلاف یہ دیکھا جاتا ہے کہ لاؤڈ اسپیکر ممنوع ہونے کی خبر سن کر بھی جماعت کے ارکان اور متفق لاہور کے عزم سے باز نہیں آ رہے ہیں تو ریلوے کی وہ متعدد بوگیاں جو دور دراز سے آنے والے لوگ پہلے سے بک کرا چکے تھے' انہیں عین وقت پر منسوخ کیا جاتا ہے اس پر بھی جب ہزارہا آدمی چل پڑتے ہیں تو ایک روز وزیر داخلہ صاحب اور دوسرے روز عین اجتماع کے دن بہت سے وزراء صاحبان بیک وقت جماعت پر اور بطور خاص مجھ پر برس پڑتے ہیں۔ اس کے بعد جب جلسہ عام شروع ہوتا ہے اور لوگ سکون کے ساتھ تقریر سن رہے ہوتے ہیں اس وقت بیس پچیس غنڈوں کی ایک پارٹی آتی ہے جس میں سے بعض اس وقت بھی شراب کے نشے میں جھوم رہے ہوتے ہیں وہ جلسے میں گڑبڑ مچاتے ہیں۔ شامیانوں کی طنابیں کاٹتے ہیں۔ جگہ جگہ آگ لگاتے ہیں۔ پستول کے فائر کرتے ہیں اور ایک بے گناہ کو قتل کر ڈالتے ہیں۔ خواتین کی جلسہ گاہ پر اینٹیں اور سوڈے کی بوتلیں پھینکتے ہیں۔ اسٹالوں پر حملہ کر کے چائے والوں کے برتن توڑتے ہیں۔ مٹھائی والوں کی مٹھائی پھینکتے ہیں۔ دواؤں کی دوکانوں سے دوائیں اٹھا اٹھا کر برباد کرتے ہیں۔ کتابوں کی دوکانوں پر حملہ کرتے ہیں اور قرآن مجید کی بے حرمتی کرنے سے بھی باز نہیں رہتے اور اس پوری غنڈہ گردی کے دوران میں مسلح پولیس تماشائی کی طرح کھڑی رہتی ہے۔ حتیٰ کہ علانیہ جس شخص نے اس کی آنکھوں کے سامنے قتل کا ارتکاب کیا تھا اسے بھی پکڑنے کی کوشش نہیں کرتی۔ یہ واقعات جس ترتیب سے رونما ہوئے ہیں' سب کے سامنے ہیں۔ کیا ارباب حکومت نے دنیا کو عقل کا اندھا سمجھ لیا ہے کہ وہ اس کے معنی نہ سمجھ سکے گی؟

ہم کو معلوم ہے کہ یہ پوری سازش کس نے کب اور کہاں تیار کی تھی۔ ہم جانتے ہیں کہ شہر کے مشہور غنڈوں کی کس پارٹی کو اس کام کے لئے استعمال کیا گیا۔ ہمیں پتہ ہے کہ غنڈوں کو ایک ٹرک میں بھر کر کون لایا۔ ہمارے اپنے کارکنوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ شامیانوں کی رسیاں کاٹنے کا شریفانہ کام کس طرح پولیس کے آدمیوں کی نگرانی میں انجام دیا جا رہا تھا' حتیٰ کہ ایک پولیس مین خود بھی قانون کی یہ خدمت کرتا ہوا دیکھ لیا گیا۔ ہمارے کارکنوں کو لا اینڈ آرڈر کے یہ کمالات دیکھنے کا بھی شرف حاصل ہوا کہ گولیاں چلانے والے ایک مجرم کو پکڑ کر لوگ پولیس کے حوالہ کر رہے تھے اور پولیس بار بار اسے چھوڑ دیتی تھی۔ کارکنوں کے سخت اصرار پر ایک آدمی کو بمشکل زیر حراست لیا گیا۔ ہمارے علم میں یہ بات بھی ہے کہ پستول اس "جہاد" میں استعمال کئے گئے ان پر سائیلنسر لگے ہوئے تھے جو عام آدمیوں کے پاس نہیں ہوتے۔ ہم اس سے بھی بے خبر نہیں ہیں کہ لا اینڈ آرڈر کے محافظ حکام کو اس خاص موقع پر اپنے فرائض سے روگردانی کرنے اور خود لا اینڈ آرڈر کو خراب کرنے کی ہدایات کہیں سے ملی ہوئی تھیں ورنہ ان بیچاروں کا اپنا کوئی ذاتی مفاد اس کا متقاضی نہ تھا' نہ عام حالات میں وہ ایسے بے ضمیر ہی ہیں کہ اس حد تک پستی میں جا گرتے۔ مگر یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی' اور بہت سی باتوں کی شہادتیں رکھتے ہوئے بھی ہم کسی تحقیقات کا مطالبہ لا حاصل سمجھتے ہیں۔ جہاں باڑھ خود کھیت کو کھا رہی ہو وہاں باڑھ سے کیا کہئے کہ کھیت کی حفاظت کر۔ خدا کو اگر اس کھیت کی حفاظ کرنی ہے تو یا وہ اس باڑھ کو درست کریگا' یا پھر اس کی جگہ کوئی دوسری باڑھ لگائے گا۔ اس کی نگری اندھیر نگری نہیں ہے' نہ وہ اس کا چوپٹ راجہ ہے۔ وہ خود دیکھ رہا ہے کہ اسلام پر حاصل کی ہوئی یہ سرزمین نیکی اور شرافت کے لئے کس طرح تنگ ہوتی رہی ہے۔

آگے بڑھنے سے پہلے مجھے ایک اور معاملے کی طرف بھی مختصراً" اشارہ کرنا ہے۔ لاؤڈ اسپیکروں کے متعلق جدید آرڈیننس جب نافذ ہوا تو جماعت نے قانون کا پیٹ بھرنے کے لئے فوراً اس قانون کے تحت لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنے کی اجازت کے لئے درخواست پیش کر دی تاکہ حجت پوری ہو جائے اور کل یہ بہانا نہ بنایا جا سکے کہ نئے قانون کے تحت ہم سے درخواست ہی کب کی گئی تھی۔ اس درخواست کو رد کرنے کے لئے ڈپٹی کمشنر نے جو وجوہ

بیان کئے ہیں انہیں میں سارے ملک کی توجہ کے لئے یہاں پیش کرتا ہوں۔

ان کی بیان کردہ پہلی وجہ یہ ہے کہ جماعت اسلامی کی یہ کانفرنس جس علاقے میں ہو رہی ہے اس کے بعض باشندوں کی طرف سے یہ درخواستیں موصول ہوئی ہیں کہ جماعت کے خیالات اور عقائد ہمارے خیالات اور عقائد سے مختلف ہیں، ہم جماعت کے جلسے میں نہ بھی جائیں تو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ سے ان کی آوز ہمارے گھروں تک پہنچ جائے گی۔

دوسری وجہ انہوں نے یہ بتائی ہے کہ شہر میں کچھ پوسٹر لگے ہوئے پائے گئے ہیں جن میں جماعت کی مذمت کی گئی ہے یہ اس بات کی کھلی علامت ہے کہ اگر جماعت کو لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنے کی اجازت دی گئی تو جلسے میں گڑبڑ اور لڑائی دنگے کا خطرہ ہے۔

ان دو وجوہ کی بنا پر ڈپٹی کمشنر نے حکم تحریر فرمایا ہے کہ امن اور عمدہ نظم ونسق کی خاطر وہ جماعت کی درخواست نامنظور فرما رہے ہیں۔

تھوڑی دیر کے لئے اس سوال کو جانے دیجئے کہ لاؤڈ اسپیکر کے بغیر جو جلسہ ہوا اس میں امن اور عمدہ نظم ونسق کی خدمت کس خوبی کے ساتھ ڈپٹی کمشنر صاحب اور ان کے ماتحت عملے نے انجام دی، میں دراصل اس موقع پر سارے ملک کے مذہبی، معاشرتی اور سیاسی کام کرنے والوں کو ان دو سراسر نامعقول وجوہ کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ جن کی بنا پر لاہور میں جماعت کی درخواست رد کی گئی ہے۔ وہ سب اپنی اپنی جگہ سوچیں کہ اب اس ملک میں کون زبان کھول سکتا ہے۔ مشرقی پاکستان میں ابھی یہ قانون نہیں ہے، مگر وہاں تک اسے وسیع کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے، اس لئے وہاں کے بھی سب لوگوں کو اس کے نتائج پر غور کرنا چاہئے۔ اس ملک میں آخر وہ کون شخص، گروہ، فرقہ یا پارٹی ہے جس سے سب کو اتفاق ہو اور کسی کو بھی اختلاف نہ ہو، جس کے خلاف کوئی نہ کوئی گروہ شکایت کرنے والا نہ پایا جاتا ہو اور جس کے خلاف کوئی پوسٹر بھی لگایا نہ جا سکتا ہو۔ اگر لاؤڈ اسپیکر کی اجازت دینے کے لئے شرائط وہ ہوں جو لاہور کے ڈپٹی کمشنر صاحب نے بیان کی ہیں تو صرف صحراؤں اور بیابانوں میں جلسے ہو سکتے ہیں، شہروں میں نہیں ہو سکتے۔ شیعہ، سنی، اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی، عوامی لیگ، نیشنل عوامی پارٹی، نظام اسلام، خود کنونشن لیگ، غرض کوئی بھی ان شرائط کے ساتھ لاؤڈ اسپیکر استعمال نہیں کر سکتا۔ بلکہ اگر ڈپٹی کمشنر صاحب اس بات کی ضمانت دیں کہ ہر بستی کی شکایت کرنے والوں کو شکایت ان کی توجہ کی یکساں مستحق ہو گی اور اس معاملہ میں شہریوں کے درمیان بے جا امتیاز نہیں برتا جائے گا تو میں کہتا ہوں کہ اب خود صدر مملکت بھی یہاں لاؤڈ اسپیکر پر تقریر ہیں فرما سکتے۔ ان کے جلسے کا اعلان کرا کے دیکھ لیجئے شکایتی درخواستیں گننے کے لئے آپ کو ایک الگ عملہ مقرر کرنا پڑے گا۔

میں اس ملک کے حکمرانوں سے کہتا ہوں کہ حضرت! خدا کے لئے ایک حد کے اندر رہیے، عقل، انصاف، اور آدمیت کی ساری حدیں طاقت کے زعم میں پھاندتے نہ چلے جائیے۔ خود طاقت کی بھی ایک حد ہوتی ہے جہاں تک وہ غلط کاریوں کے باوجود کسی کو سنبھالتی چلی جاتی ہے اس حد کو پار کر جانے کے بعد بڑے سے بڑا طاقت ور انسان بھی اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا۔

اب مجھے کچھ باتیں خاص طور پر جماعت اسلامی کے ارکان اور متفقین سے کہنی ہیں۔ میرے عزیزو! میں نے اپنی افتتاحی تقریر میں آپ سے کہا تھا کہ جسے خدا کے دین کے لئے کام کرنا ہو اس میں صبر اور حکمت، دو لازمی صفتیں ہونی چاہیں۔ اب آپ نے خود دیکھ لیا ان دو صفتوں کے نتائج کیا ہوتے ہیں۔

جمعہ کے روز جو ہنگامہ کیا گیا تھا اس کی اصل غرض یہ تھی کہ جماعت اسلامی کے آدمی کسی نہ کسی طرح مشتعل ہو کر غنڈوں سے لڑیں تاکہ اس اجتماع کو منافی امن قرار دے کر منتشر کر دیا جائے اور اگر ممکن ہو تو اس سے بھی آگے بڑھ کر اس جماعت کو فسادی قرار دے کر وہ اقدامات کئے جائیں جن کے لئے وزیر داخلہ کی بے چینی ان کے بیان سے ٹپکی پڑتی تھی، ظاہر ہے کہ پندرہ بیس یا سو پچاس غنڈوں کی ہستی ہی کیا تھی کہ سات آٹھ ہزار کارکنوں کی موجودگی میں اس مجمع پر حملہ آور ہو کر بخیریت واپس چلے جاتے۔ اس اسکیم کے مرتب کرنے والوں کا گمان یہ تھا کہ جماعت ایسی بھی کیا منظم ہو گی کہ ان ہزاروں کارکنوں میں سے دس بیس آدمی بھی ایسے نہ نکلیں گے جو غنڈوں سے الجھ پڑیں، اور سوچ سمجھے نقشے کے مطابق لا اینڈ آرڈر کو اپنے وہ مخصوص فرائض انجام دینے کا موقع نہ مل جائے جو اس کے عام فرائض کے برعکس اس خاص موقع کے لئے الگ مقرر کئے گئے تھے۔ لیکن آپ نے دیکھ لیا کہ اپنے امیر کی ہدایات کے مطابق آپ نے صبر اور ضبط اور نظم سے کام لے کر کس طرح اس سازشی دماغ کو شکست عظیم دی ہے جس نے اپنے نزدیک بڑا ماسٹر پلان آپ کو گرانے کے لئے بنایا تھا۔

وہ یہ بھی توقع رکھتے تھے کہ جب اچانک گولی چلے گی اور ہر طرف مار دھاڑ کی جائے گی تو جماعت اسلامی کے لوگ بدحواس ہو کر جدھر منہ اٹھے گا اپنی جانیں بچانے کے لئے بھاگنا شروع کر دیں گے، اسٹیج پر تقریر کرنے والا اور اس کے ساتھی دبک کر کرسیوں کے نیچے جا چھپیں گے، اور اس بھگدڑ میں صرف جلسہ ہی منتشر نہ ہو گا بلکہ جماعت اسلامی کی ہوا صوبے کے صدر مقام پر ایسی اکھڑ جائے گی کہ پھر سارے ملک میں کہیں نہ جم سکے گی۔ مگر انہوں نے اپنے سارے اندازوں اور اپنے آج تک کے تجربات کے خلاف یہ بھی دیکھ لیا ہے کہ جو لوگ جس جگہ اپنی ڈیوٹی پر تھے وہ اپنی اپنی جگہ ہڑبونگ مچانے والوں سے نمٹتے رہے اور باقی پورا مجمع جلسہ گاہ میں بیٹھا تقریر سنتا رہا۔ یہ بھی اللہ کی توفیق سے صبر ہی کا کرشمہ تھا جس سے آپ نے مخالفین کی پوری اسکیم کو انہی پر الٹ دیا اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج سارے ملک میں اس جماعت کا وقار پہلے سے زیادہ بڑھ چکا ہے، سارے ملک کی ہمدردیاں آپ کے ساتھ ہیں اور ظالموں کے متعلق خلق خدا وہی کچھ کہہ رہی ہے جس کا مستحق اپنی کم ظرفی و حماقت سے انہوں نے خود اپنے آپ کو بنایا تھا۔

پھر وہ اپنی جگہ یہ سمجھ رہے تھے کہ لاؤڈ اسپیکر نہ ہو گا تو اس جماعت کا سارا پروگرام دھرا کا دھرا رہ جائے گا اور دور دراز مقامات سے آئے ہوئے لوگ جنہیں تقریریں سننے کا چسکا لیے چلا آ رہا ہے' مایوس و بددل ہو کر پلٹ جائیں گے۔ مگر آپ نے دیکھ لیا کہ اللہ کی رہنمائی سے جو حکمت بروقت استعمال کی گئی اس نے ان کی یہ اسکیم بھی ناکام کر دی اور محض ناکام ہی نہ کی بلکہ جتنا کام آپ جلسے سے کرتے اس سے کئی گنا کام آپ نے اپنے ان تبلیغی وفود سے کر ڈالا جو جمعے اور ہفتے کو سارے شہر میں پھیل کر اپنا پیغام محلے محلے اور گھر گھر پھیلاتے رہے۔ محض جلسہ ہی ہوتا تو جو لوگ یہاں آتے وہ آپ کی بات سن لیتے۔ اب آپ تین تین چار چار آدمیوں کے ایک ہزار وفد بنا کر لاہور کے ہر گوشے میں خود جا پہنچے اور نہ آنے والوں تک بھی آپ نے اپنی بات پہنچا دی۔ ان وفود کے جو حیرت انگیز نتائج سامنے آئے ہیں' جماعت کا ایک ایک کارکن انہیں دیکھ کر پوری طرح مطمئن ہو گیا ہے کہ تین دن کے جلسوں سے ہم وہ فائدہ نہ اٹھا سکتے تھے جو ہم نے اس طریقے سے اٹھایا ہے۔ آخری رپورٹوں سے معلوم ہوا ہے کہ جماعت کے وفود نے دو دن میں 68'872 افراد سے "فرداً فرداً" ملاقاتیں کیں' ان میں سے 5274 اشخاص جماعت کے باقاعدہ متفق بنے اور ان تمام انفرادی ملاقاتوں کے دوران میں صرف 115 آدمی جماعت کے مخالف تھے۔ جماعت کے لئے شہر میں ہمدردی اور محبت کا یہ حال تھا کہ جگہ جگہ تانگے والوں اور ٹیکسی والوں نے ان وفود سے کرایہ لینے سے انکار کر دیا۔ جگہ جگہ لوگوں نے بااصرار ان وفود کی دعوتیں کیں۔ نیز جمعہ کے دن جو غنڈہ گردی کی گئی تھی اس پر عام نفرت کا اظہار کیا گیا۔

ان چند کلمات کے بعد اب میں اپنے رفقاء کو یہ نصیحت کر کے رخصت ہوتا ہوں کہ آپ باہر کی مخالفتوں کی فکر نہ کریں' بلکہ ساری فکر خود اپنی کمزوریوں کو رفع کرنے کی کریں۔ اللہ سے اپنا تعلق بڑھائیے۔ اللہ کی محبت اور اس کا خوف دل میں جاگزیں کیجئے۔ ریا اور فخر اور خود غرضی سے بچیئے۔ جو کچھ کیجئے خلوص قلب کے ساتھ اللہ کے لئے کیجئے اور اسی کے اجر کی امید کیجئے۔ دنیا میں آپ کی محنتوں اور کوششوں کا کوئی پھل بھی آپ کو نہ ملے' بلکہ الٹا نقصان بھی ہو' تب بھی بدی کو مٹانے اور نیکی کو قائم کرنے کے لئے جان' مال' وقت' قابلیت' کسی چیز کو بھی کھپا دینے میں دریغ نہ کیجئے۔ آپ کے بغض اور کدورتوں کو دل سے نکالیے اور محبت و خیر خواہی سے اپنے جماعت کے اندرونی زخموں کو بھر کر ایک بیان مرصوص بن جائیے۔ جماعت میں جو خرابی بھی کہیں پیدا ہو اس میں دوسروں کا قصور ڈھونڈنے کے بجائے یہ سوچیئے کہ آپ کا اپنا قصور کیا ہے۔ آپ میں سے ہر شخص جب اپنے اپنے قصوروں کا تدارک اور اپنے اپنے فرض کو ادا کریگا تو سب ہی کے قصوروں کا ایک ساتھ تدارک ہو جائے گا اور جماعت کے قدم اس سے زیادہ تیز چلیں گے جتنے اب ہماری کوتاہیوں کے باوجود تیز ہیں۔

میرے عزیزو! تقریر ختم کرتے ہوئے میں اللہ رب العلمین سے دعا کرتا ہوں اور آپ آمین کہیں کہ بارالہا' کفر کے طویل غلبے کے بعد' اس برعظیم ہند کے ایک چھوٹے سے حصے میں تو نے سراسر اپنے کرم سے دین اسلام کے ماننے والوں کو آزادی کی نعمت عطا فرمائی ہے۔ اب ایسا نہ ہو کہ یہاں اپنے اعمال بد کی وجہ سے ہم اپنے دین و اخلاق اور اپنی آزادی' دونوں ہی کو کھو بیٹھیں۔ خداوندا! تو جانتا ہے کہ یہاں مصلح کون ہیں اور مفسد کون۔ تیرے علم میں جو مصلح ہوں ان کی حمایت اور حفاظت اور نصرت فرما تاکہ وہ اس مسلمان ملک کو تباہی کے گڑھے میں گرنے سے بچا سکیں اور تیرے علم میں جو مفسد ہیں ان کو نیک ہدایات دے تاکہ وہ اپنی اور اپنی قوم کی دنیا اور عاقبت خراب کرنے سے باز رہیں۔

امیر جماعت کی پریس کانفرنس

لاہور۔ 27 اکتوبر۔ آج کیمپ اجتماع گاہ جماعت اسلامی پاکستان بیرون بھاٹی گیٹ میں مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے اپنی اختتامی تقریر کے بعد پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"آپ کے سوالات کے جوابات دینے سے پہلے میں آپ حضرات سے یہ ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ آپ نے یہ محسوس کیا ہو گا کہ جماعت اسلامی نے اس قسم کے مورال کو بحال کرنے کے لئے کتنا بڑا کام کیا ہے۔ ہم نے شرافت سے غنڈہ گردی کا مقابلہ کر کے دکھا دیا ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ شرافت کے ہتھیاروں سے غنڈہ گردی کو شکست دی جا سکتی ہے۔ ہم نے اپنے لوگوں کو جو ٹریننگ دی ہے وہ بھی آپ نے دیکھ لی اور اس کے ثمرات بھی دیکھ لیے۔ اس کانفرنس میں شریک ہونے والوں میں پورے پاکستان سے آئے ہوئے لوگ ہیں۔ ان میں دیہاتی بھی ہیں اور شہری بھی' ان میں اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی ہیں اور ان پڑھ بھی' ان میں اچھی خاصی بلند پوزیشن رکھنے والے بھی ہیں اور بالکل غریب و مفلس بھی۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو راشن کارڈ خریدنے کے لئے پیسے نہیں رکھتے تھے اس لئے گھروں سے روٹیاں اور چنے باندھ کے لائے ہیں۔ آپ دیکھ لیا کہ ان لوگوں میں کتنا صبر' کتنا ضبط' کتنا نظم پیدا ہو چکا ہے۔ ہمارے اوپر حملہ بالکل اچانک ہوا تھا' ہماری طرف سے اسے روکنے کے لئے کوئی خاص تیاری نہیں تھی ہم بالکل بے خبر تھے کہ اس طرح کا حملہ ہو رہا ہے۔ اس اچانک حملے کے باوجود آپ نے دیکھ لیا کہ جماعت نے کتنے صبر و تحمل کے ساتھ کتنے ضبط و نظم کے ساتھ اس حملے کا مقابلہ کیا اور کس طرح لوگ اپنی اپنی جگہ اس صورت حال سے نمٹتے رہے اور باقی پورا مجمع سکون سے بیٹھا تقریر سنتا رہا۔ یہ اس اخلاقی تربیت کا کھلا مظاہرہ ہے جو جماعت اسلامی کے لوگوں نے پائی ہے۔ اب یہ ہر شخص کے اپنے سوچنے کی بات ہے کہ یہ دولت برباد کر دینے کے قابل ہے یا یہ اس ملک کی اجتماعی دولت ہے جس کو بڑھانے کی ضرورت ہے۔

میں یہ بات بھی آپ کے علم میں لانا چاہتا ہوں کہ جو لوگ خواتین کے ساتھ آئے تھے نہ ان میں سے کسی نے ہم سے یہ خواہش ظاہر کی' نہ خواتین کی طرف سے یہ خواہش ظاہر کی گئی کہ ہم کو واپس بھیج دیا جائے۔ ہم نے خود صرف اس وجہ سے ان کو واپس جانے کی ہدایت کی کہ ہم نے یہ دیکھ لیا تھا کہ ہمیں کیسے شریف لوگوں سے سابقہ ہے۔ ہم نے یہ بھی دیکھ لیا کہ خواتین کے کیمپ پر حملہ میں بھی تامل نہیں کیا گیا۔ ہم یہ خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے کہ خواتین پر حملہ ہو۔ ان حملوں کو برداشت کرنے کے لئے جب مرد ختم ہو جائیں گے تب خواتین تک نوبت پہنچے گی۔ ہمارے کیمپ سے صرف وہ لوگ واپس گئے جن کو ہم نے حکم دیا کہ خواتین کو لے کر کیمپ سے چلے جاؤ۔ کوئی ایک آدمی بھی ان کے سوا نہیں گیا۔ البتہ جمعہ کے روز غنڈہ گردی کی اطلاعات پہنچنے کے بعد کارکنوں کی ایک اچھی خاصی تعداد مسلسل یہاں آتی رہی ہے اور آج تک بھی پہنچی ہے۔ یعنی ان حالات نے پورے ملک میں کسی جگہ بھی جماعت کو خوفزدہ نہیں کیا ہے' بلکہ ان حالات کے پیش آنے پر لوگوں نے طلب کئے بغیر خود ہی ضرورت محسوس کی ہے کہ وہ یہاں آئیں۔

ایک بات میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ جمعہ کے روز جو واقعات پیش آئے ہیں انہوں نے ایڈمنسٹریشن کے وقار اور اس پر پبلک کے اعتماد کو صدمہ عظیم پہنچایا ہے۔ آپ اس شہر میں چل پھر کر خود دیکھ سکتے ہیں کہ لوگوں کے احساسات کیا ہیں پچھلے دو دنوں میں جماعت کے کارکن شہر لاہور کی گلی گلی اور کوچے کوچے میں گئے ہیں' ہزارہا افراد سے ملے ہیں۔ انہوں نے یہ دیکھا ہے کہ عام لوگوں میں یہ احساس پیدا ہو گیا ہے کہ جب لا اینڈ آرڈر کی حفاظت کرنے والی طاقتیں خود غنڈوں کو تیار کر کے شرفاء پر حملے کرا سکتی ہیں اور خود لا اینڈ آرڈر کو درہم برہم کرنے کے لئے سازش کر سکتی ہیں تو اس ملک میں کس شریف آدمی کی آبرو محفوظ رہ سکتی ہے۔ جن غنڈوں کو حکام اپنی غرض کے لئے استعمال کریں وہ غنڈے لامحالہ یہ قیمت تو ان سے طلب کریں گے کہ انہیں جرائم کرنے کی کھلی چھٹی ملے اور جب وہ جرائم کریں تو ان کو بچایا جائے۔ میں کہتا ہوں کہ جس شخص یا جن اشخاص نے بھی ایڈمنسٹریشن کے وقار اور اس پر پبلک کے اعتماد کو نقصان عظیم پہنچایا ہے وہ اس قابل ہے کہ اس پر باقاعدہ مقدمہ چلایا جائے۔ ایک طرف ہمارے سامنے بیرونی خطرات پیش کئے جاتے ہیں' اتحاد کی اپیلیں کی جاتی ہیں اور یہ کہہ کر اپوزیشن کے خلاف پروپیگنڈا کیا جاتا ہے کہ یہ اختلافات کی باتیں کر کے ملک میں انتشار پھیلاتے ہیں۔ دوسری طرف یہ لوگ خود نظم و نسق پر لوگوں کے اعتماد کو متزلزل کر کے ملک کے استحکام کی جڑیں کھوکھلی کر رہے ہیں"۔

ایک سوال کے جواب میں مولانا نے وضاحت کی کہ "میرے کہنے کا مدعا یہ نہیں کہ ایسے لوگوں پر مقدمہ چلانا چاہئے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ یہ اس کے مستحق ہیں کہ ان پر مقدمہ چلایا جائے۔ اگر کسی آزاد ملک مثلاً برطانیہ میں ایسی کارروائی ہوتی تو 24 گھنٹے کے اندر وہ حکومت ختم ہو جاتی"۔

بعض دوسرے سوالات کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا کہ جماعت اسلامی بے خبر جماعت نہیں ہے۔ قریب قریب سارے حالات ہمارے علم میں ہیں' لیکن بعض وجوہ سے ہم ان کو اس مرحلے پر ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ کس نے سازش کی اور کس پارٹی کے غنڈوں نے اس میں حصہ لیا مولانا نے یہ بھی کہا کہ "ارکان اسمبلی کا فرض ہے کہ وہ اس معاملے کو اسمبلی میں اٹھائیں"۔

جماعت کے خلاف چوہدری خلیق الزمان کے حالیہ بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا نے کہا کہ "اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ایک ایسا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ جماعت پر حملہ کیا جائے۔ پہلے وزیر داخلہ بولے' پھر کئی وزراء بیک وقت بولے' پھر اوقاف کے ملازم خطیبوں سے بیانات دلوائے گئے اور اب بعض ایسے علماء سے بیانات دلوائے جا رہے ہیں جو برسوں سے جماعت کو غلیظ گالیاں دیتے رہے ہیں۔ جن کے اخبار کے فائل دیکھ کر ہی آپ رائے قائم کر سکتے ہیں کہ ان کو جماعت اسلامی سے کس قدر شدید بغض و عناد ہے۔ ان چیزوں سے اصل مقصود ملک کے اندر پروپیگنڈا کر کے ایسا ماحول پیدا کرنا ہے کہ جماعت اسلامی پر حملہ کیا جا سکے۔ جہاں تک خلیق الزمان صاحب کے بیان کا تعلق ہے' وہ اب مرفوع القلم ہو چکے ہیں اور پورا ملک ان کو اب پہنچانتا ہے' اس لیے ان کے بارے میں مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ملیں صرف ان حکام عالی مقام کو جو یہ ماحول پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں دو باتوں سے آگاہ کر دینا چاہتا ہوں۔ ایک بات یہ ہے کہ وہ اپنی پوری پروپیگنڈا مشینری استعمال کر کے مجھے اور جماعت اسلامی کو بدنام کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ جبر اور زبردستی سے وہ جماعت پر حملہ آور ہو سکتے ہیں لیکن جماعت کا جو اثر اور وقار اس ملک میں ہے وہ ان کے حملے سے دس گناہ زیادہ بڑھ جائے گا۔ یہ تجربہ وہ کرنا چاہیں تو بڑی خوشی سے کر کے دیکھ لیں۔ دوسری بات میں ان کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ جماعت اسلامی کے اثرات اپنے لٹریچر کے ذریعے سے انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک اور استنبول سے لے کر مغربی افریقہ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اگر جماعت اسلامی کے خلاف کوئی کارروائی کی گئی تو دنیا بھر کی مسلمانوں آبادیوں میں پاکستان کے وقار کو سخت دھکا لگے گا۔ میں پاکستان میں کے مفاد کی خاطر ان کو متنبہ کر رہا ہوں' اپنی کھال بچانے کے لئے نہیں کر رہا۔ ان لوگوں کا اپنا ضمیر بھی یہ جانتا ہے کہ میں ذاتی طور پر بھی اور میری جماعتی حیثیت سے بھی اللہ کے فضل سے نہ ڈرتے ہیں' نہ خریدے جا سکتے ہیں اور نہ دھوکا کھا سکتے ہیں اور اس ملک میں وہی لوگ پسند کیے جاتے ہیں جو ڈریں یا بکیں' یا دھوکا کھائیں۔ ملک سے میری مراد ملک کے عوام نہیں ہیں' بلکہ ملک کے درو بست پر جو لوگ قابض ہیں ان کی طرف سے اشارہ کر رہا ہوں"۔

مولانا سے جب یہ سوال کیا گیا کہ کیا اس بات کا امکان ہے کہ جب جماعت کے لوگ منتشر ہو کر اپنے اضلاع میں جائیں گے تو ہر ہر ضلع میں ان

پر سختیاں کی جائیں۔ تو مالانا نے اس کے جواب میں کہا کہ "ان لوگوں سے ہر چیز کی توقع کی جاسکتی ہے۔ جو لوگ غنڈوں کو لا کر شرفاء پر حملے کرا سکتے ہیں ان سے اب کچھ بھی بعید نہیں"۔

پھر پوچھا گیا کہ "نواب ممدوٹ صاحب نے جو بیان دیا ہے کہ آپ نے جہاد کشمیر کے خلاف کوئی فتویٰ دیا تھا' اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔

مولانا نے فرمایا "ممدوٹ صاحب براہ کرم اس اصل فتوے کو پیش فرمائیں جو میں نے دیا ہے۔ فتویٰ سے مراد وہ اطلاع نہیں جو اخبارات میں شائع ہوائی۔ مراد وہ اصل فتویٰ ہے جو میری طرف سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہ چیلنج میں بارہا پیش کر چکا ہوں۔ یہ تو ایک اور سوال کے جواب میں مولانا نے الزام فتویٰ کا سارا واقعاتی پس منظر بیان کر دیا۔ انہوں نے بتایا کہ "آزاد کشمیر گورنمنٹ کا پبلسٹی آفیسر پشاور میں آیا جبکہ مئی 48ء میں جماعت اسلامی کا اجتماع پشاور میں ہو رہا تھا۔ اس کا نام تھا نبی بخش نظامی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں علیحدگی میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے تخلیہ میں ان کو بلا لیا۔ (انہوں نے مجھ سے کہا کہ اس وقت کشمیر میں جو جہاد ہو رہا ہے آپ اس میں حصہ کیوں نہیں لیتے۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ براہ کرم اس سوال سے مجھے معاف فرمائیں۔ انہوں نے پھر اصرار کیا' میں نے پھر ان سے معذرت چاہی۔ تیسری مرتبہ جب انہوں نے اصرار کا تو میں نے کہا کہ بھائی میرے دل میں ایک خلش ہے۔ مسلمان کا ضمیر ڈپلومیسی کو پسند نہیں کرتا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ یہی لفظ ڈپلومیسی میں نے استعمال کیا تھا۔ حکومت پاکستان کو چاہیے کہ وہ کھلم کھلا جہاد کا اعلان کرے' میں اگلی صفوں میں جانے کے لئے تیار ہوں۔ اس بات کو میں اسلامی اخلاق کے لحاظ سے مناسب نہیں سمجھتا کہ دنیا بھر میں تو یہ اعلان کیا جائے کہ ہم نہیں لڑ رہے ہیں اور اندر اندر ہم لڑ رہے ہیں۔ اس سے ہمارے اخلاقی وقار کو بھی نقصان پہنچتا ہے اور عملاً" بھی میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس طرح ہم کشمیر حاصل نہیں کر سکتے۔ پھر اس نے (نبی بخش نظامی نے) کہا کہ آپ اپنی اس رائے کا اظہار و اعلان کیوں نہیں کرتے؟ میں نے اس سے کہا کہ میں اس کو بالکل نامناسب سمجھتا ہوں کہ جو خلش میں اپنے دل میں محسوس کر رہا ہوں اس کا اظہار کر کے دوسرے لوگ جو کوشش کر رہے ہیں اس کو کوئی نقصان پہنچاؤں۔ اس نے کہا کہ کیا میں آپ کی رائے کا اظہار و اعلان کر دوں۔ میں نے اس سے کہا کہ اگر یہ کام کرنا ہوتا تو میں خود کرتا۔ آپ کو کیسے اس کی اجازت دے سکتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ آپ آزاد کشمیر گورنمنٹ کے پبلسٹی آفیسر ہیں' میرے نام سے آپ اس طرح کا اعلان کر کے مجھے بدنام تو کر سکتے ہیں مگر اس گورنمنٹ کے کاز کو نقصان پہنچادیں گے جس کے آپ پبلسٹی آفیسر ہیں۔ یہ بات کر کے وہ میرے پاس سے تشریف لے گئے۔ دوسرے روز میں نے اخبارات میں یہ اطلاع پڑھی کہ مودودی نے جہاد کشمیر کو حرام قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ جو لوگ وہاں مر رہے ہیں وہ حرام موت مر رہے ہیں۔ پشاور سے واپسی کے بعد اس چیز کی تردید کی میں نے جتنی کوشش کی اس کو فیل کر دیا گیا۔ پھر جب آل انڈیا ریڈیو نے اس بات کو اچھالنا شروع کیا تو میں نے ریڈیو پاکستان کو لکھ کر بھیجا کہ میں خود آ کر ریڈیو سے اس چیز کی تردید کرنا چاہتا ہوں تاکہ کشمیر میں لڑنے والی فوجوں کی ہمت پست نہ ہونے پائے۔ لیکن مجھے یہ موقع دینے سے صاف انکار کر دیا گیا۔ دراصل اس وقت میں اسلامی دستور کے لئے جو جدوجہد کر رہا تھا وہ اس وقت کے حکمرانوں کو اتنی ناگوار تھی کہ انہوں نے کشمیر کے کاز کو نقصان پہنچانا پسند کیا۔ اس طرح مجھے گرفتار کرنے کے لئے اس وقت بھی اسی طرح ماحول پیدا کرنے کی کوششیں ہو رہی تھیں جیسی کوششیں اب شروع ہیں اور یہ سب کچھ ممدوٹ صاحب کی منسٹری کے زمانے میں ہوا۔

یہ بات بھی میں آپ حضرات کے علم میں لانا چاہتا ہوں کہ 29 اگست کو مشرقی پنجاب سے لاہور پہنچا' اور دوسرے ہی دن صبح ممدوٹ صاحب سے خود ملا اور میں نے ان سے کہا کہ ریڈ کلف ایوارڈ ہندوستان کے لئے کشمیر کا راستہ کھول رہا ہے۔ اس معاملہ کی اتنی اہمیت میری نگاہ میں تھی کہ چند گھنٹے بھی میں نے ضائع کرنے مناسب نہیں سمجھے۔ رانا اللہ داد خان صاحب کو جو اس وقت یہاں موجود ہیں' بھیج کر خود وقت طے کروایا۔ ریڈ کلف ایوارڈ کا اعلان جب ریڈیو سے ہوا تو میں نے اسی وقت اپنے ساتھیوں سے کہا کہ کشمیر ہاتھ سے گیا۔ چنانچہ میں نے یہاں پہنچتے ہی نواب ممدوٹ صاحب سے کہا کہ گورداسپور اس لئے ہندوستان کو دیا گیا ہے کہ وہ کشمیر پر قابض ہو سکے۔ میں نے نواب صاحب سے یہ بھی کہا کہ پنجاب میں ملٹری کے لاکھوں ایکس سروس مین (سابق ملازمین افواج) موجود ہیں ان کو موبلائز (منظم) کر کے جلدی سے جلدی کشمیر پر قبضہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ان کو اسلحہ کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ کچھ نہ کچھ اسلحہ ان کے پاس موجود ہے۔ مہاراجہ کشمیر سے کوئی سٹل ایگریمنٹ اگر۔ یمنٹ نہ کیا جائے۔ اس کے بعد اگلے ہی روز میں چوہدری محمد علی صاحب سے ملا اور یہی بات ان سے بھی کہی۔ میں نے ان سے کہا کہ خان لیاقت علی خان تک میری یہ بات پہنچا دیجئے کہ وہ فی الفور کشمیر کی فکر کریں۔ یہ دونوں حضرات زندہ موجود ہیں۔ چوہدری محمد علی صاحب تو انکار نہیں کریں گے' نواب صاحب اگر انکار کریں تو ان کے ہاتھ پر قرآن رکھ دیجئے۔ پھر میں آپ کو یہ بھی بتانا چاہتا ہوں کہ میرے خلاف جب جہاد کشمیر کی مخالفت کا پروپیگنڈہ شروع کیا گیا تھا عین اس وقت جماعت اسلامی کے متعدد آدمی کشمیر کی لڑائی میں شریک تھے۔

سوال یہ ہے کہ آج جو حضرات اس پروپیگنڈے کو تازہ کر رہے ہیں ان کا اپنا کارنامہ کیا ہے۔ آل پارٹیز کشمیر کانفرنس جو ماضی قریب میں (ری سینٹلی) بلائی گئی تھی' اس وقت حکومت کا اپنا نقطہ نظر (ایٹی ٹیوڈ) کیا تھا۔ اس وقت یہ حضرات تقسیم کشمیر کو قبول کرنے کے لئے خود تیار تھے۔ ان کو اس سے روکنے کی شاید سب سے زیادہ کوشش جماعت اسلامی ہی نے کی۔ ہم نے

متفقہ طور پر حکومت کے ہاتھ مضبوط کرنے کی کوشش کی اور حکومت نے ہمیں ڈسکریڈٹ کر دیا۔

اور جب یہ پوچھا گیا کہ انڈیا کو امریکہ کی طرف سے جو فوجی امداد دی جا رہی ہے آپ اس کی مذمت کیوں نہیں کرتے' تو مولانا نے بتایا کہ اس مسئلے میں تو ہم نے اسی کانفرنس میں قرارداد پاس کر کے پریس میں بھجوائی ہے اور اس سے پہلے اگست 63ء کی مجلس شوریٰ میں ایک قرارداد منظور کی جا چکی ہے۔

ایک اور سوال کے جواب میں مولانا نے فرمایا۔ "اپوزیشن کا مستقبل دو باتوں پر منحصر ہے' ایک یہ کہ اپوزیشن میں کام کرنے والی پارٹیاں اور افراد ہمت اور جرات سے کام لیں اور برسراقتدار طاقت کے تیور دیکھ کر دبک نہ جائیں' دوسرے یہ کہ اپنے ریلنکس میں ایسے لوگوں کو نہ رہنے دیں جو اپوزیشن میں صرف اپنی قیمت بڑھانے کے لئے شامل ہوتے ہیں اور جب مناسب قیمت مل جاتی ہے تو بک جاتے ہیں"۔

ایک سوال میں یہ ضرورت ظاہر کی گئی کہ اپوزیشن کے زندہ اور مضبوط رہنے کے لئے ایک قومی تحریک جاری ہونی چاہیے۔ اس پر مولانا نے کہا کہ "اس معاملے میں میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکا ہوں کہ تحریک سے ان لوگوں کی مراد کیا ہے کہ جب تک ایک قومی تحریک نہ اٹھائی جائے اپوزیشن کا یہاں کوئی سیاسی مستقبل نہیں ہے۔ اپوزیشن پارٹیوں کے اشتراک کے سلسلے میں گفتگو کے آغاز ہی میں میں نے واضح کر دیا تھا کہ ہم کسی ایسی تحریک میں شامل نہیں ہو سکتے جو آئین کی حدود کے اندر نہ رہے مثلاً عدم ادائیگی ٹیکس اور سول نافرمانی وغیرہ۔ ہمارا نقطہ نظر اصولی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ جو تحریک ایک مرتبہ لوگوں کو قانون توڑنے کا عادی بنا دیتی ہے وہ خود بھی پھر لوگوں کے اندر قانون کا احترام پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی اور اگر قانون کا احترام اٹھ جائے تو نہ اخلاق باقی رہتا ہے اور نہ ایسی ریاست کی جڑیں مضبوط رہ سکتی ہیں"۔

مولانا سے جب پوچھا گیا کہ کیا اس امر کا امکان ہے کہ جماعت اسلامی کے متعلق اس وقت جو فضا بنائی جا رہی ہے اسے وجہ بنا کر ہنگامی حالات یا ایمرجنسی کا اعلان کر دیا جائے تو مولانا نے فرمایا کہ "ابھی تو میں اس کے آثار نہیں پا رہا ہوں کہ وہ جماعت اسلامی کی آڑ لے کر ملک میں سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگا دیں۔ لیکن یہ جانتا ہوں کہ جب کسی ملک کے حکمران نروس نیس میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو وہ ایسے اقدامات بھی کر جاتے ہیں جن پر بعد میں ان کو خود پچھتانا پڑتا ہے۔

مولانا نے آئندہ انتخابات کے متعلق کہا کہ "ہماری انتہائی کوشش یہ ہے کہ اگلا الیکشن ڈائرکٹ طریق سے رائے دہندگی بالغان کی بنیاد پر ہو۔ ہم نے اس کے لئے کمپین (مہم) شروع کرنے کا فیصلہ بھی کر لیا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ایک مرتبہ یہ ثابت کر دیا جائے کہ اس ملک کی آبادی ڈائرکٹ الیکشن چاہتی ہے۔ فرض کیجئے کہ ہماری تمام کوششوں کے باوجود یہی بنیادی جمہورتیوں ا یلیکورل کالج قرار دی جائیں تو ہمیں اپنی حد تک کوشش کرنی پڑے گی کہ ملک کو اس کے تباہ کن نقصانات سے بچایا جائے۔ اس سے زیادہ میں پیشگی کچھ نہیں کہہ سکتا"۔

آئندہ انتخابات میں جماعت کے لئے امکانات کے متعلق پوچھا گیا تو مولانا نے اتنا ہی فرمایا کہ "میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ہم کوشش کریں گے"۔

خان حبیب اللہ خان کے عاید کردہ الزامات کے بارے میں امیر جماعت اسلامی نے کہا کہ ارباب اقتدار کے لئے سیدھا راستہ یہ ہے کہ مجھے عدالت میں چیلنج کریں۔ میں نے تقریر میں کہدیا ہے کہ میری پوزیشن خدا کے فضل سے اتنی کچھ نہیں ہے۔ میرا طریقہ یہ ہے کہ میں اپنے آپ کو ڈی فنڈ نہیں کرتا' خاموش رہتا ہوں۔ تکبر کرنا میری عادت نہیں ہے ہمارے ہاں کے وزراء کا حال یہ ہے کہ نہ وزارت پر آنے سے پہلے ان کا کوئی مقام ہے کہ فلاں کون تھا اور اب کہاں ہے۔

گزشتہ ضمنی انتخابات کے متعلق مولانا نے بتایا کہ "ہماری پالیسی یہ رہی ہے کہ جہاں کہیں اچھا آدمی لایا جائے وہاں ساتھ دیا جائے اور جہاں یہ صورت نہ ہو وہاں مخالفت نہ کی جائے۔ اس لئے کہیں جماعت اسلامی نے اپوزیشن کے نمائندوں کا ساتھ دیا اور کہیں ان کی حمایت نہیں کی۔ جہاں حمایت نہیں کی وہاں ذمہ دار لوگوں کو اس کے وجوہ صاف صاف بتا دیئے گئے کہ ہمیں کیا اعتراض ہے"۔

متحدہ محاذ کے بارے میں مولانا مودودی نے فرمایا کہ "ایک لحاظ سے علماً" متحدہ محاذ کا وجود ہے۔ جمہوری حقوق کے سلسلے میں جب بھی کوئی معاملہ پیش آتا ہے ساری اپوزیشن پارٹیوں کے نمائندے مل بیٹھتے ہیں اور متفقہ رد عمل دکھاتے ہیں۔ چنانچہ کل جو جو کچھ ہمارے اجتماع میں پیش آیا اس پر احتجاج کرنے کے لئے بھی اپوزیشن پارٹیوں اور افراد نے متحد ہو کر آواز اٹھائی ہے۔ البتہ متحدہ محاذ کا باقاعدہ آئینی و تنظیمی وجود ابھی تک نہیں ہے۔ کیونکہ اس سلسلے میں جن تفاصیل کا طے کرنا ضروری ہے ان پر گفتگوؤں کا سلسلہ جاری ہے"۔

خارجہ پالیسی کے متعلق سوالات کا جواب دیتے ہوئے مولانا نے کہا کہ خارجہ پالیسی کے بارے میں ہم صرف جنرل پر سپلز ہی بات کر سکتے ہیں' اور اصولی باتیں ہم نے اپنی تازہ قرارداد میں کہدی ہیں۔ تفصیلات طے کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو ملک کے معاملات کو عملاً چلا رہے ہیں۔ اصولی باتوں میں ہم نے یہ بتا دیا ہے کہ ہمیں دنیا بھر سے دوستانہ روابط قائم کرنے چاہیں اور کسی ایک ملک سے اس طرح نہیں بندھ جانا چاہئے کہ باقی دنیا سے ہم قطع تعلق کرنے پر مجبور ہوں۔ ایک کی گود سے اٹھ کر دوسرے کی گود میں بیٹھنے کی پالیسی ہرگز مناسب نہیں ہے۔ میری یہ مراد نہیں کہ نن الائن منٹ کے

مروجہ تصور اختیار کیا جائے' جماعت کا نقطہ نظر اس سے مختلف ہے جسے خارجہ پالیسی کی قرارداد میں بیان کر دیا گیا ہے۔ اس سے زیادہ میں اس وقت کچھ نہیں کہہ سکتا اور نہ اصولی باتوں سے آگے جا کر عملی تفاصیل بیان کر سکتا ہوں۔ اگر اس مختصر گفتگو سے کوئی صاحب میرا نقطہ نظر نہ سمجھ سکے ہوں تو وہ براہ کرم اس کی رپورٹنگ بھی نہ کریں۔"

آر سی ڈی

محکمہ اطلاعات حکومت پاکستان نے 1969ء میں آر سی ڈی کے قیام کارکردگی اور مستقبل کے حوالے سے ایک کتابچہ شائع کیا تھا۔ آر سی ڈی کے بارے میں سرکاری نقطہ نظر کو واضح کرنے کے لئے ہم اس کا متن شائع کر رہے ہیں۔

علاقائی تعاون برائے ترقی (آر۔ سی۔ ڈی) ایران' پاکستان اور ترکیہ کے مابین ایک ایسے سہ طرفی نظام کی حیثیت رکھتا ہے جس کا مقصد وحید اس علاقے کے سولہ کروڑ باشندوں کی اقتصادی ترقی اور فلاح و بہبود کے لئے گہرا اقتصادی' فنی اور ثقافتی تعاون پیدا کرنا ہے۔ اس اقتصادی محاذ کے قیام کا فیصلہ پیدا کرنا ہے۔ اس اقتصادی محاذ کے قیام کا فیصلہ ایران' پاکستان اور ترکیہ کے سربراہوں نے ایک "چوٹی کانفرنس" میں کیا جو 21 جولائی 1964ء کو استنبول میں ہوئی تھی۔

ایران' پاکستان اور ترکیہ کی رشتہ اخوت میں منسلک اقوام کے مابین پہلے ہی بہت سی قدریں مشترک تھیں لہٰذا ایک ٹھوس علاقائی اقتصادی محاذ کی صورت میں ان کا اشتراک بڑا فطری ثابت ہوا۔ تینوں ملک آپس میں ہمسائے ہیں اور قدیم تاریخی رشتوں میں منسلک ہیں۔ تینوں اقتصادی ترقی کے قریب قریب ایک سے مرحلے سے گذر رہے ہیں۔ ان کا ثقافتی پس منظر مشترک ہے اور مستقبل کے بارے میں بھی مشترکہ نظریات کے حامل ہیں۔ یہی وہ اسباب و عناصر تھے جن کی بنا پر ایران' پاکستان اور ترکیہ کی حکومتوں کو یہ آسانی ہو گئی کہ وہ علاقائی بنیاد پر موثر اور گہرے اشتراک و تعاون کے ذریعے اپنی قومی ترقیاتی کاوشوں کے لئے خاص اقدامات اور منصوبوں کی تکمیل و ترتیب کے بارے میں غور کر سکیں۔

حالیہ برسوں میں اقتصادی اور معاشرتی پالیسیوں میں بہتر اشتراک اور ہم آہنگی پیدا کرنے کی غرض سے بین الاقوامی اور علاقائی نظام کی ضرورت و اہمیت کا احساس و شعور روز بروز بڑھ رہا ہے۔ اگرچہ عالمی سطح پر تعاون کے لئے بالعموم اقوام متحدہ اور اس کے اداروں ہی سے استفادہ کیا جا رہا تھا لیکن یہ محسوس کیا گیا کہ علاقائی سطح پر اشتراک و تعاون کی بدولت اقتصادی مسائل بہتر طور پر حل کئے جا سکتے ہیں اور نتائج نسبتاً جلدی حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

کائنات ارضی میں جس تیزی سے اقتصادی و معاشرتی زندگی کا ڈھانچہ بدل رہا ہے' زراعت پیشہ معاشروں میں جس سرعت سے فنی و سائنسی انکشافات رواج پا رہے ہیں' انتقالات و مواصلات میں جو انقلاب آفرین تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں ان کے پیش نظر یہ عام احساس ہو چکا ہے کہ علاقائی اقتصادی گروہ بندی اور اشتراک و تعاون کے بغیر چارہ نہیں۔ دراصل ایسے علاقائی تعاون کے لئے کسی مخصوص علاقے کے ممالک میں جغرافیائی مناسبت' مشترک تاریخی روایات' اور سیاسی و ثقافتی رشتے سب سے زیادہ ممد و معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ کسی ملک کے خود کفیل کہلانے کا پرانا تصور ختم ہوتا رہا ہے اور ایسے نئے نظریات منصۂ شہود پر ابھر رہے ہیں جن کے تحت زندگی کے اقتصادی حقائق اس امر کو ناگزیر بنا دیتے ہیں کہ اقتصاد و معیشت کے تغیر و تبدل' وسیع تر منڈیوں کے حصول اور فروغ برآمدات کے لئے سودے بازی کا فزوں تر قوت و صلاحیت سے زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کرنے کی غرض سے تمام وسائل و ذرائع کو مجتمع کر دیا جائے۔

تنظیم علاقائی تعاون برائے ترقی کا قیام

سربراہوں کی کانفرنس سے پہلے

سربراہوں کی کانفرنس سے پہلے 18 اور 19 جولائی کو ترکیہ کے دارالحکومت انقرہ میں وزارتی سطح پر ایک اجلاس منعقد ہوا تاکہ تینوں ہم خیال ملکوں کے مابین علاقائی تعاون کو عملی شکل دینے کی غرض سے زمین ہموار کی جا سکے۔ اس اجلاس میں پاکستان' ایران اور ترکیہ کے وزرائے خارجہ شریک ہوئے۔ وہ تینوں اس نتیجے پر پہنچے کہ اس وقت ان کے مابین دو طرفہ اور کثیر طرفی اشتراک کا جو نظام موجود تھا اس سے باہر رہتے ہوئے بھی اقتصادی' فنی اور ثقافتی تعاون کے بہت زیادہ مواقع موجود ہیں۔ تینوں ملکوں کی حکومتوں اور باشندوں کی یہ مخلصانہ خواہش و آرزو تھی کہ ایک ایسا طاقتور علاقائی اقتصادی گروپ قائم ہو جائے جو سارے علاقے کی اقتصادی تعمیر و ترقی کے لئے عملی اقدامات بروئے کار لا سکے' اس علاقے کے لوگوں کی اقتصادی حالت بہتر بنا سکے اور اس علاقائی تعاون کے رکن نہ صرف ایک دوسرے کے ساتھ بلکہ بین الاقوامی طور پر بھی اقتصادی تعلقات و روابط مضبوط و مستحکم بنا سکیں۔ چنانچہ تینوں وزرائے خارجہ نے علاقائی تعاون کے فوائد کا احساس و اعتراف کرتے ہوئے ایران' پاکستان اور ترکیہ کے سولہ کروڑ باشندوں کی فلاح و ترقی کے لئے باہمی اتحاد کا عزم کر لیا۔ تینوں ملکوں کے سربراہوں کی کانفرنس 21 جولائی 1964ء کو استنبول میں ہوئی۔ اس میں 18 اور 19 جولائی کو انقرہ میں ہونے والی وزارتی کانفرنس کی وہ رپورٹ پیش کی گئی جس میں ایران' پاکستان اور ترکیہ کے مابین اقتصادی و ثقافتی تعاون کی سفارش کی گئی تھی۔ تینوں سربراہوں نے وسیع تبادلہ خیالات کے بعد یہ متفقہ فیصلہ صادر کیا:

"اقتصادی ترقی کی رفتار تیز تر کرنے کے لئے اس علاقے کے اغراض و

مفادات کی حامل اقتصادی گروہ بندی وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔
علاقائی اشتراک و تعاون کی کوششوں کو بین الاقوامی طور پر بھی تسلیم کیا جاچکا ہے اور اس علاقے میں علاقائی تعاون کی موجودہ تحریک کو فروغ دینے کا مقصد بھی یہی ہے کہ علاقائی بنیاد پر موثر و مربوط تعاون کے ذریعے اپنے ترقیاتی کاوشوں کو مضبوط و مستحکم بنایا جائے۔

ایران، پاکستان اور ترکیہ کے لئے یہ علاقائی تعاون خاص طور پر حقیقت پسندانہ ہو گا کیونکہ تینوں ملکوں کے عوام کی بھی یہ دلی آرزو ہے کہ ان میں اس قسم کا اشتراک و تعاون فروغ پائے اور ان میں یہ خواہش و آرزو ہمیشہ رہے گی کیونکہ تینوں ملکوں کے درمیان گہرے ثقافتی اور دوستی کے تاریخی رشتے موجود ہیں۔ پھر روز افزوں علاقائی اقتصادی تعاون ایک ضرورت بھی بن چکا ہے۔

لہذا تینوں ملکوں کے درمیان اقتصادی اور ثقافتی اشتراک و تعاون نہایت ضروری ہے۔ اس علاقائی تعاون کو ہر ممکن طریقے سے اعلیٰ ترین سطح پر پہنچانا چاہئے۔ ایسے اشتراک و تعاون کے بے پایاں مواقع موجود ہیں۔ اس سے تینوں ملکوں کو بے حد فائدہ پہنچ سکتا ہے اس لئے علاقائی اشتراک و تعاون کا اہتمام از بس ضروری ہے"۔

ایران، پاکستان اور ترکیہ کے سربراہوں ہز امپیریل میجسٹی شہنشاہ آریا مہر ایران، فیلڈ مارشل محمد ایوب خان، سابق صدر پاکستان اور عزت مآب جناب جمال گرسل سابق صدر جمہوریہ ترکیہ، کا 20 اور 21 جولائی 1964ء کو استنبول میں اجلاس ہوا۔

انہوں نے اپنے اس نظریے کی تائید کی کہ تینوں ملکوں کے مابین علاقائی تعاون نہ صرف قومی ترقی کی رفتار تیز تر کرنے کے لئے ضروری ہے بلکہ اس تعاون کی بدولت عالمی امن و استحکام کو بھی بڑا فائدہ پہنچے گا۔

سربراہوں نے اس یقین کا بھی اظہار کیا کہ چونکہ تینوں ملکوں کے عوام میں قدیم تاریخی اور ثقافتی رشتے استوار ہیں جو باہمی اشتراک و تعاون کی مضبوط اساس کی حیثیت رکھتے ہیں لہذا سارے علاقے کے لوگوں کی بہبود و منفعت کے لئے ان باہمی رشتوں اور اشتراک و تعاون کو مزید مضبوط بنایا جائے۔

سربراہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ تمام شعبوں میں موجودہ تعلقات کو فروغ دینے اور اشتراک و تعاون کو وسعت و ترقی سے ہمکنار کرنے کی غرض سے مناسب وسائل اور طریقے اختیار کیے جائیں۔

انہوں نے متفقہ طور پر اس کامل یقین کا بھی اظہار کیا کہ نیا اشتراک بھرپور علاقائی تعاون کے جذبے سے بروئے کار لایا جائے اور اس پر دوسری علاقائی نوعیت کی تنظیم کے ارکان کی حیثیت سے سرگرمیوں کو اثر انداز نہ ہونے دیا جائے۔ مزید طے پایا کہ مجوزہ اشتراک کو "علاقائی تعاون برائے ترقی" کے نام سے موسوم کیا جائے گا۔

سہ طرفی معاہدہ

"علاقائی تعاون برائے ترقی" کے قیام کے ضمن میں جو مشترکہ اعلان جاری ہوا اس میں تینوں سربراہوں نے اصولی طور پر حسب ذیل نکات پر اتفاق کیا:

1- ہر طرح کے عملی طریقوں ____ مثلاً تجارتی سمجھوتوں کے ذریعے تجارتی مال کی آزادہ یا آزاد تر نقل و حمل۔

2- تینوں ممالک کے ایوان ہائے تجارت کا باہمی تعاون اور بالآخر ایک مشترکہ ایوان تجارت کا قیام۔

3- مشترکہ مقاصد پر مبنی منصوبے بنانے اور انہیں پایہ تکمیل کو پہنچانے کا کام۔

4- تینوں ممالک کے مابین ڈاک کی شرح کم کر کے اسے داخلی شرحوں کی سطح پر لانے کا اہتمام۔

5- تینوں ملکوں پر مشتمل علاقے کی فضائی سروسوں کی اصلاح و ترقی اور بالآخر تینوں ملکوں کی ایک مضبوط بین الاقوامی فضائی سروس کا قیام جو مقابلتاً سستی اور آرام دہ ہو۔

6- جہازرانی کے سلسلے میں گہرے تعاون کے امکانات و مواقع کا جائزہ جس میں مشترکہ تجارتی بیڑے یا جہازراں کمپنیوں کی مشترکہ "کانفرنس" کے انتظامات شامل ہوں۔

7- ریلوے اور سڑکوں کے نظام کی تعمیر و اصلاح کا جائزہ لینے کا اہتمام۔

8- سیاحت کو فروغ دینے کی غرض سے جلد از جلد ایک سمجھوتے پر دستخط کئے جائیں۔

9- تینوں ملکوں میں سفر کے لئے ویزا کی پابندیوں کا خاتمہ۔

10- ایک دوسرے کو ماہرین اور تربیتی سہولتوں کی شکل میں فنی امداد مہیا کی جائے۔

اس کے علاوہ سربراہوں نے ثقافتی میدان میں بھی اس علاقے کے ملکوں میں اشتراک و تعاون بڑھانے کے امکانات و مواقع کا جائزہ لینے کی ہدایت کی۔

ثقافتی تعاون کا اندازہ ایسا ہونا چاہئے کہ عوام کو مشترک ثقافتی ورثے اور اقدار و روایات سے آگاہ رکھا جاسکے۔ اس علاقے کے عوام کی تاریخ و ثقافت و تہذیب و تمدن کے بارے میں معلومات عام کی جائیں۔ اس مقصد کے لئے یونیورسٹیوں میں ایک دوسرے کے علوم کے شعبے قائم کئے جائیں۔ طلباء کے آپس میں تبادلے کئے جائیں۔ ایک دوسرے کے لئے وظائف کا اہتمام کیا جائے۔ ایک دوسرے کے ہاں ثقافتی مرکز قائم کئے جائیں اور مشترکہ ثقافتی ورثہ کے بارے میں تحقیق و مطالعہ کے لئے ایک انسٹی ٹیوٹ قائم کیا جائے۔

تنظیم کا ڈھانچہ

مختلف الاضلاع منصوبوں کی ترتیب و تدوین اور انہیں بروئے کار لانے کی غرض سے یہ ضروری تھا کہ "علاقائی تعاون برائے ترقی" کے رکن ممالک کی حکومتوں کے نمائندے آپس میں لگا تار رابطہ قائم رکھ سکیں۔ چنانچہ "علاقائی تعاون برائے ترقی" کی منصوبہ بندی اور تمام دیگر فیصلوں کے لئے تین تین اداروں یا شعبوں پر مشتمل حسب ذیل نظام وضع کیا گیا:

وزارتی کونسل

"علاقائی تعاون برائے ترقی" کے فیصلوں کے لئے سب سے بڑا با اختیار ادارہ علاقائی وزارتی کونسل کی شکل میں قائم کیا گیا۔ چنانچہ تینوں حکومتوں کے مابین اعلیٰ سطح پر رابطہ قائم رکھنے کی ذمہ داری یہی کونسل ہے۔

تینوں رکن ممالک کے مابین علاقائی تعاون کے بارے میں تمام تجاویز و اقدامات پر غور اور فیصلے یہی کونسل کرتی ہے۔

کونسل برائے علاقائی منصوبہ بندی

اس سہ طرفی نظام کا دوسرا مستقل ادارہ علاقائی منصوبہ بندی کی کونسل ہے۔ یہ کونسل تینوں ملکوں کے منصوبہ بندی سے متعلقہ اداروں کے سربراہوں پر مشتمل ہے۔

اس کونسل کے ذمے یہ فرائض ہیں کہ وہ اس علاقے کے تینوں رکن ممالک کے ترقیاتی منصوبوں اور پیداواری صلاحیتوں کا جائزہ لے۔

کونسل برائے علاقائی منصوبہ بندی مشترکہ مقاصد کے منصوبوں کے بارے میں سفارشات کرتی ہے۔ اشیاء کی خرید کے سلسلے میں طویل المیعاد معاہدوں کے متعلق مشورے دیتی ہے اور علاقائی ترقی کو فروغ دینے کی غرض سے قومی ترقیاتی منصوبوں میں ہم آہنگی اور یک جہتی پیدا کرنے کے اقدامات تجویز کرتی ہے۔

تیسرا اہم شعبہ مستقل کمیٹیوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ہر مستقل کمیٹی میں "علاقائی تعاون برائے ترقی" کے رکن ممالک کے نمائندے شامل ہوتے ہیں اور اس طرح ہر مستقل کمیٹی رکن حکومتوں کے مابین کسی خاص شعبہ تعاون ____ مثلاً تجارت، مواصلات وغیرہ میں رابطہ کا بنیادی ذریعہ بھی مہیا کرتی ہے۔ حالیہ تنظیم نو کے بعد ان مستقل کمیٹیوں کی تعداد 16 (سولہ) سے کم کر کے 7 (سات) کر دی گئی ہے۔ یہ سات کمیٹیاں حسب ذیل ہیں:

1- صنعتی کمیٹی: یہ کمیٹی مشترکہ صنعتی منصوبوں اور ان سے متعلق تمام مسائل سے عہدہ برآ ہوتی ہے۔

2- پیٹرولیم اور پیٹرو کیمیکلز کی کمیٹی: ظاہر ہے یہ کمیٹی پیٹرول کی صنعت اور پیٹرول سے تیار ہونے والی مصنوعات سے متعلق ہے۔

3- تجارتی کمیٹی: سب کمیٹی کے فرائض علاقائی تجارت کو فروغ دینے، تجارت میں بین العلاقائی پابندیوں اور رکاوٹوں کو دور کرنے، "علاقائی تعاون برائے ترقی" کے ایوان صنعت و تجارت کی تشکیل، سیر و سیاحت، بنک کاری اور انشورنس کو ترقی دینے اور "علاقائی تعاون برائے ترقی" کا مشترکہ انشورنس سنٹر قائم کرنے پر مبنی ہیں۔

4- انتقالات و مواصلات کی کمیٹی: اس کمیٹی کا تعلق فضائی نقل و حمل، "علاقائی تعاون برائے ترقی" کی شپنگ سروسز، سڑکوں، ریلوے، ڈاک و تار اور ٹیلی مواصلات کے شعبوں سے ہے۔

5- فنی تعاون اور پبلک ایڈمنسٹریشن کی کمیٹی: یہ کمیٹی فنی امداد کے پروگرام اور پبلک ایڈمنسٹریشن، صحت، خاندانی منصوبہ بندی، زراعت اور آبی وسائل کی ترقی کی ذمہ دار ہے۔

6- معاشرتی امور کی کمیٹی: یہ کمیٹی ثقافتی تعاون، "علاقائی تعاون برائے ترقی" کے ثقافتی انسٹی ٹیوٹ کے قیام، تینوں ملکوں میں معلومات و مواصلات کے نظام میں اشتراک اور تینوں ملکوں کی خواتین میں باہمی تعاون کو فروغ دینے کی ذمہ دار ہے۔

7- اشتراک کمیٹی: یہ کمیٹی "علاقائی تعاون برائے ترقی" کے سارے نظام میں مجموعی طور پر اشتراک قائم رکھنے کے لئے کام کرتی ہے۔ اس کا تعلق تنظیمی امور سے بھی ہے جن میں بجٹ انتظامیہ سے متعلقہ امور بھی شامل ہیں۔ یہ ان تمام امور و معاملات کا بھی جائزہ لیتی ہے جو دوسری کمیٹیوں کے حیطہ اختیار سے باہر ہیں۔

"استنبول چوتھی کانفرنس" میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ تنظیم کی خدمت سرانجام دینے کی غرض سے "علاقائی تعاون برائے ترقی" کا ایک سیکرٹریٹ قائم کیا جائے۔ شروع میں ایران ____ میزبان ملک ____ نے جو تنظیمی ڈھانچہ پیش کیا تھا اس میں ایک سال کے لئے سیکرٹریٹ کی عارضی سہولتیں مہیا کرنے کی پیشکش بھی کی گئی تھی۔

"علاقائی تعاون برائے ترقی" کی وزارتی کونسل نے فیصلہ کیا کہ پہلے تین سال "علاقائی تعاون برائے ترقی" کا ہیڈ کوارٹر تہران میں رہے۔

سیکرٹریٹ نے اپریل 1965ء سے تہران میں کام کرنا شروع کر دیا۔

"علاقائی تعاون برائے ترقی" کی وزارتی کونسل نے اپنے ساتویں اجلاس منعقدہ اسلام آباد میں یہ فیصلہ کیا کہ "علاقائی تعاون برائے ترقی" کا ہیڈ کوارٹر فروری 1971ء تک تہران میں ہی رہے گا جس کے بعد اس بارے میں دوبارہ غور کیا جا سکے گا۔

"علاقائی تعاون برائے ترقی" کی سیکرٹریٹ کا انتظامی عملہ اس وقت سیکرٹری جنرل، چھ ڈائریکٹروں (ہر ملک میں دو دو ڈائریکٹر) اور تین اسسٹنٹ ڈائریکٹروں (ہر ملک میں ایک ایک اسسٹنٹ ڈائریکٹر) پر مشتمل ہے۔ معاون عملہ مثلاً سیکرٹری، سٹینو گرافر، اسسٹنٹ وغیرہ ____ بھی رکن ممالک کے افراد میں سے لیا گیا ہے۔

سیکرٹری جنرل

سیکرٹری جنرل کا تقرر تینوں ممالک کی حکومتیں کرتی ہیں۔ اس کے عہدے کی میعاد تین سال ہوتی ہے اور یہ قاعدہ وضع کیا گیا ہے کہ حروف تہجی کے اعتبار سے باری باری ہر حکومت کا نمائندہ اس عہدے پر فائز ہو۔

ایران کے ممتاز عالم اور معروف منتظم آقائے فواد روحانی مارچ 1965ء میں علاقائی تعاون برائے ترقی کے پہلے سیکرٹری جنرل مقرر ہوئے تھے۔ ضابطہ کے مطابق یہ تقرر تین سال کے لئے تھا۔ آقائے روحانی اقوام متحدہ کے سیکرٹریٹ کے شعبہ قانون سے منسلک رہنے کی وجہ سے بین الاقوامی امور میں بڑی مہارت رکھتے ہیں۔ آپ پٹرول برآمد کرنے والے ممالک کی تنظیم کے بورڈ آف گورنرز کے سیکرٹری جنرل اور چیئرمین رہ چکے ہیں۔ آپ وزیراعظم ایران کے مشیر خاص کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے ہیں۔

"علاقائی تعاون برائے ترقی" کے موجودہ سیکرٹری جنرل پاکستان کے جناب مسرت حسین زبیری، ستارہ پاکستان، ستارہ قائداعظم سی ایس پی ہیں۔ اپ نے یہ عہدہ مارچ 1968ء میں سنبھالا۔ آپ ایک نہایت تجربہ کار افسر ہیں اور حکومت پاکستان میں بڑے اہم عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں۔ آپ 1960ء میں پاکستان کی مرکزی حکومت میں صنعت، تیل، بجلی اور قدرتی وسائل کی وزارت میں سیکرٹری تھے اور وزارت مواصلات کے بھی سیکرٹری رہے۔ آپ 1949ء سے 1956ء تک (یعنی چھ سال تک) اقوام متحدہ کے "ٹرانسپورٹ اینڈ کمیونی کیشنز کمیشن" کے رکن بھی رہ چکے ہیں۔ اپ کو شاندار خدمات کے صلے میں برصغیر کی آزادی سے پہلے پاکستان ستارۂ قائداعظم اور ستارۂ پاکستان کے اعزازات دے چکی ہے۔

فیصلے صادر کرنے کا طریق کار

"علاقائی تعاون برائے ترقی" کی مستقل کمیٹیاں ہی اس تنظیم کے دل و دماغ کی حیثیت رکھتی ہیں اور اس کی تمام سرگرمیوں کی ذمہ دار ہیں۔ یہ کمیٹیاں ہی نئے خیالات او پروگرام پیش کرتی ہیں اور "علاقائی تعاون برائے ترقی" میں منصوبہ بندی اور فیصلوں سے متعلقہ سارے نظام کو حرکت میں لانے کا موجب و سبب بنتی ہیں۔

ان کمیٹیوں کی تجاویز منصوبہ بندی کی علاقائی کونسل کے سپرد کردی جاتی ہے۔ ان پر غور و خوض کرنے کے بعد علاقائی منصوبہ بندی کونسل اپنی سفارشات قطعی منظوری اور فیصلوں کے لئے وزارتی کونسل کو بھیج دیتی ہے۔ وزارتی کونسل کی حتمی منظوری کے بعد ان پر عمل در آمد شروع کردیا جاتا ہے۔

"علاقائی تعاون برائے ترقی" کے تمام شعبوں اور اداروں کے کام اور سرگرمیوں میں اشتراک عمل پیدا کرنے کی ذمہ داری تنظیم کے سیکرٹریٹ متعینہ تہران پر عائد ہوتی ہے اور وہی اس بات کا مسلسل جائزہ لیتا رہتا ہے کہ وزارتی کونسل کے فیصلوں پر کس طرح عمل کیا جارہا ہے۔

علاقائی تعاون برائے ترقی کے دوسرے ادارے

"علاقائی تعاون برائے ترقی" کے تہران میں سیکرٹریٹ کے علاوہ اور کئی خاص ادارے قائم ہیں جو علاقائی تعاون برائے ترقی کے تمام کاموں میں اشتراک عمل کے ذمہ دار ہیں۔ یہ ادارے حسب ذیل ہیں:

علاقائی ثقافتی انسٹی ٹیوٹ

"علاقائی تعاون برائے ترقی کا ثقافتی انسٹی ٹیوٹ بھی تہران میں ہے۔ پاکستان اور ترکیہ میں اس کی شاخیں موجود ہیں۔ اس انسٹی ٹیوٹ کے اغراض اور مقاصد حسب ذیل ہیں:

ا۔ علاقائی تعاون برائے ترقی کے رکن ممالک کے مشترکہ تاریخی و ثقافتی ورثہ کے بارے میں مربوط تحقیق تاکہ کامل اتحاد کا مضبوط و مستحکم احساس بیدار ہو۔

ب۔ ایسے مطالعہ اور تحقیق و تجسس کی حوصلہ افزائی جس سے ان روایات کو اجاگر کیا جائے جو تینوں ملکوں کے عوام کو باہمی رشتہ اخوت میں منسلک رکھے ہوئے ہیں۔

ج۔ اس مطالعہ اور تحقیق و تجسس کے نتائج کی رکن ممالک کی زبانوں میں کتابوں، پمفلٹوں، رسائل و جرائد وغیرہ کی صورت میں اشاعت۔

کا اہتمام۔

علاقائی تعاون برائے ترقی کا ایوان صنعت و تجارت

علاقائی تعاون برائے ترقی کا ایوان تجارت و صنعت تہران میں قائم ہے۔ اس کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہیں:

ا۔ بین الاعلاقائی تجارت کی توسیع و ترقی اور رکن ممالک میں سرمایہ کاری کے مواقع بڑھانا۔

ب۔ رکن ممالک کے ایوان ہائے صنعت و تجارت کے مابین کامل اشتراک و تعاون پیدا کرنا اور سارے علاقے کے کاروباری مفادات کے تحفظ کا اہتمام۔

ج۔ علاقائی تعاون برائے ترقی کے ایوان صنعت و تجارت کے دائرۂ کار میں آنے والے تمام علاقے کی حکومتوں کو کاروبار اور صنعت کے فروغ و ترقی کے ضمن میں سفارشات پیش کرنا۔

د۔ رکن ممالک کو صنعت و تجارت کے بارے میں تمام ضروری اطلاعات اور اعداد و شمار مہیا کرنا۔

علاقائی تعاون برائے ترقی اور اقوام متحدہ

اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل او تھانٹ نے "علاقائی تعاون برائے ترقی کے معرض وجود میں آنے کا زبردست خیر مقدم کرتے ہوئے اسے عالمی امن اور خوش حالی کی جانب ایک اہم قدم قرار دیا تھا۔ آپ نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ "علاقائی تعاون برائے ترقی" کی طرز کے علاقائی سمجھوتے ترقی پذیر ملکوں میں رہنے والی قوموں کی زبردست فلاح و بہبود کا موجب ہوں گے۔

"علاقائی تعاون برائے ترقی" کا تصور اقوام متحدہ اور اس کے ذیلی اداروں ____ علاقائی اقتصادی کمیشن۔ تجارت و ترقی کانفرنس ____ کی سفارشات کے عین مطابق ہے۔ تجارت و ترقی کی کے بارے میں اقوام متحدہ کی کانفرنس 1964ء کے موسم بہار میں جنیوا میں ہوئی تھی اور اس کی آخری قرارداد میں مختلف قوموں کے مابین علاقائی بنیاد پر اقتصادی، صنعتی اور زراعتی تعاون کی اہمیت پر زور دیا گیا تھا۔ یہ ان ماہرین کے مذاکرات و مباحث کا نتیجہ تھا جو دنیا بھر سے اس کانفرنس میں شرکت کے لئے آئے تھے۔ اس کانفرنس میں اس امر کا کلی طور پر احساس کیا گیا تھا کہ علاقائی تعاون تمام دنیا کے امن و استحکام کا ضامن ہو سکتا ہے۔

علاقائی تعاون کے ضمن میں اقوام متحدہ کے زیر اہتمام جو کام ہوا ہے اس سے آگاہ و باخبر رہنے کی غرض سے "علاقائی تعاون برائے ترقی" کی حکومتیں اس امکان کا جائزہ لے رہی ہیں کہ آیا اس تنظیم کے لئے اقوام متحدہ کے "علاقائی اقتصادی کمیشن" اور "اقوام متحدہ کی کانفرنس برائے تجارتی و ترقی" کے مشیر کی حیثیت سے تسلیم کرائی جا سکتی ہے۔

علاقائی تعاون برائے ترقی کی جہاز رانی کی سروسیں

ایران، پاکستان اور ترکیہ کی جہازران کمپنیوں کے اشتراک سے 16 جولائی 1967ء کو ایک سمجھوتے کے تحت "علاقائی تعاون برائے ترقی" کی شپنگ سروسز کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس اہتمام کی غرض و غایت اور مقصد یہ ہے کہ ایک جانب جہاز رانی کی علاقائی سروسوں کو بہتر بنایا جائے اور دوسری طرف بیرونی دنیا سے وسیع تر رابطہ پیدا کر کے جہاز رانی کی علاقائی سروسوں کو زیادہ سے زیادہ ملکوں تک پہنچایا جائے۔

ب۔ ایسے مطالعہ اور تحقیق و تجسس کی حوصلہ افزائی جس سے ان روایات کو اجاگر کیا جائے جو تینوں ملکوں کے عوام کو باہمی رشتہ اخوت میں منسلک رکھے ہوئے ہیں۔

ج۔ اس مطالعہ اور تحقیق و تجسس کے نتائج کی رکن ممالک کی زبانوں میں کتابوں، پمفلٹوں، رسائل و جرائد وغیرہ کی صورت میں اشاعت۔

علاقائی تعاون برائے ترقی کا انشورنس سنٹر

علاقائی تعاون برائے ترقی کا ایک انشورنس سنٹر کراچی میں قائم کیا گیا ہے۔ اس کے اہم فرائض درج ذیل ہیں:

ا۔ علاقائی تعان برائے ترقی کے رکن ملکوں میں بیمے کی صنعت میں اشتراک و تعاون بڑھانے کی غرض سے تجاویز و تصورات پر غور و خوض کرنا۔

ب۔ تینوں ملکوں کی انشورنس کارپوریشنوں، انشورنس کمپنیوں اور انشورنس ایسوسی ایشنوں کے مابین معلومات اور افراد کے تبادلہ کا اہتمام۔

ج۔ انشورنس پر ایک مشترکہ سالنامے کا اجرا۔

د۔ تینوں ممالک کی انشورنس کمپنیوں اور ری انشورنس کارپوریشنوں کے مابین کاروبار کا تبادلہ۔

ہ۔ تینوں ملکوں میں بعض مشترکہ منصوبوں، مثلاً مذاکروں اور سیمیناروں

علاقائی تعاون برائے ترقی کے پانچ سال

علاقائی تعاونِ برائے ترقی کا وجود اس عظیم تخیل کا مرہون منت ہے جو استنبول میں جولائی 1964ء کی چوٹی کانفرنس میں پیش کیا گیا تھا۔ "علاقائی تعاون برائے ترقی" کا قیام نتیجہ ہے تینوں رکن ملکوں کے سربراہوں کے اس تدبر، ہوشمندی اور خلوص نیت کا جس کا مظاہرہ انہوں نے استنبول کانفرنس میں کیا اور اس کی ترقی کا تمام تر راز وہ اتحاد و تعاون ہے جو تینوں رکن ممالک کے مابین موجود ہے۔

گزشتہ پانچ برس کے عرصے میں علاقائی تعاون برائے ترقی نے صرف اپنے اہم فرائض اور تنظیمی شکل و صورت کا تعین نہیں کیا اور اپنے بنیادی تنظیمی مسائل ہی طے نہیں کر لئے بلکہ اب وہ بنیادی منصوبہ بندی کا مرحلہ طے کر کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے مرحلہ میں داخل ہو چکا ہے۔ علاقائی تعاون برائے ترقی نے گزشتہ پانچ سال کی مدت میں معاشرتی اور اقتصادی شعبوں میں موثر و نتیجہ خیز تعاون کی ایک ٹھوس بنیاد قائم کر لی ہے۔

مشترکہ صنعتوں کے منصوبوں کے سلسلے میں تسلی بخش ترقی ہوئی ہے چنانچہ مشترکہ صنعتوں کے پچاس منصوبے عملاً" منظور کئے جا چکے ہیں یا اصولی طور پر تسلیم کر لئے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض اہم منصوبے ایران میں الومینیم کی صنعت، پاکستان میں بنک نوٹ پیپر، پٹ سن کے کارخانوں اور ترکیہ میں ٹنگسٹن کاربائڈ کی صنعت کے متعلق ہیں۔ یہ منصوبے جلد ہی تکمیل کے مختلف مراحل طے کرنے لگیں گے۔ مشترکہ منصوبہ بندی کا یہ قابل رشک ریکارڈ ہے اور اس امر کا شاہد ہے کہ "علاقائی تعاون برائے ترقی" کے تینوں رکن ملک علاقائی اہمیت کے اور کتنے اہم اور بڑے منصوبے مکمل کر سکیں گے۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ بین العلاقائی تجارت بھی نمایاں ترقی کر رہی ہے اور رکن ممالک کی حکومتیں علاقائی تجارت کے فروغ کی راہ میں حائل رکاوٹیں دور کرنے کے مسئلے کا پوری سنجیدگی سے جائزہ لے رہی ہیں۔

اسی طرح تینوں ملکوں کے درمیان نقل و حمل اور مواصلات کے وسائل کو بہتر اور مضبوط تر بنانے کے سلسلے میں بھی خاصی ترقی ہوئی ہے۔ خاص طور پر ڈاک و تار اور ٹیلی مواصلات کے محاذ پر نہایت حوصلہ افزا کام ہوا ہے۔ "علاقائی تعاون برائے ترقی" کی شپنگ سروسز نے کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ "علاقائی تعاون برائے ترقی" کی شاہراہ پر رابطہ سڑکوں کی تعمیر کا کام تیزی سے جاری ہے۔ ترکیہ اور ایران کو ریل کے ذریعے ملانے کا کام پوری رفتار سے ہو رہا ہے اور ایران نے اپنے ریلوے نظام میں پاکستان کی جانب توسیع شروع کر دی ہے۔

فنی تعاون کے شعبے میں بھی توسیع و ترقی ہوئی ہے۔ اسی طرح ثقافتی روابط فروغ پذیر ہیں۔ علاقائی ثقافتی انسٹی ٹیوٹ نے ایک جامع اشاعتی پروگرام پر عمل شروع کر دیا ہے۔ ثقافتی تبادلہ کے پروگراموں پر بھی پوری رفتار سے عمل ہو رہا ہے۔ بڑے بڑے پروفیسروں، ماہرین تعلیم، مصنفین، فن کاروں اور کھلاڑیوں کے وفود ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا شروع ہو گئے ہیں۔ اسی طرح معلوماتی، اطلاعاتی، دستاویزی اور فیچر فلموں کے تبادلے، مشترکہ فلمی میلے اور صحافیوں کے سیمینار منعقد کرنے کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا ہے۔ یہ تمام سرگرمیاں "علاقائی تعاون برائے ترقی" کے رکن ممالک کے عوام کو ایک دوسرے کے قریب تر لانے میں ممد و معاون ثابت ہو رہی ہیں۔

تعاون کے شعبے

مشترکہ مقصدی منصوبے

مشترکہ منصوبے رکن ممالک کے مابین تعاون کا ایک اہم شعبہ متصور ہوتے ہیں اور ان کی کامیابی کے ساتھ تکمیل سے اس علاقے کی یہ حیثیت مجموعی اقتصادی ترقی میں نمایاں اضافہ ہو گا۔ مشترکہ مقصدی منصوبوں کی اساس پر جن منصوبوں کو بروئے کار لانا مقصود ہے ان میں سے بیشتر کی نشاندہی ہو چکی ہے اور منصوبہ بندی کا کام آخری مراحل میں ہے۔ اب وہ مرحلہ آ گیا ہے کہ ان منصوبوں کو روبہ عمل لایا جائے۔

مختلف اضلاع صنعتی منصوبے (تقریباً 54) منظور ہو چکے ہیں یا اصولی طور پر تسلیم کر لیئے گئے ہیں۔ انہیں مشترکہ مقصدی منصوبوں کی بنیاد پر بروئے کار لایا جائے گا۔ ان میں سے بعض پر کام شروع ہو چکا ہے۔ ان منصوبوں میں ایلومینیم، بنک نوٹ پیپر، ریل گاڑیوں کے انجن، کاغذ تیار کرنے کے لئے کتان کا گودا، کرافٹ پیپر، پٹ سن کی مصنوعات، بجلی کے تار، بال بیرنگ، ٹیکسٹائل مشینری، سٹرپٹومائی سین، پی۔ اے۔ ایس سوڈیم پسمول ڈائز، آرگینک پگمنٹ ڈائز، الٹرا میرائن بلیو، ٹاکسافین، بوریکس اور بورک ایسڈ۔ علاقائی تعاون برائے ترقی کا مشاورتی اور ڈیزائن سنٹر مٹی ہٹانے والی مشینیں، شاک ابزار برز مشین ٹولز (ٹرٹ اور کیپسٹن لیتھ) گیئر بکس، المونیم کی چادریں، ڈمپرز، سیم لیس سٹیل پائپ، سوڈی ٹرائی پولی فاسفیٹ، کنکریٹ مکسر اور کنکریٹ تیار کرنے کا سامان۔ ٹنگسٹن کاربائیڈ، چائے کی صنعت کے لئے مشینری، ربڑ کے ٹائروں والی کھدائی کی مشینیں، پریشرد۔سل، کیمیکل انڈسٹری کے لئے سنٹری فوگل اور سپیشل فلٹر، لوکو موٹو ڈیزل انجن، کشتیوں میں استعمال ہونے والے ڈیزل انجن، ٹریکٹر، کھدائی کی مشین، ہلکے اور بھارتی ٹرک اور بسیں، الیکٹرانکس (ری زسٹرز کیپسٹرز، سیمی کنڈکٹرز، ٹی۔وی پکچر ٹیوب، آر۔ ایف ٹرانسفارمرز، آئی ایف ٹرانسفارمرز، فلموں کے سوا دوسرا سائونڈ کا سامان، ٹیسٹ اور آزمائش کا سامان، ازمیر آئل ریفائنری، کاربن بلیک پولی اسپورین ربڑ، کپرو لیکٹم، پولی ایسڈ کاریشہ، پولی ایکری لونی ٹرائل کاریشہ، پولی بٹاڈین ربڑ، میسھانول، یوریا فورمل ڈی ہائیڈ اور گلیسرین کی تیاری کے کارخانوں کی

تعمیرو تنصیب شامل ہے۔

حسب ذیل منصوبوں پر عمل شروع ہو چکا ہے اور وہ تکمیل کے مختلف مراحل میں ہیں:

المونیم کا منصوبہ: مشینری کا آرڈر دے دیا گیا ہے۔ کارخانہ 1970ء تک کام شروع کر دے گا۔

بنک نوٹ اینڈ سیکورٹی پیپر پروجیکٹ: اس کارخانے میں جنوری 1969ء سے آزمائشی طور پر کام شروع ہو چکا ہے۔

ازمیر ریفائنری: اس منصوبے پر تسلی بخش طور پر کام ہو رہا ہے اور 1970ء تک کارخانہ کام شروع کر دے گا۔

چائے کی صنعت کے مشینری: سپلائی شروع ہونے والی ہے' منصوبہ مکمل ہو چکا ہے۔

ٹنگسٹن کاربائیڈ: منصوبہ مکمل ہو چکا ہے اور کارخانہ سے پیداوار شروع ہو گئی ہے۔

بال بیرنگ پروجیکٹ: کام تسلی بخش طور پر جاری ہے۔ 1970ء تک پیداوار شروع ہو جائے گی۔

پٹ سن کا کارخانہ: کام تسلی بخش طور پر جاری ہے۔ 1970ء تک کام شروع ہو جائے گا۔

مشین ٹول (ٹرٹ اینڈ کیپسٹن لیتھ) پراجیکٹ: تسلی بخش طور پر کام جاری ہے۔ سال رواں کے آخر تک پیداوار شروع ہو جائے گی۔

گلیسرین: کارخانہ 1970ء تک مکمل ہو جائے گا۔

شاک ابزاربرز: کارخانہ اسی سال کے آخر تک مکمل ہو جائے گا۔

بوریکس اینڈ بورک ایسڈ: کارخانہ 1970ء تک کام شروع کر دے گا۔

پولی سٹرین پروجیکٹ: تسلی بخش طور پر کام ہو رہا ہے۔

میتھانول انڈسٹری: منصوبہ مکمل ہو چکا ہے۔ اس کی اشیاء تجارتی ذرائع سے فروخت کا انتظام کیا جا رہا ہے۔

یوریا فارمل ڈی ہائیڈ پروجیکٹ: کارخانہ مکمل ہو چکا ہے۔ مصنوعات کی تجارتی ذرائع سے فروخت کا انتظام کیا جا رہا ہے۔

الٹرا میرین بلیو پروجیکٹ: کام تسلی بخش طور پر جاری ہے۔ سال رواں کے آخر تک پیداوار شروع ہو جائے گی۔

گیئر بکس اینڈ ڈیفرنشل سسٹم: منصوبے پر کام تسلی بخش طور پر جاری ہے اور سال رواں کے آخر تک پیداوار شروع ہو جائے گی۔

تنظیم کے رکن ممالک اور علاقائی تعاون برائے ترقی کے سیکرٹریٹ نے حسب ذیل منصوبوں کے منفعت بخش ہوتے کے بارے میں جائزہ لیا ہے یا سال رواں کے آخر تک کاروباری لحاظ سے ان کے سود مند ہونے کے متعلق جائزہ مکمل کر لیا جائے گا۔

سٹیٹک الیکٹریکل سامان' ٹربو جنریٹرز' آئل ڈرلنگ' تیل نکالنے اور صاف کرنے کا سامان' بائلرز' پریشر و یسلز اینڈ سٹیم ہینگ اپیلائنسز' پمپ اینڈ کمپریشرز' ایچ ٹی انسولیٹرز' قلعی پگھلانے کا پلانٹ' سپیشل ویلوز سامان برائے کیریئر ٹیلفون اینڈ ٹیلیگراف' سٹین لیس سٹیل اور غیر آہنی کیمیکل سامان کی فیبر یکیشن' کیمیکل پمپ' ٹیڑا سا لیکلین' پہیے' بریکیں' بائلرز (بڑے سائز کے گرڈ پاور سٹیشنوں کے لئے) خاص قسم کے ڈرائی سیل' میکانکی سامان (ہائڈرالک ٹربائن اینڈ کپلائن سسٹم وغیرہ) آٹو موبیل انسٹرومنٹس اور شپ بلڈنگ۔

یہ منصوبہ بندی کا ایک مسحور کن ریکارڈ ہے' اور اس سے علاقائی تعاون برائے ترقی کے تینوں رکن ممالک کے ماہرین منصوبہ بندی کے اس عزم کا پتہ چلتا ہے جو وہ علاقائی اہمیت کے حامل تمام امکانی منصوبوں کا جائزہ لینے اور انہیں بروئے کار لانے کی غرض سے کئے ہوئے ہیں۔

مشترکہ منصوبوں کے فروغ و عمل سے متعلقہ معاہدے پر 6 نومبر 1967ء کو تہران میں دستخط ہوئے تھے۔ علاقائی تعاون برائے ترقی کے زیر اہتمام مشترکہ منصوبے بروئے کار لانے کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً مشترکہ ملکیت ____ نجی ادارے یا سرکاری شعبے میں ____ ایک ملک یا زیادہ ملکوں کی ملکیت اور دوسروں کو سامان سپلائی کرنے کا اہتمام۔ کسی ایک ملک میں ایسی مصنوعات کی پیداواری سہولتوں کا اہتمام جن کا خام مال دوسرے ملک یا ملکوں میں پیدا ہوتا ہے۔ پیداوار کے طویل المیعاد انتظامات۔ یہ سب مشترکہ منصوبوں کی مختلف صورتیں ہیں۔

مشترکہ منصوبوں کے تحت بڑی اور پیچیدہ صنعتوں کو ترقی دی جاتی ہے جو اسی صورت میں منفعت بخش ثابت ہو سکتی ہیں جب ان کی بنیادی محدود قومی منڈی کی بجائے وسیع تر علاقائی منڈی ہو۔ لہٰذا اس زمرے میں آنے والی متعدد صنعتوں کا بڑی تفصیل سے جائزہ لینا پڑتا ہے۔ جب یہ طے ہو جاتا ہے کہ کون سے شعبے میں کوئی صنعت قائم کی جائے تو ایک جامع منصوبہ مرتب کیا جاتا ہے اور کاروباری اعتبار سے اس کے سود مند ہونے کے بارے میں رپورٹ بھی تیار کر لیجاتی ہے۔ اس کے بعد مفاہمت کی یادداشت اور اغراض و مقاصد پر بات چیت کی جاتی ہے اور پھر منصوبے کے لئے سرمایہ مہیا کرنے کا انتظامات کئے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مشترکہ منصوبوں کی تکمیل مختصر مدت میں نہیں ہو سکتی اور نہ ہی تھوڑے عرصے میں ان کے نتائج دیکھے جا سکتے ہیں۔

نجی شعبے کی شرکت اور سرگرمیاں

علاقائی تعاون برائے ترقی کے دروازے نجی شعبے کے لئے کھلے ہیں اور کاروباری حضرات کو ان 54 منصوبوں میں شرکت کی اجازت ہے جو اب تک "علاقائی تعاون برائے ترقی" کی رکن حکومتوں نے اصولی طور پر منظور کئے ہیں۔ اس کے علاوہ کاروباری حضرات اپنے طور پر نیا "علاقائی تعاون

برائے ترقی" کے ملکوں کی دوسری پرائیویٹ پارٹیوں سے مل کر صنعت کے کسی بھی شعبے میں کوئی بھی ایسا منصوبہ شروع کر سکتے ہیں جو علاقائی اہمیت کا حامل ہو۔ یہ سہولت رامسرورکنگ گروپ کی سفارشات کا نتیجہ ہے۔ ان سفارشات کو کراچی میں ہونے والی چوٹی کانفرنس میں تینوں ملکوں کے سربراہوں اور علاقائی تعاون برائے ترقی کی حکومتوں نے منظور کر لیا تھا۔ مشترکہ منصوبوں کی خوش اسلوبی کے ساتھ بسرعت تکمیل کے پیش نظر اس بات پر زور دیا گیا تھا کہ نجی شعبے کا موثر اور گہرا اشتراک حاصل کیا جائے لہٰذا نجی شعبے کو یہ اجازت بھی دی گئی تھی کہ وہ مشترکہ منصوبوں کی بنیاد پر علاقائی اہمت کا حامل کوئی منصوبہ اپنے طور پر پیش کر سکتا ہے۔

ایک انتہائی اہم قدم

علاقائی تعاون برائے ترقی کے ملکوں میں کاروباری حلقوں کے سربراہوں اور حکومت کے اس فیصلے کا پہلے ہی خیر مقدم کیا ہے اور اسے ترقی کی راہ پر ایک انتہائی اہم قدم قرار دیا ہے علاقائی تعاون برائے ترقی کے تینوں ملکوں میں سے ہر ملک کے کاروباری حضرات کو مشترکہ منصوبوں کے قیام سے یہ فائدہ حاصل ہو گا کہ انہیں دوسرے دو ملکوں کی وسیع منڈیوں کی ضمانت حاصل ہو گی۔ اس کے علاوہ وہ اپنے مالی اور فنی وسائل سے علاقے کے کسی ملک سے اضافہ بھی کر سکتے ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مشترکہ منصوبوں کی بدولت علاقائی تعاون برائے ترقی کے ملکوں میں اقتصادی تعلقات کو فروغ و ترقی نصیب ہو گی اور اس کا نتیجہ تجارت میں ایسی توسیع کی صورت میں ظاہر ہو گا جس کے اس علاقے کے کاروباری حضرات بڑے آرزومند ہیں۔

علاقائی منصوبوں کی اقتصادیات

علاقائی تعاون برائے ترقی کے ملک سولہ کروڑ سے زیادہ آبادی کی منڈی مہیا کرتے ہیں جس کی مجموعی قومی پیداوار تیس بلین امریکی ڈالر ہے۔ منڈی کی اس وسعت کی بدولت اقتصادی اعتبار سے منفعت بخش بنیادوں پر ایسی پیچیدہ صنعتیں قائم کرنے کے شاندار مواقع مہیا ہو گئے ہیں جو زیادہ سرمایہ اور متنوع فنی معلومات کی متقاضی ہیں۔ علاقائی تعاون برائے ترقی کا سب سے بڑا فائدہ یہی منڈی کی ضمانت ہے۔ شرکائے تنظیم اس بات کی ضمانت دیتے ہیں کہ وہ یا تو مجموعی پیداوار کی ایک مخصوص تعداد اٹھالیں گے یا پھر اپنی تمام ضروریات علاقائی تعاون برائے ترقی کے منصوبوں کا نمایاں ترین پہلو ہے۔ مشترکہ منصوبوں میں بعض ایسے قومی منصوبے بھی شامل کئے گئے ہیں جو صرف قومی ضروریات کی بنیاد پر اقتصادی اعتبار سے نفع بخش نہ ہوں یا جن کو اگر علاقائی تعاون برائے ترقی کی بنیادوں پر توسیع و وسعت سے ہمکنار کیا جائے تو ان کی اقتصادی حالت کوئی خاص سرمایہ لگائے بغیر کافی معقول حد تک بہتر ہو سکتی ہو۔

علاقائی تعاون برائے ترقی کے مشترکہ منصوبوں کی تاسیس و تکمیل اور انہیں چلانے کے بارے میں قانونی تحفظات کا اہتمام پہلے ہی ایک معاہدے کے ذریعے کر دیا گیا ہے۔ یہ معاہدہ علاقائی تعاون برائے ترقی کے تینوں ملکوں کے نمائندوں نے کیا تھا اور رکن حکومتوں نے اپریل 1968ء میں اسے (معاہدے) کی منظوری دے دی تھی۔ اس معاہدے میں مشترکہ منصوبوں میں نجی شعبے کی شرکت اور سرگرمیوں کے نظم و ضبط کے بارے میں دفعات شامل ہیں۔

نجی شعبے کا طریق کار

اگر کوئی نجی شعبہ کسی مخصوص مشترکہ منصوبے میں شرکت کا متمنی ہو تو سب سے پہلے اس کی درخواست کی کفالت و ضمانت کا اہتمام اس ملک کی حکومت کرتی ہے جس میں مجوزہ منصوبہ قائم کرنا مقصود ہو۔ اس کے بعد علاقائی تعاون برائے ترقی کے مختلف اداروں میں اس تجویز کا جائزہ لیا جاتا ہے جس کے بعد اسے حتمی طور پر منظور کر لیا جاتا ہے۔ علاقائی تعاون برائے ترقی کے ایوان صنعت و تجارت (جس کا ہیڈ کوارٹر تہران میں ہے) سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ علاقائی تعاون برائے ترقی کے علاقے میں رکن حکومتوں کے منظور شدہ مشترکہ منصوبوں اور خود کاروباری حضرات کی جانب سے پیش کئے جانے والے منصوبوں میں نجی شعبے کے اشتراک و تعاون کو فروغ دینے کا اہتمام کرے۔

قومی معیشت پر بوجھ نہیں

دراصل تمام منظور شدہ منصوبے رکن ملکوں کے ترقیاتی منصوبوں میں اعلیٰ ترجیحی نوعیت کے حامل ہیں۔ مشترکہ منصوبوں کی نوعیت و اہمیت کے پیش نظر مختلف منصوبے کسی مخصوص مدت میں یقیناً تکمیل کے مختلف مراحل میں ہوں گے اس لئے اس بات کا کوئی خطرہ نہیں کہ وہ کسی رکن ملک کی قومی معیشت یا پورے علاقے کی معیشت کے لئے "کوئی ناقابل برداشت بار ثابت ہوں۔

مصنوعات کی فروخت

جہاں اسے مشترکہ اقدامات کا تعلق ہے جنہیں دو ملکوں نے مشترکہ منصوبوں کی حیثیت سے بروئے کار لانا منظور یا اصولی طور پر تسلیم کر لیا ہو ان کے بارے میں یہ سفارش کی گئی ہے کہ تیسرا رکن ملک مشترکہ منصوبوں سے مصنوعات کی رسد سے متعلقہ اصول کی روشنی میں دوسرے متعلقہ رکن ملک/ملکوں کے مشورے سے اسے مشترکہ اقدامات میں اپنی شرکت کے بارے میں پھر غور کرے۔ مصنوعات کی خرید سے متعلقہ تمام معاہدے

متعلقہ منصوبے کے تجارتی بنیادوں پر کام شروع کرنے کی تاریخ لے کر پانچ سال تک کی مدت کے لئے ہوتے ہیں۔ اس مدت کے خاتمہ پر تجارتی معاہدوں پر بات چیت لازمی قرار دی گئی ہے۔ مصنوعات کی بہم رسائی لاگت اور کرایہ کی اساس پر مقابلہ کی بین الاقوامی قیمتوں کے مطابق ہونی چاہئے اور مال متفقہ یا قابل قبول معیار پر پورا اترنا چاہئے۔

علاقائی تعاون برائے ترقی کے مشترکہ منصوبوں کی تاسیس و تکمیل اور انہیں چلانے کے بارے میں قانونی تحفظات کا اہتمام پہلے ہی ایک معاہدے کے ذریعے کرایا گیا ہے۔ یہ معاہدہ علاقائی تعاون برائے ترقی کے تینوں ملکوں کے نمائندوں نے کیا تھا اور رکن حکومتوں نے اپریل 1968ء میں اس (معاہدے) کی منظوری دے دی تھی۔ اس معاہدے میں مشترکہ منصوبوں میں نجی شعبے کی شرکت اور سرگرمیوں کے نظم و ضبط کے بارے میں دفعات شامل ہیں۔

اس معاہدے کی بدولت نقد رقوم کے تبادلہ' خام مال کی نقل و حمل اور دوہرے ٹیکسوں کا مسئلہ کافی حد تک آسان ہو جائے گا۔ اس معاہدے کا اطلاق کسی بھی ملک میں قائم ہونے والے مشترکہ منصوبوں کے لئے سامان و خدمات کی بہم رسانی کے اقدامات اور پیداواری سہولتوں کی اساس پر مال کی خرید سے متعلقہ طویل المیعاد سمجھوتوں پر بھی ہو گا۔ معاہدے میں علاقائی مہارت و ہنرمندی کے استعمال اور بیرونی ممالک سے ٹیکنیکل سروسز کی ضرورت کا لحاظ رکھتے ہوئے یہ دفعہ شامل کی گئی ہے کہ علاقائی تعاون برائے ترقی کے ملکوں کے ماہرین اور فرموں کو ترجیح دینے کی سعی و کاوش کی جائے۔

پٹرولیم اور پیٹرو کیمیکلز

علاقائی تعاون برائے ترقی کے ممالک میں پٹرولیم کے شعبہ میں بھی نہایت اطمینان بخش تعاون ہو رہا ہے۔ تیل کی تلاش' تیل نکالنے' صاف کرنے' تیل لانے لے جانے نیز پٹرول اور قدرتی گیس کی صنعتوں میں بھی باہمی تعاون سے ترقی جاری ہے۔ ازمیر (ترکیہ) میں تیل صاف کرنے کے کارخانہ کا منصوبہ تسلی بخش طور پر زیر تکمیل ہے اور ایران کا تیل بحیرہ روم میں ترکیہ کی ایک بندرگاہ تک لا جانے کے لئے پائپ لائن بچھانے کا منصوبہ بھی زیر غور ہے۔

جہاں تک علاقائی تعاون برائے ترقی کے تحت مکران کے علاقے میں تیل کی تلاش اور اسے بروئے کار لانے کا تعلق ہے اس منصوبے پر بھی تینوں حکومتیں پوری سنجیدگی سے غور کر رہی ہیں۔ اس کے علاوہ علاقائی تعاون برائے ترقی کے ممالک کی سرحدوں پر پٹرول پمپ اور فلنگ اسٹیشن قائم کرنے کے سلسلہ میں بھی ضروری اقدامات کئے جا رہے ہیں۔

پیٹرو کیمیکلز کے شعبہ میں مشترکہ منصوبے کی بنیاد پر میتھول' پولی شائی رین' یوریا فارمل ڈی ہائڈ' فیسل فارمل ڈی ہائڈ اور گلیسرین کے تبادلہ کی شکل میں تعاون جاری ہے اور مشترکہ منصوبوں کی اساس پر پیٹرو کیمیکلز تیار کرنے کے پلانٹ لگانے کے اقتصادی پہلوؤں کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔

تجارت دراصل اقتصادی تعاون کا سنگ بنیاد ہے۔ بین العلاقائی تجارت کو فروغ دینے کی غرض سے رکن ممالک کی حکومتوں نے کئی اہم اقدامات کئے ہیں۔ ان اقدامات کا اندازہ حسب ذیل اقدامات سے بخوبی ہو سکتا ہے:-

مختلف النوع ادائیگیوں کے انتظامات کے لئے علاقائی تعاون کی یونین

1- مختلف النوع ادائیگیوں کے انتظامات کے سلسلہ میں علاقائی تعاون برائے ترقی کی یونین سے متعلقہ سمجھوتے پر اپریل 1967ء میں انقرہ میں دستخط ہوئے تھے۔ بین العلاقائی تجارت کے فروغ و توسیع کے ضمن میں یہ ایک نہایت اہم قدم تھا۔ یہ ادائیگیاں صرف تجارت سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس سمجھوتے میں "نامعلوم ادائیگیاں" سرحدی تجارت اور جنگی سامان شامل نہیں۔ کریڈٹ کی حد بیس لاکھ امریکی ڈالر مقرر کی گئی ہے جس میں باہمی مفاہمت سے رد و بدل کیا جا سکتا ہے۔ اس سمجھوتے کی دفعات رکن ملکوں کی تجارتی پالیسیوں' کسٹمز' ایکسچینج کنٹرول اور دوسرے قواعد و ضوابط کے تابع ہوں گی۔

تجارت ــــ علاقائی تعاون کا معاہدہ

ب- تجارت کے سلسلہ میں علاقائی تعاون برائے ترقی کا معاہدہ اصولی طور پر منظور کر لیا گیا ہے اور اس پر جلد ہی دستخط ہو جائیں گے۔ اقامتی کاروبار اور ایک ملک سے گزر کر دوسرے ملک کو جانے والے تجارتی مال کے سلسلے میں بھی تینوں حکومتیں غور کر رہی ہیں اور توقع ہے کہ اس ضمن میں سمجھوتے کو عنقریب آخری شکل دے دی جائے گی۔

قابل تبادلہ اشیاء کی فہرست

ج- ایسی اشیاء کی فہرست تیار ہو چکی ہے جو بین العلاقائی تجارت میں فروغ و وسعت کا موجب بن سکتی ہیں اور تینوں ملکوں کی حکومتیں ایسی اشیاء کی ترسیل و بہم رسانی میں آسانیاں پیدا کرنے کے اقدامات کر رہی ہیں۔ ایک مشترکہ برآمدی پالیسی وضع کرنے کی غرض سے مشترک برآمدی اشیاء کی ایک فہرست بھی تیار کی جا رہی ہے۔

علاقائی تعاون برائے ترقی کا ایوان صنعت و تجارت

د- تجارت کے شعبے میں جو اہم ترین قدم اٹھایا گیا ہے وہ علاقائی تعاون برائے ترقی کے ایوان صنعت و تجارت کا قیام ہے۔ اس کا صدر مقام تہران

میں ہے۔ ایران، پاکستان اور ترکیہ کے قومی ایوان ہائے صنعت و تجارت علاقائی تعاون برائے ترقی کے ایوان صنعت و تجارت کے رکن ہیں۔

بین العلاقائی تجارت میں توسیع

ہ۔ رکن حکومتیں علاقائی درآمدی ضروریات اور اس علاقے میں موجود پیداواری سہولتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے تفصیلی جائزے تیار کر رہی ہیں۔

و۔ بین العلاقائی تجارت کے فروغ و توسیع کے لئے رکن ممالک نے جو دوسرے اقدامات کئے ہیں ان میں تجارتی میلوں اور نمائشوں کا اہتمام، مشترکہ شوروم قائم کرنے اور تجارتی وفود کے تبادلوں کا پروگرام بھی شامل ہے۔

علاقائی تعاون برائے ترقی کا وزارتی سطح پر جائزہ

ستمبر 1968ء میں علاقائی تعاون برائے ترقی کے وزرائے تجارت و اقتصادیات کا تہران میں ایک اجلاس ہوا۔ وزراء نے اولاً" یہ نوٹ کیا کہ مختلف النوع ادائیگیوں کے معاہدے پر پہلے ہی سہ طرفی بنیادوں پر عمل درآمد شروع ہو گیا ہے جو بجائے خود بین العلاقائی تجارت کے فروغ و ترقی کا ضامن ہے اور جس کے تحت بڑی آسانی کے ساتھ ساٹھ لاکھ ڈالر سالانہ کی مالیت تک باہمی تجارت ہو سکتی ہے۔ اس معاہدے کے نتیجے کے طور پر تجارت میں معقول اضافہ درحقیقت پہلے ہی نمایاں ہونے لگا ہے۔ ثانیاً" یہ بھی نوٹ کیا گیا کہ جب اسی (80) یا زیادہ، بڑے مشترکہ منصوبے مکمل ہو جائیں گے تو ان کی بے پناہ پیداوار سے ایک بار پھر اس علاقے کی تجارت میں زبردست اضافہ ہو گا کیونکہ تینوں فریق اس بات کے پابند ہیں کہ وہ ان اشیاء کے بارے میں اپنی تمام ضروریات اپنی مشترکہ ملکیتی صنعتوں سے پوری کریں گے۔

وزرا نے بین العلاقائی تجارت بڑھانے کی غرض سے کچھ فیصلے بھی کئے۔

اولاً" یہ فیصلہ کیا گیا کہ مستقبل میں بعض اشیاء کی درآمد کے سلسلے میں رکن ممالک ایک دوسرے کے پابند ہوں گے۔ پاکستان اور ترکیہ پہلے ہی اپنی درآمدات پابند کرنے کے بارے میں بعض تجاویز پر غور کر رہے ہیں۔ جب کہ ترکیہ نے علاقائی تعاون برائے ترقی کے حقیقی جذبے کا مظاہرہ کرتے ہوئے آئندہ پٹ سن کی مصنوعات صرف پاکستان سے خریدنے کا فیصلہ کیا ہے۔

وزرا نے اس امر پر بھی اتفاق کا اظہار کیا کہ آئندہ سرکاری شعبے میں ایک دوسرے سے آپس میں بعض اشیاء کی لازمی خرید کے لئے سہ طرفی یا حسب ضرورت دو طرفہ معاہدے کئے جائیں۔

تیسرے فیصلے (جس کا شمار شاید علاقائی تعاون برائے ترقی کے اہم ترین فیصلوں میں ہو) کے تحت نجی شعبے کو تجارت و تحریک کی زیادہ آزادی دی گئی ہے۔ وزرا نے یہ فیصلہ کیا کہ (ا) علاقائی تعاون برائے ترقی کے ایوان صنعت و تجارت کو مزید مستحکم بنایا جائے۔ (ب) ایوان صنعت و تجارت کو یہ ہدایت کی جائے کہ وہ باقاعدگی کے ساتھ ٹھوس شکل میں مخصوص اشیاء کے بارے میں تجاویز پیش کرے کہ کس طرح علاقے میں تجارت پر موجودہ پابندیاں جلد از جلد ختم کی جا سکتی ہیں۔ (ج) اور آخرش یہ طے پایا کہ وسیع پیمانہ پر اشیاء کا تجارت کے تبادلہ کے انتظامات کی آئندہ سرکاری شعبے کی سطح پر اجازت دی جائے گی۔

ایک اور سفارش جو وزارتی اجلاس نے کی یہ تھی کہ تینوں ممالک ایک دوسرے ملک سے مال گزارنے کے تجارتی معاہدے پر دستخط کریں تاکہ ہر ملک دوسرے ملک کی جانب سے مال گزارنے کی سہولتوں سے استفادہ کرتے ہوئے تیسرے فریق کو اپنی برآمدات میں اضافہ کر سکے۔ اس سفارش کو پذیرائی حاصل ہو چکی ہے اور علاقائی تعاون برائے ترقی کے تینوں فریق مال گزارنے کے تجارتی معاہدے پر پہلے ہی دستخط کر چکے ہیں۔

وزرا نے یہ فیصلہ بھی کیا کہ مختلف النوع ادائیگیوں کے معاہدے کے تحت موجودہ حد حسب ضرورت آسانی سے بڑھائی جا سکتی ہے تاکہ تجارت کو فروغ دینے کی کاوشیں۔۔ خواہ وہ سرکاری شعبہ میں ہوں یا نجی شعبہ میں۔۔۔۔۔ محض اس وجہ سے متاثر نہ ہوں۔

علاقائی تعاون برائے ترقی کے وزرائے تجارت و امور اقتصادیات نے ان مثبت اقدامات کے علاوہ ایک اور بڑا اہم قدم بھی اٹھایا ہے اور علاقائی تعاون برائے ترقی کے سیکرٹری جنرل سے کہا ہے کہ وہ اقوام متحدہ کے کسی بین الاقوامی تجارتی ادارے۔۔۔ مثلاً تجارت و ترقی۔۔۔۔۔ سے درخواست کریں کہ وہ ماہرین کی ایک جماعت بھیجیں جو علاقائی تعاون برائے ترقی کے علاقے میں تجارت کی راہ میں حائل روائتی رکاوٹیں کس طرح جلد از جلد دور کی جا سکتی ہیں۔ اس فیصلے کے پیش نظر علاقائی تعاون برائے ترقی کے سیکرٹری جنرل نے اقوام متحدہ کے کمیشن برائے تجارت و ترقی سے رجوع کیا۔ اور اس درخواست کی بنا پر اقوام متحدہ کے کمیشن برائے تجارت و ترقی کے سیکرٹری جنرل کے پالیسی سے متعلقہ خاص مشیر مسٹر کرسٹوفر ایکسٹائن فروری 1969ء میں تہران آئے اور سیکرٹریٹ کو بین العلاقائی تجارت کے فروغ و آزادی سے متعلقہ جائزہ مکمل کرنے میں مدد دی۔

وزرا کے ان جامع فیصلوں کے نتیجے کے طور پر علاقائی تعاون برائے ترقی کی تجارتی کمیٹی (اس کا اجلاس بھی تہران ہی میں اکتوبر 1968ء میں ہوا) کئی اہم تجارتی سودوں کے بارے میں کسی الجھن کے بغیر فوری طور پر باہمی مفاہمت سے سرشار ہو سکی۔

یہ طے پا چکا ہے کہ ترکیہ پاکستان کو نوے لاکھ ڈالر کی مالیت کی ریلوے ویگنیں اور ڈبے مہیا کرے گا۔

ایران اور پاکستان ہر سال ترکیہ کو ہزاروں ٹن گلیسرین مہیا کریں گے۔ فروخت کنندگان سے کہا گیا ہے کہ وہ فوری طور پر ترک خریداروں سے

رجوع کریں۔

ایران بھیڑوں کی ایک کثیر تعداد ترکیہ سے خریدے گا۔ اس ضمن میں ایک بڑے سودے کی پہلے ہی تکمیل ہو چکی ہے۔ تجارت بڑھنے کا روشن امکان ہے کیونکہ دونوں فریق تجارت میں توسیع کرنے کے متمنی ہیں۔

ایران نے ترکیہ سے ٹنگسٹن کاربائڈ ٹولز درآمد کرنے کا فیصلہ بھی کیا ہے۔ فریقین میں بات چیت تسلی بخش طور پر جاری ہے۔ خیال ہے عنقریب معاہدہ ہو جائے گا۔ ترکیہ کے جس کارخانے سے یہ اشیاء بہم پہنچائی جائیں گی وہ علاقائی تعاون برائے ترقی کا مشترکہ منصوبہ ہے جس میں ایران کا بھی حصہ ہے۔

ٹرٹ اینڈ کیپسٹن لیتھ، جیپ گیئر بکس اینڈ ڈیفر شلز، مسھول اور یوریا فارمل ڈی ہائڈ ایسی اشیاء ہیں جو ترکیہ اور ایران کے تیسرے فریق پاکستان کی فیکٹریوں سے درآمد کریں گے۔ یہ سبھی مشترکہ منصوبے ہیں اور ان میں علاقائی تعاون برائے ترقی کے تینوں فریقوں کے حصص ہیں۔ آج کل ان اشیاء کے بارے میں بات چیت ہو رہی ہے اور مال کی بہم رسانی کے بارے میں معاہدوں پر جلد ہی دستخط ہو جائیں گے۔

ان تمام مثبت اقدامات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ علاقائی تعاون برائے ترقی کے ملکوں کے رہنما بڑی متانت اور تیقن کے ساتھ اپنے ملکوں کے درمیان ایک مشترکہ منڈی کے قیام کی راہ پر گامزن ہیں۔

ایوب خان کا انتخابی منشور

(جو صدر محمد ایوب خاں نے صدارت کے عہدے کے لئے دوسری بار انتخاب سے قبل جاری کیا اور 23 مارچ 1965ء کو شائع ہوا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ان اللہ لایغیر مابقوم حتی یغیروامابانفسھم

مجھے یقین ہے:

1- کہ اللہ تعالٰی نے اپنے بے پایاں فضل و کرم سے اس علاقے کے مسلمانوں کو پاکستان اس لئے عطا فرمایا کہ وہ اس سرزمین میں اسلام کی روح اور اس کے بنیادی اصولوں کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔

2- پاکستان کے لئے مقدر ہے کہ تاریخ انسانی میں عموماً اور مسلمانان عالم کی ترقی و سربلندی میں خصوصاً انتہائی ایماندار کام سرانجام دے۔

3- پاکستان کے عوام کی مرضی سب پر مقدم ہے اور اس کو مملکت کے ہر کام اور ہر معاملے میں فوقیت حاصل ہے۔

4- جمہوریت ہی وہ یقینی طریقہ ہے جس سے عوام اپنے ملک کے معاملات میں پوری طرح شریک ہو سکتے ہیں۔

5- پاکستان میں جمہوریت چاہے جو شکل اختیار کرے، مگر اس کی بنیاد نظریات کی محض اندھی تقلید کی بجائے حقیقت، تجربے اور مشاہدے پر ہونی چاہئے اور اس کے اصول یہ ہوں:

انفرادی رائے کی آزادی
اشتراک عمل کی آزادی
اجتماع کی آزادی
اور قانون کی حکمرانی

6- یہ حق صرف پاکستان کے عوام کو حاصل ہے کہ وہ ملک میں جو حکومت چاہیں، قائم کریں مگر لازم ہے کہ وہ پاکستان کی آزادی، سلامتی اور

7- پاکستان کے عوام کے لئے ضروری ہے کہ اسلام کے بنیادی احکام سے انحراف کئے بغیر عصر حاضر کی سائنسی اور تکنیکی ترقیوں کو جلد سے جلد اپنائیں تاکہ ان کا معیار زندگی بلند ہو سکے۔

8- ہر قسم کا طبقاتی امتیاز دور ہو جانا چاہئے تاکہ پاکستان کے عوام ایک ایسی مثالی قوم کی طرح خوش حالی سے زندگی گزاریں جس کی معاشرتی اسلامی اخوت اور انسانی مساوات کا زندہ نمونہ ہو۔

9- پاکستان کے ہر شہری کے لئے ترقی اور خوش حالی کے یکساں مواقع مہیا ہونے چاہئیں۔

10- پاکستان کو ایک ایسی فلاحی مملکت بنانا چاہئے جس میں زندگی کی بنیادی ضرورتیں ہر شخص کو میسر ہوں۔

میں سمجھتا ہوں کہ:

1- کہ گزشتہ چھ برس میں جو اصلاحات، زرعی تعلیمی، آئینی اور انتظامی شعبوں میں نافذ کی گئی ہیں، ان کا سب سے بڑا مقصد یہ رہا ہے کہ پاکستانی معاشرے کو ماضی کی غلامانہ ذہنیت اور طبقاتی آویزش اور کشمکش سے آزاد کرایا جائے۔

2- مذکورہ شعبوں میں مزید ترقی، صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم اتنی خود اعتمادی پیدا کر لیں کہ اپنے مسائل پر خود غور کرنے اور انہیں اپنے طریقے سے سلجھانے کے قابل ہو جائیں۔

3- روشن خیالی کا تقاضا ہے کہ ہمارا چلن، فرسودہ نظریات کی اندھی تقلید کی بجائے زندہ حقائق پر مبنی ہو، کیونکہ صرف اسی طرح ہم رجعت پسندی کی لعنت سے چھٹکارا حاصل کر کے صحیح اور سچی سیاسی، ثقافتی، معاشرتی، اقتصادی اور ذہنی آزادی سے ہمکنار ہو سکیں گے۔

4- تمام سیاسی اور اقتصادی امور میں ہمارا رویہ اور انداز فکر، محض نظریاتی نہیں بلکہ حالات اور تقاضائے وقت کے مطابق ہونا چاہیے۔

5- ایک مضبوط مرکز ہی پاکستان کی آزادی اور سالمیت کا ضامن ہو سکتا ہے، یہ مرکز اتنا مستحکم ہونا چاہئے کہ وہ ایک طرف تو مختلف صوبوں کو ان کے

معاملات میں پوری آزادی دے سکے اور دوسری طرف مرکز سے فرار کے کسی رجحان کو پیدا نہ ہونے دے۔

6- دوسرے ممالک کے ساتھ ہمارے تعلقات کا دار و مدار صرف پاکستان کے مفاد پر ہونا چاہئے اور ہمیں دنیا کے ہر ملک اور خصوصاً اپنے ہمسایہ ممالک کے ساتھ دوستی اور سمجھ بوجھ کا دائرہ وسیع کرنے کی

میرا وعدہ ہے:

1- کہ ملک کے وسائل سے مکمل ترین استفادہ کیا جائے گا۔

2- ملکی دولت کی وسیع ترین اور نہایت منصفانہ تقسیم کی تدبیر کی جائے گی۔

3- عام آدمی کی آمدنی میں اضافے کے لئے ہر ممکن ذریعے سے کام لیا جائے گا تاکہ غریب اور امیر کے درمیان فرق کم ہو سکے۔

4- ٹیکسوں کو اس طرح عائد کیا جائے گا کہ ہر ایک پر منصفانہ اور متوازن بار پڑے۔

5- اجارہ داریاں اور کاروباری تسلط ختم کر دیے جائیں گے۔

6- مالیے کے نظام میں ایسی معقول اصلاحات کی جائیں گی کہ چھوٹے زمینداروں کے ساتھ انصاف برتا جائے گا۔

7- مشرقی پاکستان میں سیلابوں کا سد باب کیا جائے گا اور سیلاب سے متاثر لوگوں کو دوبارہ آباد کرنے کی تمام مناسب سہولتیں دی جائیں گی۔

8- مغربی پاکستان میں سیم اور تھور پر قابو پانے کی ہر تدبیر اختیار کی جائے گی اور متاثر شدہ زمین کی بحالی کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔

9- عوام کی اشیائے صرف کی قیمتوں میں استحکام پیدا کیا جائے گا اور جہاں تک ہو سکے گا افراط زر کی روک تھام کی جائے گی۔

10- بے گھر لوگوں کو بسانے اور بہتر اقامتی سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے عملی اقدامات کئے جائیں گے۔

11- آبادی میں اضافے کی روک تھام کی جائے گی تاکہ عوام کے معیار زندگی کو نقصان نہ پہنچے۔

12- انتظامی معاملات میں مقامی لوگوں کو شامل کیا جائے گا اور انتظامی امور کی ذمہ داری حسب امکان بنیادی جمہوریتوں کو بتدریج منتقل کر دی جائے گی۔

13- دیہی تعمیراتی پروگرام کو مالی اور عملی اعتبار سے وسیع تر کیا جائے گا۔

14- ایک ایسا مستحکم دیہی معاشرہ تشکیل دیا جائے گا جو اپنی ضروریات خود پوری کر سکے۔

15- تیسرے پنج سالہ منصوبے کے خاکے کے مطابق ملک بھر میں زیادہ سے زیادہ تعلیمی سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔

16- پریس کے لئے ایک ضابطہ اخلاق تیار کیا جائے گا' اور اخبارات ہی میں ایک ایسا اندرونی نظام قائم کیا جائے گا کہ اخبارات خود اپنے عمل کو اس ضابطے کے تابع رکھ سکیں گے۔

17- انتظامیہ کے ہر شعبے میں بدعنوانی' رشوت ستانی اور دوسری خرابیوں کا قلع قمع کرنے کے لئے مزید اقدامات کئے جائیں گے اور سرکاری محکموں میں کارکردگی کو بہتر سے بہتر بنایا جائے گا۔

18- ملک کے دونوں حصوں کے درمیان' ہر ممکن طریقے پر مساوات کے حصول کے لئے موثر کارروائی کی جائے گی جیسا کہ آئین کی رو سے لازم ہے' اور اس بات کا بھی خیال رکھا جائے گا کہ مغربی پاکستان کے مختلف علاقوں کی ترقی کو ایک واحد اور ناقابل تقسیم یونٹ کی حیثیت سے فروغ دیا جائے تا کہ ملک بھر کی ترقی توازن کے ساتھ ہو سکے۔

19- ثقافتی ہم آہنگی اور تخلیقی فکر کی نشوونما کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولتیں مہیا کیا جائیں گی۔

20- مسلم قومیت کے بنیادی مسلک کی ترویج کی جائے گی تاکہ اس مضبوط بنیاد پر دوسرے مسلم ممالک کے درمیان بخوبی اشتراک عمل کیا جائے سکے۔

21- آزادی کی ہر تحریک کی حمایت کی جائے گی اور ایسی قوموں اور آبادیوں کی ہر ممکن امداد کی جائے گی جو کسی قسم کے سیاسی غلبے کا شکار ہوں۔

22- جموں و کشمیر کے عوام کو حق خود اختیاری دلانے کی مسلسل جدوجہد کی جائے گی اور کوشش کی جائے گی کہ وہ اپنا یہ حق اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پاکستان و ہندوستان کی قراردادوں کے مطابق استعمال کر سکیں نیز کشمیر کے مجاہدین آزادی کی اخلاقی حمایت کی جائے گی۔

23- پاکستان کی اقلیتوں کو مکمل تحفظ دیا جائے گا اور ان کو مساوی مواقع' مساوی حقوق اور مساوی مراعات دی جائیں گی۔

میری تاکید ہے کہ:

1- ہمیں صبر سے کام لینا چاہئے۔ ترقی اور خوشحالی کے لئے کچھ وقت درکار ہوتا ہے۔ ایک ہی نسل ہر قسم کے فائدوں سے فیضیاب نہیں ہو سکتی۔ ہمیں صرف اپنے لئے نہیں بلکہ اپنے بعد آنے والی نسلوں کے لئے بھی کام کرنا ہے۔ ہمیں اپنی کوششوں میں اسی خیال سے تقویت حاصل کری چاہئے کہ ہماری جدوجہد کا ثمرہ آنے والی نسلوں کو نصیب ہو گا۔

2- یقین اصل حیات _ ہمیں اپنے آپ پر' اپنے مستقبل پر' اور اپنی تقدیر پر پورا بھروسا رکھنا چاہئے۔ ہمارا معاشرہ مل جل کر جس کام کا بھی بیڑا اٹھائے وہ ہم سب کے لئے باعث فخر و اطمینان ہونا چاہئے۔

3- اعتدال روح عمل ہے۔ اصلاحات داد پانے کے لئے نہیں بلکہ خدمت کے جذبے کے ساتھ نافذ ہونی چاہئے اور اس کا منشاء موجودہ حالت کی تعمیر ہونا چاہئے نہ کہ تخریب۔

4- ہمیں قومی نقطہ نظر' اختیار کرنا چاہئے- ہماری قوم علاقائی یا صوبائی تعصب کی متحمل نہیں ہو سکتی- حالیہ اقتصادی ترقی نے ہمیں اس مرحلے پر پہنچا دیا ہے کہ مزید ترقی کا دارومدار قومی نقطہ نظر کو اپنانے اور قومی اتحاد پر ہے-

5- محنت عمل کی بنیاد ہے- خالی نعرے بازی اور خوش فہمیوں سے کچھ حاصل نہ ہو گا- صرف بے لوث اور انتھک محنت ہی کی بدولت ہمیں مطلوبہ نتائج حاصل ہوں گے-

ان تمام مقاصد کے حصول کی خاطر میں نے اپنا نام صدر پاکستان کے دوبارہ انتخاب کے لئے پیش کیا ہے- میرا واحد مقصد یہ ہے کہ:

عوام کی حاکمیت قائم ہو
پاکستان ترقی کرے
پاکستان کے عوام خوشحال زندگی بسر کر سکیں
پاکستان پائندہ باد!

کچھ اپنے بارے میں

اپوزیشن نے صدارتی انتخابات پر قرطاس ابیض شائع کرنے کے لئے کمیٹی قائم کی چوہدری محمد علی' پروفیسر خورشید (موجودہ وفاقی وزیر) کے ساتھ میں اس کمیٹی میں شامل تھا- کراچی میں کمیٹی کے اجلاسوں میں شرکت کے بعد 25 جنوری کو لاہور پہنچا اور ملک غلام جیلانی سے رابطہ قائم کیا- یہ پراسرا شخص بارہا مجھ سے مل کر اصرار کر چکا تھا کہ میں اس کے گھر میں قیام کروں' چنانچہ اب کی بار میں اس کے پاس چلا گیا- اگلے اور اجلاس کے دوران اسمبلی کے ایک ملازم نے مجھ سے کہا کہ کچھ مداح آپ سے ملنے آئے ہیں- میں باہر نکلا تو وہ تین ہٹے کٹے آدمی نظر آئے- ان کے چہروں پر مداحی کی کوئی علامت نہ تھی' بلکہ وہ مجھے ٹک ٹک گھور رہے تھے' اسی روز ایک شخص نے گھر فون کیا- "میں گورنمنٹ لیبارٹریز سے بول رہا ہوں- آپ سے ملنا چاہتا ہوں- میں نے انہیں گھر کا رستہ سمجھا دیا- 27 جنوری کو میں نے ملک غلام جیلانی کو اپنے ڈرائنگ روم کے دروازے پر ایک شخص سے کانا پھوسی کرتے دیکھا- جیسے میں قریب پہنچا ملک صاحب کے چہرے پر گھبراہٹ نمودار ہوئی' مگر فوراً ہی سنبھل گئے اور مجھ سے کہنے لگے "یہ سی آئی ڈی کے ڈی آئی جی ہیں' مگر میرے ذاتی دوست بھی ہیں- کبھی کبھار ملنے آ جاتے ہیں" اسی روز میں نے مغربی پاکستان اسمبلی میں یونیورسٹی آرڈیننس کے خلاف تقریر کی' تو ایک وزیر نے کہا: "ہم باقی کو باغی نہیں ہونے دیں گے"_ ادھر صدر ایوب کے صاحبزادے ہائی کورٹ میں انتقال مقدمہ کی درخواست دائر کر چکے تھے اور صدر پاکستان پریشان تھے کہ کراچی کا واقعہ ان کے لئے عذاب بنا دیا گیا ہے-

سہ پہر کو میں گھر پہنچا اور اپنے کمرے میں مطالعہ کرنے لگا- مغرب سے تھوڑے دیر پہلے ملک غلام جیلانی میرے کمرے میں آئے اور کہا: " کیا وہاں نہیں جاؤ گے _ میں نے پوچھا کہاں "کہا "جنرل اعظم نے افطار پر بلایا ہے"_ میں نے حیرت سے کہا: مجھے پہلے تو اس کی اطلاع نہیں دی گئی"_ میں دوبارہ کتاب پڑھنے لگا- تھوڑی دیر کے بعد وہ پھر آئے اور زبردستی کتاب بند کر دی- میں سوٹ پہنے ہوئے بیٹھا تھا چنانچہ فوراً اس کے ساتھ نکل گیا- ہم افطار کے لئے جنرل صاحب کے ہاں پہنچے- وہاں سے فارغ ہوئے تو میں نے ملک صاحب سے کہا "پہلے پیپلز پارٹی ہاؤس چلئے میں نے حمزہ سے ایک کتاب لینی ہے"_ ملک غلام جیلانی بولے" نہیں پہلے ایئرپورٹ چلئے" ---- "ایئرپورٹ" میں نے تعجب سے پوچھا ---- "ہاں"! انہوں نے کہا: "آپ جانتے ہیں' میں ریس کھیلنے کا عادی ہوں اور کل کراچی میں ریس کا دن ہے"_ مجھے ہوائی اڈے پر چھوڑ کر چلے جانا (میں نے بعد میں غور کیا کہ اگلے روز جمعہ تھا اور کراچی میں جمعہ کو ریس نہیں ہوتی' اتوار کو ہوتی ہے' میں الجھ گیا کہ یہ شخص کیا کر رہا ہے اصرار سے مجھے گھر ٹھہرایا اور اب اچانک چھوڑ کر جا رہا ہے (رسماً یہ بھی نہیں کیا- میں اتنے دن میں لوٹ آؤں گا' تم میرے گھر ٹھہرے رہو- میں کسی اخبار نویس کی تلاش میں نکلا کہ مجھے پریس آرڈیننس پر ایک تقریر کرنا تھی- میرا طریقہ یہ تھا کہ کسی نازک موضوع پر بات کرنا ہوتی' تو نہ صرف مطالعہ کرتا' بلکہ ماہرین سے مل لیتا' تو میں گیا "نوائے وقت" میں جناب عرفان چغتائی سے ملنے کے لئے- وہ تھے نہیں- پھر نثار عثمانی کو تلاش کیا' وہ بھی نہیں ملے- اب میں پی پی ائی کے دفتر کی طرف روانہ ہوا- دفتر کے باہر ضمیر قریشی پان خرید رہا تھا- "میرے ساتھ چلو"_ میں نے کہا: "کھانا اکٹھے کھائیں گے' باتیں کریں گے"_

یہ ایک عجیب سفر تھا- راستے بھر دو بے تکلف دوستوں نے آپس میں ایک بھی جملے کا تبادلہ نہ کیا' نو بجنے والے تھے- گلبرگ میں ملک غلام جیلانی کو کوٹھی کے پورچ میں گاڑی رکی- میں آگے بڑھا اور بڑے دروازے کے قریب لگی ہوئی گھنٹی بجائی کہ ملازم کو کھانا لگانے کے لئے کہوں- میں نے ہاتھ کے انگوٹھے بٹن کو دبایا- معاً" ایک دھماکہ ہوا اور سینے سے دائیں جانب آگ سی لگ گئی- پھر سیکنڈوں کے وقفے سے دھماکوں کی آوازیں آنے لگیں- پہلے تو میں سمجھا کہ یہ بچوں کی شرارت ہے- وہ مجھے ڈرانا چاہتے ہیں- گمان ہی نہ تھا کہ بندوقوں والے میرے تعاقب میں ہوں گے- یکایک میں نے اپنے ہاتھ سے بہتا ہوا سرخ خون دیکھا اور ضمیر قریشی نے آہستگی سے کہا: "باقی صاحب گولی چل رہی ہے- گولی!" ایک اور دھماکہ ہوا- ضمیر قریشی فرش پر پڑا تھا- اس کی زندگی کو گولی چاٹ گئی تھی- میں نے سوچا اب یہ لوگ مجھے نہیں چھوڑیں گے- سال ہی سال میں نے ان کے آقاؤں کا تعاقب کیا ہے' تو اب انہوں نے

مجھے گھیر لیا ہے۔ میں اپنے حواس میں تھا۔ نہیں بلکہ میرے حواس کبھی اس قدر یکجانہ ہوئے تھے۔ میں نے طے کر لیا۔ میں موت سے لڑوں گا۔ میں اس کی تحقیر کروں گا' تو اب میں اس طرف چلا جدھر سے گولیاں آ رہی تھیں۔ معلوم نہیں وہ کون سی قوت تھی۔ جس نے مجھے اس کا حوصلہ بخشا کہ میں برستی آگ سے گزر کر اپنے کمرے کی طرف جانے کا ارادہ کروں۔ اچانک جیسے بجلی چمک اٹھے۔ حاجی نور محمد میرے سامنے کھڑے تھے۔ اپنے جسمانی وجود کے ساتھ ---- ان کے چہرے پر ایسی الجھن تھی جیسے کوئی تجربہ کار ملاح کشتی کو ڈوبنے سے بچانے کے لئے لڑ رہا ہو۔ عقاب کی طرح جھپٹ کر انہوں نے مجھے کندھوں سے پکڑا۔ فرش پر لٹایا اور ان کا ہیولا فضا میں تحلیل ہو گیا۔ مسکراہٹ میرے دل سے چہرے تک آ گئی اور میں نے آپ سے کہا: "اب وہ مجھے کیسے ہلاک کریں گے"۔ گولیاں تھم گئیں۔ فرش پر میرا خون تھا جسم پر خون تھا' اور میری سانسیں اکھڑنے لگیں۔ تین منٹ کے بعد اٹھا' جیب سے چابی نکالی۔ اپنے قدموں پر چلتا ہوا کمرے تک گیا۔ اسے کھولا اور دھڑام سے فرش پر گر پڑا۔

میرا گلا خشک ہو چکا تھا اور جسم کے اندر الاؤ پک رہا تھا۔ میں نے ٹائی کی گرہ ڈھیلی کی اور نوکر کو بلانے کے لئے گھنٹی بجائی۔ "پانی لاؤ۔ پانی" میں نے ساری قوت جمع کر کے کہا۔ چند لمحوں بعد گرم دودھ کا ایک گلاس سامنے رکھا تھا۔ میں بمشکل کھولتے ہوئے دودھ کا ایک گھونٹ ہی بھر سکا ---- بار بار میرے معصوم دوست ضمیر قریشی کا چہرہ میری نگاہوں کے سامنے ابھرتا' لیکن اب مجھ میں اتنی قوت نہ تھی کہ اٹھ کر دوبارہ گھنٹی بجاؤں' اس کے بارے میں پوچھوں' تب میں نے سوچا زندگی اور موت کی یہ لڑائی سہل نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ چند لمحوں کی کمزوری مجھ سے میری زندگی چھین لے' میں نے ایک بار پھر اپنی تمام قوت جمع کی اور دوبارہ گھنٹی بجائی۔ اب ملک غلام جیلانی کے ڈرائیور مشتاق نے دروازہ کھولا۔ ڈر اتنا تھا کہ آواز نہ نکلتی تھی' لیکن حواس یکجا تھے۔ میں نے اسے ہسپتال لے جانے کے لئے کہا۔ معلوم نہیں یکایک مجھ میں کہاں سے اتنی قوت آ گئی کہ میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ میں اپنے قدموں پر چل کر گاڑی تک جاؤں گا۔ مجھے اٹھا کر نہ لے جانا۔ میں نے دیکھا' ضمیر بے سدھ پڑا ہے' نوکروں نے کہا: "آپ کا دوست ختم ہو گیا" _ مگر میں نے خود اسے دیکھا۔ ہاں! میرے دوست مر چکا تھا' جو مجھے یہ بتانے آیا تھا کہ صحافت کی آزادی کے لئے کل پنجاب اسمبلی میں مجھے کیا کہنا چاہئے' اخبار نویس مر چکا تھا۔ گاڑی چلنے سے پہلے میں نے نوکروں کو چند ٹیلی فون نمبر دیئے۔ بالخصوص خواجہ صفدر اور نوابزادہ نصراللہ خاں کو اطلاع کرنے کی تاکید کی۔ وہ مجھے میو ہسپتال لے جا رہے تھے' لیکن میں نے انہیں راہ میں گاڑی روکنے کے لئے کہا ---- ون یونٹ ہسپتال کے سامنے۔

تھوڑی دیر میں حمزہ' خواجہ صفدر اور حبیب اللہ سعدی وہاں پہنچ گئے۔ اس وقت میری حالت بہت خراب ہو چکی تھی۔ میں نے دیکھا کہ میرے دوستوں کے چہرے لٹکے ہوتے ہیں اور ان کی نگاہیں پھٹی پھٹی سی ہیں۔ مجھے احساس ہوا کہ اگر میں نے اس وقت کمزوری دکھائی' تو قوم اپنا حوصلہ کھو دے گی۔ جس کی ہمت کالا باغ اور ایوب خان پست کرنا چاہتے ہیں' چنانچہ میں نے انہیں مخاطب کیا: "آپ لوگ یہ کیا لمبے لمبے چہرے لے کر آ گئے ہیں ---- جو اللہ کو منظور ہو گا' وہی ہو گا' میں ٹھیک ہوں' بالکل ٹھیک ہوں۔" ان کے چہروں پر تازگی آ گئی۔ خواجہ صفدر نے ایمبولنس کا انتظام کیا اور وہ مجھے میو ہسپتال لے گئے۔ اب مجھ پر نیم بے ہوشی کی کیفیت طاری تھی اور خواجہ صفدر مجھے بتاتے جاتے تھے' "بھائی باقی! یہ ہیں ڈاکٹر ریاض اے قدیر' یہ نرس ہے' یہ آپریشن تھیٹر۔ انہوں نے مجھے آپریشن ٹیبل پر لٹا دیا تھا اور جسم کو ادھر ادھر سے ٹٹول رہے تھے۔ میں نے غصے سے کہا "تم لوگ کیا کر رہے ہو۔ مجھے سیدھا لیٹے رہنے دو"_ اچانک ریٹائرڈ ڈائریکٹر جنرل ہیلتھ کمرے میں داخل ہوئے اور کہا "باقی بلوچ! فکر نہ کیجئے آپ محفوظ ہاتھوں میں ہیں"_ ایک میل نرس قینچی لے کر میری بڑھ رہا تھا میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا اور کہا: "تم کیا کرنا چاہتے ہو؟" ---- اس نے بتایا کہ آپریشن کے لئے وہ میری قمیض کاٹنا چاہتا ہے۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور کود اپنی قمیض اوپر اٹھا دی ---- بنیان جسم سے چپکی ہوئی تھی' اسے کاٹنا پڑا۔ میرے جسم میں آٹھ گولیاں لگی تھیں' دو سینے میں ایک ناف کے قریب ---- میرے اردگرد نقاب پہنے ہوئے ڈاکٹر مجھے حیرت سے دیکھتے تھے۔ کہ یہ کیسا شخص ہے' کس طرح اپنے حواس بچائے ہوئے ہے۔ آخر مجھے بے ہوشی نے آ لیا۔ اس وقت دس بجے تھے۔ رات 2 بجے تک انہوں نے جسم سے چھ گولیاں نکال لیں۔ دو گولیاں اب بھی میرے جسم میں امانت ہیں۔ ایک وہ جو حاجی نور محمد کے دیے دئے تعویذ سے گزری' جگر اور پھیپھڑے کو چیرتی ہوئی گوشت میں جا کر رک گئی۔ دوسری بائیں ران میں ایک رگ کے قریب لگی۔ ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ اگر گولی ایک ملی میٹر دور اس رگ میں لگتی' تو فوراً تمہاری موت مواقع ہو جاتی۔

مجھے خواب کی طرح یاد ہے کہ انہوں نے مجھے سٹریچر پر ڈالا اور آپریشن تھیٹر سے لے چلے۔ انہوں نے مجھے البرٹ وکٹر وارڈ کے کمرہ نمبر 44 میں رکھا اور انہیں میری زندگی کا یقین نہیں تھا۔ خواجہ صفدر' راء خورشید علی خان' حمزہ اور حبیب اللہ سعدی باری باری ڈیوٹی دیتے' میری حفاظت کا اہتمام کرتے رہے۔ پہلی رات میں نے ہسپتال والوں کے لئے ایک مصیبت کھڑی کر دی۔ آپریشن سے تھوڑی دیر بعد میں بے ہوشی کی حالت میں اٹھ بیٹھا اور کھانا لانے کا مطالبہ کیا۔ کہ رات میری کھانے سے

پہلے گولیوں سے تواضع کر دیگئی تھی' اس وقت جب کہ میں اکڑوں بیٹھا کھانا لانے کا مطالبہ کر رہا تھا- تو مجھے ایک نلکی سے آکسیجن دی جا رہی تھی- ایک اور نلکی کے ذریعے معدے میں سے غذا نکالی جا رہی تھی- راؤ خورشید سامنے ہاتھ باندھے کھڑے تھے اور باربار د لگیر لہجے میں کہتے تھے- "باقی لیٹ جاؤ' خدا کے لئے لیٹ جاؤ' تمہاری زندگی قیمتی ہے"_ دو دن کے بعد نرس نے مجھ سے کہا: "تین چار آدمی آپ کا لٹانے کی کوشش کر رہے تھے مگر آپ جیسا دبلا پتلا آدمی قابو میں نہیں آ رہا تھا- ہوش آیا' تو میں نے کنگ ایڈورڈ کالج کے ایک بلوچ طالب علم ڈاکٹر حیدر کو بلوانے کے لئے کہا- جب اسے میرا پیغام ملا تو وہ میری لاش بلوچستان تک پہنچانے اور کفن دفن کے انتظامات میں مصروف تھا- "پاکستان ٹائمز" کے امیر حسین اور "ڈان" کے نثار عثمانی ملنے آئے- وہ اندر داخل ہوئے' تو میں نے ان کی خیریت پوچھی- امجد حسین کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں- اس نے کوئی جواب نہ دیا اور میری طرف دیکھتا رہا- اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں زندہ ہوں میں نے پوچھا: **ضمیر قریشی کیسے ہیں** انہوں نے جواب دیا: "وہ اب خیرت سے ہیں- آپ کے ساتھ والے کمرے میں- "میں نے کہا:- جھوٹ کیوں بولتے ہو ۵ میں ملک غلام جیلانی کے گھر میں اس کی لاش چھوڑ کر آیا تھا"_ میرے جسم سے ساڑھے چار ہزار سی سی خون بہ گیا تھا- آٹھ گولیاں میرے جسم میں داخل ہوئی تھیں- ڈاکٹر کہتے تھے کہ یہ زندہ نہیں بچے گا' باقی بلوچ کی قوت ارادی جیت جائے اور موت کو شکست ہو- ایک ایک کر کے ملک کے سب نامور لوگ مجھے ملنے کے لئے آتے رہے- پنجاب' سندھ' سرحد کے ایک ایک کونے سے اور ہاں' میرے پیارے مشرقی پاکستان سے بھی ان کی محبت تو ایک قرض ہے- کون جانے یہ قرض کب اترے گا) سید مودودی خود تشریف لائے' مادر ملت کا فون آیا' پھول لانے والوں کے تانتے بندھے ہوئے تھے میں اتنی خوبصورت زندگی کو کیسے الوداع کہہ سکتا تھا- بعد میں مجھے بتایا گیا کہ اس رات آس پاس کے ہوسٹلوں سے پندرہ سو لڑکے لڑکیاں میو ہسپتال کے صحن میں جمع ہو گئے- ان میں سے بہت سے رو رہے تھے- نوجوان چیخ چیخ کر کہتے تھے "خدا کے لئے ہمارا خون لے لو' باقی کو بچا لو" ----- جب کبھی مجھے طعنہ دیا جاتا ہے کہ مجھ پر پنجابیوں نے گولی چلائی تو میں بلوچوں کو اس رات کی کہانی سناتا ہوں اور سوال کرتا ہوں کہ میں ایک پنجابی نواب آف کالا باغ کو یاد رکھوں یا ان پندرہ سو پنجابیوں کو میرے جسم میں تو پنجاب کے ایک ایک کونے کا خون ہے-

ملک غلام جیلانی کو ان کی جرات کی داد دیتا ہوں کہ وہ ہسپتال میں مجھ سے ملنے آئے- یہی نہیں وہ کراچی میں ملکی اور غیر ملکی اخبار نویسوں سے کہتے رہے کہ باقی بیچارہ مغالطے میں مارا گیا- وہ لوگ تو مجھے قتل کرنے آئے تھے جو لوگ ان سے "آگاہ" تھے وہ ہنس پڑتے تھے' لیکن انہوں نے اپنی تکرار جاری رکھی' بعد میں وہ میرے پاس ایک اپیل لے کر آتے کہ ساہی وال کے لوگ' جہاں وہ الیکشن لڑ رہے تھے' انہیں ووٹ دیں- میں نے جیلانی کی آنکھوں میں دیکھا' ہنسا اور اس اپیل پر دستخط کر دیے- پینتیس دن میں ہسپتال میں رہا- کالا باغ کے بعض وزیر پیغام بھیجتے کہ ہمیں تم سے ہمدردی ہے' لیکن آ نہیں سکتے' ناراض نہ ہونا' مگر راجہ احمد خان جو اب بلوچستان میں چیف سیکرٹری ہیں' ڈنکے کی چوٹ آئے' گھنٹہ بھر بیٹھے رہے- میں نے ان کی نوکری کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا' تو انہوں نے بے نیازی سے کہا: مجھے نواب آف کالا باغ نہیں' اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے"_ مکران کے ڈپٹی کمشنر مرزا حسین علی خبر ملتے ہی لاہور بھاگے- میں نے کہا: "نکال دیئے جاؤ گے"- ان کی آنکھیں نم آلود ہو گئیں' کہا: "میرا بھائی مر رہا ہے' کیا میں نوکری کی پرواکروں" بلوچستان کے حاجی قیوم جہاز میں سوار تھے' جب انہیں یہ اطلاع ملی اور جہاز ابھی رن وے سے اٹھا ہی تھا وہ چیخنے لگے' جہاز اتارو' جہاز اتارو ----- باقی کو گولی لگ گئی ہے"- وہ کوئٹہ سے اگلی ہی فلائٹ سے واپس آ گئے- پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر حمید احمد خان کمرے میں داخل ہوتے ہی مجھ پر چلانے لگے: "میں تم سے کہتا تھا' انسان بنو- ایسی حرکتیں نہ کرو- اب تمہاری یہ حالت ہو گئی ہے" یہ کہتے ہوئے وہ بچوں کی طرح رو پڑے- اگلے دن وہ اپنے شاگرد سے معافی مانگنے آئے- ڈاکٹروں نے ان سے کہا تھا: آپ نے تو باقی کو ہلاک کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی"_ وہ پشیمان تھے' اور میرا جی چاہتا تھا کہ قہقہے لگا کر ہنسوں- انہیں کیا خبر تھی کہ موت مجھے چھو بھی نہیں سکتی تھی-

یوم پختونستان پر خطاب (1967ء)

تم لوگ پٹھانوں کی تاریخ دیکھو کہ جب کبھی پختونوں پر کوئی مصیبت نازل ہوئی- تو اس قوم میں ایک عظیم انسان پیدا ہو- اور اس افغانستان میں پیدا ہوا- اس نے پختونوں کے بکھرے ہوئے قبیلے اکٹھے کئے- صلاح مشورے کئے- ان کی تنظیم کی- اور جب دعائے خیر کر کے آگے بڑھا تو پھر کوئی طاقت اس کا قدم پیچھے نہیں ہٹا سکی-

احمد شاہ بابا یہیں پیدا ہوا ----- پختونوں کی تنظیم اور پھر دہلی تک جا پہنچا- جب وہ دہلی سے واپس آ رہا تھا- تو جہلم پر آ کر رک گیا اور کہا ----- "یہ دیکھو ----- جہلم کے دریائے آمو تک اور ہرات تک تمہارا ہی ملک ہے"_

یہاں انگریز آیا ----- تو اس نے ایک لکیر کھینچ دی اور جب وہ آ رہا تھا تو یہ ملک اپنے وارثوں کے دے گیا ----- تم اپنے باپ دادا کے ملک کو سنبھال نہیں سکے- جہلم تمہارا ہاتھ سے گیا- طورخم تمہارے پنجے سے نکل گیا- ایسا کیوں ہوا -----۵ میں تمہیں یہی سمجھانے آیا ہوں ہم

پختونوں میں بھائی چارہ' محبت اور صلاح مشورے کی بات نہیں رہی ---- ہم میں نفسا نفسی آ گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرے لوگوں نے ہمارے ملک پر اپنے جھنڈے لہرا دیئے ہیں۔

روپے کا لالچ اور اقتدار کی بھوک جس قوم اور ملک میں پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ قوم اور ملک دنیا میں آباد نہیں ہو سکتے ---- مسلمانوں کی تاریخ کو دیکھئے۔ وہ مسلمان جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت و پیار کی تعلیم دی تھی۔ خانہ جنگی میں مبتلا ہو گئے۔ دولت سے محبت اور اقتدار کے شوق نے انہیں خدا اور رسول پاکؐ کی تعلیم سے بے گانہ کر دیا ---- میں آج بھی دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں نے ابھی تک اپنے مذہب کو دوبارہ تلاش نہیں کیا ہے۔ رسول پاکؐ کی تعلیم سے بیگانگی اور مذہب کو دوبارہ تلاش نہ کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ جمہوریت کا دیا جو مدینہ میں روشن تھا وہ بھی بجھ گیا ---- اور اسے ابھی تک مسلمانوں نے نہیں جلایا۔ وہ جمہوریت انہوں نے پھر حاصل نہیں کی ---- جو جمہوریت ہمیں فرنگی نے دی تھی۔ ہمارے بھائی ایوب خان نے وہ بھی ہم سے چھین لی ---- ایوب خان نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ کہ پختونستان میں ریفرنڈم ہوا اور پختونوں نے اپنا ووٹ پاکستان کے حق میں دیا ہے یہ بات سراسر غلط اور جھوٹ ہے ---- دنیا کو معلوم ہے کہ ہم پختونوں نے ریفرنڈم میں حصہ نہیں لیا تھا ---- اگر تم اپنی ضد پر آئے ہو تو آؤ ریفرنڈم کرالو! اور پختونوں کی رائے لے لو ----"

ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں ---- کہ ہم بھائی ہیں --- اور ہمیں اپنا حق ملنا چاہئے اگر پختونوں نے اس ملک کے لئے اور اس ملک کی آزادی کے لئے جنگ نہ کی ہوتی تو پاکستان کہاں ہوتا ---- ۵

میں جب پاکستان کے حالات پر نظر ڈالتا ہوں --- تو معلوم ہوتا ہے' کہ اس کے دل میں بلوچستان کے لئے جگہ ہے' نہ سندھی کے لئے ---- اور نہ پختون یا بنگالی کے لئے ---- ہماری طرح بلوچی اور سندھی بھی مظلوم ہیں۔ ہم تینوں مظلوموں کا مقصد اور غرض ایک ہے ---- میں نے کئی بار پاکستان سے کہا ہے کہ ہمارا معاملہ بھائی چارے سے پرامن طور پر حل کردہ کیونکہ جب میں پشتونوں کو دیکھتا ہوں تو ان کے خیالات میں دن بدن تبدیلی محسوس کرتا ہوں ---- میں کہتا ہوں کہ کہیں وہ دن نہ آجائے کہ پشتون بندوق تھام لے۔ اگر پاکستان نے پختون کو مجبور کر دیا تو اس مسئلے کی نوعیت بدل جائے گی ---- اور اس کی تمام تر ذمہ داری پاکستان پر ہو گی۔

میں آج روس اور امریکہ سے بھی کہتا ہوں کہ اگر تم حقیقتاً اس ملک میں امن چاہتے ہو تو یہ جو آگ لگنے والی ہے اس سے پیشتر کہ وہ بھڑک اٹھے ---- تم اس بات کا فیصلہ کر دو۔

میں چین سے کہتا ہوں کہ تمہارا اثر و رسوخ پاکستان پر بہت زیادہ ہے تمہیں چاہئے کہ ہمارا پرامن تصفیہ کرا دو تاکہ تمہارا پڑوس میں بدامنی کی آگ نہ جل اٹھے ----!

پاکستان عوامی لیگ کے 6 نکات

○ ---- حکومت کا طرز وفاقی پارلیمانی ہو گا' جس میں تمام اختیارات بالغ رائے دہی کے اصول اور راست انتخاب سے چنی ہوئی اسمبلی کو حاصل ہوں گے۔

○ ---- ملک کے دونوں بازوؤں کے لئے دو علیحدہ علیحدہ کرنسی' یا

○ ---- پورے ملک میں ایک ہی کرنسی کی صورت میں ایسا آئینی تحفظ کہ سرمایہ مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان منتقل نہ کیا جا سکے۔

○ ---- مالیاتی پالیسی اور ٹیکس لگانے کا حق وفاقی ریاستوں کو ہو گا۔ مرکزی وفاق کے مصارف کے لئے ریاستی محصولات کا ایک حصہ مخصوص ہو گا۔

○ ---- وفاقی ریاستوں کے کمائے ہوئے زرمبادلہ کے حسابات علیحدہ رکھے جائیں گے وفاقی حکومت کے زرمبادلہ کی ضروریات' وفاقی ریاستیں مساوی طور پر پوری کریں گی خارجہ پالیسی کی حدود میں' وفاقی ریاستیں بیرونی ملکوں سے لین دین امداد اور تجارتی معاہدے کر سکیں گی۔

○ ---- وفاقی ریاستوں کو ملیشیا فوج رکھنے کی اجازت ہو گی۔

قراردادیں

1- مسلح افواج اور مادر ملت مرحومہ کو خراج عقیدت

یہ کنونشن پاکستان کے عظیم سپوتوں خصوصاً ہوائی فوج کے جانبازوں کو خراج تحسین پیش کرتا ہے جنہوں نے ستمبر 65ء کی جنگ میں جب ہندوستانی توسیع پسندوں نے ہمارے خلاف جارحانہ حملہ کیا اور ہماری سرحدوں کی خلاف ورزی کی تو پاکستان کی آزادی و خود مختاری کی حفاظت میں مردانگی و شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی زندگیوں کی قربانی پیش کی۔

کنونشن تمام دوست ممالک خصوصاً چین' ایران' اردن' ترکی اور انڈونیشیا کا شکریہ ادا کرتا ہے جنہوں نے ہندوستانی جارحیت کی مزاحمت میں ہماری امداد کی اور ان ممالک کا بھی خصوصاً فرانس کا جنہوں نے اس دور آزمائش میں پاکستان سے ہمدردی کا اظہار کیا۔

یہ کنونشن مادر ملت مرحومہ کی یاد کو نذرانہ عقیدت پیش کرتا ہے اور محسوس کرتا ہے کہ ان کے اٹھ جانے سے عوامی حقوق کا ایک عظیم علمبردار ہم سے چھن گیا ہے وہ آزاد اور خوشحال پاکستان حاصل کرنے کی عوامی امنگوں کا نشان تھیں۔

2- اصحاب اقتدار کی مذمت جنہوں نے اس کنونشن اور پبلک جلسہ کے انعقاد کو روکنے کی کوشش کی

یہ کنونشن ان غیر قانونی اور غیر جمہوری کارروائیوں کی مذمت کرتا ہے

جس سے اصحاب اقتدار نے جبر و استبداد، تخویف اور دوسرے حربوں کو بروئے کار لا کر لوگوں کو اس کنونشن کی کارروائی میں حصہ لینے سے روکا اور اخبارات پر دباؤ ڈالا کہ وہ کنونشن کی کارروائی کو توڑ مروڑ کر اور غلط رنگ میں پیش کریں جیسا کہ پریس ٹرسٹ کے پرچوں نے کیا۔ یہ کنونشن حکام کے اس ناجائز اقدام کی بھی مذمت کرتا ہے کہ انہوں نے دفعہ 144 کے تحت پابندیاں عائد کر کے موچی گیٹ کے باہر جلسہ عام کا انعقاد روک دیا۔

3- کشمیر

ساری سفارتی کوششوں اور اقوام متحدہ کی قراردادوں اور مباحثوں کے باوجود کشمیر کے عوام اپنے حق خود اختیاری سے محروم ہیں۔ ریاست کا اکثر حصہ اب بھی ہندوستان کے غیر قانونی قبضہ میں جکڑا ہوا ہے۔

یہ کنونشن اعلان کرتا ہے کہ جموں و کشمیر کا اس کے سوا کوئی حل نہیں ہے کہ اس مسئلہ کو حق خود اختیاری کی بنیاد پر حل کیا جائے جیسا کہ پاکستان ہندوستان اور اقوام متحدہ نے تسلیم کیا ہوا ہے۔ یہ کنونشن مطالبہ کرتا ہے کہ ہماری حکومت تنازعہ کشمیر کے حل کو ہندوستان کے تعلقات کے لئے پہلی شرط قرار دے اور حق خود اختیاری کے اصول پر کسی بھی رو رعایت سے صاف انکار کر دے۔

4- آسام

آسام کا صوبہ جہاں آبادی کا اکثر حصہ غیر ہندو تھا جو پاکستان کا لازمی جزو بننا چاہیے تھا جیسا کہ تقسیم سے پہلے مسلم لیگ نے مطالبہ کیا تھا۔ ریڈ کلف ایوارڈ غیر منصفانہ تھا کیونکہ اس کی رو سے پاکستان کو آسام کا ایک مختصر سا حصہ ملا یعنی صرف سلہٹ ضلع کا حصہ۔ بعد کے حالات نے ثابت کر دیا ہے کہ آبادی کا اکثر حصہ خود مختار ہونے کا خواہش مند ہے۔

اس کنونشن کی رائے میں حکومت پاکستان کو آسام کی ریاست اور اس کے عوام سے خصوصی تعلقات قائم کرنے چاہئیں۔

5- فوجی معاہدات

سیٹو اور سینٹو کے دفاعی معاہدات نے اس وقت جب اس کی ضرورت تھی پاکستان کی سلامتی اور تحفظ میں کوئی معاونت نہیں کی۔ یہ پاکستان کے لئے یک طرفہ ذمہ داریوں کا سبب بن گئے ہیں۔ اس لئے پاکستان کو یہ کلی حق پہنچتا ہے کہ خود کو ان کا پابند خیال نہ کرے۔

یہ کنونشن حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ سیٹو اور سینٹو کو بلا تاخیر چھوڑ دیا جائے۔ اقوام متحدہ امریکہ سے باہمی دفاع کے معاہدوں کا آئینی جواز اسی وقت ختم ہو گیا تھا جب امریکہ ہندوستان سے جنگ کے دوران ہماری مدد کرنے میں ناکام رہا اور فوجی امداد بند کر دی۔ اب اس کی کوئی وجہ باقی نہیں کہ امریکہ کو پشاور کے نزدیک فوجی اڈا برقرار رکھنے کی اجازت قائم رہے۔

یہ کنونشن مطالبہ کرتا ہے کہ حکومت اعلان کر دے کہ امریکہ کے ساتھ باہمی معاہدے کالعدم ہو چکے ہیں اور پشاور کے نزدیک کا فوجی اڈا واپس لے لے۔

6- ملکی دفاع

جارحیت کے مستقل خطرے کی بنا پر جس کا پاکستان کو سامنا ہے یہ کنونشن حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ ملکی دفاع کو مضبوط کرنے کے لئے یہ اقدامات فوری طور پر کرے۔

1- مسلح افواج کی تعداد میں اضافہ کیا جائے۔

2- قومی ملیشیا قائم کیا جائے جسے پیشہ ور فوجی تربیت دیں اور کمان کریں اس کا قیام دونوں صوبوں اور ملک کے سارے علاقوں میں ہونا چاہئے۔

3- عوام کی فوجی تربیت ان کامیاب طریقہ ہائے کار کے مطابق کی جائے جو غیر صنعتی ملکوں نے اعلیٰ فوجوں کی جارحیت روکنے کے لئے تشکیل کئے ہیں۔

7- زمینداری اور جاگیرداری کے مسائل

یہ کنونشن اعلان کرتا ہے کہ جاگیردارانہ اور زمیندارانہ استحصال کا ختم کرنا انتہائی ضروری ہے اور موثر انداز میں اس کا حصول سوشلسٹ اصولوں کے اطلاق سے ہی ممکن ہے جب تک ایسا نہ کیا گیا عوام کی حالت زبوں کو بہتر نہیں بنایا جا سکتا۔

یہ کنونشن مطالبہ کرتا ہے کہ حکومت ایسے احکامات جاری کرے کہ آئندہ ساری سرکاری زمینیں کاشت کاروں کے لئے محفوظ ہونگی اور انہی میں تقسیم کی جائیں گی۔

یہ کنونشن سفارش کرتا ہے کہ جن کاشتکاروں کے پاس گذارہ یونٹ سے کم زمینیں ہیں انہیں مالیہ سے مستثنیٰ قرار دیدیا جائے

یہ کنونشن حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ کھیت مزدوروں کے لئے کم از کم اجرت کا تعین کیا جائے جو گذارے کی سطح سے کم نہ ہو اور ان کے لئے زیادہ سے زیادہ کام کے گھنٹوں کا تعین بھی کیا جائے۔

یہ کنونشن حکومت سے سفارش کرتا ہے کہ رضاکارانہ بنیاد پر کوآپریٹو فارمنگ کی حوصلہ افزائی کے لئے مثبت اقدامات کرے۔

8- صنعتی کارکن

پاکستان کے مزدور طبقہ کو ان سارے حقوق سے محروم رکھا جا رہا ہے جو بین الاقوامی معیار کے مطابق معمول بن چکے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنی حالت بہتر بنانے میں بے بس ہیں۔ یہ کنونشن مطالبہ کرتا ہے کہ:

(i) ٹریڈ یونین ایکٹ میں ILO کے معیار کے مطابق ترمیم کی جائے۔
(ii) لیبر یونین بنانے کا حق اور سٹرائک کرنے کے حق کو واضح طور پر تسلیم کیا جائے۔

یہ کونشن مطالبہ کرتا ہے کہ کم عمر بچوں کو ملازم رکھنے کا جو طریق ابھی تک چل رہا ہے اسے فوری طور پر ختم کیا جائے۔

9- عوامی حقوق کی بازیابی کے لئے اپوزیشن کی جماعتوں سے تعاون

پاکستان کے عوام کو آج وہ بنیادی حقوق حاصل نہیں جو جمہوریت کا لازمی جزو ہیں۔ ان کی آزادیاں اس طرح سلب کر لی گئی ہیں کہ درحقیقت انہیں آزادی تقریر' آزادی تحریر' اجتماع کی آزادی اور جماعتیں بنانے کی آزادی حاصل نہیں ہے۔ مزید بر آں پریس کو اس اس طرح کنٹرول کر لیا گیا ہے کہ رائے عامہ کو دبا دیا جائے۔ ان ساری سیاسی جماعتوں کا جو جمہوریت سے پیار رکھتی ہیں یہ فوری کام ہے کہ بنیادی حقوق کے حصول کے لئے کوشاں ہوں۔

یہ کونشن اپوزیشن کی ساری جماعتوں سے استدعا کرتا ہے کہ وہ عوام کے ان بنیادی حقوق کے حصول کے لئے جو ان سے چھن گئے ہیں' باہمی تعاون کریں۔

10-ڈیفنس آف پاکستان رولز

یہ کونشن مطالبہ کرتا ہے کہ ڈیفنس آف پاکستان رولز کو فوری طور پر واپس لیا جائے۔ ہنگامی حالات کو گزرے ہوئے مدت بیت گئی ہے اور اب بھی اگر انہیں باقی رکھا جا رہا ہے تو صرف اس لئے کہ عوام کو آزادیوں سے محروم رکھا جائے اور عام عدالتی طریق کار میں مداخلت کی جائے۔

یہ کونشن مطالبہ کرتا ہے کہ سارے سیاسی قیدیوں اور نظربندوں کو فوری طور پر رہا کیا جائے۔

11-کریمینل لاء ترمیمی ایکٹ

1963ء کا کریمینل لاء ترمیمی ایکٹ بنیادی حقوق کے خلاف ہے یہ کونشن مطالبہ کرتا ہے کہ اس کی فوراً تنسیخ کی جائے۔

12-پاکستان کے قوانین

یہ کونشن مطالبہ کرتا ہے کہ حکومت اپنے قوانین کو پاکستان کے سارے علاقوں پر لاگو کر کے موجودہ تفریقات کو ختم کر دے۔

13- آزاد کشمیر میں جمہوریت

یہ کونشن آزاد جموں و کشمیر ایکٹ 1964ء کی مذمت کرتا ہے جس کے نتیجہ کے طور پر آزاد جموں و کشمیر کی حکومت کو ختم کر دیا گیا اور مطالبہ کرتا ہے کہ اس ایکٹ کو واپس لیا جائے اور آزاد کشمیر میں آزادانہ و منصفانہ انتخابات کرائے جائیں تاکہ کشمیریوں کے ہر گروہ کو بمعہ پناہ گزینوں کے نمائندگی کا یقین ہو۔

14- ظلم و تشدد کا شکار

یہ کونشن مطالبہ کرتا ہے کہ حکومت مناسب معاوضہ ادا کرے۔

(1) ان مرحومین کے پسماندگان کو جو شکار ہو گئے' حکومت کے جبر و ظلم کی ان کارروائیوں کا جو طلباء مظاہرین' مزدوروں' کسانوں اور دوسرے لوگوں کے خلاف کی گئیں جو اپنے حقوق سے محرومی پر احتجاج کر رہے تھے۔
(2) جو سیاسی وجوہات کی بنا پر ظلم و جور کا شکار بنائے گئے۔

15- تعلیمی آزادی

نوجوان ہی پاکستان کا سب سے قیمتی اور عزیز سرمایہ ہیں۔ وہ ماحول جس میں ان کی تعلیم و تربیت کی جاتی ہے ان کی شخصیت کی مکمل نشوونما میں معاون ہونا چاہئے۔ علم اور قوت ایمانی کے ذریعہ آزادی کا حصول صرف آزاد تعلیمی ماحول سے ہی ممکن ہے یونیورسٹیاں علماء اور فضلاء کے ان قبیلوں کی طرح ہونی چاہئیں جو ہر ایسی پابندی سے آزاد ہوں جو نئے تصورات پر قدغن لگائیں یا آزادانہ تبادلہ خیال میں رکاوٹ بنیں۔

یہ کونشن ان حالات پر گہرے فکر کا اظہار کرتا ہے جو ایسے قوانین اور آرڈیننسوں کے وجود نے پیدا کر دیئے ہیں جس کی بناء پر نہ تو اساتذہ کے لئے آزادی سے پڑھانا ممکن ہے اور نہ ہی طلباء کے لئے کچھ سیکھنا' غور و فکر کرنا' تبادلہ خیال کرنا اور اعلیٰ تعلیم سے پورا فائدہ اٹھانا' یونیورسٹی حکام کو جو وسیع اختیارات حاصل ہیں کہ وہ سرکاری نظریات سے انحراف کرنے والے طلباء اور اساتذہ کے خلاف جبر کی کارروائیاں جائز رکھیں۔ اس نے تعلیمی آزادی کو ایک مذاق بنا دیا ہے۔ طلباء کو تعلیمی اداروں سے نکالا جا سکتا ہے اور غیر قانونی اور من مانے طریقوں سے ان کے ڈپلومے اور ڈگریاں ضبط کی جا سکتی ہیں۔ یونیورسٹی یونین اور سوسائٹیوں کی تشکیل ناممکن ہو گئی ہے سوائے ان کی جن کی منظوری یونیورسٹی کے خوش آمدی اور چاپلوس حکام سے حاصل کی جا سکے۔ نوجوانوں کو تشدد کا شکار کرنا' دہشت زدہ کرنا اور ڈرانے دھمکانے کے واقعات کا دور دورہ ہے۔

یہ کونشن اس لئے مطالبہ کرتا ہے کہ یونیورسٹی آرڈیننس اور دوسرے سارے قوانین کو منسوخ کیا جائے جو طلباء اور اساتذہ کی آزادانہ زندگی پر پابندیاں عائد کرتے ہوں۔

16-ویت نام

یہ کونشن ویت نام کے عوام کو ان کے بیمثال جہاد حریت کے لئے

خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔ وہ پچھلی دو دہائیوں سے اپنی آزادی کے لئے برسرپیکار ہیں اور آج بھی دنیا کی عظیم ترین فوجی قوت کے خلاف اپنی آزادی کی حفاظت کے لئے لڑ رہے ہیں۔ اگرچہ ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے ہیں لیکن آزاد رہنے کے عزم میں کبھی لغزش پیدا نہیں ہوئی۔ اپنی جانثاری سے انہوں نے دنیا بھر کے محکوم لوگوں کی جنگ آزادی میں بیش بہا خدمت سرانجام دی ہے۔

یہ کونشن ضمیر انسانیت کو جھنجھوڑتا ہے کہ وہ ویت نام کی ستم زدہ سرزمین کو امن کی نعمت دیں۔ سب سے پہلا قدم جو اٹھانا ضروری ہے وہ یہی ہے کہ شمالی ویت نام پر غیر مشروط طور پر بمباری بند کر دی جائے۔ یہ بمباری اقوام عالم کے قوانین کی کھلی خلاف ورزی ہے' پھر امن کا قیام اس طرح ممکن ہے کہ جنیوا کے سمجھوتہ کا احترام کیا جائے جو آخری سمجھوتے کے لئے بنیاد بن سکتا ہے۔

17- مشرق وسطیٰ

اسرائیل ان عرب علاقوں پر اب بھی قابض چلا آ رہا ہے جو اس نے عرب علاقوں پر غدارانہ حملے کر کے حاصل کئے تھے۔ اس وحشت ناک جارحیت کے ظلم کا تدارک کرنے میں اقوام متحدہ نے ایک دفعہ پھر اپنی بے بسی ثابت کر دی ہے۔

یہ کونشن اسرائیل کی جارحانہ اور نو آبادیاتی پالیسی کی مذمت کرتا ہے اور صدر ناصر کے 24 نومبر 1967ء کے بیان کو بنظر تحسین دیکھتا ہے کہ اگر اسرائیل سے مقبوضہ علاقوں کو بات چیت کے ذریعے خالی نہیں کروایا جا سکتا تو پھر اس مقصد کے لئے طاقت استعمال کی جائے گی۔

18- تیسری دنیا کا استحکام

پاکستان' ایشیا' افریقہ اور لاطینی امریکہ کی ان اقوام کے کنبہ سے وابستہ ہے جو سامراجی قوتوں کے چنگل میں پھنسا رہا ہے اور جس کے برے اثرات ابھی تک ان پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ گو اب وہ سیاسی طور پر آزاد ہو چکے ہیں لیکن ابھی تک ایک کمزور معیشت کی زبوں حالی تلے دبے ہوئے ہیں۔ طاقتور صنعتی قوموں کے نئے نو آبادیاتی دباؤ اور اندرونی معاملات میں دخل اندازی نے ان ترقی پذیر ممالک کو خطرے میں ڈال رکھا ہے۔ یہ ترقی پذیر ممالک باہمی یگانگت اور استحکام پیدا کر کے ہی اپنے اہم مفادات کا تحفظ کر سکتے ہیں اور صرف اسی طرح ہی بین الاقوامی معاملات میں ایک تیسری قوت کا موثر کردار ادا کر سکتے ہیں کہ بڑی طاقتوں کی پیدا کردہ فرمانروائی میں کسی بھی جانب ساتھ دینے سے انکار کر دیں۔

یہ کونشن اعلان کرتا ہے کہ پاکستان تیسری دنیا کے استحکام کو مضبوط کرے۔ ہر قوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ آزادی کی نعمت سے سرفراز ہو اور اپنی حکومت بیرونی دخل اندازی کے بغیر خود چنے۔ یہ کونشن مطالبہ کرتا ہے کہ پاکستان کی خارجہ پالیسی حق خود اختیاری اور اندرونی معاملات میں دخل نہ دینے کے دو اصولوں پر سختی سے کاربند رہے۔

19- ترکیہ۔ قبرص

یہ کونشن قبرص میں ترکوں کی مصیبت و اذیت سے انتہائی دل گرفتہ ہے اور ان کے غیر یقینی مستقبل پر فکر مند ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جب تک اقدامات نہ کئے جائیں لندن اور زیورچ کے معاہدے قبرصی ترکوں کے حقوق کی موثر ضمانت نہیں بن سکیں گے۔

یہ کونشن ترک بھائیوں کے ساتھ اپنی ہمدردیوں کا اظہار کرتا ہے اور حکومت ترکیہ کو ان حقوق کی نگہداشت کی کوششوں میں حمایت کا یقین دلاتا ہے۔

20- پریس ٹرسٹ

پاکستان میں پریس کی آزادی' غیر جمہوری قوانین اور انتظامی احکامات نے محدود کر رکھی ہے۔ مزید برآں اخباروں کی اکثریت پر حکومت نے پریس ٹرسٹ کے ذریعہ عملاً کنٹرول کر رکھا ہے۔ اس طرح حکومت اپنا پروپیگنڈہ جاری رکھے ہوئے ہے۔ کہیں رائے عامہ کو بری طرح دبایا ہوا ہے۔ یہ کونشن مطالبہ کرتا ہے کہ پریس ٹرسٹ کو ختم کر دیا جائے اور وہ تمام قوانین منسوخ کر دیئے جائیں جو پریس کی آزادی سلب کرتے ہیں۔

21- اخراجات زندگی

اجرت پر کام کرنے والوں اور تنخواہ دار عملے کی حالت انہی دنوں میں تشویش ناک زبوں حالی کا مظہر بن گئی ہے کیونکہ بنیادی ضروریات زندگی کی قیمت برابر بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ کونشن عام لوگوں کی اقتصادی حالت پر حکومت کی بے بسی کا ماتم کرتا ہے۔

22- اقلیتیں

یہ عوامی کونشن اعلان کرتا ہے کہ اس اصول پر عمل پیرا ہوتے ہوئے کہ ہر شہری ہر حیثیت میں برابر ہے' اقلیتوں کے حقوق کا پورا پورا تحفظ کیا جائے گا۔

23- رشوت ستانی

رشوت ستانی انتظامیہ کے ہر حلقے میں اتنی بڑھ پھول گئی ہے کہ پوری قوم کی اخلاقی قوت پژمردہ ہو گئی ہے۔ رشوت ستانی کے ساتھ ساتھ اقربا نوازی اور جانب داری انتظامیہ میں ہولناک حد تک پھیل چکی ہے۔

یہ کونشن مطالبہ کرتا ہے کہ حکومت کے اراکین خود کو شک و شبہ سے بالا رکھنے کے لئے اپنے اور اپنے کنبہ کے افراد کے مال و دولت اور جائیداد کا کھلے بندوں اعلان کریں۔

24- حکومت کے ملازمین

حکومت کے سارے ملازمین کو آئینی طور پر ملازمتوں کے تحفظ کا یقین دلایا جائے۔

یہ کونشن پر زور طور پر اس کی مذمت کرتا ہے کہ حکومت ملازمین کی خدمات کا سیاسی مقاصد کے لئے غلط استعمال کرے اور یہ حکومت کے ملازمین سیاسی معاملات میں دخل اندازی کریں۔ حکومت کی یہ پالیسی کہ وہ سرکاری ملازموں کو سیاسی نوعیت کے کام کرنے کا حکم دیتی ہے جو ان کی ذمہ داریوں کا حصہ نہیں ایک ہی نتیجہ پیدا کر رہی ہے کہ پوری کی پوری انتظامیہ بد دل ہو چکی ہے پوری قوم کا مفاد اور ان سرکاری ملازموں کا اپنا مفاد بھی تقاضا کرتا ہے کہ یہ صورت حال فوری طور پر ختم کر دی جائے۔

پناہ گزینوں کی آباد کاری:-

اتنے سال بیت چکے ہیں لیکن مہاجروں کی آباد کاری ابھی تک مکمل نہیں ہوئی۔ یہ کونشن حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ آباد کاری کا کام بلا تاخیر مکمل کیا جائے۔

ایک نئی پارٹی کیوں؟

پاکستان اپنی آزاد اور خود مختار زندگی کے تیسرے عشرہ میں داخل ہو رہا ہے لیکن 12 کروڑ پاکستانیوں کے تمام بنیادی مسائل کا حل اور ان کا مستقبل ابھی تک غیر یقینی ہے۔ یہ بات اس لئے بھی زیادہ افسوس ناک ہے کہ آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد اس برصغیر کے مسلمانوں نے مکمل اعتماد کے ساتھ یہ اعلان کیا تھا کہ پاکستان کی بنیادیں اسلام کے بنیادی اصولوں پر استوار کی جائیں گی اور ہماری سیاسی' معاشی اور سماجی زندگی اسلام کے دینی اور دنیوی اصولوں کی قوت سے رواں دواں ہو گی' ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ نہ ہو گا' اور اس لئے کسی لمبی چوڑی وضاحت کی ضرورت نہیں۔ مارشل لاء سے پہلے پاکستان اپنی قومی زندگی کے تمام ضروری شعبوں میں بہت ہی پیچیدہ مسائل اور مشکلات میں گھرا ہوا تھا۔ 1956ء کے آئین کو بے شمار دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ مخلوط یا غیر مخلوط انتخابات کا نظریہ' مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان صوبائی مساوات کا مسئلہ' دینی اور لادینی سیاسی نظریہ کا باہم تعلق' اقلیتوں کے حقوق' مغربی پاکستان کی وحدت کا مسئلہ اور دوسرے بہت سے ایسے ہی نازک اور بھڑک اٹھنے والے مسائل درپیش تھے۔

معاشرے میں رشوت ستانی' نفسانفسی اور کنبہ پروری کا اس قدر دو دورہ تھا کہ ہماری اخلاقی اور سماجی زندگی تیزی سے پستی کی طرف جا رہی تھی۔ لوگوں میں بددلی اور مایوسی پھیل چکی تھی اور حکومت کے نظم و نسق کی اہلیت پر سے اعتماد اٹھ گیا تھا۔ خصوصاً غریبوں اور محنت کش طبقوں کے حقوق اور خواہشات کو جس بے دردی سے نظرانداز کیا گیا' اس کی مثال تاریخ میں کم ہی ملتی ہے۔ یہی غریب اور محنت کش لوگ جن کے بل بوتے پر معاشی اور اقتصادی میدان میں سرمایہ داروں کے لئے بے انتہا ترقی کے مواقع پیدا ہوئے اور کارخانوں کی تعداد کئی گنا بڑھ گئی۔ لیکن ان کی ترقی کے لئے جو ہماری آبادی کی اکثریت ہے مختلف حکومتوں نے کوئی ٹھوس قدم نہ اٹھایا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ غربت اور افلاس ہمارے ملک کے محنت کش طبقوں کو گھن کی طرح کھانے لگے۔

نوکر شاہی اور حکومت کے اہل کار بجائے اس کے کہ وہ لوگوں کی بہبود کی طرف متوجہ ہوتے انہوں نے سیاسی کشمکش میں سیاست دانوں کے ساتھ اپنے آپ کو بری طرح الجھا دیا۔ اور سیاست دانوں کے شانہ بشانہ اس آزاد ملک کے خادم بننے کی بجائے اس کے حاکم بن گئے۔ اس وجہ سے ملک میں غیر یقینی سیاسی ماحول اور بھی نازک حالات سے دوچار ہو گیا اور ہمارے تمام قومی مسائل میں اضطراب کی کیفیت دن بدن نمایاں ہوتی گئی۔

ملکی نظم و نسق کی کارکردگی کا معیار بجائے اس کے کہ موجودہ صدی کے بین الاقوامی معیاروں پر پورا اترتا دن بدن تیزی رفتاری سے روبہ انحطاط ہو گیا۔ کاشت کاروں میں بے مقصدیت اور مزدور طبقے میں بے تنظیمی اور غیر معین راہ عمل کا احساس جڑیں پکڑنے لگا اور سفید پوش اور تنخواہ دار طبقہ اپنی جائز ضروریات زندگی کے لئے ترسنے لگا۔ خود غرضی' اور ذاتی نفع رسانی ہمارے معاشرے کے رگ و پے میں رچ گئی۔ تعلیم اور نوجوانوں کی بہبود جو کہ قومی ترقی کا سرچشمہ قرار پاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں روبہ زوال ہو گئے۔ تمام قومی ادارے کا ماسوا عدلیہ اور افواج پاکستان شدید بحران کا شکار ہو گئے۔

ہندوستان کے جارحانہ عزائم کی وجہ سے ہمارے ملکی حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے۔ اس کا بین ثبوت وادی کشمیر میں ہندوستان کی کھلم کھلا جارحیت تھی' جس کا مقصد دراصل پاکستان کے بنیادی' معاشی اور علاقائی حقوق پر غاصبانہ قبضہ تھا۔

یہ تھے وہ حالات جو 1958ء کے مارشل لاء سے پہلے تھے۔ عوام کی امیدوں اور تمناؤں میں ایک دفعہ پھر زندگی کی رمق نظر آئی۔ عوام نے سوچا کہ ہمارے قومی مسائل اب ایک مضبوط لیکن پرشفقت ہاتھ سے سلجھ جائیں گے۔ نئی حکومت نے زرعی اصلاحات سے سیاسی زندگی کی تطہیر سے اور اقتصادی اور معاشی زندگی میں نظم و ضبط کی کوشش کر کے کسی حد تک اپنے قیام کا جواز پیدا کیا۔ بنیادی جمہوریتوں کے باعث کچھ نئے ادارے وجود میں آئے۔ جن سے قومی مسائل کو حل کرنے کی امید دلائی گئی۔ کسی حد تک

نظم و نسق میں خرابیوں کو دور کیا گیا۔ اور رشوت ستانی سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔

1962ء میں مارشل لاء کے ہٹنے پر ایک حد تک جمہوریت اور "حکومت شاہی" کا دوغلا نظام رائج کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی قریباً تمام قومی پریس کو نیشنل پریس ٹرسٹ کی صورت میں اپنے قبضے میں لے لیا اور دوسری طرف ایک سیاسی پارٹی کا اجراء کر دیا گیا۔ جو پہلے تو کونشن لیگ کہلائی اور بعد میں اس کا نام پاکستان مسلم لیگ رکھ دیا گیا تاکہ سیاسی پارٹی ان حالات کا مقابلہ کر سکے جن کا درحقیقت جمہوریت سے انحراف کی وجہ سے پیدا ہونے کا امکان تھا۔

بنیادی جمہوریتوں کے تحت 1962ء سے 9165ء میں انتخابات ہوئے۔ موجودہ حکومت کی نافذ شدہ اصلاحات کے باجود اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ موجودہ حکومت اپنی افادیت اور کارکردگی کی اہلیت کو مکمل طور پر کھو بیٹھی ہے۔ اسی دور حکومت میں بہت سے بنیادی قومی مسائل کا احیاء ہوا ہے اور نئے مسائل نے سر اٹھایا ہے۔ ماضی کے مقابلے میں اب رشوت ستانی، کنبہ پروری اور دوسری بد عنوانیاں کہیں زیادہ عروج پر ہیں۔ عدلیہ جو کہ مارشل لاء سے پہلے باعث وقار و افتخار تھی۔ مارشل لاء کے بعد ایک کمزور قومی ادارہ بن کر رہ گئی ہے اور ہمارے نظام قانون میں قانون دان طبقے کی ناراضگی کے باوجود اس قدر الجھنیں اور بے ضابطگیاں داخل کر دی گئیں ہیں کہ عوام سے جن کے حقوق کی پشت پناہی عدلیہ اور قانون ہی بالاخر کرتے ہیں، یہ ڈھال بھی چھین لی گئی ہے۔

جرائم اور تشدد کی وارداتوں میں روز افزوں اصافے نے پچھلے تمام ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔ صنعت کاری میں بے مقصد اور محض ذاتی اغراض کے پیش نظر ترقی، زرعی ترقی کی طرف مجرمانہ عدم توجہ کا باعث بنی ہے اور اس کی وجہ سے ایک بہت ہی سنگین معاشی بحران کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ جس کے دور رس نتائج پیدا ہونے کا امکان ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ اس ملک کو خوراک میسر نہیں ہو سکتی جب تک کہ غیر ملکی گندم کی بھرمار اس ملک میں نہ کی جائے اور یہ غیر ملکی گندم ہمارے زر مبادلہ کے ذخائر کو تیزی سے ختم کرتی جا رہی ہے۔

محنت کش طبقہ سخت ہیجان میں مبتلا ہے۔ غریب اور سفید پوش طبقے کے لئے افراط زر اور دن بدن بڑھتی ہوئی قیمتوں کا بوجھ ناقابل برداشت ہوتا جا رہا ہے۔ ہمارا دانش ور طبقہ اور نئی نسل بے حسی اور بے مقصدیت کا شکار ہو رہے ہیں۔ جھوٹی اور متبذل اقدار زندگی نے ہمارے قومی جذبے اور حوصلے کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔ طالب علموں میں اضطراب اور کرب کا احساس تیز تر ہوتا جا رہا ہے۔ عوام میں قومی مسائل سے لاتعلقی کی روش پیدا ہو رہی ہے۔ سول سروس تک کو آئینی حقوق کا پہلا سا تحفظ اب حاصل نہیں رہا۔

1962ء میں ہندوستان اور چین کی جھڑپ کے بعد پاکستان کی بری، بحری اور ہوائی افواج کی قوت میں جس قدر اضافے کی ضرورت تھی اس کی طرف توجہ نہ کی گئی۔ حالانکہ ہندوستان نے اپنی فوجی قوت کو 1962ء کے بعد خطرناک حد تک مضبوط کر لیا تھا۔ یہ سنگین ترین لغزش ناقابل معافی ہے۔ ہندوستان کے 1965ء کے جارحانہ حملے کے بعد شروع شروع میں فوجی طاقت کو مضبوط کرنے کی طرف کسی قدر توجہ دی گئی۔ اب بجائے اس کے کہ تمام دوسری ضروریات کو پس پشت ڈال کر فوجوں کو مضبوط سے مضبوط تر کیا جائے۔ اس بات کا چرچا کیا جا رہا ہے کہ دشمن ہندوستان کے ساتھ کسی نہ کسی طرح سمجھوتہ کر لیا جائے اور فوجوں میں تخفیف کر دی جائے۔

خارجی معاملات اور خارجہ پالیسی میں تضاد کی وجہ سے دن بدن کھچاؤ بڑھتا جا رہا ہے۔ مختصر یہ کہ تضاد کا یہ چکر اب اس حد تک مکمل ہو چکا ہے کہ اس کی وجہ سے اب اس ملک کے بین الصوبائی تعلقات میں بھی کشیدگی بڑھ رہی ہے۔

صدارتی اور پارلیمانی طرز حکومت اور محدود بالغ رائے دہی کے سلسلے مین نئے آئینی اختلافات پیدا ہو گئے ہیں۔ تاشقند کے بدنام سمجھوتے اور ہندوستان کے ساتھ امن کی عاجزانہ درخواستوں کے باوجود عوام کو ان کے بنیادی حقوق سے قوانین دفاع پاکستان کے عذر لنگ کے تحت غیر معین عرصہ کے لئے دستبردار کر دیا گیا ہے۔ اب حال یہ ہے کہ قومی زندگی بے مقصد ہو گئی ہے اور تمام ملت کا سانس گھٹنے لگا ہے۔

قومی زندگی کا مکمل سیاسی بحران کے عمیق گڑھے کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ وہ سیاست دان جو ابھی ابھی پابندیوں سے آزاد ہو کر سیاسی میدان میں واپس آئے ہیں۔ ان میں سے کچھ نے تو حکمران پارٹی میں شامل ہو کر حکمران پارٹی کے بے مقصدیت اور بے راہروی پر ہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ دوسروں نے اپنی اپنی سیاسی پارٹیوں کی دوبارہ تنظیم کر کے ایک متحدہ محاذ بنا لیا ہے کہ شاید وہ اس طرح ملک کے اندرونی اور بیرونی مسائل پر قابو پا لیں گے۔

لحظہ بہ لحظہ اور قدم بہ قدم قومی مسائل کا یہ تدریجی اور ارتقائی عمل ایک واضح صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ ان مختلف سیاسی اور قومی الجھنوں سے سلجھاؤ کی صورت ابھر رہی ہے۔ کوئی بھی رد عمل اور تضاد بالاخر مثبت عمل اور امتزاج کی طرف لوٹتا ہے اور اسی طرح سیاسی تبدیلیاں ایک دوسر سے دوسرے دور میں داخل ہوتی ہیں۔ یہ سیاسی عمل ناگزیر ہے۔

ایبڈو کے ہٹنے کے بعد سابق سیاست دان صاف طو رپر دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک تو وہ جنہوں نے اپنے سابقہ سیاسی مقام اور نظریات سے انحراف کسی صورت میں گوارا نہ کیا۔ اور دوسری طرف وہ جنہوں نے صحیح سیاست اور شرافت کے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اسی حکومت کے دامن عاطفت میں پناہ لی جس نے انہیں سیاسی مجرم اور قومی تباہی کا ذمہ دار قرار دیا تھا۔ اس کے بعد کونسل مسلم لیگ اور دسوری سیاسی پارٹیوں نے

اپنے اپنے انتخاب کئے۔ گو کچھ پارٹیوں نے ابھی انتخابات اور کچھ ایسی ہی دوسری رسمی کارروائیوں سے گزرنا ہے۔

مئی 1967ء میں ڈھاکہ میں تحریک جمہوریت پاکستان (پی' ڈی' ایم) کا وجود کونسل مسلم لیگ' عوامی لیگ جماعتِ اسلامی اور نظام اسلامی پارٹی کی شمولیت سے عمل میں آیا۔ تحریک پاکستان نے آٹھ نکاتی پروگرام کے تحت پاکستان میں جمہوریت کو بحال کرنے کا تہیہ کیا۔ گو پی ڈی ایم کے وجود میں آنے سے بعد عوامی لیگ کا ایک گروہ اسے چھوڑ چکا ہے۔ اور ابھی یہ تحریک پوری طرح حرکت میں نہیں آئی۔ لیکن پھر بھی یہ ہماری ملکی سیاست کی ارتقائی ترقی کی طرف ایک مثبت قدم ہے۔

جمہوریت کی بحالی کے لئے تمام قدامت پسند سیاسی پارٹیوں کا الحاق نہ صرف ہماری موجودہ سیاسی صورت حال کو واضح کرتا ہے بلکہ اسی سے یہ بھی عیاں ہے کہ ان مختلف قدامت پسند سیاسی پارٹیوں کے اقتصادی اور معاشرتی اصول اور پروگرام کم و بیش یکساں ہیں۔ پی ڈی ایم چونکہ قدامت پسند رجحانات کی آئینہ دار ہے۔ اسی لئے ترقی پسند عناصر پی ڈی ایم میں شامل سیاسی پارٹیوں سے آسانی سے اشتراک عمل نہ کر سکے۔ اگر بغور دیکھا جائے تو یہی وجہ ہے کہ نیشنل عوامی پارٹی پی ڈی ایم کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہ کر سکی اور اسے اپنے سیاسی وجود کو علیحدہ قائم رکھنا پڑا۔

حالات کی رفتار اس بات کی متقاضی ہے کہ اب اس دور کا آغاز ہو کہ تمام روشن خیال عناصر اور سیاسی پارٹیاں بھی مل کر پی ڈی ایم کی طرح ایک علیحدہ تنظیم قائم کریں۔ اس نئی سیاسی صورت حال سے یہ خوش آئند تبدیلی پیدا ہو گی۔ کہ ہماری سیاسی پارٹیاں جو کہ پہلے منفی طور پر محض شخصیات کے سہارے پروان چڑھتی تھیں۔ اب واضح طور پر وہ سیاسی رجحانات رکھنے والے یعنی روشن خیال اور قدامت پسند گروہوں میں بٹ جائیں گی۔ اس سے یہ فائدہ حاصل ہو گا کہ جب قدامت پسند اور ترقی پسند تنظیموں کو اپنا اپنا مقام اور اتحاد حاصل ہو جائے گا تو ان کے لئے آسان ہو گا کہ وہ حقیقی جمہوریت کی بحالی کی بنیاد پر آپس میں سمجھوتہ کر لے۔ ایک قابل عمل مشترکہ پروگرام بنا سکیں۔

آنے والے مہینوں میں یہ توقع کی جاتی ہے کہ یہ ترقی پسند پارٹیاں پی ڈی ایم کی طرح ایک ایسی تنظیم بنانے میں کامیاب ہو سکیں گی جس کی وجہ سے قومی سطح پر ایک ایسی فضا سازگار ہو گی جس میں حزب مخالف کی تمام پارٹیاں اکٹھا ہو کر حقیقی جمہوریت کی بحالی کے لئے آئینی جدوجہد کر سکیں گی۔

ان وجوہات کی بنا پر یہ ضروری ہے کہ حزب مخالف کی پارٹیوں کو آپس میں باہمی سوجھ بوجھ اور تعلقات کی فضا پیدا کرنی چاہیے۔ درحقیقت اپوزیشن پارٹیوں کا نصب العین ایک دوسرے کی نفی اور نکتہ چینی کی بجائے حزب مخالف کے تمام عناصر اور قوتوں کو اکٹھا کر کے انہیں یک جہتی اور یکسوئی عطا کرتا ہے۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان حالات میں کیا یہ ضروری ہے کہ ایک نئی سیاسی پارٹی بنائی جائے جبکہ اصل مقصد حزب اختلاف کی مختلف پارٹیوں کا اتحاد ہے۔ اگر ذرا غور سے موجودہ سیاسی حالات کا تجزیہ کیا جائے تو یہ ظاہر ہو جائے گا کہ نئی پارٹی کا قیام اس وجہ سے ہی ضروری ہے کہ حزب اختلاف کی موجودہ سیاسی پارٹیوں کا اتحاد اس نئی سیاسی پارٹی کے بغیر ناممکن ہے۔ یہ سیاسی پارٹی ہماری موجودہ سیاسی پارٹیوں کے تاریخی اور سیاسی نظریات کی الجھنوں کو سلجھانے میں مدد و معاون ثابت ہو سکے گی کیونکہ یہ کام نئی سیاسی پارٹی مخلصانہ طور پر بغیر کسی تعصب یا ذاتی عناد کے کرے گی۔ موجودہ حالات میں اس لئے بھی ایک نئی پارٹی بے حد ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر روشن خیال عناصر کو اکٹھا کرنا ممکن نہیں۔

نیشنل عوامی پارٹی بد قسمتی سے تین مخالف گروہوں میں تقسیم ہو چکی ہے اور ان میں سے خاص طور پر دو گروہوں کے اختلافات دن بدن بڑھتے جا رہے ہیں۔ اسی طرح عوامی لیگ نہ صرف بین الاصوبائی اختلافات میں مبتلا ہے بلکہ پی ڈی ایم کے سوال پر اور دیگر اقتصادی اور سماجی مسائل پر بھی متحد نہیں رہی۔ مختلف بڑی سیاسی پارٹیوں کے لئے گو یہ ناممکن نہیں کہ وہ اپنے اندرونی اختلافات سے درگزر کرتے ہوئے ایک قومی متحدہ محاذ قائم کر سکیں۔ لیکن یہ یقینی طور پر بہت مشکل کام ہو گیا ہے۔ کیونکہ ان سیاسی پارٹیوں نے اپنے اپنے تفرقات کو ایک واضح صورت دے دی ہے۔ اس لئے ان میں باہمی اتحاد کا کام ایک نئی سیاسی جماعت ہی کر سکتی ہے جس کی بنیاد روشن خیال اصولوں پر رکھی گئی ہو۔ عظیم قومی مفاد کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ اگلا قدم اٹھایا جائے۔ اس لئے گو سطحی طور پر اس بات میں کچھ تضاد نظر آتا ہو کہ نئی پارٹی کا وجود ضروری ہے یا نہیں۔ لیکن دراصل اتحاد عوام کے لئے ان حالات میں اس سے زیادہ مثبت اور تعمیری اقدام اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ تمام قوم' اور تمام ملت اتحاد کے لئے تڑپ رہی ہے۔ حزب اختلاف اپنی تمام کوششوں کے باوجود ابھی تک یہ اتحاد قائم نہیں کر سکی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اتحاد کے لئے محض خواہش کی ضرورت ہی نہیں اور اتحاد محض کہنے سے ہی نہیں حاصل ہو جاتا۔ اتحاد عوام کے لئے ٹھوس کام' قربانیوں اور وسائل کی ضرورت ہے۔ یہ نئی سیاسی جماعت خدا نے چاہا تو یہ کام کر کے دکھائے گی اور اتحاد عوام کا وسیلہ بنے گی۔

اس نئی سیاسی پارٹی کے قیام کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس ملک کے عوام کا ایک فعال حصہ جس میں ہماری نئی نسل پیش پیش ہے' اس کا ایمان ہے کہ قدامت پسندی اور رجعت پسندی سے پاکستان کی بڑی بڑی مشکلات کو حل نہیں کیا جا سکتا۔ ہر زمانے کا اپنا سیاسی ماحول اور اپنے سیاسی خدوخال ہوتے ہیں۔ موجودہ دور جو کہ نئی امنگوں اور ان سے وابستہ عمل کی نئی دعوتوں کا آئینہ دار ہے۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک نئی سیاسی پارٹی

نئی قوت اور نکھار کے ساتھ پاکستان کے تمام عوام کے لئے ایک ایسے مثالی معاشرے کی تعمیر کا کام سنبھال لے۔ جس کے لئے اس ملک کے عوام نے بے انتہا قربانیاں دی ہیں۔ اب عوام کبھی بھی اس بات پر رضامند نہیں ہو سکتے کہ وہ محض ماضی کی طرف دیکھتے رہیں اور نہ ہی وہ موجودہ حالات کی سنگینی کو اور زیادہ برداشت کر سکتے ہیں۔ عوام چاہتے ہیں کہ عدل و انصاف پر مبنی ایک نیا نظام قائم کی جائے جس میں ملک کے کروڑوں عوام کے بنیادی حقوق اور مفاد کا تحفظ ہو سکے۔ یہ کام اور یہ فرض' ایک نئی سیاسی جماعت ہی ادا کر سکتی ہے۔ اس اخلاص کے جذبے اور اس نئے یقین اور نئی امید کے ساتھ ہی یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ ہمارے قومی مسائل کا حل ہماری قومی اقدار کے مطابق روشن خیالی اور نئے نقطہ نظر سے تلاش کیا جائے گا۔

ہمارے انداز فکر میں انقلاب آفرین تبدیلی کی اشد ضرورت ہے۔ اب اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔ لمبا راستہ اختیار کرنا کوئی خوشگوار کام نہیں جب کہ چھوٹا راستہ موجود ہو۔ لیکن پاکستان کے موجودہ حالات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ لمبا راستہ اختیار کیا جائے۔ ہمیں تجربے نے یہ بتا دیا ہے کہ جب ایسے مسائل درپیش ہوں جن سے عوام اور ملک کی تقدیر وابستہ ہو۔ آسان اور چھوٹا راستہ دراصل منزل سے آشنا نہیں کرتا بلکہ سراب کی نشان دہی کرتا ہے۔

ان سیاسی حقیقتوں کے پیش نظر اور عظیم ملی مفاد کے لئے جن کا کسی حد تک تجزیہ کیا گیا ہے۔ یہ حقیقت اب واضح ہو چکی ہے کہ ایک نئی سیاسی جماعت اور ایک نیا سیاسی لائحہ عمل اور دستور اس قوم اور ملت کے لئے اشد ضروری ہے۔ موجودہ حالات میں ایک نئی سیاسی جماعت کی تنظیم اور نشوونما بہت مشکل کام ہے۔ اس سلسلہ میں تمام مجبوریوں اور بندشوں کا احتساب ضروری ہے۔ لیکن ان تمام مشکلات کے باوجود جو کہ اس قدم کو اٹھانے پر پیش آئیں گے۔ ہماری سیاسی زندگی کی موجودہ صورت اور ہمارا قومی مفاد اس راستے کو اختیار کرنے پر ہمیں دعوت دیتے ہیں۔ چاہے اس کے لئے ہمیں انتہائی قربانی دینی پڑے اور اپنا آپ وقف کرنا پڑے۔ صرف اسی راستے کو اختیار کرنے سے ہی قومی یکجہتی اور حب الوطنی کے مفادات کو تقویت پہنچائی جا سکے۔ عوام اپنے جذبہ اخلاص اور یقین محکم کے طفیل اس بات کے قابل ہیں کہ وہ حقیقت پسندی سے اپنے تمام مسائل کو خود حل کر سکیں۔ اسی لئے اتحاد عوام اس نئی سیاسی جماعت کا نصب العین ہے۔ تمام مسائل کو حل کرنے کے لئے مشعل راہ ہمارے قائد اعظمؒ کے اقوام وارشادات ہیں اور یہ ہمارے لئے ہمیشہ مشعل راہ رہیں گے۔ اس ملک کے عوام اس بات کا تہیہ کر چکے ہیں کہ وہ اس جذبے اور روح کو دوبارہ زندہ کر کے رہیں گے جو ہمیں محمد علی جناح نے عطا کیا تھا۔ ہمارا مقصد نئے مسائل پیدا کرنا نہیں اور نہ پرانے مسائل کو زندہ کرنا ہے بلکہ ان مسائل کا حل تلاش کرنا ہے جو پچھلے بیس سالوں سے ہماری سیاسی زندگی پر چھائے ہوئے ہیں۔ ملک کی تقدیر کا فیصلہ چند افراد اپنی مرضی سے کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ ملک کے تمام عوام اپنے حقیقی نمائندوں کے ذریعہ سے جنہیں بالغ رائے دہی کی بنیاد پر منتخب کیا گیا ہو۔ اپنے آئینی سیاسی اور اقتصادی مسائل کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق رکھتے ہیں۔

پاکستان کے عوام سے یہ درخواست باہمی یقین اور اعتماد کی بنیاد پر کی جاتی ہے اور باہمی یقین اور اعتماد کی بنیاد ضروری ہے کہ عدل و مساوات کے اصولوں پر رکھی جائے نہ کہ جبر و استبداد اور لوٹ کھسوٹ کے پرانے مسلک پر۔ اس نئی بنیاد پر پاکستان کے عوام اپنے اندرونی اور بیرونی مسائل کا حل یقینی طور پر تلاش کر سکتے ہیں۔

قادر مطلق خدا پر غیر متزلزل ایمان کے ساتھ جو تمام جہانوں اور انسانوں کا پالنے والا ہے اور دین اسلام کے لئے جذبہ غیرت رکھتے ہوئے اور پاکستان کے مقاصد کے لئے اپنے آپ کو کلی طور پر وقف کرتے ہوئے ہم سب اللہ کا نام لے کر اس عظیم کام کی ابتداء اور اتحاد عوام کا اعلان کرتے ہیں۔ اس یقین محکم کے ساتھ کہ اتحاد عوام سے اور اجتماعی تدبر اور سوچ بچار کی بدولت پاکستان کی خدمت میں ممکن ہو کر ہم اپنے شاندار مستقبل کی طرف گامزن ہوں گے اور دنیا میں عدل و مساوات اور امن کو قائم کرنے کا موجب بنیں گے (آمین)

اسلامی مملکت پاکستان میں سوشلزم کیوں ضروری ہے؟

پیپلز پارٹی کے مقصد کو اگر فقرے میں بیان کیا جائے تو یہ کہنا کافی ہو گا کہ اسلامی مملکت پاکستان میں سوشلسٹ نظام کو رائج کیا جائے۔ دوسرے لفظوں میں اس پارٹی کا یہ مقصد ٹھہرا کہ یہاں ایک ایسی عوامی جمہوریت کو قائم کیا جائے جس میں ملک کے تمام افراد کو ہر شعبہ زندگی میں مساوی حقوق حاصل ہوں۔ اس میں شک نہیں کہ جمہوریت میں قانون کی نگاہوں میں سب کی برابری ضروری ہے لیکن یہ مساوات نامکمل رہ جاتی ہے جب تک کہ کسی جمہوری نظام میں معاشی اور معاشرتی عدل و انصاف کی بنیاد پر سب کے حقوق مساوی نہ ہوں۔ اس لئے سوشلزم ہی ایک ایسا نظام ہے جو کہ تمام افراد کے لئے یکساں مواقع پیدا کرتا ہے اور ان کو معاشی لوٹ کھسوٹ سے محفوظ رکھتا ہے۔ طبقاتی کشمکش اور اس کے ساتھ وابستہ قید و بند سے آزاد کرتا ہے۔ ایسا نظام ہی معاشی اور معاشرتی انصاف کے اصولوں کو بروئے کار لا کر صحیح جمہوری اقدار کو ان کے منطقی عروج تک پہنچا سکتا ہے اور ان کو ٹھوس سماجی اور معاشرتی بہبود کی عملی اشکال میں ظاہر کرتا ہے۔ جدید سوشلزم کے نظریے اور اصول پچھلی دو صدیوں کے تجربات کے نتیجہ میں اخذ کئے گئے ہیں اور سوشلزم کے اصول پچھلی دو صدیوں کی معاشی جدوجہد پر حقیقت پسندانہ اور

سائنٹفک تحقیق کو بروئے کار لا کر حاصل کئے گئے ہیں۔

سرمایہ دارانہ نظام پیداوار سے حاصل کردہ علم کے ساتھ ساتھ ہماری معلومات میں بیش بہا اصافہ ان تجربات سے بھی ہوا ہے جو ان ممالک میں کئے گئے۔ جہاں سوشلزم کے اصولوں کو مختلف مقامی حالات میں عملی جامہ پہنایا گیا ہے ان ملکوں کے علاوہ جو انقلاب کی منزلیں طے کر چکے ہیں کئی ایسے ملکوں میں بھی جہاں بظاہر آئینی بادشاہتیں ہیں سوشلسٹ اصلاحات سود مند طریقوں سے رائج کی گئی ہیں۔ حالانکہ ان معاشروں میں کوئی انقلابی' سیاسی یا سماجی ردو بدل نہیں کیا گیا۔ سوشلزم کا ارتقا کسی ایک براعظم یا کسی ایک قوم سے مخصوص نہیں بلکہ یہ عالمگیر نظام معاشرت ہے۔ اس نظام کے اصولوں کی عالم گیر حیثیت ان وجوہات کی بنا پر ہے۔

1- جدید سوشلزم کی بنیادیں ٹھوس مادی حقیقتوں پر مبنی ہیں۔ یہ اصول تو محض خوش فہمی یا ناقابل حصول خواہشات پر پر مبنی نہیں ہیں اور نہ ہی ان کا مقصد کسی کی خود ساختہ تمناؤں اور امیدوں کو تسکین دینا ہے۔ ان اصولوں کی بنیاد تو سائنٹفک تجزیے اور تحقیق پر ہے جو کہ ایک لمبے عرصے سے انسان کی معاشی کشمکش اور معاشرتی تبدیلیوں کے علم سے حاصل کئے گئے ہیں۔ ان اصولوں کا مطمع نظر اور اس دنیوی زندگی میں عمل کے تمام پہلوؤں کو احسن طریق پر استعمال کر کے بہترین معاشرے کو قائم کرنا ہے۔

2- سوشلزم کا نظریہ فکر دنیا کے ہر گوشے اور ہر ملک کے لئے ایک پیغام کی حیثیت رکھتا ہے۔ چاہے وہ ملک یا خطہ کیسے ہی معاشی یا سیاسی دور سے گزر رہا ہو۔ سوشلزم محض پیغام ہی نہیں بلکہ مسلسل عمل کا راستہ ہے۔ دنیا کے موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے تمام ملکوں کو تین گروہوں میں با آسانی تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔

(i) وہ ملک جو سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے علمبردار ہیں اور مادی لحاظ سے بظاہر ترقی کے معراج پر ہیں۔

(ii) وہ ملک جنہوں نے سوشلزم کو اپنایا ہے اور ترقی کی راہ پر گامزن ہیں۔

(iii) اور وہ ملک جن کو غیر ترقی یافتہ ملک کہا جاتا ہے یا اب انہیں کبھی کبھی ترقی پذیر ملک کا لقب بھی دیا جاتا ہے۔ یہ وہ ملک ہیں جو کہ سرمایہ دارانہ سامراج کے ہاتھوں کسی نہ کسی رنگ میں ایک لمبے عرصے سے شکار ہیں۔ ان ملکوں کے لئے خاص طور پر سوشلزم ایک طرف تو غربت اور افلاس اور دوسری طرف سامراجی لوٹ کھسوٹ سے سامنا کرنے کے لئے اپنے مضبوط نظام کی صورت میں دودھاری تلوار پیش کرتا ہے کیونکہ سوشلزم کا نظام اپنے اصولوں کی سچائی کی وجہ سے اور انسانی عمل کی قدر و منزلت کے طفیل مختصر ترین وقت میں معاشرے کو عدل و انصاف کی بنیادوں پر ترقی کی انتہائی منازل تک پہنچا دیتا ہے۔

سوشلزم کا نظام اسی لئے پاکستان کی دلچسپی کا موجب ہے۔ ہمارا ملک ایک غریب اور افلاس زدہ ملک ہے جو کہ سنگین اندرونی اور بیرونی سامراجی سرمایہ دارانہ سازشوں کا شکار ہے۔ ملکی دولت کے توازن کے اعتبار سے ہمارا ملک غریب ترین ملکوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس خطہ زمین پر بسنے والے بارہ کروڑ انسانوں کی غربت و افلاس کا موازنہ کسی اور ملک سے آسانی سے نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا سوشلزم کسی غیر ترقی یافتہ ملک میں اپنایا جا سکتا ہے۔ ہمیں اپنی موجودہ دور کی تاریخ صاف لفظوں میں اس سوال کا جواب "ہاں" میں دیتی ہے۔ یہ مفروضہ کہ ہر غیر ترقی یافتہ ملک ان تمام اقتصادی منازل سے ہو بہو اسی طرح گزرے جس طرح کہ مغربی ممالک سرمایہ دارانہ معاشرتی اور معاشری ادوار میں بتدریجاً" گزرے ہیں تو کہیں جا کر وہ ترقی کا منہ دیکھ سکے ہیں۔ یہ دلیل خود اپنی نفی کرتی ہے کیوں کہ اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ جب تک کسی غیر ترقی یافتہ ملک کی اقتصادی اور معاشی تاریخ کا خاکہ اسی طرح نہ ہو جس طرح کہ ترقی یافتہ یورپ ممالک کا تھا' اس وقت تک وہ ترقی کی منزلوں سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ پاکستان جس سیاسی' تاریخی اور اقتصادی ماضی مغربی عیسائی ملکوں سے بالکل مختلف ہے۔ اس کے لئے مغربی سرمایہ دارانہ نظام کی چربہ سازی سے ترقی حاصل کرنا بالکل ممکن نہیں (جب مغربی جمہوریت کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ پاکستان کے حالات کے مطابق نہیں تو مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے متعلق بھی تو یہی دلیل دی جا سکتی ہے) ______ یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ بعض مغربی عالموں نے سرمایہ دارانہ نظام کے متعلق پہلے ہی یہ دعوٰی کر رکھا ہے کہ جب تک کوئی قوم یا ملک یہودی۔ نصرانی کلچر اپنے تمام پہلوؤں سے اپنا نہ لے اس کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اقتصادی طور پر سرمایہ دارانہ نظام کو استعمال کر کے مادی ترقی حاصل کر سکے۔ تو پھر صاف لفظوں میں یہ مغربی عالم کیوں نہیں کہہ دیتے کہ غریب ملکوں کے لئے سرمایہ دارانہ نظام کو صرف اپنانا ہی ضروری نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ کا کلچر بھی اپنے گلے کا ہار بنانا ضروری ہے۔ اگر یہ بات تسلیم کر لی جائے تو پھر یہ بھی ضروری ہے کہ پاکستان جو ایک اسلامی ملک ہے اور جو اسلامی مساوات اور انصاف کی بنیادوں پر بنایا گیا ہے اور جس کا دعوٰی ہے اور ہمیشہ رہے گا کہ وہ اسلامی طرز زندگی سے کسی صورت بھی دستبردار نہیں ہو گا اور وہ تو صرف ایسے معاشی نظام کو اپنائے گا جس کے سوتے ہماری تاریخ' ہمارے کلچر اور ہمارے نظریہ حیات سے پھوٹتے ہوں اور جو ہماری موجودہ معاشی' معاشرتی مشکلات کا حل ہو۔ اسلامی نظریہ حیات نصرانی اور یہودی سرمایہ دارانہ نظام کی ضد ہے اور سوشلزم کا اقتصادی نظام ہرگز غیر اسلامی نہیں (قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کے اقوال اس کے ثبوت میں با آسانی پیش کئے جا سکتے ہیں)۔

لیکن اس کے برعکس پاکستان کی موجودہ حالت تو یہ ہے کہ اندرونی' اور بین الاقوامی سرمایہ دارانہ طاقتیں اپنے تمام وسیلوں اور سازشوں سے پاکستان

کی جڑیں کھوکھلی کر رہی ہیں اور نجی سرمایہ کاری کے بہانے سے یہ کہا جاتا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کے سوا پاکستان کی معاشی پیچیدگیوں کا اور کوئی حل نہیں۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ بہت سے مغربی ترقی یافتہ ملکوں میں سوشلزم کے اصولوں کو کھلم کھلا اپنا کر اقتصادی ترقی کے نئے راستے تلاش کئے گئے ہیں۔ لیکن یہی ملک ہم غریبوں کے لئے سوشلزم کو سم قاتل سمجھتے ہیں اور ہمیں اس "زہر" کے پاس نہیں آنے دیتے جو ان کے لئے تریاق ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کے مقامی اجارہ دار ہمارے اپنے بھائی اکثر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ صنعتی ترقی نجی سرمایہ کاری (Private Enteprise) کے بغیر ممکن نہیں۔ لیکن وہ یہ کبھی نہیں سوچتے کہ نجی سرمایہ کاری کا جو تناسب دوسرے ترقی یافتہ ملکوں میں سرکاری سیکٹر کے مقابلے میں ہے' اس لحاظ سے ہمارا ملک کہاں تک نجی سرمایہ کاری کو بے لگام رکھ سکتا ہے اور جب ہم مغربی ملکوں کے نجی سرمایہ کاری کے پہلو کو لیتے ہیں تو ہم اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ وہاں انفرادی اور شخصی آزادی ہر رنگ میں اپنی انتہا تک پہنچی ہوئی ہے۔ مثلاً ضمیر کی آزادی' گفتار کی آزادی اور اظہار کی آزادی باہم تعلقات اور ملنے جلنے کی آواز دی۔ مغربی جمہوری نظام میں اگر یہ شخصی آزادیاں بھی حاصل نہ ہوں تو یقیناً سرمایہ دارانہ نظام کی گرفت میں آیا ہوا ملک محض جبر و استبداد اور ظلم کی تصویر کے سوا اور کچھ نہ دکھائی دے۔ یہ شخصی آزادیاں اور کسی حد تک مغربی تہذیب کی بے راہروی سرمایہ دارانہ نظام کی گھٹن کو دور کرتی ہیں۔ اگر یہ شخصی آزادیاں بھی حاصل نہ ہوں تو سرمایہ دارانہ نظام حکومت کا کیا حال ہوتا ہے۔ اس کی مثال ہٹلر کی جرمنی اور ٹوجو کا جاپان ماضی قریب میں ہمارے سامنے ہیں۔ مثال کے طور پر آپ ریاستہائے متحدہ امریکہ ہی کو لے لیں جو کہ اس وقت تمام دنیا میں آزادی کی خواہاں قوتوں اور تنظیموں کے خلاف کھلم کھلا جنگ لڑ رہا ہے اور سرمایہ دارانہ معاشی نظام کا علمبردار ہے اگر وہاں سفید فام شہریوں کو مکمل سماجی آزادی کے حقوق حاصل نہ ہوں تو امریکہ میں بذات خود ایسی تباہی آئے جس کی مثال دوسری جنگ عظیم بھی پیش نہ کر سکے۔ بات دراصل یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کو کسی حد تک خوشگوار رکھنے کے لئے فرد کو بظاہر بہت حد تک شخصی آزادی دی جاتی ہے لیکن یہ شخصی آزادی کچھ ایسی ہے کہ جیسے پرندے کو پنجرے میں بند کر کے پنجرے میں آزاد چھوڑ دیا جائے۔

سوشلزم کی منزل

سوشلسٹ نظام کسی قانون کے جاری کر دینے سے ایک دن ہی میں لاگو نہیں ہو جاتا یا پھر کسی آرڈیننس یا ڈکٹیٹر کے کہہ دینے سے اس کا نفاذ نہیں ہو جاتا۔ اس کے لئے تو ایک لمبی اور کٹھن راہ پر مسلسل چلنا پڑتا ہے۔ یہ تو ایک لمبے سفر کا نشان ہے۔ ایسا سفر جس میں کئی نشیب و فراز آتے ہیں اور کبھی ظلمتوں اور کبھی ضیاؤں کے سائے میں چلنا پڑتا ہے۔ ہر منزل مسافر کے لئے باعث تسکین تو ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی نئے سفر کا اشارہ بھی اور اس طویل سفر کی ایک منزل مسافر کے لئے باعث تسکین تو ہوتی ہے لیکن ساتھ ہی نئے سفر کا اشارہ بھی اس طویل سفر کی ایک منزل آتی ہے اور دوسری منزل کا پتہ بتا کر گزر جاتی ہے۔ سوشلزم ایک ایسے مجاہد کا سفر ہے جس نے دشمن کے غاصب ہاتھوں سے اپنے وطن عزیز کو فتح کیا ہوا علاقہ قدم بہ قدم اور لحظہ بہ لحظہ واپس لینا ہے۔ اس کے دن اور اس کی راتیں صرف اسی دھن میں' اسی لگن میں گزرتے ہیں۔ جوں جوں وہ اپنے کھوئے ہوئے وطن کی طرف فاتحانہ انداز میں لوٹتا ہے۔ وہ ظلم' جبر اور جہالت کے تمام اثرات مٹاتا چلا جاتا ہے۔ وہ پرانی زمین کو اپنی ہمت' خون اور علم سے نئی زندگی عطا کرتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنے اس لمبے سفر یا جہاد کے ساتھ اپنے ملک کی کھوئی ہوئی تقدیر کو' قومی عزت اور شرف کو' علم کے سرچشموں کو تہذیب کی خوبصورت اور دلکش وادیوں کو دوبارہ دریافت کرتا ہے۔ اس لمبے سفر یا پیہم جہاد کی منزلوں میں وہ اپنے جان مال' وقت' قوت اور عزت سب کچھ وقت کر کے وطن میں تہذیب نو کے قیام کا موجب بنتا ہے۔ اس جہاد میں غم کی گھڑیاں بھی آتی ہیں۔ اور وقتی شکستیں بھی۔ لیکن یقین محکم اور اتحاد عوام کی بدولت دشمن بالآخر شکست کھاتا ہے۔ اور سامراجی نظام اپنے کیفر کردار کو پہنچ جاتا ہے۔ لیکن آخری فتح سے پہلے بہت سی مہمات سر کرنی پڑتی ہیں اور ہر مہم کے لئے ایک وقت معین ہوتا ہے۔

جب مجاہد جہاد کے سفر پر روانہ ہو تو ضروری ہے اسے اس سمت کا پتہ ہو' جدھر اسے جانا ہے کیونکہ اس سفر میں اسے بچھے بچھائے رستے نہیں ملیں گے۔ نئے رستوں کی تلاش کا دوسرا نام یہ سفر ہے۔ علاقے کے مخصوص حالات' وہاں کا ماحول' وہاں کے لوگ' ان کی عادات و اطوار اور ضروریات یہ سب اجزاء مل جل کر اس کے نئے راستوں کی نشاندہی کریں گے۔ اس لمبے سفر میں اگر کسی طرف سے اسے امداد مل سکتی ہے تو ان مجاہدوں سے یا مسافروں سے جنہوں نے ایسے ہی سفر یا جہاد اپنے اپنے ملکوں میں اور اپنے اپنے وقتوں میں کئے۔ ان کی سبق آموز سرگزشت اور اعمال اور اپنے علم و عمل کے سوا اور کہیں سے مدد کی اسے توقع نہیں رکھنی چاہئے۔

مندرجہ بالا حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس پارٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ سوشلزم کو اسلامی مملکت پاکستان میں رائج کرنا ضروری ہے اور اس سلسلے میں جتنی بھی جدوجہد کرنا پڑے' اس کے لئے ہر ممکن قربانی دینے کے لئے یہ پارٹی تیار ہے لیکن یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ محض صحیح اصولوں کا انتخاب ہی کامیابی کا ضامن نہیں ہوتا بلکہ ان اصولوں کے لئے مسلسل جدوجہد اور صحیح تنظیمی صلاحیتوں اور عوامی قوتوں کا مہیا کرنا ضروری ہے۔ پاکستان کے مخصوص حالات میں ہی سوشلزم کے اصولوں کو عملی جامہ پہنایا جا سکتا ہے۔ کسی ملک کے پہنے ہوئے کپڑوں سے کام نہیں چلے گا۔ سوشلزم کے اصولوں پر عمل درآمد ہماری مذہبی' سماجی اور ثقافتی اقدار کے مطابق ہی ہو سکے گا

اور اس کے لئے ہمیں یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ ہمارا معاشرہ اقتصادی یا معاشرتی لحاظ سے ترقی یا تنزل کی کس منزل پر ہے۔ ہم نہ اپنی تاریخ کو بھلانا چاہتے ہیں اور نہ اپنے مستقبل سے بے خبر رہنا چاہتے ہیں۔

پہلے بھی ذکر آ چکا ہے کہ پاکستان کا شمار غیر ترقی یافتہ ملکوں میں ہی کیا جا سکتا ہے۔ ان ملکوں کی اقتصادی حالت کو پہنچانے کے لئے چند ایسے آثار اور قرائن ہیں جن کا شمار مختصراً مندرجہ ذیل ہے:۔

1- گراہوا معیار معیشت اور نہایت قلیل قومی آمدنی۔
2- آبادی کی اکثریت کی صحیح غذائیت سے محرومی۔
3- ناقص اور نااہل زرعی نظام۔
4- قومی صنعت کی ابتدائی اور کمزور سطح۔
5- گراہوا معیار تعلیم مثلاً ملک کی ناخواندہ اکثریت۔
6- قدامت پسند سماجی اور معاشرتی رواج اور طریقے۔
7- وسیع پیمانے پر بے کاری اور بیروزگاری۔ خصوصاً دیہی علاقوں میں ناقص تقسیم کار۔
8- شرح پیدائش میں تیزی سے اضافہ۔
9- صنعتی سرمایہ دار ملکوں سے معاشی مدد کی توقع اور اس پر بھروسہ۔

مندرجہ بالا تمام مسائل سے پاکستان دوچار ہے۔ ان سب کا حل پیش نظر رکھ کر ہی نیا معاشی پروگرام سوشلزم کے اصولوں پر بنایا جا سکتا ہے۔ موجودہ زمانے کی رفتار اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو سکے ان تمام مسائل کو حل کیا جائے۔ اگر ترقی کی رفتار ہر ممکن کوشش سے اور ہر ممکن وسیلے سے تیز سے تیز تر نہ کی گئی تو آبادی کی رفتار چاہے اسے کتنا بھی قابو میں لانے کی کوشش کی جائے ست قدم ترقی کو پیچھے چھوڑ جائے گی۔ اس ملک میں یہ بھی لوگوں کو کہتے سنا گیا ہے کہ یہاں بے اندازہ اقتصادی اور صنعتی ترقی ہوئی ہے اور یہ ملک اس لحاظ سے مثالی ملک ہے کہ اوروں کی دی ہوئی امداد سے اتنی ترقی کر گیا۔ مگر ان قصہ گوؤں سے کوئی یہ بھی تو پوچھے کہ اس ترقی سے عوام کا معیار زندگی کس حد تک بلند ہوا ہے۔ اگر ملکی دولت سمٹ کر کچھ گھرانوں میں جا گھسی ہے تو اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ دیہاتوں اور شہریوں میں رہنے والے عوام پہلے سے اب زیادہ آرام دہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کے کئی ہتھکنڈے اس ملک میں استعمال کر کے بھی ترقی کی صورت ابھی تک ظاہر نہیں ہو سکی اور ان حالات میں نہ کوئی ایسی امید وابستہ کی جا سکتی ہے۔

موجودہ بے ہنگم اقتصادی اور معاشی نظام کی بجائے اس ملک میں سوشلسٹ نظام کو مکمل طور پر رائج کرنے میں شاید کئی سال لگیں۔ لیکن ہمیں بد دل نہیں ہونا چاہئے۔ ہماری پارٹی کا اسی لئے یہ لائحہ عمل ہونا چاہئے کہ موجودہ حالات میں جہاں تک ممکن ہو سکے سوشلزم کے اصولوں کو جاری و ساری کیا جائے تاکہ ترقی اور تبدیلی کے راستے کھلنے لگیں اور ایک ایسی فضا رفتہ رفتہ سازگار ہو جائے جس سے تمام معاشرے کی اصلاح بالآخر کی جا سکے۔

شہری آزادیاں

ہماری پارٹی کا اولین مقصد یہ ہو گا کہ ہر شخص کو جمہوریت کی صحیح اقدار کے مطابق مندرجہ ذیل حقوق حاصل ہوں۔

1- آزادیٔ ضمیر
2- زبان و اظہار کی آزادی (اس میں اشاعت کی آزادی بھی شامل ہے)۔
3- پریس کی آزادی۔
4- باہمی میل جول کی آزادی۔
5- مجلسوں اور جلسوں کے انعقاد کی آزادی۔

یہ تمام بنیادی حقوق جس معاشرے سے چھین لئے جائیں تو وہاں یقیناً آمریت کا راج ہے۔ چاہے یہ آمریت کسی طبقے کی ہو یا کسی شخص کی۔ لطف یہ ہے کہ مندرجہ بالا حقوق اکثر سرمایہ دارانہ حکومتوں میں بھی لوگوں کو دیئے جاتے ہیں اور مغربی سرمایہ دار ملکوں میں ان کا تحفظ بھی کیا جاتا ہے۔ جس نقطہ نظر سے بھی دیکھا جائے پاکستان آزادیوں کو سلب کرنے کا کسی طرح کسی کو کوئی جواز نہیں۔

کسی بھی معاشرے میں اگر لمبے عرصے تک ان شہری آزادیوں کو چھین لیا جائے تو اس کا نتیجہ سخت خطرناک ہوتا ہے۔ آزاد انسانوں کی حریت ضمیر بالآخر انہیں تشدد پر مجبور کر دیتی ہے اور جس سماج میں تشدد سے ہی اپنے حقوق حاصل کرنے کا رستہ کھلا رکھا جائے وہاں بہرحال ترقی کے راستے دشوار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ہر رنگ میں شہری آزادیوں پر پابندی معاشرے کی ترقی کے حق میں خطرناک حد تک رکاوٹیں پیدا کرتی ہے۔

چند خاص اداروں کو مضبوط کرنے کی اس لئے بھی اشد ضرورت ہے تا کہ ان شہری آزادیوں کا تحفظ صحیح رنگ میں کیا جا سکے۔ ان اداروں میں سب سے اہم ادارہ عدلیہ کا ہے۔ آئین میں عدلیہ کو مکمل آزادی حاصل ہونی چاہئے۔ اس لئے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ یا تو موجودہ آئین میں خاطر خواہ تبدیلی کر کے عدلیہ کو خود مختار اور آزاد کیا جائے اور اگر یہ ممکن نہیں تو اس آئین کی جگہ نیا آئین بنایا جائے جو جمہوری تقاضوں پر پورا اترتا ہو تاکہ عوام کو اپنے حقوق کی پشت پناہی کم از کم قانون کے ذریعے سے حاصل رہے۔ یہ قدم جتنی جلدی بھی ممکن ہو اٹھایا جانا چاہئے۔ اور اس سلسلے میں یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ تمام روشن خیال اور جمہوریت پسند سیاسی پارٹیاں یک جا ہو کر اس مطالبے کو مفید رنگ میں منوالیں۔

پیداوار کے ذرائع سوشلسٹ نقطہ نظر سے

ذرائع پیداوار کی افزائش کے سوشلسٹ نقطہ نظر کے مطابق پاکستان میں

دو طرفہ جہاد کی ضرورت ہے۔ ایک طرف تو پاکستان کو غیر ترقی یافتہ صنعتی اور زرعی حالت سے نکالنا اور دوسری طرف عدل و انصاف کی بنیاد پر ایک سماجی اور اقتصادی نظام کو رائج کرنا' یہ دونوں کام ایک ہی وقت میں تیز رفتاری کے ساتھ کرنے ضروری ہیں کیونکہ ان دونوں میں سے اگر ایک کو بھی پس پشت ڈالا جائے تو دوسرا کام خود بخود ناکام ہو جاتا ہے۔ پاکستان میں سرمایہ دارانہ معاشی نظام پر جس حد تک عمل کیا گیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ نہ تو ملکی دولت میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے اور نہ ہی عام لوگوں کی حالت سدھری ہے۔ صنعت کاری کچھ گروہوں اور کچھ خاندانوں کے دائرہ اختیار میں ضرور چلی گئی ہے لیکن اس غیر مساوی تقسیم کار اور تقسیم زر کے باوجود ملک میں نہ خاطر خواہ صنعتی ترقی ہوئی' نہ زرعی پیداوار میں اضافہ۔ البتہ بیرونی نئی سامراجی طاقتوں نے ہمیں اور بھی اپنا مرہون منت بنالیا۔

عوام کو اقتصادی لوٹ کھسوٹ سے بچانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ تمام ذرائع پیداوار کو چند لوگوں کے ہاتھوں سے لے کر (جو کہ پیدائش زر میں خود حصہ نہیں لیتے) ان وسائل کو تمام ملت کی بہبود کے لئے یکساں طور پر استعمال کیا جائے۔ اس سلسلے میں جو واضح اصول منہا کئے جا سکتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:-

1- وہ ذرائع پیداوار جن سے صنعتی ترقی کی جڑیں وابستہ ہیں یا جن سے تمام بڑی چھوٹی صنعتیں منسلک ہوتی ہیں' ان کو چند ہاتھوں میں نہ رہنے دیا جائے بلکہ حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لے۔

2- وہ تمام ذرائع پیداوارت جن سے قومی اقتصادیات کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں' عوامی ملکیت ہونی چاہئیں۔

3- زر مبادلہ کے تمام ذرائع اور ایجنسیاں مثلاً بینک' ایکسچینج اور انشورنس کمپنیاں حکومت کی ملکیت ہونی چاہئیں۔ مختصراً" مندرجہ ذیل شعبوں کو قومی اختیار میں لینا ضروری ہے۔

1- بنک کاری۔
2- انشورنس کمپنیاں
3- تمام بڑی بڑی صنعتیں (مثلاً فولاد' لوہا' سیمنٹ)۔
4- دیگر دھاتوں کی صنعتیں۔
5- بھاری انجینئرنگ کی صنعت۔
6- صنعت کاری کے لئے بڑی بڑی مشینیں اور پرزے۔
7- کیمیکل فیکٹریاں اور پٹرو کیمیکل صنعتیں۔
8- جہاز سازی
9- اسلحہ سازی
10- موٹر کار کی صنعت
11- بجلی پیدا اور تقسیم کرنے کے سامان کی صنعتیں۔
12- بجلی
13- گیس
14- تیل
15- کوئلہ

آمد و رفت کے تمام اہم ذرائع

16- ریلوے
17- جہاز رانی
18- ائیر ٹرانسپورٹ
19- روڈ ٹرانسپورٹ
20- تمام ذرائع معدنیات مثلاً کان کنی' خام دھاتوں کو کیمیائی طریقوں سے بہتر بنانا۔

نجی سرمایہ کاری صرف اسی حد تک اپنا حصہ قومی اقتصادی زندگی میں ادا کر سکے گی جس حد تک ہماری معاشرتی ضروریات اس کی اجازت دیں۔ یہاں یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ نجی سرمایہ کاری کی اجازت محض قابلیت' ہنرمندی اور جائز نفع رسانی کے اصولوں پر ہو گی نہ کہ بڑے خاندان کی سرپرستی اور نوکر شاہی کی ناجائز دھڑے بندیوں کی بنا پر' نجی سرمایہ کاری اسی حد تک نفع اندوز ہو سکتی ہے جبکہ محنت کش طبقہ اس کی نفع رسانی میں برابر کا شریک ہو۔

محنت کش طبقے کو صنعت و حرفت اور زراعت کے چھوٹے بڑے منصوبو میں احساس شرکت دلا کر ہی سوشلسٹ نظام میں معاشرے کے تمام افراد میں اتحاد' ہمت اور قوت کا احساس پیدا کیا جا سکتا ہے۔ بڑی بڑی صنعتوں کو قومیانے کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی خاص طور پر خیال رکھا جانا چاہئے کہ کاشتکاروں اور مزدوروں اور دوسرے محنت کش لوگوں کے تمام شعبوں میں مثلاً کام' تعلیم' صحت اور کھیل وغیرہ میں بہتر سے بہتر مواقع جلد سے جلد پیدا کئے جائیں۔ ہماری قومی زندگی کی ترقی کی پہلی منزل یہی امر قرار پانا چاہئے۔ اسی قدم کو اٹھا کر عوام کے اتحاد اور نئی نسل کی امیدوں اور امنگوں کو ساتھ لے کر قومی زندگی میں صحیح معنوں میں انقلاب لا سکتے ہیں۔ وہ انقلاب جس سے ہماری زندگی کی مادی اور روحانی کامرانیاں وابستہ ہیں۔

بنیادی اصول

1-مقاصد

پارٹی کا مقصد پاکستان کو عوام کی خواہشات کے عین مطابق ایک سوشلسٹ معاشرے میں ڈھالنا ہے۔

2-راہنما اصول

پارٹی اپنی پالیسی اور سرگرمیوں کے لئے مندرجہ ذیل راہنما اصول اختیار

کرتی ہے۔

ا۔ مساواتی جمہوریت یعنی غیر طبقاتی معاشرہ اور

ب۔ اقتصادی اور سماجی انصاف کے حصول کی خاطر سوشلسٹ نظریات کا استعمال

وضاحت:۔

کئی ایک پیچیدہ مسائل سے جن کا حل تلاش کرنے کی توقع ہے عہدہ برآ ہوتے وقت پارٹی اس بات کی سخت احتیاط کرے گی کہ وقتی مصلحتوں سے متاثر ہو کر اپنے نصب العین سے دور نہ ہٹ جائے۔ اگر یہ ان راہنما اصولوں کی روشنی میں کام کریگی جن میں سے پہلے کا تعلق مقصد سے اور دوسرے کا طریق کار سے ہے تو اس سے کبھی غلطی نہیں ہوگی۔

3-پروگرامی اصول

آئینی ڈھانچہ عوامی جمہوری طرز حکومت کا ہونا ضروری ہے جو عوام کے براہ راست منتخب کردہ نمائندوں کے سامنے جواب دہ ہو۔

وضاحت:۔

تقسیم ملک کے وقت پاکستان کو باضابطہ حکومت کے لئے تمام ضروری ادارے ملے تھے۔ آئین ڈور خواہ وہ عارضی ہی تھا' موجود تھا اور اس بات کی توقع تھی کہ آئین ساز اسمبلی نئی ریاست کو عوام کی خواہشات کے مطابق آئین مہیا کریگی۔ آٹھ سال کا طویل عرصہ گزر جانے کے بعد بھی آئین ساز اسمبلی نے اپنا کام پورا نہ کیا اور وقت گزرنے کے ساتھ اس کی اپنی نمائندہ حیثیت بھی ختم ہو گئی۔ اس تمام عرصہ میں آئین سازی کے کام کی تکمیل میں ناکامی کا بعد اسمبلی کا یہ دعویٰ کہ اسے ابھی تک عوام کا اعتماد حاصل تھا بعد میں ہونے والی تمام تر ابتری کا آغاز تھا۔

نوکر شاہی جسے آئین سازی میں عوام سے مشورہ کرنے میں ذرہ بھر دلچسپی نہ تھی' کی مداخلت نے حالات کو اور بھی برتر کر دیا۔ عوام کی خواہشات کو جن کا جائزہ لینے کی کبھی بھی کوشش نہ کی گئی تھی' بالائے طاق رکھتے ہوئے مخصوص لوگ آپس میں گٹھ جوڑ کے ذریعہ آئین سے متعلقہ فیصلے کیا کرتے تھے۔ یوں بنیادی آئینی مسائل بالخصوص علاقائی حقوق اور ملک کے دونوں بازوؤں کے باہمی تعلقات کا فیصلہ عوام کی منشا حاصل کئے بغیر بھی کرلینا ممکن ہو گیا۔

پہلی آئین ساز اسمبلی کو پاکستان کے لئے دستور بنانے کا فرض سونپا گیا تھا۔ اسمبلی کے ذمہ یہ فرض حقیقت میں اس معاہدے کا ایک حصہ تھا جس کی بدولت تقسیم ملک قابل عمل ہوئی۔ پہلی دستور ساز اسمبلی کے ٹوٹ جانے کے بعد پاکستان کے لئے دستور بنانے کا اختیار ختم ہو گیا۔ دوسری مرتبہ یہ اختیارات صرف پاکستان کے عوام ہی عام قومی انتخابات کی بنیاد پر کسی دوسرے ادارہ کو دے سکتے تھے لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔ اس کی بجائے غیر قانونی طریق اور دھاندلی سے صوبائی قانون ساز کے ارکان نے' جن میں سے بہت سے خود دھاندلی کے ذریعے منتخب ہوئے تھے' پاکستان کے لوگوں پر ایک اور دستور ساز اسمبلی مسلط کر دی۔ ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ دوہری رکنیت کا طریق اختیار کیا گیا جس سے دستوریہ کے اس آزاد قومی کردار کی نفی ہو گئی جو کہ دستور بنانے والے ادارے کے لئے ناگزیر ہے۔ یہ اسمبلی پہلی اسمبلی سے اس لحاظ سے مختلف تھی کہ پہلی اسمبلی تمام تر نقائص کے باوجود بغیر مزید منظوری حاصل کئے ملک کے لئے آئین بنانے کا اختیار رکھتی تھی۔ تمام اسمبلیوں کو ماسوائے ایک کے حیثیت نہیں دی جا سکتی کہ ان کے پاس دستور بنانے کا باقاعدہ اختیار تھا۔ یہی بات موجودہ آئین پر صادق آتی ہے جو مارشل لاء کی پیداوار ہے اور جسے عوام کی خواہشات سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

ابتدائی طور پر انہی وجوہات کی بنا پر ملک نے تمام تر عرصہ آئینی بحران کا سامنا کیا ہے اور آئینی مسائل کو کوئی فیصلہ کن حل ملتا نظر نہیں آتا۔ پہلے ہی کافی تلخی اور ابتری پیدا ہو چکی ہے۔ لہٰذا پارٹی اختلافات میں مزید اضافہ سے احتراز کرے گی۔ پاکستان کے عوام پارٹیوں اور محلاتی سازشوں کے پیدا کردہ آئینی تجربات سے بخوبی واقف ہیں۔ یہ عوام اور صرف عوام کا کام ہے کہ وہ اپنے ملک کے آئین کا ڈھانچہ تیار کریں جب تک انہیں فیصلہ کرنے کے حق کو بروئے کار لانے کا اختیار نہیں دیا جاتا اس وقت تک آئینی مسائل جوڑ توڑ اور پارٹیوں کے اعلانات سے طے نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا پارٹی کا اولین کام لوگوں کے جمہوری حقوق کی بحالی ہے تاکہ وہ اپنے آئینی اور سیاسی مستقبل کا فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل کر سکیں۔

پارٹی عوام کے حقوق بحال کرانے میں کامیاب ہو جانے کے بعد خاص خاص مسائل پر اپنے نظریات کا اعلان کریگی تاکہ عوام ان پر غور کر سکیں اسی وجہ سے بنیادی کام یہ ہے کہ تمام تر توجہ عوام کے حقوق کی بحالی پر دی جائے۔

ماضی کے تلخ تجربات سے سبق حاصل کرنے کے بعد پارٹی کا پختہ عقیدہ ہے کہ ہمیشہ کے لئے یہ فیصلہ صادر کرنا عوام کا کام ہے کہ پاکستان وحدانی طرز کی ریاست ہو یا وفاقی' دونوں بازوؤں کا کیا رشتہ ہو' مرکز سے کیا اور آپس میں کیا تعلق ہو' مختلف علاقوں کو خود مختاری ہو اور طرز حکومت پارلیمانی ہو۔ صدارتی ہو یا دونوں طرزوں کا مشترکہ ہو۔ وفاقی اور وحدانی دونوں طرح کی ریاست جمہوری ہو سکتی ہے اور یہی بات صدارتی اور پارلیمانی طرز حکومت کے بارے میں کہی جا سکتی ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان تمام مسائل پر عوام کی رائے معلوم کی جائے جن کا حل تجریدی اصولوں پر دلیل بازی سے نہیں ڈھونڈا جا سکتا۔

اوپر بیان کئے گئے اصول کے مطابق مرکزی اور صوبائی قانون ساز

اسمبلیاں بالغ رائے دہی سے براہ راست انتخاب کے ذریعے منتخب ہوئی ضروری ہیں اور ان کا انتخاب انتخابی اداروں کے ذریعے سے نہیں ہو گا۔ اپنے نمائندے منتخب کرنے میں عوام کی براہ راست شرکت بدعنوانیوں کی روک تھام کی براہ راست اور بہترین گارنٹی ہوتی ہے۔ بالواسطہ انتخاب کا نظام صاحب اقتدار حکومت کو بدعنوانی اور سازشوں کا انتہائی سہل طریقہ مہیا کرتا ہے کیونکہ اس کے پاس ماتحت انتظامیہ اور عوام کا خزانہ اس کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔ براہ راست انتخابات کے نظام میں غیر مقبول حکومت کے پاس اتنا پیسہ کبھی نہیں ہو سکتا جس سے تمام عوام کو خریدا اور انتخاب جیتا جا سکے۔ اس کے برخلاف بالواسطہ طریق انتخاب میں کیونکہ ووٹروں کی تعداد محدود ہوتی ہے اس لئے انہیں آسانی سے رشوت دی جا سکتی ہے۔ کسی ملک کی تمام آبادی کو اپنے حق میں استوار کرنا ناممکن ہے۔ جب چند افراد کو جو انتخابی اداروں کے ارکان ہوں تنگ کر کے یا ان کے ساتھ رعایت کر کے متاثر کرنا مشکل نہیں ہے۔

2- زن و مرد کا حق بالغ رائے دہی:-

وضاحت:-

اگر حق رائے دہی سب کے لئے یکساں ہو تو جائداد اہلیت کا کوئی معیار نہیں۔ ووٹ دینے کا حق بلا رکاوٹ استعمال ہونا چاہیئے۔ رجسٹریشن فیس کا نفاذ غریب طبقہ کے ووٹروں کو ختم کرنے کا ذریعہ بن سکتا ہے اس لئے اسے اور جائداد کو اہلیت قرار دینا ووٹ کے آزادانہ حق استعمال کی راہ میں ایک رکاوٹ تصور کیا جانا چاہیئے۔ ووٹ دینے کے حق کو جائداد تعلیم یا کسی اور قسم کے معیار پیدائش وغیرہ سے محدود کرنا قدرتی طور پر جمہوری نظام کی نفی ہے۔ زن و مرد کا حق بالغ رائے دہی اس ملک کو مخصوص مفادات یا چند طاقت ور خاندانوں یا ایک ہی خاندان کی جاگیر بننے سے روک سکتا ہے۔

3- انسانی حقوق کا جائز لحاظ

شہری آزادیوں کا مکمل تحفظ ہونا چاہیئے۔ خصوصی طور پر

(الف) آزادی فکر
(ب) آزادی اظہار (تحریری و تقریری)
(ج) اخبارات کی آزادی
(د) اجتماع کا حق
(ع) آزادانہ میل ملاقات کا حق۔

وضاحت:-

ایسا معاشرہ جس میں شہری آزادیاں نہ ہوں یا برائے نام ہوں غلاموں کا معاشرہ کہلاتا ہے جب شہری آزادیاں چھن جائیں تو بدعنوانی، آمریت، پولیس کا تشدد، ثقافتی اور اخلاقی انحطاط جیسی برائیاں قوم کے جسم میں جڑ پکڑ جاتی ہیں۔ اس وقت جمہوریت کا وجود باقی نہیں رہتا۔ پاکستان میں یہی صورت حال درپیش ہے۔ حکومت جسے اس بات کا بخوبی علم ہے کہ وہ ان لوگوں کی مرضی کے خلاف ان پر حکومت کر رہی ہے اچھی طرح جانتی ہے کہ عوام کو بیش قیمت شہری آزادیوں سے محروم رکھ کر ہی اپنے اقتدار کو قائم رکھ سکتی ہے۔ حکومت نے یہ کائی طریقوں سے کیا ہے مثلاً اخبارات پر پابندی لگا کر جنہیں اگر کسی بات کو شائع کرنے کی اجازت بھی ہے تو اسی صورت میں جب وہ حکومت کے ناقدین کے نظریات کو مسخ کر کے شائع کریں۔ وہ اخبارات اور پبلشر جو حکومت کی پالیسیوں سے اختلاف کرتے ہیں، ان پر ایسے طریقوں کے ذریعے بھاری مالی بوجھ عائد کئے جاتے ہیں جو بظاہر قانون نظر آتے ہیں، جان بوجھ کر عوام کے جلسے جلوس منعقد کرنے کے حق کو سلب کر کے جنگ کے زمانے کے ہنگامی قوانین جاری رکھ کر جب کہ ہنگامہ مدت ہوئی ختم ہو گیا اور حکومت پاکستان کے دعووں پر زور دینے میں نہیں، بلکہ قانون کا شائبہ تکلفاً" بھی نہیں پایا جاتا۔ ہر شہری کے سر پر ناجائز گرفتاری اور قید کے خوف کی تلوار لٹک رہی ہے۔

بنیادی حقوق کی بحالی کے لئے عمل کرنا فوری ضرورت ہے جس کے لئے ہر جمہوری پسند سیاسی پارٹیوں کو پوری قوت کے ساتھ کوشش کرنی چاہیئے۔ یہ وہ ضرورت ہے جس پر تمام مخالف جماعتیں تعاون کر سکتی ہیں خواہ ان کے درمیان نظریات اور مقاصد کے کتنے ہی اختلافات کیوں نہ ہوں۔ پارٹی بغیر کسی تکلف کے تمام پارٹیوں کے ساتھ عوام کے گمشدہ شہری حقوق کی بحالی کے لئے تعاون کرنے کا تیار ہے۔

کسان اور کارکن طبقہ کو قومی آمدنی کے پیدا کرنے والوں کی حیثیت سے اپنی مزدوری کا پورا صلہ حاصل کرنے کا پورا حق ملنا چاہیئے۔ تمام زرعی اور صنعتی منصوبے محنت شاقہ کرنے والے عوام کی بہبود کے نقطہ نظر سے بنائے جانے چاہئیں۔

وضاحت:-

اس اصول میں اقتصادی اور معاشرتی انصاف کی بنیادی ضرورت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ موجودہ حالات میں کارکن عوام، جن میں کم تنخواہ پانے والے ملازمین بھی شامل ہیں، چند اہل ثروت خوش نصیبوں کے ہاتھوں میں بے بس کٹھ پتلیاں ہیں۔ موجودہ حکومت میں بلند و بانگ دعووں والے تمام اقتصادی منصوبے اس طرح ترتیب دیئے جاتے ہیں کہ امیر، امیر تر ہوتے جا

رہے ہیں اور قومی آمدنی کے اصل پیدا کرنے والے ہمیشہ کی طرح آج بھی بے یارومددگار ہیں۔ اگر عوام کو کوئی معمولی سا فائدہ پہنچتا ہے تو وہ محض اتفاق ہوتا ہے خاص طور پر صنعتی منصوبے جان بوجھ کر اس طرح بروئے کار لائے جاتے ہیں جس سے دولت نہایت آسانی سے چند چہیتوں اور لاڈلوں کی جیب سے چلی جاتی ہے۔ ان حالات میں بددیانتی کو فروغ حاصل ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ ہر جائز و ناجائز طریقے سے دولت حاصل کرنے کی ہوس قومی اخلاق کو تباہ و برباد کر رہی ہے۔ مزید برآں اقتصادی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ بددیانتی کا مادی نقصان بے تحاشا اقتصادی نقصان کی صورت میں ہو رہا ہے جو بہرحال عوام پر ایک بوجھ ہے۔

دولت اور اہم صنعتوں کو قومی ملکیت قرار دینا تاکہ

ا۔ صنعتی ترقی تیز کی جائے

ب۔ چند خوش نصیبوں کے ہاتھوں عوام کے استحصال کو روکنا اور

ج۔ پاکستان کے اندرونی معاملات میں غیر ملکی مداخلت ختم کر دی جائے۔

وضاحت:۔

یہ اصول سوشلسٹ نظریہ کے عین مطابق ہے جو تجربہ سے یہ ثابت کرتا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام میں ذرائع پیداوار کی نجی ملکیت عوام کے استحصال کا باعث ہے۔ کسی ملک کی معیشت پر اہم صنعتوں کے مالکوں کا قبضہ ہوتا ہے جو کہنے کو صنعتی ترقی کے ذمہ دار کہلاتے ہیں۔ اگر اہم صنعتیں اور بنک نجی ملکیت میں ہوں تو ملک کی صنعتی ترقی چند امیر آدمیوں کے رحم و کرم پر رہے گی۔ کسی غیر ترقی یافتہ ملک میں اس وقت تک صنعتی ترقی ممکن نہیں ہے۔ جب تک ریاست خود فولادی، بھارتی مشینری اور ادویاتی جیسی اہم صنعتوں کو اپنے ہاتھ میں نہ لے۔ جہاں تک نجی شعبہ کا تعلق ہے، اسے مناسب حالات میں پھلنے پھولنے کا موقع ملنا چاہئے یہ مناسب حالات صحت مند مقابلے سے ہوتے ہیں نہ کہ سرکاری امداد کے پردے کے پیچھے ______ مقابلے کی فضا میں ہی نجی تجارت بہتر طریقے سے ہو سکتی ہے اور عوام کو اجارہ داروں کے استحصال سے بچایا جا سکتا ہے۔

پاکستان میں حکومت نے بہت سی صنعتیں قائم کیں اور جب وہ منافع بخش ثابت ہو رہی تھیں تو انہیں نجی افراد کے ہاتھوں میں دے دیا گیا۔ اگر سرمایہ دار کسی صنعت کے شروع کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے تھے تو پھر نجی کوششوں کی تعریف کرنا بکواس ہے۔ سرمایہ کاری ختم کرنے کی شرپسندانہ پالیسی ختم ہونی ضروری ہے۔

جس طرح آج کل پاکستان کے صنعتی منصوبے بنائے جاتے ہیں اور ان پر عمل درآمد کیا جاتا ہے اس سے غیر ملکی مفادات کو پاکستان میں دخیل ہونے کا موقع ملتا ہے۔ ایسا نظام جس سے نجی ادارے براہ راست غیر ملکی امداد سے بہرور ہوں۔ بیرونی طاقتوں کے ملکی معاملات میں دخل دینے کا راستہ کھولنے کا باعث ہے۔ قومی ملکیت میں لینے کے ضروری اقدامات اس بدعت کو ختم کر دیں گے۔

2۔ زرعی اقدامات جن سے رہی سہی جاگیردارانہ ذہنیت کے ہاتھوں کسانوں کا استحصال ختم کیا جائے۔ کسان طبقہ کو "اپنی امداد آپ" اور "امداد باہمی" کے گروہوں میں منظم کرنے کے لئے ٹھوس اقدامات کرنا۔

وضاحت:۔

پارٹی جاگیردارانہ نظام کے مکمل خاتمے کے لئے سوشلزم کے تسلیم شدہ اصولوں کے ماتحت واضح اقدامات کرے گی تاکہ کسانوں کے مفاد کو بڑھایا جائے اور ان کا تحفظ کیا جا سکے۔

ان زرعی اصلاحات نے جو پہلے ہی نافذ کی جا چکی ہیں ملک کے متعدد علاقوں میں پائے جانے والے جاگیردارانہ نظام کو بڑی حد تک ختم کر دیا ہے تاہم ابھی اس نظام کے کچھ نشانات موجود ہیں جنہیں ختم کرنا ضروری ہے۔ ضروری اصلاحات نے تنہا تمام اہم زرعی مسائل کو ختم نہیں کیا ہے۔ سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ زرعی پیداوار کو اس سطح تک پہنچایا جائے کہ ملک کی تمام غذائی ضروریات پوری ہو جائیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس وقت تک آبادی کے سالانہ اضافے کے برابر اضافہ ہو جب تک آبادی کے اضافے پر قابو نہ پا لیا جائے۔ یہ معاملہ صرف زیادہ پیداوار دینے والی گندم کی اقسام متعارف کرنے کا نہیں ہے۔ اگرچہ اس سے بھی بہت امداد ملتی ہے تاہم اس کے لئے کاشتکاری کے طریقوں میں انقلاب لانے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے کاشت کاروں کے نظریات تبدیل کرنے کی ضرورت ہے جو پشت ہا پشت سے اپنے حکام کے لئے دولت پیدا کرنے کے لئے استعمال کئے جاتے رہے ہیں۔ انہیں اب قومی آمدنی میں سے ان کا جائز حصہ ملنا چاہئے۔

اس سلسلے میں متعدد دشواریاں درپیش ہیں۔ کاشتکاروں کو اس کی پیداوار کی مناسب قیمت کی ضمانت ہونی چاہئے۔ اسے کم سے کم ممکن قیمت پر بیج، کھاد اور زرعی اوزار ملنے چاہئیں۔ جہاں کہیں بھی جدید مشینوں کے استعمال سے زیادہ پیداوار حاصل ہو سکتی ہو وہاں یہ مشینیں مہیا کرنی چاہئیں اور کاشت کار کو ان کے استعمال اور دیکھ بھال کی تربیت دی جانی چاہئے۔

زرعی زمین کے بہتر استعمال کے لئے متعدد میدانوں میں سرمایہ کاری کی ضرورت ہے۔

ماضی میں کاشت کار استحصال کا شکار رہے ہیں کیونکہ ان میں اپنے مفادات کی حفاظت اور اضافے کے لئے تنظیم اور ذرائع کا فقدان رہا ہے۔ اپنی مدد آپ کے اصولوں اور امداد باہمی کے گروہوں کی تنظیم کاشتکاروں کی حالت بہتر بنانے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ بہت سے مسائل ایسے ہیں جو محض اوپر سے بیٹھ کر حکم چلانے سے حل نہیں کئے جاسکتے۔ بہتر طریقہ یہ ہے کہ کاشت کاروں کو منظم کرنے کے لئے ان کی امداد کی جائے۔

امداد باہمی کے تجربات کی تاریخ ہمارے ملک میں مایوس کن رہی ہے۔ اس کی ناکامی کی وجہ اشتراکی منصوبوں کے لئے ضروری نظریہ کا فقدان ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر کہ فوری مقصد ملک کو غذائی پیداوار کے میدان میں خود کفیل بنانا ہے۔ اور کیونکہ اس سلسلے میں کچھ اصلاحات پہلے ہی نافذ کی جا چکی ہیں اس لئے اب زمین کے نظام میں تبدیلی کرکے بے چینی پیدا کرنے سے پیداوار پر برا اثر پڑے گا۔

7- ٹریڈ یونین کا استحکام۔ ہڑتال کا حق ناقابل تردید۔ آئی ایل او کے اصولوں کا اطلاق

پاکستان میں ٹریڈ یونین اندریں حالات بہت کمزور اور منقسم ہونے کی وجہ سے اپنی تنظیم کا مقصد یعنی مزدور طبقہ کی ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہیں۔ موجودہ حکومت جس کی اقتصادی پالیسی ایک مختصر سے گروہ کو امیر تر بنانا ہے' سے ہم یہ توقع نہیں کرسکتے کہ وہ ٹریڈ یونین کو بھی وہ مقام دے گی جو کہ وہ مل مالکوں کو دیتی ہے کیونکہ مل مالک کو حکمرانوں تک رسائی حاصل ہے جو خود بھی کارخانوں کے مالک ہیں۔

ٹریڈ یونینوں کے کمزور ہونے کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ فیکٹری یونین کا ٹریڈ یونین سے تعلق مضبوط نہیں ہو سکا۔ چنانچہ ٹریڈ یونین تحریک اب تک مایوس کن حد تک بکھری ہوئی ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ بڑی بڑی یونین مزدوروں کے مختلف طبقوں کے مطابق بنائی جائیں جیسا کہ کپڑے کی مختلف ملوں کے مزدوروں کی ایک ملک گیر تنظیم۔ دھات کی ملوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی ایک ملک گیر تنظیم۔ گودیوں میں کام کرنے والوں کی ملک گیر تنظیم وغیرہ وغیرہ۔ اس کے اوپر ٹریڈ یونینوں کی ایک کونسل بنائی جائے جو کہ تمام ملک کی ٹریڈ یونینوں کی نمائندگی کرے اور مزدور طبقہ کو اپنی متفقہ رائے ملک کے اندر اور باہر دینے میں مدد دے۔

پارٹی مزدوروں کو ان کا ہڑتال کرنے کا حق دے گی جو کہ ان کے لئے اپنے حقوق منوانے کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ اگر مزدوروں سے ہڑتال کا حق چھین لیا جائے تو ان کے پاس اپنے حقوق منوانے کا کوئی ذریعہ نہیں رہتا۔

یہ بات عیاں ہے کہ آئی ایل او کے اصول' ریاست' آجر اور مزدور کے درمیان تعلقات کی بہترین صورت میں ملک میں لاگو کئے جائیں۔ خصوصا جب کہ وہ انسانی بنیادی حقوق کے مطابق ہیں۔

8- کم از کم اجرت کا تعین

وضاحت:-

مزدوروں اور ملازمت پیشوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے یہ ایک نہایت اہم ضرورت ہے۔ بیروزگاری کی وجہ سے جو لوگ روزگار کی تلاش کرتے ہیں وہ ایک دوسرے کے خلاف خود کو پیش کرتے ہیں اور اجرت کو اس معیار پر لے آتے ہیں جو کہ ان کی ضروریات زندگی کا مشکل سے کفیل ہو سکتا ہے۔ کم اجرت سے ملازمت کے مواقع بڑھتے نہیں بلکہ آجر کے لئے زائد منافع میسر ہوتا ہے۔ کم از کم اجرت کے تعین سے ملازمتوں پر زد نہیں پڑے گی بلکہ مزدوروں کو موجودہ وسیع بے روزگاری کے سبب ناجائز استحصال کا شکار نہ بننے کی ضمانت ملے گی۔

9- قومی سطح پر کسانوں اور مزدوروں کے لئے صحت عامہ کی سہولتیں اور بعد ازاں ہر طبقے کے لئے

وضاحت:-

صحت عامہ کی سہولتیں کی ضرورت روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ یہ سہولتیں سب سے پہلے وہاں مہیا کی جائیں جہاں پر ان کی سب سے زیادہ ضرورت ہے یعنی غریبوں کے لئے جو ڈاکٹروں کو فیس دینے کی استطاعت نہیں رکھتے۔

10- عوام میں تحریک پیدا کرنا

وضاحت:-

عوام آج بھی تقریبا انہیں حالات سے دوچار ہیں جن میں وہ برطانوی نو آبادیاتی نظام کے تحت تھے۔ ان سے ہر وقت یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ حکم بجا لائیں گے نہ کہ وہ خود میں سے کوئی ایسی قیادت پیدا کریں جو ان کو اپنی بہترین کے لئے جو کچھ بھی ذرائع ان کو حاصل ہیں بروئے کار لانے کی تربیت دے۔ غیر ترقی یافتہ ممالک کو بیروزگار عوام کی پیداواری صلاحیتوں سے بڑی توقعات وابستہ ہیں۔ اگر ان کو منظم کرکے اپنی مدد آپ کرنا سکھلایا جائے تو وہ اس بات کے اہل ثابت ہو سکتے ہیں کہ وہ اپنی اقتصادی حالت میں تبدیلی لانے کے

لئے معجزات تبدیلی لے آئیں۔

نہ صرف بیروزگاری بلکہ نیم روزگاری ملک کے ہر حصے میں ایک بہت بڑے پیمانہ پر پائی جاتی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ان انسانی ذرائع کو جو کہ ضائع ہو رہے ہیں کس طرح اچھے مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے۔ اگر ان ہاتھوں کو جو کہ بے کار ہیں ان کاموں کے لئے استعمال کریں جو قومی غربت کی وجہ سے ناکارہ پڑے ہیں تو غربت پر خود بخود قابو پایا جاسکتا ہے۔

وہ لوگ جو فوراً بیکار ہیں خواہ کام پر لگادیئے جائیں یا بیکار ہی رہنے دیئے جائیں ان لوگوں کی خوراک کپڑا' رہائش ہر حال میں مہیا کرنی ہی پڑتی ہے۔ موجودہ حالات میں وہ قومی اقتصادیات پر بوجھ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کو منظم جماعتوں میں کام پر لگانے سے قوم پر کوئی بہت بڑا اضافی بار نہ ہو گا۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ دخانی انجن کی ایجاد سے پہلے بڑے کام جو کہ اب بھی ہماری پسماندیدہ یادگاریں ہیں' انسانی محنت ہی سے پایہ تکمیل تک پہنچے۔ روسی قوم نے سڑکیں بنانے کے لئے کبھی بل ڈوزر استعمال نہیں کئے۔ ولندیزیوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے لئے سمندر سے زمین حاصل کی اور اس کی طغیانیوں کو اپنی سرزمین سے دور رکھا۔ پھاوڑا اور بیلچہ جیسے سادہ آلات کے ذریعے سڑکیں بچھائیں جاسکتی ہیں' نہریں کھودی جاسکتی ہیں' دلدلی دور اور بنجر زمین سرسبز کی جاسکتی ہیں۔ ہمیں ہاتھ پر ہاتھ دھرے اس بات پر نہیں بیٹھے رہنا چاہئیں کہ سرمایہ دار ان کاموں کے لئے مہنگی مشینیں درآمد کریں جو کہ ان کے بغیر ہو سکتے ہیں۔ رضاکار مزدوروں کے دستوں کی تنظیم سے ایک یہ فائدہ بھی ہے کہ اس قسم کی تنظیم سے عوام کو صفائی اور صحت عامہ کے متعلق ہدایات دینے میں بھی سہولت ہو گی۔ مزدور دستوں کی تنظیم کی بدولت عوام میں صفائی اور شہریت کا شعور پیدا کرنے میں امداد ملے گی۔

11-جہالت کا خاتمہ۔ تعلیم کا مقصد غیر طبقاتی معاشرے کا قیام ہونا چاہئے

وضاحت:

تعلیم وہ منافع بخش اور بہترین سرمایہ ہے جو کسی بھی قوم کے پاس ہو سکتا ہے۔ جتنی زیادہ جہالت ہو گی اتنی ہی زیادہ غربت ہو گی۔ تعلیم کے فروغ کے بغیر اقتصادی یا سماجی ترقی ممکن نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اولین کام جہالت کا دور کرنا ہے۔

ہمارے ملک میں تعلیم کا معیار شرمناک حد تک کم ہے اور اگر معیار بلند کرنے کے لئے جلد کوششیں نہ کی گئیں تو آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے ترقی کے راستے محدود ہو جائیں گے۔ اعلیٰ تعلیم کھاتے پیتے گھرانوں کے لئے مخصوص نہیں ہونی چاہیے' بلکہ عوام کی قابل بیٹیوں اور بیٹوں کے لئے اعلیٰ تعلیم کے مواقع میسر ہونے چاہئیں۔

تعلیم کا ایک جامع منصوبہ اہم ترین ضرورت ہے لیکن یہ توقع نہیں ہے کہ ایک ایسی حکومت ایسا منصوبہ تیار کرے گی جس کا مقصد صرف امیر طبقہ کی بہبود ہو۔

12-عوام کی ثقافتی زندگی کی ترقی

وضاحت:

بنی نوع انسان کی زندگی اپنی ثقافت کی مرہون منت ہے اور ثقافت ہی ایک انسان کی ذہنیت کا اظہار ہے۔ پاکستان کی خوش قسمتی ہے کہ یہاں کئی قسم کی ثقافتیں پائی جاتی ہیں۔ اگر ان کو ترقی دی جائے تو پاکستان اس لحاظ سے اور زیادہ خوش قسمت بن جاتا ہے۔

13-ملکی زبانوں کی تیز تر ترقی تاکہ وہ غیر ملکی زبانوں کی جگہ لے سکیں جو ملکی معاملات میں مستعمل ہے اور تمام علاقائی زبانوں کی ترویج

وضاحت:

یہ اصول اس لئے واضح ہے کہ اس کے لئے کسی قسم کی توضیح کی ضرورت نہیں ہے۔ پاکستان ہمیشہ کے لئے ایک غیر ملکی زبان پر انحصار نہیں کرسکتا۔ ذود یا بدیر ملکی زبانوں کو اس کی جگہ لینی ہے تاہم اس کے لئے خاصی تیاری کی ضرورت ہے اور ملکی زبانوں کی بتدریج ترقی اس کے آئندہ کردار کے لئے ضروری ہے۔ علاقائی زبانیں جو کہ ان لوگوں کو عزیز ہیں جو انہیں بولتے ہیں' اپنے حقوق رکھتی ہیں۔ یہ پرانی زبانیں ہیں' ان میں سے چند کے پاس ادب کا قابل قدر سرمایہ بھی ہے اور وہ لاکھوں انسانوں کا ذریعہ اظہار ہیں۔ ان علاقائی زبانوں کی نشوونما ملک کی ترقی کے لئے مددگار ثابت ہو گی اور لوگوں کی زندگی کو خوشتر بنائے گی۔

14-عورتوں کے لئے مساوی حقوق

وضاحت:

ملک کی آدھی آبادی عورتوں پر مشتمل ہے۔ عورتوں کی فلاح و بہبود نہ

صرف ان کی بہتری کے لئے ضروری ہے بلکہ اس کا تعلق ملکی ترقی کے لئے بھی ناقابل تردید ہے۔

اچھے گھر اس صورت میں کبھی نہیں بن سکتے اگر عورت کو علم اور مغلوب رکھا جائے۔ غیر مطمئن گھرانوں سے غیر مطمئن شہری ہی پیدا ہوتے ہیں۔ ماں بچہ کی پہلی استاد ہے اور وہی اسے قومی ثقافت کا پہلا راہ دکھاتی ہے۔ اس لئے ہمارے ملک کی ترقی صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب عورت اپنے جائز حقوق حاصل کرے۔

15- انتظامیہ اور عدلیہ کی علیحدگی
عدلیہ کی آزادی

وضاحت:

اگر انتظامیہ اور عدلیہ کو الگ نہیں کیا جاتا تو جہاں حکومتی ادارے مسلسل طور پر یکطرفہ فیصلہ کرتے رہیں گے۔ ایک عام فرد کو کبھی بھی یہ احساس نہ ہو گا کہ اس کے ساتھ اس کے ساتھ قانون کی منشا کے مطابق سلوک کیا جا رہا ہے' نہ کہ اسے مصلحتوں کی بھینٹ چڑھا دیا گیا ہے۔

یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ نہ صرف انصاف کیا جائے بلکہ یہ ظاہر ہو کہ انصاف کیا جا رہا ہے۔ شہری حقوق کبھی بھی مکمل طور پر محفوظ نہیں ہو سکتے جب کہ ایک منتظم خود ہی منصف بھی ہو۔

اگر عدلیہ آزاد نہیں ہے تو انصاف کبھی بھی احسن طریقہ سے نہیں کیا جا سکتا۔ جج اور مجسٹریٹ صاحبان کو کبھی بھی اس صورت حال کا سامنا نہیں ہونا چاہئے جہاں پر انتظامیہ کا دباؤ ان پر ہو مہلک بے انصافیاں عموماً انتظامیہ کی عدلیہ میں مداخلت سے پیدا ہوتی ہیں۔

16- فرسودہ قوانین کا خاتمہ

وضاحت:

ہمارا ملک آج بھی ان فرسودہ قوانین کے زیر بار ہے جو کہ موجودہ دور سے مطابقت نہیں رکھتے۔ اگر وہ صرف ایک عجائب گھر کے بے ضرر نشان ہوتے تو اس سے بہت کم فرق پڑتا لیکن وہ نہایت ہی مہلک بیماریاں ہیں۔ ان کو ختم کرنا چاہئے۔

17- آزادی علم اور یونیورسٹیوں کی خود مختاری

وضاحت:

یہ بات بلاوجہ نہیں ہے کہ صدیوں سے تعلیمی آزادی کو حصول علم کے لئے ناگزیر سمجھا جاتا رہا ہے' یہ آزادی اور دانشورانہ زندگی کی جان ہے۔ وہ حکومتیں جو اپنا مطمع نظر ان فوری مقاصد کو بناتی ہیں جو ان کے حامیوں کو آسانی سے مل سکے تعلیمی آزادی کو ہمیشہ تخریب پسندی سے تعبیر کرتی ہیں کیونکہ ایک رجعت پسند حکومت کے حصول مقاصد میں ہر قسم کی آزادی رکاوٹ بنتی ہے اس لئے تعلیمی آزادی بھی اسکی نظر میں ہولناک ہے اور اسی لئے رجعت پسند حکومت کے ہاتھوں خراب ہوتی ہے۔ یونیورسٹیوں کی خود مختاری سلب کرنے کے بعد انہیں ماتحت بنا لیا جاتا ہے۔ نتیجتاً" پولیس یہ حکم دیا کرے گی کہ تعلیمی نصاب میں کیا ہونا چاہئے۔

پارٹی نے عزم صمیم کیا ہے کہ پاکستان کی یونیورسٹیوں کی خود مختاری اور تعلیمی آزادی بحال کی جائے گی اور اس کی حفاظت کی جائے گی۔

18- قومی تعمیر کے لئے نوجوانوں میں تحریک پیدا کرنا

وضاحت:

نوجوان قوم کے مستقبل کے مالک ہیں۔ ایک غیر ترقی یافتہ ملک میں نوجواں طبقہ سب سے سرگرم' فہیم اور کھلے ذہن کا مالک ہوتا ہے۔ قومی تعمیر و ترقی میں ان کی شرکت فوری فائدے اور اس امر کی ضامن ہوتی ہے کہ مستقبل میں قوم کے پاس شہریت کا شعور رکھنے والے باہمت شہری ہوں گے۔

19- قومی دفاع میں عوام کی شرکت کا حق

وضاحت:

ہمیں اپنی افواج کی جرات اور کارکردگی پر بھرپور اعتماد ہے۔ ان کا امتحان میدان جنگ میں ہو چکا ہے اور ان کا شاندار کارنامے تمام قوم کے لئے باعث فخر ہیں۔ ہمارے عوام کے دلوں میں شہدیوں اور غازیوں کی قربانیوں کی یاد ہمیشہ تازہ رہے گی۔

دفاع کا فرض تمام قوم پر عائد ہونا چاہئے تاہم سرگرم فرائض پیشہ ور سپاہیوں ملاحوں اور ہوا بازوں کے ذمہ ہونے چاہئیں۔ آج کے دور میں تمام جنگیں مکمل جنگیں ہوتی ہیں' ان کی لپیٹ میں تمام آبادی آتی ہے لہٰذا دفاع

کے فرض سے کوئی بھی علیحدہ نہیں رہ سکتا۔

پاکستان کے جغرافیائی حالات کا تقاضا بھی یہی ہے کہ عوام ملکی دفاع میں شریک ہوں۔ چونکہ ملک کے کسی بھی بازو میں اتنی جگہ نہیں ہے کہ دفاع کو اندر تک رہ کر کیا جا سکتا ہے اور روایتی طور پر جنگ لڑی جا سکے۔ اگر عددی تعداد میں بہت زیادہ دشمن پیشہ ور سپاہیوں کی دفاعی لائن توڑنے میں کامیاب ہو جائے تو تمام ملک تباہی کے لئے بے یارومددگار رہ جائے گا۔

ویت نام کی جنگ نے بہت سے سبق سکھائے ہیں جن میں سے سب سے اہم سبق یہ ہے کہ مسلح عوام کامیابی کے ساتھ حملہ آور کی مزاحمت کر سکتے ہیں خواہ وہ کتنا ہی طاقت ور کیوں نہ ہو۔ ہمارے مسئلے کا جواب یہ ہے کہ عوام کو جنگ کی تربیت دی جائے اور مسلح کیا جائے۔ یہ مقصد ملک میں ملیشیا بنا کر حاصل کیا جا سکتا ہے جسے پیشہ ور سپاہی تربیت دیں اور وہی کمان کریں گے۔

کیونکہ ہمارے ملک کو بھارت کی طرف سے فوجی اقدام کا مسلسل خطرہ ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم ہر متوقع جارح کے خلاف حفاظت کا بندوبست کریں۔ ہمارے پاس ایٹم بم نہیں ہے اور کبھی بھی نہیں ہو گا تاہم جیسا کہ ویت نام کی جنگ نے دنیا پر ثابت کر دیا ہے کہ بہترین ذریعہ فورا حاصل کیا جا سکتا ہے اور وہ ذریعہ ہے مسلح عوام جو وطن عزیز کی حفاظت کے لئے تیار ہوں۔ اس کا متبادل یہ ہے کہ بلیک میل کے زیر سایہ زندگی گزاری جائے اور امن کے نام پر اپنے قومی حقوق چھوڑ دیئے جائیں۔

پارٹی دونوں بازوؤں اور ملک کے ہر حصہ میں عوامی ملیشیا بنانے کی حامی ہے۔

معیشت کا ارتقاء

تقسیم کے بعد پاکستان جہاں کہ عملاً "کوئی صنعت تھی ہی نہیں سامراج کی ایک پالتو معیشت بن گیا جو اپنی زرعی پیداوار' قدرتی وسائل اور معمولی صنعتی پیداوار کو نو آبادیاتی طاقتوں کے ہاتھ بیچنے میں مگن رہا۔ یہ برطانوی راج کا تحفہ تھا۔

گماشتہ سرمایہ دار اسی وقت تک اپنا وجود قائم رکھ سکتا ہے جبکہ اس کی ملکی برامد بین الاقوامی منڈی میں مستقل اپنی قیمت نہ کھوئے اور جب تک اس کی حکومت تجارت پہ پابندی عائد نہ کرے۔ یہ دونوں شرطیں بہت تھوڑا عرصہ پوری رہ سکیں۔ دو واقعات نے حالات کو رخ بدلنے پر مجبور کر دیا۔

1- سٹرلنگ کی قیمت میں کمی۔

2- جنگ کوریا کے بعد خام مواد کی قیمتوں میں دنیا بھر میں سرد بازاری۔

برطانیہ نے 1949ء میں جب پونڈ کی قیمت کم کی تو پاکستان نے اس کی پیروی کرنا ضروری نہیں خیال کیا۔ پاکستانی گماشتہ سرمایہ دار کو یہی توقع تھی کہ کم قیمت سٹرلنگ سے وہ برطانوی اور اس کے ساتھ ہی ہندوستانی مال بھی سستے داموں خرید سکے گا اور دوسری طرف یہ کہ برطانیہ اور ہندوستان دونوں کے پاس پٹ سن خریدنے کے کوئی متبادل ذرائع نہیں ہیں۔ اس لئے وہ پاکستانی قیمت ادا کرنے پر مجبور ہوں گے۔ پاکستان کی دوسری بڑی برآمدی جنس یعنی روئی کی قیمت چونکہ بین الاقوامی منڈی کے حالات سے مقرر ہوتی ہے۔ اس لئے اس پر کوئی برا اثر نہیں پڑے گا۔ ہوا یہ کہ ہندوستان نے پاکستانی پٹ سن خریدنے سے انکار کر دیا۔ برطانیہ کو جتنی بھی پیداوار بیچی جا سکتی باقی ماندہ کے لئے پاکستان کو جلد از جلد بڑے پیمانے پر مصنوعات کی استعداد پیدا کرنی پڑی تاکہ ہندوستانی نقصان کو پورا کیا جا سکے۔ ہندوستان کا یہ اقدام اس لئے فائدہ مند تھا اور اپنے اثرات مرتب کرنے میں ضرور کامیاب ہو جاتا۔ اگر کوریا کی جنگ کے زیر اثر پٹ سن اور روئی کی ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے بین الاقوامی مانگ میں اضافہ نہ ہو گیا ہوتا۔ پاکستان تجارت سے زر مبادلہ کی کمائی' 51 - 1950ء میں اتنی ہوئی جتنی آج تک اس کے بعد کے سال میں نہیں ہوئی۔ چنانچہ گماشتہ سرمایہ دار ایک دفعہ پھر پھلا پھولا اور دولت مند ہو گیا۔

جنگ کوریا کے بعد بین الاقوامی قیمتیں تیزی سے گر گئیں اور پاکستان کے زر مبادلہ کے محفوظ ذخیرے بھی تیزی سے ختم ہونے لگے۔ چنانچہ چنانچہ گماشتہ سرمایہ دار طبقہ نے چیزوں کی درآمدی پر ہجوم کر دیا تاکہ پابندیاں عائد ہونے سے پہلے زیادہ سے زیادہ مال درآمد کر لے۔ حکومت کو اقدام کرتے کرتے اتنی دیر ہو گئی کہ اس وقت ہنگامی اقدامات ہی کافی ہو سکتے تھے۔ چنانچہ انتہائی ضروری اشیاء کے سوا ہر درآمدی چیز پر پابندی عائد کر دی گئی۔ یہ امید کی گئی کہ پاکستان کسی آسان راستے پر صنعت کاری شروع کر سکتا ہے اور سب سے آسان راستہ روئی کی صنعت تھا۔ اس صنعت کچھ کچھ تجربہ پہلے سے موجودہ تھا۔ مانگ کے بارے میں یقین تھا کہ یہ ہمیشہ قائم رہنے والی ہے اور خام مال بھی وافر مقدار میں میسر تھا۔ یہ آخری نقطہ بڑا فیصلہ کن تھا کیونکہ روئی پیدا کرنے والے بڑے طاقت اور مفادات رکھتے تھے اور بین الاقوامی سرد بازاری کے بعد کم از کم ایک وسیع گھریلو منڈی سے اس کی تلافی کرنا چاہتے تھے۔

صنعت کاری کے اس دوسرے دفعتہ" ابال میں بھی پٹ سن کی صنعت اور تیزی کے ساتھ پھیلی۔ کیونکہ جنگ کوریا کی خوش وقتی کے بعد اسے بھی کافی نقصان پہنچا تھا۔ لیکن روئی کی صنعت کی پیداواری صلاحیت تو ہر چیز سے بڑھ گئی۔ سوتی پارچات کی کمی اور متبادلات کے فقدان نے قیمتیں چڑھا دیں اور بعض ملوں نے تو شروع ہونے کے ایک سال بعد ہی پورے کا پورا سرمایہ

اصول کر لیا- قیمتیں اتنی زیادہ چڑھ گئیں کہ 54-1953ء میں حکومت کو مجبوراً" زیادہ سے زیادہ مقرر کرنا پڑیں حالانکہ یہ بھی اتنی بھی نہیں تھیں کہ سرمایہ کاری کی حوصلہ شکنی ہوتی-

اگرچہ صنعتی صلاحیت بڑی تیزی سے بڑھ رہی تھی لیکن برآمدی محصولات مسلسل گھٹ رہی تھیں- جلد ہی وہ اس سطح تک گر گئیں کہ پاکستان کو روپیہ کی قیمت کم کرنے پر مجبور ہونا پڑا- یہ اس امید پر کیا گیا کہ روئی اور خصوصاً پٹ سن عمومی کم قیمتوں کے باوجود بھی مقابلہ میں ٹھہر سکے گی- لیکن بین الاقوامی منڈی مسلسل گرتی گئی اور برآمدات سے زرمبادلہ کی وصولی بھی کم ہوتی گئی حتیٰ کہ 59-1958ء میں یہ آمدنی اس کا ایک تہائی رہ گئی- جو 51-1950ء میں تھی- اب چونکہ سرمایہ ایسی مصنوعات میں لگایا گیا تھا' جن کی قیمتیں باہر کی دنیا میں مسلسل اور تیزی سے گر رہی تھیں اس لئے ان کی درآمد سے بے نیاز ہو کر بہت کم بچت کی جا سکی-

حکومت نے بھی کوشش کی کہ سرمایہ داروں کی مدد کی جائے اور اس کے لئے مصنوعات کے مقابلہ میں مزدوروں کی اشیائے صرف خصوصاً غلے کی قیمت کم کر دی گئی- مقصود یہ تھا کہ اس سے مزدوروں کی قیمت محنت کم ہو جائے گی اور اس طرح منافع کی شرح بڑھ جائے گی اور اسی نسبت سے سرمایہ کاری- لیکن زراعت پر اس کا اثر تباہ کن تھا کیونکہ کم شرح منافع کی وجہ سے کسانوں کی طرف کوئی سرمایہ منتقل نہیں ہو رہا تھا- نتیجتاً" غلے کی سمگلنگ بڑے پیمانے پر شروع ہو گئی- غلہ سمگل کرنے کی ترغیب سب سے زیادہ اس وقت تھی جب روپیہ کی قیمت کم نہیں ہوئی تھی لیکن بعد میں بھی غلہ کی کم قیمتوں نے یہ ترغیب قائم رکھی- گندم اور چاول ہندوستان اور افغانستان کی مصنوعات ڈالر یا صرف ہندوستانی کرنسی کے عوض سمگل کیا جاتا تھا اور پاکستان میں حاصل ہونے والے فائدے سے کئی گناہ زیادہ فائدہ حاصل کر لیا جاتا تھا- ناموافق موسم نے بھی اپنا رنگ دکھایا اور حکومت کی پالیسی نے ملک کو خوراک کی کمی کے سنگین مسئلہ سے دوچار کر دیا-

پاکستان کو امریکی امداد کا آغاز سکہ کی قیمت کم کرنے سے پہلے ہو گیا تھا لیکن اس نے ان وجوہات کو ختم کرنے میں کوئی خدمت سرانجام نہ دی جن کی وجہ سے سکہ کی قیمت کم کرنا ضروری ہو گیا تھا- غلہ کی قیمت پہلے سے بھی کم کر دی گئی اور بڑی صنعتوں میں سرمایہ لگانے کی مزید حوصلہ شکنی کی گئی اور اگر اس سلسلہ میں کچھ ہوا بھی تو کاریں جوڑنے یا اسی قسم کے دوسرے کارخانوں میں سرمایہ لگا دیا گیا- مزید برآں ملک کا انحصار اس بیرونی امداد پر اور بھی بڑھتا گیا کیونکہ ملک کی برآمدی تجارت گھٹ رہی تھی-

جب مارشل لاء کا اعلان کیا گیا تو برآمدات کی آمدن بالکل کم ہو چکی تھی- سیاسی بحران یکے بعد دیگرے تیزی سے آئے اور چلے گئے- علاقائی چپقلش ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئی- یہ وجوہات تھیں کہ نئی حکومت کو کسی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا- سوائے ان لوگوں کے جن کی نگاہ سیاسی بے چینی کے پیچھے اقتصادی قوتوں کی کارفرمائی کو دیکھ سکتی تھی یا کچھ ان لوگوں سے جنہیں یہ اعتماد نہیں تھا کہ حکومت مسائل کو حل کرنے کے قابل ہے یا انہیں حل کرنے میں دلچسپی رکھتی ہے-

نئی قوت حاکمہ کا پہلا کام بہت سی چیزوں کی بڑھی ہوئی قیمتوں کو کم کرنا تھا- قیمتوں کی یہ تیزی دو وجوہات کی بنا پر تھی- اولاً" زرمبادلہ کی کمی اور کرنسی کے پھیلاؤ نے بیرونی اشیاء کو بہت مہنگا کر دیا اور وہ درآمد کنندگان جن پر درامدی لائسنسوں کا خاص لطف و کرم تھا' مزے سے یہ بلند قیمتیں وصول کرتے رہے- ثانیاً" مصنوعات پیدا کرنے والوں نے خصوصاً سوتی ملوں کے مالکوں نے یہ سیکھ لیا کہ کیسے گٹھ جوڑ کے پیداوار محدود کی جا سکتی ہے- اور قیمتیں بڑھائی جا سکتی ہیں اس طرح وہ 53 اور 1954ء کے دنوں کی طرف واپس لوٹ گئے- مارشل لاء سے چند مہینوں تک قیمتوں میں کمی رہی لیکن پھر تاجروں پر راز کھل گیا کہ یہ سب خالی خولی دھونس تھی جس پر مزید عمل نہیں کیا جا سکتا- اسی جذبہ سے کچھ عرصہ کے لئے بلیک کی کمائی اور زرمبادلہ کے ذخیروں کو رضاکارانہ طور پر باہر کی ہوا لگائی گئی-

نئی حکومت نے ملک کو درپیش ایک مشکل کا بڑے واضح انداز میں احساس کر لیا- زرمبادلہ کی کمی- اس سے روپیہ کی شکل میں تو ان لوگوں کو بہت زیادہ منافع مل جاتا تھا جنہیں لائسنس یا سرمایہ کاری کا اجازت نامہ مل جاتا تھا لیکن صنعتی پھیلاؤ بہت محدود ہو گیا تھا- بیرونی امداد حاصل کرنے کے لئے پاکستان نے سیاسی اور فوجی پابندیاں بہت سال پہلے قبول کر لی تھیں- درحقیقت تجارت میں خسارہ 57-1956ء سے پہلے ہوا ہی نہیں تھا- اس سے پہلے اوسطاً" تجارت متوازن تھی اور امداد صرف غلہ اور فوجی سامان تک محدود تھی- لیکن 1958ء کے بعد تجارت متوازن ہونے کے لگ بھگ بھی نہیں پہنچی- درآمد پھیلتی گئیں اور برآمدات بہت آہستہ آہستہ بڑھ سکیں- اس کا نتیجہ کیا تھا؟ مکمل غیر ملکی کنٹرول ہماری سرمایہ کاری کی حکمت عملی پر اور سیاسی' فوجی' اور ثقافتی غلامی-

بڑھتا ہوا بیرونی اثر و رسوخ مختلف صورتوں میں ظاہر ہوا- مثلاً خارجہ پالیسی اور ہارورڈ ایڈوائزری گروپ کی شکل میں- یہ گروپ پاکستانی منصوبہ بندی کے لئے امریکی عقل و خرد کی سوغات ہے اور پلاننگ کمیشن کے ہر کام پر چھایا ہوا ہے- پاکستانی ماہرین معاشیات یا تو اتنے قابل نہیں تھے یا سیاسی طور پر اتنے باشعور نہیں تھے کہ امریکی نظریات جو گروپ نے ہم پر ٹھونسے ان کی مخالفت کر سکتے- چنانچہ دوسرے پنجسالہ منصوبہ امریکی لبرلزم اور پاکستانی سرمائے کے گٹھ جوڑ سے پیدا ہوا اور دونوں طرف کسی کو یہ واضح احساس نہیں تھا کہ وہ کون سی وجوہات ہیں جو دوسرے کو اکثر اپنے ہی مفادات سے ٹکرانے پر مجبور کرتی ہیں-

پاکستانی تاجروں کے لئے مسرت و شادمانی کی وجہ تھی کہ اب زرمبادلہ بکثرت تھا اور ہارورڈ والے مطمئن تھے کہ آزادانہ تجارت کا نظریہ پھل

پھول رہا تھا- ہارورڈ والوں نے مسئلہ کو جتنا سمجھا وہ یہی تھا کہ آزادانہ تجارت کی حکمت عملی رائج کی جائے اور جہاں تک بھی ممکن ہو آزاد تجارت کے اصولوں کے تحت سرمایہ دارانہ مفادات اور اپنے اغراض و مقاصد میں مطابقت پر عمل در آمد کیا جائے- پھر جب سرمایہ داروں اور منصوبہ بندی کرنے والوں میں مکمل مطابقت پیدا کرنے میں ناکامی ہو گئی تو منصوبہ کو سرمایہ داروں کے میلان طبع میں ڈھالا گیا- لبرلزم کی بدقسمتی یہ ہے کہ تاجروں کی بچت کو سرمایہ کاری کی طرف براہ راست کنٹرول کے بغیر منتقل نہیں کیا جا سکتا- لیکن یہاں تو کنٹرول آہستہ آہستہ ختم کر دیئے جانے تھے-

وہ فیصلہ کن سرمایہ جس پر حکومت کا براہ راست اور مکمل کنٹرول تھا زرمبادلہ تھا- لیکن بونس ووچرز کے نفاذ نے یہ صورت بھی الٹ دی- اس نظام کا مقصد برآمد کنندگان اور صنعت کاروں کو سب منڈی مہیا کرنا وار مقابلتاً" زرمبادلہ کی آزادانہ تجارت کی اجازت دینا تھا- بونس ووچر منڈی میں آجانے سے درآمد کنندگان رنگا رنگ چیزوں کی درآمد اشیاء کو امیروں کے گھرانوں میں بڑی آسان منڈی مل گئی- کیونکہ صرف یہ امیر گھرانے ہی غریبوں کی نسبت اس درآمدی سامان تعیش کے خریدار بن سکتے تھے- یہ بات نہیں بھلانی چاہئے کہ بونس ووچر کا نفاذ ایک جرمن ماہر کی سفارش پر کیا گیا تھا لیکن اس کا مقصد مارشل لاء کے آغاز میں ایک وقتی ضرورت کو پورا کرنا تھا- اس کے نزدیک بھی اس طریق کو مستقل کر دینا غیر مناسب تھا کیونکہ اس طرح زرمبادلہ کو اشیاء صرف پر خرچ کی کھلی چھٹی مل جائے گی اور درحقیقت ہوا بھی یوں ہی ہے-

ہارورڈ کے ماہرین علم جس مغالطے کے جال میں پھنسے ہوئے تھے وہ تھی قومی پیداوار کے اضافے کو اقتصادی ترقی کے مترادف سمجھنا- مجموعی قومی پیداوار کے تصور میں تو بنکاری' بیمہ اور اشتہار بازی کی خدمات بھی شامل ہیں- اس لئے ضرورت یہ ہے کہ کوئی بہتر اور محتاط کسوٹی تلاش کی جائے- اب حقیقت یہ ہے کہ دوسرے پنجسالہ منصوبہ میں قومی دولت کا ساٹھ فیصد اضافہ ایسی ہی خدمات کا مرہون منت ہے-

ان ساری چیزوں کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ 1956ء کے بعد پاکستان نے جو بھی ترقی کی ہے اس نے قومی معیشت کو مستحکم نہیں بنایا- بہت زیادہ براہ راست کھپت اور اشیاء صرف میں روپیہ لگانے کی اجازت دے دی گئی- قوم کو بیرونی امداد کی غلامی سے آزاد کرنے کے لئے بڑے پیمانے پر انجینئرنگ کا آغاز نہ کیا گیا- اس کی وجہ یہ تھی کہ نجی سرمایہ کار کو منڈی ملنے کا یقین نہیں تھا اور خارجی مفادات کو امداد اس شعبہ میں خرچ کرنے پر اعتراض تھا- مبادا پاکستانی منڈی میں انہیں مسابقت کا سامنا کرنا پڑے- انجینئرنگ یا دھاتوں کی بڑی صنعت میں روپیہ لگانا اسی صورت میں زیادہ منافع بخش ہو سکتا ہے' اگر پلانٹ کا سائز بڑا ہو- نہ صرف پاکستانی سرمایہ داران میں روپیہ لگانے میں گریزاں تھا' بلکہ خارجی مفادات بھی اس کی مخالفت کر رہے تھے- چنانچہ پہلے تو چھوٹے پلانٹ کے لئے تحقیقاتی رپورٹیں اس مفروضے پر بنائی گئیں کہ بیرونی امداد میسر نہیں اور پھر یہ اعلان کر دیا گیا کہ یہ صنعت تو بہت مہنگی ہے اور آزادانہ مسابقت کی تاب نہیں لا سکے گی- پاکستان نے سوتی ملوں میں ضرورت سے زیادہ روپیہ لگا دیا ہے- کوریا کی خوش بختی کے دنوں میں زرمبادلہ کی افراط سے انجینئرنگ کی صنعت کا آغاز کیا جا سکتا ہے وہ ہلکی صنعت کا محدود آغاز ہی ہوتا- روئی کی صنعت میں کچھ روپیہ لگانا تو ضروری تھا تاکہ بیرونی ملکوں پر انحصار کچھ تو ختم ہوتا- ایسا کرنا ان مصنوعات کے لئے بھی ضروری تھا جو صرف پاکستان میں ہی بن سکتی تھیں- لیکن اس میں اتنا زیادہ سرمایہ لگایا گیا کہ آج ہمیں وہ مصنوعات برآمد کرنا پڑ رہی ہیں جن کی قیمت دنیا بھر میں کم ہوتی جا رہی ہے- کوئی بھی صنعت کار اپنی آزادانہ مرضی سے تو اس قسم کی صنعت میں روپیہ نہیں لگائے گا- لیکن اگر صنعت کاروں نے پھر بھی اس میں روپیہ لگایا' تو اس کی وجہ یہی تھی کہ انہیں زیادہ قیمتیں وصول کرنے میں مکمل تحفظ دیا گیا- اس طرح عام آدمی کا گھاٹا سرمایہ کا منافع بن گیا-

تحفظات اور دولت کا ارتکاز

ایک غریب ملک کو جہاں شرح مزدوری کم ہو' اس امیر ملک کے مقابلے میں جہاں شرح مزدوری زیادہ ہے اپنی مصنوعات کو سستے داموں بیچنے کی زیادہ صلاحیت ہونی چاہئے جن پیداواری تکنیک میں ہنرمندی کی ضرورت ہے' ان میں مہارت پیدا کرنے میں تو وقت لگتا ہے اور اس قسم کے منصوبوں کی ابتدائی مشکلات پر حکومتی تحفظات کے بغیر قابو نہیں پایا جا سکتا- لیکن یہ تحفظات درآمدات پر کنٹرول یا ٹیرف کی پابندیوں سے مختلف بات ہے جو اب پاکستانی معیشت کی مستقل خصوصی بن گئی ہے-

پاکستان اگر بڑے پیمانے پر صرف روئی اور پٹ سن کی مصنوعات ہی برآمد کر سکتا ہے اور وہ بھی بونس ووچر کے سہارے تو ظاہر ہے کہ ہمارے سرمایہ دار نے اپنی تجارت کی مشکلات اور سختیوں سے دامن کشی کی کوشش کی ہے- اس کی بجائے انہوں نے ان سادہ اور آسان صنعتوں تک ہی خود کو محدود رکھا' جن کی پیدائش روز مرہ کی زندگی کے لئے ضروری تھی- پھر تحفظات کے ایک گورکھ دھندے سے انہوں نے قیمتیں اتنی بڑھا دینے میں کامیابی حاصل کر لی کہ اکثر حالتوں میں پوری فیکٹری کی قیمت ایک ہی سال میں وصول ہو گئی' بلکہ کئی صورت میں یہ منافع کئی گنا بڑھ گیا- منافع بڑھانے کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ سرمایہ سستے داموں حاصل کیا جائے- یہ مقصد بنکوں اور دوسرے حکومتی اداروں سے سستی شرح پر قرض لے کر پورا کیا گیا- یہ بوجھ آخر کار بچت کرنے والوں اور ٹیکس دھندوں پر پڑتا ہے- پاکستانی روپیہ کی شرح مبادلہ بھی اونچی رکھی گئی تاکہ تاجروں کو درآمدات سستے داموں پڑیں- اس امر کا کوئی لحاظ نہ رکھا گیا کہ قوم کو مجموعی طور پر اس کی کیا

قیمت ادا کرنی پڑی- بالآخر 1955ء میں روپے کی قیمت کر دی گئی-

اس قسم کی چالبازیاں قومی دولت میں اضافہ کی نمائندہ نہیں- ان سے ایک ہی مقصد پورا ہوتا ہے کہ سستی مزدوری' سستے سرمائے اور قیمتیں بڑھا کر زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کیا جائے- یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ پاکستانی سرمایہ داری اس اقدام کے لئے رضامندی نہیں جسے آزادانہ مسابقت کہا جاسکے یعنی آزاد اور شدید مقابلہ اور محنت کوشی- اس کی بجائے اس نے ہتھکنڈے استعمال کر کے اپنے لئے ایک ایسا مقام پیدا کر لیا ہے کہ نجی منافع قومی نقصان بن کر رہ گیا ہے- اس قسم کی چالبازیوں کی کثرت نے جس سے پاکستانی سرمایہ دار زیادہ سے زیادہ منافع کماتا ہے ایک ہی نتیجہ پیدا کیا ہے کہ قیمتیں بہت اونچی چڑھ گئی ہیں' مزدوری گھٹ گئی ہے اور بچتوں پر منافع بہت کم ہے- اس کا مطلب یہ ہے کہ دولت گنتی کے چند سرمایہ داروں کے طبقہ میں سمٹ کر رہ گئی ہے- آج پورے ملک کی معیشت کس طرح صرف چند خاندانوں کے قبضہ میں ہے' ایک جانی پہچانی حقیقت ہے- اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستانی عوام میں سے بہت کم لوگوں کی حقیقی آمدنی 1947ء کے مقابلے میں بڑھی ہے- مزدور بیچارہ تو اب پہلے سے بھی زیادہ زبوں حال ہے-

بچت اور سرمایہ کاری

پاکستانی معیشت میں سرمایہ لگانے کے لئے بچت مشتمل ہے- بڑے سامان کی پیداوار پر' یا اس زرمبادلہ کی کمائی پر جو اپنی کھپت سے بچ رہے یا اس محنت کو حرکت عمل میں لانے پر جسے سرمایہ کی پیداوار میں بغیر کھپت بڑھائے ہوئے مصروف عمل کیا جاسکتا ہے- آزاد مقابلے کے اصول کی سختی سے تیسرا امکان بالکل ختم ہو جاتا ہے حالانکہ یہی سب سے زیادہ اہم ہو سکتا ہے- شہری اور دیہاتی آبادی کا معتدد حصہ بیکار رہتا ہے اور بہت بڑا حصہ اپنی روزی ان سرگرمیوں سے کماتا ہے جہاں پہلے ہی گنجائش کم ہے- مثال کے طور پر اگر دو کسان ایک کھیت کو اس طرح کاشت کرتے ہیں کہ ایک کی کارگزاری بھی اس سے کم نہیں ہو گی تو ظاہر ہے کہ وہ دونوں صرف اتنی ہی دولت پیدا کر رہے ہیں جتنی کہ ایک پیدا کر سکتا تھا اس کا واضح حل یہی ہے کہ ایک کسان کے لئے دوسرا پیداواری کام ڈھونڈا جائے اور صرف ایک کو کھیت میں رہنے دیا جائے اور یہ صرف اس صوت میں ممکن ہے کہ ساری قوم کار کو ایک جامع منصوبہ کے تحت مصروف عمل کیا جائے- نجی سرمایہ کاری یہ مقصد سرانجام دینے سے قاصر ہے- اور نہ ہی اسے اس قسم کی کوشش میں کوئی دلچسپی ہو سکتی ہے-

پاکستان میں بڑی مشینوں کی پیدائش اتنی کم ہے کہ عملاً" قومی سطح پر سرمایہ کاری کے لئے بچت وہی زرمبادلہ کی کمائی جو ہم اپنے آپ پر صرف کرنے سے بچا لیتے ہیں تقریبا ساری کی ساری مشینری ہم باہر سے خریدتے ہیں اور معیشت کی نشوونما' کا انحصار بیرونی امداد اور برآمدی تجارت کے اتار چڑھاؤ پر ہے-

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ماضی میں روپیہ لگانے کی حکمت عملی کس حد تک سرمایہ جمع کرنے میں معاون رہی ہے- پٹ سن کی مصنوعات کے علاوہ باقی ہر صنعت میں پاکستانی روپیہ انتی مصنوعات کی پیداوار میں لگایا گیا ہے جو ہم پہلے درآمد کیا کرتے تھے- اب درآمدات بھاری مشینری پر زیادہ سے زیادہ مشتمل ہوتی جا رہی ہے- پہلی نظر میں یہ اقدام بہت صحیح معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت یہ ترقی پسندی سے بہت دور ہے- کیونکہ پاکستان نے جن برآمدات سے زرمبادلہ کمانے کی کوشش کی ہے وہ وہی ہیں جن کی قیمت بین الاقوامی منڈی میں گرتی جا رہی ہے- اگر شروع ہی سے معیشت کو بھاری صنعتوں کی پیداوار کی طرف لگایا جاتا تو آج پاکستان وہی چیزیں درامد کر رہا ہوتا جن کی بین الاقوامی قیمتیں گر رہی ہیں اور وہ مال برآمد کر رہا ہوتا جس کی قیمتیں چڑھ رہی ہیں- جرات اور ژرف نگاہی کی یہ کمی سارے ہی کم ترقی یافتہ ملکوں کی مشترکہ خصوصیت ہے- صرف تجارت سے ہی جتنا گھاٹا یہ ملک کھا رہے ہیں وہ اس ساری بیرونی امداد سے بہت زیادہ ہے- قطع نظر اس کے یہ امداد کون کون سی فوجی اور سیاسی پابندیاں اپنے ساتھ لاتی ہے- اگر کم ترقی یافتہ ملک اپنی صنعتی پیداوار کو بھاری مشینری پیدا کرنے میں لگا دیتے ہیں تو چاہئے تجارتی شرائط میں کوئی بہتر تبدیلی نہ بھی ہوتی تو بھی فائدے صنعتی پیداوار کو بھاری مشینری پیدا کرنے میں لگا دیتے ہیں تو چاہئے تجارتی شرائط میں کوئی بہتر تبدیلی نہ بھی ہوت تو بھی فائدے بہت زیادہ ہوتے- اس غلط حکمت عملی کو چننے کی تشریح ان ممالک کے طبیعاتی نظام اور نوآبادیاتی نظام اثرات پر ڈھونڈی جاسکتی ہے-

مندرجہ بالا حقائق کو واضح کرنے کے لئے سوتی کپڑے کی صنعت کو زیربحث لانا کافی ہو گا- روئی کی قیمت میں کمی کے ساتھ سوتی کپڑے کی قیمت بھی کم ہو گئی- مشینری کے مقابلہ میں سوتی مصنوعات کی قیمت کم ہونے کے علاوہ' بنائی اور کتائی پر منافع بھی کم کیا جا رہا تھا- اس کا مطلب یہ ہے کہ سوتی کپڑا خام روئی کے مقابلہ میں سستا ہو رہا تھا اور بہت سے ملکوں کی سوتی کپڑوں کی ملیں زائد پیداواری گنجائش کا شکار ہو گئی تھیں- اس لئے پاکستان کو چاہئے تھا کہ وہ کاٹن ملوں میں زیادہ روپیہ لگانے کے بجائے اس صنعت کو صرف اس حد تک پھیلنے کا موقع دیتا جو اسے بیرونی صنعت کاروں سے خود مختاری دلانے کے لئے ضروری تھی- درحقیقت کچھ روئی پیدا کرنے والی زمینوں کو غلہ کی کاشت میں بدلا جا سکتا تھا اور یہ غلہ برآمد کیا جا سکتا تھا- چنانچہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ پاکستان نے ایک انتہائی غیر منفعت بخش راستہ اختیار کیا- ایسا راستہ جس پر چل کر قومی دولت کا مناسب استعمال نہیں کیا جا سکا اور جو سرمایہ کاری کی بھرپور گنجائش پیدا کرنے میں ناکام رہا-

اس کے مقابلے میں منصوبہ بندی کمیشن نے دلیل پیش کی کہ دولت کا چند ہاتھوں میں جمع ہو جانا بچت کے لئے مددگار ہو گا کیونکہ یہ امیر ہی ہیں جو

اپنی آمدنی کا زیادہ تر حصہ بچا سکتے ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ یہ سارا گھپلا اس وجہ سے ہے کہ قومی بچت کو افرادی دولت سے گڈمڈ کر دیا گیا ہے۔ سرمایہ داروں میں زرمبادلہ کی مانگ ہمیشہ بہت زیادہ رہی ہے اور یہی حکومتی حکمت عملی کا افلاس ظاہر کرتی ہے۔ جب زرمبادلہ نایاب تھا جیسا کہ 1956ء سے 1958ء تک کے سالوں میں تھا تو جمع شدہ دولت کو اس سے بہتر کوئی مصرف نہ ملا کہ پر تکلف اور ٹھاٹ باٹھ کے محلات بنائے جائیں۔

منصوبہ بندی کمیشن کی دلائل میں ایک سنگین کوتاہی تعلیم کو نظرانداز کرنے میں ملے گی۔ ملکی حکومت نے اسے مناسب نہیں سمجھا کہ تعلیم پر زیادہ توجہ اور سرمایہ صرف کیا جائے اور یہ اس غلط تصور کی بنا پر ہوا کہ صرف فیکٹریاں ہی حقیقی دولت ہیں۔ اسی رخنہ کے سبب شروع سے ہی ایک حوصلہ مندانہ منصوبہ کے امکان کو نظرانداز کر دیا گیا۔ نیتجتاً" تعلیم چند گنے چنے لوگوں کو امتیازی حق بن کر رہ گئی۔ طبقاتی معاشرے کے پس منظر میں اس کا مطلب یہی ہوا کہ تعلیمی سہولتیں بہتر بنانے میں حکومت کی ذمہ داری کس حد تک کم ہو گئی۔ لیکن ملک تو ابھی تک ماہر کارکن اور انجینئر پیدا کرنے کا اہل نہیں ہوا جو پیچیدہ پیداواری طریقوں کے لئے ضروری ہیں۔ جاپان کے ساتھ ایک تقابلی مطالعہ اس کوتاہی کی سنگینی کو اور بھی نمایاں کر دے گا۔ جاپان نے ہمیشہ فنی تعلیم پر بہت زیادہ توجہ دی ہے۔ حتیٰ کہ کچھ یورپی ملکوں سے بھی زیادہ۔

ہنری مندی کا اعلیٰ معیار جو اسے میسر ہے ایسی چیزیں پیدا کرنے میں لگایا گیا جس پر محنت زیادہ صرف ہوتی ہے۔ مثلاً کمرے ریڈیو' ہلکی انجینئرنگ کی اشیاء وغیرہ' اور سستی مزدوری کی وجہ سے انہیں باہر کی منڈیوں میں مقابلتاً" سستے داموں بیچ دیا گیا۔ یہاں کی معیشت موٹر کاروں' جہازوں' بھاری انجینئرنگ مشینری پیدا کرنے کی طرف بلا روک ٹوک بڑھتی گئی۔

پاکستان نے ابھی تک پہلا قدم نہیں اٹھایا۔ اس کی بجائے بہت سا زرمبادلہ غیر ملکی صلاح کاروں پر خرچ دیا جاتا ہے یا غیر ملکی سرمایہ اور اس کی لگی بندھی مہارتوں کی تلاش کی جاتی ہے جب کہ یونیورسٹیاں اس معیار سے بہت پست رہ گئی ہیں جو ترقی کے لئے ضروری ہے۔

سرمایہ داروں کی بچت ظاہر ہے کہ ان کی سرمایہ کاری کے لئے کافی نہیں۔ کرنسی کا پھیلاؤ' حکومتی امداد اور بنکوں کے قرضے اب بھی ضروری ہیں۔ یہ سارے اقدامات عام لوگوں کی بچت کو سمیٹتے ہیں اور سرمایہ داروں کو سستے شرح سود پر دے دیتے ہیں۔ یہ حکمت عملی غیر سرمایہ دار لوگوں کو بچت کرنے سے باز رکھتی ہے اور سرمایہ زیرزمین چلا جاتا ہے یا بلیک مارکیٹ کی سرگرمیوں میں کھپایا جاتا ہے۔

علاقائی مسائل

سرمایہ دارانہ معیشت میں سرمایہ کے مالک کو اس امر کی آزادی ہوتی ہے کہ وہ قانونی مدد کے اندر رہتے ہوئے اپنے منافع کو جہاں چاہے منتقل کر دے یا کاروبار میں لگائے۔ تقسیم کے بعد مشرقی پاکستان میں سرمایہ کا زیادہ تر حصہ پٹ سن کی صنعت میں لگایا گیا تھا اور ان پر مغربی پاکستان کے مفادات اور قبضہ تھا۔ اس صورت سے کوئی خاص فرق پڑتا۔ اگر منافع کو مناسب حد تک دوبارہ مشرقی پاکستان میں ہی لگا دیا جاتا۔ لیکن ایسا نہ ہوا۔ روئی کی صنعت کی ساری خوش بختی مغربی پاکستان تک ہی محدود تھی۔ کیونکہ روئی کی زیادہ تر کاشت اسی خطہ میں تھی۔ حالانکہ زرمبادلہ جس سے مشینری درآمد کی گئی تھی مشرقی پاکستان کا کمایا ہوا تھا۔ روئی کی صنعت کے علاوہ بھی مغربی پاکستان نے درآمدات میں حصہ مشرقی پاکستان سے زیادہ حاصل کیا۔ اگرچہ مشرقی پاکستان کی سستی اجرتیں پیداواری قیمت کو اتنا کم کر سکتی تھیں کہ نقل و حمل کا خرچ پورا نکل آتا۔

سرمایہ لگانے کی یہ تعیل و تکمیل صرف اقتصادی اسباب کی بنا پر نہیں تھی۔ سرمایہ دار زیادہ تر مغربی پاکستان تھے اور یہی مغربی پاکستانی تھے جنہوں نے سیاسی طور پر مشرقی حصہ پر غلبہ حاصل کیا ہوا تھا۔ حکومت جو مغربی پاکستان کے سرمایہ داروں کی اعانت پر انحصار رکھتی ہیں سرمایہ لگانے کے اجازت نامہ انہیں ہی دینے پر راغب تھی۔ بہت سے اقتصادی عوام نے بھی سیاسی محرکات کو تقویت دی۔ نقل و حمل کے ذرائع مغرب میں زیادہ ترقی یافتہ تھے اور اسی طرح بنکوں کی سہولتیں اور تقسیم مال کی ایجنسیاں' مشرقی پاکستان میں بجلی پیدا کرنے پر کبھی توجہ نہ دی گئی۔ جب کہ مغرب میں بڑے بڑے اور گراں قیمت بجلی بنائے گئے۔ اس کے علاوہ دونوں صوبوں کے درمیان مال برداری کی سہولتیں بہت کم اور غیر یقینی تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ سارے مشرقی پاکستان میں بڑے پیمانے کی مصنوعات پیدا کرنے کی صلاحیت اتنی ہی تھی جتنی اکیلے کراچی میں۔ مزید برآں اگرچہ مشرقی پاکستان نے 1951ء کے بعد ہمیشہ مغربی پاکستان سے زیادہ زرمبادلہ کمایا لیکن اس کی درآمدات کی قیمت اس سے آدھی بھی نہیں رہی۔

درآمدات کے تعینات اشیائے صرف بھی مشتمل تھے۔ جس کا فائدہ آبادی کے دولت مند طبقے کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ اس طرح مغربی پاکستان نے مشرقی پاکستان کے مقابلے میں بہت زیادہ زرمبادلہ بے فائدہ مصرف میں ضائع کر دیا۔

مارشل لاء کی حکومت نے اس عدم توازن کی تلافی کا دعویٰ ضرور کیا لیکن اس کی کوششیں زیادہ سے زیادہ معمولی اور اوسط درجے کی قرار دی جا سکتی ہیں۔ اگرچہ بہت سے منصوبے اس طرح بنائے گئے ہیں کہ مشرق کو سرمایہ کاری کا کچھ زیادہ حصہ میسر آجائے لیکن اس کی عملی کارگزاری کوئی امید افزا نہیں۔ نجی سرمایہ اب بھی مغربی پاکستان کو ترجیح دیتا ہے اور یہی سرمایہ قومی سرمایہ کاری کا ایک بڑا حصہ ہے۔

براہ راست پیداواری کاموں میں سرمایہ لگانے کے علاوہ بھی دوسری

سرمایہ کاری کی شکلوں میں یہ بے جا طرف داری نمایاں ہے۔ اس سلسلے میں تعلیم کی مثال اہم ہو گی۔ دوسرے پنجسالہ منصوبے میں مشرقی پاکستان میں نئے پرائمری سکول کھولنے کا کوئی تصور نہیں تھا۔ حالانکہ مغربی پاکستان میں یہ تعداد کافی بڑھائی جاتی تھی۔ مغربی پاکستان' مشرقی پاکستان کے مقابلہ میں تین گناہ زیادہ یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل اور فنی گریجوایٹ پیدا کرتا ہے۔ اس کا اثر طویل عرصہ کے بعد اسی طرح محسوس ہو گا جس طرح تعلیم کے عمومی افلاس نے پورے ملک پر برا اثر ڈالا ہے۔

اب ہم کہاں ہیں؟

یہ ظاہر ہے کہ صنعت کاری کی جو پالیسی پاکستان نے اختیار کی وہ شروع سے ہی غلط تھی۔ یہ غلط تھی کیونکہ اس نے سرمایہ داروں کو بے تحاشا منافع بازی کا امکان دیا۔ حالانکہ انہوں نے اس کے لئے کوئی خطرہ مول نہیں لیا اور اس لئے انہوں نے سرمایہ کاری میں کفایت شعاری نہیں کی اور نہ ہی فیکٹریوں کو استعداد کے مطابق چلایا۔ اس کا براہ راست نقصان قوم کو ہوا۔ یہ حکمت عملی اس لحاظ سے بھی غلط تھی کہ صنعتوں کا غلط انتخاب اس بنا پر کر لیا گیا کہ خام مواد کہیں یہ میسر تھا یا اس لئے کے اینگلو سیکسن معاشیات کی کتابوں میں ایسا ہی لکھا ہوا تھا۔

کورین خوش بختی کے زمانہ میں بڑی صنعتوں کی بنیاد رکھنے کا سنہری موقع موجود تھا۔ سوتی ملوں میں سرمایہ لگانے کو ایک حوصلہ مندانہ منصوبہ کے مطابق محدود کر دینا چاہئے تھا۔ اس کی بجائے قوم کو دنیا کے لئے جولاہے بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ پہلے تو صرف اپنی ضرورت کے مطابق کپڑے بنے جاتے تھے اب فروخت پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔

غیر ملکی صلاح کار پاکستانی منصوبہ بندی کو یہی تعلیم دیتے ہیں کہ حرفتی پیداوار کا فن بہت مشکل ہے اور ہمیں اس وقت تک انتظار کرنا چاہئے جب ہماری ذہنت اس سطح تک بڑھ جائے کہ ہمیں پیچیدہ تکنیک کام سونپے جا سکیں۔ یہ بتا دینا غیر ضروری ہے کہ یہ دلیل تو ہمارے خلاف ابد تک استعمال کی جا سکتی ہے۔ سرمایہ دار اور مدد گزاروں سے اس سے مختلف بات کی توقع بھی نہیں کرنی چاہئے۔ یہ انتہائی شرمناک ہے کہ ہمارے نام نہاد منصوبہ بندوں نے بڑی ذلالت کے ساتھ یہ دلیل قبول کر لی ہے۔ نہ صرف قبول کر لی ہے بلکہ بڑے فخر کے ساتھ دنیا بھر میں اس مسرت کا اعلان کرتے پھرتے ہیں کہ دیکھو ہماری فرمانبرداری اور نااہلی کی کتنی تعریف و توصیف ہو رہی ہے کہ ہم امداد کا استعمال بڑی استعداد سے کر رہے ہیں۔

لیکن قومی عزت نفس سے بھی زیادہ کچھ داؤ پر لگا ہوا ہے۔ قوم نے ابھی تک صنعتی بنیاد پیدا نہیں کی جو اس کی سلامتی کی ضامن بن سکے۔ ابھی تک بیرونی امداد کی ضرورت نہ صرف فیکٹریاں بنانے کے لئے بلکہ انہیں چلتے رکھنے کے لئے بھی ہے۔ اب جب کہ ویت نام کی جنگ کے سبب اور اس وجہ سے بھی کہ اینگلو سیکسن نسل کی نگاہوں میں اب ہم شرارت پسند ہو گئے ہیں۔ امداد کم کی جا رہی ہے تو ہماری صنعتوں کا پہیہ چلتے چلتے رک گیا ہے جتنا تھوڑا بہت زر مبادلہ حاصل کیا جا سکتا ہے اس کے لئے قوم نے بر آمدات کو چاہے وہ پٹ سن ہو یا کتہ یا صرف ٹوکریاں ہی سب سڈی دینی شروع کر دی ہے۔ آخری تجزیہ میں یہ امداد زراعت سے آتی ہے یا صنعتی کارکنوں سے جو اپنی اشیائے صرف کے لئے زیادہ قیمت ادا کرتے ہیں۔ اب جب کہ زراعت کو سستی کھاد اور زرعی قرضے کی شکل میں امداد دینے کا منصوبہ بنایا گیا ہے تو صنعت کو نقصان پہنچے گا اور یہ بڑا دلچسپ مشاہدہ ہو گا کہ دوسرے پنجسالہ منصوبہ کی ترقی کا جو ڈھول اتنے زور شور سے پیٹا گیا تھا وہ کب تک باقی رہتا ہے۔ آخر سرمایہ داروں کے زر مبادلہ کے ذخیروں کو ہوا لگائی جا سکتی ہے تو کچھ فوری فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ یہ ذخیرے جو سمگلنگ کی پیداوار ہیں یا در آمدات کی قیمت کو بڑھا چڑھا کر اور بر آمدات کی قیمت کم دکھا کر جمع کئے گئے ہیں۔ اب بے تحاشا بڑھ چکے ہیں۔ اس حکومت سے اس نقصان کی تلافی کی کیا امید کی جا سکتی ہے۔ البتہ یہ بحران تو سرمایہ داروں کو اور بھی زیادہ چھینا جھپٹی کی طرف متوجہ کرے گا۔

شاید یہ کہا جائے کہ بیرونی امداد اس مشکل سے نجات دلا سکے گی۔ لیکن اس کی بھی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ ویت نام کی جنگ میں امریکہ کا روز افزوں دولت کا صرف اور کانگرس میں امدادی بل پر عمومی مخاصمت کے پیش نظر پاکستان کو چند بچے کھچے ٹکڑوں پر ہی قناعت کرنی ہو گی۔ نہ ہی یہ امداد وصول کرنا کوئی فائدہ مند ہے۔ کیونکہ یہ اتنی غیر پیدا آور ہے کہ قوم کا ان قرضوں کی ادائیگی میں خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑا جا رہا ہے۔ یہ کتنا عبرتناک منظر ہے کہ وہی حکومت جو خود کو بیرونی قرضوں کے حصول میں سب سے زیادہ قابل اعتماد ہونے کی دعویدار تھی۔ اب بھیک مانگ رہی ہے کہ سود کی شرح کو کم کر دیا جائے بلکہ یہاں تک کہ ہندوستان کی طرح ہمیں بھی کچھ عرصے کے لئے قرضوں کی واپسی سے معاف کر دیا جائے۔

یہ زائد شرح سود ہی نہیں جو امداد کو ناقابل قبول بناتی ہے۔ بہت سی امداد اشیائے صرف کی صورت میں آتی ہے۔ حکومت کا رویہ یہ تھا کہ زراعت کو چاہے نظر انداز کر دیا جائے اور غلہ کی پیداوار میں جو کمی ہو اسے امریکہ سے PL-480 کے تحت امداد سے پورا کر لیا جائے۔ یہ اسی واہیات پالیسی کا نتیجہ ہے کہ زراعت بری طرح متاثر ہوئی ہے اور ہم آج یہ پروپیگنڈہ سننے پر مجبور ہیں کہ بڑھاؤ کھیت کی پیداوار۔

اشیائے صرف کی امداد کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ یہ فوری طور پر مصرف میں آ جاتی ہے۔ حکومت کی فضول خرچی نے یہ اسباب پیدا کر دیئے ہیں کہ امداد فوری طور پر امیر آدمی کی عیش پسندی پر خرچ ہو جاتی ہے اور اس طرح آنے والی نسلوں کو وہ قرض ادا کرنے کے لئے چھوڑا جا رہا ہے جو انہوں نے حاصل نہیں کیا۔ حکومت کا یہ اسراف بونس ووچر سسٹم سے اور

بھی بڑھ گیا ہے کیونکہ بیرونی امداد بونس ووچر کا بھاؤ کم رکھنے میں معاون ہے اور اس طرح کھپت کا رجحان بڑھ رہا ہے۔

قرضوں کی ادائیگی کے بھاری بوجھ اور برآمدی پروگرام کی نامکمل ناکامی نے حکومت کو تقریباً پاگل بنا دیا ہے۔ حکومت اب اتنی مضطرب ہے کہ اب وہ صنعت سے زراعت کی طرف بھاگ اٹھی ہے کہ شاید یہیں کوئی معجزہ ہو جائے اور دیکھئے ہمیں معجزہ نما گندم اور معجزہ نما چاول مل گئے ہیں۔ یعنی دونوں صوبوں کے لئے ایک ایک معجزہ۔ اب پروپیگنڈہ کی قوت سے جو ظاہر ہے کہ کھاد کا بدل نہیں ہو سکتا۔ اور جس کے پیچھے عملی اقدامات کی قوت نہیں۔ یہ توقع کی جا رہی ہے کہ ایک ہی سال میں ملک خوراک کے بارے میں خود کفیل ہو جائے گا۔ اتنے عرصہ میں امریکی امداد اس غلہ کی کمی پوری کرے گی جو ہندوستان کو سمگل ہو گیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان اسی وقت خود کفیل ہو گا جب وہ اپنے ہمساؤں کی خوراک کی ضروریات بھی پورا کرنے لگے گا۔

فوری امکانات بڑے تاریک ہیں۔ محدود بیرونی امداد سے کرنسی کا پھیلاؤ بڑھے گا۔ قیمتیں پہلے ہی تیزی سے بڑھ چکی ہیں اور اب یہ رفتار اور بھی تیز ہو جائے گی۔ اگر حکومت نے کرنسی کے پھیلاؤ کو روکنے کی تدابیر نہ کیں تو ان تدابیر سے صنعتی پیداوار کو نقصان پہنچنا لازمی ہے۔ مزدوری کی شرح اس سے بھی گھٹا دی گئی جو عام زندگی کے لئے ضروری ہے۔ وہ مزدور جس نے آج تک صنعتی ترقی کا کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اب مجبور ہو گا کہ کرنسی کے پھیلاؤ کی وجہ سے اپنی زبوں حالی کا مزید تماشہ کرے۔ بیروزگاری اتنی ہی زیادہ ہے جتنی کبھی پہلے تھی اور یہ لازماً بڑھتی جائے گی جب تک کوئی نئی قیادت قومی قوتوں کو محرک کرنے کے لئے میدان میں نہیں آ جاتی۔

اتحادِ عوام کا اعلان

برصغیر کے مسلمان ایک سو برس تک غیروں کی حکمرانی سے آزادی حاصل کرنے کے لئے سرگرداں رہے۔ انہوں نے ایک ایسی مملکت بنانے کا خواب دیکھا جہاں وہ مساوات اور انصاف کے اصولوں پر عملدرآمد کر سکیں اور اسلامی طرز پر زندگی گزار سکیں۔ اس جدوجہد کی صورت گری کتنی ہی مختلف شکلوں میں ہوتی رہی۔

20 برس پہلے انہوں نے قائداعظمؒ کی رہنمائی میں اس سرزمین پر ایک نئی قوم کی تخلیق کی۔ انہوں نے اس کا نام "پاکستان" رکھا پاک لوگوں کی سرزمین ----- ان کے لئے پاکستان ایک ارض موعود تھا جہاں وہ ان ساری خدائی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہو سکتے تھے جو آزادی اپنے ساتھ لاتی ہے۔ جہاں وہ اپنی زندگی کو اپنے اعتقادات کے مطابق ڈھال سکتے تھے۔ جہاں زندگی کے ہر گوشے میں مساوات کا دستور رائج ہوتا۔ جہاں وہ ہر قسم استحصال سے آزاد ہوتے جہاں وہ خود ہی آقا ہوتے اور ان پر کسی کی غلامی مسلط نہ ہوتی۔

اس قوم کو وجود میں لانے کے لئے کسان مزدور، سپاہی، شاعر، عالم اور ان پڑھ ہر ایک نے عظیم الشان جدوجہد کی۔ پوری کی پوری قوم فرد واحد کی طرح سینہ سپر ہو گئی۔ انہوں نے برضا و رغبت ایثار و قربانی کی شاندار مثالیں قائم کیں۔ لاکھوں نے اپنا گھربار چھوڑا اور مال و جواہر سے منہ پھیر لیا۔ ان گنت لوگوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ دیا تاکہ یہ قوم زندگی حاصل کر سکے۔

لیکن آج بیس سال بیت گئے ہیں ------- بیس سال جو مایوسیوں اور نامرادیوں کی داستاں ہیں۔ اور صورت حال کیا ہے کہ قومی سلامتی کو اپنے سے کئی گنا بڑے دشمن نے پر خطر بنا رکھا ہے۔ قومی حفاظت کا ڈھانچہ ہے کہ عوامی معیشت کی وسیع بنیادوں پر استوار نہیں اور اسی لئے دفاعی ضروریات کے لئے ملک غیروں کا محتاج ہے۔ سامراجی قوتوں کی تسکین ہوس کو قومی ضرورت قرار دیا جاتا ہے اور خارجی قوتوں کو دباؤ ہمارے روزمرہ طریق عمل کا رخ معین کرتا ہے۔

رزق کے سوال عام نہیں ہیں۔ امیر، امیر تر ہوتے چلے جا رہے ہیں اور غریب غریب تر، زمیندار کسانوں کا حق لے جا رہا ہے اور سرمایہ دار مزدور کا حق چھین رہا ہے، عوام کی اکثریت بار آور کاموں میں مصروف نہیں۔ قومی دولت پر چند لوگوں کو قبضہ ہے اور عوام زندگی کی ضروریات کو ترس رہے ہیں۔ سرمایہ نے محنت کو غلام بنا رکھا ہے۔ معاشی و معاشرتی زندگی کی ناہمواریاں ظلم کا منبع بن گئی ہیں۔ سیاسی آزادی ایک راہم ہے۔ لوگوں کی رضا حکومت کو بدلنے پر قادر نہیں۔ پریس کی آزادی قصہ پارینہ بن چکی ہے۔ شہری آزادیاں ناپید ہیں۔ ریاست کی نظریاتی اساس کو بھلا دیا گیا ہے۔ پوری کی پوری زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔ انصاف کی راہیں لمبی ہیں اور غاصب دراز دستوں میں بے باک مظلوموں کو فریادی کا یقین نہیں کیونکہ دولت و قوت انصاف کی راہوں میں حائل ہیں۔ ایک کو کھلے معاشرے نے انسانی شرف کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ بے اصولی اصول بن چکی ہے۔ دیانت داری مشکلات میں اضافہ کرنے کا سبب ہے۔ شرافت انسانی کمزوری شمار ہوتی ہے۔ خوشامد دانش مندی کی معراج ٹھہری ہے اور منافقت قومی مزاج بن چکی ہے۔

جمہوری عمل کی نشوونما ختم ہو گئی ہے۔ سیاسی تنظیمیں خدمت ملی کے لئے نہیں، حاکمیت کا خبط پورا کرنے کے لئے بنائی جاتی ہیں۔ قیادت کا معیار ایثار اور خدمت نہیں۔ حکومتی جماعت ایک فرد واحد کی آمریت کا شکار ہے۔ عوام اپنے دشمنوں سے نپٹنے میں بے بس ہے۔ سیاسی رہنما عوام کے سامنے جواب دہ نہیں۔ سیاست میں موقع پرستی کا دور دورہ ہے، وہ عوامی گروہ جو مظلوم ہیں لوٹ کھسوٹ کا شکار ہیں۔ اس لئے سیاسی جماعتوں میں کوئی جگہ نہیں اور اس لئے سیاسی سرگرمیوں نے عوام میں زندگی کی نئی لہر پیدا نہیں کی۔ نہ انہیں عمل پر آمادہ کیا ہے۔ قائداعظمؒ کے وہ مقدس جذبات کہ پاکستان کی بنیاد معاشرتی انصاف اور اسلامی سوشلزم کے اصولوں پر رکھی

جائے۔ ابھی تک ایک حقیقت بننے کے منتظر ہیں۔ ضمیر کی آواز گنگ ہو چکی ہے۔ ایک عظیم قوم اپنے زوال کا بے حسی سے تماشا کر رہی ہے اور ایک شاندار جمعیت بد عہدی و بے وفائی کا شکار ہو گئی ہے۔

لیکن تاریخ کا دھارا بہتا رہا گا۔ عظیم قوموں کے عروج و ترقی میں کوئی بھی رکاوٹ نہیں بن سکتا۔ پاکستان کا یہ قافلہ اپنی منزل مراد تک پہنچنے کے لئے رواں دواں رہے گا۔ دست ستمگر جھٹک دیا جائے گا۔ اور عوام پر ظلم و ستم کی رات ڈھل کر رہے گی۔ پاکستان کے مقدر میں ایک عظیم اور طاقت ور مملکت بننا لکھا جا چکا ہے۔

پاکستانی عوام ایک نئی قیادت کے لئے چشم براہ ہیں۔ وہ ان لوگوں کے ہاتھ مضبوط کرنے کو بے تاب ہیں جو ان کی آرزوؤں اور امنگوں کی صحیح نمائندگی کریں۔ محنت کشوں کا مظلوم طبقہ ظالم سرمایہ دار کے خلاف جنگ میں اترنے کا منتظر ہے۔ نئی امیدوں کی شمعیں روشن ہو گئی ہیں اور صبح نو طلوع ہو رہی ہے۔ اس لئے ہم سب عوام کسان' مزدور' سپاہی' کاریگر' دکاندار' دفتری' کارکن طالب علم' استاد' دانشور' مرد اور عورت ..... جو لاہور کی اس تاریخی سرزمین میں پاکستان کے ہر گوشے سے اس کنونشن میں جمع ہیں' پیپلز پارٹی کے جھنڈے تلے متحد ہوتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ

ہمارا ایمان ہے---------

کہ اس دنیا میں انسانی تخلیق کی غرض و غایت ایک مسلسل اور کبھی ختم نہ ہونے والی جدوجہد ہے جسے کہ اس ذریعہ انسان اپنی تخلیقی صلاحیتوں اور زور بازو سے انسانی اقدار کی حفاظت کرتا ہوا اپنے عروج کی منزلیں طے کر جاتا ہے۔ اس کی منزل یہ ہے کہ انسان اور انسان کی جو مصنوعی حد بندیاں ہیں انہیں گرا دے اور خدمت خلق کو انسانی شرف کا معیار قائم قرار دے۔ اس کا مقصد ایسے معاشرے کا قیام ہے جہاں کوئی مظلوم ہو نہ کوئی غلام۔ حریت' اخوت اور مساوات کے اصول جاری و ساری ہوں۔ انسان بھرپور زندگی گزار سکے۔ بنیادی انسانی حقوق محفوظ ہوں۔ انسانی محنت نہ کہ سرمایہ کو قومی دولت کی اساس سمجھا جائے۔ تشدد کی بجائے تعلیم قائل کرنے کا ذریعہ ہو۔ مرد اور عورت کو ترقی کے یکساں مواقع میسر ہوں۔ قانون کی عملداری ہو اور جمہوری سربلند ہو۔

ہمارا ایمان ہے کہ--------

(پاکستان ایک اسلامی مملکت ہے اور اس کا اتحاد یگانگت ایک مقدس امانت۔ پاکستان کی خدمت کرنا اور اس کی حفاظت کرنا ایک مذہبی فریضہ ہے۔

(ہمیں غیر مشبہ طور پر یقین ہے کہ عوام آزادنہ طریق سے جو بھی راستہ منتخب کریں وہی حق کی راہ ہی ہوتی ہے۔ عوام بھی قوت کا منبع ہیں اور قانون کے سامنے ہر شہری برابر ہے۔

(ہم اقتصادی قوت کے مکمل اشتراک میں ایمان رکھتے ہیں۔ جس کے لئے پیداوار اور تقسیم کے سارے وسائل عوامی ملکیت میں لانا ضروری ہے۔ استحصال اور استبداد ختم ہونا چاہیئے۔ چاہے وہ انسان کا انسان ہو یا علاقہ کا دوسرے علاقے سے یا ایک خطہ کا دوسرے خطے سے معیشت کی منصوبہ بندی لازمی طور پر اس طریقہ سے ہو کہ انسانی اور مادی مسائل سے بہترین منفعت حاصل کی جا سکے۔ قوم کا انحصار صرف اپنے آپ پر ہو۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ---------

(ملک کے دونوں حصوں میں اور علاقائی طور پر بھی اقتصادی عدم مساوات اور ناہمواری سی موجود ہے۔ یہ صورت حال سرمایہ دارانہ معیشت کا قدرتی نتیجہ ہے جس سکیم سے کم عرصہ میں کلی طور پر ختم کر دینا ضروری ہے۔

(ملکی دفاع کو اولین اہمت حاصل ہے اور اس کے لئے عام فوجی تربیت لازمی ہے۔

(کشمیر کے مظلوم عوام کا یہ ناقابل تنسیخ حق ہے کہ وہ آزادانہ استصواب سے اپنے مستقبل اور ریاست جموں و کشمیر کی سیاسی نوعیت کا فیصلہ کریں۔

(بھارت کی آبادی کے بہت بڑے حصے نے اب بھی تخلیق پاکستان سے ذہنی سمجھوتہ نہیں کیا اور اسی وجہ سے پاکستان کی بقا کو عظیم خطرہ لاحق ہے۔ بھارتی مسلمان جو کہ ایک اقلیت کے طور پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان کا ثقافتی ورثہ اقتصادیات اور امنگیں ہمارے ساتھ ایک قریبی رشتہ رکھتی ہیں۔ ان کی سلامتی اور ترقی کی ایک اہم فکر مندی ہے۔

(پاکستان دنیا کی ساری قوموں سے دوستانہ تعلقات کا خواہش مند ہے۔ پاکستان عوام سامراجی اور نو آبادیاتی قوتوں کے خلاف دنیا بھر کے مظلوم عوام کی جنگ آزادی میں ان کے معاون اور شریک ہیں۔ پاکستانی عوام رنگ اور نسل کی بنیاد پر ہر قسم کی تفریق کے مخالف ہیں۔

قسم ہے رب العالمین کی کہ جب
انسان کو سیدھا راستہ ٹیڑھا دکھائی دے
اور وہ ظلم کی نشان دہی نہ کر سکے
اور ظلم کے خلاف آواز نہ اٹھائے

اور جب

لاتعلقی انسان کا شیوہ بن جائے
اور وہ اپنے فیصلے دوسروں پر چھوڑ دے
زندگی بے کار معلوم ہو
اور دل مردہ ہو جائے

انسان خود ایک طرف ہو کر بیٹھ رہے
اور دوسروں سے عمل کی توقع رکھے

اور جب

حقیقت سے آنکھیں بند کرلی جائیں
تاریخ سے عبرت نہ پکڑی جائے
جہالت کے اندھیرے پھیل جائیں
بصیرت ماند پڑ جائے
عالم علم کا سودا کرے
اور تخلیق کے سوتے سوکھ جائیں۔

تو یقیناً
انسان اپنی راہ سے بھٹک چکا ہے

اور جب

رزق کے وسائل عام نہ ہوں
امیر' امیر تر ہوتے چلے جائیں
غریب' غریب تر ہوتے چلے جائیں
زمیندار کسان کا حق لے جائے
سرمایہ دار مزدور کا حق چھین لے
سرمایہ محنت پر غالب آجائے
قومی دولت پر چند لوگوں کو قبضہ ہو
اور عوام زندگی کی ضروریات کو ترسیں

اور جب

انصاف کی راہیں لمبی ہو جائیں
غاصبوں کی رسی دراز ہو
مظلوموں کو فریاد رسی کا یقین نہ ہو
دوست اور اقتدار انصاف کے راستے میں حائل ہو جائیں

تو یقیناً
انسان سخت خسارے میں پڑ چکا ہے۔

اور جب

بے اصولی اصول بن جائے
دیانت داری مشکلات میں اضافہ کرے
شرافت انسانی کمزوری شمار ہو
خوشامد دانشمندی کی معراج ٹھہرے
منافقت قومی مزاج بن جائے

اور جب

ریاست کی اساس دین پر نہ ہو
ریاست کی نظریاتی بنیادیں نظرانداز کردی جائیں
ریاست کے معاملات باہم مشورے سے طے نہ پائیں
شہری آزادیاں نایاب ہوں
لوگوں کی رضا حکومت کو بدلنے پر قادر نہ ہو
اور قومی تقاضوں پر بیرونی دباؤ حاوی ہو جائے

اور جب

معاشی اور معاشرتی ناہمواریاں ظلم کا منبع بن جائیں
عوام میں اتحاد اور تنظیم نہ ہو
اور ایثار اور خدمت کو قیادت کی کسوٹی نہ سمجھا جائے

تو یقیناً
معاشرے کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی ہیں

اور جب

انسان اپنی راہ سے بھٹک چکا ہو
اور سخت خسارے میں پڑ چکا ہو
اور معاشرے کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی ہوں

تو ان لوگوں کے لئے

جو مظلوم ہیں
جو نوجوان ہیں
اور جو اتحاد عوام کے لئے کوشاں ہیں

جہاد کی راہیں سیدھی راہ ہے

جہاد نام ہے اس ابدی جدوجہد کا
جس میں انسان اپنی تخلیقی صلاحیتوں اور زور بازو سے انسانی اقدار کی حفاظت کرنے اور اپنے عروج کی منزلیں طے کرتا چلا جائے

جہاد نام ہے عوام کے اس اتحاد کا
جو مصنوعی امتیازات مٹا کر تقویٰ کو انسانی شرف کا معیار ٹھہرائے

جہاد نام ہے ایسا معاشرہ قائم کرنے کا
جس میں خدا کی حاکمیت کا اقرار کیا جائے

دین زندگی کی سب سے بڑی انقلابی قوت ہو
بھلائی کے فروغ اور برائی کے تدارک کا سامان ہو
کوئی مظلوم اور کوئی محکوم نہ رہے
حریت ' اخوت اور مساوات کے اصول جاری و ساری ہوں
انسان بھرپور زندگی گزار سکے
اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہو

جہاد نام ہے ایسا نظام حکومت قائم کرنے کا
جس میں عوام کی بنیادی ضروریات پوری کی جائیں
بنیادی انسانی حقوق محفوظ ہوں
انسانی محبت کو قومی دولت کی اساس سمجھا جائے
فرد کی عزت نفس کا احترام ہو
تشدد کے بجائے تعلیم قائل کرنے کا ذریعہ ہو
مرد اور عورت کو ترقی کے یکساں مواقع میسر ہوں
قانون کی عملداری ہو
اور جمہوری سربلند ہو۔

جہاد نام ہے حق کے لئے سینہ سپر ہو جانے کا
اور ظلم کے خلاف شہادت دینے کا

جہاد نام ہے اس ہمہ گیر تیاری کا
جو ملک اور قوم کو ناقابل تسخیر بنا دے
جس کے باعث دشمنوں کے دل ہیبت سے لرزتے ہوں
اور جس سے دنیا بھر کے مظلوموں اور محکوموں کو تقویت ملتی ہو

اس لئے ہم سب عوام

کسان ' مزدور ' سپاہی ' کاریگر ' دکاندار ' دفتری ' کارکن
طالب علم ' استاد ' دانشور ' مرد اور عورت

اتحاد عوام کا اعلان کرتے ہیں

اور عہد کرتے ہیں کہ

ہم جہاد کریں گے
جہالت کے خلاف اور علم کے حق میں
منافقت کے خلاف اور دیانت کے حق میں
ظلم کے خلاف اور انصاف کے حق میں
استحصال کے خلاف اور انصاف کے حق میں
غلامی کے خلاف اور آزادی کے حق میں

ہم جہاد کریں گے

اپنی جان سے ' مال سے ' زبان سے ' قلم سے

ہم جہاد کریں گے

یہاں تک کہ خدا کی زمین خدا کے نور سے جگمگا اٹھے

جموں و کشمیر

پاکستانی عوام تنازعہ کشمیر کی کربناک تاریخ سے پوری طرح واقف ہیں۔ اس دہرانے کی ضرورت نہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ مسئلہ کیسے پیدا ہوا اور گزشتہ 20 سال کے عرصے میں سے اسے کن سنگین مراحل سے گذرنا پڑا ہے۔

تمام دنیا جانتی ہے کہ کس مکاری سے اقتدار کو چھوڑ کر بھاگتے ہوئے ایک جابر حاکم کی ایک جنبش قلم سے جموں و کشمیر کے عوام کو ان کے پیدائش حق خود اختیاری سے محروم کر دیا گیا تھا۔ دنیا کو یہ بھی معلوم ہے کہ بھارت کی غاصب حکومت نے طاقت کے بل بوتے پر کشمیر پر قبضہ کرنے کے بعد روز روشن میں کشمیری عوام اور اقوام عالم کے روبرو یہ وعدہ کیا تھا کہ ریاست کے عوام کو حق خود اختیاری استعمال کرنے کا حق دیا جائے گا۔

گذشتہ 20 سال کے عرصہ میں بھارتی وعدوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے ہیں۔ لیکن جموں و کشمیر کے عوام میں اپنا پیدائشی حق استعمال کرنے کے عزم اور کشمیریوں کو حق خود ارادیت دلانے کے لئے پاکستانی عوام کی حمایت اور استحکام میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان ' تاریخ اور جغرافیہ کے اعتبار سے کشمیری عوام پاکستان کے ساتھ نہ ٹوٹنے والے رشتے میں منسلک ہیں اور بھارت کی کوئی بھی عیارانہ چال ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کی آزادی پر ڈاکہ نہیں ڈال سکتی۔ چاہے ان کی راہ میں کتنی ہی رکاوٹیں کھڑی کیوں نہ کی جائیں اور انہیں دبانے کے لئے انتھک کوششیں کیوں نہ کی جائیں۔ جموں و کشمیر کے عوام پاکستان کی برادری میں شامل ہو کر رہیں گے۔ یہ پاکستانی عوام کا ایمان ' اور پارٹی کا اعلیٰ ترین مشن ہے۔

اس مشن کو پارٹی کی تمام اندرونی اور بیرونی ذمہ داریوں پر فوقیت حاصل ہے۔ جموں و کشمیر کے عوام کا مستقبل پاکستان کے اپنے مستقبل کا ایک حصہ ہے۔ اس ریاست کے لوگ پاکستان کو ایسے ہی حصہ ہیں جیسے پنجاب ' بنگال ' سندھ بلوچستان اور سرحد میں رہنے والے لوگ اور بھارت سے آنے والے مہاجریں ہیں۔ پاکستان کشمیر کے بغیر ایسے ہی ادھورا ہے جیسے ایک جسم سر کے بغیر ہوتا ہے۔ بیس سال تک کشمیر کے نہتے عوام نے بھارتی قبضے کے خلاف جدوجہد کی ہے۔ ان کی جدوجہد آزادی پاکستان کو مکمل کرنے کی جدوجہد

ہے۔ کشمیری عوام سے کئے گئے وعدہ کو پورا کرانے کے مقابلے میں پاکستان میں اور کوئی کام اس سے اہم نہیں ہو سکتا اور کوئی دوسرا فرض افضل نہیں ہو سکتا۔ اس ذمہ داری سے پہلوتہی پاکستان کے لئے تباہی کا پیش خیمہ ہے۔

بھارت نے ریاست کو غلامی میں جکڑ رکھا ہے اور وہ انسانیت کی مجموعی احساس، ضمیر اور عالمی رائے عامہ کا مذاق اڑا رہا ہے۔ بھارت یہ سب کچھ اس لئے نہیں کر رہا کہ اسے علاقائی ہوس ہے۔ اس تمام کارروائی سے بھارت کا مقصد دو قوموں کے نظریئے کی جو پاکستان کی بنیاد ہے نفی کرنا ہے۔ اس مسئلہ کے حل کے لئے پاکستان نے ایک عرصے تک اقوام متحدہ اور بڑی طاقتوں پر انحصار کیا ہے۔ اقوام متحدہ کی مداخلت ہمیں کیس ایسی حل کے قریب نہیں لائی ہے جو حق خود اختیاری پر مبنی ہو۔ اس کے برعکس یہ محض ایک سراب ہے اور بے عملی کی پردہ پوشی ہے۔ اسی طرح بڑی طاقتوں کی مداخلت نے اس تنازعہ کے لئے انصاف کی راہیں ہموار کرنے کے بجائے پیچیدگیوں میں اضافہ کر دیا ہے۔ نہ اقوام متحدہ اور نہ ہی بڑی طاقتیں کشمیر کے ستم زدہ عوام کے امن کے راستے دکھائیں گی بلکہ اس شدید ناانصافی کو ختم کرنے کی تمام تر ذمہ داری پاکستان اور کشمیر کے عوام پر عائد ہوتی ہے۔

20 سال گزر گئے ہیں لیکن اس جدوجہد میں مزید طویل عرصہ درکار ہو گا اور آخری فتح حاصل کرنے تک مزید قربانیاں دینی پڑیں گی۔ اس کے لئے کتنی ہی قربانیاں دینی پڑیں، مشکلات کا سامنا کرنا پڑے اور جدوجہد کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو جائے اس بات میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ بالاخر آخری فتح کشمیری عوام اور پاکستان ہی کو حاصل ہو گی کیونکہ جس مقصد کی سربلندی کے لئے وہ جدوجہد کر رہے ہیں وہ حق و انصاف اور اخلاقی اقدار پر مبنی ہے قوم اس عظیم مقصد کو حاصل کرنے کی غرض سے آگے قدم بڑھانے کو تیار ہے۔

پاکستان سچائی کو جنس بازار نہیں بنا سکتا۔ اس کے عوام اپنے عقیدوں کا سودا نہیں کر سکتے۔ ہم ایک سچے موقف سے دستبردار نہیں ہو سکتے اور پائدار اصولوں کو نہیں چھوڑ سکتے۔

اگر عوام میں سے کچھ لوگ جن کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں اور جن کے کچھ اپنے ذاتی مفاد بھی وابستہ ہیں اس مسئلہ کو بنیادی ذمہ داری سمجھنے کی بجائے اپنی ذات کے لئے ہوا خیال کرنے لگے ہیں تو دنیا کو جان لینا چاہئے کہ پاکستانی عوام ان کے خوف و ہراس میں شریک نہیں ہیں۔ بلکہ وہ اپنی جدوجہد کو آخر تک چاہے وہ کتنا ہی تلخ کیوں نہ ہو جاری رکھنا چاہتے ہیں اور بین الاقوامی طاقتوں کی سیاسی مداخلت یا طاقت کے اثرات انہیں خوفزدہ نہیں کر سکتے۔ پاکستان کے لوگ کبھی شکست تسلیم نہیں کریں گے اور اگر برسراقتدار لوگوں میں سے کچھ افراد نے حالات کے دباؤ یا خوف کے تحت جھکنے کی کوشش بھی کی تو عوام اسے کبھی برداشت نہیں کریں گے۔

پاکستان اس مسئلہ کا پرامن حل چاہتا ہے اور یہ حل حق خود اختیاری پر مبنی ہونا چاہئے۔ ہم طاقت کا استعمال کئے بغیر ان وعدوں کو پورا ہوتے دیکھنا چاہتے ہیں جو جموں و کشمیر کے لوگوں سے کئے گئے تھے لیکن جنگ کا خوف جنگ سے زیادہ نقصان دہ ہے۔ پاکستان جنگ کی تباہ کاریوں اور خون خرابے سے پوری طرح آگاہ ہے۔ اس نے اپنی چھوٹی سی عمر میں دو مرتبہ بڑے پیمانے پر جنگ اور اس کے خون خرابے کا مشاہدہ کیا ہے۔ ہم پوری سنجیدگی سے یہ کہتے ہیں کہ ہم جنگ اور تصادم نہیں چاہتے ہم امن چاہتے ہیں لیکن ہم کشمیر کے سودے پر امن نہیں خرید سکتے۔ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تصادم سے بچنے کی خاطر اور امن کی امید میں پاکستان نے بہت سے علاقے بھارت کے حوالے کر دیئے ہین اور وہ ابھی تک ہمیں دھوکے میں رکھے ہوئے ہے گذشتہ 20 سال کے عرصہ میں یہ رویہ اختیار کرنے کے باوجود پاکستان دو مرتبہ میدان کارزار بن چکا ہے اور یہاں کے عوام جنگ کے سائے میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ جنگ کی غیر موجودگی میں پاکستان کے لوگ امن سے ہمکنار نہیں ہوئے۔ امن کی شرائط جن کے لئے ہم بہت خواہش رکھتے ہیں اپنے حقوق سے دستبرداری کی بجائے حقوق کی حفاظت کرنے سے حاصل ہوں گے۔

گورداسپور، فیروز پور، امرتسر کے کچھ حصوں آسام اور حیدر آباد سے واپس ہٹنے میں اس لئے مصلحت سمجھی گئی تھی کہ بھارت نے اپنی بھری ہوئی توپوں کا رخ پاکستان کی طرف موڑ رکھا تھا۔ باوجود یہ کہ ہم اپنے کچھ علاقوں سے دستبردار ہو گئے۔ بھارت کی توپیں اب بھی پاکستان پر نشانہ لگائے ہوئے ہیں۔ اگر اسی غلط قسم کی منطق کے تحت ہم کشمیر یا اس کے کسی ایک حصے سے امن خریدنے کی امید میں واپس ہٹ جاتے ہیں تو ہماری ناامیدی کی انتہا اتنی ہی ہو گی جس طرح زندگی کے بعد موت کا سامنا کرنے میں ہوتی ہے۔ بھارت کشمیر نہیں چاہتا بلکہ کشمیر کو پاکستان کے حوالے کرنے سے انکار کر کے پاکستان کو ختم کرنے کی فکر میں ہے۔ پاکستان کا بنیادی نظریہ ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ اگر پاکستان مسلم اکثریت کے علاقے کو بھارت کا حصہ بننے کے اصول کو تسلیم کر لیتا ہے۔ اس وجہ سے بھارت کشمیر پر اپنا شکنجہ مضبوط تر کرتا چلا جا رہا ہے۔ بغیر کسی شک و شبہ کے بھارت کو یہ واضح کر دینا چاہئے کہ پاکستان مزید مراعات دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ ہمیں یہ لائحہ عمل اختیار کرنا ہی ہو گا اور بہتر یہی ہے کہ ہم اس تنازعہ پر ہی یہ رویہ اختیار کر لیں ہمیں اپنے حقوق کے اس آخری قلعے کی حفاظت کے لئے اپنے پرچم کو اور عزم کو بلند رکھنا چاہئے۔ بھارت کھوکھلے بیانات یا اقوام متحدہ کی قراردادوں سے پاکستان کے اس عزم کو نہیں سمجھے گا۔

اس کو سمجھانے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ ہم اس پر واضح کر دیں کہ ہم جموں و کشمیر میں انصاف کی پاسبانی کرنے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔ بھارت ہمارے موڈ، نقل و حرکت، ہماری تیاری، جرات کے مظاہرے، عوام کے جذبے اور راہنماؤں کے رویے سے ہماری نیت اور عزم کا اندازہ کرے گا۔

ایسی فضا پیدا کی جانی چاہئے۔ یہ فضا اسی صورت میں پیدا ہو سکتی ہے اگر ہم سر جھکانے کی بجائے سینہ تان کر ہر مقابلے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اب وقت ہے کہ ہم بھارت کے دفاعی بجٹ کے اعداد و شمار اور اس کی جنگی تیاریوں کو بار بار بیان کر کے پاکستانی عوام کو خوفزدہ کرنے سے باز آ جائیں۔ ہمیں گھٹنوں کے بل ہو کر امن کی درخواست کر کے پاکسانی عوام جموں و کشمیر کے حوصلے جو جدوجہد آزادی میں مصروف ہیں' کم نہیں کرنے چاہئیں۔ بھارت مناسب موقع کی تلاش میں ہے اور پاکستان پر ضروری حملہ کرے گا۔ بھارت پاکستان کی طرف سے امن کی تجاویز اور بامقاصد مذاکرات کی پیش کش کے پیش نظر ہتیار نہیں ڈالے گا اور نہ ہی وہ غیر ملکی طاقتوں کی اپیل پر اپنے دفاعی اخراجات میں کمی کرے گا۔ وہ اپنی فوجی قوت میں اضافہ کرنے کی مہم جاری رکھے گا۔

ہمیں باتیں کرنے کی بجائے حقیقت پسندی سے کام لینا چاہئے۔ بھارت اپنی روایتی پالیسیوں کے رخ کو تبدیل کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے تعصب کی جڑیں صدیوں پیچھے جنم لیتی ہیں۔ اور خدانخواستہ وہ کشمیر کو ہڑپ کرنے میں کامیاب بھی ہو گیا تو وہ اسی پر اکتفا نہیں کرے گا۔ وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھے گا جب تک وہ پاکستان کو ختم نہیں کر دیتا۔

کیا برصغیر کی ہزاروں سال پرانی تاریخ پاکستان کے لوگوں کو یہ سبق نہیں سکھلاتی کہ بھارت الفاظ پر کبھی دھیان نہیں دھرے گا؟ بھارت رومنوں کے الفاظ کا پیروکار ہے جو تمہاری کتابوں سے راہنمائی حاصل نہیں کرے گا بلکہ اس کا قائد کو ٹیلہ ہے۔ ہتھیار بند بھارت کا جواب پاکستان کے مسلح ہونے میں ہے۔ تم اس بات کی کوشش مت کرو کہ بھارت کو ہتھیار نہ دیئے جائیں کیونکہ یہ تمہارا فرض نہیں ہے کہ تم عادی جارح کو غیر مسلح کرو۔ اس کی بجائے تم اپنے عوام کو بندوقیں دو۔ جارحیت کا منہ توڑ جواب دینے کا جواب بھی یہی ہے کہ پوری قوم اپنے وطن اور حقوق کی حفاظت کے لئے تیار ہو۔ جب پوری قوم مسلح ہو تو اس صورت میں تباہی ہو سکتی ہے مگر شکست کبھی نہیں ہو سکتی۔ ویت نام کی جنگ سے یہی سبق ملتا ہے۔ اگر ہم ان کی بہادری سے سبق حاصل نہیں کرتے تو پھر ہم کبھی سبق حاصل نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے خدا کے نام پر بھارتی قوت اور اس کے حجم اور اس کے اثرات کے بارے میں باتیں کرنا چھوڑ دو۔ قوم کو تیار کرو تاکہ وہ فرائض سے عہدہ برآ ہو سکے۔ اگر ویت نام کے بہادر اپنی جدوجہد کو اسی منطق پر آزماتے اور حالات کو جوں کا توں تسلیم کر لیتے تو بھی اپنے دفاع میں ایک گولی چلائے بغیر دنیا کی طاقت ور ترین قوم کے آگے ہتھیار ڈال دیتے۔ لیکن یہ سبق ویت نام کا نہیں ہے اور نہ ہی یہ سبق رومنوں کے زمانے سے لے کر اب تک تاریخ کا ہے۔

اگر فیصلہ انصاف اور دھاندلی جابر و مجبور کے درمیان فیصلہ طاقت کے بل بوتے پر ہی ہوتا تو آج دنیا میں رومن حکمرانی کرتے نظر آتے لیکن تاریخ ہمیں اس سے مختلف سبق دیتی ہے۔ کسی ملک پر قبضہ ہمیشہ قائم نہیں رکھا جا سکتا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قوموں کی آزادی سلب نہیں کی جا سکتی۔ جارحیت کو ہمیشہ کے لئے کھلی چھٹی نہیں دی جا سکتی۔ بحرحال ناجائز دباؤ ختم ہو کر ہی رہتا ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو آج پوری دنیا زنجیروں میں جکڑی ہوتی اور موجودہ تہذیب کا جو اپنی پوری تابانی کے ساتھ دنیا میں قائم ہے کوئی وجود نہ ہوتا اور دنیا ایک قید خانے کی صورت اختیار کر جاتی۔ دنیا کی ابتدا سے لے کر اب تک محکوم حاکموں اور جابروں کے خلاف جدوجہد کرتے آئے ہیں۔ اس جدوجہد کی بدولت انسانیت نے ترقی کی منزلیں طے کی ہیں۔ یہ صرف اس لئے ہوا ہے کہ ہمیشہ کمزور نے انصاف اور برابری کے نام پر طاقت ور فتح پائی ہے۔

اگر ہتھیاروں کی برتری پر سب کچھ منحصر ہوتا تو دنیا میں کوئی بھی جنگ آزادی نہ لڑی جاتی۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ نہتے عوام نے اپنے خالی ہاتھوں کی مدد سے طاقت ور حملہ آوروں کو شکست دی ہے۔ اور چھوٹی قوموں نے ناقابل تسخیر فوجوں کے مقابلے میں آزادی حاصل کی۔ جموں و کشمیر کے عوام تاریخ کے اس دھارے سے مختلف نہیں ہو سکتے۔ انہیں اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ تہذیب کے رخ کی نفی کریں۔ بھارت وہ پہلا حملہ آور نہیں ہو سکتا جو اپنی تباہی کے انجام سے بچ سکے۔ بھارت دنیا کی اس تمام طاقت ور سلطنتوں سے زیادہ طاقت ور نہیں ہے جن کے قلعے ماضی میں مسمار ہو چکے ہیں۔ جموں و کشمیر کے عوام نے خدا اور اس کے آدمیوں کے خلاف کوئی ایسا جرم نہیں کیا ہے کہ وہ ہمیشہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہیں۔ بھارت کی ذات پات سے متاثر بیمار سوسائٹی کو پیغمبروں کی کون سی دعائیں حاصل ہیں کہ وہ ہمیشہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہیں۔ بھارت کی ذات پات سے متاثر بیمار سوسائٹی کی پیغمبروں کی کون سی دعائیں حاصل ہیں کہ وہ ہمیشہ فاتح کے روپ میں قائم رہے۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ بھارت طاقت ور ناقابل شکست ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگ کمزور اور بزدل ہو گئے ہیں۔ اسی خوف کی بنا پر یہ کہا گیا ہے کہ کشمیر پاکستان کے لئے ہے اور پاکستان کشمیر کے لئے نہیں ہے اور یہ کہ ہم کشمیر کے لئے پاکستان کے وجود کو خطرے میں نہیں ڈال سکتے۔ یہ عجیب و غریب دلائل خود مختاری کے ابتدائی فوائد کے بھی خلاف ہیں۔ یہی وہ منطق ہے جو بتدریج پاکستان کی جدوجہد کو کمزور توڑنے کا باعث بنے گی۔ کیا یہ فراموش کیا جا چکا ہے کہ پاکستان کے عوام اپنی مادر وطن کے ایک ایک انچ کی حفاظت کرنے کے لئے تیار ہیں اور یہ ملک کے کسی ایک حصے پر حملہ پورے ملک پر حملے کے برابر ہے۔

اس دلیل کی قوت اسی صورت حاوی ہو سکتی ہے اگر ہم پاکستان کو قسطوں میں دوسروں کو حوالے کر دینے کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ حقوق کی حفاظت کی خاطر قوموں نے دوسرے لوگوں کے لئے جنگیں لڑی ہیں۔ عظیم جنگیں انسانی حقوق کی حفاظت اور جارح کو ختم کرنے کے لئے لڑی گئی

تھیں۔

اگر دنیا میں ایسی قومیں موجود ہیں جو دوسروں کے حقوق کے لئے لڑنے کے لئے تیار ہیں تو ہمیں کم از کم اپنے علاقے کی حفاظت کے لئے جنگ کا سامنا کرنے کے لئے تیار ہونا چاہیے۔ آیئے عہد کریں کہ ہم ان دلائل کو رکاوٹ نہیں بنیں گے جن سے حملہ آوروں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور جن سے ہمارے عوام کی رسوائی ہوتی ہے۔

جموں و کشمیر کے تنازعہ کا حق اختیاری کی بنیاد پر حل ہونا چاہیے۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کی اور کوئی بنیاد نہیں ہو سکتی۔ اس لئے جب ہم اس تنازعہ کے حل کے بارے میں بار بار لچک دار زبان استعمال ہوتے سنتے ہیں تو ہمیں تشویش ہوتی ہے۔ قدم بہ قدم ہم نے حق خود اختیاری کا موقف چھوڑ کر بامقصد مذاکرات کا ذکر شروع کر دیا ہے۔

اس مسئلہ کا باعزت حل حق خود اختیاری کے استعمال میں ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ جموں و کشمیر کسی جاگیر کا ٹکڑا نہیں ہے کہ اس پر تجارتی سطح پر بات چیت کی جائے۔ اگر ایک دفعہ ہم حق خود اختیاری کے اصول سے دستبردار ہو جاتے ہیں تو ہم اس اخلاقی اور سیاسی ذمہ داری سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں جو جنگ کے تمام ہتھیاروں سے زیادہ اہم ہے۔ یہ سوال غیر لچکدار ہونے کا نہیں ہے۔ بلکہ سفیرانہ زبان سے دھوکہ کھا جانے کا ہے۔ پاکستان پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے یہ پاکستان کے لئے نہیں کہ وہ معقول رویہ اختیار کرے۔ یہ بھارت ہے جس نے غیر معقول رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ یہ پاکستان کے لئے نہیں کہ وہ اپنے رویے میں لچک پیدا کرے۔ یہ بھارت ہے جس نے غیر لچک دار رویہ اختیار کر رکھا ہے۔ جب یہ کہا گیا تھا کہ ہم ایک ہزار سال تک جنگ لڑنے کے لئے تیار ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ہم لفظوں کے لغوی معنوں کے پیش نظر جسمانی طور پر ایک ہزار سال تک جنگ جاری رکھیں گے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم کسی حالت میں حق خود اختیاری کے اصول پر سودہ بازی نہیں کریں گے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہمارا عزم کبھی کمزور نہیں پڑے گا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم کبھی ناجائز دباؤ برداشت نہیں کریں گے۔

یہ بہتر ہے کہ اس مسئلہ کا کوئی حل نہ ہو۔ بجائے اس کے کہ ہم اس کا غیر منصفانہ حل قبول کر لیں۔ اس مسئلہ کا غیر منصفانہ حل غیر یقینی صورت حال سے بدتر ہے۔ آخری حل کے لئے ضروری ہے کہ وہ انصاف پر مبنی ہو۔ اسی وجہ سے ہمارے اندر اتنا صبر و حوصلہ ہونا چاہیے کہ ہم منصفانہ حل تلاش ہونے تک انتظار کر سکیں۔ ہمیں حوصلہ نہیں چھوڑنا چاہیے۔ ہمیں دل برداشتہ نہیں ہونے چاہیے۔ ہمیں باہوش رہنا چاہیے اور مناسب موقع کا انتظام کرنا چاہیے۔ آئندہ بھی مناسب مواقع آئیں گے جس طرح ماضی میں آتے میں رہے ہیں۔ پاکستان تین مرتبہ اس مسئلہ کے باعزت حل کے قریب آ گیا تھا۔ 1948ء میں پاکستان جموں و کشمیر کو آزاد کرنے کے بالکل قریب پہنچ گیا تھا۔

اگر گذشتہ 20 سال کے عرصے میں تین مختلف مواقع پر پاکستان اپنے حقوق حاصل کرنے کے قریب تر ہو گیا تھا تو اس امر کا بہت زیادہ امکان ہے کہ آئندہ بھی ایسے مواقع پیدا ہوں گے۔ ہمیں اس موقعہ کا انتظام کرنا چاہیے اور مخالفت کی پالیسی پر کاربند رہنا چاہیے۔

تمام دنیا میں بہت سے واقعات رونما ہو رہے ہیں۔ بھارت میں بھی کئی تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ وقت کا دھارا ہماری موافقت میں ہے۔ ہمیں جلدی میں کوئی کام نہیں کرنا چاہیے۔ بھارتی توپوں کو دیکھ کر کانپنا نہیں چاہیے۔ یہ بات پاکستانی عوام کے خمیر میں شامل نہیں ہے کہ وہ کانپیں، عوام تیار ہیں اور اب یہ قیادت پر ہے کہ وہ عوام کو ان کے آخری مقصد سے ہمکنار کرے۔ یہ جنگ کرنے کا مطالبہ نہیں ہے۔ یہ مطالبہ انصاف کا تقاضا کرتا ہے۔ ہم امن کے خواہاں ہیں لیکن ہمیں خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے اور اپنی قوم کو سفارتی بلیک میل کا نشانہ نہیں بنانا چاہیے۔

بھارت کے ساتھ میل جول کے سلسلے میں گذشتہ ایک ہزار سال کا تجربہ ہمارے سامنے ہے۔ آئندہ ایک ہزار سال کی تاریخ بھی ہمارے سامنے ہو گی۔ ہمارا مستقبل اتنا ہی درخشندہ ہو گا جتنا کہ ہمارا ماضی میں تھا۔ بشرطیکہ ہم اپنے ایمان کو پرکھنا اور اس سے قوت حاصل کرنا جان جائیں۔ اگر ہم اپنے نظریہ حیات اور وعدوں پر کاربند ہو جائیں تو ہم کامیاب ہو جائیں گے اور جموں و کشمیر کے لوگ پاکستانی عوام کے ساتھ خونی رشتے میں منسلک ہو جائیں گے۔

اگر ہم نے اپنے ماضی کی تاریخ سے ہٹ کر کوئی راستہ اختیار کیا تو ہم صرف جموں و کشمیر کو ہی نہیں چھوڑ دیں گے بلکہ پوری قوم کے لئے بدنامی کا باعث بنیں گے اور ملک کو خطرے سے دوچار کر دیں گے۔

یہ پارٹی کے عہد ہے کہ وہ عزت کے راستے سے کبھی نہیں ہٹے گی اور جموں و کشمیر کو آزاد کرانے کے عہد سے کبھی نہیں پھرے گی۔ نتائج سے بے نیاز ہو کر پارٹی خدا اور انسانی سے کئے گئے وعدے کو پورا کرے گی۔

پاکستان کے لئے آسام کے ساتھ خصوصی تعلقات رکھنے کی ضرورت

ریڈ کلف ایوارڈ کی ناانصافیوں سے پاکستان کے عوام اچھی طرح واقف ہیں۔ ریڈ کلف کمیشن نے تقسیم کے اصولوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے من مانی کارروائی سے گورداسپور اور فیروزپور کے اضلاع اور امرتسر کا بہت سا علاقہ ہندوستان کو دے دیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ علاقے پاکستان کو ملنے چاہئیں تھے۔ پاکستان کے قومی علاقوں کے اس نقصان کو لاکھوں بے گناہ

انسانوں کے قتل عام نے جو ان علاقوں سے بے گھر کر دیئے گئے تھے اور بھی المناک بنا اور شاید انہی المناک حالات کے سبب اس کا بہت کم علم ہے کہ مشرقی حصہ بھی پاکستان کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی روا رکھی گئی۔

آج جب کہ ہم جموں و کشمیر کے بارے میں ہندوستان کے ساتھ مفاہمت کا ذکر بار بار سن رہے ہیں جس کی بنیاد حق خود اختیاری پر نہیں بلکہ چند من مانے انتظامات پر ہے تو یہ مناسب ہو گا کہ ہم ان یادوں کا اعادہ کریں کہ آسام کیسے پاکستان سے چھین لیا گیا اور یہ مسئلہ کیسے کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا چاہے بظاہر اس کے بارے میں آخری سمجھوتہ ہو چکا تھا۔

8/ اور 9/ اپریل 1946ء کو مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے مسلمان ممبروں کا ایک کنونشن دہلی میں قائداعظم کی صدارت میں منعقد ہوا تھا۔ حسین شہید سہروردی کی تجویز پر ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں ان دو حصوں کی وضاحت کی گئی تھی جن پر پاکستان مشتمل ہونا تھا۔

"ہندوستان کے شمال مشرق بنگال اور آسام پر مشتمل اور شمال مغرب میں پنجاب سرحد صوبہ سندھ اور بلوچستان پر مشتمل وہ منطقے ---- یعنی پاکستان کے منطقے ---- جہاں مسلمان واضح اکثریت میں ہیں انہیں خود مختار مملکت میں تشکیل کر دیا جائے اور غیر مبہم یقین دلایا جائے کہ پاکستان کا قیام بلا تاخیر عمل میں لایا جائے گا"۔

یہ ٹھیک ہے کہ غیر منقسم بنگال میں ہندوؤں کی آبادی کافی ہوتی لیکن یہاں صورت حال غیر منقسم پنجاب سے بری نہ ہوتی جہاں سکھ اور ہندو دونوں بڑی اقلیت میں موجود ہوتے ان حالات میں پنجاب کی تقسیم ناگزیر تھی اور جب اصول ایک دفعہ مان لیا گیا تو بنگال کی تقسیم سے بھی مفر نہیں تھا۔

برطانوی حکومت نے تقسیم ہند کے جس منصوبہ کا اعلان 3/ جون 1947ء کو کیا تھا اس میں آسام کی تقسیم کی تجویز بھی تھی (متن کا پیرا نمبر 13)

"اگرچہ آسام ایک غیر مسلم اکثریتی صوبہ ہے لیکن سلہٹ کے ضلع میں جو بنگال سے متصل ہے غالب مسلم اکثریت ہے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ اگر بنگال کی تقسیم ہونا ہی ہے تو سلہٹ کو مسلم بنگال میں مدغم کر دیا جائے"۔

یہ واضح تھا کہ اس تجویز کی قبولیت کے بعد آسام کا ایک اکائی کے طور پر پاکستان میں شامل ہونا بعید از امکان تھا۔ اسی لئے آسام کی نسبت بونڈری کمیشن کے دریافت طلب مسائل کو ضلع سلہٹ تک محدود کر دیا گیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ آسام کی اکثر آبادی مسلم نہیں تھی لیکن کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اکثریت ہندو تھی؟

انگریز اس اصول پر مصر تھے کہ آبادی کو مسلم و غیر مسلم اس مفروضہ پر تقسیم کر دیا جائے کہ سارے مسلم خود کو مسلمانوں میں گنے جانے کی نسبت ہندوؤں میں گنے جانے کو ترجیح دیں گے۔ کیا یہ مفروضہ جو پنجاب میں سکھوں کی نسبت تو صحیح ہو سکتا ہے آسام پر بھی قابل اطلاق تھا؟ ہم پہلے 1941ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار کی روشنی میں آسام کی فرقہ وارانہ حیثیت ترکیبی پر بحث کریں گے۔ برطانوی حکومت اور دوسرے فریقوں نے اپنے مذاکرات اور تنازعوں میں انہی اعداد و شمار کو رہبر بنایا تھا۔

تقسیم سے متعلق امور کے فیصلوں کے لئے انگریزی نے صرف مندرجہ ذیل فرقوں کی علاقائی عددی قوت پر توجہ دی ہندو' اچھوت' ہندوستانی عیسائی' سکھ اور مسلمان' برطانیہ کی نگاہوں میں دوسرے فرقوں کی عددی قوت اتنی کافی نہ تھی کہ وہ مرکزی فیصلہ یعنی تقسیم کے بارے میں کوئی بات کہنے کا حق رکھتے۔

اگر یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ ہندوستان کو دو مملکتوں سے زیادہ تقسیم نہیں کرنا چاہئے تو پھر وہ اس میں تو ہی بجانب تھے کہ ان گروہوں کے سارے مسائل کو نظر انداز کر دیتے جو ان متنازعہ منطقوں کے باہر تھے جن کا پاکستان نے دعویٰ کیا تھا۔ مغربی منطقہ میں ساری آبادی مذکورہ قوموں پر ہی مشتمل تھی لیکن مشرقی منطقہ میں آبادی کی صورت حال بالکل مختلف تھی۔

آسام میں مختلف قوموں کی قوت:

1941ء کی مردم شماری کے مطابق ہمارے آسام میں کوئی سکھ نہیں تھا۔ وہاں جو قومیں آباد تھیں وہ (1) ہندو۔ (2) اچھوت (3) ہندوستانی عیسائی (4) وہ قومیں جن کی اوپر بتائی ہوئی قوموں میں تخصیص نہیں کی جاسکتی۔

اس آخری گروہ کا انگریزی نے کوئی نوٹس نہیں لیا جو اصول وضع کیا گیا تھا وہ یہی تھا کہ آبادی کو صرف مسلم اور غیر مسلم پر مشتمل تصور کیا جائے۔

آسام کی کل آبادی 10,204,753 دی گئی تھی۔ اس میں سے مسلمانوں کی تعداد 3,422,479 تھی۔ اور ہندوؤں کی 3,536,932 تھی یہ بات دیکھی جائے گی کہ دونوں قوموں کی تعداد میں بہت کم فرق تھا اتنا کم کہ جسے تخمینہ کی غلطی شمار کیا جاسکتا ہے۔

اچھوتوں کی تعداد 6,76,291 دی گئی ہے اور ہندوستانی عیسائیوں کی 37,750

اگر مسلمان' ہندو' اچھوت اور ہندوستانی عیسائیوں کی تعداد جمع کی جائے تو وہ 7,673,452 بنتی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ 2,531,281 لوگ جو کافی بڑی تعداد میں اب بھی باقی رہ جاتے ہیں جنہیں کسی گنتی میں لانا چاہئے۔ آئیے ہم ان اعداد و شمار پر ساری آبادی کے فیصد کی صورت میں نظر ڈالیں

مسلم	33.7 فیصدی	ہندستانی عیسائی	0.4 فیصدی
ہندو	34.6 فیصدی	دوسرے	24.7 فیصدی
اچھوت	6.6 فیصدی		

مسلمان اور ہندو تقریباً برابر تعداد میں تھے۔ یعنی ہر قوم آبادی کا تقریباً ایک تہائی تھی۔ اچھوت جن کی تعداد صرف 6.6 فیصد تھی فیصلہ کن ووٹ کے بمشکل حق دار سمجھے جاسکتے تھے۔ ہندوستانی عیسائی بالکل ناقابل لحاظ تھے اور اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کے مفادات ترازو کے

پلڑوں کو ایک طرف یا دوسری طرف جھکا سکتے تھے۔ ب ہمارے پاس صرف ہی جم غفیر رہ جاتا ہے جنہیں ہم "دوسرے" کہیں گے۔ ان کی تعداد پوری آبادی کا چوتھائی ہے۔ ان کے مفادات کو اس مفروضے پر نظرانداز کر دیا گیا کہ انہیں اپنی الگ شخصیت کو "غیر مسلم" کی منفی درجہ بندی میں گم کر دینا ضروری ہے۔

ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ مغربی حصہ کی تقسیم کے مسائل نپٹاتے وقت سارے غیر مسلموں کو اکٹھے گن لینے کا کچھ جواز تو ہو سکتا تھا۔ ہندوؤں' اچھوتوں' سکھوں اور ہندوستانی عیسائیوں کے علاوہ مغرب میں کوئی غیر مسلم اقلیتیں ایسی نہیں تھیں جن کی عددی قوت نہ ہونے کے برابر نہ ہو۔ کچھ پارسی عیسائیوں کے علاوہ مغرب میں کوئی غیر سلم اقلیتیں ایسی نہیں تھیں جن کی عدی قوت نہ ہونے کے برابرہ ہو۔ کچھ ہاری جو سندھ میں آباد ہیں ان کی یہی صورت ہے۔ جب ہم مغربی منطقے کی ان غیر مسلم قوتوں کے بارے میں سوچتے ہیں جو ہندو نہیں تو ہم تسلیم کر سکتے ہیں کہ پارسیوں کے سوا یہ سارے نسبی طور پر ہندو ہیں یا ہندو جاتی کے دور تک پھیلے ہوئے سلسلے کی بیرونی کڑی ہیں۔ بلاشبہ سکھ اپنے نسب کا ماخذ ہندوؤں سے بیان کرتے ہیں۔ اور یہی حال ہندوستانی عیسائیوں کا ہے جن کی بہت بڑی اونچی ذات کے ہندوؤں یا نیچی ذات کے ہندوؤں سے نئے مذہب میں داخل ہوئی۔ اچھوت تو ہندوؤں کی ایک محیطی قوم ہیں

آسام میں صورت حال بالکل مختلف تھی۔ کل آبادی کے ایک چوتھائی کا ہندو قوم سے کوئی رشتہ نہیں تھا اگرچہ وہ مسلمان نہیں تھے۔ ہر عہد میں انہوں ے ہندو غلبہ کی مزاحمت کی اور اتنی کامیابی سے کہ ان کے مقبوضہ علاقوں میں ہندو مداخلت انگریزی راج کے بعد ہی شروع ہو سکی انہوں نے تو خود کو ہندوستانی بھی کبھی نہیں مانا اور نہ وہ اب مانتے ہیں۔

برطانوی منتظمین کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ غیر ہندوستانی آبادی استحصال کا بری طرح شکار ہو جائے گی۔ اگر انہیں ہندو جاتی کے تاجروں' بنیوں اور سود خوروں کی غارت گری سے محفوظ نہ کیا گیا۔ غیر ہندوستانی آبادی کے علاقوں میں خصوصی انتظامی اقدامات کئے گئے تھے۔ انگریزوں کا اس کے علاوہ اپنا بھی ایک مفاد تھا۔ پہاڑی علاقوں میں چائے کے وسیع باغات کے لئے انہیں سستے مزدوروں کی ضرورت تھی۔

وہ فارمولا جس کا اطلاق مغربی خطے پر ہو سکتا تھا یا بنگال کی صورت میں بھی قابل قبول تھا۔ آسام کے لئے بالکل انمل بے جوڑ تھا۔ آسام میں ہندو اور مسلمان عملاً" مساوی تعداد میں تھے۔ ایک چوتھائی آبادی کا مفاد اس میں نہیں تھا کہ وہ ہندوستان میں مدغم ہو۔ بعد کے واقعات یعنی ناگا اور میزو قبائل کی بغاوت' نکسل باڑی میں گڑبڑ اور آسام کے دوسرے علاقوں میں بے اطمینانی نے واضح طور پر ثابت کر دیا کہ آسام کی قسمت کا فیصلہ اس طرح کرنا غلط تھا کہ سارے غیر مسلموں کو ایک اکائی سمجھ لیا جائے۔

یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ آسام کے جغرافیائی محل وقوعد اور اسکی آبادی میں غیر ہندوس اکثریت کے باوجود انگریز کیوں بے تاب تھا کہ آسام بھارت کو دان کر دیا جائے۔ اصل بات یہ ہے کہ انگریز اس بات سے احتراز کر رہا تھا کہ پاکستان کی سرحدیں کہیں بھی چین یا وسطی ایشیا سے متصل ہوں۔ مغربی حصہ میں وہ اس حکمت عملی میں صرف اس لئے ناکام ہو گیا کہ مہاراجہ کے خلاف کشمیر کے شمالی مغربی خطہ کی بغاوت کو دبانا مشکل ہو گیا تھا۔ مشرقی حصہ میں ان کی پالیسی کامیاب رہی۔ انہوں نے آسام کے اصل مسئلہ کا رخ ملکی علیحدگی کی طرف موڑ دیا جہاں کہ مسلمانوں کی اکثریت تھی۔

دوسری وجہ جس کی بنا پر انگریز جو چاہتے تھے کہ گزرے' چائے کی صنعت کا مفاد تھا جو زیادہ تر انگریزوں کے ہاتھ میں تھی۔ آسام میں چائے کہ بڑے بڑے باغات انگریزیوں کی ملکیت تھے۔ ان پر کثیر سرمایہ لگ چکا تھا اور بہت زیادہ منافع کا ذریعہ تھے۔

دار جیلنگ میں چائے کے عظیم باغات بھی برطانوی ملکیت تھے۔ اگر آسام پاکستان کا حصہ بنتا تو امکان سہی تھا کہ دار جیلنگ بھی پاکستان کو دے دیا جاتا۔ لیکن اگر دار جیلنگ ہندوستان میں بھی رہتا تو انگریزوں کی چائے کی وسیع صنعت دو ملکوں میں بٹ کر رہ جاتی۔ انگریزوں کے لئے بہتر یہی تھا کہ چائے کی صنعت متحد رکھی جائے اور اس ملک میں رہے جہاں انہوں نے کثرت سے سرمایہ لگا رکھا ہے یعنی بھارت میں۔ چائے کی برطانوی صنعت کے لئے سکم اور بھوٹان بھی سروکار رکھتے تھے۔ برطانیہ کو یقین نہیں تھا کہ یہ یقین نہیں تھا کہ حالات کیا رخ اختیار کریں گے اگر پاکستان کی سرحدیں ان سے متصل ہو گئیں۔ اگر ان ریاستوں نے خود مختاری کا فیصلہ کر لیا تو دار جیلنگ کی چائے پر برطانوی اجارہ داری رکھنے میں کافی الجھاؤ پیدا ہوں گے۔ پاکستان کے مرکزی علاقوں میں برطانوی سرمایہ بہت کم لگا ہوا تھا۔ مزید برآں تقسیم کے وقت یہ بھی غیر یقینی تھا کہ پاکستان کس قسم کی اقتصادی پالیسی اپنائے گا۔ کسی طرح بھی یہ حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا تھا کہ پاکستان مغربی ممالک کی آغوش میں آگرے گا۔

آسام کی تقسیم

آسام کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کا فیصلہ 3 جون کے منصوبہ میں کر دیا گیا تھا اور اس یہ فیصلہ برطانیہ کا سوچا سمجھا ہوا فیصلہ تھا۔ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ برطانیہ نے یہ گمراہ کن فیصلہ اپنے نو آبادیاتی مفادات کے لئے کیا جو دو تھے:-

1- پاکستان کو مرکزی ایشیا اور چین کی سرحدوں تک رسائی حاصل نہ کرنے دی جائے۔

2- چائے کی برطانوی املاک کی حفاظت

آیئے ہم اس پر غور کریں کہ اگر تقسیم ضروری ہی تھی تو کیا پاکستان کو صرف سلہٹ کا اکثر حصہ دے دینا ہی کافی تھا۔ سلہٹ میں مسلمانوں کو قطعی

اکثریت تھی اور ان کا تناسب 60.7 فیصدی تھا ہندو 65.2 فیصد' اچھوت فیصد اور ہندوستانی عیسائی 0.8 فیصدی- "دوسرے" بہت ہی کم تعداد میں تھے یعنی 2.3 فیصدی- سلہٹ سے متصل ضلع CACHSR ہے جس کی کل آبادی 641.181 ہے اور مختلف قوموں کی قوت حسب ذیل ہے:-

مسلمان	32.3 فیصدی	ہندستانی عیسائی	0.06 فیصدی
ہندو	27.1 فیصدی	دوسرے	28.44 فیصدی
اچھوت	8.1 فیصدی		

غیر ہندو نسبت کے لوگوں کی تعداد ہندوؤں سے زیادہ تھی- مسلمانوں سے مل کر ان کی آبادی 65.75 فیصدی تھی یعنی تقریباً 65 فیصدی ہو جاتی تھی- مسلم لیگ نے CACHAR کا ایک حصہ مانگا تھا کیونکہ یہاں مسلمانوں کی آبادی گنجان تھی- ریڈ کلف نے نہ صرف سارا CACHAR ہندوستان کو دے دیا بلکہ سلہٹ کا ایک ٹکڑا بھی کاٹ ڈالا کہ بھارت کے لئے تری پورہ تک رسائی آسان ہو جائے-

ملسم لیگ کا مطالبہ واجبی ساہی تھا کیونکہ اس نے ایسے بہت علاقے بھی ہندوستان کے لئے چھوڑ دیئے جہاں ہندو آبادی مقابلتاً" ناقابل اعتنا تھی- مسلم لیگ نے سلہٹ کے علاوہ درج ذیل علاقوں کا مطالبہ کیا:-

1- لوشائی کی پہاڑیاں
2- کاچھر کا ایک حصہ
3- گارو کی پہاڑیاں
4- گولپاڑا
5- کامروپ کا تھوڑا سا حصہ-

آیئے ہم ان ضلعوں کا جائزہ لیں جہاں ہندو قطعی اکثریت میں تھے- ان کی یہ پوزیشن صرف تین جگہوں پر تھی- کامروپ' سب ساگر اور لاکی پور- جہاں وہ بالترتیب 55.4 فیصد' 55.0 فیصد اور 51.1 فیصد تھے تاہم کامروپ میں مسلمان کسی طرح بھی ناقابل لحاظ نہیں تھے- ان کی آبادی 39.1 فیصدی تھی اس لئے مسلم لیگ نے جو خط تقسیم تجویز کیا تھا وہ منصفانہ تھا-

گارو کے پہاڑی علاقوں میں مسلمان اور ہندو دونوں کا تناسب ایک جیسا کم تھا جہاں بالترتیب 4.5 اور 5.8 فیصد تھے- باقی تقریباً 90.0 فیصد مقامی باشندے تھے جن کی تعداد 2,10,000 کے لگ بھگ تھی- لوشائی کے پہاڑی علاقے بھی کلیتہ "مقامی آبادی سے بھرے ہوئے تھے-

اگرچہ مسلم لیگ نے کھاسی اور جنتیا کے پہاڑی علاقوں پر حق نہیں جمایا تھا لیکن یہ بات قابل ذکر ہے کہ یہاں ہندوؤں کی تعداد 10.7 فیصدی تھی اور اسی ناگاہیں 2.2 فیصدی تھی- ہم یہاں اس کا بھی اضافہ کر دیں کہ نو گانگ میں مسلمانوں کا تناسب ہندوؤں سے زیادہ تھا کیونکہ وہ 35.6 فیصد تھے اور اور ہندو صرف 32.2 فیصد-

نتیجہ آخر

تقسیم کے بعد کے واقعات نے حتمی طور پر واضح کر دیا ہے کہ آسام کی مقامی غیر ہندو آبادی کے لئے ایک خود مختارانہ وجود زیادہ قابل قبول تھا- ان کے لئے یہ مقام ہندوستانی یونین کے اندر ممکن نہیں- ہندوستانی حکومت نے جو بھی رعایتیں انہیں دی ہیں وہ زیادہ مدت کے لئے ان کی نسلی وجود کی ضمانت نہیں دے سکتیں- تقسیم کے وقت ان کی آزادانہ خواہشات نہیں پوچھی گئیں- انگریز اپنی چائے کی صنعت محفوظ رکھنے کو زیادہ بے قرار تھا- بہ نسبت اس کے کہ مقامی قبیلوں کے حقوق کی نگہداشت کرتا-

یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ تقسیم کے اصولوں کے مطابق ہندوستان کا شام پر کوئی تاریخی دعویٰ نہیں تھا- آبادی کے لحاظ سے ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں کے برابر تھی- مقامی قبیلوں کے مفادات اور جغرافیائی نقطہ نگاہ سے اسے پاکستان سے وابستہ ہونا چاہئے تھا- ان وجوہات کی بنا پر پاکستان کے لئے ضروری ہے کہ وہ آسام کے ساتھ خصوصی تعلقات رکھے-

اس خطہ میں تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر جب کہ آسام کے مسلمانوں کو پاکستان میں دھکیلا جا رہا ہے' ناگا اور میزو حق خود اختیاری کے لئے جنگ لڑ رہے ہیں اور ہمالہ میں سکم اور بھوٹان کی ریاستیں اپنے قومی حقوق کے لئے حق جتا رہی ہیں تو پاکستان کے لئے لازمی ہو جاتا ہے کہ وہ چوکنا اور ہوشیار رہے- اگر فرانس کینیڈا کے صوبہ کیوبک سے خصوصی تعلقات رکھ سکتا ہے تو پاکستان کو بھی اگر اس سے زیادہ نہیں تو کم از کم اتنا ہی حق ضروری پہنچتا ہے کہ وہ بھی صوبہ آسام کے ساتھ خصوصی تعلقات کی داغ بیل ڈالے-

پاکستان پیپلز پارٹی کا منشور (1967)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم- مملکت پاکستان کا وجود اس برصغیر کے مسلمانوں کی خواہش اور عزم کا نتیجہ ہے جو آج ہمارے سامنے ان کی شرمندہ تکمیل آرزوؤں اور امنگوں کی یادگار کے طور پر موجود ہے- ان کی خواہش تھی کہ اس کے شہری آزادی کی زندگی بسر کریں یہ ایک ترقی پسند' خوشحال قوم ہو' طاقتور ہو- اور دوسرے حصوں میں بسنے والے مسلمانوں کی حفاظت پر کمربستہ ہو- یہ نئی مملکت جس کا نصب العین' اتنا بلند تھا جیسا کہ ابتدا میں نظر آتا تھا- داخلی بدنظمیوں کا شکار ہو گئی- اس نے خود اپنے عوام کی بہبود کی ضرورت کو فراموش کر دیا- ہندوستان کے مسلمانوں کی جانب سے عائد ہونے والے فرض کو بھلا دینے کا تو ذکر ہی عبث ہے- پاکستان کے معاشرے اس کی معیشت' اس کی سیاست اور ذمہ داریوں کی آئندہ شکل متعین کرنے کے لئے اس کی تخلیق کی تاریخ بیان کرنا ضروری ہے- یہ ایک آزاد اور خود مختار مملکت ہے- اس کے باشندے جمہوری طور پر اپنا نظام حکومت چلا رہے ہیں- اور وہی اس بات کا فیصلہ کریں گے کہ ہمارا معاشرہ کیسا ہو گا-

کوئی قوم بقائمی ہوش و حواس افلاس میں اپنے عوام کی بدحالی رشوت کا دوردورہ اور تمام طبقوں کی پست حوصلگی کو اپنی مملکت کا نصب العین قرار نہیں دے سکتی۔ اس لئے عوام کو یقیناً تیز رفتار اقتصادی پروگرام۔ اچھی صحت' سماجی انصاف' دولت کی منصفانہ تقسیم' دور غلامی اور تذلیل کے پرانے نظام سے بہتر طرز حیات کی تمنا ہوگی۔

آگے بڑھنے سے پہلے ہمیں یہ سوچ لینا چاہئے کہ آج ہماری حالت کیا ہے اور دنیا میں پاکستان کی حالت کیا ہے۔ پاکستان کا مقام کیا ہے۔ اس کا شمار دنیا کے مفلس ترین ملکوں میں ہوتا ہے بلکہ لوگ افلاس سے پیدا ہونے والی تمام لعنتوں یعنی ذہنی بے مائیگی۔ خراب صحت' بددیانتی' جرائم رشوت اور توہم پرستی میں بدرجہ اتم مبتلا ہیں۔ حکومت اور دولت کے بل بوتے پر طاقت اور اختیار رکھنے والوں کو مظالم کی تمام شکلیں یہاں موجود ہیں۔ ایک پاکستانی کی اوسط عمر تیسس سال ہے جبکہ ایک ہندوستانی کی پینتیس سال اور برطانوی باشندے کی ستر سال ہوتی ہے۔ شرح اموات کے زیادہ ہونے کا بالواسطہ سبب افلاس بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن عوام کی صحت کی ضروریات کو بری طرح نظرانداز کر دیا گیا ہے کیونکہ اس ملک میں ہر حکومت نے صرف ایسے کاموں پر روپیہ صرف کرنے کی پالیسی اختیار کی جن سے مراعات یافتہ طبقہ کو فائدہ پہنچے حد سے زیادہ ناخواندگی بھی اسی پالیسی کا نتیجہ ہے دنیا کے کسی ملک میں اتنی زیادہ ناخواندگی نہیں اور طرہ یہ ہے کہ اس میں کوئی کمی بھی واقعہ نہیں ہو رہی۔ تعلیمی معیار برابر گرتے جارہے ہیں۔ اگر ہم غیر معقول ٹیکس کے نظام کو دیکھیں۔ رشوت سے قطع نظر سرکاری نظم و نسق کی نااہلی۔ کاروبار میں عدم بددیانتی اور ملک میں موجودہ دوسری برائیوں کے اسباب ہے جو اس نظریے کی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے کہ دولت کا ارتکاز اقتصادی ترقی کا باعث ہوتا ہے۔

وہ طبقے جو خود کو قوم کے ساتھ ناانصافی کا مجرم سمجھتے ہیں اور رجعت پسند سیاسی جماعتیں جو ہمیشہ پیچھے ہی کی طرف دیکھتی رہتی ہیں۔ اب توجہ دوسری طرف منعطف کرانے کے لئے خود کو ان خیالی اور عجیب و غریب مفروضہ نظریات کا علمبردار قرار دے رہی ہیں۔ جن کے لئے ان کے بیان کے مطابق پاکستان قائم کیا گیا تھا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو پاکستان کے تخیل ہی کے مخالف تھے اور آج اپنے پیروکاروں کو چھوڑ کر ان سب مسلمانوں پر کفر کے فتوے لگا رہے ہیں جو اقتصادی استحصال اور سماجی نا انصافی کے تقدس پر ایمان رکھتے۔ ناواقف لوگوں کے جذبات بھڑکانے کی یہ کوشش نہ صرف مملکت کے لئے بلکہ مسلمانوں کے اتحاد کے لئے بھی خطرناک ہے۔ اس کے برعکس ہم عقل سلیم سے کام لینے کی دعوت دیتے ہیں اور انسانی علم کے ذخیرے اور ذہن سے انسانوں کے صدیوں کی کوشش ----- اور محنت سے وضع کئے ہوئے طریقوں سے کام لینے کی کوشش کرتے ہیں اور قوم کو نکبت اور خستہ حالی کی موجودہ زندگی سے نکال کر عظیم اقوام کے شایان شان زندگی بسر کرنے کا راستہ دکھاتے ہیں۔ آج قوم کو جن حقیقی مسائل کا سامنا ہے' وہ سیاسی اور اقتصادی ہیں' مذہبی نہیں کیونکہ استحصال کرنے والے اور استحصال کا شکار ہونے والے دونوں ایک ہی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں اور مسلمان ہیں۔

بہت سی حکومتیں آئیں اور گئیں لیکن عوام کی حالت بد سے بدتر ہونے اور مراعات یافتہ میں رکھا جاتا ہے۔ جس کی انسانوں کے لئے اجازت نہیں دی جا سکتی اور جو عام انسانوں کے لئے ناقابل برداشت سمجھا جاتا ہے جیلوں کے نظام میں بے شمار اصلاحات کی جائیں گی۔ مجرموں کے ساتھ سلوک کے معاملہ میں ان عادی مجرموں کو جن سے سنگین جرائم سرزد ہوئے ہیں اور پہلی بار جرم کا ارتکاب کرنے والوں میں تمیز روا رکھی جائے گی تاکہ اصلاح کا کام موثر طور پر ہو سکے۔ قیدیوں کو مفید ہنر سکھانے اور اچھی بودوباش کی تربیت دینے پر خاص توجہ دی جائے گی۔ یعنی انہیں حفظان صحت اور عزت نفسی کی خصوصی تربیت دی جائے گی۔

(ش) جرگہ سسٹم کا خاتمہ

ایوب خاں کے دور میں جرگہ سسٹم کو پھیلا کر جو مقدمہ کی انتہائی دقیانوسی شکل ہے عدل کے مہذب طریقہ کار کو مسخ اور تباہ کرنے کی ایک منظم کوشش کی گئی تھی۔ اس نظام کا جس میں انصاف اور قانون کے بالکل ابتدائی تقاضوں کو بھی نظرانداز کر دیا جاتا ہے واحد مقصد انتظامیہ کے بے گناہ شہریوں کو تنگ کرنے اور یا انہیں سزا دینے کے لئے ایک ہتھیار سے مسلح کرنا تھا۔ قبائلی علاقوں میں فوجداری اور دیوانی عدالتوں کا انتظام رائج کیا جائے گا۔ تاکہ پورے ملک میں عدل و انصاف کا ایک نظام قائم ہو سکے۔

(ص) خطابات کا خاتمہ

پاکستان کے شہریوں کو ماضی کی تمام حکومتوں نے جتنے بھی غیر فوجی نوعیت کے خطابات اور تمغے دیئے ہیں۔ انہیں واپس لے لیا جائے گا اور خطابات اور تمغوں کے موجودہ نظام کو ختم کر دیا جائے گا۔ ایک جمہوری دستور نافذ ہو جانے اور بنیادی اصلاحات کے عمل میں آجانے کے کم سے کم پانچ سال بعد ہی قابل قدر خدمات کے عوض انعامات کے مسئلے پر غور کیا جائے گا۔

(ط) نوابی ریاستیں

پاکستان کے کسی حصے میں نوابی ریاست کے انداز کی حکومت نہیں رہنے دی جائے گی۔ تمام پولیٹکل ایجنسیوں کو پاکستان کے عام قانونی نظم سے نسق کی طرز اور سطح پر لایا جائے گا۔ جموں اور کشمیر کے عوام کے حق خود ارادیت کے حق پر کسی طرح اثر انداز ہوئے بغیر حکومت پاکستان انہیں اس نوابی نظام

کو ختم کرنے میں مدد دے گی جو ابھی تک ان علاقوں میں موجود ہے جو پاکستان کی حفاظت میں ہیں۔

خارجہ پالیسی ——— دستاویزات

(1958-66)

خارجہ پالیسی پر 22 اور 24 دسمبر 1958ء

کو

کابینہ میں مباحثہ کا خلاصہ

وزیر خارجہ جناب منظور قادر نے کابینہ کے سامنے بعض رہنما اصولوں پر مشتمل ایک خلاصہ پیش کیا۔ وزیر تجارت جناب ذوالفقار علی بھٹو نے کہا کہ "اس خلاصہ سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ ہماری خارجہ پالیسی ہمارے امریکی امداد کو منظور کرنے کی روشنی میں طے پاتی ہے اور راستہ کا تعین کیا جاچکا ہے ..... ہمارے لئے کشمیر اور نہری پانی کے مسائل سب سے اہم مسائل ہیں۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ہماری خارجہ پالیسی نے ان مسائل کو حل کرنے میں کتنی مدد کی ہے۔ یہ بات تو یقینی ہے کہ ہندوستان کے ساتھ جنگ کی صورت میں امریکہ ہماری مدد کو نہیں پہنچے گا"۔ انہوں نے مزید کہا کہ "امریکہ کے ساتھ منسلک ہونے کے اصول کو ہمیں غیر ضروری طور پر طول نہیں دینا چاہئے"۔ وزیر خارجہ نے جواباً کہا کہ "یہ خلاصہ ان حالات کے حقیقت پسندانہ تجزیہ کی روشنی میں تیار کیا گیا ہے جن کے باعث امور خارجہ کے میدان میں ہماری نقل و حرکت محدود ہو جاتی ہے"۔ صدر مملکت جناب ایوب خاں نے ملک کی صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ ہماری خارجہ پالیسی میں لچک پیدا کرنے کی زیادہ گنجائش نہیں ہے۔" انہوں نے مزید کہا کہ "واقعہ یہ ہے کہ ہمیں امداد کی ضرورت ہے لہٰذا ہمیں کوئی ایسا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہئے جس سے ان لوگوں کو ناراضگی ہو جو ہمارے ملک کی ترقی اور سلامتی کے لئے ہمیں امداد دیتے ہیں۔ امریکہ ہمیں جو امداد دے رہا ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں ایک ایسے علاقہ میں اپنی آزادی برقرار رکھنے میں مدد ملے جس سے کیمونزم کو خطرہ ہے"۔

جب یہ نکتہ اٹھایا گیا کہ ہمیں چین کے متعلق اپنے رویہ میں کچھ لچک ظاہر کرنا چاہئے اور اسے اقوام متحدہ کے رکن کی حیثیت سے منظور کئے جانے کے لئے کام کرنا چاہئے۔" تو اس کا یہ جواب دیا گیا کہ "فی الحال ہماری جانب سے ایسی کوئی بھی کوشش بلاشبہ حکومت ریاستہائے متحدہ امریکہ پریشان کا باعث ہو گی۔ تیسری دنیا کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی گئی کہ "یہ درحقیقت کوئی بلاک نہیں ہے بلکہ ایسے ملکوں کا جتھا ہے جو دونوں بلاکوں کے درمیان پینگیں لے رہے ہیں"۔

اجلاس میں یہ نکتہ بھی اٹھایا گیا کہ ہمیں ہندوستان کے ساتھ اچھے تعلقات پیدا کرنے چاہئیں کیونکہ اس طرح امریکہ کے ساتھ ہمارے تعلقات اور بھی بہتر ہو جائیں گے"۔

کابینہ کے آئندہ اجلاس میں جو 24 دسمبر کو منعقد ہوا مسئلہ کشمیر پر غور کیا گیا۔

جناب ذوالفقار علی بھٹو، وزیر تجارت نے اس بات پر زور دیا کہ "ہمیں مسئلہ کشمیر پر زور دیتے رہنا ہو گا"۔ انہوں نے یہ متبادل راستہ تجویز کیا کہ سلامتی کونسل میں روسی ویٹو کی وجہ سے منشور اقوام متحدہ کی دفعہ 10 کے تحت جنرل اسمبلی سے رجوع کیا جائے۔ سیکرٹری جنرل نے یہ دلیل پیش کی کہ جنرل اسمبلی سے رجوع کرنے کا یہ نتیجہ ہو گا کہ ہم اقوام متحدہ کے سامنے اپنا معاملہ پیش کرنے کے تمام راستے ختم کر دیں گے"۔ لہٰذا یہ بہتر سمجھا گیا کہ اسی پالیسی پر عمل کیا جائے جس پر ماضی میں عمل کیا گیا تھا"۔

صدر مملکت (جناب ایوب خان) نے کہا کہ "یہ درست ہے کہ معاہدہ بغداد سے مسئلہ کشمیر کا حل اور دشوار ہو گیا ہے لیکن اس میں پاکستان کی سالمیت اور سلامتی کی ضمانت دی گئی ہے۔ جمود کی صورت میں انتہائی صبر و تحمل سے کام لینا ہی اہم ترین بات ہے"۔

اجلاس میں دیگر شرکاء (بلا تخصیص) نے حسب ذیل نکات بھی اٹھائے۔

(الف) ہمیں چین کی طرف جھکاؤ کا تجربہ نہیں کرنا چاہئے۔

(ب) ہمیں روس سے فنی امداد لینے یا اس سے ثقافتی تعاون کرنے سے احتراز کرنا چاہئے اور کیمونسٹ ممالک کے ساتھ تجارتی تعلقات بڑھانے میں محتاط رہنا چاہئے کیونکہ ممکن ہے کہ حکومت امریکہ اس خیال کو پسند نہ کرے۔

(ج) جب یہ دلیل پیش کی گئی (غالباً وزیر تجارت کی جانب سے) کہ سوشلسٹ ممالک کے ساتھ تعلقات ہماری کپاس کے لئے اہم ہیں تو صدر مملکت نے کہا کہ "ہمیں اپنی فاضل کپاس کی فروخت کے لئے امریکہ کو پیش کرنا چاہئے اور اسے اپنی مشکلات سے آگاہ کرنا چاہئے۔ اگر وہ اسے نہ خرید سکے تو پھر ہمیں کیمونسٹ ممالک سے گفت و شنید کرنا چاہئے"۔

تاہم فیصلہ یہ ہوا کہ وزارت تجارت کپاس اور دیگر اشیا کی تجارت میں حتی الامکان اضافہ کے لئے کیمونسٹ ممالک کے ساتھ موجودہ تجارتی انتظامات کا دوبارہ جائزہ لے۔

چیئرمین نکیتا خروشچیف کی پاکستان پر

حملہ کی دھمکی

ماسکو 10 مئی

وزیراعظم خروشچیف نے کل رات پوری سنجیدگی کے ساتھ پاکستان اور ناروے کے سفارتی نمائندوں کو دھمکی دی کہ روس ان اڈوں کو اپنے حملہ کا نشانہ بنائے گا جنہیں روسی سرحدوں کی خلاف ورزی کرنے والے غیر ملکی طیارے استعمال کریں گے۔

روسی لیڈر نے یہ دھمکی ان دونوں ملکوں کے سفارتی نمائندوں کے ساتھ بالمشافہ گفتگو کر دوران اس وقت دی جب وہ ماسکو میں چیکوسلواکیہ کے سفارت خانہ میں منعقدہ ایک پارٹی میں شرکت کے لئے گئے ہوئے تھے۔

وزیراعظم خروشچیف نے ناروے کے سفیر او کار گنڈرسن اور پاکستان کے کونسلر مسٹر سلمان احمد علی کو جو سفیر پاکستان کی نمائندگی کر رہے تھے اپنے سامنے آنے کے لئے کہا اور بتایا کہ:۔

"اگر آپ امریکیوں کو روس پر پرواز کرنے کے لئے اپنے ہوائی اڈے استعمال کرنے کی اجازت دیتے رہے تو ہم نہ صرف امریکی طیاروں کو مار گرائیں گے، بلکہ ہمیں آپ کے اڈوں کو بھی اپنے راکٹوں کا نشانہ بنانا پڑے گا"۔

کہا جاتا ہے کہ وزیراعظم روس نے یہ بھی بتایا کہ روس کی دفاعی افواج نے اب نقشہ میں پشاور پر نشان لگا کر اس کے گرد ایک حلقہ بنا دیا ہے۔

راس مارک کا مراسلہ
ڈان کراچی
11 مئی 1969ء

صدر ایوب خان کی اس تقریر سے اقتباس جو انہوں نے 12 جولائی 1961ء کو امریکی کانگریس سے خطاب کرتے ہوئے کی

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم آپ کے امور میں انتہائی دلچسپی لیتے ہیں، اور ہمیں امید ہے کہ آپ بھی ہمارے امور میں ایسی ہی دلچسپی لیتے ہوں گے کیونکہ مجھے آپ سے کہنا ہے کہ اگر واقعی حالات خراب ہوئے تو ایشیاء میں ہمارے سوا ایسا کوئی دوسرا ملک نہیں ہے جس پر آپ انحصار کر سکیں گے۔ صرف پاکستان کے باشندے آپ کا ساتھ دیں گے"۔ (تالیاں)۔

از کانگرس کا ریکارڈ ہاؤس۔ 12 جولائی 1961ء۔

شمال کی جانب سے خطرہ پر ایوب خان کے بیانات

جب 1958ء میں پارلیمانی جمہوریت ختم کر کے ایوب خاں کی فوجی حکومت برسراقتدار آئی۔ تو چین کے ساتھ پاکستان کے تعلقات خراب ہو چکے تھے اور اس کے بعد ایک سال میں تو یہ اور بھی خرب ہو گئے۔ صدر ایوب خاں کو چین اور روس پر نکتہ چینی کرتے اور "شمال کی جانب سے خطرہ" کا بار بار راگ الاپتے ہوئے کوئی تأمل نہ ہوتا تھا حالانکہ بعد میں وہ خود کو چین کے ساتھ پاکستان کی دوستی کا بانی گردانتے لگے۔ 1959ء میں انہوں نے بدیہی طور پر چین اور روس کے خلاف ہندوستان کے ساتھ مشترکہ دفاع کی اسکیم پیش کی۔ 19 جنوری 1960ء کو انہوں نے کہا کہ "میرا اندازہ ہے کہ برما کے راستہ چین اور افغانستان اور ایران کے راستہ روس جنوب کی طرف پیش قدمی کریں گے اور اگر ان دونوں کا آپس میں کوئی تصادم نہ ہوا..... ضروری نہیں کہ یہ اقدامات فوجی نوعیت کے ہوں۔ کمیونسٹوں کی حمایت رکھنے والی حکومتوں کے ساتھ نظریاتی اثر و نفوذ سے بھی کام چلایا جائے گا۔ انہوں نے وزیراعظم ہندوستان مسٹر نہرو کو بتایا کہ فریقین کے درمیان خیرسگالی اور مفاہمت کے ذریعے بھی مشترکہ دفاع کے سمجھوتے پر عمل ہو سکتا ہے۔ ضروری نہیں کہ اس کے لئے کوئی باضابطہ معاہدہ کیا جائے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ ہندوستان اور پاکستان کی فوجیں جو ایک دوسرے کے خلاف صف آراء ہیں، ہٹا کر "ایک تیسرے فریق (یعنی چین اور روس) کی جارحیت" روکنے کے لئے کام میں لائی جائیں۔ ان کے ذہن میں یہ منصوبہ تھا کہ ہندوستان کے ساتھ فوجی اشتراک عمل کی حد تک دوستی کی جائے اور چین اور روس دونوں سے معاندانہ رویہ اختیار کیا جائے۔ ان کا یہ منصوبہ محض اس مہمل مفروضہ پر مبنی تھا کہ اس طرح پاکستان نہ صرف کشمیر حاصل کر لے گا بلکہ اسے مزید امریکی امداد بھی ملنے لگے گی۔ اس سلسلے میں مسٹر نہرو کا جواب اس طرز غور و فکر کا بالکل موزوں رد عمل ثابت ہوا تھا۔

اس موضوع پر بعض متعلقہ اخباری رپورٹیں درج ذیل ہیں:

پاکستان ہندوستان کا دفاع کرنے پر رضامندی ہے

صدر جنرل محمد ایوب خان نے کل متنبہ کیا کہ آئندہ پانچ سال میں برصغیر پاکستان و ہندوستان پر شمال کی جانب سے بڑے فوجی حملوں کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔

جنرل ایوب خان نے کہا کہ یہ حملے غالباً" برصغیر کے بڑے حصہ یعنی ہندوستان پر ہوں گے، لیکن پاکستان بھی راستہ میں ہے۔ صدر مملکت برصغیر کی سرحدوں کے قریب تبت اور افغانستان میں ہونے والے حالیہ واقعات پر

گذشتہ شام ایک فوجی کی حیثیت سے اپنے تاثرات کا اظہار کر رہے تھے۔

انہوں نے ایوان صدر میں ایک نیوز کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ان حملوں کا اسی وقت موثر دفاع کیا جا سکتا ہے جب پاکستان اور ہندوستان اپنے اختلافات ختم کر دیں اور ایک دوسرے کے سینے پر بندوق تان کے کھڑے رہنا بند کر دیں۔ انہوں نے کہا کہ ایسی صورت میں پاکستان ہندوستان کا دفاع کرنے پر پوری طرح رضامندی ہے۔

مارننگ نیوز۔ کراچی
مورخہ 24 اکتوبر 1959ء

یہ بیان نہ صرف پاکستانی اخبارات بلکہ بیرون ملک کے اخبارات نے بھی شائع کی۔ مثلاً "ٹائمز آف انڈیا" نے 24 اکتوبر 1959ء کو یہ خبران سرخیوں کے ستاھ شائع کی۔ "ہندوستان اور پاکستان کو خطرہ" ---- "جنرل ایوب خان کی جانب سے اتحاد کی تلقین"۔

برصغیر کا باہمی دفاع

تہران 8۔ نومبر (رائٹر)

کہا جاتا ہے کہ پاکستان کے صدر محمد ایوب خان نے آج ایک انٹرویو میں بتایا کہ تبت پر چین کا قبضہ اور افغانستان میں سڑکوں کی تعمیر کا کام شمال کی جانب سے ایک سنگین خطرہ کی غمازی کرتا ہے۔

تہران کے اخبار "کیہان انٹرنیشنل" نے کہا کہ کراچی میں ایک انٹرویو کے دوران صدر پاکستان نے اس کے نمائندہ کو بتایا۔

"برصغیر کو پانچ سال میں حملہ کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ تبت پر چین کا قبضہ اور افغانستان میں سڑکوں کی تعمیر کا کام شمال کی جانب سے ایک سنگین خطرہ کی غمازی کرتا ہے۔ یہ ایک ایسا خطرہ ہے جسے محض خوش فہمی کی بنیاد پر نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔"

ہندوستان اور پاکستان کے درمیان اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے صدر ایوب خان نے کہا کہ نہری پانی کا تنازعہ تصفیہ کے قریب ہے۔

صدر پاکستان نے مسئلہ کشمیر پر تصفیہ کو بھی "ہندوستان کے ساتھ ہمہ گیر تصفیہ کے آخری مرحلہ" سے تعبیر کیا۔ انہوں نے کہا کہ "اگر یہ تصفیہ ہو گیا تو یہ برصغیر کے باہمی دفاع کے سوال پر پورے خلوص سے غور کیا جا سکتا ہے۔"

مارننگ نیوز۔ کراچی
مورخہ 9 نومبر 1959ء

لداخ میں ہندوستان اور چین کا تصادم صدر

ایوب خان کا ابتدائی رد عمل

لداخ پر چین کے نئے حملوں کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ "یہ خود ہندوستان کا مسئلہ ہے اور میں فی الحال اس پر کوئی رائے ظاہر نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی تفصیلات ابھی حاصل نہیں ہوئی ہیں۔"۔

ڈان۔ کراچی
مورخہ 4 نومبر 1959ء

صدر ایوب نے کہا کہ اگر کوئی موقع ہوا تو وہ بخوشی پنڈت جواہر لعل نہرو کو مدعو کریں گے۔ لداخ کے بارے میں انہوں نے کہا کہ یہ ہندوستان کا اپنا مسئلہ ہے۔

مارننگ نیوز، کراچی
مورخہ 4 نومبر 1959ء

لداخ کی صورت حال کے متعلق
جناب ذوالفقار علی بھٹو سربراہ وفد پاکستان
برائے اقوام متحدہ کے خطوط
بنام
صدر ایوب خان اور وزیر خارجہ منظور قادر

لداخ میں ہندوستان اور چین کے درمیان تصادم اور کشمیر کے بارے میں اپنے ملک کی پوزیشن پر اس کے ممکنہ اثرات پر میں گذشتہ کئی ہفتوں سے غور و فکر کر رہا ہوں۔ میں نے اخبارات میں پڑھا کہ ہوائی اڈے پر ایک انٹرویو میں آپ سے اس صورت حال کے بارے میں ایک سوال کیا گیا تھا جس کے جواب میں آپ نے کہا کہ "یہ خود ہندوستان کا مسئلہ ہے" میں نہیں جانتا کہ آپ نے اس بیان میں حقیقتاً کیا الفاظ استعمال کئے تھے اور آیا اخبارات نے اس کی صحیح رپورٹ شائع کی ہے یا نہیں۔

بہرحال اگر اخبارات کی اس رپورٹ کی درست سمجھ لیا جائے تو آپ کا بیان واقعیت اور فوجی نقطہ نظر دونوں لحاظ سے درست ہے اور مجھے یقین

ہے کہ ہمارے دوست اسے اس روشنی میں دیکھیں گے۔ تاہم ممکن ہے کہ کسی اور موقع پر ہندوستان اور اس کے دوست اس قسم کے بیان کے کوئی اور ہی معنی نکالیں اور غالباً اسے استعمال بھی کریں۔

میں اس سے بھی آگے جاؤں گا اور یہ کہوں گا کہ سوال ہمارے صرف اس بیان کا نہیں بلکہ ہمارے اس رویہ کا ہے جو اس معاملہ میں ہم اختیار کرنے والے ہیں۔ موجودہ رویہ میں جو خطرات مضمر ہیں انہیں مندرجہ ذیل طریقے سے بیان کیا جا سکتا ہے:

(الف) ہمارے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے کشمیر کے اس حصہ پر ہندوستان کا اقتدار خاموشی سے تسلیم کر لیا ہے جو آجکل اس کے کنٹرول میں ہے۔ بہر نوع کشمیر کی موجودہ تقسیم ہی کی بنیاد پر ہندوستان کا لداخ پر کنٹرول ہے اور وہ یہ کہنے کی پوزیشن میں ہے کہ لداخ پر چین کا حملہ خود ہندوستان پر حملہ ہے۔

(ب) ہندوستان جموں و کشمیر میں آئندہ اپنی فوجی طاقت میں اضافہ کو حق بجانب ٹھہرانے کے لئے موجودہ صورت حال کو بطور دلیل پیش کر سکتا ہے خواہ اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندوستان و پاکستان کی قرارداد کی دفعات اس کے منافی ہی کیوں نہ ہوں۔ فوجی طاقت میں یہ اضافہ کشمیر پر کنٹرول سخت کرنے کے ہر اقدام سڑکوں ہوائی اڈوں کی تعمیر بلکہ درحقیقت ان تمام اقدامات پر محیط ہو گا۔ جو ہندوستان وہاں آئندہ اختیار کرنا چاہے۔

(ج) ہمیں آئندہ یہ کہنے کا قانوناً" مجاز نہیں سمجھا جائے گا کہ علاقہ جموں و کشمیر کے تحفظ کی ذمہ داری ہندوستان کی نہیں بلکہ سلامتی کونسل کی ہے۔ اب تک ہمیشہ ہمارا یہ موقف رہا ہے کہ جموں و کشمیر ہندوستان کا علاقہ نہیں ہے اس لئے بیرونی خطرہ کے مقابل اس کے دفاع کا معاملہ سلامتی کونسل اور صرف سلامتی کونسل ہی کے زیر غور آ سکتا ہے۔ اب ہمارے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم اپنے موقف سے فی الواقع دست بردار ہو گئے ہیں۔

میری ادنیٰ لیکن پر زور رائے میں ہمیں کسی قسم کا ایسا با اختیار اعلان کرنا چاہئے جو ہمیں ان تمام خطرات سے محفوظ رکھے۔ سلامتی کونسل کے نام ایک خط کا مسودہ بشرطیکہ اسے اعلان کا مناسب طریقہ قرار دیا گیا یہاں مشن میں تیار کیا جا رہا ہے اور جلد ہی آپ کو پیش کیا جائے گا۔

میں آپ کو یقین دلا سکتا ہوں کہ یہ تجویز پیش کرتے وقت میں نے موجودہ صورت حال کی پیچیدگی اور چین کے ساتھ اپنے تعلقات کی نزاکت کو ہرگز فراموش نہیں کیا ہے۔ اس معاملہ پر حتی الامکان پوری احتیاط اور سنجیدگی سے غور و فکر کے بعد میرا خیال ہے کہ ایک ایسا بیان جو کشمیر میں ہمارے موقف کی کلی وضاحت کرتا ہو۔ ضروری نہیں کہ چین کے ساتھ ہماری ناچاقی کا باعث ہی بنے بلکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے برخلاف پاکستان کے کسی ایسے بیان پر جس میں لداخ کے بارے میں ہندوستانی موقف کی اصل بنیاد پر اعتراض کیا گیا ہو، چین کوئی مخالفانہ رد عمل اختیار نہ کرے۔

جہاں تک ہندوستان پر اس قسم کے بیان کے اثرات کا تعلق ہے ہم اس حقیقت کو نظرانداز نہیں کر سکتے کہ ہندوستانی موقف کے برعکس پائے جانے والے رجحانات اور اقدامات کے باوجود حکومت ہندوستان اب بھی کشمیر کے بارے میں سلامتی کونسل کو ایسے خطوط بھیج رہی ہے جن میں ان ہی مہمل دلائل اور غلط الزامات کی تکرار کی جاتی ہے جن کی گزشتہ کئی برس سے کرشنا مینن نے رٹ لگا رکھی ہے۔ رہے نہری پانی کے مذاکرات پر پڑنے والے اثرات تو یقیناً ہمیں اس معاملہ پر احتیاط سے غور کرنا ہو گا لیکن ہم اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ ہندوستان اس تمام عرصہ تک یہ مذاکرات جاری رہیں۔ کشمیر کے متعلق ہماری پوزیشن کو نقصان پہنچاتا رہے۔ ان تمام باتوں کا صرف یہی حل ہے کہ ایسا بیان جاری کیا جائے جس کا لہجہ بھی معاندانہ نہ ہو اور جو صرف ایک اصول تک محدود ہو۔ بہرحال ایسا بیان اس بات کی پہلی یا واحد مثال نہ ہو گی کہ ہندوستان کے ساتھ ہمارے تمام تنازعات کا وہ قطعی اور ٹھوس تصفیہ اب تک نہیں ہو سکا ہے۔ جس کا بظاہر بیرونی دنیا تصور کرتی ہے۔

میں آپ کے سامنے یہ تجویز اس لئے پیش کر رہا ہوں کہ میں نے یہاں باہمی مشوروں میں یہ شدید فکر و اندیشہ محسوس کیا ہے کہ ہندوستان اور چین کے درمیان تصادم کی موجودہ کیفیت میں یہ تاثر پیدا نہ کرے دے کہ پاکستان اب جموں و کشمیر سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ بہرحال یہ اس معاملہ کا صرف ایک پہلو ہے۔ آپ اس وسیع تر پس منظر میں جائزہ لے سکتے ہیں جس میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کا رویہ بھی ملحوظ رکھنا ہو گا۔ تاہم فی الحال خود یہ پہلو بہت اہم نظر آتا ہے۔ مجھے پوری امید ہے کہ میرے اس تجویز پیش کرنے پر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو گا۔

آپ کا مخلص

(ذوالفقار علی بھٹو)

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان۔ ہلال جرات' ہلال پاکستان
صدر پاکستان
راولپنڈی

میں ایک خط کی نقل منسلک کر رہا ہوں جو میں نے صدر مملکت کو بھیجا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس خط میں جو سوال چھیڑا گیا ہے اس کے تمام مضمرات سے آپ آگاہ ہوں گے اور اچھے برے تمام امکانات سے بھی واقف ہوں گے جو موجودہ صورت حال میں پائے جاتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ ہمیں اس پورے سوال کی گہرائی میں جا کر جائزہ لینا ہو گا۔ ہمیں اس بات کا موقع نہیں دینا چاہئے کہ کشمیر کے بارے میں ہندوستان اور چین کا تصادم آگے بڑھ کر ہمارے لئے نقصان رساں ثابت ہو۔

آپ کا مخلص

(ذوالفقار علی بھٹو)

جناب منظور قادر صاحب
وزیر امور خارجہ حکومت پاکستان
کراچی

لداخ کے متعلق اپنے پہلے بیان سے صدر ایوب خان کی روگردانی

راولپنڈی 23 نومبر۔ پاکستان، لداخ میں کسی "غیر محکومہ علاقہ" کے قیام کو تسلیم نہیں کرے گا جیسا کہ ہندوستانی وزیراعظم مسٹر نہرو نے چین کے وزیراعظم کے سامنے تجویز کیا ہے۔ یہ بات فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے ایران اور ترکی کا دورہ کرنے کے بعد آج رات یہاں پہنچنے پر اس وقت کہی جب وہ لداخ کے متعلق چین کے سامنے مسٹر نہرو کی تازہ ترین تجاویز کے بارے میں اپنے رویہ پر سوالات کا جواب دے رہے تھے۔

صدر نے کہا کہ لداخ متنازعہ علاقہ ہے اور پاکستان، مسٹر نہرو کے مجوزہ انتظامات کو تسلیم نہیں کرے گا۔

جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا انہوں نے ہندوستانی وزیراعظم کو یہ اطلاع دے دی ہے کہ پاکستان ایسے کسی انتظام کو تسلیم نہیں کرے گا تو صدر نے جواب دیا۔ "ایسا انتظام آنے دیجئے"۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا پاکستان اس موضوع پر اقوام متحدہ سے رجوع کرے گا تو انہوں نے کہا "وقت آنے دیجئے"

ڈان۔ کراچی
24 نومبر 1959ء

راولپنڈی۔ 23 نومبر (اے، پی، پی) صدر فیلڈ مارشل ایوب خان نے آج یہاں کہا کہ پاکستان لداخ میں ہندوستان اور چین کے درمیان کسی انتظام کو تسلیم نہیں کرے گا کیونکہ وہ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان ایک متنازعہ علاقہ ہے۔

صدر، آج شام لاہور کے راستے کراچی پہنچنے کے فوراً بعد چکلالہ کے ہوائی اڈے پر اخباری نمائندوں کے سوالات کا جواب دے رہے تھے۔

ان سے کہا گیا تھا کہ لداخ میں ایک علاقہ "غیر محکومہ" قائم کرنے کے لئے ہندوستانی وزیراعظم نے چین کے سامنے جو تجویز رکھی ہے اس پر تبصرہ کریں۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا وہ اس موضوع پر ہندوستانی وزیراعظم کو اطلاع دیں گے تو انہوں نے کہا کہ پاکستان یہ دیکھے گا کہ اس سلسلے میں کیا ہوتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ایسا انتظام آنے دیجئے پھر ہم بات کر سکتے ہیں۔

مسٹر نہرو نے چین کے وزیراعظم کے نام ایک مراسلے میں یہ تجویز پیش کی ہے کہ لداخ میں ہندوستان اور چین کے درمیان متنازعہ علاقہ کو جو تقریباً 8000 میل کا ہے، اس وقت تک کے لئے عبوری اقدام کے طور پر علاقہ غیر محکومہ بنا دیا جائے جب تک اس علاقہ میں دونوں ملکوں کے درمیان سرحدوں کا تصفیہ نہ ہو جائے۔

مورننگ نیوز۔ کراچی
24 نومبر 1959ء

پاکستان کے مستقل نمائندے کی جانب سے سلامتی کونسل کے صدر کے نام 23 دسمبر 1959ء کے مراسلے سے اقتباس

"اپنی حکومت کی ہدایات کے تحت، میں سلامتی کونسل کی توجہ ان خبروں کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو بین الاقوامی اخبارات میں بڑے پیمانے پر شائع ہوئی ہیں اور جو ریاست جموں و کشمیر کے صوبے لداخ کے مشرقی حصہ میں حال ہی میں ہونے والے واقعات سے متعلق ہیں۔

"ان اسباب کی بنا پر جو عیاں ہیں اور جن کی توضیح کی ضرورت نہیں، میری حکومت اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ ان خبروں کی صداقت کی تحقیق کرے یا زیر نظر علاقہ میں جو ریاست جموں و کشمیر کا جزو لاینفک ہے، کسی غیر ملکی طاقت کی طرف سے ہونے والے کسی غاصبانہ قبضہ کی حقیقی وسعت کا تعین کرے۔ چنانچہ میری حکومت اس کارروائی اور جوابی کارروائی کے اسباب کی نہ تصدیق کر سکتی ہے اور نہ ان پر تبصرہ کر سکتی ہے جو ہندوستان اور چین کے درمیان مناقشہ میں اور اس ابتری میں، جو لداخ میں ہونے والے واقعات کے نتیجہ میں ہوتی رہی ہے، دونوں جانب سے کی گئیں....

"میری حکومت اپنے فرض کی بنا پر سلامتی کونسل کے سامنے یہ اعلان کرنے کی پابند ہے کہ جب تک عوام کی غیر جانبدارانہ طور پر رائے معلوم کر کے کشمیر کے مستقبل کا تعین نہ ہو جائے، اس وقت تک ہندوستان اور چین کے درمیان موجودہ مناقشہ یا مستقبل میں ایسے ہی کسی مناقشہ کے فریقین میں سے کسی کی طرف سے اختیار کردہ پوزیشن یا کیا ہوا ردوبدل جائز نہیں ہو گا اور نہ وہ ریاست جموں و کشمیر کی حیثیت پر ریاست کو غیر فوجی علاقہ بنانے اور اس کے حق خود اختیاری کے تقاضوں پر اثر انداز ہو گا جو اقوام متحدہ کی قراردادوں میں درج ہیں۔

"میری حکومت اس بات کو ایک عیاں اصول سمجھتی ہے کہ صرف اور صرف جموں و کشمیر کے عوام کے اقتدار اعلیٰ کو ---- جسے وہ آزادانہ طور پر وضع کریں اور جو انہیں قابل قبول ہو ---- یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی غیر ملکی طاقت کے ساتھ اپنی سرحدوں میں کسی قسم کے ردوبدل کو نافذ کرے یا نافذ کرنے سے انکار کر دے اور یہ کہ ایسے اقتدار اعلیٰ کے ظہور کی راہ میں فوجی دفاع کی کسی ایسی ضرورت' خواہ وہ حقیقی یا فرضی ہو' کے تحت رکاوٹ ڈالنے کی اجازت نہیں دی جائے گی جو ریاست جموں و کشمیر کے اندر کوئی فریق اس وقت محسوس کرے"۔

دستخط: علی خان
سفیر خاص و مختار
اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل نمائندہ

اقوام متحدہ میں چین کی نمائندگی پاکستان پالیسی میں تبدیلی

عوامی جمہوریہ چین کو اقوام متحدہ میں اپنے ملک کی فوری نمائندگی کرنے کے حق سے محروم رکھنے کے مسئلے پر ریاستہائے متحدہ امریکہ کی حمایت کرنے کی پالیسی 1959ء میں ایک روایت بن چکی تھی۔ اس میں سب سے پہلے 1960ء میں تبدیلی آئی جب پاکستانی وفد کی قیادت ایندھن' بجلی اور قدرتی وسائل کے وزیر جناب ذوالفقار علی بھٹو نے کی' اور اس سوال پر غور و خوض ملتوی رکھنے کی قراداد کی حمایت میں ووٹ دینے کی بجائے اس پر ووٹ دینے سے اجتناب کرے لیکن اس پر امریکی قرارداد پر ووٹ دینے سے اجتناب کرے لیکن اس پر امریکی ردعمل ایک اور سفارتی دھمکی کی صورت میں ظاہر ہوا جس کے باعث اقوام متحدہ میں ووٹ دینے کے دوران کے اندر ہی پاکستانی وفد کے قائد کو دی گئی یہ اجازت واپس لے لی گئی اور اسے نئی ہدایات جاری کی گئیں۔ پاکستانی وفد کے قائد نے ان نئی ہدایات کی پرزور مخالفت کی۔

جب آئندہ سال بھی یہی صورت حال برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی تو پاکستانی وفد کے قائد جناب ذوالفقار علی بھٹو نے اس وقت کے وزیر خارجہ جناب منظور قادر کے نام ایک تار میں حکومت پاکستان کے اس فیصلہ پر اپنی مایوسی کا اظہار کیا۔ جناب بھٹو نے اس کے فوراً بعد 14 اکتوبر کو وزیر خارجہ جناب منظور قادر کے نام (مندرجہ ذیل) خط بھیجا جس میں انہوں نے اقوام متحدہ میں چین کے حقوق کی بحالی کی حمایت کرنے کے لئے کہا اور یہ امید ظاہر کی کہ آئندہ سال پاکستان کا ووٹ اب سے مختلف ہوگا۔

پاکستان مشن برائے اقوام متحدہ
پاکستان ہاؤس
نمبر13- ایسٹ - 25 ویں اسٹریٹ
نیویارک 21- این وائی
14- اکتوبر 1976ء

جناب وزیر خارجہ صاحب

جنرل اسمبلی نے "اقوام متحدہ میں چین کی نمائندگی" کے زیر عنوان ایک مد کو ایجنڈے میں شامل کرنے کے لئے روس کی درخواست 8 اکتوبر 1960ء کو مسترد کر دی اور یہ فیصلہ کیا کہ عوامی جمہوریہ چین کے نمائندوں کی شرکت کے سوال پر موجودہ اجلاس کے دوران کوئی غور و خوض نہ کیا جائے۔

اس قرارداد کو مسترد کرنے کے لئے 42 ووٹ اور اسے منظور کرنے کے حق میں 34 ووٹ آئے جبکہ 22 ملکوں نے کوئی ووٹ دینے سے اجتناب کیا۔ پاکستان نے آپ کی ہدایات کے مطابق ایجنڈے میں یہ مد شامل کرنے کی قرارداد کے خلاف ووٹ دیا۔

جب اسمبلی نے چین کی نمائندگی کے سوال پر سب سے پہلے 1950ء میں غور و خوض شروع کیا تھا تو پاکستان نے اقوام متحدہ میں پیکنگ کے داخلہ کی حمایت میں رائے دی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ ہم اسے تسلیم کر چکے تھے اور اس وقت تک کیمونسٹ حکومت کا قیام و استحکام بین الاقوامی زندگی میں ایک حقیقت بن چکا تھا۔ تاہم بعد میں ہم نے اپنی پوزیشن بدل دی اور 1956ء کے بعد سے ہم ایجنڈے میں اس مد کی شمولیت کے خلاف ووٹ دیتے رہے ہیں۔

گذشتہ کئی سال سے اس مسئلہ پر جنرل اسمبلی میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کی پوزیشن بتدریج کم ہوتی جا رہی ہے۔ گذشتہ سال 44 ممالک ریاستہائے متحدہ امریکہ کے ساتھ تھے۔ 29 ممالک مخالف تھے اور 9 نے ووٹ دینے سے اجتناب کیا تھا۔ امسال امریکی اکثریت کم ہو کر 42 رہ گئی جبکہ 34 ممالک اس کے مخالف رہے اور 22 نے ووٹ دینے سے اجتناب کیا جو دو ووٹ کم ہوئے وہ لاؤس اور ملیشیا کے تھے جنہوں نے گذشتہ سال ریاستہائے متحدہ امریکہ کی حمایت کی تھی۔ امسال دونوں نے ووٹ دینے سے اجتناب کیا۔ اس کے علاوہ کیوبا اور ایتھوپیا نے جنہوں نے گذشتہ سال ووٹ دینے سے اجتناب کیا تھا' موجودہ اجلاس میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کے خلاف ووٹ دیا۔ 17 نئے ممبر ملکوں (16 افریقی ممالک اور قبرص) میں سے مالی- سینگال اور نائیجریا نے ریاستہائے متحدہ امریکہ کے خلاف ووٹ دیا۔ ان 17 ملکوں میں سے کسی نے بھی موجودہ اجلاس میں اس سوال پر غور و خوض ملتوی رکھنے کی قرارداد کی حمایت نہیں کی۔ کانگو (لیوپولڈ وِلے) کے سوا جس کا نمائندہ موجود نہیں تھا' بقیہ ملکوں نے ووٹ دینے سے اجتناب کیا۔

اس مد کو ایجنڈے میں شامل کرنے میں جب روس کامیاب ہو جائے گا' (ووٹوں کی مطلوبہ تعداد بہت ممکن ہے ان 22 ملکوں سے حاصل ہو جائے جنہوں نے اس سال ووٹ دینے سے اجتناب کیا تھا) تو اس معنی کی قرارداد پیش کی جاسکتی ہے کہ جنرل اسمبلی عوامی جمہوریہ چین کے نمائندوں کو رکنیت دیتی ہے۔ یہ دلیل پیش کی جاسکتی ہے کہ اس قرارداد کی منظوری کے لئے دو تہائی اکثریت کی ضرورت ہو گی جو ایشیائی افریقی اور مشرقی بلاک کے ممالک حاصل نہیں کرسکتے۔ لیکن اس کے جواب میں وہ کہہ سکتے ہیں کہ صرف سادہ اکثریت کی ضروریت ہے جو انہیں حاصل ہے۔ اس نکتہ کا فیصلہ اسمبلی کو کرنا ہو گا۔ قواعد کار کے تحت اس بات کا فیصلہ کہ کسی قرارداد کے لئے دو تہائی اکثریت کی ضرورت ہے یا نہیں' اسمبلی محض سادہ اکثریت سے کرسکتی ہے۔ اس طرح ایشیائی' افریقی' اور مشرقی یورپی ممالک یہ طے کرانے کی پوزیشن میں ہوں گے کہ اس قرارداد پر سادہ اکثریت سے فیصلہ کیا جائے۔ چونکہ انہیں مطلوبہ تعداد میں ووٹ حاصل ہوں گے اس لئے کیمونسٹ چین کو رکنیت دینے کی قرارداد منظور کرلی جائے گی۔

بہرحال یہ بات ایک قیاس آرائی کی صورت میں رکھتی ہے۔ صحیح صحیح یہ کہنا مشکل ہے کہ طریقہ کار کی جنگ یہی شکل اختیار کرے گی۔

ووٹنگ کے منسلکہ ریکارڈ سے آپ دیکھیں گے کہ اسمبلی میں ووٹوں کی تقسیم مشرق و مغرب کی بنیاد پر نہیں ہوئی۔ نیٹو کے دو حلیفوں یعنی ناروے اور ڈنمارک نے رہاستہائے متحدہ امریکہ کے خلاف ووٹ دیا۔ ایک اور حلیف پرتگال نے ووٹ دینے سے اجتناب کیا۔ تو پھر میں نہیں سمجھتا کہ کیوں پاکستان کو ان ملکوں سے کم پکا حلیف سمجھا جائے گا اگر ہم اس سوال کی حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور حقائق کا اعتراف کرتے ہوئے کوئی موقف اختیار کریں۔

یہی خیالات تھے جن کی بناء پر میں نے ابتداء میں وفد کو ووٹ دینے سے اجتناب کرنے کی ہدایت کی تھی۔ بہرحال اس سال تو اس معاملہ میں کچھ کرنے کے لئے بہت تاخیر ہو چکی ہے اور میں یہی امید کرسکتا ہوں کہ آئندہ سال اتنی تاخیر نہ کی جائے گی۔

آپ کا مخلص

(ذوالفقار علی بھٹو)

جناب منظور قادر صاحب

وزیر امور خارجہ

حکومت پاکستان

راولپنڈی

اس کے بعد پاکستان نے اتنی حیثیت دوبارہ حاصل کرلی جس سے وہ اس سوال پر اس کی حقیقت کو پیش نظر رکھ کر کوئی موقف اختیار کرسکے۔ 1961ء میں پاکستان نے عوامی جمہوریہ چین کے نمائندوں کو اقوام متحدہ کی رکنیت دینے کی قرارداد کی حمایت میں ووٹ دیا۔

دس سال بعد جب بدنام زمانہ چیانگ کائی شک حکومت کے نمائندوں کو اس عالمی ادارہ سے نکالا گیا تو جنرل اسمبلی کا اختیار کردہ طریقہ کار اس طریقہ کار سے زیادہ مختلف نہیں تھا جس کا اندازہ اس خط میں لگایا گیا تھا۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی پر تبصرہ کابینہ میں اکتوبر' نومبر 1960ء کے دوران مباحثہ کا خلاصہ

جناب ذوالفقار علی بھٹو وزیر اینڈمن' بجلی و قدرتی وسائل اور 1960ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے پندرھویں اجلاس میں پاکستانی وفد کے سربراہ کے مراسلات موصول ہونے کے بعد سیکرٹری وزیر خارجہ نے 24 اکتوبر 1960ء کو کابینہ کے سامنے ایک خلاصہ پیش کیا۔ اس خلاصہ میں جناب بھٹو کے حسب ذیل خیالات کا ذکر کیا گیا:

(الف) اقوام متحدہ میں چین کی نمائندگی: میرا خیال ہے کہ پاکستان کو اب اقوام متحدہ میں ایسا رویہ اختیار کرنا چاہئے جو پیکنگ حکومت کو تسلیم کرنے کے خود اپنے فیصلہ سے مطابقت رکھتا ہو' بہ نسبت اس رویہ کے جو 1954ء سے اختیار کیا جا رہا ہے۔

(ب) افریشیائی مسائل کے متعلق ہمارا رویہ: یہ امر لازمی ہے کہ جب تک ہماری بنیادی مفادات پر زد نہ پڑے' ہمیں ایشیائی و افریقی ممالک میں اپنی پوزیشن مضبوط کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس کا ایک اہم اور واضح طریقہ یہ ہے کہ چینی نمائندگی کے مسئلہ پر اور افریقہ میں پرتگالی مقبوضات کے مسئلہ پر ہم اپنے موقف کو بدلیں"۔

(ج) غیر جانبدارانہ رویہ لازما" ایک سیاسی نظریہ کے طور پر اجاگر ہو گا جو بڑی کشش رکھے گا' اور غالبا ایک تیسرا طاقت ثابت ہو گا۔"

اقوام متحدہ میں اس وقت پاکستان کے مستقل نمائندے نے جناب بھٹو کے خیالات سے اختلاف کرتے ہوئے حسب ذیل نکات پیش کئے تھے:

(الف) "ہم افریشیائی ممالک میں اپنی پوزیشن دوبارہ مستحکم نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہمیں اس گروپ کو منقسم کرنے کے لئے کام کرنا چاہئے...... افریقیوں نے نہرو کی قرارداد کی حمایت میں آنکھ بند کر کے معصومیت کے ساتھ جذباتی طور پر ووٹ دیا تھا"۔

(ب) "ہمیں روس سے قریب تر نہیں رہنا چاہئے۔ اپنے دوستوں کو چھوڑنے کا یہ غلط وقت ہے"۔ (جناب بھٹو نے ایسی کوئی تجویز پیش نہیں کی تھی کہ ہم "اپنے دوستوں کو چھوڑ دیں")۔

اس وقت کے سیکرٹری امور خارجہ کے خیالات جنہیں اس زمانے کے

وزیر خارجہ (جنہوں نے خود اپنے نظریات پیش نہیں کئے) کی درپردہ حمایت حاصل تھی، حسب ذیل تھے:

(الف) فی الحال ہمارے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ ہم مغرب کے ساتھ اپنی دوستی برقرار رکھیں۔ اتفاق سے مغرب کا سب سے زیادہ طاقتور غیر یورپی حلیف بن جانے کے بعد ہمیں اس صورت حال سے پورا فائدہ اٹھانا چاہئے اور اس غرض سے خود کو ثابت قدم اور قابل اعتماد کھانے کے ساتھ ساتھ اس کا ٹھوس ثبوت بھی دینا چاہئے۔

(ب) ہمیں ایک بہت بڑے انتخاب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ یا تو چین کو ناراض کریں یا پھر امریکی کی ناراضگی مول لیں۔ ہمیں ان دو میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہے اور حالات کا تقاضہ ہے کہ ہم امریکہ کی حمایت کریں۔ (سیکرٹری امور خارجہ نے پیکنگ کے داخلے کی صورت میں امریکہ کے اقوام متحدہ سے علیحدہ ہو جانے کے امکان کا بھی ذکر کیا۔

(ج) امپیرلزم کو نکتہ چینی کا نشانہ بنانا ایک فیشن بن گیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ انہیں (پرتگالی نو آبادیاتی تسلط کے تحت (افریقی ممالک) کو حکومت اور نظم و نسق کے مسائل کا سامنا کرنا ہو گا' بہرحال میں امید کرتا ہوں کہ کانگو کی طرح وہ اقوام متحدہ کی ذمہ داری نہ بن جائیں گے جس کی وجہ سے ہم سب کو وسیع اخراجات برداشت کرنا پڑیں۔ لیکن اب ہم سے کہا جا رہا ہے کہ ہم پرتگال کے خلاف ووٹ دیں' صرف اس وجہ سے کہ افریشیائی رائے اس کی خواہشمند ہے... کیا اقوام متحدہ میں ہر افریشیائی تحریک کے حق میں ووٹ دینا ہی ہمارے لئے نئی قوموں کی حمایت حاصل کرنے کا طریقہ رہ گیا ہے؟ رائے عامہ ہموار کرنے کے دیگر طریقے بھی ہیں جنہیں ہم استعمال نہیں کر رہے ہیں "۔

(د) اقوام متحدہ میں اپنے روابط بڑھانے اور اثر و رسوخ پیدا کرنے کے لئے "بصیرت' وسیع قلب اور بڑے خزانے کی ضرورت ہو گی چونکہ ہم ان میں سے کچھ بھی نہیں رکھتے (اگر مجھے بڑے احترام لیکن خشک مزاجی کے ساتھ یہ کہنے کی اجازت دی جائے) اس لئے ہمیں بعض حالات کو "ڈھیر" کر دینا چاہئے"۔

یہ خیالات اس زمانے میں پائے جانے والے فکر و نظر سے مطابقت رکھتے تھے تاہم جب جناب ذوالفقار علی بھٹو کے خیالات اور ان کے منافی نظریات پر 18 نومبر 1960ء کو منعقدہ کابینہ کے خصوصی اجلاس میں غور کیا گیا تو بعض حسب ذیل فیصلے کئے گئے:

(الف) "یہ درست ہے کہ ان (امریکہ) کے لئے خود اپنے اسباب کی بنیاد پر ہندوستان کے ساتھ ہمارے تنازعہ میں ہماری سیاسی حمایت کرنا ممکن نہ ہوا۔ ہمیں ان مشکلات کا احساس ہے لیکن پھر اسی بنیاد پر ہمیں اس میدان میں اپنے لئے بچاؤ کرنا ہو گا....... اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہمیں روس یا چین کے ساتھ کوئی سخت رویہ اختیار نہیں کرنا چاہئے....."۔

(ب) "ہمیں یقین و اعتماد کے ساتھ (امریکہ) کو یہ بتانا چاہئے کہ موجودہ حالات میں ہم اس نتیجہ پر ہیں کہ ہمیں آئندہ اجلاس میں عوامی جمہوریہ چین کے داخلہ کے حق میں ووٹ دینا چاہئے......"۔

(ج) "حکومت عوام کے جذبات نیز افریشیائی ممالک کے احساسات نظر انداز کر کے خود کو تنہا نہیں بنا سکتی"

تیل کی تلاش کے سلسلے میں امداد کیلئے ماسکو کے مجوزہ دورہ کے بارے میں جناب بھٹو کا اعلان

جناب ذوالفقار علی بھٹو' وزیر ایندھن' بجلی و قدرتی وسائل' کے اس ماہ کے اخیر تک یا اگلے ماہ کے اوائل میں ماسکو کا دورہ کرنے کا امکان ہے تاکہ پاکستان میں تیل کی تلاش کرنے کے لئے فنی امداد مہیا کرنے کی غرض سے قرضے کے معاہدے کو آخری شکل دیں۔

یہ بات وزیر موصوف نے پی۔ آئی۔ اے کے طیارے پر لاہور سے کراچی پہنچنے پر اخباری نمائندوں کو بتائی۔

وزیر موصوف نے بتایا کہ روس سے معاہدے کے مسودے کے جلد آنے کی توقع ہے جس پر ان کو ماسکو روانہ ہونے سے قبل' پہلے کابینہ میں تبادلہ خیال کیا جائے گا۔

انہوں نے مزید بتایا کہ روس سے قرضے کی جو رقم پاکستان قبول کرے گا' اس کی مقدار کا دارومدار ان شرائط پر ہو گا' جو پیش کی جائیں گی۔

جناب بھٹو نے کہا کہ وہ روسیوں کی طرف سے پیش کئے گئے معاہدے کے مسودے کی بنیاد پر ماسکو میں مزید مذاکرات کریں گے۔

جناب بھٹو نے ایک سوال کے جواب میں کہا کہ ہندوستان کو سوئی گیس کی سپلائی کا دارومدار ان شرائط پر ہو گا جو ہندوستانی پیش کرنے پر رضامند ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ گیس ایک قیمتی شے ہے اور پاکستان' ہندوستان کو اس کی سپلائی صرف اس صورت میں کرے گا جب پرکشش پیشکش کی جائے۔

مزید برآں انہوں نے کہا کہ وزیراعظم نہرو کے دورۂ پاکستان کے دوران وزیراعظم نہرو اور صدر ایوب خان کے درمیان اس موضوع پر مذاکرات کے بعد ہندوستانیوں نے کوئی ٹھوس تجویز نہیں پیش کی۔

جناب بھٹو آج شام بذریعہ طیارہ راولپنڈی جائیں گے اور 9 نومبر کو کراچی واپس آئیں گے۔ (اے۔ پی۔ پی)

ڈان

8 نومبر 1960ء

وزیر خارجہ جناب ذوالفقار علی بھٹو کی طرف سے صدر ایوب خان کے نام ڈھاکہ سے 11 مئی 1966ء کو سیکرٹری امور خارجہ کی وساطت سے بھیجی گئی یادداشت کے اقتباسات

مغربی ممالک سے پاکستان کے مسلمہ روابط ہیں۔ چین سے اس کے تعلقات دوستی اور اعتماد پر مبنی ہیں۔ ہنوئی میں پاکستان کا کوئی ریذیڈنٹ مشن نہیں ہے لیکن راولپنڈی اور ہنوئی کے درمیان اتنے کافی رابطے ہوئے ہیں کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ دونوں ملکوں کے تعلقات دوستانہ ہیں۔ پاکستان سب سے زیادہ فائق پوزیشن میں ہے کہ تعمیری پہل کی تلاش کے سلسلے میں اس سے رجوع کیا جائے۔ حال تک ریاستہائے متحدہ امریکہ نے ساری دنیا میں اپنے اعلیٰ مقصد کے لئے ایک آغاز کرانے والے کی تلاش کرنے کی غرض سے اپنی متعدد کوششوں میں سب سے واضح ملک کو کو بالکل نظرانداز کیا۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کا بظاہر یہ خیال تھا کہ اگر اس نے پاکستان سے رجوع کیا تو وہ ملک اس کا مطلب سمجھے گا کہ چین کے متعلق اس کی صحیح پالیسی کا یہ شاندار ثبوت ہے اور اس طرح اس کی حوصلہ افزائی ہو گی کہ وہ چین سے اور بھی قریب ہو جائے تاہم بنیادی طور پر اس امکان کا خوف' ویت نام میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کے مستقبل کے مقابلہ میں اس کے مفادات کے لئے بہت کم خطرناک ہے۔ لہٰذا یہ ناگزیر تھا کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ جلد یا بدیر پاکستان سے رجوع کرے۔ یہ کام 20 اپریل 1966ء کو انقرہ میں اس وقت کیا گیا جب سیکرٹری آف اسٹیٹ' رسک نے تقریباً رقت خیز انداز میں مجھ سے اپیل کی کہ میں ویت نام کے متعلق کچھ کروں۔ اسی شام کو دو علیحدہ علیحدہ مواقع پر انہوں نے کہا: "کیا آپ میرے اور چن ژی کے درمیان جنیوا یا مونا کو یا جہاں بھی وہ چاہیں' ملاقات کا انتظام کرا سکتے ہیں؟ آپ کے لئے اس مقصد کی خاطر ہنوئی یا پیکنگ جانے میں کوئی دقت نہیں ہو گی۔" میں نے ان سے کہا کہ ریاستہائے متحدہ امریکہ نے اب تک پاکستان کو اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ اس کے لئے بہت سے ابتدائی انتظامات کی ضرورت ہے اور ہم ایسے مشن کے لئے تیار نہیں ہیں۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں اپنی حکومت سے رابطہ قائم کروں گا اور دوسرے دن ان سے رابطہ قائم کروں گا۔ میں نے صدر کو فوراً ایک تار بھیجا جس میں مسٹر رسک کی درخواست کی اطلاع دی اور ان کی ہدایات طلب کیں۔ 21 کی سہ پہر کو ایڈیشنل سیکرٹری خارجہ نے پیکنگ میں متعین سفیر پاکستان سے ٹیلیفون پر رابطہ قائم کیا اور کہا کہ چونکہ دونوں فریقوں کی پوزیشن ایک دوسرے سے بہت جداگانہ ہے اس لئے کوئی مصالحت ممکن نظر نہیں آتی۔ پاکستان اس معاملہ میں نہیں پڑنا چاہتا اور بیٹھے بٹھائے نقصان اٹھانا نہیں چاہتا۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ بہرحال صدر اس بات پر رضامند ہیں کہ چن ژی سے ملاقات کے لئے رسک کی درخواست کے متعلق چینیوں کو پاکستان میں ان کے سفیر کی وساطت سے مطلع کیا جائے۔ اڈیشنل سیکرٹری خارجہ نے پاکستان سفیر کو یہ بھی بتایا کہ صدر کی رائے میں ہمیں امریکیوں کو یہ تاثر نہیں دینا چاہئے کہ چینیوں پر ہمارا اثر ہے۔ ٹیلیفون کے ذریعہ ان کی ہدایات کی تصدیق اڈیشنل سیکرٹری خارجہ کی طرف سے دیئے گئے بعد کے ایک تار سے ہوئی جس میں انہوں نے پیکنگ میں متعین پاکستان سفیر سے اپنی بات چیت کی تلخیص دہرائی۔ جب میں 21 کی شام کو مسٹر رسک سے ملا تو سیکرٹری آف اسٹیٹ نے کہا کہ وہ اس سوال پر مجھ سے قریبی رابطہ رکھنا پسند کریں گے لیکن وہ اپنی خصوصی درخواست سے ہٹ گئے اور پچھلی شام کی بے چینی کا اظہار نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ انہوں نے اپنا ارادہ بدل دیا ہو کیونکہ انقرہ اور راولپنڈی کے درمیان آنے جانے والے پیغامات بیچ میں اڑا لئے گئے یا اس کی کوئی اور اہم وجہ ہو۔ چونکہ راولپنڈی سے نفی میں جواب آیا اس لئے میں نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ ان کو مزید ٹٹولوں۔ راولپنڈی سے جو ہدایات آئی تھیں وہ بے محل پیرایہ میں تھیں۔

انقرہ میں واشنگٹن روانہ ہونے سے پہلے سیکرٹری آف اسٹیٹ مسٹر رسک نے 22 اپریل کو کہا کہ انہوں نے "پاکستانی وزیر خارجہ مسٹر زیڈ۔ اے۔ بھٹو سے جنوب مشرقی ایشیا پر دو گھنٹے تک بات چیت کی اور یہ کہ انہوں نے چین سے روابط کے معاملہ پر" تبادلہ خیالات کیا۔ یہ بات دہرائی جاتی ہے کہ مسئلہ ویت نام کو حل کرنے کی راہیں تلاش کرنے کے لئے پاکستان لازما موزوں ترین پوزیشن میں ہے' پاکستان' چین اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے درمیان اور چین کی وساطت سے ہنوئی اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے درمیان' مواصلات کھولنے کی بہترین پوزیشن میں ہے۔ پاکستان ایک ایشیائی ملک اور چین کا ہمسایہ ہے۔ اس نے مغرب سے اپنے روابط منقطع کئے بغیر چین سے خصوصی تعلقات قائم کئے ہیں۔ اس نے ہنوئی سے دوستانہ تعلقات قائم کئے ہیں۔ اگر اس کی کوششیں ناکام بھی رہیں تو ان سے پاکستان کے مفادات کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ اس کے برعکس اس سے پاکستان کا وقار بلند ہو گا اور دنیا پر یہ واضح ہو جائے گا کہ صرف پاکستان ہی واقعی طور پر اور مزید ترقی پسندانہ طریقے پر صحیح سمت میں بڑھنے کے قابل ہے۔ اس سے یہ واضح ہو گا کہ پاکستان کے ریاستہائے متحدہ امریکہ اور چین سے تعمیری انداز کے رابطے ہیں اور یہ دونوں برسرپیکار مخالفین کا اعتماد برقرار رکھ سکا ہے۔

چونکہ یہ سوال ایشیا میں اور ساری دنیا میں امن کے لئے اتنا اہم ہے

اس لئے اب پاکستان کے لئے وقت ہے کہ اپنا کردار ادا کرے۔ ہمیں اس لئے پس و پیش نہیں کرنا چاہئے کہ ناکامی کا اندیشہ ہے۔ اگر کوششیں ناکام بھی ہوں تو بھی یہ صورت حال کو منزل مراد سے قریب تر لا سکتی ہیں۔

بہت سی علامتیں اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ ایسی ایشیائی مملکت کی جانب سے جس کے پیکنگ اور ہنوئی اور واشنگٹن دونوں سے اچھے تعلقات ہوں' بامعنی پہلے کے لئے بالکل موزوں وقت ہے۔ بین الاقوامی امور کے موجودہ گرداب میں' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان اتفاق سے وہی مملکت ہے۔ طلب مبارزت کر دیا جائے۔ ممکن ہے یہ کامیاب نہ ہو لیکن اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ اس سے ہماری نیک نیتی دونوں طرف قائم ہو جائے گی۔

(ذوالفقار علی بھٹو)

11 مئی 1966ء۔ کیمپ ڈھاکہ

پاکستان اور روس کے مابین تیل کا معاہدہ

پاکستان ٹائمز' لاہور' 23 مارچ 1961ء

4 مارچ 1961ء کو پاکستان اور روس کے مابین تیل کی تلاش کے جس معاہدے پر دستخط ہوئے ہیں' یوں معلوم ہوتا ہے کہ پورے پاکستان میں اور شاید کسی حد تک بیرون ملک بھی اس سے گہری دلچسپی کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ دلچسپی قابل فہم ہے کیونکہ تیل ترقی پذیر معیشت کے ایک بنیادی عنصر کی تشکیل کرتا ہے یا کم از کم تشکیل میں مدد دیتا ہے۔ یہ عالمی منڈی کی ایک اہم شریان ہے' اس قدر اہم کہ اس کی تقسیم' ملکیت اور قیمت کے تعین سے نہایت دور رس پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔

اب یہ بات پورے طور پر واضح ہو چکی ہے کہ حکومت پاکستان عوام کے معیار زندگی کو بلند کرنے اور دس کروڑ افراد کی اس سرزمین کی خوشحالی اور استحکام کے لئے پاکستان کو ایک مضبوط اور سائنٹیفک اقتصادی ڈھانچے پر ترقی دینے کی ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔ اس حقیقت کو تسلیم کر لینے کے بعد کہ ملک کو معاشی طور پر اس وقت تک ترقی نہیں دی جا سکتی جب تک اس کے ظاہری اور خفیہ تمام وسائل سے مجتمع کرنے اور زیادہ سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھایا جاتا۔ حکومت نے اپنی قوتیں ہنگامی بنیادوں پر حرکت میں لانے کا کام شروع کر دیا ہے۔ اس سمت میں پہلا قدم یہ اٹھایا گیا ہے کہ اپریل 1960ء میں ایندھن' بجلی اور قدرتی وسائل کی الگ وزارت قائم کی گئی۔ اس وزارت کو دوسری ذمہ داریوں کے علاوہ معدنیات کی دریافت کا فریضہ بھی سونپا گیا ہے' اور اس میں تیل کو اولین ترجیح حاصل ہے۔

اس وزارت نے ملک میں تیل کی صورت حال کا گہرا مطالعہ شروع کیا اور معلوم کیا کہ حکومت نے ان ملکی کمپنیوں کے ساتھ جنہیں ملک میں تیل کے لئے کھدائی کے لائسنس بھی جاری کئے گئے ہیں۔ مشترکہ انتظامات کے تحت تیل کی تلاش کے لئے اپنے حصے کے طور پر 11 کروڑ 45 لاکھ روپے (جن میں ٹیکسوں کی مراعات شامل نہیں) خرچ کئے ہیں۔ اگر اس مد پر خرچ ہونے والی بھاری رقوم کو دیکھا جائے تو نتائج زیادہ حوصلہ افزا نہیں ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ جب سے پاکستان قائم ہوا ہے قدرتی گیس کثیر مقدار میں دریافت ہوئی ہے لیکن اسے بذات خود ملک کی اقتصادی سطح کو بلند کرنے کی جدوجہد میں اہم امدادی عنصر کی حیثیت کبھی نہیں دی گئی۔

گیس کی دریافت مفید ہے مگر یہ تیل کی تلاش کے دوران میں دریافت ہوئی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس جہاں تک تیل کا تعلق ہے ابھی تک ہماری تمام مساعی کے باوجود نتائج حوصلہ افزا نہیں ہیں۔ جس امر نے فضا کو مزید غیر امید افزا بنایا وہ پاکستان میں مصروف کار کمپنیوں کا خیال تھا کہ پاکستان میں تیل نکلنے کے امکانات کم سے کم ہوتے جا رہے ہیں۔

اس جمود کو توڑنا ناگزیر تھا۔ یہ وقت تھا جب پاکستان میں تیل کی دریافت کی آخری کوشش کے لئے مقابلے کی فضا پیدا کرنے اور رفتار کو تیز تر کرنے کی ضرورت تھی۔ پاکستان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تیل کی پٹی پر واقعہ ہے۔ اگر پاکستان میں تیل نہ ملا تو یہ قدرت کی بہت بڑی ستم ظریفی ہو گی عام آدمیوں اور بعض ماہرین کے نزدیک ہمارے ملک میں تیل موجود ہے لیکن اب تک ہم اسے دریافت کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ اب صرف یہی راستہ رہ گیا ہے کہ مقابلہ کرایا جائے۔ صرف مقابلے کے بعد ہی حکومت مطمئن ہو سکتی ہے کہ تیل کی تلاش کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ لیکن ہر جگہ اور ہر ذریعہ اور ہر علم' ہر عمل اور طریق کار سے تلاش کے باوجود ہم ابھی تک تیل حاصل نہیں کر پائے۔ اس کے بعد ہمیں یہ اطمینان ہو گا کہ ہم نے اس گراں قدر اور کار آمد جنس کی تلاش میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ جب کہ ہر سال ہمارے قیمتی زر مبادلہ کا ایک بڑا حصہ خرچ ہو جاتا ہے اور ترقیاتی منصوبوں کی رفتار میں اضافے کے ساتھ ساتھ اس خرچ میں اضافہ ناگزیر ہے۔

مشکل سے کمائے ہوئے اور قیمتی زر مبادلہ کو بچانے اور ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل کی خواہش کا یہ پس منظر ہے جس کے تحت روس کے ساتھ تیل کی تلاش کا معاہدہ کیا گیا ہے۔

تیل کی تلاش کے سلسلے میں روس نے 1959ء میں پاکستان کو مدد کی پیشکش کی تھی اور اگست 1960ء میں حکومت نے اس پیشکش سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ ستمبر 1960ء میں روسی ماہرین کے ایک وفد نے ہماری تیل کی ضروریات کا اندازہ لگانے کے لئے پاکستان کا دورہ کیا۔ پاکستانی ماہرین کے فراہم کردہ اعداد و شمار کا جائزہ لینے اور بحث مباحثہ کے بعد روسی ٹیم نے تیل کی تلاش کے لئے ایک پروگرام کی سفارش کی جس کے لئے سرمایہ طویل المیعاد قرضوں کے ذریعہ روس مہیا کرے گا اور جس پر عمل درآمد بھی روسی ماہرین کی مدد سے ہو گا۔

12 دسمبر 1960ء کو حکومت پاکستان نے تیل کی تلاش کے معاہدہ کے لئے مذاکرات کی خاطر میری قیادت میں ایک وفد روس بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ دوسرے روز 13 دسمبر کو وفد ماسکو جانے کے لئے دہلی روانہ ہو گیا۔ ہمیں وہاں بتایا گیا کہ ہمارے طیارے میں ایک دن کی تاخیر ہو گئی ہے۔ نئی دہلی میں سوویت یونین کے سفیر اور ان کی اہلیہ نے وفد کو ظہرانہ دیا۔

ہم نے دہلی سے 16 دسمبر کو پرواز کی اور ماسکو اترنے سے پہلے ہمیں تاشقند میں اترنا تھا لیکن تاشقند میں موسم اس قدر خراب تھا کہ طیارے کو حفاظت سے اتارنا ممکن نہ تھا۔ چونکہ ہمیں سمرقند کا دورہ بھی کرنا تھا' اس لئے روسی حکام نے ہمارے اس دورے کو اس تاریخی شہر کی طرف موڑ دیا۔ یہ ان کی طرف سے ہمارے لئے خیر سگالی کا خوش آئند مظاہرہ تھا۔ کیونکہ عام طور پر وہ غیر ملکی طیاروں کو سمرقند کے فوجی ایرپورٹ پر اترنے کی اجازت نہیں دیا کرتے۔

ہم نے سمرقند میں ایک ناقابل فراموش دن گزارا۔ اس کے مشہور اور تاریخی مقامات اور مساجد کو دیکھا۔ تیمور اعظم اور وہاں کے جانشینوں کے اس حصار میں اسلامی فن تعمیر اور ثقافت کی شان و شوکت اس قدر نمایاں تھی کہ اس سے ہم بہت متاثر ہوئے۔ یہ احساس ہمارے لئے باعث فخر تھا کہ ہم اسی تاریخ' نسل اور مذہب کا حصہ ہیں۔ اگرچہ وقت اور سیاسی اور طبعی تبدیلی نے ہمیں الگ الگ کر رکھا ہے۔ بلند پہاڑوں' مختلف زبانوں اور نظریات کے باوجود جو ماضی کے سمرقند اور حال کے پاکستان میں حائل ہیں' ہم ایک غیر مرئی مگر دائمی رشتہ میں بندھے ہوئے ہیں۔ اس موجودہ خلیج کے باوجود جو گہری مماثلت ہے اس سے اسلامی ورثہ کے عظیم اور دائمی ہونے کا یقین ہوتا ہے۔ دوسرے روز ہم بذریعہ موٹر کار تاشقند روانہ ہو گئے۔ راستے میں ہم نے اس عظیم شہر کے گردو پیش زرعی فارم دیکھے اور ان فارموں میں جو چہل پہل اور سرگرمیاں جاری تھیں ان سے ہم بہت متاثر ہوئے۔

تاشقند میں ہمارا پرجوش استقبال ہوا اور ہمیں کئی اعلیٰ حکام اور متعدد مسلم رہنماؤں سے ملایا گیا۔ ہم نے تاشقند کی مشہور جامع مسجد میں نماز بھی ادا کی۔

ہم 19 دسمبر کو ماسکو پہنچے۔ ہوائی اڈے پر ہمارا استقبال کرنے والوں میں روس کے دوسرے اعلیٰ حکام کے علاوہ روس کے بیرونی تجارت اور ارضیات کے وزیر اور روس میں پاکستانی سفیر بھی شامل تھے۔

رسمی مذاکرات 20 دسمبر کو کریملن میں شروع ہوئے۔ سوویت حکام سے یہ ہمارا پہلا رابطہ تھا۔ بلاشبہ یہ ہمارے لئے ایک خوشگوار تجربہ تھا۔ بات چیت انتہائی دوستانہ ماحول میں آگے بڑھی اور 31 دسمبر کو مجھے کریملن کے ایک استقبالیہ میں مدعو کیا گیا جہاں میں نکیتا خروشیف سے دوبارہ ملا۔ ان سے میری پہلی ملاقات اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں ہوئی تھی۔ وزیر اعظم نہایت ہی خوشگوار موڈ میں تھے اور انہوں نے کئی جام تجویز کئے۔ اس استقبالیہ میں روس کے کئی اہم رہنماؤں سے بھی ملاقات ہوئی۔ اس سے قبل ہم مذاکرات کے سلسلے میں نائب وزیر اعظم سے بھی ملتے رہے اور ہم نے انہیں بہت زیادہ پرجوش اور پرتپاک پایا۔

ایک ہی میز پر آمنے سامنے بیٹھ کر خروشیف سے بات کرنے کا ایک اور موقع ملا مگر یہ بات چیت صرف تیل کے مذاکرات تک محدود رہی۔ ماسکو میں ہمارے وفد نے جن دوسری سماجی تقریبات میں شرکت کی' ان میں ایک مشہور بیلے رقص کی محفل' پاکستانی سفیر کا استقبالیہ اور نائب روسی وزیر اعظم مسٹر کویان کا عشائیہ قابل ذکر ہیں۔

ہم نے معاہدہ کو قطعی صورت راولپنڈی میں دی تھی۔ معاہدہ تیل کے تحت منجملہ اور چیزوں کے روس پاکستان کو بارہ کروڑ روبل کا ایک قرضہ دے گا جو بارہ سال کے عرصے میں واپس کیا جائے گا۔ سوویت یونین تجربہ کار ماہرین بھی مہیا کرے گی اور قرضہ کا 75 فیصد ساز و سامان کی صورت میں ہو گا جو تیل کی تلاش میں تکمیل کے بعد پاکستان کو مل جائے گا۔ معاہدہ کے تحت پاکستانی ماہرین کو بھی تربیت دی جائے گی۔

اپنی نوعیت کے لحاظ سے پاکستان اور روس میں یہ پہلا معاہدہ ہے جو نہایت ہی محتاط اور طویل مذاکرات کے بعد خلوص اور خیر سگالی کے ماحول میں طے پایا۔ یہ معاہدہ دور حاضر کی اس روح کا ایک مظاہرہ ہے جو سیاسی تعصبات اور نسل و نظریہ کے امتیازات سے بالاتر ہو کر انسانیت کی باہمی بہبود کے لئے وسیع تر عالمی تعاون کا تقاضا کرتی ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو

ایک دفاعی معاہدہ

واشنگٹن میں سینٹو کے وزارتی اجلاس میں افتتاحی تقریر

28 اپریل 1964ء

ہمارے میزبانوں نے جس گرمجوشی اور خلوص سے ہمارا استقبال کیا ہے اس کے لئے میں اپنی اور اپنے وفد کی طرف سے شکر گزار ہوں۔ صدر جانسن کا امید اور اعتماد سے پر پیغام پر جو آج صبح ہمیں پڑھ کر سنایا گیا اس پر اپنی ممنونیت اور شکر گزاری کو بھی ریکارڈ پر لانا چاہتا ہوں۔ صدر کے خیالات بے حد امید افزا اور خیال انگیز ہیں اور معاہدے کے مستقبل کے لئے یہ ایک نیک فال ہے۔

آج جب کہ ہم یہاں اپنے معاملات پر غور و خوض کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں۔ ہمیں مرحوم صدر' جان۔ ایف کینیڈی یاد آ رہے ہیں۔ ان کی المناک موت نے ہم سے ایک رہنما' اور ایک عالی ہمت عالمی مدبر کو چھین لیا ہے۔ میں اور میرا وفد انہیں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

ہم ایک نازک دور سے گزر رہے ہیں۔ ایک سال قبل جب کراچی میں

اجلاس ہوا تھا اس کے بعد سے بین الاقوامی طور پر نہایت اہم پیش قدمی ہوئی ہے جس کا سینٹو میں شامل ممالک پر براہ راست اور نمایاں اثر پڑا ہے۔ ان ترقیوں نے سب پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں کر دی ہے کہ اب امن و استحکام ایسے عمل نہیں رہے جو از خود جاری رہ سکیں۔ جو اقوام اپنی بقا کی خواہاں ہیں انہیں اس کے لئے اپنے عزم کا مثبت ثبوت مہیا کرنا ہو گا۔ کسی بھی خطے یا علاقے میں امن کے لئے یہ ایک پیشگی لزوم ہے کہ ایک ملک کا دوسرے پر تسلط پانے کا خوف معدوم ہو جائے۔ کمزور کے حقوق طاقتور کے مقابلے میں محفوظ ہوں، جو لوگ محکومی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں وہ آزاد ہوں۔۔ اپنے حال حال کو سنوارنے کے لئے آزاد ہوں اور اپنے مستقبل کو متعین کرنے میں آزاد ہوں۔ اس سلسلے میں بڑی طاقتوں پر خصوصی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ بڑی طاقتیں ان امور سے غیر متعلق نہیں رہ سکتیں اور نہ ہی ایسی صورت حال کے فروغ کی اجازت دے سکتی ہیں جو بین الاقوامی امن کو درہم برہم کرنے کی قوت کی حامل ہوں۔ آج کی پیچیدہ دنیا میں کوئی طاقت بھی خواہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو خود کو الگ تھلگ نہیں رکھ سکتی۔ بڑی اور چھوٹی طاقتوں کا ایک دوسرے پر انحصار ہے اس لئے انہیں اس آئیڈیل کی بقا کے لئے جس کی وہ پرورش کرتی رہی ہیں، متحدہ ہو کر کام کرنا چاہئے۔

مختصراً، یہ سوچ اجتماعی تحفظ کے انتظامات کے پیچھے کار فرما ہے۔ جیسا کہ ہمارا یہ معاہدہ ہے۔ سینٹو اپنے کردار میں دفاعی معاہدہ ہے۔ اس کا اہم فریضہ اپنے رکن ممالک کی آزادی اور سالمیت کا تحفظ ہے جنہیں اس نے ہر قسم کی جارحیت کے خلاف تحفظ کا یقین دلا رکھا ہے۔

سینٹو علاقائی تعاون کی ایک کوشش ہے جو دفاع کے علاوہ اقتصادی خوشحالی کے لئے بھی مدد و معاون ہے۔ پچھلے کئی سال سے سینٹو علاقائی اراکین کے مابین اقتصادی ترقی کے لئے باہمی تعاون قائم کر چکا ہے۔ فنی امداد اور اقتصادی ترقی کے ذریعے بھی ہم علاقائی امن اور سالمیت کی مضبوط بنیاد رکھ سکتے ہیں۔

یہ امر باعث اطمینان ہے کہ اقتصادی میدان میں حوصلہ افزا ترقی ہوئی ہے۔ متعدد اہم مشترکہ منصوبے جن میں خود امواجی رابطہ (مائکرو ویو لنک) اور لندن اور علاقائی دارالحکومتوں کے درمیان ٹیلی مواصلاتی رابطوں کے تیز رفتار سلسلے، علاقائی ریل کے رابطے اور بندرگاہوں کی سہولتیں شامل ہیں، تکمیل کے قریب ہیں۔ مختلف شعبوں میں اقتصادی امداد کا سلسلہ جاری ہے اور اس سے نہ صرف رکن ممالک بلکہ پورے خطے کو فائدہ پہنچے گا اس لے اس امر کی بڑی اہمیت متعدد ثقافتی منصوبے سینٹو کی زیر سرپرستی شروع کئے گئے ہیں۔ بلاشبہ ان کے بہتر نتائج بر آمد ہوں گے۔ ہماری یہ تمنا ہے کہ سینٹو کے اقتصادی، فنی اور ثقافتی امور متفقہ طور پر جاری رہیں اور ان میں مقصد کی ہم آہنگی اور علاقہ کے لوگوں کے مابین عمل جاری و ساری رہے۔ سینٹو کے رکن ممالک کے رہنما محسوس کرتے ہیں کہ لوگوں کے معیار زندگی کو بہتر بنانا اور جہالت، بھوک غربت اور بیماری کے خلاف جہاد کرنا ان کے لئے سب سے بڑا چیلنج ہے۔ وہ اس آئیڈیل کے لئے خود کو وقف کر چکے ہیں اور انہیں اس کا پورا احساس ہے کہ علاقہ کا امن اور تحفظ اس وقت تک حاصل نہیں کیا جا سکتا جب تک لوگ ان معاشرتی برائیوں پر غالب نہ آ جائیں۔

جناب چیئرمین! قبل اس کے کہ میں اپنی تقریر ختم کروں۔ میں سینٹو کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر خلعت باری اور ان کے عملے کو خراج تحسین پیش کرنا چاہتا ہوں جو پوری قوت اور اہلیت سے اپنی ذمہ داریوں کو نہایت خوش اسلوبی سے نباہ رہے ہیں اور جنہوں نے اس اجلاس کے لئے نہایت اچھے انتظامات کئے ہیں۔

پاک چین سرحدی معاہدہ

26 مارچ 1963ء

میں نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے نام بھارت کا وہ احتجاجی مراسلہ دیکھا ہے جس میں اس نے الزام لگایا ہے کہ "عوامی جمہوریہ چین کے ساتھ معاہدہ کر کے حکومت پاکستان نے سلامتی کونسل کی 17 جنوری 1948ء کی قرارداد اور اقوام متحدہ کے کمیشن کی 13 اگست 1949ء کی قرارداد کی بنیاد کو نہ صرف اپنی حمایت میں بلکہ ایک دوسرے جارح کے حق میں یک طرفہ طور پر بدل دیا ہے"۔ چونکہ یہ الزام تراشی پاکستان کے خلاف ایک منظم اور مسلسل پروپیگنڈہ کی مہم کی کڑی معلوم ہوتی ہے اس لئے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ریکارڈ کو صحیح کیا جائے۔

اس سے قبل کہ میں اس الزام اور دوسرے الزامات کا جواب دوں مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ بھارتی خط کا لب و لہجہ انتہائی تیز اور اشتعال انگیز ہے، اور اس مشترکہ اپیل کی روح کے منافی ہے جو سردار سورن سنگھ اور میں نے 29 دسمبر 1964ء کو جاری کی تھی کہ کشمیر کے مذاکرات کو عادلانہ اور منصفانہ نتیجہ پر پہنچانے کے لئے مناسب ماحول کی برقراری کی خاطر دونوں ممالک کے لیڈر اور سرکاری حکام نیز اخبارات باہم ایسے حملوں اور پروپیگنڈے سے گریز کریں گے جن سے پاکستان اور بھارت میں عدم مفاہمت کی فضا پیدا ہونے کا امکان ہو۔

بھارت موجودہ کشمیر مذاکرات کا سلسلہ شروع ہونے سے پہلے ہی اس امر سے بخوبی واقف تھا کہ پاکستان اور چین کے درمیان حقیقی سرحد کے تعین اور نشاندہی کا معاہدہ اصولی طور پر پہلے ہی طے پا چکا تھا۔ سردار سورن سنگھ اور میری مشترکہ اپیل اس کے بعد شائع ہوئی اور اس حقیقت کا اعلان دنیا کے سامنے اس سے قبل ہی کیا جا چکا تھا۔ اس لئے بالواسطہ طور پر یہ سمجھا جا رہا تھا کہ بھارت کم از کم اس وقت تک جب تک کہ مسئلہ، کشمیر اور براہ راست

بات چیت جاری ہے پاک چین سرحدی معاہدے کو کسی طور پر بھی پروپیگنڈے کے حملوں یا مسئلہ ' کشمیر کے بارے میں ہنگامہ پسندانہ رویہ کے لئے استعمال نہیں کرے گا۔ سلامتی کونسل کے نام بھارتی خط اور بیانات نیز پروپیگنڈہ مواد کا لہجہ جو بھارتی حکومت نے سرحدی معاہدے کے خلاف اختیار کیا ہے' کشمیر مذاکرات کی فضا کو مکدر بنانے کی ایک سوچی سمجھی کوشش کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس مہم نے مجھے کشمیر مذاکرات کے نتیجہ کے بارے میں تذبذب میں ڈال دیا ہے۔

پاکستان کے خلاف جارحیت کا الزام' بھارت' گذشتہ پندرہ سال سے اتنی بار دہرا چکا ہے کہ اب وہ بے معنی ہو کر رہ گیا ہے۔ اس خط میں بھی اس الزام کو سر اوون ڈیکسن کے ایک ضمنی قول کو سیاق و سباق سے علیحدہ بھی اس الزام میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ ایک ایسا الزام ہے جو سلامتی کونسل میں بار بار لگایا گیا ہے اور سلامتی کونسل نے ہمیشہ اسے تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ بار بار کی خفت اور اپنے ان اعمال کے باوجود بھارت نے اس نام نہاد خود راستی کا روپ دھارے رکھا جو بین الاقوامی برادری کی نظر میں ان اخلاقی اصولوں کی صریحاً" خلاف ورزی ہے جن کا بھارت ڈھنڈورہ پیٹتا رہتا ہے۔

اب میں سلامتی کونسل کے صدر کے نام بھارتی مکتوب میں لگائے گئے پہلے الزام کی طرف آتا ہوں کہ "2 مارچ 1963ء کے پاک چین سرحدی معاہدے کے تحت پاکستان اور چین نے جموں اور کشمیر میں بھارتی علاقے کو غیر قانونی طور پر بانٹ لیا ہے اور بھارتی علاقے کی نام نہاد حاکمیت کو بھارت کی سلامتی اور علاقائی سالمیت کے خلاف زک پہنچائی گئی ہے۔"

میرے لئے اس واضح حقیقت کا بیان نہیں ہے کہ جموں اور کشمیر کا علاقہ کسی طرح بھی بھارت کا حصہ نہیں ہے۔ جموں اور کشمیر کا علاقہ وہاں کے باشندوں کی ملکیت ہے۔ یہ ایک ایسا علاقہ ہے جس کے مستقبل کا فیصلہ اقوام متحدہ کی 13 اگست 1948ء اور 5 جنوری 1949ء کی قراردادوں کے مطابق اقوام متحدہ کی غیر جانبدارانہ نگرانی میں استصواب رائے سے ہونا چاہئے کہ آیا انہیں پاکستان سے الحاق کرنا چاہئے یا بھارت سے۔ پاکستان اور بھارت دونوں ان قراردادوں کے پابند ہیں۔ کسی ایک فریق کا جموں اور کشمیر پر اپنے اقتدار کا دعویٰ کرنا انتہائی شرمناک ہے۔ اس دعوے کو جس سے سلامتی کونسل پوری طرح آگاہ ہے اقوام متحدہ کے عظیم ادارے نے کبھی قبول نہیں کیا۔

پاک چین سرحدی معاہدہ چینی علاقے سنکیانگ اور اس سے ملحقہ علاقوں (جن کا تحفظ پاکستان کی ذمہ داری ہے) کے درمیان موجودہ سرحدوں کا تعین اور نشاندہی کی متفقہ مفاہمت پر مشتمل ہے اور معاہدے میں متعلقہ علاقے کی براہ راست یا بالواسطہ تقسیم کا کوئی ذکر ہی نہیں۔ معاہدے کا مقصد ایشیا کے اس حساس ترین علاقے کے امن و امان کی ضمانت دینا اور اس طرح عالمی امن و سلامتی کو مستحکم کرنا ہے۔

سلامتی کونسل کے صدر کے نام بھارتی مکتوب میں دوسرا الزام یہ ہے کہ "پاک چین سرحدی معاہدہ 17 جنوری 1948ء کی سلامتی کونسل کی قرارداد کے منافی ہے"۔ یہ الزام بے بنیاد ہے۔ اس قرارداد میں بھارت اور پاکستان پر صورت حالات کو بہتر بنانے کے لئے زور دیا گیا ہے۔ اس غلط فہمی سے بچنے کے لئے جو امن شکنی کا باعث ہو بیرونی طاقتوں سے عبوری بنیادوں پر سرحدوں کا تعین اور حد بندی کا معاہدہ واضح طور پر حالات کو بہتر بنانے کا اقدام ہے نہ کہ حالات کو بدتر کرنے کا۔ 17 جنوری 1948ء کی قرارداد میں دونوں حکومتوں سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ کونسل کو "صورت حال میں معمولی سی مادی تبدیلی کی اطلاع دیں اور اس پر کونسل سے مشورہ کریں۔" پاکستان اور عوامی جمہوریہ چین کے مابین معاہدہ جموں و کشمیر کے مسئلہ میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتا اور اس سے موجودہ حیثیت میں کسی قسم کا تغیر پیدا نہیں ہوتا۔

جموں و کشمیر میں کسی بھی تبدیلی کا پاکستان کو مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا' بلکہ یہ بھارت ہے جس نے اس کی "جوں کی توں" حیثیت کو بدل دیا ہے۔ گذشتہ چار برس میں بھارت نے ریاست کے اندر اپنی مسلح افواج اور سامان جنگ میں اضافہ کیا ہے۔ یہ نہ صرف سلامتی کونسل کی 13 جنوری 1948ء کی قرارداد کے خلاف ہے بلکہ اقوام متحدہ کے کمیشن 13 اگست 1948ء کے بھی منافی ہے جس میں فوجوں کا انخلا پر زور دیا گیا ہے تاکہ استصواب رائے کرایا جاسکے۔

لہٰذا بھارت کا پاکستان پر اقوام متحدہ کی قراردادوں کی خلاف ورزی کا الزام نہایت ناواجب ہے۔ میں اس ضمن میں بھارت کی طرف سے ان قراردادوں کی کچھ اور خلاف ورزیوں کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں۔

1- بھارتی آئین میں بھارت کی مسلمہ عالمی ذمہ دریوں کے صریحاً" منافی' کشمیر کو بھارت کی ایک ریاست قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح بھارت اقوام متحدہ کے قانون اور عالمی قانون کی خلاف ورزی کرنے کا مجرم ہے۔

2- بھارت نے کشمیر کے مستبد راجہ کے دستخط شدہ لیکن پر فریب اور غیر قانونی معاہدہ الحاق کو قانونی حیثیت دینے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ جب مہاراجہ نے اس پر دستخط کئے تھے اس سے قبل طویل عرصے سے استبداد کے شکار کشمیری عوام ایک کامیاب بغاوت کے ذریعے اس کا تختہ الٹ چکے تھے۔

3- بھارت نے سلامتی کونسل کی 30 مارچ 1951ء کی قرارداد کی خلاف ورزی کرتے ہوئے 1951ء میں ایک نام نہاد آئین ساز اسمبلی قائم کردی اور اس غیر قانونی ادارے کے لئے انتخابات جس انداز میں کرائے گئے وہ اتنا معروف ہے کہ اس کا تذکرہ ضروری نہیں۔

4- بھارت نے 1952ء میں اقوام متحدہ کی قراردادوں کے منافی کشمیر کو انتظامی طور پر بھارت میں ضم کرنے کے اقدامات کئے اس سال ایک معاہدہ پر جو معاہدہ دہلی کہلاتا ہے دستخط کئے گئے جو بچے کچھے اختیارات' قوانین شہریت' بنیادی حقوق' جموں و کشمیر سے متعلق بھارتی سپریم کورٹ کے

اختیارات، بھارتی آئین کے ہنگامی ضوابط کے نفاذ اور ریاست کی سربراہی جیسے امور پر محیط تھا۔

5- بھارت نے مئی 1954ء میں ایک خصوصی صدارتی حکم کے نفاذ کے ذریعہ کشمیر پر اپنی گرفت مزید سخت کرلی جس کی رو سے بھارتی یونین کی حدود میں ترمیم توسیع کی گئی۔ اسی آرڈر کے تحت ریاستی شہریوں کی تعریف میں ترمیم کرکے اس کی بنیادوں کو وسیع کیا گیا تاکہ ان تمام افراد کو ریاستی شہری قرار دیا جاسکے جو وہاں غیر منقولہ جائداد حاصل کرچکے تھے۔ اس کا مدعا ریاست میں مسلم اکثریت کو گھٹانا تھا جو پہلے ہی جموں میں قتل عام سے متاثر ہو چکی تھی۔

6- اپریل 1954ء میں بھارت اور مقبوضہ کشمیر کے درمیان کسٹم کی پابندیاں ختم کردی گئیں۔

7- انکم ٹیکس، کسٹمز اور ایکسائز ڈیوٹی سے متعلق انڈین ٹیکسیشن لاز کی مقبوضہ کشمیر تک توسیع کردی گئی۔

8- کشمیر کا بھارت میں مالی ادغام جو ایک سال قبل شروع ہوا تھا، 1955ء میں مکمل ہوگیا اور بھارتی آڈیٹر جنرل کو مقبوضہ جموں و کشمیر میں بھی وہی اختیارات حاصل ہوگئے جو دوسری بھارتی ریاستوں میں اسے حاصل تھے۔

9- اپریل 1955ء میں بھارتی آئین کی دوسری دفعات بھی مقبوضہ کشمیر پر عائد کردی گئیں۔

10- نومبر 1956ء میں بھارت نے 26 جنوری 1957ء تک کشمیر کو پورے طور پر بھارت میں ضم کرنے کے یک طرفہ اقدامات شروع کردئے حالانکہ یہ ان یقین دہانیوں کے قطعاً" منافی تھے جو بھارت نے سلامتی کونسل کو کرائی تھیں۔ نیز اس ضمن میں بھارت نے سلامتی کونسل کی 30 مارچ 1951ء کی قرارداد کو بھی پوری طرح نظرانداز کردیا۔ اس موقع پر سلامتی کونسل نے 24 جنوری 1957ء کو ایک نئی قرارداد منظور کی جس میں 30 مارچ 1951ء کی قرارداد کی توثیق کرتے ہوئے کہا گیا تھا کہ:

"آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس، کی جنرل کانفرنس کی سفارش کے مطابق مقننہ کا اجلاس بلانا یا اسمبلی کا کوئی ایسا اقدام جو وہ پوری ریاست یا اس کے کسی حصہ کے مستقبل کا تعین کرنے یا الحاق کے بارے میں ہو یا جس کا امکان ہو یا متعلقہ فریقین میں کسی کی طرف سے اسمبلی کے اقدام کی حمایت میں کوئی کارروائی سلامتی کونسل کے اعلان کردہ اصولوں کے مطابق ریاست کے بارے میں موثر نہیں ہوگی۔

11- 23 اپریل 1957ء کو بھارت نے ایک قدم آگے بڑھایا۔ جب اس نے ریاست جموں و کشمیر کو ناردرن زون کونسل آف آرگنائزیشن آف انڈیا کی رکنیت کے دائرے میں شامل کرلیا۔

میں نے بھارت کی طرف سے سلامتی کونسل اور اقوام متحدہ کمیشن کی قرارداد کی ان سوچی سمجھی مسلسل خلاف ورزیوں کا تذکرہ مسئلہ کشمیر پر ریکارڈ کو درست رکھنے اور بھارت کے اس الزام اور غلط استدلال کو بے نقاب کرنے کے لئے کیا ہے کہ یہ پاکستان ہے جو ان قراردادوں کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔

سلامتی کونسل کے صدر کے نام بھارت وفد کے خط کا مقصد اقوام متحدہ کمیشن کی 13 اگست 1949ء کی قرارداد کے پارٹ 2 پیراگراف A-1 کو سیاق و سباق سے علیحدہ کرکے پاکستان کو یک طرفہ اور غیر مشروط طور پر جموں و کشمیر سے فوجوں کے انخلا کا ذمہ دار قرار دینا ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ بھارتی خط میں پارٹ 2 کے دوسرے پیراگرافوں کو کیوں نظرانداز کیا گیا۔ بھارتی وفد اخفائے حقیقت اور ایماء کذب کا مجرم ہے۔ مابعد کے پیراگراف اس امر کو واضح کردیتے ہیں کہ پاکستان پر ریاست جموں و کشمیر سے فوجوں کے انخلا کی ذمہ داری اس وقت تک عاید نہیں ہوتی جب تک کہ دونوں ملک نہ صرف پاکستانی افواج کے انخلا بلکہ بھارتی مسلح افواج کے بڑے حصہ کے انخلا سے متعلق کوئی معاہدہ امن طے نہیں کرتے کیونکہ دونوں فوجوں کا انخلا ساتھ ساتھ ہوگا۔

فوجوں کے انخلا کے طریق کار کے بارے میں دو طرفہ ذمہ داریوں کو گڈ مڈ کرنے کے لئے بھارت گذشتہ پندرہ سال سے کوشاں ہے تاکہ دنیا کو باور کرا دے کہ فوجوں کا انخلا یک طرفہ طور پر صرف پاکستان کی ذمہ داری ہے۔ 13 اگست 1948ء کی قرارداد کے پارٹ 2 کے متعلق ایک توضیحی سوال اور اقوام متحدہ کمیشن برائے پاک و ہند نے حکومت پاکستان سے اس کی جو تشریح کی، اس کے بعد ریاست جموں و کشمیر سے مسلح افواج کے انخلا کے بارے میں دونوں فریقوں کی طرف سے یقین دہانی کی دو طرفہ نوعیت کے بارے میں کوئی شبہ نہیں رہا۔

میں ایک بار پھر یہ کہوں گا کہ پاکستان ابھی اور یہیں بھارت کے ساتھ معاہدۂ امن کرنے کے لئے تیار ہیں۔ تاکہ اقوام متحدہ کمیشن کی قرارداد 13 اگست 1948ء کے پارٹ 2 کی روح کے مطابق پاکستانی افواج اور بھارتی مسلح افواج کے بڑے حصہ کا انخلا ساتھ ساتھ عمل میں آسکے۔

میں نے گہری دلچسپی سے یہ بات نوٹ کی ہے کہ آخر کار بھارت نے بین الاقوامی معاہدے سے متعلق اقوام متحدہ کی قرارداد 5 جنوری 1949ء کی دہائی دی ہے جو پاکستان اور بھارت دونوں کو جموں و کشمیر سے فوجوں کا انخلا کا پابند کرتی ہے تاکہ ریاست کے پاکستان یا بھارت سے الحاق کے متعلق فیصلہ کرنے کے لئے اقوام متحدہ کی نگرانی میں استصواب رائے کرایا جاسکے۔ یہ بھارت کی ان بے فائدہ کوششوں سے ایک خوشگوار رخصت ہے جو بھارتی نمائندے اور رہنما سلامتی کونسل میں اور ادھر ادھر یہ تاثر دینے کے لئے کرتے رہتے ہیں کہ اقوام متحدہ کمیشن کی قراردادیں موثر نہیں رہیں۔ اس طرح پاکستان کا یہ مضبوط موقف صحیح ثابت ہوگیا کہ قراردادیں موثر اور قابل عمل ہیں۔ ان کے تحت جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں وہ جاری و ساری ہیں۔

ابھی حال ہی میں یعنی 1966ء میں جب سلامتی کونسل میں مسئلہ کشمیر زیر بحث آیا تھا تو پاکستان نمائندے نے بھارت کے اس الزام کو کہ پاکستان ان قراردادوں پر عمل کرنے سے گریز کر رہا ہے رد کرتے ہوئے پیش کش کی تھی کہ پاکستان پر اس طریق کار سے پوری طرح متفق ہے جو ان باتوں کے تعین کے لئے تجویز کیا جائے کہ

(الف) اقوام متحدہ کمیشن برائے پاکستان و بھارت کی قراردادوں کے تحت فریقین کی ذمہ داریاں کیا ہیں۔

(ب) ان قراردادوں پر کہاں تک عمل در آمد ہوا ہے۔

(ج) کیا کوئی فریق اپنی ذمہ داریوں سے گریز کرنے کا مرتکب ہوا ہے۔

(د) ہر فریق کو عمل در آمد کی طرف پیش قدمی کے لئے کیا کرنا چاہئے۔

اگر (ج) بالا کے تعین سے یعنی یہ کہ فریقین میں سے کون اپنی ذمہ داری نبھانے سے قاصر رہا ہے۔ یہ معلوم ہوا کہ اس ضمن میں پاکستان سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے تو پاکستان جتنی جلدی ممکن ہوا پوری تیزی سے اپنی کوتاہی کا تدارک کرے گا تاکہ قرارداد کو مکمل طور پر عملی جامہ پہنچانے کا راستہ کھل جائے۔ میں سلامتی کونسل کو حکومت پاکستان کی طرف سے اس بات کی ضمانت دیتا ہو۔ مجھے امید اور بھروسہ ہے کہ بھارت بھی اس سے اتفاق کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔

ہم آج بھی اس پیش کش پر قائم ہیں لیکن بھارت اسے قبول نہیں کرتا؟ کیا وہ کسی غیر جانبدار اور بے تعلق تیسرے فریق کے فیصلے سے خائف ہے؟

آخر میں یہ کہ سلامتی کونسل کے صدر کے نام بھارتی وفد کے خط میں اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل نمائندے مرحوم پرنس علی خان کے 30 دسمبر 1959ء اور 25 مارچ 1960ء کے خطوط کا حوالہ دیتے ہوئے یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ پاک چین معاہدہ حکومت پاکستان کے ان دو خطوط میں بیان کردہ موقف کے بالکل برعکس ہے۔ میں سلامتی کونسل اور عالمی رائے عامہ کو بھارتی وفد کی طرف سے گمراہ کرنے کی کوشش کی شدید مذمت کرتا ہوں جبکہ پاک چین سرحدی معاہدہ کی دفعہ 6 میں واضح کر دیا گیا ہے کہ پاکستان اور چین کے مابین یہ معاہدہ عبوری نوعیت کا ہے اور تنازعہ کشمیر کے حل کے بعد جو مقتدر اتھارٹی جموں و کشمیر موقائم ہو گی وہ عوامی جمہوریہ چین کے ساتھ مذاکرات کرے گی تاکہ موجودہ معاہدہ کی جگہ رسمی سرحدی معاہدہ لے سکے۔ اس طرح پاک چین سرحدی معاہدہ حکومت پاکستان کے اس موقف کے عین مطابق ہے جو سلامتی کونسل کے صدر کے نام مذکورہ بالا خطوط میں پاکستان کے مستقل مندوب نے اختیار کیا تھا۔

مجھے اس کی مزید وضاحت کرنے دیجئے کہ حکومت پاکستان نے لداخ کی سرحد پر چین اور بھارت کے تنازعہ کے سیاق و سباق میں 3 دسمبر 1959ء کے خط میں جو موقف اختیار کیا اس اہم نقطہ کو اس خط کے پیراگراف 5 میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں کہا گیا ہے:

"تاہم میری حکومت اپنی ذمہ داری کے پیش نظر سلامتی کونسل میں یہ واضح کر دینا چاہتی ہے کہ جب تک کشمیری عوام کی مرضی کے مطابق کشمیر کے مستقبل کا تعین غیر جانبدارانہ طور پر نہیں کیا جاتا' بھارت اور چین کے موجودہ تنازعہ یا کسی آئندہ تنازعہ میں فریقین کا موقف یا تصفیہ جموں و کشمیر کے علاقے کی معیشت پر اثر انداز نہیں ہو گا یا محولہ بالا پیراگراف 3 میں مذکورہ قراردادوں کے مطابق ریاست جموں و کشمیر میں استصواب رائے اور وہاں سے فوجوں کے انخلا پر لاگو نہیں ہو گا۔ یعنی سلامتی کونسل کے 31 اپریل 1948ء' 30 مارچ 1951ء' 24 جنوری 1957ء کی قراردادوں اور اقوام متحدہ کمیشن برائے پاک و ہند کی 13 اگست 1948ء اور 5 جنوری 1949ء کی قراردادوں میں دیئے گئے ان فیصلوں پر اثر انداز نہیں ہو گا جنہیں پاکستان اور بھارت دونوں نے منظور کیا ہوا ہے اور دونوں حکومتیں اپنے اپنے بار بار کے اعلانات کے مطابق جن کی پابند ہیں۔

حکومت پاکستان نے 1959ء کے موقف کے تحت ہی پاک چین سرحدی معاہدے میں آرٹیکل 6 کو شامل کیا ہے۔ یہ معاہدہ بھارت کا جو بھی وقتی مفاد ہو اس کا مکمل طور پر تحفظ کرتا ہے کیونکہ بھارت کو اقوام متحدہ کے کمیشن کے مطابق ان دو ملکوں میں ایک کی حیثیت حاصل ہے جن سے حق خود ارادیت پر جب بھی عملدر آمد ہو۔ جموں و کشمیر کے عوام اقوام متحدہ کی زیر نگرانی آزادانہ اور منصفانہ استصواب رائے کے بعد الحاق کریں گے۔

سرحداتی معاہدہ جموں و کشمیر کے علاقے کی حیثیت کو قطعاً" متاثر نہیں کرتا۔ اس سے جموں و کشمیر سے فوجوں کے انخلا کی ضرورت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس میں ذرہ بھر بھی عوام کے حق خود اختیاری سے انحراف نہیں کیا گیا۔ لہٰذا یہ حکومت پاکستان کے اس موقف کے عین مطابق ہے جو پاکستان کے مستقل مندوب نے سلامتی کونسل کے صدر کے نام اپنے 3 دسمبر 1959ء اور 25 مارچ 1960ء کے مراسلات میں بیان کیا تھا۔

یہ بات ناقابل فہم ہے کہ بھارت اسے اس کے برعکس کیسے قرار دیتا ہے اور میں سلامتی کونسل کے صدر کے نام لکھے گئے بھارتی مراسلہ کی اس عبارت کو بھی سمجھنے سے قاصر ہوں کہ "معاہدہ کو عبوری تو کہا گیا ہے لیکن اس کے باوجود بھی یہ تصدیق و توثیق کا تابع نہیں" کسی بین الاقوامی معاہدے کی توثیق و تصدیق ضروری ہوتی ہے یا نہیں' اس کا تعلق متعلقہ فریقین کی سہولت اور ان کے انفرادی آئینی طریق کار کے مطابق ہوتا ہے۔ چنانچہ توثیق و تصدیق کا معاہدوں اور قراردادوں کی عبوری یا مستقل نوعیت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

آخری میں بھارتی مراسلہ میں کہا گیا ہے۔

"یہ واضح نہیں کہ پاکستان نے کتنا بھارتی علاقہ غیر قانونی طور پر چین کے حوالے کیا ہے۔ تاہم کہا جاتا ہے کہ یہ رقبہ دو ہزار میل سے کم نہیں۔" چند

دن قبل بھارتی اور پارلیمنٹ میں ایک ذمہ دارانہ بیان کے ذریعے پاکستان پر الزام لگایا گیا کہ "پاکستان نے جموں و کشمیر کا تیرہ ہزار مربع میل علاقہ چین کے حوالے کر دیا ہے"۔ مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ بھارت جب کسی قسم کی پروپگنڈہ مہم چلاتا ہے تو وہ حقائق کو کس قدر اہمیت دیتا ہے۔ یہ دو متضاد بیانات اس کا کھلا ثبوت ہیں۔ حقائق کو کس قدر اہمیت دیتا ہے۔ یہ دو متضاد بیانات اس کا کھلا ثبوت ہیں۔ حقائق یہ ہیں کہ پاکستان نے ایک مربع انچ علاقہ بھی چین کو نہیں دیا۔ بلکہ اس نے ساڑھے سات سو مربع میل کا علاقہ حاصل کر لیا ہے جو چین کے قبضے اور کنٹرول میں تھا۔

میں اس مرحلے پر بھارت کے اس دعویٰ کے جواز کے بارے میں کچھ کہنے سے احتراز کروں گا جو اس نے درہ قراقرم کی اس مقام تک سرحد بندی کے بارے میں کیا ہے جہاں افغانستان پاک اور چین' تینوں کی سرحدیں ملتی ہیں اور یہی وہ سیکٹر ہے جس کا پاک چین سرحدی معاہدے میں تعین کیا گیا ہے۔ میرے علم میں بھارتی وزارت خارجہ کے "ایکسٹرنل پبلسٹی ڈویژن" کا ایک کتابچہ "پاک چین سرحدی معاہدہ---- چند حقائق" بھی لایا گیا ہے جو 16 مارچ 1963ء کو شائع ہوا ہے یہی وہ تاریخ ہے جب اس بھارتی وفد نے سلامتی کونسل کے صدر کو اپنا مراسلہ بھجوایا تھا اور اس میں اس بحث کو مزید آگے بڑھایا گیا ہے۔ پاکستان کی وزارت خارجہ بھارتی دعاوی کی حقیقت کا پول کھولے گی اور ان بے جواز نتائج کا موثر جواب دے گی جو بھارتی حکومت نے پاک چین سرحداتی معاہدے سے اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور ہم ثابت کر سکتے ہیں کہ پاک چین معاہدہ منصفانہ نوعیت کا ہے' نیز احترام اور ایک دوسرے کے تاریخی حقوق اور دو قومی مفادات کو تسلیم کرنے کی بنیادوں پر عمل میں آیا ہے۔ ہمیں اس بات پر اطمینان ہے کہ گو بھارتی حکومت اسے تسلیم نہیں کرتی لیکن باقی دنیا نے اس معاہدے کو منصفانہ' نیز ایشیا اور دنیا کے امن کے لئے ایک عظیم خدمت قرار دیا ہے۔

نہرو اور مینن کو جواب

14 جولائی 1963ء کو لاہور میں بیان

عام واقعات کے دوران میں جب کہ صدر پاکستان واشنگٹن میں تشریف فرما ہیں یہ قطعی غیر مناسب ہو گا کہ بھارتی لیڈروں سے کشمیر کے متعلق اخلاقی اصول و استحقاق پر گفت و شنید کی جائے جو پاکستان اور بھارت کے مابین وجہ تنازعہ ہے' لیکن ہمارے گریز اور اس بحران میں ادب و آداب اور شانتی اور سکون کو برقرار رکھنے کی خواہش کے باوجود بھارتی وزیر دفاع اور وزیر اعظم نے پاکستان کے بارے میں انتہائی حقارت آمیز اور ضرر رساں بیانات دیئے ہیں اور یوں باہمی تعلقات کی بنیاد کو نقصان پہنچایا ہے۔

یہاں پاکستان کی ان فراخدلانہ کوششوں کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں جو وہ اس سنگین مسئلہ کے منصفانہ اور جائز حل کے لئے کرتا رہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حکومت پاکستان ہی تھی جس نے اعلیٰ سطح پر بات چیت کے ذریعے حالات کو معمول پر لانے میں پہل کی اور حکومت پاکستان نے یہ اقدام اس کے باوجود کیا کہ بھارت بلاجواز پاکستان میں حکومت کی تبدیلی پر شدید اور شرمناک حملہ کر کے مسلسل اشتعال انگیزی پر تلا ہوا تھا۔

پاکستان کے داخلی معاملات میں اس قدر بے رحمانہ اور ابلیسانہ مداخلت کے باوجود صدر پاکستان نے بھارت کی طرف دوستی اور خیرسگالی کا ہاتھ اس شرط پر بڑھایا کہ کشمیر کے مسئلے کو عدل و انصاف کے عالمی اصولوں کے مطابق حل کیا جائے۔

کسی شک و شبہ کے بغیر یہ بات ظاہر ہو جانی چاہئے کہ کشمیر پاکستان کے لئے ایسا ہی ہے جیسا برلن مغرب کے لئے۔ اور کسی مناسب اور صحیح تصفیہ کے بغیر پاکستانی عوام اس امر پر مطمئن نہیں ہو سکتے کہ پاکستان نے اپنا جہاد مکمل کر لیا۔ اس بارے میں دو آراء نہیں ہو سکتیں کہ کشمیر دنیا کے امن کے لئے ایک خطرہ ہے کشمیر ایک ایسا مسئلہ ہے جو بنی نوع انسان کے ضمیر پر ایک بوجھ بن کر لٹک رہا ہے۔

کوئی زبان انکار یا وقت کا اضافہ کشمیر کے مقدمے کی اہمیت کو کم نہیں کر سکتا کیونکہ کشمیر ایک بین الاقوامی جھگڑا بن چکا ہے جس کا حل امن عالم کے لئے لازمی ہے۔ یہ ایک نہایت اہم یاددہانی ہے' ٹوٹے ہوئے معاہدوں کے لئے سیاسی حکمت عملی کے لئے اور بین الاقوامی مکاری اور منافقت کے لئے' جو اس بھارت کے اقدام سے جھلکتی ہے جس سے گاندھی جی کا نام وابستہ ہے۔

کیا یہ ایک المیہ نہیں ہے کہ اتنا بڑا ملک جو انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کی نمائندگی کرتا ہے وہ اپنی مواعید کو بھول جائے اور مہذب اقوام کے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھ دے؟ بھارت کے وزیر دفاع نے پاکستان کو جنگ کی دھمکی دی ہے۔ میں انہیں یقین دلانا چاہتا ہوں کہ پاکستانی عوام ان کی لڑائی کی دھمکیوں سے خوفزدہ نہیں ہیں۔

البتہ اس قدر سنگین مسئلہ کو جس پر امن قائم ہونے نہ ہونے کا انحصار ہے ایک انتخابی مہم کے طور پر استعمال کرنا انتہائی غیر ذمہ داری اور ناعاقبت اندیشی کا مظہر ہے۔

لیکن اس سے بھی بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ بھارتی وزیر اعظم نے محض چند ہی دنوں میں کشمیر پر اپنی ہٹ دھرمی کا پھر مظاہرہ کیا ہے اور اس مرتبہ اس کے لئے انہوں نے طنزاً "جبل پور" کا انتخاب کیا ہے۔ یہاں کے معصوم لوگوں کا خون بھی محض اس جرم کی پاداش میں بہایا گیا کہ وہ مسلمان تھے۔

معلوم ہوا ہے کہ وزیر اعظم جواہر لال نہرو نے کہا ہے کہ "فسادات کی وجہ بھارت کی معاشرتی پسماندگی ہے۔ لیکن اگر کوئی ملک بھارت سے زیادہ

پسماندہ ہے تو وہ پاکستان ہے"۔

پنڈت نہرو' پاکستان کو بھارت کے مقابلے میں معاشرتی طور پر زیادہ پسماندہ قرار دیتے ہیں اور بھلا کوئی بھارتی وزیراعظم کی اس رائے کو چیلنج کر سکتا ہے؟ بڑھتی ہوئی اور نہ سیر ہونے والی بھوک جو کسی جوناگڑھ' کسی حیدر آباد' کسی کشمیر کو بغیر ڈکار لئے ہضم کر سکتی ہے اور جس کا مقصد دوسروں پر اپنی بالادستی قائم کرنا ہو' بھارت کے نزدیک معاشرتی اور سیاسی ترقی کی کسوٹی ہے۔ اقدار و عدل کے اس قسم کے نظام میں پاکستان کو معاشرتی طور پر پسماندہ کہا جا سکتا ہے لیکن یہ پاکستان نہیں جہاں آئے دن فسادات ہوتے رہتے ہیں' جہاں شہرت چھوت چھات کی اساس پر قائم ہے جس میں ہر بالا ذات' کم تر ذات کے بارے میں یہ سمجھتی ہے کہ وہ بڑی ذاتوں کو نجس و ناپاک کر رہی ہیں۔ اور یہ پاکستان نہیں جہاں کھانے پینے' موت اور بیاہ کے رسم و رواج ناقابل یقین حد تک فرسودہ ہیں۔

یہ ایک تاریخی امر ہے اور اس کی تائید میں ناقابل تردید شہادتیں موجود کہ جب پاکستان کو امریکی امداد ملی تو بھارت میں اس کے خلاف زبردست مہم چلائی گئی اور یہی وہ عنصر تھا جسے بھارت نے اپنے اس عہد سے منحرف ہونے کے لئے بہانے کے طور پر استعمال کیا جب وہ مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لئے اقوام متحدہ میں گیا تھا۔

پاکستان کو ملنے والی فوجی امداد اگر واقعی ایسا ہی بنیادی مسئلہ تھا کہ اس کی بنا پر مناسب حال نظریہ کی دہائی دی جا سکتی ہے تو ایسی صورت میں جب کہ قوی بھارت کو اس انداز میں مسلح کیا جائے جس سے برصغیر میں اسلحہ کا عدم توازن پیدا ہو' تو پاکستان میں اضطراب کا اظہار کیا غیر منطقی ہو گا؟

میں اس بات کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ پاکستانی عوام محض اس لئے کسی منصفانہ اور راست نصب العین سے دستبردار نہیں ہو سکتے کہ بھارت کو کشمیر پر اپنا غاصبانہ تسلط مستحکم کرنے کے لئے کسی بھی ذریعہ سے مزید سنگینیں اور گولیاں فراہم کی جا سکتی ہیں۔ عوام کے عزو وقار سے تعلق رکھنے والے ایسے مسائل طاقت کے استعمال کی دھمکی یا طاقت کے استعمال سے حل نہیں کئے جا سکتے۔ بلکہ عوام کے ناقابل شکست حوصلہ اور مستقل مزاجی سے حل ہوتے ہیں۔

میرا ہمیشہ سے یہ ایمان رہا ہے کہ برصغیر کے عوام کی بہتری اور بھارت و پاکستان کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ مسئلہ کشمیر کو منصفانہ طور پر حل کیا جائے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم اس موقف پر سختی سے قائم ہیں۔ اس کے لئے کسی قدر خیر سگالی' مفاہمت اور عالی ظرفی کی ضرورت ہے تاکہ اس مسئلہ کو حل کیا جا سکے۔ سچائی اور نیکی کی جگہ فریب اور مکاری کیسے لے سکتی ہے؟ تاریخ کے طویل سفر میں کئی افراد نے کوشش کی لیکن کوئی کامیاب نہیں ہو سکا۔ اور نہ اس وقت تک کوئی کامیاب ہو سکتا ہے جب تک کہ انسانیت میں عزو وقار اور خیر سگالی کی معمولی سی رمق بھی باقی ہے اور جب تک ایسے افراد موجود ہیں جو انسانی مسرتوں اور امن کے فروغ کے لئے کام کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اپنی مشکلات اور مصائب میں اضافے کے باوجود ہم کبھی ایسی راہ اختیار نہیں کر سکتے جو دونوں کے لئے تباہ کن ہو۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم کبھی تلوار اٹھانے میں پہل نہیں کریں گے لیکن اگر چند لوگوں کی انتہاپسندی اور کم ظرفی کی وجہ سے انسانیت اور تہذیب کو خطرہ لاحق ہو تو پھر باوقار راستہ یہی ہے کہ مجبور اور مظلوم لوگوں کی حمایت میں راستی اور سچائی کا دفاع کیا جائے۔

سلامتی کونسل کے 1089ویں اجلاس منعقدہ 7 مئی 1964ء کو تقریر

جناب صدر!

بھارتی وزیر تعلیم نے دو دن پہلے جو بیان دیا ہے اس کے پہلے پیراگراف میں انہوں نے کہا ہے کہ سلامتی کونسل کو کسی رکن ملک کے خلاف پراپیگنڈہ کے لئے پلیٹ فارم نہیں بننا چاہئے۔ کونسل کے اراکین نے بھارتی نمائندے کے بیان کا مطالعہ کر لیا ہو گا۔ اب وہ خود ہی فیصلہ کریں کہ سلامتی کونسل کو پراپیگنڈہ کے لئے کون پلیٹ فارم بنا رہا ہے؟

شروع سے آخر تک بھارت نمائندے نے حقائق' مسائل اور پاکستان کے دلائل کو نظر انداز کرتے ہوئے سارا وقت پاکستان کے خلاف الزام' بہتان تراشی اور ناقابل یقین جرائم کی تفصیل بیان کرنے میں صرف کیا ہے۔ بھارتی نمائندے نے سب سے پہلے یہ کہا ہے کہ پاکستان نے سلامتی کونسل کے سامنے آنے کی جرات ہی کیوں کی ہے اس نے پاکستان کے "احتجاجی" رویئے کو قصوروار ٹھہرایا ہے کیونکہ اس کی نظر میں تو سلامتی کونسل کا بڑا کام امن قائم کرنا لازمی ہے۔

پاکستان پر مذہبی ریاست ہونے کا جرم عائد کیا گیا ہے جب کہ بھارت لامذہبی ملک کہا گیا ہے حالانکہ وہاں آزادی سے اب تک 550 فرقہ وارانہ فسادات ہو چکے ہیں۔ بھارتی مندوب نے کہا ہے کہ بھارت کا نقطۂ نظر بڑا جدید' استدلالی اور لامذہبی ہے جب کہ پاکستان بڑا رجعت پسند ملک ہے۔ اس کے خیال میں پاکستان کا فلسفہ یہ ہے کہ مسلمان ہندوؤں سے اور ہندو مسلمانوں سے نفرت کریں' پاکستان کی پالیسی فرقہ وارانہ نفرت پر مبنی ہے اور بھارتی مندوب کے مطابق حکومت پاکستان نے جان بوجھ کر اور مخصوص مقاصد کے لئے مشرقی پاکستان میں فرقہ وارانہ فسادات کی فضا پیدا کی' پھر اس نے فرد جرم عائد کرنے کے بعد ہی منصف بنتے ہوئے فیصلہ صادر کر دیا کہ حکومت پاکستان معصوم لوگوں کی موت کی ذمہ داری سے روگردانی نہیں کر سکتی۔

وہ اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ پاکستان رائے شماری پر اس لئے مصر ہے:

"وہ کشمیری عوام کو ان کا مذہب خطرے میں ہونے کی اپیل کر کے اس کے خوف ناک واقعات کا اعادہ کر سکے جو 1947ء میں برصغیر کے وقت رونما ہوئے تھے اور جو اپنے پہلو میں خون خرابہ ہجرت اور ان گنت مصائب لئے ہوئے تھے"۔

پھر بھارتی مندوب کی نظر میں "پاکستان" بھارت کو داخلی طور پر کمزور کرنے اور چین کے خلاف اس کے دفاع کی وقعت کم کرنے کے لئے چینی کھیل کھیل رہا ہے۔ بھارتی مندوب نے سلامتی کونسل کے اجلاس منعقد ہونے کے وقت اجلاس میں ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے کا خطرہ ظاہر تھا سلامتی کونسل کے اراکین مجھ سے اتفاق کریں گے کہ بھارتی وزیر تعلیم نے بھارتی نمائندے کی توقعات کو مایوس نہیں ہونے دیا۔ میں پوری شدت سے ان تمام جھوٹے اور فضول الزامات کی تردید کرتا ہوں جو میری حکومت پر عائد کئے گئے ہیں۔

بھارتی نمائندے نے کشمیر کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ کوئی نئی بات نہیں۔ کونسل کے جن اراکین نے کشمیر کے کیس کا مطالعہ کیا ہے وہ بھارتی نمائندے کے پاکستان کے نام نہاد حملے' آمر مہاراجہ کا کشمیری عوام کے حقوق کو فروخت کر دینا اور کشمیر میں چار ڈویژن بھارتی فوج کی موجودگی میں تین مرتبہ انتخابات کے متعلق دلائل سے واقف ہوں گے یہ دلائل متضاد اور بے اثر ہیں اس کے باوجود میں ان تمام غلط بیانیوں کو ریکارڈ کی خاطر درست کروں گا جو بھارتی وزیر نے کشمیر میں استصواب کے سادہ مسئلے کو پیچیدہ بنانے اور مسخ کرنے کے لئے استعمال کی ہیں۔

لیکن ایسا کرنے سے پہلے مجھے ان تمام الزامات کا مختصراً جواب دینے کی اجازت دی جائے جو بھارتی نمائندے نے میری حکومت اور میرے ملک کے خلاف عائد کئے ہیں میں نے اپنے ملک اور بھارت میں ہونے والے حالیہ فرقہ وارانہ فسادات کے موضوع پر نہایت احتیاط اور ضرورت کے تحت اظہار خیال کیا تھا میں نے اپنی پہلی تقریر میں فرقہ وارانہ صورت حال کا اس لئے تفصیلی ذکر کرنے سے احتراز کیا تھا کہ مبادا موجودہ الم ناک صورت حال خراب نہ ہو جائے۔ بھارتی وزیر نے میرے ملک کے خلاف غیر ذمہ دارانہ' بے بنیاد اور اشتعال انگریز الزامات عائد کر کے جلتی پر تیل چھڑکا ہے اس نے کشمیر کے متعلق بھارت کے خراب اور برے موقف کا بھرم کھول دیا ہے لا دینی' جدید اور استدلالی بھارت میں اقلیتوں کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے اگر میں اسے ریکارڈ کی درستگی کے لئے بیان نہ کروں تو اپنی ذمہ داری پوری کرنے میں ناکام رہوں گا"۔

بھارتی وزیر تعلیم نے کہا ہے۔ "اگر ہمیں ہماری حالت پر چھوڑ دیا جائے تو کسی قسم کے فرقہ وارانہ فسادات نہیں ہوں گے"۔ وہ اپنے اس بیان کو اس حقیقت کے سامنے کس طرح صادق بنائیں گے کہ اپریل 1950ء میں جب سے پاکستان اور بھارت کے وزرائے اعظم کے مابین اقلیتوں کا معاہدہ ہوا ہے' اس وقت سے اب تک بھارت میں 550 فرقہ وارانہ فسادات ہو چکے ہیں۔ حقیقت میں یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ 1950ء سے اب تک کوئی ایسا مسلم تہوار نہیں گزار جس پر بھارت کے کسی نہ کسی حصے میں مسلمانوں کو فرقہ وارانہ تعصب کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ اس کے برعکس پاکستان میں اس مدت میں دو یا تین فرقہ وارانہ فسادات کے سوا ملک پرامن رہا ہے۔

مارچ 1961ء میں جبل پور میں بیسیوں مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا اور مدھیہ پردیش کے چیف منسٹر نے کہا تھا کہ شہر قبرستان کا منظر پیش کرتا ہے کیا اس وقت بھارت کو اپنے آپ پر نہیں چھوڑا گیا تھا۔ اکتوبر 1961ء میں اتر پردیش کے وزیر داخلہ نے اعتراف کیا تھا کہ اس وقت کے ہندو مسلم فسادات کے پیچھے کوئی گہری سازش تھی اس نے کہا تھا:۔

"یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ ان تمام واقعات کے پیچھے ایک مشترکہ طریق کار پایا جاتا ہے کہ نوجوانوں نے چاقوؤں سے قتل کئے یہ نوجوان ہمارے معاشرے کے ایسے فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو انسانی خون کی جھلک ہی سے غش کھا جاتے ہیں"۔

وہ مزید کہتا ہے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے قتل کے فن میں باقاعدہ تربیت حاصل کی ہے۔ اگر دن گزرنے کے ساتھ ساتھ قتل و غارت میں اضافہ ہوتا جائے تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں"۔

کیا بھارتی وزیر کا یہ مطلب یہ ہے کہ پاکستان ان قاتلوں کو تربیت دے رہا تھا کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ اس گہری سازش کے پیچھے پاکستان تھا؟ کیا پاکستان بھارت کے ہندوؤں کو مسلمانوں کے قتل پر اکسا رہا تھا؟ کیا اس وقت بھارت کو اپنے آپ پر نہیں چھوڑا گیا تھا؟

برصغیر پاک و ہند کی جدوجہد آزادی کے ایک پرانے سپاہی سید بدرالدجی نے بھارتی لوک سبھا میں اپنے دکھ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جبل پور اور مالدہ کے قتل و غارت کے بعد بھارتی مسلمانوں پر ابھی تک ظلم و ستم جاری ہے مسٹر سید نے کہا تھا

"اس لادینی جمہوریت میں مسلمانوں اور دوسری اقلیتیں سخت مصائب برداشت کر رہی ہیں' ہمیں شروع ہی میں اندیشہ تھا کہ یہاں اقلیتوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہو گی۔ سیاسی' معاشرتی اقتصادی حتیٰ کہ جسمانی طور پر وہ رجعت پسند قوتوں کے رحم و کرم پر ہوں گی ہمارا اندیشہ بالکل صحیح ثابت ہوا ہے"۔

اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے بھارتی لوگ سبھا کے رکن نے مزید کہا:

"مسلمانوں کا انتہائی بے دردی سے تعاقب کیا جا رہا ہے' ان پر ظلم و ستم روا رکھا جا رہا ہے' جبل پور اور مالدہ کے فسادات نے برطانوی تسلط کے

دوران ظلم' تشدد' حیوانیت اور مذہبی جنون کے سابقہ ریکارڈ مات کر دیئے ہیں"۔

وہ سوچا سمجھا منصوبہ جس کے تحت مسلمانوں کو بتدریج قتل کیا جارہا ہے اس کا علم پہلی مرتبہ حالیہ فسادات کے دوران ہوا جب کہ مغربی بنگال میں مسلمانوں پر اس نیت سے مسلح حملے کئے گئے کہ انہیں مشرقی پاکستان میں پناہ لینے پر مجبور کیا جائے اگرچہ مردوں' عورتوں اور بچوں کی ایک بڑی تعداد کو قتل کر دیا گیا ہے لیکن زیادہ تر زور ان کے گھروں' دکانوں اور صنعتی اداروں کو لوٹنے اور نذر آتش کرنے پہ تھا تاکہ وہ گھر کے سائے اور ذرائع معاش سے محروم ہو جائیں۔ کٹر ہندو تنظیموں کے مطالبات نے میری حکومت کے اس اندیشے کو تقویت پہنچائی ہے کہ فسادات کے ذمہ دار لوگ مغربی بنگال کے مسلمانوں کو مشرقی پاکستان میں دھکیلنے پر کمربستہ ہیں۔

بھارتی وزیر نے پاکستان کو حالیہ فسادات کا قصور وار ٹھہرایا ہے۔ کھلنا اور جیسور میں جو افسوس ناک واقعات ہوئے ان سے متعلق مغربی بنگال کے اخبارات نے قتل و غارت کی جو دہشت ناک سرخیاں لگائی ہیں' میں انہیں کونسل کے اراکین کو دکھا کر خود زندہ نہیں کرنا چاہتا۔ بہتر ہو گا کہ ہم غیر جانبدار غیر ملکی مبصروں کی طرف رجوع کریں۔

جہاں تک کلکتہ کے حالیہ فسادات کا تعلق ہے' ان کے متعلق لندن کے اخبار "آبزرور" کے اخباری نمائندے جیمز مچل کی رپورٹ اخبار کے 25 جنوری کے شمارے میں شائع ہوئی ہے:

"فسادیوں کے منصوبے پوشیدہ نہیں تھے۔ جہاں تک پولیس کا تعلق ہے وہ فسادات اور بلوؤں سے متاثرہ گلی کوچوں کے سوا ہر جگہ موجود تھی۔"

اس نے کلکتہ کے فسادات کو "کلکتہ کا ہفتہ سیاہ" قرار دیا ہے اور کہتا ہے کہ "حکام نے صورت حال کو مکمل طور پر اپنے ہاتھ سے چھوڑ دیا" اور اس کے نتیجے میں 500 سو افراد ہلاک ہو گئے اس رپورٹ کے مطابق ایک لاکھ افراد اپنے گھروں سے محروم ہو گئے۔ فسادات شروع ہونے کے بعد مفاد پرست لوگوں نے روپیہ خرچ کر کے فسادات جاری رکھے تاکہ جاگیردار غریب مزارعوں کو اپنے کھیتوں سے نکال سکیں اس خونی منصوبے کے پیچھے پاکستان کا ہاتھ تھا؟

ہم بھارت کے لادینی خدوخال کی بڑی دھوم سنتے چلے آئے ہیں کلکتہ کا اخبار "نیو ایج" اپنے 19 جنوری 1964ء کے شمارے میں لکھتا ہے:

بدقسمتی سے لامذہبیت کی پرچارک جماعتوں سے کچھ بھی نہ ہو گی۔ وہ نام نہاد قوم پرست اخبارات فرقہ وارانہ فسادات کو ہوا دیتے رہے جن سنگھی اور مہاسبھائی مذہبی جنون کو تیز کرتے رہے اور صورت حال روز بروز تنزل پذیر ہوتی گئی۔"

اگر کونسل کے سامنے میری حکومت کے خلاف بھارت الزامات عائد نہ کرتا تو ان خوف ناک حقائق کو بیان کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہ تھا مجھے یہ جان کر بے حد دکھ ہوا کہ بھارتی وزیر تعلیم نے رائٹر کے مراسلوں کی بنیاد پر مشرقی پاکستان میں اموات کی مبالغہ آمیز تعداد کے جھانسے میں آکر ان کا حوالہ دینا شروع کر دیا۔ ڈھاکہ میں جن ذرائع کا حوالہ رائٹر کے نامہ نگار نے دیا ہے انہوں نے خود ہی رائٹر کے مبالغہ آمیز اعداد و شمار کی تردید کر دی ہے مجھے افسوس ہے کہ بھارتی وزیر نے ان غیر مصدقہ رپورٹوں پر اعتبار کیا جن کی تردید ہو چکی ہے۔ نئی دہلی میں پاکستانی ہائی کمیشن نے 24 جنوری کو تردید جاری کر دی تھی۔ بھارت کے اخباری اداریوں نے جھوٹی اور اشتعال انگیز خبروں کو پھیلانے میں جس غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے اس کی قلعی "لندن ٹائمز" کے نامہ نگار مقیم دہلی نے اخبار کے 23 جنوری کے شمارے میں یوں کھولی ہے۔

"پاکستان میں فرقہ وارانہ فسادات کی خبروں کو روکنے کے سلسلے میں بھارت کی سنجیدگی کا بھانڈا آج پھوٹ گیا ہے۔ ڈھاکہ میں رائٹر کے نامہ نگار نے حوالے سے حاصل شدہ خبریں آج بھی آل انڈیا ریڈیو کی خبروں میں سرفہرست تھیں۔ آل انڈیا ریڈیو بھارت کی حکومت کا ماتحت ادارہ ہے اور اس کی خبروں کے انداز سے پتہ چلتا ہے کہ وہ مغربی بنگال میں ان خبروں کے تخریبی رد عمل کو مزید ہوا دینا چاہتا ہے۔"

میری حکومت کا پختہ یقین ہے کہ فرقہ وارانہ امن و تحفظ مہذب طرز زندگی کے لئے پہلی شرط ہے اور میری حکومت ایسی زندگی کے لئے اپنے اختیار میں تمام ذرائع بروئے کار لا رہی ہے۔

میں اس مسئلے کا ذرا مفصل ذکر کروں گا جس سے نہ صرف بھارت کے جھوٹے الزامات بے بنیاد ثابت ہوں گے بلکہ ایک اور مرکزی نقطے پر بھی روشنی پڑے گی۔

یہ حقیقت ہے کہ کشمیری عوام کو حق خود ارادیت سے انکار مسلسل کشیدگی کی وجہ ہے۔ یہ بھارت اور پاکستان کے تعلقات کو تلخ تر کر رہا ہے۔ اس جھگڑے کے نتیجے میں 1947ء ہی سے مسلمانوں پر ظالمانہ حملے ہو رہے ہیں۔ بھارتی حکومت کا یہی وہ رویہ ہے جس نے کشمیر اور بھارت کے بعض حصوں پر خطرناک فضا پیدا کر رکھی ہے۔ میں نے اپنے خط مورخہ جنوری میں اس فضا کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرائی تھی میں حوالہ دیتا ہوں:

"یہی وہ فضا ہے جس میں کشمیری عوام کے سیاسی' مذہبی اور ثقافتی حقوق کو بھارتی حکمران حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور جس میں غنڈہ گردی اور موئے مبارک کی چوری کے واقعات جنم لیتے ہیں اور جموں کے صوبے میں کشتواڑ کے علاقے میں ایک مسلم درسگاہ کو نذر آتش کر دیا جاتا ہے"۔

یہی وہ فضا ہے جس میں بھارت کی مسلم دشمن جماعتیں فرقہ وارانہ فسادات کی ہمت افزائی کرتی ہیں اور مسلمانوں کو بھارت سے نکالنے اور پاکستان میں ہندو اقلیت کے تبادلے کا مطالبہ کرتی ہیں۔ یہی وہ انسانی حقوق سے انحراف ہے جو کشمیر میں موجود بحران اور مغربی بنگال میں فرقہ وارانہ

کشیدگی کی بنیادی جڑ ہے۔ ان تمام حقائق سے پتا چلتا ہے کہ تنازعہ کشمیر کو جان بوجھ کر گزشتہ سولہ برس سے جاری رکھا گیا ہے۔

تری پورہ آسام اور مغربی بنگال کے دوسرے سرحدی اضلاع سے بھارتی مسلمانوں کے انخلا کا ذکر کرتے ہوئے بھارتی وزیر نے اعداد و شمار کی بھاری صف بندی کے پیچھے پناہ حاصل کی ہے۔ انہوں نے نواکھلی' کومیلا' سلہٹ اور باقرگنج کے اضلاع کا ذکر کرتے ہوئے یہاں کی کم آبادی کی یہ وجہ بیان کیا ہے کہ یہاں کی مسلمان آبادی بھارت میں منتقل ہو رہی ہے۔ ان اضلاع میں سے باقرگنج کا کوئی علاقہ بھی بھارت کے کسی سرحدی علاقے سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ بھارتی وزیر نے فقط تین اضلاع کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ میمن سنگھ' رنگ پور' دیناج پور' راج شاہی اور کشتیا بھی سرحدی اضلاع ہیں لیکن ان کا ذکر احتیاطاً چھوڑ دیا گیا ہے۔ ایسا کرنے کی وجوہ تلاش کرنا مشکل نہیں۔ انہوں نے مغربی بنگال کے جن اضلاع کی مسلم آبادی کے اضافے کی شرح کم بتائی گئی ہے ظاہر ہے کہ دونوں قسم کے اضلاع میں آبادی کی کمی یا اضافے کے رجحان کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں پاکستان اور بھارت کی آبادی کے اعداد و شمار کی رپورٹوں کے ذریعے بھارتی وزیر کے دلائل کو رد کرنا اور یہ ثابت کرنا مشکل نہیں کہ انہوں نے اپنا کیس مستحکم کرنے کے لئے فقط الفاظ کی شعبدہ بازی دکھائی ہے۔ اعداد و شمار کی رپورٹوں کا مفصل مطالعہ کئے بغیر ہی ہر کوئی عقل سلیم کی مدد سے بعض عمومی نتائج اخذ کر سکتا ہے۔

سرحد کے اس طرف اور اس طرف بھارتیوں اور پاکستانیوں کی نقل و حرکت کے باقاعدہ بنانے کے لئے 1952ء میں پاسپورٹ اور ویزا کا نظام متعارف کرایا گیا۔ بھارتی حکام نے غیر بھارتیوں کو بھارت کے علاقے میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے غیر قانونی راستوں پر نگران چوکیوں کا سخت نظام رائج کر دیا۔ اس نظام کے سبب آسام' تری پورہ اور مغربی بنگال میں داخلے کے راستے بند ہو گئے۔

ان پابندیوں کے علاوہ ہمیں ان فرقہ وارانہ جذبات اور کشیدگی کو بھی یاد رکھنا ہو گا جو برصغیر کی تقسیم کے وقت موجودہ تھی حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے لاکھوں معصوم مردوں' عورتوں اور بچوں کو جانوروں کی طرح ایک سوچے سمجھے خونی منصوبے کے تحت مشرقی پاکستان کے سرحدی اضلاع میں دھکیل دیا گیا۔ اس حقیقت کا عینی شاہد ٹائمز آف لندن کا نامہ نگار ہے جو اپنے دسمبر کے مراسلے میں آنکھوں دیکھے حقائق یوں بیان کرتا ہے۔

"پاکستان کے ضلع کومیلا میں ہزاروں مسلمان کیمپوں میں پڑے ہیں۔ جنہیں ان کے گھروں سے زبردستی نکال کر مشرقی پاکستان کے علاقے سے غیر قانونی طور پر بھارت میں داخل ہوئے تھے اور اب انہیں واپس ان کے ملک میں بھیج دیا گیا ہے لیکن ان کے بیان کردہ کوائف سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں سے زیادہ تر کئی نسلوں سے تری پورہ میں آباد تھے"۔

وہ مزید لکھتے ہیں۔

"مغربی بنگال میں مدت سے آباد مسلمانوں کو مشرقی بنگال میں دھکیل دیا گیا ہے۔ ان کی تعداد تقریباً 47000 ہے۔ ان کی بے دخلی گزشتہ برس کے وسط میں شروع ہوئی تھی اور ابھی تک ہفتہ وار ہزاروں کی تعداد میں جاری ہے۔ یہ لوگ تری پورہ میں پیدا کردہ فرقہ وارانہ فضا سے بھاگ کر یہاں آئے ہیں۔ ایسی فضا پیدا کرنے میں مقامی حکام کا ہاتھ بھی ہے۔ ممکن ہے وہ فرقہ وارانہ تعصب کی شکار مقامی قوتوں سے مجبور ہو گئے ہوں اگر یہ صحیح ہے تو یہ سب کچھ انصاف اور انسانیت کے سراسر خلاف ہے"۔

"ٹائمز" کا خصوصی نمائندہ مزید لکھتا ہے۔

"بعض کو تنبیہ کے نوٹس جاری کئے گئے اور ان سے کہا گیا کہ وہ ثابت کریں کہ وہ 1952ء سے پہلے بھارت کے شہری تھے۔ ورنہ انہیں نکال دیا جائے گا۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ ضروری کاغذات لے کر کچہری گئے مگر ان سے کہا گیا مجسٹریٹ مزید تحقیقات کرے گا لیکن ایک دو دن بعد پولیس لاریاں لے کر ان کے دیہات میں گئی اور انہیں زبردستی لاریوں میں بٹھا کر سرحد تک لے جایا گیا۔ بعض کو پولیس کی لاریوں کی آمد سے پہلے مطلع تک نہ کیا گیا۔ بعض لوگوں کے کاغذات عدالت نے ضبط کر لئے یا انہیں پھاڑ دیا گیا۔"

اس کے باوجود بھارتی وزیر اپنے ملک میں قانون کے احترام میں رطب اللسان ہیں انہوں نے کہا ہے۔

"میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ کسی کو قانون کی وضاحت پر عمل در آمد کئے بغیر بھارت سے کے غیر جانب دار مبصروں کے اظہار خیال کے پیش نظر میرا مزید کچھ کہنا فضول ہو گا۔"

"ٹائمز" کا نمائندہ اپنے مراسلے کے اختتام پر لکھتا ہے:۔

"اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تری پورہ کے مسلمانوں سے بے حد زیادتی ہو رہی ہے اگر بھارتی حکومت اس علاقے کے مسلم آباد کاروں کو کوئی قانونی تحفظ نہیں دے سکتی تو پھر اسے لنکا میں آباد ہزاروں ہندو آباد کاروں کے مستقبل پر بھی غور کرنا ہو گا جہاں کی حکومت ان سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہے"۔

یہ برطانیہ کے ایک نمائندہ اخبار کے غیر جانب دار مبصر کے خیالات ہیں جو اس نے تری پورہ آسام اور مغربی بنگال سے بھارتی مسلمانوں کے وحشیانہ اور غیر انسانی انخلا کے متعلق ظاہر کئے ہیں۔ آل انڈیا ہندو مہاسبھا کے صدر مسٹروی۔ جے۔ دیش پانڈے نے 15 جنوری 1964ء کو کہا تھا۔ کہ حکومت کی سطح پر آبادی کا تبادلہ ہی بھارت اور پاکستان میں اقلیتوں کے تحفظ کی ضمانت دے سکتا ہے۔ اس نے کہا تھا:۔

"ہندوؤں کو بھارت میں لایا جائے اور آسام اور مغربی بنگال کی مسلم

آبادی کو مشرقی پاکستان بھیجا جائے"۔

آبادی کے تبادلے کا مطالبہ عوامی جلسوں اور بھارت کے بہت سے اخبارات اداریوں میں کیا گیا تھا۔ ان تمام باتوں سے ایک نتیجہ نکلتا ہے اور وہ یہ کہ مشرقی پاکستان سے ملحقہ بھارتی سرحدی علاقوں سے مسلمانوں کو غیر قانونی اور غیر انسانی طریقوں سے نکالا جا رہا ہے ان کا فقط یہ قصور ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔

بھارتی وزیر تعلیم کا دعویٰ ہے کہ وہ تمام بھارتی مسلمانوں جنہیں زبردستی اپنے گھروں سے نکال کر مشرقی پاکستان میں دھکیل دیا گیا ہے' بھارتی شہری نہیں تھے۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر کسی غیر جانب دار فریق سے حقائق کی تحقیق کرانے پر بھارت کو کوئی اعتراض نہ ہونا چاہئے اس موضوع پر اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں 30 ستمبر 1963ء کو تقریر کرتے ہوئے میں نے کہا تھا۔

"میں یہاں اعلان کرتا ہوں کہ اس بات کا فیصلہ کرنے کے لئے کیا ان لوگوں کو زبردستی ان کے گھروں سے نکالا گیا ہے یا وہ زبردستی بھارت میں داخل ہوئے تھے' کسی ایسے بین الاقوامی کمیشن یا اقوام متحدہ کے کمیشن سے انکوائری کرائی جائے جس پر پاکستان و بھارت متفق ہوں۔ ان حقائق کی بخوبی تحقیق ہو سکتی ہے۔ کوئی بھی تحقیقاتی کمیشن یہ بات ثابت کر سکتا ہے کہ یہ بدنصیب' بے یارومددگار لوگ جنہیں بھارتیوں نے سنگینوں کی نوک سے مشرقی پاکستان میں دھکیلا ہے' بھارتی ہیں یا پاکستانی"

ہم اپنی بات پر قائم رہیں گے ہم اس معاملے کی تحقیق کسی بین الاقوامی کمیشن سے کرانے کو تیار رہیں۔ اگر بھارت کے دعویٰ کے مطابق اس کا موقف درست ہے تو اسے حقائق کی چھان بین کے لئے کسی بین الاقوامی کمیشن کے قیام پر رضا مند ہو جانا چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ بھارت مذہب کی بنیاد پر اپنے ہی شہریوں سے بے رحمانہ اور غیر انسانی سلوک روا رکھنے کا گناہ گار ہے۔ بھارت کی لا مذہبیت پر یہ افسوسناک تبصرہ ہے۔

بھارتی وزیر نے کہا ہے کہ صدر پاکستان نے بھارتی صدر کے ساتھ مل کر اپنے اپنے عوام کو پرامن رہنے کے لئے مشترکہ بیان جاری کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ پاکستان نے اس تجویز سے بھی انکار کر دیا تھا کہ بھارت اور پاکستان کے وزرائے داخلہ مل کر فسادات سے متاثرہ جگہوں پر جائیں اور فسادات کو مزید پھیلنے سے روکیں۔

میں اپنی 3 فروری کی تقریر میں دونوں صدروں کے مشترکہ بیان کے موضوع پر اظہار خیال کر چکا ہوں صدر پاکستان نے اپنے بیان میں کہا تھا کہ وہ پاکستان میں فرقہ وارانہ امن قائم کرنے اور شرپسند عناصر کو قرار واقعی سزا دینے کے سلسلے میں پاکستانی عوام سے پہلے ہی درخواست کر چکے ہیں۔ حکومت پاکستان نے صدر کے احکامات پر فوری طور پر عمل کرتے ہوئے فرقہ وارانہ فسادات کے شعلے ٹھنڈے کر دیئے اور ملک میں امن قائم ہو گیا۔

جہاں تک دونوں ملکوں کے وزرائے داخلہ کی ملاقات کا تعلق ہے حکومت پاکستان نے اس تجویز کو مسترد نہیں کیا تھا ہمارا رد عمل تعمیری اور مثبت تھا۔ ہم نے کہا تھا کہ جب امن قائم ہو جائے تو دونوں وزیر راولپنڈی یا دہلی میں ملاقات کریں اور فرقہ وارانہ فسادات سے متاثرہ مہاجرین اور گزشتہ دو برس میں آسام' تری پورہ اور مغربی بنگال سے نکالے ہوئے لوگوں کو اپنے گھر واپس بھیجنے کے مسئلے پر بات چیت کریں۔

میری حکومت کی پالیسی ہے کہ وہ مہاجرین کو ان کے گھر واپس بھیجنے کے لئے ان کی حوصلہ افزائی کرے۔ میری حکومت ان کی زندگیوں اور املاک کے تحفظ کی ضامن ہے کیونکہ اس طرح ان میں اعتماد پیدا ہو گا۔ بھارتی وزیر داخلہ کا مورخہ 29 جنوری کا یہ بیان کہ مشرقی پاکستان کے حالات ایسے ہو گئے ہیں کہ وہاں سے ہندوؤں کا انخلا ناگزیر ہو گیا ہے اور یہ کہ ہندوؤں کے انتقال کے سلسلے میں حکومت مشرقی پاکستان کو ویزا کی پابندیاں نرم کر دینی چاہئیں' ایک ایسا بیان ہے جو مشرقی پاکستان کے ہندوؤں کو بھارت میں منتقل ہونے کی ترغیب دینے کے مترادف ہے۔ مشرقی پاکستان میں فرقہ وارانہ امن قائم ہو جانے کے بعد ایسا بیان قابل افسوس ہے۔ میری حکومت کو اندیشہ ہے کہ بھارتی حکومت نے مشرقی پاکستان کی نقل مکانی کے لئے جو آسانیاں بہم پہنچائی ہیں ان کے پیش نظر مغربی بنگال' کلکتہ اور سارے بھارت میں مسلم اقلیت کی زندگی دوبھر ہو جائے گی۔

فرقہ وارانہ فسادات کے دوران کلکتہ میں ہزاروں مسلمانوں نے پاکستانی ہائی کمشنر کے دفتر کو گھیر لیا۔ وہ مشرقی پاکستان میں ہجرت کے لئے سرٹیفکیٹ مانگ رہے تھے۔ ہم نے ان کے مطالبے پر کان نہ دھرا کلکتہ میں قتل و غارت کے باوجود کسی پاکستانی راہنما نے نہ تو کوئی بیان دیا اور نہ ہی بھارتی مسلمانوں کو پاکستان چلے آنے کی ترغیب دی۔

ہمارے خیال میں اس مسئلے کا حل ایسے امن و امان کی فضا قائم کرنے میں ہے جو اقلیتوں میں اعتماد پیدا کر کے ان کی بحالی کے لئے مؤثر ذرائع اختیار کرنے میں مدد دے

مہاجرین کو ان کے گھروں میں واپس بھیجنے کے لئے ہمیں بھارتی حکومت کے تعاون کی ضرورت ہے۔

بھارتی نمائندے نے پاکستان کے جمہوری اداروں کے متعلق بڑے اہانت آمیز الفاظ استعمال کئے ہیں۔ میں انہیں بتانا چاہتا ہوں کہ ہر ملک اپنے مقامی حکومت کے ادارے اپنے سیاسی و معاشرتی ماحول کے مطابق وضع کرتا ہے۔ مجھے ایسے جدید اور ترقی پسند ممالک کی مثالیں دینے کی ضرورت نہیں جنہوں نے اپنے تجربات کی بنا پر اپنے یہاں بالواسطہ انتخابات اور انتخابی ادارے اپنائے اور جنہوں نے ان کی سیاسی اور آئینی

ضروریات کو بہ طریق احسن پورا کیا- پاکستان واحد ملک نہیں ہے جو اپنا صدر اور پارلیمنٹ انتخابی ادارے کے ذریعے منتخب کرتا ہے- پارلیمانی طرز حکومت ہی واحد جمہوری طرز حکومت نہیں ہے- ایشیاء افریقہ' لاطینی امریکہ' حتیٰ کہ یورپ کے بہت سے ملکوں اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے استحکام اور اقتصادی ترقی کے لئے صدارتی نظام حکومت کو ضروری سمجھا ہے-

بھارتی وزیر تعلیم نے پاکستان "مذہبی ملک" کہا ہے- میں ان سے پوچھ سکتا ہوں کہ کیا ہمارے یہاں مولوی حکومت کرتے ہیں؟ ہمارے ملک کا سرکاری نام "اسلامی جمہوریہ پاکستان" ہے- کیا نام رکھنے کے اس اصول نے ہمیں مذہبی بنا دیا ہے؟ اقوام متحدہ کے رکن کئی دوسرے اسلامی ملکوں نے سرکاری طور پر اسلام کو ریاستی مذہب قرار دے رکھا ہے- کیا وہ تمام مولویت کا شکار ہیں؟ مغربی یورپ اور لاطینی امریکہ کے کئی ایسے ممالک ہیں جہاں عیسائیت کو ریاستی مذہب قرار دیا گیا ہے- مجھے امید ہے کہ بھارتی نمائندہ اس بنا پر مذہبی ہونے کا الزام عائد نہیں کرے دے گا-

ہمیں اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ بھارتی یونین میں بنیادی حقوق کی گارنٹی دی گئی ہے یہ کوئی عجیب بات نہیں- اقوام متحدہ کے رکن ممالک نے بنیادی حقوق کی عزت کا عہد کر رکھا ہے اور اپنے عہد پر قائم رہنا باضمیر قوموں کا فرض ہوتا ہے- پاکستان کا دستور اس سے الگ نہیں- ہمیں کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ پاکستان میں رہنے والے مختلف مذہبوں' مختلف زبانوں اور مختلف ثقافتوں کے لوگوں سے قانون کے مطابق ایک جیسا سلوک نہ کیا جائے اگر اسلامی جمہوریہ پاکستان میں عدلیہ کا سربراہ ایک عیسائی ہے تو یہ امر ہمارے دستور کی منصف مزاجی کا ترجمان ہے- پاکستان کی سپریم کورٹ کا چیف جسٹس ایک پاکستانی کرسچین ہے جو رومن کیتھولک فرقے سے تعلق رکھتا ہے- ہمارے دستور کے تحت سپریم کورٹ کا چیف جسٹس تمام قسم کے قوانین کی تصریحات کے لئے قطعی اتھارٹی ہے- ان قوانین میں مسلمانوں کے شخصی اور مذہبی قوانین بھی شامل ہیں جو پاکستان کی اکثریت ہیں- ہم نے اپنی انتظامیہ میں اپنے ملک کی اقلیتوں کو اعلیٰ منصب دے رکھے ہیں- جن کے رہنما پاکستان میں فرقہ وارانہ بربادی کا کھلا اعلان کرتے ہیں-

ہمیں بتایا گیا ہے کہ بھارت پاکستان سے زیادہ جمہوریت پسند ہے موازنہ بیکار ہے- لیکن اس سلسلے میں بھارتی صدر کے ایک بیان کا حوالہ دوں گا جو بھارتی اخبار "انڈین ایکسپریس" میں 4 اکتوبر 1962ء کو شائع ہوا تھا:

"آج کل بھارت میں حقیقی جمہوریت نہیں بلکہ جمہوریت کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اگر ہم صحیح معنوں میں جمہوریت پسند ہیں تو ملک میں اس قدر بے چینی اور بد نظمی نہ ہوتی- ملک میں اقرباپروری' رشوت اور فرقہ وارانہ تعصب نہ ہوتا جن کی وجہ سے ملک اس قدر تنزل پذیر ہو چکا ہے-"

بھارتی نمائندے نے پاکستان کی فلسفیانہ اور روحانی بنیادوں پر بھی حملہ کیا ہے- وہ یہ تو تسلیم کرتا ہے کہ بھارت اور پاکستان دو ملک ہیں لیکن دو ملکوں کے نظریئے کو رد کر دیتا ہے اس نظریئے کی بنیاد یہ ہے کہ ہندو معاشرہ ذات پات کے نظام پر قائم کیا گیا ہے- جس میں انسان کی شخصی حیثیت کا تعین اس امر سے کیا جاتا ہے کہ وہ ہندو مذہب کے کس فرقے سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے آباؤ اجداد کیا کام کرتے تھے لیکن ہم پاکستان مسلمان اکثریت پر مشتمل علاقوں کی بنیاد پر ایک ایسا ملک بنانے پر رضامند تھے جہاں ہم اپنی مرضی سے زندگی بسر کر سکیں اور اسلام کے اصولوں کے مطابق ذات پات کی اونچ نیچ کو نظرانداز کر کے بھائیوں کی طرح مساوی زندگی گزاریں- ذات پات کا نظام اپنی فطرت کے لحاظ سے علیحدگی پسند ہے- یہ انسان کو پالنے سے قبر تک اپنی زنجیروں سے باہر نہیں نکلنے دیتا- بھارتی آئین میں ذات پات کے نظام کو غیر قانونی قرار نہیں دیا گیا- اچھوت پن غیر قانونی ہے لیکن یہ صرف قانون تک ہی محدود ہے- بھارتی صدر جو ایک نامور فلاسفر بھی ہیں' انہوں نے ثابت کیا ہے کہ علیحدگی پسند معاشرے ہمیشہ داخلی انتشار کا شکار ہوتے ہیں- برصغیر میں 1947ء میں یہی کچھ ہوا تھا لیکن ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ جب کبھی کوئی جھگڑا پیدا ہوتا ہے تو بھارت اپنے جمہوری اور لادینی کردار کا حوالہ دینے لگتا ہے حالانکہ بھارتی معاشرے پر ذات پات کا رنگ نہایت گہرا ہے اور اس میں اقلیتوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں- یہ ایک ایسا نظام ہے جو فقط ہندوؤں تک محدود ہے جو بھی اس نظام سے باہر ہے اسے اچھوت اور گھٹیاں تصور کیا جاتا ہے-

میرے کہنے کا یہ مطلب ہے کہ ایسے معاشرے میں' ایسی صورت حال میں' ایسی ذہنیت کے ہوتے ہوئے اقلیتوں کے ساتھ ناروا سلوک کی موجودگی میں اور کشمیر کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رکھنے کے پیش نظر دونوں ملکوں کے درمیان مشکل ہی سے امن قائم رہ سکتا ہے- آپ تنازعہ کشمیر کو طے کر لیں تو ہم امن کے ساتھ رہنے لگیں گے- یہ کشمیر ہی ہے جس نے ہم دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کر رکھا ہے-

جمہوریت کے متعلق خلاف ضابطہ حوالے دینے سے کچھ حاصل نہیں- بھارت نے اپنی جمہوریت کی نمائش نقلی دانتوں کی مانند کی ہے- اس کی جمہوریت اتنی ہی نقلی ہے جتنے کسی معمر شخص کے نقلی دانت' ایک جمہوریت برطانیہ میں ہے جب کبھی برطانیہ سلامتی کونسل میں آتا ہے تو کیا وہ اپنے جمہوری اداروں کا ذکر لے بیٹھتا ہے؟ امریکہ اور فرانس میں عرصہ دراز سے جمہوریت چلی آ رہی ہے- کیا جھگڑوں کے تصفیے کے

وقت وہ اپنے جمہوری معاشروں کا حوالہ دیتے رہتے ہیں؟ اقوام متحدہ کا چارٹر تمام ملکوں کے داخلی نظاموں سے قطع نظر' مساوات کے اصولوں پر مبنی ہے۔ تنازعہ کشمیر کے حل کا پاکستان کے داخلی نظام سے کیا تعلق ہے؟

اب میں سلامتی کونسل کے سامنے اصلی مسئلے کی طرف آتا ہوں۔ بھارتی وزیر نے بھارتی حکومت کے ان اعلانوں کی وضاحت کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ جن میں کہا گیا تھا کہ بھارت سے کشمیر کا الحاق عارضی اور مشروط ہے اور اقوام متحدہ کی نگرانی میں کشمیری عوام کے استصواب کے ذریعے بدلا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس اس نے میرے دلائل کو غلط بیانیاں' حقائق سے چشم پوشی اور "آزادی ہند ایکٹ" سے روگردانی قرار دیا ہے۔

ہم سلامتی کونسل کے سامنے پہلے بھی کئی بار بھارت یا پاکستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کے مسئلے پر تفصیلی بات چیت کے دوران صحیح صورت حال کی وضاحت کر چکے ہیں۔ جن ریاستوں کے حکمران اور عوام ہم خیال تھے ان کے متعلق پاکستان اور بھارت میں کسی قسم کا جھگڑا نہیں تھا۔ ایسے تمام معاملات میں ان ریاستوں کے حکمرانوں نے بھارت یا پاکستان کے ساتھ الحاق کے معاہدے پر دستخط کئے اور وہاں نہ تو عوام اور حکمرانوں کے درمیان اور نہ ہی بھارت اور پاکستان کے مابین کسی قسم کا جھگڑا پیدا ہوا۔ جھگڑا فقط ان ریاستوں میں پیدا ہوا جہاں کے عوام اور حکمرانوں میں الحاق کے مسئلے پر اختلاف رائے تھا۔ اس مسئلے پر بھارتی وزیر نے تین بیانات دیئے ہیں۔ میں سلامتی کونسل سے درخواست کروں گا۔ کہ وہ ان بیانات کا تجزیہ ہمارے دلائل کی روشنی میں نہیں بلکہ بھارت نے جو بین الاقوامی موقف اختیار کر رکھا ہے' اس کی روشنی میں کرے۔ میں ہر بیان پر الگ الگ اظہار خیال کروں گا۔ پہلا بیان یہ ہے:۔

"یہ اہم بات ہے کہ ریاستوں کے عوام سے مشورہ لینے کی کوئی دفعہ موجود نہیں تھی اور نہ ہی الحاق کرنے والی ریاستوں کے عوام سے الحاق کی منظوری لینے کی دفعہ وضع کی گئی تھی۔"

مذکورہ بالا بیان کا موازنہ اس بیان سے کریں جو بھارتی حکومت کے قرطاس ابیض مجریہ 10 اگست 1948ء سے لیا گیا ہے۔ یہ کہتا ہے:۔

"بھارتی حکومت کا یہ پختہ نظریہ ہے کہ یہ برطانوی تسلط ختم ہونے کے بعد ان ریاستوں کو جو بھی خود مختارانہ حقوق حاصل ہوں گے' وہ عوام کی ملکیت ہوں گے اور ہر ریاست میں ایسی فضا پیدا کی جائے گی جس میں ریاستوں کے عوام اپنے ان حقوق کو آزادانہ طور پر بے خوف و خطر استعمال کر سکیں گے۔"

یا پھر اس بیان پر توجہ دیں جو بھارتی مندوب نے سلامتی کونسل کے 227 ویں اجلاس میں دیا تھا:

"الحاق کے مسئلہ پر بھارتی حکومت کی ہمیشہ یہ پالیسی رہی ہے کہ تنازعہ کی صورت میں متعلقہ ریاست کے عوام کو قطعی فیصلے کا اختیار حاصل ہونا چاہئے"۔

اور اب بھارتی وزیر تعلیم کے موجودہ بیان کا موازنہ ذرا بھارتی مندوب کے اس بیان سے کریں جو اس نے سلامتی کونسل کے 224 ویں اجلاس میں دیا تھا:۔

"بلاشبہ ریاست کے حکمرانوں کو اس وقت الحاق کے لئے اقدام کرنا چاہئے جب وہ اور اس کے عوام اس بات پر متفق ہو جائیں کہ انہوں نے کس ملک کے ساتھ الحاق کرنا ہے' پھر وہ اس ملک سے الحاق کی درخواست کریں۔ لیکن اگر عوام اور حکمران کے درمیان اختلافات رائے موجود ہو تو عوام کی خواہشات معلوم کی جائیں۔ عوام کی خواہشات معلوم کرنے کے بعد ریاست کے حکمران کو ان کے مطابق عمل کرنا ہو گا۔ ہماری پوزیشن بالکل یہی ہے۔"

"ہماری پوزیشن" سے مطلب بھارتی حکومت کی پوزیشن ہے۔

جناب صدر! ان الفاظ پر غور کریں۔ "ہماری پوزیشن بالکل یہی ہے" لیکن بھارتی وزیر جو کچھ اب کہہ رہا ہے۔ وہ ہماری پوزیشن بالکل یہی ہے" کے برخلاف ہے۔

بھارتی وزیر اپنے وزیر اعلیٰ کے ان الفاظ کے متعلق کیا کہیں گے جو انہوں نے نئی دہلی میں ایک جلسہ عام میں کہے تھے اور 7 جولائی 1952ء کو بمبئی کے اخبار "ٹائمز آف انڈیا" میں شائع ہوئے تھے:

"بھارت شروع ہی سے ریاستوں کے عوام کی خواہشات کا احترام کرنے کے اصول پر کاربند تھے"۔ یہ الفاظ زیادہ غور طلب ہیں "اس اصول سے کبھی منحرف نہیں ہوا جا سکتا۔ حقیقت میں بھارت نے فقط اسی لئے 1947ء میں عوام کی منشا کی عدم موجودگی میں عارضی طور پر کشمیر کا الحاق کیا تھا۔"

یہ بھارتی وزیراعظم کا بیان ہے۔ میں اس بیان کی وضاحت کر سکتا تھا لیکن میں فقط اتنا ہی کہوں گا کہ بھارتی وزیراعظم کو کم از کم اس نظریے کا اتنا تو خیال رکھنا چاہئے تھا جو بھارتی وزیر تعلیم اس وقت ہم پر ٹھوس رہا ہے۔ بھارتی وزیر کا دوسرا بیان یہ ہے:

"ریاستوں کی آبادی کی مذہبی ہیئت کذائی کا کوئی سوال نہیں تھا۔ یہ سوال کہ کوئی ریاست پاکستان یا بھارت کے ساتھ الحاق کرے ریاست کے حکمران پر چھوڑ دیا گیا تھا۔"

میں پوچھتا ہوں کہ کیا ریاستوں کی آبادی کی مذہبی ہیئت کذائی کا کوئی سوال نہیں تھا؟ کیا یہ صحیح ہے؟ بھارتی وزیر تعلیم کا جواب نفی میں ہے لیکن بھارتی وزیراعظم نے پاکستان کے وزیراعظم کے نام اپنے تار مورخہ 8 نومبر 1947ء میں اس سوال کا کچھ اور ہی جواب دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا

"لیکن دونوں ملکوں کے مابین اچھے تعلقات بحال کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جس ریاست کا حکمران اپنے عوام کے اکثریتی فرقے سے تعلق نہ رکھتا ہو اور جہاں ریاست نے کسی ایسے ملک ...لحاق نہ کیا ہو جس کے عوام کی مذہبی اکثریت بھی اسی ریاست کے عوام کی مذہبی اکثریت جیسی ہو تو ایسی صورت حال میں یہ سوال کہ ریاست کسی ملک کے ساتھ الحاق کرے' اس ریاست کے عوام کی مرضی کے مطابق طے ہونا چاہئے۔"

اور پھر یہ بات کہ اگر ریاستوں کی آبادی کی مذہبی ہیت کذائی کا سوال نہیں تھا۔ تو پھر بھارتی حکومت کے ہندو اکثریت والی ریاست جونا گڑھ کے پاکستان کے ساتھ الحاق پر کیوں احتجاج کیا تھا؟ یہ احتجاج کس چیز کے متعلق تھا؟ یہاں میں بھارتی گورنر جنرل کے تار کا حوالہ دینا ضروری سمجھتا ہوں جو انہوں نے 23 ستمبر 1947ء کو پاکستان کے گورنر جنرل کے نام ارسال کیا تھا:-

"حکومت پاکستان نے ایسا اقدام کیا ہے جسے بھارتی حکومت کبھی پسند نہیں کر سکتی۔ پاکستان نے الحاق کی درخواست قبول کر کے بھارتی خود مختاری اور علاقے پر ناجائز تجاوز کیا ہے اور دونوں ملکوں کے دوستانہ تعلقات کو ٹھیس پہنچائی ہے پاکستان نے اپنی سرحدوں کو بھارت کے اندر پھیلانے کا جو فعل کیا ہے وہ ان اصولوں کے خلاف ہے جن پر تقسیم ہند پر اتفاق اور عمل درآمد کیا گیا تھا۔"

"اپنی 80 فیصد آبادی کی مخالفت کے باوجود ریاست جونا گڑھ کے پاکستان کے ساتھ الحاق نے مقامی آبادی اور بھارت کے ساتھ الحاق کرنے والی دوسری ملحقہ ریاستوں کے لئے خطرہ پیدا کر دیا ہے۔"

اگر ریاستوں کی آبادی کی مذہبی ہیت کذائی کا سوال نہیں تھا تو پھر مندرجہ ذیل سطور کا کیا مطلب سمجھا جا سکتا ہے یہ الفاظ نامور شخصیت جناب وی پی مینن کے ہیں جو بھارت کے ساتھ ریاستوں کے الحاق کے بھارتی سرکاری افسر تھے۔ وہ اپنی کتاب "ہندوستانی ریاستوں کے الحاق کی کہانی" کے صفحہ 118 پر لکھتے ہیں:-

"لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے واضح کر دیا تھا کہ قانونی نقطہ نظر سے جودھ پور کے حکمران کو پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے پر کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن مہاراجہ کو اس کے نتائج پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت تھی۔ وہ خود بھی ہندو تھا' ریاست کی زیادہ تر آبادی بھی ہندو تھی اور آس پاس کی دوسری ریاستوں کی بھی یہی صورت حال تھی۔ ان حالات کے پیش نظر اگر مہاراجہ پاکستان کے ساتھ الحاق کرتا تو اس کا یہ اقدام برصغیر کی تقسیم کے اصولوں کے خلاف ہوتا اور ایسے الحاق سے ریاست کے اندر شدید فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑک اٹھتی۔"

اگر کوئی ہندو ریاست پاکستان کے ساتھ الحاق کرنا چاہتی تو بھارت تقسیم کے اصولوں یعنی آبادی کی مذہبی ہیت کذائی اور جغرافیائی حیثیت کا ذکر کرنے لگتا ہے لیکن جب کوئی مسلمان ریاست پاکستان کے ساتھ الحاق کرنا چاہتی ہے تو بھارت کہنے لگتا ہے کہ اس ریاست پر تقسیم کے اصولوں کا اطلاق نہیں ہوتا۔ انسانی تعلقات خواہ وہ انفرادی ہوں' یا بین الاقوامی' ان میں کسی نہ کسی قسم کی موافقت ضروری ہوتی ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر بھارت کے معزز وزیر تعلیم ہم سے کس طرح توقع رکھ سکتے ہیں کہ ہم اب ان کے اس بیان کا احترام کریں کہ ریاستوں کی مذہبی ہیت کذائی کا سوال ہی پیدا نہیں تھا۔ انہوں نے کہا ہے "مذہب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوا تھا۔"

کیا جونا گڑھ' جودھ پور اور حیدر آباد کے سلسلے میں مذہب کا سوال پیدا نہیں ہوا تھا؟ یقیناً پیدا ہوا تھا۔ تو پھر کشمیر کے سلسلے میں یہ سوال نہ پیدا ہونے کی کیا وجہ ہے؟

بھارت کے باوقار وزیر تعلیم کا تیسرا بیان یہ ہے:-

"اس تجویز میں کوئی وزن نہیں کہ جموں و کشمیر کا الحاق اس وجہ سے مکمل اور قطعی نہیں تھا کہ نہ تو وہاں کے عوام سے مشورہ کیا گیا تھا اور نہ ہی انہیں اپنی پسند کے اظہار کا موقع ملا تھا۔"

وہ بعد میں اس بیان میں مزید اضافے کرتے ہیں:-

"جموں و کشمیر اسی وقت بھارت کا اٹوٹ انگ بن گیا تھا جب الحاق کے کاغذ پر دستخط ہوئے تھے۔ اس دن سے اب تک وہ بھارت کا ایک حصہ ہے اور اب اسے دوبارہ بھارت کے ساتھ ملانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو چیز پہلے ہی مکمل ہو اسے مزید تکمیل کیسے کیا جا سکتا ہے۔"

میں دہراتا ہوں۔

"جو چیز پہلے ہی مکمل ہو اسے مزید تکمیل کیسے کیا جا سکتا ہے۔"

بات تو بڑی خوب ہے۔ قابل غور لفظ "مکمل" اور "جامع" ہیں۔ اس نام نہاد الحاق کی وضاحت کے لئے بھارتی نمائندے نے ماضی میں جو توصیفی کلمات استعمال کئے تھے۔ ذرا ان کا مقابلہ ان سے کریں۔ بھارتی نمائندے نے سلامتی کونسل کے 423 ویں اجلاس میں بھارت کے ساتھ کشمیر کے نام نہاد الحاق کا حوالہ دیتے ہوئے کہا تھا۔ "الحاق عارضی طور پر اکتوبر 1947ء میں ہوا تھا۔ یہاں لفظ "عارضی" ہے جس کا "مکمل" اور "جامع" سے دور کا تعلق بھی نہیں۔ اگر الحاق "مکمل" اور "جامع" تھا تو پھر 28 اکتوبر 1947ء کو بھارتی وزیراعظم نے پاکستان کے وزیراعظم کو یہ الفاظ کیوں لکھے تھے؟

"جہاں تک الحاق کا تعلق ہے' یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ اس کا فیصلہ کشمیری عوام کی مرضی کے مطابق کیا جائے گا۔"

الحاق یا تو مکمل اور جامع تھا یا پھر اس کا فیصلہ عوام کی مرضی کے

مطابق ہونا تھا۔ بھارتی وزیر تعلیم کچھ کہتا ہے اور بھارتی وزیراعظم اور کچھ اور اقوام متحدہ کس پر یقین کرے؟ بھارتی وزیراعظم کے بیان مورخہ 2 نومبر 1947ء سے کوئی کیا معنی اخذ کرے؟

"میں واضح کئے دیتا ہوں کہ دونوں ملکوں میں جہاں کہیں بھی کسی ریاست کے الحاق کے متعلق جھگڑا کھڑا ہو جائے' اسے وہاں کے عوام کی مرضی کے مطابق طے کیا جائے۔ اس پالیسی کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے کشمیر کے الحاق کے معاہدے میں ایک دفعہ رکھی تھی۔"

اگر کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے تو پھر پاکستان اور بھارت کے درمیان جھگڑا کس بات کا ہے؟ ہم کس بات پر گفت و شنید کر رہے ہیں؟ کیا مجھے بھارتی اور پاکستانی حکومت کے اس مشترکہ بیان کا حوالہ دینے کی اجازت ہے جو دسمبر 1963ء سے مئی 1963ء تک وزارتی سطح پر دونوں حکومتوں کے مابین گفتگو جاری رہنے کے بعد جاری کیا گیا تھا اور جس میں حکومت پاکستان کی طرف سے میں نے شرکت کی تھی۔ مشترکہ بیان میں تنازعہ کشمیر کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا تھا:۔

"دونوں وزیر اس بات پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں کہ تنازعہ کشمیر کے تصفیے کے متعلق کوئی معاہدہ نہ ہو سکا۔"

اگر کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے اور اگر الحاق مکمل اور جامع ہے تو پھر یہ تنازعہ کشمیر کیا چیز ہے اور ہم کس چیز کا تصفیہ کر رہے ہیں؟ وہ کون سا معاہدہ ہے جس پر پہنچنے میں ہم کوشاں ہیں؟ بھارتی وزیر نے آزاد کشمیر کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ "یہ علاقہ بین الاقوامی قانون کے مطابق اسی طرح بھارت کا حصہ ہے جس طرح بمبئی یا دہلی ہے۔" اس بیان کے پس منظر میں پاکستان اور بھارت کے اندر امن قائم رکھنے کے سلسلے میں جو رویہ نمایاں نظر آتا ہے اسے ظاہر کرنے کے لئے میں بھارتی وزیراعظم کے ایک دوسرے بیان کا حوالہ دیتا ہوں جو انہوں نے 26 جون 1952ء کو بھارتی لوک سبھا میں دیا تھا۔ بھارتی وزیراعظم نے لوک سبھا میں کہا تھا:۔

"کشمیر میں ہمیں ایک بڑی مشکل اور نازک صورت حال کا سامنا ہے کشمیر کے چند لاکھ عوام کی قسمت کا فیصلہ کرنا اس پارلیمنٹ کے اختیار میں نہیں ہے۔" بھارت ایک بڑا ملک ہے اور کشمیر تقریباً ایشیا کا دل ہے۔ جغرافیائی لحاظ ہی سے نہیں بلکہ اور کئی باتوں میں بھی یہ خطہ بڑا مختلف ہے۔ کیا آپ کے خیال میں آپ کو صوبجات متحدہ' بہار یا گجرات کے کسی حصے کا مسئلہ درپیش ہے۔"

صوبجات متحدہ' بہار یا گجرات بھارتی صوبے ہیں اور بھارت وزیراعظم کے بیان کے مطابق ان صوبوں اور کشمیر میں بہت زیادہ فرق ہے۔ لیکن بھارتی وزیر یہاں کہتا ہے کہ ان میں کوئی فرق نہیں اور کشمیر اسی طرح بھارت کا ایک حصہ ہے جس طرح بمبئی یا دہلی بھارت کا حصہ ہیں۔

مسئلہ الحاق کے سیاق و سباق میں بھارتی وزیر نے کہا تھا کہ جب برصغیر ہند کی تقسیم ہوئی تو "ملک کا ایک حصہ پاکستان بن ..." پھر انہوں نے دعویٰ کیا کہ "بھارتی حکومت برطانیہ کی جانشین ہے۔ پاکستان ایک نئے ملک کی حیثیت سے معرض وجود میں آیا تھا۔"

کیا میں انہیں یاد دلا سکتا ہوں کہ تقسیم ہند کے بعد پاکستان ایک نئے ملک کی حیثیت سے معرض وجود میں نہیں آیا تھا بلکہ پاکستان اور بھارت دونوں ہی حکومت برطانیہ کے مشترک جانشین قرار پائے تھے یہ صحیح ہے کہ پاکستان ایک نئے ملک کی حیثیت سے اقوام متحدہ اور دوسرے بین الاقوامی اداروں میں داخل ہوا تھا لیکن یہ اس کی مرضی کے مطابق آزادی ہند (بین الاقوامی معاہدے) آرڈر 1947ء کے تحت ہوا تھا۔

اسی آرڈر کے تحت پاکستان و بھارت نے وہ تمام بین الاقوامی معاہدے اور ذمہ داریاں قبول کی تھیں جن میں غیر منقسم ہندوستان بطور ایک فریق کے شامل تھا۔ دوسرے الفاظ میں بھارت اور پاکستان نے برطانوی حکومت کے مشترکہ جانشین کی حیثیت سے یہ معاہدے اور ذمہ داریاں ورثے میں پائی تھیں۔ اس نقطے کی زیادہ وضاحت کر کے میں سلامتی کونسل کا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا آزادی ہند ایکٹ 1947ء کی تمہید اور مختلف دفعات کے مطالعے سے واضح ہو جائے گا کہ ایکٹ کے اندر "دو آزاد مملکتوں" کا ذکر ہے جو ہندوستان میں قائم ہوں گی اور 15 اگست 1947ء سے ان کے نام بھارت اور پاکستان ہوں گے۔

بھارتی وزیر نے تنازعہ کشمیر کی جو وجوہ بیان کی ہیں' میں ان پر کسی قسم کا اظہار خیال نہیں کروں گا۔ یہ میں اس لئے کر رہا ہوں کہ سلامتی کونسل کے ریکارڈ اور کارروائیوں میں تنازعہ کشمیر کے متوازن اور راستی پر مبنی حقائق موجود ہیں۔ یہ میں اس لئے بھی کر رہا ہوں کیونکہ اس بحث میں الجھنا فضول ہے کہ تنازعہ کشمیر کی فلاں کارروائی درست ہے اور فلاں غلط اقوام متحدہ کے چارٹر اور ملکوں کی اخلاقی ذمہ داریوں کے حوالہ سے کوئی معاہدہ قبول کر لینے کے بعد معاہدہ قبول کرنے سے پہلے موجودہ متنازعہ فیہ باتیں دہرائی نہیں جا سکتیں معاہدے طے ہو جانے کے بعد متنازعہ فیہ باتوں کا وجود ختم ہو جاتا ہے تنازعہ کشمیر کے سلسلے میں دونوں فریقوں نے ایک دوسرے پر حملے کے جو الزامات لگائے تھے ان پر سلامتی کونسل میں اور اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پاک و ہند کی قراردادیں منظور کرنے سے پہلے مفصل بحث ہوئی تھی ان قراردادوں کو منظور اور قبول کرنے سے پہلے وہ تمام متنازعہ فیہ باتیں ختم ہو جاتی ہیں جو ان قراردادوں کی منظوری اور قبولیت سے پہلے موجود تھیں۔ کسی بین الاقوامی معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد جب اسے عملی لباس پہنانے کا وقت آئے تو آپ یہ نہیں کر سکتے کہ معاہدے سے پہلے موجود مسائل کو دوبارہ اٹھایا جائے۔ بھارتی نمائندے نے سلامتی کونسل کے 608 ویں اجلاس

میں کہا تھا:-

"[illegible]ن برائے پاک و ہند کے ذریعے دونوں فریقوں کے مابین معاہدے کے فیصلوں سے ہم کبھی منحرف نہیں ہوں گے"۔

سلامتی کونسل کے 769 ویں اجلاس میں بھارتی نمائندے نے کہا تھا

"میں نے اگلے دن کہا تھا کہ ہر معاہدہ ہم دونوں ملکوں کی مشترکہ ذمہ داری ہے .... میں کہوں گا کہ اس معاہدے میں تین فریق شامل ہیں۔ سلامتی کونسل بھی 13 اگست 1948ء کی قرارداد میں بطور ایک فریق شامل ہے۔ ...."

اسی بھارتی نمائندے نے سلامتی کونسل کے 773 ویں اجلاس میں مندرجہ ذیل الفاظ کہے تھے:-

17 جنوری 1948ء کی قرارداد' اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پاک و ہند کی قراردادیں یہ سب بڑی اہم ہیں۔ اس لئے کہ ہم انہیں قبول کر چکے ہیں ہم ان میں بطور فریق شامل ہیں خواہ ہم انہیں پسند کریں یا نا پسند۔"

یہ اس معاہدے کی حیثیت ہے جو اقوام کی مساعی کے ذریعے پاکستان اور بھارت کے مابین ہوا تھا یہ معاہدہ حق خودارادیت کے اصول کی ترجمانی کرتا ہے جو اقوام متحدہ کے چارٹر کے اصولوں کا لازمی جزو ہے۔ یہ بات نہایت قابل غور ہے کہ اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پاک و ہند کی مذکورہ دو قراردادوں کو قبول کرنے کے بعد ہی پاکستان اور بھارت کے مابین جنگ بندی کے معاہدے پر دستخط ہوئے تھے اور بھارتی فوج کے خلاف نبرد آزما کشمیری عوام سے کہا گیا تھا کہ وہ اپنی تلوار نیام میں ڈال لیں۔

لیکن اب بھارتی نمائندہ کہتا ہے کہ:

"استصواب کے متعلق سلامتی کونسل کی دونوں قراردادیں مشروط اور اتفاقیہ تھیں۔ شرط پوری نہیں ہوئی۔ دراصل یہ فقط ایک شرط ہی نہیں ہے بلکہ وہ بنیاد ہے جس پر دونوں قراردادیں منظور کی گئیں تھیں۔ چونکہ شرط پوری نہیں ہوئی لہٰذا دونوں قرادادوں کی کوئی بنیاد بھی نہیں رہی۔ اب ہم ان قراردادوں کے پابند نہیں ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور بعض دوسرے عناصر کی مداخلت کے سبب یہ قراردادیں دقیانوسی ثابت ہو چکی ہیں"۔

میں سلامتی کونسل میں اپنے بیان مورخہ 3 فروری میں وقت گزرنے کے نظریئے پر خاصی روشنی ڈال چکا ہوں اور ثابت کر چکا ہوں کہ یہ نظریہ کس قدر بے بنیاد ہے۔ اب میں اس موضوع پر مزید بات چیت نہیں کروں گا۔ جہاں تک قراردادوں کو دقیانوسی کہنے کا تعلق ہے' اس سے پتہ چلتا ہے کہ بھارت اقوام متحدہ جیسے اہم ادارے کو کتنی وقعت دیتا ہے۔

بھارتی حکومت نے جارحیت کے مسئلہ پر غور کرنے کے بعد اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پاک و ہند کی 13 اگست 1948ء اور 5 جنوری 1949ء کی قراردادیں قبول کی تھیں۔ جن میں جنگ بندی' صلح کا معاہدہ اور کشمیر کا بھارت یا پاکستان کے ساتھ کشمیری عوام کے حق خودارادیت کے ذریعے الحاق کے نکات شامل تھے۔ ان حالات میں قراردادوں کو مشروط اور اتفاقیہ طور پر قبول کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ سلامتی کونسل بخوبی جانتی ہے کہ پاکستان کو دونوں قراردادوں کے حوالے سے یک طرفہ اور غیر مشروط طور پر اپنی فوجیں ریاست سے نکالنے کے لئے نہیں کہا گیا۔ ریاست سے فوجوں کی واپسی اس انداز سے ہونی چاہئے تھی کہ اس عمل کے اختتام پر پاکستان کے علاوہ بھارت کی فوجیں بھی ریاست کو خالی کر دیتیں۔

ریاست سے فوجوں کے انخلاء کی ناکامی کا کون ذمہ دار ہے؟ بھارت دونوں طرف سے بیک وقت فوجوں کے انخلا سے منحرف ہو گیا۔ بھارت نے صلح کے معاہدے میں تعاون سے گریز کیا۔ بھارت نے ایسے حالات پیدا کرنے سے انکار کر دیا جن کے تحت کشمیر سے پاکستانی فوجوں کا انخلا مکمل ہوتا۔ اس مقصد کے لئے بھارت کے کشمیر میں اقوام متحدہ کی فوج متعین کرنے کی درخواست رد کر دی۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھارت واویلا کرتا ہے کہ پاکستان نے کشمیر سے فوجیں نہیں نکالیں۔ یہ جاننے کے لئے قانون کے گہرے علم کی ضرورت نہیں ہے کہ اگر ایک فریق کسی معاہدے پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے تو وہ دوسرے فریق پر اسی معاہدے پر عمل در آمد نہ کرنے کا الزام کس طرح لگا سکتا ہے؟

بھارت نے معاہدے میں تعلق پیدا کرنے کی ذمہ داری ہمیشہ پاکستان پر عائد کی ہے لیکن اس نے اپنے اس دعوے کو حقائق کی غیر جانبدارانہ تحقیق کے لئے کبھی پیش نہیں کیا۔ میں نے اپنے 3 فروری کے بیان میں پاکستان کی سلامتی کونسل کے سامنے 1962ء میں پیش کردہ درخواست کو دہرایا تھا۔ یعنی اگر کسی غیر جانبدار تحقیق سے ثابت ہو جائے کہ پاکستان موجودہ صورت حال کا ذمہ دار ہے تو میری حکومت پوری سرعت سے اس صورت حال کی اصلاح کے لئے قدم اٹھائے گی تاکہ قرارداد پر مکمل عملدرآمد کے لئے راہ ہموار ہو جائے بھارت کی طرف سے اس پیشکش کو رد کر دینے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حیلے بہانے کے پس پردہ ریاست پر اپنا غیر قانونی تسلط قائم رکھنا چاہتا ہے اور کشمیری عوام کو ان کے حق خود ارادیت سے محروم رکھنے کے درپے ہے۔

لیکن اگر بحث کی خاطر ایک لمحے کے لئے فرض کر لیا جائے کہ ہماری طرف سے قرارداد کو عملی لباس پہنانے کے بھارتی الزام میں کچھ وزن ہے تو اس کا اثر کیا ہو گا؟ پاکستان کی طرف سے کوئی کوتاہی کشمیری عوام کو اقوام متحدہ کے کمیشن کی قراردادوں کے مطابق اپنے مستقبل کا

خود فیصلہ کرنے کے حق سے محروم نہیں کر سکتی پاکستان کے قصور کی سزا کشمیری عوام کو کس طرح دی جا سکتی ہے؟

اگر اس بات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوا گا کہ بھارتی وزیر تعلیم نے کشمیری عوام کے مفادات اور حقوق کو نظر انداز کر کے اپنا موقف تیار کیا ہے۔ وہ اس مسئلے کو ہر قسم کی انسانی اور اخلاقی اہمیت سے مبرا کر دینا چاہتا ہے وہ پاکستان پر باربار جارحیت کے الزامات عائد کر کے مسئلے کو گنجلک بنانے کی کوشش میں مصروف ہے۔

اس الزام میں آخر ایسی کونسی بات ہے جو مسئلہ کشمیر کو انسانی نقطہ نظر سے حل کرنے میں حائل ہے۔ یہ سوال کہ پاکستان کشمیر میں جارحیت کا مرتکب ہوا ہے کہ نہیں' اس کا جواب کشمیری عوام ہی دے سکتے ہیں۔ اگر پاکستان کشمیر میں جارحیت کا مرتکب ہوا بھی ہے تو اس صورت میں جارحیت کا نشانہ کشمیری عوام تھے۔ اس صورت میں بھارت کو کشمیر میں غیر جانبدارانہ رائے شماری پر یقیناً اصرار کرنا چاہئے کیونکہ پاکستانی جارحیت کا شکار کشمیری عوام بڑی اکثریت میں بھارت کا ساتھ دیں گے۔ لیکن صورت حال یہ ہے کہ پاکستان تو استصواب کا خواہاں ہے اور بھارت اس سے بھاگتا ہے کہ بھارت حکومت کے الزام میں کس قدر سچائی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں فریقوں میں سے کون قصور وار ہے۔ پاکستان کو کچھ چھپانے کی ضرورت نہیں۔ پاکستان روز روشن میں کشمیری عوام کی مرضی معلوم کرنے کو تیار ہے۔ یہ بھارت ہے جو روشنی سے گریزاں ہے لیکن روشنی کا ظہور ہو کر رہے گا۔

وہ ذرائع جن سے جموں و کشمیر کی ریاست کو بھارت کا ایک حصہ بنایا جا رہا ہے اور جن کی طرف سے میں نے سلامتی کونسل کے صدر کے نام اپنے خط مورخہ 16 جنوری 1964ء اور اپنے بیان مورخہ 3 فروری میں توجہ مبذول کرائی تھی' ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بھارتی وزیر تعلیم نے فرمایا ہے۔ کہ یہ ذرائع جموں و کشمیر کے عوام کے لئے فائدہ مند ثابت ہوں گے۔ ان ذرائع کے متعلق جو بات میں کہنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ نہیں ہے کہ ایسے ذرائع کشمیری عوام کے لئے نعمت خداوندی ہیں بلکہ ایک غیر قانونی اتھارٹی انہیں سلامتی کونسل کی 30 مارچ 1951ء اور 24 جنوری 1957ء کی قراردادوں کو نظر انداز کر کے کشمیری عوام پر نافذ کر رہی ہے۔ میں سلامتی کونسل سے اس نکتے پر غور کرنے کی درخواست کروں گا کہ بھارتی حکومت ان ذرائع کی توسیع کو روکنے سے کیوں تغافل برت رہی ہے بلکہ اس کے برعکس بھارتی وزیر کے بیان کے مطابق انہیں کشمیری عوام پر نافذ کر رہی ہے۔

اب ہم مسئلے کے مرکزی مقام پر پہنچ گئے ہیں۔ ایک طرف تو بھارتی وزیر یہ کہتا ہے کہ "بھارت کشمیر میں جو کچھ بھی کر رہا ہے پاکستان کو اس کے متعلق شکایت کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے" اور "پاکستان کے احتجاج کے باوجود بھارت کشمیر کو اپنا حصہ بنانے میں مصروف رہے گا" اس کا یہ مطلب ہوا کہ اقوام متحدہ کے کمشن برائے پاک و ہند کی قراردادیں "ناکارہ ہو چکی ہیں" اور بھارتی حکومت "کسی حالت میں بھی کشمیر کے اندر استصواب کرانے پر متفق نہیں ہو گی"۔

دوسری طرف وہ "پاکستان کے ساتھ تمام متنازعہ مسائل پر بحث" کرنے کی پیشکش کرتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایک طرف تو بھارت کچھ کہتا ہے اس نے 63-1962ء کی باہمی گفتگو کے دوران کیا تھا تو اختلاف کیسے دور ہو سکتے ہیں۔

یہ گفت و شنید بھی دوسری گفت و شنید کی طرح ناکام ہو گئی۔ بھارتی حکومت کا کہنا ہے کہ ثالثی سے کام نہیں چلے گا۔ اب بھارتی وزیر نے مزید اضافہ کیا ہے:۔

"سلامتی کونسل کا قرارداد منظور کر دینا مددگار ثابت نہ ہو گا۔ بلکہ اس سے جذبات میں زیادہ تیزی آنے کا امکان ہے۔"

بھارتی حکومت نے اب ایک اور ہٹ دھرمی اختیار کی ہے۔ یعنی وہ مسئلہ کشمیر کے بین الاقوامی معاہدے پر عمل درآمد سے متعلق اپنے اختلافات کو چھان بین کے لئے کسی ثالث کے سامنے پیش کرنے پر متفق نہیں ہو گی۔

میں سلامتی کونسل کے سامنے یہ سوال رکھنا چاہتا ہوں کہ اگر گفت و شنید باربار ناکام ہو چکی ہے اور اس کے ثمربار ہونے کی کوئی امید نہیں' اگر بھارتی حکومت ثالثی سے کنی کتراتی ہے' اگر یہ سلامتی کونسل کو کوئی قرارداد منظور کرنے سے تنبیہہ کرتی ہے تو کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم پر پرامن تصفیے کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے۔

اس ذکر نے میرے ذہن میں بھارت کی طرف سے "جنگ نہ کرنے کے اعلان" کی پیشکش تازہ کر دی ہے ہم باربار کہہ چکے ہیں کہ اقوام متحدہ کے چارٹر پر پابند رہ کر ہم پہلے ہی جنگ نہ کرنے کا اعلان کر چکے ہیں۔ بھارتی وزیر پوچھتا ہے کہ ہمارے ذہن میں تو کوئی بات نہیں کھٹکتی؟ جب بھارت نے اقوام متحدہ کے چارٹر پر دستخط کئے تھے تو کیا اس وقت اس کے ذہن میں کوئی چور بیٹھا تھا؟ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر "جنگ نہ کرنے کے اعلان" کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ضرورت ایک مزید اعلان کی نہیں بلکہ اس چیز کی ہے کہ تنازعہ کشمیر کے تصفیے کے لئے موثر ذرائع اختیار کئے جائیں ایسا کرنے سے دونوں ملکوں کے مابین کشمکش کی وجوہ دور ہو جائے گی۔

ہم اس بات پر 1950ء ہی سے زور دے رہے ہیں جب کہ ہم نے بھارت کو "جنگ نہ کرنے کے اعلان" کی تجویز پیش کی تھی۔ اس تجویز میں پاکستان و بھارت کے مابین گفت و شنید کی دفعات بھی شامل تھیں۔ گفت و شنید کی ناکامی کی صورت میں ثالثی کے لئے کہا گیا تھا اور ثالثی

ناکام ہو جانے پر تنازعہ کے نکات عدالتی تحقیقات کے لئے پیش کرنے کی تجویز رکھی گئی تھی۔ یہ ہماری' ہمارے عوام اور سب سے بڑھ کر کشمیری عوام کی بدقسمتی ہے کہ بھارتی حکومت ہماری پیشکش قبول کرنے سے مسلسل انکار کرتی رہی ہے۔

اگرچہ ہماری پوزیشن کو ماضی میں غلط طور پر پیش کیا جاتا رہا ہے لیکن ہمارے لئے یہ خوشی کا مقام ہے کہ جن اصولوں کو منوانے کے لئے ہم جدوجہد کرتے رہے ہے ان کا تذکرہ اب ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور سوویت یونین کی حکومت کے سربراہوں کے مابین گفتگو میں ہو رہا ہے۔ علاقائی جھگڑوں کے پرامن تصفیے سے متعلق خروشیف نے اپنے ایک حالیہ بیان میں کہا تھا:۔

"حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ علاقائی جھگڑوں کی اکثریت کے ساتھ یہ خطرہ منسلک ہے کہ متعلقہ فریقوں کے تعلقات پیچیدہ ہو جائیں گے جن کا نتیجہ ممکنہ مسلح تصادم ہو گا۔ جو انجام کار عالمی امن کے لئے خطرناک ہو گا۔"

انہوں نے یہ بھی کہا:۔

"کیا سوویت یونین اس تجویز کے حق میں ہے کہ علاقائی جھگڑے یک قلم منسوخ کر دیئے جائیں' ان کے تصفیے کی تمام مساعی روک دی جائیں جیسے کہ ان کا کوئی وجود ہی نہ ہو؟ نہیں' یہ بات نہیں ہے ہمیں احساس ہے کہ بعض ملکوں کے پاس اپنے دعوے کے حق میں وزنی دلائل موجود ہیں"۔

وہ مزید کہتے ہیں:۔

"علاقائی جھگڑوں کے پرامن تصفیے کو اس حقیقت سے بھی تقویت ملتی ہے کہ بین الاقوامی تعلقات میں ایسے طریقے موجود ہیں جن سے کئی علاقائی جھگڑوں کا پرامن تصفیہ کیا گیا ہے۔ مثلاً" متعلقہ ملکوں کے مابین بلاواسطہ گفت و شنید' خیر سگالی کا استعمال' بین الاقوامی اداروں سے مدد کی درخواست وغیرہ"۔

اب ہم سوویت یونین کی مجلس وزراء کے چیئرمین کے اس بیان کا اطلاق تنازعہ کشمیر پر کرتے ہیں حالانکہ یہ تنازعہ عوام کے حق خودارادیت پر مبنی ہے اس بیان کے مطابق جھگڑے کو طے کرنے کے لئے تمام مساعی کو ترک کر دینا انصاف پر مبنی ہو گا لیکن بھارت کی یہی خواہش ہے اس بیان میں جھگڑے کو پرامن طور پر طے کرنے کے لئے کہا گیا ہے لیکن ان ذرائع میں سے ایک ذریعے یعنی باہمی گفت و شنید کے ناکام ہو جانے کے بعد بھارت نے دوسرے ذرائع کا راستہ روک لیا ہے۔ اس کے باوجود بھارت "جنگ نہ کرنے کے اعلان" کی تجویز پیش کرتا ہے۔

اب ہم ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے صدر کے بیان کا حوالہ دیتے ہیں۔ جو انہوں نے سوویت یونین کے وزیراعظم خروشیف کے نام اپنے خط مورخہ 20 جنوری میں دیا ہے اور جس میں صدر جانسن نے بین الاقوامی جھگڑوں کے پرامن حل کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات تجویز کئے ہیں:۔

"تنازعہ سے متعلقہ فریقین تنازعہ کا پرامن حل تلاش کریں۔ باہمی طور پر گفت و شنید کریں' ثالثی' مصالحت' عدالتی کارروائی' اقوام متحدہ کے کسی ادارے کی مدد یا اپنی مرضی سے کسی ذریعے سے تنازعہ کو طے کرنے کی کوشش کریں۔"

اس بیان کا ہمیں درپیش مسئلے پر کس طرح اطلاق ہوتا ہے۔ چونکہ بھارت اور پاکستان کے مابین گفت و شنید ناکام ہو چکی ہے' کیا اب بھارت متنازعہ فیہ نکات کو ثالثی یا عدالتی چھان بین کے لئے پیش کرنے کو تیار ہے؟ بھارت ان ذرائع کو متعدد بار رد کر چکا ہے۔ بھارت آج بھی اس جھگڑے کو تصفیے کے لئے اقوام متحدہ کی مدد قبول کرنے کو تیار نہیں۔ اس کے باوجود بھارت "جنگ نہ کرنے کے اعلان" کا خواہش مند ہے۔

امریکہ کے صدر نے اپنے بیان میں یہ کہا تھا:۔

"علاقائی اور دوسرے جھگڑوں پر جنگ روکنے کے لئے فقط عام اصولوں ہی کی ضرورت نہیں بلکہ پرامن صفیوں کے دوسرے ذرائع کو بھی بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔ امریکہ کا یقین ہے کہ اقوام متحدہ اور خصوصاً سلامتی کونسل کے امن قائم رکھنے کے ذرائع کو زیادہ مستحکم کیا جانا چاہئے"۔

اقوام متحدہ کے انہی امن قائم رکھنے کے ذرائع کو بھارت کشمیر کے سلسلے میں رد کر رہا ہے۔ جب جموں و کشمیر سے بھارت اور پاکستان کی فوجیں ہٹانے کا سوال آیا تو ہم نے اقوام متحدہ کی افواج متعین کرنے کی تجویز پیش کی جو بھارت اور پاکستان سے غیر جانب دار رہیں گی بھارت نے تجویز رد کرتے ہوئے دھمکی دی کہ اگر کسی ملک نے بھارتی مقبوضہ کشمیر میں اقوام متحدہ اور بڑھایا اور 1958ء میں اقوام متحدہ کے نمائندے کی یہ تجویز قبول کر لی کہ کشمیر میں پاکستانی فوج کی واپسی کے بعد جنگ بندی لائن کے ساتھ ساتھ پاکستان کی طرف سے ایسی فوج کے تعین پر "افسوس" کا اظہار کرے گا۔ بھارت نے تنازعہ کشمیر کے تصفیے کے لئے اقوام متحدہ کی امن قائم رکھنے کی مشین کا کام کرنا ناممکن بنا دیا۔ حد تو یہ ہے کہ بھارت سلامتی کونسل کے پیش کردہ حل کی راہ میں بھی رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ اس کے باوجود بھارت "جنگ نہ کرنے کے اعلان" کی تجویز پیش کرتا ہے۔

بھارت کی یہ پیش کش کہ "پاکستان اس کے ساتھ بیٹھ کر باہمی اختلاف دور کرے" اس کے متعلق ایک دوسرا اہم نکتہ بھی غور طلب ہے۔ کوئی بھی غیر جانب دار مبصر یہ دیکھے بغیر نہ رہے گا کہ لفظ "اختلاف" یہاں دیدہ دانستہ طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ اس کا مقصد مسئلے کو الجھانا

ہے- آخر اختلافات کیا ہیں؟ بھارت اور پاکستان کے مابین کی چھوٹے چھوٹے اختلافات ہو سکتے ہیں- جیسا کہ عام طور پر دو ہمسایہ ملکوں میں ہوتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی بڑا مسئلہ نہیں بنا-

اقلیتوں کا مسئلہ لے لیں- یہ دونوں حکومتوں کا گھریلو نوعیت کا مسئلہ ہے- بھارت کی اقلیتوں کی حفاظت بھارتی حکومت اور پاکستان کی اقلیتوں کا تحفظ پاکستانی حکومت کر سکتی ہے- اس سلسلے میں بین الاقوامی ثالثی کی کیا ضرورت ہے؟ دونوں حکومتوں کی طرف سے اپنے اپنے ملک کی اقلیتوں کو تحفظ کا مکمل احساس دلانے کے علاوہ دونوں ملکوں کے درمیان ایسے تعاون کی ضرورت ہے جس کے تحت مہاجرین اپنے اپنے ملک میں واپس چلے جائیں- علاوہ بریں پاکستان اور بھارت میں تعلقات کی بہتر فضا اور دونوں ملکوں کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں بھائی چارے کا جذبہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے-

لیکن بھائی چارے کی دیرپا فضا کا انحصار مسئلہ کشمیر کے حل پر بھارت اس مسئلے کے تصفیے سے کنی کتراتا ہے اور اس کے باوجود "اختلافات" کو حل کرنے پر زور دیتا ہے- میں یہ الفاظ کہنے پر مجبور ہوں کہ بھارت کی پوزیشن اس قدر بے نقاب ہو چکی ہے کہ وہ اب کسی کو دھوکا نہیں دے سکتا-

میں نے چند روز پہلے بین الاقوامی جھگڑوں کے پرامن حل کے لئے جو کچھ کہا تھا' بھارتی وزیر کو اس پر یقین نہیں- اس نے پاکستان پر تشدد استعمال کرنے کی دھمکی دینے کا الزام لگایا ہے- تنازعہ کشمیر گزشتہ سولہ برس سے سلامتی کونسل کے سامنے ہے- اس عرصے میں اس جھگڑے کے پرامن تصفیے کی ان گنت مساعی کی گئی ہیں- پاکستان اور بھارت کے مابین معاہدہ کرانے کے لئے مختلف اوقات میں نمایاں شخصیتوں نے جن میں امریکہ کا صدر اور برطانیہ کا وزیراعظم شامل ہیں' 20 سے زیادہ تجاویز پیش کیں- پاکستان نے ان میں سے ہر تجویز کو قبول کر لیا- بھارت نے ان میں سے ہر ایک کو رد کر دیا- اگر یہ پاکستان کی طرف سے جھگڑے کا پرامن حل تلاش کرنے پر رضامندی کا اظہار نہیں ہے تو پھر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بھارت کو کس طرح مطمئن کیا جائے-

بھارت کے وزیر دفاع نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں اعلان کیا تھا کہ بھارت نے مسلح افواج کو استعمال نہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہے اور اگر کبھی اس کے مفاد پر زد پڑی تو وہ ایسا کرنے سے گریز نہیں کرے گا- اسی وزیر دفاع نے پاکستان کو بھارت کا نمبر ایک دشمن کہا تھا- ہم یہاں دھمکی لے کر نہیں بلکہ درخواست لے کر آئے ہیں- اس درخواست کے ساتھ کہ یہ ادارہ عالمی امن و سلامتی قائم کرنے کے لئے وجود میں لایا گیا تھا- پرامن ذرائع اور انصاف اور بین الاقوامی قوانین کے مطابق بین الاقوامی جھگڑوں اور عالمی امن کے لئے خطرناک صورت حال پر قابو پانے کے لئے- ہم آپ کو یاد دلانا چاہتے ہیں کہ انسانی تاریخ جنگ و جدل سے بھری پڑی ہے- اگر اس ادارے نے' جس سے مستقبل کے امن کی امیدیں وابستہ ہوں' کچلے ہوئے انسانوں کی آواز پر کان نہ دھرا تو پھر ہمارے زمانے میں امن کی امید کیسے کی جا سکتی ہے؟ بھارت کے لئے صورت حال بڑی سادہ ہے- اس نے جموں و کشمیر کے بڑے حصے پر قبضہ کر رکھا ہے اور اس کی خواہش ہو گی کہ یہ قبضہ بدستور قائم رہے لیکن کیا ہم اپنے بھائیوں کو خون میں لتھڑا ہوا دیکھ کر خاموش تماشائی رہ سکتے ہیں؟ ہم جہد آزادی میں سرگرم لوگوں کی آواز سن رہے ہیں- کیا صورت حال کو اس طرح خراب ہوتے ہوئے دیکھ کر ہمیں نتائج سے خبردار کرنے کا حق حاصل نہیں ہے؟

بھارتی وزیر نے 63-1962ء میں پاکستان و بھارت کے مابین گفت و شنید کی ناکامی کا ذمہ دار پاکستان کو ٹھہرایا ہے- اس کی وجہ اس نے پاکستان اور چین کے درمیان سرحدی معاہدے کو گردانا ہے اس نے گفت و شنید کی ناکامی کا "سہرا" میرے سر پر باندھتے ہوئے کہا ہے کہ اس کی حکومت نے گفت و شنید کو جاری رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی- میں سلامتی کونسل کے سامنے متعلقہ حقائق پیش کرتا ہوں-

تمام عالمی قوتوں اور خصوصا ہمسایہ ملکوں سے دوستانہ تعلقات قائم رکھنے کی پالیسی پر عمل در آمد کرتے ہوئے ہم نے ایران' برما اور کسی حد تک بھارت کے ساتھ سرحدی معاہدے کئے-

اسی پالیسی کے تحت حکومت پاکستان نے مارچ 1961ء میں عوامی جمہوریہ چین کو تجویز کیا تھا- کہ دونوں حکومتوں کو چین کے صوبہ سن کیانگ اور اس سے ملحقہ ایسے علاقوں کی حد بندی کرنی چاہئے- جن کی ابھی تک حد بندی نہیں ہوئی تھی اور جن کے دفاع کی ذمہ داری پاکستان پر تھی-

عوامی جمہوریہ چین کی حکومت نے فروری 1962ء میں نہایت مثبت انداز میں تجویز کا خیر مقدم کیا اور چند ماہ بعد مئی 1962ء میں دونوں حکومتوں نے ایک مشترکہ بیان جاری کرتے ہوئے کہا کہ وہ دونوں ملکوں کے ہمسایانہ تعلقات اور باہمی افہام و تفہیم کو پیش نظر رکھتے ہوئے بارڈر کا مسئلہ طے کرنے کو تیار ہیں-

اکتوبر 1962ء میں چینی بھارتی سرحدی جھگڑے سے چند ہفتے پہلے پاکستان و چین کی گفت و شنید کا آغاز پیکنگ میں ہوا جھگڑا ایشیا کی دو طاقت ور قوموں کے مابین تصادم بنا- یہ ایک ایسا بحران تھا جو ہم نے پیدا نہیں کیا تھا- ہم نہ تو اسے روک سکتے تھے اور نہ ہی اس کے دھارے پر اثر انداز ہو سکتے تھے-

جب 29 نومبر 1962ء میں پاکستان کے صدر اور بھارت کے وزیراعظم نے مسئلہ کشمیر کو باعزت اور انصاف پر مبنی بنیادوں پر حل کرنے کے لئے مشترکہ بیان جاری کیا تو بھارت کو اچھی طرح معلوم تھا کہ پاکستان

اس سے بہت پہلے پیکنگ میں ہو چکا تھا۔ 27 دسمبر 1962ء کو راولپنڈی میں چین اور پاکستان کے مابین سن کیانگ اور دوسرے ملحقہ علاقوں سے متعلق سرحدی معاہدے کے اعلان کیا گیا۔ اگر ہم نے ایسا نہ کیا ہوتا تو بھارت ہم پر الزام لگاتا کہ ہم نے 29 نومبر 1962ء کے مشترکہ بیان کے جذبے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس اطلاع کو خفیہ رکھا تھا۔ پیکنگ میں گفت و شنید کا سلسلہ جاری رہا اور میں نے 2 مارچ 1963ء کو پیکنگ میں معاہدے پر دستخط کئے۔

بھارتی وزیر اس سرحدی معاہدے کو "چھیڑ خانی" کا نام دیتا ہے اور اس بات پر فخر کرتا ہے کہ اس کی حکومت نے مسئلہ کشمیر سے متعلق پاکستان کے ساتھ گفتگو کا سلسلہ منقطع نہ کیا وہ اس عمل پر مجھے مورد الزام ٹھہراتا ہے۔ مئی 1963ء میں گفتگو کے آخری دوران میں نے بھارتی وزیر سردار سورن سنگھ کو جو بھارتی وفد کے لیڈر تھے۔ متعدد بار بتایا کہ میں دہلی میں مزید عرصے کے لئے ٹھہرنے کے تیار ہوں بشرطیکہ وہ تیسرے دور میں پیدا شدہ تعطل کو دور کرنے کے لئے پاکستان کی تجاویز پر غور کرنے کو تیار ہو جائیں۔ مجھے کوئی تسلی بخش جواب نہ ملا۔ لہٰذا گفتگو کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

بھارتی وزیر نے مجھ پر "چین کے ساتھ ساز باز کرنے" کا الزام مناسب قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ "پاکستان بھارت کو مضبوط دیکھنا نہیں چاہتا۔ وہ بھارت کو بین الاقوامی اور داخلی طور پر کمزور کرنے کا خواہش مند ہے" جناب صدر! "چین کے ساتھ ساز باز کرنے" کے الفاظ کیا آپ کے کانوں تک پہنچانے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں؟ کیا یہ الفاظ کونسل کے کانوں تک پہنچانے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں؟ نہیں ایسا نہیں ہے اسے ایک مکالمہ سمجھنا چاہئے لیکن میں یہاں یہ بیان کرنا پسند کروں گا کہ سلامتی کونسل میں کوئی فرد بھی ایسا نہیں ہے جو اس قدر معصوم ہو کہ ایک دوست اور ایک موقعہ پرست کے مابین فرق نہ جانتا ہو۔ ہم اتحادی ہیں۔ ہم نے اپنے دوستوں کے ساتھ دفاع کے دو معاہدے طے کر رکھے ہیں اور ہم ان معاہدوں پر پوری طرح کاربند ہیں۔ ہم ان معاہدوں کے نفع اور نقصانات کے ذمہ دار ہیں۔ ہم مشترکہ مقصد کے لئے تابکاری جنگ کے باعث نیست و نابود ہونے کو بھی تیار ہیں۔ مسئلہ کشمیر کے تصفیہ کے لئے اگر راہ ہموار نہیں ہو رہی تو شاید اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم اپنے معاہدوں پر پوری طرح کاربند ہیں۔ اس صورت حال میں کوئی پاکستان پر یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ ہم اشتراکی چین کے ساتھ ساز باز کر رہے ہیں۔ ہم نے برما، ایران اور کئی دوسرے ملکوں کے ساتھ سرحدی معاہدے کئے ہیں۔ چین بھی ہمارا ہمسایہ ہے اور دوسرے ملکوں کی طرح ہم نے اس کے ساتھ بھی امن و استحکام قائم رکھنے اور جھگڑے کے ہر ممکن ذریعے کو دور کرنے کے لئے سرحدی معاہدہ کیا ہے۔ یہ فقط ہمارے معاہدوں ہی کے مفاد میں نہ تھا بلکہ عالمی امن کے نفاذ کے لئے بھی ضروری تھا۔ ہم نے حقیقت کو پہچان لیا ہے۔ بہت سے دوسرے ملکوں نے بھی اس حقیقت کو پہچان لیا ہے۔ کیا ان پر بھی اشتراکی چین کے ساتھ سازباز کرنے کا الزام لگایا جا سکتا ہے؟ کیا ہم بھارتی حکومت کے نمائندے کو وہ رفاقت یاد دلا سکتے ہیں جو بھارتی حکومت اور عوامی جمہوریہ چین میں دس برس رہی ہے۔

ہم پر اس کونسل میں ایک ہمسایہ ملک کے ساتھ نارمل تعلقات رکھنے پر سازباز کرنے کا الزام لگایا گیا ہے۔ لیکن اس کونسل میں کوئی بھی اتنا سادہ لوح نہیں ہے کہ بھارت کے پراپیگنڈے سے متاثر ہو جائے۔ اس بات کو ہمارے وہ اتحادی دوست اچھی طرح جانتے ہیں۔ جن کا ہم نے ہر صورت حال میں مکمل طور پر ساتھ دینے کا وعدہ کر رکھا ہے۔

آخر یہ "سازباز" کیا چیز ہوتی ہے؟ جب 1951ء میں بھارت نے تبت سے متعلق چین کے ساتھ معاہدہ کیا تو بھارت نے اسے ایک ایسا طلسمی نسخہ قرار دیا جو دنیا میں امن قائم کر دے گا۔ کیا یہ "سازباز" نہ تھی اگر "چینی ہندی بھائی بھائی" کا نعرہ بھارت کی فضا میں برسوں تک گونجتا رہا تو کیا وہ "سازباز" نہ تھی۔ لیکن جونہی پاکستان نے ایشیا کے امن و سکون کی خاطر چین کے ساتھ سرحدی معاہدے پر دستخط کئے تو اسے "سازباز" ٹھہرا دیا گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بھارت بین الاقوامی برتاؤ میں دہرے کردار کا حامل ہے۔ ایک بھارت کے لئے اور دوسرے صرف پاکستان کے لئے۔

ہم پر بھارت کو داخلی اور بین الاقوامی طور پر کمزور کرنے کا الزام عائد کیا گیا ہے۔ میں داخلی پہلو پر سیر حاصل گفتگو کر چکا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم نے بھارت کو بین الاقوامی طور پر کس طرح کمزور کیا ہے۔ کیا ہم اس لئے بھارت کے ہمسایوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات نہ رکھیں ان میں سے زیادہ تر کے ساتھ بھارت کے تعلقات غیر دوستانہ ہیں؟ صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ تقریباً ہر ہمسایہ ملک کے ساتھ بھارت کے اختلافات ہیں۔ اگر صرف پاکستان کے ساتھ ہی اختلافات ہوتے تو پھر اس کی وجہ جواز مہیا ہو سکتی تھی۔ پاکستان پر کچھ نہ کچھ الزام دھرا جا سکتا تھا۔ لیکن مصیبت تو یہ ہے کہ بھارت تو ہر معاملے میں راہ راست پر ہے اور باقی دنیا اور خاص طور پر اس کے ہمسائے غلطی پر ہیں۔

ہم پر یہ الزام عائد کیا گیا ہے کہ ہم نے سرحدی معاہدے کے نتیجے میں چین کو کشمیر کا دو ہزار مربع میل علاقہ دے دیا ہے میں بھارتی وزیر کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے الزام کو معتدل بنا دیا ہے۔ سرحدی معاہدے کے فوراً بعد بھارتی وزیر اعظم نے بھارتی پارلیمنٹ میں 5 مارچ 1963ء کو تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان نے 13000 مربع میل کا علاقہ چین کے حوالے کر دیا تھا۔ لیکن اب یہ علاقہ دو ہزار مربع میل بن گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان نے چین کو ایک انچ علاقہ بھی نہیں دیا۔

عوامی جمہوریہ چین نے باہمی افہام و تفہیم کے جذبے کے تحت قراقرم کے پہاڑی سلسلے میں پڑے 750 مربع میل کا علاقہ پاکستان کے حوالے کر دیا ہے۔ اس بحث کے سیاق و سباق میں پاک چین سرحدی معاہدے کے آرٹیکل 6 کے حوالہ دیتا ہوں۔

"آرٹیکل 6"

دونوں فریق اس بات پر متفق ہیں کہ پاکستان و بھارت کے درمیان تنازعہ کشمیر کے طے ہو جانے کے بعد جس فریق کے پاس کشمیر جائے گا وہ موجودہ معاہدے کے آرٹیکل 6 کی رو سے موجودہ معاہدے کی جگہ ایک دوسرے معاہدے پر دستخط کرنے کے لئے عوامی جمہوریہ چین کے ساتھ دوبارہ گفتگو کا آغاز کرے گا۔ اگر کشمیر پاکستان کے حصے میں آیا تو موجودہ معاہدے اور مذکورہ پروٹوکول کی دفعات دوسرے معاہدے میں شامل کی جائیں گی جو کہ پاکستان اور عوامی جمہوریہ چین کے مابین طے پائے گا۔

بھارت کا یہ الزام کہ پاکستان نے کشمیر کی موجودہ حیثیت کو تبدیل کر دیا ہے اس کی تردید کے لئے مذکورہ آرٹیکل کا حوالہ کافی ہو گا۔

اب ہم ایک یہ نئی دلیل سنتے ہیں کہ بھارت کی طرف سے کئے گئے بین الاقوامی معاہدے اور حق خودارادیت سے قطع نظر بھارت کس لئے کشمیر کو غلام بنائے رکھے؟ اس کا یہ مطلب ہے کہ کشمیر چین کے مقابلے میں بھارت کے دفاعی نقطہ نظر سے بڑی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ یہاں ایک نیا اصول سامنے آتا ہے۔ یعنی حق خود ارادیت اور بین الاقوامی معاہدوں کے تقدس کو فوجی حکمت عملی پر قربان کر دینا چاہئے۔ بھارتی نمائندہ ہمیں یقین کرانے کی کوشش کرے گا کہ نقشے پر ایک نظر ڈالنے سے اس اصول کی جامعیت کا اندازہ ہو جائے گا۔ میں سلامتی کونسل کے اراکین سے درخواست کروں گا کہ وہ بھارتی وزیر تعلیم کی دعوت قبول کر لیں۔ یہ لداخ یا وادی کشمیر نہیں ہے جس کے راستے بھارت کے دفاع کو شدید خطرہ ہے دفاع کی آڑ میں بھارت اقوام متحدہ کے چارٹر کو سیاست کی بھینٹ چڑھانے پر تلا ہوا ہے۔

ہم پر یہ بھی الزام ہے کہ ہم چین کے حق میں بھارت کے خلاف زہر بھرا پراپیگنڈہ کر رہے ہیں آخر کیوں؟ کیا ہم سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ ہر وہ ملک جس کے ساتھ بھارت کا کوئی جھگڑا ہے۔ ہم اسے بھارت پر جارحیت کا مرتکب ٹھہرا دیں؟ بھارت دنیا کے بڑے ملکوں میں سے ایک ہے۔ آخر اسے مظلوم بننے کا اس قدر کیوں شوق ہے۔؟

ہماری شدید خواہش ہے کہ بھارت بامعنی گفتگو کے ذریعے اپنے ہمسایوں سے اپنے تنازعے طے کر لے ہم نے باربار خواہش کی ہے کہ ہمارے دو بڑے ہمسایوں کے مابین سرحدی جھگڑا پرامن اور باعزت طور پر حل ہو جائے۔ اس میں ہمارا بھی فائدہ ہے۔ چین اور بھارت کے مابین جنگ کا پاکستان پر براہ راست بڑا گہرا اثر پڑے گا۔

بھارتی نمائندے نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ کشمیری عوام بھارت کے فیاضانہ راج میں بڑے خوش ہیں۔ لہٰذا انہیں حق خود ارادیت نہیں دینا چاہئے اس نے کونسل کو بتایا ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کی آمدنی میں اضافہ ہو گیا ہے اور غذائی پیداوار بھی بڑھ گئی ہے۔ دس برس پہلے کے مقابلے میں اب وہاں زیادہ سکول، زیادہ ہسپتال اور بہتر سڑکیں موجود ہیں مجھے یہ کہنے کی اجازت دی جائے کہ یہ شاندار رپورٹ ایک نو آبادیاتی حکومت کے انتظامیہ کی ایسی کارروائی ہے جسے کونسل کے سامنے پیش کیا جا رہا ہو۔ یہ دلیل کہ عوام ایک غیر ملکی حکومت پر شکم اور خوش ہیں اور یہ کہ شور مچانے والے لوگ شرپسند عناصر ہیں۔ جسے کونسل کے سامنے پیش کیا جا رہا ہو۔ یہ ایک ایسی دلیل ہے جس سے یہ عالمی ادارہ بخوبی واقف ہے ہم نے جنرل اسمبلی کے پلیٹ فارم پر کتنی دفعہ جنوبی افریقہ کے وزیر خارجہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اس کی حکومت نے جنوبی افریقہ کے عوام کے لئے کتنے ہسپتال، کتنے سکول، کتنی سڑکیں، کتنے کلو واٹ بجلی اور دوسری کتنی ضروریات زندگی مہیا کی ہیں۔ بھارتی وزیر کی طرح جنوبی افریقہ کا وزیر خارجہ بھی محسوس کرتا ہے کہ اگر اس کی حکومت کو تنہا چھوڑ دیا جائے تو سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا وہ بھی دنیا کو یقین دلانے کی کوشش کرے گا کہ جو لوگ جنوبی افریقہ اور جنوب مغربی افریقہ کے عوام کے لئے انسانی حقوق کا نعرہ بلند کرتے ہیں وہ عیسائیت، جمہوریت اور لامذہبیت کے راستے میں دیوار ہیں اور جنوبی افریقہ اور بین الاقوامی امن کے خلاف سازش میں مصروف ہیں۔

بھارتی نمائندے نے اپنی حکومت کی طرف سے کئے گئے وعدے ایفانہ کرنے کے سلسلے میں جو وجوہات بیان کی ہیں وہ اتنی عظیم اور رنگ برنگی ہیں کہ دلیل کی ڈوری کا سرا ہاتھ آنا اتنا آسان نہیں۔

ہم کشمیر کو ہمیشہ نہایت اہم مسئلہ سمجھتے رہے ہیں کیونکہ اس کے منصفانہ اور باعزت حل پر برصغیر پاک و ہند کے ساٹھ کروڑ انسانوں کی قسمت کا انحصار ہے۔ بھارت کا دعویٰ ہے کہ کشمیر ان کی لامذہبیت کی علامت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جھگڑوں کو پرامن ذرائع سے حل کرنے کے سلسلے میں کشمیر اقوام متحدہ کی برادری کے سامنے ایک امتحان ہے اگر کشمیر کو ایک علامت ہی بنانا ہے تو پھر اسے پرامن ذرائع سے قوموں کے جھگڑے طے کرنے کے لئے قوموں کی رضامندی کی علامت بننا چاہئے۔

تنازعہ کشمیر کئی برس سے گھسٹتا چلا آ رہا ہے۔ یہ تنازعہ جن گتھیوں میں الجھا ہوا ہے وہ سیاست اور اقتدار کی گتھیاں ہیں۔ مسئلہ بڑا واضح اور سادہ ہے۔ عوام کے حق خودارادیت کا تعین اور ملکوں کا اپنے بین الاقوامی فرائض پورے کرنا۔ اگلے دن ہم نے لفظ "حق خودارادیت" پر بھارتی وزیر تعلیم کی بڑی فاضلانہ تقریر سنی ہے۔ یہاں موجود جو لوگ حق

خودارادیت کے لئے لڑے ہیں اور جو لوگ اصولوں کی فتح کے حامی ہیں' ان کے لئے حق خودارادیت کے معنی بالکل واضح ہیں۔ جب پاکستان کشمیر کے ساتھ ساتھ انگولا' موز مبیق' رہوڈیشیا اور جنوب مغربی افریقہ کے حق خودارادیت کا ذکر کرتا ہے تو وہ حق خودارادیت کے خیال سے کھیلتا نہیں۔ اگلے دن مسٹر چھاگلہ نے پوچھا تھا کہ "حق خودارادیت کیا چیز ہوتی ہے؟" جیسے انہیں ان وعدوں کا علم ہی نہ ہو جو انہوں نے پاکستان اور سلامتی کونسل سے کر رکھے ہیں۔ اس کا جواب بھارتی وزیراعظم نے ان کے اپنے وزیراعظم نے تین مختلف موقعوں پر یوں دیا ہے۔

1947ء میں بھارتی عوام سے ایک نشریے میں خطاب کرتے ہوئے مسٹر نہرو نے کہا تھا:۔

"ہم اعلان کر چکے ہیں کہ کشمیر کی قسمت کا فیصلہ انجام کار وہاں کے عوام کریں گے۔ ہم نے یہ وعدہ کشمیر کے عوام ہی سے نہیں بلکہ دنیا سے بھی کیا ہے۔ ہم اس وعدے سے کبھی منحرف نہیں ہوں گے۔"

1951ء میں سری نگر کے بد قسمت شہر میں جہاں آج بھی خون بہہ رہا ہے' بھارتی وزیراعظم نے اعلان کیا تھا:۔

"میں دہرانا چاہتا ہوں کہ بھارتی حکومت اپنے وعدے پر قائم ہے وہ وعدہ یہ ہے کہ جموں و کشمیر کے عوام کسی خارجی مداخلت کے بغیر اپنی قسمت کا فیصلہ خود کریں گے۔"

پھر فروری 1951ء میں بھارتی وزیراعظم نے بھاری پارلیمنٹ میں اعلان کیا تھا:۔

"ہم کشمیری عوام اور اقوام متحدہ سے وعدہ کر چکے ہیں۔ ہم اس وعدے پر قائم رہے ہیں اور قائم رہیں گے۔ کشمیری عوام کو اپنی قسمت کا فیصلہ خود کرنا ہو گا۔"

لفظ آسان ہیں۔ ان کے معنی واضح ہیں۔ "کشمیری عوام کو اپنی قسمت کا فیصلہ خود کرنا ہو گا۔" یہاں کوئی الجھن نہیں ہے' حق خود ارادیت کے بارے میں کوئی لفظی ہیر پھیر نہیں۔ ایسا کوئی خوف نہیں کہ بھارت کا استحکام داؤ پر لگا ہوا ہے۔

اس کے باوجود آج ہمیں بتایا جا رہا ہے کہ حق خودارادیت ایک ایسی چیز ہے جس سے ایشیا اور افریقہ کے عوام کو خوف کھانا چاہئے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی تاریخ پر مختصر تقریر کے دوران بھارتی نمائندے نے ہمیں یاد دلایا تھا کہ امریکہ کے جنوبی حصے کو علیحدہ ہونے سے بچانے کی خاطر خونی خانہ جنگی تک نوبت پہنچ گئی تھی۔ یہ مثال نہایت موزوں ہے کیونکہ کشمیر بھارت کا کوئی ایسا باقاعدہ حصہ نہیں جو اس سے الگ ہونا چاہتا ہو۔ نہ ہی غلاموں کا معاشرہ ہے جسے بھارت طاقت کے بل پر غلام رکھنے پر تلا بیٹھا ہو۔ کشمیر ایک جداگانہ اکائی ہے۔ مسٹر نہرو کے الفاظ ہیں "کشمیری عوام کی ایک اپنی روح اور ایک اپنی انفرادیت ہے" جن سے سولہ برس پہلے آزادانہ طور پر اپنی قسمت کا خود فیصلہ کرنے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ بھارتی وزیر کی پیش کردہ مثال کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ وہ کشمیر میں ایسی صورت حال دیکھ رہا ہے جس میں غیر رضا مند عوام کو طاقت کے زور پر بھارتی یونین میں رہنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔

جناب صدر! پاکستان یہاں کسی اقلیت کا بھارتی یونین سے علیحدگی اختیار کرنے کا حق طلب کرنے نہیں آیا ہے کہ انہیں اپنے ملک کے مستقبل کا فیصلہ خود کرنے کا اہل بنایا جائے۔ کشمیری عوام بھارتی اقلیت نہیں ہیں وہ کبھی بھارتی اقلیت نہیں بنیں گے۔ کشمیر نہ تو بھارت اور نہ ہی پاکستان کی ملکیت ہے۔ کشمیر کشمیری عوام کا ہے اور وہی اپنے مستقبل کے الحاق اور وفاداریوں کا فیصلہ کر سکتے ہیں میں نے جو الفاظ دہرائے ہیں۔ وہ بھارتی وزیراعظم کے الفاظ ہیں۔

کئی سابقہ مواقع پر بھارتی نمائندوں نے کشمیر کا کٹنگا سے تقابل کر کے افریقہ کے ممالک کی ہمدردی حاصل کرنے کی بے سود کوشش کی ہے۔ میں اس کھیل میں شامل نہیں ہونا چاہتا لیکن میں اتنا کہوں گا کہ اگر کشمیر کٹنگا ہے تو پھر کشمیر کا آمر مہاراجہ جس نے کشمیر اور کشمیری عوام کو برطانوی حکمرانوں سے چاندی کے چند سکوں کے عوض خریدا تھا' کشمیر کا شومبے ہے۔ جب میں نے کشمیر بھارت کے نو آبادیاتی تسلط کا حوالہ دیا تو بھارتی وزیر مشتعل ہو گیا تھا۔ لیکن جب وہ حق خودارادیت کے سلسلے میں پیچیدگیوں اور خطروں کی پیش گوئی کرتا ہے' جب وہ کثیر السلی کے حق میں مداح سرائی کرتا ہے تو کیا ہمیں یہ پرتگال کے وزیراعظم سالازار کے اس بیان کی بازگشت سنائی نہیں دیتی جو اس نے افریقہ کے متعلق دیا تھا؟

مسٹر سالازار نے 12 اگست 1963ء کو ایک نشریے میں مندرہ ذیل سوال پوچھا تھا:۔

"اگر حق خودارادیت کا بنیادی مقصد عوام کے ذریعے ملکی یا حکومتی طرز کی تصدیق یا رضامندی حاصل کرنا ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی تصدیق یا رضامندی حاصل کرنے کا فقط ایک ہی طریقہ کیوں ہو سکتا ہے۔ وہ ایک طریقہ استصواب ہے جس کے ساتھ اقوام متحدہ کے کئی ناجائز مطالبے بندھے ہوئے ہیں۔"

مسٹر سالازار کے مطابق انگولا اور موزنبیق پرتگال کے لازمی حصے ہیں کیونکہ پرتگالی قانون ایسا کہتا ہے اور انگولا اور موزنبیق کے عوام کی رائے معلوم کرنے کی مساعی کو پرتگال کی کثیر السلی سے تعلق اس "اعلیٰ" پالیسی کی خطرناک تردید سمجھنا چاہئے جس پر وہ گزشتہ پانچ سو برس سے عمل پیرا ہے۔"

بھارتی وزیر کا خیال ہے کہ دنیا کے مستقبل کا انحصار دنیا کے مختلف حصوں میں کثیر السلی ملکوں اور قوموں کے تجزیئے پر ہے۔ شاید ایسا ہو۔ یہ ایسا موقف نہیں جس پر ہمارا اصولی جھگڑا ہو۔ پاکستان بذات خود ایک

ایسا ملک ہے جس میں مختلف عقیدوں کے حامل لوگ بستے ہیں وہ مختلف زبانیں بولتے ہیں اور ان کے نسلی مخزن بھی مختلف ہیں۔

پرتگال کی طرح بھارت کے ساتھ بھی ہمارا اختلاف اس بات پر ہے کہ کثیر النسلی ملکوں اور معاشروں کا تجزیہ طاقت کے بل پر اور نہ ہی قانونی بندشوں کی بنیاد پر ہونا چاہئے بلکہ اس تجزیئے کی بنیاد عوام کی رضامندی کو بنانا چاہئے۔ اگر یہ رجعت پسندانہ پالیسی ہے تو ہم اس کے قصوروار ہیں۔

بھارتی وزیر نے ہمیں سامراجیت اور نو آبادیت کے متعلق بھارت کی جنگ سے آگاہ کیا ہے۔ میری عرض ہے کہ اس کے دعوے اس صورت میں زیادہ موثر ہوتے اگر اس نے کشمیر سے متعلق اپنے بیان میں اپنے پورے موقف کو کشمیر کے جاگیردار حکمران کے گرد نہ بنا ہوتا مہاراجہ کشمیر ایک ظالم حکمران تھا جسے سامراجی تحفظ کے تحت اس کے عوام سے بچایا گیا ہے۔ بھارت کی سامراج دشمنی کے متعلق بھارتی وزیر کا یہ دعویٰ بڑا افسوس ناک ہے کہ جب وہ بھارت کے ساتھ کشمیر کے الحاق کو ثابت کرنا چاہتا ہے تو وہ یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ کشمیر مہاراجہ اشوک کی سلطنت کا ایک حصہ تھا۔

یہ بالکل صحیح ہے فقط کشمیر ہی نہیں بلکہ پاکستان اور افغانستان کا بہت سا حصہ بھی اشوک کی سلطنت میں شامل تھا۔ بھارتی وزیر کے نظریئے کے لئے یہ چیز مہلک ہے کہ جدید بھارت کے سیاسی خیالات کو بھارت کے نامور ادیبوں اور مصنفوں نے مختلف اصطلاحوں میں پھیلا دیا ہے ''چھوٹی نیشنل ریاست تباہ ہو گئی ہے'' یہ کسی ایسے شخص کے الفاظ نہیں ہیں جو نو آبادیات کا دشمن ہو۔ یہ الفاظ جواہر لال نہرو کی کتاب ''ڈسکوری آف انڈیا'' کے ہیں۔ بھارت کے نامور مصنف اور ڈپلومیٹ متوفی کے' ایم' پانیکر کے مندرجہ ذیل الفاظ میں بھارت کی خواہشات کی عکاسی بخوبی ہوتی ہے:-

سردی خوں کی ایک غیر بھارتی لہر ہماری نظر کو دھندلا دیا ہے۔ بلاشبہ آہنسا (عدم تشدد) ایک عظیم مذہبی عقیدہ ہے۔ لیکن ہندوستان نے یہ عقیدہ اس وقت رد کر دیا تھا جب اس نے بدھ مت کی پیروی سے انکار کیا تھا۔ تمام وقتوں میں خصوصاً ہندوؤں عظمت کے زمانے میں یہی ہندو نظریہ رہا ہے کہ حقوق کا دعویٰ چابک دستی سے کیا جائے اور اگر وقت کی ضرورت پڑے تو اسے بھی استعمال کیا جائے۔ اپنے اجداد کی طرح ہمیں بھی بحر ہند میں واپس جانا ہو گا۔ انہوں نے مسیحی دور سے پہلے سکوترا فتح کیا اور بحر الکاہل میں اپنی سلطنت قائم کی۔''

یہ حوالہ مسٹر پانیکر کی کتاب ''ہندوستان اور بحر ہند'' کے صفحہ 16 سے لیا گیا ہے۔ یہ یقیناً توسیع پسندانہ رویہ ہے ایک ایسا رویہ جس کے تحت بھارت کا دائرہ اقتدار سوالیہ سے انڈونیشیا اور ہندوکش سے دریائے میکانگ تک پھیل جائے گا دوسرے الفاظ میں ان تمام مالکت اور علاقوں تک جنہیں بحر ہند چھوتا ہے۔ کیا یہ غیر نو آبادیاتی رویہ ہے؟ برصغیر پاک و ہند کے باشندوں کی جدوجہد آزادی کی رزمیہ داستان کسی نے نہیں سنی؟ ہم سب نے کئی برس تک دوش بدوش جدوجہد کی ہے اسی جدوجہد کے دوران بھارت کی موجودہ قیادت نے قیام پاکستان کی سخت مخالفت بھی کی تھی۔

ہمارے لئے یہ دکھ کی بات ہے کہ ایک ایسا ملک جو کچھ عرصہ پہلے آزاد ہوا ہو' وہ نو آبادیاتی حکمرانوں جیسے دلائل استعمال کر کے کشمیری عوام کو آزادی کی نعمت سے محروم رکھنے کی کوشش کرے۔ بھارتی نمائندے نے بتایا تھا کہ خیرات کی طرح جمہوریت کو بھی گھر سے شروع ہونا چاہئے۔ میں انہیں یاد دلاؤں گا کہ یہی بات دوسری تمام خوبیوں پر بھی صادق آتی ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا تھا کہ بھارت اقوام متحدہ میں ایشیا اور افریقہ کی آزادی کے لئے مسلسل لڑتا رہا ہے۔ میرے خیال میں سلامتی کونسل کے اراکین کو یہ یاد دلانے کی ضرورت نہیں کہ پاکستان نے افریقہ اور ایشیا کے عوام کو غیر ملکی طوقف حکومت سے نجات دلانے کے لئے ان کی جہد آزادی میں کس قدر شرکت کی ہے ہم اس پر بڑائی محسوس نہیں کرتے نو آبادیاتی نظام کے خلاف اور عالمی امن کے لئے یہ ہمارا فرض اور ذمہ داری ہے۔ یہ غیر فطری نہیں بلکہ فطری بات ہے۔ ہم اشارۃً'' یہ بھی تجویز کرنے کے خواہش مند نہیں کہ پاکستان نے ایشیا اور افریقہ کی آزادی میں منفرد اور فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے۔ یہ ان عوام اور ان کے رہنماؤں کے لئے فخر کی بات ہے جو جنگ آزادی لڑے' جیساکہ آج کشمیر کے عوام لڑ رہے ہیں۔

بھارت کشمیر میں اپنے موجودہ ریکارڈ کی مطابقت اپنے اس کردار سے کس طرح پیدا کر سکتا ہے جس میں وہ خود کو روئے زمین پر آزادی کی تمام تحریکوں کا رہنما اور محرک دیکھنا چاہتا ہے۔ ہم میں سے وہ لوگ جو اقوام متحدہ میں ان مسائل پر کام کرتے رہے ہیں۔ بخوبی جانتے ہیں کہ جب کبھی دنیا کے کسی حصے میں حق خودارادیت کا مسئلہ پیدا ہوا تو بھارت نے اپنی رائے کے اظہار میں ہمیشہ تذبذب سے کام لیا۔

میں نے دیکھا ہے کہ میرے بیان کی تردید کے جوش میں بھارتی نمائندے نے میرا بیان غور سے نہیں پڑھا۔ اس نے مجھ پر شیخ عبداللہ کی تعریف کرنے کا الزام لگایا ہے۔ اگرچہ میں شیخ عبداللہ کی ان مصبتوں اور قربانیوں کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا جو 1953ء سے برداشت کر رہا ہے لیکن اس کی تحسین و تعریف سے متعلق میری تقریر میں جو جملے درج ہیں وہ میرے نہیں ہیں۔ وہ تمام کے تمام بھارتی وزیراعظم کے تھے اور میں ان کے فقط حوالے دیئے تھے۔ اگر باوقار بھارتی نمائندہ ان کی تردید کرتا ہے تو وہ میری نہیں بلکہ اپنے وزیراعظم کی تردید کرتا ہے۔ اسی کا یہ بھی

دعویٰ ہے کہ شیخ عبداللہ کا مقدمہ قانون کے مطابق مناسب عرصہ وقت کے اندر ہو رہا ہے۔ یہ دعویٰ ہے کہ شیخ عبداللہ کا مقدمہ قانون کے مطابق مناسب عرصہ وقت کے اندر ہو رہا ہے یہ دعویٰ لندن کے اخبار "ٹائمز" میں شائع شدہ ایک رپورٹ کے مندرجہ ذیل جملوں سے بخوبی ہو سکتا ہے:۔

"مقدمے کا بڑا سرکاری وکیل جون میں ریٹائر ہو گیا۔ اس نے کہا کہ اسے جو فیس ادا کیا جاتی ہے اس کا بہتر استعمال ہو سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ مقدمہ مزید پانچ سات برس تک چل سکتا تھا۔"

اس دعوے کی صداقت کا اندازہ اس خط سے بھی ہو سکتا ہے جو ستمبر 1963ء میں بھارتی پارلیمنٹ کے پچاس اراکین نے بھارتی وزیراعظم کو لکھا تھا۔ اس خط کی رپورٹ 30 ستمبر کے "ٹائمز" (لندن) میں شائع ہوئی تھی۔ جس میں لکھا تھا۔ شیخ عبداللہ اور اس کے ساتھیوں کے مقدمے سے بیرونی ممالک میں جو برا اثر پڑ رہا ہے اور اس مقدمے پر جو اتنی بھاری رقم خرچ کی جا رہی ہے اس کے پیش نظر شیخ عبداللہ اور اس کے ساتھیوں پر عائد کردہ الزام کو واپس لینے کا یہ بہترین وقت ہے"۔

اگر بھارتی حکومت کے پاس الزامات کو واپس لینے کا کوئی باوقار اور سیاسی طریقہ ہے تو اسے حزب مخالف کے لیڈروں کی حمایت حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگرچہ جموں کی کارروائیاں بڑی حد تک لوگوں کے ذہنوں سے فراموش ہو چکی ہیں لیکن وہ بھارتی لیڈروں کے ضمیر پر بوجھ بنی ہوئی ہیں۔ شیخ عبداللہ کی قسمت سے قطع نظر بہت سے لوگ اس نام نہاد مقدمے کو بھارتی عدلیہ کی آزادی اور خود اعتمادی پر ایک دھبہ خیال کرتے ہیں۔

اگر شیخ عبداللہ یہ وعدہ کریں گے کہ وہ آزاد کشمیر یا استصواب کے ذریعے کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے حق میں آواز اٹھانا چھوڑ دیں گے تو بھارتی حکومت کو اسے آزاد کر دینا چاہئے۔ شیخ عبداللہ نے خود بھی کہہ رکھا ہے۔ کہ قید خانے کی چابی اس کے پاس ہے لیکن وہ ان مطالبات کی کوئی یقین دہانی نہیں کرا سکتا جو اس سے کئے جا رہے ہیں۔ مگر شیخ عبداللہ کی رہائی اور کشمیر کی موجودہ حیثیت میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی برے اثرات کی حامل ہو گی۔"

جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں یہ اس خط سے متعلق ایک رپورٹ تھی جو بھارتی نمائندے کے پچاس اراکین نے اپنے وزیراعظم کو لکھا تھا۔

بھارتی نمائندے نے اپنے افتتاحیہ جملوں میں کہا تھا کہ "جموں اور کشمیر کے موجودہ حالات کو مزید خراب کرنے کے لئے وہاں کوئی نئی صورت خلاف تسلط جمانے والی کوئی بھی غیر ملکی طاقت کبھی بھی یہ تسلیم نہیں کرے گی' کہ اس علاقے میں کوئی نئی یا بحرانی صورت حال پیدا ہوئی ہے۔ کشمیر میں موجودہ صورت حال اور حقائق کو تسلیم کرنے کے لئے بھارت کو بہت بلند سیاسی بصیرت کی ضرورت ہے۔ گزشتہ چند ہفتوں سے بھارتی مقبوضہ کشمیر میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ صدر محمد ایوب خاں کے الفاظ ہیں "عوام کا ایک ایسا بے ساختہ ریفرنڈم ہے جس میں لوگوں نے بھاری اکثریت میں بھارت کے خلاف اپنی مرضی کا اظہار کر دیا ہے۔ کشمیر کی نئی صورت حال کے متعلق میں چند مزید حوالے بیان کرتا ہوں۔ لندن کے اخبار "ٹائمز" کے نمائندے نے دو فروری کو سرینگر سے لکھا تھا:۔

جہاں کہیں بھی ہجوم اکٹھا ہو جاتا ہے اور وہ کسی غیر ملکی اخباری نمائندے کو دیکھ لیتا ہے تو وہ شیخ عبداللہ' رائے شماری حتیٰ کہ پاکستان کے حق میں نعرے لگانے لگتا ہے"

وہ مزید لکھتا ہے ....

"موئے مبارک کے معاملے نے کشمیریوں کے دبے ہوئے جذبات کو مشتعل کر دیا ہے۔ مقامی انتظامیہ ناکام ہو چکی ہے اور ان کی جگہ باہر سے آئی ہوئی انتظامیہ اور پولیس نے لے لی ہے۔ ماضی میں مسئلہ کشمیر کے متعلق بحث کرنے کے دوران اکثر یہ محسوس کیا جاتا تھا کہ کشمیری اس مسئلے کو اپنی مرضی کے مطابق حل کرنے کا نعرہ بلند کر کے اسے مزید پیچیدہ نہیں بنائیں گے۔ اس ہفتے میں جب ہی معاملہ دوبارہ اقوام متحدہ میں پیش ہو گا تو پرانی مساوات میں ایک نیا عنصر آئے گا اور وہ عنصر کشمیریوں کا استصواب کا مطالبہ ہو گا"۔

ایک غیر ملکی مبصر "پرانی مساوات میں نئے عنصر" کا ذکر کر رہا ہے لیکن یہاں ہم بھارتی نمائندے کو یہ کہتے ہوئے سن رہے ہیں کہ کوئی نئی صورت حال ہی نہیں ہے۔

پھر "نیو یارک ٹائمز" کی وہ خبر ہے جسے 5 فروری کو سرینگر سے ارسال کیا گیا تھا:۔

"بھارتی حکومت کے متعلق آج یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ تنازعہ جموں و کشمیر میں عوام کے جذبات سے بالکل بے خبر ہے۔ یہ بعض کشمیری تاجر رہنماؤں کی رائے ہے جن میں چند ہندو بھی شامل ہیں۔ ان لوگوں کے مطابق (انہوں نے اپنا نام خفیہ رکھنا پسند کیا ہے۔ 1954ء سے کشمیری عوام کی اکثریت پاکستان کے حق میں ہے۔ ان کا نقطہ نظر بھارتی وزیر لال بہادر شاستری سے بالکل جداگانہ ہے۔ جو سری نگر سے کل ہی دہلی واپس گیا ہے اور اس نے کہا ہے کہ کشمیری عوام بھارت کے حق میں ہیں۔

بہرحال کشمیری تاجر رہنما اس بات پر مصر ہیں کہ کشمیری عوام کی اکثریت پاکستان کے حق میں ہے۔

بھارتی نمائندے کا یہ موقف کہ "کشمیر کی موجودہ بے چینی فقط مقامی انتظامیہ کے خلاف ہے" اس کی تردید مندرجہ ذیل آراء سے بھی ہوتی ہے۔

اخبار "سنڈے سٹار" واشنگٹن کے نامہ نگار نے 26 جنوری کو لکھا تھا

"گزشتہ چار ہفتوں سے کشمیری بڑے منظم مگر عدم تشدد کی حامل بغاوت سے گزر رہے ہیں۔ وہ بھارت کے ساتھ اپنے قریبی رشتوں کے خلاف نفرت کا اظہار کر چکے ہیں اور وہ اپنی قسمت کا خود فیصلہ کرنے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔"

اس نے مزید لکھا تھا:۔

"امریکہ اپنے منصوبے کے مطابق اگلے چند ہفتوں میں بھارت کو طویل المدت اسلحہ کی امداد نہیں دے سکتا کیونکہ اس کا یہ مطلب ہو گا کہ وہ بالواسطہ طور پر کشمیر پر بھارت کے نو آبادیاتی تسلط کی حمایت کرتا ہے۔"

اسی خبر میں نامہ نگار کہتا ہے کہ "بھارتی حکومت نے سری نگر کے واقعہ کی صحیح تصویر پیش کرنا پسند نہیں کیا" ان الفاظ کے پیش نظر بھارتی نمائندے کی زبان سے یہ سننا کہ کشمیر میں کوئی نئی صورت حال پیدا نہیں ہوئی حیرت ناک بات ہے۔

غیر ملکی مبصروں کے کئی مزید بیانات بھی ہیں مثال کے طور پر اخبار "بالٹی مورسن" اپنے 5 فروری کے شمارے میں لکھتا ہے:۔

"موئے مبارک کی چوری پر ہنگامہ تو بھارتی مقبوضہ کشمیر کے دو تہائی حصے میں پیدا شدہ مسائل کی فقط ایک علامت تھا" میں اپنے بیان کو غیر ضروری طوالت سے بچانے کے لئے فقط اتنے حوالوں پر ہی اکتفا کروں گا۔

بھارتی نمائندے نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ "موئے مبارک" کی چوری ایک الگ تھلگ واقعہ تھا اور "موئے مبارک" کی بازیابی کے بعد یہ واقعہ ختم ہو جاتا ہے۔

اس وقت جب کہ پاکستان کی حکومت اور وہاں کے عوام موئے مبارک کی چوری پر سخت پریشان ہیں اور اس مقدس یادگار کی بازیابی کے صحیح یا غلط ہونے پر کسی قسم کا اظہار خیال کرنے سے معذور ہیں' میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہم واقعہ نہیں بلکہ اس واقعہ سے منکشف ہونے والی باتوں کی طرف سلامتی کونسل کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔

موئے مبارک کی نمائش کے بعد کشمیر میں جو صورت حال پیدا ہوئی اس کی ایک اہم رپورٹ "ٹائمز آف انڈیا" میں شائع ہوئی ہے۔

سری نگر سے موصول ہونے والی اس رپورٹ کے مطابق مجلس عمل کے صدر نے کہا تھا: کہ مجلس کی طرف سے ہر جمعہ کی دکانیں بند رکھنے کی جو تحریک چلائی گئی تھی۔ وہ مطالبات کی منظوری تک جاری ہے۔

موئے مبارک کی بازیابی کے بعد "رائٹر" کی خبر کے مطابق مولانا مسعودی نے کہا تھا کہ بھارتی مقبوضہ کشمیر پولیس کی ریاست بن چکا ہے اور یہاں ہر روز پولیس کے تحفظ میں گھومتا پھرتا ہے" اس نے فقط شیخ عبداللہ کی رہائی ہی کا مطالبہ نہیں کیا تھا بلکہ غلام عباس اور یوسف شاہ کو ریاست سے نکال دینے پر بھی تنقید کی تھی یہ دونوں کشمیری رہنما 1947ء ہی سے جموں و کشمیر کا الحاق پاکستان سے کرانے کی تحریک چلا رہے ہیں۔ یہ بھی موئے مبارک کی بازیابی کے بعد ہی کے واقعات ہیں کہ سری نگر سے ہڑتالوں کشمیر کے دوسرے شہروں اور قصبوں سے تحریک کے تیز تر ہونے اور اندھا دھند گرفتاریوں کی رپورٹیں آتی رہیں۔

اس سلسلے میں' میں بخشی غلام محمد کے حالیہ بیانات کے بارے میں کچھ کہنا ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ 1953ء سے جموں و کشمیر کا نام نہاد چیف منسٹر ہے اور ریاست میں بھارت کا بڑا حواری ثابت ہوا ہے۔ میں اس کے 17 جنوری کے بیان کا پہلے ہی حوالہ دے چکا ہوں۔ یعنی کشمیری عوام شیخ عبداللہ کی رہائی اور استصواب کے مطالبے کر رہے ہیں بعد میں اس بیان کی "وضاحت" کی گئی تھی اور وضاحت کو دیکھ کر یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ سخت دباؤ کے تحت عمل میں آئی ہے۔ اب اس کی طرف سے ایک مزید بیان جاری ہوا ہے اور معتبر ذرائع کے مطابق اس بیان کی ابھی تک تردید نہیں کی گئی۔ بیان یہ ہے:۔

"1953ء میں شیخ عبداللہ کے اس مطالبے پر کہ کشمیر میں استصواب سے پہلے بھارت اپنی فوج وہاں سے نکال لے جب اسے برطرف کر کے گرفتار کر لیا گیا تو میں نے وزارت عظمیٰ کا عہدہ قبول کر لیا۔ اس وقت میرا پختہ یقین تھا کہ کشمیر کی اکثریت کو بھارت کے ساتھ رہنے کی ترغیب دی جا سکتی ہے اور یہ کہ وہ فرقہ وار پاکستان کے بجائے لادینی بھارت کے ساتھ رہ کر زیادہ بہتر محسوس کرے گی۔ اس مقصد کے حصول کے لئے میں دس برس تک بھرپور کوشش کرتا رہا۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھے یہ دیکھ کر عقل آتی گئی کہ بھارت میں رونما ہونے والے واقعات کا اثر کشمیریوں کی نفسیات پر ہوتا رہتا ہے"

مزید لکھتا ہے:۔

"حضرت بل کی درگاہ سے مقدس یادگار کی چوری کے واقعہ نے حساس کشمیری مسلمانوں کو بے حد صدمہ پہنچایا ہے اور وہ کھلم کھلا کہہ رہے ہیں کہ اب تو بھارت کے ہاتھوں ان کا مذہب اور ثقافت بھی محفوظ نہیں۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جس طرح بھارت ایک ہندو ملک نہیں اسی طرح پاکستان بھی مسلم ملک نہیں' اور یہ حقیقت کہ پاکستان میں ہندوؤں کے ساتھ کوئی واقعہ گزرنے پر اس کا بھارتی مسلمانوں پر بڑا شدید رد عمل ہوتا ہے' تو اس سے بھارت کے لامذہبی ہونے کا بھرم کھل جاتا ہے۔ انہیں خدشہ ہے کہ کل ان کا بھی وہی حشر ہو گا جو کلکتہ کے مسلمانوں کا ہوا ہے"۔

"ان کے تینوں فوری مطالبے یعنی شیخ عبداللہ کی رہائی رائے شماری اور 1953ء کے واقعات کی تحقیقت ____ ان کے متعلق میں پہلے ہی

اخبارات کو بتا چکا ہوں"

وہ اپنا بیان جاری رکھتا ہے:-

"میں بلا تکلف تسلیم کرتا ہوں کہ شیخ عبداللہ نے 1953ء میں جو کچھ کہا تھا میں وہی کچھ دس برس کے تجربے کے بعد کہنے پر مجبور ہوں۔ آج بھی بھارت کا وفادار ہوں اور اگر کبھی استصواب ہوا تو میں بھارت ہی کے حق میں ووٹ ڈالوں گا۔ لیکن بھارت حکومت اور عوام کو کشمیری مسلمانوں کے داخلی جذبات سے بے خبر رکھنا ایک گناہ ہو گا۔"

"ممکن ہے بہت سے لوگ میرے اس بیان کو بلیک میل کہیں لیکن میں ہمیشہ کے لئے یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں دوبارہ کشمیر کا وزیر اعظم بننے کو بالکل تیار نہیں اور اگر مجھے اس کی پیشکش بھی کی گئی تو میں انکار کر دوں گا۔ ریاست میں موجودہ صدر راج یا ریاستی راج قائم ہو یا جو کچھ بھی عوام پسند کریں، میں کسی چیز کی مخالفت نہیں کروں گا۔"

بھارت اب تک کشمیر میں بخشی غلام محمد کے ذریعے اپنی خواہشات کی تکمیل کرتا رہا ہے۔ کشمیر میں بھارت کے ایجنٹ سے اس قسم کے بیان کا آنا نہایت اہمیت رکھتا ہے ہمیں یہ اطلاعات بھی مل رہی ہیں کہ بھارتی حکومت کی طرف سے اس پر بے حد دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔ اسے مجبور کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے بیان کو واپس لے لے یا اس کی تردید کر دے ورنہ اسے بھی اس کے پیش رو شیخ عبداللہ کی طرح گرفتار کر کے نظر بند کر دیا جائے گا یہ شبہ کہ بھارتی حکومت کشمیر سے متعلق حقائق کو تسلیم کرنے پر اسے سخت سزا دے گی۔ اس امر کی تصدیق اس کی حکومت کے دو سابقہ ممبروں شام لال صراف اور گردھاری لال ڈوگرا کے بیانات سے ہوتی ہے جنہوں نے اس پر بھارت کے مفادات کو نقصان پہنچانے کا الزام لگایا ہے۔

یہ وہ چند حقائق ہیں جن سے بھارتی مقبوضہ کشمیر کے اندر موجودہ صورت حال کا کچھ پتہ چلتا ہے۔ اگر پولیس کی فائرنگ سے بیسیوں آدمیوں کا ہلاک ہو جانا عام ہڑتالوں کی وجہ سے شہروں اور قصبوں کی زندگی میں تعطل پیدا ہو جانا سری نگر جیسے بڑے شہر کی پوری بالغ آبادی کا مظاہروں کے لئے سڑکوں پر نکل آنا اور غیر ملکی مبصروں کے سامنے اپنے غم و غصے کا اظہار کرنا ------ الم ناک صورت حال کی ترجمانی نہیں تو پھر کھلم کھلا بغاوت ہی بھارت کے لئے افسوس ناک صورت حال قرار پا سکتی ہے۔

یہ حکومت پاکستان ہی کا محتاط ہاتھ ہے جس نے کشمیر میں امن قائم کر رکھا ہے۔ آزاد کشمیر کی حکومت اور جموں کشمیر کانفرنس متعدد بار جنگ بندی معاہدے کو منسوخ کرنے کا مطالبہ کر چکی ہیں۔ یہ مطالبے سرسری انداز میں نہیں کئے گئے۔ یہ آزادی کشمیر میں اس بے ساختہ کشیدگی کا نتیجہ ہیں جو بھارتی مقبوضہ جموں کشمیر میں بھارت کے مظالم اور تشدد کے رد عمل کے طور پر پیدا ہوئی ہے۔

بھارت نمائندے نے صورت حال کی الم ناکی سے انکار کیا ہے اور ہم پر الزام لگایا ہے کہ ہم نے "دہشت ناک" کہانی گھڑنے میں تخیل کی جولانی دکھائی ہے۔ اگر ہمارا پیش کردہ ثبوت تسلی بخش نہیں ہے تو سلامتی کونسل اپنی طرف سے حقائق کی غیر جانبدارانہ تحقیق کے لئے کوئی بھی ذریعہ استعمال کر سکتی ہے۔ یہ ذریعہ بھارتی مقبوضہ جموں و کشمیر میں سیاسی قیدیوں سے ملاقات کرے اور ان کی رائے بھی معلوم کرے۔ فقط ایک غیر جانبدارانہ تحقیق ہی سے سچائی کی تہ تک پہنچا جا سکتا ہے۔

سلامتی کونسل کے 1087ویں اجلاس منعقدہ 3 فروری 1964ء سے خطاب

جناب صدر!

یہ حکومت پاکستان نے سلامتی کونسل کا یہ اجلاس پاکستان اور بھارت کے مابین تعلقات کی تنزل پذیری اور یہ صورت حال بدتر نہ ہونے کے باعث دور رس سنگین نتائج کی طرف توجہ مبذول کرانے کے لئے طلب کیا ہے۔ اس بات کے پیش نظر کہ عالمی آبادی کے چھوٹے حصے کی زندگی اور موت کا سوال ہے، ہم موجودہ صورت حال کو جاری دیکھنا نہیں چاہتے کیونکہ انجام کار اس کا نتیجہ جذبات کے پھوٹ بہنے کی صورت میں ظاہر ہو گا جو دونوں ملکوں کے لئے تباہ کن ہو سکتا ہے۔

جب ہم نے یہ اجلاس منعقد کرنے کی درخواست کی تو سننے میں آیا ہے کہ اقوام متحدہ میں بھارت کے مستقل مندوب نے ایک پریس کانفرنس میں موجودہ اجلاس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس اجلاس سے ماسوا اس کے اور کچھ برآمد نہ ہو گا کہ ایک دوسرے پر مزید کچھ کیچڑ اچھالا جائے بھارتی مندوب کے ان الفاظ سے اس کی حکومت کا رویہ مترشح ہوتا ہے کہ نہیں اس کا مجھے علم نہیں، لیکن اگر یہ الفاظ کسی اور نے کہے ہوتے تو میں انہیں چرب زبانی یا انتہائی بے حسی پر مبنی تصور کرتا۔ جناب والا، بازی اتنی بڑی ہے، موضوع اتنا اہم ہے، اتنے زیادہ لوگوں کا سوال ہے کہ "ہم کیچڑ اچھال کر" ایک ایسے تنازعہ کے لئے فقط قرارداد حاصل کرنا نہیں چاہتے جو اپنے پہلو میں بین الاقوامی بحران کے لئے بیج لئے ہوئے ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ "کیچڑ اچھالنے" سے نہیں بلکہ انجام کار انصاف سے یہ مسئلہ حل ہو گا۔ ہم یہاں آپ کے سامنے شکایت کی صداقت پیش کرنے آئے ہیں۔

ہم اس بلند مقام ادارے کے پاس موجودہ صورت حال کے غیر جانب دارانہ تجزیئے میں مدد حاصل کرنے اور صورت حال کی اصلاح کی ہمہ گیر ضرورت کے پیش نظر آئے ہیں۔ ہم یہاں فقط پاکستان اور بھارت کے عوام کے مفاد کی خاطر ہی نہیں بلکہ عالمی امن، استحکام اور خوش حالی کے وسیع تر مفاد کے لئے آئے ہیں۔

جس صورت حال کا میں حوالہ دے رہا ہوں' میں نے اپنے خط مورخہ 16 جنوری میں سلامتی کونسل کی توجہ اس کی طرف مبذول کرائی تھی۔ مجھے یقین ہے کہ حال ہی میں کشمیر اور ہمارے دونوں ملکوں میں جو واقعات رونما ہوئے ہیں' انسانی زندگیوں اور جائداد کا جو نقصان ہوا ہے' جن مصائب نے جنم لیا ہے' جو تلخی پیدا ہوئی ہے اور نفرت کے جن بڑے زخموں کے منہ دوبارہ کھل گئے' ان میں سے سلامتی کونسل کے اراکین آگاہ ہو چکے ہوں گے فسادات اور ان کے نتائج میں آبادی کے ایک بڑے حصے کو جس طرح گھروں سے بے گھر کر کے ملک بدر کیا گیا ہے' ان کی رپورٹوں نے برصغیر میں 1947ء کے بھیانک نفرت انگیز اور شرمناک واقعات کی یاد تازہ کر دی ہے۔ ان واقعات کو سترہ برس گزر چکے ہیں۔ کیا اس پاگل پن کی کوئی انتہا بھی ہے؟

جہاں تک میرا تعلق ہے۔ میں ان المناک واقعات سے متعلق اپنی حکومت کا گہرا دکھ سلامتی کونسل کے نوٹس میں لانا چاہتا ہوں جو بھارت اور پاکستان میں رونما ہوئے ہوں۔ ان واقعات کو سلامتی کونسل کی توجہ میں لانے سے میرا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ کسی کے خلاف الزامات عائد کر رہا ہوں۔ ایسا کرنے سے کچھ بھی حاصل نہ ہو گا۔ ہماری کوشش تشدد کے اس مدوجزر کی بنیادی وجہ کا تعین کرنا اور یہ معلوم کرنا ہے کہ آخر پاکستان اور بھارت کس لئے اتنے رنجیدہ ہمسائے ہیں اور ان کے تعلقات کیوں اس حد تک خراب ہو چکے ہیں؟

یہی وہ جذبہ ہے جس کے تحت پاکستان ایک مرتبہ پھر سلامتی کونسل کی عدالت میں جموں و کشمیر کے عوام کے مقدمے کی پیروی کے لئے آیا ہے۔ حکومت پاکستان اور پاکستانی عوام اپنے کشمیری بھائیوں کی آزادی کا عہد کر چکے ہیں۔ وہ اس وقت تک نہ تو تھکاوٹ محسوس کریں گے اور نہ ہی اپنی طویل اور تلخ جدوجہد میں متزلزل ہوں گے جب تک کہ سلامتی کونسل اور اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پاکستان و بھارت کی کشمیری عوام کے حق خودارادیت کی قراردادوں پر عمل درآمد نہیں ہو جاتا۔

ہمارا پختہ یقین ہے کہ یہ پرامن جدوجہد جاری رکھنے سے ہم اقوام متحدہ کے چارٹر اصولوں اور بلند مقاصد کا بول بالا کر کے ایشیا اور دنیا کو درپیش خطرہ دور کرنے اور بنیادی انسانی حقوق کے احترام میں اضافہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اس وقت یہ سب چیزیں خطرے میں ہیں۔

جناب صدر! جیسا کہ میں سلامتی کونسل کے نام اپنے خط مورخہ 16 جنوری میں پہلے ہی لکھ چکا ہوں' میری حکومت نے مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر سلامتی کونسل کا یہ اجلاس طلب کیا ہے:۔

کشمیر اور پورے پاکستان میں ایک بڑی تلخ صورت حال پیدا ہو گئی ہے اور ریاست جموں و کشمیر کے متعلق بھارتی حکومت کی پالیسیوں کے باعث میرے ملک اور بھارت کے تعلقات کشیدہ ہو چکے ہیں۔ خاص طور پر بھارت نے حال ہی میں جموں و کشمیر کو بھارتی یونین کا اٹوٹ حصہ بنانے کا جو اعلان کیا ہے اس سے صورت حال مزید خراب ہو گئی ہے۔ بھارت یہ سب کچھ سلامتی کونسل میں اپنے وعدوں اور کشمیری عوام کے حقوق کو نظرانداز کر کے کر رہا ہے۔ بھارتی پالیسیوں کے رد عمل کے طور پر کشمیر کے دیرینہ مصائب زدہ عوام ایک مرتبہ پھر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور ان کی اس بیداری کو غیر ملکی مبصر بھارتی اور بخشی حکومت کے خلاف کھلی بغاوت بیان کرتے ہیں۔

یہ بغاوت جاری ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں بھارتی حکومت کی دہشت اور تشدد میں اضافے کے باوجود کشمیر کے بہادر عوام نے اس وقت تک بھارتی حکمرانوں کے خلاف جدوجہد کرنے کا تہیہ کر لیا ہے حتیٰ کہ وہ آزادی سے ہم کنار ہو جائیں۔

ایک آہنی دیوار نے مقبوضہ کشمیر کو باقی دنیا سے الگ کر رکھا ہے۔ بھارت طرح طرح کی پابندیوں کے ذریعے کوشش کر رہا ہے کہ وہاں کے حالات بیرونی دنیا کو معلوم نہ ہوں۔ لیکن ان پابندیوں کے باوجود ایسی خبریں موصول ہو رہی ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ کشمیر پر بھارت کے نوآبادیاتی قبضے کی زنجیریں ٹوٹ رہی ہیں۔

گزشتہ چند ہفتوں کے دوران مقبوضہ کشمیر میں جو بحران پیدا ہوا ہے اس کی چند جھلکیاں دکھانے کے لئے میں نے سلامتی کونسل کے نام اپنے خط میں غیر جانب دار غیر ملکی اخباری نمائندوں کی خبروں کے حوالے دیئے تھے۔ اسی بحران نے شمس الدین کی کٹھ پتلی حکومت اور کشمیر میں بھارتی حکمرانوں کو بوکھلا دیا ہے۔ یہ خبریں ظاہر کرتی ہیں کہ کشمیر میں وسیع پیمانے پر مظاہرے اور عام ہڑتال حضرت بل کی درگاہ کی بے حرمتی کے خلاف دیر سے دبے ہوئے کشمیری عوام کے گہرے مذہبی جذبات کا شدید اظہار ہی نہیں بلکہ بھارتی تسلط کے خلاف شدید نفرت کا اظہار بھی ہیں۔ لندن کے "اکانومسٹ" اخبار نے اپنے 4 جنوری کے شمارے میں لکھا ہے: "موئے مبارک کی چوری نے چنگاری کو شعلہ بنا دیا ہے"۔

ایک غیر ملکی مبصر رقم طراز ہے: "موئے مبارک کی بازیابی کے دعوے اور بھارت کے رویئے میں سختی کے باوجود بھارتی تسلط کے خلاف کشمیری عوام کے مذہبی جذبات اور سیاسی بغاوت کا ناقابل یقین ڈرامہ ابھی تک ختم نہیں ہوا"۔ واشنگٹن کے اخبار "ایوننگ سٹار" کا نمائندہ واحد غیر ملکی شخص تھا جو کشمیر میں حالیہ بغاوت کے دوران وہاں موجود تھا۔ وہ اپنے اخبار کے 19 جنوری کے شمارے میں لکھتا ہے:۔

"دو ہفتوں تک فقط میں ہی ایک غیر ملکی عینی شاہد تھا جس نے کشمیر میں مذہبی جذبات اور سیاسی بغاوت کا ناقابل یقین ڈرامہ دیکھا۔ گزشتہ آٹھ دن سری نگر برفانی طوفانوں' برف کے تودوں اور اخبارات پر پابندی کے باعث باقی دنیا سے کٹا رہا۔ جب میں پیر کو سری نگر سے روانہ ہوا تو وہ عام ہڑتال اپنے اٹھارویں دن میں تھی جس نے کشمیر کی پوری معیشت کو جامد کر دیا تھا۔ گزشتہ

ہفتے نصف دن کے لئے کچھ دکانیں کھلتی تھیں تاکہ لوگ ضروریات زندگی خرید سکیں۔ بخشی کے ایک دیرینہ حواری وزیراعظم شمس الدین کی حکومت حقیقی معنوں میں اپاہج ہو چکی ہے۔ تین ہفتوں تک حکومت یا برسراقتدار نیشنل کانفرنس پارٹی کے کسی عہدے دار کو جرات نہیں ہو سکی کہ عوام کے سامنے آئے۔ اس کے برعکس وہ گھروں میں چھپے بیٹھے ہیں اور باہر پولیس سنگینوں سے پہرہ دے رہی ہے۔"

5 جنوری کو سری نگر کے سرخ چوک میں تین لاکھ مسلمان جمع ہوئے۔ چودہ برس پہلے نہروں نے کشمیروں سے حق خودارادیت کا وعدہ کیا تھا۔ 7 جنوری کو بھارتی فوج نے رائفل برادر پولیس کی مدد سے سری نگر کی گلیوں پر قبضہ کر لیا۔ جب فوج سری نگر میں گشت کر رہی تھی تو سرکاری عمارتوں کو جابجا آگ لگ رہی تھی جس سے آتش بازی کا نظارہ یاد آتا تھا۔ مشتعل ہجوم آل انڈیا ریڈیو کی جھوٹی خبریں اور بھارتی لیڈروں کی تقریریں بڑے ضبط سے سن رہا تھا۔

گزشتہ چودہ دنوں میں ہزاروں کشمیری میرے پاس آئے ہیں۔ ان کی درخواست تھی کہ میں بیرونی دنیا کو ان کے حالات سے آگاہ کروں۔ ان کی کہانی یہ ہے کہ وہ بخشی کی دس سالہ جابر اور بے ایمان حکومت اور پولیس سے بے حد ناخوش ہیں۔ وہ بھارت پر بھی الزام لگاتے ہیں کہ وہ ایک ایسی حکومت کی حمایت کر رہا ہے جو جابر پولیس اور جاسوسوں کے بل پر قائم ہے۔
اخبار کا نمائندہ آگے چل کر لکھتا ہے۔

"دو ہفتوں کے بعد ایک غیر ملکی کے لئے خواہ وہ بھارت کا ہمدرد ہی کیوں نہ ہو' یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ بھارت پولیس اور فوج کی مدد کے بغیر کشمیر کا انجام الم ناک ناکامی پر ہو رہا ہے جب کشمیر میں کسانوں سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارا راہنما کون ہے اور تم کیا چاہتے ہو' تو ان کا ہمیشہ ایک ہی جواب ہوتا ہے شیخ عبداللہ اور استصواب رائے"۔

25 اور 26 جنوری کو سری نگر اننت ناگ اور بارہ مولا میں پھر سے فسادات ہوئے۔ پولیس کی اس دھمکی کے باوجود کہ اگر کوئی دکان بند پائی گئی تو اسے لوٹ لیا جائے گا' لوگوں نے عام ہڑتال کی اور سیاہ جھنڈے لہرائے۔ بھارتی پولیس نے ہجوم پر اشک آور گیس پھینکی اور جب یہ حربہ عوام کا جوش مدہم کرنے میں ناکام رہا تو اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی۔ اخبار "بالٹی مورسن" کے یکم فروری کے شمارے میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ "اندازے کے مطابق اس فائرنگ میں تیس سے زیادہ آدمی ہلاک ہوئے"۔

بھارتی حکمرانوں نے ریاست کے بڑے بڑے شہروں میں پرامن مظاہروں جلسوں کو بھی ممنوع قرار دے دیا ہے۔ کشمیری راہنماؤں کی گرفتاریاں جاری ہیں اور مولانا محمد یاسین اور مولانا مسعودی رکن عوامی مجلس عمل کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ کشمیر سے باہر نہ جائیں۔ سری نگر کے دونوں حصوں کو آپس میں ملانے والے ساتھ پلوں پر سے جب کشمیری مرد اور عورتیں گزرتے ہیں تو ان سے کہا جاتا ہے کہ وہ ہاتھ اور اٹھالیں مبادا ان کے پاس بم ہوں اور وہ پل اڑا دیں۔

"انڈین ایکسپریس" .... کے یکم فروری کے شمارے کے مطابق 31 جنوری کو پورے سری نگر میں مکمل ہڑتال ہوئی جس کی یہ وجہ تھی کہ نیشنل کانفرنس کے بعض شرپسند عناصر نے ایک ایسے ہسپتال پر حملہ کر دیا جس میں فسادات میں زخمی ہونے والے لوگوں کو داخل کیا گیا تھا۔ اخبار کی خبر کے مطابق یہ عام ہڑتال ہر جمعے کو اس وقت تک جاری رہے گی جب تک عوام کے فوری مطالبے پورے نہیں کئے جاتے۔

دہلی کے "اخبار ٹائمز آف انڈیا" میں 28 جنوری 1964ء کو مندرجہ ذیل خبر شائع ہوئی ہے:۔

"ہڑتال کے دنوں میں جلسوں اور جلوسوں کا انتظام نہایت شاندار تھا۔ عوامی مجلس عمل کے حکم کی شاید ہی کسی نے نافرمانی کی ہو۔ سری نگر میں حکومت غیر موثر اور انتظامیہ ناکارہ ہو کر رہ گئی تھی۔"
اخبار مزید لکھتا ہے:۔

"راجستھان' پنجاب اور سنٹرل ریزرو پولیس کی تین بٹالین فوری طور پر کشمیر روانہ کی گئیں اور بھارتی فوجی افسروں سے کہا گیا کہ وہ اہم جگہوں پر فوج متعین کر دیں۔"

واشنگٹن کے اخبار "سنڈے سٹار" کے 19 جنوری کے شمارے کے مطابق بھارتی ہوم سیکرٹری نے "تنبیہہ کی ہے کہ آئندہ ہر مظاہرے کو سختی سے کچل دیا جائے گا۔" اس کے ساتھ ہی "واشنگٹن پوسٹ" کے 5 جنوری کے شمارے میں رائٹر کی ایک خبر شائع ہوئی ہے جس کے مطابق سری نگر میں ایک بہت بڑے اجتماع میں ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں الزام لگایا گیا کہ حالیہ واقعات مسلمانوں کو مشتعل کرنے کی ایک کوشش تھی تاکہ اگر وہ اجتماع کریں تو بھارتی حکومت اس بہانے ان کی تحریک آزادی کچل دے۔

کشمیری عوام نے جس خدشے کا اظہار کیا تھا' اخبار "بالٹی مورسن" نے اپنے یکم فروری کے شمارے میں اس کی تصدیق کر دی ہے۔ اخبار کی ایک خبر کے مطابق فسادات سے متاثرہ سری نگر میں فوج کی مزید کمک بھیجی گئی۔ سارے سری نگر میں ہجوم حکومت کے خلاف نعرے لگاتا رہا اور پولیس سے اس کی جھڑپیں ہوتی رہیں عوام کو دبانے کے لئے پولیس کی مدد کے لئے فوج طلب کی گئی ہے۔

دہلی کی ایک خبر کے مطابق "کشمیر میں داخلی نظم و نسق قائم رکھنے کے لئے مزید فوجی طاقت کی ضرورت ہے" دہلی کے اخبار ہندوستان ٹائمز کی ایک خبر کے مطابق بھارتی حکومت کا ایک وزیر جب سری نگر گیا تو "اس کی کار ویران سڑکوں پر گھومتی رہی" ایک اطلاع کے مطابق جموں کے ایک ہندو لیڈر نے بھارتی صدر کو ایک تار بھیجا ہے جس میں اس نے

"ہجوم کو کچلنے کی شکایت کی ہے۔"

کشمیر میں ان حالیہ واقعات کا پس منظر "کرسچین سائنس مانیٹر" نے اپنے 22 جنوری کے شمارے میں یوں پیش کیا ہے:-

"گزشتہ برس سے مقبوضہ کشمیر کی مسلم اکثریت میں سخت کشیدگی پائی جاتی ہے۔ اس کشیدگی کی وجہ ان کا یہ خدشہ ہے کہ بھارتی حکومت کشمیر کو بھارت کا لازمی جزنہ بنالے۔"

ریاست کے اندر بحران نے زیادہ سیاسی شدت اختیار کر لی ہے۔ اس ہمہ گیر تحریک کا نشانہ ریاست میں بھارت کے پٹھو اور نیشنل کانفرنس پارٹی ہے جو کشمیر میں بھارت کی حاشیہ بردار ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کشمیری عوام ریاست پر بھارت کا تسلط اب مزید برداشت کرنے کو بالکل تیار نہیں ہیں۔ اس تسلط کا آغاز اکتوبر 1947ء سے ہوتا ہے جب کہ بھارت زبردستی کشمیر میں گھس آیا تھا۔

کشمیر کی صورت حال اگست 1953ء میں شیخ عبداللہ کی نظربندی کے بعد روز بروز خراب تر ہو رہی ہے۔ سلامتی کونسل کو یاد ہو گا کہ جب پہلی مرتبہ مسئلہ کشمیر سلامتی کونسل کے سامنے لایا گیا تو بھارت نے اپنے ساتھ کشمیر کا الحاق اسی بنیاد پر برحق ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ اس الحاق کا کشمیر کے سب سے زیادہ مقبول رہنما شیخ عبداللہ کی حمایت حاصل تھی۔ بھارتی وزیراعظم مسٹر نہرو نے شیخ عبداللہ کو "شیر کشمیر" کا لقب دے رکھا ہے "جس کی شخصیت ان گنت روایتوں اور لوگ گیتوں کا محور ہے"

مسٹر نہرو نے مندرجہ ذیل الفاظ میں بھی شیخ عبداللہ کو خراج تحسین پیش کر رکھا ہے: "ایسی طاقت جس کی بدولت مجھے کشمیر میں مسلمانوں' ہندوؤں اور سکھوں سے پیار ہے۔" مسٹر نہرو نے اسے "کشمیر کا سب سے بہادر اور ہردل عزیز رہنما کہا ہے جس نے ہر کٹھن مرحلے میں اپنے عوام کی رہنمائی کی ہے۔"

یہی وہ شخص ہے جسے مسٹر نہرو کے حکم سے 1953ء میں نظر بند کیا گیا اور فقط تین ماہ کی عارضی رہائی کے بعد مسلسل قید میں رہا۔ 1953ء سے 1958ء تک پانچ برس تک اسے کسی مقدمے اور الزامات کے بغیر قید میں رکھا گیا اکتوبر 1958ء میں اسے ایک بھارتی عدالت کے سامنے پیش کیا گیا اور یہ تمسخرانہ مقدمہ ابھی تک جاری ہے۔

پولیس نے 322 گواہوں کی فہرست پیش کی تھی جن میں فقط 81 پر گزشتہ پانچ برس میں جرح ہوئی ہے۔ میں دوبارہ کہتا ہوں کہ 322 گواہوں میں سے فقط 81 پر گزشتہ پانچ برس میں جرح ہوئی ہے۔ مقدمے کا اختتام کہیں نظر نہیں آتا۔ یہ جھوٹا مقدمہ اور من گھڑت الزامات بھارتی عدلیہ پر ہمیشہ کے لئے ایک دھبہ رہیں گے۔ اگست 1953ء میں شیخ عبداللہ کی گرفتاری پر بھارتی فوج کو موقع ہاتھ آ گیا کہ وہ اجتماع کرنے والے ہجوم پر اندھا دھند گولی چلا سکے۔ اس فائرنگ میں ایک ہزار سے زیادہ مرد' عورتیں اور بچے زخمی ہوئے شیخ عبداللہ کے اپنے الفاظ کے مطابق "کشمیری عوام کو ایک ایسے خون میں نہلایا گیا جس کی مثال کشمیر کی تاریخ میں نہیں ملتی۔"

کشمیری عوام پر بھارتی تسلط کے تشدد نے شیخ عبداللہ کو زنداں میں بھارتی صدر کو خط لکھنے پر مجبور کر دیا کہ وہ کشمیر میں اپنی پالیسی نظرثانی کرے۔ کیا مجھے اس خط میں سے مندرجہ ذیل الفاظ بطور حوالہ پیش کرنے کی اجازت ہے؟

"اگرچہ گزشتہ تین صدیوں سے کشمیر لاقانونیت اور غلط حکمرانی دیکھتا چلا آیا ہے لیکن کشمیری عوام نے اس قسم کا المیہ پہلے بھی نہیں دیکھا درگاہ سے موئے مبارک کو چرانا تو بہت بڑی بات ہے۔ کسی کو بھی اسے چھونے تک کی جرات نہیں ہوتی تھی اس اسلامی مرکز پر تاریخ کی یہ سب سے کاری ضرب ہے۔

شیخ صاحب آگے لکھتے ہیں:-

"میری رائے میں قربانی کا یہ واقعہ کشمیر کے حالیہ واقعات سے غیر متعلقہ نہیں ہے۔ کچھ عرصہ سے کشمیری عوام کے ساتھ غیرانسانی سلوک جاری ہے۔ ضمیر کی آواز کی طرف سے کان بند کر کے اخلاقی اور روحانی اقدار کا احترام بالائے طاق رکھ دیا گیا ہے۔ دراصل اس عمل کا آغاز اگست 1953ء میں ہوا تھا جب کہ کشمیر میں جمہوریت کے شرمناک قتل کا ارتکاب کیا گیا اس کے بعد کشمیر کے حکمرانوں کی پشت پناہی اور اجازت سے اخلاقی اقدار کی کھلم کھلا بے حرمتی کی گئی۔ قانون و انصاف کے احترام سے آنکھیں پھیر لی گئیں اور عام انسان کی زندگی اور عزت غنڈہ گردی کے رحم و کرم پر رہ گئی۔ انحطاط کے اس عمل کو روکنے کی کوئی کوشش نہ کی گئی۔ اس کے برعکس بھارتی حکومت کا کروڑوں روپیہ کشمیری عوام کی روح کچلنے پر صرف کیا جا رہا ہے تاکہ وہ بنیادی انسانی حقوق کے مطالبے کے اہل نہ رہیں۔"

"موجودہ جبریت کشمیری عوام کی سیاسی اخلاقی اور روحانی زندگی کے انحطاط کا دائرہ مکمل کر دے گی جس کے بعد انہیں بے زبان جانوروں کی طرح جدھر جی چاہا ہانک دیا جائے گا"

شیخ صاحب بھارتی صدر سے مندرجہ ذیل اپیل کے ساتھ اپنا خط ختم کرتے ہیں:-

"اس سلسلے میں آپ کی توجہ ریاست میں ان اندھا دھند گرفتاریوں کے علاوہ طاقت کے استعمال کی طرف مبذول کرتا ہوں جو کئی قیمتی جانوں کے زیاں کا باعث بنی ہے آپ کشمیریوں کے درد اور ذہنی تکلیف سے بخوبی واقف ہوں گے اور اگر اس دور کے سامنے بند باندھ دیا جائے تو اس کے نتائج افسوس ناک ہو سکتے ہیں وقت آ گیا ہے کہ ہمیں یہ احساس کر لینا چاہئے کہ گولیوں اور لاٹھی چارج اور اندھا دھند گرفتاریوں سے

صورت حال کو بہتر بنانے میں کوئی مدد نہیں ملے گی۔ کشمیر کے متعلق اپنی پالیسی پر جلد از جلد نظر ثانی کرنا بہت ضروری ہے۔ جس کی طرف میں پہلے ہی اشارہ کر چکا ہوں۔ یہ تمام برائیوں کی جڑ ہے اور اسی نے موجودہ المیے کو جنم دیا ہے۔"

یہ اس خط کا ایک حصہ ہے جو حال ہی میں شیخ عبداللہ نے بھارت کے صدر کو جیل سے لکھا تھا۔

شیخ عبداللہ کے الفاظ کے مطابق کشمیریوں کا انسانوں سے جانوروں میں تبدیل کرنے کا بھارتی پالیسی کے باوجود کشمیری عوام کے دلوں میں آزادی کا شعلہ روشن سے روشن تر ہوتا جا رہا ہے مجھے شیخ عبداللہ کا وہ بیان یاد آ رہا ہے جو انہوں نے 1961ء میں ایک بھارتی عدالت میں اپنے جھوٹے مقدمے کے دوران دیا تھا' وہ بیان یہ ہے:-

"میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے یہ معمولی بات لیکن جموں و کشمیر کے عوام جس افلاس توہین اور انحطاط کا شکار ہیں وہ معمولی بات نہیں۔ گزشتہ دس برس میں انہوں نے جو کچھ برداشت کیا ہے' جو کچھ اب برداشت کر رہے ہیں وہ معمولی بات نہیں حقیقت میں پوری ریاست ایک وسیع قید خانہ بن چکی ہے سینکڑوں کشمیری 9 اگست 1953ء سے لاقانونیت پر مبنی قوانین کے تحت قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں بہت سے لوگوں کو فوج اور پولیس نے گولیوں کا نشانہ بنا دیا سینکڑوں کے عضو کاٹ کر انہیں زندگی بھر کے لئے اپاہج کر دیا گیا اور سینکڑوں کی آواز بلند دبانے کے لئے ان پر فرضی مجرمانہ مقدمے بنائے گئے۔"

"ان تمام واقعات سے اس وعدے کو عملی لباس پہنانے کے مطالبے کی صداقت کا اظہار ہوتا ہے جو کشمیر میں استصواب رائے کے سلسلے میں بھارت پاکستان اور اقوام متحدہ نے کر رکھا ہے:-

وہ ان یادگار الفاظ سے اپنا بیان ختم کرتے ہیں۔

"میری آواز زنداں کی دیواروں میں محبوس کی جا سکتی ہے لیکن یہ آنے والے زمانوں میں گونجتی رہے گی کیونکہ یہ انسانی ضمیر کی آواز ہے۔"

شیخ عبداللہ کی آواز ان لاکھوں کشمیریوں کے دلی جذبات کے اظہار کی علامت ہے جو ایک مرتبہ پھر بھارتی تسلط کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔

بخشی غلام محمد جس نے شیخ عبداللہ کی نظربندی میں بھارتی حکومت کی مدد کی تھی وہ بھی یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ کشمیری عوام کے جذبہ آزادی کو دبانے کے سلسلے میں کشمیر کے اندر بھارتی حکومت کی پالیسی ناکام رہی ہے بھارتی پریس ٹرسٹ کے مطابق بخشی غلام محمد نے 17 جنوری کو سری نگر سے دہلی آنے پر اخباری نمائندوں کو بتا دیا تھا:

"اس وقت کشمیر میں تین نعرے بلند کئے جا رہے ہیں اول 1953ء کے واقعات کی تحقیق کی جائے جو شیخ عبداللہ کی گرفتاری کا باعث بنے دوم' شیخ عبداللہ کو آزاد کیا جائے سوم' استصواب رائے کا وعدہ کیا جائے؟"

جب ایسے ضرر رساں بیان پر بھارتی حکومت نے بخشی غلام محمد کی جواب طلبی کی تو اس نے بڑی "عاجزی" سے وضاحت کر دی کہ یہ نعرہ حکومت کے خلاف شرپسند عناصر' بلند کر رہا ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ "یہ شرپسند عناصر" "ایوننگ سٹار" کے نمائندے کے مطابق "ہمالیہ کے دامن میں آباد سری نگر کی ساری آبادی ہے جو اپنا گھربار اور کاروبار چھوڑ کر گلیوں اور سڑکوں پر پرجوش آواز میں مطالبہ کر رہے ہیں کہ موئے مبارک واپس درگارہ میں رکھا جائے۔ یہ وہ بے پناہ ہجوم ہے جو مطالبہ کر رہا ہے کہ کشمیر کے سابق وزیراعظم شیخ عبداللہ کو دس سال کی نظربندی کے بعد رہا کیا جائے" "یہ شرپسند عناصر" سری نگر کے عوام میں جو گھنٹوں برف باری میں "کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ بنانے کے خلاف "اپنے تلخ جذبات کا اظہار کرتے رہتے ہیں۔

بھارتی حکومت کی طرف سے ریاست جموں و کشمیر کی خاص حیثیت کو بدلنے کی مکروہ حرکت کا اظہار پہلی مرتبہ 13 اکتوبر 1963ء کو بخشی غلام محمد نے کیا تھا جو اس وقت بھارتی مقبوضہ جموں و کشمیر ریاست کا کٹھ پتلی وزیراعظم تھا اس نے اعلان کیا کہ "کشمیر کو بھارت کے قریب تر لانے کے لئے ایک ہدایت جاری کی گئی ہے اور پہلے قدم کے طور پر "صدر ریاست" کے عہدے کو گورنر اور وزیراعظم کے عہدے کو "چیف منسٹر" میں بدلنے کا فیصلہ کیا گیا تا کہ کشمیر کو بھارتی صوبوں کا ہم شکل بنایا جا سکے۔ اس نے مزید کہا تھا کہ اس ردوبدل کو آئینی بنانے کے لئے مارچ 1964ء میں ریاستی اسمبلی کے اجلاس میں ضروری کارروائی کا جائے گی۔

اس بیان کے بعد حکومت پاکستان نے اپنے مستقبل مندوب کے ذریعے سلامتی کونسل سے فورا احتجاج کیا۔ اس نے اپنے خط مورخہ 9 اکتوبر میں لکھا کہ یہ اقدام اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پاکستان و بھارت کی 13 اگست / 1948ء اور 5 جنوری / 1949ء کی قراردادوں کی کھلی خلاف ورزی ہے۔

اس خط کے جواب میں بھارت کے مستقل مندوب نے اپنے خط مورخہ 12 نومبر میں دلیرانہ دعوئی کیا کہ جموں و کشمیر بھارتی یونین کی آئینی ریاست اور بھارتی حصہ ہے۔

اس کے فورا بعد بخشی غلام محمد کی جگہ اس کے نامزد نمائندے شمس الدین کو مقبوضہ جموں و کشمیر کا نیا کٹھ پتلی وزیراعظم بنا دیا گیا۔ یہ پہلا فعل تھا جس کے تحت ایک گمنام شخص کو دہلی سے موصول ہونے والے احکام کے تحت وزیراعظم بنایا گیا اور اس کی وزارت کے بارہ وزیروں اور نائب وزیروں میں سے سات اقلیت سے تعلق رکھتے ہیں حالانکہ ریاست کی آبادی مسلم اکثریت پر مشتمل ہے شمس الدین نے جلد ہی ریاستی حکومت کے ایک سو افسر برطرف کر دیئے اور ان کی جگہ ایسے لوگ رکھے گئے جو لادینی اور قوم پرستانہ نقطہ نظر رکھتے تھے" لہٰذا ایک ہی ضرب میں اس نے ریاستی انتظامیہ

کے ایک سو افسر برطرف کر دیئے اور ان کی جگہ ایسے لوگ رکھے گئے جو لا دینی اور قوم پرستانہ نقطہ نظر رکھتے تھے" لہٰذا ایک ہی ضرب میں اس نے ریاستی انتظامیہ کو ایسے لوگوں سے پاک کر دیا جن کا فقط یہ قصور تھا کہ وہ نفسیاتی اور جذباتی طور پر اپنے وطن کے متعلق بھارتی پالیسی کی مزاحمت کرتے تھے۔

نتیجتاً 27 نومبر / 1963ء کو بھارتی وزیر داخلہ مسٹر نندا نے کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ بنانے کے لئے بھارتی پارلیمنٹ میں مندرجہ ذیل اقدامات کا اعلان کیا ہے:

1- 25 ستمبر / 1963ء کو بھارتی دستور کی دفعہ 370 کے تحت بھارتی صدر کا ایک حکم جاری کیا گیا جس کے ذریعے ریاست کے قانونی اور میڈیکل شعبوں کو بھارت کے قانونی اور میڈیکل شعبوں کے ساتھ مدغم کر دیا گیا۔

2- اسی قسم کی ایک اور تجویز کوئلے کی صنعت میں مزدوروں کی بہبود کے بارے میں زیر غور تھی۔

3- بھارتی صوبوں کی طرح لوک سبھا میں جموں و کشمیر کے نمائندے براہ راست الیکشن سے منتخب کئے جائیں گے۔ موجودہ ہنگامی حالات کے بعد اس تجویز کو لباس عمل پہنایا جائے گا۔

4- جموں و کشمیر کے صدر ریاست اور وزیراعظم کے عہدے بالترتیب گورنر اور چیف منسٹر میں تبدیل کر دیئے جائیں گے۔ ریاستی اسمبلی کے آئندہ اجلاس میں اس تجویز کے متعلق قانون وضع کیا جائے گا۔

5- بھارتی آئین کی دفعہ 370 کے حصے میں آتی ہے اور یہ حصہ عارضی اور بحرانی طریق کار سے متعلق ہے جب سے بھارتی آئین میں اس دفعہ کا اندراج کیا گیا ہے، بہت سے ایسے رد و بدل کئے گئے ہیں جن سے ریاست جموں و کشمیر بھارت کے زیادہ قریب آ گئی ہے ریاست کا مکمل طور پر بھارت کے ساتھ الحاق کر دیا گیا ہے بھارتی حکومت کی نیت ہے کہ اب وہ فی الحال کوئی ایسا اقدام نہیں کرے گی جس سے دفعہ 370 منسوخ ہو جائے بلکہ اسے ریاست کی حکومت اور دستور ساز اسمبلی کے مشورے سے قائم رکھے گی۔ یہ عمل گزشتہ چند برس سے جاری ہے اور اسے جاری رکھا جائے گا۔

بھارتی وزیراعظم مسٹر جواہر لعل نہرو نے اس بیان کی تصدیق کی تھی مگر انہوں نے وضاحت کی کہ بھارتی دستور کی دفعہ 370 کو آہستہ آہستہ منسوخ جائے گا۔

حکومت پاکستان نے ان غیر قانونی اقدامات پر بھارتی حکومت سے احتجاج کیا پاکستان میں بھارتی ہائی کمیشن کو 4 دسمبر کو ایک مراسلہ دیتے ہوئے حکومت پاکستان نے وضاحت کی کہ بھارتی حکومت کے مذکورہ اقدامات ریاست جموں و کشمیر کے اس بنیادی معاہدے کی تباہی کی دیدہ دانستہ کوشش ہے جو اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پاکستان و بھارت کی 3 اگست / 1948ء اور 5 جنوری / 1949ء کی قراردادوں کے مطابق طے پایا تھا۔ یہ اقدامات سلامتی کونسل کی 30 مارچ 1951ء اور 24 جنوری 1957ء کی قراردادوں کی بھی خلاف ورزی کرتے ہیں حکومت پاکستان نے بھارتی حکومت کو واضح کر دیا کہ ان قراردادوں کی موجودگی میں بھارتی حکومت نے جو بھی آئینی اور تنظیمی اقدامات کئے ہیں یا مزید کرے گی ان کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہو گی کیونکہ ایسے اقدامات ان بین الاقوامی قانونی ذمہ داریوں سے روگردانی پر مبنی ہوں گے جنہیں بھارت پہلے ہی کشمیر کے سلسلے میں قبول کر چکا ہے بھارت ان ذمہ داریوں سے منفی طریقے استعمال کر کے گریز نہیں کر سکتا۔ اسی احتجاجی مراسلہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اس نوعیت کے بھارتی اقدامات اقوام متحدہ کے کمیشن برائے بھارت و پاکستان کی قراردادوں کی وضاحت کے مطابق غیر قانونی ہیں اور کشمیری عوام کے مستقبل کا فیصلہ صرف اقوام متحدہ کے تحت کشمیر میں غیر جانب دارانہ استصواب رائے ہی سے کیا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں پاکستان کے مستقل مندوب نے سلامتی کونسل کے صدر کے نام اپنے خط مورخہ 3 جنوری میں سلامتی کونسل کی توجہ بھارتی وزیرداخلہ اور بھارتی وزیراعظم کے بیانات کی طرف مبذول کرائی خط میں واضح کیا گیا کہ بھارتی حکومت کے مذکورہ اقدامات جموں و کشمیر پر اپنا تسلط مستحکم کرنے لوگوں کو جذبے کو دبانے اور انہیں آزادنہ طور پر اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے راستے میں رکاوٹ ہیں' لہٰذا وہ سلامتی کونسل کی قراردادوں اور اقوام متحدہ کے چارٹر کے اصول کی خلاف ورزی پر مشتمل ہیں۔

میں افسوس سے کہتا ہوں کہ بھارتی حکومت نے پاکستان کا یہ احتجاج رد کر دیا اور اسے بھارت کے داخلی معاملات میں بے جا مداخلت قرار دیا لیکن میں بھی بھارت کے مندوب کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ پاکستان جموں و کشمیر پر بھارت کے جھوٹے دعوے کو کبھی قبول نہیں کرے گا اور وہ سلامتی کونسل اور اقوام متحدہ کے کمیشن برائے بھارت اور پاکستان کی قراردادوں کے مطابق ان کے حق خودارادیت کا مطالبہ کرتا رہے گا۔

میرے خیال میں یہاں مختصر طور پر وہ پس منظر بیان کرنا ضروری ہے جس کے پیش نظر کشمیر کو بھارت کا حصہ بنانے کے اقدام کا جائزہ لینا چاہئے میں یہ کہانی نہیں دہراؤں گا کہ کن حالات میں کشمیر کے مہاراجہ نے ریاست کا الحاق بھارت کے ساتھ کیا۔ سلامتی کونسل اس تاریخ سے بخوبی واقف ہے۔ اس تازہ کی جڑ یہ بات ہے کہ بھارت نے ایک ایسے وقت میں کشمیر کے مہاراجہ سے الحاق کی دستاویز پر دستخط کرائے جب کہ کشمیری عوام نے مہاراجہ کے خلاف بغاوت کر رہی تھی اور اسے ریاست

سے نکال دیا تھا۔

ان کے بیانات کے مطابق نام نہاد الحاق مندرجہ ذیل شرائط پر کیا گیا تھا۔ اول ...... اقوام متحدہ کے تحت استصواب رائے ہو گا اور استصواب کے نتائج کی روشنی میں فیصلہ کیا جائے گا کہ جموں و کشمیر کا الحاق پاکستان کے ساتھ ہو یا بھارت کے ساتھ۔ دوئم........ یہ الحاق صرف دفاع' مواصلات اور امور خارجہ تک محدود ہو گا۔ بھارتی نمائندوں نے وقتاً فوقتاً" اس سلسلے میں ان گنت بیانات دیئے ہیں۔ میں یہاں فقط تین کا حوالہ دوں گا۔ مہاراجہ کے نام نہاد الحاق کے فوراً بعد بھارتی وزیراعظم نے پاکستان کے وزیراعظم نے پاکستان کے وزیراعظم کو اپنے تار مورخہ 27 اکتوبر 1947ء میں مطلع کیا:-

"میں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ موجودہ ہنگامی حالت میں کشمیر کی مدد کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے بھارت کے ساتھ الحاق کرنے کے لئے ریاست پر اثر ڈالا جا رہا ہے۔"

جناب والا! میں دہراتا ہوں۔ "ہر گز یہ مطلب نہیں کہ بھارت کے ساتھ الحاق کرنے کے لئے ریاست پر اثر ڈالا جا رہا ہے۔"

بھارتی وزیراعظم نے مزید لکھا ہے:-

"ہم اپنے اسی نظریئے کو متعدد بار کھلے طور پر دہرا چکے ہیں کہ کسی علاقے یا ریاست کے الحاق کا مسئلہ وہاں کے عوام کی خواہشات کے مطابق طے ہونا چاہئے۔"

سلامتی کونسل کے ارکان سے درخواست ہے کہ وہ ان الفاظ پر غور کریں۔ "ہر گز مطلب یہ نہیں ہے کہ بھارت کے ساتھ الحاق کا مسئلہ وہاں کے عوام کی خواہشات کے مطابق طے ہونا چاہئے۔"

سلامتی کونسل کے ارکان سے درخواست ہے کہ وہ ان الفاظ پر غور کریں۔ "ہر گز یہ مطلب نہیں ہے کہ بھارت کے ساتھ الحاق کے لئے ریاست پر اثر ڈالا جا رہا ہے"۔

جب بھارتی حکومت جنوری 1948ء میں یہ مسئلہ سلامتی کونسل کے سامنے لائی تو بھارتی مندوب نے سلامتی کونسل کے 227 ویں اجلاس میں کہا تھا:-

"ہم کشمیر میں فقط امن دیکھنا اور ایسے حالات پیدا کرنا چاہتے ہیں جن میں کشمیر کے عوام پرامن طور پر ریاست کے مستقبل کا آزادانہ فیصلہ کر سکیں۔ ہماری اس سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے اور ہم اس پر متفق ہو چکے ہیں کہ کشمیر میں امن و نظم بحال ہونے کے بعد وہاں اقوام متحدہ کی نگرانی میں استصواب کرایا جائے۔"

سلامتی کونسل کے اراکین ان الفاظ پر غور کریں "ہماری اس سے زیادہ دلچسپی نہیں ہے۔"

بعد میں بھارتی مندوب نے اپنی حکومت کے نقطہ نظر کی اس طرح توثیق کی:-

"بھارتی حکومت ریاست کے الحاق کے سلسلے میں مہاراجہ کی درخواست قبول کرنے میں بڑی محتاط تھی اور یہ درخواست فقط اس شرط پر قبول کی گئی تھی کہ امن بحال ہونے کے بعد مناسب طریقے سے عوام کی رائے معلوم کی جائے گی۔ اس شرط پر فقط اسی شرط پر بھارتی حکومت نے الحاق منظور کیا تھا۔"

سلامتی کونسل کے اراکین مہربانی فرما کا دوبارہ ان الفاظ پر غور کریں۔

"اس شرط پر فقط اسی شرط پر بھارتی حکومت نے الحاق منظور کیا تھا۔

یہ بیانات ظاہر کرتے ہیں کہ کشمیر میں بھارت کی مداخلت الحاق کو قطعی بنانے کی نیت سے نہیں تھی اور یہ کہ کشمیر کے مستقبل کے فیصلے کے لئے وہاں لازمی طور پر استصواب ہو گا۔ سلامتی کونسل کے صدر نے اس ادارے کے 236 اجلاس میں جو کچھ کہا تھا اس کا حوالہ دینا شاید گستاخی تصور کیا جائے۔ انہوں نے کہا تھا:-

.........ہمارے سامنے موجود دستاویزات سے پتہ چلتا ہے۔

کہ فریقین تین باتوں پر متفق ہیں۔

1- ریاست جموں و کشمیر کا بھارت یا پاکستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ استصواب سے کیا جائے گا۔

2- استصواب ایسے حالات میں ہو گا۔ جو مکمل غیر جانب داری کی شہادت دیں گے۔

3- استصواب اقوام متحدہ کی نگرانی میں ہوگا۔

ان کا بیان جاری ہے:-

"جن تین باتوں کا میں نے ذکر کیا ہے' وہ جن شرائط کے تحت بیان کی گئی ہیں اور ان سے جو نتائج برآمد ہوں گے' وہ بحث طلب امور بن سکتے ہیں لیکن میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جہاں تک ان باتوں کا تعلق ہے ان پر فریقین کے مابین کوئی تنازع نہیں ہے۔"

مجھے یقین ہے کہ یہ حوالے...... اور میں نے طوالت کے ڈر سے زیادہ حوالے نہیں دیئے...... بھارتی حکومت کی اس حیثیت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہوں گے جو اس نے سلامتی کونسل کے سامنے اختیار کر رکھی ہے اور جس کے مطابق ریاست میں استصواب ناگزیر ہے جیسا کہ سلامتی کونسل کے صدر نے بھی کہا تھا۔ بھارت اور پاکستان کے مابین اس معاہدے کی بنیاد دونوں فریقوں کو اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پاکستان و بھارت کی قراردادیں قابل قبول ہوئیں تھیں۔ اگر ان کا کوئی مطلب ہے تو وہ فقط یہی ہے کہ جموں و کشمیر اقوام متحدہ کی زیر نگرانی استصواب کرائے بغیر نہ تو پاکستان کا اور نہ ہی بھارت کا حصہ بن سکتا ہے۔

نام نہاد الحاق کی عارضی اور مشروط حیثیت کی تصدیق کرنے کے علاوہ بھارتی مندوب کو سلامتی کونسل کے اجلاسوں میں یہ وضاحت کرنے میں بھی خاصی تکلیف گوارا کرنی پڑی کہ بھارتی یونین کے اندر کشمیر کی خود مختاریت قائم ہے اور حقیقت میں بھارت کو ریاست پر بہت کم اختیار حاصل ہے۔ دراصل ایک اجلاس میں تو بھارتی مندوب نے یہاں تک کہ کہا تھا کہ کشمیر کے مستقبل کا تعین کرنا ایک ایسا معاملہ ہے جس پر نہ تو بھارت اور نہ ہی کشمیر کو کوئی اختیار ہے۔ 1951ء میں بھی بھارتی مندوب سربنگال راؤ نے سلامتی کونسل کے سامنے وضاحت کی تھی کہ کشمیر کی خود مختاری حیثیت بدستور قائم ہے ماسوا اس کے کہ بھارت نے کشمیر کے بعض امور اپنے ہاتھ میں لے لئے ہیں۔

اس طریقے سے بھارت نے پہلے پہل جموں و کشمیر کے ساتھ اپنے تعلقات کا اظہار کیا۔ خیال کیا جاتا تھا کہ یہ تعلقات محدود ہوں گے لیکن اپنے تمام معتبر اعلانات اور معاہدوں کے باوجود نام نہاد "آل جموں و کشمیر کانفرنس" نے 27 اکتوبر 1950ء کو ریاست کی "آئندہ شکل اور الحاق" کا تعین کرنے کے لئے دستور ساز اسمبلی کی اجلاس منعقد کرنے کی قرارداد منظور کی۔ اس اقدام کی اہمیت صاف ظاہر تھی۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ بھارت کشمیر میں اپنے پٹھوؤں کے ذریعے اقوام متحدہ کو نظرانداز کرنے اور ریاست کے الحاق پر مہرتوثیق ثبت کرانے کے انتظامات کر رہا تھا۔ پاکستان نے احتجاج کیا اور یہ صورت حال سلامتی کونسل کے نوٹس میں لایا۔

غو و خوض کے بعد سلامتی کونسل نے 30 مارچ 1951ء کو ایک قرارداد منظور کی جس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں:۔

"پاکستان اور بھارت نے اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پاک و بھارت کی 13 اگست 1948ء اور 5 اگست 1949ء کی قراردادوں کی دفعات قبول کر لی ہیں اور اقوام متحدہ کی زیر نگرانی جمہوری' آزادی اور غیر جانب دارانہ رائے شماری کے ذریعے جموں و کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کی خواہش کی تصدیق کر دی ہے۔

27 اکتوبر 1950ء کو "آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس" کی جنرل باڈی نے "ریاست کی آئندہ شکل اور الحاق" کا تعین کرنے کے لئے دستور ساز اسمبلی کا اجلاس منعقد کرنے کی قرارداد منظور کی تھی۔ ذمہ دار حلقوں کے بیانات کے پیش نظر دیکھا جاتا ہے۔ دستور ساز اسمبلی کا اجلاس منعقد کرنے کی تیاریاں جاری ہیں اور یہ کہ جس علاقے سے یہ دستور ساز اسمبلی منتخب ہو گی وہ پوری ریاست جموں و کشمیر کا صرف ایک حصہ ہے۔

دونوں حکومتوں اور متعلقہ حکام کو یاد ہو گا کہ سلامتی کونسل کی 21 اپریل / 1948ء' 3 جون / 1948ء اور 14 مارچ / 1950ء کی قراردادوں اور اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پاک و ہند کی 13 اگست / 1948ء اور 5 جنوری / 1949ء کی قراردادوں کے مطابق ریاست جموں و کشمیر کے عوام اقوام متحدہ کی زیر نگرانی آزادانہ اور جمہوری رائے شماری کے ذریعے اپنی قسمت کا فیصلہ کریں گے۔

"آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس" کی جنرل باڈی کی سفارش پر دستور ساز اسمبلی کے اجلاس کا انعقاد اور اسمبلی میں ریاست جموں و کشمیر کی آئندہ شکل اور الحاق کا تعین کرنے کی کوئی کوشش مذکورہ بالا اصولوں کے خلاف ریاست کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے مترادف ہو گی۔"

قرارداد کی منظوری کے وقت بحث کے دوران بھارتی مندوب نے سلامتی کونسل کو یقین دہانی کرائی تھی کہ مجوزہ "دستور ساز اسمبلی" کونسل کی راہ میں کسی قسم کا روڑہ نہیں اٹکائے گی۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ الحاق کا مسئلہ رائے شماری سے طے ہو گا اور بھارت اپنے اس وعدے پر قائم رہے گا بھارتی مندوب نے سلامتی کونسل کے 526 ویں اجلاس میں کہا تھا:۔

"بھارت کے آئین میں کشمیر کے لئے دستور ساز اسمبلی بنانے کے لئے دفعہ وضع کی گئی تھی۔ یہ اسمبلی کشمیر کے آئین کی تفصیلات طے کرے گی۔ کیا یہ اسمبلی الحاق کے مسئلے کا فیصلہ کرے گی؟ اس کے متعلق میری حکومت کا یہ نظریہ ہے کہ دستور ساز اسمبلی اگر چاہے تو اس مسئلے پر اپنی رائے کا اظہار کر سکتی ہے لیکن وہ کوئی فیصلہ کرنے کی مجاز نہیں۔"

اس نے سلامتی کونسل کے 538 ویں اجلاس میں دوبارہ کہا تھا:۔

"سلامتی کونسل کے بعض اراکین کو خدشہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دستور ساز اسمبلی کشمیر کے الحاق کے مسئلے پر اظہار خیال کرنے لگے گی۔ اگر اسمبلی ایسا کرنا چاہے تو اسے زبردستی روکا نہیں جا سکتا لیکن میری حکومت اس کی رائے کی پابند نہیں ہو گی اور نہ ہی سلامتی کونسل کی حیثیت خراب کرے گی"۔

ان یقین دہانیوں کے باوجود کشمیر میں بھارت نواز حکام مسلسل اعلان کرتے رہے کہ اسمبلی کشمیر کے آئندہ الحاق کا فیصلہ کرے گی۔ جب 31 مئی 1951ء کو سلامتی کونسل کا دوبارہ اجلاس ہوا تو کونسل کے صدر نے پاکستان و بھارت کے وزرائے خارجہ کے نام ایک تار بھیجا جس میں لکھا تھا

"سلامتی کونسل کے 548 ویں اجلاس منعقدہ 29 مئی 1951ء میں کونسل کے اراکین نے بھارتی مندوب کے اس بیان پر اطمینان ظاہر کیا ہے کہ سرینگر میں دستور ساز اسمبلی سلامتی کونسل کے سامنے پیش مسئلے کو نہ تو خراب کرے گی اور نہ ہی اس کے حل کی راہ میں کوئی رکاوٹ پیدا کرے گی۔ دوسری طرف پاکستان کے نمائندوں کی طرف سے مجھے دو مراسلے وصول ہوئے ہیں جن میں لکھا ہے کہ کشمیر کا مہاراجہ ریاست کی دستور ساز اسمبلی قائم کر رہا ہے۔ جس کا ایک کام شیخ عبداللہ کے الفاظ

میں "ریاست کی آئندہ شکل اور الحاق کا فیصلہ کرنا ہو گا۔"

سلامتی کونسل کی رائے میں اگر یہ رپورٹیں درست ہیں تو یہ ایک ایسا طریق کار پیدا کر دیں گی جو ریاست میں منصفانہ اور غیر جانب دارانہ استصواب کے متعلق دونوں فریقوں کے وعدوں سے متضاد ہو گا۔

یہاں 20 مارچ کی قرارداد کی یاددہانی مناسب ہوئی جس میں درخواست کی گئی تھی کہ دونوں فریق گفت و شنید کو آگے بڑھانے کے لئے خوش گوار فضا پیدا کریں گے اور کوئی ایسا اقدام کرنے سے احتراز کریں جو پرامن تصفیے کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہو۔ کونسل کو یقین ہے کہ پاکستان اور بھارت کی حکومتیں حتیٰ المقدور کوشش کریں گی کہ کشمیر کی انتظامیہ کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جو کشمیر کے آئندہ الحاق کے مسئلے پر سلامتی کونسل اور اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پاک و ہند کی قراردادوں میں درج طریق کار کے خلاف ہو۔

سلامتی کونسل کی قراردادوں اور کونسل کے صدر کی درخواست کے باوجود نام نہاد انتخابات کے ذریعے کشمیر میں دستور ساز اسمبلی قائم کی گئی۔ جس کا بھارتی منصوبے کے مطابق مقصد تھا۔ اول' اقوام متحدہ کو نظرانداز کرنا یعنی استصواب سے گریز کرنا۔ دوم' نام نہاد الحاق کی پیشکش کرنا یعنی کشمیر پر بھارت کے تسلط کو مستحکم کرنا۔

اس مرحلے پر شیخ عبداللہ بھارت کے راستے میں دیوار بننے لگا اور اس نے زور دینا شروع کر دیا کہ بھارت کے ساتھ کشمیر کا الحاق عارضی ہو گا اور وہ بھی فقط محدود معاملات میں بھارتی حکومت کے لئے اپنی راہ کے اس پتھر کو ہٹانا ضروری ہو گیا۔ لہذا اسے گرفتار کر کے نظر بند کر دیا گیا۔ اس کی جگہ بخشی غلام محمد نے لے لی جس نے جموں و کشمیر پر بھارت کی گرفت کو مضبوط تر بنانے کے لئے بھارتی حکومت سے پورا تعاون کیا۔ 1954ء میں نافذ کئے جانے والے ایک آرڈر اور وقتاً" فوقتاً" اس میں ترامیم کے ذریعے بھارتی حکومت جموں و کشمیر کو بھارت کے ایک صوبے میں منتقل کر رہی ہے۔ ریاستی ملازمت کو بھارتی ملازمت میں مدغم کرنا اور بھارتی آڈیٹر جنرل اور الیکشن کمشنر اور سپریم کورٹ کا دائرہ اختیار جموں و کشمیر پھیلا دینا' یہ سب اقدام ریاست کو بھارت کا ایک حصہ بنانے کے لئے کئے گئے ہیں۔ یہ تمام اقدام بظاہر معمولی نظر آتے ہوں گے لیکن ان کا مجموعی مقصد جموں کو کشمیر کی انتظامیہ کو بھارتی وفاق کا ایک یونٹ بنانا ہے۔

یہ تمام اقدامات بین الاقوامی معاہدے اور سلامتی کونسل کی قرارداد کے خلاف کئے گئے تھے اور انجام کار ان کی مدد سے نومبر 1956ء میں "دستور ساز اسمبلی" میں اعلان کر دیا گیا کہ "کشمیر بھارتی وفاق کا ایک اٹوٹ انگ ہے" پاکستان نے یہ معاملہ دوبارہ سلامتی کونسل میں پیش کیا اور کونسل نے 24 جنوری 1957ء کو ایک اور قرارداد منظور کی جس میں لکھا تھا:-

"سلامتی کونسل متعلقہ حکومتوں اور اتھارٹیز کو سلامتی کونسل اپنی 21 اپریل 1948ء 3 جون 1948ء' 14 اپریل 1950ء اور 30 مارچ 1951ء کی قراردادوں میں مندرج اصولوں کی یاددہانی کراتی ہے کہ ریاست جموں و کشمیر کا قطعی فیصلہ اقوام متحدہ کی زیر نگرانی آزاد اور غیر جانب دارانہ استصواب کے ذریعے کیا جائے گا۔"

"سلامتی کونسل اپنے 30 مارچ 1951ء کی قرارداد کی تصدیق کرتے ہوئے اعلان کرتی ہے کہ آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس کی جنرل باڈی کی سفارش پر دستور ساز اسمبلی کا اجلاس طلب کرنا اور اسمبلی کی طرف سے پوری ریاست یا ریاست کے کسی حصے کی "آئندہ شکل یا الحاق" کا فیصلہ کرنے کے مترادف ہو گا۔"

لیکن اس قراداد پاکستان کے باربار کے احتجاج کے باوجود بھارتی حکومت کشمیر پر اپنا تسلط مضبوط کرنے کے ذرائع اختیار کرنے میں مصروف ہے۔شاہراہوں' ٹیلی گراف' ٹیلی فون' انکم ٹیکس' براڈ کاسٹنگ اور کسٹم کے محکموں کو اپنی تحویل میں لے لینا' ریاست کے آڈٹ کے محکمے کو بھارتی آڈیٹر جنرل کے ماتحت کر دینا' ریاست میں داخلے کے لئے اجازت نامہ حاصل کرنے کے طریق کار کو منسوخ کر دینا' ریاست کے ترقیاتی منصوبوں کو بھارتی منصوبہ ساز کمیشن کی زیر نگرانی رکھنا' کشمیر تک بھارتی سپریم کورٹ کی اتھارٹی کو پھیلا دینا اور بھارتی صدر کو کشمیر سے متعلق قوانین وضع کرنے کے اختیارات دینا یہ سب ایسی زنجیریں ہیں جس میں کشمیر کو جکڑا جا رہا ہے۔

بھارت کے تازہ ترین اقدامات ظاہر کرتے ہیں کہ بھارت نے کشمیر کو اپنی انتظامیہ کا ایک حصہ بنانے اور سلامتی کونسل کو دھوکا دینے کا تہیہ کر لیا ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ بھارتی مقبوضہ کشمیر کے عوام کو بھارت کے ساتھ کشمیر کے نام نہاد "الحاق" سے کوئی سروکار نہیں۔ میں نے غیر ملکی اخبارات شیخ عبداللہ کے نظر بندی کے دوران لکھے ہوئے خط اور بخشی غلام محمد کے بیانات کے حوالوں سے ثابت کر دیا ہے کہ کشمیر میں "مذہبی جذبات اور سیاسی بغاوت کا ناقابل اعتبار ڈرامہ کشمیر کا بھارت کے ساتھ الحاق روکنے سے براہ راست تعلق رکھتا ہے۔

جموں و کشمیر کے عوام حق خوداراویت کا مطالبہ کرتے ہیں۔ وہ رائے شماری کے حق میں ہیں۔

شیخ عبداللہ کے خط میں موجود الزام بڑا واضح ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ اس کی رائے کے مطابق حضرت بل کی درگاہ سے موئے مبارک کی چوری کا واقعہ۔

"..... کشمیر میں گزشتہ کچھ عرصہ سے جو کچھ ہو رہا ہے اس سے غیر

متعلقہ واقعہ نہیں ہے۔ بھارت کشمیری عوام کی روح کو کچلنے اور ان کے ایمان کو خراب کرنے کے لئے بھارتی خزانے سے کروڑوں روپے صرف کر رہا ہے تاکہ وہ اپنے بنیادی انسانی حقوق کے مطالبے کی خاطر کسی قسم کی مزاحمت نہ کر سکیں۔"

شیخ عبداللہ نے جموں و کشمیر سے متعلق بھارتی پالیسی پر نظر ثانی کا مطالبہ کیا تھا یہ پالیسی اس کے مطابق "ان تمام برائیوں کی جڑ ہے جو موجودہ المیہ پر منتج ہوئی ہیں۔"

بھارت کا ردعمل کیا ہے؟ کیا کشمیر میں موجودہ بحران نے اسے سوچنے پر مجبور کیا ہے؟ کیا بھارت حکومت مقبوضہ کشمیر کے عوام کے پرزور احتجاج پر غور کرنے اور انہیں بنیادی انسانی حقوق دینے پر تیار ہے؟

بھارت کا دل نرم ہونے کی کوئی علامت نظر نہیں آتی۔ وہ ریاست کو طاقت کے بل بوتے پر اپنا حصہ بنانے کے منصوبے پر عمل کر رہا ہے۔

بھارتی اخبارات میں ایسی خبریں نمایاں سرخیوں کے ساتھ شائع ہوتی رہتی ہیں کہ کشمیر کی تمام بیماریوں کا واحد علاج ہے کہ ریاست کو یک دم بھارت کا حصہ بنا دیا جائے۔ اس مقصد جائے گا۔"

بھارتی صدر نے اپنے پیغام میں صدر پاکستان کو تجویز پیش کی کہ وہ دونوں مل کر عوام سے فرقہ وارانہ امن اور ہم آہنگی قائم کرنے کی اپیل کریں صدر ایوب خان نے جواب میں کہا:۔

"جناب صدر! آپ جانتے ہیں کہ میں پہلے ہی اپنے عوام سے ایسی اپیل کر چکا ہوں۔میں نے ایسا کرنے میں جلد از جلد پہل کی میں نہیں سمجھتا کہ میری دوسری اپیل کا زیادہ اثر ہو گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ شرپسند عناصر کے خلاف سخت تادیبی کارروائی کی جائے جہاں تک حکومت پاکستان کا تعلق ہے ڈھاکہ اور نارائن گنج میں فرقہ وارانہ فسادات پھیلانے والوں کے خلاف سخت کارروائی کی جا رہی ہے۔"

مشرقی پاکستان میں فرقہ وارانہ امن و امان قائم کرنے کے لئے ہمیں اپنے عوام پر ہی گولی چلانی پڑی۔

جناب صدر! یہ جواب متنازعہ فیہ نہیں تھا۔ یہ انسانی جذبات سے پر تھا اور اس میں ایک ایسے انسانی المیے پر دکھ کا اظہار کیا گیا تھا جس نے ہزاروں معصوم بچوں، عورتوں اور مردوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور جن کا قصور اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ وہ اقلیت سے تعلق رکھتے تھے۔

میری حکومت کے لئے یہ نہایت دکھ کی بات ہے کہ کلکتہ کے دوسرے حصوں میں فسادات کی وبا آہستہ آہستہ ڈھاکہ اور نرائن گنج اور مشرقی پاکستان کے بعض دوسرے اضلاع میں پھیل گئی۔ بہرحال میرے لئے یہ نہایت تسکین کی بات ہے کہ مشرقی پاکستان کی حکومت نے حکومت پاکستان کی بھرپور مدد سے بدنظمی کے خلاف سخت تادیبی کارروائی کی ہے اور اب وہاں صورت حال معمول پر آ گئی ہے۔ اس کے باوجود دونوں ملکوں میں فرقہ وارانہ صورت حال بڑی کشیدہ ہے اور اس پر مسلسل نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔

ہر مہذب حکومت کا اہم فرض ہے کہ وہ بلا امتیاز مذہب و ایمان اپنے عوام کے بنیادی انسانی حقوق کی حفاظت کرے۔

بھارت اور پاکستان میں حالیہ فسادات کا حوالہ دینے سے میرا مقصد کسی کی تعریف کرنے یا کسی پر الزام دھرنے سے ہرگز نہیں ہے۔ ضروری بات تو یہ ہے کہ دونوں حکومتوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بلاامتیاز مذہب و ایمان اپنے عوام کا تحفظ کریں۔

بھارت کشمیر کے معاملے کو ہمیشہ اپنی لا مذہبی ریاست کے پس منظر میں بڑے جوش و خروش سے پیش کرتا ہے حقیقت یہ ہے کہ جموں اور کشمیر کے عوام کو حق خود اختیاری سے محروم رکھنے کی بنا پر پاک بھارت کے تعلقات تلخ ہوتے جا رہے ہیں اور اس کا براہ راست یہ نتیجہ برآمد ہوا ہے کہ دونوں ملکوں میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے تعلقات میں زہر بھر رہا ہے۔

ہم نے ہمیشہ اپنے ہمسائے سے درخواست کی ہے اگر ہم اپنے عوام کی بہتری اور ترقی چاہتے ہیں تو ہمیں تنازعہ کشمیر کو قطعی طور پر حل کرنا ہو گا۔ اب بھارت کی جانب سے یہ سننے میں آ رہا ہے کہ دونوں ملکوں میں تصادم کی وجہ سے ہمارے عوام کے دل و دماغ میں کوئی پراسرار چیز ہے۔ ایک ایسی زہریلی بوٹی جسے تلف نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے بیانات یا تو مایوسی کے جذبے کو جنم دینے یا پھر اس بڑے مسئلے کو نظرانداز کرنے کے لئے دیئے جا رہے تھے جس نے دونوں ملکوں کے تعلقات میں زہر بھرا ہوا ہے جب کشمیر کا مسئلہ پہلی مرتبہ سلامتی کونسل میں لایا گیا تو بھارتی مندوب نے کہا تھا:۔

"ہم سلامتی کونسل کو یہ یقین دلانے کی امید رکھتے ہیں کہ اگر ہم نے ایک دفعہ مسئلہ کشمیر کا فیصلہ کر لیا تو پھر پاک و ہند کے تعلقات کو خوش گوار بنانے میں کوئی چیز مانع نہیں رہے گی۔"

ہم پوری طرح متفق ہیں لیکن حقیقت میں ہوا یہ ہے کہ گزشتہ سولہ برس سے کشمیر کا مسئلہ لٹکا چلا آ رہا ہے۔ حضرت بل کی درگاہ سے موئے مبارک کی چوری بارود کو چنگاری دکھانے کے مترادف تھی یہاں میں "لندن آبزرور" کے 26 جنوری کے پرچے میں شائع شدہ ایک خبر کا حوالہ دیتا ہوں:۔

"اس میں حیرت کی قطعی کوئی بات نہیں کہ حضرت بل کی درگاہ سے موئے مبارک کی چوری پر جو مظاہرے ہوئے ان کا اختتام کلکتہ میں خون کی ہولی پر ہوا۔"

اس جھگڑے نے پاک و ہند کے تعلقات زہر آلودہ کر دیئے ہیں دونوں ملکوں میں کشیدگی کو بڑھا دیا ہے اور جنوب مشرقی ایشیا کے امن و

تحفظ کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔ ایک ایسی صورت حال جنم لے رہی ہے جو اپنے پہلو میں کئی تہ دار خطرے لئے ہوئے ہے۔ یہ صورت حال مسئلہ کشمیر کا باعزت تصفیہ تلاش کرنے ہی سے بہتر ہو سکتی ہے۔ فقط اسی صورت میں پاک و بھارت کے تعلقات خوشگوار ہو سکتے ہیں اور ایک ایسی فضا پیدا کی جا سکتی ہے جس میں اقلیتیں امن و سلامتی کی زندگی گزار سکیں۔

جب دو برس پہلے کشمیر کا مسئلہ کونسل کے سامنے آیا تو بھارت نے یہ موقف اختیار کیا تھا کہ اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پاک و بھارت کی 13 اگست 1948ء اور 5 جنوری 1949ء کی قراردادوں کو اس لئے عملی لباس نہیں پہنایا جا سکتا کیونکہ بھارت کے مطابق پاکستان نے مذکورہ قرارداد کے تحت اپنے حصے کی ذمہ داریاں پوری نہیں کی تھیں۔

اس وقت پاکستان کے مستقل مندوب نے سلامتی کونسل کو تجویز کیا تھا کہ مندرجہ ذیل طریقوں سے جو بھی تجویز کیا جائے وہ پاکستان کے لئے قابل قبول ہو گا:

1- مذکورہ قراردادوں کے تحت دونوں فریقوں کی ذمہ داریوں کا تعین کیا جائے۔

2- قراردادوں کو عملی لباس پہنانے میں جو چیز مانع ہے اسے معلوم کیا جائے۔

3- یہ تعین کیا جائے کہ دونوں فریق اپنی اپنی ذمہ داریوں کو پورا نہ کرنے میں کہاں تک قصور وار ہیں۔

4- معاملے کو آگے بڑھانے اور عملی لباس پہنانے کے لئے دونوں فریقوں کو کیا کیا کرنا چاہئے۔ پاکستانی مندوب نے یہ بھی اعلان کیا کہ اگر مذکورہ باتوں کا تعین کرنے کے بعد یہ معلوم ہو جائے کہ پاکستان کسی طرح غلطی پر ہے تو اسی غلطی کو جلد از جلد دور کیا جائے گا تاکہ پوری قراردادوں کو لباس عمل پہنانے کے لئے راستہ ہموار ہو جائے یہ الفاظ اس نے حکومت پاکستان کی طرف سے کہے تھے۔

بھارت کا یہ موقف رہا ہے کہ بھارت کے ساتھ جموں و کشمیر کا نام نہاد الحاق قطعی اور مکمل ہے۔ لہذا بھارت کی نظر میں کشمیر کے متعلق کوئی تصفیہ طلب بات باقی نہیں رہی۔

صاف ظاہر ہے کہ پاکستان اس نقطہ نظر کو کبھی قبول نہیں کر سکتا۔ اس نقطہ نظر کو سلامتی کونسل بھی قبول نہیں کر سکتی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس بھارتی رویئے نے کشمیر کے آتش بدامن مسئلے کا پرامن حل ناممکن بنا دیا ہے۔

بھارتی ترجمان کا دعویٰ ہے کہ چونکہ کشمیر کی اسمبلی کے تین دفعہ انتخابات ہو چکے ہیں اور ان میں بھارت کے ساتھ کشمیر کا الحاق کی حمایت کی گئی ہے لہذا اب کشمیر میں یہ تعین کرنے کے لئے استصواب کی ضرورت نہیں ہے کہ کیا کشمیری عوام پاکستان کے ساتھ یا بھارت کے ساتھ الحاق کرنا چاہتے ہیں۔

اس حقیقت سے قطع نظر کہ الحاق کے خاصے مسئلے پر دستور ساز اسمبلی کے انتخابات رائے شماری کے برابر ہو سکتے ہیں کہ نہیں' یہ انتخابات بھارتی مقبوضہ کشمیر کی نام نہاد دستور ساز اسمبلی اور اس کی جانشین اسمبلیوں کے تھے۔ میں پہلے ہی بھارت کی ان یقین دہانیوں' سلامتی کونسل میں بیانوں اور پاک و بھارت حکومتوں کے درمیان خط و کتابت کے حوالہ دے چکا ہوں جن میں کہا گیا تھا کہ یہ اسمبلی الحاق کے مسئلے کا فیصلہ نہیں کرے گی اور نہ کسی طرح سلامتی کونسل کی راہ میں رکاوٹ ڈالے گی۔ اگر یہ انتخابات آزاد اور ایماندارانہ بھی ہوتے' حالانکہ بھارتی اعتراف کے مطابق وہ نہیں تھے' تو بھران کے ذریعے جموں کو کشمیر کے قطعی فیصلے پر قرارداد کو جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ انتخابات بالکل جعلی تھے۔ 1951ء میں کشمیر میں بھارتی حکومت کی حاشیہ بردار نیشنل کانفرنس کے 45 امیدوار کشمیر اور لداخ کے 145 انتخابی حلقوں سے بلامقابلہ کامیاب ہو گئے اور ووٹ ڈالنے کی نوبت نہ آئی۔ 1957ء میں 45 میں سے فقط 8 نشستوں کا مقابلہ ہوا اور ان میں بھی حزب مخالف برائے نام تھا۔ لندن کے جریدے "اکانومسٹ" نے 6 اپریل 1957ء کے شمارے میں ان انتخابات کو "مکمل جعلی" قرار دیا۔

8 مارچ 1957ء کے "نیویارک ٹائمز" نے تبصرہ کیا تھا۔

"انہیں کسی لحاظ سے انتخابات کہا ہی نہیں جا سکتا۔ انتخابات کا مطلب ہے چناؤ کا حق' کشمیریوں کو یہ حق نہیں دیا گیا۔ جو کچھ ہوا وہ بھارت کے حق میں نہیں جاتا' اس سے کشمیریوں کے جذبات کا اندازہ نہیں ہوتا اور اس نے کشمیر کے خاردار مسئلے کے حل میں کوئی مدد نہیں کی۔"

1962ء میں "ٹائمز آف لندن" نے اپنے 5 فروری کے شمارے میں لکھا تھا کہ بھارت کے سیاسی حمایتوں کے لئے میدان بالکل خالی چھوڑ دیا گیا بھارت کی حمایتی ڈیموکریٹک نیشنل کانفرنس کا دہلی کے اخبار "سلیٹ مین" کے 23 مارچ 1962ء کے شمارے میں ایک بیان چھپا جس میں کہا گیا تھا کہ سارے انتخابات جھوٹے ہیں "اخبار گارڈین" نے اپنے 16 فروری 1962ء کے شمارے میں لکھا تھا: "یہ انتخابات عوامی رائے کی مقبولیت کا میزان نہیں ہو سکتے۔" اخبار نے مزید لکھا کہ انتخابات کے مخالفوں کو حکومت نے درآمدی پرمٹ اور صنعتی لائسنس دینے بند کر دیئے ہیں اور جو لوگ انتخابات کی مخالفت کرتے ہیں ان سے نمٹنے کے لئے ایک "دستہ امن" منظم کیا گیا ہے۔ دہلی کے اخبار "ہندوستان ٹائمز" نے 12 فروری 1962ء کو اپنے اداریئے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ یہ

بڑی غیر معمولی بات تھی کہ 42 انتخابی علقوں میں سے بخشی غلام محمد نے 32 انتخابی حلقوں میں الیکشن کمشنر کے لئے کوئی کام ہی نہیں رہنے دیا۔ اخبار نے پوچھا تھا: "کیا اس کی حکومت کی پالیسیاں اتنی ہی قابل قبول ہو گئی ہیں کہ اس کے دور حکومت میں انتخابات کے طریق کار کو تائید کے طریق کار میں بدل دیں؟"

ان مختصر جھلکیوں سے ہمیں کشمیر میں ان نام نہاد انتخابات کا پتہ چلتا ہے۔ جنہیں مقبول عام رائے عامہ کا ذریعہ بنا کر بھارت کے ساتھ کشمیر کا الحاق کیا گیا ہے۔ ہندوستان ٹائمز کے 8 جنوری 1964ء کے شمارے میں ایک مضمون چھپا ہے جس میں کشمیر کے اندر بھارتی حاشیہ بردار حکومت کو انتخابی فراڈ کے ذریعے قائم رکھنے کا بھرم کھولا گیا ہے اور اس کی غیر مقبولیت پر سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ اگرچہ یہ گستاخی ہو گی لیکن میں یہاں اخبار "گارڈین" کے 31 دسمبر 1963ء کے نقطہ نظر کا حوالہ پیش کرتا ہوں

"یہ بات وسیع پیمانے پر تسلیم کی جاتی ہے اور اسے بہت سے بھارتی بھی مانتے ہیں کہ اگر کشمیر میں رائے شماری ہوئی تو کشمیر کے عوام بھارت کی بجائے پاکستان کے ساتھ رہنے کو ترجیح دیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ مسٹر نہرو نے عرصہ ہوا کشمیر میں رائے شماری کا معاہدہ واپس لے لیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ کشمیر میں انتخابات بھارت کے انتخابات کے مقابلے میں نہ تو آزادانہ ہیں اور نہ ہی جمہوری۔"

"یہ آتش گیر مسئلہ بھارت کے یہ کہنے سے حل نہیں ہو سکتا کہ اس کا گھریلو معاملہ ہے۔ یہ مسئلہ ریاست کے علاقے پر جھوٹے بھارتی دعوے کے حق میں بے ربط اور بے بنیاد دلیلیں دینے سے حل نہیں ہو گا۔ اس مسئلے کی موجودگی کو نظر انداز کر کے اور اس کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اسے حل نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے برعکس صورت حال زیادہ خراب ہو سکتی ہے اور حقیقت میں گزشتہ کئی برس سے اور خصوصاً گزشتہ چند ہفتوں میں زیادہ خراب ہو چکی ہے۔

دو برس پہلے سلامتی کونسل کے اجلاس میں اس مسئلے پر کونسل کے زیادہ تر اراکین کی رائے یہ تھی کہ اس جھگڑے کا باعزت اور منصفانہ تصفیہ تلاش کرنے کے لئے پاک و بھارت کو دو طرفہ گفت و شنید کرنی چاہیے۔

نومبر 1962ء میں امریکہ اور برطانیہ کی مساعی کے نتیجے میں پاکستان کے صدر اور بھارت کے وزیر اعظم مسئلہ کشمیر کا حل تلاش کرنے کے لئے دو طرفہ گفتگو پر متفق ہو گئے۔ گفت و شنید کے اس سلسلے میں حکومت پاکستان کی نمائندگی میں نے کی۔ گفت و شنید دسمبر 1962ء سے مئی 1963ء تک جاری رہی اور بالکل ناکام ثابت ہوئی۔ گفت و شنید کی ناکامی کا سبب بھارت کی ہٹ دھرمی اور تنازعہ کشمیر کے کسی باعزت اور منصفانہ حل کی طرف اس کا کٹر موقف تھا۔

اس گفت و شنید کے دوران امریکہ اور برطانیہ کی حکومتیں کسی معاہدے پر پہنچنے کے لئے دونوں فریقوں کی مدد اور ہمت افزائی کرتی رہیں پھر انہوں نے اپنی خدمات ایک اور انداز میں پیش کیں۔ انہوں نے تجویز کیا کہ دونوں حکومتیں ایک ایسے ثالث کے تعین پر متفق ہو جائیں جو تنازعہ کشمیر کے جلد تصفیے میں دونوں فریقوں کی معاونت کرے گا۔ جب پاکستان حکومت برطانیہ اور امریکہ سے ثالثی کے متعلق چند باتوں کی وضاحت طلب کر رہا تھا تو بھارت کے وزیر اعظم نے بھارتی لوک سبھا میں 13 اگست 1963ء کو ایک بیان دے کر ثالثی کی تجویز کو سبوتاژ کر دیا۔

اس کے بعد جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں' بھارتی حکومت نے 3 اکتوبر کو جموں و کشمیر کے الحاق کے منصوبے کا اعلان کر دیا۔ اس سلسلے میں پہل بخشی غلام محمد کی حکومت نے کی اور بعد میں بھارتی حکومت کے ترجمان نے بھی اعلان کر دیا۔ اس اعلان کے تباہ کن نتائج آج جموں و کشمیر میں رونما ہو رہے ہیں۔

میں سلامتی کونسل کے اراکین سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس تنازعہ کے پرامن اور فوری حل کے لئے موثر قدم اٹھائیں۔

جس صورت حال کا ذکر میں نے سلامتی کونسل سے کیا ہے اس نے بلاشبہ ثابت کر دیا ہے کہ خواہ کتنا ہی وقت گزر جائے کشمیری عوام بھارتی تسلط سے کبھی مفاہمت پیدا نہیں کریں گے یہ بات ذہن میں رکھنی ہو گی کہ خواہ وہ کتنے ہی نہتے کیوں نہ ہوں وہ آزاد کشمیر اور پاکستان میں اپنے بھائیوں سے خواہ کتنے دور رکھے جائیں' ان کی آواز کو خواہ کتنا ہی دبایا جائے۔ وہ اپنی جدوجہد آزادی کو ابد تک جاری رکھیں گے۔ یہ جدوجہد بہادرانہ ہے وہ بھارتی مشکلات اور سخت مصائب میں گرفتار ہیں۔ بھارت نے ہر دس کشمیریوں پر ایک سپاہی تعین کر رکھا ہے۔ میں حیران ہوں کہ انصاف اور اخلاق کے پیش نظر پاکستان کس طرح خاموش رہ سکتا ہے جب کہ کشمیری عوام کو مسلسل تشدد کے ذریعے دبائے کی کوشش جاری ہو۔

اگرچہ کشمیر کے متعلق معاہدے کو لباس عمل پہنائے بغیر سولہ برس گزر چکے ہیں لیکن اس سارے عرصے میں نہ تو پاکستان اور نہ ہی بھارتی مقبوضہ کشمیر کے عوام نے اس مسئلے کو نظر سے اوجھل ہونے دیا ہے۔ ہم کسی وقت بھی اپنے حق پر مبنی دعوے سے پیچھے نہیں ہٹے۔ کبھی کوئی ایسا وقت نہیں آیا۔ جب پورے پاک و ہند میں اس جھگڑے سے پیدا شدہ کشیدگی میں کمی واقع ہوئی ہو۔

میں یہاں یہ بھی عرض کروں گا کہ اگر کسی بین الاقوامی تنازعہ کے سلسلہ میں وقت گزرنے کے ساتھ کسی فریق کو فائدہ پہنچنے کا اصول تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ بات اقوام متحدہ کے چارٹر کو ختم کرنے کے سلسلے میں بھی صحیح ہو سکتی ہے۔ پھر یقیناً کوئی نو آبادیاتی حکومتوں کو ختم کرنے کا

مطالبہ نہ کرتا کیونکہ اس صورت میں کوئی بھی نو آبادیاتی حکومت ایسی نہ ہوتی جسے طوالت وقت کی حمایت حاصل نہ ہوتی۔ اگر سلامتی کونسل 1948ء میں کشمیر پر اپنا اختیار استعمال کرنے کی مجاز تھی تو وہ 1964ء میں ایسا کرنے کی کیوں کر مجاز نہیں ہو سکتی؟ اگر یہ کہا جائے کہ حالات تبدیل ہو گئے ہیں تو وہ فقط اس لحاظ سے تبدیل ہوئے ہیں کہ 1948ء میں کشمیری عوام کشمیر میں بھارت کے خلاف مسلح جنگ میں مصروف تھے۔ اور اب 1964ء میں انہوں نے بھارت کے خلاف بغاوت کر دی ہے اگر یہ تبدیلی ان لوگوں کے خلاف جاتی ہے جنہوں نے اقوام متحدہ کی اس یقین دہانی پر کہ ان کے حقوق انہیں پرامن طریقے سے مل جائیں گے اپنے ہتھیار رکھ دیئے تھے تو کیا یہ انہیں دوبارہ اشتعال دلانے والی بات نہ ہو گی؟ فرض کیا کہ سلامتی کونسل یا اس کے کسی رکن کا یہ مقصد نہیں کہ وہ ایسی اشتعال انگیزی کو جائز قرار دینے کی بنیاد کیسے بنایا جا سکتا ہے؟

اگر اس سوال کا سامنا حقیقت پسندانہ طور پر کیا جائے تو مجھے یقین ہے کہ سلامتی کونسل کے اراکین یہ محسوس کئے بغیر نہ رہیں گے کہ تنازعہ کشمیر دراصل چھوٹے ملکوں کو بڑے ہمسایہ ملکوں کے تسلط سے بچانا اور بین الاقوامی معاہدوں کی تکریم کرنے کا مسئلہ ہے۔ تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی جہاں طوالت وقت نے انسانی حقوق اور فطری انصاف کے موقف میں کمزور ہونے کے باوجود کسی طاقت ور قوم کے حق میں فیصلہ دیا ہو۔ موجودہ صدی میں دو جنگیں لڑی گئی ہیں۔ ان دونوں جنگوں کا مقصد بڑی قوتوں کے خلاف چھوٹی قوموں کے حقوق کا تحفظ کرنا تھا۔ اگر کشمیر میں اب یہ مثال قائم کر دی جائے کہ بڑی قومیں چھوٹی قوموں کے حقوق سلب کر سکتی ہیں اور بین الاقوامی معاہدے کو نظرانداز کیا جا سکتا ہے تو اس صورت میں علاقائی جھگڑوں کے تصفیے میں قوت کے استعمال کی مذمت کے سلسلے میں سویٹ روس کے وزیراعظم خروشیف اور امریکہ کے صدر جانسن کے بیانات اور اقوام متحدہ کے چارٹر کے اصول اپنی حیثیت کھو بیٹھے ہیں۔

میں اس باوقار ادارے کے سامنے اپنی حکومت اور سب سے بڑھ کر انسانیت کے نام پر یہ کہنے کے لئے حاضر ہوا ہوں کہ سلامتی کونسل برصغیر پاک و ہند کے عوام کی بھلائی اور پورے ایشیا میں امن قائم رکھنے کے لئے تنازعہ کشمیر کے حل کی خاطر جلد از جلد مناسب اقدام کرے۔ کشمیر کے عوام نے بلاشبہ کھلی بغاوت کر دی ہے اور اب وہ بھارتی تسلط سے ہرگز مفاہمت نہیں کریں گے مجھے یقین ہے کہ سلامتی کونسل بھارت پر دباؤ ڈالے گی کہ وہ بین الاقوامی معاہدے اور کشمیری عوام کو اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کرنے کے حق کو نظرانداز نہ کرتے ہوئے اپنے ساتھ کشمیر کا الحاق کرنے سے احتراز کرے۔

میں نے اپنی تقریر کے آغاز میں کہا تھا کہ یہ مسئلہ انسانی آبادی کے چھٹے حصے کی زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ ان لوگوں کی اکثریت بے پناہ افلاس میں بسر اوقات کر رہی ہے۔ انہیں اپنی حالت بدلنے اور معیار زندگی بلند کرنے کا ایسا چیلنج درپیش ہے جس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ دونوں ملکوں کو بڑے اشد مسائل کا سامنا ہے۔ یہ کس قدر غلط ہو گا کہ ہم اپنی قومی طاقتوں کا زیاں کر کے ایک دوسرے سے متصادم ہو جائیں۔

پاکستان اور بھارت کے عوام نے اس لئے جنگ آزادی لڑی تھی کہ وہ اپنے ان گنت زمانوں کے مصائب و تکالیف دور کر کے عزت و وقار کے ساتھ خوش حال زندگی بسر کر سکیں۔ سترہ برس کے بعد ہم کہاں کھڑے ہیں؟ ہمارے افق پر نفرت و تصادم کے سیاہ بادل گھرے ہوئے ہیں۔ ہم ایک خوف ناک طوفان کی آمد کے متوقع ہیں۔ کیا یہ افسوس ناک صورت حال نہیں ہے لیکن حالات کے موجودہ دھارے کو تبدیل کرنا اس باوقار ادارے، پاکستان اور بھارت کے اختیار میں ہے۔ جناب صدر، اگر پرامن زندگی بسر کرنے کا ارادہ ہو تو ایسی زندگی بسر کرنے کے ذرائع تلاش کرنا ہمارے اختیار میں ہے۔ آزادی کو تشدد سے دبایا جا سکتا ہے لیکن کسی کو انجام کار اس سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ وقت کا قاعدہ ہے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ کشمیر کے عوام ایک دن ضرور آزاد ہوں گے۔ آیا یہ آزادی خون خرابے سے حاصل ہو گی یا مہذب ذرائع اختیار کرنے سے، اس بات کا انحصار اس ادارے کے فیصلوں اور ہماری طرف سے ان فیصلوں کے احترام پر ہے۔

سلامتی کونسل کے 1114ویں اجلاس منعقدہ 11 مئی 1964ء میں تقریر

جناب صدر!

بھارتی نمائندے کا بیان اچھی خاصی سرزنش اور دشنام طرازی پر مشتمل تھا۔ چونکہ میرے ملک کے عوام نے یہ بیان پڑھا ہے لہٰذا ان میں سے زیادہ تر کا یہی فطری مطالبہ ہو گا کہ میں اینٹ کا جواب پتھر سے دوں۔ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت بنیادی انسانی جذبہ ہے اور اس تحریص کو روکنا آسان نہیں ہوتا۔ لیکن بھارتی نمائندے کے مقابلے میں میری حیثیت مختلف ہے وہ ہمیں درپیش مسئلے کے حل کو نظرانداز کرنے کا خواہش مند ہے۔ لیکن میرا فرض اس مسئلے کا جلد از جلد تصفیہ کرانا ہے۔ مسئلے کی کراہت اور کشمیری عوام کے مصائب کے پیش نظر میں اپنے آپ کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا کہ اس المیے کو ختم کرنے کی راہ سے بھٹک جاؤں جو 1947ء سے کشمیر کی غم ناک زمین کی قسمت بن چکا ہے، ہمارا مذاق اڑانے اور سلامتی کونسل کو الجھن میں ڈالنے کے لئے بھارتی نمائندے کو کھل کھیلنے کی آزادی حاصل ہے دوسری طرف میری آزادی کی راہ میں میرا فرض حائل ہے۔ میں سلامتی کونسل پر بار بار زور دوں گا اور ممکن ہے کہ سلامتی کونسل کے کچھ ارکان اکتاہٹ بھی محسوس کریں لیکن اس کے باوجود

میں یہ کہوں گا کہ جب تک سلامتی کونسل خود موثر طور پر مسئلے پر غور نہیں کرے گی' مسئلہ خود بخود حل نہیں ہو سکتا میرا اولین مقصد ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ میرا یہ فرض ہے کہ مسئلے سے متعلق ریکارڈ کو بھی درست اور صحیح حالت میں رکھنے میں مدد دوں۔ یہ خوش کن کام نہیں' لیکن ہے بہت ضروری' کیونکہ جہاں لاکھوں انسان کے مستقبل کا سوال ہو' جہاں ایک ملک کی عزت اور وقار کا مسئلہ ہو تو کوئی شخص بھی ضمیر کے خلاف چلنے کی جرات نہیں کر سکتا۔

بھارتی وزیر تعلیم کی تقریریں غیض و غضب کی جو ایک سین یہ نظر آتی ہے اس کے نیچے مایوسی کی رو صاف دکھائی دیتی ہے۔ اس مایوسی کی وجہ ہے کہ کشمیر میں رائے عامہ کی پرشکوہ طاقت نے ریاست پر بھارتی تسلط کے ہر قسم کے اخلاقی اور سیاسی سہارے کو بھی ختم کر دیا ہے شاید بھارتی نمائندے نے اس مایوسی کا اظہار سمجھا ہے لیکن اس کے بیان کا غیر معمولی پہلو حقائق اور دلائل کا افلاس نہیں بلکہ بے تکی باتوں کا پلندہ ہے۔

سلامتی کونسل کے اراکین نے بلاشبہ دیکھا ہو گا کہ بھارتی نمائندے نے اپنے بیان میں بھارت اور چین کے درمیان صورت حال' سیٹو اور سینٹو جکارتہ کے واقعات' بنگال میں مسیحی اقلیت' پاکستان کی ثقافت' فوجی معاہدوں کی خرابی اور کئی دوسرے موضوعات کا ذکر کیا ہے۔ اس نے اپنی تقریر کا آغاز چین کے ساتھ بھارت کے تصادم سے کیا تھا۔ جس کا بھارتی مقبوضہ کشمیر کی موجودہ صورت حال سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تصور کرتے ہوئے کہ استدلال اور توازن کے راستے کو برقرار نہ رکھنا بھارتی پالیسی کے خلاف نہیں' ان بے مقصد باتوں کا ذکر کوئی حادثہ معلوم نہیں ہوتا۔ ایسا جان بوجھ کر کیا گیا ہے اس کا مقصد صاف ظاہر ہے اور وہ مقصد اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا کہ سلامتی کونسل میں کشمیر کی بحث کو اس قدر پیچیدہ بنا دیا جائے کہ ہر تعمیری تجویز کا دم گھٹنے لگے۔

میں نے اپنے پہلے بیان میں پاکستان و بھارت کے اندر فرقہ وارانہ صورت حال کے ذکر سے دیدہ دانستہ گریز کیا تھا کیونکہ پاکستان اور بھارت کے وزرائے داخلہ بھارتی مسلمانوں کے انخلا اور دونوں ملکوں کی اقلیتوں میں سلامتی اور تحفظ کا احساس بحال کرنے کے مسئلہ کو حل کرنے کے لئے حال ہی میں آپس میں ملے ہیں' میں نہ تو ان کی کوششوں کو تعصب کا رنگ دینا چاہتا ہوں اور نہ ہی فرقہ وارانہ جذبات کو بھڑکانے کا خواہش مند ہوں۔

اس کے برعکس بھارتی وزیر تعلیم نے قتل و غارت لوٹ مار اور پاکستان میں ہندوؤں' مسیحیوں اور بدھوں پر ظلم و ستم کے الزامات عائد کر کے مذہب کی دبی ہوئی چنگاری کو ہوا دینے کی کوشش کی ہے۔ دنیا بخوبی جانتی ہے کہ بھارت کے مختلف حصوں میں اور خصوصاً مشرقی بھارت میں مسلمان عورتوں' مردوں اور بچوں کو وسیع پیمانے پر قتل کیا گیا ہے اور ان کی املاک' مکانات اور عزت کو بری طرح لوٹا گیا ہے۔

جس یک طرفہ ذہنیت سے بھارتی نمائندے نے میرے ملک کے خلاف زہر اگلا ہے اس کے تحت اس نے یہ بھی الزام عائد کیا ہے کہ پاکستان مذہبی امتیاز کی بنا پر معرض وجود میں آیا تھا۔ جرم کو دوسروں کے حوالے سے ثابت کرنے کی یہ کوشش فقط میرے ملک کے خلاف ہی بہتان نہیں۔ بلکہ جنوبی افریقہ کے عوام کی مساوات' انصاف اور آزادی کی جدوجہد کی بھی ہتک ہے۔

بھارتی وزیر تعلیم کو معلوم ہونا چاہئے کہ نظریہ پاکستان کی بنیاد صحیح طور پر اسلام پر قائم ہے۔ جس نے نسل' عقیدے' رنگ سے قطع نظر انسانی مساوات اور عزت کو برقرار رکھنے کے لئے شان دار جدوجہد کا ثبوت دیا ہے۔ اسلام کے اس انقلابی کردار کو کائناتی طور پر تسلیم کیا گیا ہے اور مجھے اس بات پر افسوس ہے کہ مسٹر چھاگلا نے اسلام کے نظریئے کو رجعت پسندانہ اور قرون وسطیٰ کی چیز قرار دیا ہے۔ اسلام کسی تسلیم شدہ ملائیت کا قائل نہیں۔ ہم پاکستان کے عوام اور ایشیا اور افریقہ کے تمام مسلمان اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ سیاسی معاشرتی اور اقتصادی شعبوں میں انسانی مساوات کے تمام جدید نظریئے اسلام کی تعلیمات میں واضح طور پر ملتے ہیں۔ اقوام متحدہ کے تمام مسلمان ملکوں نے اپنے دستور میں اسلام کو ملک کا سرکاری مذہب قرار دے رکھا ہے کیا اس سے وہ رجعت پسند اور غیر تہذیب یافتہ بن گئے ہیں؟ کیا بھارتی وزیر تعلیم ان ممالک کے آئین میں یہ دفعہ شامل ہونے کے باعث انہیں مذہبی امتیاز کا پرچار خیال کرے گا۔

میرا خیال تھا کہ بھارتی نمائندہ مذہبی امتیاز وغیرہ جیسی اصطلاحیں استعمال کرنے سے خاص طور پر گریز کرے گا کیونکہ اس قسم کے مذہبی امتیاز کی واضح مثال بھارت کے ذات پات کے نظام میں جکڑا ہوا ہے اور یہ نظام انسانی مساوات' انسانی تکریم اور انسانی قدر و قیمت کی بہت بڑی تردید ہے۔

اگر پاکستان کی تخلیق "مذہبی امتیاز" کا نتیجہ تھی تو برصغیر کے مسلمان اس جرم کے مرتکب نہیں ہوئے تھے بلکہ اس کا شکار ہوئے تھے۔

بہت سے بھارتی رہنماؤں کے ساتھ یہ مصیبت ہے کہ وہ اس بات پر اصرار کرتے ہیں کہ پاکستان اور اس کے عوام اپنے عقیدے کی روحانی اقدار ترک کر دیں جو ان کے طرز حیات کی مشعلیں ہیں اگر پاکستان اور اس کے عوام نے ایسا نہ کیا تو بھارت پاکستان کے آزاد اور خود مختار وجود اور اسے زندگی کی حقیقت کے طور پر قبول کرنے پر تیار نہ ہو گا۔ نظریاتی تشدد کی ایسی کوششیں پرامن بقائے باہمی کے اصولوں کے خلاف ہیں کیونکہ انہیں اصولوں پر عالمی امن اور انسانی وقار کا انحصار ہے۔

یہ کہنے میں شاید میں نے ان مساعی کو خراج تحسین پیش کر دیا ہو جو بھارت میں ہماری معاشرے کو ایک لادینی معاشرہ بنانے کے لئے جاری ہیں' کیونکہ اگر بھارت کے اندر کوئی مسلمان اسلام کی قدروں اصولوں اور رہنمائے حیات طاقتوں پر عمل نہیں کر سکتا تو پھر وہ یقیناً ایک لادینی شہری بن

گیا ہے۔

ایک اور معاملے میں بھی میں ریکارڈ کو صحیح کرنا چاہتا ہوں کہ بھارتی وزیر تعلیم نے وہاں میرا غلط حوالہ دیا ہے' پارلیمنٹ میں مداخلت جس کا بھارتی وزیر نے حوالہ دیا ہے' کے متعلق میں نے یہ کہا تھا کہ ملکوں کے مابین تعلقات اور بین الاقوامی جھگڑوں کے تصفیے کے سوال میں ملکوں کی اندرونی سیاسی اور معاشرتی طرز حکومت کا ذکر غیر مناسب ہوتا ہے۔ اس بیان کی وضاحت کرتے ہوئے میں نے اس موقعہ پر اور کئی دوسرے مواقع پر کہا تھا کہ خواہ بھارت میں پارلیمنٹری جمہوریت ہو اور پاکستان میں صدارتی طرز حکومت' خواہ بھارت میں براہ راست انتخابات ہوتے ہوں اور پاکستان میں بالواسطہ طور پر خواہ بھارت میں ذات پات کا نظام ہو اور پاکستان اس سے مبرا ہو ——— یہ تمام سوال مسئلہ کشمیر کے تصفیے کے حوالے سے بے جا ہیں جو کچھ میں نے اس وقت کہا تھا اور جواب کہتا ہوں۔ وہ ابتدائی بین الاقوامی قانون ہے اور پنچ شیلا کا بھی ایک اصول ہے میں حیران ہوں کہ بھارتی وزیر تعلیم پنچ شیلا کے اصول اتنی جلدی بھول گئے ہیں حالانکہ ان کا ملک کئی برس سے ان کا جوش و خروش سے پرچار کر رہا ہے لیکن دنیا اسے یہ اصول فراموش کرنے کی اجازت نہیں دے گی۔

مسٹر چھاگلہ نے پاکستان کو مسیحی دنیا کی نظروں میں بدنام کرنے کے خاصی تکلیف کی ہے میں کونسل کے سامنے پاکستان کے مسیحی رہنماؤں کے جذبات پیش کرتا ہوں جنہوں نے 14 مارچ کو ایک مشترکہ بیان میں کہا تھا:

"ہم نے پاکستان کی آبادی کی اکثریت کی طرف سے کبھی فرقہ وارانہ عداوت یا بدسلوکی کا خطرہ محسوس نہیں کیا"

ایک بیان 7 اپریل 1964ء کو اخبارات میں شائع ہوا تھا۔ بیان میں کہا گیا تھا:

"ہمارے ساتھ پاکستان میں کبھی بدسلوکی نہیں ہوئی۔ ہم نے اپنے مکانات بلاوجہ خود کے تحت چھوڑے تھے۔ ایک دن ہم نے دیکھا کہ بنگشی اور ہیجنگ قبیلے کے لوگ اچانک پاکستان سے بھارت کی طرف منتقل ہونے لگے۔ ہم ایک ماہ وہاں رہے اس کے بعد بھارتی افسر ہم عیسائیوں کو دور دراز کے علاقوں میں منتقل کرنے لگے۔ ہم اس بات سے خوف زدہ ہو گئے اور واپس پاکستان جانا چاہتے تھے اس پر بھارتی افسر مشتعل ہو گئے اور انہوں نے ہمیں پاکستان جانے سے روک دیا۔"

گارو قبیلہ کی پاکستان سے منتقلی کا حوالہ دیتے ہوئے صدر پاکستان نے مشرقی پاکستان میں 4 مارچ کو ایک بہت بڑے جلسے سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ پاکستان کی خواہش ہے کہ ہجرت کرنے والے تمام لوگ واپس آجائیں حکومت ہر لحاظ سے ان کی مدد کرے گی اور ان کی واپسی تک ان کے مکانوں کی حفاظت کرے گی۔ صدر پاکستان کے اعلان کی روشنی میں یہ قبیلے اب بتدریج واپس پاکستان میں آ رہے ہیں۔ اب تک گارو عیسائیوں کے بارہ ہزار سے زیادہ کنبے واپس آچکے ہیں۔

عیسائی اقلیت کے ساتھ پاکستان میں جو سلوک ہو رہا ہے اس کے سلسلے میں ایک پاکستانی عیسائی رہنما مسٹر جوشوا فضل دین کے بیان کا حوالہ دیتا ہوں۔ مسٹر جوشوا فضل دین پوپ کا تحفہ حاصل کر چکے ہیں اور انہوں نے انجیل کا منظوم ترجمہ کر رکھا ہے۔ حوالہ شروع ہوتا ہے:۔

"گارو قبیلہ کو پاکستان چھوڑنے کی ترغیب دینے کے ساتھ ساتھ مالی مدد بھی دی گئی تھی۔ گارو قبیلہ کا پاکستان سے منتقل ہونا اس سلوک کا صحیح پیمانہ تصور نہیں کیا جاسکتا جو پاکستان میں عیسائی اقلیت سے ہو رہا ہے"۔

عیسائیوں کو پاکستان میں مکمل معاشرتی آزادی اور تحفظ حاصل ہے اور اس کا ثبوت وہ عیسائی سکول' کالج' ہسپتال اور دوسرے ادارے ہیں' جن کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ ان کی مکمل مذہبی آزادی کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ پاکستان میں کلیساؤں اور مذہبی سکول کالجوں کی تعداد میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے نیز عیسائی مبلغوں کو اپنے مذہب کی تبلیغ کی پوری آزادی ہے۔"

بھارتی نمائندے نے لادینی بھارت میں اقلیتوں کی حالت کی بڑی عمدہ تصویر کشی کی ہے۔ اب میں بھارتی پارلیمنٹ کے ایک عیسائی رکن کے فرقہ وارانہ صورت حال سے متعلق خیالات کونسل کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ مسٹر فرانک انتھونی پاکستان کے پرچارک نہیں ہیں۔ بھارتی پارلیمنٹ میں مسٹر انتھونی کی تقریر کے دوران پرجوش نعروں سے بار بار مداخلت کی گئی' اور انہیں تقریر مکمل کرنے سے روک دیا گیا۔ بھارت میں جو مسٹر چھاگلہ کے الفاظ میں لادینی جمہوریت کا نمونہ ہے۔ بھارتی پارلیمنٹ کے سرکاری ریکارڈ کے مطابق مسٹر انتھونی نے 14 اپریل 1964ء کو کہا تھا:

"آپ ان کو" ——— بھارتی مسلمانوں کو ——— "بھارت کے لئے محبت اور وفاداری پر کس طرح مائل کر سکتے ہیں جب کہ ہر تھوڑے وقفے کے بعد انہیں قتل کا نشانہ بنایا جاتا ہو' ان کی املاک تباہ کر دی جاتی ہوں اور ان کی عورتیں محفوظ نہ ہوں۔"

مسٹر انتھونی کے مطابق بھارتی حکمران پارٹی فرقہ پرستی سے بھری پڑی ہے:۔

"بعض ریاستوں کا جائزہ لیں' حکمران پارٹی کے سرکردہ رہنماؤں کا جائزہ لیں ان کی سوچ اور فرقہ پرستی کے گہرے رنگ میں رنگے ہوئے لوگوں کی سوچ میں کوئی فرق نہیں۔"

کٹر ہندو تنظیموں کے بارے میں مسٹر انتھونی یہ کہتے ہیں:۔

"ملک میں مشہور فرقہ پرست جماعتیں ہیں۔ ان کا نام لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

ہر کوئی ان سے واقف ہے ان کے انکار اور تردید کے باوجود ان کے مقاصد واضح ہیں۔ المیہ تو یہ ہے کہ ان کے سیاسی ہی نہیں بلکہ نیم عسکری

مقاصد بھی ہیں۔"

اس بیان پر گہرے غور کی ضرورت ہے۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ بھارتی حکومت نے ایسی کٹر فرقہ پرست جماعتوں کو اجازت دے رکھی ہے جن کا حلفیہ مقصد اقلیتوں کو نیس و نابود کرنا اور نیم عسکری فوج قائم کرنا ہے۔

کلکتے کے ایک انگریزی اخبار "سٹیٹس مین" نے اپنے 4 مئی کے شمارے میں اپنے خصوصی نامہ نگار کے حوالے سے ایک رپورٹ شائع کی ہے اس نامہ نگار نے مشرقی بھارت کے فسادات زدہ علاقے کا دورہ کرنے کے بعد فسادات میں انتظامیہ کے ہاتھ کا ذکر کیا ہے:۔

"انہوں نے"_ ہندوؤں نے ------" یہ بات سیکھ لی ہے کہ اگر قتل و غارت، لوٹ مار اور دوسرے جرائم منظم طور پر کئے جائیں تو یہ کام بخوبی کئے جاسکتے ہیں۔"

مسٹر جے پرکاش نارائن جیسے بھارتی نمائندے نے بھارت میں ایک مختصر گروہ کی نحیف آواز کی ترجمان ظاہر کیا ہے اور جو درست بات نہیں کیونکہ مسٹر نرائن تحریک آزادی ہند کے فسادات زدہ علاقوں کا دورہ کرنے کے بعد بھارتی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے سپیکروں کو خط لکھا تھا۔ اس خط کا متن بھارتی اخبارات میں 17 اپریل کو شائع ہوا تھا:

"میں نے شہر (جمشید پور) کے تمام متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا لیکن مسلمان مہاجروں کے سترہ کیمپوں میں سے دو سے زیادہ کو دیکھنے کی ہمت نہ کر سکا۔"

وہ فسادات کی تفصیل بیان کرتے ہیں جن کے بارے میں بھارتی حکومت بظاہر بے نیازی اختیار کئے ہوئے تھی:۔

"اتنے وسیع پیمانے پر خوف ناک واقعات رونما ہوئے ہیں مگر بھارتی حکومت کو ملک کی سطح پر ان کا احساس ہی نہیں ہوا۔"

اس خط میں ان جرائم کی منظم نوعیت پر بھی زور دیا گیا ہے۔:

"اس بات کے متعلق میرے ذہن میں کوئی شبہ نہیں کہ ان فسادات کے پیچھے کسی منظم ادارے کا ہاتھ ہے۔ وہ افواہیں گھڑ کر پھیلاتا ہے اور مخصوص صورت حال پیدا کرنے کے لئے روپیہ خرچ کرتا ہے اور اس سارے عمل کی سیاسی اور فلسفانہ صفائی پیش کرتا ہے۔"

یہ سب کچھ بھارت میں ہو رہا ہے۔ لادینی بھارت میں، جمہوری بھارت میں، جدید بھارت میں۔

بھارتی انتظامیہ اس تشدد اور منظم قوت کو دبانے میں کیوں ناکام رہی ہے۔ اس سوال کا جواب مسٹر نارائن کے خط میں دیا گیا ہے:۔

"اس سے شہری انتظامیہ کی ناکامی اور فرقہ وارانہ جراثیم کے مقابلے میں قانون کی قوتوں کے غیر موثر ہونے کا ثبوت بھی مہیا ہوتا ہے۔"

خط کے مطابق فرقہ پرستی کے ان جراثیم نے بھارتی سیاسی جماعتوں کو بھی متاثر کیا ہے:

"یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ اس علاقے کی تین بڑی سیاسی جماعتیں، کانگرس، سیوک سنگھت پارٹی، اور سی پی آئی کی مزدور انجمنیں منظم جرائم کے مقابلے میں بالکل ناکارہ بن کر رہ گئیں۔"

اور آخر میں مسٹر نارائن کا خط کہتا ہے:

"یہ بھی ثابت ہو گیا کہ تعلیم "وزیر تعلیم کے لئے یہ جملہ دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ "جس میں سائنس اور انجینئرنگ کی تعلیم بھی شامل ہے" جرم و تشدد کے باعث بند ہو گئی۔"

25 اپریل 1964ء کے مسٹر جے پرکاش نارائن اور دوسرے ساتھ بھارتی رہنماؤں نے کلکتے میں بھارت کے فرقہ وارانہ فسادات کے بارے میں ایک مشترکہ بیان جاری کیا۔ میں اس بیان کے بعض اقتباسات پیش کرتا ہوں:۔

"بھارت میں جو خوف ناک واقعات ہوئے ہیں وہ اپنی نوعیت میں اس قدر حیوانی اور شرمناک ہیں کہ ان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔"

بیان میں یہ بھی کہا گیا تھا:

"عورتوں اور وہ بھی حاملہ عورتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے ہیں، بچوں کو آگ میں پھینکا گیا ہے اور جوان لڑکیوں کے ساتھ زنا بالجبر کر کے انہیں موت کی گھاٹ اتار گیا ہے۔"

اس کے مقابلے میں پاکستان کے مسلمانوں نے ہندو شہریوں کو بچانے کے لئے اپنی زندگیاں جس طرح خطرے میں ڈال دیں، بھارتی رہنماؤں کے بیان میں اسے بھی تسلیم کیا گیا ہے:۔

"پاکستان میں کم از کم تیس مسلمان اپنے ہندو ہمسایوں کی زندگی بچانے کے لئے اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔"

بھارتی سیاسی زندگی کی یہ حقیقت یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بھارت میں ایسی منظم سیاسی جماعتیں موجود ہیں جن کی اپنی نیم عسکری تنظیمیں اور پرائیویٹ فوجیں موجود ہیں۔ انہیں پھولنے پھلنے کی اجازت ہے اور ان کا بڑا مقصد بھارت کے پانچ کروڑ مسلمانوں کو قوت اور تشدد کے بل پر نیست و نابود کرنا اور ان کی جداگانہ مذہبی اور ثقافتی حیثیت کو ختم کرنا ہے۔ میں یہ بات پورے احساس ذمہ داری سے کر رہا ہوں اور اگر اس عالمی ادارے میں مجھے یہ بات سچ ثابت کرنے کے لئے کہا گیا تو میں ایسا کرنے سے گریز نہیں کروں گا۔ مثال کے طور پر مجھے مسٹر فرانک انتھونیکی اس تقریر کا حوالہ دینے کی اجازت دی جائے، جو انہوں نے بھارتی پارلیمنٹ میں کی تھی اور جسے 14 اپریل کو لندن کے اخبار "ٹائمز" میں رپورٹ کیا گیا ہے۔

"ٹائمز" کے نامہ نگار نے اپنے مراسلے میں لکھا تھا۔ "ان کی تقریر کا لب لباب یہ الزام تھا کہ امسال فرقہ وارانہ فسادات کی وجہ وہ خبریں نہیں تھیں جو مشرقی پاکستان میں ہندوؤں پر مظالم سے متعلق اخبارات میں شائع ہوئی تھیں، بلکہ بھارت میں ہندوؤں پر مظالم سے متعلق اخبارات میں شائع ہوئی تھیں، بلکہ بھارت میں ہندوؤں کی منظم سیاسی جماعتوں کی

سازش کا نتیجہ تھیں- اس نے دعویٰ کیا کہ سیاسی جماعتوں "مثلاً جن سنگھ اور ہندو مہا سبھا" کے تنخواہ دار کارکن مسلمانوں کے قتل عام کے ذمہ دار تھے' اور انہوں نے قبائلی لوگوں کو نہ صرف مسلمانوں پر بلکہ اینگلو انڈین فرقے کے بے ضرر' بے ہتھیار مردوں' عورتوں اور بچوں پر حملے کرنے کی ترغیب دی تھی-"

"بھارتی سرکاری حلقوں کی طرف سے قاتلوں کو مثالی سزا دینے کی ضرورت پر جو زور دیا جاتا رہا ہے اس کے نتیجے میں اس سال کی قتل و غارت گری کے سلسلے میں قتل کے فقط چند مقدمے درج کئے گئے ہیں-"

اس کے باوجود بھارتی نمائندہ اپنے ملک کو جدید اور لادینی ملک کہتا ہے جس میں مختلف زبانوں اور نسلوں کے لوگ رہتے ہیں' اور میرے ملک پر مذہبی جنون اور مذہبی فسطائیت کا حامل ہونے کا الزام لگاتا ہے-

مدراس سے کانگرس کے رکن مسٹر این' ایم انور نے حال ہی میں راجیہ سبھا میں بے باکانہ طور پر کہہ کر ہلچل مچادی کہ برسراقتدار کانگرس پارٹی میں مسلمان ممبر فقط "نمائشی" حیثیت رکھتے ہیں- مالی بل پر بحث میں حصہ لیتے ہوئے مسٹر انور نے بھارت میں مسلم اقلیت کے مسائل پر پوری روشنی ڈالی اور کہا کہ بھارت کے پانچ کروڑ مسلمان ان گنت مسائل سے دوچار ہیں-

انڈین یونین مسلم لیگ کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر انور نے کہا کہ اس ادارے نے "اکثر اوقات بھارتی مسلمانوں کے دل و دماغ کی ترجمانی کی ہے" انہوں نے شیخ عبداللہ کی رہائی کا خیر مقدم کیا اور اس امید کا اظہار کیا کہ شیخ عبداللہ جو کشمیر کی تقدیر کے حقیقی معمار ہیں' بھارت اور پاکستان کے تعلقات استوار کرنے میں مد ثابت ہوں گے-

بھارتی پارلیمنٹ کے ممبر مسٹر انور نے سلامتی کونسل میں باھرتی نمائندے کی طرح کہا تھا-

"شیخ عبداللہ بھارت کی ہندو اکثریت کو یہ سبق دینا چاہتے ہیں کہ اگر آپ مسلمانوں کی حقیقی قیادت کی تلاش میں ہیں تو مسلمانوں کے نمائشی رہنماؤں کے پاس مت جائیں- وہ ہندو معاشرے کے لئے سودمند نہیں بلکہ نقصان دہ ثابت ہوں گے-"

موجودہ مشترکہ انتخابی نظام کے تحت ہندو معاشرے کو مسلمانوں کے خیالات معلوم کرنے کا موقع ہی میسر نہیں ہوتا کیونکہ بہت سے ایسے مسلمانوں کو جنہیں کانگرس پارٹی قبول کر چکی ہے' وہ ہندو اکثریت کے "نمائشی لڑکے" ہیں-

میں نے اپنے 17 فروری کے بیان میں سلامتی کونسل کے اراکین کو مشرقی بھارت کے تری پورہ اور آسام کے علاقوں سے زبردستی نکالے گئے مسلمانوں کے حال زار کا ذکر کیا تھا- بھارتی حکومت کے نمائندے نے دعویٰ کیا تھا:-

"بھارت کے پانچ کروڑ مسلمانوں میں سے شاید ہی کوئی بھارت چھوڑنے پر رضامند ہو-"

میں وزیر تعلیم کے اس بیان کو چیلنج کرتا ہوں- گزشتہ جنوری میں فرقہ وارانہ فسادات کے بعد مغربی بنگال سے ملحقہ ضلعوں سے تقریباً ایک لاکھ مسلمان مہاجرین مشرقی پاکستان میں آئے- فقط کلکتہ میں تقریباً دو ہزار خاندانوں نے پاکستان کے ڈپٹی ہائی کمشنر سے مشرقی پاکستان میں سیاسی پناہ حاصل کرنے کی درخواست کی-

اب تک تقریباً ایک لاکھ تیس ہزار مسلمان بھارتی حکام کے منصوبے کے تحت اپنا سب کچھ لٹا کر مشرقی پاکستان میں داخل ہو چکے ہیں- بھارتی حکومت کو احساس ہونا چاہئے کہ موجودہ حالات میں مسائل کی جڑ بھارت سے مسلمانوں کو نکالنے کے بارے میں بھارتی پالیسی ہے- گزشتہ دو برس میں ایک لاکھ تیس ہزار بے خانماں مسلمان مشرقی پاکستان میں داخل ہو چکے ہیں- بھارت سے مسلمانوں کے انخلا کے اس تسلسل نے پاکستانی ہندو اقلیت کے ذہن میں بے یقینی اور عدم تحفظ کا احساس پیدا کر دیا ہے- علاوہ بریں بھارتی حکام ہندوؤں کو پاکستان سے ہجرت کرنے کے جو لالچ دے رہے ہیں- اس سے ہماری مشکلات میں مزید اضافہ ہو رہا ہے-"

سلامتی کونسل کے اراکین جانتے ہیں کہ پاکستان میں بدھ مت کے پیروکاروں کی تعداد تقریباً پانچ لاکھ ہے- بھارتی وزیر تعلیم نے کہا ہے کہ ہم اپنے بدھ بھائیوں سے "برا" سلوک کر رہے ہیں- آیئے دیکھیں کہ پاکستان میں بدھوں کے رہنما کیا کہتے ہیں- ایشیائی بدھ کانفرنس میں آسام کے بدھی وفد کے رہنما نے یہ بیان دیا تھا:-

"میں اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ پاکستان میں مختلف مذاہب کے مابین باہمی عزت کی مثال کے طور پر جیسا کہ مہذب ملکوں میں ہوتا ہے' ہماری حکومت نے ہمیں ڈھاکہ میں مشرقی پاکستان میں "بین الاقوامی بدھ یونیورسٹی اور ملحقہ ادارے قائم کرنے کے لئے زمین کا ایک بڑا وسیع قطعہ بطور عطیہ دے رکھا ہے- علاوہ بریں حکومت پاکستان تعلیم' ثقافت اور معاشی زندگی کے شعبوں میں ترقی کے لئے ہمیں تمام سہولتیں مہیا کر رہی ہے-"

اگرچہ بھارتی وزیر تعلیم نے پاکستان کے اندر مسیحیوں کے ساتھ نام نہاد بدسلوکی کا ذکر کیا ہے لیکن مشرقی پاکستان بھارت میں کئی برس سے ناگاؤں کے ساتھ- جن میں سے زیادہ تر مسیحی ہیں- ظلم و ستم کے بارے میں انہوں نے خاموشی اختیار کر رکھی ہے- ناگاؤں کے متعلق پہلے تازہ ترین رپورٹ کا حوالہ دینے کی اجازت دی جائے جو لندن کے اخبار "آبزرور" کے فروری ء کے شمارے میں شائع ہوئی تھی-

"ناگالینڈ کی اطلاعات سے جنوری کو نئی ناگاسٹیٹ اسمبلی کے انتخابات سے پہلے اور بعد سخت فوجی دباؤ کا پتہ چلتا ہے-"

نامہ نگار نے آنکھوں دیکھا حال بیان کیا ہے جس کا میں حوالہ دیتا ہوں:

"4 / دسمبر کو تین گاؤں جلا دیئے گئے اور وہاں کے عوام کو بری طرح پیٹا گیا۔ عورتوں اور بچوں کو بھی معاف نہ کیا گیا۔ ایک ایک سالہ بچے کو اس کی ماں سے چھین کر اس کے ہاتھوں کے ٹکڑے کر دیئے گئے۔"

یہ حکومت پاکستان کی رپورٹ نہیں بلکہ "آبزرور" لندن کی خبر ہے۔

خبر میں مزید لکھا ہے:

"پانچ آدمی مار مار کر ہلاک کر دیئے گئے' چار کو گولی کا نشانہ بنایا گیا' انہیں اس لئے منتخب کیا گیا تھا کہ وہ اپنے علاقے میں بارسوخ تھے"۔

"ناگاؤں پر اس قسم کے ظلم و ستم ایک مدت سے روا رکھے جا رہے ہیں۔ ناگاؤں کے جذبے کو کچلنے کی بھارتی تحریک کے باوجود ان بہادر لوگوں نے اپنی آزادی کے خلاف بھارت کے تمام حملوں کی مزاحمت کی ہے۔"

"ہم لطف مگر کسی حد تک بیزاری کے ساتھ بین الاقوامی معاملات کے رسے پر ایک عظیم کھیل دیکھ رہے ہیں۔ پاکستان نے ایک پاؤں سیٹو اور سینٹو اور دوسرا قدم چینی کیمپ میں رکھ کر اس کھیل میں عظیم مہارت حاصل کی ہے۔"

مزے کی بات یہ ہے کہ بھارت کا لطف اور بیزاری فقط پاکستان کے لئے ہی مخصوص ہیں' سیٹو اور سینٹو کے دوسرے مغربی اتحادیوں کے لئے نہیں جنہوں نے چین کو تسلیم کر رکھا ہے اور عالمی امن کے مفاد میں اس ملک کے ساتھ تعلقات بڑھانے کی خواہش مند ہیں۔

کیا میں بھارتی نمائندے سے پوچھ سکتا ہوں کہ ان کا اپنا ملک کیا کر رہا ہے؟ بھارت کا ایک پاؤں کیمونسٹ کیمپ میں اور دوسرا مغربی کیمپ میں ہے۔ یہ دونوں دھنوں پر رقص کر رہا ہے۔ اگرچہ اس نے غیر جانبداری کا دعویٰ کر رکھا ہے لیکن یہ دونوں کو فریب دینے میں مشغول ہے۔ بھارت اشتراکی اور غیر اشتراکی دونوں بلاکوں سے امداد حاصل کرتا ہے۔ بھارت کے ہاتھ بڑے لمبے ہیں۔ یہ مشرق سے بھی مانگتا ہے اور مغرب سے بھی۔ آج نیو یارک ٹائمز میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ بھارت امریکہ سے بھارتی فوجی مدد طلب کر رہا ہے۔ کیا بھارت اب بھی خود کو غیر جانبدار ملک کہہ سکتا ہے" اس کے باوجود بھارت مسلسل طور پر سیٹو اور سینٹو کی آڑ میں پاکستان کی مذمت کر رہا ہے حالانکہ یہ دونوں معاہدے دفاعی نوعیت کے ہیں۔

دنیا کی صورت حال میں کوئی بھی تبدیلی کیوں نہ ہو' بھارت اسے اپنے حق میں بنا لیتا ہے۔ کوئی بھی تبدیلی ہو' بھارت اسے کشمیر پر اپنا تسلط مضبوط کرنے کے جواز میں شامل کر لیتا ہے۔ جب پاکستان نے امریکہ سے فوجی مدد حاصل کی تو بھارت کے مطابق کشمیر کی صورت حال میں تبدیلی واقع ہو گئی اور اس نے کشمیری عوام کے حق خودارادیت کو عملی جامہ پہنانے سے انکار کر دیا۔ جب پاکستان نے سیٹو اور سینٹو میں شمولیت کی تو بھارت کے مطابق کشمیر کی صورت حال بدل گئی اور وہ کشمیری عوام کے حق خودارادیت کے خلاف ہو گیا۔ جب دنیا دو نمایاں بلاکوں میں منقسم ہو گئی تو بھارت کے مطابق کشمیر کی صورت حال پھر سے اسی کے حق میں بدل گئی اور اس نے کشمیری عوام کو ان کی مرضی کے خلاف اپنے ساتھ رہنے پر مجبور کر دیا۔ اب جب کہ بھارت نے فوجی مدد حاصل کر لی ہے تو اب بھی کشمیری عوام کو ان کے حق خودارادیت سے محروم کرنے اور انہیں اپنی خواہشات کے مطابق غیر جانبدارانہ اور آزادانہ طور پر اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے سلسلے میں کشمیر کی صورت حال بھارت کے حق میں تبدیل ہو گئی ہے اور آج جب کہ جانبداری اور غیر جانبداری کا تصور بڑی حد تک تبدیل ہو گیا ہے تو ایک بار پھر بھارت کے مطابق کشمیر کی صورت حال اس کے حق میں بدل گئی ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اسے ریاست جموں و کشمیر کو ہضم کرنے اور بھارت کا اٹوٹ انگ بنانے کی اجازت دی جائے دوسرے الفاظ میں' خواہ کوئی تبدیلی ہو' ایک حقیقت غیر متغیر رہتی ہے اور وہ یہ ہے کہ کشمیر کی صورت حال کبھی وہاں کے عوام کے حق میں تبدیل نہیں ہو گی حال ہی میں جکارتہ میں منعقدہ ہونے والی دوسری افروایشیائی کانفرنس کے ابتدائی اجلاس کا بھلا سلامتی کونسل کی موجودہ بحث سے کیا تعلق ہو سکتا تھا؟ یہ بات ہم سب کے لئے حیران کن ہو گی لیکن میرا وفد اس کی حقیقت سے بخوبی واقف ہے اور یہ بھی سمجھتا ہے کہ بھارتی نمائندہ جو ایک نامور قانون دان ہے اور اسے قانون کے پیشے سے محبت بھی ہے' آخر کیوں سلامتی کونسل میں غیر متعلقہ حوالے دینے کا شوقین واقع ہوا ہے۔ اس نے کہا تھا:

"پاکستان اور چین اور بعض دوسرے ملکوں نے۔" وہ تسلیم کیوں نہیں کرتا' وہ انڈونیشیا۔ گروہ بندی کر کے سوویت روس کو ایشیائی دنیا میں جگہ دینے اور ملیشیا کو بطور ایک ایشیائی ملک افروایشیائی کانفرنس میں شامل کرنے سے روک دیا۔ حالانکہ انہیں ایسا کرنے کا حق حاصل نہ تھا۔"

یہ بیان صحیح نہیں ہے بھارتی نمائندے نے یہ بیان پاکستان کو غلط طور پر پیش کر کے بعض حلقوں میں ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔

جکارتہ کے اجلاس میں جو کچھ ہوا اسے میرے لئے واضح طور پر بیان کرنا ضروری ہے۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ بھارت نے دوسرے افروایشیائی کانفرنس کو منعقد ہونے سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ جب اس کی تمام مساعی ناکام ہو گئیں تو بھارتی نمائندہ جکارتہ پہنچا۔ ابتدائی اجلاس کے

اختتام سے دو روز پہلے کسی قسم کا مشورہ کئے یا نوٹس دیئے بغیر بھارت نے تجویز پیش کر دی کہ سوویت یونین کو بھی دوسری افرویشیائی کانفرنس میں مدعو کرنا چاہئے۔ اس تجویز پر تمام وفود کو حیرت ہوئی کیونکہ پہلی بنڈونگ کانفرنس میں سوویت یونین نے شرکت نہیں کی تھی۔ سامراجیت اور نو آبادیت کے خلاف افریقہ اور ایشیا کے عوام کی جدوجہد میں سوویت روس ایک ایشیائی ملک ہے۔ دوسرے وفود نے اپنی حکومتوں سے ہدایات وصول کرنے کے لئے وقت مانگا۔ میں نے پاکستان کی طرف سے یہ واضح کر دیا کہ ہم کراچی اور راولپنڈی سے ہدایات وصول کئے بغیر بھارتی تجویز کے متعلق کچھ نہیں کہیں گے۔ لہٰذا بھارت کا یہ کہنا کہ پاکستان نے دوسرے ملکوں کے ساتھ گروہ بندی کر کے سوویت یونین کو ایشیائی دنیا میں جگہ دینے سے محروم کر دیا' سراسر بے جا بات ہے۔ دوسرے ملکوں سے مراد بھی انڈونیشیا اور فقط انڈونیشیا کے سوا اور کوئی ملک نہیں۔

جہاں تک ملیشیا کا تعلق ہے' میں نے واضح طور پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ جتنی جلدی ممکن ہو ملیشیا کو دوسری افرویشیائی کانفرنس میں مدعو کرنا چاہئے۔ میں نے یہ تقریباً 14 اپریل کو بھارتی وفد اور دوسرے وفود کی موجودگی میں کی تھی۔

بھارتی نمائندے نے پھر سے پاکستان پر "کسی دوسرے ملک کا" دو ہزار مربع میل علاقہ چین کے حوالے کرنے کا الزام لگایا ہے۔ پاکستان نے ایک مربع انچ زمین بھی چین کے حوالے نہیں کی۔ سرحدی گفت و شنید جو باہمی تعاون کے ماحول میں ہوئی تھی۔ اس کے نتیجے میں چین نے اپنا 750 مربع میل کا علاقہ پاکستان کے حوالے کر دیا تھا۔ یہ علاقہ کوہ قراقرم سے پرے واقعہ ہے اور سندھ اور تارم دریا کے طاس میں پانی کا بہت ذخیرہ سمجھا جاتا ہے۔ سرحد معاہدے سے پہلے یہ علاقہ چین کی ملکیت تھا اور ہمیشہ سے اس کے قبضے میں چلا آتا تھا۔ انیسویں صدی کے آخر میں جب برطانوی حکمرانوں نے ریاست جموں و کشمیر پر اپنے کنٹرول کا دعویٰ نہیں کیا تھا' جس کے متعلق آج بھارت پاکستان پر چین کے حوالے کرنے کا الزام لگا رہا ہے۔ نہ ہی برطانوی حکمرانوں نے کبھی اس 750 مربع میل کے علاقے پر دعویٰ کیا تھا' جو عوامی جمہوریہ چین نے پاکستان کے حوالے کیا ہے۔ اس کے برعکس ہندوستان میں برطانوی حکومت کی طرف سے چینی حکام کو ارسال کردہ مراسلے میں مذکورہ علاقے پر چین کے قبضے کو تسلیم کیا گیا ہے' اور یہ مراسلہ برطانوی اور پاکستانی حکومتوں کی تحویل میں موجود ہے۔

بھارتی نمائندے کو معلوم ہونا چاہئے کہ جہاں سرحدوں کی تقسیم غیر واضح ہو اور علاقے کئی صدیوں سے دوسرے فریق کے پاس رہے ہوں تو ایک ایسے علاقے کے بارے میں "حوالے کر دینا" کے لفظ استعمال کرنا مضحکہ خیز ہو گا جو کبھی کسی کے قبضے میں نہ رہا ہو اور جس سے متعلق بین الاقوامی قانون کے مطابق دعویٰ کرنا ممکن ہو۔ بھارتی نمائندے نے جس دو ہزار مربع میل کے علاقے کو چین کے حوالے کرنے کا ذکر کیا ہے' وہ اس کے اپنے تخیل کی پیداوار ہے۔

چین پاکستان سرحدی معاہدے کی دنیا کی تمام حکومتوں اور اخبارات نے خیر مقدم کیا ہے اور اسے سیاسی دانش مندی پر مبنی تصفیہ قرار دیا ہے۔

مجھے یہ واضح کرنے کی اجازت دی جائے کہ پاک چین سرحدی معاہدہ کسی طرح جموں و کشمیر کے علاقے کی حیثیت پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ یہ اقوام متحدہ کے کمیشن پاک و بھارت کی قراردادوں کے مطابق ریاست سے فوجوں کے انخلا میں حائل نہیں ہوتا۔ یہ کشمیری عوام سے حق خودارادیت نہیں چھینتا۔ سرحدی معاہدے کا آرٹیکل 6 خاص طور پر ان تمام معاملات کی حفاظت کرتا ہے مجھے اس معاہدے سے حوالہ دینے کی اجازت دی جائے۔

آرٹیکل 6

"دونوں فریق اس بات پر متفق ہیں کہ پاکستان کے مابین تنازعہ کشمیر کے طے ہو جانے کے بعد فریق کے پاس کشمیر جائے گا وہ موجودہ معاہدے کے آرٹیکل 2 کی رو سے موجودہ معاہدے کی جگہ ایک دوسرے معاہدے پر دستخط کرنے کے لئے عوامی جمہوریہ چین کے ساتھ دوبارہ مذاکرات کا آغاز کرے گا۔ اگر کشمیر پاکستان کے حصے میں آیا تو موجودہ معاہدے اور مذکورہ پروٹوکول کی دفعہ دوسرے معاہدے میں شامل کی جائیں گی جو پاکستان اور عوامی جمہوریہ چین کے مابین طے پائے گا۔"

ہمارے لئے یہ آرٹیکل درج کرنا ضروری نہیں تھا۔ لیکن ہم نے اسے فقط اس لئے درج کیا کہ یہ تنازعہ سلامتی کونسل میں ہے اور اس کا تصفیہ اسی عالمی ادارے نے کرنا ہے۔ ہم نے یہ آرٹیکل محض اس لئے رکھا کہ اگر سلامتی کونسل نے چاہا تو استصواب کے ذریعے فیصلہ بھارت کے حق میں ہو گیا تو بھارت کو عوامی جمہوریہ چین کے ساتھ سرحدی معاہدے پر دوبارہ گفت و شنید کرنے کا قانونی حق حاصل ہو گا۔

بھارتی نمائندے نے اپنے اس نظریے کو پھر سے دہرایا ہے اس نے سلامتی کونسل کے یکم فروری کے اجلاس میں پیش کیا تھا:

"کشمیر میں حال ہی میں جو کچھ ہوا ہے اس کے سیاق و سباق میں چین کے غیر قانونی زیر تسلط علاقے کی بحالی ہی کافی نہیں ہے بلکہ چین کی طرف سے آئندہ کسی حملے کی مزاحمت کے لئے بھی ایسا کرنا بہت ضروری ہے۔ چین کے مسلسل تشدد کے خلاف لداخ کا دفاع جو کہ کشمیر کا شمال مشرقی حصہ ہے' کشمیر کے بغیر ناممکن ہے۔"

یہاں بھارت نے کشمیر پر تسلط قائم رکھنے کے لئے ایک دلیل پیش کی ہے اور یہ دلیل پیش کرتے وقت بھارتی نمائندے نے کشمیری عوام کے

حق خودارادیت اور ان بین الاقوامی معاہدوں سے روگردانی کی ہے جنہیں وہ تسلیم کر چکا ہے بھارتی نمائندے کا کہنا ہے کہ چین کے خلاف بھارت کے دفاع کے لئے کشمیر بے حد اہم ہے۔ یہ ایک خطرناک نظریہ ہے۔ بھارت کی فوجی حکمت عملی اور نو آبادیاتی خیالات کو بین الاقوامی معاہدوں کے تقدس پر اثر انداز نہیں ہونا چاہئے۔ بھارت کے اس نظریے کے کھوکھلے پن کا اندازہ لگانے کے لئے سلامتی کونسل کے اراکین کو اس علاقے کے نقشے پر فقط ایک نظر یکھنا کافی ہو گا۔ بھارت کی سلامتی کونسل کے اراکین کو اس علاقے کے نقشے پر فقط ایک نظر دیکھنا کافی ہو گا۔ بھارت کی سلامتی کو نہ تو لداخ اور نہ کشمیر کی وادی کے راستے سے کوئی خطرہ ہے۔ بھارت کے مرکز پر حملہ کرنے کے اور کئی آسان اور ممکن راستے موجود ہیں۔ بھارت کے دفاع کے نام پر بھارت اقوام متحدہ کے چارٹر کی نفی کرنے پر تلا ہوا ہے۔ کون ہٹلر اور گوبلز کی زبان میں باتیں کر رہا ہے؟ کون سے ملک نے "میں کمیف" کی رسوائے زمانہ کتاب سے صفحے مستعار لئے ہیں؟

آپ کشمیری عوام کو اس لئے غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رکھنا چاہتے ہیں، کیونکہ آپ ڈرتے ہیں کہ کشمیری عوام کو پابہ زنجیر کئے بغیر آپ چین کے خلاف بھارت کا بخوبی دفاع نہیں کر سکتے۔ آج آپ کشمیری عوام کو پابہ زنجیر پہنانا چاہتے ہیں لیکن کل آپ اشتراکی چین کے خلاف اپنے دفاع کی خاطر نیپال، مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کو پابہ زنجیر کرنا چاہیں گے۔ سلامتی کونسل میں اس سے زیادہ خطرناک اور شرپسند نقطہ نظر پہلے کبھی پیش نہیں کیا گیا۔

بھارت کئی برس سے دوسرے ملکوں میں اپنا تصور ایک ایسے ملک کی حیثیت سے پیش کر رہی ہے جو جنگ کو روکنے، عالمی کشیدگی کو دور کرنے نو آبادیت کو ختم کرنے اور بڑے ملکوں کے خلاف چھوٹے ملکوں کے حقوق کی حفاظت کرنے میں پیش پیش ہو۔ لیکن گاہے بگاہے اس تصور کے برعکس حقیقت رونما ہو جاتی ہے۔ بھارتی نمائندے نے پاکستان کے خلاف اپنی زہر افشانی کے زور میں ایسے اصول وضع کئے ہیں جو طاقت ور ملکوں کو کمزور ملکوں پر اپنی مرضی نافذ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ سامراج جن برائیوں کو جنم دیتا ہے، انہیں اس کے لئے کسی فلسفیانہ معقولیت کے رنگ میں پیش کرنا مشکل نہیں ہوتا۔ بھارتی حکومت نے 1962ء میں چینی حکومت کے نام ایک سفارتی مراسلہ ارسال کرتے ہوئے لکھا تھا کہ بھارت کی سرحدیں شمال مغرب میں پامیر سے عوامی جمہوریہ چین کے ساتھ ساتھ برما پر ختم ہوتی ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اس کا دعویٰ تھا کہ فقط کشمیر ہی نہیں بلکہ نیپال، سکم، بھوٹان اور برما کا ایک حصہ بھی بھارت کی سرحدوں کے اندر ہے۔ یہ جعلی اور باغیانہ دعوے بھی بھارتی نمائندے کے موجودہ دعوے کی طرح بھارتی حکومت کی داخلی سوچ کی غمازی کرتا تھا۔ یعنی تمام چھوٹے ہمسایہ ملک اور علاقے بھارتی اثر یا تسلط میں رہنے چاہئیں کیونکہ یہ چین کے خلاف بھارت کے دفاع کے لئے ضروری ہے۔

آپ چھوٹے ملکوں کو ہڑپ کر سکتے ہیں لیکن آپ کسی حالت میں بھی پاکستانی عوام کے جذبے پر حکمرانی نہیں کر سکتے وہ کشمیری عوام اور اس علاقے کی تمام چھوٹی ریاستوں کے عوام کی آزادی کی خاطر کا ساتھ دیں گے۔

دنیا ان وجوہات سے بے خبر نہیں ہو گی جن کے باعث بھارت خود کو ایک ایسے ملک کی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ جو جنگ کے ذریعے علاقہ چین سے لینے کے لئے تلا بیٹھا ہو لیکن یہاں بھی بھارت دہرا کھیل کھیلنے میں مصروف ہے۔ ایک طرف تو وہ مغربی طاقتوں کو متاثر کرنے کی کوشش میں ہے اور دوسری طرف کولمبو پلان کے ذریعہ عوامی جمہوریہ چین کے ساتھ پرامن تصفیہ کے لئے گفت و شنید کر رہا ہے۔ اس طرح وہ مغربی ملکوں سے بھاری فوجی امداد حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ غیر جانبداری کا ڈھونگ بھی رچائے ہوئے ہے۔ دنیا بھارت کے اس دہرے برتاؤ کو کہاں تک برداشت کرے گی؟

بھارت مسئلہ کشمیر کو جائداد کا کوئی مسئلہ سمجھے ہوئے ہے۔ بھارتی وزیر تعلیم نے اپنی تقریر کے دوران کشمیر میں اپنے ملک کی حیثیت کو اس مالک مکان سے تشبیہ دی تھی جس نے کسی مکان کا سودا کر لیا ہو، اور اب اس مکان کی کنجیاں اور کاغذات اس کے قبضے میں ہوں۔ بھارتی وزیر کا کہنا ہے کہ کشمیر کے سابقہ مہاراجہ نے کشمیر کو بھارت کے سپرد کیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ کشمیر میں پاکستان کے کردار کو ایک نقب زن کا کردار بیان کرتا ہے لیکن پاکستان سلامتی کونسل کے سامنے خود کو نہ تو ایک نقب زن، نہ ہی ایک خود ساختہ مالک اور نہ ہی کشمیر کے ایک جاگیردار مالک کی حیثیت پیش کرنے آیا ہے۔ ہم اب بھی اور کئی مرتبہ پہلے بھی یہ موقف لے کر آتے رہے ہیں کہ کشمیر کسی کی ملکیت کا حصہ نہیں؟ اس کی قسمت پر الحاق کے کسی معاہدے کے ذریعے مہر ثبت نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ اس کے برعکس یہ وہاں کے مسلمانوں، ہندو، سکھ، عیسائی باشندے ہی ہیں جو اپنی قسمت کا فیصلہ خود کرنے کے مجاز ہیں۔

گزشتہ کئی برس سے بھارت اس بین الاقوامی ادارے میں اور بڑی حد تک پوری دنیا میں کشمیر پر اپنے مالکانہ حقوق ثابت کرنے میں مصروف ہے وہ نیم قانونی دلائل کا تارپود بن کر اس میں کشمیری عوام کو الجھانے کی کوشش بھی کر چکا ہے۔ کشمیر کی ایک مدت سے دبی ہوئی آواز اب پھر سنائی دی ہے اور اس نے واضح طور پر بھارت کو بتا دیا ہے کہ کشمیر کسی کی جائیداد نہیں اور نہ ہی اس کے چالیس لاکھ عوام مال غنیمت ہیں۔ انہوں نے حق خودارادیت کا نعرہ بلند کیا ہے اور کہا ہے کہ دنیا کے دوسرے

حصوں کی طرح کشمیر میں بھی یہ حق تسلیم کیا جائے۔ بھارتی وزیر تعلیم نے شکایت کی ہے کہ کونسل کی طرف سے اس اصول کی مسلسل حمایت بعض ملکوں کے اندھے پن اور بعض ملکوں کی عادت کے سوا کچھ نہیں اس نے دنیا کو دھوکا دینے کی جو کوشش کی ہے اس میں اسے خود اپنی ذات کو دھوکا نہ دینا چاہئے۔

بھارتی وزیر تعلیم نے کشمیر میں پاکستان کے حقوق سے متعلق سلامتی کونسل کے اراکین سے متعدد سوالات پوچھے ہیں۔ کونسل نے گفتار و کردار دونوں لحاظ سے ان سوالات کے واضح جواب مہیا کر دیئے ہیں۔ اگر کونسل چاہے تو وہ ایک مرتبہ پھر بھارتی وزیر تعلیم کو مسئلہ کشمیر سے متعلق منظور کردہ قراردادیں یاد دلا سکتی ہے۔

انصاف اور کشمیری عوام کے حقوق کے سلسلے میں پاکستان کو جو عالمی حمایت حاصل ہے' پاکستان اسے تمغہ امتیاز تصور نہیں کرتا۔ پاکستان کو کسی ایسے تمغے کی ضرورت نہیں نہ ہی بھارتی نمائندے کی طرح اپنے ملک کے سینے پر کوئی امتیازی نشان آویزاں کرنے کا خواہش مند ہوں۔ خود ستائشی انہیں ہی مبارک ہو۔ پاکستان کی سیٹو اور سینٹو کی رکنیت کے سبب افریشیائی مقاصد کو جو "نقصان" پہنچا ہے اس پر غور کرنے کے لئے افریشیائی ملکوں کو جو دعوت دی گئی ہے' میں اس کا خیرمقدم کرتے ہوئے اپنے افریشیائی دوست ممالک سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس دعوت پر ضرور غور کریں۔ میں بھارت کی غیر جانبداری' اس کی عملی شکل و صورت اور اس کی سود مندی پر تبصرہ کرنے سے گریز کروں گا۔ جہاں تک پاکستان کے معاہدوں اور وفاداریوں کا تعلق ہے' ہر کوئی جانتا ہے کہ وہ ہمارے تمام ملکوں سے دوستانہ تعلقات کی پالیسی کے راستے میں حائل نہیں ہیں۔ ہم کبھی اپنے اتحادیوں سے اصولی اختلافات پر بات چیت کرنے سے نہیں ہچکچائے۔ ایشیا اور افریقہ کی تحریک آزادی کی حمایت میں ہم کبھی متزلزل نہیں ہوئے۔

جہاں تک نسلی امتیاز کا تعلق ہے' ہم شروع ہی سے بھارت اور دوسرے تمام صحیح الفکر ملکوں کے دوش بدوش اس غلط اور برے اصول کی مخالفت کرتے چلے آ رہے ہیں۔ چونکہ پاکستان افریقہ اور ایشیا کے بہت سے دوسرے ممالک کی طرح 1946ء میں اقوام متحدہ کا رکن نہیں تھا' لہٰذا ہم اس عزت کا دعویٰ نہیں کر سکتے کہ یہ مسئلہ سب سے پہلے ہم نے اقوام متحدہ میں پیش کیا تھا۔

بھارتی نمائندہ یہ انکشاف کرنے کے لئے بڑے بے چین تھا کہ پاکستان اور جنوبی افریقہ کے درمیان ابھی تمام تجارتی تعلقات منقطع نہیں ہوئے ہم یہاں نسلی امتیاز جنوبی افریقہ کے خلاف بندشوں کے مسئلے پر بحث کرنے جمع نہیں ہوئے۔ ان معاملات پر کئی دوسرے اجتماعات میں بحث ہو چکی ہے اور سلامتی کونسل میں موجودہ بحث کے ختم ہوتے ہی سلامتی کونسل ان ذرائع پر غور کرنے لگی جس کے ذریعے جنوبی افریقہ کو مجبور کیا جا سکے کہ وہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کو نظرانداز کرنے کی پالیسی ترک کر دے جہاں تک جنوبی افریقہ کے ساتھ پاکستان کی تجارت کا سوال ہے میں یہ کہنا چاہتا ہوں اور یہ بات سلامتی کونسل کے نام پاکستان کے خط سے پہلے یہ خاصی مشہور ہو چکی ہے کہ پاکستان اور جنوبی افریقہ کے مابین درامدی اور تجارتی تعلقات بالکل منقطع ہو چکے ہیں اور اب میری حکومت جنوبی افریقہ کو پاکستانی مصنوعات کی برآمد ختم کرنے کے مسئلے پر غور کر رہی ہے۔ میں سرسری طور پر سلامتی کونسل کے اراکین کی توجہ دستاویز 21/521-115/ایل 55 مورخہ 5 مارچ 1964ء کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں' جس میں جنوبی افریقہ کی غیر ملکی تجارت کے اعداد و شمار ہیں۔ اس دستاویز کے مطالعے سے پتا چلے گا کہ بھارت نے جنوبی افریقہ سے اپنا نام نہاد تجارتی بائیکاٹ کے باوجود اس ملک سے تجارتی تعلقات ختم نہیں کئے۔

ہم سلامتی کونسل میں اپنے سابقہ بیانات میں بھارت یا پاکستان کے ساتھ کشمیر کا الحاق جموں و کشمیر کے عوام ہی کر سکتے ہیں یہ کہنے سے کہ مہاراجہ کے الحاق کے ذریعے کشمیر بھارت کا ایک حصہ بن چکا ہے' کشمیر اور بھارت کے مابین کوئی رابطہ استوار نہیں ہوتا اور نہ ہی رومانی قسم کے استدلال سے رابطے استوار ہوا کرتے ہیں۔ لیکن اس قسم کی جوشیلی تقریروں جسے بھارت اپنی قومیت کی بنیاد کو زیر بحث لانا چاہتا ہے اور اس شیرازہ بندی کو مشتبہ قرار دینا چاہتا ہے جس نے پوری بھارتی قوم کو یکجا کر رکھا ہے۔ کشمیر بھارت کا حصہ نہیں ہے۔ لہٰذا کشمیری عوام کو اپنی قسمت کا خود فیصلہ کرنے کا اختیار دینے سے بھارت اپنے کسی حصے سے محروم نہیں ہوتا لیکن کشمیر کے حق خود ارادیت کی مخالفت کرنے اور کشمیر کو بھارت کے دوسرے صوبوں مثلاً مدراس جیسی حیثیت دینے سے' یا یہ کہنے سے کہ اگر کشمیر چلا گیا تو مدراس بھی چلا جائے گا' بھارت کشمیر کو اپنا حصہ نہ بنا سکے گا بلکہ ممکن ہے مدراس کے ساتھ اس کا رابطہ کمزور ہو جائے۔ ایک بین الاقوامی معاہدے کو پورا کرنے سے بھارت کے استحکام کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ بلکہ اس معاہدے کی مخالفت کرنے سے بھارت کا شیرازہ بکھر سکتا ہے۔

بھارتی نمائندہ بھارتی استحکام کو خطرے کا خواہ کتنا ہی شور مچائے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہم بھارتی یونین کو پارہ پارہ دیکھنے کے خواہش مند نہیں۔ ہماری تو فقط یہ خواہش ہے کہ اقوام متحدہ کے چارٹر کا احترام کیا جائے' بین الاقوامی معاہدوں کو پورا کیا جائے اور بین الاقوامی جھگڑوں کو اصول اور قانون کے مطابق طے کیا جائے۔ ہم تو برصغیر پر آباد قوموں کے اصول مساوات کا عملی مظاہرہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم تو بھارت اور پاکستان کے مابین تعلقات میں اس جذبے کی بحالی کے متمنی ہیں۔ جس سے دونوں

ملکوں کی باہمی رنجش دور ہو جائے اور وہاں کے عوام دل و دماغ سے خوف و ہراس دور ہو جائے۔ قصہ مختصر' ہم بھارت کی وہ پالیسیاں ختم ہوتی دیکھنا چاہتے ہیں جو بین الاقوامی منظم زندگی کے اصولوں کے خلاف ہیں اور جن سے بھارت کا اخلاقی تارو پود ہی کمزور نہیں ہوتا بلکہ جو بھارت اور پاکستانی طاقتوں کے سرچشموں کو بھی خشک کر رہی ہے۔

نو آبادیاتی دور کے اختتام نے تاریخ میں ایک اہم باب کا اضافہ کیا ہے اور وہ باب یہ ہے کہ جب سامراجی طاقتیں باعزت طور پر اپنی آبادیوں کو خیرباد کہتی ہیں تو ایسا کرنے سے ان کی طاقت ختم نہیں ہوتی بلکہ بڑھتی ہے۔ وہ اخلاقی طور پر ہی نہیں بلکہ عزت کے لحاظ سے بھی نفع میں رہتی ہیں' ان کی قومی زندگی زیادہ مربوط ہی نہیں ہوتی بلکہ اقتصادی طور پر بھی انہیں فائدہ پہنچتا ہے۔ تسلط کی مخالفت کے باوجود تسلط قائم رکھنے سے جن لوگوں کی وفاداریاں کسی اور جگہ ہوں ان کی شخصیت کو مسخ کرنے سے ایک ملک اپنی قوت کے سرچشمے خشک کر لیتا ہے۔

بھارتی نمائندے نے مجھ پر الزام لگایا ہے کہ بھارت کی طرف سے کشمیری عوام پر دوبارہ تشدد کی صورت میں علمی امن کو نقصان پہنچانے کی دھمکی دی ہے۔ ہم نے کہا تھا کہ کشمیر میں صورت حال کو اقوام متحدہ کی زیر نگرانی لایا جائے۔ اگر کوئی قوم تشدد پر تلی ہو تو کیا وہ چاہے گی کہ کوئی صورت حال اقوام متحدہ کے کنٹرول میں لائی جائے؟

بھارتی نمائندے کا کہنا ہے کہ پاکستان امن کو تہ و بالا کرنے کے منصوبے بنا رہا ہے۔ اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پاک و ہند کی قراردادوں میں درج کشمیر میں امن کا منصوبہ امن سے انحراف نہیں ہے۔ ہماری طرف سے ان قراردادوں کی مسلسل پابندی کیا امن کو تہ و بالا کرنے کی تیاری ہے؟ مسئلہ کشمیر کے قطعی حل میں کون سی شے مانع ہے؟ ہمارا رویہ یا بھارت کا رویہ؟ ہم کشمیر کی صورت حال کی غیر جانبدارانہ تحقیق چاہتے ہیں۔ کیا یہ دھمکی ہے؟ ہم تعمیری' بامقصد اور پرخلوص گفت و شنید کے متمنی ہیں۔ کیا یہ دھمکی ہے؟ ہم ایسے صحیح حوالوں سے ثالثی کے خواہش مند ہیں جو گفت و شنید کو تحریک دیں اور اسے بامطلب اور پرامن بنائیں۔ کیا ایسا کرنے سے ہم امن کو نقصان پہنچانے کی دھمکی دیتے ہیں؟ ہم بعض نقطہ ہائے اختلاف کو ثالثی کے لئے پیش کرنے کو تیار ہیں۔ کیا یہ امن کو نقصان پہنچانے کی کوشش ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ مسئلے کو حل کرنے کے لئے اقوام متحدہ کا ہر ذریعہ استعمال کیا جائے۔ کیا یہ ہماری طرف سے جنگ کی دھمکی ہے۔ بھارتی تحققات کے حل میں نہیں' بھارت گفت و شنید پر تیار نہیں' بھارت ثالثی کا راستہ روکے ہوئے ہے۔ اس کے باوجود بھارت مسلسل یہ کہہ رہا ہے کہ اگر اقوام متحدہ یا اس کی کسی اعلیٰ شخصیت نے تنازعہ کشمیر کے حل کی کوشش کی تو اسے تیسرے فریق کی طرف سے مداخلت تصور کیا جائے گا۔ بین الاقوامی تنازعوں کے تصفیے سے متعلق اقوام متحدہ کے چارٹر کے پرامن ذرائع کی روگردانی کا آخری نتیجہ جنگ ہے۔ بھارت ان پرامن ذرائع سے منحرف ہو چکا ہے۔ کیا یہ جنگ کی ترغیب دینے کے مترادف نہیں؟

وہ ایک بھارتی نمائندہ ہی تھا جس نے ایک دوسرے حوالے سے بات کرتے ہوئے الزام لگایا تھا:

"ایک غیر ملکی طاقت مسلسل طور پر بین الاقوامی قانون اور اقوام متحدہ کے چارٹر کی خلاف ورزی کر رہی ہے اور جس نے بھارت کو دوسرے تمام دروازے بند کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔"

کیا بھارت تنازعہ کشمیر کے سلسلے میں یہی کچھ نہیں کر رہا؟ کیا وہ تنازعہ کے تصفیے کا ہر ذریعہ رد کر کے دوسرے تمام دروازے بند نہیں کر رہا؟ اس جھگڑے کو حل کرنے کے لئے سلامتی کونسل نے جو ترغیبی ذریعہ استعمال کیا ہے' بھارت کو اس پر بھی اعتراض ہے۔ اس رویے کا انجام کار کیا نتیجہ ہو گا؟ بھارت کے ساتھ ہماری مشکلات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بھارت کوئی رویہ اختیار کر کے بعض ایسے اقدام کرتا ہے جن کے نتائج بخوبی دیکھے جا سکتے ہیں لیکن بعد میں وہ ان نتائج کی ذمہ داری دوسروں پر ڈال دیتا ہے۔

بھارتی وزیر تعلیم نے اپنی تقریر کے آخری حصے میں یہ فراخ دلانہ پیش کش کی ہے کہ جب کبھی ماحول خوشگوار ہوا بھارت پاکستان کے ساتھ اپنے اختلافات زیر بحث لانا پسند کرے گا۔

یہاں ہمیں پھر پاکستان اور بھارت کے تعلقات میں بنیادی قباحت درپیش ہے۔ بھارت خوش گوار ماحول کا خواہش مند ہے لیکن اس نے خوشگوار ماحول پیدا کرنے کے ہر ذریعے کے راستے میں رکاوٹ پیدا کر رکھی ہے۔ اس مسئلے نے ہمیں پریشان کر رکھا ہے اور سلامتی کونسل کو اس پر تشویش کا اظہار کرنا چاہئے۔ خوشگوار ماحول سے بھارت کا کیا مطلب ہے؟ کیا خوشگوار ماحول پیدا کرنے کے لئے دونوں فریقوں کو مساعی کی ضرورت نہیں؟ کیا جھگڑے کے حل کے لئے پرخلوص اور تعمیری جدوجہد کی ضرورت نہیں؟ کیا اس مقصد کے لئے اقوام متحدہ کے چارٹر میں درج ذرائع کو بروئے کار لانا اہم نہیں؟ اور اس کا جواب نفی میں ہے تو پھر کیا ہم بھارت کے ساتھ بامقصد گفت و شنید کے لئے مسلسل عذاب میں سے گزرتے رہیں؟

گفت و شنید کے لئے ماحول کو خوشگوار بنانے کا مطلب تو یہی ہے کہ بھارت جھگڑے کو گھوڑے کے آگے باندھ رہا ہے۔ وہ جھگڑے کے تصفیے کے آغاز ہی کو ناممکن بنا رہا ہے۔

گزشتہ سترہ برس سے ہمارا تجربہ ہے کہ ہم اپنی طرف سے خوشگوار ماحول بنانے کی خواہ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں۔ ہماری ہر کوشش کو تنازعہ کشمیر کے تصفیے کی ست رفتاری ناکام بنا دیتی ہے۔ یہی 1950ء میں

ہوا یہی کچھ 1953ء اور 1954ء میں ہوا۔ یہی 1956ء میں بھی ہوا اور اسی چیز نے 1958ء سے 1961ء کے دوران بھارت اور پاکستان کے تعلقات کو بہتر بنانے کے سلسلے میں صدر پاکستان کی مساعی کو یک طرفہ مساعی بنا دیا۔ اب جب کہ جموں و کشمیر میں صورت حال بتدریج خراب ہو رہی ہے۔ تنازعہ کشمیر کے پرامن اور باعزت حل کی تدابیر سوچے بغیر خوشگوار ماحول پیدا کرنے کی توقع عیارانہ ہو گی۔

سلامتی کونسل کے اراکین کو یاد ہو گا کہ مختلف مواقع پر بھارتی نمائندوں نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ کرنے میں پاکستان کو کوئی قانون حق حاصل نہیں۔ لیکن اب بھارتی نمائندے نے ہمیں مطلع کیا ہے کہ اس مسئلے کے حل میں کشمیر کو بھی کوئی قانونی اختیار حاصل نہیں کیونکہ اس کے الفاظ کے مطابق کسی کشمیری رہنماء کو مسئلے پر کچھ نہیں کہنا چاہئے۔

اس سلسلے میں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ جب بھارت یہ کہتا کہ بھارت کے ساتھ کشمیر کا الحاق کشمیر کا داخلی آئینی مسئلہ ہے تو اصل میں اس کا مطلب ہے کہ سلامتی کونسل کو اس مسئلے پر بحث کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔ اس طرح بھارت ہم سب کو کشمیر کے سلسلے میں قانونی اختیارات سے محروم کر دیتا ہے۔ جموں و کشمیر کے قطعی فیصلے سے متعلق ایک بین الاقوامی معاہدہ موجود ہے۔ بھارت کے مطابق نہ تو پاکستان' نہ ہی کشمیر اور نہ ہی سلامتی کونسل کشمیر کے بارے میں بھارت سے بات چیت کے مجاز ہیں۔ فقط بھارت ہی کشمیر میں قانونی اختیار کا مالک ہے۔ کیا کوئی ملک کسی جھگڑے کے تصفیے میں اس سے زیادہ ہٹ دھرم ہو سکتا ہے؟

جہاں تک تنازعہ کشمیر کے مرکزی نکات یعنی حق خودارادیت' الحاق' استصواب' طوالت' وقت' اٹوٹ انگ' اور پرامن تصفیے کے لئے بات چیت کے متعلق شیخ عبداللہ کی آراء کا تعلق ہے' بھارتی نمائندے نے 1947ء سے 1949ء کے دوران جو کچھ کہا تھا فقط انہی بیانات کی کچھ اہمیت ہے۔

میں جانتا ہوں کہ بھارتی نمائندہ اپنے زمانہ وکالت میں "بھارتی شہادت ایکٹ" کو استعمال کرنے کا طویل تجربہ رکھتا ہے' لیکن کیا میں انہیں یاد دلا سکتا ہوں کہ ہم پاکستان یا بھارت کی کسی عدالت میں بحث نہیں کر رہے ہم سلامتی کونسل میں کشمیری عوام کے حق خودارادیت کو عملی لباس پہنانے پر بحث کر رہے ہیں۔ یہ ان کا انسانی اور سیاسی حق ہے اور اسے وہ اپنی اجتماعی مرضی سے آزادانہ طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں۔

چونکہ بھارتی نمائندہ بھارتی شہادت ایکٹ کے قوانین کا بہت دلدادہ ہے لہٰذا کیا میں انہیں یاد دلا سکتا ہوں کہ شیخ عبداللہ نے 1948ء اور 1949ء میں سلامتی کونسل کے سامنے اور 1952ء میں جو بیانات دیئے تھے وہ نام نہاد الحاق کی سودا بازی کا ایک حصہ نہ تھے۔ لہٰذا شہادت ایکٹ کے تحت وہ بیانات قابل قبول نہیں۔ دوسری طرف اگر الحاق کے بعد 1948ء' 1949ء اور 1952ء میں شیخ عبداللہ کے بیانات بھارتی نمائندے کے مطابق صورت حال پر بہت ہی زیادہ صحیح اترتے ہیں۔

اگر بھارتی نمائندے کے خیال میں شہادت کے قانون کا اس بین الاقوامی ادارے میں سختی سے اطلاق ہونا چاہئے' اگر جناب صدر کے بجائے بھارتی نمائندہ سلامتی کونسل کا جج بننا چاہتا ہے تو پھر وہ شیخ عبداللہ کو تنازعہ کشمیر کے مسئلے پر سلامتی کونسل میں اپنے خیالات کے اظہار کا موقع کیوں نہیں دیتا؟ میں کونسل سے دوبارہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ شیخ عبداللہ کو کونسل کے سامنے پیش ہونے کا موقع دے کر ان کے خیالات معلوم کرے۔

میں نے اپنے 5 مئی کے بیان میں شیخ عبداللہ کے وسیع حوالے دیئے تھے۔ ان حوالوں سے میں یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ ان بیانات کو کشمیر کے عوام کی وسیع حمایت حاصل ہے۔ کشمیری عوام کی طرف سے ان طرف سے ان بیانات کی حمایت اور ستائش کے سبب ہی کشمیر میں موجودہ صورت حال پیدا ہوئی ہے۔ دراصل یہ بیانات کشمیر کی موجودہ حال کا حقیقی عکس ہے۔ لہٰذا وہ سلامتی کونسل کے ریکارڈ کا ایک حصہ ہونے چاہئیں ان کا سامنا کرنے میں ناکام ہونے کے بعد بھارتی وزیر تعلیم نے دو دلیلوں سے ان کا اثر زائل کرنے کی کوشش کی ہے۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ کسی شخص کی آراء خواہ وہ کتنا ہی نمایاں حیثیت کا مالک کیوں نہ ہو وہ کسی علاقے کی حیثیت پر نہ تو اثر انداز ہو سکتی ہیں اور نہ ہی اسے بدل سکتی ہیں دوسری دلیل کا تعلق شیخ عبداللہ کے ان بیانات سے ہے جو انہوں نے 1947ء سے 1952ء کے دوران دیئے تھے۔ میں ان دونوں دلیلوں پر اظہار خیال کروں گا۔

جہاں تک پہلی دلیل کا تعلق ہے' یہاں اس کا اطلاق نہیں ہوتا شیخ عبداللہ نے کشمیری عوام کے حق خودارادیت کے بارے میں جو کچھ کہا ہے۔ وہ اس لئے اہم ہے کہ وہ فقط ایک فرد کی آواز نہیں بلکہ کشمیر کے پچاس لاکھ عوام کی متفقہ بازگشت ہے۔ علاوہ بریں ان کے بیانات اس لئے بھی اہم ہیں کہ وہ ایک ایسے شخص کے بیانات ہیں جس نے بھارت کے مطابق بھارت کے ساتھ مہاراجہ کے الحاق کی حمایت کی تھی۔ سلامتی کونسل کا ریکارڈ اس امر کی شہادت دے گا کہ جب بھارت پہلی مرتبہ 1947ء میں سلامتی کونسل میں آیا تو اس نے شیخ عبداللہ کو ایک ایسے رہنما کی حیثیت سے پیش کیا تھا جس نے بھارت سے مدد کی درخواست کی تھی اس صورت میں شیخ عبداللہ یقیناً اس قابل ہے کہ وہ اپنی اس درخواست کی شرائط اور مفروضات پر بہتر طور پر روشنی ڈال سکے۔ بھارتی نمائندے کے 7 مئی کے بیان میں بھی شیخ عبداللہ کی حیثیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

نمائندے نے کہا ہے۔ کہ "الحاق کے ساتھ کشمیری عوام کی منشا بھی شامل تھی جو کشمیر کی سب سے بڑی سیاسی جماعت کے لیڈر شیخ عبداللہ کے ذریعے ظاہر کی گئی تھی' تو پھر یقیناً اس منشا کی نوعیت اس شخص سے معلوم کرنا بہت ضروری ہے جس نے اس کا اظہار کیا تھا۔

جہاں تک 1947ء سے 1952ء کے دوران شیخ عبداللہ کے بیانات کا تعلق ہے' مجھے خوشی ہے کہ بھارتی وزیر انہیں دوبارہ سلامتی کونسل کے ریکارڈ میں لایا ہے۔ شیخ عبداللہ کے اس زمانے کے بیانات اور موجودہ کے بیانات کا موازنہ کرنے سے پتہ چلے گا کہ شیخ عبداللہ سے کئے گئے وعدوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بھارت نے مسلسل طور پر جموں و کشمیر پر جس طرح تسلط جما رکھا ہے۔ اس سے شیخ عبداللہ کو کس قدر مایوسی اور تکلیف ہوئی ہو گی۔ شیخ عبداللہ کے سابقہ بیان ان کے موجودہ موقف کو کمزور کرنے کے بجائے زیادہ محکم کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ موقف کسی حسد یا پہلے سے گھڑے گھڑائے خیالات پر مبنی نہیں بلکہ تجربات کا نتیجہ ہے۔

بھارتی نمائندہ نے اپنے بیان کے دوران شیخ عبداللہ کے 17 اپریل 1964ء کے بیان کا حوالہ دیا تھا۔ اس بیان میں بھی یہ ایک جملہ آتا ہے :-

یہ شیخ عبداللہ کا 17 اپریل 1964ء کا بیان ہے جس کا حوالہ بھارتی نمائندے نے دیا تھا۔ بھارتی وزیر نے یہ جملہ پڑھا اور کہا "یہ دوسری باتوں کے متعلق کہا گیا ہے" شیخ عبداللہ بھی گواہی دیں گے کہ یہ جملہ "دوسری باتوں" کے متعلق نہیں کہا گیا۔ یہ مسئلہ کشمیر ہی ہے جس سے متعلق وعدوں سے منحرف ہو گیا ہے۔

علاوہ بریں' شیخ عبداللہ کے بیان کا ایک اور پہلو بھی ہے جسے ذہن نشین کرنا ضروری ہے۔ اس کا ذکر خود شیخ عبداللہ نے کیا ہے۔ بھارتی اخبار "انڈین ایکسپریس" شمارہ 4 مئی کے مطابق شیخ عبداللہ سے پوچھا گیا کہ کیا یہ حقیقت نہیں کہ بھارت سے مہاراجہ کے الحاق کا ذمہ دار وہ خود تھا؟ سوال یہ تھا کہ وہ اپنے سابقہ بیانات اور موجودہ بیانات میں کس طرح مطابقت پیدا کر سکتا تھا۔ ان کا جواب تھا:-

"ہاں میں نے 1953ء سے پہلے بھارت کے ساتھ الحاق کی حمایت کی تھی۔ لیکن اس الحاق سے برصغیر میں امن قائم نہیں ہوا' جب اس سے برصغیر میں امن قائم نہیں ہو سکتا تو پھر اس کی کیا قدر و منزلت ہو سکتی ہے؟"

بھارتی نمائندے نے شیخ عبداللہ کی ایک حالیہ تقریر سے یہ تسلی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے کہ فقط استصواب ہی کشمیری عوام کی خواہشات معلوم کرنے کا واحد طریقہ نہیں۔ لیکن بھارتی نمائندے کی بدقسمتی ہے کہ شیخ عبداللہ نے اس بیان کی اب وضاحت پیش کر دی ہے اور اس وضاحت کی روشنی میں بھارتی نمائندے کی استصواب کے خلاف ہلکی سی مدد حاصل کرنے کی توقع بھی جاتی رہی ہے۔ "ہندوستان ٹائمز" شمارہ 7 مئی کے مطابق شیخ عبداللہ نے کہا کہ "انتخابات جھگڑے کا حل ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ غیر جانب دار' آزاد اور منظم طور پر ایک تیسرے فریق کی زیر نگرانی کرائے جائیں تاکہ کوئی بھارت پر انگلی نہ رکھ سکے۔"

اس نے مزید کہا کہ چونکہ کشمیر کے ساتھ بھارت کا مفاد وابستہ ہے۔ لہٰذا اسے انتخابات کے وقت کشمیر میں نہیں ہونا چاہئے اور یہ کہ انتخابات کا نتیجہ پاکستان کو بھی قبول کرنا ہو گا۔ ورنہ انتخابات سے کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ انہوں نے یہ کہا کہ انتخابات سے پہلے بھارت اور پاکستان کی افواج کشمیر سے نکل جائیں ورنہ موجودہ کشیدگی برقرار رہے گی۔

میرے خیال میں بھارتی نمائندے کو شیخ عبداللہ کے اس بیان پر کچھ نہ کچھ اظہار خیال کرنے چاہئے مسئلے کے حل کے لئے شیخ عبداللہ نے مندرجہ ذیل شرائط عائد کی ہیں۔ اول وہ آزاد اور غیر جانبدار ہوں' دوم' انہیں ایک غیر جانبدار فریق منظم کرے۔ سوم' انتخابات کو غیر جانبدار بنانے کے لئے بھارتی فوج کشمیر خالی کر دے چہارم' انتخابات کے نتائج پاکستان کو قابل قبول ہوں۔ پنجم' انتخابات سے پہلے بھارت اور پاکستان کی افواج کشمیر سے نکل جائیں کیا یہ فارمولا اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پاکستان پاک و ہند کی قراردادوں سے الگ کوئی چیز ہے؟ ان قراردادوں میں بھی یہی کچھ کہا گیا ہے کہ کشمیر میں انتخابات سے پہلے پاکستان و بھارت کی افواج وہاں سے نکل جائیں اور انتخابات کو غیر جانبدار' صحیح اور آزاد بنانے کے لئے انہیں اقوام متحدہ کی زیر نگرانی کرایا جائے۔

میں نے اپنے 17 مارچ کے بیان میں کہا تھا کہ اگر کوئی یہ خیال کرے کہ مسئلہ کشمیر 1948ء میں نہیں بلکہ اب پیدا ہوا ہے اور وہ اس مسئلے کا کوئی منصفانہ حل تلاش کرنے پر کمربستہ ہو جائے تو وہ انجام کار ایک نتیجے پر پہنچے گا۔ وہ نتیجہ یہ ہے کہ جموں و کشمیر کے عوام کیا چاہتے ہیں۔ میں نے مزید کہا تھا کہ اس نتیجے پر پہنچنے کے بعد وہ اقوام متحدہ کے کمیشن برائے پاک و ہند کی قراردادوں ہی کی طرف متوجہ ہو گا میرے بیان کی صداقت کا اندازہ ان شرائط سے ہوتا ہے جن کا شیخ عبداللہ نے کشمیری عوام کی خواہشات معلوم کرنے کے سلسلے میں اپنے بیان میں ذکر کیا تھا۔

بھارتی نمائندے نے ہر قسم کی دلیل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ شیخ عبداللہ کی رہائی نے ثابت کر دیا کہ بھارت میں جمہوریت اور آزادی کا دور دورہ ہے اور حکومت کو مکمل طور پر اعتماد ہے کہ جموں و کشمیر میں حالات معمول پر ہیں۔ بھارتی حکومت کے ترجمانوں کے ان گنت بیانات کی روشنی میں اس بیان کی پہلے ہی پیش گوئی کی جا چکی تھی۔ تمام ترجمانوں نے اسی امید کا اظہار کیا تھا کہ شیخ عبداللہ کی رہائی سے بھارت کے تمام بدنما داغ دھل جائیں گے اور سلامتی کونسل میں بھارت کا موقف مضبوط ہو جائے گا۔

لیکن بدقسمتی سے جیسا کہ میں نے اپنے آخری بیان میں کہا تھا' شیخ

عبداللہ کی رہائی بھارت کی طرف سے سخاوت کا کوئی کارنامہ نہیں ہے۔ میں نے اپنے آخری بیان میں لندن کے اخبار "اکانومسٹ" کا حوالہ دیا تھا۔ جس نے لکھا تھا کہ "شیخ عبداللہ کی رہائی بھارت کے ذہن میں آزاد خیالی کی کسی اچانک تیز لہر کا نتیجہ ہے۔ بھارت کا دل بالکل تبدیل نہیں ہوا اور سلامتی کونسل کے اراکین کے لئے یہ محسوس کرنے کا کوئی جواز نہیں کہ شیخ عبداللہ کو رہا کرنے سے بھارت نے پاکستان کے ساتھ مصالحت کرنے اور مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لئے بھی کوئی قدم بڑھایا ہے۔"

بھارتی نمائندے نے بھارت کے اس فعل کو ہمارے سامنے ایک چال کے طور پر پیش کیا ہے بھارتی وزیراعظم نے اسے ایک "جچا تلہ داؤ" کہا ہے جس سے کشمیر میں حالات کو معمول کر مطابق ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے شیخ عبداللہ کی رہائی کے وقت انہیں امید تھی کہ شیخ عبداللہ کے "دماغ سے بخار اتر جائے گا" اور جموں و کشمیر کی صورت حال ٹھنڈی پڑ جائے گی لیکن واقعات نے ان کی یہ امید جھوٹی ثابت کر دی ہے میں نے اپنی آخری تقریر میں کشمیر کے اندر بعض نئے حالات کا ذکر کیا تھا۔ بھارتی نمائندے نے میرے اس بیان کی بڑی شدت سے مخالفت کی تھی کہ گزشتہ ہفتے جموں و کشمیر کے بعض قصبوں میں کرفیو نافذ کیا گیا تھا۔ میں اس یقین دلاتا ہوں کہ میرے بیان کی بنیاد میرے ذرائع نہیں بلکہ بھارتی اخبارات ہی تھے دہلی کے اخبار "سٹیٹس مین" کے 9 مئی کے شمارے کے مطابق گزشتہ جمعہ کو سری نگر میں ایک مظاہرہ ہوا جس میں "فوری طور پر استصواب کرایا جائے" کا نعرہ بلند کیا گیا۔

بھارتی نمائندے نے دلیل دی ہے "ہاں مظاہرے ہوتے ہیں' تو پھر کیا ہوا؟" جواب یہ ہے کہ یہ مظاہرے بھارتی حکومت کی کسی خاص پالیسی سے بیزاری کی علامت نہیں' یہ مظاہرے انتظامیہ کے کسی شعبے کے خلاف احتجاج نہیں بلکہ وہ ریاست پر بھارتی تسلط کے خلاف ایک بغاوت ہیں بھارتی نمائندے نے ہمیں بتایا ہے کہ ہر جمہوری ملک میں مظاہرے ہوتے ہیں۔ اگر مظاہرے کسی خاص بات یا کسی خاص پالیسی کے خلاف احتجاج ہوں تو وہ عام اور حسب معمول نوعیت کے ہوتے ہیں لیکن جب مظاہرے کسی متنازعہ علاقے کے عوام کی طرف سے اپنے اوپر تشدد کے ذریعے حکمرانی کے خلاف ہوں اور وہ استصواب کے ذریعے اپنی حیثیت کا فیصلہ کرنے کا مطالبہ کریں تو پھر وہ بغاوت کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں؟

دراصل بھارتی استدلال کے پس پردہ ان کے کہنے کا نکتہ یہ ہے کہ جموں و کشمیر کی بغاوت غیر مسلح ہے اور اگر یہ جاری رہی تو اسے دبانے کے لئے بھارت کے پاس جموں و کشمیر میں فوج کی ایک بڑی تعداد موجود ہے بھارتی نمائندے نے یہاں جس اعتماد کا اظہار کیا ہے اس کی بنیاد بھی یہی ہے لیکن یہ نکتہ موجودہ آتش گیر صورت حال کو بھڑکانے کے سوا اور کیا کر سکتا ہے دراصل جب بھارت اپنی فوجی قوت پر بھروسہ کرتا ہے کہ جموں و کشمیر میں باغی قوتوں کو دبانے کے لئے موثر مزاحمت کے سوا اور کچھ ضروری نہیں۔

کشمیر میں بغاوت سے متعلق میرے بیانات کا جواب دیتے ہوئے بھارتی نمائندے نے اپنی دلیل کی حمایت میں کہا تھا کہ جموں و کشمیر کے تمام فرقوں میں مکمل اعتماد پایا جاتا ہے۔ یہ حیرت انگیز جواب ہے' یہ دلیل دینے سے پتا چلتا ہے کہ بھارتی نمائندہ منطق کی کون کون سی تنگ نائے میں پھنس کر رہ گیا ہے اگر جموں و کشمیر میں ہندو اور مسلمان امن کے ساتھ رہتے ہیں تو یہ مقام شکر ہے۔ لیکن کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ ریاست پر بھارتی تسلط کے خلاف نہیں؟ کشمیری عوام کا اپنی کے مطابق اپنے مستقبل کا فیصلہ خود کرنے کا مطالبہ' بین المذہبی اتحاد سے کیا تعلق رکھتا ہے؟

علاوہ بریں کشمیری عوام کے مطالبے کا فقط اظہار ہی نہیں بلکہ اس کی تکمیل کشمیر میں امن قائم کر سکتی ہے۔ کشمیری عوام کو کئی برس تک تشدد کے ذریعے دبانے کے بعد اب بھارتی حکومت محسوس کرنے لگی ہے کہ صرف تشدد سے کام نہیں چلے گا لہاذ اب وہ دوسرے ہتھکنڈے استعمال کرنے پر اتر آئی ہے۔ اس نے عوام کا مطالبہ پورا کرنے کے لئے کچھ نہیں کیا۔ جب تک وہ ایسا نہیں کرے گا جمہوریت اور آزادی کی نمائش بے بنیاد ہی نہیں بلکہ جموں و کشمیر کے عوام کی متحدہ آواز کے مقابلے میں غیر ضروری بھی ہے۔

بھارتی نمائندے نے پاکستان اور بھارت کے اختلافاتی نقطہ نظر کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ میں انہیں بتاتا ہوں کہ ایسا کرنے سے وہ اپنے ملک کی عزت میں کوئی قابل اقدر اضافہ نہیں کر سکتے ہم پاکستانیوں میں یقیناً خامیاں ہیں مجھے یقین ہے کہ معاشی اور تعلیمی ترقی کی بدولت ہم ان پر غلبہ پالیں گے۔

ہمیں بھارتی نمائندے کے بیان سے اس حقیقت کا پتا چلتا ہے کہ بھارتی ذہنیت دغا بازی کی ایک کثیف تہہ ہے جس کے اندر جھانکنا ممکن نہیں۔ یہ ذہنیت قومی خود فریبی اور دوسرے کی نسبت اپنے رویئے کو بہتر ظاہر کرنے کے احساس میں اس قدر ملفوف ہے کہ اگر ہم پاکستانی اپنے ہمسائے سے بہتر تعلقات کے سلسلے میں مایوس ہو جاتے ہیں تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کی زمین پر فسطائیت قدم جما رہی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کی جمہوریت تاحال نیم پختہ ہے کیونکہ ابھی تک اس کی بنیاد برداشت کی عادت پر نہیں' وہ ابھی تک کونسل میں اپنے معاشرے کی اعلیٰ قدروں کے گن گاتے ہوئے آتے ہیں۔

ہم ایک بہتر معاشرے کی بنیاد پر کشمیر کا دعویٰ نہیں کرتے اقوام متحدہ اس لئے درمیان میں نہیں آئی کہ وہ بہتر کارکردگی پر بھارت یا پاکستان

کو کشمیر بطور تحفہ پیش کرے۔ ہم جو کچھ بھی ہیں' بھارت جو کچھ بھی ہے اس سے قطع نظر کشمیریوں سے پوچھا جائے کہ وہ کس کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں؟ بھارت پاکستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کی منطقی طور پر خواہ کتنی ہی مخالفت کرے لیکن یہ منطق استصواب کے وقت کشمیریوں کو بتائی جائے اور انہیں فیصلہ کرنے کا حق دیا جائے۔ اگر بھارت جمہوریت پر یقین رکھتا ہے تو اسے چیلنج قبول کر لینا چاہئے۔

سلامتی کونسل کے اراکین نے دیکھا ہو گا کہ میں نے اپنے 5/ مئی کے بیان کے اختتام پر امن کی جو درخواست کی تھی بھارتی وزیر تعلیم نے اس کا ردعمل کس طرح ظاہر کیا تھا۔ جب میں نے بھارت سے درخواست کی کہ ہماری تلخی کہیں تو ختم ہونی چاہئے تو میں نے یہ الفاظ خلوص دل سے کہے تھے بھارتی نمائندے نے میری درخواست کا تمسخر اڑایا تھا لیکن میں انہیں مطلع کر دینا چاہتا ہوں کہ ان کے اس رویے سے میں اپنی درخواست واپس نہیں لوں گا۔ میں ایک بار پھر پاکستانی عوام کا پیغام بھارتی عوام کو دیتا ہوں کہ حالات کو بہتر بنانا ہمارے اپنے اختیار میں ہے جادو کی کسی چھڑی سے نہیں بلکہ جامع طریق ہائے عمل سے جو بین الاقوامی جھگڑوں کو حل کرنے کا واحد راستہ ہے۔

اپنے تنازعات کے تصفیے کے لئے ہم بھارت پر یہ شرط عائد نہیں کرتے کہ وہ اپنے ذات پات کے نظام سے نجات حاصل کر لے۔ ہم یہ شرط عائد نہیں کرتے کہ بھارت اپنی ساری دیومالا اور فلسفے کو ترک کر کے اپنی ساری ثقافت کا حلیہ تبدیل کرے۔ بھارت جس حالت میں ہے ہم اسے قبول کرنے کا تیار ہیں۔

ممکن ہے ہم مذہب پرست دقیانوسی اور پسماندہ ہوں لیکن ہم دونوں ملکوں کے درمیان استدلالی تعلقات قائم کرنے کے لئے وہ ذرائع پیش کرنے کا تیار ہیں جو نمایاں طور پر لامذہبی اور جدید ہیں لامذہبیت اور جدیدیت کے ان مظاہر کا کیا فائدہ اگر کوئی ثالثی اور مصالحتی اداروں سے دور بھاگتا ہو حالانکہ یہ ادارے بین الاقوامی زندگی کو باقاعدہ بنانے کے جدید اور لادینی طریقے ہیں۔ بھارتی نمائندے کو اس نکتے پر غور کرنا چاہئے اور یہ نہ سوچنا چاہئے کہ یہ نکتہ میں نے اٹھایا ہے۔

مسلم کانفرس کے اجلاس سے چوہدری غلام عباس کا خطاب

"اس اجلاس کی سب سے بڑی غرض و غایت یہ ہے کہ جماعت کے مردہ جسم میں جان ڈالی جائے' اسے اپنے پاؤں پر کھڑا کیا جائے۔ اور پھر اس میں یقین محکم اور عمل پیہم کا رنگ بھر دیا جائے یاد رکھئے کہ اگر آپ اس جماعت کو اپنی سابقہ سطح اور روایات پر زندہ رکھ سکے تو آپ کے

تمام قومی مسائل راہ پر آ جائیں گے مندوبین کا یہ بھرپور اجتماع اس بات کی دلیل ہے کہ کشمیری عوام کو کسی کا ڈر نہیں....... کوئی خوف نہیں.. .... وہ کشمیر کی آزادی اور بھارت سے نجات چاہتے ہیں....... جس قوم کے عزم و حوصلہ کا یہ عالم ہو اسے کون فنا کر سکتا ہے...... کون دبا سکتا ہے"۔

"کشمیر سے آنے والے مہاجرین کو سلام کرتا ہوں' خدا ان کی قربانیوں کا بدلہ دے۔ ان بھائیوں سے مجھے یہ کہنا ہے کہ آپ مہاجر بنے ہیں تاوقتیکہ مسئلہ کشمیر حل نہ ہو۔ آپ کا واپس جانا بظاہر محال ہے۔ جب تک آپ بحیثیت مہاجر یہاں مقیم ہیں...... گھبرانا نہیں...... صبر و تحمل سے کام لینا ہے اس سے ایک تو آپ مایوس نہیں ہوں گے۔ دوسرے حکومت کو موقع ملے گا کہ وہ دلجمعی کے ساتھ آپ کے مسائل کی جانب توجہ دے سکے مہاجرین کا مسئلہ کسی طور پر سیاسی نہیں بلکہ انسانی مسئلہ ہے۔ انہیں یہاں کی لوکل سیاست میں ملوث کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کی آبادکاری کے لئے فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صدر پاکستان اور وزیر امور کشمیر سے بات کروں گا۔"

"ایکٹ 1964ء کو سیاست میں سدھ بدھ رکھنے والا ایک اڑھ اور مبتدی آدمی بھی پڑھے تو یہ کہے بغیر نہیں رہے گا کہ یہ ایک ظالمانہ ایکٹ ہے۔ جس سے جمہوریت کا سراسر خون ہوتا ہے اسے جہاں تک جلد ممکن ہو سکے منسوخ کرنا چاہئے۔"

"آزاد کشمیر میں مسلم کانفرنس کا اقتدار ختم کر کے بنیادی جمہوریتوں کا نظام نافذ کیا گیا.......... مسلم کانفرنس نے کوئی ایسی حرکت نہ کی جس سے پاکستان کو بین الاقوامی سطح پر نقصان پہنچے اور نہ ہی اس ایکٹ کے خلاف کوئی وسیع پروپیگنڈا کیا........ اگر کرتے تو یہ سب کچھ ہمارے خلاف ہوتا....... اپنا ہی منہ کالا کرتے۔"

"بی ڈی نظام اور پھر ایکٹ 1964ء پر جتنا بھی غور کیا جائے باہمی شرمساری کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہو گا۔ اگر آپ ہمیں وہ جمہوریت نہیں دے رہے جس کا تصور ہمارے ذہن میں تھا تو کم از کم ایسا نظام تو دیجئے جو پاکستان میں نافذ ہو........ میں صدر ایوب سے براہ راست کہوں گا کہ وہ اپنی حکومت کو ہدایت کریں کہ وہ اپنے تیور درست کرے...... بابا...... نہ جانے یہ بات آپ کے ذہن میں کیوں بٹھا دی گئی ہے کہ مسلم کانفرنس آپ کی دشمن ہے۔ ہم نے پاکستان کا صدر نہیں بننا۔..... .. نہ ہی ہمارے مفادات ٹکراتے ہیں....... نہ ہی پاکستان کی اندرونی سیاست میں دلچسپی رکھتے ہیں........ نہ ہی ہمیں آپ سے کوئی کدورت ہے۔ ہمارا ایک ہی کام ہے........ کشمیر کی آزادی....... غلام کشمیر کو بھارت کے پنجے سے چھڑانا اور پھر سارے کا سارا جموں و کشمیر رائے شماری کے ذریعے پاکستان میں شامل کرنا"۔

"صدر ایوب سپاہی پہلے اور سیاست دان بعد میں ہیں۔ پہلے سیاستدان نوکر شاہی کی شرارتیں بھانپ جاتے تھے لیکن بدقسمتی سے یہ بھانپ نہیں سکتے........ بہر حال آپ اپنا کام کرتے جائیں، ہم اپنا کام کرتے جائیں گے۔ انصاف کی ترازو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔"

"کارکنوں کے اتحاد، یک جہتی اور تعاون سے مشکلات ختم ہو سکتی ہیں....... آج آپ نے صمیم قلب سے یہ عہد کرنا ہے کہ آپ نے ذاتی رنجشیں ختم کر دی ہیں۔ ایک دوسرے کے دل میں کدورت ہے اس سے دلوں کو پاک کر دیجئے اور کبیدہ خاطری کا نام و نشان مٹا دیئے۔ فروعی اختلافات کو مٹا دیجئے"۔

"ساری دنیا نے پاکستان کی بہادر فوجوں کو لوہا مان لیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ سترہ دن کی جنگ میں ہماری فوجوں نے جس قلندرانہ اور مومنانہ جذبہ اور کردار کا مظاہرہ کیا ہے اس کی بدولت پاکستان دنیا کے نقشہ پر ایک نئے انداز سے ابھرا ہے"۔

"شہری آبادیوں نے جس عزم و استقلال، حب الوطنی اور ایثار کا ثبوت دیا ہے یہ بھی اپنی نظیر آپ ہے۔ میں پاکستان کی فوجوں کو سیلوٹ کرتا ہوں۔ گرم جنگ میں آپ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے لیکن افسوس کہ سرد جنگ میں ہم نے لیاقت مرحوم سے لے کر آج تک مات کھائی۔"

"ساری قوم میں روح کو بالیدگی عطا کرنے والا جوش و خروش موجود تھا کہ یکایک اوپر سے تاشقند کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ صدر مملکت اور ان کی ٹیم تاشقند گئی۔ اس میں جو بنیادی لغزش ہوئی وہ خوش فہمی تھی۔ آخری وقت تک پاکستانی ڈیلیگیشن کی طرف سے بیان آتے رہے کہ بات چیت پروان نہیں چڑھی، جنگ بندی کا معاہدہ خارج از بحث ہے تا وقتیکہ مسئلہ کشمیر حل نہ ہو۔ ان اعلانات نے ساری قوم کو حسین تصورات اور خوش فہمی میں مبتلا رکھا...... جب اعلان سامنے آیا تو وہ حوصلہ شکن تھا۔ میں نے صدر ایوب کو مفصل خط لکھا جس میں آپ کے اور اپنے خیالات کا برملا اظہار کیا اور اس سلسلہ میں اخباری بیان بھی جاری کیا۔ ساری فوجیں سرحدوں پر واپس نہیں آنی چاہئے تھیں۔ فوجوں کے ہٹنے سے صورت حال بالکل مختلف ہو گئی۔ اصل روح فوجوں کی واپسی کے ساتھ ہی ختم ہو گئی۔ اب بات یہ ہے کہ اس مسئلہ کا حل کیا ہے۔ ہمیں حقیقت بنی، حقیقت شناسی اور حقیقت پسندی کو اپنا ماٹو بنانا ہو گا۔ حکومت پاکستان کے زعماء عمل کرنے کے بعد سوچتے رہے ہیں...... .... تاشقند میں بھی یہی کچھ ہوا۔"

"جب تک ایک کشمیری اس طرف یا اس طرف زندہ ہے کشمیر کا مسئلہ مر نہیں سکتا......... اور وہ حل ہو کر رہے گا......... کشمیری عوام اس طرف ہوں یا اس طرف کبھی اور کسی معاہدے میں فریق نہیں بنے۔ کشمیر کا مسئلہ ہمارا اپنا مسئلہ ہے اور دیر یا سویر ہم خود ہی اسے حل کریں گے۔

مارا زمانے نے اسد اللہ خان تمہیں
وہ ولولے کہاں وہ جوانی کدھر گئی

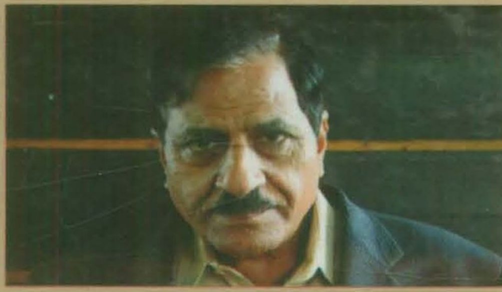
جوانی دیکھی نہیں۔ رہے ولولے تو مسئلہ کشمیر اور پاکستان کی دوست حکومتوں کے حسن سلوک نے ختم کر دیئے لیکن آگ ابھی بجھی نہیں، نہ میری، نہ آپ کی۔ یہ آگ نہیں بجھ سکتی جب تک کہ مسئلہ کشمیر حق خود ارادیت کی بنیاد پر حل نہیں ہو جاتا۔"

"اس وقت صورت حال ایسی ہو گئی ہے کہ اب پاکستان نمبر ایک ہے اور کشمیر بعد میں آتا ہے......... اور یہ کہنے سے کسی دوست کو چڑنا نہیں ہو گا، کیونکہ اگر پاکستان زندہ ہے تو کشمیر بھی زندہ ہے۔ خدانخواستہ اگر پاکستان فلیٹ ہوجائے تو سوچئے کشمیر کہاں گیا۔"

"مسئلہ کشمیر زندہ رکھنے کے لئے اپنے آپ کو مضبوط رکھیں صفوں میں اتحاد قائم رکھیں۔ اور نصب العین پر مکمل یقین رکھیں....... میں جاسن اور کو بجین کا پابند نہیں۔ کشمیری کسی مسئلہ میں فریق نہیں اور کسی کے پابند نہیں۔ کو بجین یورپ اور امریکہ گٹھ جوڑ کرے جب بھی خدا کے فضل سے اب پاکستان پر کوئی حملہ نہیں کر سکتا۔...... اگر کوئی ایسا کرے گا تو چین سب سے پہلے ہماری مدد کو آئے گا۔....... جیسا کہ حالیہ جنگ میں چین کی اخلاقی و سیاسی امداد حاصل رہی...... امریکہ کو ہماری تکلیف کا کوئی احساس نہیں۔ میں حکومت پاکستان کی بیوروکریسی سے کہتا ہوں کہ اب تک جو کچھ ہوا ہے اسے رفت و گذشت کیجئے، اور آئندہ چین کو مایوس ہونے کا موقع نہ دیں......... اگر اس سے پہلے کوئی سہو ہوئی ہو تو تلافی مافات کرنی چاہئے کیونکہ چین نے نازک وقت میں ہماری بڑی امداد کی ہے۔ میری دعا ہے کہ چین اپ کے ساتھ رہے وہ ہمارا عظیم ہمسایہ ہے۔"

"میں حکومت پاکستان، پاکستانی عوام اور سیاسی جماعتوں کا شکرگذار ہوں کہ جنگ کے دوران ان عناصر نے کشمیری عوام کی بے حد مدد کی۔"

"آپ وعدہ کریں کہ مسلم کانفرس کا منظم اور فعال جماعت بنانے اور تحریک آزادی کشمیر کو زندہ رکھنے کے لئے آپ مجاہد اول کا ساتھ دیں گے۔ یہ آپ کی اور میری آخری ملاقات ہے۔ خدا اپ کا حامی و ناصر ہو۔"



احمد سلیم 26 جنوری 1945ء کو موضع میانہ گوندل، تحصیل ملکوال، ضلع منڈی بہاؤالدین میں پیدا ہوئے۔ کراچی یونیورسٹی سے فلسفہ میں ایم اے کی ڈگری گولڈ میڈل کے اعزاز کے ساتھ حاصل کی۔ عملی زندگی کا آغاز بینکنگ سے کیا۔ بعدازاں مختلف تعلیمی اداروں (شاہ حسین کالج لاہور، سندھ یونیورسٹی اور کراچی یونیورسٹی) میں درس وتدریس سے وابستہ رہے، عملی زندگی کے اس سفر میں انہوں نے ایک طویل عرصے تک صحافت کے شعبے میں بھی گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

احمد سلیم، پاکستان کی ترقی پسند سیاست سے بے باکی، جرأت، نظریات پسندی اور اصول پرستی کے ساتھ وابستہ رہے۔ سیاسی جدوجہد کے دوران وہ نیشنل عوامی پارٹی (نیپ) اور کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان میں رکن کی حیثیت سے سرکردہ کردار ادا کرتے رہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پاکستان میں ترقی پسند نظریات کی عملی سیاسی جدوجہد کرنے والوں پر سخت پہرے تھے۔ احمد سلیم نے محنت کشوں اور محکوم طبقات کے لئے ان جماعتوں کے پلیٹ فارمز سے شاندار جدوجہد کی۔ اس بنا پر وہ ایوب خان، یحییٰ خان اور جنرل ضیاء الحق کی فوجی آمریتوں میں پابند سلاسل کئے گئے حتیٰ کہ ذوالفقار علی بھٹو کے جمہوری دور میں بھی انہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے جانا پڑا۔ احمد سلیم، مغربی پاکستان میں ان چند ایک ترقی پسند کارکنوں میں سرفہرست تھے جنہوں نے سڑکوں پر آ کر مشرقی پاکستان میں فوجی آپریشن کی مخالفت کی اور اپنی آواز مشرقی پاکستان پر ڈھائے جانے والے ظلم کے خلاف بلند کی اور پھر اسی جرم کی پاداش میں انہیں پابند سلاسل کیا گیا اور کوڑوں اور جرمانے کی سزا صادر کی گئی۔

احمد سلیم، پاکستان میں سیاسی، ادبی، سماجی اور ثقافتی موضوعات پر تحقیق کے حوالے سے منفرد شناخت رکھتے ہیں۔ پچھلی دو دہائیوں سے انہوں نے تحقیق و تصنیف کے شعبے میں اثرانگیز کام کیا ہے اور اس طرح سو سے زائد کتب کی اشاعت کا سہرا ان کے سر ہے، جب کہ ان کی طبع زاد کتابوں کی تعداد پچاس کے قریب ہے۔ تحقیق وتصنیف کے اس سفر میں انہوں نے ٹیلی ویژن کے سیریلز اور طویل دورانیے کے کھیل بھی لکھے، جن میں "دشمن"، "اماوس"، "سلمیٰ پاگل ہے" اور "کالا پُل" قابل ذکر ہیں۔

2011ء میں حکومت پاکستان نے ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انہیں صدارتی تمغہ برائے حسن کارکردگی سے نوازا۔ احمد سلیم نے تمام عمر پاکستان میں عوامی حقوق کی آواز بلند کی۔ ایسے میں وہ ہمیشہ پسے ہوئے طبقات کے ساتھ شانہ بہ شانہ کھڑے نظر آئے۔ 2013ء میں ری پبلک آف بنگلہ دیش نے انہیں فرینڈز آف بنگلہ دیش کا سول ایوارڈ عطا کیا۔ 2016ء میں انہیں ہندوستان سے روی میموریل ٹرسٹ پٹیالہ کی طرف سے پنجابی ادب پر لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ دیا گیا جبکہ حال ہی میں 26 جولائی 2017ء کو انہیں بنگلہ دیش سے انتہائی ممتاز شخصیت کے نام پر جہاں آرا میموریل ایوارڈ دیا گیا ہے۔ انہیں پنجابی ادب کے حوالے سے مسعود کھدر پوش لائف اچیومنٹ ایوارڈ اور پالیسی ادارہ برائے پائیدار ترقی (SDPI) کی طرف سے بھی جس سے وہ گزشتہ بیس برس سے وابستہ ہیں، تعلیم اور مذہبی تنوع پر اعلیٰ کارکردگی کے لئے لائف اچیومنٹ ایوارڈ مل چکا ہے۔

احمد سلیم تین زبانوں پنجابی، اردو اور انگریزی میں لکھتے ہیں اور پنجابی شاعری کی پہچان پر فخر کرتے ہیں۔ آج کل وہ "سنگِ میل پبلیکیشنز" کے لئے اپنی متعدد زیر تکمیل کتابوں پر کام کر رہے ہیں۔



37۔مزنگ روڈ، لاہور، پاکستان
فون: 0300 9426395 -042-37239138
info@darulshaour.com
www.darulshaour.com
Darulshaour